سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

موت کے سوداگر

PDFBOOKSFREE.PK

حصہ
22

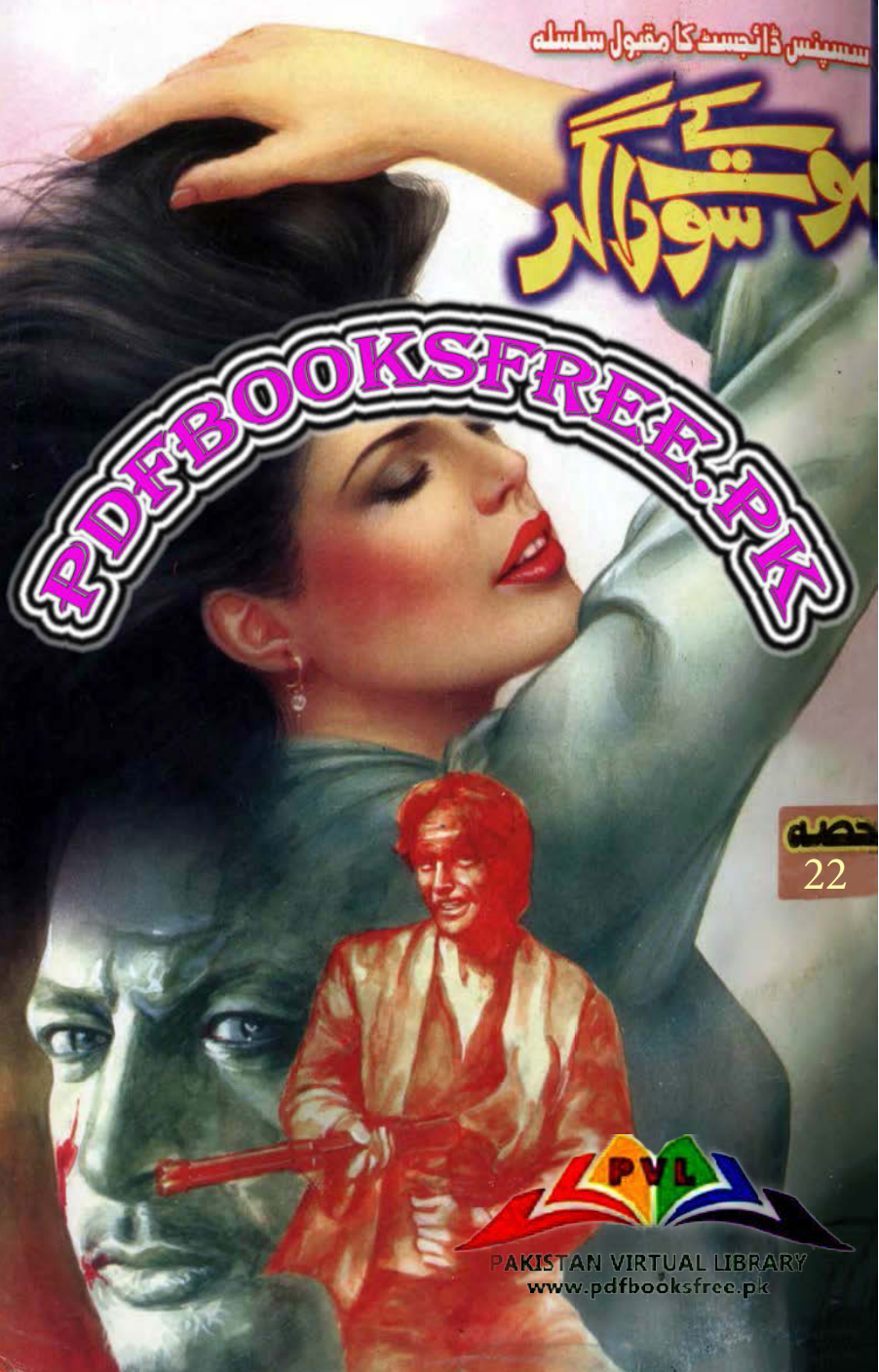

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والا دلچسپ ترین سلسلہ

مدہوشوں کی کہانی، ہوش مندوں کے لئے

ایک نوجوان کی خود نوشت جو اپنوں کے ہاتھوں برباد ہو کر منزل کا نشان کھو بیٹھا تھا۔ ان نوجوانوں کی داستان عبرت جن کی پرورش رشوت کے مال سے ہوئی تھی۔ ان زر پرستوں کا احوال جنہیں سونے چاندی کی خیرہ کن چمک نے بینائی سے محروم کر دیا تھا۔ موت کے ان سوداگروں کا ماجرا جو اپنے بچوں کو اپنے ہی ہاتھوں زہر پلا رہے ہیں۔

مقبول ترین کہانی کار اقلیم علیم کے قلم سے

موت کے سوداگر

بائیسواں حصہ

ترتیب و پیشکش: سعید خان

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس نمبر 23 رمضان چیمبرز بلوریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200

فون: 2628517 فیکس: 2637960

15-10-98

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کا ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو سکاؤ میں ڈون کو اغ نوٹ نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئرک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر فی کے بے اندازہ مال و وسائل پر قابض ہو کر انیس ڈیوڈ اسٹار زلیا صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئرک بیل اس ملک کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی اپنی شخصیات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اور برائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی، اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا، اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی ہی میں ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا، جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خود کشی کر لی۔ اس کی خود کشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی اودبا چانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کردار ھرنا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقیم پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار یوپ رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرا لیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیاچھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر مشکل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی، کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مارونی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں زیلک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ اتل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے، ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "ہیومن سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کردار ھرنا جہانگیر کا ماموں سسر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس ایس ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کر دیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں، میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ ہم کے مشورے کے مطابق تینوں دو مختلف ہوٹلوں میں رہائش پذیر ہو گئے۔ پولیس رپورٹ سے مستثنیٰ ویزے کے باوجود مقامی پولیس نے ہم سے ہوٹل میں رابطہ کر کے پوچھ گچھ کی۔ ویرا کو پولیس ہیڈ کوارٹر بلایا گیا مگر بمبئی کے مشہور گروہ بند داؤد جٹ کے دہلی میں موجود دست راست نخشب کی مدد سے اسے فوری خلاصی مل گئی۔ کراچی میں ویرا کی جانب سے دی گئی دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر جان اسمتھ بھی وہاں سے بھاگ کر بھارت پہنچ چکا تھا۔ اب ہمیں اتل بسواس اور جان اسمتھ دونوں سے نمٹنا تھا۔ جلال کے آدمیوں نے بتایا کہ وہ لوگ گذشتہ دو ماہ سے گرین کوبرا نامی فائل کی جستجو میں ہیں مذکورہ فائل میں پاکستان کے خلاف کسی گھناؤنے منصوبے کو پروان چڑھایا جا رہا تھا۔ ہماری موجودگی کے دوران میں پاکستان سفارت خانے کے تین اہل کاروں کو زیلک مارنے میں ہلاک کر دیا گیا اس طرح انہوں نے جوگیندر پال کا حساب برابر کرنے کی کوشش کی تھی۔ راولپنڈی والوں کو ہماری بھارت میں موجودگی کی سن گن مل چکی تھی اور ہمیں بہت محتاط ہونا پڑا۔ میں اتل بسواس تک پہنچنے کی فکر میں تھا کہ ایک بھارتی خوب رو دوشیزہ رینا میرے قریب آگئی۔ میں اس کے ساتھ اس کے کمرے میں تنہا تھا اور وہ شراب کے نشے میں ناری تھی کہ اتل بسواس اس کا انکل تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

رینا بلاشبہ بہت پرکشش لڑکی تھی۔ اس کی گوری رنگت، دلکش خدوخال اور نازک سے بدن نے بال روم میں موجود بہت سے لوگوں کی توجہ مبذول کرا لی تھی۔ اس پر اس کا فیشن زدہ اور مشرقی معیار کے مطابق ناکافی لباس سونے پر سہاگے کا کام کر رہا تھا۔ وہ کوائف اس وقت کے تھے جب وہ متجسس نظروں سے پورے بال روم کا جائزہ لیتی ہوئی، خراماں خراماں میری میز کی طرف آئی تھی۔

اپنے کمرے میں موجود شاہانہ بستر پر بے پروایانہ انداز میں گرنے تک رینا میں خاصی تبدیلیاں آچکی تھیں۔ بلیک لیبل کے تین معیاری پیگ سے زیادہ اسکاچ اس کے معدے میں اترنے کے بعد اس کی ہرنی جیسی آنکھوں میں اپنے سرخ ڈورے دکھا رہی تھی۔ اس نے مضبوطی سے میرا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ اس کے گداز ہاتھ کے لمس اور جسمانی قرب کی وجہ سے میرے ذہن پر ہلکی سی کہر چھانے لگی تھی۔

اس وقت تک کم از کم ایک معاملے میں رینا کے عزائم واضح ہو چکے تھے۔ اس کے تیزی سے بنتے ہوئے جال سے خود کو بچائے رکھنے کے لیے میں اس کے دعوت انگیز وجود سے نظریں چرا رہا تھا لیکن جب اس نے میرے سوال کے جواب میں اتل بسواس کا نام لیا تو میں اپنی بے ساختہ حیرت پر قابو نہ پا سکا بے اختیار میری نظریں اس کے حسین چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

رینا نے میرے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھا کر مجھے بائیں آنکھ ماری اور مسکراتے ہوئے بولی "تم نے اپنی نرمی اور شرافت سے میرا دل جیت لیا ہے۔ تمہاری جگہ اشوک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتا تو نشے میں دھت ہوتا اور کمرے کا دروازہ بند کرتے ہی کسی درندے کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑتا..... تم دھیمے مزاج کے مالک ہو مگر تمہارا چہرہ چغلی کھا رہا ہے کہ اس وقت تم اندر ہی اندر سلگ رہے ہو۔"

وہ بہکی نہیں تھی لیکن نشے میں ضرور تھی۔ جب نگاہیں خمار سے بوجھل ہو جائیں اور زبان پر لکنت طاری ہونے لگے' الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوں تو ذہن نشے کی گرفت میں آچکا ہوتا ہے۔ نشے کی رو میں رینا کا ذہن بس اسی سمت میں چل رہا تھا جدھر وہ سوچ رہی تھی۔ اسے یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ میری کیفیت میں تبدیلی اس کے ہوش ربا قرب کی وجہ سے نہیں آئی تھی بلکہ اس کے انکل کے نام نے اپنے کانوں پر سے میرا اعتبار اٹھا دیا تھا۔

"تم بہت اچھی اور خوبصورت ہو" میں نے اچانک پینترا بدل کر کہا "اتنی خوبصورت کہ تمہیں چھوتے ہوئے ڈر لگتا ہے تم جذبوں سے زیادہ حسین اور کانچ کی گڑیا سے زیادہ نازک ہو۔ تمہیں چھوتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں ٹوٹ نہ جاؤ' تمہارا رنگ میلا نہ ہو جائے۔"

سب عورتیں بے وقوف نہیں ہوتیں۔ بعض بہت ذہین اور طرار ہوتی ہے۔ غزالہ اور ویرا اس ذہانت کی زندہ مثالیں تھیں لیکن اس صنف میں ایک خرابی بہرحال پائی جاتی ہے۔ خوشامد اور تعریف و توصیف کے سامنے ہر عورت اور لڑکی کی عقل کوچ کر جاتی ہے اور وہ اپنے خوشامدی کے ہاتھوں میں موم کی گڑیا بن جاتی ہے۔

میرے نپے تلے تعریفی فقروں پر رینا کے وجود میں سویا ہوا عورت کا غرور جاگ اٹھا۔ بستر پر لیٹے لیٹے اس کی گردن تھوڑی سی تن گئی۔ اس نے تیکھی چتون سے میری طرف دیکھا۔ میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے رہا۔ اس کی گرفت اضطراری طور پر ڈھیلی ہو گئی۔ اس کی انگلیاں مضطربانہ انداز میں میری ہتھیلی کی پشت پر ہل جل رہی تھیں۔ کسی خاص کوشش کے بغیر' میرا ہاتھ بہت نرمی سے اس کے ہاتھ میں سے پھسل آیا۔

میرے ذہن میں پولیس والوں کی جانچ پڑتال تازہ تھی۔ جب رینا بیسیوں میزوں کو چھوڑ کر ہال روم میں میرے پاس آئی تو مجھے اندیشہ ہوا تھا کہ کہیں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے' کسی کو مجھ پر شبہ ہو گیا ہے اور اس نے رینا کی صورت میں میرے اوپر ایک خوبصورت جال پھینکا ہے۔ اس نے اپنی آمد کی نہایت موزوں تاویل پیش کی تھی۔ وہ کسی میز پر اکیلی بیٹھی رہتی تو اسے اپنی ساتھی بنانے کے اتنے امیدوار اس کے پاس آتے کہ وہ بیزار ہو جاتی۔ میں اس کے اچانک ٹکرا جانے پر کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوا تھا۔ میرا رویہ خالص مدافعانہ رہا تھا۔

اپنے لباس اور رکھ رکھاؤ سے وہ کسی آسودہ حال اور روشن خیال گھرانے کی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ اس نے جس انداز میں اپنی مفلوج ماں اور اوباش پاپا کی کہانی سنائی تھی اس سے بھی یہی اندازہ ہوتا تھا کہ دولت کی ریل پیل نے رینا کے باپ کی آنکھوں پر دبیز پردے ڈال دیے تھے۔ اپنی رنگ رلیوں میں ڈوب کر اس نے یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ اس کی اپنی بیٹی کسی اور کے ڈیڈی یا پاپا کی خلوتیں آباد کرنے کی عمر میں بھٹک رہی تھی!

"میں اتنی نازک بھی نہیں ہوں" رینا اٹھلا کر' رک رک کر' الفاظ کو کھینچتے ہوئے کہہ رہی تھی "میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں اناڑی نہیں ہوں۔ اشوک نے مجھے مرد اور عورت کے رشتوں کے بارے میں بہت کچھ سکھا دیا ہے۔ تم بلاوجہ شرما رہے ہو۔ لوہا زیادہ تپ جائے تو یکایک پگھل جاتا ہے۔ اسے بروقت پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ ٹھنڈا ہو کر اپنی اصل سے بہتر ہو جاتا ہے۔ تم لوہے سے زیادہ مضبوط نہیں ہو۔ اپنے ساتھ ظلم نہ کرو' میرے قریب آجاؤ۔"

"ابھی تم نے اپنے انکل کا کیا نام بتایا تھا؟" میں نے اس خوفناک نام کی اہمیت کم کرنے کے لیے انجان بن کر پوچھا۔

"انکل انل بسواس!" اس نے پرغرور لہجے میں دہرایا "میں تمہیں ان سے ضرور ملواؤں گی۔ تمہارے دن پلٹ جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کسی وقت میں تمہارے ساتھ پاکستان کی سیر کے لیے چلی جاؤں۔"

اس وقت رینا بہت کمزور ہو چکی تھی۔ نشے نے اس کی سوچ کو اتنا ماؤف کر دیا تھا کہ وہ ایک ہی رخ پر بولے جا رہی تھی پھر اس پر گہرا جذباتی ابال بھی چھایا ہوا تھا۔ میری کوشش تھی کہ ان کمزور لمحوں میں اس سے زیادہ سے زیادہ سچ اگلوا لوں۔

"انل بسواس اگر اتنا کارآمد آدمی ہے تو میں اس سے ضرور ملوں گا مگر تم مجھے ایک بات بالکل سچ بتا دو!"

"شرابی کبھی جھوٹ نہیں بولتا..... مردنہ عورت!" اس نے پراعتماد انداز میں کہا "میں اب تک سچ بولتی چلی آئی ہوں۔ تمہیں جو پوچھنا ہے وہ پوچھ لو۔ اس کا جواب سچ کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔"

"تم پہلے سے کوئی پروگرام طے کر کے مجھ تک پہنچی تھیں یا محض اتفاق نے ہمیں یک جا کیا ہے؟"

"کئی بار بتا چکی ہوں اور اب پھر سن لو کہ یہ ایک اتفاق ہے کہ میں اس وقت تمہارے ساتھ اور تمہاری دسترس میں ہوں۔ اشوک بروقت آجاتا تو شاید میں نگاہ بھر کر بھی تمہاری طرف نہ دیکھتی۔ وہ بعد میں بھی آگیا ہوتا تو میں تمہارا شکریہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ادا کر کے اس کے ساتھ چل دی ہوتی۔ برسوں کی دوستی کو ذرا سی دیر سویر کی بھینٹ نہیں چڑھایا جاتا مگر آج اس کے ستارے خراب اور تمہارے عروج پر ہیں۔ وہ غائب ہے' میں تمہارے ساتھ موجود ہوں۔ ہمارے نکل آنے کے بعد وہ پہنچا ہوگا تو اب کسی پاگل کی طرح مجھے پورے ہوٹل میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوگا۔ اس کی سزا یہ ہے کہ آج وہ یوں ہی کانٹوں پر لوٹتا رہے۔"

"بہت سفاک اور اذیت پسند ہو تم!" میں نے ایک کرسی پر بیٹھ کر اپنے جوتوں کے بند کھولتے ہوئے کہا "اس کی پریشانی کا تصور کر کے خوش ہو رہی ہو۔ یہ بھول رہی ہو کہ وہ ہوٹل کے کاؤنٹر سے تمہارے کمرے کا نمبر معلوم کر کے سیدھا یہاں پہنچ سکتا ہے۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہوں۔ وہ لال پیلا ہوتا ہوا آیا تو میں تمہیں بھول کر خاموشی سے باہر نکل جاؤں گا۔"

وہ مخمور انداز میں ہنس پڑی "اس وقت تمہارا چہرہ لال گلابی ہو رہا ہے۔ کسی لڑکی کی طرح شرما رہے ہو۔ اشوک آیا تو صدمے سے پیلا پڑا ہوا ہوگا۔ تم لڑنے بھڑنے والے نہیں ہو' وہ بزدل ہے۔ تمہارے کمرے سے جانے سے پہلے خود الٹے قدموں لوٹ جائے گا۔ وہ میرا صرف دوست ہے' منگیتر نہیں ہے۔ اسے میری نجی زندگی میں دخل انداز ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس سے اکتا کر میں کسی وقت بھی کسی سے دوستی کر سکتی ہوں" وہ خاموش ہو کر چند ثانیوں تک زیر لب مسکراتی رہی جیسے دل ہی دل میں کچھ سوچ کر محظوظ ہو رہی ہو۔ پھر نیم مکارانہ لہجے میں بتانے لگی "وہ اس کمرے تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ میں ہر مرتبہ نام بدل کر ہوٹل کا کمرا بک کراتی ہوں۔ ریکارڈ میں ایک ہی نام بار بار آتا ہے تو بدنامی ہوتی ہے۔ بات پاپا کے کانوں تک پہنچ سکتی ہے۔ آج میں نے مسز روشن کھمباٹا کے نام سے کمرا لیا ہے۔ بتاؤ' وہ کیسے پہنچے گا؟"

رینا حسین اور اوباش ہونے کے ساتھ ساتھ چالاک بھی تھی۔ اشوک کے اس کمرے تک آنے کی ہر راہ مسدود کر دی گئی۔ وہ اس کمرے میں مسز روشن کھمباٹا بنی ہوئی تھی۔ اشوک اگر آ بھی جاتا تو اسے رینا اجیت رائے کی تلاش ہوتی۔ وہ ریکارڈ کا معاملہ تھا۔ ہوٹل کے ریکارڈ پر رینا اجیت رائے کا سرے سے کوئی وجود نہیں تھا۔ وہ ادب نا آشنا' بے ہودہ اور جدید عاشق پورا ہوٹل چھان لیتا پھر بھی اسے رینا کا کوئی سراغ نہیں مل سکتا تھا۔

میرے ذہن میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ وہ اشوک کا کوئی معاملہ نہیں تھا۔ ہم دونوں رینا کے لیے ہوئے محفوظ کمرے کی دیواروں میں محصور ہو چکے تھے۔ وہاں ہماری مرضی کے خلاف کوئی اجنبی دخل انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ اندیشہ سر ابھار رہا تھا کہ اشوک' رینا کی زندگی میں آنے والا کوئی جیتا جاگتا کردار ہو تو ہو مگر اس کی اتنی زیادہ اہمیت نہیں تھی جتنی رینا ظاہر کر رہی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ اشوک کی کہانی بالکل بوگس تھی۔ رینا نے مجھ تک رسائی کے لیے وہ نام استعمال کیا تھا۔ رینا ایسی گئی گزری بھی نہیں ہے کہ اس سے ایک رنگین ملاقات کا پیمان طے ہو جانے کے بعد کوئی جواں سال عاشق وقت کی اہمیت کو نظر انداز کر دیتا۔ ہو سکتا ہے کہ اشوک' تو بہ شکن رینا کا قریبی دوست رہا ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے پیکروں میں اپنے اپنے لیے لازوال آسودگیاں تلاش کرتے رہے ہوں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک بات سامنے آ رہی تھی کہ وہ کہانی سچ ہونے کے باوجود' اس روز اشوک کو انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل میں مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ وہ شام شاید رینا نے میرے ہی نام کی ہوئی تھی۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ اس کی وہ کوشش کامیاب ثابت ہوئی تھی۔ مجھ سے مل بیٹھنے کے لیے اس نے ہر اعتبار سے ایک مضبوط کہانی تراشی تھی۔

رینا اجیت رائے نہ جانے کب سے مجھے گھیرنے کے چکر میں تھی مگر اس شام وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو چکی تھی اور میں اس کے ساتھ موجود تھا۔

اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد میں نے رینا پر اپنی نرم جرح کا رخ یکایک تبدیل کر دیا "تم میرے بارے میں کیا جانتی ہو؟" میں نے جوتوں اور موزوں سے گلوخلاصی حاصل کرنے کے بعد قدرے جارحانہ لہجے میں پوچھا۔

رینا کے لیے میرا وہ سوال بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ بری طرح بوکھلا گئی اور اپنے دونوں ہاتھ فضا میں اچھالتے ہوئے بولی "میں کیا جان سکتی ہوں۔ کچھ بھی نہیں جانتی۔ اشوک اپنے دیے ہوئے وقت پر نہیں پہنچا تھا۔ مجھے کسی پر سکون میز کی تلاش تھی۔ تم بال روم میں اکتائے ہوئے انداز میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں پناہ کی تلاش میں تمہارے پاس پہنچ گئی۔ تم نے مجھے خوش آمدید کہا اور بس.....!" اس نے اپنی بائیں آنکھ دبائی "تم کچھ ڈھیلے ڈھیلے سے لگ رہے ہو۔ ہمت کرو اور تیاری پکڑو۔ میں رات کو دیر سے گھر جانے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرتی لیکن رات بھر گھر سے غائب رہنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتی۔"

"تم نے واقعی مجھے مسحور کر کے رکھ دیا ہے۔ کوئی سیاح یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ ایک اجنبی ملک میں جائے گا اور اچانک وہاں تم جیسی حسینہ سے دوستی کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ یہ مجھے ابھی تک ایک رنگین اور سہانا خواب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محسوس ہو رہا ہے۔"

صرف ایک ٹیڑھے سوال کے بعد میرے اعتراف نے رینا کو دوبارہ بے فکر کر دیا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "میں سنتی ہوں کہ آج کل جو بھی سمندر پار چلا جائے اور دو چار سطریں لکھنا جانتا ہو' واپسی پر اپنا پورا سفرنامہ لکھ ڈالتا ہے جس میں سارا زور اس بات پر ہوتا ہے کہ باہر کی حسین و جمیل دوشیزائیں بس اسی کے انتظار میں بیٹھی سوکھ رہی تھیں۔ ادھر سیاح نے جہاز سے قدم باہر نکالا اور ادھر بنی سنوری لڑکیوں نے اس پر یلغار کر دی۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے سیاح کے پہنچنے سے پہلے وہاں کے مرد لام پر بھیج دیے جاتے ہیں یا شرم سے مر جاتے ہیں۔"

"مبالغہ آرائیاں ضرور ہوتی ہیں" میں نے سگریٹ کا کش لے کر پر خیال انداز میں جواب دیا "مگر اس میں پڑھنے والوں کا بھی قصور ہوتا ہے۔ پاکستان اور ہندوستان میں یہ سوچنا بھی مشکل ہے کہ اجنبی مرد اور عورت آپس میں ذرا سی دیر بات کر سکیں۔ ہر دیکھنے والا ان کی طرف سے شک و شبے میں پڑ جاتا ہے۔ اس ماحول میں رہنے والوں کو ولایت کے قصے عجیب لگتے ہیں۔ وہاں تہذیب اور شائستگی کے دائرے میں رہتے ہوئے کسی بھی عورت سے بات کی جا سکتی ہے۔ آدمی میں حوصلہ ہو تو تھوڑے سے ہنسی مذاق کی گنجائش بھی نکل آتی ہے۔ ذرا سی دیر کے بعد عورت یا لڑکی کو یاد بھی نہیں رہتا کہ اس نے کس سے بات کی تھی۔ ہم اس کی تصویر اپنے دل میں بسا لیتے ہیں اور واپسی پر نمک مرچ لگا کر اس کی کہانی سفرنامے میں ڈال دیتے ہیں۔ کچھ لکھنے والے کا مبالغہ اور کچھ پڑھنے والوں کی تنگ نظری ..... ایسے واقعات عجیب معلوم ہونے لگتے ہیں۔"

"تم نے کبھی کوئی سفرنامہ لکھا تو اس میں میرا ذکر کرو گے؟" اس نے اپنی مخمور نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے پوچھا۔

"میں لکھنے پڑھنے والا آدمی نہیں ہوں۔ کبھی قلم پکڑنے کی ہمت ہو گئی تو تم ضرور یاد آؤ گی۔" میں نے اسے یقین دلایا اور پھر بات کو فوراً ہی دوسرے رخ پر لے آیا۔ "مجھے تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ بال روم میں بیٹھا ہوا ہر مرد تمہارے قرب کی آرزو میں مرا جا رہا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم نے میرا انتخاب کیا۔ مجھ سے باتیں ہی نہیں کیں بلکہ مجھے اپنی خواب گاہ میں لے آئی ہو مگر میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ کوئی اتفاق نہیں تھا۔ اس بھیڑ میں تمہاری نظر مجھ پر ہی کیوں رکی؟"

"وہاں بیٹھے ہوئے دو تین مردوں میں مجھے تم ہی سب سے بہتر اور شریف نظر آئے تھے" اس نے مسکراتے ہوئے

خدارا

شوگر کے مریض ذرا عقل سے کام لیں

شوگر کنٹرول کرنے کیلئے ساری زندگی عارضی وقتی انگریزی گولیاں ہی کھاتے رہنا آخر کہاں کی عقلمندی ہے۔ شفا منجانب اللہ پر ایمان رکھیں عارضی وقتی علاج کی بجائے عقل سے کام لیتے ہوئے ہمارے ہربل شوگر کورس کو صرف ایک دفعہ آزمائیں۔ مایوسی تو گناہ ہے۔ ہم نے شوگر کو جڑ سے ختم کرنے کیلئے ایک خاص دیسی طبی ہربل دوائی ایجاد کر لی ہے۔ جسے یقین نہ آئے وہ آزما کر دیکھ لے۔ ہمارے جذبۂ خدمت انسانیت کی قدر کریں۔ ہمارے شوگر کورس سے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شوگر سے نجات مل سکتی ہے۔ آج ہی خود تشریف لائیں یا خط لکھیں یا ٹیلیفون کر کے گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی پی V.P شوگر کورس منگوا لیں۔ ہمارا یہ شوگر کورس انتہائی سستا آسان اور مختصر ہے۔ انشاءاللہ شوگر مستقل ختم ہو گی۔

المسلم دارالحکمت رجسٹرڈ بالمقابل جامع مسجد مبارک

جلالپور روڈ ضلع و شہر حافظ آباد پاکستان

فون 521787 — 0438

دواخانہ اوقات: صبح 9 بجے تا دوپہر 2 بجے

ٹیلیفون اوقات: شام 6 بجے تا رات 11 بجے

آج ہی ٹیلیفون کر کے شوگر کورس منگوا لیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جواب دیا پھر بولی "مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میری طرف سے تمہارے دل میں کوئی شک پروان چڑھ رہا ہے ورنہ اب تک تم اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بجائے، بستر پر میرے ساتھ لیٹے ہوئے ہوتے، تھوڑی دیر پہلے تم نے ہی کہا تھا کہ بیوی اور غیر عورت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ آدمی اپنی بیوی کا تیز لہجہ برداشت نہیں کرتا، غیر عورت کے نخرے خوشی سے اٹھاتا ہے۔ میں تمہارے لیے غیر عورت ہوں۔ ایسی بری نہیں ہوں پھر بھی تم میرے قریب آتے ہوئے ڈر رہے ہو۔۔۔"

"میں تم سے نہیں، اپنے آپ سے ڈر رہا ہوں" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "میں پاکستانی ہوں، پہلی بار یہاں آیا ہوں۔ سنا ہے کہ یہاں پاکستانیوں کو شک و شبے کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ میں نے ابھی تک خود پر بہت مشکل سے قابو رکھا ہوا ہے۔ میرا دوران خون کنپٹیوں میں زور کر رہا ہے۔ ڈرتا ہوں کہ جذبات کی رو میں بہہ کر بے لگام ہو گیا تو کہیں کسی چکر میں نہ پھنس جاؤں۔ ہوٹل کے کمرے سے ایک لڑکی کے ساتھ پکڑے جانے کا تصور میرے لیے بہت خوفناک ہے۔"

وہ مجھے چڑانے والے انداز میں ہلکی سی انگڑائی لے کر ہنسی پھر بولی "تم نے مسلمانوں کا نام ڈبو دیا۔ میں نے تو سنا تھا کہ مسلمان گوشت کھانے اور عورتوں کو رجھانے کے اتنے شوقین ہوتے ہیں کہ ان سے صبر نہیں ہوتا۔ ذرا سا موقع ملے تو بے لگام ہو جاتے ہیں۔ ایک تم ہو کہ۔۔۔"

"یہ میری بات کا جواب نہیں ہے" میں نے دوبارہ اس کا فقرہ درمیان سے اڑا دیا۔

"یہ بھارت ہے، کوئی اسلامی ملک نہیں ہے" اس نے قدرے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "یہاں عورت کے ساتھ زبردستی کرنا جرم ہے۔ اگر ہم دونوں آپس میں راضی ہیں تو یہاں کا قانون ہمارا راستہ نہیں روک سکتا۔ میں نے تم سے ابھی تک روپے پیسے کی کوئی بات نہیں کی۔ تمہیں بتا چکی ہوں کہ میرا باپ خوش حال آدمی ہے، میں کوئی بازاری عورت نہیں ہوں جو ٹکے ٹکے کے لیے منہ کالا کرتی پھروں۔ آؤ، قریب آجاؤ۔"

میں اس سے باتیں کر رہا تھا لیکن میرا ذہن کہیں اور الجھا ہوا تھا۔ میں اس گھڑی کے بارے میں سوچ رہا تھا جب غزالہ نے مجھے کمرے سے باہر نکل کر کھلی فضا میں تھوڑی سی تفریح کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس وقت وہی تفریح رینا کی صورت میں میرے گلے پڑی ہوئی تھی۔

اگر میرے اپنے مقاصد نہ ہوتے تو میرے لیے سب سے آسان راہ یہ ہوتی کہ میں اسے میز پر بیٹھنے کی اجازت نہ دیتا۔ وہ بیٹھ جاتی اور بات بڑھ جاتی تو میں اس کی ہر پیش کش کو ٹھکرا کر ہوٹل کے اس کمرے سے نکل جاتا جہاں رینا میرے گرد اپنا جال مضبوط کر رہی تھی۔ میں ایک اہم مشن لے کر بھارت پہنچا تھا۔ اس ابتدائی مرحلے پر میں کسی غیر معمولی بات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ رینا سے ملاقات کے بعد جہاں میرے ذہن میں ایک بے نام سا خوف سر ابھار چکا تھا۔ وہیں میرا تجسس بھی حد سے بڑھ چکا تھا۔ اس کی زبان سے انل بسواس کا نام سن لینے کے بعد میں اس لڑکی کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔

اس سے میری خاصی باتیں ہو چکی تھیں۔ کچھ باتیں ایسی تلخ بھی تھیں کہ وہ چاہتی تو برہم ہو کر مجھے اپنے کمرے سے چلے جانے کا حکم دے دیتی۔ میری طرح شاید اس کی بھی کوئی مجبوری تھی۔ وہ کسی خاص مقصد سے مجھ تک پہنچی تھی اور وہ مقصد حاصل کیے بغیر، تہی دست واپس لوٹنا نہیں چاہتی تھی۔

میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں ان خطوط پر تجزیہ کرتا رہا پھر میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں جوتے اتار چکا تھا۔ میں کرسی چھوڑ کر اٹھا اور رینا کے فضا میں، اپنی طرف اٹھے ہوئے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ معدے میں اتری ہوئی شراب کی وجہ سے وہ کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو رہی تھی۔ اس نے مجھے کھینچ کر اپنے اوپر گرا لیا۔

ہوٹل کے بال روم سے شروع ہونے والی آشنائی لمحوں کا سفر طے کرتی ہوئی گہرے قرب میں تبدیل ہو گئی۔ رینا خوش شکل، خوش لباس، خوش مزاج اور خوش گفتار لڑکی تھی۔ جب تک وہ زبان سے کام لیتی رہی میں توجہ سے اس کی باتیں سنتا رہا پھر اس کے جسم کے دوسرے اعضا بھی جنبش میں آگئے۔ ان جنبشوں میں عجیب سی کشش اور بے آواز گنگناہٹ تھی۔ میں اس کی دسترس سے باہر تھا تو اس کے خلاف سوچ رہا تھا لیکن اس کے سامنے ہتھیار ڈال دینے کے بعد میرے ذہن سے انل بسواس، جان اسمتھ اور دوسرا ہر نام غائب ہو گیا۔ ذہن پر بس پر کشش اور نیم وحشی سی رینا ہی رینا باقی رہ گئی۔

رینا اجیت رائے اپنی عمر سے کہیں زیادہ چالاک اور تجربے کار لڑکی تھی۔ اس نے تکلف کی دیواریں گرا کر بے تکلفی کی ایک نئی دنیا کھڑی کر لی۔ اگر اس کا انل بسواس سے تعلق نہ ہوتا تو دوستی کے لیے وہ ایک اچھی ساتھی ثابت ہو سکتی تھی۔

"مجھے تمہارے خلوص پر یقین آگیا" میں نے میٹھی سی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مسکراہٹ کے بعد کہا "اب دولت کمانے کے نسخے کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

"ارے! تمہیں وہ بات یاد ہے" یکایک رینا کا چہرہ کھل اٹھا "میں سمجھ رہی تھی کہ تم میری پیشکش کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے ہو۔"

"انسان کو دنیا میں سب کچھ میسر ہو لیکن دولت نہ ہو تو زندگی بے کیف ہو جاتی ہے۔"

"سب کچھ میسر ہونا ہی دولت مندی کی نشانی ہے۔ تمہاری یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی" اس نے الجھی الجھی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"سب کچھ سے میری مراد تن درستی، خوب صورتی اور اچھی سیرت سے تھا۔"

"ہاں ... آں!" وہ بے پروائی سے بولی "انہیں کوئی نہیں پوچھتا۔ جیب بھاری ہو تو ساٹھ سالہ بدصورت بڑھیا بھی کسی جواں سال باکسر سے عشق لڑا سکتی ہے۔ پتا نہیں بھگوان نے پیسے میں اتنی کشش کیوں رکھ دی ہے؟"

"میرا کاروبار محدود ہے۔ آمدنی بھی مختصر سی ہے۔ یوں سمجھ لو کہ برسوں سے بھارت کی سیر کرنے کا پروگرام بنا رہا تھا مگر اب پاکستان سے نکلنے کی ہمت کر سکا ہوں۔ ہر بار بھاری اخراجات کا خوف میرے راستے کی رکاوٹ بن جاتا تھا۔"

"آمدنی بڑھے گی تو بار بار یہاں آتے رہو گے" اس نے زور دے کر اپنی بات دہرائی "یہاں کیا ... پھر تو تمہاری مرضی ہوگی۔ دنیا بہت وسیع اور رنگین ہے۔ جہاں چاہو، جا سکو گے۔ یہ سودا بن گیا تو تمہاری زندگی بدل جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ تم مجھے پہچاننے سے انکار کر دو۔"

گڑ کھانے کے بعد گلگلوں سے پرہیز حماقت کے مترادف تھا۔ میں نے والہانہ پن کی اداکاری کرتے ہوئے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔ پہلے وہ سپردگی پر آمادہ تھی اور میں اس سے گریز کر رہا تھا۔ اس وقت میں نے پہل کی تو وہ مچل کر میرے بازوؤں سے نکل گئی۔

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ مجھے تمہارے انکل کے لیے کیا کام کرنا ہوگا؟" میں نے کہا۔

"چھوٹے موٹے اور معمولی کام ہوں گے۔ ان کے بارے میں وہی تم کو بریف کریں گے، میں تمہیں ان سے ملوا دوں گی۔"

"انکل انل کس محکمے میں کام کرتے ہیں؟" میں نے اسے آزمانے کے لیے پوچھا۔

"مجھے تفصیل کا علم نہیں۔ بس یہ جانتی ہوں کہ وہ ریسرچ کا کوئی کام کرتے ہیں جس کی بڑی قدر کی جاتی ہے۔"

اس نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا تھا مگر آدھا سچ بول کر کنی کترا گئی تھی۔ ریسرچ اینڈ اینالسز ونگ کے تین ابتدائی حروف لے کر ہی را (RAW) کی اصطلاح تخلیق کی گئی تھی۔ اس نے مجھ سے انل بسواس کی ریسرچ کا ذکر کر دیا تھا۔ اس کی تجزیاتی مصروفیات گول کر گئی تھی۔

"پھر ان سے کب ملوا رہی ہو؟" انل بسواس تک پہنچنے کے لیے میری طرف سے دلچسپی کا اظہار ضروری ہو گیا تھا۔

"تم رضامند ہو گئے ہو۔ اب میں کوشش کروں گی کہ جلد از جلد تمہاری اور ان کی ملاقات ہو جائے۔" اس نے آسودگی سے سر ہلاتے ہوئے کہا پھر اچانک پوچھا "اب یہ بتاؤ کہ ڈنر کے لیے کیا منگوایا جائے؟"

"تمہارے قول کے مطابق مسلمان گوشت خور ہوتے ہیں۔ میں ہوٹل میں کوفتے کھا چکا ہوں مگر بعد میں خیال آیا تھا کہ وہ جھٹکے کا گوشت ہوگا۔"

اس نے زور زور سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی پھر کہا "ہم گائے کو پوجتے ہیں۔ تم لوگ اس کا گوشت شوق سے کھاتے ہو۔ اس لیے یہاں گؤہتیا جرم ہے۔ مسلمان اپنی بستیوں میں چوری چھپے گائے کاٹ کر آپس میں گوشت بانٹ لیتے ہیں۔ یہاں کھلے بندوں گائے کا گوشت نہیں ملتا۔ بھارت میں اتنے مسلمان رہتے ہیں کہ ہر قرینے کے ہوٹل میں رواداری سے کام لیا جاتا ہے۔ گائے کے سوا جو بھی گوشت ملتا ہے، ذبح کیا ہوا ہوتا ہے۔"

"اس رواداری میں بھی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوگی" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"سیدھی سی بات ہے۔ مسلمان اور یہودی جھٹکے کا گوشت نہیں کھاتے، اسے حرام سمجھتے ہیں۔ ان کی وجہ سے جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے۔"

"اس پر ہندو، سکھ اور عیسائی احتجاج نہیں کرتے؟" میری حیرت میں قدرے اضافہ ہو گیا۔

"وہ بس گوشت کھاتے ہیں۔ ذبیحے پر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ پڑھے لکھے ہندو بھی اب جھٹکے پر ذبیحے کو ترجیح دینے لگے ہیں۔ جانور تڑپتا ہے تو اس کی رگ رگ سے خون بہہ کر نکل جاتا ہے۔ جانور کا جھٹکا کر دیا جائے تو سارا خون گوشت اور رگوں میں جما رہ جاتا ہے۔ کمال ہے کہ تم صرف کوفتے کھانے کے لیے یوں بال کی کھال نکال رہے ہو۔ یہاں کی سبزیاں کھا کر دیکھو، تم حیران رہ جاؤ گے۔"

"تم بھول رہی ہو کہ میرے کمرے میں میری ساتھی میری واپسی کا انتظار کر رہی ہوگی" میں نے کھانے سے معذرت چاہی "اب مجھے اجازت دو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ بیوی ہوتی تو مجھے پروا بھی نہ ہوتی لیکن تم نے بتایا ہے کہ وہ تمہاری گرل فرینڈ ہے۔ پردیس میں ایسی دوست کو ناراض نہیں کرنا چاہیے" میری توقع کے برعکس اس نے بہت آسانی سے مجھے اجازت دے دی اور میں اٹھ گیا۔

"مجھے کیسے پتا چلے گا کہ انل انکل سے کب ملنا ہے؟" میں نے ٹھٹک کر پوچھا۔

اس نے اپنے وینٹی بیگ سے کارڈ نکال کر میری طرف بڑھادیا "اس پر میرا فون نمبر ہے۔ چاہو تو رنگ کرسکتے ہو۔ ویسے انکل سے وقت طے ہوجانے کے بعد میں خود تمہیں فون کرکے بتادوں گی۔ یہ دھیان رکھنا کہ انکل انگریزوں سے زیادہ وقت کی پابندی کرتے ہیں۔"

میں نے وہ کارڈ پڑھا اور جیب میں رکھ لیا۔ اس پر رینا کا پورا نام گریٹر کیلاش ون کا پتا اور فون نمبر درج تھا۔

وہ مجھے رخصت کرنے کے لیے کمرے کے دروازے تک آئی اور دروازہ کھولنے سے پہلے نرمی سے میرے سینے سے لگ گئی۔

میں رینا کے کمرے سے رخصت ہوکر اپنے کمرے میں پہنچا تو غزالہ نے دروازہ کھولا۔ وہ متوحش اور پریشان نظر آرہی تھی۔ "خدا کا شکر ہے کہ آپ صحیح وسلامت لوٹ آئے۔ آپ کی طرف سے رہ رہ کر میرا دل ہول رہا تھا۔" جذبات کی شدت سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"ارے! تم اتنی کمزور دل کب سے ہوگئیں" میں نے مسکرا کر غزالہ کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگائی "خود مجھے تفریح کرنے کے لیے کمرے سے باہر دھکیلا تھا اور خود ہی اندیشوں میں گھر کر پریشان ہورہی ہو۔"

"میری پریشانی بلاسبب نہیں تھی" میرے بیٹھنے کے بعد اس نے بتایا "اپریٹس پر تین مرتبہ گوپال کی کال آچکی ہے۔ آخری مرتبہ میں نے آپ کا کوڈ استعمال کرکے اس سے بات کی تھی۔ وہ سخت فکرمند ہے۔ کہہ رہا تھا کہ آپ را کی ایک جوان اور خوب صورت لڑکی کے ہتھے چڑھ گئے ہیں ... خیریت تو تھی نا؟"

میرے دل کا چور جاگ اٹھا۔ رینا کے بدن اور کپڑوں سے کسی قیمتی پرفیوم کی بھینی بھینی مہکار پھوٹ رہی تھی جو میرے جسم میں بھی رچ چکی تھی مگر غزالہ نے اس نامانوس خوشبو کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہا تھا۔ بس مجھے گوپال کی تشویش سے آگاہ کردیا تھا۔

میں نے زبان کھولنے سے پہلے اپنی جیب سے رینا کا وزیٹنگ کارڈ نکالا اور غزالہ کی طرف بڑھادیا۔

"آر اے رائے۔ ستر ترشول مارگ۔ گریٹر کیلاش ون!" غزالہ نے بلند آواز میں رینا کا کارڈ پڑھا پھر اس کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں "یہ کس کا کارڈ ہے؟"

"رینا اجیت رائے۔ گوپال کو کیسے پتا چلا کہ رینا را کی ایجنٹ ہے؟" میں نے رینا کا پورا نام بتانے کے بعد پوچھا۔

"شاید اسے لڑکی کا نام معلوم نہیں تھا مگر یہ پتا تھا کہ وہ را کے لیے کام کرتی ہے۔ سنیل نے واپسی پر ہوٹل کا چکر لگایا تھا۔ اس نے گوپال کو خبردی کہ آپ ایک خطرناک لڑکی کے ساتھ ہوٹل کے بال روم میں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

غزالہ کو وہ خبر گوپال سے نہ ملی ہوتی تب بھی میں اسے رینا کی کہانی ضرور سناتا۔ ہر تبدیلی یا امکانی خطرے کے بارے میں اس کا باخبر رہنا بہت ضروری تھا۔ یہ اور بات تھی کہ میں اس کہانی کے وہ حصے حذف کردیتا جن میں میرے لیے ندامت اور شرمندگی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ غزالہ کی زبان سے سنیل کی رپورٹ سن کر مجھے ایک ذہنی جھٹکا لگا۔ وہ تینوں بہرحال آئی بی جیسے ایک منظم اور ذمے دار ادارے سے منسلک تھے جس کا اپنا ڈسپلن تھا۔ وہ مجھ جیسے عارضی مہمان کو ہر عزت ووقعت دے سکتے تھے لیکن یہ سمجھنا غلط فہمی کے مترادف ہوتا کہ وہ اپنے ڈسپلن کو بھول کر، دل کی گہرائیوں سے مجھے اپنا چیف یا سربراہ سمجھ لیں گے۔

میں نے سنیل کو بہت واضح الفاظ میں بتایا تھا کہ اس وقت گوپال نہیں بلکہ میں اس کا سربراہ تھا۔ اسے گوپال کی ہدایت کو بھول کر میرے احکام پر عمل کرتے ہوئے فوری طور پر ہوٹل سے واپس لوٹ جانا تھا۔ اس نے کسی بحث کے بغیر میرے موقف کو تسلیم کرلیا تھا اور ہوٹل سے واپسی کا وعدہ کرنے کے بعد اس پر عمل بھی کرڈالا تھا۔

میں نے اس سے راستے ہی میں اپریٹس پر رابطہ کرکے جان اسمتھ کے ہوٹل کی تلاش کا نیا کام سونپا تھا۔ مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ مجھے ہوٹل سمراٹ کا پتا بتانے کے بعد سنیل نے گوپال کو نئے واقعات کی رپورٹ دی، گوپال نے اسے پورے خلوص کے ساتھ مشورہ دیا ہوگا کہ وہ دور رہ کر ہماری حفاظت کرتا رہے۔ سنیل دوبارہ انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل چلا آیا۔ وہاں میں رینا کے ساتھ اس کی نظروں میں آگیا۔

گوپال نے رینا کے راسے تعلق کے بارے میں غزالہ کو بتادیا تھا اور خود میری فکر میں تھا۔ اس حقیقت سے ظاہر ہورہا تھا کہ رینا کو دیکھ لینے کے بعد سنیل نے میری نگرانی جاری نہیں رکھی تھی۔ گوپال کو باخبر کرکے خود بھی غائب ہوگیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ نگرانی کا سلسلہ جاری رکھتا تو اس کے ذریعے گوپال کو یہ خبر بھی مل جاتی کہ میں رینا کے ساتھ اسی ہوٹل کے ایک کمرے میں موجود تھا۔

ان تینوں کی اپنی مجبوریاں تھیں۔ وہ دشمن کی سرزمین پر ایک خطرناک مشن پورا کر رہے تھے۔ وہ خود کو پوشیدہ رکھنے کی کوششوں میں اس حد تک کامیاب تھے کہ کسی کو ان پر شبہ نہیں ہو سکا تھا۔ اگر رینا کا تعلق را سے تھا تو اس سے ملاقات سے پہلے را کا کوئی نہ کوئی ایجنٹ میری نگرانی کرتا رہا تھا۔ میں اس دوران میں سنیل سے ملا تھا' اس کے ساتھ دیر تک شہر میں گھومتا رہا' سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں گیا۔ ان میں سے کسی بات کو مشتبہ نہیں سمجھا گیا۔ رینا مجھ سے آنکرائی اور اس نے پہلی ملاقات میں ہی مجھے انل بسواس تک لے جانے کی پیش کش کر ڈالی۔

وہ سب سوچ کر میں اندر سے لرز کر رہ گیا۔ را کا کوئی ایجنٹ اتنا احمق اور اندھا نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ مجھے سول لائنز کے علاقے میں را کے اس ذیلی دفتر کے قریب سے گزرتا دیکھتا جہاں نریش شرما بیٹھتا تھا اور اس کے کان کھڑے نہ ہوتے۔

را والوں کی طرف سے پیچھا کیے جانے کے اندیشوں کو میں نے فوراً مسترد کر دیا۔

سنیل ایک پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ ہر پیشہ ور کی طرح اسے معلوم تھا کہ ایسی مہمات میں اصل اہمیت مشن کی ہوتی ہے۔ مشن کو بچانے اور محفوظ رکھنے کے لیے بہت سفاکی اور سنگ دلی سے افراد بلکہ اپنے قریبی ساتھیوں تک کو قربان کر دینا پڑتا ہے۔ اسے رینا کے روپ میں میرے گرد خطرہ منڈلاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ شاید وہ سمجھا ہو کہ آخر کار را والے ڈینی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

اس کا وہ اندازہ ذرا بھی درست ہوتا تو ہوٹل کے بال روم میں کسی بھی لمحے بھیانک کشت و خون شروع ہو سکتا تھا۔ را اور ڈینی کے درمیان ہونے والے اس معرکے کی آگ سنیل کے دامن تک بھی پہنچ سکتی تھی۔ مجھے ہر طرف سے دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہوا اور بے بس پا کر وہ کسی طرح خود پر قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔ جذبات سے مغلوب ہو کر مقابلے میں کودتا اور مارا جاتا!

سنیل کے وہ خدشات میرے ذہن میں مجسم ہوتے ہی مجھے بے اختیار وہ فوجی یاد آ گئے جنہوں نے لڑائی کے ایک مرحلے پر دشمن پر فائر کی اجازت نہ ملنے پر اپنے ہاتھ آہنی نالوں پر مار کر توڑ لیے تھے۔ فائر کی اجازت نہ دینے والے دور تک دیکھ رہے تھے۔ ان کے سامنے صرف اپنا محاذ نہیں تھا' وہ پورے محاذ کے مفاد میں فیصلے کر رہے تھے۔ دوسری طرف توپ یا مشین گن کے پیچھے بیٹھے ہوئے مغلوب الغضب سپاہی تھے جنہیں اپنے گرد و پیش تک کی کوئی خبر نہیں تھی۔ وہ تو بس اپنے نشانے پر آئے ہوئے ہر دشمن کو گولیوں سے بھون دینا چاہتے تھے۔

"آپ کس سوچ میں گم ہو گئے؟" غزالہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"سوچ رہا ہوں کہ اب کیا ہو گا؟" میں نے جلدی سے بات بنائی "وہ لڑکی اتفاقاً آئی تھی مگر مجھے اس پر شبہ تھا۔ اب تم گوپال کی کہانی سنا رہی ہو۔ وہ را کی کارکن ہے تو مجھے گردن سے پکڑ کر کہیں بھی لے جا سکتی تھی۔ تمہیں اس کی پیشکش کا یقین نہیں آئے گا۔"

"کیا آپ کو اپنے ساتھ شادی پر مجبور کر رہی تھی؟" غزالہ کا قیاس زیادہ دور تک مار نہیں کر سکا۔

"شاید مجھے اس پر حیرت نہ ہوتی۔ وہ کسی کام کے لیے مجھے انل بسواس سے ملوانا چاہتی ہے۔"

غزالہ بے ساختہ اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی "شاید کہیں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ را والوں کو ہماری اصلیت کا علم ہو چکا ہے۔ وہ آپ کے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ جانتے ہیں کہ اب آپ ان کی مرضی کے بغیر کہیں نہیں جا سکیں گے۔ وہ آپ کے خون کے پیاسے ہیں۔ اپنی مرضی کے موقع پر آپ کو اچانک گھیر لیں گے۔"

غزالہ رو دینے کے قریب تھی۔ میں نے اٹھ کر اس کے دونوں بازو تھام لیے۔ "حوصلہ ہارنے کی ضرورت نہیں' ہمت سے کام لو۔ کوئی برا وقت سر پر آ ہی گیا ہے تو وہ کسی تدبیر سے ٹل سکے گا۔ ایسی حوصلہ شکن باتوں سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

"ابھی انہوں نے چھیڑ چھاڑ کی ابتدا کی ہے۔ گوپال ہمیں کسی طرح دہلی سے نکال دے تو ہم امرتسر جا کر بنگلو سے مدد لے سکتے ہیں۔ وہ آزمایا ہوا آدمی ہے۔ پوری حفاظت سے ہمیں سرحد پار پہنچا دے گا۔"

"آرام سے بیٹھو اور پوری بات سنو" میں نے سختی سے اسے کرسی پر بٹھا دیا اور اپنی بات جاری رکھی "وہ مجھے اپنی جوانی اور خوبصورتی کے جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دشمن کے ساتھ دنیا میں کہیں ایسا سلوک نہیں کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتا۔ میرا خیال ہے کہ یہ کوئی اور چکر ہے۔"

"وہ را کے لیے کام کرتی ہے اور آپ کو انل بسواس سے ملوانا چاہتی ہے۔ کیا آپ کے لیے یہ دو وجوہ کافی نہیں ہیں؟"

"اس نے یہ بات بہت خوبصورتی سے کہی تھی" میں نے غزالہ کا خوف کم کرنے کے لیے رینا کی کہانی شروع سے چھیڑ دی۔

"خدا کرے کہ میرے خدشے بے بنیاد ہوں۔ کسی کو آپ پر کوئی شبہ نہ ہوا ہو مگر آپ اس بات کو کیوں بھول رہے ہیں کہ اب ہم ان کی نظروں میں آگئے ہیں۔ آپ ہر طرف سے اپنے رابطے کاٹ کر ہوٹل کے کمرے میں محصور ہو جائیں ورنہ جلد یا بہ دیر وہ اصلیت تک پہنچ جائیں گے۔"

"اس بارے میں سوچنا پڑے گا۔ اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک سوال تھا۔ ادھر اخباروں میں خطرناک پاکستانی دہشت گردوں کے آنے کی خبریں چھپیں اور ادھر رینا مجھ سے آ ٹکرائی۔ ہو سکتا ہے کہ لڑکیوں کے ذریعے وہ مشتبہ پاکستانیوں کی جانچ پڑتال کر رہے ہوں؟"

"ہونے کو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ سب سے سنگین حقیقت یہ ہے کہ آپ کے سر پر خطرہ منڈلا رہا ہے۔"

میں نے غزالہ کی وہ بات سنی ان سنی کر دی۔ میرا ذہن اس کے پچھلے فقروں سے الجھا ہوا تھا۔ رینا سے ملاقات ہونے کے بعد مجھے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا تھا۔ اگر وہ پہلے میری طرف متوجہ نہیں تھے تو اس واقعے کے بعد کسی بھی وقت ہو سکتے تھے۔ ہمیں خاص طور پر ویرا سے دور رہنے کی ضرورت تھی۔

ان خیالات میں غلطاں، میں فون کی طرف بڑھا۔ سائڈ ٹیبل کے پیچھے پڑے ہوئے تاروں پر نظر ڈالی تو سی ایس ڈی غائب تھی۔

میری مستفسرانہ نگاہوں کے سامنا کرنے سے پہلے غزالہ بولی "گوپال سے بات ہونے کے بعد میں نے سی ایس ڈی نکال دی۔ بیم گن بھی ایک دراز کے پیچھے چھپا دی۔ ہر آہٹ پر مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ را والے کمرے کا دروازہ توڑ کر اندر گھس آئیں گے۔"

وہ وقفے وقفے سے اپنی جو کیفیات بیان کر رہی تھی۔ ان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بدترین ذہنی دباؤ سے دوچار رہی تھی۔ شاید وہ میرے بارے میں کوئی منحوس اور بری خبر سننے تک کے اندیشے میں گھلتی رہی تھی۔

میرے ایما پر اس نے ڈریسنگ ٹیبل کی ایک دراز کے پیچھے سے سی ایس ڈی نکال دی۔ میں نے وہ حساس آلہ جوڑ کر آف رکھا۔ پرانی ترکیب کے مطابق میں نے ہوٹل مرینا کی آپریٹر سے ویرا کے کمرے کا نمبر مانگا اور ریسیور پر ویرا کی آواز سنتے ہی سی ایس ڈی آن کر دی۔

"میرا دل کہہ رہا تھا کہ یہ تمہارا فون ہوگا" میری آواز سن کر ویرا نے جواب میں خوش دلی سے کہا۔

"تم کو کچھ بری عادتیں لاحق نہ ہوتیں تو تم کسی درجے پر فائز ہو سکتی تھیں۔ اب پورے دھیان سے سن لو کہ یہ شاید میرا آخری فون ثابت ہو" غیر ارادی طور پر میری آواز کچھ دھیمی ہو گئی تھی۔ احساس ہو جانے کے باوجود میں نے لہجہ تبدیل کیے بغیر اپنی بات جاری رکھی "حالات نے اچانک پلٹا کھایا ہے۔ میں کچھ لوگوں کی نگاہ میں آگیا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میری نگرانی شروع ہو گئی ہو، اب مجھے محتاط رہنا ہوگا۔"

"میل جول سے تم پہلے ہی گریز کر رہے ہو۔ سی ایس ڈی ہے تو فون کرنے میں کیا قباحت ہے؟"

"نگرانی کے ساتھ فون پر بھی نظر رکھی جا سکتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کی کوئی کوشش ناکام ہو اور وہ شبہ کرنے لگیں کہ ہم اپنے فون کے ساتھ کوئی خفیہ ڈیوائس استعمال کر رہے ہیں..."

"لیکن یہ اچانک کیسے ہو گیا؟" اس نے میری بات کاٹ کر سوال کیا۔

"لمبی کہانی ہے۔ ابھی یہ تعین نہیں ہو سکا کہ وہ مجھ پر شک کر رہے ہیں یا مجھے گھیرنا چاہ رہے ہیں۔ صورت حال مخدوش ضرور ہے۔"

"دونوں ایک ہی باتیں ہیں۔ خربوزہ چھری پر گرے یا چھری خربوزے پر۔ انجام ایک ہی ہوتا ہے۔ تم نے دونوں باتوں کو الگ کیوں کر دیا؟"

"کہہ رہا ہوں کہ یہ لمبی کہانی ہے۔ زندگی رہی اور ملاقات ہوئی تو تفصیل بھی بتا دوں گا۔"

"شکریہ!" ویرا کی زہریلی آواز میرے کان کے پردے سے ٹکرائی "تم نے یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا؟"

"اسی کے ساتھ ایک مشورہ بھی ہے۔ حالات قابو سے باہر ہونے سے پہلے یہاں سے لوٹ جاؤ ورنہ میرے ساتھ تم بھی عتاب میں آجاؤ گی۔"

"تم سمجھ لو کہ میں لوٹ چکی ہوں۔ میں اپنا اچھا برا سمجھتی ہوں۔ جو مناسب سمجھوں گی کروں گی۔"

"ضد مت کرو۔ اس وقت تم بھنور سے باہر کھڑی ہوئی ہو۔ ایک بار اس گرداب میں آگئیں تو ہوش اڑ جائیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گے۔"

"اب تک دوسروں کے ہوش اڑاتی رہی ہوں' اس بار یہ تجربہ بھی سہی!"

"کل تک تم تنہائی سے گھبرائی ہوئی تھیں۔ ہم سے ہر قسم کا رابطہ ختم کرنے کے بعد تمہارا ذہنی سکون جاتا رہے گا۔ ایسی حالت میں تم سے ذرا بھی لغزش ہوئی تو اس کی کوئی معافی نہیں ملے گی۔ تم بھول رہی ہو کہ اس وقت تم کہاں ہو۔"

"فون پر اتنی طویل گفتگو مناسب نہیں ہے" ویرا کی آواز زہر آلود تھی "تم کو جو کہنا تھا' تم نے کہہ دیا۔ تمہارے خلوص کا شکریہ۔ تم کو یقین ہونا چاہیے کہ میں خودکشی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ اپنی صوابدید کے مطابق بہترین فیصلہ کروں گی اور اس پر عمل پیرا ہوجاؤں گی۔ مجھے معلوم ہوچکا ہے کہ اب مجھے واقعی سب سے الگ رہ کر کام کرنا ہے۔ تمہاری اجازت ہو تو اب میں فون بند کردوں؟"

"مجھے یقین ہے کہ تم جذبات کی رو میں آکر کوئی غلطی نہیں کروگی۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس پر ٹھنڈے دل سے غور کروگی" میں نے بے بسی سے کہا۔

"جوان دل کبھی ٹھنڈے نہیں ہوتے۔ ان میں عزم اور ولولے کے الاؤ دہکتے رہتے ہیں' اوکے۔ گڈبائی!"

کلک کی آواز کے ساتھ لائن بے جان ہوگئی۔ میں نے خاموشی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

غزالہ نے میرے چہرے سے اندازہ لگالیا کہ ویرا سے گفتگو کی کیا نوعیت رہی ہوگی۔ اس نے بے ساختہ کہا "مجھے اندازہ تھا کہ وہ ہٹ دھرم ہے۔ آپ کی کسی معقول بات پر کان نہیں دھرے گی۔ اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا ہی مناسب ہوگا۔"

"اب یہی کرنا پڑے گا" میں نے پرتشویش لہجے میں کہا "اس پر سر کھپانا اب بے سود ہے۔"

کہنے کو میں نے وہ بات کہہ دی تھی مگر عملی طور پر ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ ویرا اپنے طور پر جو چاہتی' کرتی رہتی۔ ہم دونوں میں سے کوئی اس کی سلامتی کی طرف سے بے فکر نہیں ہوسکتا تھا۔

غزالہ کے لیے میری یک طرفہ گفتگو کافی تھی لیکن پھر بھی ہم کچھ دیر تک اسی موضوع پر متاسفانہ انداز میں باتیں کرتے رہے۔ مجھے قلق تھا کہ ویرا نے اپنی عادت کے عین مطابق میری باتوں پر بھروسا نہیں کیا تھا۔ اس کے ذہن میں شکوک و شبہات کے گیڑے رینگ رہے تھے۔

اپریٹس آن تھا۔ اس پر گوپال کی بھرائی ہوئی سی آواز ابھرتے ہی ہماری گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور میں غزالہ سے اپریٹس لے کر کھڑکی کے قریب پہنچ گیا تھا تاکہ عابد علی عرف گوپال کی آواز واضح طور پر سنائی دی جاسکے۔

گوپال جی ٹو تھا اور اس وقت مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کا پیغام مکمل ہوتے ہی میں نے اسے اپنی موجودگی کی اطلاع دے دی۔

"تمہاری آواز سن کر میرے ذہن پر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا" میرے جواب پر ایک گہرے سانس کے بعد گوپال کی آواز آئی "میں تمہاری طرف سے بہت فکرمند تھا۔ ہوٹل میں اس لڑکی کا تم سے ٹکرانا خالی ازعلت نہیں تھا۔ وہ را والوں کے لیے کام کرتی ہے' اوور۔"

"فکرمندی کے لیے میں تمہارا ممنون ہوں مگر میں نے سنیل کو واپسی کی ہدایت کی تھی۔ وہ دوبارہ ہوٹل کیوں آیا؟ اوور!" میں نے اپنے ذہن میں بچھو کے ڈنک کی طرح چبھنے والا وہ سوال اس سے کرڈالا۔

"اس میں سنیل کی نہیں' میری غلطی تھی" گوپال نے فراخ دلی سے اعتراف کرلیا "اس نے مجھے تمہاری ہدایت کے بارے میں بتایا تھا۔ میں نے سمجھا کہ تم نے تکلف میں اسے گھر جانے کا حکم دیا ہے۔ میں نے اسے تاکید کی تھی کہ واپسی سے پہلے احتیاطاً ایک بار ہوٹل کا چکر لگالے اور دیکھ لو کہ اس نے ایک خطرناک لڑکی کو تمہارے ساتھ دیکھ لیا۔ وہ بہت چالاک اور دیدہ دلیر لڑکی ہے۔ وہ تم سے کیسے ٹکرا گئی؟ اوور!"

میں نے بات بڑھانے کا ارادہ ترک کردیا۔ ویرا سے ترشی پیدا ہوجانے کے بعد میں دوسرا محاذ کھولنے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے کہا "تم لڑکی کے بارے میں اتنا کچھ جانتے ہو لیکن اس کا نام لینے سے گریز کیوں کررہے ہو؟"

میری بات مکمل ہوجانے پر وہ بولا "وہ ہر موقع پر ایک مختلف نام استعمال کرتی ہے۔ پتا نہیں تم سے کس نام سے ملی تھی۔"

"رینا اجیت رائے!" میں نے اس کا نام دہرایا "وہ ایک معزز گھرانے کی لڑکی ہے۔ میرے پاس اس کا وزیٹنگ کارڈ موجود ہے" میں نے دانستہ اسے یہ بات نہیں بتائی کہ مجھے خود رینا پر شبہ ہوچکا تھا۔ شاید یہ سنیل کی ہوٹل واپسی کا ردِعمل تھا۔ وہ لوگ باخبر تھے تو میں دیکھنا چاہتا تھا کہ رینا کے بارے میں ان کے ذرائع کیا اطلاعات فراہم کرسکتے تھے۔ میں نے انل بسواس کا نام بھی نہیں لیا۔

"مجھے اس کا پتا بتاؤ۔ میں چیک کرکے دس منٹ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوبارہ رابطہ کرتا ہوں۔ وہ کہاں سے معزز ہوگئی؟ سنیل بتا رہا تھا کہ وہ میرٹھ کے ایک معمولی گھرانے کی لڑکی ہے۔ دہلی میں قرب وجوار کے شہروں سے آئی ہوئی ایسی ہزاروں لڑکیاں گھومتی پھرتی ہیں۔"

میں نے رینا کے کارڈ پر چھپا ہوا۔ پتا دہرا دیا جو مجھے زبانی یاد ہو چکا تھا۔

"گریٹر کیلاش واقعی دہلی کا مہنگا ترین رہائشی علاقہ ہے" رینا کا پتا سن کر گوپال کے لہجے کا اعتماد کمزور پڑ گیا۔ وہ کہہ رہا تھا "اگر وہ وہیں رہتی ہے تو پھر اس کی پرواز بہت اونچی ہے۔ راوالے مقامیوں کو اتنے بھاری معاوضے نہیں دیتے کہ وہ گریٹر کیلاش میں رہ سکیں۔"

"اس کا باپ آسودہ حال ہے۔ مفلوج ماں گھر کی اوپری منزل پر پڑی رہتی ہے۔ نیچے باپ اپنی رنگین محفلیں سجاتا ہے۔ رینا سہیلیوں سے ملاقات کے بہانے اپنے مرد دوستوں سے میل جول برقرار رکھتی ہے۔ یہ اس کی مختصر اور پوری کہانی ہے" میں نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"ان تفصیلات نے مجھے شبہے میں ڈال دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سنیل کو دھوکا ہوا ہو۔ پھر بھی میں چیک کرتا ہوں۔"

"میں تمہاری کال کا انتظار کروں گا' اوور اینڈ آل!" غیر ارادی طور پر میرے لہجے میں ہلکا سا طنز ابھر آیا۔ میں نے ایرپیس بند کر دیا۔

"آپ نے اسے انل بسواس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اب کال کرے گا تو ضرور بتاؤں گا۔ پہلے ان لوگوں کو تھوڑا سا کام کر لینے دو۔ وہ مجھے اپنا بڑا تسلیم کر رہا ہے پھر بھی مربیانہ انداز اپنائے ہوئے ہے۔"

"ویرا سے گفتگو کے بعد شاید آپ کا موڈ خراب ہو چکا ہے ورنہ گوپال نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔"

"بے شک نہیں کی لیکن اس سے پہلے وہ سنیل کو دوبارہ ہوٹل کا چکر لگانے کی ہدایت دے کر اپنی بڑائی جھاڑ چکا تھا۔"

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی "اس وقت آپ واقعی چڑچڑے ہو رہے ہیں۔ ابھی تک اتنی سی بات کو لیے بیٹھے ہیں۔"

"تم ان باتوں میں نہ پڑو۔ اسے میں خود سنبھال لوں گا۔ اب مجھے فکر ہے کہ اول خان سے کیسے بات کی جائے۔ میں یہاں سے فون نہیں کر سکتا۔"

"کیوں؟" غزالہ چونک پڑی "اس سے بات کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"اب واقعات میں اچانک تیزی آسکتی ہے۔ ممکن ہے کہ پاکستان فون کرنا ناممکن ہو جائے۔ میں نئی صورت حال کے بارے میں اسے تازہ ترین بریفنگ دینا چاہتا ہوں تاکہ وہ لوگ اندھیرے میں نہ رہیں۔"

"اس بارے میں گوپال ہی کوئی مناسب مشورہ دے سکے گا" غزالہ نے شریر لہجے میں کہا۔

میں نے سرد نظر سے اسے گھورا اور اس کے لبوں پر مچلتی ہوئی مسکراہٹ بے ساختہ قہقہے میں تبدیل ہوگئی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ وہ ذہنی دباؤ سے نکلنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

گوپال نے دس منٹ کا وقت لیا تھا لیکن اس سے پہلے ہی اس کی کال آگئی۔ رابطہ ہوتے ہی وہ پرجوش آواز میں پھٹ پڑا "سنیل کا شبہ درست تھا۔ وہ لڑکی تم سے جھوٹ بول رہی ہے۔ ترشول مارگ کے اس بنگلے میں کلاسیکل ڈانس اکیڈمی قائم ہے جہاں باہر سے آنے والی لڑکیوں کو سستے نرخ پر بورڈنگ کی سہولتیں بھی فراہم کی جاتی ہیں۔ وہاں رقص سکھانے کے نام پر لڑکیوں کو راکے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ رینا بھی اسی کے کسی کمرے میں رہتی ہوگی۔ اپنے ماں باپ کے بارے میں اس کی کہانی بے بنیاد ہے۔ کل تک یہ معلوم کرنے کی کوشش بھی کی جائے گی کہ اکیڈمی یا اس کے بورڈنگ ہاؤس میں وہ کس نام سے رہ رہی ہے۔"

"وہ چھپا ہوا کارڈ ہے۔ نام درست ہی ہوگا۔" میں نے اپنی رائے ظاہر کی "اس نے گریٹر کیلاش کے مرعوب کن پتے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی فرضی امارت کی کہانی سنائی ہے۔ اگر وہ معزز اور خوش حال گھرانے سے ہوتی تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ مجھے اس پر شبہ ہو چکا تھا۔"

"تمہیں لازماً شک ہونا چاہیے تھا۔ ایک اجنبی لڑکی تمہارے قریب کیوں آئی تھی۔"

"ابتدائی نکتہ یہی تھا۔ بعد میں اس نے مجھے انل بسواس کے لیے کام کرنے کی پیش کش بھی کی تھی۔ وہ اسے اپنا انکل کہہ رہی تھی۔"

گوپال میری زبان سے وہ انکشاف سن کر اچھل پڑا ہوگا۔ اس کی تحیر زدہ آواز ابھری "یہ بات تم مجھے اتنی دیر سے بتا رہے ہو۔"

"تمہیں ذہنی طور پر تیار کر رہا تھا۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ گڑبڑ ہو چکی ہے۔ انہوں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔" اس کی حیرت فوراً ہی تشویش میں بدل گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ میرے بارے میں وہ اس قدر ہیجان میں مبتلا ہیں کہ پہچان لیتے تو لمبے چوڑے لاؤ لشکر کے ساتھ فوراً ہوٹل کا محاصرہ کرکے مجھے پکڑ لیتے۔ میری دل جوئی کے لیے رینا جیسی لڑکی کو نہ بھیجتے۔"

"پھر وہ تمہارے پاس کیوں آئی تھی؟" ہر ذہن میں پہلا سوال وہی ابھرتا تھا۔ وہ لاکھوں روپے کا سوال تھا جس کا جواب مجھے بھی نہیں معلوم تھا۔

"دوسرے بڑے شہروں کی طرح دہلی بھی ایسی نوجوان لڑکیوں کی آماج گاہ ہے جہاں دور دراز کے علاقوں تک سے نوجوان لڑکیاں روزگار کی تلاش میں آتی ہیں۔ کچھ اپنا ہدف حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہیں بیشتر کہیں بھٹکتی رہتی ہیں۔ را والے ان میں اپنے مطلب کی لڑکیوں کو تاڑ لیتے ہیں۔ وہ لڑکیوں کے ذریعے کام نکالنے کے معاملے میں دنیا بھر کی ایجنسیوں سے آگے ہیں۔ انہوں نے کچے ذہن کی لڑکیوں کو اپنے سانچے میں ڈھالنے کے لیے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی جیسے کئی نام نہاد ادارے قائم کیے ہوئے ہیں۔" میری طرف سے لاعلمی کے اظہار کے بعد وہ را والوں کے طریقہ کار کے بارے میں مجھے سمجھانے لگا "ان کی یہ حکمت عملی اکثر کامیاب رہتی ہے۔"

"یہ دوسری جنگ عظیم کا کامیاب ترین سبق ہے جو مغرب سے بھارت والوں نے سیکھا ہے۔" میں نے کہا "گھر بار اور مہذب معاشروں سے دور، بھیانک جنگی ماحول میں شب و روز بارودی دھماکوں میں گزارنے والے فوجی صنف نازک کے دیدار کو ترسے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہیں تازہ دم ہونے کے لیے محاذ سے صرف تین دن کے لیے پیچھے بلا کر تازہ دم دستے آگے بھیجے جاتے تھے۔ ان دو تین چھٹیوں کو وہ اپنی زندگی کی آخری مہلت سمجھ کر بے صبری سے گزارتے تھے۔ ان کے لیے عورت صرف عورت ہوتی تھی۔ انہیں اس کی قوم، مذہب، زبان اور وفاداریوں سے کوئی غرض نہیں ہوتی تھی۔ عورت کی نرم و حیات آفریں آغوش میں پہنچ کر دونوں حریفوں کے فوجی بہک جاتے تھے اور اپنی فوج کی پوزیشنوں سے لے کر دوسرے اہم راز تک آسانی سے اگل دیتے تھے۔ زمانہ جنگ کا وہ سبق آج امن اور سرد جنگ کے دنوں میں بھی کہیں کہیں دہرایا جارہا ہے۔"

"تم بالکل درست کہہ رہے ہو۔ تمہارا مشاہدہ اور معلومات کا دائرہ ہم لوگوں سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ کاش ہم تمہارے اس تجربے سے بھرپور فیض اٹھا سکیں۔"

اس کے بے ساختہ جواب سے میرے دل میں ٹھنڈک سی پڑ گئی۔ سنیل والے واقعے پر میرے دل میں جو کدورت پیدا ہوگئی تھی، وہ دھل گئی۔ میری انا کا ہلکا سا زخم اس کے چند نرم فقروں سے یکایک بھر گیا اور میں ان تینوں کے لیے ایک بار پھر اپنے دل میں محبت اور اپنائیت محسوس کرنے لگا۔

"تم رینا کے بارے میں اتنا کچھ جانتے ہو تو اسے نظر انداز کیوں کیا ہوا ہے؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"ہم اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں اور گرد و پیش سے پوری طرح باخبر رہنے کی کوشش کرتے ہیں مگر غیر ضروری بکھیڑوں میں نہیں الجھتے۔ ہم اپنی ساری توجہ اپنے اہداف پر مرکوز رکھتے ہیں۔ ان کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرتے ہیں۔ اس سے آگے ہمیں کسی چھیڑ چھاڑ کی اجازت نہیں ہے۔ یہ ہمارا ڈسپلن ہے جسے تم ہماری مجبوری بھی کہہ سکتے ہو۔"

"اب وہ مجھ سے قریب ہونے کی کوشش کررہی ہے۔ ایک اہم شخص کا نام بھی لے چکی ہے۔ اسے تمہارے دائرہ کار میں آجانا چاہیے۔"

"اس وقت وہ میری اولین ترجیح بن چکی ہے۔" گوپال نے بلا توقف جواب دیا "ایسا نہ ہوتا تو میں مضطرب کیوں ہوتا!"

"ترجیحات بدلنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ جو کچھ آسانی سے معلوم ہوجائے، وہ مجھے بتادینا۔ وہ بدمعاش لڑکی ہے، میں دیکھوں گا کہ وہ میرے ساتھ کیا کھیل کھیلنا چاہ رہی ہے۔ شاید وہی دہلی میں میری کامیابی کا زینہ بن جائے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اس کے ساتھ مل کر انل بسواس تک جانے کا فیصلہ کرچکے ہو؟" گوپال کی آواز سے حیرت جھلک رہی تھی۔

"مجھے اس تک پہنچنا ہے۔ میں اسی کے فراق میں ہوں۔ یہ اچھی بات ہے کہ رینا میرا یہ کام آسان کرنے کے موڈ میں ہے۔ میں اس موقع سے ضرور فائدہ اٹھاؤں گا۔ اور کچھ نہیں تو مجھے اس شخص کو قریب سے دیکھنے اور کسی حد تک سمجھنے کا موقع مل سکے گا۔"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہم وہی کریں گے جو تم چاہو گے۔" اس کی آواز میں سنجیدگی اور فکرمندی اتر آئی۔

"فی الحال تم تینوں مجھ سے دور رہو۔ میرا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کسی وجہ سے ان کی نظروں میں آگیا ہوں تو اس کے اسباب واضح ہونے تک کسی کو میرے قریب آنے کی ضرورت نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی اور کی گردن کٹ جائے.... اس وقت میرا صرف ایک مسئلہ ہے۔ میں پاکستان بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ گفتگو ٹرانسمٹر پر ہو رہی تھی اس لیے ہم دونوں بے فکری سے کھل کر بات کر رہے تھے۔ میں نے اتنی احتیاط ضرور برتی تھی کہ انل بسواس کا نام کم سے کم استعمال کیا تھا۔ ہمارے اپریٹس کی ریڈیو کوئنسی کے بارے میں گوپال مجھے بتا چکا تھا کہ وہ بڑی حد تک محفوظ تھی۔

"تم اپنے کمرے سے براہِ راست دنیا بھر کا کوئی بھی نمبر ملا سکتے ہو۔ سی ایس ڈی کے ہوتے ہوئے تمہیں کیا فکر ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"میری بات ہو جائے گی مگر ہوٹل کے بل میں میرا ملایا ہوا نمبر ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے گا۔ میرے ساتھ کوئی گڑبڑ ہو گئی تو وہ نمبر دشمنوں کے ہاتھ لگ جائے گا۔ میں ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ سنیل نے سرلا کے گھر سے مجھے ایک فون کرنے کا موقع دیا تھا۔"

"اب ادھر کا رخ کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ بدمعاش لڑکی کے سامنے آنے کے بعد حالات اچانک بدل گئے ہیں۔" چند ثانیوں کے لیے لائن پر سکوت چھا گیا۔ اس کی بات ادھوری تھی۔ شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر اچانک اس نے پوچھا "پاکستان سے آنے والی کال کی کیا پوزیشن ہوگی۔"

"رابطہ ہونے پر میں اسے بھی سی ایس ڈی پر ڈال سکتا ہوں۔" گوپال کے سوال پر میں اس کی ذہانت کا قائل ہو گیا۔

"پھر مجھے نمبر دے دو۔ میں پیغام دے دیتا ہوں۔ تمہارا آدمی پاکستان سے تمہارے ہوٹل فون کرلے گا۔ اس کا نمبر کہیں ریکارڈ نہیں ہوگا۔"

میں نے اپنی رسٹ واچ پر ایک نظر ڈالی اور اسے اول خان کا نام اور گھر کا فون نمبر دے دیا۔

میرا خیال تھا کہ اول خان کا نام اس کے لیے اجنبی نہیں ہوگا لیکن گوپال نے کوئی ردِ عمل ظاہر کیے بغیر کہا "میں ابھی پیغام دے دیتا ہوں۔ تم کال وصول کرنے کے لیے تیار رہنا۔ تمہارا مطلوبہ آدمی دستیاب نہ ہو سکا تو میں اپریٹس پر تمہیں بتا دوں گا۔"

"شکریہ! سنیل کو بتا دینا کہ میری اگلی ہدایت تک اسے گاڑی لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

"ان پے در پے مصروفیات کا یہ فائدہ ہوا کہ رینا کے ساتھ اس کے کمرے میں گزارے ہوئے رنگین و سنگین لمحات میرے ذہن سے محو ہو گئے۔ جب تک وہ خیال ذہن پر طاری تھا، میں غزالہ کے سامنے اپنے دل میں ایک مجرمانہ خلش محسوس کر رہا تھا لیکن غزالہ اور گوپال سے گفتگو کے بعد میرا ذہن ہلکا ہو چکا تھا۔

رینا اجیت رائے نہایت پُر فریب اور مکار لڑکی تھی۔ اس نے اپنی کہانی اتنے اعتماد اور روانی سے سنائی تھی کہ مجھے ایک لمحے کے لیے بھی اس پر جھوٹ کا شبہ نہیں ہو سکا تھا۔ اپنے لباس اور رکھ رکھاؤ سے بھی وہ اس طبقے سے بہت بلند نظر آ رہی تھی جس سے اس کا حقیقی تعلق تھا۔

اگر وہ واقعی میرٹھ کے کسی معمولی گھرانے سے نکل کر فکر معاش میں دہلی آئی تھی تو اخلاقی پستی اور کردار کی تباہی سے قطع نظر، اس کی پیشہ ورانہ مالی کامیابی غیر معمولی تھی مگر پھر بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ انل بسواس اس کا انکل ہوتا۔ دونوں کے طبقاتی فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ رشتہ ناقابلِ یقین تھا۔ شاید را کے لیے کام کرنے والی اخلاق باختہ لڑکیاں اپنے شکاروں کو منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لیے اعلیٰ افسروں کو اپنا ماموں یا چچا ظاہر کرتی تھیں۔

رینا اور انل بسواس میں کوئی رشتے داری نہیں تھی تو صرف دو امکانات باقی رہ جاتے تھے۔ انل بسواس کی نظروں میں میری کوئی غیر معمولی اہمیت ہوتی تو میرے اور اس کے درمیان فوری ملاقات متوقع تھی۔ اس اہمیت میں ذرا بھی کمی ہوتی تو رینا اپنے خود ساختہ انکل سے ملاقات کے لیے قریبی وقت لینے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ انل بسواس را کا ایک بڑا اور اہم افسر تھا۔ اپنی مصروفیات میں سے وقت نکالنا اس کے لیے مسئلہ ہو سکتا تھا۔

انل بسواس ہماری بساط کا سب سے اہم مہرہ تھا جس کا جلد از جلد پٹنا ضروری ہو گیا تھا۔ ہم بھارت پہنچے تو ہمارے ذہنوں میں صرف اسی کا نام تھا لیکن دہلی میں کچھ وقت گزار لینے کے بعد ہماری فہرست میں مزید کچھ ناموں اور کاموں کا اضافہ ہو چکا تھا۔

ترجیحات کے اعتبار سے انل بسواس کے بعد اس کے خصوصی ماتحت نریش شرما کا نام آتا تھا جو دہشت گردی اور اس کی منصوبہ بندی میں خاصی مہارت رکھتا تھا۔ دہلی میں کام کرنے والے آئی بی کے ایجنٹوں کی معلومات کے مطابق وہ ان دنوں گرین کور افائل پر کام کر رہا تھا۔ نریش شرما کو کیفر کردار تک پہنچانے کے ساتھ وہ اصل فائل یا اس کی نقل حاصل کرنی ضروری تھی۔

جان اسمتھ کا نام اس کے بعد آتا تھا۔ جنوب مشرقی ایشیا میں وہ سی آئی اے کے آپریشنز کا چیف تھا۔ وہ کراچی میں ویرا کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر دہلی آیا تھا اور چانکیہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پوری نامی سفارتی علاقے میں ہوٹل سمراٹ میں مقیم تھا۔ اسے ٹھکانے لگانا ویرا کا دیرینہ خواب تھا لیکن وہ تھوڑی دیر پہلے مجھ سے ناراض ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ مل کر کوئی بھی کام کرنا ہم تینوں کے لیے مخدوش ہو سکتا تھا۔ رابطے ختم ہو گئے تھے۔ ویرا بوکھلائی ہوئی تھی۔ میں اسے پاکستان واپسی کا ناقابل قبول مشورہ دے چکا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ جان اسمتھ کو بھی ہمیں ہی دیکھنا تھا۔

میں ان خیالات میں ڈوبا رہا۔ اس دوران میں غزالہ سے تبادلہ خیال بھی ہوتا رہا۔ پھر فون کی گھنٹی نے ہمیں چونکا دیا۔

سی ایس ڈی آف تھی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو ہوٹل کی آپریٹر نے مجھے بتایا کہ میرے یعنی مظہر خان کے لیے بیرون ملک سے کوئی فون کال تھی۔

اول خان کی آواز سنتے ہی میں نے سی ایس ڈی آن کر دی۔ وہ اس آلے کے استعمال کا ایک سادہ طریقہ تھا۔ جو مجھے دہلی پہنچنے کے بعد سوجھا تھا۔ سی ایس ڈی کی دو طرفہ افادیت سے فیض یاب ہوتے ہوئے مجھے خوشی ہو رہی تھی۔ وہ واقعی ایک بے مثال آلہ تھا اور اگر بدری ناتھ اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا تو وہ ایسا کرنے میں حق بہ جانب تھا۔

"یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب میں بھی تمہیں فون کر سکتا ہوں۔" اول خان نے مبہم الفاظ میں کہا "شاید تم نے کوئی بندوبست کر لیا ہے۔"

"ہاں' ڈیوائس آن ہے۔" میں نے اسے اطلاع دی "مشکل یہ ہے کہ اب شاید میں کئی دنوں تک تم سے رابطہ نہ کر سکوں۔ تم پرسوں شام سات بجے فون کر لینا تاکہ میں تمہیں تازہ ترین حالات سے باخبر کر سکوں۔"

"یہ الٹی گنگا کیوں بہہ رہی ہے؟" اول خان کی آواز حیرت زدہ سی تھی "پہلے ہمارے فون کرنے پر پابندی تھی۔ اب تم اپنی مجبوری ظاہر کر رہے ہو۔"

"حالات میں کچھ تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ یہ اسی کی پیدا کی ہوئی مجبوری ہے۔"

"ڈیوائس آن ہے تو آپریٹر سے کال تم تک کیسے منتقل ہو گئی؟ لائن ڈراپ ہو جانی چاہیے تھی۔" اول خان کو وہ نکتہ یاد آ گیا۔

"بہت سیدھی سی بات ہے جس کی طرف پہلے دھیان نہیں گیا تھا۔" یہ کہہ کر میں نے اسے سوئچ کے استعمال کے بارے میں بتا دیا۔

"اس سے پہلے کہ میں باتوں میں الجھ کر بھول جاؤں' تم کو ایک ضروری مسئلے سے آگاہ ہو جانا چاہیے۔" اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے یکایک کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی تھی جو اس کے نزدیک بہت اہم تھی۔

"تم کہہ ڈالو۔ میں اپنی بات بعد میں کروں گا۔" میں نے روا روی میں جواب دیا۔

"مجھے اطلاع ذرا دیر سے ملی ہے لیکن غنیمت ہے کہ مل گئی۔ کل ایک مشتبہ آدمی تمہارے بارے میں پوچھ گچھ کرتا پھر رہا تھا۔"

"وہ کون تھا اور کیا پوچھ گچھ کر رہا تھا؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تمہاری رہائش کے بارے میں تصدیق کر رہا ہو۔ یہ کوئی چکر معلوم ہوتا ہے۔"

"ہم لوگ یہاں چلے آئے۔ جہانگیر کی آمد و رفت سے بچنے کے لیے سلطان شاہ تمہارے پاس آ گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ گھر پر تالا لگنے کی وجہ سے کسی پڑوسی وغیرہ کو تشویش ہوئی ہو۔ تم اس معمولی سی بات کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو؟"

"یہ گلشن والے گھر کی بات نہیں ہے۔ وہ مقفل ضرور ہے مگر ایک چوکیدار وہاں رہ رہا ہے۔ کوئی ادھر کا رخ کرتا تو چوکیدار اس کی گردن ناپ لیتا۔ یہ واقعہ اس پتے پر پیش آیا ہے جو مظہر خان کے کاغذات وغیرہ پر درج ہے۔"

میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے دانستہ پاسپورٹ کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا لیکن بات واضح ہو چکی تھی۔ ساری اہمیت اسی بات کی تھی کہ میرے فرضی نام اور پتے کی تصدیق کی گئی تھی۔

پاکستان میں ہمارے سفری کاغذات اول خان اور جلال کے سوا کسی کے ہاتھوں میں نہیں گئے تھے۔ ان دونوں کو یا ان کے کسی آدمی کو میرے بارے میں کسی تصدیق کی ضرورت نہیں تھی۔ البتہ امرتسر اور دہلی کے ہوٹلوں میں اندراجات کے لیے پاسپورٹ دکھانے پڑے تھے۔ امرتسر میں کوئی غیر معمولی بات پیش نہیں آئی تھی۔ وہاں سے کوئی شوشا نکلنے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔

دہلی کی صورتِ حال مختلف رہی تھی۔ وہاں ہوٹل والوں نے کسی شبے کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن بھارت میں پاکستانی دہشت گردوں کے گھس آنے کی خبر یا افواہ پھیلنے کے بعد ہوٹلوں میں مقیم پاکستانیوں کی پولیس چیکنگ ہوئی تھی۔ اس چیکنگ کے دوران میں مجھ سے کوئی ٹیڑھی بات نہیں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میں اس چیکنگ سے صاف بچ نکلا تھا لیکن اول خان کی دی ہوئی اطلاع کوئی اور کہانی سنا رہی تھی۔ شاید پڑتال کرنے والے پولیس افسران نے میرے کوائف نوٹ کرلیے تھے۔ ان ہی کی بنا پر کراچی میں کوائف کی تصدیق کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔

"ہم تینوں کے اندراجات حقیقی ہیں؟" میں نے فون پر سوال کیا۔

"اتنے حقیقی ہیں کہ ہر وقت ان کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ یہ نکتہ شروع سے میرے پیش نظر رہا تھا۔"

"پھر تو این کاویل اور غزالہ کے پتوں پر بھی کوئی نہ کوئی پہنچا ہوگا۔" میں نے شبہ ظاہر کیا۔

"نہیں، وہاں سے ایسی کوئی رپورٹ نہیں ملی۔ یہ صرف تمہارا مسئلہ تھا۔"

میری ذہنی رو فوری طور پر رینا کی طرف مبذول ہوگئی۔ پچھلے روز صبح سویرے پولیس والوں نے ہوٹل کے دفتر میں پاکستانیوں کے پاسپورٹوں وغیرہ کی دیکھ بھال کی۔ شاید اسی شام کراچی میں کسی نے میرے دیے ہوئے پتے کی تصدیق کی اور پھر اگلے روز رینا مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔

واقعات کی کڑیاں آپس میں ملتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ پولیس والوں کے ذریعے میرے کوائف راولپنڈی والوں تک پہنچے تھے۔ وہ فیکس کی سہولتوں کا زمانہ تھا۔ دہلی میں را کے ہیڈ کوارٹرز سے لمحہ بھر میں وہ تفصیلات پوری رازداری کے ساتھ کراچی کے بھارتی قونصل خانے یا وہاں مقیم کسی ایجنٹ کو پہنچائے جاسکتے تھے۔ کراچی والوں نے میرے نام اور رہائشی پتے کی تصدیق کردی اور فوری طور پر رینا کو میری طرف بھیجنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کیوں؟ یہی وہ گمشدہ کڑی تھی جہاں آکر بات ٹھپ ہوجاتی تھی۔

رینا کی کہانی کی پرتیں بہت تیزی کے ساتھ اترتی جارہی تھیں۔ اس کی ثروت و امارت کی قلعی گوپال نے کھولی تھی۔ باقی کسر اول خان نے پوری کردی تھی۔

"اب تم میری بات پوری طرح سمجھ سکو گے۔ مجھے شبہ ہے کہ یہاں کوئی میرے پیچھے لگ گیا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اپنے رابطے عارضی طور پر معطل کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ فضا صاف ہوتے ہی تمہیں خبر کردوں گا۔" میں نے اول خان سے کہا۔ میں نے تفصیل سے دانستہ گریز کیا تھا۔

"یہ بری خبر ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھنا کہ تمہاری زندگی اور سلامتی ہر کام پر فوقیت رکھتی ہے۔"

میں بے اختیار دھیرے سے ہنس دیا "تم فکر نہ کرو۔ زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے۔ وقت پورا ہونے سے پہلے کوئی کسی کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ ہم اس وقت سے بے خبر ہوتے ہیں اس لیے احتیاط اور اندیشوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ تم مطمئن رہو، بس پرسوں فون ضرور کرلینا۔"

"اس بارے میں مزید کوئی تفصیل نہیں بتاؤ گے؟" اول خان نے پُرامید لہجے میں سوال کیا۔

میں تکرار سے اکتاہٹ محسوس کررہا تھا اور پھر اسے بلاوجہ وسوسوں میں مبتلا کرنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے بات وہیں ختم کرنے کے ارادے سے کہا "ابھی مجھے خود کچھ اندازہ نہیں ہے۔ پرسوں تک کچھ نہ کچھ سامنے آجائے گا تو تمہیں بتادوں گا۔"

"اس وقت میں گھر پر ہوں۔ سلطان شاہ اسٹیشن پر رہ رہا ہے ورنہ میں اس سے تمہاری بات ضرور کراتا۔ وہ ہر وقت تم تینوں کو یاد کرتا رہتا ہے۔"

"میری، بلکہ سب کی طرف سے اسے دعا سلام کہہ دینا۔" میں نے جواب دیا۔

اول خان نے ایک بار پھر اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کرنے کے بعد فون بند کردیا۔

○☆○

مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد ویرا کا دماغ سنک گیا۔ میں نے پورے خلوص سے اسے ہر بات بتانے اور سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کے اڑیل دماغ میں بس ایک بات بیٹھی ہوئی تھی کہ میں پاکستان ہی سے اسے اپنے ساتھ لانے کا مخالف تھا اور بھارتی سرزمین پر پہنچ جانے کے بعد اسے واپس بھیجنے کے بہانے تلاش کرنے میں مصروف تھا۔ ویرا نے تہیہ کرلیا کہ بھارت میں اپنی اہمیت منوانے کے لیے وہ اپنے طور پر کچھ نہ کچھ کر گزرے گی۔

ہمارا اور اس کا رابطہ رہا تھا لیکن اسے آئی بی والوں کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا کہ ان سے کہاں اور کیسے رابطہ ہوسکے گا۔ اسی طرح انل بسواس اس کے لیے صرف ایک نام تھا جس تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔ رینا کا نام سرے سے اس کو نہیں معلوم تھا۔ صرف یہ پتا تھا کہ کچھ خطرات سر اٹھا چکے تھے۔

اس شام اس نے غصے کے عالم میں اپنا کمرا مقفل کیا اور مرینا ہوٹل کے بار میں جا بیٹھی۔

وہ ہمیشہ کی طرح بلانوش اور بے تکلف تھی۔ اس شام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے دل کھول کر مے نوشی کی تاکہ غصے کی جھونک سے نکل سکے۔ ایک جوان اور خوب رو سفید فام لڑکی کو اتنی بے تکلفی سے مے نوشی کرتے دیکھ کر مردوں کا متوجہ ہونا فطری امر تھا۔ کئی مقامیوں نے اس کے ساتھ مل بیٹھنے کی کوشش کی لیکن ویرا نے انہیں جمنے نہیں دیا۔ وہ منہ پھٹ تھی۔ اس نے جھڑک کر انہیں اپنی میز سے بھگا دیا۔

بار کی رنگین فضا میں اپنا اکیلا پن اسے بھی کھل رہا تھا۔ کوئی معقول ساتھی مل جاتا تو نہ صرف اس کے دل کی بھڑاس نکلتی رہتی بلکہ وہ بن بلائے مہمانوں کی آمد و رفت سے بھی بچی رہتی۔ ساتھی کے انتخاب کے سلسلے میں یہ بات اس کے ذہن میں بیٹھی ہوئی تھی کہ کہیں وہ کسی مشتبہ آدمی کے جال میں نہ پھنس جائے۔ ایسا جال کوئی مقامی ہی ڈال سکتا تھا اس لیے وہ ان کی طرف سے بھڑکی ہوئی تھی۔

اسی دوران میں دور بیٹھے ہوئے ایک اطالوی نوجوان نے میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا تو ویرا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ دہلی جیسے شہر میں وہ شائستہ غیر ملکی کسی بکھیڑے میں ملوث نہیں ہو سکتا تھا۔ ویرا نے جوابی مسکراہٹ سے اس کی حوصلہ افزائی کی اور وہ اپنا پیگ سنبھالے ویرا کی میز پر آگیا۔

وہ میلان یونیورسٹی کا ایک طالب علم تھا۔ تاریخ اور قدیم تہذیبوں کے حوالے سے اسے مشرق سے دلچسپی تھی۔ وہ اپنی چھٹیاں بھارت، نیپال اور برما میں گزارنے کے ارادے سے اکیلا سیاحت پر نکلا ہوا تھا۔ صنف مخالف اس کی بنیادی ضرورت تھی۔ ویرا نے اسے اپنی قومیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

"تم تہذیب کی تلاش میں یہاں آئے ہو۔ مجھے تو اس شہر میں بدتہذیبی کے سوا کچھ نظر نہیں آیا" تعارف اور رسمی کلمات کے تبادلے کے بعد ویرا نے برا سا منہ بنا کر اس سے کہا۔ "میں تمہیں کافی دیر سے بار کے کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا دیکھ رہی تھی۔ تم نے کئی بار میرا جائزہ لیا لیکن زبردستی متعارف ہونے کی کوشش نہیں کی" وہ روانی سے اطالوی زبان بول رہی تھی۔

وہ بے اختیار ہنس پڑا "اوہ! تو تم کن انکھیوں سے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ تم گردوپیش سے بے خبر ہو" وہ عام اطالوی مردوں کی طرح عورتوں کا خوشامدی اور شیخی خورہ نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ کہا، بہت شائستگی سے کہا تھا۔ اسے خوشی ہوئی تھی کہ ویرا اس کی مادری زبان جانتی تھی۔

"مگر اس دوران میں کئی مقامی زبردستی میرے سر پر مسلط ہونے کی کوشش کر چکے ہیں۔ یہ اتنے ڈھیٹ ہیں کہ طنز کو بھی ہنس کر پی جاتے ہیں۔ مجھے دو ٹوک الفاظ میں انہیں اپنی میز سے فوراً اٹھ جانے کے لیے کہنا پڑا۔ زیادہ دن یہاں رکے تو تم بھی ان کے رنگ میں رنگ جاؤ گے۔"

"میں زیادہ دن نہیں رکوں گا۔ مجھے دوسرے شہروں اور ملکوں کی سیاحت بھی کرنی ہے۔ بس یہاں کسی کام میں اتنی اجرت مل جائے کہ آگے کا خرچ پورا ہو سکے تو میں آگے چل دوں گا۔ شہروں میں کام ملتا ہے۔ اصل زندگی دیہات اور قصبوں میں دیکھنے کو ملتی ہے جہاں پرانی روایات آج بھی زندہ ہیں۔"

ویرا کو رابرٹو نامی اس نوجوان میں زیادہ دلچسپی محسوس ہونے لگی۔ اس نے پوچھا "تم اجرت پر کس قسم کے کام کرتے ہو؟"

"کوئی بھی...." اس نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد جواب دیا "یا جو کام مل جائے۔ میلان میں بھی میں اسی طرح اپنے سارے اخراجات پورے کرتا ہوں۔ دراصل ضرورت مند کو کام میں انتخاب کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ یہ کام دینے والے کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے۔"

رابرٹو کا گلاس خالی ہونے والا تھا۔ ویرا نے قریب سے گزرتے ہوئے ویٹر کو روک کر مزید اسکاچ کا آرڈر دیا کیونکہ وہ میز پر رکھا ہوا کوارٹر خالی کر چکی تھی۔ ویرا اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے، کہنیوں کے سہارے میز پر آگے جھک گئی "تم نے کبھی کوئی جرم بھی کیا ہے؟" اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

"چھوٹے موٹے جرائم ہر ایک سے سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ میرا دامن بھی ان سے صاف نہیں ہے" البرٹو نے جواب دیا۔

"ایک چھوٹے سے جرم کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ویرا دھیرے دھیرے پیش قدمی کر رہی تھی۔ البرٹو کی آنکھوں میں دلچسپی کی جھلک دیکھتے ہی اس نے اضافہ کیا "تم کو اس کے لیے معقول معاوضہ مل سکتا ہے۔"

"ایک ایڈونچر سمجھ کر اسے قبول کیا جا سکتا ہے۔ ہزار پانچ سو امریکی ڈالر کی رقم زیادہ نہیں ہوتی لیکن مقامی کرنسی میں یہ ہزاروں روپے کون دے گا؟"

"تم اطالوی ہو۔ ایسی بات نہ کرو۔ یہی رقم تمہاری کرنسی میں تبدیل کی جائے تو لاکھوں لیرا تک پہنچ جائے گی۔"

وہ پھر ہنس پڑا "یہ میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ یہ ملک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہت سستے ہیں۔ میری ضرورت بہت محدود سی ہے۔ یہ ایڈونچر کس قسم کا ہوگا؟"

"بس ایک مذاق ہے۔ میں ایک پولیس افسر کو حیران کردینا چاہتی ہوں۔"

"اوہ' این! تمہیں اتنا گھما پھرا کر بات کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ سیدھی طرح کہو کہ کسی ہلکے سے مجرمانہ مذاق میں مجھے تمہارا ساتھ دینا ہے" وہ اپنا داہنا ہاتھ جھٹک کر بے فکری سے بولا "اس کی اجرت میں تو بس تمہاری رفاقت ہی کافی ہوگی۔ سچ پوچھو تو میرے لیے تم سے ہونے والی ملاقات ہی ایڈونچر ہے۔ تم کھلے ذہن کی امریکی لڑکی معلوم ہوتی ہو مجھے کھلے دل کے راست گو لوگ بہت پسند ہیں" رابرٹو نے پولیس افسر کے ذکر کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

ویرا نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ وہ پاکستانی پاسپورٹ پر بھارت آئی تھی۔ اس کے ذہن میں لاواپک رہا تھا۔ وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے بہت بے رحمی سے رابرٹو کو اپنا آلہ کار بنانے کی کوشش کررہی تھی اور اسے اپنی کوشش میں کامیابی حاصل ہوتی نظر آرہی تھی۔

"میں اسی ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہوں۔ تم کس کمرے میں مقیم ہو؟" ویرا نے اس سے پوچھا۔

"میں یہاں کسی گاہک یا اسامی کی تلاش میں آیا تھا جس سے مجھے کام مل سکے" اس نے ندامت سے کہا "یہ میری قسمت ہے کہ تم سے ملاقات ہوگئی۔ میں یہاں ایک پیگ سے زیادہ نہیں خرید سکتا۔ تم میری حوصلہ افزائی نہ کرتیں تو اسی پیگ سے ہونٹ تر کرتے کرتے میں دو تین گھنٹے یہاں گزار لیتا۔ میرا تجربہ ہے کہ بڑے ہوٹلوں میں ایسے فراخ دل لوگ مل جاتے ہیں جو کسی معمولی کام کے لیے زیادہ اجرت دینے میں کنجوسی نہیں کرتے۔ میں تھوڑی دور ایک سستے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔"

ویرا کے ذہن میں خیال آیا کہ رابرٹو سے پوچھے کہ وہ کس قسم کا کام ملنے کی توقع کررہا تھا۔ وہاں سب شرابی تھے جو تفریح اور مے نوشی کے ذریعے اپنی شام کو رنگین بنانے کے لیے آئے ہوئے تھے لیکن اس نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا۔ اسے رابرٹو اپنی راہ پر آتا نظر آرہا تھا۔ وہ زیادہ کرید کر اسے بدکانا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ کہا "تو پھر میں سمجھ لوں کہ تم میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو۔"

"دل وجان سے!" اس نے بایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر فدویانہ انداز میں کہا "چھوٹے ہوٹلوں میں چیک آؤٹ کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔ وہ رات کے حساب سے کرایہ لیتے ہیں۔ تمہارے کمرے میں ذرا سی گنجائش ہو تو میں ہوٹل سے اپنا سفری تھیلا اٹھالاؤں۔ یہ میری چھوٹی سی بچت ہوگی۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ میں تمہاری اجازت یا رضامندی کے بغیر تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔"

ایسے معاملات میں ویرا ہمیشہ سے مہم جوئی کی عادی رہی تھی۔ اس نے رابرٹو کی استدعا قبول کرلی "تھیلا لے آؤ' واپسی میں کتنی دیر لگے گی۔"

رابرٹو کا چہرہ کھل اٹھا۔ پہلے وہ ایک پیگ پر مہینا ہوٹل کے بار میں کئی گھنٹے گزارنے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا۔ اس نے ویرا کا تیار کیا ہوا دوسرا پیگ اٹھایا اور دو گھونٹوں میں اپنے حلق میں انڈیلتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا "بس ذرا سی دیر میں آتا ہوں۔ میرا ہوٹل بہاڑ گنج کے سستے علاقے میں ہے۔"

اس وقت لے دے کر انسپکٹر ڈیوڈ ہی ویرا کی نظروں میں تھا۔ اسے رابرٹو کی صورت میں ایک مددگار میسر آچکا تھا۔ اس نے فرصت کے لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے' اپنے ذہن میں اگلے دن کا نقشہ جمانے کی کوششیں شروع کردیں۔ اس سے پہلے اس کے ذہن میں کوئی پروگرام نہیں تھا۔

رابرٹو بہت تیزی کے ساتھ بار سے رخصت ہوا تھا۔ ویرا کے پاس امریکی ڈالروں کی صورت میں خاصی رقم موجود تھی۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر رابرٹو نے اس کی مرضی کے مطابق اپنا رول ادا کیا تو وہ اسے پانچ سو ڈالر ضرور دے دے گی۔

اس وقت تک ویرا خاصی اسکاچ پی چکی تھی جس کے اثرات اس کی آنکھوں اور چہرے سے مترشح تھے۔ شاید رابرٹو کو اندیشہ تھا کہ کہیں ویرا نشے کی جھونک میں بار سے اٹھ کر نہ چل دے۔ وہ ایک بار اپنے کمرے کا رخ کرلیتی تو رابرٹو اسے ڈھونڈتا ہی رہ جاتا۔ ویرا کی عنایت نے اس کی عقل پر ایسا دبیز پردہ ڈالا تھا کہ اس نے جانے سے پہلے ویرا کے کمرے کا نمبر معلوم کرنے کی زحمت تک نہیں کی تھی۔

ویرا کو وہ خیال اس وقت آیا جب رابرٹو تقریباً ہانپتا ہوا' دوبارہ بار میں نمودار ہوا۔ اس کا سفری تھیلا شانوں کے سہارے اس کی پشت پر لدا ہوا تھا اور وہ شاید اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے پسینوں میں نہایا ہوا تھا۔ ویرا نے اسے دیکھتے ہی اس کے لیے تیسرا پیگ بنانا شروع کردیا۔

وہ آیا' سیاہ سفری تھیلا پشت سے اتار کر قدموں میں رکھا اور ہانپتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا "میں یہاں سے تقریباً دوڑتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوا گیا اور آیا ہوں۔ سانس پھول گیا۔ میں نے تمہارے کمرے کا نمبر معلوم کرلیا ہوتا تو اس بھاگ دوڑ سے بچ جاتا۔"

"اس میں میرا قصور نہیں ہے" ویرا نے مسکرا کر اسکاچ میں برف کے ڈلے ڈالے اور تیسرا گلاس اس کے آگے بڑھا دیا۔

"یہ میرا آخری پیگ ہوگا" اس نے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر کہا "مزید پی لی تو شاید میں اپنے وعدے پر قائم نہ رہ سکوں۔"

"کس وعدے کی بات کررہے ہو؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔ وہ واقعی نہیں سمجھ سکی تھی کہ رابرٹو اپنے کس وعدے کا حوالہ دے رہا تھا۔

"ایک کمرے میں ہونے کے باوجود مجھے تم سے دور رہنا ہے۔ اس کے لیے تمہاری رضامندی ضروری ہوگی۔ دماغ پر نشے کے اثرات ہوں تو وہ جذبات سے مغلوب ہوکر سرکشی پر اتر آتا ہے۔ میں ایسے کمزور لمحات سے ڈر رہا ہوں۔"

"تم واقعی ایک نیک بچے ہو۔ یہ پیگ ختم کرکے ہم کمرے کا رخ کریں گے" ویرا نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا اور وہ احمقانہ انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ویرا اسے ہمراہ لے کر اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔ اس دوران میں اس نے اپنی کج ادائیوں سے رابرٹو کو ایسا مسحور کیا تھا کہ وہ کسی سحرزدہ معمول کی طرح اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

دہرے شاہانہ بستر والا وہ آراستہ کمرا دیکھ کر رابرٹو مسحور ہوگیا۔ اندر پہنچنے کے بعد وہ چند ثانیوں تک کمرے کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے اپنا بیگ کشادہ صوفے پر ڈال دیا "یہ میرے لیے کافی سے زیادہ ہے۔ میں آرام سے سوجاؤں گا۔"

ویرا نے باتھ روم جاکر لباس تبدیل کیا۔ رابرٹو اپنے جوتے اتار کر صوفے پر نیم دراز تھا۔ ویرا کے غسل خانے سے برآمد ہوتے ہی وہ سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔ ویرا نے اس کے قریب پڑی ہوئی کرسی سنبھالی اور اسے اگلے روز کا کام سمجھانے میں مصروف ہوگئی۔

دہلی پولیس ہیڈکوارٹرز میں مامور انسپکٹر ڈیوڈ کی مصروفیات اور معمولات کے بارے میں معلومات اکٹھا کرنے کے کام میں کوئی پیچیدگی نہیں تھی۔ رابرٹو نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس کی کیفیت ایسی ہورہی تھی کہ ویرا اسے کسی سنگین جرم پر بھی اکساتی تو وہ شاید کوئی اعتراض نہ کرپاتا۔

ویرا کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سر سے کوئی بڑا بوجھ ٹل گیا ہو۔ وہ براہِ راست ایک فریق تھی اس لیے خود ڈیوڈ کے خلاف میدان میں نہیں اتر سکتی تھی۔ ایسی کوئی کوشش کرتی تو اسے ہر طرف سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ ذہنی رو کے تحت کیے جانے والے لمحاتی فیصلوں کے ذریعے اس نے رابرٹو کو اپنے جال میں پھانس لیا تھا۔ وہ کسی دشواری کے بغیر ڈیوڈ کے دفتر میں جاکر معلومات حاصل کرسکتا تھا کیونکہ غیر ملکیوں کی آمدورفت وہاں کے معمولات میں شامل تھی۔

"ہوٹل والوں کو میرے یہاں رہنے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا" کام سمجھ لینے کے بعد رابرٹو نے ہلکی سی تشویش کے ساتھ پوچھا۔

"یہ ڈبل بیڈ روم ہے۔ میرا کمرا ہے۔ میں جسے چاہوں' اپنا مہمان بناؤں۔ انہیں کیا اعتراض ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ میں انہیں سنگل اور ڈبل روم کے کرائے کا معمولی فرق ادا کردوں گی۔ تمہیں اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں" ویرا مربیانہ انداز میں بولی۔

"وہ درست ہے لیکن غیر ملکیوں کے لیے قوانین ذرا سخت ہوتے ہیں۔ میں اپنا ہوٹل چھوڑ چکا ہوں۔ آج کی رات کا میرے پاس کوئی ریکارڈ نہیں ہوگا۔"

"اب میں کپڑے بدل چکی ہوں۔ صبح اپنے کمرے میں تمہاری موجودگی کا اندراج کرادوں گی۔ ابھی ہمیں کھانے کے بارے میں بھی کچھ سوچنا ہے۔ میرے معدے میں اتری ہوئی اسکاچ اب غذا طلب کررہی ہے۔"

ویرا اسے شیشے میں اتارنے کے کئی کٹھن مراحل طے کرچکی تھی۔ کھانے کے دوران میں وہ دونوں ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے۔ رابرٹو' ویرا کے قرب سے خوش تھا۔ کھانے کے بعد کچھ دیر تک ٹیلی وژن کھلا رہا پھر ویرا نے مسہری پر جاکر روشنیاں گل کردیں۔

نائٹ لیمپ کی دھیمی روشنی میں رابرٹو نے صوفے پر دراز ہوکر پشت گاہ کی طرف کروٹ لے لی۔

وہ رات بہت سکون سے گزری۔ بستر پر دراز ہونے کے بعد ویرا کچھ دیر تک چوکنی رہی مگر رابرٹو اپنی کروٹ سے لیٹا رہا۔ مطمئن ہوکر ویرا بھی گہری نیند سوگئی۔

صبح رابرٹو پہلے بیدار ہوگیا۔ ویرا جاگی تو وہ اپنی ضروریات سے فارغ ہوکر تیار بیٹھا ہوا تھا۔ ویرا نے انگڑائی لے کر بستر چھوڑ دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ناشتے کے لیے کہہ دو۔ میں ذرا سی دیر میں آتی ہوں"
اسے ہدایت دے کر ویرا نے میز پر سے اخبار اٹھایا اور باتھ روم میں گھس گئی۔ اسے کسی ایسی خبر کی تلاش تھی جس میں میرا یا غزالہ کا کوئی ذکر ہو مگر اس وقت تک کچھ بھی نہیں ہو سکا تھا۔ مختلف رابطوں کے ذریعے رینا اجیت رائے کی کہانی کے خفیہ گوشے بے نقاب ہوئے تھے اور رات گزر جانے کے بعد مجھے رینا کی طرف سے کسی اطلاع کا انتظار تھا۔

یہ سب پس پردہ باتیں تھیں جو کسی اخبار کی دسترس میں نہیں تھیں۔ رینا کے ذریعے انل بسواس سے میری ملاقات کے بعد ایسی خبریں جنم لے سکتی تھیں جنہیں ویرا اپنے قیاس کی بنا پر سمجھ سکتی تھی کیونکہ میں نے اسے رینا کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا تھا۔

اخبار کی ورق گردانی اور مختصر غسل کے بعد ویرا آئی تو ناشتا تیار تھا۔ ناشتے کے بعد رابرٹو اپنے کام پر نکل گیا۔ ویرا وقت گزاری کے لیے اپنے ہوٹل کے قرب وجوار میں واقع ان شان دار دکانوں اور مارکیٹوں کی طرف چل دی جہاں سیاحوں کی دلچسپی کے بہت سے سامان بھرے ہوئے تھے۔ ہوٹل چھوڑنے سے پہلے ویرا نے ہوٹل کے رجسٹر میں اپنے ساتھ رابرٹو ویلینی کے قیام کا اندراج کرا دیا تھا۔ اس طرح رابرٹو کو اپنی شناخت کے بعد ویرا کے کمرے کی چابی حاصل کرنے کا حق حاصل ہو گیا تھا۔

دو بجے ویرا تھک ہار کر واپس لوٹی تو اسے کاؤنٹر سے پتا چلا کہ کمرے کی چابی کی بورڈ پر موجود نہیں تھی۔ اس نے نیچے سے انٹرکام پر رابطہ کیا تو رابرٹو کمرے میں موجود تھا۔ یہ اتفاق ویرا کو کھٹکا کہ رابرٹو نے چابی ملنے کا استحقاق حاصل ہوتے ہی استعمال کر ڈالا تھا۔

وہ اوپر پہنچی تو رابرٹو اپنی کارگزاری کی رپورٹ کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔

انسپکٹر ڈیوڈ کا تعلق کسی دور افتادہ گاؤں سے تھا۔ اپنی ملازمت کے سلسلے میں وہ اکیلا دہلی میں رہتا تھا اور بال بچوں سے ملاقات کے لیے گاہے گاہے اپنے گاؤں کا چکر لگاتا رہتا تھا۔ دہلی میں اس کی رہائش کا انداز بہت عیاشانہ تھا۔ وہ خاص ضروریات کے تحت دیر تک اپنے دفتر میں بیٹھتا تھا ورنہ پانچ بجے دفتر چھوڑ کر چھ بجے تک اپنے گھر لوٹ آتا تھا جہاں شام ڈھلے اس کے بے فکرے دوستوں کی محفل جمتی تھی۔

وہ معلومات نہایت مختصر لیکن کارآمد تھیں۔ رابرٹو نے ویرا کی ہدایات کی روشنی میں ڈیوڈ کا گھر بھی دیکھ لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ڈیوڈ کے ساتھ مجوزہ مذاق کے لیے اس کے گھر کا قریبی میدان نہایت موزوں تھا کیونکہ ڈیوڈ کو دفتر سے گھر پہنچنے کے لیے وہاں سے بہرحال گزرنا پڑتا تھا۔

پاکستان کی طرح بھارت میں بھی پولیس کی شہرت کچھ اچھی نہیں تھی لیکن وہاں وسائل سے بڑھ کر شان وشوکت کے ساتھ رہنے والوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ ڈیوڈ نے ان وجوہ کی بنا پر ایک سال خوردہ کار رکھی ہوئی تھی اور کرائے کے مکان میں رہتا تھا۔

وہ دونوں دوپہر کا کھانا باہر سے کھا کر آئے تھے۔ ہوٹل میں ہر وقت غسل کی سہولت سے استفادہ کر کے ان دونوں نے کچھ دیر آرام کیا پھر پانچ بجے ہوٹل سے نکل گئے۔ روانگی سے پہلے ویرا نے رابرٹو کو اپنے مذاق کے بارے میں بتا دیا تھا۔ ویرا نے وہ باتیں اتنی بے پروائی سے کی تھیں کہ رابرٹو کو کسی سنگین واقعے کے رونما ہونے کا اندیشہ تک نہیں ہو سکا تھا۔

ساڑھے پانچ بجے وہ دونوں خودرو جھاڑیوں اور گندے پانی کے جوہڑوں سے بھرے ہوئے اس متعفن میدان میں پہنچ گئے جہاں سے ایک پتلی سی سڑک قریبی متوسط آبادی کی طرف جا رہی تھی۔ ویرا کی ہدایت پر ٹیکسی اس میدان سے دور چھوڑ دی گئی تھی۔

وہ دونوں جھاڑیوں کی اوٹ میں ایک جگہ دبک گئے۔ اس سڑک پر ٹریفک کی آمدورفت برائے نام تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آگے متوسط طبقے کی آبادی تھی۔ وہ لوگ نقل وحمل کے لیے پبلک ٹرانسپورٹ استعمال کرتے ہوں جس کی گزرگاہ کسی کشادہ سڑک پر ہو سکتی تھی۔

آنے والے لمحات کا سارا انحصار رابرٹو پر تھا کیونکہ وہی انسپکٹر ڈیوڈ کی گاڑی پہچانتا تھا۔ چھ بجے کے بعد ویرا کو تشویش ہونے لگی۔ اگر فضا میں شام کا دھندلکا پھیلنا شروع ہو جاتا تو رابرٹو کے لیے دور سے ڈیوڈ کی گاڑی کو پہچاننا ناممکن ہو جاتا۔ وہ آتا اور ویرا کو مورچا سنبھالنے کا کوئی موقع دیے بغیر تیزی سے آگے نکل جاتا۔ ویرا کا نام نہاد مذاق اس کی ساری تیاریوں سمیت دھرا کا دھرا رہ جاتا۔

سوا چھ بجے کے قریب رابرٹو نے دور سے آتی ہوئی گاڑی پہچان کر ویرا کو ہوشیار کر دیا۔ ویرا جھاڑیوں میں سے نکلی اور اس نے مڑ کر گاڑی کی طرف دیکھے بغیر آبادی کی سمت میں چلنا شروع کر دیا۔ انسپکٹر ڈیوڈ کی گاڑی اس کے پیچھے دوڑی آ رہی تھی۔

اس مرحلے پر جو کچھ ہوا، وہ ویرا کی توقعات کے عین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مطابق تھا۔ اس نے اپنے اندازوں پر بھروسا کرتے ہوئے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔

انسپکٹر ڈیوڈ ویرا کی شکل نہیں دیکھ سکا لیکن یہ ضرور دیکھ لیا کہ ایک فیشن ایبل غیر ملکی عورت اس ویران سڑک پر پیدل چلی جارہی تھی۔ ویرا کو یقین تھا کہ انسپکٹر ڈیوڈ کا دل انسانی ہمدردی کے لطیف جذبات سے یکسر خالی تھا۔ اس نے خالص سفلی ارادوں کے تحت بریک لگائے اور گاڑی ویرا کے قریب روک دی۔ گاڑی کے انجن کی آوازوں میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے ویرا کو اشارے مل رہے تھے۔

گاڑی رکتے ہی وہ بجلی کی سی سرعت سے گھومی اور اس نے دیکھ لیا کہ ڈرائیونگ سیٹ پر ڈیوڈ اکیلا تھا۔ وہ اسی رخ پر تھی۔ لمحے بھر کے لیے ڈیوڈ نے اس کی طرف دیکھا۔ ویرا کو پہچان کر اس کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے۔ ویرا کے بائیں ہاتھ کی دوسری انگلی میں زہریلے کیپسول والی انگوٹھی اپنی پوزیشن میں موجود تھی۔ ویرا کا وہ ہاتھ مشینی انداز میں سیدھا ہوا' مکا انسپکٹر ڈیوڈ کے جبڑے پر پڑا اور اس کے الفاظ اس کی زبان پر ہی رہ گئے۔

اس کے جسم کو لگنے والے جھٹکے سے کلچ پر سے اس کے پاؤں کا دباؤ ختم ہوگیا۔ گاڑی شاید گیئر میں تھی۔ گاڑی اچھلی اور انجن ہچکی لے کر بند ہوگیا۔

ویرا اپنی حرکت کے انجام کی تصدیق کے لیے وہاں نہیں رکی۔ پیچھے سے کسی بھی لمحے کوئی دوسری سواری نمودار ہوسکتی تھی۔ وہ بہت سرعت سے جھاڑیوں میں گھسی اور رابرٹو کے ہمراہ اس بدبودار میدان سے باہر نکلنے کی کوششوں میں مصروف ہوگئی۔

"تم مارشل آرٹس میں واقعی ماہر ہو" رابرٹو جھاڑیوں اور جوہڑوں کے درمیان راستہ بناتے ہوئے تعریفی لہجے میں بولا "وہ بہت صحت مند آدمی ہے مگر تم نے ایک ہلکی سی ضرب لگا کر اسے بے ہوش کردیا۔ ہوش میں آکر اسے اپنی بے خبری اور کمزوری پر سخت ندامت ہوگی۔"

"میں نے جوش میں آکر اسے اپنی قوت کا احساس دلا دیا ہے مگر اب افسوس ہورہا ہے کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ یہ مذاق اس بے چارے کے لیے جان لیوا بھی ثابت ہوسکتا ہے۔" ویرا نے متاسفانہ انداز میں کہا۔

"ہائیں!" رابرٹو کے ہونٹوں سے بوکھلائی ہوئی آواز برآمد ہوئی "کیا اس چوٹ سے وہ مر بھی سکتا ہے؟"

"احمقانہ باتیں مت کرو اور آواز نیچی رکھو" ویرا نے اسے ڈانٹ دیا "تم نے دیکھا ہے کہ میرا مکا کتنا ہلکا تھا۔ ایسی ضرب سے آدمی تو کیا' کتا بھی نہیں مرسکتا۔ پولیس والوں کے ہزار دشمن ہوتے ہیں۔ اس کے کسی دشمن نے اسے اس حالت میں دیکھ لیا تو مار ڈالے گا اور الزام ہمارے سر آجائے گا۔"

"مگر ہم نے کچھ نہیں کیا۔ تم ایسی باتیں کرکے میرا خون خشک کررہی ہو۔"

"ہم نے جو کچھ کیا ہے۔ وہ صرف مجھے اور تمہیں معلوم ہے۔ اس واقعے کے بارے میں کسی سے کوئی ذکر نہ کرنا اور اپنی زبان بند رکھنا۔ کل کے اخباروں سے ہی پتا چلے گا کہ وہ زندہ بچتا ہے یا کوئی اور اس کا کام تمام کردیتا ہے؟"

"مم..... مگر تم نے تو کہا تھا کہ یہ مذاق ہے" رابرٹو نے ہکلاتے ہوئے کہا "قتل کا چکر کہاں سے نکل پڑا؟"

"میرے لیے یہ اب بھی مذاق ہی ہے مگر ہم اس کے دشمنوں کا ہاتھ نہیں روک سکتے۔ ایک بار الزام عاید کردیا جائے تو آدمی برسوں عدالتوں کے چکر لگاتا رہتا ہے۔ ہم دونوں کی عافیت اسی میں ہے کہ اس واقعے کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہ ہو ورنہ ہم دونوں پھنسیں گے۔ کسی کے قتل میں اعانت کرنا بھی قتل کے ارتکاب جیسا سنگین جرم ہے۔ بھارت میں اس کی سزا پھانسی تک ہوسکتی ہے۔"

"اوہ خدایا! میں کس مشکل میں پھنس گیا۔ اتنے بڑے جرم میں اعانت کا خیال میرے تصور تک میں نہیں تھا۔"

سڑک پر پہنچنے تک ویرا اپنی سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت اس پر اپنا دباؤ بڑھاتی رہی اور رابرٹو کی حالت ابتر ہوتی چلی گئی۔

اس چھوٹے سے خودرو جنگل سے باہر آنے تک ان کی حالت کافی خستہ ہوچکی تھی۔ سڑک کے کنارے کچھ دور چلنے کے بعد انہیں ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ ہوٹل تک کا سفر خاموشی سے ہوا۔ ہوٹل سے باہر ٹیکسی چھوڑ کر وہ پیدل اندر چل دیے۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ کوئی مصیبت نازل ہونے سے پہلے بوریا بستر سمیٹ کر یہاں سے نکل جاؤں" رابرٹو منمنایا "تمہارا اندیشہ درست ہے۔ بے ہوشی کی حالت میں دو ٹکے کا کوئی بھی بدمعاش اسے گولی مار دے گا۔ تفتیش کرنے والے ہم تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔ وہ بال کی کھال نکالتے ہیں۔"

"بھول کر بھی ایسا نہ کرنا" ویرا نے آنکھیں نکال کر کہا۔ ان دونوں کی گفتگو مسلسل اطالوی زبان میں ہورہی تھی اس لیے یہ خطرہ نہیں تھا کہ عام راہ گیر ان کی باتیں سمجھ سکیں۔ ویرا نے اپنی بات جاری رکھی "تمہارے بھاگنے کے بعد مجھ پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی برا وقت آیا تو میں صاف کہہ دوں گی کہ سارا منصوبہ تمہارا تھا۔ اسی لیے تم بھارت سے فرار ہوئے ہو۔ پولیس ہیڈ آفس میں کئی گواہ نکل آئیں گے جو بتائیں گے کہ تم آج صبح سے دوپہر تک پولیس ہیڈ آفس میں ڈیوڈ کے بارے میں معلومات جمع کرتے پھر رہے تھے۔"

"تم مجھے بے لوث تعاون کا یہ انعام دو گی؟" رابرٹو نے مجروح لہجے میں شکوا کیا۔

"میری جان! تم کو بھاگنے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" ویرا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے اسے سمجھایا "دعا کرو کہ میرے اندیشے غلط ثابت ہوں۔ کوئی گڑبڑ ہو بھی گئی تو ہماری خاموشی اور رازداری ہماری جان بچائے گی۔ حالات نے ہمیں یک جا کر دیا ہے تو اب میرے کہنے پر عمل کرتے رہو۔ دو چار دن میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ایسی پریشانیاں زندگی کا ایک حصہ ہوتی ہیں۔"

رابرٹو کو چپ سی لگ گئی۔ لابی میں داخل ہو کر ویرا نے کاؤنٹر سے چابی لی اور رابرٹو کو ایک مرتبہ پھر پچکار کر اوپر بھیج دیا۔ وہ خود پبلک فون بوتھ کی طرف چل دی۔

○☆○

چوبیس گھنٹے پورے ہونے والے تھے مگر رینا کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ میں اسے فون کرنا چاہ رہا تھا۔ میں اسی کوفت کے عالم میں مسہری پر دراز تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میرے ذہن میں ویرا کا دور دور تک کوئی خیال نہیں تھا۔ میں نے رینا کی کال کی امید میں ریسیور اٹھایا تو کانوں میں ویرا کی سرد سی آواز آئی۔

"ہیلو! کیا میں تم سے کھل کر بات کر سکتی ہوں؟" اس نے براہِ راست سوال کیا تھا "میں ایک پبلک بوتھ سے بول رہی ہوں۔"

میں نے فوراً سی ایس ڈی آن کر دی اور سرد مہری سے کہا "فون کیا ہے تو بات بھی کرو مگر میں نے تمہیں دور رہنے کا مشورہ دیا تھا..."

اس نے بے اعتنائی سے میری بات کاٹ دی "وہ تمہارا آخری فون تھا۔ یہ میرا آخری فون ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" اس کی خاموشی پر میں نے سوال کیا۔

"یہ بتانا چاہ رہی ہوں کہ جب تک میں تم پر انحصار کر رہی تھی، میرے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ اس قید سے نجات ملتے ہی مجھے راستہ نظر آنا شروع ہو گیا ہے۔ میں نے ایک کاٹھ کے اُلو کی مدد سے پہلا قدم اٹھا لیا ہے۔ ڈیوڈ جہنم واصل ہو چکا ہے۔"

"ویرا!" میرا لہجہ بے ساختہ غصیلا ہو گیا "یہ تم نے کیا کیا، اس نے ایسی کوئی خطا نہیں کی تھی۔"

"اس کی پیشی تم نے نہیں، میں نے بھگتی تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ اس کا قصور کتنا سنگین تھا۔"

"تم نے بتایا تھا کہ اس کی نیت خراب تھی مگر کسی زیادتی سے پہلے نخشب کا فون آ گیا تھا اور..."

"عورت کے لیے زیادتی ہی سب کچھ نہیں ہوتی" ویرا نے ایک مرتبہ پھر میری بات اڑا دی "حالات کے جبر میں عورت زیادتی کو بھی خاموشی سے سہہ لیتی ہے لیکن بعض باتیں ناقابلِ معافی ہوتی ہیں۔ یہ مجھے معلوم ہے کہ میری سفید رنگت اور پاکستانی پاسپورٹ کی آڑ لے کر اس نے کس طرح میری تذلیل کی تھی۔ جو کچھ اس کے ساتھ ہوا ہے، وہ اس سے برے انجام کا حق دار تھا۔ بھیڑیے دیر تک زندہ رہیں تو ایک ایک کر کے ساری بھیڑوں کو کھا جاتے ہیں۔"

"تم اپنے ساتھ میرے لیے بھی مسائل پیدا کرو گی؟" میں نے غصے اور بے بسی سے کہا۔

"تمہارے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہو گا۔ اگر کچھ ہونا ہے تو میرے ساتھ ہو گا، اسے میں دیکھ لوں گی۔"

ہماری منزل ایک ہے، راستے الگ الگ ہیں۔ کہیں نہ کہیں آپس کا ٹکراؤ بھی ہو سکتا ہے" میں نے اپنے غصے پر قابو پا کر اسے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی "تم معاملات کی نزاکت کو ذرا بھی نہیں سمجھ رہی ہو۔"

"کل شام تک میری عقل واقعی ماؤف تھی۔ اس کے بعد سے میں ہر بات سمجھ رہی ہوں۔ تم مطمئن رہو۔ میں تمہارا راستہ نہیں کاٹوں گی۔ تم ایک نام اپنے ساتھ لے کر آئے ہو۔ میں بھول کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھوں گی۔ ٹکراؤ کا خطرہ نظر آیا تو میں خود پیچھے ہٹ جاؤں گی۔"

وہ بحث کو طول دینے میں ملکہ رکھتی تھی۔ اس وقت اس کے مزاج میں ضد سمائی ہوئی تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ میری کسی معقول بات پر کان نہیں دھرے گی۔ مجھے یہ بھی نظر آ رہا تھا کہ اس نے اپنا ہوٹل تبدیل کر لیا تو اسے تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اس وقت ویرا میرے لیے گلے کی ہڈی بن کر رہ گئی تھی جسے اگلا جا سکتا تھا، نہ اگلنا آسان تھا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا اور پھر اپنے مزاج میں نرمی لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "ابھی تم کاٹھ کے کسی اُلو کی بات کر رہی تھیں، وہ کون ہے؟"

"کوئی بھی ہو سکتا ہے" اس وقت ویرا نے مجھے رابرٹو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ویلینی کے نام کی ہوا تک نہیں لگنے دی۔ یہ بعد کی باتیں ہیں کہ اس نے ہمیں اس واقعے کی پوری تفصیل سے آگاہ کردیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "آدمی سختی سے کوئی فیصلہ کرلے تو اس پر عمل کرنے کی راہیں خود بہ خود نکلتی چلی آتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ میں کسی ایک چہرے پر انحصار کرتی رہوں۔ حالات اور ضروریات کے مطابق کرائے کے آدمی بدلتے رہیں گے۔ غنیمت ہے کہ یہاں آتے ہوئے تم نے میری جیبیں بھردی تھیں۔"

"آدمیوں کے ساتھ تمہارے ٹھکانے بھی بدل سکتے ہیں" میں نے پہلے جواب پر اصرار کیے بغیر دوسرا سوال کیا۔

"سب کچھ ممکن ہے۔ موجودہ ٹھکانے سے میں کسی بھی وقت کوچ کرجاؤں گی" اس بار ویرا کا جواب مثبت تھا۔

"مجھے کیسے پتا چلے گا کہ تم کہاں ہو؟" میں نے پوچھا۔

"جب ایک دوسرے سے کٹ کر بالکل الگ تھلگ رہنا ہے تو پھر تمہیں معلوم ہونا کیا ضروری ہے۔ ہم کہیں بھی رہیں، ہمیں اپنے اپنے مسائل کا بار خود اٹھانا ہوگا۔ ایک کی وجہ سے دوسروں کو پریشان نہیں ہونا چاہیے" اس کا لہجہ سپاٹ لیکن مفہوم طنزیہ تھا۔

"جگہ تبدیل کرو تو ہم دونوں میں سے کسی کو مطلع ضرور کردینا" میں نے زچ ہو کر کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ فون کرنے کے بارے میں تم اپنی عائد کی ہوئی پابندی واپس لے رہے ہو؟"

"مجبوری ہے۔ وہ پابندی اس خیال سے لگائی تھی کہ تم سمجھ داری سے کام لوگی اور یہاں سے نکل جاؤگی۔ اگر تم یہاں رہنے پر مصر ہو تو آپس میں اس قدر لاتعلقی نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔"

"اگر یہ تمہارا نیا فرمان ہے تو میں پہلے کی طرح اس کا پاس کروں گی۔ جگہ تبدیل کرتے ہی تمہیں مطلع کردوں گی۔"

اسکی گفتگو میں طنز و استہزا کی کثرت تھی مگر میں نے ایک بات خاص طور پر نوٹ کی کہ ویرا نے احتیاط کا دامن نہیں چھوڑا تھا۔ اس نے صرف ایک بار ڈیوڈ کا نام لیا تھا۔ اپنی کارکردگی جتانے کے لیے وہ اس کی ناگزیر مجبوری تھی۔ اس کے بعد وہ نام دوبارہ استعمال بھی نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح انل بسواس کا نام سرے سے نہیں لیا گیا۔ ہر مفہوم واحد غائب کے صیغے سے واضح ہوتا چلا گیا تھا۔

"میں تمہاری کامیابی اور سلامتی کے لیے دعاگو رہوں گا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"میری طرف سے بھی یہی توقع رکھنا۔ میں تمہاری بدخواہ نہیں ہوں لیکن کبھی کبھی تم اپنی زن مریدی کی وجہ سے میرے ساتھ زیادتیاں کرجاتے ہو" اس مرتبہ ویرا کے دل کی بات کھل کر اس کی زبان پر آگئی۔ اسے یقین تھا کہ اس کے وہ الفاظ کبھی بھی غزالہ کے کانوں تک نہیں پہنچ سکیں گے کیونکہ وہ فون پر بات کررہی تھی۔ اس کا اگلا ہوا سارا زہر صرف میرے کانوں میں اتر رہا تھا۔

"یہ باتیں کسی وقت روبہ رو ہوں گی۔ اس وقت تمہیں ذہنی یکسوئی کی ضرورت ہے۔"

"تم واقعی بہت بے لوث آدمی ہو۔ میرا کس قدر خیال رکھتے ہو" ویرا کی آواز طنزیہ تھی۔ اس نے الوداعی کلمات کے ساتھ فون بند کردیا۔

وہ بہت پرپیچ گفتگو تھی۔ غزالہ اس دوران میں ہمہ تن گوش بنی ہوئی تھی۔ لیکن محض میرے فقروں سے صحیح نتیجہ اخذ نہیں کرسکی تھی۔ بس اسے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ ویرا نے کوئی گڑبڑ کردی تھی جس پر میں ناخوش تھا۔

"کیا ہوا؟ وہ کیا کہہ رہی تھی؟" فون کال ختم ہوتے ہی اس نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"وہ بہت ہٹ دھرم ہے۔ اس نے انسپکٹر ڈیوڈ کو ٹھکانے لگادیا" میں نے نیچی آواز میں کہا۔

"شاید اسی اطلاع پر آپ نے کہا تھا کہ اس نے ایسی کوئی خطا نہیں کی تھی۔"

"تم خود بتاؤ کہ این کا یہ قدم کہاں تک درست ہے۔ ایک مجاز افسر اپنے شبہات دور کرنے کے لیے کسی کو بھی طلب کرسکتا ہے اور ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں تو ہم تینوں ہی مشتبہ عزائم لے کر یہاں آئے ہیں۔ ہمیں بھی گوپال اور اس کے ساتھیوں کی طرح غیر ضروری کارروائیوں سے بچنا چاہیے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ عدم تشدد کی پالیسی پر چل رہے ہیں۔ ہم سامنے آنے والے کی گردن اڑا دیں گے۔"

"اس نے خطرناک حرکت کی ہے۔" اس خبر نے غزالہ کو پریشان کردیا تھا "پولیس والے اپنے ایک سینئر ساتھی کا خون اتنی آسانی سے برداشت نہیں کریں گے۔ وہ چند گھنٹوں میں این تک پہنچ جائیں گے۔"

"خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔" میں نے بے ساختہ کہا "ایسا ہوا تو ہم بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ ہمیں کچھ پتا نہیں کہ اس نے ڈیوڈ کو کہاں اور کن حالات میں موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ اب صبح کے اخبارات سے ہی کچھ معلوم ہوسکے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں بھی اس کی خیر خواہ ہوں مگر حالات خطرناک ہیں۔ پرسوں رات ڈیوڈ نے اسے اپنے دفتر میں بلایا پھر نخشب نے ڈیوڈ کو فون پر کوئی دھمکی دی اور این کی جان چھوٹ گئی۔ صرف دو راتیں گزرنے کے بعد ڈیوڈ مارا گیا۔ مجھے تو این کے ساتھ نخشب بھی گردش کا شکار ہوتا نظر آرہا ہے۔"

"اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اسے ڈیوڈ کے قتل میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے خیر خواہ اسے پہلے سے ہوشیار کردیں گے۔ وہ کہیں روپوش ہوجائے گا اور مطلع صاف ہونے تک سامنے نہیں آئے گا۔ سب سے مشکل صورت حال این کے لیے ہے۔"

چند ثانیوں کے لیے کمرے کی فضا میں گہری خاموشی چھا گئی۔ ویرا نے اپنی تازہ حرکت سے ہمیں فکر و تشویش میں مبتلا کردیا تھا۔

"اگر واردات کے وقت کسی نے این کو نہیں دیکھا تو اس کے بچنے کے امکانات نظر آتے ہیں۔" غزالہ کو اندھیرے میں شاید روشنی کی کوئی کرن نظر آگئی۔

مجھے ہر طرف مایوسی نظر آرہی تھی۔ میں نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کرکے کہا "تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا؟ یہ بات تو بالکل صاف ہے کہ وہ کسی کی نظروں میں نہیں آئی ہوگی۔ کسی نے اسے قتل کرتے ہوئے دیکھ لیا ہوتا تو وہ اپنے ہوٹل یا پبلک بوتھ سے اتنی بے فکری سے باتیں نہیں کررہی ہوتی۔ پکڑی جاتی یا پھر اپنا پیچھا کرنے والوں سے جان بچانے کے لیے دیوانہ وار کسی پناہ گاہ کی تلاش میں بھاگ رہی ہوتی۔"

"پھر ہمیں اس کی طرف سے پرامید رہنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہم بھی پریشانیوں سے بچے رہیں گے۔"

"میں فون پر این سے جرح نہیں کرسکا لیکن تمہارے اس نظریے کی وجہ ضرور جاننا چاہوں گا۔"

"ہماری ساری دلچسپیاں این کی ذات تک محدود ہیں۔ ہم اس کی حرکت کے بارے میں ایک خاص زاویے سے سوچ رہے ہیں لیکن انسپکٹر ڈیوڈ ایک پولیس افسر تھا۔ وہ صبح سے شام تک نہ جانے کیسے کیسے لوگوں کی کیا درگت بناتا ہوگا۔ ان میں سے کوئی بھی مشتعل ہوکر اسے مار سکتا ہے۔ یہ دو چار راتوں کی بات نہیں ہے۔ ڈیوڈ پرانا افسر ہے۔ برسوں کی نوکری میں اس نے نہ جانے اپنے کتنے دشمن پیدا کیے ہوں گے۔"

غزالہ کی وہ دلیل معقولیت پر مبنی تھی۔ اگر کسی کو یہ پتا نہیں چلا تھا کہ ڈیوڈ کو مارنے والی ایک سفید فام لڑکی یا عورت تھی تو تفتیشی افسران کے بھٹکنے کے قوی امکانات تھے۔ ڈیوڈ اگر اپنی بدمعاشیوں کے تحفظ کے لیے کوئی ریکارڈ رکھنے کا عادی تھا تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہ پتا چل سکتا تھا کہ این کاویل ایک سفید فام لڑکی ہے جو پاکستانی یا سپورٹ پر دہلی آئی ہے۔ پہلے وہ انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل میں تھی۔ بعد میں ہوٹل مرینا منتقل ہوگئی۔

ان باتوں کے افشا ہونے سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ گھاگ افسروں کی ساری توجہ ان طاقت ور بدمعاشوں پر مرکوز ہوتی جو ڈیوڈ کے ہاتھوں بری طرح مار کھا چکے تھے یا پھر لمبی سزائیں بھگت چکے تھے اور ڈیوڈ سے بدلہ لینے کے لیے موقع کے انتظار میں تھے۔

میں کچھ دیر تک دل ہی دل میں ان دلائل کا تجزیہ کرتا رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ میری فکرمندی کا بار ہلکا ہونے لگا۔ مجھے امید ہونے لگی کہ غزالہ کو نظر آنے والی روشنی کی کرن سراب نہیں تھی۔ اس میں ویرا کی نجات کا راز پوشیدہ تھا۔

ویرا کی سلامتی کے بارے میں تشویش کم ہونے کے ساتھ میرے ذہن پر رینا سوار ہونے لگی۔

پہاڑ جیسا دن گزر گیا تھا لیکن اس کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ اس کی طرف سے کسی متوقع رابطے کی امید میں، میں ہوٹل کے کمرے میں بندھ کر رہ گیا تھا۔ میں ایسی کوئی صورتِ حال پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میرے لیے رینا کا فون آئے اور میں اس سے بات نہ کرسکوں۔ میری نظریں ٹیلی وژن اسکرین پر جمی ہوئی تھیں لیکن ذہن مسلسل رینا اجیت رائے کی ذات میں الجھا ہوا تھا۔

ویرا کے بارے میں تشویش کم ہونے سے میرے ذہن میں ایک نئی سوچ بھی جنم لے رہی تھی جو قطعی غیر ارادی تھی۔ ویرا کسی بھی طرح میری حریف نہیں تھی۔ میں اس کی کامیابیوں پر خوش ہوتا تھا، وہ ہماری فتح پر خوشی سے پھولی نہ سماتی تھی مگر اس وقت میرے ذہن میں رشک یا حسد کی لہر اٹھ رہی تھی۔ وہ ہم سے عملی طور پر الگ ہونے کے بعد بھارت کی سرزمین پر کامیابی سے اپنا پہلا شکار کھیل چکی تھی جب کہ ہمارا اسکور صفر تھا۔

حالات کا فرق اپنی جگہ۔ بہت اہم تھا لیکن وہ ذہنی رو ہی کیا جو کسی دلیل کی طرف مائل ہوجائے۔ انسپکٹر ڈیوڈ نے ویرا کی تذلیل کی۔ ویرا نے اس سے بدلہ لینے کی ٹھانی اور کامیابی کے ساتھ اسے موت کی بے رحم آغوش میں دھکیل دیا۔ اس کے برعکس ہم انل بسواس کو سبق سکھانے کا عزم لے کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پاکستان سے روانہ ہوئے تھے۔ دہلی میں اس کا سراغ بھی مل چکا تھا لیکن ہم اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے قاصر تھے۔

ہم انل کے خلاف اپنے طور پر کام کرتے رہتے تو شاید کوئی راہ مل گئی ہوتی لیکن رینا نے درمیان میں آکر ہماری رفتار سست کردی تھی۔ اس کے ذریعے انل تک پہنچ کر ہم زیادہ موثر اور تیز کارروائی کرسکتے تھے۔ اس خوش فہمی نے ایک طرح سے ہمیں باندھ کر رکھ دیا تھا۔

نو بجے اس انتظار سے اکتا کر میں نے روم سروس کے ذریعے کمرے میں کھانا طلب کرلیا۔

ہم دونوں کھانے میں مصروف تھے کہ اپریٹس پر کال آنے لگی۔ میں نے فوراً میز چھوڑ دی۔

دوسری طرف گوپال تھا۔ میری طرف سے جواب ملنے پر اس نے سپاٹ لہجے میں کہا "تم ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے ہوئے ہو یا کہیں اور ہو؟"

"کہیں اور ہوتا تو تمہاری کال کا جواب نہ دے پاتا۔ بس رینا کا انتظار ہے۔ وہ خود آئی نہ اس کا فون آیا۔"

"اوہ!" اس کی معنی خیز آواز سنائی دی "تم انتظار کی کربناک کیفیت سے گزر رہے ہو۔ میں نے دانستہ تمہیں دن بھر نہیں چھیڑا۔ مجھے ڈر تھا کہ میری کال تمہاری کسی اہم مصروفیت میں خلل انداز نہ ہو۔"

"کال کرلیتے تو بہتر ہوتا۔ دن بھر ہر طرف سناٹا رہا۔ اس وقت کیسے یاد کیا ہے۔"

"شاید تمہیں باہر کی کوئی خیر خبر نہ ہو۔ پورے دہلی میں سنسنی پھیلی ہوئی ہے۔ کسی نے نجف گڑھ کے نالے کے قریب انسپکٹر ڈیوڈ کو مار ڈالا ہے۔"

میں ایک لمحے کے لیے تذبذب اور بے یقینی میں پڑ گیا۔ اپنی باخبری کا اظہار کرتا تو اسے یہ بھی بتانا پڑتا کہ وہ کارروائی ویرا نے کی تھی اور وہ خبر اسی کے ذریعے مجھ تک پہنچی تھی۔ میرا پختہ یقین تھا کہ وہ ویرا کے اس اقدام کی حمایت نہ کرتا۔ میں نے حیرت سے کہا "یہ کب کا واقعہ ہے؟"

"آج شام دفتر سے واپسی پر وہ ایک ویران سڑک پر سے گزر رہا تھا کہ نامعلوم قاتل کا نشانہ بن گیا۔"

"افسوس کی بات ہے۔ سخت گیر پولیس افسروں کے بارے میں ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ وہ کسی گمنام قاتل کی چلائی ہوئی گولی کا نشانہ نہ بن جائیں۔ تم نے اس کے بارے میں مجھے باخبر کرنا کیوں ضروری سمجھا؟ یہ ایک مقامی واقعہ ہے۔"

"پرسوں ہمارے درمیان بھی اس کا نام گردش میں تھا۔ میں نے ضروری سمجھا کہ تمہیں آگاہ کردوں۔ ابھی تفصیلات سامنے نہیں آئیں مگر سنا گیا ہے کہ اس پر گولی وغیرہ نہیں چلائی گئی۔ وہ کسی سریع الاثر زہر کا شکار ہوا ہے۔"

"ہوا ہوگا۔ میں اس درجے کے لوگوں سے الجھنا حماقت سمجھتا ہوں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"یہ بات میں بھی سمجھتا ہوں۔" اس نے اعتراف کیا "مگر میرے ذہن میں ایک موہوم سا اندیشہ تھا کہ اس نے تمہاری دوسری پارٹی کو چھیڑا تھا۔ وہ سب سے آسان نشانہ تھا۔ ہوسکتا ہے کہ بے کاری دور کرنے کے لیے اسے ہٹا دیا گیا ہو۔"

"بڑا ہدف سامنے ہو تو چھوٹے نشانوں پر نگاہ نہیں ٹھہرتی۔" میں نے اس کی مزید قیاس آرائی کی راہ مسدود کردی "اگر تھوڑی دیر تک رینا کی طرف سے کوئی رابطہ نہ ہوا تو میں خود اسے فون کروں گا۔"

"گھما پھرا کر بات کروگے تو تمہیں پتا چل جائے گا کہ وہ اس کے کسی گھر کا نہیں، ڈانس اکیڈمی کا فون نمبر ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ تمہاری کہی ہوئی ہر بات میرے ذہن میں محفوظ ہے۔"

بات ختم ہوگئی۔ میں نے اس سے غلط نہیں کہا تھا۔ رینا کے بارے میں گوپال اور اول خان کی طرف سے ملنے والی معلومات یک جا ہوکر میرے ذہن میں کھچڑی سی پکا رہی تھیں۔ اس سے وہ سب باتیں فون پر نہیں کی جاسکتی تھیں۔ ان کی تصدیق کے لیے رینا سے میری ملاقات ضروری تھی۔

ٹرانسمیٹر پر موصول ہونے والی گوپال کی کال سے ویرا کے بارے میں میری تشویش کے گھٹتے ہوئے سائے پھر دراز ہوگئے۔ دہلی ایک بڑا اور کاسموپولیٹن شہر تھا۔ وہاں روزانہ قتل سمیت بہت سے جرائم رونما ہوتے رہتے تھے۔ گوپال نے پچھلے دنوں میں کبھی بھی مجھے کسی جرم کے بارے میں باخبر کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ انسپکٹر ڈیوڈ کے قتل کے بعد اس نے جو کچھ سوچا، وہ حقیقت سے قریب ترین تھا۔

میرے ذہن میں ایک مرتبہ پھر وسوسے سر ابھارنے لگے۔ اگر گوپال ان خطوط پر سوچ سکتا تھا تو دوسروں پر بھی کوئی قدغن نہیں تھی۔ جب تک ڈیوڈ کے قتل کی تفتیش کوئی واضح رخ اختیار نہیں کرتی، ویرا کے سر پر خطرے کی تلوار لٹک رہی تھی۔

ویرا اور رینا.... رینا اور ویرا۔ میرا ذہن ان دونوں کے درمیان بٹا ہوا تھا۔ میں نے مضطربانہ انداز میں کمرے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹہلنا شروع کردیا۔

"آپ بلاوجہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہے ہیں۔ اپنے ذہن پر اتنا زور نہ دیں ورنہ تھک جائیں گے۔" چند ثانیوں تک میری کیفیت دیکھنے کے بعد غزالہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "جو ہونا تھا' وہ ہو چکا ہے۔ اب آپ ویرا کا انجام خدا پر چھوڑ دیں۔ اس معاملے میں ہم سب بے بس ہیں۔"

"میں دانستہ کچھ نہیں سوچ رہا' یہ سب انسان کے دل ودماغ میں اٹھنے والی خود رو لہریں ہوتی ہیں جنہیں روکنا بس سے باہر ہوتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ خدائی فیصلوں کے سامنے انسانی قوتیں بالکل بے بس ہوتی ہیں۔ ویرا کا وقت پورا ہو چکا ہے تو اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی ورنہ اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔" میں نے رک کر جواب دیا۔

یہ سب جانتے ہیں تو پھر اس کے لیے اتنے پریشان کیوں ہیں؟" غزالہ نے پوچھا۔

میں پھیکے انداز میں ہنس پڑا "تم کہتی ہو تو اب پریشان نہیں ہوں۔" یہ کہہ کر میں ٹیلی وژن کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

مجھے اچانک احساس ہوا تھا کہ غزالہ میری بیوی تھی۔ اس کے سامنے کسی اور عورت' خاص کر ویرا جیسی خود سر اور بے باک عورت کے لیے میرا یوں پریشان ہونا مناسب نہیں تھا۔ ویرا کے لیے میری حد سے بڑھی ہوئی فکر مندی غزالہ کے جذبات مجروح کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔

میری پھیکی ہنسی کے ساتھ غزالہ بھرپور انداز میں ہنسنے لگی "کبھی کبھی آپ مجھے بچوں کی طرح بہلانے لگتے ہیں۔ یوں کہہ رہے ہیں جیسے پریشانی کا بھی کوئی بٹن ہوتا ہے۔ اسے دبایا اور پریشانی یک دم ختم ہوگئی۔ آپ نے ویرا کو غیر ضروری طور پر اپنے اعصاب پر سوار کیا ہوا ہے۔"

میں غزالہ کو گھور کر رہ گیا۔ فوری طور پر اس کے تبصرے کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔

"یہ ٹھیک ہے کہ وہ ہمارے ملک کی محبت میں سب کچھ بھول کر ہمارے ساتھ دردر کی خاک چھانتی پھر رہی ہے لیکن ہم لوگوں نے بھی اس کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" مجھے خاموش پاکر غزالہ نے اپنی بات جاری رکھی "آپ قدم قدم پر اسے روکتے ٹوکتے اور سمجھاتے رہتے ہیں۔ اگر وہ ہر مشورے کو ٹھوکر مار کر اپنی من مانی پر تلی ہوئی ہے تو آپ کیا کرسکتے ہیں؟ کب تک اسے بچائیں گے۔ اس کی وجہ سے آپ کی قوت فیصلہ متاثر ہوگی جس سے ہم دونوں کو نقصان پہنچے گا۔"

غزالہ کی ہر بات بالکل درست تھی۔ کسی نکتے سے اختلاف کرنے کی کوئی گنجائش موجود نہیں تھی۔ میں نے دھیرے سے کہا "میں کوشش کروں گا کہ اس کے خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دوں۔ تفکرات کا یہ روگ جاری رہا تو واقعی میری کارکردگی متاثر ہوگی۔"

"آپ اپنے کام کو دیکھیں۔ رینا کو فون کرلیں۔ اس سے آپ کا دھیان بٹے گا۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد غزالہ نے تجویز پیش کی۔

اس دوران میں دور درشن سے خبریں شروع ہو چکی تھیں۔ میں نے غزالہ سے کہا کہ خبریں سننے کے بعد رینا کو فون کروں گا۔ اگر دہلی میں انسپکٹر ڈیوڈ کے قتل کی کوئی اہمیت تھی تو وہ خبر دور درشن پر آنی ضروری تھی۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ ملکی اور بین الاقوامی خبروں میں کہیں بھی انسپکٹر ڈیوڈ کا ذکر نہیں تھا۔

"ہم اس واقعے میں کسی حد تک ملوث ہیں اس لیے اس بارے میں سوچ رہے ہیں۔ یہ ایک مقامی واقعہ ہے۔ اخباروں سے ہی اس بارے میں کچھ پتا چل سکے گا۔" غزالہ نے ٹیلی وژن کی آواز دھیمی کرنے کے بعد کہا۔

"اب مجھے تمہارے مشورے پر عمل کرلینا چاہیے۔" میں نے مسکرا کر کہا اور فون کی طرف بڑھ گیا۔

رینا اجیت رائے کا تعلق ہمارے دشمنوں سے تھا۔ اس سے بات کرنے کے دوران میں سی ایس ڈی کے استعمال کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپریٹس بند تھا۔ میں نے اسے چھیڑے بغیر رینا کے کارڈ پر چھپا ہوا نمبر ملالیا۔

دوسری گھنٹی پر ایک پختہ نسوانی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ "کون ہے؟ کیا کام ہے؟" بے اختیار میرا دل چاہا کہ میں اس سے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے بارے میں پوچھوں اور تصدیق یا تردید سننے کے بعد فون بند کردوں مگر اس موقع پر ایسی کوئی معمولی سی حرکت بھی حریفوں کو ہوشیار کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔ جب تک میں رینا کی زبان سے کچھ نہ اگلوا لیتا' میرا محتاط رہنا بہت زیادہ ضروری تھا۔

"میں مظہر بول رہا ہوں۔ رینا سے بات ہوسکتی ہے؟" میں نے کسی توقف کے بغیر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"ہولڈ کرو۔ میں دیکھتی ہوں۔" اس جواب کے ساتھ ریسیور پر موسیقی کے مدھم سر گونجنے لگے۔

اس عورت کا لب ولہجہ خالص پیشہ ورانہ تھا جیسے وہ برسوں سے فون آپریٹر کے طور پر کام کررہی ہو۔ اس آواز میں ذرا بھی گھریلو انداز نہیں تھا۔ وہ موسیقی اس پر مستزاد تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھروں میں ایک فون نمبر کے ساتھ متعدد ایکس ٹینشن منسلک ہوں تب بھی ہولڈ کرنے کے دوران میں موسیقی سننے یا سنانے کی کوئی سہولت نہیں ہوتی۔ وہ یقینی طور پر ٹیلی فون کا کوئی مختصر ایکس چینج یا بورڈ تھا جس کے ذریعے وہ مجھے ہولڈ پر رکھ کر رینا کو تلاش کر رہی تھی۔

خاصے طویل انتظار کے بعد اچانک موسیقی کی آواز غائب ہوگئی اور رینا لائن پر آگئی "مجھے معلوم تھا کہ بے چین ہو کر تم مجھے ضرور فون کرو گے۔" کھلکھلاتی ہوئی ہنسی کے درمیان اس کی زندگی سے بھرپور آواز سنائی دی "اس وقت تم کہاں ہو؟"

"میں اپنے ہوٹل کے سوا اور کہاں ہو سکتا ہوں۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ جلد از جلد مجھے فون کرو گی۔" میں نے شکوا کیا۔

"وعدہ ضرور کیا تھا مگر انکل بہت مصروف آدمی ہیں۔ ابھی تک میں ان سے ملاقات کا وقت لینے میں کامیاب نہیں ہو سکی اسی لیے میں نے تمہیں فون نہیں کیا۔"

اس کے جواب میں میرے ایک سوال کا جواب مضمر تھا۔ انل بسواس کو مجھ سے ملنے کی عجلت نہیں تھی۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ مجھے ڈینی نہیں سمجھا جا رہا تھا۔ انہیں میری اصلیت کی بھنک مل گئی ہوتی تو انل بسواس اپنی ساری مصروفیات ترک کر کے مجھے ملاقات کے لیے طلب کر لیتا۔

وہ رینا سے رابطے کا پہلا فائدہ تھا۔ اس سے ملے اور بات کیے بغیر کچھ بھی سامنے نہیں آسکتا تھا۔

"اپنے انکل کو چھوڑو۔" میں نے برجستہ کہا "اگر وہ مصروف آدمی ہیں تو مجھے بھی ان سے ملاقات کی اتنی زیادہ خواہش نہیں ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میرا روزگار میری ضروریات پوری کر رہا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کب مل رہی ہو۔" غزالہ بہت سمجھ دار تھی، مجھے کھلی گفتگو کا موقع دینے کی خاطر کمرے سے باہر جا چکی تھی۔

رینا کی کھنکتی ہوئی ہنسی سنائی دی "معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تمہاری گرل فرینڈ تمہارے سر پر مسلط نہیں ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ تم اس دھان پان لڑکی سے بہت ڈرتے ہو۔ اس کی دل جوئی کی خاطر کل رات تم نے میرے ساتھ کھانا کھانے کی پیش کش ٹھکرا دی تھی۔"

"میں اسے پاکستان سے اپنے ساتھ لایا ہوں۔ اس پر میرا کوئی زور ہے نہ اس سے کوئی رشتہ ہے۔ مجھے اس کا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔ تم کو میری اس مجبوری کا اندازہ ہونا چاہیے۔ پردیس میں گرل فرینڈ کی ناراضی خاصی مہنگی پڑ سکتی ہے۔ تفریح کا سارا لطف غارت ہو جائے گا۔"

"مجھے اپنے باپ کا ڈر نہ ہوتا تو میں تمہیں مشورہ دیتی کہ اسے ناراض کر کے بھیج دو۔ میں تمام تفریحات میں تمہارا ساتھ دوں گی۔" وہ اپنے باپ اور گھرانے کے بارے میں گھڑی ہوئی مفروضہ کہانی پر مضبوطی سے قائم تھی۔ باتوں کی روانی میں یہ نہیں بھولی تھی کہ اس نے مجھے اپنے بارے میں کیا بتایا ہوا تھا۔

وہ باپ سے ڈرنے کا بہانہ کر رہی تھی۔ میں نے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "تم وعدہ کرو تو میں کل ہی اسے لوٹا دوں۔"

"اب تم تھوڑے تھوڑے کھل رہے ہو۔ دراصل جو چیز آسانی سے ہاتھ آجائے، آدمی اس کی قدر نہیں کرتا۔ میرے لوٹ آنے کے بعد تم ایسے بے چین ہو رہے ہو کہ مجھے فون کر بیٹھے۔ میں نے تم سے رابطہ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا تھا۔"

"مجھے گزری ہوئی باتوں کا طعنہ نہ دو۔ آگے کے بارے میں بتاؤ کہ تم سے کب ملاقات ہوگی؟"

"میں نے تمہارا نام انکل تک پہنچا دیا ہے۔ جب فرصت ہوئی، وہ وقت دے دیں گے۔" اس بار رینا کی آواز سے سنجیدگی مترشح تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "ان سے ملوانے سے پہلے تمہاری تھوڑی سی برافنگ ضروری ہے۔ اس کے لیے میں خود بھی تم سے ملنے کا ارادہ کر چکی تھی۔"

"لیکن تم نے اس بارے میں پہل نہیں کی۔ تنگ آکر مجھے فون کرنا پڑا۔" میں نے شکوا کیا۔

"تم بھی بہت بے صبرے ہو۔ شاید دنیا کے سارے ہی مرد ایسے ہوتے ہیں۔ کل شام سات بجے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔"

اس کی پیش کش نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔ اگلے دن کا وہی وقت اول خان سے طے ہو چکا تھا۔ اس کی فون کال آنے پر مجھے اس سے کچھ اہم باتیں کرنی تھیں لیکن وہ گھر کا آدمی تھا۔ اس کے بارے میں، میں غزالہ کو بھی سمجھا سکتا تھا۔ اس کے مقابلے میں رینا زیادہ اہم تھی۔ میری کسی ٹال مٹول سے میری عاشقانہ اداکاری میں جھول پیدا ہو سکتا تھا۔ میں نے چند ثانیوں میں فیصلہ کر کے مسرت سے کہا "نیک خیال ہے، یہ بتاؤ کہ تم کہاں ملو گی؟"

"میں بتا چکی ہوں کہ مجھے تمہاری برافنگ کرنی ہے۔ اِدھر اُدھر وقت ضائع کرنے کے بجائے تم کوئی الگ کمرا لے لو۔ اسی نمبر پر فون کر کے کمرے کا نمبر دے دینا۔ میں موجود نہ ہوئی، تب بھی مجھے تمہارا پیغام مل جائے گا۔ میں سات بجے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی۔"

پچھلی شام وہ مجھ پر جال ڈالنے کے ارادے سے آئی تھی اس لیے اس نے اپنی کرہ کے پیسے خرچ کرکے ہوٹل میں کمرا لیا تھا۔ اگلی رات کا وہ سارا خرچ اس نے بہت ہوشیاری اور عیاری سے میرے سر ڈال دیا تھا۔ میری دانست میں پھر بھی وہ سودا مہنگا نہیں تھا۔

اس نے جو کچھ کہا تھا' اس سے مجھے ایک نیا نکتہ سوجھ گیا جس سے میں نے فوراً ہی فائدہ اٹھانے کے ارادے سے کہا "سچ پوچھو تو یہ میرا دوسرا فون ہے۔ دوپہر کو میں نے رنگ کیا تو کسی نے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا نام لیا اور میں نے بوکھلا کر فون بند کردیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں فون پر غلط نمبر بھی مل جاتے ہیں۔"

"اوہ!" یوں محسوس ہوا جیسے میرے انکشاف نے اسے چونکا دیا ہو۔ اس نے تیزی سے پوچھا "تم نے کس وقت فون کیا تھا؟ وہ آواز کیسی تھی؟"

میرا دل خوش ہوگیا کہ میں نے اچانک ہی اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ میں نے دفاتر وغیرہ میں ہونے والے کھانے کے وقفوں کا اندازہ لگا کر بے پروائی سے جواب دیا "ڈیڑھ دو بجے کا وقت تھا۔ آواز نسوانی تھی مگر وہ نہیں تھی جو ابھی تم سے پہلے سنائی دی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے گھر میں نوکروں کی خاصی فوج پل رہی ہے۔"

"اگر تم مجھے صحیح وقت اور آواز کے بارے میں کوئی خاص بات بتا سکو تو میں دیکھوں گی کہ وہ حرکت کس کی تھی۔" میری شکایت پر وہ شاید فکرمند ہوگئی تھی "یہاں سے فون اٹھانے والوں کو سختی سے ہدایت ہے کہ وہ کچھ بتانے میں پہل نہ کریں۔ یہ معلوم کریں کہ فون کرنے والا کیا چاہتا ہے۔"

"عجیب بات ہے۔" میں نے اس کے آخری فقروں پر تبصرہ کیا پھر کہا "میں جھوٹ نہیں بولتا۔ صحیح وقت نہیں دیکھا تھا۔ بس اندازہ ہے کہ ڈیڑھ دو بجے کا عمل ہوگا۔ خاص بات یہ تھی کہ وہ آواز تمہاری آواز کی طرح رسیلی اور لوچ دار نہیں تھی۔"

"اسے بھول جاؤ۔ دہلی میں غلط نمبر نہیں ملتے جو بھی فون اٹھائے' تم اسے کمرے کا نمبر دے دینا۔ میں پہنچ جاؤں گی۔"

"تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ تمہارے گھر سے کوئی کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا نام کیوں لے گا؟ یہ چکر کیا ہے۔"

"میں نے کہا نا کہ اسے بھول جاؤ۔" رینا کی آواز دھیمی اور سخت ہوگئی۔ جیسے وہ میری جرح سے خوف زدہ ہوگئی ہو "کل ملوں گی تو تمہیں بتادوں گی۔"

اس نے مجھے ٹال کر اپنی جان چھڑانے کی کوشش کی تھی مگر میں نے اس کا وہ وعدہ گرہ میں باندھ لیا ـــ وہ رینا کی کوئی بڑی کمزوری تھی۔ اس کے اسباب گوپال کے ذریعے میرے علم میں آچکے تھے۔ میں موقع محل کی مناسبت سے وہ موضوع دوبارہ چھیڑ کر رینا سے کچھ نہ کچھ اگلوا سکتا تھا۔

"تم کہتی ہو تو فی الحال بھول جاتا ہوں۔ کل شام سات بجے' میرے ہوٹل میں؟" میں نے تائید طلب انداز میں کہا۔

"ہاں بابا' ہاں!" اس نے عجلت میں جواب دیا اور فون بند کردیا۔

مجھے اپنے وجود میں آسودگی کی لہریں سی سرایت کرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ تھوڑی دیر پہلے ذہنی اضمحلال اور اعصابی تناؤ کی جو کیفیات طاری تھیں' وہ رینا سے بات کرنے کے بعد اچانک دور ہوگئی تھیں۔ غزالہ کا مشورہ تیر بہ ہدف ثابت ہوا تھا۔

چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ فون کی گھنٹی گنگنا اٹھی۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ گوپال سے تھوڑی دیر قبل میری بات ہوچکی تھی۔ ویرا کا فون بھی آگیا تھا۔ اول خان کو اگلی شام فون کرنا تھا پھر وہ کون ہوسکتا تھا جو مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ میں سوچتا رہ گیا اور گھنٹی دوبارہ بج اٹھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا' فون سننا ضروری تھا۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا لیکن لائن اس سے پہلے بے جان ہوچکی تھی۔

اس نامعلوم فون کال نے مجھے پریشان کردیا۔ غزالہ باہر نکلی ہوئی تھی۔ مجھے فکر ہونے لگی کہ ہوٹل میں اس کا اکیلے گھومنا مناسب نہیں تھا۔

چند منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو غزالہ کا شگفتہ چہرہ نظر آیا۔

"ویری گڈ!" اس نے کمرے میں گھستے ہی شگفتہ لہجے میں کہا "رینا سے بات کرنے کے بعد آپ کے چہرے پر رونق اور تازگی نظر آرہی ہے۔"

"فون پر بات شروع ہوتے ہی تم کہاں نکل گئی تھیں؟" میں نے خفگی سے پوچھا۔

"مجھے اچانک خیال آیا تھا کہ میری موجودگی میں آپ اس سے بے تکلفی سے بات نہیں کرسکیں گے' میں باہر چلی گئی۔ میں ایسے معاملات کے نشیب و فراز کو سمجھتی ہوں۔ آپ بلاوجہ مجھ پر آنکھیں نکال رہے ہیں۔" اس نے مجھ سے نظریں ملا کر شوخی سے کہا "کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم غلط کیسے کہہ سکتی ہو۔ ہر عورت افلاطون کی خالہ ہوتی ہے۔ تم یہاں ہوتیں تو میں ایک الجھن سے بچ جاتا۔"

"کیا اتنی سی دیر میں کوئی نئی الجھن پیدا ہوگئی؟" میری تشویش دیکھ کر وہ پریشان ہوگئی۔

"نہ جانے کس کا فون آیا تھا۔ میں سوچتا رہ گیا۔ دوسری گھنٹی کے بعد فون بند کردیا گیا۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑی "آپ بلاوجہ بہت زیادہ سوچنے لگے ہیں۔ وہ میری کال تھی۔ دو گھنٹیاں بجنے کے بعد میں نے انٹرکام بند کیا اور اوپر آگئی۔"

"اس حماقت کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"میں دیکھنا چاہ رہی تھی کہ آپ کا اور رینا کا مذاکرہ جاری ہے یا ختم ہوگیا۔ گھنٹیاں بجنے کا مطلب تھا کہ فون خالی تھا اور آپ قریب نہیں تھے۔ میں اوپر آگئی۔ انٹرکام پر فون مصروف ملتا تو میں مزید کچھ دیر شاپنگ آرکیڈ کی سیر کرتی رہتی۔"

میں کھسیائے ہوئے انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔ دہلی کی آب وہوا غزالہ کو راس آئی تھی اور اس کی عقل تیزی دکھانے لگی تھی۔

"وہ اپنے غائب ہونے کے بارے میں کیا کہانی سنا رہی تھی؟" غزالہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ وہ کل شام ہی تو ملی تھی۔ میری بے چینی کا مضحکہ اڑا رہی تھی۔"

"پتا نہیں آپ کیوں اس کے فون کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ میں نے آپ کی مایوسی کو دیکھتے ہوئے اسے کال کرنے کا مشورہ دیا تھا اور میں یہ دیکھ کر خوش ہوں کہ اب آپ کے چہرے پر ذہنی دباؤ کے اثرات نہیں ہیں۔"

"وہ کل شام دوبارہ ملے گی۔ اس نے دو باتیں صاف کردی ہیں۔ انل بسواس کو مجھ سے ملاقات کی عجلت نہیں اور کلاسیکل ڈانس اکیڈمی میں واقعی کوئی گھپلا ہے۔ میری زبان سے اکیڈمی کا ذکر سن کر وہ پریشان ہوگئی تھی۔"

"اگر وہ آپ کو پہچاننے میں کامیاب نہیں ہوسکے ہیں تو پھر رینا کو آپ کی طرف کیوں بھیجا گیا ہے؟"

"مجھے اس سے پوچھنا یاد نہیں رہا۔ کل ضرور دریافت کروں گا۔"

"آپ پھر پڑ گئے۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہ رہی تھی کہ اس بارے میں آپ نے کیا اندازہ لگایا ہے۔"

"ایک وقت میں ہر بات معلوم نہیں ہوسکتی تھی۔ یہی کافی ہے کہ چند باتیں صاف ہونے کے ساتھ اس سے اگلی ملاقات کا وقت طے ہوگیا۔ آج کی باتوں کی روشنی میں، میں کل اس کا سارا اعتماد متزلزل کردوں گا اور وہ بہت کچھ اگلنے پر مجبور ہوجائے گی۔" میں نے پورے یقین سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ انٹرکام والی الجھن کے باوجود آپ اپنی حکمت عملی پر غور کرچکے ہیں۔" غزالہ نے تائید طلب انداز میں میری طرف دیکھا۔

"وہ انل بسواس کو میرے بارے میں بتا کر پھنس چکی ہے۔ کل میں اس سے ملاقات سے صاف انکار کردوں گا۔ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل جائے گی۔"

"آپ کے انکار سے رینا کی صحت پر کیا اثر پڑے گا؟" وہ بات غزالہ کی سمجھ میں نہیں آسکی۔

"وہ انل بسواس کے دیے ہوئے وقت پر مجھے اس تک نہ لے جاسکی تو اپنی تنظیم میں اس کی پوزیشن خراب ہوجائے گی۔"

"خود کو بچانے کے لیے وہ اپنے بڑوں کو سب کچھ بتادے گی اور وہ آپ کے پیچھے پڑجائیں گے۔"

"تم بہت بھولی ہو۔ یہ بات میں بھی جانتا ہوں۔ میں خود انل بسواس کا دیدار بلکہ دیہانت کرنا چاہتا ہوں۔ انکار کرکے میں رینا پر دباؤ ڈالوں گا۔ یہ افتاد اسے پریشان کردے گی۔ اس سے آگے جو کچھ ہونا ہے، اس کا انحصار رینا کے ردِ عمل پر ہوگا۔"

شاید اس گفتگو سے غزالہ کے ذہن میں ایک خاکہ بننا شروع ہوگیا تھا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ درمیان میں وہ چونک کر گاہے گاہے سوالات کرتی رہی اور میں جواب دیتا رہا۔ مجھے خوشی ہورہی تھی کہ وہ بہت تیزی کے ساتھ سوچنے کی عادت کو اپنا رہی تھی۔

وہ دن اضطراب میں گزرا تھا لیکن رات بہت سکون سے کٹ گئی۔

اگلی صبح کے اخبارات کے پہلے صفحات پر انسپکٹر ڈیوڈ کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔ ہوٹل کی طرف سے مہمانوں کو دو اخبارات فراہم کیے جاتے تھے۔ ان کی ورق گردانی سے پتا چلا کہ شہر کی خبروں میں ڈیوڈ کے قتل کو نمایاں مقام دیا گیا تھا۔ میں نے خبر کے ذیل میں دونوں اخباروں کا متن بہت غور اور باریک بینی سے پڑھ ڈالا مگر کہیں بھی ایسا کوئی مواد نظر نہیں آیا جس سے یہ گمان ہوتا کہ ڈیوڈ کے قتل کو دہشت گردوں کے سر منڈھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کسی سانپ سے حاصل کیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے سریع الاثر زہر کے استعمال کی کہانی سنا رہی تھی۔ رپورٹ کے مطابق وہ زہر متوفی کے داہنے رخسار کی جلد میں کسی سرنج وغیرہ کے ذریعے اتارا گیا تھا۔ زہر کے اثر سے لاش بہت جلد اکڑ کر نیلی ہو گئی تھی۔

گاڑی اور لاش کی حالت کے ساتھ جائے واردات نے پولیس والوں کو گمراہ کرنے میں اہم کردار ادا کیے تھے۔ وہ ایسی جگہ نہیں تھی جہاں متوفی کو کسی ضرورت کے تحت گاڑی روکنی پڑتی۔ لاش اور گاڑی کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈیوڈ کو دوڑتی ہوئی کار میں نشانہ نہیں بنایا گیا تھا بلکہ کھڑی ہوئی گاڑی میں اتنی تیزی سے زہر دے کر مارا گیا تھا کہ اسے مزاحمت کرنے یا ڈرائیونگ سیٹ سے ہلنے جلنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ یہ شواہد نشان دہی کر رہے تھے کہ قاتل ایسا شخص تھا جسے ڈیوڈ جانتا۔۔۔ تھا اور کسی حد تک اس پر اعتماد کرتا تھا۔ اس نے قاتل کو پہچان کر اس ویران سڑک پر گاڑی روکی اور وہ نامعلوم شخص ڈیوڈ کو ڈارٹ یا سرنج کے ذریعے شکار کر کے جھاڑیوں میں روپوش ہو گیا۔ اس نظریے کی روشنی میں شہر سے تین مشتبہ افراد کو حراست میں لے لیا گیا تھا جن سے بازپرس کی جا رہی تھی۔

میرے نزدیک وہ اخباری خبریں نہیں بلکہ ویرا کے بے داغ کارنامے کے تفصیلی اشتہار تھے جو مجھے چڑانے کے لیے اخبار کی زینت بن گئے تھے۔ اس وقت تک مجھے واردات میں رابرٹو ویلینی کی شرکت اور منصوبہ بندی کے بارے میں کوئی بھنک نہیں ملی تھی۔ میں دل ہی دل میں ویرا کی ہمت، جرأت اور شفاف منصوبہ بندی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اپنے اقدام کے بارے میں اس کا اعتماد بے جا نہیں تھا۔

ان خبروں کا خطرناک پہلو یہ تھا کہ ویرا کا حوصلہ بڑھ جاتا۔ امریکیوں سے گٹھ جوڑ کی بنا پر وہ بھارتیوں سے بھی نفرت کرتی تھی۔ اگر اسے امریکی سی آئی اے کے جان اسمتھ تک پہنچنے میں کوئی دشواری محسوس ہوتی تو وہ بھارتیوں کی صفوں میں دہشت پھیلانے کے لیے کوئی بھی قدم اٹھا سکتی تھی۔

اسلام آباد اور کراچی میں ہونے والے پراسرار بم دھماکوں پر اس کا ردِ عمل بہت نفرت آمیز تھا۔ وہ بھارتیوں اور امریکیوں سے ایسی جگہ ان واقعات کا بدلہ لینا چاہتی تھی جہاں وہ کوئی جواب نہ دے سکیں۔ اس ضمن میں ویرا کے لیے دہلی سب سے زیادہ سازگار شہر تھا جہاں کی پولیس اپنے ایک پرانے افسر کے قتل کے صحیح اسباب کا کھوج لگانے میں بری طرح ناکام نظر آ رہی تھی۔

پولیس والے اپنی دانست میں صحیح سمت میں کام کر رہے تھے۔ ان کی بدترین غلطی کا بہترین اندازہ صرف ویرا کو تھا۔ اس کے سر پر منڈلاتے ہوئے خطرات بظاہر ٹل گئے تھے۔ مجھے یہ اطمینان تھا کہ دہلی میں ویرا کو کسی بھی قسم کے وسائل میسر نہیں تھے جن سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنے انتقامی جذبے کی تسکین کے لیے شہر میں کوئی کارروائی کرتی۔ ایسے کسی اقدام کی تیاری کے لیے اسے وقت درکار تھا جو میری اور رینا کی متوقع ملاقات کے نتیجے میں کم ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

میں سنجیدگی سے یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ انل بسواس کو کیفرِ کردار تک پہنچاتے ہی میں کراچی کی طرف سفر شروع کر دوں گا۔ دہلی میں مامور ایجنٹوں کی تربیت وغیرہ کے بارے میں جلال نے بڑی حوصلہ افزا باتیں کی تھیں جو لاہور کے ایک پرسکون کمرے میں بہت خوش آئند محسوس ہو رہی تھیں لیکن آئی بی کے ایجنٹوں کے عدم تشدد کے بنیادی فلسفے کو تبدیل کرنا مجھے اپنے بس سے باہر نظر آ رہا تھا۔

وہ تینوں ہر قسم کی کارروائیوں میں میرا ساتھ ضرور دے سکتے تھے لیکن از خود کسی کشت و خون میں ملوث ہونا ان کے مزاجوں کے خلاف تھا۔ اس کا تازہ ترین ثبوت عابد علی عرف گوپال کا وہ اشتباہ آمیز رویہ تھا جو اس نے ڈیوڈ کے قتل کے بعد ٹرانسمٹر پر گفتگو کے دوران میں اختیار کیا تھا۔ اگر وہ خون ہم میں سے کسی نے بہایا تھا تو گوپال کے نزدیک وہ ایک قابل نفرین اور غیر ضروری اقدام تھا۔

وہ خبر سن کر ابتدا میں، میں خود بھی بھڑکا تھا۔ جب ویرا نے فون پر بتایا کہ اس نے انسپکٹر ڈیوڈ کو مار دیا ہے تو میں مضطرب ہو گیا تھا۔ اس اضطراب میں ڈیوڈ سے ہمدردی کا کوئی شائبہ تک نہیں تھا۔ مجھے فکر صرف اس بات کی تھی کہ ویرا نے ایک غیر ضروری اور سنگین خطرہ مول لیا تھا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتا تھا۔ کھیل میں اگر فتح حاصل ہو تو میدان میں کیا جانے والا ہر فاؤل جائز قرار پاتا ہے۔ کھیل کے اس جدید اصول کے تحت میں نے دونوں اخبار پڑھنے کے بعد ویرا کے حوصلہ مندانہ اقدام کو تالاب میں پھینکے جانے والے پہلے کامیاب پتھر کے طور پر قبول کر لیا تھا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ گوپال اور اس کے دونوں ساتھی اس مرحلے پر بھی مجھ سے متفق نہیں ہو سکتے تھے۔

وہ دن بھارتی سرزمین پر ویرا کی پہلی اور بھرپور کامیابی کی نوید بن کر طلوع ہوا تھا۔ مجھے اپنی کامیابی کے لیے وہ پورا دن گزار کر شام کے سرمئی دھندلکے کا انتظار کرنا تھا جب راکی رینا اجیت رائے اپنی ساری فتنہ سامانیوں کے ساتھ میری بریفنگ کے لیے ہوٹل کے کسی مخصوص خلوت کدے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہنچتی۔

دوپہر کو میں نے رینا سے مجوزہ ملاقات کے لیے دوسرا کمرا بک کرانے کی غرض سے ہوٹل کے کاؤنٹر سے رجوع کیا تو ایک نیا مسئلہ پیدا ہوگیا۔ میں غیر ملکی تھا۔ میرے لیے اپنی اکلوتی سفری شناخت کو تبدیل کرنا ممکن نہیں تھا۔ بکنگ کلرک نے میرے نام پر دوسرا کمرا بک کرنے سے معذرت کرلی کیونکہ ہوٹل کا ایک کمرا پہلے ہی میرے اور غزالہ کے مشترک استعمال میں تھا۔ ہوٹل کے ریکارڈ میں اس کا باقاعدہ اندراج موجود تھا۔

میری قومیت کچھ اور ہوتی تو ہوٹل والے اضافی آمدنی کا وہ موقع ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور کوئی نہ کوئی درمیانی راہ خود ہی تجویز کردیتے۔ میں نے محسوس کیا کہ دونوں ملکوں میں سیاسی سرد مہری اور محاذ آرائی کی وجہ سے پاکستانیوں کے بارے میں ہر جگہ محتاط اور سخت رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔

میں نے ذرا سی دیر کے لیے سوچا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے سر کا بوجھ اتار پھینکوں۔ رینا کو فون پر اس پیچیدگی سے آگاہ کردوں۔ اس وقت تک یہ بات تقریباً پایہ ثبوت تک پہنچ چکی تھی کہ وہ را کی طرف سے سرکاری طور پر میرے پیچھے لگائی گئی تھی۔ اس بارے میں ہونے والے اخراجات بھی اسے را سے ادا کیے جارہے ہوں گے۔ شاید اس نے کمرے کا ایک رات کا کرایہ اپنی جیب میں ڈالنے کے لیے وہ ذمے داری میرے سر ڈال دی تھی مگر پھر مجھے ایک متبادل راہ سوجھ گئی۔

"اگر غزالہ سے میرا جھگڑا ہوجائے تو میں کیا کروں؟" میں نے اپنی کہنیاں چوبی کاؤنٹر پر ٹیک کر بکنگ کلرک سے سوال کیا۔

"جی سر! میں سمجھا نہیں۔" وہ میرے بے تکے سوال پر بوکھلا گیا۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"کمرا مظہر خان اور غزالہ کے نام پر ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کی "وہ دونوں میاں بیوی نہیں ہیں۔ اگر دونوں کے درمیان کوئی اختلاف ہوجائے اور مظہر خان اس کمرے سے نکلنا چاہے تو تم یہ بتاؤ کہ وہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟"

"سر! یہ تو سیدھی سی بات ہے۔" کلرک نے مودب لہجے میں کہا "آپ پرانا کمرا مس غزالہ کے نام پر رہنے دیں۔ وہاں سے اپنی بکنگ منسوخ کرادیں اور اپنے نام پر الگ کمرا لے لیں۔ اختلافات ختم ہوجائیں تو پرانی بکنگ ہر وقت بحال ہوسکتی ہے۔"

"بس تو پھر تم یہی کرو۔ اس وقت میرے ساتھ یہی مسئلہ درپیش ہے۔" میں نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"او کے سر!" اس نے سٹپٹا کر کہا شاید وہ نادم تھا کہ اتنی معمولی سی بات پہلے اس کی سمجھ میں کیوں نہیں آئی۔ روا روی میں وہ ہم دونوں کو وہی سمجھ رہا تھا جو ہم حقیقت میں تھے۔ اس طرف دھیان نہیں دیا تھا کہ ہم آپس میں کیا بنے ہوئے تھے۔

اندراجات کرنے کے بعد اس نے ایک چابی منتخب کی اور پوچھا "سر! آپ کا سامان بھی نئے کمرے میں منتقل ہوگا؟"

"اسے وہیں رہنے دو۔ ہوسکتا ہے کہ صورتِ حال زیادہ دیر تک جاری نہ رہے۔ نیا کمرا مجھے ایک رات کے لیے درکار ہوگا۔"

"رقم ادا کرنے کے بعد میں نے رسید اور چابی لی۔ میں نے کمروں کا وہ ہیر پھیر اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ بھارتی خفیہ ایجنسی کے مقاصد کے حصول کے لیے کیا تھا۔ میں نے ڈنکے کی چوٹ پر اسی کاؤنٹر سے رینا یا کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے پہلے کی طرح میرا نام اور مقصد پوچھا گیا۔ میں نے رینا کے بارے میں دریافت کیا تو بتایا گیا کہ وہ موجود نہیں تھی۔ میں نے فون سننے والی کو اپنے نئے کمرے کا نمبر بتا کر فون بند کردیا۔

آدمی سیاحت کے موڈ میں ہو تو بڑے ہوٹلوں کا آزادانہ ماحول ہمیشہ پرکشش محسوس ہوتا ہے۔ میں کچھ دیر تک لابی اور کشادہ راہ داریوں میں ٹہلتا رہا۔ پھر لفٹ کے ذریعے نئے کمرے کی طرف گیا۔ ہوٹل کے تقریباً بیشتر کمرے یکساں، صاف ستھرے اور آراستہ تھے۔ جائزہ لینے کے بعد میں غزالہ کی طرف چل دیا۔

سات بجے رینا کو مجھ سے ملنا تھا۔ اسی وقت کراچی سے اول خان کا فون آنے کی توقع تھی۔ میں نے غزالہ کو سمجھانا شروع کردیا کہ اسے اول خان سے کن موضوعات پر کیا بات کرنی ضروری تھی۔ میں اسے باخبر ضرور رکھنا چاہتا تھا لیکن اس تک کسی پر تشویش خبر کی ترسیل مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

ہمارے اردگرد پھیلے ہوئے شکوک و شبہات کے بیشتر سائے ڈھل چکے تھے۔ بس ایک مہیب سایہ بہت دراز تھا۔ مجھے توقع تھی کہ میں اس شام رینا سے یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوجاؤں گا کہ وہ کن وجوہ کی بنا پر اور کس مقصد کے لیے ہمارے پیچھے لگائی گئی تھی۔

ہم دونوں کے پاس کوئی اور کام نہیں تھا۔ ہم سر جوڑے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان ہی معاملات پر مغززنی کرتے رہے۔ شام کی چائے سے فارغ ہونے کے بعد میں کچھ دیر تک سستاتا رہا پھر میں نے رینا سے ملاقات کی تیاری شروع کردی۔

غزالہ کو میں نے نئے کمرے کی بکنگ میں پیش آنے والی دشواری سے آگاہ کردیا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس نے سب کچھ سن لینے کے باوجود مجھ سے ایک بار بھی یہ نہیں پوچھا تھا کہ میں نے رینا کے لیے کس نمبر کا کمرا لیا تھا۔ میں نے بھی دانستہ نمبر نہیں بتایا۔ اپنے پچھلے تجربے کی روشنی میں میرا اندازہ تھا کہ رینا کی وہ ملاقات میری برانچنگ تک محدود نہیں رہے گی۔ سرد جنگ کے ہر پیچ و خم سے گزرنے کے بعد اس ملاقات کے آخری لمحات قدرے ناشائستہ ہوسکتے تھے جن سے غزالہ کا بے خبر رہنا بہت ضروری تھا۔

پونے سات بجے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ میں نے نہایت خوش دلی سے دروازہ کھولا مگر یہ دیکھ کر میری پیشانی پر بل پڑ گئے کہ پھول دار بلاؤز اور جینز میں ملبوس رینا کے پیچھے ایک گراں ڈیل اور تند خو شخص ہلکا سا بریف کیس لیے کھڑا ہوا تھا۔

رینا کے ساتھ ایسے ترش رو شخص کی موجودگی میرے لیے اس قدر غیر متوقع تھی کہ مجھے اپنے معدے میں گرہیں سی پڑتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ میں رینا کو اندر آنے کا راستہ دینے کے بجائے درمیان میں جم کر کھڑا ہوگیا۔ میری کینہ توز نگاہیں اس شخص کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں جو پیدائشی طور پر مسکرانے کی کسی بھی صلاحیت سے یکسر محروم نظر آرہا تھا۔ میں نے ذہنی طور پر خود کو اس سے کسی تصادم کے لیے تیار کرلیا تھا۔

رینا کے لیے میرا وہ ردِ عمل شاید متوقع تھا۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا "یہ ناگر ہیں۔ میرے ساتھ آئے ہیں۔ چند منٹ میں چلے جائیں گے۔ تم ہمیں اندر آنے کا راستہ کیوں نہیں دے رہے۔ ان سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"تمہارے ساتھ کسی اجنبی کی آمد ہمارے پروگرام میں شامل نہیں تھی۔" میں نے احتجاج کیا۔

"تم ہمیں اندر آنے دو۔" رینا نے مجھے آنکھ ماری۔ اس کے چہرے پر التجا ہی التجا تھی۔ ناگر اس کی پشت پر تھا اس لیے رینا کے چہرے پر رونما ہونے والی وہ تبدیلیاں نہ دیکھ سکا "یہ ایک رسمی سے کام کے لیے آئے ہیں۔"

"پھر تم دونوں اندر آجاؤ۔ میں باہر چلا جاتا ہوں۔" میرے ذہن پر غصے اور خوف کی ملی جلی کیفیات طاری ہوچکی تھیں۔

میں نے کمرے سے باہر جانا چاہا لیکن رینا نے بے تابی سے میرا بازو تھام لیا۔ ناگر نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور دو قدم آگے بڑھ آیا۔ اس کے بھاری بھرکم وجود نے میرے بڑھنے کی راہ مسدود کردی تھی۔ اسے دھکیلے بغیر میں اپنے ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتا تھا۔

"مسٹر خان! اندر چلو!" ناگر کے ہونٹوں سے دھیمی مگر تحکم آمیز آواز برآمد ہوئی "میں ہنگامہ آرائی بالکل پسند نہیں کرتا۔"

"چلو چلو! ضد نہ کرو!" رینا نے انگلیوں سے میرے بازوؤں پر دباؤ ڈالتے ہوئے مجھے نرمی سے اندر دھکیلنے کی کوشش کی "غلطی میری ہے۔ میں مصروف نہ ہوتی تو تم کو فون پر بتادیتی کہ ناگر بھی تھوڑی دیر کے لیے میرے ساتھ آئیں گے۔ بلاوجہ تماشا نہ بناؤ۔"

اس وقت دو ہی راستے تھے۔ میں رینا کی بات مان لیتا یا ناگر پر ٹوٹ پڑتا۔ دوسری راہ ہر صورت میں نقصان دہ تھی۔ رینا نے کوئی بات نہیں اگلی تھی مگر میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ دونوں را کے ایجنٹ تھے۔ میرے بارے میں ان کے عزائم نیک نہیں ہوسکتے تھے۔ اس وقت ناگر سے اڑنے کی صورت میں صرف میرا نقصان ہوتا۔

"یہ زیادتی اور دھاندلی ہے۔" میں بڑبڑاتا ہوا کمرے میں ہولیا۔ میرے پیچھے وہ دونوں بھی اندر آگئے۔ میرے لیے وہ بہت سنگین لمحات تھے۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ ناگر کیا عزائم لے کر وہاں آیا تھا۔ میرا دوران خون بہت تیز ہوچکا تھا جس کی تپش میں اپنے کانوں میں محسوس کررہا تھا۔

ناگر لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا مجھ سے آگے نکلا اور اس نے اپنا پتلا بریف کیس ڈریسنگ ٹیبل کے ایک گوشے پر ٹکا کر کھولتے ہوئے کہا "میں تمہارے فنگر پرنٹس لوں گا اور واپس چلا جاؤں گا۔ پھر تم دونوں رات بھر ایک دوسرے سے کھیلتے رہنا۔ میں لوٹ کر نہیں آؤں گا۔"

وہ ایک ہولناک انکشاف تھا۔ اس وقت تک میرا صرف نام ہی نام تھا۔ کہیں میری کوئی تصویر تھی نہ باقاعدہ فنگر پرنٹس۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ رینا نے ٹھیک چلتے چلتے اچانک مجھ پر کیا وار کیا تھا۔ میں نے ناگر کے بجائے رینا سے پوچھا "یہ سب کیا چکر ہے۔ میرے فنگر پرنٹس کی کیا ضرورت پیش آگئی۔"

"تمہیں کل انکل سے ملنا ہے۔ ہر اجنبی ملاقاتی کو ان تک رسائی سے پہلے اس مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے۔" رینا جلدی جلدی بولنے لگی۔ "وہ بہت اہم آدمی ہیں۔ یہ یقین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنا ضروری ہوتا ہے کہ کوئی غلط آدمی ان سے ملنے نہیں جارہا۔"

وہ انل بسواس سے ملاقات کے تکلفات تھے۔ میرے لیے اس وقت سب سے بڑا سنگین مسئلہ ناگر سے نجات حاصل کرنا تھا۔ رینا سے میں بعد میں بھی نمٹ سکتا تھا۔ میں نے ہلکی سے برہمی سے کہا "اگر میں اس ملاقات سے انکار کردوں تو کیا یہ ڈراما یہیں ختم ہوسکتا ہے؟"

"رینا کو قبول کرکے تم انتخاب کا یہ حق کھو چکے ہو۔" اس بار ناگر کی آواز نرم اور مصالحانہ تھی "انکل ایک بار کسی کو ملاقات کا وقت دے دیں تو وہ ٹالا نہیں جاسکتا۔ تمہارے کچھ تحفظات تھے تو تمہیں پہلے ہی رینا سے انکار کردینا چاہیے تھا۔ مجھے تمہاری رضامندی اور انکل کی توثیق کے بعد یہاں بھیجا گیا ہے۔ میں کبھی اپنا کام پورا کیے بغیر نہیں لوٹتا۔" اس نے بریف کیس میں رکھے ہوئے کاغذوں کو دانستہ یوں پلٹا کہ میں ان کے پیچھے چھپے ہوئے بھاری ریوالور کی جھلک دیکھ لوں۔"

میں رینا پر اپنی جس دھمکی کو آزمانے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا، ناگر نے اسے ناکارہ بنادیا تھا۔ انل بسواس سے میری ملاقات کو یقینی بنانے کے لیے ناگر جیسے کئی آدمی میرے کمرے پر دھاوا بول سکتے تھے۔ میں یکایک ہی بہت مشکل صورت حال میں گھر گیا تھا کیونکہ بات میرے اور رینا کے درمیان نہیں رہی تھی۔ ناگر اور اس جیسے نہ جانے کتنے افراد بیچ میں کود پڑے تھے۔ ناگر میرے سامنے تھا۔ را کے دوسرے ایجنٹ روپوش تھے۔

میرے جواب کا انتظار کیے بغیر ناگر نے بریف کیس میں سے دو سفید کاغذ نکالے جن پر پانچ لمبے لمبے خانے بنے ہوئے تھے پھر اس نے کالی سیاہی والا اسٹیمپ پیڈ کھول کر میری طرف سرکا دیا "داہنے ہاتھ کے انگوٹھے سے شروع کردو۔"

ناگر پیڈ اور کاغذوں کی طرف متوجہ تھا۔ رینا ملتجی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے قہربار نظروں سے اسے گھورا اور بے چارگی سے داہنا انگوٹھا اسٹیمپ پیڈ پر رکھ دیا۔ ناگر نے شاباش کہہ کر میرا انگوٹھا اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا۔

ایک ایک کرکے اس نے میرے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے بہت واضح نشانات سفید کاغذوں پر منتقل کرلیے پھر بریف کیس میں سے پلاسٹک کی ایک بند بوتل نکال کر میری طرف بڑھا دی "اس میں سے چند قطرے ہاتھوں پر مل کر پانی سے دھولو۔ سیاہی کا ایک ایک ذرہ نکل جائے گا۔"

میں نے برا سامنہ بناتے ہوئے اس سے بوتل لی اور باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

وہ صابن جیسا کوئی محلول تھا۔ پانی پڑتے ہی چند قطروں میں جھاگ پیدا ہونے لگے۔ میں نے چند ثانیوں تک دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑا اور پھر پانی میں دھو ڈالا۔ ناگر کے بیان کے مطابق میرے ہاتھ پہلے سے زیادہ صاف ہوچکے تھے۔

"تھینک یو!" میرے ہاتھ سے بوتل واپس لے کر ناگر نے پہلی بار اپنے مہذب ہونے کا ثبوت دیا اور بوتل کو بریف کیس میں بند کرکے تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"بھگوان کا شکر ہے کہ ایک بڑی بلا ٹل گئی۔" دروازہ بند ہوتے ہی رینا دونوں ہاتھ جوڑ کر منمنائی۔

"بند کرو یہ بکواس۔" میں نے مکا تان کر غراتے ہوئے کہا "مجھے آلو کا پٹھا مت سمجھو۔ اس بلا کو تم ہی لے کر آئی تھیں۔"

وہ سہم گئی اور روہانسی آواز میں بولی "مجھے آخر تک کچھ پتا نہیں تھا۔ میں ہوٹل آنے کے لیے نکلی تو یہ باہر اپنی گاڑی میں بیٹھا میرا انتظار کررہا تھا۔ اس نے بتایا کہ انکل کل دو بجے تم سے ملیں گے۔ فنگر پرنٹس اسی وقت لینے ضروری ہیں تاکہ ریکارڈ سے ان کا موازنہ کیا جاسکے۔ مجھے ذرا بھی مہلت نہیں ملی کہ میں تمہیں خبردے دیتی۔ اس سے ہر ایک گھبراتا ہے کیونکہ یہ آخری وقت پر کسی بلا کی طرح نازل ہوکر سر پر مسلط ہوجاتا ہے۔ اسے دیکھ کر میرے حواس گم ہوگئے تھے۔"

شدید اشتعال کے باوجود میں نے رینا کو اپنی بات مکمل کرنے کا موقع دیا۔ اس وقت وہی میری معلومات کا واحد ذریعہ بن سکتی تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ اپنے سر پر ناگر کے طویل تسلط کی وجہ سے وہ پراگندگی کا شکار ہورہی تھی۔ وہ اس سے سنبھلنے نہ پائی تھی کہ میں نے خشمناک تیوروں کے ساتھ اس پر دھاوا بول دیا تھا۔ میں جتنی دیر تک اسے دیکھتا یا گھورتا رہا، میں نے اسے سراسیمہ اور بدحواس پایا۔ اسے اتنا موقع نہیں ملا تھا کہ وہ خود کو یک جا کرکے کسی جھوٹ یا نئی کہانی کے لیے تیار کرسکے۔ اس سے بے رحمانہ سوالات کا سلسلہ جاری کرکے میں کافی سچ اگلوا سکتا تھا۔

"ساری کوششیں تمہاری تھیں۔ وہ تمہارا انکل ہے۔ اس نے ملاقات کے بارے میں تم کو کیوں نہیں بتایا؟ یہ ناگر اچانک کہاں سے درمیان میں آگیا؟" میں نے چیخنے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بجائے نیچی آواز میں ڈپٹ کر کہا۔

"اس سے میری کوئی رشتے داری نہیں۔ ہم لوگ احتراماً اس کا نام لینے کے بجائے اسے انکل کہتے ہیں۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ اپنے فیصلے خود کرتا ہے۔ اسے انکل کہنے والوں میں سے بہت سے لوگوں نے ایک بار بھی اسے قریب سے نہیں دیکھا ہوگا۔ وہ ایسے پیغامات دوسرے لوگوں کے ذریعے پہنچاتا ہے۔ کبھی کبھی ناگر بھی یہ کام کرتا ہے۔ یہ میری بدقسمتی تھی کہ آج انکل نے تمہارے لیے اسے بھیج دیا اور میں بے بس ہو کر رہ گئی۔"

"سچ سچ بتاؤ کہ تم لوگ کون ہو اور کیا چکر ہے۔ تم نے جھوٹ بولا تو میں اپنے انجام کی پروا کیے بغیر تمہارا خون پی جاؤں گا۔"

وہ مدافعانہ انداز میں الٹے قدموں پیچھے سرکتے ہوئے ہکلائی "مم ... میں سب کچھ بتا رہی ہوں۔ تم اپنے اوپر قابو رکھو۔ اس وقت مجھے تم ناگر سے زیادہ بھیانک لگ رہے ہو۔ ہم دس بارہ لڑکیاں ہیں جو اوپر والوں کی ہدایات پر راکے لیے کام کرتی ہیں۔"

"جھوٹ مت بکو۔ سچ سچ بتاؤ۔ یہ راکیا بلا ہے؟" میں سوچ سمجھ کر اس پر یلغار کر رہا تھا۔ میں نے راجیسے معروف بلکہ بدنام مخفف کو سمجھنے سے صاف انکار کر دیا تاکہ اس پر میری عام تاجرانہ حیثیت کا بھرم قائم رہ سکے۔

"یہ خفیہ بھارتی ایجنسی کا مختصر نام ہے۔ انکل اسی کے ایک شعبے کا سربراہ ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"تو تم سب بھارتی ایجنسی کے ایجنٹ ہو اور یہاں آنے والے بھولے بھالے پاکستانیوں کو اپنے جال میں پھانستے ہو؟"

"ہم کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کرتے۔ لڑکیوں سے دوستی کی ہوس میں لوگ خود ہماری طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔"

"لیکن تم نے تو بتایا تھا کہ تمہارا باپ مال دار ہے۔ تمہیں یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تم کو مرعوب کرنے کے لیے میں نے جھوٹ بولا تھا۔" وہ بھرائی ہوئی کمزور آواز میں بولی "میرا باپ مر چکا ہے۔ میں میرٹھ میں رہنے والی اپنی بیوہ ماں اور چار بہنوں کی کفالت کے لیے یہ سب کچھ کرنے پر مجبور ہوں۔ آج کل عزت والی نوکری کہیں نہیں ملتی۔ ہر آجر لڑکیوں کے بدن کو اپنی نظروں میں تولتا ہے۔"

"پھر یہ بھی غلط ہوگا کہ تم گریٹر کیلاش جیسے مہنگے علاقے میں رہتی ہو!" میں نے زہریلی آواز میں پوچھا۔

"گھر کے بارے میں ہر بات جھوٹی تھی۔ میں نے اب خوابوں کو الفاظ کا روپ دے کر تم سے جھوٹ بولا تھا مگر میں اسی علاقے میں رہتی ہوں۔ تم تصدیق کر سکتے ہو کہ میرا ہوا فون نمبر وہیں کا ہے۔"

"اس نمبر پر کلاسیکل ڈانس اکیڈمی بھی کام کرتی ہے۔ مجھے اپنے سوالات کے لیے خود بہ خود راہ مل رہی تھی۔

اس نے تھوک نگل کر خوف زدہ انداز میں اپنا سر اوپر سے نیچے ہلایا اور قدرے توقف کے بعد کہا "دراصل وہ ڈانس اکیڈمی ہی ہے۔ سب لڑکیاں اس کے بورڈنگ ہاؤس کے کمروں میں رہتی ہیں لیکن ناگر کے سامنے اس کا نام نہ لینا۔ وہ مجھے کچا چبا جائے گا۔ وہ لوگ یہ ایک بات بہت سختی سے چھپاتے ہیں کہ اکیڈمی کا راسے کوئی تعلق ہے۔ یہ بات پھیل گئی تو شریف گھرانوں کی لڑکیاں ادھر کا رخ کرنا چھوڑ دیں گی۔"

"اس کنجر خانے میں شریف لڑکیاں کیا کرنے آتی ہیں؟"

"شروع میں، میں بھی ناچ سیکھنے کے لیے گئی تھی۔ ایک بار بہکنے کے بعد ہر لڑکی اس بھنور کا حصہ بن جاتی ہے۔ وہ لوگ بعض اچھی اور پڑھی لکھی لڑکیوں کو بھارت سے باہر بھی بھیجتے ہیں۔"

"تم کو اکیڈمی کا نام چھپائے رکھنے کا حکم ہے لیکن یہ سب بکنے کی کھلی چھوٹ حاصل ہے؟"

"جو لڑکیاں دہلی میں آپریٹ کرتی ہیں، بڑوں کو ان کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ تم نے دیکھ ہی لیا کہ ناگر اپنا کام کر کے مجھے چارے کی طرح تمہارے سامنے ڈال کر کیسی بے فکری سے چلا گیا۔ اس نے تمہارے بگڑے ہوئے موڈ سے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ میرا وقت اچھا نہیں گزرے گا۔"

"اب اگر میں تمہیں مار کر کہیں دفن کر دوں تو کیا ہوگا؟" میں نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

"میری زندگی ختم ہو جائے گی لیکن میں کل صبح واپس اکیڈمی نہ پہنچی تو تمہاری زندگی بھی جہنم بنا دی جائے گی۔ راز والے شکاری کتوں کی طرح تمہیں کہیں سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔ تم کو کل دو بجے ہر حال میں انکل کے سامنے پہنچا دیا جائے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے دھمکی دے رہے ہو، جان سے نہیں مارو گے۔"

اسے ڈرانے دھمکانے کے چکر میں میرے اعصاب بھی متاثر ہونے لگے تھے۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر رینا کو ذرا سا وقفہ دیا اور کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگا لی۔ میرے اشارے پر وہ بھی ڈرے سہمے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم شراب کب سے پیتی ہو؟" میں نے سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے پوچھا۔

"جب سے اکیڈمی میں آئی ہوں۔" اس نے میرے لہجے کی تبدیلی پر اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا اور حریصانہ لہجے میں پوچھا "تمہاری اجازت ہو تو منی بار میں سے اپنے لیے کچھ نکال لوں؟ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب دے رہی ہوں۔ اس وقت مجھے شراب کی سخت ضرورت ہے۔"

میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا اور وہ بے صبری کے ساتھ کمرے میں موجود چھوٹے ریفریجریٹر کی طرف بڑھ گئی۔

وہ ٹھنڈے پانی میں اسکاچ کا گلاس لے کر آئی تو اس کی آنکھیں میرے لیے ممنونیت کے جذبے سے لبریز تھیں۔

"کیا اکیڈمی میں آنے والی سب لڑکیوں کو شراب پینا سکھایا جاتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ان کا طریقہ بہت انوکھا ہے۔" اس نے اپنے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لے کر کہا "دو ہفتے تک سب لڑکیوں کو ایک ساتھ ناچ گانے سر تال' نرت اور بھاؤ سکھائے جاتے ہیں۔ اس دوران میں وہ اپنے کام کی دو چار لڑکیوں کو چھانٹ کر بورڈنگ اور شام کی کلاسوں میں ڈال دیتے ہیں۔ صبح آنے والیوں کو ناچ گانا سکھایا جاتا ہے۔ شام کو وہاں کا رنگ دوسرا ہوتا ہے۔ الگ کی جانے والی لڑکیوں کو مردوں سے میل جول اور اونچے طبقے کی پارٹیوں کے طور طریقے سکھائے جاتے ہیں۔ ان میں شراب پینا بھی شامل ہے۔ اصل میں یہی لڑکیاں ان کے کام کی ہوتی ہیں۔ دو ہفتوں کے بعد ان کی تنخواہ شروع ہو جاتی ہے۔ صبح آنے والیوں سے تربیت کے لیے بھاری فیس لی جاتی ہے۔ ان میں سے کچھ بیچ میں بھاگ جاتی ہیں جو تربیت پوری کر لیں' انہیں اکیڈمی سند دے دیتی ہے۔"

"تم نے وہاں شام کی کلاسوں کی تربیت لی ہے۔" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میرے گھر میں روٹیوں کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ میں فیس کہاں سے دیتی؟ مجھے تنخواہ کی ضرورت تھی۔ کسی نے مجھے جانچ کر الگ کر لیا اور دو ہفتے بعد میری تنخواہ لگ گئی۔ میری ماں اور بہنیں خوش ہیں کہ میں دہلی میں کوئی بڑی نوکری کر رہی ہوں۔"

"کیا تم ہوٹل میں اتفاقاً مجھ سے ٹکرائی تھیں؟" آخر کار میرے اہم ترین سوال کی باری بھی آ گئی۔

"نہیں۔" اس نے سادگی سے اعتراف کر لیا "میں دوپہر سے ہوٹل میں کمرا لے کر تمہارے فراق میں منڈلا رہی تھی۔ اشوک والی کہانی مجھے پڑھائی گئی تھی۔ میرا اصل کام تم کو انکل سے ملاقات پر آمادہ کرنا تھا۔" وہ اپنے گلاس کو دوسری ہتھیلی پر گھماتے ہوئے بولی۔

"مگر کیوں؟" ہوٹل میں دوسرے پاکستانی بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ تمہیں خاص طور پر میرے پیچھے کیوں لگایا گیا؟"

"مجھے تم تک پہنچنا تھا اس لیے یہ باتیں مجھے بتائی گئی تھیں۔ اس روز صبح سویرے ہوٹل میں کوئی دیکھ بھال ہوئی تھی۔ را والوں کو خبر ملی تھی کہ ہوٹل میں ایک پاکستانی کسی غیر عورت کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ ایسے رنگین مزاج پاکستانیوں کی گھات میں رہتے ہیں جو گھر کی ہانڈی چھوڑ کر پرائی پلیٹوں میں منہ ڈالنے کے شوقین ہوتے ہیں۔ تمہارے اوپر اسی وقت سے کام شروع ہو گیا تھا۔"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ تمہیں دوپہر میں میرے پیچھے لگایا گیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"میری باری دوپہر میں آئی تھی۔ را والوں نے کراچی سے تمہارے نام پتے کی تصدیق کی تھی۔ انہیں یہ دھڑکا بھی لگا رہتا ہے کہ نام اور بھیس بدل کر پاکستانی جاسوس دہلی میں

زندگی بنانے اور سنوارنے والی تحریروں سے آراستہ

ماہنامہ
نفسیات اور زندگی

- آپ کی نفسیاتی الجھنوں کا حل
- اپنے بارے میں جاننے کے لیے سوالنامے
- زندگی ساز اور حیات آفریں کتب کے تراجم
- نامور شخصیات کا فلسفہ کامیابی اور حالات زندگی
- شخصیت کو پرکشش بنانے کے طریقے
- بچوں کی پرورش اور تربیت کے لئے رہنمائی
- تعلیمی مسائل کا حل اور کیریئر کونسلنگ
- نفسیات کے طلباء و طالبات کیلئے تازہ ترین تحقیقات
- ازدواجی نفسیات' پامسٹری اور ہپناٹزم کے مستقل سلسلے

اور وہ سب کچھ جو خوبصورت اور خوشگوار زندگی کے لئے آپ پڑھنا چاہیں

قریبی بکسٹال یا براہ راست ہم سے طلب کریں

لاہور: 11۔اے 'سیکنڈ فلور' 87 دی مال فون: 6311022

کراچی: 16 جی' ضویہ سوسائٹی' ناظم آباد فون: 627628

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منڈلاتے پھر رہے ہوں گے۔ اس چھان بین سے نام پتا بدلنے والے پکڑے جاتے ہیں۔ جب کراچی سے خبر آئی کہ تمہارا نام، پتا سب کچھ ٹھیک ہے تو تمہیں لبھانے کی ذمے داری میرے سر پر ڈال دی گئی۔ یہ پوری اور اصل کہانی ہے۔"

رینا کی بتائی ہوئی باتیں فکر انگیز تھیں۔ را والے اونچی فضاؤں میں پرواز کرنے کے عادی نہیں تھے۔ وہ زمین پر رہ کر حقائق کے مطابق کام کرتے تھے۔ انہیں بس ذرا سی اس بات نے میری طرف متوجہ کیا تھا کہ میرے اور غزالہ کے درمیان کوئی رشتہ بھارتی ریکارڈ پر نہیں تھا پھر بھی ہم دونوں ہوٹل کے ایک کمرے میں ساتھ رہ رہے تھے مجھے یاد آیا کہ مجھ سے پوچھ گچھ کرنے والے پولیس افسر نے اس موضوع پر مجھ سے ذرا کھل کر بات کی تھی۔ شاید اسے را کی ضروریات کا علم تھا اور اسی وقت اس کے ذہن میں یہ خیال جنم لے چکا تھا کہ مجھ جیسے اوباش پاکستانی کے کوائف را کے علم میں آنے ضروری تھے۔

رینا اپنی دانست میں شروع سے ہی را کے لیے کام کر رہی تھی لیکن وہ ہر مرحلے پر میری مددگار اور معاون ثابت ہو رہی تھی۔ اس نے میرے ذہن سے یہ خوف حرف غلط کی طرح یکسر مٹا دیا تھا کہ دہلی میں مجھے ڈبی کی حیثیت سے پہچان لیا گیا تھا اور را والے آخری وار کرنے سے پہلے میرے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل، کھیل رہے تھے۔

میں ان کے چنگل میں پھنسا ہوا ایک عام سا پاکستانی تھا جسے وہ اپنے کچھ مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

میں کچھ دیر تک اس کی بتائی ہوئی باتوں کو اپنے ذہن میں یکجا کرتا رہا۔ وہ اس دوران میں اپنے گلاس سے شغل کرتی رہی۔ مجھے رینا سے اپنے ہر سوال کا جواب مل چکا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ چارے کی لڑکی ہوتے ہوئے وہ گرین کوبرا فائل کے بارے میں کچھ بتا سکتی۔ وہ اعلیٰ ترین سطح کا ایک ٹاپ سیکرٹ تھا جس کے بارے میں کچھ جاننے کے لیے مجھے انل بسواس یا نریش شرما تک رسائی کا انتظار کرنا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ اپنی اگلی حکمت عملی وضع کرنے کے لیے مجھے رینا سے مزید کچھ کھلی کھلی باتیں کرنے کی ضرورت تھی۔

"آج ناگر نے میرے ساتھ مجرموں جیسا جو سلوک کیا ہے۔ اس نے مجھے ہر ایک سے بدظن کر دیا ہے۔ اب مجھے انل بسواس سے ملنے کی ذرا بھی خواہش نہیں ہے۔" کچھ دیر تک غور کرنے کے بعد میں نے رینا سے دوبارہ بات چھیڑی۔

"مجبوری ہے۔ وہ وقت دے چکا ہے۔ تم کو ہر حال میں اس سے ملنا پڑے گا" رینا نے پرتشویش لہجے میں کہا۔ میری طرف سے شدید برہمی اور کشیدگی کے مظاہرے کے باوجود وہ سب کچھ درگزر کر دینے پر آمادہ نظر آ رہی تھی۔

"میں اس سے نہیں ملتا۔ ہوٹل چھوڑ کر دو چار روز کے لیے کہیں روپوش ہو جاتا ہوں۔ وہ میرا کیا بگاڑ لے گا؟" اپنی تجویز کے سنگین نتائج و عواقب سے آگاہ ہونے کے باوجود میں نے محض رینا کا جواب سننے کے لیے سنجیدگی سے کہا۔

"تم پھنس چکے ہو۔ تمہارے فنگر پرنٹس ریکارڈ پر آ گئے ہیں اور بھی بہت سا مواد ہے۔ تم کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ تم را والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بھارت سے نہیں نکل سکو گے۔ وہ بہت منظم اور سفاک ہیں۔ جیسے ہی تم سامنے آؤ گے، وہ تمہیں پکڑ لیں گے۔ اس کے بعد تمہارے انجام کا تصور کرنا مشکل ہے۔"

"ظلم اور بربریت کی بات الگ ہے۔ مجھے دن دہاڑے قتل کیا جا سکتا ہے۔ قانونی طور پر وہ میرا کیا بگاڑ لیں گے؟" میں نے اسی سے پوچھا۔

"قانونی طور پر میں تمہارے خلاف سب سے مضبوط فریادی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ ضرورت پڑنے پر وہ مجھے آگے لائیں گے۔"

اس کے انکشاف نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے حیرت سے پوچھا "میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے، تم کیا فریاد کرو گی؟"

"پرسوں شام تم مجھے بہلا پھسلا کر اس ہوٹل کے ایک کمرے میں لے گئے اور ڈرا دھمکا کر میری آبرو لوٹ لی۔ میں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ بھارت میں یہ سنگین جرم ہے۔"

"تم میرے خلاف یہ شکایت کیوں کرو گی؟ مجھ سے تمہیں کوئی ذاتی عناد نہیں ہے۔"

"انکل اور ناگر مجھے کوئی بھی قدم اٹھانے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ میں ان کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی ہوں۔ انہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"جان پر بن گئی تو میں بھی یہ الزام قبول کرنے سے انکار کر دوں گا۔ اتنا وقت گزرنے کے بعد کچھ بھی ثابت نہیں کیا جا سکے گا۔"

رینا کے ہونٹوں پر ایک پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے جلدی سے اپنا گلاس خالی کیا اور بولی "میں نے پرسوں شام کے لیے جو کمرا مسز روشن کھمبا ٹا کے نام سے لیا تھا، اس میں دو گھنٹے تک خودکار کیمرے لگتے رہے تھے۔ را کے تین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدمیوں نے کسی فلمی ہدایت کار کی طرح وہ وقت میرے ساتھ گزارا تھا اور بتایا تھا کہ تمہارے ساتھ مجھے کمرے اور بستر کے کن حصوں تک محدود رہنا تھا۔ راوالے کیا کام نہیں کرتے۔ کمرے میں گزاری ہوئی اس شام کا ہر لمحہ کسی نہ کسی کیمرے کی پوشیدہ آنکھ نے محفوظ کرلیا ہوگا۔ تم اس گواہی کو نہیں جھٹلا سکو گے۔"

رینا کے سینے میں معلومات کا ایک خزانہ دفن تھا۔ وہ خبر سن کر میرا ذہن یکایک ماؤف ہونے لگا۔ مجھے اپنی پیشانی پر سرد پسینہ ابھرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"میں تمہارے انکل سے ضرور ملوں گا۔" حالات کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہوئے میں نے کسی بحث کے بغیر ہتھیار ڈال دیے "میں اپنا اصل فیصلہ پاکستان پہنچنے کے بعد کروں گا۔ وہاں انل بسواس اور راوالوں کا کوئی بس نہیں چلے گا۔"

"ابھی تمہیں دیکھنا ہے کہ انکل تمہیں کیا کام سونپتا ہے۔ میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ انکل سے کھل کر بات کرلینا۔ وہ دس نیم دل کارکنوں پر ایک پرجوش ایجنٹ کو ترجیح دینے والا آدمی ہے۔ وہ تمہیں سمجھائے گا لیکن مجبور نہیں کرے گا۔ اس سے جو کچھ طے ہوجائے' اس سے انحراف نہ کرنا ورنہ وہ پاکستان میں بھی تمہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گا۔ اس کی تجوری میں رکھی ہوئی فلم کی نقلیں تمہارے گھر والوں اور رشتے داروں تک پہنچادی جائیں گی۔"

"وہ اس قدر کینہ پرور ہے تو میرے انکار کو بھی گستاخی سمجھے گا اور کوئی کمینی حرکت کرگزرے گا۔"

"وہ پختہ عمر اور روشن خیالات والا آدمی ہے۔ سمجھنے اور سمجھانے کا قائل ہے۔ دیواروں میں سینگ نہیں اڑاتا۔ یہ سب میرے مخلصانہ مشورے ہیں کیونکہ میں نے اس کے بارے میں بہت کچھ سنا ہوا ہے۔ ان مشوروں پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تمہارا ہے۔"

میرے ذہن میں گرین کوبرا فائل کا نام ابتدا سے چکرا رہا تھا لیکن رینا سے تازہ ترین گفتگو کے بعد اپنی فلم کا نام اس سے اوپر آگیا تھا۔ انل بسواس سے وہ فلم واپس حاصل کرکے اسے تلف کیے بغیر میں کبھی بھی مطمئن زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔

راوالوں نے بہت غیر محسوس انداز میں مجھے اپنی مضبوط گرفت میں جکڑلیا تھا۔

رینا نے میری اجازت سے اپنے لیے دوسرا گلاس تیار کرلیا۔ نئے حالات کی روشنی میں میرا ذہن بہت دور تک کام کررہا تھا۔ راوالوں کے بچھائے ہوئے جال کے نتیجے میں مجھے اپنی خوش گوار ازدواجی زندگی میں تلخیاں گھلتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

یہ درست تھا کہ راوالوں نے مجھے ڈینی کے طور پر نہیں پہچانا تھا۔ اول خان کی ماہرانہ پیش بینی کے سبب وہ مجھے مظہر خان سمجھ رہے تھے اور انہوں نے مظہر خان کی فلم تیار کی تھی مگر فلم کسی بھی نام سے ہو' چہرے الگ پہچانے جاتے ہیں۔ میں اس گھڑی کو کوس رہا تھا جب میں نے رینا کے مسلسل اصرار پر ہتھیار ڈالے تھے۔

"آج اس کمرے میں کتنے کیمرے چھپائے گئے ہیں؟" میں نے ایک فوری خیال کے تحت بھڑک کر رینا سے پوچھا۔

"آج کچھ نہیں ہے۔ اس روز میں نے کمرے کی بکنگ کرائی تھی اس لیے وہ بندوبست ہوگیا۔ وہ راوالوں کی ابتدائی ضروریات تھیں۔ آج یہ کمرا تم نے بک کرایا ہے۔ شروع سے تمہاری تحویل میں ہے۔ یہاں ایک کیل تک نہیں لگائی گئی مگر ناگر کی آمد کی وجہ سے میری طبیعت بجھ کر رہ گئی ہے....."

"بس آگے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اب پرسوں کے کسی واقعے کا اعادہ نہیں ہوگا۔"

"تم بلاوجہ اتنی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو۔ کچھ بولتے رہو تاکہ میں بھی تمہیں مناسب مشورے دے سکوں۔ تم یقین کرو کہ میں تم سے شرمندہ ہوں اور تمہارے ردِعمل کو فطری سمجھ کر بھول چکی ہوں۔ تم میرے دوست ہو۔"

میں ایک مدت سے خود کو ہر قسم کے ریکارڈ سے بچاتا چلا آرہا تھا۔ حد یہ تھی کہ امریکی سی آئی اے بھی اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود میری ایک مبہم سی تصویر سے زیادہ کچھ

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورتِ دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حاصل نہیں کرسکے تھے مگر راوالوں نے ایک ہی جھٹکے میں میری پوری فلم بنا ڈالی تھی۔ اور فنگر پرنٹس بھی لے لیے تھے۔ اگر انہیں میرے اصل نام کا ذرا سا بھی سراغ مل جاتا تو ان کے پاس مجھ جیسے ازلی دشمن کا مکمل ترین ریکارڈ موجود تھا۔

"تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ میری فلم انل بسواس کی تجوری میں رکھی ہوئی ہوگی؟" میں نے رینا سے پوچھا۔

"اس کے بارے میں یہاں بہت سی کہانیاں گردش کرتی رہتی ہیں" رینا ایک گھونٹ لے کر بولی "کہا جاتا ہے کہ اہم ترین ریکارڈ کے بارے میں وہ کسی پر بھروسا نہیں کرتا۔ اسے اپنی ذاتی تحویل میں رکھتا ہے اور ضرورت ختم ہونے پر اپنے ہاتھوں سے ضائع کرتا ہے۔ آج کل وہ تمہاری طرف متوجہ ہے تو اس نے تمہاری فلم بھی اپنی تحویل میں رکھی ہوئی ہوگی۔ تم سے اس کی کوئی مفاہمت نہیں ہوسکی تو شاید وہ اسے تلف کردے گا۔"

"میں بے یقینی کے اس عذاب سے بچنا چاہتا ہوں" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "اس سے وہ فلم کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟"

"وہ اسے تلف کرسکتا ہے لیکن تمہیں نہیں لوٹائے گا۔ اس سے یہ مطالبہ بھی نہ کر بیٹھنا۔ وہ میری طرف سے بدظن ہوجائے گا کہ میں نے اندر کی یہ باتیں تمہارے کانوں میں پھونک دیں۔ وہ اپنے ہر سیکرٹ ایجنٹ کی غیر ذمے داری کو سنگین جرم تصور کرتا ہے۔"

"تم سیکرٹ ایجنٹ نہیں، بیچ کی ایک لڑکی ہو۔ اسے تم سے زیادہ توقعات نہیں ہوسکتیں۔"

"ملک کے لیے خفیہ کام کرنے والا ہر شخص اس کے نزدیک سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ بس درجوں کا فرق ہوتا ہے۔ مجھ جیسی لڑکیوں کو تم سب سے نچلے درجے کی ایجنٹ قرار دے سکتے ہو۔ تم دیکھ لو کہ تمہارے لیے انکل کے منصوبے کا پہلا پتھر میری کارکردگی پر جمایا گیا ہے۔ پرسوں میں تمہارا دل لبھانے اور تمہیں انکل سے ملاقات پر آمادہ کرنے میں کامیاب نہ ہوئی ہوتی تو آج ہم دونوں کو ان تمام دشواریوں کا سامنا نہ ہوتا۔"

وہ بالکل صحیح کہہ رہی تھی۔ میرے ذہن میں پہلی بار یہ بات ابھری کہ رینا ہی اس فساد کی اصل جڑ تھی۔

"میں ہر قیمت پر وہ فلم واپس لینا چاہتا ہوں" میں نے محتاط لہجے اور دھیمی آواز میں اس سے کہا۔

"کل تم کھلے دل سے انکل سے مل لو۔ اسے بتادو کہ تم اس کے لیے کام نہیں کرسکتے۔ دیکھو، وہ کیا کہتا ہے؟ اس کے بعد کچھ سوچا جائے گا۔"

"میرے انکار کے بعد بھی تم مجھ سے ملتی رہوگی؟" میں نے حیرت اور بے اعتباری سے پوچھا۔

"یہ اقرار یا انکار تمہارے اور انکل کے درمیان ہوگا۔ جب تک مجھے تمہارے بارے میں کوئی نیا حکم نہیں ملے گا، میں تم سے ملتی رہوں گی۔"

اس کے ذریعے صرف کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا نام اس کی بھول، غلطی یا میری چالاکی سے پہنچا تھا۔ اس کے سوا رینا نے ہر بات رضاکارانہ طور پر مجھے بتائی تھی۔ ساتھ ہی یہ اصرار بھی کرتی رہی تھی کہ میں ان میں سے کئی باتوں کا ذکر انل بسواس سے نہ کروں۔ اس کی وہ باتیں دوغلی اور ہلکی تھیں۔

میرا ذہن ایک مرتبہ پھر الجھنے لگا۔

انل بسواس ٹھنڈے خون والا ایک بے رحم حریف تھا۔ رینا مجھے اس سے کھل کر بات کرنے پر اکسا رہی تھی۔ مجھے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ انل بسواس مجھے اپنے کام کے لیے آمادہ کرنے کی کوششوں میں ناکامی کے بعد آسانی سے بھول جائے گا۔ وہ یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کہ میں بھارت سے پاکستان لوٹنے کے بعد وہاں کے افسران بالا کو اس کا کچا چٹھا بتادوں کہ وہ دہلی میں سیاحتی ویزا پر آئے ہوئے پاکستانیوں میں سے بعض کو خوبرو لڑکیوں کے ذریعے پھانس کر پاکستان کے خلاف استعمال کر رہا تھا۔

میرا تجربہ میرے سامنے تھا۔ مجھ سے پہلے وہ نہ جانے کتنے لوگوں کو پھانس چکا تھا۔

اس نے دہلی سے شملہ کے راستے پر تین پاکستانی سفارت کاروں کو نہایت سفاکی سے اپنے جذبہ انتقام کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ اس کے لیے مجھ جیسے ضدی پاکستانی کو ہمیشہ کے لیے خاموش کردینا ذرا بھی دشوار نہیں تھا۔ فرق صرف یہ ہوتا کہ مجھے ڈینی نہیں، مظہر خان سمجھ کر مارا جاتا۔ رینا کے مشوروں میں اس سنگین امکان کا ذرا بھی ادراک نہیں تھا۔

یکایک مجھے محسوس ہونے لگا کہ رینا اجیت رائے وہ نہیں تھی جو بننے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ بہت معصومیت کے ساتھ میرے خلاف ایک خطرناک اور دہرا کھیل، کھیل رہی تھی جس میں ہر طرف جال ہی جال تھے۔ کھلا راستہ دور دور تک نظر نہیں آرہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کو الگ تو ہاں ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آسٹرل بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اڈور سوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد انرک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کی پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہزیمت منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا لازم اور بائیں ذی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کر لی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی دلچسپی لینے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کردار دھرنا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بستی کا بیان نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا تھے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرا لیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار بیانجھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بمشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری پند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں نریلک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ اول بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "یوتھ سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جہانگیر کاماوں سسرچ بدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس بی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے یوتھ سوسائٹی کا قلع قمع کر دیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں' میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کی نشان دہی اور ہوٹل میں ہونے والی پولیس چیکنگ کے تجربے کے بعد ویرا نے الگ ہو کر دوسرے ہوٹل میں رہائش اختیار کی۔ ویرا کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا افسر جان اسمتھ دہلی پہنچ چکا تھا۔ اب ہمیں اول بسواس اور جان اسمتھ دونوں سے حساب کتاب برابر کرنا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ وہاں کرپن کو بدنامی فائل کی جستجو میں تھے۔ ہماری دہلی میں موجودگی کے دوران میں تین پاکستانی سفارتی اہل کاروں کو نریلک حادثے میں ہلاک کر دیا گیا۔ راولپنڈی کو ہماری سن گن مل چکی تھی لہٰذا ہمیں محتاط ہونا پڑا۔ اسی اثنا میں ایک خوبصورت بھارتی دوشیزہ رینا اجیت رائے میرے قریب آئی اور مجھے ہوٹل کے کمرے کی رنگین و سنگین تنہائیوں میں آگاہ کیا کہ وہ اول بسواس سے مجھے ملوا سکتی ہے۔ اس کے مطابق رینا کا اول بسواس سے دوسری ملاقات کا وعدہ کر کے الگ ہوا تو عابد علی عرف گوپال نے بتایا کہ رینا را کی ایجنٹ تھی۔ مجھے پاکستان سے اول خان نے آگاہ کیا کہ وہاں مظہر خان کے پاسپورٹ پر درج کوائف کی تصدیق کی گئی تھی۔ ویرا نے ہم سے الگ ہو کر اپنی اہانت کرنے والے پولیس افسر ڈیوڈ کو ایک اطالوی سیاح کی مدد سے ہلاک کر دیا۔ رینا سے اگلی ملاقات بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ ابتدا میں ہی را کے ایک ایجنٹ نے میری انگلیوں کے نشان حاصل کیے اور مجھے رینا کے ساتھ تنہا چھوڑ گیا۔ اس کے بعد رینا نے مجھے بتایا کہ وہ عیاش پاکستانیوں کو اپنے حسن کا جال پھینک کر را کے لیے کام کرنے پر مجبور کرتی ہے اور میری اور اس کی پہلی ملاقات کی مکمل ویڈیو فلم اول بسواس کے پاس تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ رینا اجیت رائے میرے خلاف ایک خطرناک اور دہرا کھیل کھیل رہی تھی۔ جس میں ہر طرف جال ہی جال تھے' کھلا راستہ دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

اس وقت تک میں نے رینا کے بارے میں منفی خطوط پر کچھ نہیں سوچا تھا۔ پچھلی ملاقات سے اس وقت تک' وہ مسلسل میرے ذہن پر سوار رہی تھی لیکن اس کے بارے میں سرے سے کچھ سوچنے کی نوبت نہیں آسکی تھی۔

میں صرف اور صرف اول بسواس کے چکر میں پاکستان سے دہلی پہنچا تھا۔ وہی میرا اکلوتا ہدف تھا۔ اس کی زد میں کوئی اور بھی آجاتا اور میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو جاتا تو یہ اس کی بدنصیبی ہوتی۔ دہلی پہنچنے کے بعد آئی بی کے ایجنٹوں کے ذریعے مجھے نہ صرف اول بسواس کا سراغ مل گیا بلکہ میں نے اس کا ایک دفتر اور گھر بھی دیکھ لیا مگر اہم ترین مسئلہ اس مکار تک رسائی کا تھا۔

رینا اجیت رائے بالکل غیر متوقع انداز میں اس منظر نامے میں داخل ہوئی تھی۔ وہ آئی اور پھر آتے ہی میرے ذہن پر چھاتی چلی گئی۔ اس نے نازوادا اور اپنے تمام تر جسمانی حسن کا جادو جگا کر میرے دل و دماغ کو بڑی حد تک متاثر کیا تھا۔ اس کی بول چال میں عیاری اور مکاری کا ذرا بھی شائبہ نہیں تھا۔ وہ بولتی تھی تو ایسی سادگی اور معصومیت سے بولتی تھی کہ اس کی کہی ہوئی ہر بات پر بے اختیار یقین کر لینے کو جی چاہتا تھا۔

رینا کو میں نے اپنے جال میں نہیں پھنسایا تھا۔ وہ از خود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری طرف متوجہ ہوئی تھی۔ مجھ سے مل بیٹھنے کے بارے میں اس نے جو کہانی سنائی' وہ بظاہر ہر شک و شبے سے بالا تھی پھر جب اس نے اتفاقی انداز میں مجھے انل بسواس سے ملوانے کا ذکر چھیڑا تو میں فطری طور پر اس کے جال میں پھنس گیا۔ اس کی ذات پر اپنے سارے شکوک و شبہات کے باوجود میں نے اسے اہمیت دینے کا فیصلہ کرلیا۔

میں انل بسواس تک پہنچنے کے سلسلے میں حد سے زیادہ پریشان تھا۔ رینا نے مجھے اس سے ملوانے کی براہِ راست پیش کش کی تو میں نے اسے تائید غیبی سمجھتے ہوئے دل ہی دل میں فوراً قبول کرلیا۔ رینا کے ساتھ کچھ نمائشی پس و پیش ضروری تھا تاکہ اسے میرے عزائم پر کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔ ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد میں نے رینا کی تجویز کے مطابق انل بسواس سے ملنے پر اپنی آمادگی ظاہر کردی تھی۔

اس پورے قصے میں انل بسواس کی ذات اتنی طاقت ور اور ترغیبی حیثیت رکھتی تھی کہ مجھے رینا کے کردار پر دھیان دینے یا اس کے بارے میں کچھ سوچنے کا موقع نہیں مل سکا۔ میری سوچ کا ہر زاویہ انل بسواس پر مرکوز ہو کر رہ گیا تھا۔

اگر اس وقت رینا اکیلی آئی ہوتی تو میرے ذہن میں کوئی شبہ سر نہ ابھارتا لیکن وہ غیر متوقع طور پر ناگر جیسے درشت رو پیشہ ور کے ساتھ آئی تھی جس کا رویہ کسی بھی طرح حوصلہ افزا نہیں تھا۔ وہ میرے ساتھ اس طرح پیش آیا تھا جیسے مجھے کوئی قاتل یا مجرم سمجھ رہا ہو۔ اسی انداز میں اس نے میرے فنگر پرنٹس لیے بس اتنی مہربانی ضرور کی کہ جاتے ہوئے نرمی کے دو بول بول گیا تھا۔

ناگر کی آمد نے صورتِ حال کو یکسر بدل دیا تھا۔ مجھے نہ جانے کیوں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ رینا نے بند کمرے میں اپنے ساتھ میری فلم بندی کا راز افشا کرکے مجھے خوف زدہ یا بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت تک وہ مجھے ایک عام' خانہ دار پاکستانی سمجھ رہی تھی جو بیوی بچوں اور عزیز و اقارب کی نظروں میں اپنی روح فرسا تذلیل سے بچنے کے لیے کوئی بھی کام کر گزرنے پر آمادہ ہو سکتا تھا۔

وہ بیک وقت دو سمتوں میں کام کر رہی تھی۔ میں انل بسواس کی خواہشات کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا تو کہیں کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوتا۔ بھارت میں قیام کے دوران میں میرے اور رینا کے مراسم بھی جوں کے توں برقرار رہ سکتے تھے لیکن انل بسواس سے کسی اختلاف کی صورت میں میرا مار دیا جانا رینا اجیت رائے کے مفاد میں تھا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے مقاصد کے بارے میں مجھے گوپال سے اطلاع مل گئی تھی۔ میں نے جب اپنی اطلاع کی بنیاد پر ایک پانسہ پھینکا تو رینا بری طرح خوف زدہ ہوگئی۔ کچھ ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اکیڈمی سے راز والوں کی وابستگی کا معاملہ بھارت میں بھارتیوں سے بھی چھپایا جا رہا تھا۔ رینا کی دانست میں راز کی اس بات کا میرے علم میں آنا بہت خطرناک تھا۔

رینا کی باتوں سے مجھے کچھ ایسا اندازہ ہوا تھا کہ اگر انل بسواس کو یہ پتا چل جاتا کہ رینا کے ذریعے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی والی بات مجھ تک پہنچی تھی تو شاید وہ رینا کی کھال میں بھس بھروا دیتا۔ اس سے ہونے والے مذاکرات میں اس کی بس وہی ایک کمزوری کھل کر میری سامنے آسکی تھی۔

رینا کو صرف دو صورتیں قبول ہو سکتی تھیں۔ میرے اور انل بسواس کے درمیان مفاہمت ہو جاتی یا پھر وہ مجھے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیتا۔

اس کی ساری گفتگو کا محور یہ تھا کہ میں انل بسواس کے سامنے ایک مخصوص زاویے سے گفتگو کروں۔ بات کو کسی ایسے رخ پر نہ ڈالوں جس کا کوئی تیسرا انجام بھی ممکن ہو۔ میں نے اپنے تیوروں کی ساری نرمی اور گرمی دکھانے کے باوجود اس وقت تک یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ میں تفریح کے لیے بھارت آئے ہوئے ایک معمولی پاکستانی تاجر سے زیادہ کوئی اہمیت رکھتا تھا۔ وہاں میرے لیے اسی وقت تک زندہ اور آزاد رہنے کی کوئی امید باقی رہتی جب تک میں مظہر خان سمجھا جاتا جس لمحے ان بھیڑیوں کو یہ شبہ ہوتا کہ میں نے روپ بدلا ہے تو وہ میرے لہو کے پیاسے ہو جاتے۔

"کہاں کھو گئے؟" رینا اجیت رائے نے مجھے خاموش پاکر ایک ادا سے ٹوکا۔

"سوچ رہا ہوں کہ ایک خوب صورت لڑکی کے ساتھ بھارت کی سیر مجھے بہت مہنگی پڑ گئی۔"

وہ ہولے سے مسکرا دی۔ میرے لب و لہجے کی تندی زائل ہونے کے بعد اس کا کھویا ہوا اعتماد رفتہ رفتہ بحال ہو چلا تھا یا پھر وہ اس قسم کی کامیاب ترین اداکاری کر رہی تھی۔ وہ بولی "شاید تم نے سنا ہوگا۔ کسی نے کہا ہے' اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔ اگر تم اپنی پتنی کے ساتھ آئے ہوتے تو کوئی بھول کر بھی تمہاری طرف دھیان نہ دیتا۔ یہ گڑبڑ اس وجہ سے ہوئی کہ بگالہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہاری بیوی ہے نہ بہن بیٹی ہے نہ ماں پھر بھی وہ تمہارے ساتھ ایک کمرے میں ٹھہری ہوئی ہے۔ ساری بات یہاں سے شروع ہوئی ہے۔ اب فیصلہ تمہاری مرضی پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

وہ بالکل بجا تھی۔ ہوٹل میں مقیم پاکستانیوں کی سفری دستاویزات کی چیکنگ کے لیے آنے والے پولیس افسروں نے اس انکشاف میں گہری دلچسپی لی تھی اور ان میں سے ایک نے خاص طور پر یہ تبصرہ کیا تھا کہ اونچے آدمی دکھائے پڑتے ہو۔

میں ٹیلی فون کی گھنٹی کی تیز آواز پر گہری نیند سے بیدار ہو کر ان دونوں کے روبرو پہنچا تھا۔ ہوٹل کی کسٹمر سروس والی خاتون کے ذریعے مجھے پتا چل چکا تھا کہ وہ پولیس افسران پاکستانیوں کی سفری دستاویزات کی جانچ پڑتال کے ذریعے یہ یقین کرنا چاہ رہے تھے کہ ان میں کوئی مشتبہ دہشت گرد نہیں تھا۔ میری چھٹی حس اس وقت خوابیدہ تھی یا ذہن سست تھا کہ میں پولیس افسر کے طنزیہ تبصرے میں پنہاں طنز کو یکسر نہ سمجھ سکا۔

تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کی روشنی میں اس وقت تک یہ واضح ہو چکا تھا کہ میں نے اپنے اور غزالہ کے لیے ایک کمرے کا انتخاب کر کے سب سے بڑی غلطی کی تھی۔ مجھے اس سے دور رہنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن میرے اور اس کے نام پر الگ الگ کمروں کی بکنگ ضروری تھی تاکہ کوئی اجنبی محض ہوٹل کے ریکارڈ پر سرسری نظر ڈال کر میرے اور اس کے درمیان کسی تعلق کے بارے میں نہ جان سکے۔

میری وہ پشیمانی اور خیال آرائی بہت زیادہ بعد از وقت تھی۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا اور مجھے اس کے نتائج کا سامنا کرنا تھا۔

انل بسواس کا نام میرے وجود میں تلخیاں گھول رہا تھا۔ کراچی چھوڑنے سے پہلے مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ پاکستان کی سرزمین پر ہونے والی ساری ریشہ دوانیوں اور دہشت گردیوں کے پیچھے انل بسواس کا ذہن کار فرما تھا۔ وہ را کے پاکستان ونگ کا سربراہ ہونے کی وجہ سے ہمارا سب سے بڑا دشمن تھا۔ ہم تینوں اس فتنے کو اسی کے وطن کی سرزمین پر کچلنے کا عزم لے کر لاہور سے نکلے تھے لیکن یہ ہمارے مقدر کی ستم ظریفی تھی کہ ایک ذرا سی بھول کے نتیجے میں ہم اس تک پہنچنے سے پہلے اس کے پھیلائے ہوئے ایک بھیانک جال میں پھنستے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

خطرات کے مہیب بادل میرے اور غزالہ کے سروں پر سایہ فگن تھے۔ ویرا ہم سے الگ تھی اور اس خطرے سے بچی ہوئی تھی۔ اس نے بظاہر پوری کامیابی اور صفائی سے انسپکٹر ڈیوڈ کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ہم ایک بھارتی چیونٹی کو بھی نہیں مار سکے تھے اور دلدل میں جا اترے تھے۔

اس موڑ پر پہنچنے کے بعد مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ میرے ساتھ بہت منظم اور سازشی انداز میں کھیل کھیلا گیا تھا۔ سارا کمال رینا کا تھا جو ایک حسین اور بگڑی ہوئی رئیس زادی کے روپ میں مجھے اپنے دام میں الجھانے میں کامیاب ہوئی تھی۔

اس کے ساتھ گزارے ہوئے رنگین و سنگین لمحے ایک تصویری فیتے پر محفوظ تھے۔ ناگر دھونس اور دھمکی کے ذریعے میرے فنگر پرنٹس لے جا چکا تھا۔ ملاقات کے روپ میں اگلے روز، دو بجے مجھے انل بسواس کے سامنے پیش ہونا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ اس مجوزہ ملاقات یا پیشی کو یقینی بنانے کے لیے انڈین سیکرٹ سروس والوں نے میرے گرد اپنا گھیرا تنگ کر دیا ہو گا تاکہ میں ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کہیں روپوش نہ ہو سکوں۔ رینا نے مجھے ایسی کسی کوشش کے سنگین نتائج سے آگاہ ضرور کر دیا تھا لیکن ضروری نہیں تھا کہ پرانی گاڑیوں کا ایک خوف زدہ پاکستانی تاجر اس آگاہی کو کوئی اہمیت دیتا۔ را والے اس امکان کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

"بات شروع ہو گئی ہے تو اب اپنے انجام تک ضرور پہنچے گی۔" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا مشورہ یہی ہے کہ زیادہ نہ سوچو۔ کل دو بجے انکل سے مل لو۔ رام بھلی کرے گا۔" رینا نے گہری سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

"دیکھو رینا! اب تک تم بہت کچھ بتا چکی ہو۔ میں عام لڑکیوں کے ہاتھوں بے وقوف بن جانے والا آدمی ہوں مگر آہستہ آہستہ یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ میں را والوں کے چکر میں پھنس گیا ہوں۔ انہوں نے میری اور تمہاری وڈیو فلمیں بنالی ہیں۔ اب وہ مجھے بلیک میل کریں گے کہ میں ان کے لیے کام کروں، پاکستان سے غداری کروں، ان کا جاسوس بن جاؤں۔ یہ سب کروں تو ٹھیک ہے۔ پاکستان والے کبھی کبھی مجھے پکڑ کر جیل میں سڑا دیں گے۔ نہ کروں تو تمہارا انکل مجھے مروا دے گا۔ یہ..."

"میں کہہ رہی ہوں کہ وہ مارنے والا آدمی نہیں ہے۔" رینا نے میری بات کاٹ کر اصرار کیا "تم میری بات ہی نہیں سمجھ رہے..."

اس کے ریکارڈ کی سوئی ایک ہی جگہ پھنسی ہوئی تھی۔ میں نے بھی اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا۔ درمیان میں بول پڑا "تم خود کو سیکرٹ ایجنٹ کہہ رہی ہو اور مجھے الٹی پٹی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پڑھا رہی ہو۔ مجھے تو اب یہ فکر ہے کہ میں نے پاکستان جاکر انکل کے بتائے ہوئے کام شروع کیے تو پاکستان کی ایجنسیوں سے کب تک بچا رہوں گا۔ بھارت کی طرح، وہاں بھی غداری کرنے والوں کا حشر بہت خراب ہوتا ہے۔"

اس کے چہرے پر طمانیت کا ایک گہرا رنگ آکر گزر گیا۔ وہ بے پروائی سے بولی "مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم نے ٹھیک فیصلہ کرلیا ہے اور اب ایک ہی رخ پر سوچ رہے ہو۔ یہ غداری وداری کچھ نہیں ہوتی جو لوگ دال، چاول، آٹے اور گھی تیل میں ملاوٹ کرتے ہیں وہ سب سے بڑے غدار ہوتے ہیں۔ ان کو کوئی گالی تک نہیں دیتا۔ لوگ پیٹھ پیچھے باتیں بناتے ہیں، سامنے ان کی عزت کرتے ہیں۔ کوئی دو چار باتیں ایک آدھ کاغذ اِدھر اُدھر کرکے اپنی روزی کماتا ہے تو اس میں کیا برائی ہے؟ مجھے دیکھو! بتاؤ، میں کہاں سے گھس گئی؟ میرا کیا بگڑا؟ میں پچھلے مہینے اپنی ماں سے ملنے گئی تھی تو سارے رشتے دار مجھے دیکھ کر خوش ہوئے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ مجھے دہلی کا پانی خوب راس آیا ہے۔ میرے اوپر جوبن ٹوٹ کر برس رہا ہے۔ یہ سب پیسے کی برکت ہے جو مجھے آسانی سے مل رہا ہے۔ پہلے ہم سب فاقوں سے مر رہے تھے تو کوئی ایک وقت کی روٹی کے لیے بھی نہیں پوچھتا تھا۔ تم نے انکل کی بات مان لی تو تمہارے دن پھر جائیں گے۔"

"تمہاری بات اور ہے۔" میں نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے جواب دیا "تم میرٹھ سے دہلی آئیں تو ایک معصوم لڑکی تھیں۔ دہلی سے میرٹھ لوٹیں تو عورت بن چکی تھیں۔ یہ تجربے اور من کی ٹھنڈ کی رونق ہوتی ہے جو عورت کے چہرے پر برستی ہے۔ لڑکا، مرد بن کر بھی فکر مند رہتا ہے۔"

اس نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنی مخمور آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ کر پوچھا "تم سچ کہتے ہو۔ من کی ٹھنڈک کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ تم سے ہونے والی پرسوں کی ملاقات میرے دل میں ایک کسک بنی ہوئی ہے مگر آج تمہاری نظریں کچھ بدلی ہوئی سی ہیں۔"

"جس وقت تم نے ناگر کے ساتھ اس کمرے میں قدم رکھا، خرابی کا آغاز ہوگیا تھا۔ تمہاری زبان سے پرسوں کی باتیں سن کر مجھے اپنے اوپر غصہ آرہا ہے کہ میں اسی وقت تم کو کیوں نہیں سمجھ سکا۔ اب مجھ سے کسی حماقت کی توقع نہ رکھو۔ تم نے کافی باتیں کرلیں، یہاں سے روانگی کی تیاری کرو۔"

"میں اس وقت واپس ہاسٹل گئی تو مذاق بن جاؤں گی۔"

اس نے افسردگی سے بات آگے بڑھائی "میں رات گئے لوٹنے کے ارادے سے آئی تھی۔"

"لڑکیاں رات گہری ہونے سے پہلے گھر لوٹ جائیں تو سب سکھ کا سانس لیتے ہیں۔" میں نے چوٹ کی۔

"یہ گھر والوں کی باتیں ہیں۔ ہم سب دربدر ہیں۔ باہر گزارا ہوا وقت ہمارا رتبہ بڑھاتا ہے۔"

"نہیں رینا، سوری!" میں نے سختی سے کہا "تمہیں ابھی اور اسی وقت جانا ہوگا تاکہ میں سکون سے کچھ سوچ سکوں۔"

"میں تمہاری سوچ میں رکاوٹ نہیں ڈال رہی۔ تم اپنے کمرے میں جاکر خوب سوچو۔ مجھے یہاں پڑا رہنے دو۔ جب رات خوب گہری ہوجائے گی تو میں چابی کاؤنٹر پر دے کر خاموشی سے واپس چلی جاؤں گی۔ تم آج کی رات کے لیے کمرے کا کرایہ دے چکے ہو۔"

"کرایہ دینے یا نہ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارا انکل میرا یہ نقصان پورا کردے گا مگر تم چلی جاؤ کیونکہ یہ کمرا میرے نام پر ہے۔ میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ مجھ سے جان چھڑانے کے بعد تم اپنا دل بہلانے کے لیے کسی اور کو یہاں پھانس لاؤ۔"

marksman

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مظہر!" اس کی آواز میں کرب اور شکوا امڈ آیا "میں ایسی گئی گزری نہیں ہوں۔ وعدہ کرتی ہوں کہ ایک بار اس کمرے سے قدم باہر نکالا تو دوبارہ اندر نہیں آؤں گی۔ بس مجھے چند گھنٹے یہاں گزار لینے دو۔"

میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا "ٹھیک ہے۔ میں تمہیں بارہ بجے تک کا وقت دیتا ہوں۔"

میرے فیصلے کی وہ تبدیلی مصلحت آمیز تھی۔ میرے اور اس کے درمیان بگاڑ پیدا ہو چکا تھا لیکن اس بگاڑ کا ایک حد سے تجاوز کرنا میرے لیے سود مند نہیں تھا۔ اس کے ذریعے انل بسواس سے پہلی ناگزیر ملاقات کے بعد میں اس کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ کر سکتا تھا۔

وہ تیزی سے جھکی اور میرے کچھ سمجھنے سے پہلے اس نے میری داہنی ہتھیلی کی پشت چوم لی "اوہ! تم کتنے اچھے ہو!"

"میں بہت برا ہوں۔" اپنی جلد پر اس کے گداز ہونٹوں کا سلگتا ہوا لمس محسوس کرتے ہی میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا "مجھے بہلانے پھسلانے کی کوشش مت کرو۔ تم ایک مقصد کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھیں، اسی تک محدود رہو۔ آگے مت بڑھو۔"

"مقصد لے کر ضرور آئی تھی لیکن تم نے میرے دل کو گھائل کر دیا۔ جی چاہتا ہے تم کو دیکھتی رہوں، تم سے باتیں کرتی رہوں۔"

"یہ شراب کا اثر ہے۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑایا "نشہ اترے گا تو تمہارا دل انکل سے باتیں کرنے کو چاہے گا۔ میرے ساتھ یہ اداکاری مت کرو اور اتنا بتا دو کہ کل دو بجے مجھے انل بسواس کے پاس لے جانے کے لیے ناگر کے علاوہ اور کتنے آدمی اپنے ساتھ لاؤ گی۔"

"تم زبان کے بہت کڑوے ہو۔ بولتے ہو تو دل کو چیر کر رکھ دیتے ہو۔ کل میں ایک بجے اکیلی آؤں گی اور لابی سے تمہیں انٹرکام پر بتا دوں گی۔" اس نے دل گرفتہ آواز میں کہا "غلطی میری ہے کہ تمہاری ذات کے جادو میں آ کر میں نے تمہیں ہر بات سچ سچ بتا دی۔"

کچھ دیر کے لیے مجھے بھی شبہ ہوا کہ وہ مجھ سے سچ بول رہی تھی لیکن اس کا ہر سچ مجھے یہ احساس دلانے کے لیے تھا کہ میں بری طرح اس کے چنگل میں پھنس چکا تھا۔ وہ صرف اور صرف ایک بات سے خوف زدہ تھی کہ میں کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی اصلیت سے واقف ہو چکا تھا۔

وہ دہلی کے تفریحی علاقوں میں دل پھینک پاکستانی سیاحوں کی تلاش میں بھٹکنے والی راکی ایک کال گرل تھی۔ اس کے لیے کال گرل کی اصطلاح اس مفہوم میں غلط تھی کہ اسے اس کے گاہک نہیں بلاتے تھے۔ وہ خود ہی موزوں شکار کی تلاش میں ماری ماری پھرتی تھی۔ وہ اس کی مستقل ڈیوٹی تھی جس کے لیے راوالے اسے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے فنڈز سے بھاری ماہانہ مشاہرہ دیتے تھے۔

اصلیت کھل جانے کے بعد میری نظروں میں اس کی ذرا بھی وقعت نہیں رہ گئی تھی۔ میں نے اس کی جذباتی شکایت پر ذرا بھی دھیان نہیں دیا۔ کرسی چھوڑ کر سرد مہری سے ہاتھ ہلایا اور کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

رینا اجیت رائے سے میری پہلی ملاقات کا اختتام بہت امید افزا اور سنسنی خیز تھا۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے میں کسی ردوکد کے بغیر بہت آسانی سے انل بسواس تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں گا مگر دوسری ملاقات نے اس خوش فہمی پر پانی پھیر کر مجھے سنگین اندیشوں میں مبتلا کر دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں راوالوں کے بچھائے ہوئے جال سے کیسے نکل سکوں گا۔ اس چکر میں پڑنے کے بعد انل بسواس کے خلاف کارروائی کا امکان معدوم ہوتا نظر آ رہا تھا۔

میں نے اوپر پہنچ کر اپنے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ وہ انداز مخصوص اور طے شدہ تھا۔ غزالہ نے فوراً ہی دروازے کا قفل کھول دیا۔ دروازہ کھلا تو اس کی آنکھوں میں حیرت تیر رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس کے رخسار کو چھیڑا اور اندر داخل ہو گیا۔

"اسے سات بجے آنا تھا اور آپ آٹھ بجنے سے پہلے لوٹ آئے۔ کیا رینا نہیں آئی؟" غزالہ اپنے تجسس پر زیادہ دیر تک قابو نہ رکھ سکی۔

"وہ سات بجے ہی آئی تھی۔ اب بھی کمرے میں پڑی اینڈ رہی ہے۔ میں کام کی باتیں کر کے لوٹ آیا۔" میں یہ کہتے ہوئے تھکے ہوئے انداز میں کرسی پر بیٹھ گیا۔

"مجھے حیرت ہے کہ اس نے اتنی آسانی سے آپ کو واپس لوٹنے دیا۔" غزالہ نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میرا خیال تھا کہ وہ آزاد خیال عورت ہے۔ آپ کو روک لے گی اور میں ساری رات انگاروں پر لوٹتی رہوں گی۔"

میں نے محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا "مجھے ہمیشہ تمہارے جذبات کا احساس رہتا ہے۔ پچھلی بار وہ اچانک مجھ سے ٹکرائی تھی۔ آج میں ذہنی تیاری کے ساتھ اس سے ملا تھا مگر آج کی ملاقات اس اعتبار سے مایوس کن تھی کہ وہ مجھے گھیر چکی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس کے ساتھ کوئی قد آور اور درشت رو شخص بھی آیا تھا۔" غزالہ کے اس تائید طلب سوال نے مجھے حیران کردیا۔

"تمہیں کیسے معلوم؟" میں نے بے ساختہ پوچھا۔ میرے ذہن میں اضطراری طور پر اس شبہے نے سر ابھارا تھا کہ میرے روانہ ہونے کے بعد وہ چھپ کر کہیں سے نگرانی کرتی رہی ہوگی۔ رینا اور ناگر کے میرے پاس پہنچنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں لوٹ آئی ہوگی۔"

"اپریٹس پر گوپال کی کال آئی تھی۔" غزالہ نے سادگی سے جواب دے کر مجھے دل ہی دل میں شرمندہ کردیا "وہ بتا رہا تھا کہ آج رینا را کے ایک بہت خطرناک ایجنٹ کے ساتھ ہوٹل پہنچی ہے۔ اس کے عزائم نیک نظر نہیں آتے۔ آپ اس سے بات کرلیں، وہ بہت فکر مند تھا۔"

غزالہ کے ذہن میں ترجیحات بہت واضح تھیں۔ اس نے میری اور رینا کی ملاقات کی تفصیلات کریدنے کے بجائے گوپال کی کال کے بارے میں بتانا ضروری سمجھا تھا اور یوں موضوع سخن یکایک ہی تبدیل ہوگیا تھا۔

میرے ذہن پر اول خان سوار تھا کیونکہ سات بجے کراچی سے اس کی فون کال آنی تھی۔ اول خان سے وہ پروگرام طے ہونے کے بعد رینا نے بھی ملاقات کے لیے وہی دن اور وقت دے دیا تھا۔ "سات بجے اول خان کا فون آیا تھا؟ کیا کہہ رہا تھا وہ؟"

"فون آیا تھا۔ وہ بہت فکر مند تھا۔ یہاں کام کرنے والے پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ حالات اور واقعات کو جس نظر سے دیکھتے ہیں، اس کے مطابق اپنی خفیہ رپورٹیں اسلام آباد بھیجتے ہیں۔" وہ بتانے لگی "وہ جاننا چاہتا تھا کہ ویرا کو ستانے والا انسپکٹر ڈیوڈ پراسرار طور پر کیسے مارا گیا۔"

"دنیا بہت زیادہ سکڑ چکی ہے۔ ذرا سی دیر میں حقائق دنیا بھر میں پھیل جاتے ہیں۔ ویرا کی وہ حرکت بہت خطرناک تھی۔"

"ویرا اپنا راز الاپ چکی۔ آپ نے بلاوجہ اسے اپنی جان کا روگ بنالیا ہے۔" غزالہ کے لہجے میں ہلکی سی ترشی اتر آئی "یہ دہلی پولیس کی نااہلی ہے کہ وہ اندھیرے میں بھٹک رہی ہے۔ جب انہیں ویرا سے تفتیش کا خیال نہیں آیا تو آپ کو اور اول خان کو کیوں تشویش ہے۔"

"تشویش نہیں، بس تھوڑا سا قلق ہے کہ اس نے ہمیں اعتماد میں لیے بغیر اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگادی۔ وہ یوں بچی ہوئی ہے کہ ایک پولیس افسر صبح سے شام تک دسیوں خطرناک ملزموں اور مجرموں سے ملتا جلتا ہے۔ اس بھیڑ میں کسی کو ویرا کا خیال نہیں آیا ورنہ وہ اب تک پس زنداں ہوتی۔ بہرحال، تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ وقت گزر گیا، خطرہ ابھی ٹلا نہیں ہے۔ ہمیں اس پر اپنا سر نہیں کھپانا چاہیے۔"

"وہ آپ کی سرگرمیوں کے بارے میں بھی جاننا چاہ رہا تھا۔ دس بجے دوبارہ فون کرے گا۔" غزالہ نے بتایا ہے۔

"وہ احمق اور جذباتی آدمی ہے۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا "بیرون ملک سے آنے والی فون کالز کی کثرت ہمارے لیے درد سر بن سکتی ہے۔ پاکستان سے چند گھنٹوں میں دو فون کالز! خدا کی پناہ! اول خان آخر کیا چاہتا ہے۔"

"وہ مخلص دوست ہے۔ آپ کی خیریت کے سوا اور کیا چاہ سکتا ہے۔" غزالہ مجھے چڑانے والے انداز میں مسکرائی "آپ کے سارے خیرخواہ ایسے ہی ہیں۔ وہ پاکستان میں رہ کر آپ کے غم میں گھلا جارہا ہے، ویرا آپ کا ہاتھ بٹانے کے لیے دم چھلے کی طرح لگی لگی یہاں آپہنچی ہے اور اب رابرٹو ویلینی جیسے سادہ لوح اطالوی نوجوان کو اپنی فیاضیوں سے بہرہ ور کررہی ہے۔ ایک آپ ہیں کہ ان کے جذبات کا احترام کرنے کے بجائے ان پر غصہ دکھا رہے ہیں۔"

اس کے موڈ میں وہ تبدیلی اچانک رونما ہوئی تھی۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا، بس خشم ناک نگاہوں سے اسے گھور کر رہ گیا۔

میرے لیے گوپال زیادہ اہم تھا کیونکہ وہ دہلی میں تھا اور مقامی حالات سے خاصا باخبر بھی۔ میں نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ وہ اور اس کے آدمی میری فکر نہ کریں۔ مجھ سے دور رہیں لیکن اس نے اپریٹس پر غزالہ کو ناگر کے بارے میں بتا کر یہ ثابت کردیا کہ آئی بی والے میری طرف سے غافل نہیں تھے۔ اپنی ذات کے بارے میں میری بے پروایانہ ہدایات کو نظرانداز کرکے وہ اپنے بڑوں کے احکام پر عمل کررہے تھے۔ ان کے لیے میں وی آئی پی کا درجہ رکھتا تھا۔ غنیمت یہی تھا کہ وہ میری نظروں سے دور رہ کر میری حفاظت کررہے تھے۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ اب ان کو اس بارے میں مزید کوئی ہدایت دوں گا نہ تاکید کروں گا۔

کمرے کے دروازے کا قفل چیک کرکے میں نے اپریٹس سنبھالا اور گوپال سے رابطہ کرنے کی کوششوں میں مصروف ہوگیا۔ عابد علی عرف گوپال شاید کہیں پھنسا ہوا تھا۔ میں نے اس کے جی ٹو کے پاس ورژ پر اس کے لیے وقفے وقفے سے تین پیغام نشر کیے مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے اپنی کوششیں ترک کردیں۔ مجھے امید تھی کہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موقع پاتے ہی، پہلی فرصت میں مجھ سے رابطہ کرے گا۔

یہی ہوا۔ چند منٹ بعد اس کی کال آگئی۔ وہ کسی ایسی کھلی جگہ پر تھا جہاں ایریئس نکالنا بھی مشکل تھا۔ اس نے ایک گوشہ عافیت میں پہنچنے کے بعد ایک کھلا پیغام نشر کیا تھا کیونکہ اسے کال کا سگنل ضرور مل چکا تھا لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ ولی رام، سنیل اور مجھ میں سے کس نے اس تک پہنچنے کی کوشش کی تھی۔

"جی ون کالنگ!" میں نے ہلکے ریڈیائی شور میں اس کی آواز سننے کے بعد کہا "میں تمہیں تلاش کر رہا تھا۔"

"اس سے پہلے مجھے تمہاری فکر تھی۔ اس وقت تم کہاں ہو؟" میری آواز سن کر اس نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"اپنے کمرے میں ہوں اور خیریت سے ہوں۔ ناگر چند منٹ بعد ہی واپس چلا گیا تھا۔"

"وہ لڑکی زہریلی ہے۔ تم اس کی معصومیت سے دھوکا کھا گئے۔ تمہارے ساتھ کوئی بہت خطرناک داؤ کھیلا جا رہا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے پرسکون رہتے ہوئے جواب دیا "ہم دشمن تک پہنچنے کی فکر میں تھے لیکن دشمن خود ہی ہمارے سامنے کھلتا جا رہا ہے۔ یہ آنکھ مچولی خطرناک ضرور ہے لیکن اس طرح ہمارا کام شاید آسان ہو جائے گا۔"

"تم چیف ہو۔ میں تمہارے تجزیے سے اختلاف کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا لیکن رینا کے ساتھ ناگر کی موجودگی کی خبر سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ میرے لیے یہ تصور کرنا بھی محال ہے کہ دو بدترین دشمن ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوں اور یہ سمجھ لیا جائے کہ ان میں سے کوئی ایک غافل ہو گا۔"

"وہ لوگ غافل نہیں، بہت ہوشیار ہیں مگر پوری طرح باخبر نہیں ہیں۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اس کی آواز سے الجھن مترشح تھی۔

"وہ اپنی دانست میں مظہر خان نامی پاکستانی کو اپنا آلہ کار بنانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ مظہر کا قصور یہ ہے کہ وہ ایک غیر لڑکی کے ساتھ ہوٹل کے ایک کمرے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ پولیس چیکنگ کے دوران میں یہ بات بھارتی حکام اور را والوں کے علم میں آچکی ہے۔"

"شاید تمہاری یہ بات درست ہو۔" میرے جواب سے اس کی الجھن پوری طرح دور نہیں ہو سکی "رینا عام طور پر رنگین مزاج پاکستانیوں کے گرد منڈلاتی ہوئی دیکھی جاتی ہے۔ یہ بات ابھی ابھی میرے ذہن میں آئی ہے ورنہ پہلے ہم اسے را کی ایک اوباش کارکن سمجھتے تھے۔"

"یہ بتاؤ کہ ناگر کو دیکھ کر تم یا تمہارے آدمی اتنے پریشان کیوں ہو گئے تھے۔"

"وہ اپنے ساتھیوں میں خونی بھیڑیے کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا تعلق را کے کمانڈوز گروپ سے ہے۔ یہ گروپ بلیک کیٹس کہلاتا ہے۔ اس کا آنا خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھا۔ وہ تم سے ملا تھا یا باہر ہی سے واپس لوٹ گیا؟" گوپال اس کے بارے میں بہت زیادہ متجسس تھا۔

غزالہ میرے قریب کھڑی، بہت توجہ سے دو طرفہ گفتگو سن رہی تھی کیونکہ اس وقت تک میرے اور اس کے درمیان اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

"وہ آیا، ملا اور چلا گیا۔" میں نے اپنے فنکر پر ٹس کا تذکرہ دانستہ گول کر دیا۔ وڈیو فلم بہرحال شجر ممنوعہ تھی۔

"ایں...!" اس کی تحیر زدہ آواز ابھری "اس کے آنے کا مقصد کیا تھا؟"

"رینا چارے کے طور پر استعمال کی جانے والی ایک معمولی لڑکی ہے۔ ناگر اپنے بڑے کی نمائندگی کر رہا تھا۔ مجھے کل دو بجے انکل سے ملنا ہے۔"

"اوہ! کل دو بجے! لیکن وہ تم سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔ ناگر سے تم نے کچھ تو پوچھا ہو گا۔"

"وہ مجھے شیشے میں اتارنے کی کوشش کرے گا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ مجھے اپنا آلہ کار بنانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔"

"انہیں بھنک بھی مل گئی کہ تم کون ہو تو معاملہ اچانک بہت سنگین ہو جائے گا۔"

"میں اپنی مرضی سے اس کے پاس نہیں جا رہا۔ وہ لوگ خود میری طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اس ملاقات سے بچنے کی کوئی محفوظ صورت ہو تو مجھے بتاؤ۔ میں پورے خلوص سے اس پر عمل کروں گا۔" میں نے پوری نیک نیتی سے کہا "میں اس ملاقات میں مضمر خطرات سے پوری طرح آگاہ ہوں۔"

"آج پانسہ بالکل پلٹ چکا ہے۔" اس کی سپاٹ آواز آئی "ناگر کے سامنے آنے سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ را والے تمہاری ذات میں گہری دلچسپی لے رہے ہیں۔ اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ کل انل سے تمہاری ملاقات طے ہو چکی ہے۔ یہ را کا گھر ہے۔ وہ یہاں ہزار پا بلا کی طرح ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر انہوں نے تم کو تاک لیا ہے تو تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہیں جل دے کر کہیں بھی نہیں جاسکو گے۔ وہ اپنے منحرفین کو بہت بے رحمی سے کچل ڈالتے ہیں۔"

"میں خود بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں اسی لیے میں نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت بھی ہوٹل سے نکاس کے راستوں کی نگرانی ہو رہی ہو اور میں ہوٹل سے نکلوں تو میرا پیچھا کیا جائے، کہیں نکل بھاگنے کی کوشش کروں تو وہ مجھے روک دیں۔"

"تم واقعی بہت جلد صحیح نتائج اخذ کرتے ہو۔ مجھے یہی سب خیالات پریشان کررہے ہیں مگر میں یہ باتیں دہراتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ کہیں تم یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ میں تم پر حاوی ہونے کی کوشش کررہا ہوں۔"

"میں اتنا نادان نہیں ہوں۔ تمہاری نیک نیتی پر مجھے پورا یقین ہے۔ شاید انسپکٹر کی موت کے بارے میں تمہارے کچھ تحفظات ہیں۔"

میرے آخری سوال پر وہ چونک پڑا "نن .... نہیں تو! تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟"

"یہ مقامی نوعیت کا ایک واقعہ تھا۔ اس کی بازگشت اسلام آباد اور کراچی میں سنائی دے رہی ہے۔"

"تم خود سوچو۔ وہ برسوں سے یہاں کام کررہا تھا۔ اس کی بدمعاشیاں اور چیرہ دستیاں کسی سے چھپی ہوئی نہیں تھیں۔ وہ عورتوں کا رسیا تھا۔ اس کے افسروں کو بھی معلوم تھا کہ وہ اکیلی گھومنے والی مشتبہ غیر ملکی لڑکیوں سے اپنا خراج وصول کرتا تھا مگر اس کی مجموعی کارکردگی کی بنا پر اس کی ایسی حرکتوں سے چشم پوشی اختیار کی جاتی تھی۔ پھر یہ کیسے ہوا کہ ایک رات اس نے این پر ڈورے ڈالنے کی ناکام کوشش کی اور اگلی شام وہ مارا گیا۔"

"تو کیا تم این پر کسی قسم کا شبہ کررہے ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں براہِ راست سوال کرڈالا۔

"اس پر شبہ نہیں ہے۔" وہ جلدی سے بولا "بس یہ ڈر ہے کہ اس واقعے سے اس کی پوزیشن مخدوش ہوگئی ہے۔"

"اور تم نے اپنی رپورٹ میں بھی یہ اندیشہ ظاہر کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں!" وہ میرے شبے کی تائید کرنے پر مجبور تھا "ہم جو کچھ دیکھتے، سنتے اور محسوس کرتے ہیں، اسے آگے بڑھا دیتے ہیں۔"

"اپنی رپورٹ بھیجتے ہوئے تم نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں سوچا کہ تفتیشی افسران ان خطوط پر نہیں سوچ رہے۔ وہ کچھ مشتبہ افراد کو حراست میں لے چکے ہیں۔"

"یہ پولیس کا روایتی طریقہ کار ہے۔ اکثر وہ سست رفتاری سے پیش قدمی کرتے ہیں۔ کوئی معاملہ ان کے ریکارڈ پر زندہ ہو تو وہ دس برس بعد بھی بال کی کھال نکالنے بیٹھ جاتے ہیں۔ مشتبہ افراد سے پوچھ گچھ میں ناکامی کے بعد وہ کسی بھی وقت تفتیش کا رخ بدل سکتے ہیں۔"

میں نے اس کی بات پر غور کیا تو اس میں وزن تھا۔ میں نے پوچھا "پھر تمہاری کیا تجویز ہے؟"

"این کو یہاں سے لوٹ جانا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ وہ تفتیش کی زد میں آئے۔ اسے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"وہ نوے دن کا ویزا لے کر آئی ہے۔ چند روز بعد واپسی اسے بلاوجہ شبہات کی زد میں لے آئے گی۔"

"واپسی کے لیے بیماری کا عذر سب سے مضبوط ہے۔ ویسے بھی کسی جواز کے بغیر کسی سیاح سے پوچھ گچھ نہیں ہوتی خاص طور پر واپس جانے والوں کی زیادہ جانچ پڑتال نہیں ہوتی۔ وہ آج کل میں آرام سے نکل سکتی ہے۔ خطرات سے لڑنے کے بجائے انہیں ٹالنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔"

"تمہارا مشورہ مناسب ہے۔" میں نے پرخیال آواز میں کہا "میں کوشش کروں گا کہ وہ واپس لوٹ جائے۔"

"شاید تمہیں علم ہوگا کہ رابرٹو ویلینی نامی ایک اطالوی لڑکا اس کے ساتھ رہ رہا ہے۔" گوپال کی آواز سے جھجک مترشح تھی۔

"وہ ہمارا ساتھی نہیں ہے۔" میں نے ترشی سے وہ بات وہیں ختم کرنے کی کوشش کی "این کا کوئی پرانا شناسا ہے۔"

"اوکے! پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے؟" گوپال نے وہ بات آگے بڑھانے کی کوشش نہیں کی "کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے بارے میں رینا کیا کہتی ہے؟"

اس نے میرے ایک اشارے پر ویرا اور اس کے اطالوی ساتھی کو بھول کر بالکل نیا سوال کیا تھا۔ اس کی معاملہ فہمی پر مجھے خوشی ہوئی اور میں نے دوستانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا "وہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی آڑ میں اپنے مطلب کی لڑکیاں تلاش کرتے ہیں۔ خوب رو، جوان اور ضرورت مند یا شوقین لڑکیاں ان کا نشانہ بنتی ہیں۔ انہیں بھرپور آوارگی کی تربیت دینے کے بعد وہ میدان میں اتار دیتے ہیں۔"

"ویری گڈ!" میری تصدیق پر وہ خوش ہوگیا "اب ہم ان کے اس اڈے کو جلد ہی تباہ کردیں گے۔"

"تباہ کردو گے!" میں نے حیرت سے دہرایا "تم لوگ تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے کام سے کام رکھنے والے ہو۔ خون خرابا تو دور کی بات ہے، غیر ضروری تصادم سے بھی گریز کرتے ہو پھر کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کو کیسے تباہ کرو گے؟"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ جس کو جو مشن سونپا جاتا ہے وہ تن، من، دھن کی بازی لگا کر اسی مشن پر کام کرتا ہے۔ نتائج حاصل کرتا ہے یا پھر اپنی جان پر کھیل جاتا ہے۔ ہم بلاوجہ اِدھر اُدھر الجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ایسا کرنے سے اصل ہدف دور ہو جاتا ہے۔ ہمارا روز مرہ کا کام کچھ بھی ہو، اس کا بنیادی مقصد ایک ہوتا ہے۔ اپنے وطن کے خلاف دشمن کی کارروائیوں کو روکنا اور اس کی دہشت گرد ایجنسیوں کی قوت کو توڑنا۔ را والے اگر کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی آڑ میں نیا خون حاصل کر رہے ہیں تو زیادہ دنوں تک ایسا نہیں ہو سکے گا۔ ان کا یہ کھیل بند ہو جائے گا۔"

"میں سب کچھ سمجھ رہا ہوں مگر تم اس اکیڈمی کے خلاف کیا کرو گے؟"

"ہمیں کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ یہاں رہ کر ہم نے کچھ مراسم استوار کیے ہیں، کچھ دوست بنائے ہیں۔ ان میں سے کسی تیز طرار صحافی کو کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے پیچھے لگا دیں گے۔ جب اخبارات اور ابلاغ کے دوسرے ذرائع میں اکیڈمی کی مذموم کہانیاں، رینا جیسی لڑکیوں کی تصاویر کے ساتھ چھپیں گی تو پورے بھارت میں تہلکہ مچ جائے گا۔ باشعور شہری لرز کر رہ جائیں گے کہ را والے ان کی بہو بیٹیوں کو کیسی بے رحمی سے اپنی بھٹی کا ایندھن بنا رہے ہیں۔ اکیڈمی اور را کی ساکھ داؤ پر لگ جائے گی۔ پریس والے بہت ضدی اور انا پرست ہوتے ہیں۔ وہ کسی کے پیچھے لگ جائیں تو اسے تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔"

"را ان کا قومی ادارہ ہے۔ وہ اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائیں گے۔" میں نے اپنا شبہ ظاہر کیا۔

"شاید را پر وہ ہلکا ہاتھ رکھیں۔ اکیڈمی بہرحال بند ہو جائے گی۔ اس کا براہِ راست نقصان را کو ہوگا۔ یہی ہمارا بنیادی مشن ہے۔ یوں سمجھو کہ تم نے اکیڈمی کے اصل کردار کا راز فاش کر کے ہمارے بنیادی مشن کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔"

"میں تمہاری کامیابی کے لیے دعا گو رہوں گا۔ اس کہانی کا بنیادی نکتہ یہ ہونا چاہیے کہ را کے شہزادوں نے اپنی نیم جنگی تنظیم کو نائٹ کلب میں بدلنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں اور اپنے عشرت کدوں میں محصور ہو کر آگ اور خون کا بارودی کھیل بھارتی دوشیزاؤں کو سونپ دیا ہے۔ وہ نظروں کے تیر چلا کر اور حسن کی بجلیاں گرا کر دشمنوں کو گھیرنے میں لگی رہتی ہیں۔ را کے شہزادے کیمروں کی آنکھ سے ان کی کارکردگی پر نظر رکھتے ہیں۔"

"کیمروں کی آنکھ!" میری زبان سے روانی میں بہہ نکلنے والے ان الفاظ نے اسے حیران کر دیا "تو کیا ان لڑکیوں کی پس پردہ سرگرمیوں کی فلم بندی بھی ہوتی ہے؟"

وہ ایک اٹل حقیقت تھی۔ میں اس تجربے سے گزر چکا تھا مگر اس واقعے کو ہر ایک سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جوشِ بیان میں مجھ سے ایک لغزش ہو گئی تھی اور عابد علی عرف گوپال نے میری وہ بات فوراً پکڑ لی تھی۔ میرے پاس اس کا جواب دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے محتاط لہجے میں کہا "رینا اجیت رائے یہی کہتی ہے۔ ہر لڑکی پوشیدہ اور خود کار کیمروں کی نگرانی میں اپنے شکار سے پہلی ملاقات کرتی ہے۔ شکار زیادہ پھڑ پھڑانے اور جال توڑ کر نکل بھاگنے کی کوشش کرے تو بعد میں ان کیمروں کی بنائی ہوئی وڈیو فلمیں اس کو بلیک میل کرنے کے کام آتی ہیں۔"

"پریس کے لیے یہ بہت سنسنی خیز سراغ ہوں گے۔" گوپال کی خوشی دوبالا ہو گئی "وہ ایسی خبریں سونگھتے پھرتے ہیں۔ تم جلد ہی اخباروں میں اپنی کارگزاری کے تصویری فیچر دیکھو گے مگر این والی بات نہ بھولنا۔ میں اس کے لیے فکر مند ہوں۔"

میں نے اسے یقین دلایا کہ میں اس کے مشورے پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔

میری اور گوپال کی گفتگو ختم ہونے کے بعد غزالہ نے مضطربانہ انداز میں میرا شانہ پکڑ کر مجھے جھنجوڑ ڈالا "یہ آپ کے اندازے ہیں یا یہ ساری باتیں رینا نے آپ کو بتائی ہیں؟" اس کی آواز سے اس کی تشویش اور گھبراہٹ عیاں تھی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں کسی بات پر یقین کیے بغیر اسے آگے نہیں بڑھاتا۔ یہ سب رینا کے اعترافات ہیں۔"

"میں خوش تھی کہ آج آپ اٹل بسواس کی گردن تک پہنچنے کی خوش خبری لے کر آئیں گے لیکن یہاں معاملہ ہی کچھ اور نظر آ رہا ہے۔"

"یہ ٹھوس زمینی حقائق ہیں جو میرے اختیار سے باہر ہیں۔ رینا سے آج کی ملاقات میں میری ہر خوش فہمی رفع ہو گئی ہے۔"

"تاگر کیسا آدمی ہے؟ آپ کے ساتھ اس کا رویّہ کیسا تھا؟" غزالہ کی آنکھوں سے ہراس نمایاں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بہت تند خو اور درشت رو آدمی ہے۔ اس کا رویہ توہین آمیز تھا۔ وہ زبردستی میرے فنگر پرنٹس لے گیا ہے۔"

"آپ کے فنگر پرنٹس.....!" وہ بے ساختہ تقریباً چیخ پڑی "اب وہ پاتال میں بھی آپ تک پہنچ جائیں گے۔"

میں نے اسے سمجھایا کہ اس کا وہ خوف عارضی طور پر بے بنیاد تھا۔ ناگر نے جو کچھ کیا' وہ مظہر خان کے ساتھ کیا تھا۔ ڈینی کا نام اس وقت بھی پردے میں تھا۔

کئی منٹ بعد میری وضاحتیں اس کی سمجھ میں آسکیں۔ آخر اس نے کہا "آپ نے یہ بات گوپال کو نہیں بتائی۔"

"میں چیف ہوں۔ یہ میرا صوابدیدی حق ہے۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا "ناگر نے میری خاصی تذلیل کی تھی۔ مجھے اچھا محسوس نہیں ہوا کہ میں اپنی اس توہین کی کہانی کی خود تشہیر کروں۔ یہ تفصیل سن کر وہ بے چارہ بھی تمہاری طرح پریشان ہو جاتا۔"

غزالہ نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ شاید اس کے وجود میں سوئی ہوئی بیوی کی چھٹی حس یکایک بیدار ہو گئی تھی۔ اس نے تیز سرگوشیانہ آواز میں پوچھا "کیا آپ کی اور رینا کی پہلی ملاقات بھی خفیہ کیمروں کی نگرانی میں ہوئی تھی؟"

میرے حلق میں تلخی سی گھلنے لگی۔ غزالہ کا وہ سوال ٹیڑھا اور نازک تھا۔ میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا "رینا انکار کرتی ہے۔ کیمرے اسی وقت حرکت میں آتے ہیں جب بلیک میلنگ کا مواد دستیاب ہونے کی امید ہو۔ میرے اور اس کے پہلے مذاکرات میں ایسی کوئی صورتِ حال پیدا نہیں ہوئی تھی۔"

میں نے اپنی دانست میں اپنا بھرپور دفاع کر لیا تھا مگر مجھے معلوم تھا کہ غزالہ دودھ پیتی بچی نہیں تھی۔ وہ ذہین اور بردبار عورت تھی جو اپنی عمر سے کہیں زیادہ تجربے کار تھی۔ وہ بہت آسانی سے ہر بات کی تہ تک پہنچ جانے کی صلاحیت سے مالا مال تھی۔ وہ بہت پہلے شاید ہر بات سمجھ چکی تھی مگر یہ اس کی بردباری اور رواداری تھی کہ اس نے مجھ سے اس بارے میں قطعی کوئی جرح نہیں کی۔ میں نے جواب دیا' اس نے اسے من و عن تسلیم کر لیا۔

"کل کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے؟" چند ثانیوں کی گمبھیر اور معنی خیز خاموشی کو غزالہ نے توڑا۔

"رینا کے پاس سے واپس آنے کے بعد سوچنے سمجھنے کا موقع کہاں ملا ہے۔ اول خان سے بات کر لوں تو انل بسواس سے ملاقات کے بارے میں کوئی ذہنی تیاری کروں گا۔ یہ طے ہے کہ میں وہاں کوئی ہتھیار لے کر نہیں جاؤں گا۔"

"جب اس کے اجنبی ملاقاتیوں کے فنگر پرنٹس لیے جاتے ہیں تو اس کے سامنے پیشی سے قبل تفصیلی جامہ تلاشی بھی ہوتی ہوگی۔ وہاں ہتھیار لے جانا خود کو مصیبت میں ڈالنے کے مترادف ہوگا۔ اس کے محافظ ہر ہتھیار برآمد کر لیں گے۔"

"وہ صرف روایتی ہتھیار برآمد کر سکتے ہیں۔" میں نے محض مشورے کے لیے بات آگے بڑھائی "میری انگلیوں میں پہنی ہوئی زہریلی انگوٹھیوں پر وہ کوئی شبہ نہیں کر سکیں گے۔"

"وہ ان کا کوئی بہت اہم اور اعلیٰ افسر ہے۔ اس کے ماتحت آپ کے جسم پر موجود ہر چیز کو شک و شبے کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ میرا خیال ہے کہ آپ ہر فکر سے بے نیاز ہو کر بالکل صاف ستھرے جائیں۔ اس ملاقات میں وہ انگوٹھیاں کس کام آئیں گی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ان کے خلاف زہر استعمال کر کے میں نہیں بچ سکوں گا لیکن انل بسواس کا مطالبہ بہت زیادہ سنگین اور شدید ہوا تو ان کے ہاتھوں میں کھلونا بننے سے بہتر ہوگا کہ میں ایک دلیر سیکرٹ ایجنٹ کی طرح انگوٹھی کا زہر اپنے اوپر استعمال کراؤں۔"

وہ اپنی جگہ چھوڑ کر والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی "جان! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ کو دیکھ دیکھ کر میں نے زندہ رہنا سیکھا ہے۔ آپ کی زبان سے ایسی مایوسانہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ کیوں میرے دل کو بوجھل کر رہے ہیں؟"

"بہترین امیدوں اور توقعات کے ساتھ ہمیں بدترین صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ میری ان باتوں کو مایوسی کا نام نہ دو۔ یہ حالات کا بے خوفی سے سامنا کرنے کی دلیرانہ اہلیت ہے۔ راوا والے ایذا رسانی کے ایسے ایسے نادر آلات استعمال کرتے ہیں کہ متعدد ممالک کے افسران ان سے تربیت لینے کے لیے دہلی' ممبئی اور کول کتا آتے رہتے ہیں۔"

"آپ کہہ رہے تھے کہ اول خان سے بات کرنے کے بعد کچھ سوچیں گے مگر ابھی سے سوچنا اور فیصلہ کرنا شروع کر دیا۔" وہ مجھ سے الگ ہوتے ہوئے مغموم ہنسی کے ساتھ بولی "بڑے فیصلوں میں اتنی عجلت اچھی نہیں ہوتی۔"

"ہم دونوں بلکہ شاید پانچوں بہت معمولی اور عام سے انسان ہیں مگر تم تاریخ اٹھا کر دیکھو تو تمہیں پتا چلے گا کہ سارے اہم اور تاریخ ساز فیصلے عجلت میں یا اچانک کیے گئے۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کہا "اول خان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے فون کے انتظار میں، میں اپنے ذہن کا سوئچ بند کرنے سے قاصر ہوں۔"

"ابھی تو نو بھی نہیں بجے۔" غزالہ نے وال کلاک کی طرف دیکھ کر کہا "اس کا فون دس بجے آئے گا۔"

"انتظار کی کوفت سے بہتر ہے کہ میں اسے فون کرلوں۔" میں نے جلی ہوئی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر اپنا فیصلہ صادر کردیا "را والے ہر طرف پھیلے ہوئے ہوں لیکن ہم جنہم مکانی، بدری ناتھ کی سی ایس ڈی کی وجہ سے ہر خطرے سے محفوظ رہ کر فون استعمال کرسکتے ہیں۔"

"ہم بری طرح پھنسے ہوئے ہیں لیکن غنیمت ہے کہ ہمیں رابطے کی دو سہولتیں میسر ہیں۔ سی ایس ڈی اور اپریٹس کے بغیر ہم گھٹ کر رہ جاتے۔"

غزالہ کی بات پر میں نے اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دی اور فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

اول خان کو فون پر میری آواز سن کر حیرت ہوئی کہ اپنی ناگزیر مجبوریوں کے باوجود میں نے اسے فون کیا تھا۔ اس نے سب سے پہلے ہماری خیریت دریافت کی پھر سی ایس ڈی کے فعال ہونے کی یقین دہانی چاہی۔ ان دونوں نکات پر مطمئن ہونے کے بعد وہ اپنے مدعا پر آگیا۔

اس کی تشویش کے اسباب وہی تھے جو میں سمجھ رہا تھا۔ مجھے شدت سے یہ احساس ہوا کہ زبانی کلامی طور پر مجھے گوپال اور اس کے ساتھیوں کا چیف بنا دیا گیا تھا لیکن وہ لوگ ایک ایسے مستحکم ادارے سے وابستہ تھے جس کے ڈسپلن کو توڑنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ لوگ میری ہر بات سنتے تھے بلکہ عزت و احترام سے سنتے تھے مگر کرتے وہی تھے جو ان کے بڑوں نے پہلے سے انہیں ذہن نشین کرایا ہوا تھا۔

جب سے میرا جلال سے تعارف ہوا تھا، اس نے اور اس کے آدمیوں نے میری بھرپور مدد کی تھی۔ نازک لمحات میں مجھے پل پل کی اہم خبریں فراہم کی تھیں۔ معلومات کی فراہمی کا وہ تسلسل بھارت کی سرزمین پر بھی برقرار تھا۔ اس سے آگے ان کا اور میرا طریقہ کار مختلف ہوجاتا تھا۔ وہ اپنے ضابطوں کے پابند تھے۔ ان سے تجاوز نہیں کرسکتے تھے۔ ہر شخص اپنے قول اور فعل کے لیے کسی نہ کسی بڑے کو جواب دہ تھا جب کہ میرے ہاتھ کھلے ہوئے تھے۔ میں کسی ضابطے کا پابند تھا نہ کسی کو جواب دہ تھا۔ میری سب سے بڑی قوت اس حقیقت میں پوشیدہ تھی کہ اول خان سے جلال تک، ہر شخص کو میرے خلوص اور نیت کی راستی پر گہرا یقین تھا۔ میں جو کچھ بھی کر گزرتا تھا، اس پر مجھ سے کوئی باز پرس کرنے کے بجائے اس کا جواز فراہم کرنے کی ہر ممکن کوششیں کی جاتی تھیں۔

اول خان لاہور سے ہماری روانگی کے بعد سے بااختیار لوگوں سے مسلسل قریبی رابطوں میں تھا۔ ان ذرائع سے وہ باتیں اس کے کانوں تک بھی پہنچی تھیں جو گوپال مجھے تھوڑی دیر پہلے بتا چکا تھا۔ اول خان کو ویرا کی سرگرمیوں اور میری سلامتی کے بارے میں سنگین اندیشے لاحق تھے۔

میں نے اس سے بھی وہی کچھ دہرایا جو میں گوپال سے کہہ چکا تھا۔ اول خان سے میرا گہرا اور جذباتی تعلق تھا اس لیے مجھے لفاظی اور زیادہ وضاحتوں سے کام لینا پڑا لیکن اس ساری گفتگو کا خلاصہ وہی کا وہی تھا۔ اس میں سرمو فرق نہیں آیا تھا۔ میں نے اسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ اگلے دن میری اور انل بسواس کی ملاقات ہونے والی تھی۔

خاصی بحث و تمحیص کے بعد اس کے لب و لہجے میں اعتدال پیدا ہوا تو میں نے اس سے سلطان شاہ کے بارے میں دریافت کیا۔

"وہ آج صبح سے غائب ہے۔ اس کے سر پر اس شخص کو تلاش کرنے کا بھوت سوار تھا جس نے تمہارے پاسپورٹ پر درج پتے پر پہنچ کر مظہر خان کے بارے میں معلومات جمع کی تھیں۔ وہ قسم کھا چکا ہے کہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔" اول خان کی افسردہ آواز ابھری۔

"تم نے اسے کیوں نہیں روکا؟ اتنے بھرے پرے شہر میں ایک بے نام و نشان شخص تک پہنچنا ناممکن ہے۔" میں نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدل کر کہا۔

"میں نے سب کچھ بتایا اور سمجھایا تھا۔ کل رات دیر تک میرے اور اس کے درمیان بحث ہوتی رہی۔ آخر میں وہ لاجواب ہو کر خاموش ہوگیا تھا۔" اول خان فون پر بتا رہا تھا "میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ وہ صبح ناشتا کرتے ہی خاموشی سے اسٹیشن فور سے نکل جائے گا۔"

اول خان کا عذر جائز تھا۔ وہ سلطان شاہ کو زنجیروں سے باندھ کر نہیں روک سکتا تھا۔ اسے صرف سمجھا سکتا تھا اور یہ فرض اس نے یقیناً پورا کیا تھا۔ میں نے کہا "یہ تم نے پریشان کرنے والی خبر سنائی ہے۔ پتا نہیں وہ کہاں مارا مارا پھر رہا ہوگا اور کب واپس لوٹے گا۔"

"میں نے اس کے کمرے کا جائزہ لیا ہے۔ وہ کپڑے وغیرہ ساتھ لے کر گیا ہے۔ کامیابی یا مکمل ناامیدی سے پہلے اس کی واپسی کی امید نہیں ہے۔ میں نے اپنے پورے اسٹاف کو حکم دے دیا ہے کہ وہ شہر میں کہیں بھی نظر آجائے تو اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اٹھالیا جائے۔۔۔"

"گڈ!" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "تم نے یہ ہدایت کب جاری کی تھی؟"

"شام تک میں اس کی واپسی یا کسی پیغام کا انتظار کرتا رہا۔ مجبور ہو کر میں نے چھ بجے یہ حکم دیا ہے۔"

میرے دل میں ٹھنڈک سی پڑ گئی۔ میں کراچی میں نہیں تھا لیکن اول خان پوری فرض شناسی کے ساتھ سلطان شاہ کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اسپیشل ٹاسک فورس کی گشتی نفری سلطان شاہ کو زیادہ دیر تک شہر کی گلیوں میں نہیں بھٹکنے دے گی۔ اسے جلد ہی اسٹیشن فور کے محفوظ کیمپ میں پہنچا دیا جائے گا۔

"جب بھی اور جہاں سے بھی موقع ملا، میں کل تمہیں فون کرلوں گا۔ تم کوشش نہ کرنا کیونکہ آنے والا دن مجھے ذرا بھاری نظر آرہا ہے۔" میں نے کہا۔

"فون ضرور کرلینا۔ آدم خور شیر نے تمہیں اپنی کچھار میں بلایا ہے تو اس میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ میرا دھیان تمہاری طرف لگا رہے گا۔"

"ساری بات مہلت کی ہے۔ مہلت ملی تو ضرور خون کروں گا۔ مجھے ابھی سے سلطان شاہ کی فکر لاحق ہوگئی ہے۔"

"غزالہ کو بریف کردو۔ خدانخواستہ کوئی گڑبڑ ہو تو شام ڈھلنے سے پہلے وہ مجھے مطلع کردے۔ وہ بہت ذہین لڑکی ہے۔ تم اپنی مہم پر نکل گئے تو وہ تمہارے لیے دوسری دفاعی لائن کا کام سرانجام دے گی۔"

میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھا جو میرے قریب سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے لہجے میں زبردستی مزاح پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا "میرے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوئی تو غزالہ بھی محفوظ نہیں رہے گی۔ تم میری سرخ روئی کے لیے دعا کرتے رہو۔"

"تم اور جلال کے وہ آدمی جو اس وقت دشمن کی سرزمین پر ہیں، سب وطن اور اپنی مٹی کے لیے جانیں لٹانے والے گمنام سپاہی ہیں۔ اول خان تم سب کو سلام کرتا ہے اور اپنے دل کی گہرائیوں سے تم سب کی کامیابی کا آرزومند ہے۔۔۔"

اس کی آواز فرط جذبات سے دل گرفتہ ہونے لگی۔ اپنے دیس کی فضاؤں سے آنے والا وہ محبت بھرا پیغام سن کر میرا دل بھی بھاری ہونے لگا۔ میں نے جلدی سے خدا حافظ کہہ کر فون کا ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

○☆○

ویرا اپنے کمرے کی نرم اور آرام دہ مسہری پر دراز تھی اور ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ لیے، دلچسپی سے رابرٹو کی طرف دیکھے جا رہی تھی جو مسہری سے کچھ دور رکھے ہوئے صوفے پر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے بیٹھا ہوا تھا۔

"تم کب تک کسی جوان بیوہ کی طرح یوں اداس بیٹھے رہو گے؟" جب کافی دیر تک رابرٹو یلینی کی حالت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تو ویرا کو مجبور ہو کر اسے ٹوکنا پڑا "تم یہ کیوں بھول گئے ہو کہ اس کمرے میں تم تنہا نہیں ہو۔"

رابرٹو نے دونوں ہاتھ گرا کر اپنا سر اوپر اٹھایا تو اس کے بال منتشر تھے، آنکھیں سرخ اور متورم ہو رہی تھیں، چہرے پر وحشت ناچ رہی تھی "میں اس گھڑی کو کوس رہا ہوں جب میں مرینا بار میں اپنا گلاس لے کر تمہاری میز پر آیا تھا۔ مذاق ہی مذاق میں تم نے مجھے مروا دیا۔ جب سے تمہارا ساتھ ہوا ہے۔ میں ایک رات بھی پوری نیند نہیں لے سکا۔ آنکھ لگتے ہی خواب میں پھانسی کا پھندا نظر آنے لگتا ہے۔"

"مجھے بتاؤ کہ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ میں نے اسے صرف بے ہوش کیا تھا۔۔۔"

"تم یہ جملہ پچاسویں مرتبہ کہہ رہی ہو۔ یہ ساری مصیبت تمہاری لائی ہوئی ہے۔" رابرٹو نے بھنا کر ویرا کی بات کاٹ دی "تم کو ایک ذمے دار پولیس افسر سے ایسا گھٹیا مذاق کرنے کی کیا ضرورت تھی جس کا انجام قتل بھی ہو سکتا تھا؟"

"مجھے الہام نہیں ہوا تھا کہ وہ مار ڈالا جائے گا۔" ویرا نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"تم نے اسے بے ہوش کرتے ہی یہ خدشہ ظاہر کردیا تھا کہ شہر میں اس کے ہزار دشمن تھے۔ بے ہوشی کی حالت میں کوئی اسے مار بھی سکتا تھا اور اگلے دن کے اخباروں نے اس کی موت کی تصدیق کردی۔ تمہاری زبان کالی ہے۔ اب تک میں اس امید پر خاموش تھا کہ شاید تم میری جان چھوڑ دو مگر تم نے ذرا دھکا کر مجھے اپنا یرغمالی بنایا ہوا ہے۔ آج مجھے تمہارے شکنجے میں آئے تیسری رات ہے۔ میں آزادی چاہتا ہوں۔"

"تم ریسرچ اسکالر کے بجائے کسی پرائمری اسکول کے طالب علم جیسی باتیں کر رہے ہو۔" ویرا نے منہ بنا کر سرد مہری سے جواب دیا "تم کو علم ہے کہ میں کیا کچھ چاہتی ہوں مگر اسے حاصل نہیں کر سکتی؟ انسان کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔"

"خدا مجھے سیدھی راہ پر چلا رہا تھا۔ تم نے شیطان بن کر مجھے بہکایا ہے۔" رابرٹو نے مٹھیاں بھینچ کر دانت پیسے "کل اور آج کے اخباروں میں آچکا ہے کہ پولیس والوں نے قتل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے شبے میں کئی آدمیوں کو پکڑلیا ہے۔ میرا یا تمہارا دور دور تک ذکر نہیں ہے لیکن تم مجھے ڈرائے جارہی ہو۔"

"دیکھو رابرٹو! مجھ سے الجھنے کی کوشش مت کرو۔ دانت پیستے ہوئے تم بالکل بندر جیسے ہوجاتے ہو۔ تم مسلسل میری شامیں برباد کررہے ہو۔ میں نے تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کی تھی۔ تم کو پہلے ہی بتادیا تھا کہ میں ایک پولیس افسر کے ساتھ چھوٹا سا مجرمانہ مذاق کرنا چاہتی ہوں۔ یہ تمہاری بدنصیبی تھی کہ کسی اور نے اسے ماردیا۔ مجھے خطرات میں گھرا ہوا چھوڑ کر تم کہیں نہیں جاسکتے۔ ہمیں بھارت میں ایک ساتھ رہنا ہے اور ساتھ ہی یہاں سے نکلنا ہے۔ اپنا موڈ درست کرو تاکہ ہم یہ وقت بہتر طور پر گزار سکیں۔ اپنے ساتھ تم نے مجھے بھی ناقابلِ برداشت کرب میں مبتلا کیا ہوا ہے۔"

رابرٹو چند ثانیوں تک متوحش نظروں سے ویرا کی طرف دیکھتا رہا پھر دھیمی مگر غصیلی آواز میں غرایا "تم شرافت سے میری جان نہیں چھوڑوگی تو میں خاموشی سے تمہارا ساتھ چھوڑ کر کہیں بھی نکل جاؤں گا۔"

ویرا اس کی حماقت پر دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گئی۔ ویرا کو دھمکی دے کر وہ اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ اس کی ایسی کسی کوشش کی کامیابی کے کیا امکانات تھے۔ ویرا نے کاٹ دار لہجے میں کہا "پہلی بات تو یہ سن لو کہ تمہارے تیور دیکھ کر میں نے کل ہی تمہارے سفری تھیلے سے تمہارا پاسپورٹ اور ٹکٹ اڑالیا تھا۔ اب یہ دونوں چیزیں میرے قبضے میں ہیں۔ اس کے باوجود تم بھاگ نکلے تو کسی جہاز کی دم سے نہیں لٹک سکتے۔ بکنگ کے بغیر تمہارا نکلنا محال ہوگا۔ تم کو اپنے سفارت خانے سے دوسرا پاسپورٹ لینا ہوگا۔ اس سے پہلے میں پولیس اسٹیشن پہنچ کر اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرلوں گی۔ تم ضمیر کا بوجھ تو سمجھتے ہو نا؟ میں...."

رابرٹو نے اعصاب زدہ انداز میں اس کی بات اڑا دی "اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے تم سارا الزام میرے سر تھوپ دوگی۔ میں انہیں بتاؤں گا کہ تم چور اور جھوٹی ہو۔ سارا کیا دھرا تمہارا ہے۔ تم کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جانا چاہیے۔"

"گڈ!" ویرا نے برافروختہ ہوئے بغیر، زہریلے لہجے میں کہا "میں بھی یہی بتانا چاہ رہی تھی۔ میری الزام تراشی کے بعد وہ تمہیں فرار ہونے سے پہلے پکڑلیں گے۔ تم مجھ پر الزام لگاؤ گے۔ بات الجھ جائے گی۔ سچ کا فیصلہ عدالتوں میں ہوتا ہے۔ جب تک یہ فیصلہ نہیں ہوگا، ہم دونوں جیل میں سڑتے رہیں گے۔ تم کو ڈبونے کے لیے میں اپنی زندگی بھی تباہ کرلوں گی۔ میرے بدن کے رازداں بن کر تم اتنی آسانی سے نہیں بھاگ سکتے۔"

"تم بہت مکار اور صورت حرام لڑکی ہو۔" رابرٹو اپنے کانوں کو چھو کر کراہا "مجھے معلوم ہوتا کہ تم ایسی شیطان صفت نکلوگی تو بھول کر بھی تمہاری طرف نہ دیکھتا۔"

"اب سبق مل گیا۔ آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا۔" ویرا نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

کچھ دیر کے لیے کمرے کی فضا میں خاموشی پھیل گئی۔ رابرٹو دہشت زدہ تھا اور اندر سے کھول رہا تھا۔ ویرا اس کی حالت سے محظوظ ہورہی تھی۔ وہ رابرٹو ویلینٹی کے اعصاب کو توڑ پھوڑ کے ایک سوچے سمجھے اور مسلسل عمل سے گزار رہی تھی تاکہ اسے کسی اگلے کام کے لیے آمادہ کرسکے۔ وہ اسے اپنے مقدر کی یاوری سمجھ رہی تھی کہ اسے کام کا ایک آدمی مل گیا تھا۔ اسے وہ کسی بھی قیمت پر اپنے ہاتھ سے نکلنے نہیں دینا چاہتی تھی۔

"آخر تم کیا چاہتی ہو؟" کچھ دیر بعد رابرٹو نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"انتظار اور صرف انتظار۔" ویرا نے دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "مطلع صاف ہوتے ہی ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"یہ بات تم پرسوں شام سے کہہ رہی ہو۔"

بے اعتباری سے کہا "میں سمجھ رہا تھا کہ ہماری صرف رات بے یقینی کے عالم میں گزرے گی۔ اگلی صبح کی ہماری اطلاعات سے سب کچھ سامنے آجائے گا اور ہم ہنسی خوشی اپنی اپنی راہ لیں گے۔ پتا نہیں اب تمہیں کس منحوس گھڑی کا انتظار ہے۔"

"ایسے واقعات کی گرد ہفتے عشرے میں بیٹھتی ہے۔" ویرا نے رسانیت سے کہا "تم مزید دو تین دن صبر کرلو۔"

"کس لیے....؟ آخر کس لیے....؟" رابرٹو پھر ہتھے سے اکھڑ گیا "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم یہاں کیوں پڑی ہوئی ہو۔ میں ریسرچ کے لیے اس ذلیل ملک میں آیا تھا۔ تم یہاں کیا کررہی ہو؟ تمہیں کوئی فکر ہے نہ کہیں آتی جاتی ہو۔ بستر توڑتی اور مجھے سلگاتی رہتی ہو۔ تم آج ہی یہاں سے کیوں نہیں نکل جاتیں؟ میری بھی جان چھوٹ جائے گی۔ مجھے صرف یہ سمجھا دو کہ ہم اس کمرے میں پڑے، کیوں سسک رہے ہیں۔ میں دو تین دن صبر کرلوں گا۔"

"تمہاری خاطر میں یہ ساری احتیاط کررہی ہوں۔" ویرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے سنجیدگی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی "ان مشرقی ملکوں کو تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ آج کل ہر طرف کڑی چھان بین ہو رہی ہوگی۔ کوتوالی میں کئی پولیس والوں نے تمہیں ڈیوڈ کے بارے میں معلومات حاصل کرتے دیکھا ہوگا۔ تمہاری ایک جھلک دیکھتے ہی ان کی یادداشت تازہ ہو سکتی ہے۔ کسی نے تم کو دیکھ لیا تو تم بے موت مارے جاؤ گے۔"

"میں مارا جاؤں گا نا؟" اس نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر غصے سے کہا "یہ میرا مسئلہ ہے۔ تم میرے راستے کی دیوار کیوں بنی ہوئی ہو؟"

"ہائے.....! تم کتنے معصوم ہو" ویرا نے استہزائیہ لہجے میں افسوس کا اظہار کیا "تم پکڑے گئے تو میں جانتی ہوں کہ پولیس کا ظالمانہ تشدد دس منٹ سے زیادہ نہ سہہ سکو گے۔ جھٹ میرا نام لے دو گے۔ بتاؤ کہ پھر یہ مسئلہ کس کا ہوگا؟ میرا، تمہارا یا ہم دونوں کا؟"

"جب میں تم طاق ہو۔ تم سے جیتنا مشکل ہے۔ رفتہ رفتہ مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم مجھے بلیک میل کرنا چاہتی ہو مگر میں بتا چکا ہوں کہ میں ایک قلاش آدمی ہوں۔ پاسپورٹ اور ٹکٹ چراتے ہوئے تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ میرے سفری تھیلے میں کوئی قیمتی چیز یا رقم نہیں ہے" رابرٹو کی آواز پھر دھیمی ہو گئی۔ ویرا نے اس کا ذہن اس حد تک ماؤف کر دیا تھا کہ وہ کوئی بھی ایک رویہ اختیار نہیں کر پا رہا تھا۔ کبھی گرمی دکھا رہا تھا اور کبھی ہتھیار ڈال دیتا تھا۔

ویرا نے مسہری پر پہلو بدل کر سگریٹ سلگائی۔ سوچنے کے انداز میں اس کے چند گہرے کش لے کر دھوئیں کے مرغولے فضا میں بکھیرتی رہی پھر چونک کر رابرٹو سے بولی "اگر تم میرا ایک کام کر سکو تو میں ہر خطرہ مول لے کر تمہیں یہاں سے نکلنے کی اجازت دے سکتی ہوں۔"

رابرٹو کی وحشت زدہ اور سرخ آنکھوں میں امید کی چمک جاگ اٹھی اور وہ اضطراری انداز میں صوفے سے اٹھ گیا "کیا کام ہے وہ؟ تم نے مجھے اس حال کو پہنچا دیا ہے کہ شاید اب میں تمہارے ایک اشارے پر جہنم میں بھی چھلانگ لگانے پر آمادہ ہو جاؤں گا۔"

"میں تم سے اتنا بڑا کام نہیں لوں گی" ویرا نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "وہ ایک معمولی سا کام ہے۔"

"میرے اعصاب پہلے ہی جواب دے چکے ہیں۔ ان پر مزید زور نہ ڈالو۔ جلدی بتاؤ کہ وہ کیا کام ہے؟"

"تمہیں میرا ایک بند لفافہ میرے ایک دوست تک پہنچانا ہے۔ اس کی طرف سے لفافہ مل جانے کی اطلاع کے بعد تم آزاد ہو جاؤ گے۔"

"مجھے منظور ہے" رابرٹو نے بے تابی سے اقرار کر ڈالا "تم جس بے رحمی سے میرے ساتھ کھیلتی رہی ہو اس کی بنا پر مجھے پورا یقین ہے کہ تمہارا بتایا ہوا کام اتنا آسان اور سادہ نہیں ہوگا۔ اس میں کوئی نہ کوئی پیچ ضرور ہوگا۔ پھر بھی میں اس کے لیے تیار ہوں۔"

"میری نیت پر شبہ مت کرو۔ میں نے تم پر رحم کھا کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ مجھے یہی انتظار تھا کہ ہر خطرہ ٹل جائے تو میں خود وہ لفافہ اپنے دوست تک پہنچا دوں۔ اس کے بعد میں فوراً بھارت سے نکل سکتی تھی۔ میں اب تک اسی کے لیے رکی ہوئی ہوں۔"

"وہ لفافہ اسی قدر اہم ہے تو تم نے ڈیوڈ سے جان لیوا مذاق کرنے سے پہلے اسے اپنے دوست تک کیوں نہیں پہنچایا؟" دباؤ کم ہوتے ہی رابرٹو ویلینی کے دماغ نے صحیح سمت میں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔

"لفافے میں صرف پیغام نہیں، کوئی اور چیز بھی ہے جو میں نے ڈیوڈ کو بے ہوش کرنے کے بعد اس کی جیب سے نکالی تھی" ویرا نے بات بنائی۔

"پھر اسے تم ہی نے کوئی سریع الاثر زہر دے کر مارا ہوگا تاکہ وہ ہوش میں آنے کے بعد اس اہم چیز کے غائب ہونے کا شور نہ مچا سکے۔"

"یہ لغو بات ہے لیکن میں تم سے بحث نہیں کروں گی۔ تم ایسا سمجھتے رہو۔ اس سے تمہاری پوزیشن صاف نہیں ہوتی۔ تم میرے شریکِ کار تھے اور کوتوالی کے متعدد سپاہی ڈیوڈ کی ذات میں تمہاری دلچسپی کی گواہی دے سکتے ہیں۔"

"میں نے کل ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ تم ڈوبیں تو مجھے ضرور اپنے ساتھ لے ڈوبو گی؟" رابرٹو نے ایک گہرا سانس لے کر بے بسی سے کہا "اب ان باتوں میں کچھ نہیں رہا۔ اس وقت میں بری طرح تمہارے شکنجے میں آیا ہوا ہوں۔ تم اب کام کے بارے میں بتاؤ۔"

"تم نے چانگیہ پوری کا علاقہ دیکھا ہوگا۔ کل تمہیں اسی علاقے میں واقع ہوٹل سمراٹ میں جانا ہوگا۔"

"وہ ہوٹل میں نے باہر سے دیکھا ہوا ہے۔ اپنی مفلسی کے باعث میں اندر جانے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔"

"یہ تمہاری بے وقوفی تھی۔ یہاں کے لوگوں کی سوچ عجیب ہے۔ یہ مفلس ترین گورے کو بھی لکھ پتی سمجھتے ہیں۔ اس کے ہر پہناوے کو فیشن سمجھ کر توقیر کی نظر سے دیکھتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔"

"فکر نہ کرو۔ میں بے دھڑک تمہارے دوست تک پہنچ جاؤں گا" رابرٹو نے یقین دلایا "اپنے دوست کا نام بتاؤ۔"

"ابھی سوا نو بجے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم اسی وقت ہوٹل سمراٹ کا ایک چکر لگا کر اس کا کمرا دیکھ لو....."

"اس کی کیا ضرورت ہے؟" رابرٹو نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "مجھے کون سا اسے مارنا یا بے ہوش کرنا ہے۔ لفافہ دینا ہے، وہ پہلے سے کمرے کا جائزہ لیے بغیر بھی پہنچایا جا سکتا ہے۔ تم اس کا نام بتا دو تو میں ابھی ہوٹل سمراٹ فون کر کے اس کے کمرے کا نمبر معلوم کیے لیتا ہوں۔"

"بھول کر بھی یہ حماقت نہ کرنا" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں "احتیاط ضروری نہ ہوتی تو مجھے اور تمہیں اب تک حالات سازگار ہونے کا انتظار نہ کرنا پڑتا۔"

"مجھے اس کا نام بتاؤ اور میرا ٹکٹ اور پاسپورٹ مجھے لوٹا دو۔" رابرٹو نے بے صبری سے مطالبہ کیا۔

"تمہاری دونوں چیزیں کام پورا ہوتے ہی تمہیں لوٹا دی جائیں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ اس کا نام میں تم کو صبح بتاؤں گی۔"

رابرٹو نے مزید کچھ کہنا چاہا لیکن فون کی گھنٹی کی چیخ نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔

○☆○

مرینا ہوٹل کی آپریٹر نے جوں ہی میری کال ویرا کو منتقل کی، میں نے سی ایس ڈی آن کر دی۔

میری آواز سن کر وہ تحیر آمیز خوشی کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکی "مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا کہ یہ تمہاری آواز ہے۔"

"یہ میری ہی آواز ہے اور میری یہ فون کال بہت اہم ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا پھر پوچھا "تمہارا اطالوی دوست کہاں ہے؟"

"یہیں صوفے پر بیٹھا ہوا ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ وہ اردو نہیں جانتا اسی لیے میں اردو بول رہی ہوں۔"

"تم کیا کر رہی ہو۔ تمہارا کیا پروگرام ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"فی الحال صرف آرام کر رہی ہوں اور سوچنے میں مصروف ہوں کہ اگلے شکار کو کیسے چارہ ڈالا جائے۔" اس نے مبہم سا جواب دیا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم اگلے شکار کو بھول جاؤ اور فوری طور پر وطن لوٹ جاؤ۔" میں نے پوری سنجیدگی سے اپنی تجویز پیش کر دی۔

"کس وطن کی بات کر رہے ہو؟ میں تو خانہ بدوش ہوں۔ امریکا سے نکلنے کے بعد اب جہاں پڑاؤ کر لیتی ہوں، وہی میرا عارضی وطن بن جاتا ہے۔"

"میں اس وطن کی بات کر رہا ہوں جس کا اندراج تمہارے پاسپورٹ پر ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیوں؟ اس وقت تمہیں میری واپسی کا خیال کیوں ستا رہا ہے؟"

"حالات الجھ گئے ہیں۔ میں کسی وجہ سے ان کی نظروں میں آ گیا ہوں۔ کل مجھے اس نے طلب کیا ہے جس کے لیے ہم یہاں آئے تھے۔" میں نے انکشاف کیا۔

"اوہ!" ریسیور پر اس کی بے ساختہ سیٹی گونجی "تمہاری بات مبہم ہے۔ فون پر زیادہ تفصیل نہیں پوچھی جا سکتی۔ کیا ہم کہیں مل سکتے ہیں؟"

"ناممکن ہے!" میں نے سختی سے کہا "اس وقت ان گنت خفیہ آنکھیں میری نگرانی کر رہی ہوں گی۔ میری اور تمہاری ملاقات ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔ میری بات

مرد حضرات ہی پڑھیں

آپ بھی بے پناہ قوت کے مالک بن سکتے ہیں

دیکھا گیا ہے کہ افریقی گوریلے میں اتنی بے پناہ قوت ہوتی ہے کہ وہ شیر کی ٹانگیں چیر کر پھینک دیتا ہے۔ جرمن سائنسدانوں نے اسکی قوت کے اس راز پر برسوں تحقیق کی اور کئی ناکارہ بوڑھوں کے جسم میں بندر کے غدودوں کی کامیاب پیوندکاری کر کے جوان مرد بنا دیا۔ انگریز سائنسدانوں نے گوریلے کی خوراک میں شامل قیمتی جڑی بوٹیوں کا سالہا سال اپنی لیبارٹریوں میں تجزیہ کر کے اسے کمزور نوجوان جو خاص کمزوری میں مبتلا تھے ایک ایک ہفتہ آزما کر یہ ثابت کر دیا کہ یہ جوہر بے پناہ قوت کا سرچشمہ ہے اب ہم اس جوہر کو نسخے کی شکل میں آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کر رہے ہیں اس جوہر کو مزید جانچ پڑتال کے بعد پاکستانی آب و ہوا کے مطابق بنا دیا گیا ہے اس نسخے کے استعمال سے آپ محسوس کریں گے کہ آپ کے رگ رگ میں بجلی کی سی لہر دوڑ گئی ہے اور رگ پٹھوں میں نئی زندگی پیدا ہو گئی ہے اور آپکو وہ تمام خوشیاں میسر ہو جائیں گی جن سے آپ ایک مدت تک محروم رہے۔

آج ہی ایک خط اپنی مکمل کیفیت لکھ کر جوابی لفافے کے ہمراہ ہمیں روانہ کریں آپکو یہ نسخہ فوراً روانہ کر دیا جائے گا۔

ایم۔ کے لیبارٹریز

پوسٹ بکس 2479 کراچی 74600 پاکستان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں اس وقت سخت الجھن اور اضطراب کے عالم میں ہوں۔"

"اچانک یہ بری خبر سنا کر تم نے میرے ہاتھ باندھ دیے ہیں ورنہ کل میں ایک اور وار آزمانے کا قصد کر چکی تھی۔ اس نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟"

"یہ اس سے ملنے کے بعد ہی معلوم ہو سکے گا۔ تم کل کس پر اور کون سا وار آزمانے والی تھیں؟"

"بہت اچھا ہوا کہ تم نے مجھے فون کر لیا۔ اب میرا کل کا پروگرام ملتوی سمجھو۔ ایک دن میں دو محاذوں کا کھلنا مناسب نہیں ہے۔ میرا داؤ چل جاتا تو کل جان کا قصہ بھی نمٹ جاتا۔"

اس کی زبان سے وہ انکشاف سن کر میں سناٹے میں آ گیا

"اتنا تیز نہ چلو۔ تیز رفتاری میں بہت بری طرح ٹھوکر لگتی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر مرتبہ قسمت تمہارا ساتھ دیتی رہے۔ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اس کی ناکامی کے نتائج پر غور ضرور کر لینا چاہیے۔"

"مجھے زیادہ مشورے نہ دو۔ آنے والی ملاقات پر دھیان دو۔ تم بھیڑیوں کے بھٹ میں جا رہے ہو۔ تم کو وہاں خالی ہاتھ جانا ہو گا۔"

"خالی ہاتھ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کم از کم دو انگوٹھیاں میری انگلیوں میں موجود ہوں گی۔"

"انگوٹھیاں.....!" ویرا کی حیرت زدہ آواز ابھری "کس قدر تعجب کی بات ہے کہ میں بھی جان کو انگوٹھی کا تحفہ بھیجنے کا فیصلہ کیے بیٹھی تھی۔ میری تدبیر کارگر ہو جاتی تو وہ اپنے ہاتھوں سے موت کو گلے لگا لیتا۔ میرے پیغام پر عمل کرتے ہی انگوٹھی کا زہر اس کے بدن میں سرایت کر جاتا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے زن سے کوئی گولی میرے کان پر سے گزری ہو۔ میں نے گوپال کے مشورے پر ویرا کو فوری واپسی پر آمادہ کرنے کے لیے وہ فون نہ کیا ہوتا تو اگلے دن ہم دونوں اپنے ہاتھوں سے خود کو تباہ و برباد کر چکے ہوتے۔

ویرا کسی مفروضہ پیغام کے ساتھ زہریلے نگینے والی انگوٹھی اس امید پر جان اسمتھ کو بھجواتی کہ وہ اس کے نگینے کو دبائے گا اور دباتے ہی موت کے گھاٹ اتر جائے گا مگر ایسا ہونا ممکن نہیں تھا۔ وہ کوئی عام آدمی نہیں، سی آئی اے کے آپریشنز کا علاقائی سربراہ تھا۔ وہ اس پھندے میں پھنسنے سے پہلے انگوٹھی کی اصلیت جان لیتا اور یوں دہلی میں سنسنی کی ایک نئی لہر دوڑ جاتی۔ میں بے خبری کے عالم میں دو بجے انل بسواس کے دروازے پر پہنچتا تو اس کے باخبر اور دوربین محافظ میرے پاس سے اسی قسم کے دو انگوٹھیاں برآمد کر لیتے۔ ان دونوں انگوٹھیوں کا راز کھلنے کے بعد کہیں کوئی گنجائش نہ رہتی۔ ویرا کے ساتھ جو ہوتا، سو ہوتا، میرے کریا کرم کا بندوبست ضرور ہو جاتا۔

"ویرا! یہ تم کہہ رہی ہو۔" حیرت اور صدمے سے چند ثانیوں تک گنگ رہنے کے بعد میں نے زبان کھولی "تمہیں معلوم ہے کہ امریکی کتنے بزدل اور ڈرپوک ہوتے ہیں۔ جان جیسا کھاگ شخص کبھی بھی اس دھوکے میں نہیں آ سکتا تھا۔ شاید پچھلی کامیابی کے خمار سے تمہارا ذہن ابھی تک ماؤف ہے۔"

"انگوٹھی کے ساتھ میں اسے مختصر تحریری پیغام بھیجتی کہ انگوٹھی کے کھلے کیپسول میں پاکستان کی ایٹمی دھماکوں کی تیاریوں کی مائیکرو فلم پوشیدہ ہے۔ وہ کیپسول کو انگلی سے دبا کر پھاڑ دے تو وہ نایاب فلم اسے مل سکتی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ پوکھران میں جاری بھارتی تیاریوں کو امریکی سرپرستی حاصل ہے لیکن بلوچستان کے پہاڑی ویرانوں کے بارے میں امریکی سیٹلائٹ بھی کچھ معلوم نہیں کر سکے۔ یہ امریکیوں کی کمزوری ہے۔ وہ بے ساختہ میرے مشورے پر عمل کر گزرتا۔"

"اس کے پیشہ ورانہ تجسس اور اضطراری ردِ عمل کو مدِ نظر رکھ کر تم نے جو فیصلہ کیا تھا وہ غلط تھا۔ تم یہ بھول گئیں کہ پہلے وہ ایک عیش کوش اور بزدل شخص ہے بعد میں سی آئی اے کا زونل چیف ہے۔ تمہارا انکشاف اس کی بزدلی کو دلیری میں نہیں بدل سکتا تھا۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"میرا ساتھی بھاگ نکلنے کے لیے بے چین ہے۔" ویرا کی آواز دھیمی اور مصلحت آمیز ہو گئی "اس سے پہلے کہ وہ رسیاں تڑوا کر بھاگ جائے، میں اس سے یہ بڑا کام لینا چاہ رہی ہوں۔ میں نے عجلت میں فیصلہ کیا تھا غصے میں واپس لے چکی ہوں۔ اب کوئی اور بات کرو۔"

"تم اس قدر بے پروا ہو مگر تمہارے عزائم کے تصور سے میرے بدن میں اب تک پھریریاں سی دوڑ رہی ہیں۔ میں کوئی اور بات کیا کروں!"

"تم نے مجھے منجدھار میں اکیلا چھوڑ دیا ہے۔ مجھے مشورے کے لیے کوئی میسر نہیں ہے۔ جسے پھانسا ہے وہ دہشت میں مبتلا ہے۔ ان حالات میں بقراط جیسے دانش مند سے بھی فیصلے کی غلطی ہو سکتی ہے۔ تمہیں یہ یقین ہونا چاہیے کہ میرا خودکشی کرنے کا ارادہ ہے نہ میں تمہارے خلاف کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کام کرنے کی نیت رکھتی ہوں۔"

"چند روز خاموش بیٹھی رہو تاکہ ہم میں سے کسی کے لیے کوئی نئی مشکل پیدا نہ ہو۔ ایک بار میں موجودہ نازک پچویشن سے نکل جاؤں تو پھر کچھ بھی کیا جاسکتا ہے۔" اس وقت تم دشمن کے خیموں کو جلا ڈالنے کے جوش میں اپنا دامن بھی آگ میں دینے جارہی تھیں۔ یہ نہ بھولو کہ اب ہم ایک دوسرے کی ضرورت بن چکے ہیں۔ ہم تمہاری زندگی کے خواہاں ہیں۔ تمہاری زندگی اتنی سستی نہیں ہے کہ اسے کسی جان' ڈک یا جینی کے لیے داؤ پر لگا دیا جائے۔"

"ذرا ایک بار پھر کہو۔" میرے کان میں اس کی مسرت آمیز سرگوشی ابھری "کیا تم واقعی میری ضرورت محسوس کرتے ہو؟"

میں نے اپنے قریب بیٹھی ہوئی غزالہ کی طرف دیکھ کر برا سا منہ بنایا پھر متاسفانہ انداز میں اپنا سر جھٹکتے ہوئے ریسیور میں کہا "میں بھی تمہاری ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ بقیہ تینوں کے بارے میں بھی میں یہ دعوا کرسکتا ہوں۔"

اس کی آواز سے خوشی کافور ہوگئی "میں بھول گئی تھی کہ تم نے سب کی بات کی ہوگی۔ الفاظ کا ہیر پھیر بعض اوقات انسان کو بہت بڑے دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ان ہی دھوکوں کی دنیا میں رہ کر اپنی زندگی گزار دیتے ہیں پھر بھی ان کے خوابوں کی تعبیر انہیں نہیں ملتی۔ خیر، اب تم اطمینان رکھو۔ میں اچھی طرح سوچے سمجھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گی۔ اپنے شکار سے مل لو تو مجھے اطلاع دینے کی زحمت ضرور کرلینا۔"

"ابھی تم کہہ رہی تھیں کہ اطالوی طوطا تمہارے قفس کی تیلیاں توڑ کر اڑ جانے کے لیے بے چین ہے۔ اسے تم کیسے روکو گی؟"

"اب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا ہے۔ میں نے زیادہ زبردستی کی تو وہ کوئی ہنگامہ کھڑا کردے گا۔ میں نے اسے اتنا زیادہ ڈرا دیا ہے کہ وہ ڈیوڈ کے بارے میں مرکر بھی اپنی زبان نہیں کھولے گا۔ وہ جانا چاہے گا تو چلا جائے گا۔ اب میں اسے نہیں روکوں گی۔"

"وہ چلا گیا تو تم نیا مشیر' مددگار اور آلہ کار کہاں سے لاؤ گی؟" میں نے پوچھا۔

وہ ہنس دی "اسے میں نے ہوٹل کے بار میں تاکا تھا۔ وہ نہ سہی اور سہی۔ اکیلی رہ گئی تو کسی اور کو پکڑ لوں گی۔ تمہیں

حسین سے حسین تر بننے کیلئے

چہرے کے فاضل بالوں کو ہمیشہ کیلئے ختم کرتی ہے

برسہا برس کے تجربے اور تحقیق کے بعد ۲۰ قیمتی جڑی بوٹیوں کے اجزاء اور عرقیات سے تیار کردہ بدنما داغ دھبوں، مہاسوں کو بھی صاف کرکے چہرے کی رنگت نکھارتی ہے۔

گلیسی پوشاکی کریم

اسٹاکسٹ:

- خواجہ اسٹور ایمپو لیس مارکیٹ صدر کراچی
- صدر میڈیکل اسٹور ایمپو لیس مارکیٹ صدر کراچی
- کلیم بنز اسٹور لیاقت مارکیٹ ملیر کراچی
- ابراہیم سن لائٹ مارکیٹ ملیر کراچی
- قمری دواخانہ ایمپو لیس مارکیٹ صدر کراچی
- قمری اسٹار جنرل اسٹور میڈیکل چوک ہاشم بازار حیدرآباد
- نیو دی دواخانہ، کلوریہ روڈ سکھر
- پیر زادہ میڈیکل اسٹور پریس روڈ سکھر
- طاہر شاپنگ سینٹر بریل بازار کاکاڑو
- سی بی میڈیکل اسٹور ایمپو ریم موہنجو دڑو
- ایس اے میڈیکل اسٹور ریلوے روڈ لاہور
- راجہ اور شمعیل بازار سیالکوٹ
- ذیشان جنرل اسٹور پھجی بازار گول چوک سرگودھا
- فاطمہ بیوٹی سینٹر مدینہ مارکیٹ ستیانہ روڈ فیصل آباد
- شاہی جنی دواخانہ چینیاں بازار فیصل آباد
- شہباز جنرل اسٹور مدینہ مارکیٹ ستیانہ روڈ فیصل آباد
- رمضان پنساری کوٹشاہ روڈ جیچہ وطنی
- علی میڈیکل اسٹور، گلگت گلگت
- نئی میڈیکل اسٹور ایمپو ریم، کوہاٹ
- لطیف بیوٹی پوائنٹ، راولپنڈی
- مشتاق دواخانہ پاک گیٹ ملتان
- میاں میڈیکل اسٹور ریلوے کالونی
- الہدیٰ جنرل اسٹور ایمپو ریم، کوٹ
- زین میڈیکل اسٹور کھنڈ کھنڈ بازار ایبٹ آباد
- نئی دواخانہ شاہی بازار بہاولپور
- محمد صالحین اینڈ سنز مزمل چوک بازار ملتان
- نئی انجم جنرل اسٹور ہیپتال روڈ پکھوال
- بادشاہ دی ہٹی دھوک کمہ راولپنڈی
- خواجہ دواخانہ ریلوے بازار ایبٹ آباد
- احسن محمود میڈیکل سٹور میاں چنوں
- مہدی دواخانہ جین بازار مظفر آباد
- پیپلز بازار اسٹور مین لائن وہاڑی
- مین بیشر اسٹور مین لائن وہاڑی
- نظام کاسمیٹک سٹور، دوام مین
- سعید کاسمیٹک اسٹور مین لائن ٹیکسلا
- دارالشفاء ہیلتھ بازار منگورہ سوات
- ست دواخانہ کھنڈ کمہ پشاور

ڈسٹری بیوٹر: ریاضی محمود ۱۹ نیو عالمگیر مارکیٹ شاہ عالم لاہور۔ فون نمبر 7686268 محمد علی دواخانہ ۱۹ ٹیرٹی شاپنگ سینٹر آبپارہ اسلام آباد فون نمبر 5502903 محمد صالحین اینڈ سنز موتی والے چوک بازار ملتان فون نمبر 542173 شاہی طبی دواخانہ بوہڑ بازار راولپنڈی فون نمبر 5505519

گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی پی پارسل منگوانے کے لئے

حکیم اینڈ سنز۔ پوسٹ بکس 2159 کراچی 74600 پاکستان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معلوم ہے کہ ایسے معاملات میں مجھے ڈان مرسیانو نے خصوصی تربیت دی تھی۔ آج تک میں نے جس مرد پر توجہ دی ہے اسے اپنے قدموں میں جھکایا ہے۔ تم واحد سنگ دل آدمی ہو جو جھکنے کے بجائے جھکانا اور رلانا جانتے ہو۔ میں نے بھی تمہیں اپنے لیے چیلنج سمجھا ہوا ہے۔ زندگی رہی تو ایک نہ ایک دن تم بھی اپنی بے رخی پر پشیمان نظر آؤ گے۔"

اس کی ذہنی رو بہکنے لگی تھی۔ غزالہ کی موجودگی میں، میں اسے اس موضوع پر کوئی مسکت جواب نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "یہ باتیں چلتی رہیں گی۔ یہ کال بہت لمبی ہوگئی ہے۔ اجازت ہو تو میں فون بند کردوں۔"

"میں تمہاری اگلی کال کا کل شام انتظار کروں گی۔" یہ کہہ کر ویرا نے خود ہی فون بند کردیا۔

"یہ آج کی اہم ترین فون کال تھی۔" ریسیور رکھ کر میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے غزالہ کو بتایا۔

"ویرا بہت خطرناک عورت ہے۔" اس کے عزائم کے بارے میں سن کر غزالہ کانپ اٹھی "اس کی مہم جویانہ فطرت کسی دن ہم سب کو لے ڈوبے گی۔ وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کر گزرنے کے خبط میں مبتلا رہتی ہے اور اسی دھن میں بعض اوقات غلط فیصلے کرجاتی ہے۔"

"خدا کا شکر ادا کرو کہ اس وقت اس نے بات کو طول دینے کی کوشش کیے بغیر اپنی غلطی مان لی۔ اب دن کا اختتام سمجھو اور انٹرکام پر روم سروس والوں کو کھانا لانے کے لیے کہہ دو۔ پیٹ بھر لینے کے بعد آدمی کو دور کی سوجھنے لگتی ہے۔ ہم بھی نیم اندھیری خواب گاہ میں بستر پر دراز ہو کر کل کے بارے میں کوئی بہتر بات سوچ سکیں گے۔"

وہ مسکراتے ہوئے فون کی طرف متوجہ ہوگئی۔ میں غسل خانے کی طرف ہولیا۔

ہماری وہ رات بستر پر بے آرامی سے کروٹیں بدلتے ہوئے گزری۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میرے دل و دماغ پر انل بسواس کا خیالی پیکر چھایا جارہا تھا۔ میں ویرا کی طرح اندھا دھند فیصلے کرنے کا عادی ہوتا تو جذبات کی رو میں بہہ کر انل بسواس کو پہلی ملاقات میں ٹھکانے لگا کر اپنی آزادی، سلامتی اور زندگی کو داؤ پر لگا دیتا۔ ایسی کوئی بھی حرکت مصلحت کے خلاف ہوتی۔ ایک پاکستانی قاتل کے طور پر میرا نام خوب اچھالا جاتا۔ بات سے بات نکلتی تو شاید یہ راز بھی کھل جاتا کہ مظہر خان، ڈینی کا دوسرا روپ تھا۔ ان واقعات کے سنگین نتائج پاکستان کے لیے بہت بھاری پڑ سکتے تھے۔

اگلی صبح میں ناکافی نیند لینے کی وجہ سے ذہنی انتشار اور بے اگندگی کا شکار تھا۔ میں نے بے دلی سے اخبارات کا سرسری جائزہ لیا اور انہیں ایک طرف ڈال دیا۔ دل میں امنگ اور ولولہ نہ ہونے کے باوجود میں نے غزالہ سے ہنسی مذاق جاری رکھنے کی کوششیں کیں تاکہ مقررہ وقت تک میرا ذہن پوری طرح فعال ہوسکے۔ وہ تیار ہوئی تو میں نے اس کے ساتھ ہوٹل کے ہال میں جاکر بھرپور ناشتا کیا۔ خالی معدے میں پسندیدہ خوراک پہنچنے کے بعد رفتہ رفتہ میری ذہنی یک سوئی بحال ہونے لگی۔

ویرا ہم سے الگ تھی مگر میرا اور غزالہ کا مستقبل ایک دوسرے سے وابستہ تھا۔ انل بسواس سے ملاقات میں اگر کوئی مخاصمانہ فضا پیدا ہوتی تو غزالہ کے لیے اس کے اثرات سے بچنا ناممکن تھا۔ یہ ایک اٹل حقیقت تھی جسے کسی بہلاوے سے نہیں ٹالا جاسکتا تھا۔

دوبارہ کمرے میں پہنچنے کے بعد میں نے اپنے اسباب کی فہرست کو ذہن میں دہرایا۔ کمرے میں چند چیزیں ایسی تھیں جن کی موجودگی بجائے خود جرم تھی۔ اس فہرست میں اول خان کے خزانے سے لیے ہوئے چند چھوٹے شعبدے، ہیم گن اور گوپال کا دیا ہوا ایرٹیس شامل تھا۔ وقت گزر رہا تھا۔ کمرے میں ان چیزوں کو کہیں بھی نہیں چھپایا جاسکتا تھا۔ ہوٹلوں کے کمرے عام طور پر ایسے بنائے جاتے ہیں کہ محض ایک نظر میں ہوٹل کی ملکیت اور مہمان کے اسباب کا تعین ہوسکے۔ باتھ روم کا فلش ٹینک کسی زمانے میں محفوظ تصور کیا جاتا تھا۔ پلاسٹک کی تھیلیوں میں محفوظ کرکے کوئی بھی کاغذ، آلہ یا آتشیں ہتھیار ان میں ڈال دیا جاتا تھا لیکن بڑھتے ہوئے استعمال کی وجہ سے پانی کی وہ مختصر سی ٹنکی اپنی افادیت کھو چکی تھی۔ ہر تفتیشی افسر اس پر ایک نظر ڈالنا اپنا بنیادی فرض سمجھنے لگا تھا۔

میں نے جی ٹو سے ایرٹیس پر رابطہ کیا۔ شاید وہ اپنی ہر مصروفیت ترک کرکے میرے کسی پیغام کا منتظر تھا۔ گوپال نے پہلی کال پر جواب دینے کے ساتھ ہی مجھے بتایا کہ را کے متعدد ہرکارے ہمارے ہوٹل کے اندر اور باہر دیکھے جارہے تھے۔ ان کی سرگرمیاں پراسرار اور محدود سی تھیں۔ کسی نے ہمارے فلور پر یا کمرے میں رسائی کی کوشش نہیں کی تھی۔

"میں ہوٹل چھوڑنے سے پہلے، عارضی طور پر کچھ چیزیں یہاں سے ہٹا دینا چاہتا ہوں۔ ان میں ایرٹیس بھی شامل ہے۔ یہ امانتیں لینے کے لیے تم کسی کو بھیج سکتے ہو؟" میں نے اس کی بات مکمل ہونے کے بعد، اختصار سے کام لیتے ہوئے اپنا مدعا بیان کیا۔

وہ فوراً بات کی تہ تک پہنچ گیا "تم بہت دور اندیش ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جی تھری تمہارے ہوٹل سے بہت قریب ہے۔ شاید وہ ہماری یہ گفتگو بھی سن رہا ہو۔ میں ابھی اسے تمہارے پاس پہنچنے کی ہدایت دیتا ہوں۔ وہ کسی کی نظروں میں آئے بغیر تمہاری چیزیں لے آئے گا۔۔۔ جی تھری! کیا تم لائن پر ہو۔ اوور!"

آخری پیغام اس نے سنیل کے لیے نشر کیا تھا۔ میں خاموش رہا۔ میرے ایریئس پر فوراً سنیل کی آواز ابھری "میں موجود ہوں اور ہدایت سن چکا ہوں۔ تم کہو تو میں چند منٹ میں جی ون کے کمرے تک پہنچ سکتا ہوں۔ اوور۔"

اس بار بھی میری خاموشی ضروری تھی۔ گوپال نے سنیل کو فوری طور پر میرے پاس پہنچنے کا حکم دے کر دوبارہ مجھ سے رجوع کیا تو میں نے اس کا شکریہ ادا کر کے الوداعی فقرے کے ساتھ ایریئس آف کر دیا۔

اس گفتگو سے پہلے میں نے غزالہ کو اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ وہ باتیں سن کر اس کا چہرہ دھواں ہو گیا اور گلابی ہونٹوں پر خوف کی ہلکی سی سفیدی جھلکنے لگی "آپ کے ان اقدامات سے مجھے خوف آ رہا ہے جیسے ہماری کشتی ڈوبنے والی ہو اور اس پر سے بوجھ ہلکا کیا جا رہا ہو!"

"یہ صرف احتیاطی اقدامات ہیں۔" میں نے اسے دلاسا دیا "وہ کسی وجہ سے مجھے وہاں روک لیں اور کسی کو تمہارے پاس بھیجیں تو انہیں یہاں کوئی مشتبہ چیز نہیں ملنی چاہیے۔ کوئی اعصاب شکستہ شخص ایسی جزئیات پر غور نہیں کرتا۔ تم کو میرے یا اپنے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"خدا اس رینا کو غارت کرے۔ یہ سارا چکر اسی کا چلایا ہوا ہے۔" غزالہ نے ثابت کر دیا کہ وہ اول اور آخر ایک عورت تھی۔

ہوٹل کے ریکارڈ پر میرے اور غزالہ کے درمیان کوئی رشتہ نہیں تھا۔ اسی ایک نکتے سے بات کا بتنگڑ بنا تھا اور رائے والے میری طرف متوجہ ہوئے تھے مگر مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی حقیقت یہ تھی کہ غزالہ میری بیوی تھی، اس کی دل جوئی کرنا میرا فرض تھا۔ میں نے اس کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے گرم جوشی سے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا اور وہ میرے شانے پر سر رکھ کر سراپا سپردگی بن گئی۔ فرط جذبات سے اس کے بدن کو ہلکے ہلکے جھٹکے لگ رہے تھے لیکن اس کے لب خاموش تھے۔

خوں خوار دشمن کی جبری دعوت پر اس کی کچھار میں جانے سے پہلے وہ میری اور غزالہ کی آخری ہم آغوشی تھی جو زیادہ طویل نہ ہو سکی۔ جی تھری اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی مستعد تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی، میں نے جھپٹ کر دروازہ کھولا تو سنیل گمبھیر چہرے کے ساتھ موجود تھا۔

اس نے مجھے اتنا وقت نہیں دیا تھا کہ میں مطلوبہ چیزیں نکال کر یکجا کر لیتا۔ میں نے اسے اندر بلا لیا اور چند منٹ میں سب چیزیں اس کے حوالے کر دیں جو بہت آسانی سے اس کی جیبوں میں سما گئیں اور وہ مزید کوئی وقت ضائع کیے بغیر کمرے سے لوٹ گیا۔

"نقارے پر چوٹ پڑ چکی ہے۔ ہمارے سارے محفوظ مواصلاتی رابطے ٹوٹ چکے ہیں اور الٹی گنتی شروع ہو گئی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے غزالہ سے کہا۔

اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی جوابی مسکراہٹ تیر گئی "اب ایک ایک لمحہ بھاری گزرے گا۔"

ہم چائے نوشی اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں وقت گزارتے رہے۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ کمرے میں بیٹھ کر رینا کی کال کا انتظار کرنے کے بجائے ایک بجے سے پہلے ہوٹل کی لابی میں پہنچ جاؤں گا۔ میرا اصل ٹکراؤ انل بسواس سے تھا مگر اس تک پہنچنے سے پہلے میں رینا کو بھی یہ جتا دینا چاہتا تھا کہ میں خوف زدہ نہیں تھا۔ اس کے پیدا کیے ہوئے چیلنج کو اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ قبول کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

ہوٹل کی لفٹ گراؤنڈ فلور پر رکی تو ایک بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ خود کار دروازہ کھلنے پر میں لفٹ سے باہر نکلا تو قریب ہی رینا ایک صوفے پر ایسی جگہ لیے بیٹھی تھی کہ ہوٹل کی اوپری منزلوں کی طرف ہونے والی آمد و رفت پر نظر رکھ سکے۔ میری اور اس کی نگاہیں چار ہوئیں اور وہ ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

"تم دس منٹ پہلے ہی نیچے آ گئے۔ آؤ اب کسی کونے میں بیٹھ کر چائے یا کافی پیتے ہیں۔"

"ہمیں ایک بجے روانہ ہونا ہے۔ چائے وغیرہ کا وقت نہیں ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"یہاں سے تیرتھ رام اسپتال تک کا فاصلہ دس پندرہ منٹ کا ہے۔ ڈیڑھ بجے بھی نکلے تو وقت سے پہلے پہنچ جائیں گے۔ ایک بجے ہمیں یکجا ہونا تھا۔ تم فکر نہ کرو۔ ہمارے پاس کافی وقت ہے اکل کو تم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

وہ اپنی جگہ پہلے ہی چھوڑ چکی تھی۔ ہم دونوں ایک دور افتادہ گوشے کی طرف ہو لیے جہاں آس پاس کوئی نہیں تھا۔ ہمارے بیٹھتے ہی ایک ویٹر ہمارے سر پر آ موجود ہوا۔ میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایما پر رینا نے اسے چائے کچھ لوازم کے ساتھ لانے کی ہدایت کی اور پھر میری طرف متوجہ ہوگئی "کل رات تم نے میری بہت بے عزتی کی۔ مجھے کمرے میں پڑا چھوڑ کر واپس لوٹ گئے۔"

"وہ تمہاری خواہش تھی۔" میں نے رکھائی سے جواب دیا "میں چاہتا تھا کہ تم میرے ساتھ اس کمرے سے چلی جاؤ مگر تمہاری ڈانس اکیڈمی میں عزت کے پیمانے ہی نرالے ہیں۔ جلد لوٹ آنے والی لڑکیوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ راتیں دوسروں کے شبستانوں میں گزارنے والیوں کو عزت دی جاتی ہے۔"

"میں نے تم سے التجا کی ہے کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کو بھول جاؤ۔" وہ عاجزانہ لہجے میں گڑگڑائی "اگر انکل کو یہ بھنک مل گئی کہ میرے ذریعے اکیڈمی کا نام تمہارے کانوں تک پہنچا ہے تو وہ مجھے سزا ضرور دے گا۔ ایسے معاملات میں وہ بہت سفاک اور اصول پرست ہے۔"

میں نے اس کا وہ کمزور پہلو اپنی گرہ میں باندھا ہوا تھا۔ اس کی منت و سماجت کا کوئی اثر لیے بغیر میں نے کہا "وہاں میرے ساتھ شریفانہ سلوک کیا گیا تو میں اپنی زبان بند رکھوں گا لیکن میری جان پر بن آئی یا کوئی خطرہ درپیش ہوا تو میں تمہیں بھی معاف نہیں کروں گا۔ اسے بتا دوں گا کہ تم نے میرے سامنے کیا کچھ اگلا ہے۔ تم اس کی وفادار ہو نہ میری۔ خطرناک لڑکی ہو اور دونوں کو ڈبل کراس کر رہی ہو۔ اب مجھے تمہاری کسی بات پر بھروسا نہیں رہا۔"

"میں غدار نہیں ہوں۔ تم یقین کرو کہ راست وفاداری میری سرشت بنتی جا رہی ہے۔ اکیڈمی کے بارے میں تمہیں کوئی فون پر بتا چکا تھا۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں نے تمہارے سوال کی تصدیق کی تھی۔ میں نے بلاوجہ تمہیں جھٹلانے کی کوشش نہیں کی۔ میں شروع سے اب تک را کے لیے کام کر رہی ہوں جس میں تمہارا مفاد بھی پوشیدہ ہے۔"

معاً مجھے یاد آیا کہ میں کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے گھناؤنے کردار کے بارے میں گوپال کو ٹپ دے چکا تھا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ چند روز میں اس نام نہاد ادارے کے خلاف بھرپور اخباری مہم چل پڑے گی جس کے نتیجے میں را والے خام افرادی قوت بلکہ نسوانی قوت کے حصول کے ایک ذریعے سے محروم ہو جائیں گے۔ میرے لیے یہ مناسب نہیں تھا کہ میں اس مہم کے آغاز سے پہلے انل بسواس کو یہ جتاتا کہ مجھے اکیڈمی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔

یہ میرے ذہنی انتشار کی علامت تھی کہ ایک طرف میں نے اکیڈمی کا حوالہ دے کر رینا اجیت رائے کو پھنسوانے کا فیصلہ کیا ہوا تھا اور دوسری طرف گوپال کو اکیڈمی کے پیچھے لگا دیا تھا۔ رینا نے اکیڈمی کو بھول جانے کی التجا کر کے یکایک میری یادداشت تازہ کر دی تھی۔ میرے پاس گوپال سے فوری طور پر رابطہ کرنے اور اکیڈمی کے معاملے کو اچھالنے سے روکنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ ملاقات کے لیے وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ یہ ضروری بلکہ ناگزیر ہو چکا تھا کہ میں انل بسواس کے سامنے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا کوئی بھی ذکر کرنے کا ارادہ فوری طور پر ترک کر دوں۔ اس ضرورت کا احساس ہوتے ہی میں نے رینا پر احسان جتانے کا فیصلہ کر لیا۔

"میرے مفاد کی بات مت کرو۔ کل میں نے تم سے صاف کہہ دیا تھا کہ مجھے انل بسواس سے ملاقات اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے مالی مفادات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے ترشی سے کہا "مجھے ڈرا دھمکا کر آج کی ملاقات پر مجبور کیا گیا ہے۔"

"تمہیں مجبور نہیں کیا گیا یہ ہماری مجبوری ہے۔" اس نے زور دے کر انکسار سے کہا "اس کی طرف سے ملاقات کا وقت طے ہو جانے کے بعد تم انتخاب کا حق کھو بیٹھے ہو۔ اب تم چھٹی ہونے تک وہاں نہیں پہنچے تو ہم سب کی شامت آجائے گی۔"

میرے کان کھڑے ہوگئے۔ میں نے خشک لہجے میں پوچھا "چھٹی ہونے کے بعد کیا مجھے ویران دفتر میں ذبح کروانے کا ارادہ ہے؟ یہ دو بجے چھٹی کا وقت کیا ہے؟"

اس نے بے بسی سے ایک گہرا سانس لیا اور میری طرف جھک کر بولی "اب تم ہر بات پر شبہ کر رہے ہو۔ را کے بیشتر دفاتر فوجی اوقات کار پر عمل کرتے ہیں۔ صبح سات بجے سے دو بجے تک کسی وقفے کے بغیر کام ہوتا ہے۔ دو بجے کے بعد صرف وہی لوگ رکتے ہیں جنہیں اہم اور فوری نوعیت کے معاملات نمٹانے ہوں۔ یہ اعزاز کی بات ہے کہ انل بسواس نے ایک دن کے التوا کے بجائے آج اپنے اوقات کار کے بعد تمہیں بلایا ہے۔"

"واقعی بہت بڑا اعزاز ہے۔ ایسی ہولناک اور جبری مہمان داری کا رواج پٹھانوں تک میں نہیں ہے۔" میں نے تلخی سے کہا۔ مجھے توقع تھی کہ اکیڈمی کے بارے میں وہ خود ہی دوبارہ بات چھیڑے گی اور ایسا ہی ہوا۔

چائے آجانے کے بعد وہ دھیمی اور خوشامدانہ آواز میں بولی "تم اکیڈمی کا نام نہیں لوگے نا؟" میں نے خشمگیں نظروں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اس کی طرف دیکھا اور وہ جلدی جلدی بولنے لگی "تم نے شکایت کی تو میرے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ایسے انجام سے راکا ہر ایجنٹ ڈرتا ہے۔ اس نے کوئی بڑی سزا نہ دی تو میں ملازمت سے ضرور برطرف کر دی جاؤں گی۔ میری بیمار ماں دواؤں کو ترستی رہے گی، گھر والے بھوکوں مرنے لگیں گے۔ میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں رہے گا کہ میں کسی بالا خانے کا کوٹھا سنبھال لوں۔ بھگوان کے لیے، مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ مجبوری تھی۔ ہم نے چند گھنٹے ایک دوسرے سے بہت قریب رہ کر گزارے...."

اس نے میرے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ میں نے اس کے ہاتھ گرا کر اس کی بات کاٹ دی "اب آگے نہ بولنا۔ دواؤں کے لیے ترستی ہوئی ماں کے نام پر میں اکیڈمی کو بھول رہا ہوں۔ تم نے کچھ اور باتوں کے بارے میں بھی کہا تھا کہ میں انل سے ان کا ذکر نہ کروں ورنہ وہ سمجھے گا کہ تم نے راکی اندر کی باتیں مجھے بتا دی ہیں۔"

"وہ اکیڈمی کی اہمیت کو دھندلانے کی کوششیں تھیں۔ تم ہر بات دہرا سکتے ہو۔ تمہیں تعاون پر آمادہ کرنے کے لیے وہ سب بتانا ضروری تھا۔" اس نے مسرت سے کہا۔ میرے وعدے پر اس کے ستے ہوئے چہرے پر رونق آ گئی تھی۔

ہم نے خاموشی سے چائے ختم کی۔ ایک بج کر بیس منٹ پر رینا اٹھ کھڑی ہوئی۔ چائے کا بل اسی نے ادا کیا تھا۔ میں نے اسے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس وقت میرے ذہن میں بس ایک بات گونج رہی تھی کہ انل بسواس سے ملاقات کے لیے ہمیں سول لائنز کے علاقے میں تیرتھ رام شاہ اسپتال کے عقب میں جانا تھا۔ وہ مقام میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ راکے اس دفتر کا سربراہ نریش شرما تھا۔ انل بسواس اس گمنام دفتر میں کبھی کبھار دیکھا جاتا تھا۔

سنیل کے ساتھ اس دفتر کا جائزہ لیتے ہوئے میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ راکا وہ ذیلی دفتر کسی پر شکوہ عمارت میں نہیں تھا۔ وہ پرانی دہلی کے قدیم سرکاری دفاتر کی طرح ایک غیر محفوظ اور سال خوردہ سی عمارت تھی جس کی ذرا سی اہمیت کا اظہار صرف اس بات سے ہوتا تھا کہ وہاں دو موٹے اور کاہل الوجود، باوردی سپاہی اپنی بندوق سمیت کرسیوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ گئے تھے۔

باہر پارکنگ لاٹ میں ایک قدرے نئی اور اچھی گاڑی موجود تھی۔ جب رینا نے چابی سے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا تو میں تبصرہ کیے بغیر نہ رہ سکا "دہلی کے عام شہری اس گاڑی کا تصور بھی نہیں کر سکتے جو میرٹھ کی ایک بے یا رومدد گار لڑکی کی ملکیت میں ہے۔"

"مجھے ڈرائیونگ سکھائی گئی ہے مگر میں بسوں میں سفر کرتی ہوں۔" اس نے آزردگی سے کہا "یہ سرکاری گاڑی آج خاص طور پر تمہاری وجہ سے دی گئی ہے۔ اگر آج تم نے سچے دل سے مجھے معاف کر دیا اور میری ملازمت جاری رہی تو اگلے ایک دو برسوں میں تمہاری کرپا سے اپنی گاڑی بھی خرید لوں گی۔"

"اس وقت تم اکیلی مجھے لینے آئی ہو؟" میں نے اس کے برابر والی نشست سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"تین گاڑیوں میں کم از کم سات مسلح اور چاق و چوبند محافظ چوری چھپے ہماری حفاظت کرتے ہوئے آئیں گے۔" اس نے نگرانی کی جگہ حفاظت کا لفظ استعمال کرتے ہوئے مجھے بتایا "یہ وہ پروٹوکول ہے جو ہمارے وزیروں کو بھی نہیں ملتا۔"

گاڑی حرکت میں آ گئی۔ میرے ذہن پر سکون اور سناٹے کی ایک عجیب سی کیفیت محیط ہونے لگی۔

"تم نے میرا مان رکھا ہے تو اب تمہیں ایک بہت ضروری بات بتا دوں۔" چند ثانیوں تک بے چین نظر آنے کے بعد رینا نے جھجکتے ہوئے سکوت توڑا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ونڈ شیلڈ سے سڑک پر نظریں جمائے رہا۔ مجھے خاموش پا کر رینا نے ٹوکا "تم نے جواب نہیں دیا۔"

"تمہاری پوری بات سن کر ہی کچھ کہہ سکوں گا۔ ابھی تمہاری بات ادھوری تھی۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"انکل سے محتاط رہ کر بات کرنا۔ ٹیڑھے کام قبول کرتے ہوئے آدمی کا ہچکچانا اور گھبرانا فطری ہوتا ہے۔ اپنے انکار کو اس حد سے آگے نہ لے جانا۔ اگر تم اس کے لیے کام نہ کرنا چاہو تو یہ بات اپنے دل میں رکھنا۔ اس پر ظاہر نہ کرنا۔ اسے یہ شبہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ تم اسے دھوکا دو گے۔" اس نے پتی اور شرمسار آواز میں کہا۔

وہ بار بار روپ بدلنے والی ایک عجیب لڑکی ثابت ہو رہی تھی۔ میں نے بہت تعجب سے اس کی طرف دیکھا لیکن وہ مجھ سے نگاہیں چار کرنے کے بجائے سڑک کی طرف متوجہ تھی جس پر ٹریفک کا دباؤ بہت زیادہ نہیں تھا۔

"پچھلی ملاقات میں تم نے اصرار کیا تھا کہ انکل افہام و تفہیم سے کام لینے والا آدمی ہے۔ مجھے اس سے بالکل کھل کر بات کرنی چاہیے۔ اب بالکل ہی مختلف مشورہ دے رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو۔" میں نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا "میری تم سے یہ تیسری ملاقات ہے۔ ہر مرتبہ تم نے ایک نئی کیفیت بدلی ہے۔ میں تمہاری کس بات پر اعتبار کروں؟ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم مجھے آخری لمحے تک تذبذب اور بے یقینی میں مبتلا رکھنا چاہتی ہو۔"

"پہلے میں تم کو بہکا رہی تھی کیونکہ میرا ٹارگٹ یہی تھا۔ مجھے تم کو بہلا پھسلا اور ورغلا کر انکل تک لے جانا تھا۔ تم اس سے ڈانس اکیڈمی کا ذکر کر کے میرے لیے خطرات پیدا کر سکتے تھے۔ میرے لیے محفوظ راستہ یہ تھا کہ میں تم کو انکل سے لڑوا دوں اور وہ مشتعل ہو کر تمہارا کام تمام کر دے۔ تم اس کی شرائط مان لیتے تو تمہیں اس کے سامنے اکیڈمی کا ذکر کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ میں بچی رہتی۔ میں نے ان مقاصد کے تحت برین واش کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔"

"پھر اب یکایک تمہارے عزائم میں تبدیلی کیوں آ گئی؟" میں نے برافروختہ ہو کر پوچھا۔

"اپنی آواز دھیمی رکھو۔ تم نے میری بیمار ماں کے نام پر اکیڈمی کو فراموش کرنے کا وعدہ کر کے میرے ضمیر کو جھنجوڑ ڈالا ہے۔ تم بہت عظیم کردار کے مالک ہو۔ تم جیسے نیک لوگوں کو گناہوں کی اس دھرتی پر زندہ رہنا چاہیے تاکہ ہم سب کی روزی روزگار کا سلسلہ چلتا رہے۔"

"میں اس سے انکار کر دیتا تو وہ مجھے مروا ڈالتا؟ اس نے اسی لیے دفتر کی چھٹی کے بعد مجھے بلایا ہے؟"

"غیر ملکیوں کے قتل سے دیس کی بدنامی ہوتی ہے۔ یہاں سڑکوں پر آئے دن جان لیوا حادثے ہوتے رہتے ہیں۔ آج تم اسے ٹکا سا جواب دے کر آتے۔ کل پرسوں تک کوئی گاڑی کسی بھی جگہ اتفاقاً تمہیں کچل دیتی۔ تمہاری عظمت دیکھ لینے کے بعد میں تمہیں ایسے دردناک انجام کی طرف نہیں دھکیل سکتی۔" آخر کار رینا نے کھل کر وہی بات کہہ دی جو شروع سے میرے دماغ میں گردش کر رہی تھی۔

"تم مجھ سے نظریں کیوں چرا رہی ہو۔ سڑک پر زیادہ گاڑیاں نہیں ہیں۔ میری طرف دیکھ کر اپنی بات دہراؤ۔"

اس نے گردن گھما کر مجروح اور نادم نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور لمحہ بھر بعد دوبارہ سڑک کی طرف متوجہ ہو گئی اور دھیرے دھیرے بولنے لگی "اب مجھے تم سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یہ خوف بھی نہیں ہے کہ تم اپنے قتل والی بات کسی کو بتا دو گے۔ تم پردیسی ہو۔ پڑوس سے آئے ہو۔ میں بدن کی بھینٹ دے کر تمہارا دل نہیں جیت سکی لیکن تم نے اپنی ایک بات سے مجھے اپنی داسی بنا لیا ہے۔ میں گاڑی نہ چلا رہی ہوتی تو اسی وقت تمہارے پیر چھو لیتی۔" اس نے اپنا بایاں ہاتھ میرے داہنے گھٹنے پر رکھ دیا۔

رینا نے تین ملاقاتوں میں تین رنگ بدلے تھے۔ اس کی اداکاری اتنی کامیاب تھی کہ اپنے تمام تر تحفظات کے باوجود میں کھل کر اس پر اپنے کسی شبے کا اظہار نہیں کر سکا تھا۔ مگر مجھے یقین تھا کہ اس وقت وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے بول رہی تھی۔ قدرت نے انسان کے دل کا خمیر کیسی عجیب شے سے اٹھایا ہے۔ آدمی سنگ دلی اور بے مہری پر مل جائے تو بڑے سے بڑے احسان کو نظرانداز کر کے اپنے محسن کو آنکھیں دکھانے لگتا ہے۔ وہ معقولیت پر مائل ہو تو کسی کی ذرا سی مہربانی اس کے دل کو کچے موم کی طرح پگھلا دیتی ہے۔ وہ سوچ سوچ کر گھنٹوں روتا ہے اور کوئی ہم نفس میسر ہو تو اپنی رقت سے اسے بھی خوب رلاتا ہے۔

رینا پر اس وقت دوسری کیفیت طاری تھی۔ میں نے اسے مزید چھیڑنے کا ارادہ دانستہ ترک کر دیا۔ راکے سات مسلح بھیڑیے ہمارا پیچھا کر رہے تھے۔ رینا جذبات کی رو میں بہہ کر ذرا بھی بکھرتی تو وہ چونک پڑتے اور کوئی نئی کہانی اٹل بسواس کے کانوں تک پہنچ جاتی۔

کناٹ پیلس سے آگے ریلوے پل عبور کر کے رینا قطب روڈ پر گاڑی دوڑا رہی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ ہماری مسافت زیادہ نہیں تھی۔ خاموشی سے کار ڈرائیو کرتے ہوئے، رینا سول لائنز کے جنوبی علاقے میں داخل ہوئی جہاں داہنی طرف کملا نہرو پارک میں غدر کی یادگار سر اٹھائے کھڑی تھی اور ہماری منزل بائیں ہاتھ پر تھی۔ رینا نے گاڑی اس طرف موڑی تو میں نے دیکھا کہ ہمارے پیچھے آنے والی ٹریفک کی بھیڑ بہت کم رہ گئی تھی۔ ان میں کم از کم دو گاڑیاں ایسی تھیں، جنہیں میں نے رینا کے پیچھے پیچھے ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل کے پارکنگ لاٹ سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔

آخر رینا نے اپنی گاڑی راکے اس دفتر کے قریب روک دی جس پر کوئی بورڈ یا تحریر نہیں تھی۔ پہرے پر مامور دونوں باوردی سپاہیوں نے بیزاری سے رکنے والی گاڑی کی طرف دیکھا لیکن اپنی کرسیوں سے ہلنے کی زحمت نہیں کی۔ رینا نے اپنا دروازہ لاک کیا اور مجھے ساتھ لے کر تیزی سے عمارت کے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔ ہمارا پیچھا کرنے والی تینوں گاڑیوں کا اس وقت تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

اس وقت پونے دو بجے تھے۔ راکا وہ دفتر پوری طرح آباد تھا۔ باہر سے وہ عمارت قدیم نظر آتی تھی لیکن اندر کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سماں بہت بدلا ہوا تھا۔ میں نے راہ داری طے کرتے ہوئے شیشے کی کئی دیواروں کے پیچھے کمپیوٹر اور ان سے منسلک مشینوں پر متعدد مردوں اور عورتوں کو کام کرتے ہوئے دیکھا تو احساس ہوا کہ میں واقعی بھارت کے کسی اہم اور حساس ادارے کی حدود میں پہنچ چکا تھا۔

اس طویل راہ داری کے بند اختتام پر داہنی طرف والے کمرے کے دروازے پر انگریزی اور ہندی میں لکھی ہوئی انل بسواس کے نام کی تختی نظر آرہی تھی۔ اس کے سامنے بائیں سمت والے کمرے پر نریش شرما کے نام کی تختی آویزاں تھی۔ رینا مجھ سے آگے آگے چل رہی تھی۔ وہ سیدھی انل بسواس والے کمرے میں جا گھسی۔ مجھے حیرت ہوئی وہ مقررہ وقت سے تقریباً پندرہ منٹ پہلے براہِ راست انل بسواس کے کمرے میں داخل ہوگئی تھی۔ اس خیال نے لمحاتی طور پر میرے ذہن میں وسوسہ پیدا کردیا کہ رینا' انل بسواس سے اتنا قریب اور بے تکلف تھی تو وہ میری خیر خواہ کیسے ہوسکتی تھی۔

جب میں اس کی تقلید میں اس دروازے میں جھجکتے ہوئے داخل ہوا تو میرا وسوسہ خود بہ خود ختم ہوگیا۔ اس کمرے میں پڑی ہوئی اکلوتی میز کے پیچھے منحوس چہرے والا' تندخو ناگر براجمان تھا۔ رینا اس کے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔

میں نے اس کمرے میں قدم رکھتے ہی دیکھ لیا تھا کہ میز کافی بڑی ہونے کے باوجود اس کے سامنے ملاقاتیوں کے لیے صرف ایک کرسی رکھی گئی تھی۔ اگر رینا بیٹھی رہتی تو مجھے مجبوراً کھڑے ہوکر وقت پورا ہونے کا انتظار کرنا پڑتا۔ ناگر کے دفتر میں دو اندرونی دروازے تھے۔ ایک کھلا ہوا اور دوسرا بند تھا۔ بادی النظر میں وہ دونوں بھی کمرے ہی تھے۔ میں ناگر کی میز کے قریب پہنچا تو ناگر نے بیٹھے بیٹھے سرد مہری سے مجھ سے ہاتھ ملایا اور کہا "اچھا ہوا کہ تم وقت سے ذرا پہلے آگئے۔ صاحب پہنچنے ہی والے ہیں۔ تم کو تھوڑی دیر کے لیے انتظار گاہ میں بیٹھنا ہوگا۔ میں تمہارے لیے چائے منگواتا ہوں۔"

میرے پہنچتے ہی رینا کرسی سے اٹھ گئی تھی لیکن اس نے میرے بیٹھنے کے لیے جگہ خالی نہیں کی تھی۔ میں نے ناگر کے اشارے پر کھلے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا تو فرشی قالین سے آراستہ کشادہ اور آرام دہ کمرا نظر آیا جہاں میں مجھے انل بسواس سے ملاقات کا انتظار کرنا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ناگر کے دفتر کا بند اندرونی دروازہ انل بسواس کے کمرے میں کھلتا تھا۔ ناگر کی مرضی کے بغیر کوئی انل بسواس تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

"مجھے چائے کی حاجت نہیں ہے۔ میں سگریٹ نوشی میں اپنا وقت گزار لوں گا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں جارہی ہوں۔" رینا نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا "تمہیں یہاں پہنچانے کے بعد میرا کام ختم ہوگیا۔ ملاقات کے بعد ناگر تمہاری واپسی کا بندوبست کردیں گے۔"

میرا خیال تھا کہ رینا آخر تک میرے ساتھ نہ سہی تو آس پاس ضرور موجود رہے گی۔ اس کی فوری واپسی کی اطلاع سے مجھے ہلکی سی مایوسی ہوئی۔ میں نے ناگر کے کریہہ وجود اور درشت چہرے پر دوسری نگاہ ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ رینا سے ہاتھ ملا کر انتظار گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ وہ وسیع ہال خالی تھا۔ وہاں ایک وقت میں دس سے زائد افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ شاید انل بسواس نے اسی وجہ سے اپنے پی اے کی میز کے مقابل صرف ایک کرسی رکھوائی تھی۔

را بھارت کی ایک خفیہ ایجنسی تھی۔ اس کے لیے ہزاروں افراد کام کرتے تھے اور ہر فرد کے فرائض میں انفرادی راز داری ضروری تھی۔ ناگر کے پاس ایک وقت

ہیپاٹائٹس سی اور بی

ہماری تیار کردہ دیسی ادویات

ANTI HEPATITIS VIRUS

اور

SAFETY HEPATITIS VIRUS

نہ صرف ہیپاٹائٹس سی اور بی کے وائرس کو مکمل طور پر خارج کرتی ہے بلکہ قوت مدافعت کو بھی اتنا زیادہ طاقتور کردیتی ہے کہ مرض ہیپاٹائٹس دوبارہ کبھی نہیں ہوتا۔ ہر ماہ دوا استعمال کرنے کے بعد اپنی پسند کی لیبارٹری سے ٹیسٹ رپورٹ کرائیں۔ دوا بذریعہ ڈاک بھی منگوائی جاسکتی ہے۔

BBB یونانی طلیب بشیر بھٹی بھیروی

یونان کلینک کوہاٹی بازار راولپنڈی فون 5532085

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ایک شخص کی نشست کے بندوبست کی وجہ سے اس راز داری کے پامال ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔

پچھلی رات میں نے نہایت اضطراب کے عالم میں گزاری تھی۔ صبح میرا ذہن الجھا ہوا تھا مگر انل بسواس سے ملاقات کا وقت قریب آنے کے ساتھ میرا اعصابی دباؤ خود بہ خود ختم ہوتا چلا گیا تھا۔ راکے دفتر میں پہنچنے کے بعد میں خود کو بہت زیادہ پرسکون محسوس کر رہا تھا۔

میں دانستہ ایسی جگہ بیٹھا جہاں سے ناگر مجھے نظر نہ آسکے۔ میں نے رینا اجیت رائے سے مصالحت کرلی تھی، انل بسواس سے ملاقات کے لیے ذہنی طور پر پوری طرح تیار تھا مگر ناگر کی ناپسندیدہ شخصیت کے ساتھ کوئی مفاہمت پیدا کرنے کے لیے میرے دل میں گنجائش نہیں تھی۔

چند منٹ بعد ناگر کے کمرے میں ہلچل سی محسوس ہوئی۔ ناگر اپنی میز کے عقب سے نمودار ہو کر ایک طرف لپکا۔ اس کے کمرے میں ایک گونجیلی اور رعب دار آواز سنائی دی "میں فائلیں دیکھ لوں، مقررہ وقت پر اسے اندر بھیج دو۔" شاید آنے والے کو راستے میں ہی میرے پہنچنے کی اطلاع مل چکی تھی۔

انل بسواس کا سالا مکالمہ تھا جو میرے کانوں سے ٹکرایا۔ اس پر شکوہ آواز کی بنیاد پر میرے ذہن میں خود بہ خود انل بسواس کا ایک خاکہ ترتیب پانے لگا۔

دو بجنے میں پانچ منٹ پر ناگر مجھے متکبرانہ انداز میں پکارنے کے بجائے اٹھ کر انتظار گاہ کے دروازے پر آیا اور سرد آواز میں بولا "آؤ!"

میرے پہنچنے تک وہ دوبارہ اپنی گھومنے والی کرسی پر براجمان ہو چکا تھا۔ میں اس کی میز کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو!" اس نے اکلوتی کرسی کی طرف اشارہ کیا "تمہارا پاسپورٹ کہاں ہے؟"

"ہوٹل میں ہے۔" میں نے بے پروائی سے مختصر سا جواب دیا۔ اس سے بات کرتے ہوئے بھی مجھے کوفت ہو رہی تھی۔

"تمہیں وہ ساتھ لانا چاہیے تھا۔" اس نے قدرے سختی سے کہا "یہاں اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

"وہ اتنا ضروری تھا تو تم فکر پرتمس کے ساتھ ہی لے آتے۔" میں نے اس سے ذرا بھی مرعوب ہوئے بغیر، بے اعتنائی سے جواب دیا "مجھے کسی نے نہیں بتایا کہ اس ملاقات کے لیے پاسپورٹ ساتھ لانا ضروری تھا۔"

وہ مجھے گھور کر رہ گیا۔ اس کے چہرے کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ وہ مہربان نظر آنے کی کوشش میں بھی نامہربان نظر آتا۔ میرے دونوں جوابات نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔ اپنی خفت مٹانے کے لیے وہ میز پر رکھی ہوئی فائلوں کو الٹنے پلٹنے میں مصروف ہو گیا۔

ہم دونوں کے درمیان خاموش اور سرد جنگ جاری تھی۔ وہ مجھے کوئی اہمیت دینے سے گریز کر رہا تھا۔ میں اسے نظر انداز کرنے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے اپنی جیب سے قلم نکالا اور اس کی نب کو ناخن پر ٹکا کر اس کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا جیسے میرے سوا وہاں کسی اور کا وجود نہ ہو۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ کہیں بھی میری جامہ تلاشی کی نوبت نہیں آئی تھی۔

ٹھیک دو بجے ناگر کے کمرے میں کسی گھنٹی کا ہلکا سا بزر بولا۔ وہ اضطراری انداز میں کرسی سے اٹھ گیا اور بند دروازے کی طرف اشارہ کر کے نیچی آواز میں غرایا۔ "قلم جیب میں رکھو اور اندر جاؤ۔ صاحب بلا رہے ہیں۔"

میرے لیے وہ بہت نازک اور کڑا وقت تھا لیکن ناگر کے خلاف میرے ذہن میں جو شورش چل رہی تھی۔ وہ اپنا رنگ لے آئی۔ قلم جیب میں لگا کر میں نے غیر ارادی طور پر اسے سنکھ ماری اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، میں دروازہ کھول کر ملحق کمرے میں داخل ہو گیا۔

وہ کمرا زیادہ وسیع نہیں تھا۔ کھڑکیوں پر دبیز پردے کھنچے ہوئے تھے اور سیاہ رنگ کی بڑی میز پر صرف ایک دھیری ٹیوب لائٹ جل رہی تھی۔ بند کمرے کی فضا میں ائرکنڈیشنر کی ہلکی سی گھوں گھوں کے ساتھ خوش گوار ٹھنڈک رچی ہوئی تھی۔ میز کے پیچھے سرمئی رنگ کے سوٹ میں ملبوس ایک صحت مند، دراز قامت اور پختہ عمر کا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی کنپٹیوں کے بال برف کی طرح سفید تھے۔ شفاف عدسوں کے پیچھے بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں عجیب سی حیوانی چمک تھی جو نگاہیں چار ہونے پر مجھے اپنے وجود میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ بڑھتی ہوئی عمر کی وجہ سے اس کی پیشانی کشادہ ہو گئی تھی اور چندیا پر چند بال رہ گئے تھے۔

مجموعی طور پر وہ بردبار اور باوقار شخصیت کا مالک نظر آرہا تھا۔ میرے اندر پہنچتے ہی اس نے میری طرف دیکھا اور اپنی گونجیلی آواز میں بولا "بیٹھ جاؤ!"

میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس نے اپنے سامنے رکھے ہوئے چند کاغذوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا "تمہارا نام مظاہر خان ہے۔"

"مظہر خان!" میں نے رسانیت سے اس کی تصحیح کی "آپ کے پی اے نے مجھ سے شاید اسی لیے پاسپورٹ طلب کیا تھا۔ مجھے بتایا نہیں گیا تھا۔ میں پاسپورٹ اور ٹکٹ ہوٹل ہی میں چھوڑ آیا ہوں۔" موقع پاتے ہی میں نے ناگر کے غیر ضروری مطالبے کی غیر محسوس انداز میں شکایت کر ڈالی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میری پوری بات سنی ہی نہ ہو۔ ایک ریسیور اٹھا کر کان سے لگالیا۔ اس نے چند ثانیوں تک انتظار کیا پھر دھیمی مگر بارعب آواز میں بولا "ناگر! کیا ہمیں مظہر خان کے پاسپورٹ کی بھی ضرورت ہے؟"

مجھے خوشی ہوئی کہ میری حرکت بار آور ثابت ہوئی تھی۔ ناگر کی گوشمالی ضروری تھی۔ اس نے دوسری طرف کا جواب سنا اور مزید کچھ کہے بغیر ریسیور واپس رکھ دیا۔ اس بار وہ میری طرف متوجہ ہوگیا "میرا نام انل ہے۔ اب تک تمہیں بتادیا گیا ہوگا کہ ہمارا نیٹ ورک را کے نام سے کام کرتا ہے۔"

"جی....!" میں نے مرعوب ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "میں پریشان ہوں کہ را کو میری ذات میں کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔"

"ضروری نہیں کہ ہر شخص کو ہر بات معلوم ہو۔ تم کراچی میں رہتے ہو؟" اس کے لب و لہجے میں شائستگی بہت غالب تھی۔

میرا جواب اثبات میں پاکر اس نے دوسرا سوال کیا "پرانی گاڑیوں کا لین دین کرتے ہو؟"

"جی ہاں!" اس بار بھی میرا جواب تائیدی تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کسی ملازمت کے لیے انٹرویو دے رہا ہوں۔ انل بسواس نے ایک بال پن سنبھال لیا تھا اور اپنے کاغذوں پر کچھ نوٹ کرتا جارہا تھا۔

"پڑوسیوں کے تعلقات کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" اس نے کاغذوں سے نظریں اٹھا کر پوچھا۔

"اچھے ہونے چاہئیں ...." میں نے جھجکتے ہوئے کہا "اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کاروباری آدمی ہوں، سیاست سے دور رہتا ہوں۔"

"تمہاری تعلیم کتنی ہے؟" وہ ایک مرتبہ پھر ذاتی نوعیت کا سوال کر بیٹھا۔

"گریجویٹ ہوں۔" میں نے اس بار سچ بتادینے میں تامل نہیں کیا۔

"تم ایک اجنبی لڑکی کو گھمانے پھرانے کے لیے اپنے ساتھ لائے ہو۔ عورتوں کے رسیا معلوم ہوتے ہو؟"

"جی ہاں ...." اقرار کرتے ہی میں نے بوکھلا کر تصحیح کی "جی نہیں!"

اس کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی پھر اس نے کہا "من پسند خوراک کھانا، نفیس ترین لباس پہننا اور خوب صورت لڑکیوں سے دوستی کرنا ہر جوان اور زندہ دل آدمی کی فطری آرزوئیں اور امنگیں ہوتی ہیں۔ لوگ ان فطری خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے کیوں جھجکتے ہیں؟ زندگی بار بار نہیں صرف ایک بار ملتی ہے۔ اسے بھرپور انداز میں نہ گزارنا اپنے پیدا کرنے والے بھگوان، خدا، اللہ یا گاڈ کی ناشکری ہے۔"

وہ اس کا تائید طلب بیان تھا۔ میں اس کے خاموش ہونے پر بس سر ہلا کر رہ گیا۔

"ان خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے دولت کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر ایک کے حصے میں نہیں آتی" اس نے قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی "بھوکے اور بے مایہ لوگ ان چیزوں کو خرافات قرار دے کر ربانیت سے ملتا جلتا کوئی لبادہ اوڑھ لیتے ہیں اور اپنی بے مائیگی کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ کچھ متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جیسے تم ہو۔ ان کا ہاتھ پڑ جائے تو اپنے جوہر خوب دکھاتے ہیں ورنہ حسرتوں کی چنگاریوں میں دبے سلگتے رہتے ہیں۔ ان کا آئیڈیل وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں سب کچھ میسر ہے اور وہ اپنی زندگی کے ہر لمحے سے من پسند خوشیاں نچوڑتے رہتے ہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہاری آمدنی کیا ہے؟"

اپنی تقریر کے آخر میں اس نے پھر ایک ذاتی سوال کر ڈالا تھا۔ وہ میری ذات کو ہدف بنا کر اپنے مذاکرات کی داغ بیل ڈال رہا تھا۔ میں نے سر جھکا کر کہا۔ "یہ کوئی لگا بندھا

بذریعہ ڈاک
خواتین و حضرات گھر بیٹھے داخلہ لیں

انگلش لینگویج کورس	ایئر ہوسٹس	ہوم اکنامکس	ہیوٹی پارلر کورس
ریفریجریشن ایئر کنڈیشننگ	ایئر میکنگ	بوتیک فیشن	آٹو سروسنگ
ریڈیو ٹی وی وی سی آر مکینیکس	الیکٹریشن	ڈرافٹس مین	ڈریسنگ ڈیکنگ
اسکول ٹیچنگ میتھڈ	صحافت	فوٹو گرافی	انٹیریئر ڈیکوریشن
ایسوسیٹ ایکاؤنٹ	شمسی توانائی	مہر سازی	سلنگ بیوٹی
موٹر سائیکل مرمت	لائبریرین	کمپیوٹر	کوکنگ ہیکنگ
ایگریکلچر پیسٹیسائیڈز (جدید زراعت)	میڈیکل ایڈ	آئل پینٹنگ	ڈینٹل ٹیکنیشن
پولٹری ڈیری فارمنگ	نیوز رپورٹر	فلاور میکنگ	پبلک ریلیشن آفیسر

یہ تمام کورسز اردو میں بینکٹوں تصاویر اور ڈیاگرام کیساتھ پرمشتمل کتب کی صورت میں بذریعہ ڈاک لڑکے لڑکیوں کو گھر پر کراتے ہیں۔ کورس کے دوران اور سند لینے کے بعد بھی مکمل راہنمائی ایک رقم میں ایک کورس میں داخلہ دیا جاتا ہے۔ جوابی لفافے کے ساتھ خط لکھیں۔

اسلام آباد اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر 1237
جی پی او، اسلام آباد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاروبار نہیں ہے لیکن سال میں آٹھ دس ہزار کا اوسط آجاتا ہے۔"

"ہر شخص کی کچھ نہ کچھ گھریلو اور خاندانی ذمے داریاں ہوتی ہیں۔ ان کو پورا کرنے کے لیے یہ رقم کچھ بھی نہیں ہوتی۔ اونٹ کے منہ میں زیرہ ڈال دیا جائے تو اس کے پیٹ کی آگ نہیں بجھائی جاسکتی۔ تم پاکستان سے کتنی بار سیاحت کے لیے نکلے ہو؟"

"میں پہلی بار بھارت آیا ہوں" میں نے اس کے سوال کا گول مول جواب دیا۔ جس میں سچ بھی تھا اور جھوٹ بھی۔ سچ یہ تھا کہ میں واقعی پہلی بار بھارت کیا تھا۔ جھوٹ یہ تھا کہ میں نے اپنے دوسرے سفروں کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

"تم عالم شباب میں ہو۔ دنیا دیکھنے اور زندگی کی لذتیں سمیٹنے کی یہی عمر ہوتی ہے۔ ایک بار زندگی کے سائے ڈھلنے لگیں تو اس زوال کو کوئی نہیں روک سکتا۔ کیا تم اپنی عمر کے اس سنہرے دور کو زیادہ بار آور بنانے کے خواہش مند نہیں ہو؟" اس کی چمکیلی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"یہ خواہش ہر دل میں ہوتی ہے مگر منزل ہر ایک کو نہیں ملتی" میں نے اسے راہ دی۔

"میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری منزل تمہاری منتظر ہے۔ تم چاہو تو کوئی غیر معمولی محنت کیے بغیر پچیس ہزار روپے کی خطیر ماہانہ رقم کما سکتے ہو۔ یہ اضافی آمدنی تمہاری زندگی کا رخ بدل کر رکھ دے گی۔"

"میں را کے دفتر میں بیٹھا ہوا ہوں" میں نے الجھے الجھے، خائفانہ انداز میں جواب دیا "میں را کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ جو کچھ سنا اور پڑھا ہے وہ ڈراؤنا ہے۔ پاکستان میں را کے لیے کام کرنے والے ہر شخص کو غدار قرار دیا جاتا ہے۔"

"بہت اچھا ہوا کہ تم نے اپنے دل کی بات بہت آسانی سے اگل دی۔ اب مجھے تم کو سمجھانے میں آسانی رہے گی۔ تم را کے لیے نہیں، ایک عظیم انسانی مشن کے لیے کام کرو گے۔ ناراض قوموں کو ایک دوسرے سے قریب لانا بہت بڑی خدمت ہے۔ اس سمت میں تمہارا کیا ہوا چھوٹا سا کام بھی ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ تمہارے کئی سمجھ دار ہم وطن یہ خدمت کر رہے ہیں اور اس سے خود بھی فیض حاصل کر رہے ہیں۔"

"میں اس وقت کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں" میں نے جھجکتے ہوئے کہا "لوگ کام اور نیت کو نہیں دیکھتے۔ صاف بات یہ ہے کہ پاکستان میں را کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ میں جو کچھ کروں گا، را کے لیے کروں گا۔ کسی کو یہ سن گن مل گئی تو میری بقیہ زندگی برباد ہو جائے گی۔"

"تم را کی بات کرتے ہو!" اس کی آواز میں ہلکی سی تیزی آگئی "یہاں پاکستان کی سات خفیہ ایجنسیاں کام کرتی ہیں۔ کشمیر سے مدراس تک ان کا جال پھیلا ہوا ہے۔ یہاں ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے مگر پھر بھی ان کے آدمی بھیس بدل کر اور ہر خطرہ مول لے کر یہاں آتے ہیں اور خاموشی سے اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔ جو اپنی کسی حماقت کی وجہ سے بے نقاب ہو جاتا ہے۔ اس کا انجام عبرت ناک ہوتا ہے پھر بھی کوئی عبرت نہیں پکڑتا۔ اس کی جگہ کوئی نیا اور زیادہ پرجوش پاکستانی یہاں آجاتا ہے۔ وہ اپنے گھر بار اور بیوی بچوں سے دور رہ کر اتنا نہیں کماتے جتنا تم اپنے گھر اور شہر میں بیٹھے بیٹھے کما لو گے۔"

"وہ عزت کے کام ہیں یا سمجھے جاتے ہیں۔ پاکستان میں رہ کر را کے لیے کام کرنا غداری ہوگا۔ میں شاید یہ بوجھ نہ اٹھا سکوں۔ مجھے اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے مگر اس کے لیے آپ کی لگائی ہوئی قیمت بہت زیادہ ہے۔ یہ میں ادا نہیں کر سکوں گا۔"

میں اسے یہ تاثر دے رہا تھا کہ میں اس کی شخصیت سے مرعوب اور مسحور ہو چکا تھا اس لیے میں نے براہِ راست اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا لیکن کن انکھیوں سے یہ جائزہ ضرور لے لیا کہ میرے دوٹوک جواب پر اس کے چہرے پر غصے کی ایک ہلکی سی سرخی پھیل گئی تھی۔

"میں تمہیں پھر سمجھا رہا ہوں کہ تمہاری سوچ غلط ہے" اس نے اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے، تحمل سے اپنی بات جاری رکھی "ہماری دنیا تیزی سے سمٹ رہی ہے۔ فاصلے گھٹ چکے ہیں۔ وقت کا پیمانہ بدل گیا ہے۔ پوری دنیا ایک عالمی گاؤں ہے جس میں سب ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ ان سب کو عزت اور رواداری کے ساتھ رہنا چاہیے، میں تم سے اسی مشن کے لیے کام لینا چاہتا ہوں۔ تم نفرت کے سوداگروں کے خلاف محبت کے پیغام بر بن کر کام کرو گے۔ اس میں کوئی ذلت نہیں ہے۔ تمہاری کھال پر را کا ٹھپا لگایا جائے گا، نہ تمہیں را سے کوئی رابطہ رکھنا ہوگا۔ خاموشی سے اپنا کام کرتے رہو گے اور اپنی رپورٹیں کراچی کے ایک نمبر پر فیکس کرتے رہو گے۔ کسی کو پتہ لگنا ہوگا تو وہ خود تم سے رابطہ کرے گا۔ اس میں تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔"

اس کی گفتگو کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میری اصلیت کی ہوا بھی نہیں لگ سکی تھی۔ وہ کراچی سے میرے کوائف کی تصدیق کرانے کے بعد مطمئن ہو چکا تھا کہ میں ایک عام پاکستانی تھا اور وہ اسی بنیاد پر مجھے شیشے میں اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے بھی اس کے سامنے چالاکی دکھانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ سنبھل سنبھل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنہایت منطقی انداز میں اس سے اتفاق یا اختلاف کررہا تھا۔

میں چند ثانیوں تک سرجھکائے خاموش بیٹھا رہا جیسے اندر ہی اندر کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کررہا ہوں۔ وہ صبر کے ساتھ میرے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔ آخر میں نے بھرائی ہوئی، معذرت خواہانہ آواز میں کہا "میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مجھے سوچنے کے لیے وقت درکار ہے۔"

"مگر میں وقت نہیں دے سکتا۔ تمہاری بریفنگ کا مقصد یہی تھا کہ تم اچھی طرح سوچ لو۔ میں بہت مصروف آدمی ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے، رینا نے مجھے بتایا تھا کہ آپ بہت بڑے اور کھلے دل کے افسر ہیں۔ اسی لیے میں کھل کر آپ سے بات کررہا ہوں۔ میں سوچ کر آیا تھا کہ آپ پیروں میں رہتے ہوں گے۔ جگہ جگہ میری تلاشی ہوگی تب کہیں آپ سے ملنے کی نوبت آئے گی مگر یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ کی سادگی نے مجھے متاثر کیا ہے۔"

"رینا بہت خوبصورت اور محنتی لڑکی ہے۔ وہ جس کار میں تمہیں لائی تھی، اس میں آلہ لگا ہوا تھا۔ تمہارے پاس بارود کا پٹاخہ بھی ہوتا تو الارم بج جاتا۔ اس بھول میں نہ رہنا کہ تمہارے فگر پرنٹس لینے کے بعد میرے آدمی غافل ہوگئے ہیں۔ مجھے تمہارا آخری جواب چاہیے تاکہ میں ان کو بھی دوسرے کاموں سے لگا سکوں۔"

میں پرسکون تھا۔ اس کا سکون دھیرے دھیرے رخصت ہو رہا تھا۔ میں نے لجلجائی ہوئی آواز میں کہا "مجھے تھوڑی سی مہلت دے دیں..."

"نہیں!" اس نے سختی سے میری بات کاٹ دی "کان کھول کر سن لو کہ میں یہاں آنے والے ہر پاکستانی پر اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کرتا۔ ہزاروں میں ایک آدھ ہی کام کا آدمی ہوتا ہے جسے احتیاط سے منتخب کرکے میرے کسی دفتر تک لایا جاتا ہے۔ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ میرے آدمیوں سے انتخاب میں غلطی ہوئی ہو۔ یہ میرے نہیں، تمہارے مستقبل کا معاملہ ہے۔ اسے تباہ کرلو یا بنالو۔ فیصلے کا اختیار تم کو ہے۔ تم کو فخر ہونا چاہیے کہ میں نے بھارت میں آئے ہوئے ہزاروں پاکستانیوں میں صرف تمہیں ملاقات کی عزت دی ہے۔ لوگ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں اور تم تذبذب میں مبتلا ہو..."

"جو سات پاکستانی ایجنسیاں یہاں کام کررہی ہیں، وہ ہندوستان میں بھی کام کرتی ہوں گی۔ میرے لیے یہ تصور ہی مزا دینے والا ہے کہ وہ میرے پیچھے لگ جائیں۔ مجھے راکا ایجنٹ قرار دے کر آہنی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیں..."

"تم اتنے بے وقوف نہیں ہو۔ رازداری کے کام رازداری سے کرسکتے ہو اور خود کو ہمیشہ بچائے رکھ سکتے ہو۔"

"اٹل صاحب! میں شرمندہ ہوں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ خوش قسمتی کی دیوی نے خود میرے دروازے پر دستک دی ہے۔ میں اس کی تلاش میں نکلا ہوتا تو شاید یہ موقع ضائع نہ کرتا۔ میں اب بھی گومگو کے عالم میں ہوں۔ اگر آپ مجھے وقت دے سکتے ہیں تو شاید میں کوئی بہتر فیصلہ کرسکوں ورنہ..."

"مظہر خان! میرا نام اٹل بہواس ہے۔ میں کچی گولیاں نہیں کھیلتا" اس کی آواز سخت اور تادیبی ہوگئی "تم اس بھاری پتھر کو چوم کر نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ بوجھ تم کو اٹھانا ہوگا۔ اپنی اور رینا کی پہلی ملاقات کو یاد کرو۔ اس کے موتی جیسے بدن کو چھوتے ہوئے تم نے انجام کے بارے میں نہیں سوچا تھا تو اب کیوں وقت کے طلب گار بنے ہوئے ہو؟ اپنے اندر سوئے ہوئے اس حیوان کو جگاؤ جو زن اور زر کا حریص ہے۔ عورتوں کے رسیا پیسے پر بھی لپکتے ہیں۔ یہ میرا تجربہ ہے۔ تم کیوں میرا وقت برباد کررہے ہو۔"

میں اندازہ لگائے بیٹھا تھا کہ وہ مجھے آمادہ کرنے کے لیے آخری حربے کے طور پر میری اور رینا کی ویڈیو فلم کا ذکر کرے گا لیکن اس نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ اس کے لب و لہجے

زندگی بدلنے والی

خواتین اور مردوں کو ہمیشہ فٹ اور اسمارٹ رکھنے والی، گھریلو ورزش کی مشینیں، موٹاپا ختم کرنے والی جاگنگ سائیکل، جمنازیم مشینیں، بنچ، بار بیل، ویٹ بار، ڈمبل سیٹس، منی اسکوٹر، مساج چیئرز، الیکٹرک مساجرز، پاور رائیڈرز، نیز ٹی وی پر دکھائے جانے والے تمام فٹنس آئٹمز، مفت ٹریننگ ویڈیو اور بعد از فروخت گارنٹی کے ساتھ

بلال برادرس

119-A سندھی مسلم سوسائٹی نزد طارق روڈ۔ کراچی

فون: 62 - 4531961

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے والا تھا۔ مجھے معلوم تھا اور آخری لمحات پر رینا نے میرے اس اندیشے کی تصدیق کی تھی کہ میرے لیے اعل بسواس کے چنگل سے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں تھی۔ میں اسے برہم کر کے نکلتا تو اگلے چند گھنٹوں یا چند دنوں میں دہلی کی کسی بھی سڑک پر میری زندگی کا آخری باب لہو رنگ تحریر میں لکھا جا سکتا تھا۔ اپنے سارے پس و پیش کے باوجود میں نے آخر میں ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔

بہت سی باتیں صاف ہو گئی تھیں مگر میں اس کی زبان سے ویڈیو فلم کے بارے میں کچھ نہیں اگلوا سکا تھا۔ پتا نہیں اعل بسواس نے ترپ کے اس پتے کو کس وقت کے لیے بچا رکھا تھا۔ میں اس بارے میں زیادہ بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس سے کچھ طے ہو جانے کے بعد آگے بڑھنے کے روشن امکانات نظر آ رہے تھے۔ اس وقت تک مجھے یہ بھی پتا نہیں چل سکا تھا کہ اعل بسواس مجھ سے راکے لیے کیا کام لینا چاہتا تھا۔

میرے ذہن میں وہ باتیں گھوم رہی تھیں لیکن میں نے اپنا چہرہ یوں لٹکایا ہوا تھا۔ جیسے میرے ذہن پر مایوسی اور ناامیدی نے حملہ کیا ہوا ہو۔

"بولو۔ تم خاموش کیوں ہو؟" اعل بسواس نے کاٹ دار آواز میں مجھے ٹوکا۔

میں نے چونک کر سر اوپر اٹھایا۔ مغموم انداز میں اس کی طرف دیکھا اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں کہا "کھلی چراگاہوں کی طرف ہر چوپایہ لپکتا ہے۔ رینا بھٹکتی ہوئی مجھ سے ٹکرائی تو وہ ایک بالدار گھرانے کی رنگین مزاج لڑکی کا روپ دھارے ہوئے تھی۔ اس چراگاہ کے گرد مجھے راکی غیر محسوس باڑھ کا سایہ بھی نظر آ جاتا تو میں ادھر کا رخ نہ کرتا۔ وہ واقعی حسین اور توبہ شکن لڑکی ہے۔ اس نے مجھے گھیر لیا۔ کل دوسری ملاقات میں اس نے بتایا کہ وہ اور ناگر راکے لیے کام کرتے ہیں اور آپ کے ماتحت ہیں۔"

"یہ سب فضولیات نہ دہراؤ۔ مجھے ان لمحوں کا سارا احوال معلوم ہے" اس نے مجھے بولنے سے روک دیا "رینا حسین ہی نہیں، بہت ذہین لڑکی ہے۔ وہ اپنے کسی شکار پر مہربان ہو کر کھلتی ہے تو اس کے ہوش و حواس پر چھا جاتی ہے۔ اپنے ناز و انداز اور اداؤں کی مار سے اسے نڈھال کر دیتی ہے۔ شکار کو ہوش آتا ہے تو وقت اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے اور وہ خود کو بے بس پاتا ہے۔ تم کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس وقت تم بھی اسی پوزیشن میں ہو۔"

"پھر آپ کی پوچھ گچھ بے سود ہے۔ مجھے ہر حال میں راکے لیے کام کرنا ہے تو مجبوری ہے۔"

"میں جبر نہیں کرتا۔ نیم دلی سے کام کرنے والوں کو میں راکے لیے گالی سمجھتا ہوں۔ مجھے اپنے لیے پر جوش اور دلیر افراد کی ضرورت ہے۔ اگر تمہارا دل میرے کام پر مائل نہیں ہے تو ابھی چلے جاؤ۔ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ ہاں یا ناں میں تم کو ابھی فیصلہ کرنا ہو گا۔ میں تمہیں وقت نہیں دے سکتا۔"

"میں دل لگا کر کام کروں گا۔ میں وقت کی مجبوری کی بات کر رہا تھا" میں نے جلدی سے کہا۔

"دل تم نے رینا سے لگایا ہے، کام میرے لیے کرو گے۔ کام میں دل لگی میں برداشت نہیں کرتا" اس نے گہری سنجیدگی سے تادیب کی۔

"مجھے کیا کام کرنا ہو گا؟" میں نے نیچی آواز میں سوال کیا۔

اس نے ایک بار پھر انٹرکام کا ریسیور اٹھایا اور ایک بٹن دبا کر بولا "شرما جی! ذرا اندر آ جاؤ۔ نیا پنچھی اپنے ڈھب پر آ گیا ہے۔"

ریسیور رکھ کر وہ دوبارہ میری طرف متوجہ ہو گیا "تم دو اور دو چار کے چکر میں رہنے والے خاصے بے خبر پاکستانی معلوم ہوتے ہو مگر اخبار ضرور پڑھتے ہو گے۔"

میں نے سر کو اثبات میں جنبش دی "سرسری نظروں سے دیکھتا ہوں، تفصیل میں نہیں جاتا۔"

"اخبار پڑھنے کی عادت ڈالو۔ لوگوں سے ملتے جلتے رہو۔ سرکاری اور فوجی افسروں سے دوستیاں کرو" اعل بسواس نے پہلی بار اپنی بڑی سی کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر جھولتے ہوئے کہا۔ "ان سے جو کچھ سنتے اور سمجھتے ہو، اس کے نوٹس تیار کرو اور فیکس کر دو۔"

مجھے اعل بسواس کی زبان سے وہ تفصیل سن کر مایوسی ہوئی۔ وہ بہت معمولی نوعیت کا عام سا کام تھا جس میں خیال آرائی اور گمراہ کرنے کی کافی گنجائش موجود تھی۔ شاید وہ کوئی خاص ہدف دینے سے قبل میری صلاحیتوں کا اندازہ لگانا چاہتا تھا۔

اسی وقت ناگر کے کمرے کی طرف کھلنے والے بند دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور ایک پستہ قامت مگر چاق و چوبند شخص قلم اور پیڈ لیے اندر آ گیا۔

"بیٹھو شرما جی!" اعل بسواس نے کہا "یہ مظہر خان ہے پاکستانی ہے۔ رینا کا عاشق ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس وقت میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ میں تصور نہیں کر سکتا تھا کہ بھارت کے شہر دہلی میں مجھے را کے دفتر میں اپنے دو بدترین دشمنوں کے ساتھ یوں روبہ رو بیٹھنے کا موقع مل سکے گا۔ ان میں سے ایک را کے پاکستانی ونگ کا سربراہ تھا' دوسرا اس کا دستِ راست تھا جو دہشت گردی کے امور میں خاص مہارت رکھتا تھا۔

نریش شرما نے ناقدانہ نظروں سے میرا جائزہ لیا اور سرد انداز میں مجھ سے ہاتھ ملا کر میرے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اب یہ ہمارا آدمی ہے" انل بسواس کی بات جاری تھی "یہ ہمارے لیے پچیس ہزار روپے ماہانہ پر کام کرے گا۔ ادائیگی اور کام کا طریقہ تم طے کرلو۔ ان باتوں کو دھیان میں رکھنا جو میں پہلے بتا چکا ہوں۔ یہ بڑے ناگ کے سلسلے میں بھی کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔"

میرا دل اچانک اچھل کر حلق میں آگیا۔ گوپال نے کسی کرن کوبرا نامی فائل کا ذکر کیا تھا۔ انل بسواس بڑے ناگ کی بات کر رہا تھا۔ شاید ان دونوں میں کوئی گہرا اور قریبی رابطہ تھا کیونکہ نسلی طور پر انگریزی اور اردو الفاظ کا تعلق سانپوں سے ہی تھا۔

"یس سر!" نریش شرما نے سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "پاکستان میں ایک پاکستانی ہی زیادہ آزادی سے کام کر سکتا ہے۔ وہاں مذہبی اور قومی رواداری کا جو حال ہے' وہ ہمارے سامنے ہے۔ تعصب کی وجہ سے ہمارے آدمی بہت جلد مار کھا جاتے ہیں۔"

"یہ باتیں تمہارے سمجھنے کی ہیں" انل بسواس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "دوسری قوموں کی بات چھوڑو' پاکستان کی چھوٹی قومیتیں ہر وقت پنجابی اکثریت سے نالاں نظر آتی ہیں۔ مسلمان ہندو کو بعد میں برداشت کرے گا' وہ دوسرے عقیدے والے مسلمان کو نہیں بخشتا۔ بھارت میں فرقہ وارانہ فساد میں اتنے مسلمان نہیں مرتے جتنے پاکستان میں ہر سال مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میری یہ باتیں تم کو ناگوار گزریں مگر حقیقت یہی ہے۔"

"ان حالات پر ہر دردمند پاکستانی خون کے آنسو روتا ہے" میرے پاس اس سے اتفاق رائے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

"یہ مگرمچھ کے آنسو ہوتے ہیں۔ تمہیں یہ ملک تمہارے خدا نے دیا ہے اور وہی اسے چلا بھی رہا ہے ورنہ ہر پاکستانی اسے لوٹنے کھسوٹنے میں مصروف ہے۔ پتا نہیں تم میری پیشکش قبول کرتے ہوئے کیوں جھجک رہے تھے۔ تم اپنے ملک کو نہیں لوٹو گے۔ اس کے نام پر ہم سے پچیس ہزار روپے مہینہ وصول کرو گے۔"

"بار بار اس کا ذکر نہ کریں' میں ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مجھے کس بات کے لیے اتنی بڑی تنخواہ دی جائے گی۔ سنی سنائی باتیں تو اخباروں اور ان میں چھپنے والے

بین السطور

پارٹی میں ایک خاتون دوسری خاتون کو بتا رہی تھیں "میرے باس نے مجھے ہیرے کی انگوٹھی تحفے میں دی۔ بغیر کسی غرض اور لالچ کے..."

"بہت خوب" دوسری خاتون نے کہا۔

"میرے باس نے مجھے ڈیفنس میں بنگلا بھی لے کر دیا ہے۔ اور وہ بھی بغیر کسی غرض اور لالچ کے..." پہلی خاتون نے مزید بتایا۔

"بہت خوب... بہت خوب!" دوسری خاتون نے کہا۔

"انہوں نے مجھے ایک ہنڈا اکارڈ اور ڈرائیور بھی دیا ہے.... اور وہ بھی بغیر کسی غرض اور لالچ کے..." پہلی خاتون بولیں۔

"بہت خوب.... بہت خوب!" دوسری خاتون نے سر ہلایا۔

تب پہلی خاتون نے پوچھا "اور تم سناؤ.... آج کل کیا کر رہی ہو؟"

"میں آج کل تمیز اور شائستگی سکھانے والی کلاس اٹینڈ کر رہی ہوں۔ وہاں سب سے پہلے یہ سکھایا جاتا ہے کہ جب آپ کہنا چاہیں "کیوں بے پر کی چھوڑ رہی ہو؟" تو اس کی جگہ "بہت خوب... بہت خوب" کہنا چاہیے۔" دوسری خاتون نے بتایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مضامین اور کالموں کے ذریعے ہر ایک کے علم میں آجاتی ہیں۔ آپ کے سفارت کار ان کے تراشے دبئی بھیج سکتے ہیں۔"

"بہت سی باتیں ہمیشہ سینہ بہ سینہ چلتی ہیں۔ کاغذ پر کبھی نہیں آتیں" نریش شرما نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "ہمارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے۔ تم اپنا کام کرتے رہو۔ ہم تمہیں رقم دیتے رہیں گے۔ کوئی خاص ٹارگٹ سامنے آیا تو تمہیں اس کے بارے میں بتادیا جائے گا۔"

"ابھی انل صاحب نے کسی بڑے ناگ کا ذکر کیا تھا۔ کیا میں اس بارے میں کچھ کر سکتا ہوں؟" میں نے اپنے تجسس کے تحت سوال کیا۔

"تم نے میرا دل خوش کردیا" انل بسواس نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "مجھے ایسے کارکن پسند ہیں جو بڑھ کر ذمے داریاں سنبھالیں، اپنی باری آنے کا انتظار نہ کریں۔ بڑے ناگ کے بارے میں اگر تم کوئی مدد کر سکے تو تمہیں تنخواہ کے علاوہ ایک بڑا انعام بھی مل سکتا ہے۔"

"مجھے کچھ بتادیا جائے تو میں اس بارے میں سرتوڑ کوشش کروں گا۔" میں نے منافقانہ خلوص سے کہا۔

"وہ بہت زہریلا ناگ ہے۔ اچانک نمودار ہو کر ڈستا ہے اور غائب ہو جاتا ہے" نریش شرما اپنے افسر کا اشارہ پا کر مجھے بتانے لگا "ہم اپنے ذرائع سے اس تک پہنچنے کی ہر کوشش میں ناکام ہو چکے ہیں۔ وہ زیادہ تر کراچی میں روپوش رہتا ہے۔"

"اس کا کوئی نام ضرور ہوگا؟" میں نے اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"ڈینی! وہ بدنام عالمی دہشت گرد ہے۔ بہت سرد مہری اور سفاکی سے بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارتا ہے۔ اس سے ہم ہی نہیں، امریکی بھی نالاں ہیں۔"

"ڈینی...!" میں نے سوچتے ہوئے دہرایا "یہ نام کبھی میری نظروں سے نہیں گزرا۔"

"شاید تم اشتہارات نہیں دیکھتے" نریش شرما نے کہا "خبروں میں اس کا نام نہیں نہیں آتا۔ ہمیں سب سے زیادہ یقین ہے کہ اسے بعض پاکستانی ایجنسیوں کی بھرپور حمایت اور پشت پناہی حاصل ہے۔ وہ جرائم کرتا ہے اور محفوظ رہتا ہے۔ کبھی اپنے قانون کی گرفت میں نہیں آتا۔"

"تم اشتہارات کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے؟" اس کے خاموش ہونے پر میں نے یاد دلایا۔

"ہاں!" اسے اپنی ادھوری بات فوراً یاد آگئی "خبروں میں اس کے نام کا مکمل بلیک آؤٹ کیا جاتا ہے مگر امریکیوں نے اسے اشتہاری مجرم قرار دیا ہوا ہے۔ اس نے امریکا کے سفارت کاروں کے خلاف سنگین اور قابلِ نفرت جرائم کیے ہیں جن میں کئی خوں ریزیاں بھی شامل ہیں۔ پاکستان میں امریکی سفارت خانے نے اس کی گرفتاری میں مدد حاصل کرنے کے لیے کئی بار اخباروں میں انعامی اشتہار چھپوائے ہیں مگر ان کے جواب میں کسی نے ان سے تعاون نہیں کیا۔"

میں نے سوچنے اور اپنے ذہن پر زور دینے کی اداکاری کی جیسے کسی بھولی بسری کہانی کو یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ نریش پر امید نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر میں چونکا جیسے وہ بات یاد آگئی ہو "کچھ کچھ یاد آرہا ہے۔ اس کے ساتھ کسی امریکی عورت کا نام بھی تھا۔ ان دونوں پر کئی ملین ڈالر کا انعام تھا۔"

"بالکل وہی اشتہار تھے۔ ان میں کیے ہوئے امریکی اعلان آج بھی برقرار ہیں۔ ہماری پیشکش اس کے علاوہ ہے۔"

"وہ تمہارے ہاتھ لگ گیا تو پھر امریکی کیوں انعامی رقم دیں گے؟" میں نے نریش سے پوچھا۔

"وہ ہمارے ہاتھ لگے یا امریکیوں کے۔ بات ایک ہی ہے" انل بسواس نے اپنی بھاری آواز میں وضاحت کی "ہم سب اس خبیث کے ہاتھوں عاجز آئے ہوئے ہیں۔ ہمارا مشترکہ مقصد صرف ایک ہے کہ وہ کسی کی بھی گرفت میں آجائے یا مارا جائے تاکہ اس کی بے مہار دہشت گردی کا خاتمہ ہو۔ اس کی وجہ سے ہمارے سفارت کار اپنے فرائض کی انجام دہی میں زیادہ فعال ہوتے ہوئے ڈرنے لگے ہیں۔"

"پھر یہ بات یقینی ہے کہ کوئی نہ کوئی مضبوط ایجنسی اسے پال رہی ہے" ان کے دلوں میں اترنے کے لیے میں نے ان کی پسندیدہ بات کہہ ڈالی۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ اس قدر طاقت ور اور دراز دست ہوتے ہوئے، ایک فرد سے اس قدر خوف زدہ تھے۔

"تم بالکل صحیح نتیجے پر پہنچے ہو۔ امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اس بات کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ ماضی قریب میں ڈینی کی طرف سے ہونے والی دہشت گردی کے خوف سے تین امریکی سفارت کار پاکستان میں اپنی تعیناتی قبول کرنے سے انکار کر چکے ہیں" نریش شرما نے کہا۔

وہ اس کی غلط فہمی تھی۔ شاید امریکیوں نے دوسروں سے یہ بات چھپائی ہو مگر مجھے معلوم تھا کہ انہوں نے پاکستان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے دفتر خارجہ سے باضابطہ طور پر یہ شکایت کی تھی کہ ان کے سفارت کار پاکستان کا رخ کرتے ہوئے گھبرانے لگے تھے اور اگر وہ صورت حال قابو میں نہ کی گئی تو پاکستان میں امریکی سفارتی عملے کی تعداد میں کمی کرنا پڑے گی۔ یہ خدشہ بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ ایسے حالات سے سفارتی مراسم کو سخت نقصان پہنچنے کا خدشہ تھا۔

مجھے ان پر اپنی معلومات کے اظہار کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں نریش شرما کی مبالغہ آرائی پر خاموش رہا۔

"تم بھارت میں کب تک رکے رہو گے؟" انل بسواس نے مجھ سے پوچھا۔

"کم از کم دو ہفتے کا پروگرام ہے۔ ابھی آگرہ، ممبئی اور کلکتہ بھی جانا ہے۔" میں نے کہا۔

"میرا مشورہ ہے کہ اپنا تفریحی پروگرام مختصر کردو۔" اس نے گمبھیر سنجیدگی سے اپنی رائے دی "تم کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تمہیں جلد از جلد پاکستان لوٹ کر اپنا کام شروع کردینا چاہیے۔ تم ایک لڑکی کے ساتھ آئے تھے۔ یہاں مفت میں تمہیں رینا جیسی لڑکی انعام میں ملی ہے۔ کچھ کارگزاری دکھانے کے بعد تم جب چاہو گے۔ تم کو ویزا مل جائے گا۔ اگلی بار تنہا یہاں آنا ہر شہر میں رینا جیسی حسین اور جوان لڑکیاں فخر کے ساتھ تمہاری میزبانی کریں گی۔"

انل بسواس ادھیڑ عمر، سنجیدہ اور تعلیم یافتہ شخص تھا۔ وہ ایسے اہم عہدے پر مامور تھا کہ بھارتی صدر اور وزیراعظم بھی اس کا احترام کرتے تھے۔ اس کے باوجود وہ جس ڈھٹائی اور بے حیائی سے اپنی قوم کی لڑکیوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کی پیشکش کررہا تھا، اس سے مجھے صدمہ ہوا۔ اس کی سفید کنپٹیوں کے نیچے مجھے اس کا باوقار چہرہ یکایک کالا اور مکروہ نظر آنے لگا۔

مگر وہ انل بسواس نہیں بول رہا تھا۔ را کا شہرہ یہی تھا کہ وہ روایتی طریقوں سے ہٹ کر جاسوسی اور تخریب کاری کے غیر روایتی طریقے استعمال کررہے تھے۔ وہ ہر شعبے میں خوب رو لڑکیوں کی حوصلہ افزائی کررہے تھے۔ میں ان کی بے شرمی کے اس تجربے سے ذاتی طور پر گزر چکا تھا۔

"اگلی بار میں یقیناً اکیلا آؤں گا۔ میری کوشش ہوگی کہ میں اپنی ساتھی کو تاج محل دکھا کر واپس لے جانے پر آمادہ کرسکوں۔"

"ممبئی اور کولی کٹا کو بھول جاؤ۔ آگرہ گھوم کر لوٹ جاؤ۔" انل بسواس نے تاکید کی "ہمیں وہاں تم جیسے کسی آدمی کی سخت ضرورت ہے۔ چند روز پہلے ڈینی نے ہمارے جوگیندر پال نامی ایک سفارت کار کو اس کے گھر میں ریموٹ کنٹرولڈ بم کے ذریعے دھماکے میں اڑا دیا۔ میجر بخشی نامی دوسرے اہم سفارتی افسر پر ایسا سفاکانہ تشدد کیا گیا کہ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ ہمارے بہترین ڈاکٹر اسے صحت یاب کرنے میں ناکام ہوچکے ہیں۔ پاکستان میں متعین ہمارا سفارتی عملہ سخت خوف و ہراس میں مبتلا ہے۔"

"میں واپس جاکر غزالہ سے بات کروں گا۔" میں نے اس کی تشویش پر دل ہی دل میں محظوظ ہوتے ہوئے، پرخلوص انداز میں یقین دلایا۔

"آگرہ یہاں سے صرف دو سو کلومیٹر دور ہے۔" نریش شرما نے میری رہنمائی کی "تم صبح جاکر شام کو واپس آسکتے ہو۔ آگرے میں تاج محل کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔"

"سنا ہے کہ پورے چاند کی رات میں تاج محل کا حسن قابل دید ہوتا ہے۔ ہم شام کو جاکر سویرے وہاں سے لوٹ آئیں گے۔ میں کوشش کروں گا کہ غزالہ چاند کی چودھویں رات تک انتظار کرنے کی ضد نہ کرے۔" میں نے چودھویں رات کا ذکر وقت لینے کے لیے چھیڑا تھا تاکہ وہ مجھے فوری واپسی پر مجبور نہ کرسکیں۔

"شرما جی! تم مظہر کو اپنے کمرے میں لے جاؤ۔" انل بسواس نے گویا ملاقات کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے کہا "اپنے ریکارڈ سے اسے امریکی اشتہار دکھا دو۔ دوسرے اخباری تراشے بھی اس کی یادداشت تازہ کرسکتے ہیں۔ یہ کام کرنے پر آمادہ ہوچکا ہے تو ہمیں اس کی صلاحیتوں کو پوری طرح پرکھ لینا چاہیے۔"

نریش شرما کے ساتھ میں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ انل بسواس نے بیٹھے بیٹھے میری طرف داہنا ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے اس کا کشادہ اور بھرا بھرا ہاتھ بہت تپاک سے اپنی گرفت میں لیا۔ اس کے بدن کا وہ پہلا لمس میرے لیے سنسنی خیز تھا۔ میرے بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں زہریلی انگوٹھیاں موجود تھیں۔ ذرا سے اشارے پر میں کسی انگوٹھی کا زہر اس کے بدن میں اتار سکتا تھا۔ وہی زہر نریش شرما کا کام تمام کرنے کے لیے کافی ہوتا مگر پھر میں بند گلی میں گھر جاتا۔ میرے نکاس کی کوئی راہ نہ رہتی۔ باہر بیٹھا ہوا ناگر اتنا احمق نہیں تھا کہ اپنے دو بڑوں کی اچانک موت کے بعد مجھے را کے اس دفتر سے نکل جانے دیتا۔

وہ سرور اور خواب و خیال کی ایک وجدانی لہر تھی جو چند لمحوں کے لیے میرے ذہن پر طاری ہوئی پھر میں حقیقت کی دنیا میں لوٹ آیا۔ انل بسواس نے مجھے عزت ضرور دی تھی مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے میرے تپاک کے جواب میں کسی گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

انل بسواس سے ہاتھ ملانے کے بعد میں نریش شرما کی تقلید میں اس نیم روشن دفتر سے نکل آیا۔

نریش نے ناگر کے پاس رکنے کی زحمت نہیں کی۔ سیدھا راہ داری میں کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ لمحہ بھر کے لیے میری اور ناگر کی نظریں چار ہوئیں۔ مجھے اس کی آنکھوں میں غصہ بلکہ اشتعال جھلکتا ہوا نظر آیا۔ اس بار میں نے مزید طیش دلانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ میری وجہ سے اسے اپنے باس سے ڈانٹ سننا پڑی تھی۔ مجھے امید تھی کہ وہ مجھ سے الجھنے کی کوئی نئی کوشش نہیں کرے گا۔

میری اور انل بسواس کی وہ ملاقات کافی دیر جاری رہی۔ اس وقت ڈھائی بج رہے تھے اور عمارت میں سکوت و سناٹے کا راج محسوس ہو رہا تھا۔ انسانوں کی موجودگی کی بے آواز رونق اس وقت مفقود تھی۔

رینا کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق دو بجے اس دفتر میں چھٹی ہو چکی تھی۔ را کے عملے کے بیشتر افراد اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ شاید گنے چنے لوگ اس عمارت میں باقی رہ گئے تھے جن میں میرے دونوں بڑے شکار بھی شامل تھے۔ وہ میری دسترس میں تھے مگر میں ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

نریش شرما کے کمرے کا راستہ بھی اس کے پی اے کے کمرے سے گزرتا تھا۔ اس کا پی اے ایک ادھیڑ عمر اور منشی نما شخص تھا جو اسے دیکھتے ہی اپنی کرسی سے اٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ نریش کے ملاقاتیوں کے لیے کوئی علیحدہ انتظار گاہ نہیں تھی۔ اس کے پی اے کے کمرے میں ہی قرینے سے چھ آرام دہ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

اپنے منصب اور میری معلومات کے مطابق انل بسواس را کے اس دفتر کا سربراہ تھا۔ ناگر اس کا ذاتی نائب تھا مگر انتظامی طور پر دوسری حیثیت نریش شرما کو حاصل تھی۔ میں نے خاص طور پر یہ بات نوٹ کی کہ اس دفتر میں افسران کی خدمت کے لیے اردلیوں اور چپراسیوں کی ریل پیل نہیں تھی۔ اسٹاف کی تعداد کو شاید اہلکاروں کی استعداد بڑھا کر محدود رکھا گیا تھا۔ ہر افسر کو اپنا کام خود کرنا ہوتا تھا۔ کم تنخواہوں والے مجبور اور بے کس ملازمین کی کمی را کے رازوں کی حفاظت کی ایک کلید بھی سمجھی جا سکتی تھی۔

"رام بابو! تم چاہو تو گھر جا سکتے ہو" نریش نے اپنے پی اے کے قریب رک کر کہا "میں ذرا دیر تک بیٹھوں گا۔"

"پھر سرکار، میں بھی بیٹھا ہوا ہوں۔ پتا نہیں آپ کو کب میری ضرورت پڑ جائے" رام بابو نے فرماں بردار ماتحت کی طرح جواب دیا۔

"تمہاری ضرورت نہیں پڑے گی۔ سارے ضروری کاغذات اندر میرے پاس موجود ہیں" نریش نے رام بابو کی حوصلہ افزائی کی۔

"بہت اچھا سرکار۔ میں اپنی میز سمیٹے لیتا ہوں" رام بابو کا جواب سن کر نریش اپنے کمرے میں گھس گیا۔

میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس کا دفتر بھی سادہ تھا۔ میز، کرسیوں اور صوفہ سیٹ کے علاوہ جس چیز نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی، وہ ایک آہنی تجوری تھی جو کمرے کے ایک گوشے میں دو آہنی الماریوں کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ شاید وہی تجوری گرین کو برا فائل کا مدفن اور مخزن تھی کیونکہ انل بسواس کے دفتر کی سپاٹ دیواروں کے ساتھ مجھے ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آئی تھی جہاں اہم کاغذات اور فائلیں وغیرہ رکھی جا سکیں۔

"تم کیا پیتے ہو؟" میز کے پیچھے، اپنی گھومنے والی کرسی پر بیٹھ کر نریش شرما نے دوستانہ لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"میں چائے اور ٹھنڈے پانی کے سوا کچھ نہیں پیتا" میں نے مسکرا کر جواب دیا "اس وقت اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

اس نے اپنی ایک مقفل دراز کھول کر شراب کا ایک شفاف پائنٹ نکالا۔ سفید بوتل میں سفید شراب تھی جو جن ہو سکتی تھی یا پھر واڈکا۔ "شراب کے بغیر شباب سے لطف اندوز ہونا ایسا ہی ہے جیسے چمچے سے قورمہ کھایا جائے" وہ اپنا گلاس بناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بڑی نادر مثال دی ہے تم نے" میں خواہ مخواہ ہنس دیا۔

انل بسواس کی بارعب شخصیت کے ساتھ میں نے آپ جناب کا تکلف برقرار رکھا تھا جو اس کے رتبے کے پیش نظر ضروری تھا۔ مگر نریش شرما سے میں نے ابتدا سے ہی قدرے بے تکلفی رکھی تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر میں خود کو زیادہ پرسکون محسوس کر رہا تھا۔

"قورمے کا اپنا ایک ذائقہ ہوتا ہے جو ہر حال میں برقرار رہتا ہے مگر اس کو خمیری روٹی یا شیرمال کے ساتھ کھایا جائے تو بات کچھ اور ہو جاتی ہے" اس نے جن میں لائم واٹر ملاتے ہوئے کہا "یہی حال شباب کا بھی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ابھی تم رینا کو پوری طرح دریافت نہیں کر سکے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انل اور نریش جس روانی سے رینا کے تذکرے کر رہے تھے' اس سے پتا چل رہا تھا کہ اس جیسی لڑکیوں کو را نے صرف "سرکاری کاموں" کے لیے ملازم نہیں رکھا ہوا تھا۔ ایسی لڑکیاں فاضل اوقات میں را کے افسروں کی شامیں رنگین بنانے اور ان کی خلوتوں کو آباد کرنے کے کام بھی آتی تھیں۔ ملک و قوم کی خدمت کے وہ دعوے دار دل کھول کر اپنی قوم کی آبرو سے کھیل رہے تھے اور ان پر کوئی قدغن نہیں تھی۔

نریش شرما کی میز کی درازیں اور میز کے ساتھ لگے ہوئے بڑے سے سائڈ ریک کے خانے اس کی ضرورت کی ہر چیز سے لیس تھے۔ اس نے اپنی کرسی سے ہلے بغیر گلاس تیار کر کے جن کا ایک گھونٹ اپنے معدے میں اتار لیا تھا۔ یہ اچھی بات تھی کہ وہ عادی شرابی تھا۔ میں کچھ دیر تک اس کے ساتھ بیٹھا رہتا تو وہ اتنے خمار میں آسکتا تھا کہ میرے ساتھ روانی سے باتیں کرتا رہے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ اپنے سرکاری دفتر میں بیٹھا پی رہا تھا۔

"رینا تمہارے دفاتر میں بہت زیادہ مقبول معلوم ہوتی ہے" میں نے ایک لمحے کے لیے سوچنے کے بعد کہہ ڈالا۔

"پتا نہیں یہاں کتنی رینائیں آتی جاتی رہتی ہیں۔ تم سے اس کی بات اس لیے ہو رہی ہے کہ تم صرف اسی کو جانتے ہو" اس نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا "اگلی بار یہاں آؤ گے تو تم کو دوسری لڑکیوں سے بھی ملوا دیا جائے گا۔ تم بیٹھو' میں ذرا کام کی فائلیں لاتا ہوں۔"

اس نے اپنا گلاس وہیں چھوڑا اور پتلون کی داہنی جیب کو ٹٹولتا ہوا آہنی تجوری کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

تجوری ایسے رخ پر رکھی ہوئی تھی کہ میں اس کے دروازے تیم وا ہونے کے باوجود اندر کا جائزہ نہ لے سکا۔ نریش تجوری کے سامنے جھکا ہوا اپنے مطلوبہ کاغذات تلاش کر رہا تھا۔

کئی منٹ گزر گئے لیکن نریش وہیں مصروف رہا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے اپنی ضرورت کے کاغذات نہ مل رہے ہوں۔ اس دوران میں اس نے کئی فائلیں وغیرہ نکال کر قالین پر ڈال دی تھیں۔ میں خاموش بیٹھا وہ تماشا دیکھتا رہا۔ اس وقت صبر ہی میرا سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ غیر ضروری طور پر بولنے سے گریز کر کے میں نریش شرما سے بہت کچھ جان سکتا تھا۔ مجھے یقین ہونے لگا تھا کہ گرین کو برا فائل اسی کی تحویل سے مل سکتی تھی۔

آخر نریش نے تجوری بند کر کے مقفل کر دی۔ اس نے فائلوں کا ایک بندھا ہوا بنڈل نکال کر ہر کاغذ تجوری میں واپس محفوظ کر دیا تھا۔ بنڈل لے کر وہ اپنی میز پر لوٹ آیا اور خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے بولا "ذہنی کے تراشوں کی فائل میں نے امریکی ریکارڈ کے ساتھ رکھی تھی۔ پتا نہیں وہ کہاں ہے۔ شاید ان پاکستانی فائلوں میں مل گئی ہو" اس نے بنڈل کا بند کھول کر اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور فائلیں دیکھنے لگا۔

وہ پاکستان سے متعلق را کی فائلیں لیے بیٹھا تھا۔ میرے ذہن میں بے اختیار بچپن میں سنی ہوئی وہ پہیلی گونج اٹھی جو ماں اکثر مجھ سے پوچھا کرتی تھی۔ چار گھڑے' رس کے بھرے۔ چوبر تنکے' لے نہ سکے۔ اس پہیلی کا جواب گائے بھینس کے تھن ہوتا تھا جو میں ہمیشہ بھول جاتا تھا اور ماں میرا مذاق اڑایا کرتی تھی' خوش ہوتی تھی کیونکہ اس بہانے میں اس کی باتوں میں بہلا رہا کرتا تھا۔

اس وقت کی صورتِ حال پر وہ پہیلی پوری طرح صادق آرہی تھی۔ فائلیں میرے سامنے تھیں' شاید ان میں گرین کو برا فائل بھی تھی۔ میں اس پلندے کو ندیدی نگاہوں سے تک رہا تھا لیکن انہیں نریش شرما سے چھین لینے پر قادر نہیں تھا۔

انل بسواس سے میری وہ ملاقات ضرورت سے زیادہ بار آور ثابت ہوئی تھی۔ ملاقات سے پہلے رینا اپنی مکاریوں سے تائب ہو کر میری خیر خواہ بن چکی تھی۔ میں نے انل بسواس کو اپنے ہاتھ سے چھو کر دیکھ لیا تھا۔ وہ پاکستان کے خلاف را کی سرگرمیوں کا ناخدا تھا۔ اس تک پہنچنا میرا اور پاکستانی ایجنسیوں کا خواب تھا۔ اسے اور نریش کو دیکھ لینے کے بعد میں موقع پا کر کسی بھی وقت اپنی کاری ضرب لگا سکتا تھا۔

"اجازت ہو تو میں سگریٹ سلگا لوں؟" میں نے نریش کی محویت میں دخل اندازی کی "شاید تم بھول گئے کہ میں یہیں بیٹھا ہوا ہوں۔"

"پیو' پیو" اس نے پلندے سے نگاہیں ہٹائے بغیر کہا "شراب نہیں تو سگریٹ ہی پیو۔ اس وقت میں تمہارے لیے تراشوں کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔"

"اپنے رام بابو سے مدد لے لو" میں نے سگریٹ اور ماچس نکال کر اسے مشورہ دیا۔

"یہ تجوری شجرِ ممنوعہ ہے۔ اسے میرے اور بڑے صاحب کے سوا کوئی نہیں کھولتا۔ بے چارہ رام بابو کچھ نہیں کر سکتا۔"

وہ فائلیں الٹ پلٹ رہا تھا۔ میری عقابی نگاہیں اسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف جمی ہوئی تھیں۔ میں فائلوں پر لکھی ہوئی خفیہ تحریریں پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت تک صرف ایک فائل کا جلی عنوان میری نظروں میں آسکا تھا۔ اس پر سرخ مارکر سے پی اے ای سی ون لکھا ہوا تھا۔

وہ را کے دفتر میں محفوظ کی ہوئی ٹاپ سیکرٹ فائلیں تھیں۔ میرے ذہن میں انگریزی کے وہ حروف بھی گھومتے رہے۔ اسی کے ساتھ میں پاکستان کے ان اہم قومی اداروں کے بارے میں سوچ رہا تھا جن کی کارکردگی اور پیش رفت میں بھارت غیر معمولی دلچسپی لے سکتا تھا۔ وہ ایٹمی دھماکوں سے پہلے کا کشیدہ دور تھا جب عالمی قوتیں دونوں فریقوں کو ایٹمی کلب میں شمولیت سے روکنے کی سرتوڑ کوششیں کر رہی تھیں۔

یکایک میرے ذہن میں روشنی سی کوند گئی۔ وہ انگریزی حروف پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کا مخفف ہو سکتے تھے۔ دن شاید اس فائل کا نمبر تھا۔ میرے وجود میں ہیجان برپا ہو گیا۔ حوصلہ کرنے اور ہاتھ بڑھانے کی دیر تھی۔ فائلوں کا وہ پورا پلندہ میرے قبضے میں آسکتا تھا۔

پھر پلاسٹک کی ایک سفید فائل نریش شرما کے ہاتھوں سے لرزی۔ فائل پر جی سی کا دو حرفی اور خاصا بڑا کمپیوٹر پرنٹ چسپاں تھا جسے دور سے بھی پڑھا جا سکتا تھا۔ وہ دونوں حروف گرین کوبرا کے سوا کسی اور فائل سے متعلق نہیں ہو سکتے تھے۔ پتا نہیں اس فائل میں کیا تھا۔ میں اپنے اصل روپ میں ان کے لیے بڑا ناگ تھا۔ بڑے ناگ اور گرین کوبرا میں کوئی معنوی یا لفظی مطابقت نہیں تھی۔ الفاظ کی نسلی یکسانیت پہلے سے میرے ذہن میں موجود تھی۔ میرے اضطراب میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ سب کچھ جان لینے اور چھین لینے کی خواہش میرے دل و دماغ میں زور پکڑتی جا رہی تھی مگر اس کا ممکنہ انجام میری آرزوؤں کی لگام بنا ہوا تھا۔

وہ پتلی اور موٹی، کل گیارہ فائلیں تھیں جو ایک جگہ بندھی ہوئی تھیں۔ دسویں فائل دیکھ کر نریش شرما نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ اتنی دیر سے اسی فائل کی تلاش میں جھک مار رہا تھا۔ اس نے دوسری فائلوں کو بے پروائی سے ایک طرف سرکا دیا اور مطلوبہ فائل اپنے سامنے رکھ لی۔

انل بسواس کے قول کے مطابق نریش اپنے ڈھب پر آئے ہوئے ایک نئے پنچھی کو اس کے نئے کام پر بریفنگ دینے کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک عام پاکستانی کو را کے اندرونی ریکارڈ سے کوئی واقفیت یا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ میں خود اپنے اندرونی اضطراب اور ہیجان پر قابو پائے بیٹھا تھا۔ میں نے اضطراری طور پر بھی ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی جس سے نریش کو یہ شبہ ہوتا کہ میں اس کے سامنے رکھی ہوئی فائلوں کی طرف توجہ دے رہا تھا۔

نریش را کا ایک تجربے کار افسر تھا۔ وہ بے وقوف، غبی یا بے پروا نہیں تھا۔ اس کی ذہانت ہر شک و شبے سے بالا تھی۔ وہ اپنے مخصوص کاموں میں ماہر تسلیم کیا جاتا تھا جس کی گواہی گوپال بھی دے چکا تھا۔ اس کی بدنصیبی یہ تھی کہ اسے بلکہ اس کے بڑے کو بھی میری اصلیت کا ادراک نہیں ہو سکا تھا۔ ان دونوں نے مجھے اپنا مہمان بنا کر اپنے دفتر میں بلایا اور بٹھایا ہوا تھا اور مجھ سے میری تلاش میں مدد کے خواہاں تھے۔

ان کے اطمینان کا سبب یہ تھا کہ اول خان نے میرے لیے کراچی کے جس نام، پتے اور پیشے کا انتخاب کیا تھا۔ وہ فرضی نہیں تھا۔ خود مجھے بھارت پہنچنے تک علم نہیں تھا کہ میرے کاغذات کی تیاری میں اول خان نے اتنی احتیاط سے کام لیا ہوگا۔ یہ عقدہ اس وقت کھلا جب را والوں نے اپنے ذرائع سے ان کوائف کی تصدیق کرنے کے بعد رینا اجیت رائے کو میرے پیچھے لگا دیا۔ وہ بجا طور پر مجھے مظہر خان سمجھ رہے تھے۔ اول خان نے میری روانگی کے بعد اصلی مظہر خان کو اس کے ٹھکانے سے کہیں اور منتقل کر دیا تھا۔ وہ ذہانت اور دوربینی کی پکار تھی جس میں اول خان فتح یاب رہا تھا اور را کے اعلیٰ دماغ مار کھا گئے تھے۔

نریش شرما نے وہ فائل مجھے دکھانے سے پہلے، اپنے اطمینان کے لیے اس کی ورق گردانی شروع کر دی۔ اس میں صرف اخباری تراشے نہیں تھے۔ ان کے درمیان سفید اور گدلے اوراق بھی لگے ہوئے تھے جو اخباری کاغذ سے بہت مختلف تھے۔ درمیان میں اس نے اپنے گلاس سے مزید ایک گھونٹ لیا اور پھر امریکی اشتہار کا تراشا کھول کر فائل میرے سامنے کر دی۔ دوسرے اوراق کو اس نے اپنے ہاتھوں سے اس طرح دبا لیا تھا کہ کاغذ اڑنے کی وجہ سے وہ میری نظروں میں نہ آسکیں۔

وہ بڑا اشتہار میں زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ اس میں ویرا کی پرانی تصویر لگی ہوئی تھی۔ اس حوالے سے کوئی اور اسے نہیں پہچان سکتا تھا مگر میرے لیے وہ تصویر اجنبی نہیں تھی۔ میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ را والوں کا ریکارڈ مکمل اور بھرپور تھا۔ ہم دونوں کھڑی ڈھلان کے سب سے اوپری کنارے پر اٹکے ہوئے اپنی جیت اور بقا کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ ہماری ذرا سی لغزش ہمیں آناً فاناً

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں تحت الثریٰ میں پہنچا سکتی تھی جہاں ناکامی، مایوسی اور موت کی سسکاریاں مارتی ہوئی اتھاہ دلدلوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔

"یہ اشتہار آج بھی موثر ہے۔ ڈینی کا قصہ نمٹ جائے تو ویرا خود تباہ ہو جائے گی" نریش شرما نے کہا اور میں پھر لرز کر رہ گیا۔

نریش شرما نے بہت عارفانہ انداز میں میرا اور ویرا کا نام لیا تھا۔ مجھے اچانک احساس ہوا کہ نادانستگی میں ہم سے ایک سنگین غلطی ہوئی تھی۔ اس سفر کے لیے غزالہ کا نام تبدیل کیا جانا بہت ضروری تھا۔ جو لوگ میرے لہو کے پیاسے تھے وہ بہت باخبر تھے۔ میرے اور ویرا کے ناموں کے ساتھ یہ بات ان سے چھپی ہوئی نہیں رہ سکتی تھی کہ میری بیوی کا نام غزالہ تھا۔ یہ ہماری خوش بختی تھی کہ کسی نے اس نکتے پر دھیان نہیں دیا تھا۔

میری گردن صرف اول خان کی ہوشیاری کی وجہ سے بچی ہوئی تھی۔ راوالوں کو مکمل یقین تھا کہ میں مظہر خان تھا۔ انہیں میری ذات اور شناخت پر ذرا بھی شبہ ہوتا تو وہ غزالہ کی طرف ضرور متوجہ ہوتے۔ ان کی نظروں میں، میں مظہر خان تھا اس لیے وہ کوئی بھی غزالہ ہو سکتی تھی۔ غزالہ بہت عام نام تھا۔ اس کی اپنی جگہ کوئی اہمیت نہیں تھی۔ میری عرفیت کے حوالے سے وہ عام نام یکایک بہت زیادہ اہمیت اختیار کر لیتا تھا۔

مجھے انل بسواس کے خود غرضانہ مشورے میں اپنا مفاد نظر آنے لگا۔ حالات بہت تیزی سے اپنا رخ تبدیل کر رہے تھے۔ غزالہ کا نام ایک نیا خوف بن کر میرے اعصاب پر سوار ہونے لگا۔ ڈھلان کے سرے پر میرے پیروں کے نیچے سے ایک اور پتھر نکل کر نیچے لڑھک گیا تھا۔ پوزیشن مخدوش تر نظر آنے لگی تھی۔ بہتر یہی تھا کہ ہم کسی سے کوئی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر، خاموشی سے پاکستان لوٹ جاتے اور نئی تیاریوں کے ساتھ دشمن کے گڑھ پر پلٹ کر حملہ کر دیتے۔

"کاش، میں اس معاملے میں تمہارا ہاتھ بٹا سکتا" میں نے اشتہار پڑھتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہاری لاٹری ہوگی" نریش اوراق کو دبوچے کھڑا رہا۔ میں نے اشتہار پڑھ لیا تو اس نے احتیاط سے فائل بند کی اور اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

میرے لیے وہ موضوع اچانک وحشت ناک ہونے لگا تھا۔ نریش نے اپنا گلاس ہونٹوں سے لگایا تو میں نے زبردستی مسکراتے ہوئے پوچھا "برا نہ مناؤ تو ایک بات پوچھ لوں؟"

"ایک نہیں، دو باتیں پوچھو۔ اب تم اپنے آدمی ہو" اس نے کشادہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا را کے افسروں کو اپنے دفاتر میں شراب نوشی کی اجازت ہے؟" میں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

اس نے گلاس رکھ کر تیز نگاہوں سے مجھے گھورا پھر بولا "میں دفتری اوقات کے بعد تخلیے میں کبھی کبھی جن لے لیتا ہوں۔ دیکھنے میں یہ شراب پانی جیسی ہوتی ہے۔ اس کی بو بھی بہت کم ہوتی ہے۔ پیتے ہوئے میں زیادہ انہماک سے کام کرتا ہوں۔ باہر جا کر تم ڈھول نہ پیٹ دینا۔ تم جیسے مہمانوں کے لیے ہمیں چھوٹ ہے کہ چاہیں تو دفتری اوقات میں بھی ضرورت کے تحت شراب سے میزبانی کر سکتے ہیں۔ ہمارا کام دوسرے سرکاری دفتروں سے بہت مختلف ہے۔"

"ابھی رام بابو اور تمہارے بڑے صاحب اپنے اپنے دفتروں میں موجود ہیں؟" میں نے اسے چھیڑا۔

"رام بابو کی ایک بیٹی بیمار رہتی ہے۔ چھٹی کے بعد وہ مشکل سے دفتر میں رکتا ہے۔ اب تک اپنے گھر کا آدھا راستہ طے کر چکا ہوگا۔ بڑے صاحب خود کسی کے کمرے میں نہیں آتے، جس سے کوئی کام ہو، اسے انٹرکام پر اپنے کمرے میں بلاتے ہیں.... سمجھ گئے پوری بات؟"

اس کے سرد لہجے نے مجھے بے ساختہ ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ انل بسواس کے مقابلے میں وہ بہت دوستانہ مزاج کا مالک تھا۔

"اگر پورا دفتر خالی ہو گیا تو مجھے ہوٹل کون پہنچائے گا؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"باہر آسانی سے ٹیکسی مل جاتی ہے، میں تمہیں چھوڑ سکتا ہوں مگر ایسا نہیں ہوگا۔ ناگر تمہارا انتظار کرے گا۔ تمہاری واپسی کا بندوبست اس کی ذمے داری ہے۔"

"تمہارا گلاس خالی ہونے کے بعد میں واپسی کی اجازت چاہوں گا" میں نے اس کے سامنے پڑی ہوئی فائلوں کے رنگ ذہن نشین کرتے ہوئے کہا۔

"صرف اشتہار دیکھ لینے کے بعد کام ختم نہیں ہوا۔ میں تمہیں وہ موضوعات بتانا چاہتا ہوں جن پر تمہاری توجہ مرکوز رہنی چاہیے۔"

"ضرور بتاؤ، اس سے میرا کام آسان ہو جائے گا۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"سب سے پہلے ایک اہم بات سن لو۔ ہمارے کام کی نوعیت ایسی ہے کہ ہم اجنبیوں پر اعتماد نہیں کرتے۔ چھان بین کے بعد کسی سے معاہدہ کر لیتے ہیں تو پھر اس کی پوری

Courtesy,www.pdfbooksfree.pk

پاسداری کی امید رکھتے ہیں۔ اپنے مقاصد اور وعدوں سے انحراف کو معاف نہیں کیا جاتا۔ اس کی سزا صرف ایک ہوتی ہے۔"

"راکا نام سامنے آجانے کے بعد شاید یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہی تھی" میں نے نرمی سے کہا۔

نریش نے اس ناخوشگوار نکتے پر مزید کچھ نہیں کہا۔ پرخیال لہجے میں بولا "تم کو معلوم ہے کہ ہمارا ملک آبادی اور رقبے میں پاکستان سے بہت بڑا ہے۔ ہماری ضروریات اور ترجیحات بڑی ہیں لیکن پاکستان کی ہر تیاری میں ہمیں پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ ہمیں پاکستان کی ایٹمی تیاریوں پر بہت زیادہ تشویش ہے۔ فوجوں کی تعداد، ان کے زیر استعمال ہتھیاروں کی تفصیل، ٹینکوں اور توپوں کی صحیح تعداد، فضائی بیڑے کی صلاحیت، آبدوزوں کا دائرہ کار، بڑے سیاسی لیڈروں کے نجی رجحانات.... یہ سب ہماری دلچسپی کے موضوعات ہیں۔"

"تمہیں پاکستان کے سیاسی اور دفاعی منظرنامے کی ہر تفصیل درکار ہے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"تم سمجھ دار ہو، اس میں ہر بات آجاتی ہے۔ ہمارے عزائم نیک ہیں لیکن بہت بڑا بھائی اپنے بہت چھوٹے بھائی کو یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ اس کی برابری کرنے کی کوشش کرے۔ یہ بدقسمتی ہے کہ پاکستان کا رویہ ہمیشہ یہی رہا ہے۔ اس میں بہتری کے وقفے بہت مختصر رہے ہیں۔"

"انل صاحب نے جوگیندر پال کے گھر بم پھٹنے کا ذکر کیا تھا۔ وہ واقعہ میں نے اخباروں میں پڑھا تھا۔ میجر بخشی والے قصے سے میں بے خبر ہوں۔ وہاں ایسے واقعات ہوتے ہیں تو ہماری طرف سے بھی کوئی نہ کوئی جوابی قدم اٹھایا جاتا ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

"بھارت عدم تشدد اور اہنسا کے اصولوں پر کاربند ہے۔ ہم جوابی کارروائی نہیں کرتے" اس نے شراب کا ایک گھونٹ لے کر مکاری سے کہا "یہ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"ایسی عملی کارروائیوں سے مجھے خوف آتا ہے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں مجھ سے ایسی توقعات نہ باندھ لی جائیں" ملک کے راستے میں مرنے والے پاکستانی سفارت کاروں کے بارے میں، میں سوچ کر رہ گیا۔

وہ ہنس پڑا "ایسا نہیں ہوتا۔ ضرورت پڑجاتی ہے تو کوئی آدمی ایسے کام انجام دیتے ہیں" ہنستے ہوئے اس کے سفید دانت بھیڑیئے کے دانتوں کی طرح چمک رہے تھے۔

"پھر مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ میرے مستقل بٹوے کس سے رہیں گے؟"

"صبر سے کام لو۔ وقت آنے پر ہر بات بتادی جائے گی۔ سب سے پہلے تمہیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ پاکستان کب لوٹ رہے ہو۔"

"میں کل شام تک بتادوں گا۔ مجھے کس سے اور کیسے رابطہ کرنا ہوگا؟ رینا مجھے الگ ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے۔"

اس نے اپنی دراز سے ایک کارڈ نکال کر میری طرف بڑھادیا "اس پر میرے دفتر اور گھر کے فون نمبر ہیں۔ تم رات بارہ بجے سے پہلے کہیں بھی فون کرسکتے ہو۔"

وہ بہت سادہ وزیٹنگ کارڈ تھا جس پر نریش شرما کے نام اور دونوں فون نمبروں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں نے کارڈ کو دونوں طرف سے دیکھا پھر حیرت سے کہا "اس پر تمہارا عہدہ، دفتر کا نام یا گھر کا پتا، کچھ بھی نہیں ہے۔"

"میرا دفتر تم نے دیکھ لیا، گھر قرول باغ میں ہے۔ بڑے صاحب کے بعد میں اس دفتر کا دوسرا بڑا ہوں" اس نے میرے تجسس سے محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"ناگر نے میرے فنگر پرنٹس لیے تھے۔ رینا نے بتایا ہے کہ میری اور اس کی پہلی ملاقات کی ویڈیو فلم بھی بنائی گئی تھی۔"

"اس بارے میں تم کیا جاننا چاہتے ہو؟" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میری معلومات ادھوری ہیں۔ میں دہلی میں ہوں۔ ہر وقت تمہاری دسترس میں ہوں۔ تمہارے لیے ان چیزوں کی کیا افادیت ہے؟"

"یہ طے ہوچکا تھا کہ تمہیں ہمارے لیے کام کرنا ہے" نریش نے تھوڑے سے توقف کے بعد کہا "تم ہمیشہ دہلی میں نہیں رہو گے۔ تمہیں جلد از جلد پاکستان واپس جاکر اپنا کام شروع کرنا ہے۔ اپنے گھر پہنچ کر تم ہم سے منحرف ہوگئے تو یہ دونوں چیزیں ہمارے کام آئیں گی۔"

"تم انہیں میرے خلاف استعمال کروگے؟" میں نے تھوک نگلتے ہوئے اپنی بے آرامی کی اداکاری کی۔

"تم نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی تو انہیں استعمال کیا جائے گا۔ اس سے پہلے یہ دونوں چیزیں محفوظ رہیں گی۔ تمہاری وعدہ خلافی کی صورت میں ویڈیو کی نقلیں کراچی میں پھیلادی جائیں گی۔ وہاں ایسی فلموں کی بہت مانگ ہے۔ اس میں تمہاری فطری تصویریں ہیں۔ فنگر پرنٹس کے ذریعے تم دنیا کے کسی بھی گوشے میں پہچان لیے جاؤ گے۔ یہ دونوں چیزیں اب ہمارے ریکارڈ کا حصہ بن چکی ہیں۔ تمہاری نیت صاف ہے تو تم کو ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرا ایسی چیزوں سے کبھی واسطہ نہیں پڑا لیکن میں نے فلموں وغیرہ میں دیکھا ہے کہ فائلیں اور فنگر پرنٹس' دونوں چیزیں خطرناک ہوتی ہیں۔ غلط ہاتھوں میں پہنچ گئیں تو میری زندگی حرام ہوسکتی ہے" میں یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ وہ دونوں چیزیں کس کے قبضے میں تھیں۔ میں سیدھا کوئی سوال کرتا تو نریش شرما کے کان کھڑے ہوجاتے۔ میں گھما پھرا کر اپنے سوال کا جواب لینے کی کوشش کررہا تھا۔

"راکا سارا اثاثہ ریکارڈ ہی ریکارڈ ہے" نریش نے کہا "یہاں ہر چیز صحیح مقام پر صحیح آدمی کی تحویل میں ہوتی ہے۔ جس دن اس نظام میں کوئی خرابی پیدا ہوئی' سب کچھ تباہ ہوجائے گا۔ اس بارے میں تم کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنی بازی کا ہر کارڈ اس کی ناگزیر ضرورت کے وقت کھیلنا جانتے ہیں۔"

"یہ تمہارے پیشے کی باتیں ہیں۔ انہیں تم ہی سمجھ سکتے ہو۔ میں امید کرسکتا ہوں کہ تم ان چیزوں کی حفاظت کروگے۔"

"میں نے کب کہا کہ وہ چیزیں میرے پاس ہیں جو تم مجھ سے امید باندھ رہے ہو؟" اس نے شاطرانہ انداز میں پوچھا پھر کہا "مگر تم مطمئن رہو۔ وہ چیزیں جس کے پاس بھی ہیں' پوری طرح محفوظ ہیں" اپنی بات پوری کرکے اس نے اپنا گلاس خالی کردیا۔

وہ بہت چالاک تھا' اپنی سادہ لوحی برقرار رکھتے ہوئے اس سے کچھ اگلوانا آسان نہیں تھا۔ میں نے مزید کوئی سوال کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔ اس وقت تک سارے معاملات ہموار اور صاف ستھرے انداز میں چل رہے تھے۔ میرا زیادہ اصرار اسے میری طرف سے بدظن کرسکتا تھا۔

اس نے فائلوں کو احتیاط سے یکجا کرکے مضبوط فیتے میں باندھا اور بنڈل اٹھا کر دوبارہ تجوری کی طرف چل دیا۔

مجھے رینا نے بتایا تھا کہ انل بسواس اہم کاغذات اور اشیا کے بارے میں کسی پر اعتبار نہیں کرتا۔ انہیں اپنی تحویل میں رکھتا ہے لیکن اس کے دفتر میں ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آئی تھی جہاں وہ اپنا ذاتی ریکارڈ وغیرہ محفوظ کرسکے۔ ویسے بھی وہ اس دفتر میں کبھی کبھار آتا تھا۔ اس کا اصل آفس را کے مرکزی دفاتر میں تھا جو دہلی کے کسی اور علاقے میں واقع تھے۔ مجھے شبہ ہورہا تھا کہ میری ذات سے تعلق رکھنے والی دونوں چیزیں نریش کی تجوری میں ہوسکتی تھیں۔

پاکستان کی فائلیں تجوری میں مقفل کرنے کے بعد نریش روانگی کے لیے تیار ہوگیا۔ اپنا کمرا اس نے خود مقفل کیا۔ رام بابو کا کمرا خالی تھا۔ طویل راہداری سنسان نظر آرہی تھی۔ اس کے آخری سرے پر ایک چوکیدار کرسی ڈالے بیٹھا ہوا تھا۔

نریش مجھے لے کر دوسرے کمرے میں پہنچا تو ناگر اکیلا بیٹھا پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ نریش کمار کے لیے اپنی کرسی سے اٹھنا اسے ناگوار گزرا۔

"بڑے صاحب بیٹھے ہیں یا چلے گئے؟" نریش نے رسمی طور پر اس سے پوچھا۔

"تم دونوں کو رخصت کرنے کے چند منٹ بعد وہ چلے گئے تھے۔ میں یہاں مکھیاں مار رہا ہوں" وہ بے زاری سے بولا۔

"مظہر کو اس کے ہوٹل پہنچانے کے بعد تمہارا کام ختم۔" نریش نے اسے نوید سنائی۔

"صاحب کہہ کر گئے تھے" ناگر نے نریش کی بات کی اہمیت ختم کرتے ہوئے کہا پھر وہ میری طرف متوجہ ہوگیا "آؤ!"

ناگر اور پھر نریش نے باری باری انل بسواس کے کمرے کا دروازہ دیکھا جو مقفل تھا پھر ہم تینوں ایک ساتھ باہر چل دیے۔ دروازے پر بیٹھے ہوئے چوکیدار نے ہمیں دیکھا تو اپنے ہاتھ میں موجود چابیوں کا وزنی گچھا ہلاتا ہوا ہماری طرف آنے لگا۔ درمیان میں ہمارے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے جھک کر سلام کیا اور آگے نکل گیا۔

"ہمارے جانے کے بعد شاید یہی اس عمارت میں رہ جائے گا" میں نے روا روی میں کہا۔

"ہاں' یہ محکمے کا چوکیدار ہے۔ خالی کمروں میں تالے ڈالنے کے بعد چھت پر چلا جاتا ہے۔ وہیں اس کا کمرا ہے" نریش نے جواب دیا۔

میرے ذہن میں چرخہ چلنا شروع ہوگیا۔ نریش ایسے موڈ میں تھا کہ اس سے کچھ باتیں کی جاسکتی تھیں لیکن ناگر کی موجودگی میں میرا خاموش رہنا زیادہ بہتر تھا۔

دونوں موٹے سپاہی اپنی وردیاں اتار کر' کرسیاں برآمدے میں لے آئے تھے۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ دن رات وہیں مامور رہتے ہوں۔ دن بھر کرسیاں اور رات میں چارپائیاں توڑنے کے نتیجے میں ان کا کاہل اور بے زار ہونا قابل فہم تھا۔ ان کی زندگیوں میں اکتا دینے والی یکسانیت نظر آتی تھی۔ ان کی بندوقوں کی حالت سے ظاہر ہورہا تھا کہ ان سے برسوں سے کوئی گولی نہیں چلائی گئی تھی۔ کسی ہلچل اور ہنگامے کے بغیر وہ دونوں اپنی بندوقوں کی طرح زنگ آلود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو رہے تھے۔

اس عمارت کے لیے کوئی باقاعدہ پارکنگ نہیں تھی۔ شام کے دراز ہوتے ہوئے سایوں میں عمارت کے ساتھ دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ نریش ہم دونوں سے ہاتھ ملا کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ ناگر کے بیٹھنے کے بعد میں اس کی ماروتی کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

نریش تیزی کے ساتھ گاڑی نکال کر لے گیا۔ ناگر کی گاڑی کا سیلف پھنس رہا تھا۔ اس کے روانہ ہونے سے پہلے دونوں سپاہی برآمدے سے اٹھ کر عمارت کی بغلی دیوار کے ساتھ بنے ہوئے نیم پختہ کمرے کی طرف ہو لیے کیونکہ رات والوں کے چوکیدار نے اندر سے دروازہ بند کر لیا تھا۔

مہذب ملکوں اور شہروں میں کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری املاک کے لیے غیر معمولی حفاظتی انتظامات کی ضرورت نہیں ہوتی، بس رسمی سی دیکھ بھال کافی سمجھی جاتی ہے۔ وہاں وہ بندوبست موجود تھا۔ اندر سے دروازہ مقفل کرنے کے بعد عمارت میں ایک نگراں موجود تھا۔ باہر دو سپاہی اپنے کمرے میں پڑے سوتے رہتے۔ عمارت کی حفاظت کے لیے ان کی موجودگی کا بھرم ہی کافی تھا۔ مگر مجھے رات والوں کی وہ بے پروائی عجیب محسوس ہو رہی تھی۔

اس عمارت میں کوئی خزانہ محفوظ تھا نہ حساس دفاعی تنصیبات تھیں۔ جو کچھ تھا وہ کمپیوٹروں کی یادداشت یا پھر فائلوں، الماریوں اور تجوریوں میں محفوظ تھا۔ جن لوگوں کی نظروں میں ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں ہو سکتی تھی، انہیں روکنے کے لیے وہ حفاظتی بندوبست بہت ناقص بلکہ ناکارہ تھا۔

ناگر اپنی گاڑی کو برا بھلا کہتا اور اس سے ناگفتہ مادری رشتے جوڑتا، سیلف لگاتا رہا۔ اس کے چڑچڑے پن کا ادراک کرتے ہوئے میں نے اپنی زبان بند رکھی۔ جوں ہی انجن بیدار ہوا، ناگر نے غصے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"کیا مجھ سے کچھ ناراض ہو؟" چند منٹ گزر جانے کے بعد میں نے رسانیت سے پوچھا۔

"تم نے انکل سے میری شکایت کر کے اپنے حق میں کانٹے بو لیے ہیں" وہ میری طرف دیکھے بغیر غرایا "اس وقت تم اس کے مہمان ہو اس لیے میں تمہیں برداشت کرنے پر مجبور ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ ناگر کسی کا قرض باقی نہیں رکھتا۔ میں جلد ہی تمہیں دیکھ لوں گا۔"

اس نے آخری فقرہ کہہ کر اپنی حیثیت کا بھرم توڑ دیا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کے انکل یا صاحب کی خواہش تھی کہ میں جلد از جلد بھارت چھوڑ دوں۔ وہ دوسروں پر خود کو جو کچھ بھی ظاہر کرتا رہا ہو، انل بسواس کا منہ چڑھا اور چہیتا معتمد ہرگز نہیں تھا۔

"اوہو۔ تم تو واقعی ناراض ہو۔ میں نے تمہاری شکایت نہیں کی تھی۔ بر سبیل تذکرہ مجھے بتانا پڑا کہ تم میرے پاسپورٹ کی حاجت محسوس کر رہے تھے۔"

"تم نے اندر جانے سے پہلے مجھے آنکھ ماری تھی۔ تمہارے دل میں کوئی بدمعاشی سر اٹھا رہی تھی، اندر جا کر تم نے رنگ دکھا دیا۔"

"تم مجھے دس دفعہ آنکھ مار لینا مگر مجھ سے یوں منہ نہ پھیرو۔ اب میں تمہارا ساتھی بن چکا ہوں۔ مجھے تم سب کے تعاون کی ضرورت ہے۔"

"میرے منہ مت لگو اور چپ چاپ بیٹھے رہو ورنہ گاڑی سے یہیں اتار دوں گا" اس کا موڈ بدستور بگڑا ہوا تھا۔

میں نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنی سمت کی کھڑکی سے باہر کا نظارہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اس دوران میں میرا ذہن مسلسل سوچنے میں مصروف تھا۔

چار بجے میں اپنے کمرے میں واپس پہنچا تو غزالہ مسرت سے جھوم اٹھی۔ اسے امید نہیں تھی کہ میری گلوخلاصی میں اتنا کم وقت لگے گا۔

"آج کی ملاقات نے نقشہ بدل دیا ہے" میں نے پرجوش لہجے میں اسے بتایا "انل بسواس اور نریش شرما سے ملاقاتیں ہوئیں اور گرین کو برا فائل کا سراغ بھی مل گیا ہے۔ اگر میرا منصوبہ کارگر رہا تو ہم پوری سرخ روئی کے ساتھ کل بھارت سے نکل جائیں۔"

"کل؟" حیرت سے غزالہ کی آنکھیں پیشانی پر جا چڑھیں "یہ کیسے ممکن ہے؟"

"سب ممکن ہے۔ آج رات ہم شاید ہوٹل چھوڑ دیں اور آگرہ روانہ ہو جائیں۔ صبح کی پہلی پرواز سے ہم امرتسر پہنچیں گے اور ٹرین سے لاہور کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔ وہاں سے صبح دس گیارہ بجے کے لگ بھگ ٹرین اٹاری اور واہگہ کے راستے لاہور کے لیے روانہ ہوتی ہے۔"

"ہم آگرہ کیوں جائیں گے؟ یہ سب کیسے ہو گا؟ ویرا کا کیا بنے گا؟" میرے انکشافات نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

"ویرا کے بارے میں مجبوری ہے۔ سی ایس ڈی ہاتھ سے نکلی ہوئی ہے۔ کچھ پتا نہیں کہ میری نگرانی جاری ہے یا ختم کر دی گئی ہے۔ جب تک یہ بات صاف نہیں ہوتی، میں نیچے جا کر پبلک بوتھ بھی استعمال نہیں کر سکتا۔ ان کا کوئی نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی آدمی میرے آس پاس منڈلانا شروع کردے گا۔"

"منڈلاتا رہے۔ اشاروں کنایوں میں وہ بات سمجھ لے گی۔ اسے معلوم ہے کہ آج آپ کی ایک اہم ملاقات ہونے والی تھی" اس نے زور دے کر کہا پھر اسے اپنا پہلا سوال یاد آگیا "یہ آگرے کا ذکر اچانک کیسے نکل آیا۔ حالات میں کوئی ڈرامائی تبدیلی آئی ہے تو اس میں آگرہ جانے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔"

"ان کے لیے ہم ہوٹل چھوڑ کر آگرہ کے لیے روانہ ہوں گے مگر ایسا نہیں ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ آج کی رات تمہیں سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں بسر کرنی پڑے۔ اس پروگرام پر اسی وقت عمل ہوسکے گا جب میرا گوپال، سنیل یا ولی رام سے کوئی رابطہ ہو۔ ان کی مدد کے بغیر میں کچھ نہیں کرسکوں گا۔"

"آپ کی ہر بات الجھی ہوئی اور میری سمجھ سے بالا ہے۔ اگر آپ کچھ سوچ چکے ہیں تو کھل کر مجھے بتایئے کہ کیا کرنے کا ارادہ ہے؟" وہ خفگی سے بولی "ہم کن لوگوں کے لیے آگرہ روانہ ہوں گے؟"

مجھے احساس ہوا کہ وہ حق بجانب تھی۔ میں ناگر کے ساتھ سفر کے دوران میں جو کچھ سوچتا چلا آیا تھا، میں نے وہی بولنا شروع کردیا تھا۔ ان باتوں میں بظاہر کوئی ربط نہیں تھا مگر میرے ذہن میں درمیانی کڑیاں جنم لے چکی تھیں "راو والے چاہتے ہیں کہ میں جلد از جلد پاکستان واپس جاکر ان کے لیے کام کرنا شروع کردوں" میں نے بہت اختصار سے اپنی بات شروع کی "میں نے وقت لینے کے لیے ان سے بہانہ کیا کہ تم بھرپور چاندنی رات میں تاج محل دیکھنا چاہتی ہو۔ اٹل بسواس کا دباؤ ہے کہ چاندنی رات کا انتظار کرنے کے بجائے ہم جلد از جلد آگرے کا چکر لگائیں اور واپس چل دیں۔"

اپنی رو میں بات کرتے کرتے میں چونک پڑا۔ میں نے پچھلے تین گھنٹوں کے بارے میں غزالہ سے ایک لفظ نہیں پوچھا تھا۔ جوش اور ہیجان کے عالم میں اپنی کتھا چھیڑ دی تھی۔ قدرے توقف کے بعد میں نے پوچھا "میرے جانے کے بعد کسی نے تم کو ستانے یا کمرے میں دخل انداز ہونے کی کوشش تو نہیں کی تھی؟"

"مجھے مداخلت کا خوف لاحق تھا لیکن خدا کا شکر ہے کہ کسی نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ آپ اپنی بات پوری کریں۔"

"بعد میں صورت حال اچانک بدل گئی...." میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

غزالہ نے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے بڑھ کر ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف گوپال تھا۔

اس کی آواز سن کر میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ اس روز مقدر میری یاوری کررہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "میں نیچے سے بول رہا ہوں۔ جاتے ہوئے سات نفری بھیڑ تمہارے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ اب میدان صاف ہے۔ دور دور تک کسی کا پتا نہیں ہے۔"

"میں بہت بے چینی سے اس پیغام کا انتظار کررہا تھا۔ امانتیں لے کر فوراً اوپر آجاؤ۔" میں نے کسی توقف کے بغیر کہا۔

"ابھی ہمارا ایک جا ہونا مناسب نہیں۔ سنیل سامان لارہا ہے۔ میں اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر خود تم سے رابطہ کرتا ہوں۔"

"میں انتظار کروں گا۔ آج ہمارا ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔ سی ایس ڈی ٹیلی فون لائن سے جوڑے بغیر گفتگو کو طول دینا ہم سب کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

غزالہ میرے مکالموں سے اس گفتگو کا متن سمجھ گئی تھی۔ اس نے کوئی سوال کرنے کے بجائے کہا "حالات میں اچانک تبدیلی آگئی...."

"ہاں۔" میں نے دوبارہ بات شروع کردی اور اسے گرین کوبرا فائل کے بارے میں بتادیا۔

"یعنی پچھلے تین گھنٹوں میں تین اہم ترین ہدف خود بخود آپ کے سامنے آگئے۔" اس نے خوشی کا اظہار کیا۔

"میرا خیال ہے کہ ان میں گرین کوبرا فائل سب سے زیادہ اہم ہے۔ گوپال نے میرا ساتھ دیا تو آج ہم اسے حاصل کرسکتے ہیں۔ پتا نہیں کل وہ فائل کہاں ہو۔"

"گوپال ضرور ساتھ دے گا۔ وہ لوگ آپ سے پہلے اس فائل کی تلاش میں ہیں۔"

"گرین کوبرا سمیت وہ گیارہ فائلوں کا بنڈل ہے۔ تجوری میں اور بھی بہت کچھ ہوگا۔ ہم بہت آسانی کے ساتھ وہ سب حاصل کرسکتے ہیں۔"

"مجھے سرلا کے ساتھ چھوڑ کر آپ ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں؟" اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

"اس پروگرام میں تمہاری کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ تینوں شہر کے راستوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ کسی گڑبڑ کی صورت میں بہت کام آئیں گے۔ سی ایس ڈی آجائے تو میں این کا ویل کو ہوشیار کردوں گا تاکہ وہ بھی جلد از جلد یہاں سے نکل جائے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یعنی ہم گیارہ فائلوں پر قناعت کرکے یہاں سے رخصت ہوجائیں گے؟"

"مجھے یقین ہے کہ راوالوں کی تیار کی ہوئی ہر فائل ہوشربا ہوگی۔ فائلوں سے محرومی ان کے لیے اٹل یا نزیش کی موت سے زیادہ مایوس کن ثابت ہوگی۔ گرین کوبرا ان کے ٹاپ سیکرٹ کے طور پر ہینڈل کی جارہی ہے۔"

"گوپال سے گفتگو کے بعد تعین ہوسکے گا کہ تینوں میں سے کس کی اہمیت زیادہ ہے۔" غزالہ اپنے شانے اچکا کے بولی۔

اس گفتگو کے دوران میں میرے کان دروازے کی طرف لگے ہوئے تھے۔ پہلی دستک ہونے پر میں تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا تو سنیل کا مسکراتا ہوا آسودہ چہرہ میرے سامنے تھا۔ میری بخیریت واپسی پر وہ بہت شاداں نظر آرہا تھا۔

"نئی زندگی مبارک ہو۔ تم موت کے جبڑوں میں سے واپس آئے ہو۔" مجھے ایک مختصر سی تھپکی دیتے ہوئے اس نے تہنیتی لہجے میں کہا اور میرے جواب کا انتظار کیے بغیر' الٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔ میں نے دروازہ دوبارہ مقفل کردیا۔ میرے اہم ترین ہتھیار مختصر سی محرومی کے بعد واپس آچکے تھے۔

میرے ذہن میں ترجیحات خود بخود طے ہوچکی تھیں۔ سب سے پہلے مجھے ویرا کو ہوشیار کرنا تھا کہ وہ فوراً دہلی چھوڑ دے۔ اگر رابرٹو ویلینی کو اس وقت تک ویرا نے روکا ہوا تھا تو اس کو بھی ویرا کی جبری رفاقت سے آزادی مل جانی چاہیے تھی۔

میں نے سی ایس ڈی کو چھلے ہوئے تاروں سے جوڑ کر مرینا ہوٹل کا نمبر ملایا۔ ویرا اپنے کمرے میں موجود اور میری طرف سے کسی اطلاع کی منتظر تھی۔ اس کی آواز سن کر میں نے بدری ناتھ سے چھینی ہوئی سی ایس ڈی آن کردی۔

"میں اس سے مل آیا ہوں۔ واقعات نے بہت تیزی سے نیا رخ اختیار کیا ہے۔ ہم کل یہاں سے نکل جانے کی منصوبہ بندی کررہے ہیں۔ ہوسکے تو تم آج ہی امرتسر کی طرف نکل جاؤ۔ اطالوی احمق کو ابھی تک روکا ہوا ہے تو اسے بھی رخصت کردو۔"

"ہمیں یہاں سے نکل ہی جانا ہے تو میں کیوں نہ رابرٹو کو داؤ پر لگادوں۔ میں نے ابھی تک اسے الجھایا ہوا ہے۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تمہاری تجویز احمقانہ ہے۔ وہ اس دام میں نہیں آئے گا۔ انگوٹھیوں کا راز فاش ہوجائے گا اور ہم ان خاموش ہتھیاروں کے استعمال سے محروم ہوجائیں گے۔ تم آخر اپنی عقل پر زور دینے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔"

"اس کے بارے میں زیادہ سوچنا سمجھنا میرے بس سے باہر ہے۔ میں یہ جانتی ہوں کہ ایسے موقع زندگی میں بار بار نہیں ملتے۔ وہ ہمارے ساتھ اسی شہر میں ہے۔ ہمیں اس کو یہیں پیوند خاک کردینا چاہیے۔" ویرا کے لب و لہجے سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔

"میں بھی جانتا ہوں کہ یہ نادر موقع ہے مگر تم کوئی ڈھنگ کی راہ نکالو۔ میں بڑھ کر تمہارا ساتھ دوں گا۔"

"اب سوچنے اور کوئی نیا منصوبہ بنانے کا وقت نہیں رہا۔ تم امرتسر کی طرف روانگی کا فرمان سنا چکے ہو۔"

"تم خود اس تک پہنچنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ ایک مرتبہ تم اس کے کمرے میں پہنچنے میں کامیاب ہوجاؤ تو اس پر انگوٹھی استعمال کرکے اطمینان سے واپس لوٹ سکتی ہو۔ جب تک کوئی کمرے میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کرے گا' اس کا انجام دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رہے گا۔"

"میرے چہرے اور بالوں سے لے کر بدن تک میں بہت تبدیلیاں رونما ہوچکی ہیں مگر میں جانتی ہوں کہ وہ پہلی نظر میں مجھے پہچان لے گا اور شور مچانا شروع کردے گا۔ میں نے سب سے پہلے اسی امکان پر غور کیا تھا مگر اس کے نتائج [illegible] فرسا نظر آئے تو میں نے کسی ساتھی کی تلاش شروع [illegible] تھی۔"

"ساتھی سے تم ہر کام لے سکتی ہو مگر جو کام تم نے سوچا ہوا ہے وہ بودا ثابت ہوگا۔ میرے دعوے پر یقین نہ ہو تو تجربہ کرکے دیکھ لو مگر یہ یاد رکھنا کہ ہم آئندہ کبھی رازداری کے ساتھ انگوٹھیاں استعمال نہیں کرسکیں گے۔ ڈیوڈ کے معاملے میں تم ان کا کمال دیکھ چکی ہو۔"

"مجھے بھی یہ خدشہ تھا۔" اس نے پہلی بار اعتراف کیا "مگر مجھے کامیابی اور ناکامی کے امکان برابر نظر آرہے تھے۔"

"مجھے ننانوے فیصد ناکامی ہی ناکامی نظر آرہی ہے۔" میں نے پرزور لہجے میں کہا۔

"میں سوچتی ہوں۔ تم بھی غور کرو۔" اس کی تھکی ہوئی آواز ابھری "میں رات کی آخری ٹرین سے نکلنے کی کوشش کروں گی۔ ابھی ہمارے پاس کئی گھنٹے ہیں۔"

"میرے ذہن میں کوئی متبادل تجویز آگئی تو ضرور فون کروں گا۔" میں نے غزالہ پر نظر ڈال کر کہا "تم آج یہ شہر ضرور چھوڑ دینا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ آخری ٹرین کسی وجہ سے نکل گئی تو میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رات ریلوے ویٹنگ روم میں گزار لوں گی مگر شہر میں واپس نہیں آؤں گی۔" ویرا نے مجھے یقین دلایا "میں تمہاری ہدایتوں اور مشوروں کو ہمیشہ بہت اہمیت دیتی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم کب تک یہاں سے نکلو گے۔"

"کوشش یہ ہے کہ کل امرتسر سے تمہارے ہم سفر بن سکیں گے۔ آگے کا حال کاتب تقدیر ہی جانتا ہے۔"

مسائل نے یکایک یلغار کی تھی مگر وہ رفتہ رفتہ حل ہوتے جا رہے تھے۔ گوپال سے ابتدائی رابطہ ہوگیا تھا۔ سی ایس ڈی، بیم گن اور اپریٹس کی واپسی عمل میں آچکی تھی۔ ویرا اپنی تجویز سے دستبردار ہونے اور امرتسر روانہ ہونے پر آمادہ ہوگئی تھی۔ مجھے گوپال سے بات کرکے آخری فیصلے کرنے تھے۔

"شاید تمہیں قلق ہو رہا ہوگا کہ آج تم بیکار بیٹھی رہو گی۔" میں نے غزالہ سے کہا۔

"مجھے اندازہ ہے کہ رات کی مہم میں میری شمولیت سے مدد ملنے کے بجائے شناخت کے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔"

میں اس کے بے لاگ تجزیے پر حیران رہ گیا۔ میں نے وہ بات سوچی ضرور تھی مگر اسے بتائی نہیں تھی۔ اس نے از خود وہ دور رس نتیجہ اخذ کرلیا تھا۔ میں نے کہا "تم بہت دور تک سوچتی ہو۔ اسی لیے بحث کی نوبت نہیں آتی۔ چاہو تو تمہارے لیے ایک بڑا کام نکالا جا سکتا ہے۔"

"مجھے خوشی ہوگی کہ میں نے یہاں بیکار رہ کر وقت نہیں گزارا۔" اس کی آنکھوں میں چمک عود کر آئی۔

"جان اسمتھ یہاں ہے اور ہم بھی یہاں ہیں۔ اس کے ناپاک خون سے پاکستان کی سرزمین کو محفوظ رکھتے ہوئے اسے سزایاب کرنے کا یہ سنہرا موقع ہے۔"

وہ کھل اٹھی۔ میں نے فون پر ویرا سے جو کچھ کہا تھا، غزالہ نے بھی سنا تھا۔ وہ میرے ایک اشارے سے پوری بات سمجھ گئی۔ بولی "کام بنا ہوا تو چند منٹ میں سارا کھیل نمٹ جائے گا۔ بات نہیں بن سکی تو میں وقت برباد کرنے کے بجائے لوٹ آؤں گی۔ وہ کہاں ٹھہرا ہوا ہے؟"

"کمرا نمبر تین سو دس۔ ہوٹل سمراٹ۔ چانکیہ پوری۔" میں نے جان اسمتھ کا ٹھکانا بتا دیا۔

"آپ گوپال سے بات کرلیں۔ اس کے بعد میں خاموشی سے ٹیکسی میں نکل جاؤں گی۔ کام ہوگا یا نہیں ہوگا۔ دونوں صورتوں میں مجھے کسی اور کی مدد کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں اندھیرا پھیلنے سے پہلے لوٹ آؤں گی تاکہ آپ کے اگلے پروگرام خراب نہ ہوں۔"

"ویری گڈ! میں تمہاری کامیابی کا منتظر رہوں گا۔" میں نے اٹھ کر بے ساختہ اس کی پیشانی چوم لی۔

اس نے اپنی جگہ چھوڑی اور وقت بچانے کے لیے اسی وقت اپنی مہم پر روانگی کی تیاری شروع کردی۔

غزالہ روانگی کے لیے تیار ہوتی رہی۔ میں اپریٹس آن کیے، گوپال کی کال کا انتظار کرتا رہا۔ ساڑھے چار بجے وہ لائن پر موجود تھا۔

"میری طرف سے واپسی مبارک ہو۔ مجھے یقین ہے کہ ان لوگوں کو کوئی بڑا چکما دے کر آئے ہو۔ سب کو تمہاری واپسی کے بارے میں تشویش تھی۔ یہ تمہارا حوصلہ تھا کہ تم نے خالی ہاتھ وہاں جانے کا فیصلہ کرلیا۔" پاس ورڈز کے تبادلے کے بعد اس نے خوشی سے لبریز آواز میں کہا۔

"وہ جو کچھ چاہتے تھے اس پر رضامند ہونے کے سوا کوئی اور راہ نہیں تھی۔ میں نے سمجھوتا کرلیا۔"

"کیسا سمجھوتا؟ وہ تم سے کیا چاہ رہے تھے؟" گوپال نے پوچھا۔

"میں پاکستان میں رہ کر ان کے لیے کام کروں گا۔ وہ مجھے پچیس ہزار روپے ماہانہ معاوضہ دیں گے۔"

"ویری گڈ۔ تمہیں مزید مبارک ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان سے تمہارے کوائف کی تصدیق کروانے کے بعد اب وہ تمہیں مظہر خان سمجھ رہے ہیں۔"

"ہاں! لطف بلکہ لطیفہ یہ ہے کہ وہ ڈینی کی تلاش کے سلسلے میں میری مدد کے خواہاں ہیں۔ اس کی گرفتاری یا موت کی صورت میں مجھے نہ صرف امریکی انعام دلوائیں گے بلکہ راوالے بھی لاکھوں روپے کا انعام دیں گے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"وقت انہیں بتائے گا کہ دہلی اور واشنگٹن والوں کی یہ بھاری رقوم ہمیشہ محفوظ رہیں گی۔" گوپال کی آواز میں ہلکا سا افتخار نمایاں تھا "تمہاری زندگی اس سے ہزار گنا بڑے انعاموں سے بھی زیادہ قیمتی ہے اور یہ ہمیشہ دشمنوں کی دسترس سے محفوظ رہے گی۔"

"اب تمہارے لیے ایک پیچیدہ سوال ہے۔ تم کو سوچ سمجھ کر اس کا جواب دینا ہوگا۔" میں نے مطلب کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"میں اپنی بساط کے مطابق تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"گرین کوبرا، انل بسواس اور نریش شرما۔ ان تینوں میں سے ایک کے انتخاب کا موقع دیا جائے تو تمہاری پہلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ترجیح کیا ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"گرین کو برا فائل۔" اس کی طرف سے کسی توقف کے بغیر جواب آیا "اس وقت اس فائل نے سب کو الجھایا ہوا ہے۔"

"یہ کمپیوٹر کا دور چل رہا ہے۔" میں نے اس سے کوئی نئی بات اگلوانے کے ارادے سے کہا "آج کل فائلوں کی بات فرسودہ معلوم ہوتی ہے۔"

"میں بہت معذرت کے ساتھ کہوں گا کہ یہ بات کمپیوٹر کو سمجھے بوجھے بغیر کہہ دی جاتی ہے۔" اس نے واقعی معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "اس پر سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن یہ انسانی ذہن اور انگلیوں کا محتاج ہے۔ یہ وہی بتاتا اور دکھاتا ہے جو اس میں محفوظ کیا جاتا ہے۔ اپنی طرف سے کوئی نئی اپج پیدا نہیں کرتا۔ مجھے یقین ہے کہ راؤ والوں نے گرین فائل کا سارا مواد کمپیوٹر پر محفوظ کرلیا ہوگا مگر اس سے ہمارے لیے فائل یا اس کی نقل کی اہمیت کم نہیں ہوئی۔ وہ آج بھی ہمارے لیے پہلی ترجیح کا درجہ رکھتی ہے۔ اٹل اور نریش کو بعد میں بھی دیکھا جا سکتا ہے.... تم نے یہ سوال کیوں کیا ہے۔"

"تینوں سامنے ہیں۔ ایک پر ہاتھ ڈالا تو بقیہ دو کو فی الحال بھولنا ہوگا۔"

"بس پھر اپنی ساری توجہ گرین کو برا فائل پر مرکوز کردو اور مجھے بتاؤ کہ ہم اسے حاصل کرنے کے لیے کیا کرسکتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ آج کی رات وہ فائل کہاں محفوظ رہے گی۔ وہ کل کہاں ہوگی' اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اسے حاصل کرنے کے لیے ہمیں آج رات ایک عمارت میں نقب لگانی ہوگی۔ مقدر نے ساتھ دیا تو گرین کو برا فائل کے ساتھ بہت سا اہم ترین مواد ہمارے ہاتھ آجائے گا۔"

میری اس اطلاع نے اسے سنسنی اور ہیجان میں مبتلا کردیا "تفصیل بتاؤ۔ اس کے لیے ہم آگ میں کودنے کے لیے بھی تیار ہیں۔"

میں نے اسے اپنے منصوبے کی جزئیات سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

میری اور گوپال کی گفتگو ایک نیا تلا اور خاص رخ اختیار کرچکی تھی۔ غزالہ اپنی مہم پر روانگی کے لیے تیار ہوچکی تھی۔ اس معاملے میں اسے کسی قسم کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے فضا میں ہاتھ لہرا کر مجھ سے روانگی کی اجازت چاہی اور میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔

غزالہ نے قریب آکر میری داہنی کنپٹی پر ہلکا سا بے آواز بوسہ لیا اور جان امتحنہ کو اس کے کیفر کردار تک پہنچانے کے سنگلاخ عزم کے ساتھ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ میں گوپال کو نریش شرما کے دفتر میں گھسنے کے بارے میں بتاتا رہا۔

کام ایکایک اور بہت تیزی سے شروع ہوا تھا۔ ہمارے پاس صرف وہی ایک رات تھی اور ہمیں صبح ہونے سے پہلے یہ سب سمیٹ لینا تھا تاکہ سکون اور یک سوئی کے ساتھ اگلی صبح واپسی کے سفر کا آغاز کرسکیں۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

چراغ بجھتے چلے جارہے ہیں سلسلہ وار
میں خود کو دیکھ رہا ہوں، فسانہ ہوتے ہوئے

(جمال احسانی)

مشہور مصنف جناب ابوضیاء اقبال 18 مئی بروز جمعہ 2001ء کی صبح اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم گزشتہ چند سال سے شدید بیمار تھے۔ جس کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کی تمام مصروفیات کا سلسلہ منقطع تھا۔ انہوں نے ایک طویل عرصے تک اپنی قلم کاری کے جوہر دکھائے۔ ادارہ جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز سے ان کی رفاقت خاصی طویل تھی۔ ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا وہ کبھی نہیں بھر سکتا۔ ادارہ ان کے پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دعا گو ہے کہ رب کریم انہیں اعلیٰ درجات سے نوازے، ان کے پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے..... آمین

(ادارہ)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مگاڑ میں ڈون کو انگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آسٹرل بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر نئی شے کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹار زنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد اسٹرک بیل اس ملک کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اور بائی ڈی منٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دتی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی۔ اس نے میرے اور اول خان کے فگر پرنٹس حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے کمرے کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کر لی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹیلی جنس کے غیر معمولی اودلیا بچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کارکن ہرنا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹیلی جنس کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرا لیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا پھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن لمارپا پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے کہ کرشن لمارپا پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر یہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس نے بھائی روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں نرنیک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود رائے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر نشی کو ہمارے بارے میں کچھ کہہ کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں ہم نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کی نشان دہی اور ہوٹل میں ہونے والی پولیس بیکنگ کے تجربے کے بعد ویرا نے الگ ہو کر دوسرے ہوٹل میں رہائش اختیار کی۔ ویرا کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر کراچی میں امرتی تو صلیٹ کا افسر جان اسمتھ دہلی پہنچ چکا تھا۔ اب ہمیں انل بسواس اور جان اسمتھ دونوں سے حساب کتاب برابر کرنا تھا۔ ٹی بی کے پاکستانی ایجنٹ وہاں کرین کو بدنامی فائل کی جستجو میں تھے۔ ہماری دہلی میں موجودگی کے دوران میں تین پاکستانی سفارتی اہل کاروں کو نرنیک حادثے میں ہلاک کرا دیا گیا۔ راؤ انوں کو ہماری سن گن مل چکی تھی لہٰذا ہمیں محتاط ہونا پڑا۔ اسی اثنا میں ایک خوبصورت بھارتی دوشیزہ رینا اہیت رائے میرے قریب آئی اور مجھے ہوٹل کے کمرے کی رنگین و نگین تمنائیوں میں آگاہ کیا کہ وہ انل بسواس سے مجھے ملوا سکتی ہے۔ اس کے مطابق وہ رینا کا انکل تھا۔ میں اس سے دوسری ملاقات کا وعدہ کر کے الگ ہوا تو عابد علی عرف کوپال نے بتایا کہ رینا را کی ایجنٹ تھی۔ مجھے پاکستان سے اول خان نے آگاہ کیا کہ وہاں منظر خان کے پاسپورٹ پر درج کوائف کی تصدیق کی گئی تھی۔ ویرا نے ہم سے الگ ہو کر اپنی اہانت کرنے والے پولیس افسر ونود کو ایک اطالوی سیاح کی مدد سے ہلاک کروایا۔ رینا سے اگلی ملاقات بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ ابتدا میں ہی را کے ایک ایجنٹ نے میری انگلیوں کے نشان حاصل کیے اور مجھے رینا کے ساتھ تنہا چھوڑ گیا۔ اس کے بعد رینا نے مجھے بتایا کہ وہ میاں پاکستانیوں کو اپنے حسن کا جال پھینک کر را کے لیے کام کرنے پر مجبور کرتی ہے اور میری اور اس کی پہلی ملاقات کی مکمل ویڈیو فلم انل بسواس کے پاس تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ رینا اہیت رائے میرے خلاف ایک خطرناک اور دیرا کھیل رہی تھی۔ بعد میں اس نے اقرار کیا کہ وہ واقعی مجھے انل بسواس سے بھرپور اکسیر اکام تمام کروانا چاہتی تھی۔ وہ کاسیکل ڈانس اکیڈمی کے انشائے راز سے ہراساں تھی اس لیے اپنی کوتاہی پر دہ ڈالنے کے لیے مجھے انل بسواس کے ہاتھوں موا نا چاہتی تھی۔ ویرا کی کارروائی کی بازگشت اسلام آباد تک میں سنی گئی اور میں نے اسے محتاط ہونے کی ہدایت کی۔ انل بسواس سے ملاقات طے ہونے کی خبر نے اسے بھی پریشان کر دیا تھا۔ وہ جان اسمتھ سے بھی نمٹ لینا چاہتی تھی مگر میری تادیب پر اس نے اپنے ارادے کو موخر کر دیا۔ میں را کے دفتر میں انل بسواس اور شرما' دونوں سے ملا۔ انل مجھے پاکستان کے خلاف جاسوسی پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا جسے بظاہر قدرے تامل کے بعد میں نے قبول کر لیا۔ میری خواہش پر "ذہنی" کی تلاش کا بڑا کام بھی میرے سپرد کر دیا گیا۔ شرما کے دفتر میں بہت کچھ تھا جس میں کرین کو برا فائل' ٹاک ازمی کیشن فائل اور میری اپنی فائل۔ را کے دفتر سے میری نیٹیت واپسی ہوئی اور میں نے اسی رات وہاں نقب لگا کر یہ سارا مواد اڑا لینے کا منصوبہ بنا لیا۔ ہمارے پاس صرف ایک رات تھی' اسی میں غزالہ نے جان اسمتھ کو بھی اڑا نشانہ بنانا تھا اور مجھے اپنا کام مکمل کرنا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں گوپال کے ساتھ پروگرام طے کر کے فارغ ہوا تو غزالہ کو ہوٹل سے گئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ میں نے غیر ارادی طور پر سگریٹ سلگائی اور پھر اپنی جگہ چھوڑ کر ہوٹل کے کشادہ کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

میں نے غزالہ کو جان اسمتھ کی طرف روانہ کر دیا تھا کیونکہ اس امریکی درندے کو شکار کرنے کے لیے ہم میں سے وہی سب سے زیادہ موزوں تھی مگر غزالہ کے جاتے ہی میرے ذہن میں فکرو تشویش کے سائے منڈلانے لگے تھے۔ اگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غزالہ کسی وجہ سے اپنے مشن میں ناکام رہتی، جان اسمتھ تک پہنچنے یا اسے ٹھکانے لگانے میں کامیاب نہ ہوتی اور بے نیل و مرام واپس لوٹ آتی تو اس مایوسی کو نوشتہ تقدیر سمجھ کر قبول کیا جاسکتا تھا لیکن میرے ذہن پر حملہ آور ہونے والے، خوف کے دوسرے سائے زیادہ مہیب تھے۔

غزالہ کی وہ مہم ناکامی سے زیادہ بڑے کسی خطرے سے بھی دوچار ہوسکتی تھی۔ جان اسمتھ کا بال بھی بیکا نہ ہوتا لیکن کسی نہ کسی وجہ سے غزالہ کی زندگی سنگین خطرات سے دوچار ہوسکتی تھی۔ یہ ایسا خوف تھا کہ اس نے مجھے اندر سے بے چین کردیا۔ سمراٹ ہوٹل میں جان اسمتھ کی کمین گاہ کی طرف جانے کی تجویز غزالہ نے پیش نہیں کی تھی۔ ویرا سے گفتگو کرنے کے بعد اس خیال نے میرے ذہن میں جنم لیا تھا کہ جان اسمتھ ان دنوں کراچی سے بھاگ کر دہلی آیا ہوا تھا۔ سفارتی مراسم میں پیدا ہونے والی متوقع پیچیدگیوں کی بنا پر ہم پاکستان میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ بھارت کی سرزمین پر اسے اس کی مذموم سرگرمیوں کی قرار واقعی سزا دینا خاصا سہل تھا۔ سانپ بھی مرجاتا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹتی۔ ان وجوہ کی بنا پر اسے دیکھنا ضروری ہوگیا تھا۔

ویرا نے رابرٹو و سیلینی کے ذریعے جو طریقہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا، وہ بالکل بودا اور غیر یقینی تھا۔ اس کی کامیابی کا ذرا بھی امکان نہیں تھا۔ دوسری طرف یہ خدشہ قوی تھا کہ جان اسمتھ کو زہریلی انگوٹھیوں کا راز معلوم ہوجاتا اور ہم اپنے اس حربے کے آزادانہ استعمال کی سہولت سے محروم ہوجاتے۔ ہمارے پاس بیم گن جیسا خوفناک ہتھیار موجود تھا جو دشمن کے وجود سے لے کر فولادی چادر تک کو لمحوں ہی لمحوں میں گلا دینے کی صلاحیت رکھتا تھا مگر خرابی یہ تھی کہ ہمارے ہر قابل ذکر دشمن کو یہ معلوم ہوچکا تھا کہ ہم بیم گن سے لیس تھے۔ کہیں بھی اسے استعمال کیا جاتا تو دشمنوں کو فوراً ہماری موجودگی کا علم ہوجاتا اور وہ اپنے سارے وسائل ہماری تلاش پر مرکوز کردیتے۔

بیم گن کے برعکس بے ہوش کرنے یا ہلاک کرنے والے زہریلے سیال سے بھری ہوئی انگوٹھیاں بہت غیر روایتی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کا شکار ہونے والے کے بارے میں یہ پتا ضرور چل جاتا کہ اسے زہر دیا گیا ہے لیکن زہر دینے کا طریقہ کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ اس کا سب سے بڑا اور تازہ ترین ثبوت یہ تھا کہ ویرا نے دہلی پولیس کے انسپکٹر ڈیوڈ کو ایسی ہی ایک انگوٹھی کے ذریعے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا لیکن دہلی پولیس انگوٹھی کے راز تک نہیں پہنچ سکی تھی۔

رابرٹو و سیلینی کے ذریعے کوئی انگوٹھی جان اسمتھ تک پہنچ جاتی تو وہ اتنا احمق نہیں تھا کہ ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر، پراسرار انداز میں ملنے والی انگوٹھی کا شکار ہوجاتا۔ وہ تجسس اور احتیاط کے ساتھ انگوٹھی کا جائزہ لیتا اور بالکل صحیح نتیجے پر پہنچ جاتا۔ وہ بات جان اسمتھ تک محدود نہیں رہتی۔ اس کے بھارتی حلیفوں کو بھی معلوم ہوجاتا کہ دہلی میں کچھ لوگ اپنے دشمنوں کو مارنے کے لیے زہریلے نگینوں والی انگوٹھیاں استعمال کررہے تھے۔

بھارت میں پہلے ہی نامعلوم اور خطرناک پاکستانی دہشت گردوں کی آمد کی خبر پھیلی ہوئی تھی۔ بات کہیں سے کہیں پہنچ جاتی۔ را اور سی آئی اے والے یک جا ہوکر مغز زنی کرتے تو ان کے لیے صحیح نتیجے پر پہنچنا زیادہ دشوار نہ ہوتا۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ نئے انکشاف کی روشنی میں انسپکٹر ڈیوڈ کے قتل کی تفتیش یکایک کوئی نیا رخ اختیار کرلیتی اور ویرا کی یہ دھمکی حقیقت کا روپ دھار لیتی کہ دہلی کی کوتوالی کے بعض اہلکاروں کو ڈیوڈ کے بارے میں معلومات جمع کرنے والا اطالوی نوجوان یاد آجاتا۔

جان اسمتھ پر طبع آزمائی ضروری تھی۔ رابرٹو و سیلینی کو استعمال کرنے کے بارے میں ویرا کی تجویز ناقابل عمل تھی۔ ویرا بذات خود جان اسمتھ کا رخ کرتی تو دور ہی سے پہچانی جاسکتی تھی۔ یہ سب امکانات ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے غزالہ کو جان اسمتھ کی طرف بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپنے ذہن میں ان تمام واقعات اور حالات کا جائزہ لیتے ہوئے مجھے پورا یقین تھا کہ میرا فیصلہ غلط نہیں تھا۔ نظر آنے والے حالات کی روشنی میں اس سے بہتر فیصلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ یہ اور بات تھی کہ غزالہ کے روانہ ہوجانے کے بعد مجھے اس فیصلے میں مضمر خطرات کا بہت شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

وقت سدا سے ایک ہی رفتار سے چلتا چلا آیا ہے لیکن تشویش اور اضطراب کے ان لمحات میں مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت کا پہیہ رک رک کر، بہت سست رفتار سے چل رہا ہو۔ میرا اندازہ تھا کہ کوئی غیر معمولی رکاوٹ پیش نہ آئی تو غزالہ کو کامیابی یا ناکامی کی ہر دو صورتوں میں دو گھنٹے کے اندر اندر چانکیر پوری کے علاقے سے واپس لوٹ آنا چاہیے۔ مجھے کسی نہ کسی طرح خود پر قابو رکھ کر وہ دو گھنٹے گزارنے تھے۔

ٹہلتے ٹہلتے میں اچانک ٹیلی فون کے پاس رک گیا۔ ذہن میں ایک روسی آئی تھی کہ میں ویرا سے رابطہ کروں اور اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بتاؤں کہ غزالہ شکار کی تلاش میں نکلی ہوئی تھی۔ وہ خود بھی ہوٹل سمراٹ کے کمرا نمبر تین سو دس کی طرف روانہ ہوجائے تاکہ جان اسمتھ سے دور رہ کر ضرورت کے لمحات میں غزالہ کی مدد کرسکے مگر میں نے فوراً ہی وہ ارادہ منسوخ کردیا۔ ہوٹل کے اطراف میں ویرا کی موجودگی کسی نئے مسئلے کو جنم دے سکتی تھی۔

○☆○

ویرا نے گلاس سے اسکاچ کا ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور پھر تخیلی نظروں سے رابرٹو کو گھورنے لگی "شاید تم نے سنا نہیں کہ میں نے تم سے کیا کہا ہے۔ میں نے تمہیں بہت برداشت کرلیا۔ آج کی رات میں آزاد رہ کر بسر کرنا چاہتی ہوں۔"

"مگر کیوں؟" رابرٹو نے الجھی الجھی نظروں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "مجھے یہ جاننے کا حق ہے کہ تم نے ذرا سی دیر میں اپنا فیصلہ کیوں بدل دیا؟ تم صبح میرے ذریعے ایک بند لفافہ ہوٹل سمراٹ میں کسی کو بھجوانے والی تھیں۔"

ویرا خاصے ناکافی لباس میں مسہری پر نیم دراز ہو کر سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لے رہی تھی۔ مسہری کی سائیڈ ٹیبل پر اس کی مے نوشی کے لوازم موجود تھے جبکہ رابرٹو ٹیلیفونی ٹیلی ویژن کے سامنے صوفے پر اداس بیٹھا ہوا تھا۔ ٹیلی ویژن کی اسکرین پر تصاویر چل پھر رہی تھیں لیکن آواز بند تھی۔

"میں تمہاری ملازم نہیں ہوں۔ اپنی مرضی کی مالک ہوں۔ میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ تم ایک بزدل اور زن مرید شخص ہو۔ لڑکیوں کو الّو بنا کر مفت میں اپنا وقت رنگین بنانے کے عادی ہو۔ عملی طور پر کوئی بھی کام کرنے کے اہل نہیں ہو۔"

"میں ہر کام کرسکتا ہوں۔" رابرٹو نے احتجاج کیا "یونیورسٹی میں میرا شمار دس بہترین شاگردوں میں ہوتا ہے۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ دس بیس کتابوں سے نقل کرکے بہتیرے طلبا عمدہ مقالے تیار کرلیتے ہیں۔" ویرا نے اس کا مضحکہ اڑایا "ایسے منظورِ نظر شاگرد جب عملی زندگی کی ٹھوس حقیقتوں سے ٹکراتے ہیں تو ان کے اوسان خطا ہوجاتے ہیں۔"

"اسے نقل نہیں، تحقیق کہتے ہیں۔ کسی موضوع پر تحقیق کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔"

"تم جو چاہو، کہتے رہو۔ میرے نزدیک نقل، نقل ہی رہتی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کب جارہے ہو؟"

"میں تم سے وعدہ کرچکا ہوں۔ تمہارا لفافہ مطلوبہ شخص تک پہنچانے کے بعد کل صبح چلا جاؤں گا۔ آج کی شب مجھے اپنی ریشمیں زلفوں کے سائے میں گزار لینے دو۔ پچھلی تین راتوں سے تم نے مجھے اپنا کھلونا بنایا ہوا ہے۔ ہنستی کھیلتی ہو، اکساتی ہو اور پھر دل توڑ دیتی ہو....."

"بکواس مت کرو۔" ویرا اس پر غرائی "تھوڑی دیر پہلے میں نے تم کو بلاوجہ اپنے بدن کا رازداں قرار نہیں دیا تھا۔ میں نے تم کو بہت زیادہ قرب سے نوازا ہے۔"

"این! غلط بیانی مت کرو!" رابرٹو نے کراہتے ہوئے کہا "تم پیاسے کو کنویں کی منڈیر تک ضرور لے گئی ہو لیکن پانی سے بھرا ہوا ڈول اس کے ہاتھوں سے چھین کر کنویں میں الٹ دیتی ہو۔ اسے اپنی پیاس نہیں بجھانے دیتیں، تشنگی اور بڑھا دیتی ہو۔ میں جب سے تمہارے اس کمرے میں آیا ہوں، سلگ اور سسک رہا ہوں۔ اس وقت بھی دیکھ لو کہ تم نے بے پروائی سے کتنا کم اور بے ڈھنگا لباس پہنا ہوا ہے۔ میری جگہ جو بھی اس کمرے میں ذرا سی دیر کے لیے آئے گا تمہارے بدن کا رازداں بن جائے گا۔ میں تمہارے ساتھ رہنے کے باوجود تم سے بہت دور ہوں۔ تمہیں کچھ دیر کے لیے مہربان دیکھنا میری حسرت ہے۔ اسے پورا کردو۔"

"میں ہر شخص کو اس کی حد بلکہ اوقات میں رکھتی ہوں۔" ویرا نے دوسرا گھونٹ لے کر بے رخی سے کہا "میں نے پہلے ہی دن اندازہ لگالیا تھا کہ تم بہت زیادہ دلیر اور قابلِ اعتماد نہیں ہو۔ میں بہادر مردوں کی قدر کرتی ہوں۔ بزدلوں سے دور رہتی ہوں۔"

"تم مجھے بار بار بزدلی کا طعنہ کیوں دے رہی ہو؟ میں نے اب تک تمہاری ہر بات مانی ہے۔ تم نے....."

ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اس کی بات اڑا دی "یہ تمہاری سب سے بڑی بزدلی ہے کہ میرا قرب حاصل کرنے کے لیے، اپنی انا کی پروا کیے بغیر میرے اشاروں پر ناچ رہے ہو۔ تم میں ذرا سی بھی غیرت ہوتی تو میرے بال پکڑ کر دو تھپڑ لگاتے اور اپنی راہ ہو لیتے۔"

حیرت اور بے یقینی سے رابرٹو کی آنکھیں پھیل گئیں "اب تم حد سے تجاوز کررہی ہو۔ میں دس بار جاچکا ہوتا مگر تم نے دھمکیاں دے کر مجھے یہاں رکنے پر مجبور کیا ہوا ہے۔"

"پھر میری فرماں برداری کا دعویٰ کیوں کررہے ہو؟ میں کہہ رہی ہوں کہ جاؤ تو اب چلے جاؤ۔"

بات رابرٹو کی برداشت سے تجاوز کرگئی۔ اس نے ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ دی "میں جا رہا ہوں۔ میرا پاسپورٹ اور ٹکٹ کہاں ہے؟"

ویرا نے اطمینان سے مسہری کے گدے کے نیچے ہاتھ ڈالا اور رابرٹو کی دونوں چیزیں نکال کر اپنے قدموں کی طرف اچھال دیں "میں تمہیں جانے کی اجازت دے رہی ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ انسپکٹر ڈیوڈ کے بارے میں تم نے کہیں زبان کھولنے کی حماقت کی تو میرے ساتھ تم بھی مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" رابرٹو نے اپنی سفری دستاویزات بے صبری سے مسہری پر سے اٹھاتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا "میں یہ بات اٹلی پہنچ کر بھی یاد رکھوں گا۔ مجھے پہلی بار اندازہ ہوا ہے کہ خوب صورت اور بھولی بھالی نظر آنے والی لڑکیاں درحقیقت کتنی مکار اور سنگ دل ہوتی ہیں۔"

"اگر بھولے سے کبھی شادی کر ہی لو تو اپنی ہونے والی اولادوں کو بھی اپنے تجربے سے آگاہ کر دینا۔" ویرا نے اپنی جگہ سے جنبش کیے بغیر، مسکراتے ہوئے کہا "یہ راز کی باتیں ہیں۔ ہزاروں میں ایک آدھ ہی مرد کے علم میں آتی ہیں۔"

رابرٹو ویلینی زندگی کے سرد و گرم کو نوشتہ تقدیر سمجھ کر برداشت کر لینے والا ایک روایتی سیاح تھا۔ اس نے بس ایک نظر بھر کر ویرا کی طرف دیکھا، جھک کر اپنا اکلوتا سفری تھیلا اٹھایا، پاسپورٹ اور ٹکٹ اس کی بغلی جیب میں رکھا اور تھیلا کاندھے پر لٹکا کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"اوکے۔ گڈ بائے فار ایور۔" کمرے کے بند دروازے پر اس نے لمحہ بھر کے لیے رک کر ویرا کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

دروازہ قدرے آواز کے ساتھ بند ہوا۔ وہ آواز سنتے ہی ویرا نے کسی بازی گر کی طرح اچھل کر مسہری چھوڑ دی۔ وہ دیر سے شراب نوشی کر رہی تھی لیکن عملی طور پر خمار کے اثرات سے عاری نظر آ رہی تھی۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے اپنے سراپے کا جائزہ لیا اور کچھ سوچ کر مسکرانے لگی۔

فون پر مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد ہی وہ رابرٹو ویلینی سے اپنا پیچھا چھڑانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اس کی چھٹی حس اسے بتا رہی تھی کہ نئی تبدیلیوں کے بعد حالات اچانک کوئی خطرناک رخ اختیار کر سکتے ہیں۔ ایسا کوئی نازک موڑ آنے سے پہلے اسے رابرٹو سے الگ ہو کر ہوٹل چھوڑ دینا چاہیے۔

ویرا کا آدھا گلاس باقی تھا۔ اس نے گلاس کے برابر میں رکھی ہوئی بوتل پر نگاہ ڈالی اور اس میں بچی ہوئی اسکاچ بھی گلاس میں انڈیل لی۔ کمرا چھوڑنے سے پہلے وہ گلاس اور بوتل میں موجود شراب کا آخری قطرہ تک اپنے معدے میں اتارنے کا ارادہ کر چکی تھی۔

اس کے پاس کافی وقت تھا۔ وہ گلاس سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے کر تیار ہوتی رہی۔ اپنے بدن سے اتارا ہوا، جالی کا مختصر لباس اپنے تھیلے میں ڈالا۔ ڈریسنگ ٹیبل سے اپنی گنی چنی چیزیں سمیٹیں اور پھر رومال کی مدد سے ہر اس چیز کو صاف کرنے میں مصروف ہو گئی جس پر اس کی انگلیوں کے نشانات باقی رہ سکتے تھے۔

اس کا آخری کام خاصا طویل اور صبر آزما ثابت ہوا۔ رہ رہ کر اسے کمرے کی متعدد اشیا یاد آتی رہیں جنہیں وہ استعمال کرتی رہی تھی۔ آخر میں باتھ روم کے واش بیسن وغیرہ پر لگی ہوئی پانی کی ٹونٹیوں کے دستے صاف کر کے وہ مطمئن ہو گئی۔

کمرا چھوڑنے سے پہلے اس نے کاؤنٹر پر انٹرکام کے ذریعے بتا دیا تھا کہ اس کا حساب فوری طور پر تیار کر لیا جائے۔

تھوڑی دیر بعد اس نے دستی بیگ سنبھال کر اپنا کمرا چھوڑ دیا۔ وہ لفٹ کے ذریعے نیچے پہنچی تو لابی میں چند قدم آگے بڑھتے ہی اسے ایک ذہنی جھٹکے کا سامنا کرنا پڑا۔ رابرٹو ویلینی نے اس کا کمرا چھوڑ دیا تھا مگر ہوٹل کو خیرباد نہیں کہا تھا۔ وہ پاؤں پسارے، ایک صوفے میں ڈھیر تھا۔ اس کا سفری تھیلا اس کی گود میں رکھا ہوا تھا جسے اس نے اپنی چہیتی اولاد کی طرح دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لیا ہوا تھا۔

ویرا اس وقت رابرٹو کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنا راستہ بدل لے لیکن سیدھا چلتے چلتے، اچانک مڑ جانے پر وہ کئی متعجب نگاہوں کا مرکز بن سکتی تھی۔ وہ دل کڑا کر کے سیدھی بڑھتی چلی گئی۔ قریب پہنچنے پر اسے اندازہ ہوا کہ رابرٹو آنکھیں بند کیے، صوفے پر اونگھ رہا تھا۔

وجہ

ایک صاحب نے ویٹر کو بلا کر شکایت کی "میرے سوپ میں ایک پتا تیر رہا ہے؟"

"یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے جناب!" ویٹر نے اطمینان سے جواب دیا "دراصل ہر بڑے شہر میں ہمارے ریستوران کی شاخیں ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ویرا کے ساتھ ہوٹل کے ایک کمرے میں محبوس مگر ویرا سے دور رہنے کی وجہ سے شاید وہ ایک رات بھی پوری نیند نہیں لے سکا تھا۔ خواب گاہ میں جلنے والے زیرو واٹ کی ناکافی روشنی میں حسرت بھری نگاہوں سے ویرا کو دیکھنے اور بے چینی سے کروٹیں بدلتے رہنے کی وجہ سے وہ یکایک نیند سے مغلوب ہوگیا تھا۔

ویرا دبے قدموں اس کے قریب سے گزر کر کاؤنٹر پر پہنچی۔ ضروری اندراجات کے بعد اس نے اپنے ذمے واجب الادا رقم ادا کی۔ اس دوران میں عملے نے ٹال مٹول کرکے اتنا وقت لے لیا تھا کہ ویرا کے فلور پر مامور روم سروس کے عملے سے یہ تصدیق ہوسکے کہ ویرا کے چھوڑے ہوئے کمرے میں ہوٹل کی ملکیتی ہر چیز صحیح سلامت تھی۔ وہ تصدیق نہ ہونے کی صورت میں ویرا کے ذمے واجب الادا رقم میں متناسب اضافہ ہو سکتا تھا۔

ویرا ہوٹل سے نکلی تو کناٹ پلیس کا علاقہ روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ہر طرف لوگوں کی بھیڑ تھی جس میں ہر رنگ اور نسل کے شوقین سیاح بھی نظر آرہے تھے۔ مقامی فن، صناعی اور دست کاری کے شاہکاروں سے لدی پھندی، وکٹورین طرز کی اونچی دکانوں اور مارکیٹوں میں بھی خریداروں اور شائقین کی بھیڑ تھی۔

ویرا نے کچھ سوچے سمجھے بغیر ہوٹل چھوڑا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک بات جم کر رہ گئی تھی کہ میں نے اسے دہلی سے فرار کی ہدایت کی تھی۔ اس نے ہوٹل چھوڑ دیا تھا اور رات کی آخری ٹرین سے امرتسر روانہ ہونے کا ارادہ تھا لیکن ہوٹل سے نکلنے کے بعد اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنا درمیانی وقت کہاں گزارے۔

ہوٹل مرینا سے کچھ دور نکل آنے کے بعد ایک ٹیکسی رینگتی ہوئی قریب سے گزری اور ویرا نے بے اختیار ہاتھ ہلا کر اسے روک لیا۔

دہلی میں ٹیکسیاں میٹر کے حساب سے کرایہ لیتی ہیں لیکن متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے مقامی ان میٹروں پر اعتبار نہیں کرتے کیونکہ ایک ہی فاصلے کے لیے ہر ٹیکسی کا میٹر الگ کرایہ بتاتا ہے۔ اس لوٹ مار کے انسداد کے لیے قوانین موجود ہیں لیکن ان کا نفاذ کہیں نظر نہیں آتا۔ ویرا مقامی نہیں تھی۔ اس کی جیب میں خاصی رقم موجود تھی۔ ڈرائیور نے اپنی نشست پر بیٹھے بیٹھے جھک کر عقبی دروازہ کھولا۔ اس کی طرف سے وہ ویرا کی گوری چمڑی یا شاید خوب صورتی کے لیے خراجِ عقیدت تھا۔ ویرا بے نیازی سے پچھلی نشست پر بیٹھ گئی اور دروازہ بند کرلیا۔ اس وقت وہ ہوٹل مرینا اور اس کی لابی میں اونگھتے ہوئے رابرٹو ویلینی سے بہت دور نکل جانا چاہتی تھی۔

کناٹ پلیس کی پرہجوم سڑک پر گاڑی چند ثانیوں تک رینگتی رہی۔ وہاں شہر کے مختلف علاقوں سے آنے والی دس سے زائد سڑکیں یک جا ہوتی تھیں۔ ڈرائیور کو بہت جلد فیصلہ کرنا تھا کہ اسے کہاں سے مڑنا ہے۔ جب ویرا نے اپنی منزل کے بارے میں زبان نہیں کھولی تو ڈرائیور نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں اس سے سوال کیا۔ ویرا چونک پڑی۔ اس وقت اس کے ذہن پر یہ خلش سوار تھی کہ جان اسمتھ دہلی میں موجود ہونے کے باوجود مفت میں چھوڑا جارہا تھا۔ اس نے بے ساختہ ہوٹل سمراٹ کا نام لے دیا اور ٹیکسی کی رفتار میں ہلکی سی تیزی آگئی۔

ڈرائیور ہندی میں کچھ بڑبڑایا۔ چند ٹھیٹ الفاظ کو چھوڑ کر بقیہ الفاظ وہی تھے جو اردو میں بولے جاتے ہیں۔ مفہوم ویرا کے لیے واضح تھا۔ وہ دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکی۔ ڈرائیور اپنے ماں باپ کو کوس رہا تھا جنہوں نے اسے پانچویں جماعت سے آگے نہ پڑھنے دیا اور بے چارہ انگریزی میں کورا رہ گیا۔ اسے جھنجلاہٹ تھی کہ قسمت سے ایک میم کی سواری ملی تھی تو وہ اس سے بات کرنے کے قابل نہیں تھا۔

ویرا ابتدا سے ہی اردو سے انجان بنی ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی زبان سے صاف ستھری اردو سن کر ہر مقامی حیران رہ جائے گا۔ وہ بات زیادہ پھیلتی تو ویرا کی اصلیت کا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا۔ وہ بظاہر لاتعلق بنی کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔

دہلی میں اچھی بات یہ تھی کہ لوگوں کی رہنمائی کے لیے سڑکوں اور اہم مقامات کے نام انگریزی اور ہندی میں نمایاں مقامات پر کندہ یا لکھے ہوئے تھے۔ وہ بہت معمولی اور بنیادی سہولت تھی جو سیاحوں کے لیے حوصلہ افزا تھی۔ وہ شہر کے کسی ٹھگ کے چنگل میں پھنسے بغیر کسی نہ کسی طرح اپنی راہ تلاش کرسکتے تھے۔

ٹیکسی کناٹ پلیس سے نکل کر جان پاتھ نامی سڑک پر سفر کرتی رہی۔ اسی سڑک پر ونڈسر پلیس کا چوراہا گھومتے ہوئے ڈرائیور نے استفہامیہ انداز میں انڈیا گیٹ کا نام لیا۔ ویرا سمجھ گئی کہ ڈرائیور اسے شہر کی سیر کرانے اور کرایہ بڑھانے کی فکر میں تھا۔

ویرا کے ذہن میں کوئی خاص کام یا منصوبہ نہیں تھا۔ وہ خود وقت گزاری کے موڈ میں تھی۔ اس نے فوراً یس کہہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا۔

ٹیکسی ونڈ سرپلیس سے فیروز شاہ روڈ پر گھوم گئی۔ ویرا کو سمت اور راستوں کا کوئی ادراک نہیں تھا۔ ٹیکسی کستوربا گاندھی مارگ سے ہوتی ہوئی انڈیا گیٹ کے حسین اور جگمگاتے ہوئے علاقے میں داخل ہوگئی۔ ڈرائیور اپنی گوری مسافر کی رہنمائی کے جوش میں' ہاتھ ہلا ہلا کر مختلف نام لیتا رہا جن میں جنگی یادگار' میوزیم' آرٹ گیلری اور بچوں کے پارک وغیرہ کے نام اہم تھے۔

اس بار ٹیکسی شاہ جہاں روڈ پر نکلی تو ویرا سوچے بغیر نہیں رہ سکی کہ ہندوؤں نے اپنے بے مثال تعصب کے باوجود نہایت مکارانہ مصلحت اندیشی سے کام لیا تھا۔ اپنی سرزمین پر مسلمانوں کی طویل حکمرانی کے نقوش کو تہس نہس کرنے کے بجائے سڑکوں اور یادگاروں وغیرہ کے پرانے نام تک برقرار رہنے دیے تھے تاکہ آنے والوں کو اپنی مذہبی رواداری سے مرعوب کرسکیں۔ دوسری طرف پاکستانیوں کی جذباتی حماقتوں کا یہ عالم تھا کہ آئے دن سڑکوں' بستیوں اور مقامات کے ناموں کو تبدیل کیا جاتا تھا۔

وہ ویرا کا ذاتی تجزیہ تھا جس سے کسی کا متفق ہونا ضروری نہیں تھا لیکن اس کی اہمیت یہ تھی کہ وہ پاکستانی یا بھارتی نہیں تھی۔ پیدائشی طور پر امریکی نژاد تھی اور ہر امریکی کی طرح اس کی کہی ہوئی بات بھی توجہ کی مستحق تھی۔

دہلی کے ایک حصے کے اس مختصر سے سفر میں ویرا نے مسلمان زعما کے ناموں پر متعدد سڑکیں دیکھیں۔ اورنگ زیب روڈ' صفدر جنگ روڈ اور کمال اتاترک روڈ سے گزرنے کے بعد ٹیکسی چانکیہ پوری کے جدید علاقے میں داخل ہوگئی جو یقیناً مسلمانوں اور انگریزوں کی طویل حکمرانی کے بعد بسایا گیا تھا اور وہاں ہر طرف ہندوانی ناموں کا تسلط تھا۔ کچھ دیر بعد ڈرائیور نے ٹیکسی ہوٹل سمراٹ کے پورچ میں گھمانی چاہی تھی کہ ویرا نے بوکھلا کر اسے روک دیا۔

وہ اپنے خیالات کی رو میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ جان اسمتھ کی کمین گاہ کے نزدیک پہنچ چکی تھی۔ وہ براہِ راست ہوٹل میں داخل ہو کر کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی۔ اس نے فٹ پاتھ کے کنارے' ٹیکسی ڈرائیور کو دو سو روپے دے کر فارغ کردیا۔ وہ رقم کرایے سے بہت زیادہ تھی۔ توقع سے زیادہ انعام پاکر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے واپسی کے بارے میں پوچھا۔ اس کا ایک لفظی سوال انتظار کے بارے میں تھا۔

ویرا نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑا کر اندازہ لگالیا تھا کہ چانکیہ پوری دہلی کے روسا اور سفارتی معززین کا علاقہ تھا جہاں صرف کار نشینوں کا ہی گزر ہوسکتا تھا مگر ہوٹل کی حدود میں ٹیکسی وغیرہ کی آمدورفت یقینی تھی۔ بس ایک نکتہ تھا کہ کسی ہنگامی ضرورت کے پیش آنے پر وہاں سے روانگی کے لیے فوری طور پر کوئی گاڑی دستیاب ہوسکے۔ غالب امکان یہ تھا کہ ہوٹل سمراٹ میں ایسی کوئی ہنگامی ضرورت پوری نہیں ہوسکے گی۔ جب بھی ٹیکسی ملے گی' اپنے وقت پر ملے گی۔

ویرا نے ڈرائیور کو رکنے کا عندیہ دے دیا اور اشاروں کی مدد سے سمجھا دیا کہ وہ باہر رکنے کے بجائے ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں ویرا کی واپسی کا انتظار کرے۔

اس بار ڈرائیور نے سخت انداز میں نو' نو کی تکرار کی اور ویرا کے لیے پچھلا دروازہ کھول دیا۔

"ویٹ.... او نلی ویٹ!" ویرا نے ہاتھ سے دروازہ بند کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہائے رام!" ڈرائیور اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بے بسی سے بڑا بڑایا "اس سسری کو کون سمجھائے کہ پارکنگ کا میدان بہت بڑا ہے۔ اس کے پتاجی بھی اپنی سادھی چھوڑ کر باہر نکل آئیں تو ہماری گاڑی بٹیا کو نہیں ڈھونڈ سکیں گے۔"

ڈرائیور کی مجبوری اور بے بسی پر ویرا نے اپنے بے ساختہ قہقہے کو بمشکل اپنے حلق کی گہرائیوں میں دفن کیا۔ ڈرائیور کی پریشانی بالکل جائز تھی۔ وہ ویزا کے فائدے کی بات سوچ رہا تھا لیکن اسے ضبطِ تقریر میں لانا اس بے چارے کے بس سے باہر تھا۔

ویرا ہندی اور اردو سے نابلد بنی ہوئی تھی اس لیے اپنی تفہیم کے اظہار سے قاصر تھی۔ بس کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنے شانے اچکائے اور دوبارہ ٹیکسی میں سوار ہوگئی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہی ہو کہ میرے ساتھ جو سلوک کرنا ہے' کرلو میں نے خود کو تمہارے سپرد کردیا ہے۔

ادھیڑ عمر ڈرائیور نے بہت مسرت آمیز انداز میں ٹیکسی کا دروازہ بند کیا اور پھرتی سے اپنی نشست پر پہنچ کر انجن اسٹارٹ کردیا۔

پارکنگ لاٹ کا میدانِ واقعی بہت وسیع تھا اور اس کا بیشتر حصہ اس وقت خالی تھا مگر وہاں آنے والی گاڑیوں کے تسلسل سے صاف ظاہر تھا کہ ایک دو گھنٹے بعد وہاں گاڑیوں کا ایسا ہجوم جمع ہوجائے گا کہ محض اندازے سے کسی کار یا ٹیکسی کو تلاش کرنا ناممکن ہوجائے گا۔ ویرا دل ہی دل میں ٹیکسی ڈرائیور کی پیشہ ورانہ دوراندیشی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈرائیور نے پارکنگ کے پہلے واضح بورڈ کے قریب ٹیکسی پارک کردی۔ ویرا نیچے اتری تو ڈرائیور اس کی یاددہانی کے لیے بورڈ کی طرف تاکیدی اشارے کررہا تھا۔ ویرا نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور لمحہ بھر سوچنے کے بعد اپنا مختصر سا دستی بیگ گاڑی میں ہی ڈال دیا۔ اس نے اندازہ لگایا تھا کہ ڈرائیور بے ایمان نہیں تھا اگر اس کے دل میں کوئی کھوٹ آہی جاتا تو اس بیگ میں ویرا کے دو تین جوڑوں اور زنانہ استعمال کی چند ذاتی اشیا کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میرے مشورے کے مطابق اس نے نقدی اور پاسپورٹ کو اپنی کمر کے گرد کسی ہوئی بیلٹ میں محفوظ کیا ہوا تھا۔

اس نے ہاتھ لہرا کر ڈرائیور کو اشارہ کیا اور ہوٹل سمراٹ کے روشنیوں میں نہائے ہوئے پورچ کی طرف چل دی۔

اس وقت تک ویرا کا ذہن بالکل صاف تھا۔ جان اسمتھ کے خلاف وہ اپنے عزائم کو خیرباد کہہ چکی تھی مگر پھر بھی ہوٹل سمراٹ کی حدود میں موجود تھی!

○☆○

جان اسمتھ کے بارے میں میری تجویز سن کر غزالہ دل ہی دل میں جھوم اٹھی تھی۔ اس کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ میں نے بھارت جیسے مکار اور سفاک ملک میں ایک اہم مشن اسے سونپنے کا فیصلہ کیا تھا۔

جان اسمتھ ہم سب کے لیے ایک ایسا روگ بن گیا تھا جسے کاٹ کر اپنے وجود سے جدا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پاکستان کی سرحدوں میں رہتے ہوئے ہم اس روگ کی پرورش کرنے پر مجبور تھے۔ دہلی میں وہ پہلا اور شاید آخری موقع تھا کہ ہم پاکستان کے خلاف سی آئی اے کے بین الاقوامی آپریشنز کی سربراہی کرنے والے جان اسمتھ کو موت کی اس بھیانک دلدل میں اتار سکیں جس کا وہ مستحق تھا۔

غزالہ کے لیے اس اہم ترین ذمے داری کو سرانجام دینا ایک اعزاز سے کم نہیں تھا۔

اس نے ہوٹل سے ذرا دور نکل کر ایک ٹیکسی پکڑی اور ہوٹل سمراٹ کی طرف روانہ ہوگئی۔

غزالہ نے جوش اور جذبے کے ساتھ میری تجویز قبول کی تھی۔ اسے کچھ سوچنے یا سمجھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نے اشاروں کنایوں میں اسے یہ بتا دیا تھا کہ جان اسمتھ، ویرا کو پہچانتا تھا جبکہ غزالہ اس کے لیے قطعی اجنبی تھی۔ اس اجنبیت سے فائدہ اٹھا کر وہ بہت آسانی سے جان اسمتھ کا قرب حاصل کرسکتی تھی جس کے نتیجے میں ہمارے اس ازلی دشمن کا قصہ ہمیشہ کے لیے پاک ہوسکتا تھا۔

ٹیکسی کے سفر میں چند منٹ گزرنے کے بعد غزالہ کو احساس ہوا کہ وہ لمحہ بہ لمحہ اپنی اس منزل سے قریب ہوتی جارہی تھی جہاں موت سایہ فگن ہونے والی تھی۔ اس کا جوش ایک دم ٹھنڈا پڑگیا اور وہ خود کو آنے والے وقت کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرنے میں مصروف ہوگئی۔

میری اور اس کی مختصر سی گفتگو میں بین الاقوامی طور جو مفہوم پنہاں تھا، وہ اس کے ذہن میں پوری طرح سمایا ہوا تھا۔

جان اسمتھ اسے نہیں جانتا تھا۔ وہ امریکی سیکرٹ سروس کا ایک اہم اور ذمے دار عہدے دار تھا جسے اپنے سازشی فرائض کی انجام دہی کے لیے کراچی جیسے حساس شہر میں مامور کیا گیا تھا۔ کراچی میں ویرا نے پے در پے دو دھمکی آمیز فون کرکے اتنا حواس باختہ کردیا کہ بھڑک کر کراچی سے بھاگ نکلا کیونکہ کراچی ان دنوں غیر ملکی ایجنٹوں کے لیے ایک ہولناک مقتل و مدفن بنا ہوا تھا۔

جان اسمتھ سے پہلے کئی امریکی ایجنٹ کراچی میں مارے جاچکے تھے جن میں ڈیوڈ اور جمی کے نام سب سے تازہ تھے۔ ان سے پہلے جان اسمتھ کا پیش رو بھی اسی طرح بوکھلا کر کراچی سے دہلی فرار ہوا تھا۔ اس کے نویں منزل کے محفوظ ترین فلیٹ میں اس کی چہیتی کتیا سلطان شاہ کی کارروائی کا نشانہ بنی تھی۔ اور برائن ڈی ہنٹ کو خوف لاحق ہوگیا تھا کہ سارے حفاظتی انتظامات دھرے رہ جائیں اور کسی وقت وہ بھی اپنی کتیا کی طرح بے موت مارا جائے گا۔ وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ اس کی موت لکھی جاچکی تھی۔ وہ دنیا کے کسی بھی خطے میں جاتا، موت کا بے رحم آہنی چنگل اسے اپنی گرفت میں لے لیتا۔

یہ اس کی موت کا بہانہ تھا کہ ان ہی دنوں رستم ایرانی ہماری نگاہوں میں آیا اور اس نے ایک معقول رقم کے عوض یہ بندوبست کردیا کہ اوبرائن ڈی ہنٹ دہلی میں ٹریفک کے ایک حادثے میں بے رحمی سے کچل دیا جائے۔

غزالہ کے ذہن میں وہ واقعہ اپنی پوری جزئیات کے ساتھ تازہ تھا۔ ٹیکسی میں ہوٹل سمراٹ کی طرف جاتے ہوئے اسے یوں محسوس ہوا جیسے تاریخ خود کو دہرانے جارہی ہو۔ پہلے رستم ایرانی نے اپنے بھارتی دوستوں کے ذریعے اوبرائن ڈی ہنٹ کو مروایا تھا۔ اس بار غزالہ خود جان اسمتھ کا کام تمام کرنے والی تھی۔

جان اسمتھ کراچی سے دہلی پہنچنے کے بعد ذہنی اور نفسیاتی طور پر خود کو محفوظ تصور کررہا تھا۔ وہ ایک تنہا مرد تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ویرا اسے بارہا بتا چکی تھی کہ ہر جواں سال اور جوان دل امریکی رنگینی میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اپنے فرائضِ منصبی یا سیاحت کے سلسلے میں دور دراز کے سفر کرنے والے امریکی مرد بلکہ اکثر اوقات عورتیں بھی زیادہ دیر تک تنہا رہنا پسند نہیں کرتیں۔ یہ لوگ جہاں موقع پاتے ہیں' اپنے عارضی پڑاؤ کے لیے وقتی رفاقتیں پیدا کرلیتے ہیں اور اگر ایسا کوئی امکان نظر نہ آئے تو دوستیاں خرید بھی لیتے ہیں جہاں فریق ثانی کے وقت پر صرف ان کا تصرف ہوتا ہے۔ جسموں کے یہ کھلاڑی جذبوں کو کند چھری سے ذبح کرتے ہیں۔ وقت پورا ہوجانے پر خاموشی سے اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

غزالہ نے سوچ لیا تھا کہ وہ ہوٹل سمراٹ کی لابی سے انٹرکام کے ذریعے جان اسمتھ سے رابطہ کرے گی اور اسے پھسلائے گی۔ اگر جان اسمتھ کی وہ شام کسی بھارتی دوشیزہ کے نام نہ ہوتی تو قوی امکان تھا کہ غزالہ کی رسیلی باتیں سن کر وہ اسے اپنے کمرے میں مدعو کرلیتا۔

غزالہ ایک بار خاموشی سے اس کے کمرے میں پہنچنے میں کامیاب ہوجاتی تو اس کا ہاتھ جان اسمتھ کی شہ رگ تک پہنچ جاتا۔ مخصوص انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے کا زہر ذرا سے اشارے سے جان اسمتھ کے بدن میں اترتا اور وہ فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجاتا۔

جان اسمتھ کی بے آواز موت کے بعد غزالہ کے لیے اس کے کمرے سے نکل کر ہوٹل سمراٹ سے فرار ہونا زیادہ مشکل نہیں تھا۔

ایک طرف جان اسمتھ کا بھیانک نام تھا۔ دوسری طرف اس کا اتنا سہل انجام نظر آرہا تھا۔ خوف اور بے یقینی سے غزالہ کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

اس کے ذہن میں واقعات کی کڑیاں تیزی سے جڑنے لگیں۔ ہم بھارت کی رسوائے زمانہ راسے اس کی اپنی سرزمین پر برسرپیکار تھے۔ گو اس وقت تک ہمیں ڈیوڈ کی بے مقصد موت کے علاوہ کوئی عملی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی لیکن ہم کامیابیوں کی سمت میں خاصی پیش رفت کرچکے تھے۔

مجھے رینا اجیت رائے اور پھر ناگر کے ذریعے راسے پاکستانی ونگ کے سربراہ تک رسائی حاصل ہوچکی تھی۔ وہ مجھ سے میری تلاش میں مدد لینے کا خواہاں تھا۔ اس کا دست راست نریش شرما تھا جسے آخری درجے کا دہشت گرد اور کارِ اعظم کہا جاتا تھا۔ وہ اس قدر احمق اور غیر ذمے دار ثابت ہوا تھا کہ اس نے پاکستان سے تعلق رکھنے والی' راکی لیارہ خفیہ فائلیں بے پروائی سے اپنی میز پر پھیلالی تھیں۔

بھارتی سیکرٹ سروس میری ذات میں گہری دلچسپی لے رہی تھی لیکن انہوں نے میری سرگرمیوں کو اس طرح نظرانداز کیا ہوا تھا جیسے وہ مجھے بالکل بے ضرر اور نکما تصور کررہے ہیں۔

غزالہ کو خیال آرہا تھا کہ انل بسواس' نریش شرما اور ناگر سے ملاقات سے پہلے اور اس کے بعد میں نے فون اور اپریٹس پر ویرا' اول خان اور گوپال سے طویل رابطے کیے تھے جن میں کسی کی طرف سے کوئی مداخلت نہیں ہوئی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے پاکستان میں دن رات فعال رہنے والے راکے کارندے اپنے ملک میں افیم کھاکر سوئے ہوئے ہوں۔

غزالہ تنہا تھی۔ ان لمحات میں اسے وہ سب غیر فطری اور بھیانک محسوس ہوا۔ وہ ڈرنے لگی کہ وہ سب ہماری خوش فہمیاں تھیں۔ راو والے ہماری پل پل کی نقل و حرکت سے واقف تھے لیکن انہوں نے جان بوجھ کر ہماری رسیاں دراز کی ہوئی تھیں۔ وہ ہمیں کھل کر سامنے آنے کا موقع دے رہے تھے' ہماری سرگرمیوں کی نگرانی کررہے تھے۔ جوں ہی ہم کسی بڑی کامیابی سے قریب تر ہوتے' وہ شکاری عقابوں کی طرح حملہ آور ہوکر ہمیں نیست و نابود کردیتے۔

غریب الوطنی' تنہائی اور رات کے اترتے ہوئے اندھیرے نے غزالہ کو بے حال کردیا۔ وہ اپنے دل کی تیز دھڑکنیں اپنے کانوں میں سن رہی تھی۔ اسے اپنی پیشانی پر پسینے کی خوف میں ڈوبی ہوئی ٹھنڈی بوندیں ابھرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اسے اندیشہ ہوا کہ ڈرائیور نے عقب نما آئینے میں اس کی بدلتی ہوئی کیفیت دیکھ لی تو وہ اسے ہوٹل سمراٹ کے بجائے کسی تھانے میں پہنچادے گا۔

غزالہ کا وہ اندیشہ بے بنیاد نہیں تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے غزالہ کی زبان سے ٹھیٹ ہندی اور سنسکرت الفاظ سے پاک' شستہ اردو سنتے ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ پاکستانی تھی۔ سفر کے آغاز میں ادب سے وہ سوال پوچھ کر ڈرائیور نے اپنا رہا سہا شبہ بھی دور کرلیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ ٹیکسی میں اندھیرا تھا اگر باہر کی روشنیوں کے انعکاس میں ڈرائیور غزالہ کی عرق آلود پیشانی یا چہرے پر اڑنے والی ہوائیاں دیکھ لیتا تو فوری طور پر کوئی نئی مشکل پیدا ہوسکتی تھی۔

غزالہ نے پھرتی سے اپنے وینٹی بیگ سے رومال نکال کر اپنی پیشانی پونچھ ڈالی۔

خیالات کی رو ڈرائیور کی طرف منتقل ہونے کی وجہ سے غزالہ کے ڈراؤنے اندیشوں کا تسلسل ٹوٹ گیا مگر اندر کا اضطراب کم نہ ہوسکا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دور سے ہوٹل سمراٹ کی کثیر المنزلہ عمارت نظر آتے ہی غزالہ نے ارادہ کیا کہ ٹیکسی چھوڑنے کے بعد وہ ہوٹل کے پبلک بوتھ سے مجھے فون کرے گی اور اپنے ذہن میں آنے والے نئے خطرات کی نشان دہی کرے گی لیکن ٹیکسی رکنے تک وہ اپنا ارادہ منسوخ کر چکی تھی۔

اسے گمان ہوا کہ اس کی منفی باتیں سن کر میں سمجھ بیٹھوں گا کہ منزل پر پہنچ کر وہ جان اسمتھ کا سامنا کرنے سے خوف زدہ ہو گئی ہے۔ دوسرا خیال یہ تھا کہ میرے ساتھ ہونے والی گفتگو را والوں تک پہنچنے کا قوی امکان تھا۔ میں اس خطرے کو نظر انداز کیے' بے خبری کے بازار میں بیٹھا ہوا تھا تو غزالہ کا فرض تھا کہ وہ اپنی دانست میں ہر احتیاط سے کام لیتی اور مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہر بات اپنے سینے میں محفوظ رکھتی تاکہ را والوں کو ہمارے ہوشیار ہونے کا علم نہ ہو پاتا۔

ٹیکسی کا کرایہ ادا کرنے کے بعد غزالہ نے پورچ میں لمحہ بھر کے لیے رک کر خود کو سنبھالا اور پھر ہوٹل سمراٹ کی پرشکوہ لابی میں داخل ہو گئی جہاں رات کو بھی روشنیوں اور رونق نے دن کا سماں باندھا ہوا تھا۔

غزالہ کی دانست میں اس کا کام مختصر تھا اور اس کے پاس کافی وقت تھا۔ وہ جان سے رابطہ کرنے سے پہلے اپنے اوسان یک جا کرنے کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔ وہ راہداری میں نصب علامتوں کے سہارے خواتین کے واش روم کی طرف ہو لی۔ آئینے کے سامنے پہنچ کر اسے اندازہ ہوا کہ وہ خاصی منتشر ہو چکی تھی۔ اسے اپنے وینٹی بیگ کے ہلکے سے سہارے کی ضرورت تھی۔

اس نے اپنے اڑے اڑے بال دوبارہ جمائے۔ چہرے کو تر و تازہ کیا اور ہوٹل کے ریستوران میں جانے کے بجائے استقبالیہ کاؤنٹر سے ذرا آگے پڑے ہوئے صوفوں میں سے ایک پر نیم دراز ہو گئی۔ راستے بھر اپنے خیالات اور اندیشوں سے لڑتے لڑتے وہ نڈھال ہو چکی تھی۔ اپنا آخری قدم اٹھانے سے پہلے گرم چائے کی ایک پیالی اس کے لیے بہت زیادہ محرک اور معاون ثابت ہو سکتی تھی۔

چائے کی پیالی ختم کر کے غزالہ صرف اس وقت تک بیٹھی رہی جب تک اس نے ویٹر کو بل ادا نہیں کر دیا۔ اب وہ خود کو توانا اور چاق و چوبند محسوس کر رہی تھی۔ وہ لابی کے اس حصے کی طرف چل دی جہاں ہوٹل کے اندرونی رابطوں کے لیے متعدد انٹر کام رکھے ہوئے تھے۔

بڑے ہوٹلوں میں کمرے کا نمبر ہی انٹر کام کا نمبر بھی ہوتا ہے۔ غزالہ نے پورے اعتماد سے تھری ون زیرو ملا لیا۔

دوسری طرف گھنٹی بجی اور دیر تک بجتی ہی رہی۔ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اوہ! میری غریب بچی۔" اپنے قریب ایک ہمدردانہ نسوانی آواز سن کر غزالہ اس بری طرح چونکی کہ ریسیور اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا کہ وہ پھولے ہوئے نتھنوں والی ایک سفید فام عورت تھی۔ اس کا نچلا ہونٹ آگے نکلا ہوا تھا اور آنکھوں پر نیم تاریک شیشوں کی عینک لگی ہوئی تھی۔ غزالہ کو اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے نرمی سے اپنا ہاتھ غزالہ کے شانے پر رکھ دیا "ریسیور رکھ دو۔ اپنا وقت برباد مت کرو۔" وہ رواں انگریزی بول رہی تھی۔

غزالہ نے مسحور ہو کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ وہ مسلسل اجنبی عورت کو گھورے جا رہی تھی۔ اس عورت میں کوئی نہ کوئی خاص بات ضرور تھی جسے غزالہ کوئی مفہوم پہنانے سے قاصر تھی۔

"آؤ۔ میرے ساتھ آؤ!" غزالہ کو متحیر دیکھ کر اس عورت نے اسے پچکارا "اور خود پر قابو رکھو۔ میں تمہاری ہمدرد ہوں۔"

غزالہ بے اختیار گہرا سانس لے کر اس کے ساتھ ہو لی۔ اس بار اس نے اجنبی عورت کو پہچان لیا تھا۔ وہ ویرا کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔

"یہ تم ہو!" غزالہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے تحیر زدہ آواز میں سرگوشی کی "تم نے کیا سوانگ رچایا ہوا ہے؟ تم یہاں کیا کرتی پھر رہی ہو؟"

"تم کو ہاکان ہونے کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے بدستور بدلی ہوئی آواز میں کہا "میں کافی دیر سے یہاں جھک مارتی پھر رہی ہوں۔ پہلے اطمینان سے کہیں بیٹھتے ہیں پھر باتیں ہوتی رہیں گی۔ اس وقت اپنی زبان بند رکھو۔"

حالات کی روشنی میں ویرا کا مشورہ بہت صائب تھا۔ بھارت کی سرزمین پر بلکہ دہلی میں وہ ان دونوں کی پہلی ملاقات تھی۔ غزالہ سمجھ رہی تھی کہ ویرا نے مستقل طور پر اپنے حلیے میں وہ تبدیلیاں کی ہوئی تھیں اور شاید اسی بنا پر وہ میری ہدایات کو نظر انداز کر کے بے خوفی سے ہوٹل سمراٹ میں گھومتی پھر رہی تھی جہاں اس کا شناسا' جان اسمتھ قیام پذیر تھا۔ غزالہ سوچتی رہی مگر اس نے زبان نہیں کھولی۔

غزالہ اس ہوٹل سے بالکل بھی واقف نہیں تھی۔ ویرا اسے کافی شاپ میں لے گئی جہاں خال خال میزوں پر گاہک نظر آ رہے تھے۔ وسیع و عریض اور نیم روشن ہال کی بیشتر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منی اسٹوری

سفری سیلز مین البرٹ طویل دورے سے اپنے گاؤں واپس آیا تو اسے اپنا چھوٹا بھائی جم گاؤں کے پیٹرول پمپ پر ہی کھڑا مل گیا۔ دونوں بھائی گرم جوشی سے ملے پھر البرٹ نے پوچھا "میرے پیچھے کوئی خاص واقعہ تو نہیں ہوا؟"

"کوئی خاص نہیں.... بس تمہارا کتا مرگیا ہے" جم نے ہچکچاتے ہوئے بتایا۔

"کیسے....؟ میرا کتا کیسے مرگیا؟" البرٹ نے اداس ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اس نے گھوڑے کا جلا ہوا زہریلا گوشت کھالیا تھا" جم نے بتایا۔

"گھوڑے کا جلا ہوا زہریلا گوشت....؟" اب البرٹ کے حیران ہونے کی باری تھی "وہ اسے کہاں سے مل گیا؟"

"تمہارے باڑے میں سے.... جو آگ لگنے کی وجہ سے سارے کا سارا جل گیا تھا۔ گھوڑا اور دوسرے مویشی بھی اندر ہی جل کر مرگئے۔"

"میرا باڑا جل گیا....؟ مگر کیسے؟" البرٹ چلایا۔

"جب تمہارے مکان کو آگ لگی تو کچھ چنگاریاں باڑے پر بھی آن گری تھیں" جم نے بتایا۔

"میرے گھر کو آگ لگ گئی...." البرٹ اب اور زیادہ وحشت زدہ ہو کر چلایا "یہ واقعہ کیسے رونما ہوا؟"

"وہ.... اصل میں تابوت میں رکھی ہوئی موم بتیوں میں سے ایک قالین پر گر گئی تھی اور قالین نے آگ پکڑلی" جم نے بتایا۔

"اوہ میرے خدا...!" البرٹ کی وحشت بڑھ گئی "تابوت کس کا تھا؟ کون مرگیا تھا؟"

"تمہاری ساس" جم نے جواب دیا۔

"مگر کیسے....؟ وہ تو بھلی چنگی تھی۔"

"وہ صدمے سے مرگئی کیونکہ تمہاری بیوی مزارعے کے ساتھ بھاگ گئی تھی" جم نے بتایا۔

البرٹ دھپ سے ایک بینچ پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھامتے ہوئے بولا "میرا سر چکرا رہا ہے.... میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا...."

"تو پھر میں دوبارہ شروع سے بتاتا ہوں...." جم خلوص سے بولا "ہوا یوں کہ تمہارا کتا مرگیا...."

میزیں غیر آباد تھیں۔

"برا وقت آگیا ہے۔" ویرا ایک دور افتادہ میز کی طرف بڑھتے ہوئے بڑبڑائی "تو دو لتیوں کو شراب کی ایسی لت لگی ہے کہ شام ڈھلے کوئی ٹی یا کافی شاپ کا رخ نہیں کرتا۔ یہاں ویرانی ہے۔ بار میں جگہ نہ ہونے کے باوجود لوگ گھسے چلے آرہے ہیں۔ ابھی شام گہری نہیں ہوئی مگر بار کے دروازے پر بندش کی تختی آویزاں کردی گئی ہے۔"

"اس شہر والوں پر تمہارا سایہ پڑچکا ہے۔" غزالہ نے نیچی آواز میں طنز سے کہا "شراب میں پانی اور پانی میں شراب ملا کر پیتے ہیں۔ چائے اور کافی سے ان کا بھلا نہیں ہوتا۔ تم نے بھی مجبور ہو کر اس گوشے کا رخ کیا ہے۔"

ویرا نے میز منتخب کی اور دونوں نے اس کے گرد کرسیاں سنبھال لیں۔ انہیں بٹھانے کے لیے فوراً ہی سانولے رنگ کی ایک پرکشش اور نوجوان ویٹرس مسکراتی ہوئی آپہنچی۔ اسے خوشی ہوئی تھی کہ جوڑے کے بجائے عورتوں کی جوڑی اس کی مہمان ہوئی تھی۔

"کھولتی ہوئی تلخ اور لذیذ کافی کے ساتھ کچھ اسنیکس مگر پندرہ بیس منٹ بعد۔" ویرا نے کسی نک چڑھی بیوہ کے انداز میں ویٹرس کو حکم دیا۔

"یس مادام!" ویٹرس نے ویرا کے آرڈر پر سر کو خم دیا اور اندرونی حصے کی طرف چل دی۔

"مجھے وحشت ہو رہی ہے۔ اب تم بولنا شروع کردو۔" تخلیہ ہوتے ہی غزالہ نے بے صبری سے کہا۔

"میں ہوٹل چھوڑ چکی ہوں اور مظہر کے کلب پر آج

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رات امرتسر جا رہی ہوں۔" ویرا رک کر سگریٹ سلگانے لگی۔

"انہوں نے تو شاید یہ بھی کہا تھا کہ تم اس ہوٹل کا رخ نہ کرنا۔" غزالہ نے اسے یاد دلایا۔

"یہ نہیں کہا تھا۔" ویرا نے فضا میں شہادت کی انگلی لہرا کر کہا "اس نے مجھے جان سے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا اور میں اس مردود سے دور ہوں۔"

"پھر تم یہاں کیوں نظر آ رہی ہو؟" غزالہ اس سے ٹکراؤ ہونے پر بہت زیادہ الجھی ہوئی تھی۔

"تم یقین کرو کہ مجھے کچھ علم نہیں۔ ہوٹل سے نکلی تو میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا۔ ٹیکسی میں بیٹھی تو ڈرائیور کو غیر ارادی طور پر اس ہوٹل کا نام بتا دیا۔ یہاں آ کر میں خود حیران تھی کہ جب جان کو نہیں چھیڑنا تو میں یہاں کیوں آئی ہوں۔ بس کسی نادیدہ غیبی قوت نے مجھے اس طرف دھکیلا تھا۔ میں یہاں سے روانہ ہونے کے لیے پر تول رہی تھی کہ تم زنانہ واش روم سے نکلتی نظر آئیں اور میں تمہارے پیچھے ہو لی۔ اب اندازہ ہو رہا ہے کہ قدرت نے مجھے تم سے ملاقات کے لیے یہاں بھیجا تھا۔ تم یہاں کس لیے آئی ہو؟"

"وہ تمہیں پہچانتا ہے۔ میں اس کے لیے اجنبی ہوں۔" غزالہ نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر معنی خیز لہجے میں کہا "لیکن میں شرط لگا سکتی ہوں کہ اس شکل میں اس کے فرشتے بھی تمہیں نہیں پہچان سکیں گے۔"

ویرا دھیرے سے ہنس پڑی "تم اناڑی ہو۔ وہ کھلاڑی اور گھاگ ہے۔ پہلی نظر میں اس سوانگ کو سمجھ جائے گا۔"

"مجھے تمہارے اس بہروپ میں کوئی خامی نظر نہیں آ رہی۔ تم نے یہ سب کیسے کیا ہے؟"

"یہاں پہنچ کر مجھے خوف ہوا کہ جان سے اچانک سامنا ہو گیا تو وہ مجھ پر ٹوٹ پڑے گا۔ میں نے اپنے قیمتی بال پین کا اسپرنگ توڑ کر اپنے دونوں نتھنوں میں پھنسایا ہوا ہے۔ نچلے ہونٹ اور مسوڑھے کے درمیان چیونگم کی ہلکی سی پرت چپکی ہوئی ہے۔ چشمہ بیگ میں پڑا رہتا ہے۔ یہ سب عارضی اور ریڈی میڈ بندوبست ہے جو زیادہ دیر تک ساتھ نہیں دے سکتا۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ اپنے کمرے میں موجود نہیں ہے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"مجھے وقت گزارنا تھا۔ میں ہوٹل کے مختلف حصوں میں چکراتی پھرتی رہی۔ وہ کافی دیر سے بار میں بیٹھا ہوا ہے۔"

"تم مل ہی گئی ہو تو کوئی تدبیر سوچو۔ اب اسے بار سے اٹھ کر اپنے کمرے میں جانا چاہیے۔" غزالہ نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"اس کا رخ بار کاؤنٹر کی طرف ہے۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ وہاں بیٹھا لڑکیوں کو گھور رہا ہے۔ بہت اوباش آدمی ہے۔ شاید کسی کو ساتھ لے کر ہی اپنے کمرے کا رخ کرے گا۔" ویرا دانستہ خاموش ہو گئی۔ اس کی نظریں غزالہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

غزالہ اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ رہی تھی۔ اپنی جگہ کسمسا کر رہ گئی اور بولی "میں زیادہ دیر تک یہاں نہیں رک سکتی۔"

"کیوں؟ کیا مظہر کے ساتھ کوئی اور پروگرام بھی طے ہو چکا ہے۔" ویرا نے چونک کر پوچھا۔

غزالہ سنبھل گئی۔ وہ ضرورت سے ایک انچ بھی زیادہ نہیں بولنا چاہتی تھی "پروگرام نہیں ہے۔ دیر ہو گئی تو وہ پریشان ہوں گے۔"

"بہت خوش نصیب ہو۔" ویرا نے بے ساختہ کہا "ایک میں ہوں کہ برسوں سے گھر سے نکلی ہوئی ہوں مگر میرے لیے کوئی پریشان نہیں ہوتا۔"

"اب تم بہک رہی ہو۔" غزالہ نے تادیبی لہجے میں اسے ٹوک دیا "وہ تمہارے لیے بھی فکر مند تھے۔ انہوں نے ہر خطرہ مول لے کر تم سے کل اور آج بات کی ہے۔ پتا نہیں تم اتنی اہم باتوں کو کیوں نظر انداز کر دیتی ہو اور مظلوم بننے کی کوشش کرتی ہو۔"

سانولی ویٹرس آئی۔ ٹھنڈے پانی کا جگ اور دمکتے ہوئے گلاس میز پر سجا کر چلی گئی۔

"آج تم آفت لگ رہی ہو۔" ویرا نے مسکراتے ہوئے خاموشی کا وقفہ توڑا۔

"این! بے ہودگی کی ضرورت نہیں۔ ہمیں خرافات میں وقت برباد کرنے کے بجائے مسئلے کا حل تلاش کرنا چاہیے۔"

"یہ بے ہودگی نہیں، مسئلے کے حل کی نشان دہی ہے۔" ویرا کے غیر متوازن ہونٹوں پر مسکراہٹ برقرار رہی۔

"آخر تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" غزالہ نے چڑچڑے لہجے میں پوچھا۔

"بار میں جا کر اپنی قسمت آزماؤ۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ خبیث تمہیں نظر انداز نہیں کر سکے گا۔"

غزالہ کو ویرا کی زبان سے وہ تجویز ہتک آمیز سی محسوس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئی حالانکہ جان تک رسائی حاصل کرنے کا وہی ایک راستہ تھا۔ وہ اپنے کمرے میں موجود ہوتا تب بھی غزالہ کو کال گرل کے انداز میں اس سے باریابی کی اجازت لینی پڑتی۔ وہ بار میں بیٹھا ہوا تھا اس لیے اچانک روبہ رو اداکاری کی ضرورت پیش آگئی تھی۔ اس وقت ویرا کی تجویز کا کوئی متبادل نہیں تھا۔

"میں شراب نہیں پیتی۔ جب سے وہ تائب ہوئے ہیں مجھے الکحل کی بو سے بھی وحشت ہونے لگتی ہے۔ یہ کام تم بہتر انداز میں کرلوگی۔"

"میری اصل صورت دیکھتے ہی اس کا نشہ ہرن ہوجائے گا اور وہ میرے اوپر بوتل پھینک مارے گا۔ موجودہ بہروپ میں وہ میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گا۔ ہر اوباش اور رنگین مزاج مرد کسی نہ کسی حد تک جمال پرست بھی ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو رجھانے اور پھانسنے کے لیے صرف عورت کا وجود کافی نہیں ہوتا۔" ویرا نیچی آواز میں اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگی "عورت کا کوئی رنگ روپ اور جوبن بھی ہونا چاہیے۔ میں تمہاری قصیدہ خوانی نہیں کررہی۔ یہ حقیقت ہے کہ تم ایک مکمل اور بھرپور نسوانی پیکر ہو۔ کوئی وجہ ہے کہ مظہر نے تمہیں اپنی بیوی بنایا ہے۔ میری بات مانو تو دیر نہ کرو۔ اس سے پہلے کہ کوئی آوارہ لڑکی اس کی نظر میں سما جائے، تم بار میں جاکر اپنا داؤ کھیل جاؤ۔ باتوں سے کسی کا کچھ نہیں بگڑتا۔ ذرا سی دیر کی بات ہے۔ تم اس کے کمرے سے سرخ رو ہو کر لوٹوگی۔"

ویرا کی ہر بات درست اور وزنی تھی۔ اس سے ہونے والی اتفاقیہ ملاقات کے نتیجے میں غزالہ کا تنہائی کا ہراس دور ہوچکا تھا۔ اسے ایک ہمدرد، ہم خیال اور ہم نوا ساتھی مل گئی تھی جس کی سوچ کا دھارا بھی اسی جیسا تھا۔ ویرا اسے نہ ملی ہوتی تو شاید وہ از خود اتنی آسانی سے کوئی فیصلہ نہ کرپاتی اور تذبذب کا شکار ہوجاتی۔ وہ غزالہ کے ذاتی اور نسوانی وقار سے زیادہ ملک کی سلامتی اور تحفظ کا معاملہ تھا۔ وہ لوگ ایک مدت سے اکھنڈ بھارت کے منصوبے پر کاغذی اور عملی کام کررہے تھے جس میں افغانستان سے نیپال اور برما تک کسی اور ملک کے پنپنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جان اسمتھ ان سفاک منصوبہ سازوں کا سرخیل تھا جو اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے کئی چھوٹی قوموں کا نام و نشان تک مٹا دینا چاہتے تھے۔

جان اسمتھ جیسے موذی کے خاتمے کے لیے سب کچھ داؤ پر لگایا جاسکتا تھا۔ غزالہ نے بس چند ثانیوں تک خاموش رہ کر وہ موازنہ کیا پھر ویرا سے بولی "مجھے تمہارے مشورے پر عمل کرنے سے انکار نہیں مگر میں وہاں جاکر کیا کروں گی۔ میں نے زندگی میں کبھی شراب نہیں چکھی۔"

"وہاں جاکر شراب نوشی ضروری نہیں۔ تم محض فریش لیمن یا لائم ٹانک پی کر بھی وہاں خاصا وقت گزار سکتی ہو۔"

"تمہیں یقین ہے کہ بار میں یہ آرڈر دے کر مجھے شرمندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا؟" غزالہ نے اشتباہ آمیز انداز میں سوال کیا۔

"ہرگز نہیں۔" ویرا نے اسے یقین دلایا "شاید ماضی کے تجربات تمہارے ذہن سے نکل چکے ہیں۔"

"کمرے کی بات اور تھی۔ بار میں اس کے علاوہ بھی کئی غیر ملکی بلکہ امریکی ہوں گے۔ میں اسے کیسے پہچانوں گی؟"

"شاید اس کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ وہ بہت ندیدا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں اکیلا دیکھ کر کسی شکاری کی طرح تمہاری طرف لپکے گا۔ وہ وجیہہ اور دراز قامت آدمی ہے۔ بال لمبے اور سنہرے ہیں۔ سب سے بڑی شناخت یہ ہے کہ

marksman

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے بائیں کان کی لو کٹی ہوئی ہے۔"

"اور تم بتا رہی ہو کہ بار کے دروازے پر داخلہ روکنے کی تختی لگادی گئی ہے۔" غزالہ کا لہجہ تائید طلب تھا۔

"میزیں خالی ہونے کے ساتھ تختی ہٹتی رہے گی۔ تم اپنی جگہ تو چھوڑو!"

"ویٹرس کافی لا رہی ہے۔" غزالہ نے نگاہیں دوڑاتے ہوئے کہنا چاہا مگر ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اسے بھاڑ میں ڈالو۔ میں سب دیکھ لوں گی۔ تم نے ارادہ کرلیا ہے تو وقت برباد مت کرو۔ فوراً چلی جاؤ۔"

غزالہ کو آمادہ پاکر ویرا ایکایک ہی پرجوش ہوگئی۔ اس کے لہجے میں ایسا پُرخلوص تحکم تھا کہ غزالہ نے مشینی انداز میں اپنی کرسی چھوڑ دی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی کافی شاپ کے دروازے کی طرف چل دی۔

وہ ہوٹل کی راہ داریوں سے بار کی طرف جاتے ہوئے عجیب سا محسوس کررہی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں ضرورت کے تحت بہت سے کردار ادا کیے تھے لیکن کسی اخلاق باختہ اور پیشہ ور لڑکی کا بے باکانہ کردار ادا کرنے کا وہ پہلا موقع تھا۔

غزالہ نے دور سے دیکھا کہ بار کا دروازہ بالکل صاف تھا۔ وہاں داخلہ روکنے کے لیے کوئی تختی آویزاں نہیں تھی۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے کئی افراد اندر گئے جن میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ اِکّا دُکّا افراد اندر سے برآمد ہوتے بھی نظر آئے۔ بار کے دروازے پر کھڑا ہوا باوردی ملازم آنے جانے والوں کے لئے مہذب انداز میں دروازہ کھول رہا تھا۔

غزالہ کے قدموں کی رفتار تیز ہوگئی۔ اگر دروازے پر کوئی تختی ہوتی تو اسے دور ہی سے اپنا راستہ تبدیل کرنا پڑتا۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک نوجوان جوڑا بار میں داخل ہوا۔ اس بار دروازہ بند ہوتے ہی باوردی ملازم نے اچانک شیشے کے دروازے پر سرخ تختی لٹکادی۔ جلی انگریزی تحریر کے مطابق ہوٹل کی انتظامیہ بار میں گنجائش ختم ہونے کی وجہ سے کچھ دیر کے لئے نئے مہمانوں سے معذرت خواہ تھی۔

وہ سب اس طرح ہوا کہ غزالہ کو اپنی سمت بدلنے کی مہلت نہ مل سکی۔ وہ دروازے سے دو قدم دور ٹھٹکی تو تختی اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ شیشے کے دروازے میں سے صاف نظر آرہا تھا کہ بار کی تمام میزیں آباد تھیں اور متعدد مرد و زن اپنے جام سنبھالے بار کاؤنٹر کے قرب و جوار میں موجود تھے۔

نئی رکاوٹ سے غزالہ کو اتنی خفت ہوئی کہ وہ مزید کچھ نہ دیکھ سکی اور داہنی طرف مڑ گئی۔ اچانک بار کا دروازہ کھلا اور ہوٹل کے ملازم نے اسے پکارا۔ "مس! مس! تم کو گورا صاحب بلا رہا ہے.... وہ خود آرہا ہے۔"

غزالہ کے آس پاس کوئی دوسری لڑکی موجود نہیں تھی۔ اس نے رک کر غیر ارادی طور پر گردن گھمائی تو وہ باوردی ملازم دروازہ کھول کر بار سے باہر آچکا تھا اور اندر سے ایک دراز قامت سفید فام تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا دروازے کی طرف آرہا تھا۔ غزالہ سے نگاہیں چار ہوتے ہی گورے نے بے تابی سے ہاتھ ہلا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا اور چند لمحوں میں غزالہ کے قریب آپہنچا۔

غزالہ نے پہلی نظر میں دیکھ لیا تھا کہ لمبے لمبے سنہرے بالوں والے اس وجیہہ سفید فام کے بائیں کان کی لو غائب تھی۔ غزالہ کے دل کی دھڑکنیں ایک بار پھر بے ترتیب ہونے لگیں۔ اس کے قدم ہوٹل کے چمکتے ہوئے فرش پر گڑ کر رہ گئے تھے اور وہ سوچ رہی تھی کہ ویرا نے عورتوں کے بارے میں جان اسمتھ کی حرص و ہوس کا اندازہ لگانے میں ذرا بھی غلطی نہیں کی تھی۔

"مس! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اکیلی ہو۔" جان اسمتھ غزالہ کے قریب رک کر نیم سرگوشیانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "اگر تم واقعی اکیلی ہو تو میری میز کی دوسری کرسی شاید تمہارے لئے خالی ہے۔ میں تمہاری مہمان داری کرکے فخر محسوس کروں گا۔" جان نے اپنا داہنا ہاتھ غزالہ کی طرف بڑھا دیا۔

غزالہ کے ذہن پر جمی ہوئی برف پگھلنے لگی۔ اس کے نزدیک جان اسمتھ اس وقت روئے زمین کا بدترین آدمی تھا۔ وہ یکایک پتھر کی طرح جذبات سے عاری ہوگئی۔ اس نے ہلکی سی تحیر زدہ مسکراہٹ کے ساتھ جان کا بڑھا ہوا ہاتھ اپنی ہتھیلی میں لے لیا اور مسحور کن آواز میں کہا "میرا نام کملا ہے اور میں واقعی اکیلی ہوں۔ حیرت ہے کہ اس بھیڑ میں بھی تمہاری ایک کرسی خالی ہے۔"

"وہ تمہارے لئے ہے۔" جان نے ہنس کر انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا "میری میز پر صرف دو کرسیاں ہیں۔ مجھے دیر سے کسی اچھی ساتھی کی تلاش تھی۔ تم کو دیکھتے ہی خیال آیا کہ شاید میں تمہارا انتظار کررہا تھا۔"

"مگر میں یہ جھوٹ نہیں بولوں گی کہ مجھے تمہارے جیسے کسی ساتھی کی تلاش تھی۔" غزالہ نے مترنم ہنسی کے ساتھ کہا۔ وہ بھول چکی تھی کہ وہ ایک نرم و نازک عورت ہے۔ اسے صرف یہ یاد تھا کہ وہ پتھر کی طرح ہے اور اسے اپنے نیچے آئے ہوئے دشمن کو کسی پتھر ہی کی طرح کچل کچل کر مار ڈالنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔

جان اسمتھ کے لئے غزالہ کی وہ حوصلہ افزائی کافی تھی۔ اس نے غزالہ کو بار کی طرف چلنے کا اشارہ کرکے بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

بار کے دروازے پر معذرت کی تختی بدستور موجود تھی مگر دربان نے جان اسمتھ کو دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا۔ بار کی خنک فضا تمباکو اور الکحل کی ملی جلی تیز بو سے بوجھل ہو رہی تھی۔ جان اسمتھ اسے اپنے ہمراہ کونے کی ایک مختصر میز کی طرف لیتا چلا گیا جہاں آمنے سامنے صرف دو کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

بار کا ہال کافی شاپ سے زیادہ وسیع اور آباد تھا۔ فضا میں دھیمی انسانی آوازوں کی گونج رچی ہوئی تھی جو پوشیدہ اسپیکروں سے خارج ہونے والی مغربی موسیقی پر حاوی تھی۔ کہیں کہیں سے ابھرنے والی نسوانی قہقہوں کی آوازیں اس ماحول میں نقرئی گھنٹیوں کے ترنم کی طرح سنائی دے رہی تھیں۔ اس وقت غزالہ کی توجہ گردوپیش کے ماحول سے زیادہ اپنے شکار پر مرکوز تھی۔

"تم کیا پیو گی؟" جان نے اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے پوچھا پھر چونک کر بولا "میں تم کو بتانا بھول گیا۔ میرا نام جان.... جان اسمتھ۔ لیکن تم مجھے صرف جان کہہ سکتی ہو۔ تمہارے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے نازک ہونٹوں سے یہ نام بہت بھلا لگے گا۔"

"میں صرف فریش لیمن جوس لوں گی۔" غزالہ نے دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ کہا "شراب نہیں پیتی۔"

"فریش لیمن!" جان کے حلق سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی۔ "ایسے بے ضرر مشروب کے لئے تم بار کی طرف آئی تھیں؟"

"میں اپنی ساتھی کی تلاش میں تھی۔" جان کے غیر متوقع سوال پر غزالہ کو بروقت جواب سوجھ گیا۔ "وہ مجھ سے بچھڑ گئی ہے اور شراب کی رسیا ہے۔ اس کی تلاش میں یہاں جھانکنے کا ارادہ کیا تھا...."

"تو پہلے اسے دیکھ لو۔" جان نے اس کی بات کاٹ کر پیشکش کی۔ "پھر ہم اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

"تم مل گئے ہو تو اب اسے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔" غزالہ نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر جما کر جواب دیا۔ وہ جان کے ساتھ رسمی تکلفات میں پڑ کر اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے جلد از جلد اسے کمرے کی طرف ہانکنا چاہتی تھی۔ اس مقصد کے لئے غزالہ کی طرف سے اس کی حوصلہ افزائی ہونی ضروری تھی۔

ویٹر دیکھ چکا تھا کہ جان کی میز پر ایک لڑکی کا اضافہ ہو چکا ہے۔ وہ آیا اور فریش لیمن کا آرڈر لے کر چلا گیا۔

"تم بہت خوب صورت.... بہت ہی زیادہ خوب صورت ہو۔" جان نے میز پر غزالہ کا ہاتھ تھام کر سحرزدہ آواز میں کہا "تمہاری بڑی بڑی آنکھیں اس قدر نشیلی ہیں کہ شراب نہ پینے کے باوجود تم نشے میں چور نظر آتی ہو۔ آج کی شام میرے ساتھ بسر کر سکتی ہو؟"

بات بہت تیزی سے سمٹ کر راہ پر آگئی تھی۔ غزالہ نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچنے کے بجائے ہنستے ہوئے کہا "شام بسر کرنے کے لیے تمہیں ہوٹل میں کمرا بک کرانا ہوگا۔"

جان کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے غیر ارادی طور پر گلاس سے شراب کا ایک بڑا گھونٹ لیا اور دھیمی آواز میں بولا "میں اسی ہوٹل میں مقیم ہوں۔ تنہائی میں کمرے کا نرم بستر مجھے کانٹوں کی طرح چبھتا ہے۔ تم ساتھ چلو گی تو میرے لیے خوشی اور راحت کا ہر دروازہ کھل جائے گا۔"

"ابھی ہمارے درمیان اتنی بے تکلفی نہیں ہوئی۔" غزالہ نے شوخی سے اسے یاد دلایا "شاید تم حد سے تجاوز کر رہے ہو۔ دوستی کے یہ مرحلے دھیرے دھیرے طے ہوتے ہیں۔"

جان نے غزالہ کا ہاتھ دباتے ہوئے سرگوشی کی "تم دوستی پر رضامند ہو تو میں بھی تمہیں حیران کر دوں گا۔ تمہاری جیسی لڑکی کی دوستی پر مجھے ہمیشہ فخر رہے گا۔ ہوٹل میں ماری ماری پھرنے والی سڑی بسی لڑکیوں کے سوکھے بدن سے مجھے کراہت محسوس ہوتی ہے۔"

فریش لیمن جوس آتے ہی غزالہ کو اپنا ہاتھ جان کی گرفت سے نکالنے کا موقع مل گیا۔ جوس بہت ٹھنڈا اور فرحت بخش تھا۔

"تم نے مجھ سے دوستی کا دم بھرا ہے۔" جان عجلت میں اپنا گلاس ختم کرکے بھرائی ہوئی آواز میں دوبارہ بولنے لگا "میں جانتا ہوں کہ مردوں اور عورتوں کی ایسی دوستیاں بے غرض نہیں ہوتیں۔ تمہارا نکھرا ہوا چہرہ دیکھ کر اندازہ نہیں ہوتا کہ تم کسی مسئلے سے دوچار ہو لیکن غریب ایشیائی ملکوں میں ہر ایک کو ڈالروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم چاہو تو میں تمہیں دو چار ہزار ڈالر نقد دے سکتا ہوں۔ بس چند روز کے لیے سب کو بھول کر میری ہو جاؤ...."

غزالہ کی طرف سے خوشی کا اظہار ضروری ہو گیا تھا۔ جان سے ہونے والی گفتگو پر اس کا چہرہ پہلے ہی شرم سے گلنار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو رہا تھا۔ اس نے جان کی بات کاٹ کر کہا "تم بہت اچھے اور فراخ دل آدمی ہو۔ آج تک اتنی بڑی رقم اکٹھی میرے ہاتھ نہیں آئی۔ میرے بہت سے ادھورے خواب پورے ہو جائیں گے۔"

"یہ اس خطے کے ہر ایشیائی ملک کا المیہ ہے۔ یہاں غربت کی وجہ سے لاکھوں کلیاں پھول بننے سے پہلے مرجھا جاتی ہیں۔"

جان کے لیے ویٹر خاموشی سے اسکاچ کا اگلا گلاس لے آیا تھا۔ غزالہ نے اسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ گلاس ختم ہونے تک ان دونوں کو بار میں بیٹھنا تھا۔ غزالہ نے مایوسانہ لہجے میں اس کی دکھتی رگ چھیڑ دی "ہمارے سارے وسائل فوج اور توپیں کھا جاتی ہیں۔ غریب کے پیٹ کی آگ کیسے بجھے گی۔"

"بھارت مجبور ہے۔ وہ چکی کے دو پاٹوں میں گھرا ہوا ہے۔ ایک طرف چین کی دہشت ہے تو دوسری طرف پاکستان کا جنگی جنون۔ بھارت نے جس دن اپنے دفاع سے غفلت برتی، یہ دونوں دشمن اسے پیس ڈالیں گے۔" جان نے نئے گلاس سے پہلا گھونٹ لے کر پُر خیال انداز میں کہا پھر جھنجلا کر بولا "ان دونوں کی بربادی کا وقت قریب آگیا ہے مگر یہ وقت ان خشک باتوں کا نہیں ہے۔ پہلے جیسی رومانی باتیں کرو۔ میں چند لمحوں پہلے اپنے بدن میں پھریریاں سی محسوس کر رہا تھا۔"

"میں کہاں، وہ باتیں تو تم ہی کر رہے تھے۔" اس کے ہوش و حواس زائل کرنے کے لیے غزالہ ایک ادا سے ہنس کر بولی "یہ سب خلوت کی باتیں ہیں جہاں ہمیں دیکھنے والا کوئی نہ ہو۔ بھرے بار میں بیٹھ کر ہم بلاوجہ اپنے دلوں کو بوجھل کرتے رہیں گے۔ شراب تم اپنے کمرے میں بھی پی سکتے ہو۔"

"تم خوب صورت ہی نہیں، ذہین بھی ہو۔" جان نے کھلے دل سے غزالہ کی تعریف کی "میرے دل کی بات کہہ کر تم نے مجھے بے چین کر دیا ہے۔ اپنے اپنے گلاس خالی کر کے ہم یہ بار چھوڑ دیں گے۔ عیش و نشاط کا اگلا دور اب میرے کمرے میں شروع ہوگا جہاں کوئی تیسرا نہیں ہوگا۔"

وہ دونوں اپنے اپنے گلاس سے چسکیاں لیتے خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ جان کی آنکھوں میں ہولناک شیطانی چمک رقصاں تھی اور غزالہ کسی مکار لومڑی کی طرح اپنی گرفت میں آتے ہوئے جان کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ انگوٹھی کے کھوکھلے کیپسول میں پوشیدہ سوئی کے لیے جان کی گردن ہی سب سے موزوں تھی۔

جان کے اشارے پر ویٹر بل لے آیا۔ اس نے ان کاغذوں پر دستخط کیے، گلاس سے آخری گھونٹ لیا اور ویٹر کو ٹپ میں دس ڈالر کا کرارا نوٹ دے کر کرسی سے اٹھ گیا۔ غزالہ اس کا ساتھ دینے کے لیے پہلے سے تیار تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کا شکار اتنی آسانی سے اور خوشی خوشی سوئے مقتل چل دے گا جہاں خاموش موت اس کی گھات لگائے دبکی ہوئی تھی۔

بار سے لفٹ کی طرف جاتے ہوئے جان نے اپنا ہاتھ غزالہ کی کمر کے گرد ڈالنے کی کوشش کی اور غزالہ کسمسا کر اس سے دور ہو گئی "بے صبری کی ضرورت نہیں۔ بلاوجہ لوگوں کی نظریں ہماری طرف اٹھیں گی۔ ایشیا ابھی اتنا آزاد خیال نہیں ہوا ہے۔"

جان خفت آمیز انداز میں ہنس کر اپنے دونوں ہاتھ رگڑتے ہوئے بولا "یہاں کے لوگوں کے پاس بہت زیادہ فالتو وقت ہوتا ہے۔ وہ اپنے کام سے کام رکھنے کے بجائے دوسروں کی ٹوہ لینے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔"

غزالہ کی نظریں ویرا کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ آگے اس کا کوئی کردار نہیں تھا۔ جان کے تابوت میں آخری کیل غزالہ کو خود ٹھونکنی تھی پھر بھی اسے ویرا کے سہارے کی تلاش تھی اور ویرا کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ اپنے دونوں نتھنوں میں اسپرنگ اور نچلے ہونٹ کے پیچھے چیونگم لگا لینے کے باوجود وہ جان کی نظروں سے قطعی اوجھل بھی لیکن غزالہ کو یقین تھا کہ وہ کہیں سے ان دونوں کو ضرور دیکھ رہی ہوگی۔

اتفاق سے لفٹ میں ان دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ غزالہ کو جان سے ہر بدمعاشی کی توقع تھی۔ دروازہ بند ہوتے ہی جان نے بے تابی سے غزالہ کو اپنی بانہوں میں لینا چاہا تو غزالہ نے انجان بن کر اس کی پسلیوں میں اپنی کہنی مار دی۔ جان اپنی پیش دستی بھول کر کراہتا ہوا دہرا ہو گیا۔ غزالہ بوکھلانے کی اداکاری کرتے ہوئے بے ساختہ اس پر جھک پڑی۔ اتنی دیر میں لفٹ اپنا مختصر سفر طے کر کے رک گئی۔

جان اپنی داہنی پسلیاں سہلاتا ہوا لفٹ سے نکلا اور مسکراتے ہوئے بولا "میری یہ چوٹ یاد رکھنا۔ تمہیں بہت پیار اور محبت سے اس کا ازالہ کرنا ہوگا۔ کمرے میں پہنچ کر بھی تم کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح بھڑکتی رہیں تو اس شام کا سارا لطف غارت ہو جائے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں جانتی ہوں ڈارلنگ۔" جان کے رہائشی فلور کی راہداری میں پہنچ کر غزالہ خود کو بہت مطمئن محسوس کررہی تھی "مجھے افسوس ہے کہ اتفاق سے میری کنی لگ گئی ورنہ میں تمہیں ناراض کرہی نہیں سکتی۔ ہزاروں ڈالروں کی نوید سنا کر تم نے مجھے خرید لیا ہے۔" غزالہ نے بائیں انگلی میں موجود انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کے رخ پر گھمالیا تھا۔

پتلون کی عقبی جیب میں اڑسی ہوئی چابی نکال کر جان نے تین سو دسویں کمرے کا قفل کھولا اور غزالہ کو اندر جانے کی راہ دے دی۔

غزالہ کے پیچھے وہ اندر آیا اور دروازہ بند کرکے مقفل کردیا "یہ دیکھو' خالی مسہری تمہارے مرمرے تراشے ہوئے وجود کی منتظر ہے۔"

وہ اپنے ہونٹوں پر گھناؤنی مسکراہٹ لیے' خطرناک عزائم سے غزالہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ حوصلے سے اپنی جگہ کھڑی رہی اور سرد آواز میں بولی "دیکھو جان' میں ڈینی کی ستائی ہوئی عورت ہوں...."

"ڈینی!" فرطِ حیرت سے جان اسمتھ کا منہ کھل گیا "وہ خبیث یہاں کہاں سے آگیا؟ تم اسے کیسے جانتی ہو؟"

جان رک چکا تھا۔ غزالہ نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "وہ ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔ مجھے بہت تنگ کرتا ہے کیونکہ وہ میرا شوہر ہے۔"

"تو تم انڈین نہیں ہو؟" جان کے چہرے پر غصے کی علامات ابھر آئیں۔ غزالہ خالی ہاتھ تھی اس لیے وہ ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھا۔

غزالہ اس کے روبرو رک گئی۔ جان اس کی دسترس میں تھا۔ اس نے نفرت آمیز لہجے میں جواب دیا "میں پاکستانی ہوں۔ ویرا نیچے کسی اچھی خبر کی منتظر ہے۔ اب تمہارا وقت پورا ہوچکا ہے۔ ہوسکے تو اپنی کوئی آخری دعا پڑھ لو۔"

"تم' ذلیل عورت ہو۔ میں تمہیں فنا کردوں گا۔" وہ غضب ناک لہجے میں غراتا ہوا غزالہ سے لپٹ گیا۔ وہ ایسے کسی وار کے لیے تیار تھی۔

غزالہ نے بایاں ہاتھ اس کی گردن پر رسید کردیا "اب جہنم میں جاکر سوچنا کہ مجھے کیسے فنا کرو گے۔"

غزالہ کے جسم پر جان کی گرفت مضبوط ہونے سے پہلے دم توڑ گئی اور چند لمحوں میں اس کا بھاری وجود کسی بے جان تودے کی طرح غزالہ کے ہاتھوں میں آگیا۔ غزالہ نے کسی تیز دھمک سے بچنے کے لیے جان اسمتھ کی لاش کو سہارا دے کر آہستگی سے فرشی قالین پر ڈال دیا۔

"کیا رشید صاحب کا دماغ خراب ہوگیا ہے...؟" ایک پڑوسی نے تشویش زدہ لہجے میں دوسرے پڑوسی سے کہا "ان کے گھر کی تمام لائٹس آج کل دن رات جلتی رہتی ہیں۔"

"دراصل وہ کوشش کررہے ہیں کہ ان کا اس مہینے کا بجلی کا بل ذرا زیادہ آئے" دوسرے پڑوسی نے بتایا۔

"وہ کیوں؟" پہلے پڑوسی نے حیرت سے پوچھا۔

"دراصل رشید صاحب کی بیگم ایک ماہ سے میکے گئی ہوئی تھیں اور رشید صاحب نے دو چار دن پہلے فون پر انہیں بتایا ہے کہ وہ تو روز رات کو گھر پر لیٹے کتابیں پڑھ پڑھ کر وقت گزار رہے تھے۔" دوسرے پڑوسی نے وضاحت کی۔

وہ غزالہ کا اصل اور بنیادی کام تھا۔ مشن مکمل ہونے کے بعد اس نے ایک لمحہ بھی برباد نہیں کیا۔ پھرتی سے دروازہ کھول کر کمرے سے نکل آئی۔ ہضمی قفل کا اندرونی بٹن دبا کر اس نے یہ بندوبست کردیا تھا کہ اس کے جانے کے بعد باہر سے چابی کے بغیر دروازہ نہ کھولا جاسکے۔

راہداری دونوں سروں تک سنسان پڑی ہوئی تھی۔ غزالہ کو اطمینان تھا کہ کسی نے اسے جان اسمتھ کے کمرے سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ دیکھ لیا ہوتا تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ جان اسمتھ کی لاش دریافت ہونے سے پہلے اسے ہوٹل سمراٹ سے بہت دور نکل کر دبئی کی پُرہجوم دنیا میں کھو جانا تھا۔

وہ لفٹ کے ذریعے نیچے پہنچی تو اس کی متلاشی نظروں نے چند ثانیوں میں ویرا کو دیکھ لیا جو ایک ستون کی اوٹ سے برآمد ہورہی تھی۔ میدان صاف ہوچکا تھا۔ اس ہوٹل میں ویرا کو صرف ایک شخص پہچان سکتا تھا جو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ غزالہ نے سر کی خفیف سی جنبش سے ویرا کو اشارہ کیا اور سیدھی ہوٹل کے دروازے کی طرف چل دی۔

لفٹ سے پورچ تک کا فاصلہ طویل تھا۔ ویرا راستے میں ہی غزالہ سے آملی۔ دونوں نے نظروں ہی نظروں میں پیغامات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا تبادلہ کیا۔ غزالہ کے بشرے پر پھیلی ہوئی آسودگی اس کی کامیابی کی غمازی کر رہی تھی پھر وہ دونوں پارکنگ لاٹ کی طرف ہولیں۔

پورچ میں آنے جانے والوں کی بھیڑ اور تیز روشنیوں کی زد سے نکل کر غزالہ نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا اور کہا "خدا کا شکر ہے کہ میں لوٹ آئی۔ اس گھناؤنے شخص کے ساتھ میرے آخری چند منٹ بہت کٹھن گزرے۔ وہ لفٹ میں مجھ پر ٹوٹ پڑا تھا۔"

"اس وقت خوشی سے میرا سینہ پھولا ہوا ہے۔" ویرا کی آواز خوشی سے لبریز تھی "میں نے یہاں آکر کچھ بھی نہیں کیا مگر میرا وقت رائگاں نہیں گیا۔ مجھے یہ پتا چل گیا کہ تم نے بڑے موذی کا کام تمام کر دیا ہے۔"

غزالہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ ویرا کو اندازہ نہیں تھا کہ ہوٹل سمراٹ میں اس کی بروقت موجودگی سے غزالہ کو کتنا سہارا ملا تھا۔ میں نے غزالہ کے ساتھ جو کچھ طے کیا تھا' وہ عجلت میں طے کیا تھا۔ وقت بچانے کے لیے غزالہ مجھ سے کوئی بات کیے بغیر اس وقت ہمارے ہوٹل سے روانہ ہوئی تھی جب میں اپریٹس پر گوپال سے رات کا پروگرام طے کرنے میں مصروف تھا۔ اس عجلت میں یہ نکتہ سرے سے فراموش کر دیا گیا تھا کہ جان اسمتھ اپنے کمرے میں موجود نہ ہوا تو غزالہ اسے کیسے پہچانے گی اور کہاں تلاش کرے گی۔ ویرا نہ ملی ہوتی تو غزالہ کچھ دیر تک ہوٹل سمراٹ میں بھٹکنے کے بعد مایوس ہو کر لوٹ آتی۔

ویرا نے اسے وقت پر مناسب ترین مشورہ دیا تھا۔ جان اسمتھ کی نشان دہی کی تھی اور پھر اسے ہوٹل کے شراب خانے سے نکال کر کمرے تک لے جانے کی وہ راہ سجھائی تھی' جو غزالہ اپنے طور پر شاید اختیار نہ کرپاتی۔ غزالہ کو احساس تھا کہ اس کی کامیابی میں ویرا پوری طرح شریک تھی لیکن اس نے اس بارے میں زبان کھولنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اپنی کارگزاری کے بارے میں بے خبر رہنا ویرا کے لیے سود مند رہنا تھا۔ دوسری صورت میں وہ سنسنیاں بکھار کر دوسروں کا جینا اجیرن کر سکتی تھی۔

ان دونوں کے پارکنگ لاٹ میں داخل ہونے تک ہوٹل سمراٹ کی حدود میں کوئی ٹیکسی نظر نہیں آئی۔ غزالہ کو اعتراف کرنا پڑا کہ ویرا نے اپنی ٹیکسی کو واپسی کے لیے روک کر دور اندیشی اور دانش مندی کا ثبوت دیا تھا۔ ان دونوں کے لیے ہوٹل سمراٹ سے جلد از جلد لوٹ جانا بہت ضروری تھا۔

غزالہ کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ویرا نے اپنے سفری کپڑوں کا تھیلا ٹیکسی میں چھوڑ دیا تھا اور ٹیکسی ڈرائیور تھیلا لے کر نہیں بھاگا تھا بلکہ ایمانداری سے اپنی سواری کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ دونوں ٹیکسی میں سوار ہوئیں اور ٹیکسی روانہ ہو گئی۔ نیم روشن پارکنگ لاٹ میں ویرا نے اپنا ریڈی میڈ میک اپ خاموشی سے ختم کر دیا تھا۔

"کسی خطرے کا امکان نہیں ہے پھر بھی احتیاط کا تقاضا ہے کہ ہم دونوں ایک جگہ نہ اتریں۔" کچھ دیر کے بعد ویرا نے انگریزی میں کہا۔

"مجھے کہیں بھی چھوڑ دینا۔ میں دوسری سواری لے لوں گی۔" غزالہ نے کہا پھر پوچھا "تمہیں یہ قابل اعتماد ڈرائیور کہاں مل گیا۔"

"غریب اور انگریزی سے نابلد آدمی ہے۔ یہ دو سو روپے کی ممنونیت ہے کہ وہ میرا انتظار کرتا رہا۔ اس کی موجودگی میں ہم انگریزی میں بے تکلفی سے بات کر سکتے ہیں۔"

"اپنے قرینے سے کچھ پڑھا لکھا نظر آرہا ہے۔" غزالہ نے شبہے کا اظہار کیا۔

ویرا ہنس کر بولی "شاید چند جماعتیں پڑھی ہیں مگر انگریزی میں کورا ہے۔ بے چارہ راستے بھر ہندی یا اردو میں اپنی بے بسی پر بڑبڑاتا رہا تھا کہ مجھ سے انگریزی کے چند فقرے بھی نہیں بول سکتا۔ اس کے بارے میں تم فکر مند کیوں ہو۔"

"ذہن میں چند نکیلے سوال چبھ رہے ہیں...." غزالہ کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ ویرا درمیان میں بول پڑی تھی۔

"کھل کر بات کرو۔ پتا نہیں اب حالات کیا رخ اختیار کرلیں اور ہماری اگلی ملاقات کب ہو۔"

"یہ طے ہے کہ آج بلکہ تھوڑی دیر پہلے والے واقعے کا انکشاف پوری دہلی کو ہلا ڈالے گا۔" غزالہ نے پرخیال انداز میں کہا۔

"یہی ہمارا مقصد بھی ہے۔ ان کی صفوں میں کھلبلی مچ جائے گی اور کوئی تمہارے ملک پر الزام نہیں لگا سکے گا۔ تمہارے شکار کو تمہاری اصل قومیت پر کوئی شبہ تو نہیں ہوا تھا؟"

"وہ غیر ملکی تھا۔ مقامی ہوتا تو فوراً پہچان لیتا۔ اس کے لیے اردو اور ہندی یکساں تھیں۔ شروع سے آخر تک اسے کوئی شبہ نہیں ہوا مگر آخر میں' میں نے خود اسے بتا دیا کہ میں کون ہوں اور میرے شوہر کا کیا نام ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"خوب!" ویرا تعریفی لہجے میں بولی "اس کی روح کو قفس عنصری سے پرواز کرنے میں آسانی ہوئی ہوگی۔ یہ ہر مقتول کا حق ہوتا ہے کہ اسے اپنے قاتل اور قتل کے سبب کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو۔"

کچھ دیر کے لیے ٹیکسی میں خاموشی چھا گئی۔ وہ دونوں اپنے اپنے خیالات کی رو میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اچانک ویرا کو خیال آیا اور اس نے غزالہ کو ٹوک دیا "تمہارے ذہن میں چبھنے والے کچھ نکیلے سوالات درمیان میں رہ گئے۔"

"ذرا ذاتی نوعیت کی بات ہے پھر بھی میں جاننا چاہتی تھی کہ ایک اطالوی مرد تمہارے ساتھ کیوں رہ رہا تھا۔" غزالہ نے جھجکنے کے باوجود اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"کچھ پوچھے بغیر تمہیں سمجھ لینا چاہیے تھا۔" ویرا نے برا منائے بغیر سکون سے جواب دیا "تم شادی شدہ ہو اور اچھی طرح جانتی ہو کہ مرد اور عورت کیوں ایک ساتھ رہتے ہیں۔ ابھی تم نے اپنے شکار کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھایا ہے۔"

"تمہارا جواب واضح نہیں ہے۔ اگر تمہاری اور اطالوی کی رفاقت کا سبب وہی تھا جو میری سمجھ میں آرہا ہے تو مجھے صدمہ ہے۔"

ویرا نے یوں قہقہہ لگایا جیسے وہ غزالہ کے تبصرے سے محظوظ ہوئی ہو پھر بولی "میں اپنی کسی کمزوری کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتی۔ میرا ماضی کسی کھلی ہوئی کتاب کی طرح تمہارے سامنے ہے۔ اس کے باوجود میں ایسی گئی گزری نہیں ہوں کہ خود کو دوسروں کے لیے کھلونا بنا دوں۔ وہ مرد تھا اور میری خوشامدوں میں لگا رہا مگر میرے لیے اس کی حیثیت ایک آلہ کار سے زیادہ نہیں تھی۔ آج وہ اپنے سینے پر سنگین محرومی کا داغ لے کر رخصت ہوا تھا۔"

"بس، بس۔" غزالہ نے ٹیکسی میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں گرمجوشی سے ویرا کا ہاتھ دبایا "میں تمہاری زبان سے یہی سننا چاہتی تھی۔ میرے ذہن پر مسلسل ایک خلش سوار تھی۔"

"یہ صرف تمہاری خلش تھی یا تمہارے شوہر کو بھی اس بارے میں کوئی تشویش لاحق تھی؟" ویرا کی آواز میں اشتیاق اور تجسس امڈ آیا۔

"اس بارے میں ان سے میری کوئی بات نہیں ہوئی۔" غزالہ نے ایمان داری سے جواب دیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ اطالوی کے بارے میں اسے تم سے زیادہ خلش ہوگی۔ وہ اندر ہی اندر سلگ رہا ہوگا، جل بھن رہا ہوگا مگر اس نے مجھ سے اس بارے میں کبھی کھل کر بات نہیں کی۔ وہ بہت سفاک اور سنگ دل آدمی ہے۔ بے رحمی سے اپنے اور دوسروں کے جذبات کو کچل کر مطمئن نظر آنے کی اداکاری کرتا ہے۔ سچ پوچھو تو میں نے اسی کو سلگانے کے لیے اس اطالوی کو الجھایا تھا۔ میں اسے جتانا چاہتی تھی کہ میں اس کی کوششوں کے باوجود تنہا نہیں ہوں۔ جب چاہوں اپنے گرد بھونرے جمع کر سکتی ہوں لیکن وہ بے حس بن جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ اس نے اس بارے میں تم سے بھی کوئی بات نہیں کی۔"

"تمہاری اور ان کی دوستی بہت پرانی ہے۔" غزالہ نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں اس میں دخل انداز نہیں ہوتی لیکن تمہاری ان باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم اپنی ذات سے زیادہ ان کے بارے میں سوچتی رہتی ہو۔ حد یہ ہے کہ بعض کام صرف انہیں جلانے کے لیے کرتی ہو۔ یہ کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔"

"تمہارے الفاظ سے خلوص اور اپنائیت کی مہک آرہی ہے مگر پھر بھی تم اس کی بیوی ہو۔ میں تمہارے ساتھ اس موضوع پر بحث نہیں کر سکتی۔ اس بات کو یہیں چھوڑ دو مگر اسے یہ ضرور بتا دینا کہ میں نے اس کی ہر بات مان لی ہے۔ اطالوی کو رخصت کر دیا ہے اور رات کی آخری ٹرین سے یہ شہر بھی چھوڑ دوں گی۔"

"تمہارے دونوں فیصلے بہت مناسب ہیں۔ ہمارے لیے یہ ملک اور شہر اب مخدوش ہو چلا ہے۔"

"تم لوگوں کا اگلا منصوبہ کیا ہے؟" ویرا نے اپنا پچھلا سوال نئے زاویے سے دہرایا۔

غزالہ پھر انجان بن گئی "ہوٹل پہنچنے کے بعد پتا چلے گا کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ آج دو بجے ہونے والی ملاقات کے بعد اتنا وقت ہی نہیں ملا کہ ہم دونوں آپس میں کوئی تبادلہ خیال کرتے۔ وہ مصروف تھے اور پھر میں ادھر نکل آئی۔"

"اوہ! شاید ہم انڈیا گیٹ کے علاقے میں پہنچنے والے ہیں۔" ویرا نے ونڈ شیلڈ کے پار نظر آنے والی روشنیوں سے چونک کر کہا "تم یہیں مجھ سے الگ ہو جانا۔ زندگی رہی تو پھر اگلے کسی پڑاؤ پر ہماری ملاقات ہوگی۔"

ویرا کے ایما پر ڈرائیور نے ٹیکسی ایک مناسب مقام پر روک دی۔ غزالہ نے اپنا وینٹی بیگ اٹھایا اور اسے الوداع کہہ کر ٹیکسی سے اتر گئی۔

کناٹ پلیس تفریح سے زیادہ سیاحوں کی خریداری کا مرکز تھا۔ شاید انڈیا گیٹ شہر کا سب سے بڑا تفریحی مرکز تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غزالہ نے پہلی مرتبہ وہ علاقہ دیکھا تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ ضرور اس مقام پر رکتی لیکن جان اسمتھ کے قتل کے بعد وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ میں نے اپنی ساری کشتیاں جلا کر بھارت کی سرزمین پر اپنی بھرپور کارروائیوں کا آغاز کردیا تھا۔ اس مرتبہ وقت کا معمولی سا زیاں بھی ہماری سلامتی کو خطرے میں ڈال سکتا تھا۔

غزالہ نے انڈیا گیٹ سے دوسری ٹیکسی لی اور ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کی طرف روانہ ہوگئی۔

وہ ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوئی تو کامیابی کا جوش و جذبہ اس کے چہرے سے چھلکا پڑ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میری جان میں جان آئی ورنہ وہ جتنی دیر باہر رہی تھی، میرا ایک ایک لمحہ انتظار کے غیر یقینی کرب اور بے چینی میں گزرا تھا۔

مجھے اس سے فوری طور پر کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں کامرانی کی تحریر پڑھ لی تھی۔ میں نے والہانہ انداز میں اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

دہلی میں جان اسمتھ کی موت ہماری بہت بڑی کامیابی تھی۔ آئی بی کے ڈپٹی ڈائریکٹر جلال کو اس کی طرف سے تشویش تھی۔ اس کے نزدیک جان اسمتھ ایک ایسا خوفناک مگرمچھ تھا جس سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی صورت میں ایک زبردست بھونچال پیدا ہوسکتا تھا۔ جلال کے وہ سارے تحفظات پاکستان کی سرحدوں تک محدود تھے۔ ہم نے جان کے خلاف جو کچھ کیا تھا، پاکستان سے باہر کیا تھا۔ اس کا کام ایسی رازداری کے ساتھ تمام کیا گیا تھا کہ بھارتی اور امریکی حکام اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود پاکستان کو اس واردات میں ملوث نہیں کرسکتے تھے۔

ہم دونوں کچھ دیر تک اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے پھر غزالہ نے گھبرائے ہوئے انداز میں اپنے اندیشوں کا ذکر چھیڑ دیا۔

اس کا بنیادی خوف یہ تھا کہ راو والوں سے براہ راست سامنا ہونے کے باوجود ہمارے کام غیر معمولی آسانی کے ساتھ ہوتے چلے جارہے تھے۔ نریش شرما نے پاکستان کے بارے میں را کی فائلیں میرے سامنے رکھ دی تھیں اور میں فون کے ساتھ اپریٹس کے بے دریغ استعمال کے باوجود کسی گرفت میں نہیں آیا تھا۔

غزالہ صرف ایک سمت میں سوچ رہی تھی جو منفی تھی۔ پورے حالات و واقعات پر اس نے گہری نظر ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

ہمارا کام سہل ہونے کا پہلا سبب یہ تھا کہ رینا رائے سے انل بسواس تک، کسی کو یہ شبہ نہیں ہوسکا تھا کہ میں ڈینی تھا۔ وہ اپنے ذرائع سے تصدیق کرچکے تھے کہ میں مظہر خان تھا اور کراچی کے پتے پر موجود نہیں تھا۔ ان کے نزدیک مظہر خان سیاست سے بے خبر، کاروبار اور تفریح میں مگن رہنے والا ایک رنگین مزاج پاکستانی تھا جسے رینا اجیت رائے نے آسانی سے اپنے دام میں پھانس لیا تھا۔

نریش شرما نے بھی مجھے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ را کی پاکستان والی فائلوں پر جو کچھ لکھا ہوا تھا، خفیہ اور مخفف حروف میں لکھا ہوا تھا۔ ایک عام پاکستانی تو کیا کوئی بھارتی شہری بھی ان بند فائلوں پر نظر ڈال کر کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ نریش شرما نے اسی یقین کی بنا پر میرے سامنے ان فائلوں کو اوپر نیچے کیا اور مطلوب کاغذات بلکہ اخباری تراشے دکھانے کے بعد فائلیں دوبارہ محفوظ تجوری میں مقفل کردیں۔

یہ میری خفیہ معلومات اور باخبری کا نتیجہ تھا کہ میں نے ایک ہی نظر میں ان بند فائلوں کا متن بھانپ لیا۔ اس میں نریش شرما کی کسی بے پروائی، غیر ذمے داری یا حماقت کا کوئی دخل نہیں تھا۔

غزالہ کا دوسرا نکتہ میرے آزادانہ مواصلاتی رابطوں کے بارے میں تھا۔ جہاں تک گوپال کے دیے ہوئے اپریٹس کا تعلق تھا، وہ آئی بی کے ایجنٹوں کا محفوظ آلہ تھا جو مخصوص فری کوئنسی پر کام کرتا تھا۔ اس پر ہونے والی بات چیت کو را والے اسی صورت میں پکڑ سکتے تھے جب انہیں کسی نیٹ ورک کے فعال ہونے کا شبہ ہوتا اور وہ چوبیس گھنٹے ہر فری کوئنسی کی دیکھ بھال کرتے رہتے۔ وہ بہت دشوار کام تھا۔ کہیں سے کوئی سراغ حاصل کیے بغیر کوئی بھارتی ایجنسی محض اتفاقاً ہی ہماری بات چیت پکڑ سکتی تھی۔ کوئی تیسرا امکان خارج از قیاس تھا۔

فون کے بارے میں غزالہ کے شبہات سی ایس ڈی کی وجہ سے بے بنیاد تھے۔ میں نے کئی بار اسے سمجھایا تھا اور اس وقت پھر بتایا کہ سی ایس ڈی ایک ایسا آلہ تھا جس کی موجودگی میں صرف دو لائنیں ایک دوسرے کے رابطے میں رہ سکتی تھیں۔ تیسری لائن بعد میں شامل ہوتی تو لائن از خود ڈراپ ہوجاتی۔ رابطہ ہونے سے پہلے کوئی درمیان میں موجود ہوتا تو مطلوبہ رابطہ سرے سے قائم نہیں ہوسکتا تھا۔ تیسری لائن کا پہلا ہندسہ ملاتے ہی سی ایس ڈی خود کار طریقے سے وہ رابطہ کاٹ دیتی۔ حد یہ تھی کہ سی ایس ڈی والے فون سے ہونے والی گفتگو کا ریکارڈ کیا جانا بھی ممکن نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بدری ناتھ نے مجھے بتا دیا تھا کہ را والوں نے اپنے استعمال کے لیے جاپان کی ریڈ آرمی سے کچھ سی ایس ڈی خریدی تھیں جو را کے بعض اہم ترین عہدے داروں کے استعمال میں تھیں۔ وہ را کا بہت خفیہ ہتھیار تھا۔ وہ اس کی اہمیت اور کارکردگی سے بخوبی واقف تھے لیکن ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل میں مقیم مظہر خان نامی پاکستانی بھی چوری چھپے سی ایس ڈی سے استفادہ کر رہا تھا۔

مجھے غزالہ کو مطمئن کرنے کے لیے خاصی مغز زنی کرنا پڑی مگر آخر کار ہر بات اس کی سمجھ میں آگئی اور وہ مسکراتے ہوئے بولی "گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را والی بات شاید ایسے مواقع کے لیے کہی جاتی ہے۔ ذہنی دباؤ کی وجہ سے میرے ذہن میں سب کچھ گڈ مڈ ہو کر رہ گیا تھا۔ اب اندازہ ہو رہا ہے کہ آج کل ہمارے ستارے ہمارا ساتھ دے رہے ہیں۔ جان اسمتھ کے مرنے تک مجھے اپنی کامیابی کا یقین نہیں تھا۔ ہر آن یہ دھڑکا لگا ہوا کہ اچانک مسلح افراد کا کوئی جتھا نمودار ہوگا اور ہتھیاروں کی زد پر مجھے پکڑ کر اپنے ساتھ لے جائے گا۔"

"جان کو کامیابی سے مار لینے کے بعد تمہارے یہ اندیشے ختم ہو جانے چاہیے تھے۔"

"جب نہیں لیکن آپ سے بات کر لینے کے بعد اب میں بہت مطمئن ہوں۔ آپ کے سامنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لینے کے بعد تحفظ اور عافیت کا ایک نیا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ یقین کریں کہ ان ذرا ذرا سی باتوں نے سفر کی تنہائی میں مجھے دہلایا ہوا تھا۔"

"اب یہ بتاؤ کہ ویرا کی بکواس کا کیا جواب دیا جائے۔" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا "میں نے آپ کو ہر بات من و عن بتا دی ہے۔ وہ آپ کی طرف سے خطرناک خود فریبی میں مبتلا ہے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ اس میں آپ کا کیا بگڑتا ہے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "وہ رابرٹو کو جگہ دے یا کسی البرٹ سے دوستی کرے، مجھے اس کے بارے میں سوچنے اور اپنا خون سلگانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ اپنے مفروضوں پر خود ہی سوچتی اور کڑھتی رہتی ہے۔ میں اس پر ترس کھانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔"

"بس، یہی کرتے رہیں۔ یہ نہ بھولیں کہ وہ ہم لوگوں کی ہمدردی اور محبت کی حق دار ہے۔"

"ہمدردی کی بات ٹھیک ہے لیکن میری محبت پر اس کا کوئی حق نہیں ہے۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"اب صرف ایک بات رہ گئی ہے۔ سلطان شاہ کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلا کہ وہ کہاں ہے....." اس نے چالاکی سے موضوع تبدیل کر دیا۔

میں نے اس کی بات درمیان سے اڑا دی "میں اس کی طرف سے غافل نہیں ہوں لیکن اتنا کچھ ہو جانے کے بعد یہاں سے کراچی فون کرنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔ اب تم سامان سمیٹو۔ ہمیں جلد از جلد ہوٹل چھوڑنا ہے۔"

ہمارے پاس زیادہ اسباب نہیں تھا۔ غزالہ نے فوراً ہی کپڑے وغیرہ سمیٹنے شروع کر دیے۔

ہوٹل کا کمرا چھوڑنے سے پہلے میں نے اپریٹس پر جی تھری سے رابطہ کیا۔ وہ ہوٹل کے قریب اپنی گاڑی کے ساتھ موجود تھا۔ گوپال نے اسے مسلسل ہماری دیکھ بھال اور حفاظت پر مامور کیا ہوا تھا۔

"میدان بالکل صاف ہے۔ شام کو تمہاری واپسی کے بعد سے اب تک کوئی مشتبہ آدمی ادھر نہیں آیا۔" سنیل نے مجھے بتایا۔

"تم تیار رہو۔ ہم تھوڑی دیر میں باہر آ رہے ہیں۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"چلے آؤ۔ میں تیار ہوں۔ ہر ایک کی نگاہیں اب تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں۔"

"اوکے۔ اوور اینڈ آل۔" میں نے رابطہ منقطع کر دیا۔

اس بار ہم ہوٹل کا کمرا ہمیشہ کے لیے چھوڑ رہے تھے۔ میں نے فون کی لائن سے سی ایس ڈی الگ کر کے تاروں کو اس صفائی سے جوڑ دیا کہ بادی النظر میں ان پر کوئی شبہ نہ کیا جا سکے۔ غزالہ سامان سمیٹ چکی تھی اور میرے اشارے کی منتظر تھی۔

میں نے کمرے پر الوداعی نظریں ڈالیں پھر ہم دونوں وہاں سے نکل گئے۔

میں نے کاؤنٹر پر براہِ راست چابی دے کر اپنا حساب طلب کیا تو کلرک کو ہماری اچانک روانگی پر قدرے حیرت ہوئی۔ میں نے دانستہ اسے بتا دیا کہ ہم نے آج رات ہی آگرہ جانے کا پروگرام بنا لیا تھا تاکہ تاج محل دیکھ سکیں۔

میرے پاس نریش شرما کے دفتر اور گھر کے فون نمبر موجود تھے لیکن میں اس مرحلے پر را کے کسی اہل کار سے رابطہ کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ نریش کو مجھ سے جو کچھ کہنا تھا، وہ کہہ چکا تھا۔ اس پر عمل کرنا یا نہ کرنا میری ذمے داری تھی۔ میں نے روانگی میں ہوٹل کے کلرک کے کان میں یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات ڈال دی تھی کہ میں تاج محل دیکھنے کے لیے آگرہ جارہا تھا۔ میرے اچانک غائب ہونے پر راوالے جستجو کرتے تو وہ بات ان کے علم میں بھی آجاتی۔ نریش شرما یہی سمجھتا کہ میں نے اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے غزالہ کو اسی رات آگرہ لے جانے کا ارادہ کرلیا ہے۔

وہ میرے نازک مفروضے تھے۔ اگر بات جان اسمتھ کے قتل تک محدود رہتی تو شاید وہ مفروضے کارآمد رہتے کیونکہ میں نے نریش شرما سے اگلی شام تک کا وقت لیا ہوا تھا۔ وہ اس انتظار میں رہتا کہ میں آگرہ سے واپس دہلی پہنچنے کے بعد اس سے بات کروں گا۔ بظاہر ایسا ہونا مشکل نظر آرہا تھا کیونکہ آنے والی رات کے لیے میں نے کچھ اور سوچا ہوا تھا۔

سب کچھ میرے ارادوں کے مطابق ہوتا چلا جاتا تو دہلی کے انتظامی حلقوں کے لیے اگلی صبح بہت بھیانک ثابت ہونے والی تھی۔ تمام خفیہ ادارے بیک وقت حرکت میں آجاتے۔ ہر مشتبہ شخص کو بے رحمی سے پکڑلیا جاتا۔ ان حالات میں میرا نام مشتبہ افراد کی فہرست میں آنے کا قوی امکان تھا۔ میں راوالوں کے لیے ذرا بھی مشتبہ قرار پاتا تو میرا ہر مفروضہ ریت کی دیوار کی طرح برباد ہوجاتا۔

○☆○

سنیل ہم دونوں کو اپنے ساتھ لے کر سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں پہنچا تو وہاں گوپال اور رولی رام پہلے سے موجود تھے۔ وہ دونوں مجھے اپنے اس کمرے میں لے گئے جو ان کا عارضی ٹھکانا بنا ہوا تھا۔ سنیل، غزالہ کو لے کر اندر چلا گیا۔

ہمارے درمیان رسمی باتیں ہورہی تھیں کہ سنیل بھی ہمارے ساتھ آملا۔ اس نے بتایا کہ سرلا، غزالہ کو ساتھ لے کر کسی اور محفوظ ٹھکانے کی طرف جارہی تھی جہاں سے وہ صبح چار بجے واپس لوٹ آتی کیونکہ چھ بجے ہمیں دہلی سے امرتسر روانہ ہونے والی پرواز پکڑنی تھی۔

"یہ بہت اچھا ہوا۔" گوپال نے سنیل کی رپورٹ سن کر کہا۔ "آج کی رات بھابی کا یہاں رہنا مناسب نہیں تھا۔ کوئی گڑبڑ ہوگئی تو یہ گھر سب سے پہلے عتاب کا نشانہ بنے گا۔" گوپال بہت نیچی آواز میں بول رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کمرے میں صرف ایک بلب کی ناکافی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ بقیہ دو بلب بند تھے۔ دونوں کھڑکیوں کے پردے کھینچ کر اس روشنی کو بھی چھپانے کی کوشش کی گئی تھی۔

غزالہ کی سرلا کے ساتھ روانگی کی خبر سن کر مجھے خالی پن کا احساس ہوا لیکن میں نے ایک لفظ نہیں کہا۔ انٹیلی جنس بیورو کے وہ تینوں محنتی کارندے میرے ہمدرد اور بہی خواہ تھے۔ مجھے آنکھیں بند کرکے ان کے ہر فیصلے پر اعتماد کا اظہار کرنا تھا۔

"اس آپریشن میں صرف ہم چاروں شریک ہوں گے۔" میں نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا "اپریٹس پر چاروں کے کوڈ جوں کے توں رہیں گے۔ جی تھری اور جی فور کسی ایس او ایس سگنل کے بغیر اندر نہیں آئیں گے۔"

"میں تمہاری ہدایات کے مطابق ان کی بریفنگ کرچکا ہوں۔" گوپال نے کہا "ہتھیار، آتش گیر سیال، دستی بم اور دھوئیں کے بم دو جگہ بانٹ دیے گئے ہیں۔ چاہو تو ان کا جائزہ لے سکتے ہو۔"

"تم تینوں ذمے دار افراد ہو۔ مجھے تم پر پورا اعتماد ہے۔ میں ایک بار پھر بتادوں کہ ہماری پوری کوشش ہوگی کہ ہمارا کوبرا مشن نہایت خاموشی اور رازداری کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچے۔ انتہائی ناگزیر حالات میں کسی آتشیں یا بارودی ہتھیار کے استعمال کی باری آئے گی۔"

وہ تینوں تفہیمی انداز میں اپنے سر ہلا کر رہ گئے۔

"راوالے صرف آج کی رات غافل ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ رات کے آخری لمحات میں ان کی صفوں میں ہلچل پیدا ہوجائے کیونکہ جان اسمتھ نامی ایک امریکی سفارت کار کی لاش ہوٹل سمراٹ کے کمرا نمبر تین سو دس میں مقفل ہے۔ اس کی لاش دریافت ہونے کے بعد پوری سرکاری مشینری حرکت میں آجائے گی۔ یہ دھول بیٹھنے تک تم لوگوں کو بہت محتاط رہنا ہوگا۔"

میرے انکشاف پر وہ تینوں متحیر نظر آئے تھے۔ میری بات مکمل ہونے پر گوپال نے پوچھا "وہ کراچی سے یہاں آیا ہوا تھا۔ وہ کب اور کیسے مارا گیا؟"

"تھوڑی دیر پہلے کا واقعہ ہے۔ رضائے الٰہی میں کسی کا دخل نہیں ہے۔ اس کی موت کا صحیح سبب پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بتائے گی۔"

"تم انل کے پاس سے لوٹنے کے بعد سے ہوٹل میں تھے۔" سنیل کے ہونٹوں سے تحیر زدہ سرگوشی برآمد ہوئی "بھابی کو ہوٹل سے نکل کر ٹیکسی میں کہیں جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ کیا یہ ناقابل یقین کام انہوں نے سرانجام دیا ہے۔"

"بھول جاؤ کہ غزالہ کہیں گئی تھی۔" میں نے سختی سے کہا۔ "اب جان اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"وہ ایک ہوّا تھا۔ ہمیں اس کی گرد تک سے دور رہنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا حکم دیا گیا تھا۔" ولی رام نے زبان کھولی۔

"اس کے اسباب کچھ اور تھے۔ وہ اب بھی برقرار ہیں۔ اس معاملے سے کسی پاکستانی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"وہ مارا گیا' رات کو را کے دفتر میں وارد ات ہوگی۔ چند گھنٹوں میں رونما ہونے والے ان واقعات کے بعد اپنی اچانک روپوشی کے لیے تم نے کیا جواز سوچا ہوا ہے۔" گوپال نے میری طرف دیکھتے ہوئے پر تشویش لہجے میں سوال کیا۔

"واقعات نے اچانک پلٹا کھایا ہے۔ ہم نے آج کی رات انتظار میں ضائع کردی تو پتا نہیں کل را کی فائلیں کہاں ہوں گی۔ میں نے نریش سے کل شام تک کا وقت لیا ہوا ہے۔ بس یہ امید ہے کہ افراتفری میں وہ اتنی جلدی میری طرف متوجہ نہیں ہوگا۔ ہم صبح سویرے امرتسر کی طرف پرواز کرنے میں کامیاب ہوگئے تو شام ہونے سے پہلے لاہور پہنچ جائیں گے۔ اس کے بعد جو ہونا ہے' وہ ہوتا رہے۔ میں ان کے ہاتھ نہیں آسکوں گا۔"

"یہ بات کھل جائے گی کہ تم مظہر خان نہیں' ڈینی تھے۔" گوپال کی آواز مزید دھیمی ہوگئی "وہ کفِ افسوس ملتے رہ جائیں گے کہ تم ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر یہاں سے نکل گئے۔"

"یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ ان کی توجہ میری ذات پر مرکوز ہوگی تو وہ یہاں کام کرنے والوں پر دھیان نہیں دیں گے۔ انل کہہ رہا تھا کہ بھارت سے مقبوضہ کشمیر تک سات پاکستانی ایجنسیاں کام کرتی ہیں۔"

"شاید وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔" گوپال نے محتاط انداز میں جواب دیا "میں صرف اپنے آدمیوں سے واقف ہوں۔"

"مگر میں ان سے بھی ناواقف ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ دہلی میں ہماری آخری ملاقات ہو۔ مجھے ان کے ناموں کا علم ہونا چاہیے۔"

"سنیل کا نام پرویز احمد ہے۔ ولی رام کو عبداللہ کا نام استعمال کیے ایک مدت بیت چکی ہے۔ میں اپنا نام پہلے ہی بتا چکا ہوں۔" اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مگر گمبھیر مسکراہٹ تیر گئی۔

وہ کمرا مختصر ضرور تھا مگر ان کی ضروریات کی حد تک کافی تھا۔ عبداللہ نے چائے بنانے کے لیے برقی کیتلی آن کردی۔

ہمارے درمیان باتیں ہوتی رہیں۔ گیارہ بجے تک چائے کے دو دور چلے۔ اس درمیان میں یہ تجویز بھی زیرِ غور آئی کہ جو کچھ طے ہوا تھا' میرے اور نریش شرما کے درمیان طے ہوا تھا۔ اگر اسے بھی راستے سے ہٹا دیا جائے تو بہت سی باتیں پردے میں رہ سکتی تھیں۔ اسی کے ساتھ یہ امکان بھی تھا کہ را والوں کے میری طرف متوجہ ہونے میں زیادہ وقت لگ جائے۔

میں نے سنجیدگی سے غور کرنے کے بعد اس تجویز کو مسترد کردیا۔ ایک وقت میں کئی اقدامات سے معاملات بہت زیادہ الجھ جاتے۔ یہ بھی سوچا جاتا کہ وہ دو یا تین افراد کا کام نہیں تھا۔ کسی بڑی جماعت نے منظم پیمانے پر ایک ہی وقت میں یا آگے پیچھے ہر طرف ہاتھ پیر چلائے ہیں۔ دہلی میں سرگرمی سے ان لوگوں کی تلاش شروع ہوجاتی۔ جو میرا ساتھ دے رہے تھے۔

پھر آئی بی والے اصولی طور پر غیر ضروری الجھاووں سے دور رہنے کے عادی تھے۔ وہ نریش شرما کے قتل میں براہِ راست ملوث ہونے پر شاید ہی آمادہ ہوتے۔ میری حیثیت ان کے رسمی سربراہ سے زیادہ نہیں تھی جس کا بس بھرم ہی بھرم تھا۔ اختیارات نہ ہونے کے برابر تھے۔ ایک مستقل اور باضابطہ ادارے کے پکے ملازمین باہر سے آئے ہوئے کسی مطلق العنان سربراہ کی بالادستی قبول نہیں کرسکتے تھے جو اپنے اقدامات کے لیے اپنے ضمیر کے سوا کسی کے سامنے جواب دہ نہیں تھا۔ ان کے یہاں جواب دہی اور سرزنش کے ضابطے سختی سے نافذ العمل تھے۔

اظہارِ محبت

مغربی ملکوں میں اب اظہارِ محبت یوں بھی ہوتا ہے۔

"ڈارلنگ! یہ تم کن جھنجھٹوں میں پھنسی ہوئی ہو۔ میرا دل چاہتا ہے تمہیں یہاں سے کہیں دور... بہت دور لے جاؤں۔ ہمارا ایک چھوٹا سا گھر ہو جس کے آنگن میں خوشیوں کے پھول کھلیں... ننھے منے معصوم بچوں کی ہنسی کی چہکار سے در و دیوار جھوم اٹھیں... اور... اور..."

"ہاں... ہاں... کہو نا... خاموش کیوں ہوگئے..."

"اور پھر اگر حالات اجازت دیں تو ہم شادی بھی کرلیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان لوگوں کو گرین کو برا فائل کی تلاش تھی۔ اس کے حصول کے لیے وہ ہر قیمت ادا کرنے پر تیار تھے اس لیے یہ ممکن ہو سکا تھا کہ رات کی کارروائی میں وہ تینوں بھی میرے ساتھ بھرپور انداز میں شریک ہوں۔

بات گھوم پھر کر وہیں آگئی جہاں تھی۔ پہلے سے جو طے ہو چکا تھا' اس رات کے لیے وہی کافی تھا۔

ان تینوں سے ہونے والی باتوں کے نتیجے میں ایک نیا امکان ابھر کر سامنے آیا تھا۔ فوری طور پر کسی کے لیے بھی یہ ممکن نہ ہوتا کہ جان اسمتھ کے قتل کے سلسلے میں پاکستان پر الزام تراشی کرے لیکن یہ خطرہ بہرحال برقرار تھا کہ دہلی سے میرے اچانک غائب ہو جانے کے بعد بڑے پیمانے پر چھان بین شروع ہوتی جس کے نتیجے میں راؤ والوں کو یہ سراغ مل جاتا کہ میں مظہر خان کے نام سے ان کے سینوں پر مونگ دل کر پاکستان واپس لوٹ چکا تھا۔

کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ انکشاف راؤ والوں کے زخموں پر کیسی نمک پاشی کرتا۔ وہ مشتعل ہو کر میرے خلاف ایک نئی اور بھرپور پروپیگنڈا مہم شروع کر سکتے تھے جس کی آڑ میں پاکستان کو دل کھول کر بدنام کیا جاتا۔ ایسی حرکت کی صورت میں راؤ والوں کی ذلت اور رسوائی یقینی تھی۔ ہر طرف سے یہ سوال اٹھایا جاتا کہ وہ اپنے گھر میں ایک بدترین دشمن کی پراسرار آمد اور روانگی سے بے خبر کیوں رہے۔

مجھے اور پاکستان کو بدنام کرنے کی کوششوں میں ان کے چہروں پر کالک پھر جاتی۔ غالب امکان یہ نظر آرہا تھا کہ وہ میری پس پردہ کارروائیوں سے واقف ہونے کے بعد اپنی معلومات کو پھیلانے کے بجائے سختی سے دبائے رکھیں گے اور جان اسمتھ کے قتل کے بارے میں میرا نام نہیں اچھالا جائے گا۔

ان کے بزدل کارندے شاید خوف زدہ ہو کر پاکستان میں بھی سست پڑ جاتے۔ وقت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کے خلاف محدود اور بدترین کارروائی پر اکتفا کیا جائے۔ آگ کو زیادہ پھیلانے کی کوشش میں ہمارا دامن بھی آتش زدگی کا شکار ہو سکتا تھا۔

گیارہ بجے پرویز اور عبداللہ نے نہایت خاموشی سے وہ کمرا چھوڑ دیا۔ وہ دونوں کھلے ہوئے منہ والے دو وزنی تھیلے بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے جن میں ضروری ہتھیار اور دستی گولے وغیرہ موجود تھے۔

میرے پاس بیم گن کی صورت میں اکلوتا اور اہم ترین ہتھیار موجود تھا جو راہ میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے کافی تھا۔

ٹھیک سوا گیارہ بجے عابد بھی اٹھ گیا۔ کمرے کی روشنی گل کر کے ہم دونوں باہر نکل آئے۔ عابد نے خاموشی سے دروازہ مقفل کر دیا۔ ہرلا کے کیسٹ ہاؤس پر اس وقت رات کی خواب ناک خاموشی راج کر رہی تھی۔ دفاتر وغیرہ میں دن بھر محنت کرنے والے مکین اگلی صبح کی ذمے داریاں پوری کرنے کے لیے گہری نیند سو چکے تھے۔ عابد احاطے کا پھاٹک کھول کر میرے ساتھ باہر آگیا۔

عابد سر جھکا کر تیز تاریک سڑک پر ہو لیا۔ میں چند قدم کے فاصلے سے اس کی تقلید کر رہا تھا۔ یہ عجیب بات تھی کہ میں ان کا رسمی سربراہ تھا لیکن شہر سے ناواقف ہونے کی بنا پر قدم قدم پر ان کی رہنمائی کا محتاج تھا۔

چند منٹ تک چلنے کے بعد ہم مکانوں کی قطار پیچھے چھوڑ کر ایک میدان میں نکل آئے جہاں گہری تاریکی میں دو گاڑیوں کے ہیولے نظر آرہے تھے۔

پرویز اور عبداللہ ان گاڑیوں کے قریب موجود تھے۔ ہتھیاروں کا ایک ایک تھیلا دونوں گاڑیوں میں رکھ دیا گیا تھا۔

عابد نے پرویز سے چابی لی اور اگلی سیاہ گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ مجھے اس کے ساتھ سفر کرنا تھا۔ پرویز اور عبداللہ کو دوسری گاڑی میں ہمارے پیچھے آنا تھا۔ ان کو ہماری دوسری دفاعی لائن کے طور پر کردار ادا کرنا تھا۔

دونوں گاڑیوں کے انجن بیدار ہوئے اور وہ اسی ترتیب سے حرکت میں آگئیں۔ عابد نے ہیڈ لیمپس روشن کیے بغیر بہت سست رفتار سے میدان کا مختصر حصہ عبور کیا اور سڑک پر آنے کے بعد ہیڈ لیمپس روشن کر دیے۔ میں نے مڑ کر دیکھا کہ دوسری گاڑی ہم سے خاصی دور ہو چکی تھی۔

میں نے دہلی کی شہری زندگی کی رعنائیاں کناٹ پیلس میں دیکھی تھیں اور مجھے اندازہ تھا کہ وہ وقت زیادہ نہیں تھا۔ رات کے ایک ڈیڑھ بجے تک شہر میں خاصی سرگرمیاں برقرار رہتی تھیں۔ یہ گوپال کا مشورہ تھا کہ ہمیں شہر میں سناٹا پھیلنے سے پہلے ہی اپنے کام سے فارغ ہو کر لوٹ آنا چاہیے۔ وقت کا وہ انتخاب خطرات سے محفوظ رہنے کے لیے بہت اہم تھا۔ زیادہ رات گئے شہر میں پولیس کی مسلح جماعتوں کا گشت شروع ہو جاتا تھا جو ہمارے لیے خطرناک تھا۔

اس رات ہماری منزل تیرتھ رام شاہ اسپتال کے عقب میں واقع تھی۔ عابد علی عرف گوپال درمیانی رفتار سے شہر کے خوابیدہ علاقوں سے گزر رہا تھا جہاں سڑکوں پر ٹریفک کا دباؤ نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہاں مامور سپاہی ہمارا راستہ نہیں روکیں گے۔" عابد نے سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"وہ دن میں اپنی کرسیوں سے ہلنے جلنے میں کسل مندی سے کام لیتے ہیں۔ اس وقت بے خبر سوئے ہوئے ہوں گے۔ تم ان کی طرف سے بے فکر رہو۔ وہ بیدار ہوئے تب بھی میں انہیں خاموش رکھنے کا بندوبست کرلوں گا۔ مجھے اصل خطرہ چھت پر رہنے والے چوکیدار کی طرف سے ہے۔ پتا نہیں وہ چھت پر ٹہلتا رہتا ہے یا گدھے گھوڑے بیچ کر بے خبری کی نیند سوجاتا ہے۔"

ہمارے کام کی بنیاد اسی وقت رکھ دی گئی تھی جب ہم نے امرتسر کے ایک شخص کے ساتھ رات کے اندھیرے میں سرحد عبور کرکے بھارتی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ اس لمحے کے بعد اس سمت میں مسلسل کام ہوتا رہا۔ شطرنج پر بچھائے ہوئے مہرے نپے تلے انداز میں اپنی جگہیں بدلتے رہے۔ بازی رفتہ رفتہ ایک مخصوص صورت اختیار کرنے لگی۔ اس روز انیل بسواس اور نریش سے میری ملاقات کے بعد بات بالکل تل گئی تھی۔ ہمیں اپنے ہدف کے لیے بڑھ کر دشمن پر وار کرنا تھا یا پھر کامیابی سے ہمیشہ کے لیے دور ہوجانا تھا۔

عابد علی نے تیرتھ رام شاہ اسپتال کے قرب وجوار کا پہلے سے جائزہ لیا ہوا تھا۔ دہلی کے سنسان راستوں سے ہوتا ہوا وہ آخری آبادیوں سے گزرا اور پھر اس علاقے میں داخل ہوگیا جہاں مختلف عمارات میں سرکاری دفاتر وغیرہ قائم تھے۔

وہ علاقہ اس وقت دور تک سنسان پڑا ہوا تھا۔ دہلی کے بہت سے حصوں میں زندگی کی رعنائیاں اپنے شباب پر تھیں مگر دفتری عملے کی روانگی کے بعد سے معدوم ہونے والی سرگرمیاں اس علاقے میں بالکل دم توڑ چکی تھیں۔ جگہ جگہ آوارہ کتوں کی ٹولیاں رات کے بقیہ حصے کے لیے بلند آہنگ مذاکرات میں مصروف تھیں۔ مجھے وہ ماحول اپنے مشن کے لیے بہت سازگار نظر آرہا تھا۔

"میں نے شام کو ادھر کا چکر لگا کر جائزہ لے لیا تھا۔" عابد علی نے مجھے آگاہ کیا "اگلے درخت کے نیچے میں گاڑی چھوڑ دوں گا۔"

اس وقت ہم جس مقام پر تھے وہاں سے راکے دفتر والی' اندھیرے میں ڈوبی ہوئی عمارت صاف نظر آرہی تھی۔ صرف اس کا برآمدہ روشن تھا۔ برآمدے اور ٹمٹماتے ہوئے اسٹریٹ لیمپس کی روشنی میں بظاہر وہاں کوئی متنفس نظر نہیں آرہا تھا۔ کار سے عمارت تک کا فاصلہ ہمیں الگ الگ رہ کر پیدل

تاخیر

دو جوڑے اتفاقاً ایک ساتھ ہنی مون منانے ایک ہی ہوٹل میں پہنچے۔ کمرا لینے کے بعد دن بھر وہ گھومتے پھرتے رہے۔ رات کو ہوٹل پہنچ کر وہ اپنے کمروں میں جانے کے لیے لفٹ کے قریب کھڑے تھے کہ لائٹ چلی گئی۔ اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے وہ سیڑھیوں کے راستے اپنے اپنے کمروں میں پہنچے۔ ایک دولہا نے کپڑے بدلے اور سونے سے پہلے طویل دعا مانگی۔ جونہی اس نے دعا ختم کی لائٹ آگئی۔ یہ دیکھ کر اسے جھٹکا لگا کہ اس کے بیڈ پر دوسرے دولہا ارشد کی بیوی بیٹھی تھی۔

وہ گھبرا کر تیزی سے دروازے کی طرف لپکا تو ارشد کی بیوی بولی "کوئی فائدہ نہیں.... ارشد صاحب سونے سے پہلے دعا مانگنے کے عادی نہیں...."

طے کرنا تھا۔

بے اختیار میری نظریں عمارت کی چھت کی طرف اٹھ گئیں۔ وہاں اونچی منڈیر کے پیچھے مجھے کوئی انسانی ہیولا نظر نہیں آیا۔ اگر راواں کا چوکیدار جاگ رہا تھا تو بھی وہ چھت کا گشت نہیں لگا رہا تھا۔

عابد نے گاڑی تناور درخت کے سائے میں روک دی۔ میں اپنی سمت کا دروازہ مقفل کرکے نیچے اتر آیا اور پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق عمارت کی طرف چل دیا۔ عابد ہتھیاروں والا تھیلا شولڈر اسٹریپ کے ذریعے اپنے کندھے پر لٹکا رہا تھا۔

اس وقت میں پوری طرح چوکنا تھا اور میری نگاہیں اپنی منزل کی طرف مرکوز تھیں۔ ذرا سا راستہ طے کرنے کے بعد مجھے عمارت سے ملحق وہ نیم پختہ کمرا نظر آنے لگا جہاں میں نے دونوں سپاہیوں کو شام میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔

اس کمرے کی مٹیالی دیواروں میں دروازے کا تاریک خلا دور سے صاف نظر آرہا تھا جو کھلا ہوا تھا۔ کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ دونوں موٹے اور کاہل سپاہی شاید اپنی شکم سیری کے بعد بے خبری کی نیند سوئے ہوئے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہر طرح چاق و چوبند ہونے کے باوجود میری چال تھکی تھکی سی تھی تاکہ دور سے کوئی مجھے دیکھ بھی لے تو یہی سمجھے کہ کوئی تھکا ہارا شخص اپنے کام سے دیر گئے واپس لوٹ رہا تھا۔ اپنی مہم کے اس فیصلہ کن مرحلے پر میں نے ہر احتیاط برتنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ چلتے چلتے میں رک کر مڑا تو عابد تھیلا اپنی پشت پر لادے اسی قابلِ رحم حالت میں پیچھے چلا آ رہا تھا۔

سپاہیوں کے کمرے سے کچھ پہلے میں نے رک کر سن گن لی لیکن آس پاس کسی متنفس کے موجود ہونے کے آثار نہیں تھے۔ بس قریبی جھاڑیوں سے کچھ جھینگروں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان کے سوا زندگی کی ہر علامت مفقود تھی۔ مطمئن ہو کر میں آگے بڑھ گیا۔

دیوار سے لگ کر میں نے بس ایک لمحے کے لیے اندر جھانکا۔ فضا میں دونوں سپاہیوں کے تیز اور ہموار سانسوں کی گونج رچی ہوئی تھی۔ اگلے لمحے میں پنجوں کے بل خاموشی سے اس تاریک کمرے میں داخل ہو گیا۔

کمرے میں اندھیرا تھا لیکن کھڑکی اور دروازے کے راستے پڑنے والے بیرونی انعکاس کے سبب میری بینائی کام کر رہی تھی۔ وہ دونوں بغیر بستر والی کھردری چارپائیوں پر دنیا و مافیہا سے بے خبر گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ وہ تیسرے درجے کے شہری اور چوتھے درجے کے سرکاری ملازم تھے جن کے لیے زندگی میں کسی آسائش کا تصور نہیں تھا۔ وہ ہر معاملے میں کم سے کم پر قناعت کر کے سکون سے زندہ رہنے والے خوش نصیب انسان تھے۔

ان کی دونوں بندوقیں مجھے چوبی کواڑ کے پیچھے کھڑی ہوئی مل گئیں۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بندوقیں بہت پرانی اور از کار رفتہ تھیں۔ ضرورت کے وقت شاید ان سے ایک فائر بھی ممکن نہیں تھا پھر بھی وہ بندوقیں تھیں اور کسی احتیاط کے بغیر اس کھلے ہوئے کمرے میں رکھی ہوئی تھیں جہاں سے کوئی بھی چور یا اُچکا انہیں آسانی سے اٹھا کر لے جا سکتا تھا۔

دہلی میں امن و امان کی صورتِ حال قابلِ رشک تھی یا پھر ان موٹے سپاہیوں کی خوش نصیبی تھی کہ کسی نے ان کی بندوقوں پر طبع آزمائی کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور وہ سرکاری طور پر بدستور مسلح تھے۔

سوئے ہوئے سپاہیوں کے تیور بتا رہے تھے کہ صورِ اسرافیل سے کم کوئی آواز انہیں نہیں جگا سکے گی۔ اگر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ ہمارے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ یہ امکان بہت موہوم تھا کہ کسی گڑبڑ کے نتیجے میں ان کی آنکھ کھل جاتی اور ان میں سے کوئی بوکھلاہٹ کے عالم میں اپنی بندوق سے ہوائی فائر داغ دیتا۔

ان کا بیدار ہونا اور پھر اس کے بعد کسی بندوق کا چل جانا بہت مشکل تھا مگر میں اس رات کوئی خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ کوئی ذرا سی گڑبڑ بھی ہمارا سارا کھیل بگاڑ سکتی تھی۔

میرے داہنے ہاتھ میں وہ انگوٹھی تھی جس کے نگینے میں بھرا ہوا زہرِ آنِ واحد میں کسی کو موت کی آغوش میں دھکیل سکتا تھا۔ بائیں ہاتھ کی ایک انگلی میں وہ انگوٹھی تھی جس کا سیال ان سپاہیوں کو کئی گھنٹوں کے لیے بے ہوش رکھنے کے لیے کافی تھا۔

اول خان نے مجھے اسٹیشن فور پر بتا دیا تھا کہ ان انگوٹھیوں کے سیال جسم کے کسی حصے میں بھی اتارے جاتے، دورانِ خون میں شامل ہوتے ہی اپنا کام دکھانا شروع کر دیتے ہیں۔ میں نے بائیں ہاتھ والی انگوٹھی کے نگینے کا رخ ہتھیلی کی طرف گھمایا اور پھر ایک سپاہی کی کھلی ہوئی پنڈلی اس ہاتھ کی گرفت میں دبوچ لی۔

نگینے کے خول سے نمودار ہونے والے سوئی نے اپنا کام دکھا دیا۔ پنڈلی کو ایک بہت ہلکا جھٹکا لگا اور وہ ساکت ہو گئی۔ مجھے یقین تھا کہ صبح کا اولین اجالا پھیلنے سے پہلے وہ اپنی چارپائی سے اٹھنے کے قابل نہیں ہو سکے گا۔

پھر میں نے وہی عمل دوسرے سپاہی پر دہرایا اور کمرے سے نکل آیا۔

عابد ہتھیاروں کے تھیلے سمیت پہنچ چکا تھا۔ وہ اس کونے میں دبکا ہوا تھا جو اصل عمارت اور نیم پختہ کمرے کے اتصال سے وجود میں آیا تھا۔

"دونوں بے ہوش ہو چکے ہیں۔ میں دروازے پر جا رہا ہوں۔" میں نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے سرگوشی کی اور آگے بڑھ گیا۔

میں زینے طے کر کے اس عمارت کے قدیم برآمدے میں پہنچ گیا۔ اس وقت تک کپڑے میں لپٹی ہوئی بیم گن جیب سے نکل کر میرے ہاتھ میں آ چکی تھی۔

عمارت کا صدر دروازہ بند اور مقفل تھا۔ گو وہ عمارت پرانی تھی لیکن میں شام کو ہی دیکھ چکا تھا کہ صدر دروازے میں بہت مضبوط ہفمی قفل لگا ہوا تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ اس قفل کے ساتھ دروازے میں اوپر اور نیچے کے بولٹ بھی لگے ہوئے ہوں۔

برآمدے کی چھت میں لگا ہوا ایک بلب روشن تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عمارت کے صدر دروازے پر زیادہ دیر تک میری موجودگی' اس روشنی کی وجہ سے مخدوش ہو سکتی تھی۔ میں نے بیم گن کے نوزل پر کپڑے کی موٹی تہ لپیٹی اور اسے قفل کے وسط میں رکھ کر لمحہ بھر کے لیے ٹریگر دبادیا۔ کپڑے کی وجہ سے لیزر شعاعوں کی نیلگوں روشنی نہ پھیل سکی۔ میرے نتھنوں میں کپڑا سلگنے کی تیز بو آئی اور میں نے بیم گن ہٹالی۔

روشن برآمدے میں وقت اہم ترین مسئلہ تھا۔ میں نے وقت بچانے کے لیے بولٹوں کے مقام پر بیم گن فائر کرنے سے پہلے دروازے کا بیرونی دستہ گھمایا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ دروازہ کھل گیا۔ میں پھرتی سے عمارت میں داخل ہو گیا۔

اس وقت عمارت میں مکمل اور بے روح سناٹا چھایا ہوا تھا۔ طویل راہداری ویران پڑی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں جلتے ہوئے اِکا دُکا بلب اتنی روشنی پھیلا رہے تھے کہ وہ راستہ اندھیرے میں نہیں ڈوبا ہوا تھا۔ میں کھلے ہوئے دروازے کی اوٹ میں ہو کر سن گن لے رہا تھا کہ موقع پا کر عابد بھی اپنے تھیلے سمیت اندر گھس آیا۔ اس نے آتے ہی دروازہ بند کیا اور احتیاط سے اوپر والا بولٹ لگادیا۔ میں سلگتا ہوا کپڑا فرش پر پھینک کر جوتے سے مسل چکا تھا۔

وہاں چھایا ہوا سناٹا اس قدر مہیب تھا کہ طویل آہنی بولٹ کے سرکنے کی مدھم سی آواز بھی بہت واضح تھی۔

"میدان بالکل صاف ہے۔" عابد نے میرے کان میں سرگوشی کی تو جوش سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

ہم دونوں کے اندر پہنچ جانے کے بعد پرویز اور عبداللہ کو اپنا کام شروع کردینا تھا۔ وہ دونوں عمارت کے پہلوؤں تک آتے اور اطمینان کرنے کے بعد یکے بعد دیگرے دونوں گاڑیاں صدر دروازے سے قریب ترین محفوظ مقام پر لے آتے تاکہ واپسی پر ہم تیزی سے فرار ہو سکیں۔

میں نے راہداری کے آخری سرے کی طرف پیش قدمی شروع کردی جہاں بائیں ہاتھ پر نریش شرما کا کمرا واقع تھا۔

بیم گن میرے ہاتھ میں تھی۔ میں پھونک پھونک کر پنجوں کے بل قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ دونوں طرف کے دروازے بند تھے اور ان پر روایتی طرز کے مضبوط تالے جھول رہے تھے۔ دفتروں کا تسلسل درمیان میں ٹوٹ گیا۔ اس طرف عملے کے لیے زنانہ اور مردانہ واش روم وغیرہ بنے ہوئے تھے اور ایک جگہ سے چھت پر جانے کے لیے زینہ نکالا گیا تھا۔

وہ حصہ ختم ہونے کے بعد دوبارہ کمروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شیشے کی دیواروں کے پیچھے اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ میرے ہر بڑھتے ہوئے قدم کے ساتھ یہ یقین پختہ ہوتا جارہا تھا کہ عمارت میں کوئی موجود نہیں تھا۔ آخر کار میں نریش شرما کے دفتر تک پہنچ گیا۔ کہیں سے کوئی مداخلت نہ ہونے کی وجہ سے عابد نے تیزی سے درمیانی فاصلہ طے کیا اور مجھ سے آملا۔

رام بابو اور نریش کے دفاتر کے مشترکہ دروازے پر بھی وزنی تالا جھول رہا تھا۔

"ہٹو۔ میں ذرا سی دیر میں اسے کھول لوں گا۔" عابد نے سرگوشیانہ آواز میں پیش کش کی۔ اسے بیم گن کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔

میں نے بیم گن بلند کرکے اسے دکھائی اور چشم زدن میں تالے کے دونوں سرے پگھلا کر کاٹ دیے۔ تالے کا یو نما سرا چھپکے میں لٹکا رہ گیا۔ نچلے وزنی حصے کو میں نے فرش پر گرنے سے پہلے لپک لیا۔

"اوہ!" عابد کے ہونٹوں سے تحیر زدہ سرسراہٹ آزاد

اہلیت

ایک صاحب نوکری کے لیے انٹرویو دینے پہنچے۔ تمام مطلوبہ کام جاننے کے علاوہ ان کے پاس دس سال کا تجربہ بھی تھا۔ آخر میں انہوں نے کہا "ان سب باتوں کے علاوہ میں اڑنا بھی جانتا ہوں۔"

ایک بڑے بیوروکریٹ ان کا انٹرویو لے رہے تھے۔ انہوں نے گویا بادل ناخواستہ کہا "ٹھیک ہے... اڑکر دکھایئے۔"

وہ صاحب اپنی جگہ سے اچھلے اور بڑے سے کمرے میں اڑنے لگے۔ چھت سے ذرا نیچے نیچے انہوں نے تین چار چکر لگائے پھر فراٹے سے نیچے اتر آئے۔

بیوروکریٹ ناک سکیڑتے ہوئے قدرے بیزاری سے بولے "ہاں... ٹھیک ہے.... آپ جہاز کی نقل کرلیتے ہیں... لیکن یہ بتایئے اس کے علاوہ آپ کو اور کیا آتا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئی "مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم لیزر گن ساتھ لیے پھر رہے ہو۔"

میں نے بائیں ہاتھ کی انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس نے خاموشی سے دروازے کا کنڈا کھول دیا۔ ہم نے رام بابو کے دروازے پر چوکیدار کا لگایا ہوا قفل کاٹ دیا تھا۔ اس سے آگے نریش کے کمرے کا اندرونی دروازہ تھا۔ وہ تیسرا قفل کاٹنے کے بعد ہم اس تجوری کے سامنے ہوتے جس میں راکے پاکستانی ونگ کا اہم ترین ریکارڈ موجود تھا۔

ابتدا میں میرا پروگرام یہ تھا کہ عابد باہر راہداری میں رک کر نگرانی کرے گا اور میں اندر جاکر نریش شرما کی تجوری کاٹ کر اس میں سے کام کی ہر چیز نکال لوں گا لیکن عابد کے جوش و خروش کو دیکھتے ہوئے میں نے اسے باہر روکنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے ذہن میں آزردہ کردینے والا خیال آسکتا تھا کہ میں اسے غیر ضروری چوکیداری میں الجھا کر اہم ترین کام تن تنہا سرانجام دینا چاہ رہا تھا۔

ایک طرف عابد علی کی دلداری کا خیال تھا۔ دوسری طرف یہ حقیقت سامنے آچکی تھی کہ عمارت کی نچلی منزل پر کوئی متنفس موجود نہیں تھا جو ہمارے کاموں میں مخل ہوتا۔

میں نے عابد کو باہر روکنے کا ارادہ منسوخ کردیا۔ وہ میرے ساتھ رام بابو کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ اس مہم میں وہ میری واحد اور بدترین غلطی تھی جو بعد میں میرے لیے خاصی پریشانی کا باعث بن گئی۔

انل بسواس کے اندرونی دروازے کی طرح نریش شرما کے دفتر کے دروازے پر بھی ہنسمی قفل تھا۔ میں نے بیم گن کی مدد سے اسے بھی ناکارہ کردیا اور ہم دونوں اطمینان سے اس کمرے میں داخل ہوگئے جہاں وزنی فولادی تجوری ہماری منتظر تھی۔ میں نے کمرے کا ایک بلب روشن کردیا۔

عابد پُر اشتیاق انداز میں تیزی کے ساتھ تجوری کی طرف بڑھتا چلا گیا اور میرے وہاں پہنچنے سے پہلے جھک کر اس کے حفاظتی تالوں کا جائزہ لینے لگا۔

"یہ خطرناک تجوری معلوم ہوتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اسے چھیڑتے ہی کوئی الارم بج اٹھے۔" عابد نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔

"اسے چھیڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس پر بیم گن آزمانی پڑے گی۔ اس کے نیلگوں شعلوں کی پتلی دھار الارم وغیرہ کے تاروں کو بھی جلا کر راکھ کردے گی۔ ان کے بجنے کی نوبت نہیں آئے گی۔"

"میری خواہش تھی کہ میں اس کے پیچیدہ تالے پر طبع آزمائی کروں۔" عابد نے کہا "میں نے قفل شکنی میں خاصی مہارت حاصل کی ہوئی ہے۔"

"اس وقت مہارت آزمانے یا تجربہ کرنے کا موقع نہیں ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی گڑبڑ ہو، ہمیں اپنا کام مکمل کرکے جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ تاخیر ہونے کی صورت میں کوئی ناگہانی الجھن سامنے آسکتی ہے۔" میں نے اسے سمجھایا۔

عابد نے کسی حیل و حجت کے بغیر میری بات مان لی اور قد آدم تجوری کے سامنے سے ہٹ گیا۔

میں نے تجوری کے تالے پر بیم گن فائر کرنے کے لیے اپنی جگہ قدرے تبدیل کی۔ اس وقت ہم دونوں کی پوری توجہ تجوری پر مرکوز تھی کہ اچانک کمرے کی فضا ایک درشت آواز سے گونج اٹھی "ہتھیار پھینک کر اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو!"

ہم دونوں بری طرح چونک کر پلٹے اور یہ دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے میرے اوسان خطا ہوگئے کہ نریش کے دفتر کے دروازے پر درشت رو اور تند خو ناگر بڑے بور کا ایک پستول سنبھالے کھڑا ہوا تھا۔ اس کی کینہ توز، عقابی نظریں ہم دونوں پر مرکوز تھیں۔

میری اس سے دو ملاقاتیں ہوچکی تھیں اور میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہ انتہائی مکار، کینہ پرور اور سفاک شخص تھا جس کی نظروں میں انسانی وقار یا خون کی ذرا بھی حرمت نہیں تھی۔ میرے لیے وہ اجنبی نہیں تھا لیکن عابد کا اس سے پہلی بار سامنا ہوا تھا۔ اس کی لاکار میں کوئی ایسی بات پوشیدہ تھی کہ عابد نے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا ریوالور قالین پر گرا کر بے اختیار دونوں ہاتھ اوپر اٹھالیے۔

"سنا نہیں تم نے!" مجھے متردد دیکھ کر ناگر اپنے پستول کی نال ہلا کر غرایا "میں گولی ماردوں گا۔ اپنی گن پھینک دو۔"

بیم گن لوہے اور بارود کا ٹھوس مجموعہ نہیں تھی جسے بے احتیاطی سے ناگر کے حکم کی نذر کردیا جاتا۔ اس کی بیرل میں نہایت حساس الیکٹرونک نظام پوشیدہ تھا جو ٹریگر سے اشارہ ملتے ہی لیزر شعاعوں کی تیاری کا عمل شروع کردیتا تھا اور وہ مہلک نیلگوں شعاعیں بیرل کے سرے پر لگے ہوئے نوزل سے نکل کر بہت تیزی سے اپنے ہدف پر جا پڑتی تھیں۔ تیز جھٹکا لگنے سے گن کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔

میں نے جھک کر بیم گن قالین پر ڈال دی اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھالیے کیونکہ ناگر کی طرف سے تیسری وارننگ گولی کی صورت میں آنے کا قوی امکان تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں فنگر پرنٹس لینے کے لیے ہوٹل میں تمہارے پاس آیا تھا تو تمہارے چہرے سے حرامی پن جھلک رہا تھا۔" ہم دونوں کو غیر مسلح کردینے کے بعد ناگر قدرے پرسکون ہوگیا۔ وہ دروازہ چھوڑ کر دفتر میں آچکا تھا اور اپنی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کرکے کہہ رہا تھا "میں نے انکل کو بتا دیا تھا کہ تم خطرناک آدمی نظر آتے ہو۔ تم پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا لیکن انکل مجھ سے زیادہ اپنے مخبروں پر اعتماد کرتا ہے۔ تم کو یہاں دیکھ کر اسے اپنے غلط فیصلے پر دکھ ہوگا۔"

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ ہم عمارت میں داخل ہوئے تو اس کا صدر دروازہ مقفل تھا جس کا مطلب تھا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے کوئی خفیہ طور پر اندر نہیں آیا تھا۔ ہمارے آجانے کے بعد پرویز اور عبداللہ باہر چوکس تھے۔ انہیں جل دے کر ناگر کیا کوئی تیس مار خاں بھی اندر نہیں آسکتا تھا پھر پتا نہیں وہ خبیث کسی بدروح کی طرح اچانک کہاں سے ٹپک پڑا تھا۔

اس وقت ہم دونوں اس کے رحم و کرم پر رہ گئے تھے۔ اسے زیر کرنے کے لیے اس کی ذہنی اور نفسیاتی کیفیت کا صحیح ترین اندازہ لگانا ضروری تھا۔ اس کی کسی کمزوری سے کھیل کر ہم اپنی نجات کی کوئی راہ نکال سکتے تھے۔ ورنہ ہمارا کھیل ختم ہوچکا تھا۔ آخری مرحلے کی اس ناکامی کے بعد قید و بند کی بدترین صعوبتیں مجھے اپنا مقدر بنتی نظر آرہی تھیں۔ یہ امکان بہت روشن تھا کہ ایک بار میں راوالوں کے چنگل میں پھنس جاتا تو پھر مظہر خان والا بہروپ زیادہ دیر تک برقرار نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ راوالوں کو اس وقت تک میں نے دھوکے میں رکھا ہوا تھا۔ میری سفری دستاویزات کے پس پردہ حقائق اور میری محتاط و کامیاب اداکاری کے باعث راوالے مجھے مظہر خان سمجھتے چلے آرہے تھے۔ انہوں نے کسی مرحلے پر میرے اس دعوے پر شبہ نہیں کیا تھا لیکن نریش شرما کے دفتر میں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے بعد میرے ہر دعوے کی دھجیاں اڑ جاتیں۔

راا ایک ٹھوس، سخت کوش اور طاقت ور تنظیم تھی۔ مجھ پر شبہ ہوتے ہی ان کے سارے وسائل متحرک ہوجاتے۔ میری سخت جانی کے مقابلے میں ان کے تمام تر تشدد کی ناکامی کے باوجود میری اصلیت ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ راوالے چند دنوں میں ہر بات کا کھوج نکال لیتے۔ ان کے لیے یہ بات قابلِ افتخار ہوتی کہ انہوں نے ہر ایجنسی کو تگنی کا ناچ نچانے والے ڈینی کو بہت آسانی سے ایک چوہے دان میں پھانس کر پکڑ لیا ہے۔

خوش گماں

ایک صاحب نے اپنی سیکریٹری کو بیوی کے نام خط ڈکٹیٹ کرایا۔ بیوی ان دنوں میکے گئی ہوئی تھی۔ خط کے آخر میں انہوں نے جملہ ڈکٹیٹ کرایا "اینڈ آئی لو یو!"

سیکریٹری جب خط ٹائپ کرکے لائی تو اس میں یہ جملہ نہیں تھا۔ صاحب نے جب اس کے بارے میں پوچھا تو سیکریٹری معصومیت سے بولی "اچھا.... تو وہ بھی لکھنا تھا؟ میں سمجھی تھی وہ جملہ ڈکٹیشن میں شامل نہیں ہے۔"

وہ راوالوں کی کوئی اجتماعی کارکردگی نہ ہوتی۔ میں نے اس تنظیم میں رہنا اجیت رائے سے لے کر انل بسواس تک کو کامیابی سے اپنی ذات کے فریب میں مبتلا رکھا تھا۔ ان کڑیوں میں بس ناگر والی کڑی کمزور رہ گئی تھی۔ میں نے اس کے ردِعمل اور مشاہدوں کو ضروری اہمیت نہیں دی تھی اور وہی میرے راستے کی دیوار بن کر سامنے آگیا تھا۔ میں اسے جل دے کر نکل جانے میں کامیاب ہوجاتا تو وہ میری خوش نصیبی ہوتی۔ اگر اس کی کامیابی کے نتیجے میں مارا یا قید کرلیا جاتا تو اس کارنامے کا سہرا صرف اور صرف ناگر کے سر ہوتا۔ اس وقت ناگر کامیابی کے اس احساس سے خاصا مغلوب تھا۔

ناگر کی اچانک مداخلت کی وجہ سے میں خود کو اچانک ایک بند گلی کے سرے پر پا رہا تھا۔ میرے دل و دماغ میں ایک طوفان برپا تھا۔ مختلف اور متضاد خیالات کی آندھیاں چل رہی تھیں لیکن میری نگاہیں ایک پل کے لیے بھی اپنے مکار اور سفاک حریف کے چہرے سے نہیں ہٹی تھیں۔

"تم شام کو میرے ساتھ یہاں سے چلے گئے تھے پھر اس وقت مقفل عمارت میں کیسے موجود ہو؟" میں نے مرعوب ہونے والے انداز میں پوچھا۔

"میں نے تم کو بتایا تھا کہ میں دشمن پر رحم کھانا نہیں جانتا۔ اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ میں انکل کا پی اے یا کوئی معمولی کلرک ہوں۔ میرا تعلق بلیک کیٹس کی فارمیشن سے ہے ہم سب سیاہ بلے کہلاتے ہیں جو خوں خوار اور خون آشام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتے ہیں۔ ہم جیسے کمانڈوز کے لیے بند دروازوں اور تالوں کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ کامیابی اور ناکامی مقدر سے ملتی ہے لیکن ایک کمانڈو کہیں گھسنا چاہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں روک سکتی۔"

اس کے بارے میں میرا ابتدائی اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ اس کے دماغ پر اپنی برتری کا بھوت سوار تھا۔ اپنی ہرزہ سرائیاں وہ انل بسواس کو نہیں سنا سکتا تھا مگر میرا حوصلہ پست کرنے کے لیے وہ سب بتانے میں اسے کوئی عار نہیں تھا کیونکہ وہ مسلح تھا اور ہم دونوں نہتے ہو چکے تھے۔ اس کی چلائی ہوئی دو گولیاں چند ثانیوں میں ہمارا کام تمام کر سکتی تھیں۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم کسی خفیہ راستے سے عمارت میں آئے ہو۔" میں نے تائید طلب انداز میں کہا۔

"دفتر میں چھٹی ہو جانے کے بعد نریش کی خاص اجازت کے بغیر کوئی ملازم دوبارہ اندر نہیں آسکتا۔ یہ یہاں کا پروٹوکول ہے۔ چوکیدار دروازے پر تالا لگا سکتا ہے لیکن دوسری جگہیں اس کی نظروں میں نہیں ہیں۔ میں زنانہ اسٹاف ٹوائلٹ کے ایک کھلے ہوئے روشن دان سے اندر آیا تھا اور پچھلے تین گھنٹوں سے یہاں بیٹھا ہوا بیزار ہو رہا تھا۔ میں نے تمہاری نظریں پڑھ لی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ تم یہاں آنے میں دیر نہیں کرو گے۔"

نریش کے اور میرے درمیان جو کچھ مذاکرات ہوئے اور جو واقعات رونما ہوئے، وہ ناگر کے علم میں نہیں تھے کیونکہ وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس نے کس بنا پر میری واپسی کی ایسی مضبوط آس باندھ لی تھی۔ وہ باتیں کرنے، سیٹیاں بجانے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے پر آمادہ تھا۔ میرے لیے وہ رجحان بہت اچھا تھا۔ اس طرح بدترین اور خطرناک لمحات دور ہوتے جا رہے تھے۔ وقت ٹل رہا تھا اور مجھے ناگر پر کوئی حربہ آزمانے کے لیے محض مناسب وقت اور موقع کی تلاش تھی۔ وہ از خود مجھے وقت دینے پر آمادہ تھا۔ اس رعایت سے فائدہ نہ اٹھانا کفرانِ نعمت تھا۔

"تم سے میری زیادہ بات نہیں ہوئی پھر تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں آج یہاں ضرور آؤں گا۔"

"چھٹی حس!" اس نے فخر سے جواب دیا "پانچ حواس لنگڑوں، لولوں اور معذوروں میں بھی کام کرتے ہیں۔ جس شخص کی چھٹی حس کام نہ کرتی ہو اسے سیکرٹ ایجنٹ بننے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ یہ ایک وجدانی کیفیت ہوتی ہے جو انسان کو وقت سے پہلے بہت سی چیزوں سے آگاہ کر دیتی ہے۔ میں ریتا کے ساتھ ہوٹل میں تم سے ملا تو مجھے شبہ ہو گیا تھا کہ تم وہ نہیں ہو جو بن رہے تھے۔ تمہاری چمک دار آنکھوں سے بلا کی مکاری ٹپکتی ہے۔ یہ ماننے والی بات نہیں تھی کہ ریتا نے آسانی سے تمہیں شیشے میں اتار لیا ہوگا۔ تم نے آج دفتر میں مجھے آنکھ مار کر ظاہر کر دیا کہ انکل سے ملتے ہوئے تم ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھے۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع مل گیا۔ میں نے کہا "میرا دل صاف تھا۔ نیت میں کوئی کھوٹ نہیں تھا پھر میں کیوں انل بسواس سے خوف زدہ ہوتا۔ وہ بہت گہرا اور سمجھ دار آدمی ہے۔"

اس کی خاموشی بے سبب نہیں تھی۔ ایک ہاتھ سے سگریٹ سلگا کر اس کا ایک گہرا کش لینے کے بعد وہ پھر بولنے لگا "اندر جا کر تم نے نہ جانے کیا زہر اگلا ہوگا کہ انکل نے انٹر کام پر اپنے مخصوص انداز میں مجھے ذلیل کر دیا۔ وہ تم سے مطمئن تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ انکل اور نریش میرے اندیشوں کو نظر انداز کر کے تمہیں اپنے سر پر چڑھا رہے ہیں۔ پاکستان میں کام کرنے کے لیے وہ ایک مدت سے کسی ذہین اور محنتی پاکستانی کی تلاش میں ہیں۔ یہ ان کی شدید ضرورت ہے۔ وہ دونوں تمہاری صورت میں اپنا خواب پورا ہوتا دیکھ رہے تھے۔ اپنے معیار کے مطابق وہ تم سے مطمئن ہیں۔ جو کچھ کرنا تھا، مجھے اپنے طور پر کرنا تھا۔"

"تمہاری دور اندیشی اور فرض شناسی قابلِ داد ہے۔" میں نے اس کی انا کو ابھارنے کی نیت سے کہا "پھر بھی یہ باتیں ایسی نہیں تھیں کہ تم یہ سمجھ لیتے کہ میں آج دوبارہ ادھر کا رخ کروں گا۔"

وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا پھر بولا "تم مجھے مشتعل مزاج اور لڑنے بھڑنے والا آدمی سمجھ رہے ہو مگر میں ضرورت کے وقت زبان بند کر کے اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہوں۔ میں تمہاری ایک ایک بات اور حرکت نوٹ کر رہا تھا۔ تم نے چوکیدار کے بارے میں نریش سے پوچھا تو میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے جان بوجھ کر اپنی گاڑی اسٹارٹ کرنے میں دیر لگائی۔ تم سمجھے کہ سیلف پھنس رہا ہے اور میں اس پر الجھ رہا ہوں مگر میں تم کو دیکھ رہا تھا۔ تم نے چوکیدار کو دروازہ بند کرتے دیکھا، بہت غور سے دونوں سایوں کو دیکھتے رہے جو اپنے کمرے میں جا رہے تھے۔ اس وقت تمہاری آنکھوں میں وہ حیوانی چمک تھی جو شکار کو اپنے سامنے دیکھ کر درندوں کی آنکھوں میں پیدا ہوتی ہے۔ میں نے اپنے طور پر تمہیں رنگے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھوں دھر لینے کا فیصلہ کرلیا۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ تم ہمارے آنے سے پہلے اس عمارت میں موجود تھے۔"

"میں اب تک تین گھنٹے برباد کرچکا ہوں۔ تم نہ آتے تو مجھے بہت مایوسی ہوتی۔ انکل کو فون پر یہ سن کر حیرت ہوگی کہ میں نے تم کو نریش شرما کی بدنام تجوری کا جائزہ لیتے ہوئے عین موقع پر پکڑلیا ہے۔ یہاں تم کیوں آئے تھے؟"

ناگر بلیک کیٹس کا مشہور کمانڈو تھا جسے اس کے ساتھی خونی بھیڑیا کہتے تھے۔ یہ بات تربیت کے دوران ہر کمانڈو کے ذہن میں کوٹ کوٹ کر بھردی جاتی ہے کہ وہ عام انسانوں سے بہت برتر اور اعلیٰ ہے۔ یہی سوچ ناگر کی تھی۔ انل بسواس کو بڑا تسلیم کرنا اس کی مجبوری تھی کیونکہ وہ بہرحال اپنے ونگ کا سربراہ تھا لیکن میرے بارے میں انل کے رویے پر وہ خوش نہیں تھا۔ نریش شرما بھی عہدے کے اعتبار سے ناگر سے برتر تھا لیکن ذہنی طور پر ناگر اسے اپنا بڑا نہیں مانتا تھا۔

میں نے دوپہر کو نوٹ کرلیا تھا کہ ناگر، نریش شرما کی کہی ہوئی بات کو نظرانداز کردیتا تھا یا پھر اپنے طور پر اس کی اہمیت کم کرنے کی کوشش ضرور کرتا تھا۔ ان دونوں کے درمیان مفاہمت نام کی کسی شے کا وجود نہیں تھا۔

ناگر نے اپنے دل کا غبار خاصی حد تک ہلکا کرلیا تھا۔ اس وجہ سے اسے ہماری وہاں آمد کا سبب جاننے کا تجسس پیدا ہوگیا تھا۔ اس سوال کے جواب پر میں اپنی کسی نئی کہانی کی بنیاد رکھ سکتا تھا۔

ناگر اس وقت تک کسی سانپ کی طرح پلکیں جھپکائے بغیر ہماری طرف متوجہ تھا۔ ایک ہاتھ سے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے بھی وہ ہماری طرف سے غافل نہیں ہوا تھا۔ میں اس کے سوال کا جواب دینے کے لیے موزوں الفاظ سوچ ہی رہا تھا کہ عابد بول پڑا۔

"مجھے پیشاب کرنے کی حاجت محسوس ہورہی ہے۔" اس نے خوف زدہ اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہیں کرلو!" ناگر نے زہریلی آواز میں کہا "تھوڑی دیر بعد تمہارے ناپاک خون کا دھبّا اس نشان کو چھپالے گا۔"

عابد کی وہ اداکاری میری نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ وہ ایک منجھا ہوا اور پیشہ ور پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ صورتِ حال کے اس اچانک بگاڑ پر اس کا فکرمند ہونا بالکل فطری تھا۔ اس نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

"اتنی سنگ دلی سے کام نہ لو۔ میں گردوں کا مریض ہوں۔ زیادہ دیر تک مثانے کا دباؤ نہیں سہہ سکتا۔" اس سفید جھوٹ پر میں عابد کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

ناگر نے قہقہہ لگایا "اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات بتادی۔ اب تمہاری پیشاب کی نالی مضبوط ڈوری سے کس دی جائے گی اور تمہیں خوب پانی پلایا جائے گا۔ ذرا سی دیر میں تم بلبلا کر بہت کچھ بتانا شروع کردو گے۔"

"ابھی تم میرا خون بہانے کی بات کررہے تھے۔ اب تشدد کی باتیں کررہے ہو۔ تمہارے عزائم کیا ہیں؟" عابد نے سہمی اور الجھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کسی کو مار دینا دنیا کا سب سے آسان کام ہے۔ بڑوں نے کہا ہے کہ دشمن کی کوئی کمزوری معلوم ہوجائے تو اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ سانڈ کی دم کو کس کر بل دیے جائیں تو وہ تھوڑی دیر میں ڈکرانا بھول کر بکری کی طرح ممیانے لگتا ہے۔"

"تمہیں اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میرا نام گوپال ہے۔ میں ایک شریف آدمی ہوں۔ یہ شخص دو سو روپے معاوضے پر مجھے اپنے ساتھ لایا ہے۔"

"بکو مت۔" ناگر نے جھلّا کر اسے جھڑک دیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں نے پوچھا تھا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔"

گفتگو میں عابد کی بروقت مداخلت سے مجھے سوچنے کی مہلت مل گئی تھی۔ میں نے شکست خوردہ لہجے میں جواب دیا "میں اپنی وڈیو فلم کی تلاش میں آیا ہوں۔"

"وڈیو فلم!" ناگر کے حلق سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "کیا تم کو علم نہیں ہے کہ یہ را کا دفتر ہے۔ یہاں سے کسی چیز کا نکال لے جانا آسان نہیں ہے۔"

"سب معلوم ہے۔" میں نے تھکی تھکی آواز میں کہا "میں نے وہ فلم واپس مانگی بھی لیکن تمہارے بڑوں نے صاف انکار کردیا۔ میں پاکستان کے عزت دار گھرانے کا آدمی ہوں۔ میری اور رینا کی فلم میرے خاندان میں پہنچ گئی تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ برباد ہوجاؤں گا۔"

"تم جھوٹے ہو۔ میں تمہاری اس بکواس پر یقین نہیں کرسکتا۔" ناگر نے غصے سے کہا "سچ سچ بتاؤ کہ اس تجوری میں سے کیا تلاش کرنے آئے ہو۔"

عابد کی دخل اندازی کے نتیجے میں ملنے والی مہلت میں مجھے یکایک وہ راہ سوجھی تھی۔ میں نے ناگر کے ہر الزام کو سختی سے مسترد کرکے اپنی اس کہانی پر جما رہنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ میں نے بے چارگی سے کہا "تم مانو یا نہ مانو۔ حقیقت یہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

اس نے سگریٹ قالین پر پھینک کر جوتے سے مسل دیا اور ترشی سے پوچھا "تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ فلم اس تجوری میں ہے۔"

ناگر کے کیے ہوئے اس سوال میں میرے شبے کی تصدیق پنہاں تھی۔ میں نے کمزور آواز میں بتایا "خود نریش شرما نے کہا تھا کہ وہ فلم اس تجوری میں ہمیشہ محفوظ رہے گی۔ کبھی غلط ہاتھوں میں نہیں جائے گی۔ اسے اسی وقت استعمال کیا جائے گا جب میں راسے انحراف کروں گا۔"

نریش نے ہرگز یہ تصدیق نہیں کی تھی کہ میری اور رینا کی وڈیو فلم اس کے پاس یا اس کی تجوری میں محفوظ تھی مگر ناگر کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میری بات پر بڑی حد تک یقین آگیا تھا پھر بھی اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا "تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اپنی اس فلم کے سوا نریش کے دفتر میں موجود کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اتنے چھوٹے سے کام کے لیے کوئی اتنا بڑا خطرہ مول لینا...."

"تم را کے آدمی ہو۔ ہر بات کو اپنے انداز میں نہ سوچو۔ شرفا کے لیے عزت بہت قیمتی ہوتی ہے۔"

"مجھے پٹیاں پڑھانے کی کوشش مت کرو۔" ناگر کسی نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس نے کہا "تمہاری عزت اسی وقت خراب ہوگئی تھی جب تم نے اکیلے کمرے میں رینا کے بدن سے کھیلنا شروع کیا تھا۔ یہ کہو کہ تم اپنے کرتوت چھپانا چاہتے ہو۔ ایسی جھوٹی عزت بیکار ہوتی ہے۔ وہ آج مٹی میں مل کر رہے گی۔"

"تم آگئے ہو تو اب میں کان پکڑتا ہوں کہ ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔" ایک واضح موقف اختیار کر لینے کے بعد میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا "اس بار تم معاف کردو تو میں خاموشی سے یہاں سے چلا جاؤں گا۔" میں نے یکایک بہت زیادہ خوف زدہ ہونے کی اداکاری شروع کردی تھی۔

"یہ ناممکن ہے۔ تم پکے پاکستانی ایجنٹ ہو اور ہمیں ڈبل کراس کر رہے ہو۔" اس نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا "ابھی لمبی رات باقی ہے۔ دفتر کے لوگ ساڑھے چھ بجے سے آنا شروع کرتے ہیں۔ اس سے پہلے میں اپنا پورا اطمینان کروں گا۔ اپنے ساتھی کو اس ڈوری سے جکڑ کر بے دست و پا کردو۔" وہ ہدایت دیتے ہوئے ناگر نے اپنی جیب سے نائلون کی مضبوط ڈوری کی ایک لچھی نکال کر میری طرف اچھال دی۔

میں نے بس ایک نظر ناگر کا جائزہ لیا اور لچھی کو فضا میں لپکنے کے لیے آگے بڑھا۔ میرا اور ناگر کا درمیانی فاصلہ اتنا کم رہ گیا تھا کہ رسی پکڑتے پکڑتے میں اچانک اس سے لپٹ گیا اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ناگر کے منہ سے مغلظات کا طوفان ابل پڑا۔ اسے ابتدا سے ہی ہم دونوں مغلوب اور خوف زدہ نظر آرہے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ نہتا ہونے کے بعد ہم دونوں میں سے کوئی اس سے ٹکرانے کی جرأت کرسکے گا کیونکہ اس کے ہاتھ میں لوڈ کیا ہوا پستول موجود تھا۔

وہ دراز قامت اور صحت مند تھا۔ ابتدائی جھٹکے سے فوری طور پر سنبھل گیا۔ گالیاں بکتے ہوئے اس نے اپنے دونوں بازوؤں کا زور لگانا شروع کردیا تھا۔ اپنے ہاتھ آزاد کراتے ہی اس نے میرے منہ پر ایک زوردار مکا رسید کرنے کی کوشش کی۔ میں اس طوفانی ضرب سے اپنا چہرہ بچانے میں ضرور کامیاب ہوگیا لیکن گردن کی جڑ میں وہ گھونسا پڑتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری ہنسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔

میرے کمزور پڑتے ہی وہ جوابی وار کر بیٹھا۔ اس کے بھاری وجود کے ٹکراتے ہی میں لڑکھڑا کر زمیں بوس ہوگیا۔

اس نے غیر متوقع طور پر ڈوری کی لچھی میری طرف اچھالی تھی۔ اگر مجھے چند ثانیوں کی مہلت بھی مل گئی ہوتی تو میں پہلے تصادم میں اس کا کام تمام کردیتا۔ میں نے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ وہ جسمانی طور پر مجھ سے بہت زیادہ قوی تھا لیکن اول خان سے ملی ہوئی زہریلی انگوٹھیوں کے سامنے ناگر تو کیا کوئی ہاتھی بھی میرا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔

مجھے گرانے کے بعد ناگر تیزی سے میرے سینے پر چڑھ آیا۔ وہ میرا گریبان پکڑنا چاہ رہا تھا۔ اسی لمحے کھٹاک کی آواز کے ساتھ شیشے کا وزنی پیپر ویٹ ناگر کی پیشانی سے ٹکرایا۔ عابد کا پھینکا ہوا وہ پیپر ویٹ ناگر کو مجروح کرنے کے بعد قالین پر لڑھک گیا۔ ناگر میرے گریبان کو بھول کر اپنی پیشانی تھامنے پر مجبور ہوگیا جہاں سے شدید درد کے ساتھ خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔

میں نے اس کے پُرگوشت بازو پر پوری آزادی کے ساتھ داہنے ہاتھ کا ہلکا سا مکا رسید کردیا۔ اس مہلک مکے کا اصل مقصد اسے ضرب لگانا نہیں تھا بلکہ انگوٹھی کا قاتل زہر ناگر کی رگوں میں اتارنا تھا۔

وہ زہر میرا آزمودہ تھا۔ ناگر میرے سینے پر چڑھے چڑھے ہلکا سا لہرایا اور پھر بے جان ہو کر بائیں طرف لڑھک گیا۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈاکٹر ساجد امجد کی تحقیق، تخلیق اور تنقید

چار عظیم شاعروں کی کہانیاں

مضبوط جلد

خوبصورت سرورق

خُدایانِ سُخن

صفحات 320

قیمت 200 روپے
ڈاک خرچ 25 روپے

میر غالب مومن اور داغ

- ان چار "خُدایانِ سخن" کی زندگی سے وابستہ چونکا دینے والے راز!
- ان کے شب و روز کی دل فریب حکایاتِ خرابات!
- ان کے عشق کی جنوں خیزیاں اور ان کے ادبی لڑائی جھگڑے!

تاریخی شخصیات پر ایسی افسانوی کہانیاں اردو زبان میں پہلے کبھی نہیں لکھی گئیں۔ یہ کہانیاں سرگزشت ڈائجسٹ میں شائع ہونے والے مقبول ترین ادبی سلسلے سے لی گئی ہیں۔

طلبہ اور شائقین ادب کے لئے
بے حد دلچسپ اور معلومات افزا کتاب

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر بینک ڈرافٹ روانہ کریں

کتابیات پبلی کیشنز

رمضان چیمبرز بلموریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

Email: kitabiat@usa.net

پوسٹ بکس 23
کراچی 74200

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی پیشانی سے بہنے والے خون نے اس کی قمیص کو رنگ ڈالا تھا لیکن میرے کپڑوں پر اس کے گندے خون کی چھینٹ تک نہیں آئی تھی۔

جب تک ناگر بول رہا تھا، مجھے اپنا منصوبہ خاک میں ملتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس کو ٹھکانے لگاتے ہی میں پھرتی سے گرد آلود قالین سے اٹھ گیا۔

"کیا ہوا؟" عابد نے حیرت سے پوچھا "کیا تم اس موذی کو یوں ہی بے ہوش پڑا رہنے دو گے؟ یہ ہوش میں آتے ہی کوئی نیا گند پھیلانا شروع کردے گا۔ یہ کوئی معجزہ ہوا ہے کہ ہمیں اس سے نجات مل گئی..."

"یہ بے ہوش نہیں ہوا۔ نرگباش یعنی جہنم واصل ہوچکا ہے۔ یقین نہ ہو تو نبض اور دل کی دھڑکن دیکھ لو۔"

"مگر یہ کیسے ہوگیا؟" عابد کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں "پیپر ویٹ کی ضرب جان لیوا نہیں تھی۔ تم نے تو اسے بس رسمی سا مکا مارا تھا۔"

"ناگر کے لیے وہی کافی تھا" میں نے انگوٹھی کا کوئی ذکر کیے بغیر کہا "اب ہمیں اپنا کام تیزی سے سمیٹ لینا چاہیے۔"

عابد پھر بھی مطمئن نہ ہوسکا۔ اس نے ناگر کے گٹھری کی طرح پڑے ہوئے وجود کی نبض دیکھی۔ ہاتھ لگا کر دل کی دھڑکن محسوس کرنے کی کوشش کی اور پھر خوشی سے مغلوب ہوکر میرے پاس آگیا "وہ مردود واقعی مرچکا ہے۔"

"ناگر ایک ناگہانی مصیبت بن کر ہمارے سروں پر نازل ہوا تھا مگر اب اس کی لاش ہمارے لیے ایک انعام بن سکتی ہے" میں نے اسے مزید خوش خبری سنائی۔

عابد اسی لمحے سب کچھ جان لینے پر مصر تھا مگر میرے لیے وقت بہت قیمتی ہوچکا تھا۔ میں جلد از جلد اس ویران اور منحوس عمارت سے باہر نکل جانا چاہتا تھا۔ میں نے اسے صبر کرنے کا مشورہ دے کر اپنی توجہ تجوری پر مرکوز کردی۔

بیم گن کی اگلی ہوئی نیلگوں دھار آہن و فولاد کی بدترین دشمن تھی۔ تجوری کا تالا ذرا سی دیر میں رال بن کر بہہ گیا مگر فوری طور پر تجوری نہ کھل سکی۔ دروازے میں قفل سے کوئی اور نظام بھی منسلک تھا جو اپنی جگہ برقرار تھا۔ میں نے عابد کے لیے جگہ چھوڑ دی۔

عابد کے تھیلے میں قفل شکنی کے اوزاروں پر مشتمل ایک تھیلی موجود تھی۔ اس نے تھیلی قالین پر الٹ دی اور اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔

عابد کو بیم گن کی حیران کن کارکردگی دیکھنے کا شوق تھا اور وہ میرے سر پر مسلط تھا مگر مجھے اس کی مہارت سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے بڑھ کر ناگر کی لاش کا جائزہ لیا۔ اس کا دم نکلنے کے بعد اس کی پیشانی کے زخم سے خون کا بہاؤ رک چکا تھا۔

ناگر کو مرے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ اس کی ہڈیوں کے جوڑ اس وقت تک نرم اور گرم تھے جب میں نے پنڈلیاں پکڑ کر ذرا سا زور لگایا تو اس کی سکڑی ہوئی لاش فرش پر پھیل کر سیدھی ہوگئی۔ میں اسے ٹانگوں سے گھسیٹتا ہوا عابد کے پیچھے اور تجوری کے اتنے قریب لے آیا کہ ہم دونوں کے کاموں میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔

تالا کٹ چکا تھا لیکن تجوری کا وزنی دروازہ اپنی جگہ پر موجود تھا۔ شدید محنت کے باعث عابد پسینوں میں نہا چکا تھا مگر دروازے میں جنبش کے آثار نہیں تھے۔ میں نے نریش کے دفتر کا پنکھا کھول دیا تاکہ حبس اور گرمی کا احساس کم ہوسکے۔

عابد نے اپنی ناکامی کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا مگر مجھے احساس تھا کہ ابتدا میں اس کا مشورہ نہ مان کر میں نے غلطی کی تھی۔ تجوریوں میں عام تالے استعمال نہیں ہوتے۔ چابی کے لیور کے ذریعے کئی پوشیدہ بولٹ اور کھٹکے وغیرہ حرکت میں آتے ہیں جو دروازے کو اس کی جگہ منجمد کردیتے ہیں۔ میں نے عجلت میں تالا پگھلا کر وہ نظام درہم برہم کردیا تھا۔ اگر عابد کو پہلے ہی کسی تدبیر سے تالا کھولنے کا موقع دیا جاتا تو پورا میکانزم حرکت میں آتا اور دروازہ آسانی سے کھل جاتا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ہم پھنس گئے ہیں" میں نے عابد کی دل جوئی کے لیے کہا۔

"دیر ہو رہی ہے مگر دروازہ ضرور کھلے گا" اس نے اپنی آستینوں سے پیشانی اور چہرے پر آیا ہوا پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"کہو تو میں بیم گن سے دروازے کے قبضے کاٹ دوں" میں نے اس کی رائے جاننا چاہی۔

"دروازے کی طرح قبضے بھی بہت موٹے ہوں گے۔ وہ اندر پوشیدہ ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری گن کا چارج ختم ہوجائے اور قبضے پوری طرح نہ کٹیں۔ گرین کوبرا فائل کے لیے میں اس سے بھی بڑا چیلنج قبول کرسکتا ہوں۔"

وہ مسکرا کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ میں نے نریش شرما کی میز کا جائزہ لینا شروع کردیا۔

نریش کی میز پر رکھے ہوئے کاغذ قطعی غیر اہم تھے۔ وہ اپنا ہر ضروری کاغذ مقفل رکھنے کا عادی معلوم ہوتا ہے۔ اہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منصب پر فائز ایک ذمے دار افسر کے لیے ایسی احتیاط ضروری سے بڑھ کر ناگزیر تھی۔ اس کی میز کی درازیں مقفل تھیں۔

کمرے کے قالین پر خون کے داغ اور وہاں ناگر کی لاش کی موجودگی میں یہ بات چھپنے والی نہیں رہی تھی کہ را کے اس دفتر میں کچھ لوگ چوری چھپے گھسے تھے۔ ویسے بھی جلے اور کٹے ہوئے تالوں سے لے کر مجروح تجوری تک، مداخلتِ بے جا کے متعدد شواہد موجود تھے۔ میں نے دفتری اسٹیشنری کی مدد سے زور آزمائی کر کے نریش کی درازوں کے تالے توڑ دیے۔

تین درازوں میں سے نچلی دراز میں نریش کے ذاتی استعمال کی اشیا موجود تھیں۔ ان میں جن کی دو نصف بوتلیں سب سے نمایاں تھیں۔ کچھ کیمرے سے لی گئی شرمناک تصاویر کے رنگین پرنٹ تھے۔ میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ وہ ساری تصاویر دیکھ ڈالیں۔ ان میں ایک جگہ رینا نظر آئی لیکن مرد کوئی اجنبی تھا۔ میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ ان تازہ تصاویر میں میرا اور رینا کا کوئی پرنٹ نہیں تھا۔

اوپر کی دونوں درازیں کاغذات اور فائلوں سے بھری ہوئی تھیں۔ میں نے نریش کی کرسی پر بیٹھ کر ان کی ورق گردانی شروع کر دی۔

کاغذوں کی تاریخوں اور ان پر مندرج خفیہ احکام یا تبصروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ نریش شرما کی رواں سرگرمیوں سے تعلق رکھتے تھے۔ خاص بات یہ تھی کہ ان میں سے کوئی تحریر میرے لیے قابلِ فہم نہیں تھی۔ جو کچھ لکھا ہوا تھا، ہندی میں تھا یا انگریزی کے مہمل الفاظ اور فقروں پر مشتمل تھا۔ شاید وہ ان لوگوں کا دفتری کوڈ تھا جسے باہر کا آدمی آسانی سے نہیں سمجھ سکتا تھا۔

میں پورے انہماک سے ان تحریروں کا جائزہ لیتا رہا پھر اچانک ہی چند ٹائپ کیے ہوئے کاغذ میرے ہاتھ میں آ گئے۔ وہ سات اوراق تھے۔ ان کے متن اور ترتیب سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی قسم کی رپورٹ کی نقل تھی۔ ان ساتوں کاغذوں کی پوری عبارت میرے لیے قابلِ فہم نہیں تھی لیکن بعض الفاظ اور فقروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کاغذات پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا اور نیپال کے بارے میں تھے۔

کہا یہ جاتا تھا کہ را والوں نے پاکستان کے بارے میں ایک علیحدہ اور بھرپور ونگ قائم کیا ہوا تھا۔ پاکستانی ذرائع نے اس بات کی تصدیق کی تھی۔ انل بسواس اس ونگ کا سربراہ تھا۔ اس اعتبار سے نریش شرما کو بھی اسی ونگ سے متعلق ہونا چاہیے تھا۔ اس کی درازوں میں نیپال وغیرہ کے بارے میں کاغذات کا موجود ہونا تعجب خیز تھا۔

مجھے یاد آیا کہ انل بسواس اس عمارت میں ہر روز نہیں آتا تھا، کبھی کبھی ادھر کا رخ کرتا تھا۔ شاید نریش شرما عہدے میں اس سے کم تھا مگر اپنی جگہ دہشت گردی کا خصوصی ماہر تھا۔ یہ ممکن تھا کہ بھارت کے پڑوسی ملکوں میں ہونے والی دہشت گردی کی ہر واردات کے تانے بانے وہی تیار کرتا ہو اور پھر ان کے ایکشن پلان متعلقہ افسران کو بھجوا دیتا ہو۔

وہ سب باتیں بعد میں بھی سوچی جا سکتی تھیں۔ میں نے وہ ساتوں کاغذات تہ کر کے اپنی جیب میں رکھ لیے اور باقی پلندا واپس درازوں میں ڈال دیا۔

میں اپنے کام سے فارغ ہو چکا تھا۔ نریش شرما کے دفتر میں اس کی میز اور تجوری کے سوا کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جس پر طبع آزمائی کی جا سکے۔ وقت گزاری کے لیے میں اس کمرے سے نکل کر رام بابو کے دفتر میں گیا۔ وہاں رکھی ہوئی بے وقعت چیزوں سے چھیڑ چھاڑ کی اور راہداری میں نکل گیا۔

راہداری اپنے آخری سرے تک بدستور سنسان پڑی ہوئی تھی۔

اپنے جائزے سے فارغ ہو کر میں واپس لوٹا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ڈیڑھ انچ موٹی فولادی چادر سے بنا ہوا تجوری کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

عابد علی پسینوں میں نہایا ہوا، گریبان کے بٹن کھولے، پنکھے کے نیچے کھڑا ہوا تھا۔

"آج اس تجوری نے میرا خون پی لیا" میرے قدموں کی آہٹ پر اس نے مڑ کر مسکراتے ہوئے کہا "دروازے کے چاروں کونوں پر ایک انچ موٹی سلاخیں ہیں جو لیوروں کے ذریعے تالے سے جڑی ہوئی ہیں۔ تالا بند ہونے پر یہ سلاخیں گہرے سوراخوں میں بیٹھ جاتی ہیں، انہیں نکالنے میں پسینے آ گئے۔"

"تالا پگھلایا نہ گیا ہوتا تو شاید تم یہ کام آسانی سے کر لیتے" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"کچھ کہا نہیں جا سکتا" اس نے انکسار سے جواب دیا "یہ بہت ضدی اور پرانا تالا تھا۔ سہ رخی چابی والے تالے بہت مشکل سے کھلتے ہیں۔"

عابد علی ڈسپلن کا آدمی تھا۔ اس نے تجوری کھول لی تھی مگر میری واپسی سے پہلے کسی چیز کو نہیں چھیڑا تھا۔

میں اسے لے کر تجوری کی طرف بڑھ گیا جو دور سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاصی بھری ہوئی نظر آرہی تھی۔

نریش شرما نے اس روز دفتر چھوڑنے سے پہلے پاکستانی فائلوں کے پلندے پر کام کیا تھا۔ فیتے میں کسی ہوئی وہ گیارہ فائلیں وسطی خانے میں سب سے اوپر رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے جاتے ہی وہ بنڈل پہچان کر عابد کے حوالے کردیا۔

عابد بے تابانہ انداز میں وہ بنڈل لے کر قالین پر بیٹھ گیا۔ وہ اپنی آنکھوں سے گرین کوبرا فائل دیکھنا چاہتا تھا۔

تجوری میں نئی اور پرانی فائلوں کا ایک انبار جمع تھا لیکن گرین کوبرا فائل کے بعد میری ترجیحات کی فہرست میں وڈیو فلم سب سے اوپر آچکی تھی۔

جو کچھ ہوچکا تھا' اسے مٹانا ممکن نہیں تھا۔ میں نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر تجوری کے کاغذات باہر نکالنے شروع کردیے۔

فائلوں کے علاوہ تجوری میں کئی چھوٹے بڑے ڈبے اور متعدد آلات بھی نظر آرہے تھے۔ میں کسی لحاظ کے بغیر سامنے آنے والی ہر چیز باہر نکالتا اور قالین پر ڈھیر کرتا رہا۔ قالین پر ڈالنے سے پہلے میں اس فائل یا چیز کا سرسری جائزہ ضرور لے لیتا تھا۔

"یہی ہے.... بالکل یہی ہے" میرے کانوں میں عابد علی کی مسرت سے لبریز آواز آئی۔

"کیا مل گیا جو اتنا خوش ہورہے ہو؟" میں دانستہ انجان بن گیا۔

"مظہر بھائی! یہی گرین کوبرا فائل ہے' وہ جی سی کے دو حرفی کمپیوٹر پرنٹ والی سفید فائل لے کر میرے پاس آگیا۔

"بس' یہ تمہاری ہے۔ بقیہ دس فائلوں میں بھی بہت اہم مواد ملے گا۔ اب مجھے اپنے کام کی چیز کی تلاش ہے۔"

"تمہارے اور ناگر کے درمیان کسی فلم کے بارے میں بات ہورہی تھی؟" عابد نے بھنچتے ہوئے پوچھا۔

"میری اور رینا کی فلم" میں نے اختصار سے کہا "یہ بات بس اپنی ذات تک محدود رکھنا۔ غزالہ بھی ایسی کسی فلم کے وجود سے لاعلم ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ بھول کر بھی یہ ذکر میری زبان پر نہیں آئے گا۔ میں اسے تمہارا کوئی چکما سمجھ رہا تھا۔"

"آدمی خطا کا پتلا ہے" میں نے افسردگی سے کہا "کچھ دیر کے لیے میں بہک گیا تھا۔ وہ لمحے وڈیو کے فیتے پر قید کرلیے گئے۔"

"اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ رینا جیسی لڑکیاں طوائفوں سے زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔ ایسے حربوں سے لیس ہوکر اپنے شکار پر حملہ آور ہوتی ہیں کہ وہ ان کے جال میں بے بس ہوکر رہ جاتا ہے۔ تمہاری جگہ کوئی زاہد خشک بھی ہوتا تو پھنس گیا ہوتا۔"

عابد کے الفاظ میں میرے لیے دلاسا تھا۔ میں پھر تجوری کی طرف متوجہ ہوگیا۔

قالین پر کاغذات' فائلوں' ڈبوں اور آلات کا ڈھیر پھیل کر ناگر کی لاش تک پہنچ رہا تھا۔

عابد نے گرین کوبرا فائل کا جائزہ لینے کے بعد گیارہ فائلوں کو یکجا باندھ کر نریش کی میز پر رکھ دیا تھا اور نیچے بیٹھا اس انبار کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگیا تھا جو میں نے لگایا تھا۔

"میں پرویز یا عبداللہ سے بات کرلوں" بیٹھے بیٹھے اس نے چونک کر کہا۔

"کیوں؟" میں نے اس کی طرف مڑ کر پوچھا "ان کی کیا ضرورت پیش آگئی۔"

"ہمیں اندر آئے ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ وقت ہوچکا ہے۔ وہ دونوں پریشان ہورہے ہوں گے" عابد نے وضاحت کی۔

میں نے سرہلا کر اپنی رضامندی ظاہر کردی۔ وہ اپنے اپریٹس پر ان میں سے کسی سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

عابد کی پہلی کوشش کے جواب میں جی تھری کی طرف سے جوابی پیغام آگیا۔

"آل ویل.... کچھ دیر لگے گی۔ اپنی جگہ تیار اور اسٹینڈ بائی رہو' اوور اینڈ آل۔"

اپنے آدمیوں کو پیغام دے کر وہ دوبارہ نریش شرما کے بکھرے ہوئے ریکارڈ کی طرف متوجہ ہوگیا۔

جیسے جیسے تجوری کا شیطانی پیٹ خالی ہورہا تھا۔ میری مایوسی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اچانک عابد نے قدرے اونچی آواز میں نعرہ مارا "مل گئے!"

اس پراسرار اور خوف آور ماحول میں عابد کی وہ اضطراری حرکت حیران کن تھی۔ میرے ہاتھ سے ایک ڈبا چھوٹ گیا۔

"حیرت ہے کہ تم نے یہ دونوں کاغذ نہیں دیکھے۔ یہ تمہارے اصل فنگر پرنٹس ہیں" عابد اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے دو کاغذ میرے پاس لے آیا۔

کاغذ شناسا تھے۔ ان پر سیاہی سے دس انگلیوں کے نشان بھی ثبت تھے لیکن تحریر میرے لیے اجنبی تھی۔ کچھ کہا نہیں جاسکتا تھا کہ وہ فنگر پرنٹس میرے ہی تھے یا عابد کسی اور کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فنگر پرنٹس سے دھوکا کھا رہا تھا۔

کسی فائل سے نوچے ہوئے وہ کاغذ میں نے اس کے ہاتھ سے لے لیے اور ان کا موازنہ اپنی انگلیوں کے سروں سے کرنے لگا۔

وہ بہت مشکل کام تھا۔ عابد نے میرے تذبذب کو بھانپ لیا اور کہا "کسی وہم میں نہ پڑو۔ دونوں کاغذوں پر دیوناگری رسم الخط میں تمہارا نام لکھا ہوا ہے۔"

"اوہ! تو تم ہندی بھی پڑھ لیتے ہو" میں نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا جو تائید طلب تھا۔

"ہندی اور سنسکرت۔ دونوں کے لیے یہی رسم الخط استعمال ہوتا ہے۔ ایک فائل میں دوسرے کاغذوں کے ساتھ مزید دس بارہ افراد کے فنگر پرنٹس موجود ہیں مگر ان میں سے کوئی پاکستانی نہیں ہے' زیادہ تر نیپالی ہیں۔"

"نیپالی!" میں نے حیرت سے دہرایا "ہو سکے تو ان کے کاغذ بھی نکال لو۔ ہو سکتا ہے کہ تم اس قوم کی کوئی مدد کر سکو۔ راوالے ان پر کچھ زیادہ مہربان معلوم ہو رہے ہیں۔ میں نے نریش کی دراز سے سات کاغذ نکالے ہیں۔ ان میں زیادہ تر نیپال کے بارے میں ہے۔"

"نیپال کے بارے میں یہاں بہت سی کہانیاں گردش میں ہیں۔ شاہ بریندرا سخت آدمی ہے۔ اسے زیر کرنے کے لیے راوالے اس کے شاہی محل میں اپنے آدمی پہنچانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ راجاؤں اور رانیوں کی بن بیاہی بیٹیاں چھٹیاں منانے کے لیے آئے دن کھٹمنڈو جاتی رہتی ہیں۔ راکی شہ پر بھارت کے سارے راجواڑوں میں دوڑ لگی ہوئی ہے کہ ولی عہد کس کی بیٹی کے جال میں پھنستا ہے۔"

میں نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ میرے لیے نیپال کے مستقبل سے زیادہ اہم مسئلہ اپنی وڈیو فلم کا تھا جو نہیں مل رہی تھی۔

میں نے اپنے قدموں میں سے وہ ڈبا اٹھالیا جو عابد کا غیر متوقع نعرہ سن کر میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ وہ ڈبا بڑا لیکن وزن میں خاصا ہلکا تھا۔ اسے کھولتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں اچانک تیز ہو گئیں۔

اس ڈبے میں وڈیو فلموں کے کیسٹ بھرے ہوئے تھے۔ میں تجوری کو بھول کر' اپنے پھیلائے ہوئے ڈھیر سے دور ہٹ آیا۔

عابد علی ایک فائل سے نیپالیوں کے فنگر پرنٹس نکال رہا تھا۔ میں نے کچھ دور بیٹھ کر ان کیسٹوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

وہ کیسٹ ترتیب اور قرینے سے ڈبے میں لگے ہوئے تھے مگر اوپری قطار میں ہر کیسٹ کے ڈبے کے پشتے پر ہندی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ ان کی نشان دہی کے لیے انگریزی یا کسی اور زبان کا سہارا نہیں لیا گیا تھا۔

میں اس وقت ایک سنگین ذاتی مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ میرا ذہنی پراگندگی کا شکار تھا مگر قدم قدم پر ہندی زبان کے سامنے اپنی بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے میرے ذہن میں بے ساختہ یہ خیال آیا کہ پاکستان میں اردو کو قومی زبان کا درجہ مل جانے کے باوجود اہم سرکاری دفاتر میں داخلے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ہر دفتر کا سارا ریکارڈ انگریزی میں رکھا جاتا تھا۔ اول تو بیشتر سرکاری ملازمین کی انگریزی ناقص تھی کچھ نو آموز ایسے بھی تھے جو سنگین غلطیاں کرتے تھے اور اپنے ساتھیوں کے ظالمانہ مذاق کا نشانہ بنتے تھے۔ دوئم یہ کہ ان میں سے کوئی انگریزی سے پیچھا چھڑانے کا آرزومند نہیں تھا۔

وہ بات بہت معمولی اور اہم تھی۔ اگر پاکستانی دفاتر میں بھی قومی زبان رائج ہوتی تو دیوناگری کے عادی' بھارتی سیکرٹ ایجنٹ پاکستانی دفاتر میں اپنی مطلوبہ دستاویزات تک رسائی میں سنگین دشواریاں محسوس کر سکتے تھے۔

میں نے جھنجلا کر کیسٹوں کا پورا کارٹن قالین پر الٹ دیا۔

کیسٹوں کی پرشور کھڑکھڑاہٹ سن کر عابد نے سر اٹھایا اور کیسٹوں پر نگاہ پڑتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر میرے پاس آگیا۔

"کسی ایک پر بھی انگریزی میں کچھ نہیں لکھا تھا" میں نے اس ڈھیر میں سے مزید چند کیسٹ دیکھ کر کہا۔

"یہ کام مجھ پر چھوڑ دو" اس نے ہنستے ہوئے کہا "زبان کے معاملے میں ہندو بہت متعصب ہیں۔"

میں نے سگریٹ سلگائی اور وہ کام اسے سونپ کر اٹھ گیا۔ چند ثانیوں تک اسی دفتر میں ٹہلنے کے بعد میں نے نریش کی کرسی سنبھال لی۔

سرلا کے گیسٹ ہاؤس سے روانہ ہوتے ہوئے مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ نریش کے دفتر میں ہم اس بری طرح الجھ جائیں گے۔ یہ اچھا ہی ہوا تھا کہ سرلا' غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر کہیں اور چلی گئی تھی۔ وہ گیسٹ ہاؤس میں رہتی تو میری واپسی میں تاخیر ہونے پر فکر اور تشویش سے ہلکان ہو جاتی۔

تھوڑی دیر بعد عابد نے وہ کیسٹ تلاش کر لیا جس پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہندی زبان میں میرے اور رینا کے نام کے مخفف تاریخ کے ساتھ درج تھے۔ عابد سے وہ کیسٹ لے کر میں کچھ دیر تک الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ مجھے رہ رہ کر قلق ہو رہا تھا کہ میں نے جذبات کی رو میں بہہ کر ایسی سنگین غلطی کی تھی کہ دشمنوں کے پاس مجھے بلیک میل کرنے کا ٹھوس مواد آگیا تھا۔ اگر وہ کیسٹ نہ ملتا تو میں ذہنی طور پر کبھی پرسکون نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے جائزہ لینے کے بعد وہ کیسٹ فائلوں کے ڈھیر پر اچھال دیا۔

"ابھی تم اس کے لیے اتنے مضطرب ہو رہے تھے۔ اب اسے یہاں کیوں چھوڑ رہے ہو؟" عابد نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ اس کمرے کی امانت ہے۔ اسے یہیں رہنا چاہیے" میں نے اپنے فنگر پرنٹس والے کاغذ بھی پھاڑ کر اسی طرف اچھال دیے۔

عابد دوبارہ کیسٹوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا تھا۔

"یہ سب گند ہے۔ اب اس میں کیا تلاش کر رہے ہو؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"پچھلے دنوں ایک وزیر یہاں آئے ہوئے تھے جو کھلی محفلوں میں دل کھول کر شراب پیتے تھے اور پھر سرور میں آکر لڑکیوں اور عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے تھے" اس نے ندامت آمیز لہجے میں بتایا "باخبر حلقوں میں افواہیں تھیں کہ راوالوں نے ان کی بعض رنگین راتوں کی خفیہ فلم بندی کی ہے۔"

عابد کی زبان سے وہ ذکر سنتے ہی میرے ذہن میں روشنی کا ایک جھماکا ہوا جس میں اس دور کے ایک شوقین وزیر کا تاریک نام نمایاں تھا۔

"ضروری نہیں کہ اس فلم پر وزیر کا پورا نام لکھا ہوا ہو۔ اس کی فلم مخفف کے حساب سے تلاش کرو" میں نے اسے مشورہ دیا۔

"کسی کیسٹ پر کوئی نام نہیں ہے۔ سب پر مخفف ہیں لیکن مجھے اس وزیر کے پورے نام کا علم نہیں ہے۔ بعض مخفف چار حرفی تک ہیں" عابد نے بے چارگی سے کہا "ہم یہاں تک پہنچ گئے ہیں تو وہ فلم ہمارے ہاتھ آنی چاہیے۔"

"کیا تم اس شخص کے لیے یہ فلم حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں" عابد کی آواز تلخ اور حقارت آمیز ہو گئی "آئی بی ملکی سیاست میں دخل نہیں دیتی۔ ہم سیاست دانوں سے دور رہتے ہیں۔ مجھے اس سے نہیں، اپنے ملک سے ہمدردی ہے۔ شاید یہ فلم دیکھ کر وہ آئندہ کے لیے آوارگی سے توبہ کر لے۔"

"بلاوجہ اپنا وقت برباد نہ کرو۔ وہ تائب ہونے والوں میں سے نہیں ہے۔ اگلے دورے تک اس فلم کو بھول جائے گا۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو" عابد نے تلخی سے کہا "ویسے بھی اسے ہر شام دورے پڑتے ہیں، شراب کے دورے... میں نہیں چاہتا کہ اس کی فلم یہاں رہے۔ پچاس سے زیادہ کیسٹوں کو ساتھ لے جانا ممکن نہیں ہے۔"

میں نے نریش کی کرسی چھوڑ دی اور نرمی سے کہا "یہ سارے کیسٹ اس ڈھیر میں ڈال دو۔"

اس نے الجھن آمیز نظروں سے میری طرف دیکھا اور پوچھا "تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟"

"یہ ناگر کی چتا ہے جو نریش کی تجوری کا پیٹ خالی کر کے تیار کی گئی ہے۔ جاتے ہوئے ہم اسے آگ لگا دیں گے۔ اس آگ میں سب کچھ جل کر بھسم ہو جائے گا۔ بچی ہوئی راکھ راوالوں کے کسی کام نہیں آسکے گی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اس نے متعدد کیسٹ اٹھاتے ہوئے کہا "ہر سراغ مٹا دینے کا یہی ایک راستہ باقی رہ گیا ہے۔"

"ہم نے وہاں سے زیادہ ریکارڈ ساتھ نہیں لیا۔ عابد اور اس کے بڑوں کے لیے گرین کوبرا فائل بہت زیادہ اہم تھی۔ ہمیں اس کے ساتھ پاکستان سے تعلق رکھنے والی مزید دس فائلیں مل گئی تھیں۔ دو فائلیں بھارت اور سی آئی اے کے باہمی تعلق کے بارے میں تھیں۔

میں نے ناگر کے خون میں لتھڑے ہوئے بے جان چہرے پر نظر ڈالی۔ پیشانی کی ضرب، آگ اور زہر کے ملے جلے اثرات کے بعد شاید کوئی سرجن یہ سراغ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کی موت کس وجہ سے واقع ہوئی تھی۔

نچلے کی ہوا سے اڑنے والے بعض کاغذ ناگر کی لاش پر آگئے تھے۔ میں چند ثانیوں تک عبرت کا وہ منظر دیکھتا رہا۔

بڑے کارٹن میں سے برآمد ہونے والے تمام کیسٹ کاغذات اور فائلوں کے ڈھیر پر ڈالنے کے بعد عابد تیزی سے اپنے تھیلے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ٹھہرو۔ تم اس میں کیا تلاش کر رہے ہو؟" میں نے اسے ٹوک دیا "ہم کوئی دستی بم استعمال نہیں کریں گے۔"

"دو چھوٹے آتش گیر بم تجوری اور اس ڈھیر میں چھپا دو" عابد نے ملتجی انداز میں کہا "کاغذوں کو تم بے شک آگ لگا دو۔ حرارت پا کر یہ دونوں بم کچھ دیر بعد ہلکی سی آواز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ خود پھٹ جائیں گے اور ہر طرف آگ پھیل جائے گی۔"

میں نے سر کی جنبش سے اس کی تجویز منظور کرلی۔ اس ڈھیر میں موجود ہر چیز کو جلا کر راکھ کردینے کے لیے آتش زنی کا وہ متبادل اور موثر طریقہ ہمارے لیے سودمند تھا۔ چند ثانیوں میں عابد نے اپنے تھیلے میں سے دو چھوٹے بیضوی گولے نکال لیے۔

ایک گولا تجوری کے نچلے خانے میں رکھ دیا گیا۔ دوسرا فائلوں کے ڈھیر میں دبا دیا گیا۔ اس سے ذرا دور ناگر کی لاش مصنوعی ریشے سے بنے ہوئے فرشی قالین پر پڑی ہوئی تھی۔ قالین کا ہر ریشہ آگ کے لیے بہت زیادہ پرکشش تھا۔

میں پہلی فرصت میں بیم گن اپنے جیب میں ڈال چکا تھا۔ عابد نے بھی اپنا ریوالور قالین پر سے اٹھالیا تھا۔ اس نے آخری بار کمرے کا جائزہ لیا اور ناگر کا بڑے بور کا پستول میگزین سمیت اپنے تھیلے میں رکھ لیا اور پنکھے کا سوئچ آف کردیا۔

عابد اور اس کے آدمی دشمن کی سرزمین پر اپنی بقا اور اپنے ملک کے تحفظ کی جنگ لڑ رہے تھے جس میں ان کے لیے ہر آتشیں ہتھیار بہت بیش قیمت تھا۔

عابد نے شولڈر اسٹریپ کے ذریعے بیگ کندھے پر لادا۔ میں نے دیا سلائی جلائی۔ اس سے ایک کاغذ کو آگ دکھائی اور پھر تیزی سے جلتا ہوا وہ کاغذ فائلوں وغیرہ کے انبار پر ڈال دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے کاغذوں نے بھی آگ پکڑلی۔ ہم کمرے کا بلب بجھائے بغیر باہر نکل آئے۔ ساری فائلیں عابد کے قبضے میں تھیں۔

ناگر ایک بگولے کی طرح ہمارے اس مشن میں دخل انداز ہوا تھا۔ اس نے آتے ہی سب کچھ درہم برہم کرکے رکھ دیا تھا لیکن آخر کار وہ ایک کتے کی سی موت مارا گیا تھا۔ عمارت کا چوکیدار شاید چھت کے کمرے میں پڑا بے خبر سو رہا تھا۔ ہماری واپسی کی راہ روکنے والا کوئی نہیں تھا۔

عمارت میں داخل ہوتے ہوئے ہم محتاط اور متفکر تھے لیکن واپسی میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ہم پنجوں کے بل تقریباً دوڑتے ہوئے صدر دروازے تک پہنچے' بولٹ گرایا اور دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل گئے۔

اس وقت برآمدہ بالکل تاریک تھا۔ پرویز اور عبداللہ نے موقع پاکر وہاں جلنے والا بلب توڑ دیا تھا۔

ہماری دونوں گاڑیاں سپاہیوں کے کمرے کے پیچھے موجود تھیں۔ پرویز نے تاریکی میں سے ہلکی سی ششکاری دی۔ عابد تیزی سے اسی طرف ہولیا۔

"دونوں سپاہی گہری نیند میں مدہوش ہیں" پرویز نے تاریکی میں سے نمودار ہوکر بتایا۔ "عمارت کے دوسرے پہلو پر ایک گاڑی کھڑی ہوئی ہے۔"

"اسے بھول جاؤ اور یہاں سے نکل چلو" عابد نے تیز سرگوشی میں ہدایت کی اور اپنے کندھے سے لٹکا ہوا ہتھیاروں کا تھیلا اسے تھمادیا۔

فائلوں کے ساتھ کاغذ وغیرہ گاڑی میں ڈال کر عابد نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور چند ثانیوں بعد ہم اسی ترتیب میں وہاں سے روانہ ہوگئے جس ترتیب میں سرلا کے گیسٹ ہاؤس سے وہاں پہنچے تھے۔

کچے میدان سے سڑک پر جاتے ہوئے میں نے دیکھا کہ عمارت کے آخری سرے والے کمرے کی کھڑکی کے بند شیشوں کے پیچھے دبے دبے شعلوں کی سرخی لپک رہی تھی۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے دور لگی ہوئی آگ کا انعکاس ان شیشوں پر پڑ رہا ہو۔

"شاید دوسری طرف کھڑی ہوئی گاڑی ناگر کی ہوگی" چند ثانیوں کی گمبھیر خاموشی کے بعد عابد نے سکوت توڑا۔

"یہ ہماری خوش قسمتی ہے جو اسے یہاں کھینچ لائی۔ رالوں کو صحیح صورت حال سمجھنے میں اب کافی وقت لگے گا" میں نے سکون سے جواب دیا۔

"یہ بات تم نے اسے مارنے کے بعد بھی کہی تھی' میرا اندازہ ہے کہ اس کی موت سے معاملہ اور زیادہ سنگین ہوجائے گا۔"

میں دھیرے سے ہنس پڑا "یہ غلط فہمی اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ عمارت کے چوکیدار سے لے کر انل بسواس تک کسی کو علم نہیں کہ وہ نریش کے دفتر آیا تھا۔ کسی چھوٹے بڑے کو اعتماد میں لیے بغیر مہم جوئی پر نکل پڑنا اسی لیے خطرناک ہوتا ہے۔"

"یہ اس کی غلطی تھی لیکن وہ راکا قابلِ اعتماد اور پرانا آدمی ہے۔"

"ہے نہیں بلکہ تھا" میں نے اس کی تصحیح کی "یہی بات ہر ایک کو الجھادے گی۔ اسے کسی چور کی طرح عمارت میں داخل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ بات کبھی سامنے نہیں آسکے گی کہ وہ زنانہ واش روم کے روشن دان سے عمارت میں کودا تھا۔ صدر دروازے کا کھلا ہوا دروازہ اس کی آمد کے راستے کی نشان دہی کرے گا۔ ابتدائی طور پر یہ سمجھا جائے گا کہ سپاہیوں کو بھی اسی نے بے ہوش کیا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مگر اسے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے بڑے اسے جانتے ہیں، وہ یہ سوال ضرور اٹھائیں گے۔"

"کسی کے جاننے سے حقائق نہیں بدل سکتے" میں نے اس کی الجھن سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "ابھی تمہیں سوچنے کا وقت نہیں ملا۔ میں اس امکان پر مسلسل سوچتا رہا ہوں۔ نریش کے دفتر میں ناگر کی سوختہ لاش کی موجودگی راکو ہلا کر رکھ دے گی۔"

"میں بہت پریشان اور الجھا ہوا ہوں۔ ذرا مجھے بھی سمجھاؤ کہ تمہارے دماغ میں کیا خاکہ بن رہا ہے؟"

"ناگر را سے منحرف ہو چکا تھا۔ کسی نے اسے خرید لیا تھا اور وہ بہت کامیابی سے اپنے دہرے کردار کو چھپا کر اپنے افسروں کو ڈبل کراس کر رہا تھا۔"

"یہ حقیقت نہیں تمہارا قیاس ہے!" عابد نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"میرا قیاس بھی نہیں ہے۔ یہ وہ کہانی ہے جو کل صبح تیار ہوگی۔ ناگر کے خریدار را کے اہم ترین ریکارڈ تک رسائی چاہتے تھے جو نریش کے دفتر کی تجوری میں محفوظ تھا آج رات موقع پا کر ناگر انہیں اپنے دفتر کی طرف لے آیا۔ اس کی نگرانی میں سپاہیوں کو بے ہوش کیا گیا، تالے کاٹے گئے اور دشمن اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ ان لوگوں کی کامیابی بے داغ تھی۔ ناگر ان کے خلاف اکلوتا گواہ تھا۔ اسے زندہ چھوڑنے کی صورت میں ان خریداروں کو اپنے وعدے کے مطابق اسے بھاری معاوضہ بھی ادا کرنا پڑتا۔ اسے مار کر وہ ہر گواہی سے نجات حاصل کر سکتے تھے۔ ان کی بڑی رقم بھی بچ جاتی۔ ناگر کی مدد سے نریش کے دفتر میں اپنا کام مکمل کرنے کے بعد انہوں نے ناگر کو مار دیا۔ صورتِ حال کو پیچیدہ بنانے کے لیے دفتر میں آگ لگائی اور خاموشی سے فرار ہو گئے۔"

"بہت لرزہ خیز اور جاندار کہانی ہے۔ سب کڑیاں آپس میں مربوط نظر آتی ہیں" اس نے تعریفی لہجے میں کہا۔

"یہ ابتدائی نظریہ ہوگا۔ وہ اسی سمت میں اپنا کام شروع کریں گے۔ اس کے بعد جو ہوگا وہ ہوتا رہے گا۔"

"یہاں کی سیاسی فضا میں سارا الزام پاکستان پر آئے گا۔" عابد کو خیال آیا۔

"انل بسواس کہہ چکا ہے کہ اسے بھارت میں سرگرم پاکستانی ایجنسیوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے۔ وہ پاکستانیوں یا چینیوں پر شبہ کر سکتے ہیں مگر کوئی الزام تراشی نہیں کر سکتے۔ ان کا ایک اہم آدمی منحرف ہو رہا تھا۔ خریدار اس کا سودا کر رہے تھے اور بھارت کی تمام ایجنسیاں سوئی ہوئی تھیں۔ کسی کو پتا نہیں چلا کہ ناگر نے پیسے کے لالچ میں سب کچھ داؤ پر لگانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"تم بہت دور تک دیکھ لینے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ تمہارے ساتھ کام کرتے ہوئے میں اپنے اندر ایک نیا اعتماد پیدا ہوتا ہوا محسوس کر رہا ہوں" وہ بولا۔

"تمہارے وہ گمنام ساتھی جو بھارتی ایجنسیوں کی نظروں میں آئے ہوئے ہیں، کسی حد تک دباؤ میں آجائیں گے لیکن ان پر بھی ہاتھ نہیں ڈالا جا سکے گا کیونکہ ان کی نقل و حرکت پر بھارتیوں نے پہلے سے نظر رکھی ہوئی ہے" میں نے بتایا۔

"اور ہم تینوں کا گرفت میں آنا بد قسمتی کے سوا کچھ نہیں ہوگا" اس نے میری بات آگے بڑھائی "ہم نے ابھی تک خود کو بہت کامیابی سے چھپایا ہوا ہے کیونکہ ہم غیر ضروری طور پر سامنے آنے اور ہاتھ پیر چلانے سے گریز کرتے ہیں۔"

"پروگرام بنا لیا تھا لیکن ایسی شان دار کامیابی میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی" میں نے اپنے دل کی بات عابد سے کہہ ڈالی "ناگر نے ناگہانی طور پر درمیان میں کود کر ہم سب کے لیے متعدد آسانیاں فراہم کر دی ہیں۔"

"را کے دفاتر میں کئی دنوں تک صفِ ماتم بچھی رہے گی۔ را جیسی مضبوط ایجنسی کے ایک پرانے افسر کی غداری معمولی بات نہیں سمجھی جا سکتی۔ جب تک کوئی سرا ان کے ہاتھ آئے گا تم پاکستان واپس جا چکے ہو گے۔"

"ناگر نے اس ڈور کو ایسا الجھایا ہے کہ کسی کے ہاتھ کوئی سرا نہیں آئے گا" میں نے پورے اعتماد سے کہا۔

"اچھا ہے کہ یہ لوگ اپنی آگ میں خود جلتے رہیں۔ ان ہندوؤں نے اپنے چاروں طرف بسے ہوئے پڑوسیوں کو خوف و ہراس میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ افسوس اور بد قسمتی کی بات یہ ہے کہ امریکا جیسی اکلوتی سپر پاور ان کی ہم نوا بنی ہوئی ہے" عابد نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

"شاید امریکا کو بھارت سے اتنی محبت نہیں ہے جتنی چین سے نفرت ہے۔ چین کے خلاف دونوں کے مفادات مشترک ہیں۔ اس ایک نکتے پر امریکا بھارتیوں کی ہر جائز اور ناجائز بات کی حمایت کرتا ہے" عابد کا ان موٹی موٹی سیاسی حقیقتوں سے واقف ہونا ضروری تھا۔

"پھر تو امریکا اور بھارت کو نیپال کا ہمدرد ہونا چاہیے۔ وہ ہمالیہ میں چین کا قریب ترین پڑوسی ہے" عابد نے دلیل پیش کی۔

"وہ بہت چھوٹا ملک ہے۔ ایسی مفاہمت بڑے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طاقتور ملکوں کے درمیان ہوتی ہے۔"

"تمہاری ہر بات اپنی جگہ پر سو فیصد درست ہوتی ہے۔ دونوں بڑوں نے مل کر کئی برسوں سے اس خطے میں چھوٹی قوموں کا جینا اجیرن کیا ہوا ہے" عابد نے ایک طویل اور گہرا سانس لے کر کہا "پاکستان چھوٹی قوموں میں سب سے بڑا ہے اس لیے زیادہ عتاب میں رہتا ہے۔"

"بنگلہ دیش کے ساتھ بھی یہی سلوک ہو رہا ہے" میں نے اسے یاد دلایا "وہاں بھارتی ریشہ دوانیاں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ رائے عامہ ایک قابل لحاظ پاکستان کے ساتھ قریبی مراسم کا مطالبہ کرنے لگی ہے۔ یہ ایک بہت بڑی تبدیلی ہے۔"

"میں حیران ہوں کہ نیپال جیسے چھوٹے اور امن پرور ملک میں را اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہے۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی "تھوڑی دیر پہلے تم اس بارے میں کچھ بتانا چاہ رہے تھے؟"

"یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ بھارت میں شاہ برینڈرا کو ان کے رجحانات اور جھکاؤ کی وجہ سے پسند نہیں کیا جاتا۔ ہر حربے میں ناکام ہونے کے بعد را نے شاہ کے گرد اپنا گھیرا ڈالنا شروع کر دیا ہے۔ حد یہ ہے کہ ولی عہد کو بھی نہیں بخشا جا رہا۔ لمبی منصوبہ بندی کے تحت کوشش کی جا رہی ہے کہ بھارت کے کسی بارسوخ گھرانے کی کوئی دوشیزہ ولی عہد کی بیوی بننے میں کامیاب ہو جائے۔"

"کچھ کاغذات اور فائلیں تمہارے پاس ہیں۔ سات کاغذ میری جیب میں ہیں" میں نے ہنس کر کہا "انہیں پڑھ کر بھارت کے عزائم کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو سکے گا۔ تم نے گرین کوبرا فائل دیکھی ہے' اس بارے میں وہ کیا کہتی ہے؟"

"اس میں ہندی ہے نہ انگریزی۔ ہر کاغذ کریپٹوگرافی میں ہے۔ ایسی خفیہ تحریریں ہر ایک نہیں پڑھ سکتا" اس نے انکشاف کیا "اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ماہرین ان تحریروں کا ایک ایک لفظ پڑھ لیں گے۔ اس کے بعد کچھ سامنے آئے گا۔"

عابد کی زبان سے وہ خبر سن کر مجھے مایوسی ہوئی۔ بہت کچھ جان لینے کا شوق جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"یہ سب فائلیں وغیرہ تم کس طرح پاکستان بھجواؤ گے؟" میں نے رسمی طور پر پوچھ لیا۔

"ہم پاکستان کے سفارتی عملے سے دور رہتے ہیں ورنہ سفارتی ڈاک کا تھیلا ہر اعتبار سے محفوظ رہتا ہے۔"

"تم نے ایک عام سی بات بتا دی۔ میں نریش شرما کے دفتر سے حاصل کیے ہوئے ریکارڈ کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔"

وہ چونک پڑا اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولا "معاف کرنا۔ میں کسی اور خیال میں کھو گیا تھا۔ تم آج امرتسر اور پھر وہاں سے لاہور جا رہے ہو۔ ان فائلوں وغیرہ کی اہمیت کو تم سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے۔ تمہارے ذریعے یہ جلال صاحب تک پہنچیں گی۔"

میں سوچ میں پڑ گیا کیونکہ عابد کی تجویز اتنی سادہ اور سہل نہیں تھی۔

پیش گوئی

چوہدری احمد دین نے اپنے گاؤں سے دوسرے گاؤں جاتے وقت راستے میں دیکھا' ایک کم عمر لڑکا ایک ٹھیلے کو دھکیلتے ہوئے پہاڑی عبور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ٹھیلے پر کئی بوریاں لدی ہوئی تھیں۔ ازراہ ہمدردی چوہدری احمد دین نے اس کے ساتھ مل کر دھکا لگانا شروع کیا۔ دونوں کو پہاڑی عبور کرنے میں دانتوں پسینے آ گئے۔ دوسری طرف پہنچ کر احمد دین ہانپتے ہوئے بولے "تمہیں اتنا وزن کس نے دے کر بھیجا تھا؟"

"میرے باپ نے" لڑکے نے جواب دیا۔

"اس نے سوچا نہیں کہ وزن تمہاری بساط سے بہت زیادہ ہے؟ تم اکیلے بھلا اسے پہاڑی کے دوسری طرف کیسے لا سکتے تھے؟" احمد دین نے ناگواری سے کہا۔

"ابا نے کہا تھا' تم ٹھیلا لے کر روانہ تو ہو جاؤ.... راستے میں ضرور کوئی بے وقوف کا بچہ مل جائے گا جو تمہارے ساتھ لگ جائے گا" لڑکے نے معصومیت سے جواب دیا۔

○☆○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اپنی دانست میں صحیح سمت میں سوچ رہا تھا۔ اس ریکارڈ کا دیر تک بھارت میں رہنا مناسب نہیں تھا۔ ان فائلوں اور کاغذوں کو جلد از جلد پاکستان پہنچ جانا چاہیے تھا۔ مجھے وہ کام اپنے سر لینے میں کوئی عذر نہیں تھا لیکن میں خود را والوں سے چھپ کر پاکستان فرار ہو رہا تھا۔ میری پوزیشن مخدوش تھی۔ میرے پاس اس قدر مختصر سامان تھا کہ اس میں گیارہ فائلوں اور بہت سے کاغذوں کا چھپانا ممکن نہیں تھا۔

دہلی سے امرتسر اور پھر اٹاری تک مجھے کہیں بھی کوئی رکاوٹ پیش آسکتی تھی۔ جب تک میں بھارتی سرزمین چھوڑ کر پاکستان کی سرحد میں داخل نہ ہو جاتا، مجھے اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔ ان فائلوں میں بیشتر کاغذات سرکاری تھے جو را کے لیٹر ہیڈ پر چھپے یا لکھے ہوئے تھے۔ اگر کہیں میرے سامان کی تفصیلی جانچ پڑتال کی نوبت آجاتی تو میرے لیے اس سوال کا جواب دینا ناممکن ہوتا کہ را کے سرکاری کاغذات میری تحویل میں کیوں تھے؟

وہ ریکارڈ مجھ سے چھن سکتا تھا اور اس کی وجہ سے میری عافیت خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ وہ کاغذات اتنے خطرناک تھے کہ جس غیر متعلقہ آدمی کی تحویل میں پکڑے جاتے وہ اپنی قومیت سے قطع نظر ایک بڑے عذاب میں مبتلا ہو جاتا۔

میں نے عابد کی وہ تجویز سن ضرور لی مگر اسے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ میں ان کاغذات کو عابد کی ذمے داری بنا کر اپنی جان نہیں چھڑانا چاہتا تھا بلکہ پوری نیک نیتی کے ساتھ ان فائلوں وغیرہ کو جلد از جلد پاکستان بھجوانے یا لے جانے کا خواہاں تھا۔ اس بارے میں سوچے سمجھے بغیر کیا جانے والا کوئی بھی غلط فیصلہ ہم میں سے کسی کے گلے کی ہڈی بن سکتا تھا۔

ہمیں را کے دفتر سے روانہ ہوئے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ میں نے اضطراری طور پر گردن پیچھے گھمائی تو سڑک تاحد نظر ویران پڑی ہوئی تھی۔

"جی تھری اور جی فور کہاں غائب ہو گئے؟" میں نے متوحش لہجے میں عابد سے پوچھا۔

"یہ بات میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا" اس نے خفت آمیز لہجے میں کہا "یہ طے ہو چکا تھا کہ ہماری کامیاب واپسی پر وہ سیدھے اپنے ٹھکانے کی طرف نکل جائیں گے۔ ہم کو غیر ضروری طور پر ایک دوسرے کے قریب نہیں رہنا چاہیے۔"

"اچھا فیصلہ تھا مگر میرے علم میں آنا چاہیے تھا۔ اب ہم دونوں کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے اپنی ناپسندیدگی کا خفیف سا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ہم گیسٹ ہاؤس ہی جائیں گے" اس کی آواز سے بدستور ندامت جھلک رہی تھی۔

میں نے روشن ہندسوں اور سوئیوں والی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ اس وقت صبح کے چار بجنے والے تھے۔ میں نے نرمی سے کہا "گیسٹ ہاؤس کے بجائے کیوں نہ اسی ٹھکانے کا رخ کیا جائے جہاں سرلا، غزالہ کے ساتھ گئی ہوئی ہے۔"

"چار بجنے والے ہیں" عابد نے ڈیش بورڈ کی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا "ایسا نہ ہو کہ ہم ادھر پہنچیں اور وہ دونوں گیسٹ ہاؤس کے لیے نکل چکی ہوں۔ ویسے بھی وہ ٹھکانا میرا دیکھا بھالا نہیں ہے۔ ایک مرتبہ رات کے وقت گیا تھا۔ شاید اس وقت یادداشت میرا ساتھ نہ دے سکے۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر گیسٹ ہاؤس ہی چلو۔ وہاں سے تھوڑی دیر بعد ائرپورٹ کے لیے نکلنا ہوگا۔ ہمارے ٹکٹ کہاں ہیں؟"

"صبح کی پرواز پر دونوں نشستیں کنفرم ہیں۔ ٹکٹ ائرپورٹ پر تیار ملیں گے۔"

ہم دونوں خاموش ہو کر اپنی اپنی سوچوں میں ڈوب گئے۔ گاڑی تیزی سے اپنا سفر طے کرتی رہی۔

میرے ذہن میں رہ رہ کر وہ خدشات سر ابھارنے لگے تھے جن کا ذکر میں غزالہ کی زبان سے سن چکا تھا۔

ہم پاکستان کے بدترین دشمن ملک کی سرزمین پر تھے اور اس کی رسوائے زمانہ سیکرٹ سروس، را سے برسرپیکار تھے۔ را والے اتنے مکار اور چالاک لوگ تھے کہ اپنے سائے تک سے بھڑکتے تھے اور کسی پر اعتماد نہیں کرتے تھے لیکن میرے ساتھ پیش آنے والے واقعات میں کچھ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے انل بسواس اور نریش شرما کی عقلوں پر برف جم گئی ہو یا پھر وہ اپنے گھر میں ہونے کی وجہ سے ضرورت سے زیادہ پراعتماد ہیں۔

بھارت میں ہماری پے در پے کامیابیاں قابلِ فخر تھیں لیکن ان میں تشویش کا ایک بھیانک پہلو بھی پنہاں تھا۔ ہر دلیل، جواز اور واقعات کے پیچ و خم کے باوجود مجھے اندیشہ محسوس ہو رہا تھا کہ بھارتیوں کی وہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ بننے والی تھی۔ وہ طوفان ہماری واپسی کے سفر کے کسی بھی مرحلے پر سر اٹھا سکتا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کو الگ ڈنامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آمرک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹار زنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آمرک بیل اس غلط صیہونی تنظیم کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم ابراہیم ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اولی خان کے نگمز پر نسٹن ٹیب حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نیویارک فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل نے میرے اور اولی خان کے نگمز پر نسٹن ٹیب حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نیویارک فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کر لی۔ اس کی خودکشی پر فریم انٹر نیشنل کے غیر معمولی دلچسپی ظاہر ہوئی۔ اس کا کردار ڈھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریم انٹر نیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے مدعے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بت کا ئیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا تھے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرا لیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا تھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا کالا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا تو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا' نہایت چابک دستی سے کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا' نہایت چابک دستی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مارونی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نقصانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں بری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود رائے کے پاکستانی ملک کے سربراہ اعلیٰ سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ گوبند رپال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ گوبند رپال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرتے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جو گوبند رپال کا فون نمبر ملا جس کے بعد جو گوبند رپال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی او کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "ویمن سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں ملوث تھی۔ اس کا انتقال ہونے والے ہیمنت گل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں انتقال ہونے والے ہیمنت گل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جہانگیر کاماں سسر چوہدری مظہر تھا۔ ٹی بی نے جلال اور ایس ڈی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہومن سوسائٹی کا قلع قمع کروا دیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں' میں نے سب سے پہلے جلالی کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق ویرا ہم سے الگ ہو کر دوسرے ہوٹل میں قیام پذیر ہو گئی۔ کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم جان اسمتھ بھی نئی دہلی پہنچ چکا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ دہلی میں گرین کوبرا فائل کی جستجو میں تھے۔ اسی اثنا میں راکی خوب رو ایجنٹ ریما اہمیت رائے مجھ سے ٹکرائی اور بے باک ٹھنائی میں مجھے بتایا کہ وہ مجھے اغل بسواس سے ملوا سکتی ہے۔ پاکستان سے اولی خان نے مجھے آگاہ کیا کہ وہاں نظیر خان کے پاسپورٹ پر درج مندرجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ ریما سے میری دوسری ملاقات بدمزگی کا شکار ہوئی۔ اس لی ابتدا میں ہی رائے تند خو اور سفاک ایجنٹ ناگر نے میری انگلیوں کے نشانات حاصل کیے اور پھر بعد میں ریما نے مجھے بتایا کہ میری اور اس کی پہلی رنگین ملاقات ویڈیو فلم کے فیتے پر محفوظ کی جا چکی تھی۔ اب مجھے ہر قیمت پر را کے لیے کام کرنا تھا۔ ویرا جان اسمتھ کے چکر میں تھی مگر میں نے اسے مقناطیسی ہوا اور وہ فی الحال ملاقات ویڈیو فلم کے فیتے پر محفوظ کی جا چکی تھی۔ اب مجھے ہر قیمت پر را کے لیے کام کرنا تھا۔ ویرا جان اسمتھ کے چکر میں تھی مگر میں نے اسے مقناطیسی ہوا اور وہ فی الحال اپنی سرگرمیوں کو معطل کرنے پر رضامند ہو گئی۔ میں نے را کے دفتر میں اغل بسواس اور شرما دونوں سے ملاقات کی اور دیگر امور کے علاوہ انہوں نے مجھے میری تلاش کا بڑا کام سونپ دیا۔ شرما کے دفتر میں مجھے گرین کوبرا فائل نظر آ گئی۔ را کے دفتر سے میری بخیریت واپسی نے میرے حوصلوں کو مہمیزی اور میں نے اسی رات را کے دفتر میں نقب لگا کر تمام ضروری مواد نکال لینے کا فیصلہ کر لیا۔ کوپال میرا ہم نوا تھا۔ میں نے اس سے پہلے غزالہ کو جان اسمتھ کا کام تمام کرنے روانہ کر دیا۔ ہوٹل سراب میں غزالہ سے ویرا ٹکرا گئی۔ اس کے مشورے کے مطابق غزالہ نے جان اسمتھ کو شکار کر لیا اور دونوں وہاں سے روانہ ہو گئیں۔ اس کی واپسی کے بعد میں آئی بی کی ٹیم کے ساتھ را کے دفتر روانہ ہو گیا۔ وہاں حالات ہماری توقع کے مطابق بڑی تیزی سے نمٹتے گئے۔ تاہم ایک موقع پر را کے ناگر نے اپنی ذرا سی لاپروائی کے سبب ہمارے منصوبے کو ناکام بنا ہی دیا تھا مگر وہ خوشامد پسند اور انا پرست جلد ہی میرے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کا شکار ہو گیا۔ ہم وہاں سے مال غنیمت میں بہت سی فائلیں لے کر نکل آئے مگر اس سے پہلے میں نے اپنی ویڈیو فلم اور فنگر پرنٹس کو ضائع کروا دیا تھا۔ ناگر کی پتا شرما کے دفتر میں موجود کاغذوں سے تیار کی گئی اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ وہاں ہماری پے در پے کامیابیاں قابل فخر تھیں مگر بھارتیوں کی خاموشی مجھے کسی بڑے طوفان کا پتا دے رہی تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

سفر کا باقی حصہ خاموشی سے طے ہو گیا۔ میں اپنی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا' عابد علی اپنی کسی فکر میں غلطاں تھا۔

رات بیت چکی تھی۔ دہلی کی فضاؤں میں صبح کے فسوں خیز اندھیرے کا ابتدائی دور تھا۔ میری رسٹ واچ چار بجا چکی تھی۔ اس وقت دہلی کی سڑکیں سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ ہر طرف سناٹے کی حکمرانی تھی۔ اس سکوت کو بس کہیں کہیں آوارہ کتوں کی آوازیں برہم کر رہی تھیں۔

پورے شہر کی طرح سرلا دیوی کے گیسٹ ہاؤس پر بھی رات کا گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ اس گھر کے مختلف کمروں میں رہنے والے' اپنی دن بھر کی مصروفیات سے تھک ہار کر نیند کی دیوی کی محبت بھری آغوش میں سوئے ہوئے تھے۔ سرلا یا اس کی گاڑی کا دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔

ہم اس مختصر سے بنگلے کا دروازہ کھول کر دبے قدموں احاطے میں داخل ہوئے۔ عابد علی نے را کے دفتر سے اڑائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئی فائلوں کا پلندہ پوری احتیاط اور مضبوطی کے ساتھ یوں اپنی بغل میں دبایا ہوا تھا جیسے ذرا سی بھی بے پروائی کی صورت میں وہ فائلیں اس کی تحویل سے نکل کر کھلی فضا میں تحلیل ہو جائیں گی۔

"سرلا ابھی تک نہیں لوٹی۔" اپنے کمرے کا تالا کھولنے کے بعد عابد علی بڑبڑایا "تمہاری امرتسر کی پرواز نہ نکل جائے۔"

"میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں۔" میں نے نیم روشن کمرے میں ایک کرسی سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔

عابد نے فائلوں کا بنڈل پوری احتیاط سے مسہری کے نیچے اس طرح چھپا دیا کہ کسی آنے والے کی نظر اس پر نہ پڑ سکے پھر وہ ہمہ تن میری طرف متوجہ ہو گیا "اب روانگی کے آخری لمحات پر تم کیا سوچ رہے ہو۔"

"اس وقت میرا دہلی سے غائب ہونا مناسب نہیں ہے۔ آج رات کے بارے میں ہر الزام میرے سر پر ڈال دیا جائے گا۔"

میرا جواب سن کر عابد نے کھڑے کھڑے بے چینی سے پہلو بدلا اور کہا "دہلی میں تم کہاں رہو گے؟ خود کو راوالوں سے کیسے بچاؤ گے؟"

اس کا اضطراب دیکھ کر میں دھیرے سے مسکرا دیا "اس وقت تم انسانی نفسیات کو بھول رہے ہو۔ اگر میرے ہاتھ صاف ہیں اور میں نے یہاں کوئی جرم نہیں کیا تو مجھے راوالوں سے بچنے اور چھپنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں بے خوفی سے ان کا سامنا کروں گا۔"

"نہیں۔ نہیں۔ میں تمہیں ایسی احمقانہ دلیری دکھانے کا مشورہ نہیں دوں گا۔" اس نے بے ساختہ کہا۔ میرے جواب نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

اس کے اضطراری جواب پر میں اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ میں نے ہلکے سے تادیبی لہجے میں کہا "تم میرے ارادے کو احمقانہ دلیری قرار دیتے ہوئے شاید یہ بھول گئے کہ اس وقت میں تمہارا چیف ہوں اور تم تینوں مجھ کو جواب دہ ہو۔"

"مجھے تمہارے رتبے سے ذرا بھی انکار نہیں ہے۔" اس نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی "تم ہمیں حکم دو تو ہم تمہارے ایک اشارے پر اپنی جانوں کی بازی لگا سکتے ہیں لیکن غلطی ہر حال میں غلطی ہوتی ہے جس کا ارتکاب انسانوں سے ہوتا ہے۔ میں غلطی کی نشان دہی کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اسے تسلیم کرنا یا نہ کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔ تم راوالوں کو نہیں جانتے۔ یہ بے جان پتھروں کو بھی زبان کھولنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ ان کے تشدد کے تصور سے سب لرزہ براندام رہتے ہیں۔ یہ لوگ زندگی کو اس قدر طویل اور کرب ناک بنا دیتے ہیں کہ آدمی سچ اگلنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ اس وقت میں ان کا زر خرید انفارمر ہوں۔ انل بسواس کے درجے کے ایک اعلیٰ افسر نے مجھے منتخب کیا ہے۔ وہ اس اہم نکتے کو فراموش کر کے مجھے کلی کا بکرا نہیں بنائیں گے۔"

عابد نے بے چینی سے اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا اور مجھ سے سوال کیا "ان آخری لمحات پر اپنا سارا پروگرام تبدیل کر کے تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟"

"میرا یعنی ڈینی کا نام بے داغ رہے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر سکون سے جواب دیا "میں نہیں چاہتا کہ میری اچانک روپوشی کے بعد دہلی کے باخبر حلقوں میں میرے بارے میں ناگفتہ کہانیاں عام ہوں۔ یہ کہا جائے کہ مظہر خان دو ٹکا سیکرٹ ایجنٹ تھا جو پاکستان کے لیے کام کر رہا تھا مگر اس نے انل بسواس کے ذریعے راکو ڈبل کراس کیا' اس کے اہم ریکارڈ کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کیں اور سب کچھ تباہ کرنے کے بعد اچانک دہلی سے غائب ہو گیا۔"

"یہ کہانی اسی طرح بنے گی۔ تمہارے رک جانے سے ان کی سوچ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ تم بلاوجہ ایک بھیانک خطرہ مول لینے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں تمہیں ایسا کوئی مشورہ نہیں دوں گا۔" عابد علی نے مجھے سمجھانا چاہا۔

"تمہارا خیال ہے کہ وہ خاصی محنت سے ہاتھ آئے ہوئے ایک پاکستانی انفارمر کو خود اپنے ہاتھوں سے ضائع کر دیں گے۔"

"وہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ تم سمجھتے کیوں نہیں کہ چند گھنٹوں بعد نریش شرما کے دفتر میں آتش زنی اور ناگر کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پوری دہلی میں پھیل جائے گی۔ ہوٹل سمراٹ میں جان اسمتھ کے قتل کی خبر جلتی پر تیل کا کام کرے گی۔ اس وقت وہ سب کچھ بھول جائیں گے۔ ان کا مقصد صرف اور صرف یہ رہ جائے گا کہ وہ جلد از جلد ان وارداتوں کے مجرموں کو پکڑ لیں۔"

اس نے لمحہ بھر کے لیے توقف کیا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "ابھی انہوں نے تم سے ابتدائی بات چیت کی ہے۔ ان کی نظروں میں تمہاری کوئی اہمیت یا وقعت نہیں ہو سکتی۔ تم دہلی اور دوسرے شہروں میں آئے ہوئے ہزاروں پاکستانیوں میں سے ایک ہو۔ اپنے ایک خوفناک مجرم کا سراغ لگانے کے لیے انہوں نے تمہاری ہڈیوں کا تیل بھی نکال دیا تو انہیں کوئی قلق نہیں ہو گا۔ بڑا ہدف حاصل کرنے کے لیے چھوٹے مہرے بہت بے رحمی سے پیٹ دیے یا پٹوا دیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتے ہیں۔"

"میں اپنے ہوٹل سے یا دہلی سے غائب پایا گیا تو ان کی تمام توجہ میری طرف مبذول ہو جائے گی۔ انل بسواس سے لے کر بھارت کی وزارت خارجہ تک کے لیے یہ ایک آسان کہانی ہوگی کہ مظہر خان نامی ایک پاکستانی دہشت گرد' ہر بھارتی ایجنسی کی آنکھوں میں دھول جھونک کر دہلی پہنچا اور اپنا کام پورا کر کے اچانک یہاں سے غائب ہو گیا۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ ناگر نے غیر متوقع طور پر درمیان میں کود کر کئی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔"

"میری دانست میں ناگر کی وجہ سے تمہارے لیے خطرات کم نہیں ہوئے بلکہ اور بڑھ گئے ہیں۔" وہ دہشت زدہ لہجے میں بولا "یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ تم نے کسی طرح اسے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اسے استعمال کر کے نریش شرما کے دفتر میں گھسے اور پھر کام نکلنے کے بعد اسے بھی مار دیا۔"

"میں ایسے احمقانہ نظریات کی پروا نہیں کرتا۔" میں نے رکھائی سے جواب دیا "رینا اجیت رائے گواہ ہے کہ ناگر سے مجھے پہلی ملاقات میں نفرت ہو گئی تھی۔ اس کے دفتر میں میری اس سے ہلکی سی تلخی ہوئی۔ انل بسواس کو معلوم ہے کہ میں نے اس سے ناگر کی شکایت کی تھی۔ وہ سب ناگر کے ساتھی ہیں اور اس کی کینہ پرور فطرت سے واقف ہیں۔ وہ ان میں خونی بھیڑیے کے نام سے مشہور ہے۔ وہ کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ ناگر سب کچھ بھول کر اچانک میرے ہاتھوں بک گیا ہوگا۔"

"تم نریش سے بھی کہہ چکے تھے کہ تم آگرہ جا کر غزالہ کو تاج محل دکھاؤ گے اور پھر جلد از جلد پاکستان واپس لوٹ جاؤ گے۔" چند لمحوں کی پرتشویش خاموشی کے بعد عابد علی نے پینترا بدل کر کہا۔

"میں نے اسی ارادے سے انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل چھوڑا تھا۔" میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے جواب دیا "مگر اب میں نے چال بدلنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس سے طے شدہ پروگرام کے مطابق مجھے اس کو بتانا چاہیے تھا کہ میں آگرہ جا رہا ہوں.... پھر اس سے وہ رابطے بھی معلوم کرنے تھے جو کراچی یا پاکستان میں مجھے استعمال کرنے تھے۔ یہ سب نہیں ہوا۔ گرین کوبرا فائل کے لیے ہمیں اچانک اور خاموشی سے ہوٹل چھوڑنا پڑا۔ اب ہم اسی طرح خاموشی سے دوبارہ اسی ہوٹل میں پہنچ جائیں گے۔ راوالے ہماری طرف آئے تو ہمیں اپنی پرانی جگہ پر موجود پائیں گے۔"

"مظہر خان! یہ معاملہ اب اتنا سیدھا نہیں رہا۔" اس نے اصرار کیا "تم نے اپنا حساب بے باق کر کے ہوٹل چھوڑا تھا۔ یہ بات ہوٹل کے ریکارڈ پر ہوگی۔ تمہاری واپسی تم کو اور زیادہ مشتبہ بنا دے گی۔ رات سے اب تک کے وقت کا تم کیا حساب دو گے؟"

"بس یہی مسئلہ سب سے اہم ہے اور اس کا ایک مسکت جواب موجود ہے۔ ہم اس شہر میں انہی سیاح ہیں۔ ہم کناٹ پلیس اور انڈیا گیٹ وغیرہ میں گھومتے رہے اور پھر اتنے تھک گئے کہ آگرہ روانگی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔" میں نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا "یہ تم نے بہت اچھا کیا کہ دہلی سے امرتسر کی پرواز پر تم نے میرے اور غزالہ کے لیے مسٹر اور مسز بی کے چوپڑہ کے نام استعمال کیے تھے۔ دنیا کی کوئی طاقت یہ ثابت نہیں کر سکے گی کہ ہمارا امرتسر کی طرف فرار ہونے کا کوئی ارادہ تھا۔"

"راجیے ادارے بہت سفاک اور بے رحم ہوتے ہیں۔ وہ ثبوت اور گواہی پر نہیں چلتے۔ بس کسی کے ذہن میں کوئی شک پیدا ہو جائے تو اسی پر کارروائی کا آغاز کر دیا جاتا ہے۔ بقیہ کمی کھرڈ گری کے تشدد سے پوری کر لی جاتی ہے۔"

"مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ میں آہنی اعصاب کا مالک نہیں ہوں۔" میں نے اپنے لہجے کی سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا "میں نے راستے میں اپنے اقدام کے نتائج کے بارے میں خاصا غور کیا ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ میرا یہاں رکنا میرے لیے سود مند ہوگا۔ میں نے فرار یا روپوشی کی راہ اختیار کی تو مظہر خان اور غزالہ کا نام جھنڈے پر چڑھ جائے گا۔ بھارت کی سرزمین میرے لیے ممنوعہ بن جائے گی اور میں کبھی ادھر کا رخ نہیں کر سکوں گا۔"

"تم بہت ضدی ہو۔" عابد علی نے تھک کر ہتھیار ڈال دیے "میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ راوالے تمہارے ساتھ جو بدسلوکی کریں گے' اسے روکنا ہمارے بس سے باہر ہوگا۔ ہم پس پردہ رہ کر کام کرنے والے لوگ ہیں۔ کیسی ہی ناگزیر مجبوری کیوں نہ ہو' کھل کر سامنے نہیں آ سکتے۔"

"میں جانتا ہوں۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ بس دعا ضرور کرنا کہ میرا فیصلہ درست ثابت ہو۔"

"کاش! میں اپنا دل چیر کر تمہیں دکھا سکتا۔" وہ جذبات سے قدرے مغلوب ہو کر بولا "میرا رواں رواں تمہاری کامیابی کا آرزو مند ہے لیکن میرے دل میں اندیشوں کے سنپولیے کلبلا رہے ہیں۔ میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ یہ فیصلہ تم کو اذیتوں میں ڈال دے گا۔"

وہ عابد علی کا آخری اور بھرپور حربہ تھا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر اس کی پشت پر ہلکی سی تھپکی دی اور کہا "تم نے اپنا فرض پورا کر لیا۔ اب مزید کچھ نہ کہنا۔ ویرانوں کا سفر کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والے خطرات سے نہیں ڈرتے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں نظر انداز نہ کریں لیکن بات پوچھ گچھ سے آگے نہیں بڑھے گی اور چند روز کے بعد مجھے ایک بار پھر تمہارے ساتھ کام کرنے کا موقع مل سکے گا۔"

اسی وقت باہر کسی گاڑی کے رکنے اور انجن بند ہونے کی ہلکی آوازیں آئیں جو رات کے گہرے سناٹے میں کافی نمایاں تھیں۔

مجھے توقع تھی کہ غزالہ' سرلا دیوی کے ساتھ واپس لوٹ آئی ہوگی مگر عابد علی کے چہرے کے وحشت انگیز تاثرات دیکھ میں بوکھلا گیا۔

"خاموشی سے باہر رینگ آؤ!" کمرے کی بند فضا میں عابد کی سرسراتی ہوئی آواز میرے کانوں تک پہنچی "یہ سرلا کی گاڑی کے انجن کی آواز نہیں ہے۔ ہمیں چھپ کر دیکھنا ہوگا کہ ایسے نامناسب وقت پر کون یہاں آیا ہے۔"

وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنی جگہ پر نہیں رکا۔ بات پوری کرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کی بات حق بجانب تھی۔ اس وقت خطرے کے کسی بعید ترین امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں نے کسی تردد کے بغیر خاموشی سے اس کی تقلید کی۔ میں دروازے سے باہر نکلا تو وہ برآمدے میں روشن اکلوتا بلب بند کر چکا تھا۔

احاطے کا دروازہ کھل رہا تھا ہمارے پاس مزید مہلت نہیں تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے' دیوار سے چپک گئے۔

تاریکی میں متحرک تاریک تر نسوانی ہیولا میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ میں نے اسے پہلی نظر میں پہچان لیا اور اپنی جگہ چھوڑ دی۔ باہر کسی گاڑی کے انجن کی آواز میں نے اپنے کانوں سے سنی تھی۔ وہ آواز عابد کے لیے نئی تھی۔ ہم دونوں میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ غزالہ کس کے ساتھ اور کیوں آئی تھی اس لیے میں نے اپنی زبان سختی سے بند رکھی۔ اسی اثنا میں گاڑی کا انجن دوبارہ بیدار ہوا اور وہ ہیڈ لیمپس روشن ہونے کے بعد تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

میرے دل میں اندیشے بیدار ہو چکے تھے۔ سب سے پہلے میں نے یہ دیکھا کہ غزالہ کی چال ہموار تھی پھر جانے والی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کے انعکاس میں' میں نے اس کے لباس کو صحیح حالت میں دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ وہ بد حال کر دینے والی کسی آفت سے گزرے بغیر لوٹ آئی تھی۔

غالب امکان یہ نظر آ رہا تھا کہ وہ ٹیکسی سے آئی تھی۔ نہ جانے دل کا وہ کون سا شریف ٹیکسی ڈرائیور تھا جس نے غزالہ جیسی خوب رو اور جواں سال عورت کو منہ اندھیرے اس کے دیے ہوئے صحیح پتے پر پہنچا دیا تھا.... غزالہ نے وہ گیسٹ ہاؤس دیکھا ہوا ضرور تھا مگر اسے اس کا پتا کیسے معلوم ہوا.... سرلا دیوی خود کہاں رہ گئی تھی.... غزالہ کو واپسی کا سفر تنہا کیوں کرنا پڑا؟

چند ثانیوں میں وہ متعدد سوالات میرے ذہن میں ابھر آئے۔ گیسٹ ہاؤس کا احاطہ مختصر سا تھا۔ چند لمحوں بعد میں غزالہ کے سامنے تھا۔

برآمدے میں تاریکی پھیلتی دیکھ کر غزالہ کو گڑبڑ کا احساس ہو گیا تھا۔ میں نے خاموشی اور گرم جوشی سے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے کمرے میں لے گیا۔ ہم دونوں کے پیچھے پیچھے عابد علی بھی کمرے میں آ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور آنکھوں سے خوف عیاں تھا۔

"سرلا کہاں رہ گئی؟ تم اکیلی کیوں آئی ہو؟" دروازہ بند کرتے ہی عابد نے سوال کر ڈالے۔

"سڑک پار کرتے ہوئے' سرلا کی ایک گاڑی سے ٹکر ہو گئی۔ فکر مت کرو۔ خیریت ہو گئی۔ اس کی بائیں پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی ہے۔ کوئی اور کاری زخم نہیں آیا۔ وہ راج گھاٹ اسپتال میں ہے اور میں سیدھی وہیں سے آ رہی ہوں۔"

زندگی بنانے اور سنوارنے والی تحریروں سے آراستہ

ماہنامہ

نفسیات اور زندگی

- آپ کی نفسیاتی الجھنوں کا حل
- اپنے بارے میں جاننے کے لیے سوالنامے
- زندگی ساز اور حیات آفرین کتب کے تراجم
- نامور شخصیات کا فلسفہ کامیابی اور حالات زندگی
- شخصیت کو پرکشش بنانے کے طریقے
- بچوں کی پرورش اور تربیت کے لئے رہنمائی
- تعلیمی مسائل کا حل اور کیریئر کونسلنگ
- نفسیات کے طلباء و طالبات کیلئے تازہ ترین تحقیقات
- ازدواجی نفسیات' پامسٹری اور ہپناٹزم کے مستقل سلسلے

اور وہ سب کچھ جو خوبصورت اور خوشگوار زندگی کے لئے آپ پڑھنا چاہیں

قریبی ہیکسٹال یا براہ راست ہم سے طلب کریں

لاہور: 11-اے' سیکنڈ فلور' 87 ڈی مال فون: 6311022

کراچی: 16 جی' رضویہ سوسائٹی' ناظم آباد فون: 627628

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غزالہ نے ایک ہی سانس میں ہر بات کہہ ڈالی۔

پنڈلی ٹوٹنا بھی کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا مگر اس وقت ہم سب کے ذہنوں پر دوسری الجھنیں طاری تھیں اس لیے عابد علی نے بھی اس اطلاع کو زیادہ اہمیت نہیں دی اور قدرے جھلائے ہوئے انداز میں پوچھا "عجیب عورت ہے وہ.... کوئی حادثہ ہوگیا تھا اور وہ ہوش و حواس میں تھی تو فون تو کر سکتی تھی۔"

"یہ ڈیڑھ بجے کا واقعہ ہے۔" غزالہ نے تھکے ہارے انداز میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے بتایا "اس نے مجھے یہاں کا فون نمبر دیا تھا۔ میں تین بجے تک بار بار پبلک فون سے نمبر ملاتی رہی لیکن یہاں سے کوئی جواب نہیں ملا...."

"ہاں!" میں نے اس کی بات درمیان سے اچک کر کہا "ہم پونے چار بجے کے قریب یہاں واپس آئے تھے۔"

"اس بے چاری کو اپنی چوٹ سے زیادہ میری واپسی کی فکر تھی۔" غزالہ نے ترحم آمیز لہجے میں بتایا "اسے یہ معلوم تھا کہ مجھے چار بجے تک یہاں واپس پہنچ جانا چاہیے۔ اس نے ایمرجنسی ڈیوٹی سے واپس جانے والے ایک ڈاکٹر کی خوشامد کر کے مجھے واپس بھجوایا ہے۔ راستے میں وہ بتا رہا تھا کہ مجھے پہنچانے کی وجہ سے اس کے گھر کا فاصلہ دس گیارہ کلو میٹر بڑھ گیا۔ وہ بہت ہی شریف اور مہذب آدمی تھا۔"

"سرلا کی گاڑی کہاں ہے....؟ یہ پولیس کیس تو ضرور بنا ہوگا۔" عابد فکر مند ہوگیا۔

"سرلا کی گاڑی بازار کی پارکنگ میں کھڑی ہوئی ہے۔ اس کی نشان دہی وہ خود کر سکے گی۔ اسے ٹکر مارنے والا گاڑی سمیت موقع سے بھاگ گیا تھا۔" غزالہ بتا رہی تھی "لوگوں نے اٹھا کر اسے قریبی اسپتال تک پہنچا دیا۔ وہ بڑا اسپتال ہے مگر وہ پولیس کیس نہیں لیتے۔ سرلا نے اودھم مچا دیا کہ اس کا خون ضائع ہو رہا ہے۔ اسے پولیس رپورٹ نہیں، صرف طبی امداد چاہیے۔ بھاگنے والا کبھی کسی کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ انہوں نے سرلا سے ایک تحریر پر دستخط لینے کے بعد اسے تھیٹر میں پہنچا دیا۔ پلاسٹر اور دواؤں کے اثر سے تھوڑی دیر بعد اس کی حالت بہتر ہوگئی تھی۔"

"تم نے اسے یہ تو نہیں بتایا کہ چھ بجے کی پرواز سے تمہیں امرتسر جانا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس نے پوچھا نہ میں نے بتایا۔" غزالہ نے وضاحت کی "وہ بے چاری زخمی ہونے کے بعد بھی میری واپسی کے بارے میں فکر مند تھی۔"

"اسے بس اتنا بتایا گیا تھا کہ چار بجے تم دونوں چلے جاؤ گے۔" عابد نے کہا "اس سے امرتسر یا آگرے کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا۔"

"بات ذرا بے رحمانہ ہے۔" میں نے غور سے عابد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "لیکن تم اجازت دو تو ہم ہوٹل سے اپنی غیر حاضری کے جواز میں سرلا والے حادثے کو استعمال کر ڈالیں۔ راج گھاٹ اسپتال سے تصدیق ہو جائے گی کہ غزالہ کی سہیلی وہاں زخمی حالت میں پڑی ہوئی ہے۔"

"نہیں، میں یہ مشورہ نہیں دوں گا۔ سرلا کو غزالہ کا نام نلنی بتایا گیا تھا۔" اس نے کہا۔

"وہ شروع سے آخر تک مجھے نلنی ہی کہتی رہی۔" غزالہ نے فوراً عابد کے بیان کی تصدیق کر دی۔

وہ اہم ترین نکتہ تھا۔ سفری دستاویزات اور ہوٹل کے ریکارڈ میں اس کا نام غزالہ تھا۔ سرلا دیوی اسے نلنی کے نام سے پہچانتی تو شبہے کی ابتدا ہو جاتی اور پھر بال کی کھال نکلنی شروع ہو جاتی۔ میں نے وہ خیال اسی لمحے اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔

"تم اپنی بات پر قائم ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ فائلوں کا بندوبست مجھے ہی کرنا پڑے گا۔" عابد نے کہا۔

"مجبوری ہے۔ ذرا بنڈل نکالو۔ میں ایک نظر دیکھ تو لوں کہ ان میں کیا کچھ ہے۔" میں نے خواہش ظاہر کی۔

"آپ لوگوں کے مشن کا کیا رہا؟" غزالہ نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"مکمل ترین کامیابی حاصل ہوئی۔" میں نے آسودہ لہجے میں اسے بتایا "کرنل کو برا فائل کے ساتھ پاکستان سے متعلق بہت سا اہم ریکارڈ ہاتھ آیا ہے۔ راؤ والوں کا اہم ترین ریکارڈ اب تک جل کر خاک ہو چکا ہوگا۔ اسی ملبے میں ناگر کی خاکستر لاش بھی ہوگی۔"

"ناگر....!" غزالہ کے دہانے سے دبی دبی تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "وہ وہاں کہاں سے آگیا۔"

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ بس یہ سمجھ لو کہ اس کی موت اسے وہاں کھینچ لائی تھی۔"

اسی اثنا میں عابد مسہری کے نیچے سے فائلوں کا بندھا ہوا بنڈل لے آیا۔

"یہ سب ہو چکا ہے تو اب وقت تیزی سے نکلا جا رہا ہے۔" میرے کانوں میں غزالہ کی مضطربانہ آواز آئی "اب ہمیں جلد از جلد دہلی سے نکل جانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی ان مصروفیتوں میں امرتسر کی پرواز ہمارے ہاتھ سے نکل جائے۔ ساڑھے چار بج چکے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے فائل کے اوراق سے نظریں اٹھا کر غور سے اس کی طرف دیکھا اور دھیرے سے کہا "اب امرتسر کو بھول جاؤ۔ ہم کہیں نہیں جائیں گے۔ فی الحال دہلی میں رک کر ہر قسم کے حالات کا سامنا کریں گے۔ نئی کامیابی کے بعد پروگرام کی یہ تبدیلی ضروری ہوگئی تھی۔"

حیرت سے غزالہ کی بڑی بڑی اور نشیلی آنکھیں پیشانی پر جا چڑھیں اور اس نے تقریباً بے اعتباری سے دہرایا "آپ یہیں ٹھہریں گے۔ کیا اس طرح ہم غیر ضروری خطرات کو دعوت نہیں دیں گے؟"

"میرا بھی یہی خیال ہے لیکن مظہر اس سے متفق نہیں ہیں۔" عابد علی کو اپنی بات ایک مرتبہ پھر دہرانے کا موقع مل گیا۔

غزالہ نے اس بے چارے کی امیدوں پر اسی لمحے اوس ڈال دی۔ اس نے کسی تذبذب کے بغیر کہا "اگر آپ نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے تو پھر درست ہی ہوگا۔ مجھے اس پر پورا اعتماد ہے لیکن بے چاری این کاویل اس تبدیلی سے پریشان ہو جائے گی۔"

این کاویل کے ذکر پر عابد علی چونکا۔ میں نے سرسری لہجے میں پوچھا "کیوں؟ اسے کیا پریشانی لاحق ہو سکتی ہے؟"

"وہ رات کی ٹرین سے امرتسر کے لیے نکل چکی ہوگی۔ صبح وہاں پہنچ کر ہمارا انتظار کرے گی۔"

"یہ اس کی غلطی ہوگی۔ میں نے مل جانے کا سرسری تذکرہ کیا تھا۔ اس سے کوئی پروگرام طے نہیں ہوا تھا۔ ہم نہ پہنچے تب بھی اسے اٹاری کے راستے لاہور کی طرف اپنا سفر جاری رکھنا چاہیے۔ ہماری اور اس کی دمیں آپس میں بندھی ہوئی نہیں ہیں۔"

"این کب تک امرتسر پہنچے گی۔" عابد علی نے بے ساختہ سوال کیا۔

"یہ ریلوے شیڈول سے معلوم ہو سکے گا' اسے بتا دیا گیا تھا کہ آج رات اسے ہر حال میں دہلی سے نکل جانا ہے۔" میں نے فائلیں دوبارہ باندھتے ہوئے کہا "زیادہ سے زیادہ وہ رات کی آخری ٹرین سے امرتسر کی طرف نکل گئی ہوگی۔"

"یہ فائلیں آپ لوگ را کے دفتر سے لائے ہیں؟" غزالہ نے مجھ سے پوچھا۔

"ہاں۔ میں دیکھنا چاہ رہا تھا کہ ان میں کیا مواد ہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ ہر فائل میں کرپٹوگرافی استعمال کی گئی ہے۔"

"میں نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا کہ ان فائلوں کو پڑھنا ہمارے بس سے باہر ہے۔ ہر لفظ' فقرہ اور نقشہ خفیہ زبان میں ہے جسے اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ماہرین پڑھ سکیں گے۔" عابد نے تبصرہ کیا "ہم صرف را کے نام اور مونوگرام کو سمجھ سکتے ہیں۔"

مجھے یاد آگیا کہ نریش شرما کے دفتر میں' میں اپنی وڈیو فلم کی تلاش میں سرگرداں تھا اور عابد علی عرف گوپال ان کارآمد فائلوں میں اپنا سر کھپا رہا تھا جس کی تلاش آئی بی والوں کے لیے اولین ترجیح کا درجہ رکھتی تھی۔

"تمہیں این کے امرتسر پہنچنے کے وقت میں یکایک کیوں دلچسپی پیدا ہوگئی؟" میں نے عابد سے پوچھا۔

"میرے ذہن میں ایک خیال آیا تھا۔ اگر اس پر بھروسا کیا جا سکتا ہے تو میری ایک مشکل آسان ہو سکتی ہے۔" اس نے کہا۔

"تم کو اندر کی ہر بات معلوم ہے۔ اس کے رنگ و روپ پر نہ جاؤ۔ اپنے چہرے مہرے سے وہ امریکی ضرور لگتی ہے مگر اس کا دل ہم سب سے زیادہ پاکستانی ہے۔ اپنی تمام تر خامیوں اور خرابیوں کے باوجود وہ پاکستان کے لیے اپنی جان پر کھیل جانے کا جذبہ رکھتی ہے۔"

"پھر میں چھ بجے والی پرواز سے خود امرتسر جاتا ہوں۔" دہلی سے ویرا کی واپسی کا پروگرام سن لینے کے بعد وہ اچانک بہت زیادہ پرجوش نظر آنے لگا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "این ایسی عورت ہے کہ میرے لیے امرتسر میں اس تک پہنچنا دشوار نہیں ہوگا۔ وہ کہیں بھی نہ ملی تو امرتسر سے واہگہ کی طرف جانے والی ٹرین پر ضرور مل جائے گی۔ میں یہ فائلیں ایک تھیلے میں ڈال کر اسے دے دوں گا۔"

اس کی تجویز معقول تھی۔ وہ فائلیں ہمارے ہاتھ آگئی تھیں تو ان کا زیادہ دیر تک بھارت میں رہنا خطرناک تھا۔ حالات کسی بھی وقت پلٹا کھا سکتے تھے اگر کسی وجہ سے وہ فائلیں ہمارے ہاتھ سے نکل جاتیں تو ہم میں سے کوئی بھی عمر بھر خود کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔

"تم ضرور کوشش کرو۔ ہم دونوں اس پرواز پر نہیں جا رہے۔ تمہیں جگہ مل جانی چاہیے۔"

"کوئی اپنی نیند خراب کر کے اتنے سویرے' مہنگا ہوائی سفر کرنا پسند نہیں کرتا۔ مجھے سیٹ آسانی سے مل جائے گی۔ یہ پرواز ان لوگوں کے لیے ہے جو چند گھنٹے امرتسر میں گزار کر لاہور کی طرف سفر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"این سفید فام ہے۔ اس پر کسی کو شبہ نہیں ہو سکے گا۔ یہ خیال رکھنا کہ لاہور میں اسے اس ذمے داری سے جلد از

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جلد سبکدوش کردیا جائے۔"

"دہلی سرحد سے دور ہے اور پھر صدر مقام ہے۔ یہاں ہم بہت محتاط رہتے ہیں۔ امرتسر اور لاہور والوں کے درمیان رابطہ رہتا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ واہگہ یا لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر جلال صاحب خود این سے وہ تھیلا لے لیں۔"

"یہ بندوبست ہر اعتبار سے بہتر اور شاندار رہے گا۔" میں نے مسرت اور اطمینان کا اظہار کیا۔

ان اہم فائلوں کو پاکستان پہنچانے کی وہ راہ عابد کو اچانک سوجھی تھی۔ اس نے اپنے بے سرو سامان کمرے میں تھیلا تلاش کرنا شروع کردیا۔ وہاں ان لوگوں کی ضروریات بہت محدود اور مختصر تھیں اس لیے کوئی تھیلا وغیرہ نہیں مل سکا۔ شاپنگ بیگ اس قدر ہلکا اور غیر محفوظ تھا کہ زیادہ دیر تک گیارہ فائلوں کا بوجھ نہیں سہار سکتا تھا۔ کہیں بھی تھیلے کی پتلی سی پرت پھٹتی اور سارے خفیہ کاغذ بکھر کر رہ جاتے۔

اس موقع پر غزالہ کی نسوانی ذہانت کام آئی۔ اس نے ایک تکیے کا غلاف اتار کر عابد کے سامنے پیش کردیا۔ غلاف میں نہ صرف ساری فائلیں سما گئیں بلکہ مضبوطی سے لپٹ بھی گئیں۔ عابد نے اس غلاف کو مضبوطی سے باندھا، شاپنگ بیگ میں ڈالا اور پھر ایک چرمی دستی بیگ میں محفوظ کرلیا۔

وہ اس تھیلے کے ساتھ امرتسر کی طرف سفر کرنے کے لیے تیار تھا۔ ہم دونوں کو اپنے مختصر اسباب کے ساتھ ہوٹل واپسی کے لیے کسی تیاری کی ضرورت نہیں تھی۔

عابد کے لیے اس وقت بھی صرف گرین کوبرا فائل اہم ترین تھی جس کے حصول کے لیے اسے اپنے افسران بالا کی طرف سے ہدایت ملی ہوئی تھی۔ دیگر دس فائلوں کی افادیت کا اسے حقیقی اندازہ نہیں تھا۔ وہ اس پورے پلندے کے لیے بار بار صرف جی سی کا کوڈ استعمال کررہا تھا۔

امرتسر میں عابد کو جی سی والا تھیلا ویرا کے حوالے کرنے کے سوا کوئی کام نہیں تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اپنا کام پورا کرتے ہی وہ اگلی پرواز سے دہلی واپس لوٹ آئے گا۔ اس دوران میں وہ اپنی گاڑی پوری بے فکری سے دہلی ایرپورٹ پر چھوڑ سکتا تھا۔

اس وقت حالات کچھ ایسی نہج پر آگئے تھے کہ وہ دہلی سے اپنی غیر حاضری کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اسے اپنے ساتھیوں کو بریف کرنا تھا۔ سرلا دیوی حادثاتی طور پر اسپتال پہنچ گئی تھی۔ اس کی دیکھ بھال بھی ضروری تھی کیونکہ دہلی میں ان کا خفیہ ٹھکانا اور باہمی رابطہ اسی کے ذریعے چل رہا تھا۔ وہ لوگ اپنے اپریٹس ناگزیر ضرورت کے تحت ہی استعمال کرتے تھے کیونکہ نام اور کھلی ہوئی جگہوں پر اس کی نمائش ناممکن تھی جبکہ فون ہر وقت اور ہر جگہ استعمال کیا جاسکتا تھا۔

وہ بھارت میں ماموں، انٹیلی جنس بیورو والوں کے اپنے انتظامی معاملات تھے جن سے کسی نہ کسی حد تک میرا تعلق بھی استوار ہوچکا تھا۔ ان سب سے بڑھ کر عابد کے لیے یہ بات اہم تھی کہ میں ایک خطرناک فیصلہ کرچکا تھا۔

اس نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر، مجھ سے کھلے الفاظ میں معذرت کرلی تھی کہ میرے اندازوں کے برعکس اگر میرے ساتھ کوئی سختی کی گئی تو وہ یا اس کے ساتھی میرے لیے کچھ بھی نہیں کرسکیں گے پھر بھی میری سلامتی کی طرف سے غافل اور لاتعلق نہیں رہ سکتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم تینوں نے سرلا دیوی کے گیسٹ ہاؤس کو الوداع کہہ دیا۔ پروگرام یہ تھا کہ عابد ہمیں ہمارے ہوٹل کے قریب چھوڑ کر تیزی سے ایرپورٹ کی طرف روانہ ہوجائے گا تاکہ وقت ضائع کیے بغیر امرتسر میں ویرا تک پہنچ سکے۔

گیسٹ ہاؤس سے ہوٹل کی طرف سفر کرتے ہوئے میں نے عابد کو سختی سے منع کردیا کہ وہ ویرا کو ہمارے پروگرام میں تبدیلی کی ہوا بھی نہ لگنے دے۔ اگر اس کی کھوپڑی میں یہ بات سما جاتی کہ ہم اسے بھارت سے روانہ کرکے بے فکری سے اپنا کام جاری رکھنا چاہتے ہیں تو وہ خاص طور پر میری طرف سے بدگمان ہوجاتی اور اسی لمحے لاہور جانے کا ارادہ ترک کرکے دہلی واپس لوٹنے کی تیاری شروع کردیتی۔

ایک دوسرے کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے ہم کناٹ پلیس کے ایک حصے میں الگ ہوگئے۔ عابد اپنی گاڑی میں تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ ہم دونوں تھکے ہارے سیاحوں کی طرح خراماں خراماں ہوٹل کی راہ ہولیے۔

کناٹ پلیس کی جگمگاتی ہوئی دکانیں بند ہوچکی تھیں، ساری رونقیں دم توڑ چکی تھیں مگر پھر بھی وہ علاقہ سنسان نہیں ہوا تھا۔ کہیں کہیں کوئی شب بیدار جوڑا یا کوئی بہکا ہوا شرابی مست خرامی کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ شہر کے ان مہمانوں کا ساتھ دینے کے لیے دہلی کے بلدیاتی عملے کے متعدد مرد و زن اپنی جھاڑوئیں سنبھالے سڑکوں پر نکل آئے تھے تاکہ اگلی صبح کے بازار سجنے سے پہلے پچھلے روز کا کوڑا کرکٹ سمیٹ کر ٹھکانے لگا سکیں۔

ہم ہوٹل کے روشن مگر خوابیدہ پورچ میں داخل ہوئے تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باوردی دربان نے دور ہی سے اندازہ لگالیا کہ ہوٹل کے تھکے ہارے مہمان واپس آرہے ہیں۔ اس کے ایما پر ایک نوجوان اور باوردی پورٹر دروازہ کھول کر تقریباً دوڑتا ہوا ہماری طرف آیا اور اس نے ہمارے مختصر تھیلے اپنی تحویل میں لے لیے۔ وہ بوجھ زیادہ نہیں تھا مگر اس وقت مجھے گراں گزر رہا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ہوٹل کا مستعد عملہ اپنے مہمانوں کی خدمت کے لیے اتنا چوکنا رہتا تھا۔

مسافروں سے معقول ٹپ کی امید اپنی جگہ ایک محرک تھی لیکن اس کے باوجود وہ سروس متاثر کن تھی۔

رات اپنے آخری سانس پورے کرکے دم توڑ چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد صبح کا ملگجا اجالا' رات کے گھور اندھیروں کو نگل جانے والا تھا۔ ان لمحات میں ہوٹل کے عملے پر بھی تکان اور سستی طاری ہوچکی تھی مگر مجھے دیکھتے ہی کاؤنٹر پر موجود لڑکی نے اپنے چہرے پر زبردستی مسکراہٹ سجالی تھی۔ غزالہ کاؤنٹر سے ذرا دور رک گئی تھی۔

وہ لڑکی میرے لیے اجنبی تھی مگر نوید یہ تھی کہ ہوٹل میں کمرے دستیاب تھے۔ میرے مزید استفسار پر معلوم ہوا کہ وہ کمرا بھی خالی تھا جو پچھلی شام تک ہمارے تصرف میں تھا۔ بظاہر ہوٹل میں میرا وہ قیام پچھلے قیام کا تسلسل تھا لیکن اس لڑکی کی حد تک سب کچھ نیا تھا۔ اس بار میں نے پچھلی غلطی کا ازالہ کرتے ہوئے اپنے اور غزالہ کے لیے الگ الگ کمروں کی فرمائش کی۔

میرے پرانے کمرے سے ملحق کوئی کمرا خالی نہیں تھا مگر لڑکی نے میری خواہش کا احترام کرتے ہوئے غزالہ کے لیے اسی فلور کا ایک قریب ترین کمرا بک کردیا۔ مختصر سی رسمی کارروائی کی تکمیل کے دوران میں لڑکی پر منکشف ہوا کہ پچھلی شام ہم اسی ہوٹل میں مقیم تھے۔ غیر ملکی بلکہ شاید پاکستانی ہونے کی وجہ سے ہمارا یہ بتانا ضروری تھا اس ہوٹل میں قیام سے پہلے ہم کہاں رہ رہے تھے۔

ہم ہوٹل کے چیک ان ٹائم سے پہلے بلکہ علی الصباح ہوٹل پہنچے تھے اور ہم پر گزری ہوئی رات کا کرایہ ادا کرنا واجب تھا یوں اصولی طور پر اس ہوٹل میں ہمارا قیام مسلسل ہوگیا۔ بس درمیان میں بکنگ کی تنسیخ اور تجدید کا مختصر دورانیہ تھا جو چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں تھا۔

الگ الگ کمروں کی تجویز مجھے بروقت سوجھی تھی۔ میں نے وہ بات غزالہ کو بتائی تو اس کا منہ بن گیا "اس کی کیا ضرورت تھی۔ ہم کمروں کے درودیوار تکنے کے لیے تو یہاں نہیں آئے۔ میں آپ کے کمرے میں ہی رہوں گی۔"

"جہاں چاہو' رہ لینا۔" میں نے نرمی سے اسے سمجھایا "یہ نہ بھولو کہ پاسپورٹ کے مطابق ہم میاں بیوی نہیں ہیں۔ ہمارے ایک کمرے میں قیام کی وجہ سے چیکنگ کے دوران میں ایک پولیس افسر اور پھر رینا اجیت رائے ہماری طرف متوجہ ہوئی تھی۔"

وہ تلخ تجربہ یاد آتے ہی غزالہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی "آپ ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتے رہتے ہیں اور وہ کبھی بلاجواز نہیں ہوتا۔"

پورٹر ہمارے سفری تھیلے لیے' لفٹ کے پاس ہمارا منتظر تھا۔ مختصر سے باہمی مذاکرات کے بعد ہم اسی طرف ہولیے۔ ہمیں ہم دونوں کے کمروں تک پہنچانے کے بعد پورٹر نے بخشش لی اور واپس چلا گیا۔ اس وقت غزالہ میرے کمرے میں تھی۔

کمرے کے خنک اور خواب آور ماحول میں پہنچتے ہی رات بھر کی لمبی بھاگ دوڑ اپنا رنگ دکھانے لگی تھی۔ ناگر سے ہونے والی دست بہ دست لڑائی میں آنے والی چند اندرونی ضربات کی تکلیف بھی سر ابھار رہی تھی مگر میں ناگر کے قتل اور راکے ایک ونگ میں آتش زنی کے بعد پولیس یا کسی ایجنسی کا پہلی بار سامنا کرنے تک بہت زیادہ محتاط رہنا چاہتا تھا۔

میری کوشش تھی کہ میرے کمرے میں کوئی مشتبہ چیز موجود نہ ہو۔ میں نے اپنے بیگ میں سے بیم گن اور عابد کا دیا ہوا اپریٹس نکالا اور غزالہ کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف ہولیا۔ وہ چیزیں وہاں محفوظ رہ سکتی تھیں۔

"آپ سی ایس ڈی بھول گئے۔" میرے کمرے سے نکلتے ہوئے غزالہ نے یاد دلایا۔

"محفوظ رابطے کے لیے وہ آلہ ناگزیر ہے۔ اسے میں نے دانستہ روک لیا ہے۔" میں نے کہا۔

"اس وقت ایسی ہر چیز خطرناک ہے۔ آنے والے بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ آئیں گے۔ آپ کو کم از کم اگلے چوبیس گھنٹوں تک بہت زیادہ احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ این جا چکی ہے۔ عابد بھی شہر چھوڑنے والا ہے۔ آپ کو کس سے رابطہ کرنے کی ضرورت پیش آئے گی؟"

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ غزالہ کا آخری سوال واقعی جان دار تھا۔ میں سی ایس ڈی لینے کے لیے واپس مڑ گیا۔

ہوٹل کے ایک ہی فلور پر واقع میرے اور غزالہ کے کمروں میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ بیش قیمت فرنیچر میں کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایسی جگہ نہیں تھی جہاں وہ تینوں چیزیں چھپائی جاسکیں۔ کچھ دیر کی جدوجہد کے بعد میں ایک گوشے میں سے فالس سیلنگ کا بڑا سا ٹکڑا اوپر اٹھانے میں کامیاب ہوگیا جو شاید برقی تاروں اور ائرکنڈیشننگ کے نظام کی دیکھ بھال کے لیے مضبوطی سے نہیں جوڑا گیا تھا۔

یہ خطرہ تھا کہ ہوٹل کا فنی عملہ کسی شکایت کی صورت میں اس مقام تک پہنچ جاتا لیکن میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ ابتدائی خطرناک وقت پورا ہونے تک ہم میں سے کوئی ہوٹل والوں سے کسی قسم کی شکایت نہیں کرے گا۔ یہ امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ دوسرے کمروں کی شکایت کے ازالے کے لیے ہمارے کمروں کے کسی حصے کی چھیڑ چھاڑ کی ضرورت محسوس کی جاتی۔

غزالہ نے اپنا کمرا مقفل کیا۔ ہم دونوں نے پرانے کمرے میں لوٹ کر باری باری شب خوابی کے کپڑے پہنے اور خنک فضا میں آرام دہ بستر پر ڈھیر ہوگئے۔

میں نہ جانے کب تک گہری نیند سوتا رہا پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے چاروں طرف گھنٹیاں ہی گھنٹیاں بج رہی ہوں اور کچھ نامعلوم لوگ میرے کمرے کا دروازہ توڑنے کی کوشش کررہے ہوں۔

ابتدا میں شاید وہ خواب کا حصہ تھا لیکن وہ خواب حقیقت پر اتنا حاوی تھا کہ میری نیند زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی اور آنکھ کھل گئی۔

میرا کمرا واقعی آوازوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک طرف فون کی گھنٹی مسلسل بجے جارہی تھی۔ دوسری طرف کوئی خاصی تیز آواز میں میرے کمرے کے بند دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ میں نے بے اختیار غزالہ کی طرف دیکھا۔ وہ چادر اوڑھے گہری نیند سو رہی تھی۔

چند لمحوں کے لیے میں فیصلہ نہ کرسکا کہ پہلے کدھر توجہ دوں۔ فون میرے قریب بلکہ سرہانے بج رہا تھا اس لیے میرا ہاتھ خود بہ خود ریسیور کی طرف بڑھ گیا۔

دوسری طرف جو کوئی بھی تھا' پھٹ پڑنے کے لیے بے چین تھا۔ فون کی گھنٹیوں کا سلسلہ موقوف ہوتے ہی اس نے سمجھ لیا کہ ریسیور اٹھالیا گیا تھا۔ میری کوئی آواز سننے سے پہلے ہی اس نے بولنا شروع کردیا "ابھی تک کہاں مرا ہوا ہے..... دروازہ کھول ورنہ میرے ساتھی دروازہ اکھاڑ دیں گے۔"

وہ غراہٹ سنتے ہی میں سناٹے میں آگیا۔ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ایسی غنڈا گردی اور دیدہ دلیری میرے تصور سے باہر تھی۔ میں جن لوگوں کی زد میں آیا ہوا تھا' ان سے کچھ بھی بعید از قیاس نہیں تھا۔ وہ ہر قسم کی درندگی اور زبردستی کے مظاہرے پر قادر تھا۔

مجھے یقین ہوگیا کہ رما کا کوئی آدمی تھا جو ہوٹل کی لابی سے انٹرکام کے ذریعے مجھے بیدار کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ اوپر اس کے ساتھی میرے کمرے کے دروازے پر موجود تھے۔ میرے لیے دروازہ کھولنے کے سوا کوئی راہ نہیں تھی۔

میں رما والوں کی طرف سے ایسے کسی بھی وحشیانہ ابتدائی ردِعمل کے لیے تیار تھا۔ ان کا خونی بھیڑیا اپنے ہی ایک دفتر میں عبرت ناک موت مارا جاچکا تھا۔ ان کا اہم ترین ریکارڈ آگ کے بے رحم شعلے چاٹ گئے تھے۔ کسی زخم خوردہ سانپ کی طرح وہ کہیں بھی پھن مار سکتے تھے۔

اگر میں کمرے کا دروازہ کھولنے میں تاخیر کرتا تو وہ شاید دروازہ نہ اکھاڑتے لیکن ہوٹل کی انتظامیہ سے مدد لے کر ماسٹرکی کے ذریعے تالا کھلوا سکتے تھے۔ میں نے تیزی سے بستر چھوڑا اور لپک کر دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی دو صحت مند اور جوشیلے نوجوان اندر گھس آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور دیوار سے منہ لگا کر کھڑے ہوجاؤ۔" مسلح نوجوان اپنے ریوالور کی نال کو جنبش دے کر تیزی سے غرایا۔

وہ دونوں خاصے مشتعل نظر آرہے تھے۔ میں نے خاموشی سے اس حکم پر عمل کرڈالا۔ اس دوران میں' میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اس کا دوسرا ساتھی کسی توقف کے بغیر کمرے کے اندرونی حصے کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔

اس دوران میں غزالہ کی نیند بھی اچٹ چکی تھی۔ وہ برہمی سے کہہ رہی تھی "یہ کیا طوفانِ بدتمیزی پھیلا ہوا ہے..... تم کون ہو اور کس کی اجازت سے کمرے میں آئے ہو..... یہاں کے سامان کو کیوں الٹ پلٹ رہے ہو؟"

"بک بک مت کرو اور خاموش بیٹھی رہو۔" میرے کانوں میں دوسرے شخص کی آواز آئی "ہمیں اپنا کام کرنے دو۔ اگر تم نے گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو ہم تمہاری ٹھکائی کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔"

اس کا وہ جواب تلخ اور بدتمیزی پر مبنی تھا مگر میں نے اپنے دماغ کو قابو میں رکھنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ میں نے اس جواب میں ایک دل خوش کن پیغام چھپا ہوا محسوس کیا۔ اس نے غزالہ کی ٹھکائی کے ساتھ مجبوری کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ غزالہ کے ساتھ تشدد کرنے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ اس کی طرف سے کوئی مزاحمت کی جاتی تو وہ ہاتھ اٹھانے پر مجبور ہو جاتے۔

غزالہ کی ذہانت سے مجھے امید تھی کہ اس نے بھی تو وارد کے الفاظ میں پنہاں پیغام کو سمجھ لیا ہوگا اور اس کی روشنی میں محتاط رویہ اختیار کرے گی تاکہ اسے ان کی طرف سے کسی زیادتی کا خطرہ پیدا نہ ہو۔

غزالہ نے اس دوران میں شاید یہ دیکھ لیا تھا کہ میں دونوں ہاتھ اٹھائے اور دیوار سے منہ لگائے کھڑا تھا۔ اپنی پوزیشن کی وجہ سے مجھے علم نہیں تھا کہ کمرے میں کیا کارروائی ہو رہی تھی۔ غزالہ نے مجھے ان کے عزائم سے باخبر کرنے کے لیے بلند آواز میں کہا "تم نے پورا کمرا بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ تمہیں کس چیز کی تلاش ہے۔ شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔"

"ہمیں تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔" دوسرے نے درشت آواز میں جواب دیا "ہم اپنا کام خود کر لیں گے۔ تم خاموش کھڑی رہو۔ ہمارا وقت برباد نہ کرو ورنہ تم ایک ہی ضرب میں کئی گھنٹوں کے لیے بے ہوش ہو جاؤ گی۔"

یہ قدرت کی طرف سے ایک انعام تھا کہ ان دونوں کا تعلق مردوں کے اس قبیلے سے تھا جو عورتوں کے بارے میں صاف ستھری سوچ رکھتا ہے ورنہ اس وقت تک را کے بارے میں جو کچھ سامنے آیا تھا، وہ بہت کریہہ اور گھناؤنا تھا۔

بھارت کی سب سے زیادہ فعال خفیہ ایجنسی را کی عمر بہت زیادہ نہیں تھی۔ ساٹھ کے عشرے میں بھارت کی سول اور فوجی ایجنسیوں کی مایوس کن کارکردگی اور اس کے نتیجے میں نیفا میں چین کے ہاتھوں بھارت کی ذلت آمیز شکست کے بعد یہ ضرورت شدت سے محسوس کی گئی تھی کہ نئی بنیادوں پر نئے خون کے ساتھ کسی خفیہ تنظیم کی بنیاد رکھی جائے تاکہ آئندہ ایسی فاش غلطیوں کا اعادہ نہ ہو سکے۔

را کے گھاگ بانی نے اس کام کی ابتدا پیشہ ورانہ بنیادوں پر کی تھی لیکن جلد ہی را کا چلن بدلنا شروع ہو گیا اور اس کے بڑوں نے گردوپیش کے ملکوں میں بڑھتے ہوئے معاشرتی اختلاط اور بے راہ روی کی بنیادوں پر عورتوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔

ہندو مذہب اور معاشرت میں ہمیشہ سے مرد کو ناقابلِ شکست برتری حاصل رہی ہے۔ عورت کو تیسرا اور سب سے نچلا درجہ دیا جاتا ہے۔ رنڈوے مرد کو معاشرے میں پوری عزت دی جاتی تھی لیکن چند عشروں پہلے تک بیواؤں کو منحوس اور بدقسمت قرار دے کر اپنے شوہروں کی چتا میں زندہ جل مرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ جدید بھارت میں وہ شرمناک مظاہر خال خال باقی رہ گئے تھے لیکن عورت کی ذلت و تحقیر کا سلسلہ جاری تھا۔ بہت سے خاندان بیواؤں کو اپنے لیے نیک شگون نہیں سمجھتے تھے۔ ان کو سسرال والے قبول کرتے تھے نہ میکے والے کوئی جگہ دینے کو تیار ہوتے تھے۔

ایسی مجبور اور بے سہارا عورتوں کے گزارے کے لیے پورے بھارت میں جا بہ جا اناتھ آشرم قائم تھے جہاں ایسی عورتوں سے بیگار لی جاتی تھی۔ ان آشرموں میں پنڈت، پنت، مہنت اور پجاری خوب صورت اور جوان بیواؤں کے وجود سے اپنی شاموں کو حسین بناتے تھے۔ یہ واقعات کھلے راز کی طرح ہر بھارتی کے علم میں تھے لیکن کوئی اس ظلم پر احتجاج نہیں کرتا تھا کیونکہ ان کے دھرم میں عورت ایک پست مخلوق تھی جسے مرد کی خدمت، خوشی، عیش و عشرت کے لیے پیدا کیا گیا تھا۔ اپنے شوہروں کو نگل جانے والی عورتوں کے لیے پورے ہندو سماج میں ہمدردی کا کوئی جذبہ نہیں تھا!

ہندوؤں کا وہ نظریہ بہت خاموشی کے ساتھ را کی صفوں میں سرایت کر گیا جو کام بھارت کی ایک سندر ناری اپنے ناز نخروں کے بل پر کر سکتی تھی اسے کئی سورما مل کر بھی انجام نہیں دے سکتے تھے۔ را والوں نے حسین و جمیل اور پرشباب بھارتی لڑکیوں کو اپنی بھٹی کا ایندھن بنانا شروع کر دیا۔

وہ عورتوں سے کام لے رہے تھے لیکن مذہبی اور عملی طور پر عورت کی برتری کے ذرا بھی قائل نہیں تھے۔ یہ بھارت کے کچلے ہوئے اور مظلوم طبقوں کی خوش قسمتی تھی کہ اندرا گاندھی ان کے کثیر ووٹوں سے ملک پر حکمرانی کر رہی تھی لیکن بھارت میں ایک عام عورت کو خاص حد سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

را میں کبھی کوئی عورت کسی قابل ذکر منصب تک نہیں پہنچ سکی تھی مگر بھارت کی سرزمین پر پہنچنے کے بعد مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ را کی نچلی سطح پر عورتوں بلکہ لڑکیوں سے بے زبان بکریوں کے ریوڑ کی طرح کام لیا جاتا تھا جو شکار کرنے کے چکر میں بار بار اپنی آبرو کی پامالی سے دوچار ہوتی رہتی تھیں۔ وہ اپنے شکاروں کی شکار ہی نہیں ہوتی تھیں، ان کے بڑے افسران بھی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھوتے رہتے تھے۔

آوارگی اور بے آبروئی کے ایسے شرمناک فلسفے پر عمل کرنے والی ایک بھارتی ایجنسی سے تعلق رکھنے والے ان افراد کا یہ رویہ میرے لیے حیران کن تھا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ غزالہ کے ساتھ میں نے بھارت میں رک کر ایک بھیانک اور روح فرسا خطرہ مول لیا تھا۔ میری نیت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صاف تھی۔ شاید اسی لیے وہ دونوں مہربان ہمارے کمرے میں آئے تھے ورنہ ان کی جگہ ایسے درندے بھی آسکتے تھے جو مجھ سے کوئی بات کرنے سے پہلے غزالہ کو زبردستی ہوٹل سے اٹھا لے جاتے۔

دوسرا شخص کمرے کی تلاشی لیتا رہا۔ چند منٹ بعد مسلح نوجوانوں نے اپنے ریوالور کی سرد نال میری گردن سے لگا کر دوسرے ہاتھ سے میری جامہ تلاشی لے ڈالی۔ میرے پاس سے کچھ برآمد ہوا' نہ کمرے میں کچھ مل سکا۔ آخر کار مجھے ہاتھ نیچے گرا کر ان کا سامنا کرنے کی اجازت مل گئی۔

"تم کو ہمارے ساتھ چلنا ہے۔" مسلح نوجوان نے اپنا فرمان سنایا۔

"کہاں اور تم کون لوگ ہو؟" میں نے نرم لہجے میں رسانیت سے پوچھا۔

"ہم سرکاری آدمی ہیں۔ تمہیں پوچھ گچھ کے لیے ہمارے ساتھ جانا ہوگا۔" اس نے اٹل لہجے میں گول مول سا جواب دیا۔

"اوہ! تو تم انہیں گرفتار کرنے آئے ہو؟" غزالہ نے خوف زدہ آواز میں پوچھا۔

"میں نے یہ لفظ استعمال نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ پوچھ گچھ کے نتیجے میں اس کی نوبت بھی آجائے۔"

میرے ساتھ شاید غزالہ بھی سمجھ چکی تھی کہ وہ دونوں را کے اہل کار تھے اور مجھے لے جانے کے لیے مکاری سے کام لے رہے تھے۔

ہم دونوں بھارتی سرزمین پر غیر ملکی تھے۔ اپنے پاسپورٹوں کے حوالے سے ہمارا یہ استحقاق بنتا تھا کہ بھارتی پولیس یا کوئی اور ایجنسی ہمیں کسی الزام میں گرفتار کرے تو تحریری طور پر ہمارے مقامی سفارت خانے کو گرفتاری اور اس کے اسباب سے فوراً آگاہ کرے تاکہ ہمیں قانونی امداد فراہم کی جاسکے۔ اس ذمے داری سے بچنے کے لیے وہ گرفتاری کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کر رہے تھے لیکن درحقیقت مجھے پکڑ کر لے جانا چاہتے تھے۔

"عورت! کان کھول کر سن لو۔" غیر مسلح نوجوان نے اپنی ناکام تلاشی کا سلسلہ ختم کر کے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا "میں الفاظ کے ہیر پھیر میں نہیں پڑتا۔ سیدھی سی بات ہے کہ ہم مظہر کو پکڑ کر لے جا رہے ہیں۔ تم نے اس بارے میں کسی کے سامنے زبان کھولی تو تمہارا حشر اچھا نہیں ہوگا۔ کوئی بھی پوچھے تو اسے یہی بتانا کہ مظہر چند روز کے لیے کہیں گیا ہوا ہے۔ جلد ہی لوٹ آئے گا۔"

"مگر یہ کہاں ہوں گے؟ مجھے ان کی خیر خبر کیسے ملے گی" غزالہ نے بجا طور پر ہراساں ہو کر سوال کیا۔

"تمہیں یہ سب جاننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ واپس لوٹ آئے تو سمجھ لینا کہ سب خیریت ہے ورنہ ایک ہفتے تک انتظار کرنے کے بعد اپنے پاکستان واپس چلی جانا۔ یہ سمجھ لو کہ اس وقت ہم تمہیں بہت بڑی ڈھیل دے رہے ہیں" اس شخص نے کہا۔

غزالہ کی آنکھیں خوف سے کشادہ ہو گئیں "تو تم انہیں لے جا کر مارنے کا ارادہ رکھتے ہو" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا" اس نے بے پروائی سے جواب دیا "تم سب پاکستانی مسئلے بہت خطرناک ہوتے ہو۔ دیکھنا ہوگا کہ چھان بین میں کیا سامنے آتا ہے۔"

غزالہ کو ایسے مرحلے کا پہلے سے اندازہ تھا۔ پھر بھی وہ اصل صورتِ حال کا سامنا کرتے ہوئے اپنے اضطراری ردِعمل پر قابو نہ پا سکی اور جذبات کی رو میں آکر ان کی خوشامدوں پر اتر آئی۔ میں اندازہ کر چکا تھا کہ اپنی مسلسل ناکامی پر جھلا کر وہ انہیں برا بھلا کہنے پر اتر آئے گی۔ اس پر وہ دونوں مشتعل ہو سکتے تھے جب کہ میں ان کی کسی ناراضی یا برہمی کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"تم بالکل فکر نہ کرو۔ ہمارا دامن صاف ہے۔ اپنا اطمینان کرنے کے بعد مجھے چھوڑ دیں گے" میں نے غزالہ کو دلاسا دیا اور پھر مسلح آدمی سے مخاطب ہو گیا "چلنا ہے تو جلدی چل دو۔ دیر ہوگی تو غزالہ بکھرتی چلی جائے گی۔"

اس نے غیر ضروری طور پر میرا گریبان پکڑ کر مجھے دروازے کی طرف دھکا دیا "بالکل شرافت اور خاموشی سے چلنا۔ ذرا بھی گڑبڑ کی تو گولی مار دوں گا۔ اس وقت ہمارے سروں پر خون سوار ہو چکا ہے۔"

میں اپنا غصہ پی گیا۔ میں ان دونوں سے پہلے کمرے سے باہر نکلا تو راہ داری میں ان کا تیسرا ساتھی ان کی واپسی کا منتظر تھا۔

وہ تینوں را کے تربیت یافتہ سیکرٹ ایجنٹ تھے۔ کمرے سے باہر آتے ہی دو آدمی میرے دائیں بائیں ہو لیے۔ تیسرا پیچھے آنے لگا۔

اسی ترتیب کے ساتھ ہم تینوں لفٹ سے نیچے پہنچے، ہوٹل کے استقبالیہ ہال اور برآمدے کو عبور کیا اور پھر پارکنگ لاٹ کی طرف ہو لیے۔ لوگ میرے شب خوابی کے لباس کی وجہ سے حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہم چاروں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھ رہے تھے۔

"کم از کم مجھے یہ تو بتادو کہ میرے اوپر کیا الزام یا شبہ ہے" عمارت سے نکل جانے کے بعد میں نے کہا۔

"خاموشی سے چلتے رہو" ایک نے میری پسلیوں میں کہنی مار کر جواب دیا۔

میں اپنے طے شدہ عزائم کے تحت بھیگی بلی بنا رہا۔ وہ مجھے زندہ دیکھ کر میرے اوپر کتنا ہی جبر و تشدد کر لیتے، میری ان کامیابیوں کا حساب بے باق نہیں کر سکتے تھے جو میں نے راکے ذیلی ونگ میں حاصل کی تھیں۔

پاکستان کے بارے میں راکی اہم ترین فائلیں ان کے ریکارڈ میں سے اڑالی گئی تھیں لیکن نریش شرما کے دفتر میں ہونے والی آتش زدگی کے باعث ان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکا تھا کہ دفتر میں آگ لگنے سے پہلے وہاں سے کیا کچھ اڑالیا گیا تھا۔

عابد وہ فائلیں لے کر دہلی سے امرتسر کی طرف پرواز کر گیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس وقت تک وہ ویرا کو تلاش کر کے فائلوں کا تھیلا اس کے حوالے کر چکا ہوگا اور ویرا اس مال غنیمت کے ساتھ پاکستان کی طرف روانہ ہونے کی تیاری کر رہی ہوگی۔

مجھے ان فائلوں کے متن کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ میرے لیے صرف اتنا جاننا کافی تھا کہ ہماری آئی بی ان گیارہ میں سے گرین کو برا نامی صرف ایک فائل کے حصول کے لیے ہر قیمت ادا کرنے پر تیار تھی۔ میں نے کوئی قیمت ادا کیے بغیر وہ فائل حاصل کر لی تھی اور اس کامیابی کے بعد رضاکارانہ طور پر ابتدائی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار تھا کیونکہ اس کے بعد میرے ذہن میں ایک نیا نقشہ جمنا شروع ہو چکا تھا۔ اس کا روشن ترین پہلو یہ تھا کہ ان کے ذہنوں میں ڈیمی کا نام نہیں ابھر سکتا تھا۔

پارکنگ لاٹ میں ان کا ایک ساتھی سیاہ رنگ کی ایک پک اپ کے ساتھ موجود تھا جس کے پچھلے حصے میں ہر طرف سے بند آہنی کیبن بنا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک شخص ڈرائیور کے ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا۔ بقیہ دو افراد مجھے لے کر پچھلے کیبن میں سوار ہو گئے۔

کیبن کا دروازہ دوبارہ بند ہونے سے پہلے میں نے دیکھا کہ پک اپ کے اس حصے میں صرف دو نشستیں تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ دو محافظوں کی موجودگی میں مجھے کوئی نشست نصیب نہیں ہو سکتی تھی۔ میں خاموشی سے پک اپ کے فرش پر بیٹھ گیا۔

دروازہ بند ہونے کے بعد آہنی قید خانے میں خاصی تاریکی پھیل گئی۔ اس کی بغلی دیواروں میں ہوا کی آمد و رفت کے لیے چھت کے قریب ایسے بلائنڈز لگے ہوئے تھے جن کی ترچھی پٹیوں میں سے زیادہ روشنی کا گزر ممکن نہیں تھا۔

"یہ صورت سے بالکل بے گناہ یا پھر پرلے درجے کا حرامی معلوم ہوتا ہے۔" پک اپ کا انجن اسٹارٹ ہونے کے بعد ان دونوں میں سے ایک نے پہلی بار میرے بارے میں کوئی رائے زنی کی۔

"نریش بابو کے سامنے ذرا سی دیر میں اس کی ساری اداکاری دھل جائے گی" دوسرے نے قہر بار آواز میں کہا "عقل کام نہیں کرتی کہ یہ سب کیسے ہو گیا؟"

پک اپ ایک ہلکے سے جھٹکے سے حرکت میں آگئی۔ چند ثانیوں تک گاڑی سست روی سے چلتی رہی پھر اس کی رفتار بڑھ گئی۔

پک اپ کے پچھلے حصے میں گمبھیر خاموشی چھائی رہی۔ بند آہنی دیواروں کے پار کچھ دیکھنا ممکن نہیں تھا کہ مجھے کن راستوں سے لے جایا جا رہا تھا۔ شہر میں کئی دنوں کے قیام کے باوجود دہلی میرے لیے اتنا اجنبی شہر تھا کہ ایک نظر میں راستے کو ذہن نشین کرنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔

وہ دونوں اپنی جگہوں پر بیٹھے اطمینان سے سگریٹیں پی رہے تھے۔ کافی دیر تک شہر کی مصروف سڑکوں پر سفر کرنے کے بعد جب پک اپ نے مزید تیز رفتاری اختیار کی تو ان میں سے اچانک کسی کی لات چل پڑی۔ وہ ٹھوکر میری داہنی ران پر پڑی۔ ضرب شدید نہیں تھی لیکن میں نے نہایت سرعت سے وہ ٹانگ پکڑ کر پوری قوت سے اپنی طرف کھینچ لی۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ خیال گردش کر رہا تھا کہ دونوں بچ کے آدمی تھے اور مجھے نریش بابو تک پہنچانے کے کام پر مامور کیے گئے تھے۔ غالب گمان یہ تھا کہ وہ نریش شرما کے لیے نریش بابو کے الفاظ استعمال کر رہے تھے۔

مجھ پر وار کرنے والے کو میری طرف سے کسی جوابی ا کی توقع نہیں تھی۔ میں نے پیر پکڑ کر زور لگایا تو وہ بے خبری میں اپنی نشست سے پھسل کر پر شور آواز کے ساتھ پک ا کے فرش پر آرہا۔ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور اپنی جگہ سے جست لگا کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔

پک اپ کے اس حصے میں گھور اندھیرا نہیں تھا اس لیے دوسرے محافظ کو خطرے کا ادراک ہو گیا۔ اپنے ساتھی کی مدد کرنے کے لیے وہ مجھ پر ٹوٹ پڑا۔

اس کا ردِ عمل اضطراری تھا جب کہ میں اس کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے کسی مداخلت کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھا۔ میں نے اس کے بھاری وجود کو دونوں ہاتھوں پر روک کر اپنے نیچے دبے ہوئے شخص کے چہرے اور اوپری دھڑ پر دے مارا۔ بے ساختہ دونوں کی چیخیں نکل گئیں۔

میرے سہمے سہمے اور منکسرانہ رویے کی وجہ سے وہ مجھے بزدل اور کمزور تصور کر رہے تھے۔ میں نے آناً فاناً میں اوپر والے کے چہرے پر کئی مکے رسید کیے اور اچھل کر ان دونوں سے الگ ہوگیا' وہ دونوں غراتے اور مغلظات بکتے ہوئے فرش سے اٹھے تھے۔

"ددد..... دیکھو' اب میرے قریب نہ آنا" میں نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا "لات مار کر پہل تم نے کی تھی' میرا تم سے الجھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

اس وقت تک ان میں سے ایک میرے قریب پہنچ چکا تھا۔ میرے انکشاف پر اس نے اپنے ساتھی سے پوچھا "تم نے لات ماری تھی اسے؟"

"ہاں' یہ ذلیل شخص اسی قابل ہے۔ سالے نواب کے بچے سے ایک لات برداشت نہیں ہوئی میری!"

"بس!" میرے قریب آیا ہوا شخص ہاتھ اٹھا کر پک اپ کے جھٹکے سے قدرے لہرایا اور اپنی سیٹ کی طرف جاتے ہوئے بولا "وجے! اپنے اوپر قابو رکھو۔ اس کا دماغ نریش بابو ہی درست کریں گے۔"

وجے کے ساتھی کے وہ الفاظ میرے اندازے کی تائید کر رہے تھے۔ ان دونوں کو میری توڑ پھوڑ کی کھلی آزادی نہیں دی گئی تھی۔

"نریش بابو دوسری لائن کے آدمی ہیں۔ وہ زیادہ ہاتھ پیر نہیں چلاتے" نیم تاریک کیبن میں وجے کی غراتی ہوئی آواز گونجی "اپنا کام پورا کرنے کے بعد وہ اسے ہمارے ہی حوالے کریں گے۔ پھر سالے سے گن گن کر بدلے چکاؤں گا۔"

"میں خود بھی اسے معاف نہیں کروں گا۔ تمہاری غلطی کی وجہ سے میں نے بھی اس کے مکے کھائے ہیں۔"

"اس کا حساب تو میں اسی وقت لوں گا" وجے کی غضب ناک آواز گونجی اور وہ میری طرف بڑھ آیا۔

میں نے ان دونوں کو اپنی طاقت اور صلاحیت کا احساس دلا دیا تھا۔ میرے ہاتھوں سے پٹ کر وہ ذلیل ہو چکے تھے مگر میں ہر حال میں ان کا قیدی تھا۔ میری زیادہ مزاحمت کی صورت میں وہ گولی مار کر مجھے معذور بھی کر سکتے تھے۔ بعد میں نریش سے کوئی بھی بہانہ کر سکتے تھے۔ یہی غنیمت تھا کہ میری جوابی کارروائی پر انہوں نے وقتی تحمل کا مظاہرہ کیا تھا ورنہ وہ دونوں اپنے دو مزید ساتھیوں کے ساتھ مل کر مجھے اچھا سبق سکھا سکتے تھے۔

اس بار وجے میرے قریب آکر ذرا سا ٹھٹکا۔ میں دونوں ہاتھ اپنے پہلو میں لٹکائے' آہنی کیبن کے ایک کونے سے ہوا کھڑا تھا۔ وجے کا داہنا ہاتھ حرکت میں آیا۔ میں نے ذرا بھی جنبش نہیں کی اور کیبن شڑاپ کی تیز آواز سے گونج اٹھا۔

میرا چہرہ دونوں طرف سے آہنی دیواروں کی اوٹ میں تھا۔ میرے رخسار پر وجے کا بھرپور تھپڑ نہیں پڑا مگر پھر بھی اس ضرب پر میری آنکھوں میں آنسو نکل آئے۔

"یہ تمہاری اوقات ہے" وجے غرایا "اب ہمارے منہ لگنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ اسٹریچر پر نریش بابو کے سامنے لے جائے جاؤ گے۔"

مصلحت یہ تھی کہ میں خاموش رہتا۔ میں نے بات آگے نہیں بڑھائی۔

میرے ذہن میں یہ بات پوری طرح جم چکی تھی کہ وہ لوگ میرے ساتھ جو کچھ بھی کر لیتے' اپنے خسارے کا ازالہ نہیں کر سکتے تھے۔

کچھ دیر تک یوں ہی کھڑے کھڑے جھٹکے کھانے کے بعد میں اسی گوشے میں بیٹھ گیا۔ وہ سفر تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ شاید وہ لوگ مجھے دہلی کے آباد اور مرکزی علاقوں سے نکال کر کسی مضافاتی ویرانے کی طرف لے جا رہے تھے۔

بند اور نیم تاریک وین میں مجھے وقت کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ میں شب خوابی کے لباس میں' ناشتے سے محروم بیٹھا رہا۔ پھر پک اپ کی رفتار کم ہونے لگی۔ سست روی سے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد پک اپ ٹھہر گئی اور اس کا انجن بند کر دیا گیا۔

گاڑی رکتے ہی وہ دونوں تیر کی طرح میری طرف آئے اور سختی سے میری آنکھوں پر ایک سیاہ پٹی کس کر باندھ دی۔ میں نے اس بار بھی کوئی مزاحمت نہیں کی۔ دروازہ کھول کر انہوں نے مجھے پک اپ سے نیچے اتارا۔ میں نے اپنے بدن اور بازوؤں پر مزید کئی اجنبی ہاتھوں کے لمس محسوس کیے اور پھر کئی قدموں کی ملی جلی دھمک کے ساتھ ہمارا جلوس چل پڑا۔ انہوں نے میرے ہاتھ باندھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

اس وقت رہنمائی کے لیے صرف ایک شخص نے میرا بازو تھاما ہوا تھا۔ کچی زمین پر ہمارے قدم نہیں پڑ رہے تھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیم پختہ فرش کی آہٹیں تھیں اور کھلی ہوا کے جھونکے بتا رہے تھے کہ ہم کسی میدان یا احاطے میں سے گزر رہے تھے۔

ٹھوس اور پختہ فرش پر انسانی قدموں کا آہنگ بدل گیا۔ چند سیڑھیاں عبور کرنے کے بعد کھلی ہوا ختم ہوگئی۔ جوتوں کی آواز گونجنے لگی۔ ہم کسی عمارت میں داخل ہو چکے تھے جہاں متوقع طور پر نریش شرما میرا منتظر ہو سکتا تھا۔

کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ہمیں سیڑھیاں اترنا پڑیں۔ قیاس بتا رہا تھا کہ وہ مجھے کسی تہ خانے میں لے جا رہے تھے۔ زینے ختم ہونے کے بعد ہم مزید بیس قدم چلے ہوں گے کہ میرا بازو چھوڑ دیا گیا اور کسی نے زور سے مجھے آگے دھکیل دیا۔

میں بے خبری میں لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم آگے چلا گیا۔ میرے دونوں ہاتھ آگے پھیل گئے تاکہ میں کسی ناگہانی رکاوٹ سے اپنے جسم اور چہرے کے تصادم کو بچا سکوں۔ کسی چیز سے ٹکرائے بغیر میں سنبھل کر رکنے میں کامیاب ہوگیا۔ سنبھلتے ہی میں نے اپنی آنکھوں پر کسی سیاہ پٹی اوپر اٹھائی اور فوراً پلٹ کر دیکھا تو مضبوط چوبی دروازہ بند کیا جا چکا تھا۔

اس تہ خانے میں قدرتی روشنی کا گزر نہیں تھا۔ چھت میں دو ٹیوب لائٹس روشن تھیں۔ ان روشنیوں کے بعد میری نظر ایک انسانی چہرے پر پڑی اور میری روح تک کانپ کر رہ گئی۔ اس کی چمک دار آنکھوں میں عجیب دہشت اور بے رونقی رچی ہوئی تھی۔ سر اور داڑھی کے بال بے ترتیبی سے بڑھے ہوئے تھے۔ جسم پر میلا لباس تھا۔ وہ دیوار کے سہارے اکڑوں بیٹھا میری طرف دیکھ رہا تھا۔

میں نے جوں ہی اس کی طرف پیش قدمی شروع کی، وہ خوف زدہ ہو کر چیخ پڑا "نہیں، نہیں۔ مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ میں سچ بتا رہا ہوں کہ میں انٹر سروسز کا آدمی ہوں۔ پاکستان اپنا ایٹم بم بنا چکا ہے۔ یہ سارا کام زیرِ زمین تجربہ گاہوں میں ہوتا ہے..."

وہ بول نہیں رہا تھا بلکہ ہذیانی انداز میں چیخ رہا تھا۔ میں رک کر ترحم آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ڈرو نہیں" اس کا ہذیانی دورہ ختم ہونے پر میں نے نرمی سے کہا "میں ان میں سے نہیں ہوں، ان کا قیدی ہوں۔"

وہ چیختے رہنے کے بعد تھک کر بری طرح ہانپ رہا تھا۔ چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان اس نے کہا "میں کسی پر بھروسا نہیں کر سکتا.... سب آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں مگر میں برسوں سے یہیں قید ہوں۔ پتا نہیں میری فیملی کہاں اور کس حال میں ہوگی؟ بچے کیا کر رہے ہوں گے۔ تمہیں کچھ پتا ہے ان کا؟"

"نہیں، میرے دوست! میں کچھ نہیں جانتا" اسے جواب دیتے ہوئے میرے وجود میں رقت کی ایک لہر سی دوڑ گئی "مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے اپنے بارے میں کچھ بتاؤ تاکہ میں تمہاری مدد کر سکوں۔"

"کوئی میری مدد نہیں کر سکتا.... کوئی بھی میری مدد نہیں کر سکتا" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا سر گھٹنوں میں دیا اور کسی بچے کی طرح بلک کر رو پڑا۔

میں دبے قدموں اس کے قریب پہنچ گیا، مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ طویل قید اور تشدد کی وجہ سے اس کا ذہنی توازن خراب ہو چکا تھا، اس کے کپڑے میلے تھے لیکن بدن سے زیادہ بدبو نہیں آ رہی تھی۔ شاید اسے کبھی کبھار نہانے کا موقع دیا جاتا تھا تاکہ اس کے پاس آنے والے بھارتیوں کو ناقابلِ برداشت بدبو کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہمدردی سے پوچھا "کیا تم پاکستانی ہو؟"

اس نے رونا یکلخت ترک کر دیا۔ سر اٹھایا تو اس کی آنکھیں خشک اور ویران تھیں "اتنے برس ہوگئے، اب مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں کون ہوں مگر خدا کی قسم، ایٹم بم میں نے نہیں بنایا۔ اب مجھے نہ مارنا۔ میری ہڈیوں کی قوت برداشت جواب دے چکی ہے۔ مجھے ایک بار میرے بیوی بچوں سے ملا دو۔"

میں راولوں کی قید میں آکر فکر مند نہیں ہوا تھا لیکن اس نامعلوم شخص کی حالت نے مجھے فکر مند کر دیا۔

چند ثانیے یوں ہی گزر گئے پھر دیوار میں پوشیدہ کسی اسپیکر سے ایک انسانی آواز گونج اٹھی "مظہر خان! میں نریش شرما بول رہا ہوں۔ اس سیل میں موجود وحشی انسان کے روپ میں شاید تم نے اپنا مستقبل دیکھ لیا ہوگا۔ تم جو کہنا چاہتے ہو کہہ ڈالو۔ تمہاری ہر آواز مجھ تک پہنچ رہی ہے۔ خفیہ کیمرے کی آنکھ سے میں اس وقت تمہاری ہر نقل و حرکت کو دیکھ رہا ہوں۔"

"میں یہ سب سمجھنے سے قاصر ہوں۔ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟" میں نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

"سچ جاننے کے لیے۔ سچ نہ اگلنے والوں کا جو انجام ہوتا ہے، اس کی ایک مثال تمہارے ساتھ بیٹھی ہے۔"

"میں تمہیں ہر بات سچ سچ بتا چکا ہوں۔ اب تم کیا جاننا چاہتے ہو؟" میں نے گھبرا کر سوال کیا۔ کوئی پوشیدہ کیمرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے چہرے پر مرکوز تھا اس لیے صد اکاری کے ساتھ بہترین اداکاری بھی میری ناگزیر ضرورت بن گئی تھی۔

"ناگر سے تمہارے کیسے مراسم تھے؟" نریش براہِ راست اپنے مطلب کی بات پر آگیا۔ اس نے حال کے بجائے ماضی کے بارے میں سوال کیا تھا۔

"بہت تند خو اور کینہ پرور آدمی ہے" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ حال کے صیغے میں جواب دیا "کل اس سے میری دوسری اور آخری ملاقات ہوئی تھی۔ اس سے پہلے وہ میرے فنگر پرنٹس لینے کے لیے رینا کے ساتھ میرے ہوٹل میں آیا تھا۔"

"جو باتیں مجھے معلوم ہیں وہ دہرانے کی ضرورت نہیں۔ میں اندر کی کہانی جاننا چاہتا ہوں" نریش کی آواز سرد ہوگئی۔

"ہمارے درمیان کوئی خفیہ رابطہ نہیں ہے" میں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا "رینا نے مجھے بتایا تھا کہ وہ بلیک کیٹس کا بہترین کمانڈو ہے اور اس کے ساتھی اسے خونی بھیڑیے کے نام سے جانتے ہیں۔ اس جیسے خطرناک اور پیشہ ور آدمی کے ساتھ میرے کیا مراسم ہوسکتے ہیں۔ تم اس سے پوچھ سکتے ہو۔ وہ مجھے پسند کرسکا نہ میں نے اس کے لیے کسی پسندیدگی کا جذبہ محسوس کیا۔"

"بدقسمتی یہ ہے کہ وہ ہر پوچھ گچھ سے آزاد ہوچکا ہے اسی لیے تمہاری ضرورت محسوس کی گئی ہے۔"

"کیا؟" میں حیرت اور بے یقینی سے اپنی جگہ سے اچھل پڑا "کیا وہ مرگیا؟ کل تک تو وہ بالکل ٹھیک تھا۔"

"میرے لیے افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ مرا نہیں' اسے مارا گیا ہے اور ایسی جگہ مارا گیا ہے جہاں اسے موجود نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"تو کیا تم اس کے قتل کے سلسلے میں مجھ پر کوئی شبہ کررہے ہو؟" میں نے بے ساختہ پوچھا۔

"اتنے معصوم مت بنو۔ دوستوں اور محبوبوں کو ایسے طریقوں سے نہیں بلوایا جاتا۔"

"مجھے یہ خبر تمہاری زبان سے ملی ہے۔ کل اس نے مجھے ہوٹل پر اتار دیا تھا۔ اس کے بعد میری اور اس کی کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔"

"مجھ سے رخصت ہونے کے بعد تم میرے دفتر میں دوبارہ کب پہنچے تھے؟"

"نریش جی! خدا کا خوف کرو" اس بار نریش کی سرد مہری پر میری آواز واقعی کانپ گئی "مجھے دوبارہ تمہارے دفتر جانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ کوئی معمولی دفتر نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ را کے حفاظتی حصار کو توڑ کر وہاں تک پہنچنا ناممکن ہے۔ تم مجھ پر شبہ کیوں کررہے ہو؟"

"میں جھوٹوں سے سچ اگلوانا جانتا ہوں۔ تم نے ابھی تک اپنے قید خانے کا جائزہ نہیں لیا۔ فرش میں خاص فاصلوں پر چار فولادی شکنجے گڑے ہوئے ہیں۔ ان میں تمہاری کلائیاں اور پنڈلیاں باندھ دی جائیں گی اور دباؤ رفتہ رفتہ بڑھایا جائے گا۔ چاروں ہڈیاں چور چور ہوکر پگھلا ہوا گودا باہر بہنے سے پہلے تمہاری قوت برداشت جواب دے جائے گی اور تم چیخ چیخ کر سچ بولنے لگوگے۔ یہ ترکیب میں نے دوسرے مرحلے کے لیے بچا رکھی ہے۔"

"تم مجھے گھیر کر کسی وجہ سے مارنا چاہتے ہو تو سامنے آؤ اور میرے سر یا سینے میں پگھلا ہوا سیسہ اتار دو۔ دوستی اور ایک دوسرے کا ساتھ نبھانے کے سہانے وعدے کرنے کے بعد تم آج ایک دم کیوں بدل گئے ہو؟ کیوں میرے خون کے پیاسے ہوگئے ہو؟"

"تم سے ملاقات میں سب کچھ طے ہوجانے کے بعد پلوں کے نیچے سے یکایک بہت سا پانی گزر گیا۔ جو کچھ ہوا' اسے آسانی سے کیا کسی بھی قیمت پر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیں اپنا مجرم درکار ہے اور تم اس خاکے کے لیے سب سے موزوں امیدوار ہو۔"

"نریش جی! میں پرانی گاڑیوں کا بیوپار کرنے والا ایک غریب تاجر ہوں" میں نے روہانسی آواز میں کہا "مجھے بتاؤ کہ میں ناگر کو کیوں مارتا۔ وہ مجھے پسند نہیں آیا تھا مگر اس سے میری کوئی دشمنی نہیں تھی۔ ہمیں بہت سے لوگ پسند نہیں آتے۔ کچھ سے ہم نفرت کرتے ہیں۔ کیا ہم ان سب کو ماردیتے ہیں' پہلے تم نے مفت میں مجھے پچیس ہزار روپے ماہوار آمدنی کا لالچ دے کر خریدا اور اب میری جان کے درپے ہورہے ہو۔"

"ہوش میں رہ کر کل کی کہانی سناؤ۔ مجھ سے ملنے کے بعد تم کیا کرتے رہے اور کہاں کہاں گئے؟" دیوار سے نریش کا فرمان سنائی دیا۔

میرے ذہن میں ایک لمحے کے لیے ہلچل سی مچی۔ اسے ہم لوگوں کے ہوٹل چھوڑنے اور پھر واپس آنے کے بارے میں معلوم ہوچکا تھا یا وہ اس کی طرف سے بے خبر تھا۔ میری وہ بے یقینی اسی لمحے تک برقرار رہی اور پھر زائل ہوگئی۔ اگر وہ بے خبر تھا تب بھی وہ واقعہ ہوٹل کے ریکارڈ پر تھا۔ جلد یا بدیر نریش کے علم میں آسکتا تھا۔ میری طرف سے اسے چھپانے کی کوشش میرے حق میں مضر ثابت ہوسکتی تھی۔ فیصلہ کن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لمحات آچکے تھے۔ اس بار مجھے کچھ نہ کچھ سچ بولنا تھا۔

"تمہارے پاس سے لوٹنے کے بعد میں دیر تک آنے والے خوشگوار دنوں کے بارے میں سوچتا رہا" میں نے پرخیال انداز میں کہنا شروع کیا "مجھ جیسے بے بساط آدمی کے لیے ہر مہینے پچیس ہزار روپے کی اضافی آمدنی بہت بڑی خوش خبری تھی۔ میری مشکل یہ تھی کہ رازداری کی وجہ سے میں اپنی ساتھی کو بھی اس خوشی میں شریک نہیں کرسکتا تھا۔ مجھے یاد تھا کہ تم مجھے جلد از جلد پاکستان واپس بھیجنا چاہتے ہو۔ تم نے مجھے روانگی کے لیے آج شام تک کا وقت دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ رات کو ہی آگرہ اور تاج محل کی سیر کرلی جائے۔ میری تجویز پر وہ بھی راضی ہوگئی اور آٹھ بجے کے قریب ہم نے ہوٹل چھوڑ دیا۔"

الفاظ میرے ذہن میں برجستہ جنم لے رہے تھے۔ میری کوشش یہ تھی کہ اس گفتگو میں غزالہ کا ذکر اس کے نام کے بغیر ہو۔ اس وقت راکے تمام اہل کار زخم خوردہ تھے۔ غزالہ کے نام کے ذرا سے اشارے پر نریش شرما کا ذہن ڈینی اور ویرا کی طرف جاسکتا تھا۔

اپنی اس احتیاط کے ساتھ میں نے اپنی مفروضہ کہانی جاری رکھی "میرا ارادہ تھا کہ ہوٹل سے نکلنے کے بعد ہم کناٹ پلیس گھومیں گے پھر میں کہیں سے فون کرکے تمہیں بتادوں گا کہ ہم اس وقت آگرہ کے لیے روانہ ہورہے تھے۔ ضرورت پڑنے پر میں نے اپنی ساری جیبیں دیکھ ڈالیں لیکن تمہارا کارڈ نہیں ملا۔ تمہیں اطلاع دیے بغیر میں دہلی چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ دفتر کا وقت ختم ہوئے مدت بیت چکی تھی۔ تمہارے گھر کا پتا معلوم نہیں تھا۔ مجبور ہوکر میں نے آگرہ جانے کا ارادہ ملتوی کردیا مگر ہم دونوں کے ذہنوں پر تاج محل سوار تھا۔ ہم نے ہوٹل کے بند کمرے میں لوٹنے کے بجائے دہلی کی کھلی فضا میں آزادی کا کچھ رومان پرور وقت گزارنے کا فیصلہ کرلیا۔ ہم ایک ساتھ گھومتے رہے۔ جامع مسجد اور لال قلعہ کے بعد ہم دریا گنج سے ہوتے ہوئے کناٹ پلیس واپس پہنچے تو رات بہت گہری مگر خوش گوار ہوچکی تھی۔ ہم دونوں کناٹ پلیس کے مرکزی سبزے میں جاکر لیٹ گئے۔ ہمیں اس وقت ہوش آیا جب وہاں سناٹا ہوگیا اور بھٹکے ہوئے شرابیوں وغیرہ کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا۔ تھکے ماندے ہم ہوٹل لوٹ آئے۔ نئے سرے سے بکنگ کرائی اور کمرے میں پہنچ کر بستر پر ڈھیر ہوگئے۔ تمہارے آدمیوں نے مجھے نیند سے بیدار کرکے کمرا کھلوایا تھا اور تم دیکھ رہے ہوگے کہ میں اس وقت ناشتا کیے بغیر، سونے کے کپڑوں میں اس قید خانے میں بیٹھا ہوا ہوں۔"

"تمہاری یہ کہانی بالکل جھوٹ ہے۔ میں سچ سننا چاہتا ہوں" میرے خاموش ہونے پر نریش کی آواز گونجی۔

اس کا وہ دعویٰ اس قدر پر اعتماد تھا کہ میں سناٹے میں آگیا مگر فوراً ہی سنبھل کر کہا "تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ اگر تم مجھے مارنے کا فیصلہ کرچکے ہو تو تمہیں اپنا وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔ موت سے زیادہ میں سسکتی ہوئی زندگی سے ڈرتا ہوں۔"

"تمہاری ہر بات بے سروپا ہے کیونکہ تمہارے کمرے کی تلاشی لینے والوں نے میرا دیا ہوا کارڈ وہاں سے برآمد کیا ہے۔"

نریش نے وہ بات پورے وثوق سے کہی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ میرے ساتھ بلف کررہا تھا۔ اس کا دیا ہوا کارڈ میں نے بیم گن وغیرہ چھپانے سے پہلے، اپنے ہاتھوں سے پھاڑ کر غزالہ کے باتھ روم کے کموڈ میں بہادیا تھا۔

"تم بالکل غلط کہہ رہے ہو" اس بار میں نے پرزور لہجے میں احتجاج کیا "وہ وہی کارڈ ہے تو میں اسے پہچان لوں گا۔ میں نے اس کی پشت پر اپنے ہاتھ سے اپنے ہوٹل کے کمرے کا نمبر لکھا تھا۔ تم اور تمہارے آدمی اس بارے میں مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔"

نریش نے وہ بات وہیں گول کردی اور چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا "تم مجھے یہ بتارہے ہو کہ تم کل رات آٹھ بجے سے آج صبح پانچ چھ بجے تک کناٹ پلیس کے قرب وجوار کے علاقوں کی کوچہ نوردی کرتے رہے۔ کیا یہ بات مانی جاسکتی ہے؟"

"نہ مانو۔ مجھے یقین ہونے لگا ہے کہ تم کسی نہ کسی بہانے سے مجھے ٹھکانے لگانا چاہتے ہو۔"

اس بار نریش شرما کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے دو تین بار اسے پکارا پھر بھی جواب نہیں ملا۔ شاید اس نے تہ خانے کا ساؤنڈ سسٹم بند کردیا تھا۔

مجھے ناشتے کی کمی محسوس نہیں ہورہی تھی لیکن اعصابی تناؤ کے عالم میں سگریٹ کی طلب شدت سے ستارہی تھی۔ میری اور نریش کی گفتگو کے دوران میں تہ خانے کا دوسرا قیدی احمقانہ انداز میں منہ پھاڑے ہماری باتیں سنتا رہا پھر فرش پر ایک گٹھری کی صورت میں لیٹ کر سوگیا۔

اس قیدی کی باتیں بے ربط اور مجنونانہ تھیں لیکن ان سے میں یہ نتیجہ اخذ کرچکا تھا کہ وہ کوئی بدنصیب پاکستانی تھا جسے انٹر سروسز انٹیلی جنس کا رکن ہونے کے شبے میں را

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والوں نے پکڑا ہوا تھا۔ وہ اس سے پاکستان کی ایٹمی تیاریوں کے بارے میں کچھ ایسی باتیں اگلوانا چاہتے تھے جو سرے سے اس کے علم میں نہیں تھیں۔ اس کے چہرے کی مرجھائی ہوئی کھال اور بے رونقی سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے ایک طویل مدت سے سورج کی روشنی دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

وہ اس قید خانے میں اپنی قید کا ایک بڑا حصہ گزار چکا تھا جبکہ میرے لیے اس قید کی ابتدا تھی۔

ایک طرف نریش شرما نے میری توجہ فرش پر گڑے ہوئے فولادی شکنجوں کی طرف مبذول کرائی تھی جن کے وحشیانہ اور آخری حد تک استعمال کی صورت میں کسی کا زندہ بچنا ممکن نہیں تھا۔ دوسری طرف اس نے مجھے یہ بتا کر خوف زدہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ میرا مستقبل پرانے قیدی جیسا ہو سکتا تھا۔

نریش کی ان دونوں باتوں میں تضاد تھا۔ ایک راستہ براہ راست اذیت ناک موت کی طرف جاتا تھا جبکہ دوسری راہ جسمانی تشدد کے بجائے ذہنی اور نفسیاتی مار کی نشان دہی کر رہی تھی جس میں جان کے فوری زیاں کا اندیشہ نہیں تھا۔

میں سوچ میں پڑ گیا کہ نریش کیا چاہ رہا تھا اور مجھے اس قید خانے میں پہنچانے کا کیا مقصد تھا؟

یہ بات طے تھی کہ پچھلی رات دہلی میں رونما ہونے والے واقعات نے اس مرکزی شہر کی انتظامیہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ مجھے اخبارات دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا اس لیے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ مقفل کمرے میں پڑی ہوئی جان اسمتھ کی لاش دریافت ہو چکی تھی یا وہ قتل پردۂ راز میں تھا مگر یہ ضرور طے تھا کہ را کے ایک ونگ میں رات گئے رونما ہونے والے واقعات صبح کے اخبارات میں جگہ نہ پانے کے باوجود پورے شہر کے علم میں آ چکے ہوں گے اور انتظامیہ کی طرف سے شہر بھر میں مشتبہ افراد کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کر دیا گیا ہو گا۔

اگر نریش شرما نے اسی عمومی کریک ڈاؤن کے تحت مجھ پر ہاتھ ڈالا تھا تو مجھے جلد رہائی ملنے کی امید تھی۔ میرے ذہن میں دھیرے دھیرے کڑیاں یکجا ہونے لگیں۔ اگر را والوں کے پاس میرے خلاف واضح ثبوت ہوتے تو وہ ڈنکے کی چوٹ پر مجھے گرفتار کر کے فخریہ انداز میں سارے قانونی تقاضے پورے کر ڈالتے۔ انہوں نے اس طریقے سے گریز کیا تھا۔ وجے نے میرا کمرا چھوڑنے سے قبل غزالہ کو دھمکی دی تھی کہ اس نے میری گرفتاری کے بارے میں زبان بھی کھولی تو اس کا اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہو گا۔

بظاہر یہی امکان قوی نظر آ رہا تھا کہ میں نے پچھلے دن را کے دو بڑوں سے ملاقات کی تھی اور میں ایک کمزور سا پاکستانی تھا جسے انہوں نے اس کی رنگین مزاجی کی بنیاد پر اپنے جال میں پھانس لیا تھا۔ اس بنا پر افراتفری میں نریش نے مجھے اٹھوا لیا تھا۔ وہ ان لوگوں کی ایک لگی بندھی حکمت عملی تھی کہ ہر نئے قیدی کو ابتدا میں ہی ایسے شدید ذہنی جھٹکوں سے دوچار کیا جائے کہ اصل بازپرس کی ابتدا ہونے سے پہلے اس کی ساری مزاحمتی صلاحیتیں دم توڑ جائیں اور حوصلہ جواب دے جائے۔ پراسرار انداز میں میرے تشدد آمیز اغوا کے بعد انہوں نے ان ہی مقاصد کے حصول کے لیے مجھے اس خوف آور تہ خانے میں پہنچایا تھا جہاں پہلے سے ایک پرانا قیدی سسک رہا تھا۔

ایسے ناخوش گوار اور حوصلہ شکن حالات میں خوش گمانی بھی ایک نعمت سے کم نہیں تھی۔ میں اس کے سہارے آنے والی دشواریوں کا پرعزم مقابلہ کر سکتا تھا۔

وقت گزاری کے لیے میں نے اٹھ کر تہ خانے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ سورج کی روشنی اور وافر مقدار میں ہوا کا گزر نہ ہونے کی وجہ سے تہ خانے کی فضا میں سیلن اور ہلکی سی بدبو رچی ہوئی تھی جسے دور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ تہ خانہ اپنے رقبے کے اعتبار سے خاصا کشادہ تھا جس میں چار آہنی شکنجوں کے سوا ایذا رسانی کا کوئی آلہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ نیم گولائیوں کی ساخت کے جبڑوں والی ہر بانک پر سوکھے ہوئے خون کی موٹی تہیں جمی ہوئی تھیں جن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ را کے نمائشی آلات نہیں تھے۔ گاہے گاہے انہیں استعمال بھی کیا جاتا تھا۔

چھت پر روشنیاں کچھ اس انداز میں نصب کی گئی تھیں کہ فرش روشن ہونے کے باوجود چھت اور اس سے ملحقہ دیواروں کا بالائی حصہ اندھیرے میں تھا۔ میں کوشش کے باوجود تہ خانے میں نصب اسپیکر، مائیکروفون اور خفیہ ویڈیو کیمروں کا سراغ نہیں لگا سکا۔

تہ خانے کے ایک گوشے میں بغیر دروازے کا باتھ روم تھا جہاں پانی کی ٹونٹی میں اس وقت بھی پانی آ رہا تھا۔ تنہائی کی اس سخت قید میں وہ باتھ روم ایک نعمت معلوم ہوتا تھا جو را کے افسروں نے غلطی سے قیدیوں کو فراہم کر دیا تھا۔ مجھے اس کے استعمال کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

عجلت اور بھگدڑ میں میری رسٹ واچ بھی ہوٹل میں رہ گئی تھی۔ میں اس اجاڑ اور وحشت انگیز تہ خانے میں تنہا بھٹکتا رہا۔ میرا ساتھی فرش پر اتنی گہری نیند سویا تھا کہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے دوبارہ اٹھنے بلکہ پہلو بدلنے تک کا نام نہیں لیا تھا۔ اس مہیب تنہائی سے گھبرا کر میں کئی مرتبہ مضبوط چوبی دروازے تک گیا اور وہاں رک کر دوسری طرف کی سن گن لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ دروازے کے پار گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔

نریش شرما اپنے ساؤنڈ سسٹم پر مجھ سے پوچھ گچھ کر کے غائب ہو گیا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ دوسری ہنگامی مصروفیات میں الجھ کر کہیں وہ مجھے بھول ہی نہ گیا ہو۔

میرے اندازے کے مطابق دوپہر کے بعد چوبی دروازہ کھلا۔ میں اپنے دل پر جبر کر کے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ آنے والے تعداد میں دو تھے۔ ایک سب مشین گن لیے دروازے پر کھڑا رہا دوسرا ایک گول پلیٹ لیے میری طرف بڑھ آیا۔ اس پلیٹ میں چائے کی ایک شکستہ پیالی اور تین خشک ٹوسٹ رکھے ہوئے تھے۔

"جلدی ناشتا کر لو۔ تمہیں پیشی پر جانا ہے" اس نے پلیٹ میرے حوالے کرتے ہوئے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔

میں نے ممنون نگاہوں سے اس خبیث کی طرف دیکھا اور پلیٹ لے لی۔ چائے پھیکی اور ٹھنڈی تھی لیکن کچھ نہ ہونے سے بہرحال بہتر تھی۔ میں نے سوکھے ہوئے باسی ٹوسٹ چائے میں ڈبو کر اپنے حلق سے اتارے تو انہوں نے پیالی سے چائے کی آخری بوند تک چوس لی۔ میرے فارغ ہوتے ہی اس نے میرے آگے سے دونوں برتن اٹھا لیے۔ ساتھ ہی مجھے بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔

میں نے اپنے بدنصیب ساتھی پر نظر ڈالی۔ وہ بدستور سویا ہوا تھا۔ میں اپنے نئے میزبان سے آگے دروازے کی طرف ہو لیا۔

مجھے حیرت تھی کہ اس بار میری آنکھوں پر پٹی نہیں باندھی گئی تھی مگر میری وہ حیرت زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ چوبی دروازہ باہر سے مقفل کرنے کے بعد گن مین اپنی گن تانے ہوشیار کھڑا ہو گیا اور پلیٹ والے نے میری پیشانی پر چڑھی سیاہ پٹی بے رحمی سے آنکھوں پر کھینچ دی۔

اس بار میرا سفر مختصر ثابت ہوا۔ مجھے تہ خانے سے نکال کر اسی عمارت کے کسی کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ مجھے لانے والے دونوں آدمی مجھے وہیں رکنے کی ہدایت دے کر واپس لوٹ گئے، جاتے ہوئے انہوں نے کمرے کا دروازہ باہر سے بولٹ کر دیا تھا۔

میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ اس وقت کمرے میں میرے سوا کوئی ذی روح نہیں تھا۔ میرے دونوں ہاتھ آزاد تھے۔ میں نے جھجکتے ہوئے اپنی آنکھوں پر سے پٹی اتار دی۔

وہ کمرا واقعی ہیبت کدہ تھا۔ وہاں دیواروں کے ساتھ ایذا رسانی کے متعدد چھوٹے بڑے مشینی اور برقی آلات لگے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ راوالوں نے وہاں اپنے شکار کی انگلیوں سے لے کر اس کے پورے وجود تک کو بھیانک اذیتوں سے گزارنے کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ وہاں برقی جھٹکے دینے کے آلات کے ساتھ، چھت سے خون آلود تار اور رسیاں بھی جھول رہی تھیں۔

اس کمرے کا ایک دروازہ وہ تھا جس سے مجھے اندر لایا گیا تھا۔ دوسرا دروازہ بغلی دیوار میں تھا۔

یہ سوچ کر میرے ذہن پر خلجان سا طاری ہونے لگا کہ تھوڑی دیر بعد مجھے ان میں سے کسی اوزار کے سپرد کیا جانا تھا۔

راوالے کام کرنے کے ڈھنگ نرالے تھے۔ وہ عیش و عشرت کے ساتھ اذیت کی انتہا سے کام لے رہے تھے۔ ایک طرف حسین اور دلکش بھارتی دوشیزاؤں کی اداؤں کے رنگین جال تھے جن میں پھنسنے والے بھول کر بھی کسی اذیت کے بارے میں نہیں سوچ سکتے تھے۔ اس حسین اور مسحور کن کھیل کے اختتام پر اذیت و عقوبت کے وہ حیوانی آلات اور حربے تھے جن کے سائے میں انسان عیش و آرام کا تصور تک نہیں کر سکتا تھا۔

تہ خانے کے مقابلے میں وہ کمرا زیادہ صاف ستھرا اور اہم نظر آ رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں بھی نگرانی کے خفیہ آلات اور کیمرے ضرور نصب ہوں گے۔ میرے دل میں خواہش تھی کہ میں ان چیزوں کو قریب سے چھو کر دیکھوں لیکن میں اپنی جگہ جما کھڑا رہا۔ میں اپنی کسی حرکت سے راوالوں کو یہ نتیجہ اخذ کرنے کا موقع نہیں دینا چاہ رہا تھا کہ میں ان کے شعبدوں کی نمائش سے مرعوب ہو گیا تھا۔

اس کمرے میں گھومنے اور جھولنے والی دو آرام دہ کرسیاں بھی پڑی ہوئی تھیں مگر میں نے ان کا رخ نہیں کیا۔ جب تک راوالے کھل کر میری حیثیت کا تعین نہیں کر دیتے تھے، میں خود کو بدترین آزمائشوں کے لیے تیار رکھنا چاہتا تھا۔

میرا وہ انتظار زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ کمرے کا اندرونی دروازہ کھلا اور نریش شرما سبک روی سے چلتا ہوا اندر آ گیا اور سیدھا ایک آرام کرسی پر جا بیٹھا۔ اس کا چہرہ گمبھیر نظر آ رہا تھا۔

"اب تم کیا کہتے ہو؟" کرسی پر چند ثانیوں تک جھولتے رہنے کے بعد نریش نے پوچھا "تہ خانے اور اس کمرے کی سیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے کے بعد تمہارے خیالات میں کوئی نہ کوئی مثبت تبدیلی ضرور آئی ہوگی۔ اس وقت تم زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑے ہوئے ہو۔ تمہارا ایک سچ تمہارے لیے زندگی کی نوید بن سکتا ہے۔"

"میں سچ تمہیں بتا چکا ہوں۔ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔ میں اپنے ہر انجام کے لیے تیار ہوں" میں نے دل پر پتھر رکھ کر جواب دیا۔

"اپنے وطن کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" وہ اچانک ایک غیر متعلق سوال پوچھ بیٹھا۔

"میں اس سے محبت کرتا ہوں" میں نے انجام سے بے خوف ہو کر بلا توقف کہہ ڈالا۔

"ہم سے پچیس ہزار روپے ماہانہ کا سودا کرنے کے بعد بھی تم اپنے اس دعوے پر قائم ہو؟" نریش شرما کی طرف سے اعصاب شکن سوالات کا سلسلہ جاری تھا اور میں پوری بے خوفی سے اسے مسکت جوابات دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"میں نے کوئی سودا نہیں کیا۔ اگر اب تم اسے سودا کہتے ہو تو اس کے لیے مجھے میری ویڈیو فلم کی بنا پر مجبور کیا گیا ہے۔"

"سودا نہیں تو پھر یہ کیا ہے؟ تم رقم لوگے اور ہمیں معلومات فراہم کروگے" اس نے ویڈیو فلم کے بارے میں کوئی جواب نہیں دیا۔

"اسے تم نے کروڑوں انسانوں کی فلاح و بہبود اور پُرامن بقائے باہمی کا منصوبہ قرار دیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم اس پر قائم رہنے پر تیار ہو؟" نریش شرما نے پوچھا۔

"اس وقت تم نے میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ماؤف کر دی ہے۔ پہلے تم نے ناگر کے قتل سے بات شروع کی تھی۔ مجھے اس کا قاتل قرار دیا تھا اور اب سمجھوتے اور سودے کی بات کر رہے ہو۔ آخر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

وہ طنزیہ انداز میں دھیمے سے ہنسا پھر بولا "تم یہ سب سمجھ لیتے تو اس وقت میری جگہ پر ہوتے۔ سوال کرنے کے بجائے صرف جواب دیتے رہو۔ اسی میں تمہارا مفاد ہے۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ مجھے دوسرے کاموں کو بھی دیکھنا ہے۔"

"جب تک تم اپنے وعدے سے نہیں پھرتے، میں اپنی کہی ہوئی ہر بات کی پاس داری کروں گا۔"

"ناگر سے تمہارا کیا گٹھ جوڑ تھا؟" اس نے ایک مرتبہ پھر یکایک سوالات کا رخ بدل دیا۔

"تم یہ سوال کسی بھی طرح کرلو، میرا پہلا جواب برقرار رہے گا۔ تمہیں میری بات پر یقین نہ ہو تو اپنے انکل سے پوچھ لو۔ میں نے ان سے ناگر کی سخت گیری کی شکایت کی تھی۔ ملاقات کے وقت وہ مجھ سے بلاوجہ میرا پاسپورٹ مانگ رہا تھا۔ اس سے میرے گٹھ جوڑ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تمہارا بہت پرانا اور نامور آدمی تھا۔ اسے تمہارے خلاف کسی سے گٹھ جوڑ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"انکل کو ان معمولی باتوں کے لیے فرصت نہیں ہے۔ ان کا نام درمیان میں مت لاؤ۔ تم خوش نصیب ہو کہ تم کو ان سے ملاقات کرنے کا موقع مل گیا ورنہ وہ بہت سے لوگوں کے لیے مدت سے صرف ایک نام ہیں۔"

"تم میری باتوں پر اعتبار نہیں کر رہے۔ سوال گھما پھرا کر کر رہے ہو اس لیے مجھے یہ سب کہنا پڑ رہا ہے۔"

"فی الحال میں تمہیں ہوٹل واپس لوٹنے کی رعایت دے رہا ہوں" چند ثانیوں کے توقف کے بعد نریش شرما کے ہونٹوں سے وہ الفاظ برآمد ہوئے تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے تن مردہ میں جان سی پڑ گئی ہو مگر میں نے خود پر قابو رکھا اور پتھر کے کسی مجسمے کی طرح ساکت کھڑا رہا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "یہ یاد رکھنا کہ بعض پیچیدہ ترین معاملات میں ابھی تمہاری کلیرنس نہیں ہوئی ہے۔ آنے والے دنوں کے اخبارات سے تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ تم کیسی دلدل میں پھنسے ہوئے ہو۔ اب تم میری اگلی ہدایات تک دہلی میں رکے رہوگے۔ یہ نہ بھولنا کہ تمہاری ویڈیو فلم ہمارے قبضے میں ہے۔ اسے ہر وقت تمہارے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہے۔"

"میں اس رعایت کے لیے تمہارا ممنون ہوں" میں نے لجلجاتی ہوئی آواز میں کہا "میں ایک بار پھر التجا کروں گا کہ میری فلم مجھے دے دو۔ میں کبھی تم سے سرکشی نہیں کروں گا۔ پتا نہیں تم اتنی جلد مجھ سے بدگمان کیوں ہو گئے ہو؟"

"اس فلم کو بھول جاؤ۔ وہ اب ہمارے ریکارڈ کا حصہ ہے" اس نے پُرغرور لہجے میں کہا۔

میں اس کے کھوکھلے دعوے پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ اس کے دوسرے اہم ریکارڈ کے ساتھ میں اس فلم کو نذرِ آتش کر چکا تھا اور وہ بدستور اس فلم کے نام پر مجھے فریب دینے پر تلا ہوا تھا۔

"رینا ایک لڑکی تھی۔ ابھی تم یہاں رہو گے تو ہماری اور لڑکیاں بھی تم سے ملتی رہیں گی۔ شرط یہ ہے کہ تمہارا دامن صاف ہو۔ یہ بات ہم بہت جلد معلوم کر لیں گے۔ تم کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندازہ ہو چکا ہو گا کہ یہاں ہمارے ہاتھ بہت دراز ہیں۔"

اس کی وہ ہرزہ سرائی میں نے خاموشی سے سن لی پھر نرمی سے کہا "اب مجھے اپنا نیا کارڈ دے دو۔"

"اس کی ضرورت نہیں رہی۔ میرا کوئی آدمی براہِ راست تم کو پیغام دے گا۔ تمہیں مجھ سے رابطہ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"یہ تمہاری ترجیحات ہو سکتی ہیں لیکن میرے لیے بہتر یہی ہوتا کہ کسی آڑے وقت کے لیے تمہارے فون نمبر میرے پاس رہتے۔"

"تم پر اب کیا آڑا وقت آسکتا ہے۔" اس نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا "یہاں تم نے بہت کچھ دیکھ لیا ہے۔"

"یہ آلات دوسروں کو ڈرا سکتے ہیں۔ میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں تھا اس لیے میں مطمئن تھا مگر مجھے اس بوڑھے پر ضرور دکھ ہے جو نہ جانے کب سے تہ خانے میں سسک سسک کر اپنی زندگی گزار رہا ہے۔"

"اسے ہم نے سرحدی علاقے میں سے دس سال پہلے پکڑا تھا۔" اس نے فخریہ لہجے میں بتایا "ہمارے ذرائع کے مطابق وہ آئی ایس آئی کا ایک جے سی او ہے جو سادہ لباس میں ہمارے علاقے کی ریکی پر آیا ہوا تھا۔ وہ بہت سخت جان ہے۔ تشدد نے اس کا دماغ الٹ دیا مگر اس نے کچھ اگل کر نہیں دیا۔ اب وہ اول فول باتیں کرتا ہے جو اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔ اب ہم اس کا دماغی علاج کر رہے ہیں۔"

"وہ دس سال سے تمہارا قیدی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ میرے دل میں اس قیدی کے لیے عزت و احترام کے جذبات امڈنے لگے۔

"ریکارڈ پر اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ہمارے بھی ایسے کئی بے نام و نشان قیدی پاکستان کے قبضے میں ہیں۔ وہ چھوڑے جائیں گے تو ہم اسے بھی آزاد کر دیں گے ورنہ یہ اسی تہ خانے میں اپنی زندگی کے باقی دن پورے کرے گا۔"

"تمہارے فون نمبروں کی بات ادھوری رہ گئی۔" بدنصیب قیدی کے نازک موضوع کو آگے بڑھانے کے بجائے میں نے دوسری بات چھیڑ دی "تم عارضی طور پر مطمئن ہو گئے ہو مگر دہلی کے نئے حالات میں کوئی دوسری ایجنسی مجھے تنگ کر سکتی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہاں آئے ہوئے پاکستانیوں کو ہر وقت شک و شبہے کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔"

"ہم دوسروں کے معاملات میں دخل نہیں دیتے۔" یہ کہتے ہوئے نریش نے کرسی چھوڑ دی "اگر کسی اور نے تمہارا رخ کیا تو تمہیں اپنے طور پر اسے مطمئن کرنا ہو گا۔ اس بارے میں را تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گی۔"

وہ درمیانی دروازہ کھول کر دوسری طرف غائب ہو گیا۔ چند لمحوں بعد اسی دروازے سے وہ دونوں آدمی نمودار ہوئے جو مجھے تہ خانے سے نکال کر وہاں تک لائے تھے۔ ایک نے میرے ہاتھ سے پٹی لے کر دوبارہ میری آنکھوں پر باندھ دی۔

وہ مجھے اس کمرے سے لے کر چلے تو مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ میری اگلی منزل کیا ہو گی۔ نریش شرما نے میری مشروط آزادی کا فرمان ضرور سنا دیا تھا مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ اس پر کب سے عمل کیا جائے گا۔

جب مسافت بڑھ جانے کے باوجود زینے اترنے کا مرحلہ نہیں آیا تو مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ مجھے دوبارہ خوف آور تہ خانے میں نہیں ڈالا جا رہا تھا۔ چند منٹ تک چلنے کے بعد میں نے اپنے چہرے پر کھلی ہوئی تازہ ہوا کے جھونکے محسوس کیے تو میرا خوش ہو گیا کہ میں اس عمارت سے باہر پہنچ چکا تھا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد مجھے ایک گاڑی کے پچھلے حصے میں سوار کرا دیا گیا جس کے قریب پہلے سے چند افراد موجود تھے۔

گاڑی کے حرکت میں آنے کے بعد میری آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کھول دی گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ گاڑی وہی تھی جو مجھے لانے کے لیے استعمال کی گئی تھی۔ گاڑی اگر وہ نہیں تھی تو بڑی حد تک اس سے مماثل ضرور تھی لیکن اس بار مجھے واپس لے جانے والے چہرے نئے تھے۔

○☆○

وہ لوگ مجھے ہوٹل کے کمرے سے زبردستی اٹھا کر لے گئے تو غزالہ کے فرشتے کوچ کر گئے تھے۔ اسے میرے ساتھ اپنا مستقبل بھی مخدوش نظر آنے لگا تھا۔ وہ عورت ذات تھی اور بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ جب بدفطرت مرد عورت کے خلاف صف آرا ہوتے ہیں تو کہاں تک جا سکتے ہیں۔

ان اندیشوں کی روشنی میں اسے یہ سن کر اطمینان ہوا تھا کہ مجھے لے جانے والوں نے اسے مکمل زبان بندی کی ہدایت کی تھی۔ غزالہ نے وجے کے اس حکم پر یوں عمل کیا کہ میرے جانے کے بعد اسی کمرے میں محصور ہو کر رہ گئی جو میرے نام پر بک تھا۔ وہ کمرا جو غزالہ کے نام پر لیا گیا تھا، بدستور مقفل رہا۔

مجھے غزالہ کی حالت کا اندازہ تھا۔ میرے بدن پر موجود کپڑے روایتی معنوں میں سلیپنگ سوٹ کے زمرے میں نہیں آتے تھے لیکن وہ ایسے نہیں تھے کہ ان میں ملبوس ہو کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پورے ہوٹل میں گھوما جاسکے۔ مجھے واپس چھوڑنے والوں نے پارکنگ لاٹ میں گاڑی سے اتار دیا تھا۔ میں عقبی راستے سے ہوٹل میں داخل ہوا اور گردوپیش کو یکسر نظرانداز کرتا ہوا انٹرکام کارنر کی طرف چلا گیا۔ انٹرکام پر میں نے غزالہ کو اپنی واپسی کی اطلاع دی اور لفٹ کا رخ کیا۔

میں اسے باخبر نہ کرتا تو وہ میری دستکوں پر اپنا اطمینان کیے بغیر کمرے کا دروازہ نہ کھولتی اور مجھے دیر تک انتظار کرنا پڑتا۔ انٹرکام پر بات کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ وہ دروازے سے لگی میری منتظر تھی۔ دبیز قالین والی راہداری میں میرے قدموں کی ہلکی سی دھمک پر اس نے دروازے میں خفیف سی جھری پیدا کرکے باہر جھانکا اور پھر میرے لیے دروازہ پوری طرح وا کردیا۔ میرے اندر پہنچتے ہی وہ والہانہ انداز میں میرے گلے لگ گئی۔

راوا لے مجھے بستر سے اٹھا کر بھوکا پیاسا لے گئے تھے۔ غزالہ ایک مشرقی لڑکی تھی۔ میرے لیے جائے جانے کے بعد اس نے بھی ناشتے کے بارے میں نہیں سوچا۔ فکروتشویش کے عالم میں یوں ہی بیٹھی میری خیروعافیت سے واپسی کے لیے خدا سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتی رہی تھی۔

میں نے راکے نامعلوم ٹھکانے پر کچھ نہ کچھ روکھا سوکھا ناشتا کرلیا تھا مگر غزالہ نے اسی وقت روم سروس کو کھانا لانے کی ہدایت کردی۔

دن کے تین بج رہے تھے۔ میری طبیعت پر تکان اور کسل مندی طاری تھی۔ میں غزالہ کو چند منٹ تک انتظار کا مشورہ دے کر باتھ روم میں گھس گیا۔ را کے زیرزمین قید خانے کے بے در اور تاریک باتھ روم کے مقابلے میں ہوٹل کا کشادہ باتھ روم ایک نعمتِ غیرمترقبہ کے مترادف تھا۔ میں دیر تک پانی کی تیز دھاروں میں نہاتا رہا۔ لباس تبدیل کرکے میں باہر نکلا تو گرم گرم کھانا میرا منتظر تھا۔

"آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا' اس نے میرے اوسان خطا کردیے۔ وہ آپ کو کیوں لے گئے تھے؟" کھانے کے دوران غزالہ نے پوچھا۔

"یہ ہونا ضروری تھا۔ نہ ہوا ہوتا تو مجھے بے چینی سے ان کی آمد کا انتظار رہتا۔ دن میں' میں ان سے ملا۔ رات کو ہر طرف تباہی پھیل گئی۔ کسی بھی سبب اور ثبوت کے بغیر ان کا میری طرف متوجہ ہونا ناگزیر تھا۔"

"آپ نے مجھ سے ذکر نہیں کیا کہ آپ ان کی طرف سے کسی کارروائی کا انتظار کررہے تھے۔" غزالہ نے شکوا کیا۔

"میں ایسی باتیں بتا کر تمہیں ہراساں نہیں کرنا چاہتا تھا مگر میں ذہنی طور پر پوری طرح تیار تھا۔ میری سنائی ہوئی کہانی میں کہیں ذرا بھی جھول ہوتا تو وہ مجھے عقوبتوں میں مبتلا کرکے سچ اگلوانے کے جنون میں مبتلا ہوجاتے۔"

"مجھے اس وقت یہ واقعات ایک بھیانک خواب کی طرح محسوس ہورہے ہیں۔" وہ پھریری لے کر سرگوشیانہ آواز میں بولی "آپ نے ان سے جو کچھ بھی کہہ دیا ہو' حقائق اپنی جگہ برقرار رہیں۔ سارا منصوبہ آپ کا تھا' اس پر عمل بھی آپ نے ہی کیا پھر ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کیسے کامیاب ہوگئے۔"

"میرے جانے کے بعد سے تم نے یہ کمرا خالی تو نہیں چھوڑا تھا؟" میں نے چونک کر غزالہ سے سوال کیا۔

"میں نے ایک لمحے کے لیے بھی یہاں سے باہر قدم نہیں نکالا۔" اس نے یقین دلایا پھر کہا "آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ راوا لے ہمارے کمرے میں بگ لگا سکتے ہیں۔ صدیوں پرانا محاورہ اس دور میں سچ ثابت ہورہا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ آئندہ ہم ان واقعات کے بارے میں کوئی بات نہیں کریں گے۔ جو کچھ پوچھنا ہے اسی وقت پوچھ لو۔"

"مجھے آپ کی واپسی پر بے حد خوشی ہے مگر مجھے یہ جاننے کی خواہش ضرور ہے کہ آپ نے انہیں کیسے مطمئن کردیا۔"

"یہ سب انسانی نفسیات اور حاضردماغی کا کھیل تھا۔" میں نے اپنے منہ میں موجود لقمہ نگلنے کے بعد کہا "سب سے پہلی اور مضبوط حقیقت یہ تھی کہ چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔ ہم دونوں کی ہوٹل واپسی ہماری بے گناہی کی سب سے بڑی دلیل تھی۔ را کے حلق میں ہاتھ ڈالنے کے بعد کوئی بھی یوں منظرِعام پر رہنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ نریش کے دفتر کے واقعے میں میرا کوئی حصہ ہوتا تو مجھے فوراً روپوش ہوجانا چاہیے تھا۔"

"یہی بات ہے تو وہ آپ کی طرف کیوں متوجہ ہوئے؟" وہ بولی "آپ کی ہوٹل میں موجودگی کا یقین کرلینے کے بعد انہیں خاموش رہنا چاہیے تھا۔"

"وہ بہت بڑی واردات ہے اور یہ ان کا ملک ہے۔ یہاں وہ بے پناہ اختیارات کے مالک ہیں۔ وہ کسی چھوٹے سے چھوٹے امکان کو بھی نظرانداز نہیں کرسکتے تھے پھر انہیں یہ بھی معلوم ہوچکا تھا کہ ہم ہوٹل چھوڑنے کے بعد منہ اندھیرے دوبارہ یہاں واپس آئے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہوٹل سے ہماری طویل غیر حاضری ہمیں مشکوک بنانے کے لیے بہت کافی تھی۔ مجھے اس بارے میں پریشانی تھی۔"

میں نے جو کچھ نریش کو بتایا تھا اختصار سے غزالہ کے سامنے دہراتے ہوئے کہا "یہ واقعی بہت مشکل کام تھا۔ اس نے میرے کمرے سے اپنا کارڈ ملنے کی بات کر کے مجھے دھوکا دینا چاہا۔ وہ میرے اعتماد کو متزلزل کرنے کی ہر کوشش کر رہا تھا۔ میں نے وہ کارڈ خود ضائع کیا تھا اس لیے اپنی بات پر اڑ گیا۔ شاید وہ دوسرا نکتہ تھا جس نے نریش کے دل میں میرے لیے نرم گوشہ پیدا کر دیا ورنہ وہ بہت خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔"

"یہ بات آپ نے پہلے سے سوچی ہوئی تھی اور اسی لیے نریش کا کارڈ تلف کر دیا تھا!" اس نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا "میرا ذہن مسلسل کام کر رہا تھا۔ مجھے ان لوگوں کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے کا صرف ایک موقع ملنا تھا۔ میں اس موقع پر کہیں بھی لڑکھڑاتا تو وہ مجھے بری طرح پھانستے چلے جاتے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرا ہوم ورک کامیاب رہا۔"

"اب ہمارے لیے میدان صاف ہو چکا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میرا دل یہی کہتا ہے۔ نریش پوری طرح مطمئن نہ ہوتا تو مجھے کسی قیمت پر واپس آنے کی اجازت نہ دیتا۔ اس نے مجھ پر اپنا دباؤ برقرار رکھنے کے لیے ہدایت کی ہے کہ میں اس کی طرف سے اجازت کے بغیر دہلی نہیں چھوڑوں گا۔"

غزالہ کچھ اداس ہو گئی۔ "راوالوں پر وار کرنے کے بعد مجھے دہلی سے وحشت ہونے لگی ہے۔ میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی ہوں۔"

"میں بھی اپنی خوشی سے یہاں نہیں رکا۔ حالات اور مصلحتوں نے مجھے مجبور کیا ہوا ہے۔ وقت اور حالات کسی کی خواہشوں کے اسیر نہیں ہوتے۔ ان کے آگے انسان کو جھکنا پڑتا ہے ورنہ وہ کہیں کا نہیں رہتا۔"

"آج کے اخبار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ شاید دیر سے سامنے آنے والے واقعات اخباروں میں جگہ نہیں پا سکے۔"

"لیکن ان کے اثرات نمایاں ہیں۔ جب وہم و گمان سے باہر کے واقعات اچانک رونما ہونے لگتے ہیں تو بڑے بڑے قابل افسروں کی انتظامی صلاحیتیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور وہ بدحواسیوں کے مظاہرے کرنے لگتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ضمیمے آ گئے ہوں ورنہ شام کے اخبار سنسنی خیز کہانیاں چھاپیں گے۔ افسرانہ بدحواسیوں نے اب تک شہر میں خوف و ہراس پھیلا دیا ہو گا۔ واپسی پر مجھے ہوٹل کی لابی خالی خالی نظر آئی تھی۔"

باتوں ہی باتوں میں ہم دونوں کھانے سے فارغ ہو گئے۔ میں نے بستر پر لیٹ کر سگریٹ سلگائی تو مجھے راکا دس سال پرانا قیدی یاد آ گیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے غزالہ سے پوچھا "دہلی میں رہ کر ہم نے اب تک کیا قربانیاں دی ہیں۔"

"قربانیاں تو شاید نہیں دیں لیکن بہت بڑی کامیابیاں ضرور حاصل کی ہیں۔ این کا ویل آپ کی مرضی کے خلاف یہاں آئی تھی۔ اس نے بھی ہم سے الگ رہنے کے باوجود بھرپور انداز میں ہمارا ساتھ دیا ہے۔"

"ہم ایک دوسرے کی قصیدہ خوانیاں کر کے اپنی دنیا میں مگن رہتے ہیں مگر آج میں راکے عقوبت خانے میں ایک ایسے پاکستانی قیدی سے ملا ہوں جسے دیکھ کر مجھے اپنی کامیابی ہیچ نظر آنے لگی ہے۔ وہ عزم اور حوصلے کی ایک ناقابلِ شکست چٹان ہے۔"

"اس نے آپ کو متاثر کیا ہے تو وہ ضرور کوئی بڑا آدمی ہو گا۔" غزالہ کی آنکھوں میں اشتیاق ابھر آیا۔

"مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ پاکستانی ہے۔ وہ دس سالوں سے راوالوں کی قید میں ہے۔ ان کا ذہنی اور جسمانی تشدد سہہ رہا ہے۔ ان کی بربریت کے سبب اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے مگر اس نے اپنے سینے میں دفن کوئی راز اگل کر نہیں دیا۔ ایک چٹان کی طرح اپنی جگہ جما ہوا ہے۔"

"ہمیں اس پاکستانی کی عظمت کو سلام کرنا چاہیے۔" غزالہ نے دھیمے سے کہا "اس نے اپنے بارے میں آپ کو کچھ تو بتایا ہو گا۔"

"وہ اپنے بارے میں کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ نریش کہتا ہے کہ وہ آئی ایس آئی کا کوئی جونیئر کمیشنڈ آفیسر ہے۔ اپنے تشدد سے اس کا ذہنی توازن بگاڑنے کے بعد اب وہ اس کا علاج کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"ہمارا ملک ایسے ہی لوگوں کی قربانیوں سے زندہ ہے ورنہ ہماری صفوں میں ملک کو لوٹنے اور بگاڑنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔"

غزالہ بالکل درست کہہ رہی تھی۔ پاکستان ہمیشہ قائم رہنے کے لیے بنایا گیا تھا لیکن کچھ لوگ ایسے تھے جو روزِ اول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اس کے خلاف تھے۔ انہوں نے اپنے سارے وسائل بروئے کار لاکر ہر طرف مایوسیوں کا ایسا زہر پھیلایا تھا کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد حبِ وطن کو خیرباد کہہ کر آندھی کے بیرلوٹنے میں مصروف ہوگئی تھی۔

وہ ایک قومی المیہ تھا جس کے انسداد کے لیے بہت سی سطحوں پر کوششیں کی جارہی تھیں لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو کسی تحریص، ترغیب یا لالچ کے بغیر اپنی ذات میں ڈوب کر اس مشق کو خاموشی سے آگے بڑھا رہے تھے۔ ان میں را کے قیدی کا نام سرفہرست تھا۔

میری وہ صبح را والوں نے برباد کردی تھی۔ کچھ دیر قیلولہ کرنے کے بعد میں نے اخبار سنبھال لیا۔

اخبار کی تمہیں بتا رہی تھیں کہ کسی نے اسے کھولنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ غزالہ بستر چھوڑتے ہی ذہنی پراگندگی کا شکار ہوگئی تھی۔ اس نے شاید اخبار کے بیرونی صفحات دیکھ کر اسے ایک طرف ڈال دیا تھا۔ پچھلی رات دہلی میں جو واقعات رونما ہوئے تھے۔ وہ اخبارات کے پہلے صفحے پر جگہ پانے کے مستحق تھے کوئی احمق اور نو آموز صحافی بھی ان کی اہمیت کو گھٹانے میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ اخبار میں واقعی ان واقعات کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔

میں اخبار کی ورق گردانی کرتا رہا پھر اندر کے قومی صفحات پر ایک چنگھاڑتے ہوئے عنوان نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کرالی۔

قومی عزت نیلام گاہ پر۔ وہ اس تصویری فیچر کا عنوان تھا۔ اس کے نیچے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے نام کے آگے سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔

وہ ایک تصویری اور تیز و تند فیچر تھا جس میں عابد علی عرف گوپال کے منصوبے کے مطابق نہایت بے رحمی سے اکیڈمی کے چیتھڑے اڑائے گئے تھے۔

مضمون پڑھنے سے قبل میں نے متعلقہ تصاویر کا جائزہ لیا۔ وہ ان مظلوم لڑکیوں کی تصاویر تھیں جو باعزت روزی کمانے کا عزم لے کر تربیت کے لیے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی میں داخل ہوئیں اور را کے بعض عیاش طبع افسروں کی جنسی آزمائشوں کا نشانہ بننے کے بعد در بدر ہوگئیں کیونکہ ان افسروں نے ان لڑکیوں کو اپنے مقاصد کے لیے مسترد کردیا تھا۔ وہ تینوں لڑکیاں اپنی تربیت مکمل کرسکیں نہ را کے معیار پر پوری اتر سکیں اور پیٹ کا جہنم سرد کرنے کے لیے دنیا کے اس قدیم ترین کاروبار کا ایک حصہ بن گئیں جس میں ذاتی زینت و آرائش کے سوا مزید کسی سرمایہ کاری کی ضرورت نہیں ہوتی۔

وہ تینوں کال گرلز دہلی میں مقیم تھیں لیکن ان کا تعلق بھارت کے دور دراز علاقوں سے تھا۔ فیچر کے ساتھ رینا اجیت رائے یا کسی ایسی لڑکی کی تصویر نہیں تھی جو باقاعدگی سے را کے لیے کام کررہی ہو۔

میں نے پوری توجہ سے وہ باتصویر اخباری فیچر پڑھ ڈالا۔ مجھے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ اس میں نام لیے بغیر سرکاری ایجنسیوں کا گھناؤنا کردار بیان کیا گیا تھا۔ کسی خوف کے باعث کھل کر را کا نام لینے سے پرہیز کیا گیا تھا۔

سوالات وہی اٹھائے گئے تھے جو ہمارے ذہنوں میں ابھرے تھے۔ بھارت کے قدیم ثقافتی ورثے کے فروغ کے نام پر بعض اہم سرکاری افسران ہندو قوم کی عزت و آبرو سے کھیل رہے تھے۔ ان کے لیے عزت و حمیت کا کوئی وجود نہیں تھا۔ ان کے چنگل میں پھنسی ہوئی دلکش اور نو عمر بھارتی لڑکیاں اہم غیر ملکی شخصیات اور خاص طور پر پاکستانیوں کا دل بہلانے پر مجبور تھیں۔ وہ بے غیرتی کی انتہا تھی۔ دہلی کے ایک صاف ستھرے علاقے میں وہ گندہ کھیل کس کے ایما پر کھیلا جارہا تھا۔

کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے طریقہ واردات کے بارے میں وہ ساری تفصیلات فیچر میں سمو دی گئی تھیں جو رینا کے ذریعے میرے اور پھر عابد کے علم میں آئی تھیں۔ ان کی جزئیات میں کمی بیشی ہوگئی تھی مگر خلاصہ وہی تھا۔

میرا خیال تھا کہ بھارت میں صحافیوں کو بہت زیادہ آزادی حاصل تھی۔ وہ پوری بے خوفی کے ساتھ حقائق بیان کرسکتے تھے مگر اس فیچر نے ان کی مجبوریوں اور را کی دہشت کی پول کھول دی تھی۔ اخبار نویسوں کی پیشہ ورانہ مجبوریوں کے پیش نظر تالاب میں پھینکا جانے والا وہ پہلا پتھر بہت وزنی تھا جس کی پیدا کی ہوئی ہلچل پر آسانی سے قابو پانا ممکن نہیں تھا۔ اس رپورٹ میں را کا نام نہ ہونے کے باوجود بہت کچھ واضح تھا۔ بھارت کے باخبر حلقے آسانی سے اندازہ لگا سکتے تھے کہ اس رپورٹ میں بھارت کی کس خفیہ ایجنسی کے سیاہ کرتوتوں کا ذکر کیا گیا تھا۔

بھارت میں را والوں کے لیے برے وقت کا آغاز ہوچکا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ بھارت کا ایک قومی ادارہ تھا جس کی سرگرمیوں میں خلل انداز ہونا کسی حکومت کے بس میں نہیں تھا لیکن رائے عامہ کے دباؤ کے تحت ان کے لیے مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔ ان کی بے لگام آزادیاں محدود ہوسکتی تھیں اور ساکھ تو یقیناً مجروح ہونا ہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے پورا فیچر پڑھ کر اخبار ایک تپائی پر ڈال دیا۔

جب تک گمبھیر مسائل سر اٹھائے کھڑے تھے۔ مجھے بیم گن سمیت اپنے ہر ہتھیار سے خوف آرہا تھا لیکن مطلع قدرے صاف ہونے کے بعد مجھے شدت سے سی ایس ڈی کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی اس آلے کی موجودگی میں، میں سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں سنیل یا ولی رام سے رابطہ کر کے بہت کچھ معلوم کر سکتا تھا۔

سی ایس ڈی، بیم گن اور اپریٹس غزالہ کے کمرے میں چھپائے گئے تھے۔ وہ کمرا بکنگ کے بعد سے غیر آباد اور مقفل تھا۔ یہ فرض کر لینا حماقت سے کم نہ ہوتا کہ راوالے ہوٹل میں غزالہ کے نام پر الگ کمرے کی بکنگ سے بے خبر ہوں گے۔

نریش کو ہوٹل سے ہماری روانگی اور دوبارہ آمد کا علم تھا تو وہ بات بھی اس سے چھپی ہوئی نہیں رہ سکی ہوگی۔ صبح سے راوالوں کو کافی وقت مل چکا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ انہوں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر غزالہ کے کمرے میں خفیہ صوتی اور تصویری آلات نہ چھپا دیے ہوں۔ اگر ایسی کوئی کارروائی کی گئی تھی تو پھر ہمیں بہت محتاط رہ کر اس کمرے میں داخل ہونا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس کمرے کا باتھ روم خفیہ کیمرے کی محدود رینج سے ہر حال میں محفوظ ہوگا۔

○☆○

عابد علی بروقت ائرپورٹ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ امرتسر ایک حساس سرحدی شہر تھا۔ وہ میرے جعلی نام پر بنے ہوئے ٹکٹ پر وہاں کا سفر کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے ائرلائن کے کاؤنٹر سے رجوع کیا تو چھ بجے والی پرواز پر نشستیں دستیاب تھیں۔

وہ بھارت میں گوپال کے نام سے رہ رہا تھا۔ اس نے اسی نام سے ٹکٹ بنوالیا۔

آئی بی کے وہ تینوں آدمی بھارت میں ہر وقت خطرات کی زد میں تھے اس لیے بعض بنیادی ضرورتوں سے ہر وقت لیس رہتے تھے۔ عابد کی کار میں ضرورت کی متفرق چیزوں سے بھرا ہوا ایک بریف کیس موجود تھا۔ اس نے اپنی گاڑی ائرپورٹ کے مخصوص حصے میں پارک کرنے کے بعد وہ بریف کیس خالی کیا اور گیارہ فائلوں کا شاپنگ بیگ اسی طرح بریف کیس میں ڈال لیا تھا۔

گنتی کے اعتبار سے فائلوں کی تعداد زیادہ تھی مگر وہ بہت وزنی نہیں تھیں۔ ٹکٹ بنوانے کے بعد عابد پر ایک نئی فکر سوار ہو گئی۔ اگر وہ بریف کیس کو دستی سامان کی صورت میں اپنے ساتھ لے جاتا تو بریف کیس کو اسکیننگ مشین سے گزارا جاتا۔ اگر راکا کوئی لیٹر ہیڈ مشین کی اسکرین پر واضح ہو جاتا تو عابد کے لیے پریشانی پیدا ہو سکتی تھی۔ الیکٹرونک مشین کی جانچ پڑتال سے بچنے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ وہ بریف کیس کو دستی سامان کے طور پر لے جانے کے بجائے مقفل کر کے بورڈنگ کاؤنٹر پر دے دیتا۔ اس طرح وہ بریف کیس سرسری دیکھ بھال کے بعد دہلی سے امرتسر پہنچ سکتا تھا۔

اس متبادل طریقے میں خرابی یہ تھی کہ بریف کیس کا وزن کم ہونے کی وجہ سے کاؤنٹر کا عملہ شک و شبے میں پڑ جاتا۔ ہوائی سفر کرنے والے مسافروں میں یہ رجحان عام ہے کہ وہ منزل پر پہنچ کر سامان کے انتظار میں وقت برباد کرنے کے بجائے قدرے بھاری سامان بھی اپنے ساتھ کیبن میں لے جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ یوں وہ جہاز سے اترتے ہی ائرپورٹ سے باہر نکلنے کے لیے آزاد ہوتے ہیں۔

عابد کا ہلکا اور اکلوتا بریف کیس سامان کے طور پر وصول ضرور کر لیا جاتا لیکن پھر اس کی خصوصی پڑتال ضرور ہوتی۔ خاصے تذبذب کے بعد عابد نے وہ بریف کیس اپنے ساتھ لے کر سفر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

تلاشی کے مرحلے پر جب اس کا بریف کیس مشین سے گزارا گیا تو وہ متجسس ہو کر پہلے سے ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں سے اسکرین اسے نظر آتی رہے۔ اسکرین پر مختلف اشیا کے دھندلے خاکے نظر آئے۔ اس کے بریف کیس کے اندر ایک چوکور خانے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ بریف کیس مشین سے گزر کر پٹے پر چلتا ہوا اس کے سامنے آگیا۔ اس نے وہ مرحلہ سر ہونے پر اپنے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور لاؤنج کی طرف چل دیا۔

وہ عابد کے سفر کا اہم ترین مرحلہ تھا جو آسانی سے سر ہو گیا۔

ساڑھے آٹھ بجے عابد امرتسر کے کوئنز روڈ پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ پچھلی بار ویر اگرانڈ ہوٹل میں ٹھہری تھی۔

امرتسر میں زندگی کی رونق اور چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ پوری، پراٹھوں، دودھ، لسی کی دکانیں اور ہوٹل وغیرہ کھل گئے تھے لیکن بازار بند پڑے ہوئے تھے۔ اس نے ایک دکان پر رک کر سگریٹ کا پیکٹ خریدا اور سرسری انداز میں سوال کیا تو اسے پتا چلا کہ دہلی سے رات کو روانہ ہونے والی آخری ٹرین کافی دیر پہلے امرتسر پہنچ چکی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ٹرین کا سفر کتنا ہی آرام دہ کیوں نہ ہو، تھکا دینے والا ہوتا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ویرا امرتسر پہنچ چکی تھی تو سڑکوں پر ماری ماری پھرنے کے بجائے آرام کی غرض سے ہوٹل کی طرف ہی گئی ہوگی۔

وہ سگریٹ سلگا کر گرانڈ ہوٹل کی طرف چل دیا۔

یہ ہر سیاح اور مسافر کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ اجنبی شہر میں نئے تجربات کا خطرہ مول لینے کے بجائے پرانے تجربے سے استفادہ کرتا ہے۔ اس توقع پر عابد نے گرانڈ ہوٹل میں اپنے لیے ایک کمرا لیا تاکہ ہوٹل میں زیادہ دیر تک اپنی موجودگی کا جواز پیدا کرسکے۔

پہلے اس نے ارادہ کرلیا کہ بریف کیس کو کمرے میں محفوظ کرکے ہوٹل کی رہائشی منزلوں کا چکر لگاتا ہوا دوبارہ ہال میں آبیٹھے لیکن پھر اس نے وہ ارادہ ترک کردیا۔ یہ ممکن تھا کہ ویرا نیچے آنے کے بجائے اپنے کمرے میں پڑی آرام کرتی رہتی اور وہ ہال میں بیٹھا مکھیاں مارتا رہتا۔

اسے بنگو کی ہر حال میں ضرورت تھی۔ اس نے اپنی ڈائری دیکھ کر ایک مقامی نمبر ملایا۔ دوسری طرف ایک معمر آدمی تھا۔

"مجھے بنگو سے ضروری کام ہے۔ کیا تم اسے بلا سکتے ہو؟" عابد نے نرمی سے کہا۔

"صبح صبح کیا کام پڑ گیا اس سے۔ ابھی تو وہ سویا ہوا ہوگا۔ تھوڑی دیر بعد فون کرلینا۔ میں اسے بلاتا ہوں۔" ناگواری سے جواب دے کر فون بند کردیا گیا۔

بنگو امرتسر میں آئی بی کا خاص آدمی تھا جو اپنے اپریٹس پر کسی بھی وقت ان کے لاہور آفس سے رابطہ کرسکتا تھا۔ ویرا کے ساتھ اہم ترین بھارتی فائلوں کی روانگی کی اطلاع جلال تک پہنچانے کے لیے بنگو سے ملنا ضروری تھا۔ وہ پرانا مقامی آدمی تھا۔ ذرا سی دیر میں معلوم کرسکتا تھا کہ دہلی سے آئی ہوئی ایک میم شہر کے کس ہوٹل میں ٹھہری ہے۔

بنگو اپنی آمدنی کے لیے الٹے سیدھے دھندے کرنے کا عادی تھا لیکن دنیا دکھاوے اور شوق کے لیے غیر ملکی سیاحوں خصوصاً عورتوں کو شہر کی سیر کرانے کے لیے امرتسر کے اچھے ہوٹلوں کے چکر لگاتا رہتا تھا۔ اس کے ہر سوال کا جواب کسی عذر یا شبہے کے بغیر مل سکتا تھا۔

پندرہ منٹ بعد عابد نے دوبارہ اسے فون کیا۔ ابتدا میں اس کا لہجہ سخت اور کھردرا تھا۔ عابد کا کوڈ سن کر وہ راہ پر آگیا "گرانڈ ہوٹل آؤ اور یہ معلوم کرتے آنا کہ این کا ویل کہاں ٹھہری ہے۔ وہ صبح کی ٹرین سے یہاں پہنچی ہے۔ میں یہاں گوپال کے نام سے ٹھہرا ہوا ہوں۔"

"این کا ویل؟" اس کی آواز سے حیرت ظاہر ہو رہی تھی "یہ کون ہے؟"

"اسے کچھ دن پہلے تم ایک اور جوڑے کے ساتھ لائے تھے۔ وہ گرانڈ میں ہی ٹھہری تھی۔" عابد نے اسے یاد دلایا۔

"بہت زوردار اور مست عورت ہے۔ میں ابھی تیار ہو کر نکلتا ہوں۔" یادداشت تازہ ہونے پر وہ لفنگا خوش ہوگیا "کیا اسے واپس بھی پہنچانا ہے۔"

"نہیں۔" عابد نے اس کی امیدوں پر اوس ڈال دی "وہ ٹرین سے جائے گی۔ اس سے ملنا بہت ضروری ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ بنگو ہر حال میں خوش رہنے والا آدمی ہے۔ تم سے کچھ نہ کچھ مال تو مل ہی جائے گا۔"

فون کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔ عابد اپنا ایک اہم کام کرچکا تھا۔ کمرے میں بند رہ کر اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے وہ نیچے چل دیا۔ نئے شہر اور وہاں کے رہنے والوں کے نت نئے طور طریقے اسے ہمیشہ سے بہت پسند تھے۔

وہ نہایت دلچسپی سے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے چائے پی رہا تھا کہ بنگو آپہنچا۔ اس سے عابد علی کی کافی مدت پہلے ایک سرسری ملاقات ہوئی تھی لیکن دونوں نے پہلی نظر میں ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ بنگو ہاتھ ہلا کر کاؤنٹر پر رک گیا۔ وہاں بیٹھے ہوئے سردار سے چند سیکنڈ گفتگو کرنے کے بعد وہ عابد کی میز پر آگیا۔

"وہ بائیس نمبر کمرے میں ہے۔" اس نے عابد سے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے انکشاف کیا۔

"ویری گڈ!" عابد خوش ہوگیا۔ وہ اسی ہوٹل میں ہوتے ہوئے ویرا کا سراغ نہیں لگا سکا تھا۔ بنگو نے لمحہ بھر میں وہ مسئلہ حل کردیا تھا۔

وہ دونوں چائے نوشی کے دوران گپ شپ کرتے رہے۔ بنگو سے پتا چلا کہ اس روز امرتسر سے لاہور کے لیے ٹرین تیسرے پہر روانہ ہونے والی تھی۔ عابد کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ اپنا اپریٹس ساتھ ہی لایا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں اٹھ گئے اور عابد کے کمرے کی طرف چل دیے۔

کمرے میں پہنچتے ہی بنگو نے اپنی جیب سے مختصر سا اپریٹس نکال کر عابد کے حوالے کیا اور خود اطمینان سے ایک کرسی پر ڈھیر ہوگیا۔

عابد.... کمرے کی کھلی ہوئی عقبی کھڑکی کے قریب گیا اور اور اپریٹس آن کرکے اپنا پیغام نشر کرنے لگا "الفا کالنگ فار ایس او ایس.... اوور!"

ان لوگوں کا وہ ایمرجنسی کوڈ تھا۔ اگلے ہی لمحے جواب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مل گیا "ڈین ریسیونگ.... کیا بات ہے؟ اوور!"

وہ آواز عابد کے لیے اجنبی تھی مگر کوڈ سے اسے علم ہو گیا تھا کہ آئی بی کے لاہور آفس کا ریڈیو روم آفیسر اس سے مخاطب تھا۔

"گردوارے سے آج سفید پجارن گرین کوبرا کے ساتھ نکل رہی تھی۔ چیف لاہور میں بندوبست کرلیں۔ پیغام صاف ہے؟ اوور۔"

"بالکل سر! ہر لفظ ریکارڈ ہو گیا۔ یہ پیغام میں ابھی ریلے کردوں گا۔ اوور!" بھارت کی سرزمین سے موصول ہونے والے پیغام پر ریڈیو آفیسر بہت زیادہ مستعد ہو گیا تھا۔

"اوور اینڈ آل!" کوئی غیر ضروری بات کیے بغیر عابد نے سلسلہ منقطع کردیا اور لوٹ کر ایریٹس بنگو کے حوالے کردیا۔

"تمہارے دونوں کام ہو گئے۔ مجھے کتنا مال ملے گا؟" بنگو نے ندیدے پن سے سوال کیا۔

"دو کام کون سے؟" عابد نے کڑے تیوروں سے پوچھا "میں نے صرف ایک کال کی ہے۔"

"میں نے این کے کمرے کا بھی پتا چلایا ہے۔" بنگو نے دانت نکال دیے "وہ بھی تمہارا ایک کام تھا۔ میرے بغیر تم امرتسر کے سارے ہوٹل چھانتے پھرتے پھر بھی تمہیں کوئی نہ بتاتا کہ وہ کہاں ٹھہری ہوئی ہے۔ میں چٹکی بجاتے میں ہر کام سیدھا کردیتا ہوں۔"

"تمہاری یہ عادت بہت خراب ہے کہ تم ہمارے ہر آدمی سے زیادہ پیسے اینٹھنے کی کوشش کرتے ہو۔" عابد نے یہ کہتے ہوئے اپنی جیب سے پانچ سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر بنگو کی طرف بڑھا دیا۔

بنگو نے وہ نوٹ پھرتی سے لے کر یوں اپنی جیب میں اڑسا جیسے اسے اندیشہ ہو کہ تاخیر کی صورت میں عابد وہ نوٹ واپس رکھ لے گا اور ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے بولا "تم لوگ بھی تو کبھی کبھی آتے ہو۔ روز آتے جاتے رہا کرو تو سو پچاس میں بھی میرا گزارا ہو جائے گا۔ میں نے چیف سے بھی کہا ہوا ہے کہ وہ میرے لیے زیادہ کام نکالا کرے۔ لمبی بے کاریوں سے میری طبیعت اکتانے لگتی ہے۔"

"بس اب تم جاؤ۔ مجھے کچھ اور کام کرنا ہے۔" اپنا کام نکالنے کے بعد عابد نے ہنس کر کہا۔

"اجازت ہو تو این کو سلام کرتا جاؤں۔" بنگو نے اٹھتے ہوئے دریافت کیا۔

"اسے تنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ سفر سے تھکی ہوئی آئی ہے۔ اس وقت آرام کررہی ہوگی۔"

بنگو نے دونوں ہاتھ جوڑے اور کمرے سے چلا گیا۔ اس نے عابد کی کسی بات کا برا نہیں منایا تھا۔ وہ ہر حال میں خوش رہنے والا آدمی تھا۔

اس کے جانے کے بعد عابد چند منٹ انتظار کرتا رہا پھر مسہری کے نیچے سے فائلوں والا بریف کیس لے کر کمرے سے نکل آیا۔ اس کا رخ ہوٹل کی دوسری منزل کی طرف تھا جہاں بائیسویں کمرے میں ویرا کے قیام کے اطلاع ملی تھی۔

کمرا نمبر بائیس کے بند دروازے کے سامنے عابد نے چند لمحوں کے لیے توقف کیا۔ اندر گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ اندر سے ویرا کی تیز آواز گونجی۔ وہ دستک دینے والے کے بارے میں جاننا چاہ رہی تھی۔ عابد نے دوبارہ دستک دی۔

اس بار ویرا نے دروازہ کھول دیا۔ وہ بریف کیس کے ساتھ ایک اجنبی کو اپنے روبرو پاکر حیران رہ گئی۔

دہلی میں ویرا کا آئی بی والوں سے کہیں سامنا یا تعارف نہیں ہوا تھا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ہمارا ساتھ دینے والوں کے کیا نام تھے جبکہ عابد اور اس کے دونوں ساتھی ویرا کو بہت اچھی طرح پہچانتے تھے۔

"تم کون ہو؟ کیا میں تم کو جانتی ہوں؟" ویرا نے خشک اور جارحانہ لہجے میں عابد سے سوال کیا۔ عابد نے محسوس کیا کہ وہ کسی بھی خطرے کی صورت میں فوری طور پر اپنا دروازہ بند کرنے کے لیے تیار تھی۔

عابد نے تیزی سے اپنے دائیں بائیں دیکھا اور میدان صاف پاکر سرگوشی میں جواب دیا "میں دوست ہوں۔ دہلی سے ڈینی کی امانت لے کر آیا ہوں۔ مجھے اندر آنے کی اجازت دو تاکہ میں تمہارے شبہات دور کرسکوں۔"

ویرا نے براہِ راست عابد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں پھر اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

"شکریہ!" عابد تیزی سے اندر داخل ہو گیا۔ ویرا دروازہ بند کرچکی تھی اور کسی ہرنی کی طرح بھڑکی ہوئی نظر آرہی تھی۔

"تمہیں میرے کمرے کا پتا کیسے چلا....؟ دوسری بات یہ ہے کہ میں بھارت میں ڈینی نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتی۔" ویرا کے تیور بدستور جارحانہ تھے۔

"میں بھول گیا تھا۔ وہ مظہر خان اور غزالہ ہیں۔ تم ویرا نہیں این کا ویل ہو۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ تم رات کی آخری ٹرین سے دہلی سے نکلی ہو۔ میں نے اپنے طور پر تمہیں تلاش کیا ہے۔ اس بریف کیس میں اہم ترین فائلیں ہیں۔ یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہیں اپنے ساتھ لاہور لے جانی ہیں۔" عابد نے بریف کیس اس کی طرف بڑھایا۔

"اسے دور رکھو!" ویرا غرائی۔ وہ بجا طور پر بہت زیادہ محتاط تھی "اس میں کوئی آتش گیر مادہ بھی ہو سکتا ہے۔ اسے خود کھولو۔"

عابد ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ ویرا اس کی زبان سے میرا اصل نام سن کر ہی موم ہو جائے گی مگر وہاں معاملہ دیگر تھا۔ ویرا اتنی آسانی سے اس پر اعتبار کرنے والی نہیں تھی۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ہمارے طے شدہ پروگرام میں کسی نئے آدمی کی شمولیت یا فائلوں کو پاکستان لے جانے کے معاملات سرے سے شامل نہیں تھے۔

عابد نے بریف کیس میز پر رکھ کر کھولا۔ شاپنگ بیگ میں سے تکیے کے غلاف کا بنڈل پھر اس میں سے فائلوں کا پلندہ نکال لیا "تم دیکھ سکتی ہو کہ اس میں ان فائلوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ان کا جلد از جلد پاکستان پہنچنا ضروری ہے۔ اسی لیے میں دہلی سے یہاں آیا ہوں۔"

اس وقت تک ویرا بند دروازے کے پاس کھڑی رہی تھی۔ فائلیں دیکھ لینے کے بعد وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی کرسی پر آ بیٹھی اور بولی "بیٹھ جاؤ! کیا تم جلال کے آدمی ہو؟"

عابد نے اثبات میں سر ہلا دیا "اب تم بالکل صحیح نتیجے پر پہنچی ہو۔"

"مظہر اور غزالہ کہاں ہیں؟ ان کو آج یہاں پہنچ کر مجھ سے ملنا تھا۔ ان کے بجائے تم کیسے آ گئے۔"

"وہ دونوں دہلی میں پھنسے ہوئے ہیں۔" عابد نے میری خواہش کے مطابق یہ بات ویرا سے چھپالی کہ میں نے اپنی واپسی کا ارادہ خود ملتوی کر دیا تھا "جب تک مطلع صاف نہیں ہوتا، وہ دہلی سے نہیں نکل سکیں گے۔"

"پھر مجھے بھی واپس دہلی پہنچ جانا چاہیے۔ تم ان فائلوں کو پاکستان بھیجنے کا کوئی اور بندوبست کر لو۔"

ویرا کا وہ ٹکا سا جواب سن کر عابد کی کھوپڑی گھوم گئی۔ وہ ویرا سے ایسی سرد مہری کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے بوکھلا کر کہا "تمہیں اندازہ نہیں کہ یہ کاغذات کتنے اہم ہیں۔ ان کے لیے میں نے ڈینی کے ساتھ پچھلی رات ڈاکا ڈالی کی ہے۔ ہم دونوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر را کے دفتر میں نقب لگائی اور یہ کاغذات نکال لیے۔ میں ڈینی کی ہدایت پر یہاں آیا ہوں۔ تم دہلی نہیں، لاہور جاؤ گی۔"

"تم کو مجھ سے اس لہجے میں بات کرنے کی جرأت کیسے ہوئی۔" ویرا اس کے آخری فقرے پر بگڑ گئی "میں اپنی مرضی کی مالک ہوں....."

"تم درست کہہ رہی ہو۔" عابد نے گڑبڑا کر اس کی بات کاٹ دی "انسپکٹر ڈیوڈ کے قصے میں پولیس ایک غیر ملکی جوڑے کو ڈھونڈ رہی ہے۔ انہیں نوجوان اطالوی مرد کے ساتھ سفید فام عورت کی تلاش ہے۔ جان اسمتھ بھی مارا گیا ہے۔ اس وقت دہلی ایک چوہے دان کی صورت اختیار کیے ہوئے ہے۔ جو وہاں گیا پھنس جائے گا۔" ویرا کو دہلی واپسی سے روکنے کے لیے عابد برجستگی سے جھوٹ پر جھوٹ بولتا چلا گیا۔

حقائق اس کے بیان کے برعکس تھے۔ انسپکٹر ڈیوڈ کے معاملے میں کوئی پیش رفت ہوئی تھی نہ پولیس کو کسی جوڑے کی تلاش تھی اور جان اسمتھ کی لاش تو اس وقت تک دریافت بھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ ہوٹل سمراٹ کے ایک نفیس کمرے میں مقفل پڑی ہوئی تھی۔

وہ اس کی حاضر دماغی تھی کہ اس نے حالات کو سنبھالنے کی سرتوڑ کوشش کی تھی۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ میرے اور اس کے درمیان یہ طے ہو چکا تھا کہ ویرا کو اولین فرصت میں دہلی بلکہ بھارت سے نکل جانا چاہیے۔

"ان دونوں کے دہلی سے نکلنے میں کیا رکاوٹ ہے؟" ویرا نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ دونوں را کی نظروں میں آ گئے ہیں۔ انہیں جل دے کر دہلی سے نکلنا مشکل ہے۔ ریلوے اسٹیشن یا کسی ہوائی اڈے کا رخ کرتے ہی وہ دھر لیے جائیں گے۔"

"وہ ایسی بھیانک مشکل میں ہیں۔ تم انہیں چھوڑ کر امرتسر آ گئے ہو اور مجھے پاکستان بھاگنے کا مشورہ دے رہے ہو۔ ان کا کیا بنے گا؟" ویرا متوحش نظر آنے لگی۔

"میرے دو آدمی اس وقت بھی دہلی میں ہیں۔ میں یہ بریف کیس تمہارے سپرد کر کے پہلی دستیاب پرواز سے دہلی لوٹ جاؤں گا۔ ان کی خبر گیری میں کوتاہی ہوئی تو میں اپنے ہاتھوں سے اپنی گردن کاٹ لوں گا۔ تم کو اندازہ ہونا چاہیے کہ وہ بے یار و مددگار نہیں ہیں۔"

"تم نے کاغذوں کی گٹھڑی میرے گلے میں باندھ دی ہے۔ اگر تم انہیں بھیجنے کا متبادل بندوبست کر لو تو میں ہر خطرہ مول لے کر دہلی واپس جانا چاہوں گی۔" ویرا نے بے چینی سے کہا۔ عابد کی زبان سے ہم دونوں کے مسائل کی مبالغہ آمیز کہانی سن کر وہ واقعی پریشان ہو گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کوئی اور راہ ہوتی تو میں ہرگز یہاں تک نہ دوڑا چلا آتا۔ یہ را کے سرکاری کاغذات ہیں۔ انہیں لے کر گھومنا بھی خطرناک ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم اپنے پروگرام کے مطابق سفر جاری رکھو اور ان دونوں کے لیے دعا کرتی رہو۔ بہتری کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔"

ویرا کی پیشانی پر تفکر آمیز لکیریں ابھر آئیں اور وہ فائلوں کے گرد کسا ہوا فیتہ کھولنے لگی۔

عابد بہت غور سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے یہ فکر ہو رہی تھی کہ اس سے ملاقات کے نتیجے میں ویرا نے کوئی نئی قلابازی کھائی تو اس کی الٹی آنتیں گلے پڑ جائیں گی اور میرے سامنے وہ جواب دہی نہیں کر سکے گا۔

ویرا نے کئی فائلوں کے متعدد اوراق دیکھے مگر مندرجات میں سے کچھ اس کے پلے نہ پڑ سکا لیکن را کے شان دار لیٹر ہیڈز اور ان پر لگی ہوئی متعدد مہریں ان کاغذات کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے کافی تھیں۔

"یہ سب کیا ہے؟" اس نے فائلوں کو دوبارہ فیتے میں باندھتے ہوئے عابد سے پوچھا۔

"کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ بس یہ سمجھ لو کہ بیشتر کاغذ پاکستان کے بارے میں ان کی معلومات اور منصوبوں کے بارے میں ہیں بلکہ پوری گیارہ فائلوں کے موضوع یہی ہیں۔ فائلوں کے درمیان رکھے ہوئے کاغذوں پر ان نیپالیوں کے فنگر پرنٹس اور کوائف ہیں جو اپنے ملک میں را کے لیے کام کر رہے ہیں۔"

"نیپال کے بارے میں کاغذوں کی تمہارے لیے کیا اہمیت ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"وہ ہمارا دوست ملک ہے۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے کون کون سے شہری غداریاں کر رہے ہیں۔ را کے دفتر میں ایسا بہت سا ریکارڈ تھا جسے لانا اور پھر پاکستان منتقل کرنا ہمارے بس سے باہر تھا۔ ہم نے بقیہ ریکارڈ کو آگ لگا دی۔"

"ہائیں...!" ویرا چونک پڑی "تم لوگوں نے را کے دفتر کو آگ لگا دی؟"

"میں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ پچھلی رات دہلی میں بہت کچھ ہوا ہے۔ اس آگ میں بلیک کیٹس کے ایک سینئر کمانڈو کی لاش بھی جلی ہوگی۔ اس مہم سے نمٹتے ہی ڈینی نے مجھے ائرپورٹ کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ واپس دہلی جاؤں گا تو پتا چلے گا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"تم رک رک کر باتیں بتا رہے ہو۔ ان سے خوشی کے ساتھ تشویش بھی ہو رہی ہے۔ میں یہ ریکارڈ اپنے ساتھ ضرور لے جاؤں گی۔ جن چیزوں کے لیے تم دونوں نے اتنے جتن کیے ہیں۔ انہیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ آخرکار میں تمہیں پوری صورتِ حال سمجھانے میں کامیاب ہو گیا" ویرا کے ان الفاظ پر عابد کی جان میں جان آئی۔

"اب تم بے فکر ہو جاؤ۔ یہ کاغذات آج چلے جائیں گے۔ دو چار روز میں دہلی کی کوئی حوصلہ افزا صورت سامنے نہ آئی تو میں دوبارہ دہلی کے سفر کے بارے میں سوچوں گی۔" ویرا نے اسے یقین دلایا "تم چاہو تو اسی وقت واپس جا سکتے ہو۔"

عابد نے ویرا کی اس اجازت کو غنیمت جانا اور اسی وقت روانگی کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے ڈر تھا کہ اس کے اور ویرا کے مذاکرات زیادہ دیر تک جاری رہے تو وہ کسی بھی لمحے کوئی نئی بات شروع کر دے گی۔ اس کی نظروں میں ویرا بہت سیماب صفت عورت تھی جس کے مزاج میں ٹھہراؤ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ ہر چیز کو ہر وقت متحرک دیکھنے کی خواہاں رہتی تھی۔

○☆○

خطرات بہت گمبھیر اور سنگین تھے مگر انہیں مول لیے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے ہر احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے غزالہ کے کمرے کے باتھ روم سے سی ایس ڈی نکال کر بقیہ دونوں چیزیں وہیں چھوڑیں اور اپنے کمرے میں واپس آ کر اسے ٹیلی فون لائن سے منسلک کر دیا۔

نریش شرما سے ہونے والی آخری ملاقات نے مجھے پھونک پھونک کر قدم رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس وقت میرے پاس صرف سرلا کا فون نمبر ایسا تھا جہاں رابطہ کرنے میں زیادہ خطرہ نہیں تھا۔ میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اپنے طور پر ہوٹل سے پاکستان کا کوئی نمبر نہیں ملاؤں گا۔ اس میں سب سے سنگین خطرہ یہ تھا کہ بیرون شہر یا بیرون ملک ملایا جانے والا ہر نمبر مستقل طور پر ریکارڈ پر آ جاتا تھا۔

سرلا کے نمبر پر سنیل سے میری بہت مبہم اور مختصر بات ہوئی۔ اسے پتا چل چکا تھا کہ صبح را والے مجھے ہوٹل سے اٹھا لے گئے تھے۔ محض چند گھنٹوں بعد وہ فون پر میری آواز سن کر دہل کر رہ گیا تھا۔ اس سے مجھے پتا چلا کہ عابد امرتسر سے دہلی واپس آ چکا تھا۔ بہ مشکل چند فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے فون بند کر دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بہت مختصر گفتگو ہوئی!" غزالہ نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"وہ میری آواز سن کر ڈر گیا تھا اور مجھے بات ختم کرنے کا مشورہ دے رہا تھا" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"حقیقت یہ ہے کہ مجھے بھی کل یا پرسوں ہی اس کی خوبیوں کا صحیح اندازہ ہوا ہے۔ اس سے پہلے میں پریشان تھی کہ آپ کی فون پر خاصی کھلی کھلی باتیں ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود کہیں سے کوئی گرفت نہیں ہوتی۔ یہ بات ناقابلِ یقین سی معلوم ہوتی ہے۔"

"جن لوگوں کو اس ڈیوائس کا ذاتی تجربہ نہیں ہے' وہ اس کی پوری افادیت کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اس وقت یہ ہمارے لیے بیم گن سے زیادہ اہم ہو گئی ہے" میں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا "اس کے بعد گوپال والے اپریٹس کی باری آتی ہے' سنیل بتا رہا تھا کہ وہ امرتسر سے لوٹ آیا ہے۔"

"کمال ہے۔ بہت جلد واپس آگیا۔ ہو سکتا ہے کہ این ابھی تک آگے روانہ نہ ہوئی ہو۔"

"یہاں سے زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کا ہوائی سفر ہے۔ اچھی خبر یہ ہے کہ وہ کامیاب ہو کر لوٹا ہے۔"

"اسے وہاں کیا کرنا تھا جو کامیابی یا ناکامی کا سوال ہو۔ ایک بریف کیس ہی تو ویرا کو دینا تھا" غزالہ منہ بنا کر بولی۔

"گوپال ہمارے پاس سے گیا تھا۔ وہ ہمارے پہنچنے کی توقع کر رہی ہو گی۔ میرا اندازہ ہے کہ اس نے اپنے سوالات سے گوپال کو زچ کر دیا ہو گا۔"

"ہر ایک سے الجھنا اچھی عادت نہیں ہے۔ سب اس کا لحاظ کرتے ہیں۔ کسی دن کوئی سر پھرا ٹکرا گیا تو اس کا دماغ درست کر دے گا اور وہ رونے بیٹھ جائے گی۔ وہ یہ حقیقت ہر وقت بھولی رہتی ہے کہ وہ ایک عورت ہے۔"

میں نے وہ بات وہیں ختم کر دی۔ اس وقت غزالہ کی ذہنی رو ویرا کے خلاف چل رہی تھی۔ جب وہ اس کی حمایت پر آمادہ ہوتی تھی تو اس کی ہر جائز اور ناجائز بات کے لیے کوئی نہ کوئی جواز پیش کر دیتی تھی۔

سات بجے ہم دونوں کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ریسیور میں نے ہی اٹھایا۔

"تم کچھ دیر کے لیے مجھ سے کہیں مل سکتے ہو؟" میری آواز پہچان کر بلا کسی تمہید کے سوال کیا گیا اور میں نے بھی وہ نسوانی آواز پہچان لی۔

"شاید تمہیں تازہ ترین واقعات کے بارے میں علم نہیں ہے۔ میں اپنے طور پر گوشہ نشین ہو چکا ہوں۔"

"مجھے سب معلوم ہے اسی لیے ملاقات ضروری ہے۔ نیچے ریستوران میں آجاؤ۔"

"پھر بہتر یہ ہو گا کہ تم میرے کمرے میں آجاؤ۔ میں اس وقت باہر نکلنے کے موڈ میں نہیں ہوں" میں نے بہانہ پیش کیا۔

"میں ابھی آرہی ہوں" رینا نے یہ کہہ کر انٹرکام بند کر دیا۔

غزالہ کی استفہامیہ نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں "رینا نیچے سے بات کر رہی تھی۔ وہ ملنے کے لیے یہاں آرہی ہے" میں نے اسے بتایا۔

"پھر شاید مجھے اپنے کمرے میں چلا جانا چاہیے" اس نے مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

رینا سے آزادانہ گفتگو کے لیے غزالہ کا جانا ضروری تھا مگر میں نے اس کی تردید کی "ضروری نہیں ہے۔ چاہو تو اس سے ملنے کے بعد چلی جانا۔"

رینا اجیت رائے ذرا سی دیر میں ہمارے کمرے میں آگئی۔ وہ ہمیشہ کی طرح بنی سنوری تھی۔ اسے دیکھ کر غزالہ کے چہرے سے ساری خوش مزاجی رخصت ہو گئی۔ اس نے سرد مہری سے رینا سے ہاتھ ملایا اور آخری گھونٹ میں اپنی چائے کی پیالی خالی کر کے کرسی سے اٹھ گئی "آپ رینا سے بات کریں' میں آتی ہوں۔"

وہ تیزی کے ساتھ کمرے سے رخصت ہو گئی۔ رینا کہہ رہی تھی "مجھے ڈر تھا کہ تمہاری دوست بھڑک جائے گی' اسی لیے میں تم کو نیچے بلا رہی تھی۔"

"فکر نہ کرو۔ تم چلی جاؤ گی تو وہ خود ہی من جائے گی۔ تم اس وقت بہت خوش گوار موڈ میں ہو۔"

"رنگین مزاج اور کھلنڈرے مرد کبھی اداس چہروں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے" بات کرتے ہوئے اس نے اپنا بیگ کھولا اور اس میں سے شام کے دو مڑے تڑے انگریزی اخبار نکال کر میرے سامنے ڈال دیے۔ "کچھ ان میں موجود ہے اور مجھے بہت کچھ معلوم ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے؟"

میں نے ایک اخبار کھولا اور اس کے پہلے صفحے پر نظریں دوڑائیں تو وہاں را کے پاکستان ونگ میں صبح سویرے آتش زنی کی نمایاں خبر موجود تھی۔ اس میں ناگر کی موت کا کہیں ذکر نہیں تھا۔ میں نے کہا "جو بات نریش شرما نے مجھ سے کہی تھی' اس کا خبر میں کوئی ذکر نہیں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے نہیں معلوم کہ اس نے تم سے کیا کہا تھا لیکن یہ معلوم ہے کہ تمہارا ناپسندیدہ آدمی بھی دفتر کی آگ میں جل گیا۔ اس کی موت کی خبر دبادی گئی ہے کیونکہ اس کی وفاداریوں کے بارے میں یکایک کئی سوال اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔"

"نریش بھی یہی جاننا چاہ رہا تھا کہ ناگر سے میرا کیا گٹھ جوڑ تھا" میں نے اسے بتایا۔

"ہم سب کو ایسے کسی آدمی کی تلاش ہے اور وہ کوئی پاکستانی ایجنٹ ہی ہوسکتا ہے۔ اس وقت دہلی میں بہت سے پاکستانی عتاب میں آئے ہوئے ہیں۔ شکر ادا کرو کہ تمہاری جان آسانی سے چھوٹ گئی کیونکہ تمہارے بارے میں میری رپورٹ ریکارڈ پر ہے کہ تم ایک بے فکرے اور دل پھینک آدمی ہو۔ تمہارے پاس اتنا وقت ہی نہیں تھا کہ تم ناگر سے کوئی سازباز کرتے۔ پرسوں اس سے تمہاری پہلی ملاقات ہوئی تھی جس میں وہ کسی گینڈے کی طرح تمہارے سر پر سوار ہوگیا تھا۔"

رینا اپنی ایجنسی میں بہت نچلی سطح پر کام کرتی تھی لیکن اس کی اپنے بڑوں تک بھی رسائی تھی۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ بے بنیاد نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے اسے اکسانے کی نیت سے کہا "تم کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ابھی میری جان نہیں چھوٹی۔ نریش شرما نے اگلی ہدایت تک مجھے دہلی میں رہنے کا حکم دیا ہے۔"

"راجیے بڑے اداروں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ الزام لگا کر اچانک واپس نہیں لیا جاتا۔ اگر تم اب بھی عتاب میں ہوتے تو شاید میں تمہاری طرف نہ آتی۔ میں بالکل بے فکر ہوکر یہاں آئی ہوں۔ پتا نہیں تم ریستوران میں آنے سے کیوں ڈر رہے تھے۔"

"میرے لیے را کا نام بہت ڈراؤنا ہے۔ نریش نے چند گھنٹوں میں مجھے ایسے مناظر دکھائے ہیں کہ میں اب تک خوف زدہ ہوں" میں نے اس کے دماغ میں اپنی بے گناہی کا تصور راسخ کرنے کے لیے پھریری لے کر کہا۔

"اسے ایک فلم سمجھ کر بھول جاؤ۔ ابھی ناگر اور آگ کا مسئلہ حل نہیں ہوا تھا کہ چار بجے ہوٹل سمراٹ کے ایک کمرے میں امریکی سفارتی افسر کی لاش دریافت ہوئی ہے۔ وہ کراچی سے چند ہفتوں کی چھٹی پر دہلی آیا ہوا تھا۔"

"اب پھر نیا چکر چلے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں موت کا کوئی آسیب گھس آیا ہے جو اپنے تماشے دکھاتا پھر رہا ہے" میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم نے انکل کی بات مان لی۔ بس اب پاکستان جاکر اپنا کام شروع کرنے کی تیاریاں کرو۔"

"میں تیار ہوں مگر نریش کی اجازت کے بغیر اب میں دہلی سے باہر قدم نہیں نکالوں گا۔"

وہ چند ثانیوں تک خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی پھر دبی دبی جذباتی آواز میں بولی "تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس کیوں آئی ہوں؟"

"ابھی تک تو یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ تم مجھے اپنی معلومات سے مرعوب کرنے آئی ہو" میں نے اس کے سوال کے جذباتی پہلو کو یکسر نظرانداز کردیا۔

"تم نے میری پیار اور بوڑھی ماں پر ترس کھا کر میری نوکری بچانے کا وعدہ کیا تھا تو میں نے تمہیں انکل کی سفاکی سے ہوشیار کیا تھا" اس نے اسی جذباتی لہجے میں اپنی بات جاری رکھی۔ اس وعدے کو پورا کرکے تم نے مجھے خرید لیا ہے۔ میں تمہارے دوسرے احسان کا بدلہ چکانا چاہتی ہوں۔"

"معاف کردو!" میں نے اس کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے "تمہارے پہلے احسان کی جو ویڈیو فلم بنی تھی، اس نے مجھے غرق کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اب میں تمہارے دوسرے احسان کا بوجھ نہیں اٹھا سکوں گا۔ ویسے بھی میری فرینڈ ہمیں بہت زیادہ دیر تک خلوت میں نہیں رہنے دے گی۔ وہ کمرے کی چابی ساتھ لے گئی ہے۔ دروازہ کھول کر اچانک اندر آجائے گی۔"

اس نے ہنسنا شروع کیا اور پھر شوخی سے دیر تک ہنستی چلی گئی۔ ہنسی رکنے پر اس نے شرارت آمیز لہجے میں کہا "وہ اپنی چابی سے تالا کھول سکتی ہے۔ تم چاہو تو اندر سے دروازہ بولٹ کرلو۔ وہ تالا کھول کر بھی اندر نہیں آسکے گی۔"

"میں بتا چکا ہوں کہ میں اب اس غلطی کا اعادہ نہیں کروں گا" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ تمہارا کمرا ہے۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میرے لیے ہوئے کمرے میں فرصت سے کیمرے لگائے گئے تھے۔ یہاں کچھ نہیں ہوسکتا" اس کی آنکھوں میں دعوت انگیز شوخی اور شرارت جھلک رہی تھی۔

"کمرا کوئی بھی ہو، میں نے کان پکڑ لیے ہیں کہ بھارت میں اب پرائی عورت کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا، میرے لیے میری ساتھی کافی ہے۔"

"ویری گڈ!" اس کا لہجہ یکایک تبدیل ہوگیا۔ چہرے پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی سنجیدگی طاری ہوگئی۔ وہ کہہ رہی تھی "میں تم سے مذاق کررہی تھی۔ میرا خیال ہے کہ نریش کے دفتر میں لگنے والی آگ میں تمہارا ویڈیو کیسٹ بھی جل گیا ہے کیونکہ آج بیلا سنگھ نامی لڑکی کو تمہارے پیچھے لگایا گیا ہے۔ وہ اس وقت بنی سنوری اسی ہوٹل کے نچلے فلور پر چکراتی پھر رہی ہے۔ اسے بہت شدت سے تمہاری تلاش ہے۔"

بات واضح ہونے کے باوجود میں ایسا بن گیا جیسے رینا کی باتوں نے مجھے الجھادیا ہو "میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔ کھل کر بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"

"تمہاری فلم جل کر ضائع ہوگئی۔ تم نے پنچھی ہو۔ نریش جی نے پوچھ گچھ کرکے اپنا اطمینان کرلیا کہ ناگر کا اور تمہارا کوئی میل نہیں تھا۔ اب تم پاکستان جاکر را سے منحرف ہوجاتے ہو تو تمہیں بلیک میل نہیں کیا جاسکتا۔ نریش جی نے تمہیں دہلی میں روک کر بیلا سنگھ کو تمہارا نام دے دیا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ وہی کھیل کھیلے گی جو میں نے پہلی ملاقات میں کھیلا تھا۔ کمرا اور کیمرے تیار ہوں گے' تمہاری اور بیلا کی فلم تیار ہوتے ہی تمہیں پاکستان جانے کی اجازت مل جائے گی۔ تم جیسے کام کے آدمی کو ہم کھونا نہیں چاہتے۔ ہرحال میں اپنا کارکن بنانا چاہتے ہیں" آخری دو فقرے اس نے شاید را کی طرف سے ادا کیے تھے۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ بیلا سنگھ کو میرے پیچھے لگایا گیا ہے؟" میں نے بے اعتباری سے سوال کیا۔

"وہ بھی اکیڈمی کے ہاسٹل میں میرے ساتھ رہتی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ پہلی بار میں نے تم پر ڈورے ڈالے تھے۔ تمہارا نام ملتے ہی وہ میرے پاس آئی تھی۔ وہ تمہاری عادتوں اور کمزوریوں کے بارے میں جاننا چاہ رہی تھی۔"

میرا سر واقعی چکرا گیا۔ اپنی مصیبتوں میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود نریش شرما کا ذہن پوری صلاحیتوں کے ساتھ منفی سمتوں میں کام کررہا تھا۔

"تم یہ سب مجھے بتاکر اپنی تنظیم سے غداری نہیں کررہیں؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر پوچھا۔

"بات ہم دو کے سوا کسی تیسرے کو پتا چل گئی تو یہی کہا جائے گا۔ میں تمہیں ہوشیار کرکے تمہارے دوسرے احسان کا بدلہ اتار رہی ہوں۔ تم میری اس نیک نیتی کو جو نام چاہو دے سکتے ہو۔ میں نے اپنے دل اور ضمیر کا بوجھ اتار دیا ہے۔"

"بیلا سنگھ کے بارے میں مجھے بتاؤ تاکہ میں اس سے بچ سکوں؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد میں نے نرمی سے کہا۔

"وہ سکھنی ہے۔ ہمارے گروپ کی سب سے زیادہ سڈول اور خوبصورت لڑکی ہے۔ جدھر سے گزرتی ہے' نگاہیں اس کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔ بہت بے باک اور منہ پھٹ ہے۔ شریف اور ڈرپوک قسم کے دفتری ساتھی اس سے بات کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔"

"خوبصورت اور بے باک تو تم بھی ہو" میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا "تم نے مجھے مسحور کردیا تھا۔"

"اس وقت تم بے خبر تھے۔ اب میں تمہیں ہوشیار کررہی ہوں۔ اسے دیکھ کر تم مجھے بھول جاؤ گے۔"

"اس مخبری پر تمہارا شکر گزار ہوں۔ تم نے کئی باتیں صاف کردی ہیں۔ اگر تم مجھے یہ سب نہ بتاتیں تب بھی بیلا سنگھ کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔ میں عہد کرچکا ہوں کہ اب یہاں کی ہر عورت کے تریا چلتر سے دور رہوں گا۔"

"تم چاہو تو اسی وقت نیچے جاکر اسے دیکھ سکتے ہو۔ وہ گلابی ساڑھی میں شعلۂ جوالہ بنی گھوم رہی ہے۔"

"اسے گھومنے دو۔ ایک دو روز میں وہ خود ہی تھک جائے گی۔ میں شام کو نیچے جانا چھوڑ دوں گا۔ وہ میرے لیے کب تک مہنگے کمرے کرائے پر لیتے رہیں گے؟ ایسی کوششوں پر راوالے ایک حد سے زیادہ سرمایہ کاری نہیں کریں گے۔"

"یہ سوچنا سمجھنا تمہارا کام ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم نے میری پچھلی غلطی کو معاف کردیا ہوگا" اس نے التجائیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"میں نے تمہاری ہر غلطی کو اسی وقت معاف کردیا تھا جب تم نے مجھے اپنی ماں کے بارے میں بتایا تھا۔ کاش میری اور تمہاری ویڈیو فلم واقعی جل گئی ہو۔ اس طرح میری لغزش اور تمہاری خطا کا ہر ثبوت مٹ جائے گا.... اب تم مجھے امریکی سفارتی افسر کے بارے میں بتاؤ' تمہاری وہ بات ادھوری رہ گئی تھی۔"

"تم کراچی میں پرانی گاڑیوں کے لین دین میں کھوئے رہتے ہو۔ اخبار پڑھتے رہتے تو جان اسمتھ کا نام تم کو بھی معلوم ہوتا۔ وہ نیپال سے بھارت اور ایران تک میں سی آئی اے کی ساری سرگرمیوں کا نگراں ہے اور کراچی میں رہتا ہے...."

مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں نے اس کی بات کاٹ دی "تم بھی را کی کوئی باخبر عہدے دار نہیں ہو۔ تمہیں اس کے بارے میں یہ باتیں کیوں کر معلوم ہیں؟ ایسے خفیہ عہدے دار ہمیشہ کسی نہ کسی سفارتی عہدے کی آڑ میں کام کرتے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان کے بارے میں اخباروں میں کچھ نہیں چھپتا۔"

"آج دوپہر تک مجھے اس کا نام تک معلوم نہیں تھا" اس نے فراخ دلی سے اعتراف کرلیا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "جب کوئی بڑا آدمی قتل ہوتا ہے تو اس کے بارے میں ہر بات بہت تیزی سے کھلتی اور پھیلتی ہے۔ ہماری را بھی بھارتی سی آئی اے ہے۔ ہمارے عہدے دار ایسی باتوں سے باخبر رہتے ہیں۔ ان سے پتا چلا ہے کہ جان ہفتہ بھر پہلے اپنی چھٹیاں گزارنے کے لیے دہلی آیا تھا۔ کل شام تک وہ ہوٹل کے بار میں بیٹھا ہوا تھا پھر غائب ہوگیا۔ دن بھر اس کے لیے فون آتے رہے لیکن اس کے کمرے سے کوئی جواب نہیں ملا۔ چار بجے دہلی میں امریکی سفارت خانے کا فرسٹ آفیسر ہوٹل سمراٹ پہنچا۔ اس کے ایما پر ماسٹر کی سے جان کا کمرا کھولا گیا تو دروازہ اندر سے بولٹ نہیں تھا۔ مسہری کے قریب وہ مردہ حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اندازہ ہے کہ پچھلی رات اسے اپنے بستر پر سونا نصیب نہیں ہوسکا کیونکہ مسہری کا بستر بے شکن تھا۔"

"را کے دفتر میں آگ اور ناگر کے قتل کی طرح یہ بھی بہت بڑی واردات ہے۔ اس کے کیا اسباب ہوسکتے ہیں" میں نے محتاط انداز میں پوچھا۔

"لاش پر کوئی زخم ہے نہ لاش نیلی ہوئی ہے۔ موت کا اصل سبب پوسٹ مارٹم کے بعد سامنے آئے گا۔"

"پھر تم نے اسے قتل کیسے قرار دے دیا۔ وہ دل کے دورے سے بھی مرسکتا ہے" میں نے اعتراض کیا۔

"میں سنی سنائی باتیں بتا رہی ہوں۔ وہ دل کا مریض نہیں تھا۔ پہلا دورہ اتنا شدید نہیں ہوتا کہ آدمی چند قدم چل کر اپنے بستر پر پہنچنے سے پہلے مرجائے۔"

"اگر یہ اس کی قدرتی موت تھی تب بھی عبرت ناک ہے کہ وہ مرنے کے بعد رات بھر یوں ہی پڑا رہا۔"

رینا سے گفتگو کرتے ہوئے میرے ذہن میں اول خان کی بتائی ہوئی یہ بات گردش کررہی تھی کہ اس کی نادر و نایاب انگوٹھیوں کے کھوکھلے نگینوں میں ایسے کم یاب زہر بھرے گئے تھے جو لاش کی فطری حالت پر اثرانداز ہوئے بغیر اپنا کام دکھاتے تھے لیکن تفصیلی پوسٹ مارٹم کے بعد ان کا سراغ لگایا جاسکتا تھا۔ دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ ہر قاتل نگینے کا زہر یکساں نہیں تھا۔

"موت کسی کی بھی ہو اور کیسی ہی ہو' اپنے ساتھ عبرت لے کر آتی ہے کہ زندگی کا آخری انجام یہ ہونا ہے پھر بھی مردے کی آخری رسوم انجام دینے والے زندہ لوگ ذرا سی دیر کے بعد یہ بات بھول کر اپنی بے ایمانیوں اور مکاریوں کا سلسلہ شروع کردیتے ہیں۔"

میرے لیے رینا اجیت رائے کی آمد بہت خوش آئند تھی۔ اس کی آمد کی اطلاع پانے کے بعد میرا ردِعمل بھی غزالہ سے مختلف نہیں تھا لیکن اس کی باتیں سننے کے بعد مجھے خوشی ہوئی تھی کہ را کے اندرونی حلقوں تک رسائی رکھنے والی اس لڑکی کے دل میں میرے لیے ممنونیت کے جذبات موجود تھے۔ بظاہر وہ بری لڑکی تھی لیکن اس کے اندر ایک اچھی لڑکی خوابیدہ تھی جو میرے رویے سے بیدار ہوچکی تھی۔

دہلی میں میرے قیام کے دوران میں اس کا آتے جاتے رہنا میرے لیے سودمند ثابت ہوسکتا تھا۔ اس کے ذریعے ملنے والی اندر کی خبروں کی روشنی میں مجھے اپنے آئندہ کے لائحہ عمل کی تیاری میں زبردست مدد مل سکتی تھی۔

"ہمارے درمیان ایک سمجھوتا ہوچکا ہے" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا "ہم ایک دوسرے کو دھوکا نہیں دیں گے کیونکہ ہم نے مراسم کی ابتدا کو بھول کر ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔ تم پر میرا کوئی جبر نہیں ہے لیکن تم سے مل کر مجھے ہر وقت خوشی ہوگی۔"

"میری شامیں ہوٹل میں گزرتی ہیں۔ اگر تمہاری ساتھی کو اعتراض نہ ہو تو میں روزانہ شام کو سلام دعا کے لیے وقت نکال سکتی ہوں۔"

"وہ فراخ دل اور کھلے ذہن کی عورت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت تمہارے بارے میں سوچ سوچ کر اندر ہی اندر کڑھ رہی ہو لیکن واپس آنے کے بعد جب صحیح صورتِ حال کا اندازہ لگائے گی تو اسے تمہاری آمد و رفت پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"ہمارے ملنے کے لیے تمہارا کمرا ہی بہتر رہے گا۔ ریستوران میں ہم کھل کر باتیں نہیں کرسکتے تھے۔"

"میں نے محض اسی وجہ سے تمہیں اوپر بلایا تھا۔ آئندہ غزالہ بھی تمہارے ساتھ بیٹھی رہے گی۔"

"اب میں چلتی ہوں۔ مجھے شکار پر نکلنا ہے" وہ اٹھلاتی ہوئی کرسی سے اٹھ گئی "آج ہم نے بہت دیر تک باتیں کرلی ہیں' اس لیے میں کل نہیں آؤں گی۔"

"میں اصرار نہیں کروں گا۔ بس جان کی موت کے بارے میں میرا تجسس بڑھتا رہے گا۔"

وہ ہنس پڑی "اب مجھے اپنا مخبر نہ بناؤ۔ کل کے اخباروں میں سب کچھ آجائے گا ورنہ ٹیلی وژن پر دیکھ لینا۔ وہ ناگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں تھا کہ اس کی موت کے کسی گوشے پر پردہ ڈالا جا سکے۔"

"مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تم بھی ناگر کو پسند نہیں کرتی تھیں؟" میں نے کرسی چھوڑتے ہوئے کہا۔

"اسے پسند نہیں کرتی تھی مگر اس سے ڈرتی تھی۔ وہ واقعی بہت برا آدمی تھا۔ اس کا انجام بھی اچھا نہیں ہوا۔ سنا ہے کہ آگ کی تپش سے اس کا پیٹ پھول کر پھٹ گیا تھا اور ہڈیاں تک جل کر کوئلہ ہو گئی تھیں۔ شاید اس کا پوسٹ مارٹم بھی نہیں ہو سکے گا۔"

رینا اجیت رائے نے چلتے چلتے پھر ایک اچھی خبر سنا دی تھی۔ ناگر کی موت کے اسباب کا سامنے نہ آنا ہر حال میں بہتر تھا۔

"کل کب آؤ گی؟" دروازے پر پہنچ کر میں نے دانستہ سوال کیا۔

"میں کل کے لیے منع کر چکی ہوں۔ کل کی شام یہ ہوٹل بیلا سنگھ کے نام رہے گا تاکہ وہ تمہارے لیے اپنے سارے جتن کر ڈالے۔ وہ کل مایوس ہو گئی تو میں پرسوں آؤں گی۔ آج وہ میری آمد سے بے خبر ہے۔ اسے پتا چل گیا میں ہر شام تمہیں کمرے میں گھیر کر بیٹھ جاتی ہوں تو وہ اوپر میری شکایت کر دے گی۔ میں اسے اپنی طرف سے شکایت کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتی۔ تم میری مجبوریوں کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔"

میں نے دروازے سے اسے رخصت کر دیا۔ وہ بے خوف تھی مگر میں غیر ضروری طور پر اس کے ساتھ دیکھا جانا پسند نہیں کرتا تھا۔

اس کے جاتے ہی میں نے غزالہ کے کمرے کا نمبر ملایا۔ وہ وہاں ٹیلی وژن دیکھنے میں مصروف تھی۔ میں نے اسے وہیں رکنے کی ہدایت کی۔ اپنے کمرے کی چابی اٹھائی اور دروازہ مقفل کر کے اس کی طرف چل دیا۔

میری دستک پر اس نے دروازہ کھولا تو وہ مجھے دیکھ کر حیران رہ گئی "میں سمجھی تھی کہ وہ خوبصورت ناگن ابھی بھی آپ کے سر پر مسلط ہے۔ آپ یہاں کیوں آ گئے؟" اس نے مجھے اندر آنے کی راہ دیتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ کام ہے" میں نے اختصار سے جواب دیا۔

"ہم نے طے کیا تھا کہ پرانا کمرا کسی بھی وقت خالی نہیں چھوڑیں گے مگر اس وقت وہاں کوئی نہیں ہے۔" غزالہ نے کہا۔

مجھے وہ بھولی ہوئی بات فوری طور پر یاد آ گئی "میں ذرا سی دیر میں آتا ہوں۔ تم وہاں چلی جاؤ" میں نے اسے کی چابی اس کی طرف بڑھا دی۔

غزالہ چابی لے کر وہاں سے چلی گئی۔ ٹیلی وژن چلتا رہا۔ میں نے فالس سیلنگ میں چھپائی ہوئی تھیلی نکال کر ڈھیلے ٹائل کو احتیاط سے اس کی جگہ پر واپس ٹکا دیا۔ ٹیلی وژن بند کر کے میں نے وہ کمرا چھوڑ دیا۔

غزالہ میرے ہاتھ میں وہ تھیلی دیکھ کر پریشانی سے بولی "ابھی دشمنوں کو اس کمرے کی تلاشی لیے ہوئے آدھا دن بھی نہیں گزرا اور آپ تیزی سے فیصلے کیے جا رہے ہیں۔ ان دونوں چیزوں کی اس وقت کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟"

"رینا نے بہت حوصلہ افزا باتیں بتائی ہیں۔ حالات شاید اتنے خراب نہیں ہیں جتنا ہم سمجھ رہے ہیں۔"

"رینا شروع سے اب تک کئی روپ بدل چکی ہے۔ مجھے اب اس کی کسی بات پر اعتبار نہیں ہے۔"

"اس سے براہ راست میرا رابطہ رہا ہے۔ تم میری بتائی ہوئی باتوں پر یقین کرتی رہی ہو تو تمہیں اس وقت بھی مان لینا چاہیے کہ میں نے درست رائے قائم کی ہو گی۔ وہ اپنے ابتدائی کردار پر بہت زیادہ شرمندہ ہے۔"

"این شاید ٹھیک کہتی ہے کہ دنیا کی ہر خوبصورت عورت مظلوم بن کر آپ کی ہمدردیاں حاصل کر سکتی ہے" غزالہ نے ہنس کر کہا۔

گفتگو ایسے رخ پر چلی گئی کہ مجھے اپنی اور رینا کی گفتگو دہرانی پڑی۔ اس درمیان میں غزالہ سوالات بھی کرتی رہی۔ آخر کار وہ میری رائے سے متفق ہو گئی "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن اس سے بات ہونے کے بعد بیم گن اور اپریٹس کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"سی ایس ڈی میں فون استعمال کرنے کے لیے لایا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ گوپال اتنی جلدی لوٹ آئے گا۔ یہ اطلاع فون کے ذریعے ملی تھی۔ اب گوپال سے رابطے کے لیے اپریٹس استعمال کرنا پڑے گا۔ میں فون پر زیادہ لمبی بات نہیں کروں گا۔"

"حیرت ہے کہ اس نے اب تک آپ سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اسے اپنے ساتھیوں سے معلوم ہو چکا ہو گا کہ آج صبح کیا ہوا تھا؟"

"وہ لوگ ڈرے ہوئے ہیں اور احتیاط سے کام لے رہے ہیں۔ میں خود اس تجربے سے گزرا ہوں اس لیے میرا خوف کم تھا۔ اگر رینا نہ آتی تو میں اب بھی تمہارے کمرے سے یہ تھیلی نکالنے کی کوشش نہ کرتا۔ ان کو یہ سب معلوم نہیں ہے۔ وہ رابطہ نہیں کریں گے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ خود گوپال سے بات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟" غزالہ نے پوچھا۔

"اپریٹس صرف اسی کام آسکتا ہے" میں نے مسکرا کر کہا "بیم گن اس لیے لے آیا کہ یہ اکیلی وہاں نہ پڑی رہے۔"

اس اثنا میں غزالہ وہ اخبار اٹھا چکی تھی جو رینا لائی تھی۔ میں نے بڑھ کر ٹیلی وژن کھول دیا۔

اس وقت نو بجے تھے۔ صحیح وقت شاید ایک آدھ منٹ اوپر رہا ہوگا۔ کیونکہ ایک انگریزی چینل سے خبریں آرہی تھیں۔

وہ بھارت کا ہی کوئی اسٹیشن تھا۔ پہلی خبر فلسطینیوں کے ایک ماتمی جلوس پر اسرائیلیوں کی وحشیانہ فائرنگ کی تھی جس میں متعدد افراد ہلاک اور زخمی ہوئے تھے۔ اگلی خبر ہوٹل سمراٹ میں جان اسمتھ کی پراسرار موت کے بارے میں تھی۔ خبر کے الفاظ نپے تلے تھے۔ وہی پوزیشن برقرار تھی کہ موت کے اسباب کے تعین کے لیے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا انتظار کیا جارہا تھا۔ پورے خبرنامے میں راکے دفتر میں آگ لگنے کا ذکر نہیں تھا۔ شاید دن کے ایک دو خبرناموں کے بعد اس واقعے کو بلیٹن سے نکال دیا گیا تھا تاکہ غیر ضروری طور پر اس واقعے کی تشہیر نہ ہو۔

میرے اشارے پر غزالہ نے کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کردیا۔ میں نے کمرے کے اندرونی سرے پر جاکر اپریٹس آن کردیا۔

میرے دوسرے پیغام کے جواب میں عابد فوراً لائن پر آگیا۔ اس کی آواز دبی دبی اور ہذیانی تھی "میں سن رہا ہوں۔ یہ تم کیا کررہے ہو۔ اسے بند کرکے کہیں دور پھینک دو۔ اس وقت تم سنگین خطرات سے دوچار ہو..... اوور!"

"سہ پہر تک میں تم سے زیادہ دہشت زدہ بلکہ سکتے کی حالت میں تھا۔ اب یہ جمود ٹوٹ چکا ہے۔ خطرہ ضرور ہے مگر اتنا سنگین نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ تمہارے کام کی کیا رپورٹ ہے۔ اوور۔"

"وہ دہلی واپسی پر مصر ہوگئی تھی۔ بہت مشکل سے اسے مال آگے لے جانے پر آمادہ کیا ہے۔ تم اتنے مطمئن کیوں ہو؟ اوور۔"

"کچھ خبریں ملی ہیں جن سے اندازہ ہورہا ہے کہ وہ کس سمت میں سوچ رہے ہیں۔ سرلا کا کیا حال ہے اوور۔"

"وہ پلاسٹر اور دواؤں کے ساتھ گھر آگئی ہے۔ کیا تم نے اس کی خیریت جاننے کے لیے رابطہ کیا ہے؟ اوور۔"

"مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ یہاں سے کب جانا پڑجائے۔ اس سے پہلے میں آخری کام کی تیاری کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے ملاقات ضروری ہے۔" میں نے اپنی بات مکمل کرکے خاموشی اختیار کی اور اس نے ریڈیو ٹرانس مشن کے روایتی اصول کے تحت بولنا شروع کردیا۔

"اس وقت تم ہوٹل کے جزیرے میں گھرے ہوئے ہو۔ ہم وہاں سے نکل چکے ہیں۔ دور سے جائزہ لیا جارہا ہے۔ جب تک ہم اپنا اطمینان نہیں کرلیتے، ایسی ملاقات خطرناک ہوگی۔ تم دو چار روز کے لیے اس رابطے کو بھی بھول جاؤ۔ مناسب وقت پر میں خود ملنے کی کوئی راہ نکال لوں گا۔"

میں نے خشک لہجے میں وہیں بات ختم کردی۔ غزالہ قریب کھڑی شاکی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

اپریٹس آف ہوتے ہی وہ بول پڑی "میں اس کی ہم خیال ہوں۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ ہمارے دشمن کتنے خطرناک ہیں۔ وہ لوگ یہاں بہت عرصے سے رہ رہے ہیں۔ اس اونچ نیچ کو ہم سے بہتر سمجھتے ہیں۔ ہمیں ان کی رائے کا احترام کرنا چاہیے۔"

"یہ تجربے وغیرہ کی بات نہیں ہے۔ طریقہ کار کا فرق ہے۔ وہ دامن بچاکر چلنے کے عادی ہیں۔ میں کانٹوں کو روند دینا چاہتا ہوں۔"

"یہ خودکشی کا راستہ ہے۔ میں آپ کو اس پر نہیں چلنے دوں گی۔" غزالہ نے قدرے تلخی سے کہا اور میں بے بسی سے اسے گھور کر رہ گیا۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ آپریٹر نے میری اجازت پاکر کال ملادی۔ میں نے فوراً سی ایس ڈی آن کردی۔

"میں معافی چاہتا ہوں۔" دوسری طرف سے عابد کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی "شاید میرے مشورے تمہیں گراں گزرے ہیں مگر میں التجا کررہا ہوں کہ اب بھول کر بھی اپریٹس استعمال نہ کرنا۔ ابھی ابھی جی فور نے اطلاع دی ہے کہ شہر میں کئی ریڈیو اسکیننگ ویپنز حرکت میں آگئی ہیں۔ ہر وین اپنے حیطہ عمل میں ہونے والی ہر ریڈیائی گفتگو کو پکڑ سکتی ہے۔ انہوں نے ایک بار ہماری گفتگو سن لی تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اور تمہیں نہیں بچاسکے گی۔"

"اس اہم اور بروقت اطلاع کا شکریہ۔" میں نے تشکر آمیز لہجے میں کہا "یہ اندھیرے میں چلائے جانے والے تیر ہیں جو بھی ان کی زد میں آگیا، واقعی مارا جائے گا۔ اب میں اپریٹس استعمال نہیں کروں گا۔"

"یہ ایوی ایشن ریسرچ سینٹر والوں کی گاڑیاں ہیں۔ شہر میں چھپے ہوئے دشمن کے ایجنٹوں کا کھوج لگانے کے لیے کبھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کبھار گشت پر نکلتی رہتی ہیں۔" وہ فون پر وضاحت کر رہا تھا "آج آرک (ARC) کی سب گاڑیاں دہلی کی سڑکوں پر نکل آئی ہیں۔"

"ہوسکے تو اپنی دوسری ایجنسیوں کے آدمیوں کو بھی خبردار کردو۔" میں نے مشورہ دیا "ایسا نہ ہو کہ وہ بے خبری میں پکڑے جائیں۔"

"میں سخت فکرمند ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ کیا کیا جاسکتا ہے۔" اس کی آواز سے وحشت اور تشویش جھلک رہی تھی۔

"فون پر بھی زیادہ بات نہ کرنا۔ اس وقت خاموشی اور پسپائی سب سے بہترین راہ ہے۔"

"مجھے خوشی ہوئی کہ میں اپنا پیغام واضح کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ فی امان اللہ۔" اس نے فون بند کردیا۔

"وہ چند لمحے پہلے یہی بات اپنے طور پر کہہ رہا تھا تو آپ نے اسے ماننے سے انکار کردیا تھا۔" ریسیور رکھتے ہی میرے کانوں میں غزالہ کی ہلکی سی طنزیہ آواز آئی۔

"دونوں باتوں میں بہت فرق تھا۔ پہلے وہ میرے ذاتی مفاد اور بچاؤ کے لیے تجویز پیش کررہا تھا۔ اگر انہیں ہم پر شبہ ہوتا تو آرک کی گاڑیاں شہر پر یلغار نہ کرتیں۔ ایک دین خاموشی سے ہوٹل کے آس پاس کھڑی کردی جاتی اور ساری گفتگو پکڑی جاتی۔ وہ پورے شہر کے گشت پر نکلے ہیں۔ اس وقت انہیں ایسے لوگوں کی تلاش ہے جو پیغام رسانی کے لاسلکی ریڈیائی آلات استعمال کررہے ہیں۔ یہ ایک عمومی خطرہ ہے۔ اپریٹس کا استعمال جاری رکھنے کی صورت میں ہم پھنس سکتے ہیں۔ میں ہر معقول بات کو کسی حیل وحجت کے بغیر تسلیم کرلیتا ہوں۔"

"خدا کا شکر ہے کہ اسے بروقت صحیح اطلاع مل گئی اور اس کی بات آپ کی سمجھ میں آگئی۔"

آرک ایک نیا نام تھا جو میرے سامنے آیا تھا۔ راوالوں کا پورا نام ریسرچ اینڈ اینالیسز ونگ تھا۔ آرک ایوی ایشن ریسرچ سینٹر کا مخفف تھا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے بھارت کے سربرآوردہ لوگ جاسوسی اور سراغ رسانی کے لیے ریسرچ یا تحقیق کی آڑ استعمال کرنے کے شوقین ہوں۔

میرے نزدیک ان کی نئی مہم کی سمت بالکل صحیح تھی۔ شہر میں رونما ہونے والے واقعات نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ان کے خیال میں غیر ملکی ایجنٹوں کا کوئی گروہ شہر میں اچانک فعال ہوگیا تھا۔ ایسے زیر زمین گروہوں کے اراکین حفاظتی نکتہ نظر سے ایک دوسرے سے الگ تھلگ اور بکھرے ہوئے رہتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر وہ پیغامات کے تبادلے کے لیے مخصوص فری کوئنسی والے اپریٹس استعمال کرتے ہیں۔ ان کو پکڑنے کا بہترین ذریعہ ریڈیو فری کوئنسی اسکینر ہی ہوسکتے تھے جنہیں وہ میدان میں لے آئے تھے۔ آئی بی والوں کی کارکردگی قابل تعریف تھی کہ آرک والوں کا وہ قدم ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکا تھا۔ دہلی جیسے وسیع وعریض شہر میں وہ کل تین نفوس تھے مگر ہر قابل ذکر موقع پر وہ عقابی انداز میں آس پاس منڈلاتے رہتے تھے۔

میرے اور غزالہ کے درمیان ہلکی سی کشیدگی جنم لے چکی تھی۔ حالات کے دباؤ نے اس کے اعصاب پر خاصا منفی اثر ڈالا تھا۔ وہ خاموشی سے شام کا اخبار چاٹے جارہی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ آرک والے اپنی گاڑیاں کب تک شہر میں گھماتے رہیں گے۔

فون کی تیز گھنٹی نے ہم دونوں کو بری طرح چونکا دیا۔ عابد سے ذرا سی دیر پہلے اپریٹس اور پھر فون پر بات ہوچکی تھی۔ میں نے اسے رابطہ محدود ترین کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اس کے سوا میں کسی سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ مجھے خوف لاحق ہوا کہ کہیں وہ کراچی کی کال نہ ہو۔

مجھے کراچی سے رابطہ کیے تیسرا دن تھا۔ سلطان شاہ مفرور تھا۔ اسے اس شخص کی تلاش تھی جو کراچی میں راکے لیے کام کررہا تھا اور جس نے مظہر خان کے پتے پر جاکر میرے مفروضہ کوائف کی تصدیق کی تھی۔ اول خان طویل انتظار سے اکتا کر مجھے فون کرسکتا تھا۔

ہم دونوں حیران اور خائفانہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کسی نے فون کی طرف بڑھنے میں پہل نہیں کی تھی۔ دوسری گھنٹی بجتے ہی میں نے غزالہ کو کال سننے کی ہدایت کی اور اس نے تیسری گھنٹی بجنے سے پہلے ریسیور اٹھالیا۔

اس نے دھیمی آواز میں کچھ پوچھا پھر ہولڈ کرنے کا مشورہ دے کر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھا اور مجھ سے کہا "آپ کے لیے نریش کا فون ہے۔"

میں نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑی اور ریسیور غزالہ کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ہیلو! میں مظہر بول رہا ہوں۔" میں نے تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ماؤتھ پیس میں کہا۔

"تم کمرے میں گھسے کیا کررہے ہو..... میں تو سمجھا تھا کہ تم نیچے زندگی کے مزے لوٹ رہے ہوگے۔" نریش نے بے تکلفانہ آواز میں کہا۔ اس کے لہجے سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہلکے سے سرور میں آیا ہوا تھا۔

"کمرے سے نکلنے کی طبیعت نہیں چاہ رہی۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کیا جائے؟"

"کیوں؟ تم تو خاصے زندہ دل اور رنگین مزاج آدمی ہو۔ تمہیں کیا ہو گیا؟"

"جب سے تم نے رہا کیا ہے، کمرے سے باہر جانے کا موڈ نہیں بن رہا۔ رہ رہ کر وہ شلجنے اور اوزار رنگاہوں میں گھوم رہے ہیں جو تم نے دکھائے تھے۔"

"وہ سب لوہا، لکڑ اور تاروں کا ڈھیر تھا۔ اس کے بارے میں اتنا کیوں سوچ رہے ہو؟"

"نریش جی! آج میں نے تمہارے دو مہمان خانوں میں اپنی زندگی کا بدترین وقت گزارا ہے۔ اس کی دہشت شاید کئی مہینوں تک میرے ذہن سے زائل نہ ہو سکے۔" میں نے گہرے متاسفانہ لہجے میں کہا "آنکھیں موندتا ہوں تو دس سال پرانا قیدی میرے تصور میں قہقہے لگانا شروع کر دیتا ہے۔"

"تم ڈرپوک اور کمزور دل کے آدمی ہو۔ تمہیں وہ سب دکھایا گیا تھا۔ تمہیں کسی مشین میں ڈالا تو نہیں گیا۔" اس کے بے پروایانہ قہقہے کے بعد آواز آئی۔

"ان سب سے زیادہ بھیانک تمہاری باتیں تھیں۔ وہ میرے ذہن میں گونج رہی ہیں۔ میں یہ سوچ کر لرز رہا ہوں کہ تم مجھ پر اعتبار کرنے کے بجائے اپنی کسی دھمکی پر عمل کر گزرتے تو میرا کیا حشر ہوتا۔ یہ حالت رفتہ رفتہ ہی اعتدال پر آئے گی۔"

"وہ سب بہت ضروری تھا۔" اس بار نریش شرما کی آواز میں سنجیدگی عود کر آئی "تم کو برے انجام کا خوف دلانے کے لیے وہ سب دکھانا ضروری تھا۔ اس میں تمہاری بھلائی تھی۔ سچ اور جھوٹ کو اسی طرح پرکھا جاتا ہے۔ پرکھے بنا تم کو چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔"

اس کے الفاظ میں میری نجات کا بالکل وہی پیغام تھا جو رینا مجھے سنا چکی تھی مگر میں نے اسے نظرانداز کر کے انجان بنتے ہوئے کہا "ابھی میں چھوڑا کہاں گیا۔ تم نے مجھے دہلی میں قید کر دیا ہے۔"

"دہلی بہت بڑا شہر ہے۔ تم پہلی بار یہاں آئے ہو۔ مہینوں گھومتے پھرتے رہو گے تب بھی تمہارا دل نہیں بھرے گا۔ تم دہلی کے بجائے اپنے کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گئے ہو۔ میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا۔ تم میری بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔"

"قید خانہ چھوٹا یا بڑا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ قید، قید ہی ہوتی ہے۔" میں اس کی گفتگو کے رخ کا اندازہ کر چکا تھا۔ میں نے وہ جواب دیتے ہوئے اپنی آواز میں بھرپور اداسی سمیٹ لی۔

"کمرے کی بے جان دیواریں اور اپنی فرینڈ کا چہرہ دیکھ دیکھ کر تم اکتا جاؤ گے۔ تم نے اپنی ایک شام اپنے ہاتھوں برباد کر لی۔" اس کا لہجہ ناصحانہ ہو گیا "شام کو تمہارے ہوٹل میں پریوں کے جمگھٹ ہوتے ہیں۔ سندر چہروں، تیکھے بدن اور شوخ اداؤں والی رنگین تتلیاں ہوتی ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ کل شام ان میں گھل مل جاؤ۔ کوئی نہ کوئی پری تم پر مہربان ہو جائے گی۔ دو تین گھنٹوں میں تمہاری ساری اداسی اور مایوسی کافور ہو جائے گی۔ تم کو ایک بار پھر اپنی زندگی سے پیار ہو جائے گا۔"

"میں کوشش کروں گا مگر میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ میں خود اس مایوسی سے نکلنا چاہ رہا ہوں مگر کامیاب نہیں ہو رہا۔ تم نے جھوٹ اور سچ کو پرکھنے کے لیے میرے وجود میں سے زندگی کا سارا جوش اور ولولہ نچوڑ لیا ہے۔"

اس بار نریش شرما کی ہنسی متکبرانہ تھی "میں نے کچھ نہیں کیا اور تم مجھ پر اتنا بڑا الزام لگا رہے ہو!"

"میں مانتا ہوں کہ تم نے مجھے چھوا تک نہیں مگر دل سے دماغ تک سب کچھ توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔"

"آج تمہارا تجربہ زیادہ ہے۔ کل تک تم بہتر ہو جاؤ گے۔ میری بات یاد رکھنا۔ کل کمرے سے ضرور نکلنا۔" اس نے تاکید کی۔

"میں کوشش کروں گا۔" میں نے دل ہی دل میں اس پر ہنستے ہوئے نیم دلانہ لہجے میں جواب دیا۔

نریش نے فون بند کر دیا۔ اس سے براہِ راست بات کر کے میرے ذہن کا بوجھ مزید ہلکا ہو گیا تھا۔

"وہ آپ کو کہاں جانے کے لیے مجبور کر رہا تھا۔" غزالہ نے دھیرے سے پوچھا۔ "وہ میرے جوابات غور سے سنتی رہی تھی۔ اس نے بالکل صحیح اندازہ لگا لیا تھا مگر یہ نہیں سمجھ سکی تھی کہ وہ مجھے پریوں اور تتلیوں کے جھرمٹ میں کھو جانے کا مشورہ دے رہا تھا۔"

"اسے یہ بات پسند نہیں آئی کہ میں ہوٹل کے کمرے میں محبوس ہو گیا ہوں۔ وہ چاہتا ہے کہ میں نچلی منزل کی رنگینیوں سے اپنا دل بہلانے کی کوشش کروں۔"

"جب ہی آپ ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑے جا رہے تھے۔ اسے یہ احمقانہ مشورہ دینے کی کیا ضرورت تھی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہی ایک نکتہ قابل غور ہے۔ اس وقت اس کی ساری گفتگو کا یہی ایک محور تھا۔"

"آپ نے شروع سے بہت اچھا موقف اختیار کیا ورنہ وہ آپ کو مجبور کردیتا۔"

"مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ مجھے کس راہ پر لے جانا چاہتا ہے۔ کل کے لیے اس نے بہت اصرار کیا ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ اس نے آپ پر زیادہ دباؤ ڈالا تو میں بھی آپ کے ساتھ رہوں گی۔" وہ ترشی سے بولی "دیکھتی ہوں کہ وہ مردود آپ کو کس طرح بہکاتا ہے۔ اس نے ذرا بھی ٹیڑھی بات کی تو میں اس کا دماغ درست کردوں گی۔"

"یہ مردانہ کھیل ہیں۔ انہیں مردوں تک رہنے دو۔ تمہاری پوزیشن نازک ہے۔ میں ہرگز یہ پسند نہیں کروں گا کہ راوا لے تمہاری طرف متوجہ ہوں۔ ایک بار وہ تمہاری راہ پر لگ گئے تو تمہارے نام کے حوالے سے شاید انہیں میری عرفیت بھی یاد آجائے۔ وہ بہت خطرناک موڑ ہوگا۔"

"آپ کو رنگ رلیوں پر مجبور کرکے وہ کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے؟" غزالہ نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

میں نے ذرا سی دیر کے لیے سوچا اور پھر ایک حد تک غزالہ کو اپنے اعتماد میں لینے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا "رینا نے مجھے بتادیا تھا کہ نریش شرما نے بیلا سنگھ نامی ایک لڑکی کو میرے پیچھے لگایا ہے۔ اس کے ذریعے وہ مجھے بلیک میل کرنے کا مواد تیار کرنا چاہتا ہے تاکہ میں پاکستان پہنچنے کے بعد اپنے کیے ہوئے وعدوں سے منحرف نہ ہوسکوں۔ بیلا نے میری تلاش میں اپنی پوری شام برباد کرنے کے بعد نریش کو اپنی ناکامی کی رپورٹ دی ہوگی۔ نریش اس وقت نشے کی جھونک میں ہوگا۔ اس نے میرا ہمدرد اور ناصح بن کر مجھے فون کرڈالا۔"

"پھر تو رینا بھی آپ سے اسی مقصد کے تحت ٹکرائی ہوگی۔" غزالہ نے نتیجے پر چھلانگ لگادی۔

"اس کا بھی یہی مقصد تھا۔" میں نے اقرار کیا "مگر وہ مجھ سے مل بیٹھنے کے باوجود ناکام رہی۔"

"بیلا سنگھ!" غزالہ نے دانت پیس کر وہ نام دہرایا "یہ کوئی سکھ لڑکی معلوم ہوتی ہے۔"

"ہوگی۔" میں نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے کہا "اب کھانے اور سونے کی فکر کرو۔ اس کے بارے میں کل سوچا جائے گا۔"

اس نے فوراً ہی فون پر روم سروس والوں کو کھانے کا آرڈر دیا اور دھیمی آواز میں ایک ٹیلی وژن اسٹیشن لگادیا۔

"آپ فون پر اس سے بات کررہے تھے تو آپ کے چہرے سے بھی اندر کا کرب جھلک رہا تھا۔ نریش کے ظالمانہ حربوں نے آپ کو واقعی پریشان کردیا ہوگا۔"

میں نے اس کی بات ہنسی میں اڑادی "ہوٹل واپسی کا فیصلہ کرتے ہوئے مجھے سنگین نتائج کا اندازہ تھا۔ اگر مجھے عملی تشدد بھی سہنا پڑتا تو میں اس کے لیے تیار تھا۔ مجھے تشویش ضرور تھی لیکن دل میں کوئی خوف نہیں تھا۔"

اس وقت ہوٹل کے مطبخ کی سرگرمیاں شاید اپنے شباب پر تھیں۔ تلی ہوئی مچھلی اور سبزیوں پر مشتمل کھانا میری توقع سے پہلے تیار ہوکر ہمارے سامنے آگیا۔ ہم دونوں نے پوری طرح سیر ہوکر کھانا کھایا۔ کچھ دیر ٹیلی وژن کے پروگرام دیکھتے رہے پھر روشنیاں گل کرکے بستر پر دراز ہوگئے۔

میری پچھلی رات کی نیند پوری نہیں ہوسکی تھی۔ میں جلد ہی خواب کی فسوں خیز وادیوں میں اترتا چلا گیا۔

اگلا دن خبروں کے ساتھ طلوع ہوا۔ ایک طرف اخبار میں تفصیلات موجود تھیں۔ دوسری طرف ٹیلی وژن پر بھی مزید خبریں آگئی تھیں۔

راوا والوں نے اپنے دفتر کی آتش زدگی میں کچھ ریکارڈ کے ساتھ ناگر کے جل مرنے کا اعتراف کرلیا تھا۔ صبح کے اخبارات میں وہ خبر اپنی جزئیات کے ساتھ پہلی بار آئی تھی۔ اس بار بھی رانے دو باتیں چھپالی تھیں۔ نریش کی تجوری کے توڑے جانے اور ریکارڈ نکالنے کا ذکر کیا تھا نہ ناگر کے سوختہ جسم پر تشدد کی علامات کی نشان دہی کی گئی تھی۔ پوری خبر میں کچھ ایسا تاثر دیا گیا تھا جیسے وہ منصوبہ بندی کے ساتھ کی جانے والی منظم واردات کے بجائے کوئی اتفاقی سانحہ رہا ہو۔

رات گئے پوری عمارت میں صرف ناگر کی موجودگی پر یہ کہہ کر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی کہ اس ونگ کے بعض افسران دیر تک بلکہ ساری ساری رات بھی اپنے دفاتر میں کام میں مصروف رہتے تھے۔ اس بات کا کہیں ذکر نہیں تھا کہ ناگر جس کمرے میں پایا گیا، وہ اصل میں نریش شرما کا دفتر تھا۔

صاف ظاہر ہورہا تھا کہ انل بسواس نے اپنے ادارے کو جگ ہنسائی اور رسوائی سے بچانے کے لیے دو قسطوں میں وہ کمزور کہانی تیار کی تھی اور قومی مفاد کے نام پر پریس سے اپیل کی تھی کہ اس واقعے پر غیر ضروری قیاس آرائی سے گریز کیا جائے۔

بھارتی پریس پر راکا ایسا خوف طاری تھا کہ انل بسواس کی اپیل پر پوری تندہی سے عمل کیا گیا تھا۔ اخبار نے اپنی طرف سے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ ہر جھول کے ساتھ سرکاری کہانی من وعن اخبار میں چھاپ دی تھی۔ یہ ضرور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

للھ دیا گیا تھا کہ اعلیٰ حکام نے صحافیوں کو آتش زدہ حصے سے دور رکھا تھا اور اس کی تصاویر بنانے کی اجازت بھی نہیں دی تھی۔ ناگر کے پوسٹ مارٹم کا سرے سے کوئی تذکرہ نہیں تھا۔

دوسری خبر جان اسمتھ کے قتل کے بارے میں تھی۔ وہ کسی سریع الاثر زہر کا شکار ہوا تھا۔ اس کی موت کے صحیح وقت کا بھی تعین کردیا گیا تھا۔ وہ ہوٹل سمراٹ کا ایک مقبول مہمان تھا اس لیے وہاں کے عملے کے دو افراد نے بتایا کہ بار کے رش میں اس نے اپنی جگہ چھوڑ کر کسی مقامی خاتون کو اپنی میز پر بلایا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اسی کے ساتھ بار میں بیٹھا شغل کرتا رہا پھر عورت کو لے کر وہاں سے چلا گیا۔

بھارتی حکومت نے اپنی سرزمین پر ایک اہم امریکی افسر کے قتل پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا تھا اور پاکستان کا نام لیے بغیر یہ الزام لگایا تھا کہ جان اسمتھ کا قتل خطے کی ایسی قوتوں کی سازش تھی جو بڑھتی ہوئی امریکی اور بھارتی دوستی کو پسند نہیں کرتیں۔

تیسری خبر آرک کی دیو ہیکل گاڑیوں کے گشت کے بارے میں تھی۔ غیر ملکی ایجنٹوں کی تلاش میں آرک والے اپنی کمین گاہوں سے دہلی کے اہم اور مرکزی علاقوں میں نکل آئے تھے۔ اخبار میں چھپی ہوئی تصویر سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ گشتی ریڈار سے مشابہ گاڑیاں تھیں جو کسی مغربی ملک نے بھارت کو فراہم کی تھیں۔

اس بارے میں اخبار کا اداریہ سب سے اہم تھا۔ اس میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ چند روز پہلے پاکستان سے بھارت میں گھس آنے والے دہشت گردوں کے بارے میں خبریں مل جانے کے باوجود بھارتی سلامتی کے ذمے دار ادارے ان کا کھوج لگانے میں بری طرح ناکام رہے تھے۔ اس گروپ کا ایک فرد بھی نہیں پکڑا جاسکا تھا۔ یہ تحقیق کی جانی ضروری تھی کہ وہ محض افواہ تھی جو مخصوص عزائم کے تحت پھیلائی گئی تھی یا اس میں حقیقت کا عنصر بھی تھا۔

اگر وہ اطلاع حقیقت پر مبنی تھی تو یہ جاننا ناگزیر تھا کہ خفیہ ادارے کہاں سوئے ہوئے تھے، پاکستانی دہشت گردوں کی آمد کی خبر بروقت کیوں نہیں مل سکی اور انہیں سرحد عبور تخریب کار بھارت کی سرزمین پر دندناتے پھر رہے تھے بلکہ انہیں اتنی آزادی ملی ہوئی تھی کہ وہ بھارت کے صدر مقام میں اپنی من مانی کارروائیاں کرتے پھر رہے تھے اور کوئی انہیں روکنے والا نہیں تھا۔

اخبارات نے اس امر پر گہرے افسوس اور ملامت کا اظہار کیا تھا کہ بھارت میں نہ صرف سرکاری اہل کار ان دہشت گردوں کی زد میں آئے ہوئے تھے بلکہ دوست ملکوں کے مہمان بھی ان کی دست برد سے محفوظ نہیں تھے۔

وہ ایک علامتی اداریہ تھا اور دہلی کے واقعات پر مقامی شہریوں کے ردِعمل کی ترجمانی کررہا تھا۔ شاید دوسرے اخبارات نے بھی پچھلے دن کے واقعات کو اسی رنگ میں لیا ہو۔ ایسی مزید رسوائی سے بچنے کے لیے راوالوں نے پہلے سے رازدارانہ اور مدافعانہ طور طریقے اختیار کیے ہوئے تھے۔

"سب کیا دھرا پاکستانی دہشت گردوں کے کھاتے میں ڈالا جارہا ہے۔" میری نشان دہی پر غزالہ نے وہ اداریہ پڑھنے کے بعد کہا "ان لوگوں کی کارروائیوں سے بھی یہی ظاہر ہورہا ہے کہ وہ چند پاکستانیوں کو ان معاملات میں قربانی کا بکرا بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔"

"ان کی یہ سوچ غلط نہیں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "ابھی ان پر ہماری حقیقت نہیں کھلی ہے اس لیے وہ نامعلوم پاکستانی دہشت گردوں کا ذکر کررہے ہیں۔ ہمارے دہلی پہنچتے ہی ان کی صفوں میں کھلبلی مچی تھی اور شہر کے ہوٹلوں میں مقیم پاکستانیوں کی کڑی جانچ پڑتال شروع ہوگئی تھی۔"

"ہاں.... آں...." غزالہ نے پرخیال انداز میں کہا "یہ اچھی بات نہیں ہے کہ انہوں نے صحیح سمت میں سوچنا شروع کردیا ہے۔ ہم زیادہ دیر تک یہاں رکے رہے تو وہ لوگ کسی بھی وقت ہم کو اپنے جال میں جکڑ کر بے بس کردیں گے۔ اب آپ کو یہاں سے نکلنے کے بارے میں سنجیدہ ہوجانا چاہیے۔"

"میں بھی یہاں ڈیرے ڈالنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اصل کام پورا ہوتے ہی یہاں سے روانگی کی تیاری کرلی جائے گی۔"

"اتنا کچھ کرلینے کے بعد آپ کس اصل کام کی فکر میں ہیں۔" اس نے حیرت سے پوچھا "میرا خیال ہے کہ ہم نے یہاں اپنی توقع سے زیادہ بڑھ کر کامیابیاں حاصل کرلی ہیں اور ہر کام ایسے بے داغ طریقے سے انجام دیا گیا ہے کہ آپ سے قریبی رابطوں کے باوجود راوالے اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔"

"یہ ساری آزادی محض اس وجہ سے میسر ہے کہ اول خان نے منصوبے کی بنیاد کا پہلا پتھر بالکل صحیح انداز میں اور مضبوطی سے جمایا تھا۔ اگر ابتدا میں کراچی سے یہ تصدیق نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئی ہوتی کہ میرا نام اور کوائف بالکل درست ہیں تو شاید ہم ہاتھ پیر ہلانے سے پھر دھر لیے گئے ہوتے۔"

"اور آپ بھی ان کو یہ باور کرانے میں اب تک کامیاب رہے ہیں کہ آپ کراچی میں پرانی گاڑیوں کا لین دین کرنے والے ایک چھوٹے تاجر ہیں جسے ہر وقت فاضل آمدنی کی شدت سے ضرورت رہتی ہے.... آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کی نگاہ میں اصل کام کیا ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"تم یاد کرو کہ ہم جلال کی اس خواہش پر یہاں آئے تھے کہ انل بسواس کا قصہ تمام کردیا جائے تاکہ پاکستان کے خلاف را والوں کی سرگرمیاں ایک طویل عرصے کے لیے دم توڑ جائیں۔ وہ کام ابھی تک باقی ہے۔" میں نے کہا۔

اس کی آنکھوں میں حیرت تیر گئی "اس اعتبار سے تو ہم اب تک تہی دست ہیں۔ جان اسمتھ کے خلاف ہمارے دلوں میں گہرا بغض وعناد تھا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ این کی دھمکیوں سے خائف ہو کر کراچی سے بھاگا اور یہاں آگیا پھر ہم نے اسے مار لیا۔ گرین کو براہمشن کے بارے میں یہاں گوپال نے بتایا۔ اسے پورا کرنا ان لوگوں کا کام تھا۔ اسے آپ نے ضرورت سے زیادہ آسان بنادیا۔ یہ ضمنی کامیابیاں تھیں۔ اصل کام واقعی باقی ہے۔"

میں نے اسی کی تکمیل کے لیے پاکستان واپس لوٹنے کا ارادہ ملتوی کیا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں یہاں سے خالی ہاتھ وطن لوٹ رہا ہوں۔ مجھے قرائن وہی نظر آرہے تھے جو اب سامنے آئے ہیں۔ میں اس وقت چلا جاتا تو سارا کیا دھرا ہمارے سر تھوپ دیا جاتا اور میں آسانی سے دوبارہ بھارت کی سرزمین پر قدم رکھنے کے قابل نہ رہتا۔ دعا کرو کہ میرا مظہر خان والا بہروپ چند روز تک کامیابی سے چلتا رہے۔"

"این کے چلے جانے کے بعد یہاں ہم پانچ افراد رہ گئے ہیں۔ جن میں سے تین آئی بی والے ہیں۔ ہم سب دل وجان سے ایک دوسرے کی کامیابی کے خواہاں ہیں۔ اس وقت اپنے اصل کام کی وضاحت کرکے آپ نے میرے ذہن سے بوجھ ہٹادیا ہے ورنہ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آپ نے کسی واضح مقصد کے بغیر یہاں رکنے کا خطرہ مول لیا ہے اور اب ہم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے۔"

"کسی اہم مقصد کے بغیر اس وقت یہاں رکنا خودکشی کے مترادف ہوتا۔ میرے سامنے ایک ہدف تھا اور اب تک ہم اسی سمت میں کام کرتے چلے آئے ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے گزرتے ہوئے ہر لمحے کے ساتھ ہم اپنی بڑی کامیابی سے قریب ہوتے جارہے ہیں۔"

"کل سہ پہر تک ہمارا بدترین وقت تھا اور آپ ذہنی صعوبتوں سے گزر رہے تھے۔ اس کے بعد سے ہم اسی کمرے میں بند ہیں۔ ہر طرف سناٹا ہے۔ آپ کو اپنی بڑی اور فیصلہ کن کامیابی کے بارے میں یہ خوش گمانی کیوں ہو رہی ہے؟"

اس کے معصومانہ سوال پر میں مسکرا کر رہ گیا۔ اپنی ساری ذہانت اور بے خوفی کے باوجود وہ کبھی کبھی بہت عامیانہ اور گھریلو سطح پر آجاتی تھی۔ میں نے کہا "تم رینا اجیت رائے کی آمد اور اس کی فراہم کی ہوئی پیشگی معلومات کو بھول گئیں۔ ہمارا دن واقعی بہت خراب گزرا لیکن شام سے حالات بہت تیزی سے ہمارے حق میں استوار ہوتے جارہے ہیں۔ بیلا سنگھ میری تلاش میں ہے اور نریش شرما مجھے کمرے سے نکلنے پر مجبور کررہا ہے۔ یہ بہت بڑی اور مثبت تبدیلی ہے۔"

"سامنے کی بات ہے۔" غزالہ نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے میری تائید کی "آپ کے ذہن میں ہر بات سلسلے وار محفوظ رہتی ہے۔ میں ہر بات کو اس کے اپنے سیاق وسباق میں دیکھتی ہوں۔ میرے لیے نریش کی وہ ترغیب آمیز باتیں بے غیرتی اور آوارگی سے زیادہ اہم نہیں تھیں۔"

"دن گزر رہا ہے۔ دھیرے دھیرے شام آجائے گی۔ اگر میں اپنے کمرے میں رکا رہا تو مجھے یقین ہے کہ نریش دوبارہ مجھے فون کرے گا۔ اس کے لیے میرا بیلا سنگھ کے ساتھ مل بیٹھنا بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ وہ مجھے آمادہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔"

"پھر آپ کا کیا ارادہ ہے۔" غزالہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے ذومعنی انداز میں پوچھا "بیلا سنگھ بھی رینا کی طرح جوان اور دلکش لڑکی ہوگی۔"

اسے وہ سب بتانا غیر ضروری تھا جو رینا نے بیلا سنگھ کے بارے میں بتایا تھا۔ میں نے بے پروائی سے جواب دیا "میرا اس سے ملنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اگر نریش کا فون آیا تو پھر اس سے ہونے والی گفتگو کی روشنی میں اسی وقت کوئی فیصلہ کروں گا۔"

"یہاں آپ بلاوجہ کمزوری دکھا رہے ہیں۔ اگر آپ کو اپنے اوپر اعتبار ہے تو آپ کو نریش سے خیرسگالی کے اظہار کے طور پر بیلا سنگھ سے مل لینا چاہیے۔ رینا جیسی لڑکی آپ کو نہیں بہکا سکی تو بیلا سنگھ کے سامنے بھی آپ کے قدم نہیں ڈگمگائیں گے۔ عورت اسی وقت شیر ہوتی ہے جب اس کے سامنے والا مرد کمزور پڑنے لگتا ہے۔ مجھے آپ پر بھروسا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری طرف سے آپ کو کھلی اجازت ہے۔ آپ جب چاہیں' بیلا سنگھ سے مل سکتے ہیں۔ میں آپ کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنوں گی۔"

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا لیکن سچ بات یہ تھی کہ اس کی نئی فراخ دلانہ پیش کش پر میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔ پچھلی رات اس نے نریش کی تجاویز پر جس سخت ردِ عمل کا مظاہرہ کیا تھا' اس نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔

○☆○

سات بجے نریش شرما کا فون آگیا جس کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔ آپریٹر کے ذریعے کال ملنے کے سبب مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ اس وقت میرے ہوٹل میں نہیں تھا بلکہ کہیں اور سے بات کر رہا تھا۔

"ارے! تم آج پھر اپنے کمرے میں گھسے بیٹھے ہو!" میری مزاج پرسی کے جواب میں نریش شرما کی تحیر زدہ آواز ابھری "میں تو سمجھ رہا تھا کہ اس وقت تمہاری گرل فرینڈ سے بات ہو گی اور تم نیچے کہیں رنگ رلیاں منا رہے ہو گے۔"

"میں نے کئی بار تیار ہو کر باہر نکلنے کا ارادہ کیا ہے مگر ہر بار ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ مجھے کیا ہو گیا۔"

"کچھ نہیں ہوا۔ تم شدید ڈپریشن میں مبتلا ہو۔ اس وقت تمہیں سہارے کی ضرورت ہے۔ اب تم جھٹ پٹ تیار ہو جاؤ۔ میں ٹھیک آٹھ بجے تمہارے ہوٹل کی لابی میں پہنچوں گا اور ہم کچھ دیر کے لیے باریا ریستوران میں بیٹھیں گے۔ مجھے تم سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

نریش نے اس بار بات کا رخ بدل دیا تھا۔ میں نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے۔ "تم لابی میں مجھے اپنا منتظر پاؤ گے۔"

"او کے۔ گڈ لک!" ریسیور میں نریش کی مسرت آمیز آواز ابھری اور ہلکی سی کلک کے ساتھ لائن بے جان ہو گئی۔

"اس وقت آپ کسی بحث کے بغیر رضامند ہو گئے۔ اس نے آپ کے کان میں کیا پھونکا تھا۔" غزالہ نے خوش گوار حیرت سے پوچھا۔

"وہ مجھ سے کوئی ضروری بات کرنے کے لیے آٹھ بجے آرہا ہے۔" میں نے کہا "میں جانتا تھا کہ وہ ضرور فون کرے گا۔"

"اس نے ابھی تک آپ کو اپنی مخصوص لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا لیکن میری بات لکھ لیں کہ بیلا سنگھ اس کے ساتھ ہو گی۔"

"دیکھا جائے گا۔ میرے مزید انکار سے وہ مشتعل ہو جاتا۔ اپنے ڈیپریشن کی وجہ سے میں تفریحات میں حصہ لینے سے انکار کر سکتا ہوں لیکن نریش سے ملنے سے انکار کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے بہت چالاکی کے ساتھ اپنا پینترا بدلا ہے۔ میں بے بس ہو گیا تھا۔"

میں نے فوراً ہی شیو کر کے کمرے سے نکلنے کی تیاری شروع کر دی۔

پونے آٹھ بجے میں نے کمرا چھوڑ دیا۔ نریش کے آنے

دُنیا بھر میں پاکستانی اخبارات، رسائل اور کتابوں کے برآمد کنندگان

FAIR EXPORT HOUSE

اس کے علاوہ پاکستانی/ہندوستانی کیسٹ، سی ڈی، پاکستانی ٹی وی ڈرامے اور دیگر ثقافتی پروگراموں کے لیے بھی رابطہ کیجیے

FAIR EXPORT HOUSE
C-41, Block-B Gulshan-e-Jamal
Off, Rashid Minhas Road Karachi, Pakistan
Phone: (9221) 4574628- (9221) 4595462
Fax: (9221) 4595491-e-mail: fair@cyberaccess.com.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے پہلے میں ہوٹل کی کھلی فضا میں کچھ وقت گزار کر نئے فیصلے کرنا چاہتا تھا۔

میں لابی کے ایک گوشے میں بیٹھ کر سگریٹ پھونکتا رہا۔ میں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ بیلا سنگھ کتنی ہی حسین اور شوخ وشنگ کیوں نہ ہو' میں اس سے دور رہوں گا۔

اپنے دیے ہوئے وقت سے پانچ منٹ پہلے نریش ہوٹل کی لابی میں نظر آیا۔ وہ گہرے نیلے رنگ کے شاندار سوٹ میں ملبوس تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا نمودار ہوا تھا۔ اس کی متلاشی نگاہیں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر ہاتھ ہلایا۔ اس کے ہونٹوں پر جوابی مسکراہٹ تیر گئی اور اس نے اپنا رخ میری طرف تبدیل کرلیا۔

"بہت فٹ اور شاندار نظر آرہے ہو۔" اس نے گرمجوشی سے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "میں سمجھ رہا تھا کہ تمہارا چہرہ لٹکا ہوا ہوگا۔ آنکھوں میں ویرانی تیر رہی ہوگی۔"

"پچھلی سہ پہر کو را کے عقوبت خانے میں وہ خاصے بھیانک اور خشک روپ میں میرے سامنے آیا تھا لیکن اس وقت بالکل بدلا ہوا تھا۔ وہ دوستانہ انداز میں میرا ہاتھ تھام کر ہوٹل کے اندرونی حصے کی طرف چل دیا۔ وہ میرے ساتھ ہوٹل کے بار میں بیٹھ کر ایک آدھ پیگ پینے کا خواہاں تھا۔ اسے اپنے دفتر میں ہونے والی ملاقات میں یہ معلوم ہوچکا تھا کہ میں شراب نوشی نہیں کرتا پھر بھی اس نے بار کا رخ کیا تھا۔ میں نے خاموشی سے اس کی تجویز قبول کرلی۔

"کمرے سے نکل کر تم نے اپنے موڈ میں خوش گوار تبدیلی محسوس کی ہوگی۔" اس نے بار کے ایک گوشے میں بیٹھنے کے بعد کہا۔

"مجھے احساس نہ دلاؤ۔" میں نے دھیرے سے کہا "میں کافی دیر سے نیچے بیٹھا اپنا دھیان بٹانے کی کوشش کررہا تھا۔"

ویٹر آگیا۔ نریش نے اپنے لیے جن کاپ اور میرے لیے لیمن جوس کا آرڈر دے دیا۔ ویٹر کے جانے کے بعد اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں نے تمہیں ڈینی کے بارے میں بتایا تھا۔ ہمارے آدمی اسے کھو چکے ہیں۔ پاکستان پہنچنے کے بعد تمہیں یہ پتا چلانا ہے کہ وہ اس وقت کہاں روپوش ہے۔ ہمارے لیے یہ بات بہت زیادہ اہم ہوگئی ہے۔"

"یہ بات تم مجھے پہلی ملاقات میں بتا چکے تھے۔" میں نے کسی طنز کے بغیر کہا۔

"معلومات فراہم کرنے اور سراغ لگانے میں بہت فرق ہے۔ اب تمہیں ذرا زیادہ محنت کرنی پڑے گی۔" اس نے وضاحت کی۔

"میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔" میں نے پرخلوص لہجے میں اسے یقین دلایا۔

اس نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکال کر میری طرف بڑھادیا۔ "اسے رکھ لو۔ یہ تمہارا پہلا پیشگی معاوضہ ہے۔ یہ بھارتی پچیس ہزار ہیں کیونکہ تم یہاں ہو۔ اگلی ادائیگیاں پاکستانی کرنسی میں ہوں گی۔ کوئی نہ کوئی تم کو باقاعدگی سے رقم پہنچاتا رہے گا۔"

"ہوسکے تو مجھے وہ فون یا فیکس نمبر بھی دے دو جس پر مجھے رپورٹ دینی ہوگی۔"

"رقم کے ساتھ ایک کاغذ پر دونوں نمبر لکھے ہوئے ہیں۔ تمہارا رابطہ فیکس پر رہے گا۔ فون انتہائی ناگزیر مجبوری کے لیے ہے۔ اس سے پانچ پیس گھنٹی کے بعد جواب ملے گا۔ تم کنکٹ کے کوڈ سے اپنا تعارف کراؤ گے تو متعلقہ آدمی سے تمہاری بات ہوجائے گی۔"

ویٹر ایک چمکتی ہوئی ٹرے میں مشروبات لے آیا اور ادب سے میز پر سجانے میں مصروف ہوگیا۔

"میرے لیے جن اور ٹانک کا ایک زوردار پیگ بنادو۔" نریش نے اسے ہدایت کی۔

وہ سر جھکا کر اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ اس دوران میں نریش کی نگاہیں ہر طرف دوڑتی رہیں۔ ویٹر کے جاتے ہی نریش نے اپنا گلاس اٹھا کر میری خوشیوں کا جام تجویز کیا اور گلاس لبوں سے لگالیا۔ میں نے لیمن جوس کے گلاس سے پہلا گھونٹ حلق میں اتارلیا۔

"ارے! یہ تتلی کہاں بھٹک رہی ہے!" نریش نے اچانک بے ساختگی سے کہا اور اپنا گلاس میز پر رکھ کر بہت تیزی سے بار کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے شیشے کی دیوار سے دیکھا کہ وہ بار سے نکل کر تیزی سے بھرے بھرے بدن والی ایک دراز قامت لڑکی کے پیچھے گیا تھا جس کے بدن پر گلابی ساڑی موجود تھی۔ رینا کے بیان کے مطابق پچھلی شام بیلا سنگھ گلابی ساڑی پہنے ہوٹل میں موجود تھی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ نریش چونکنے کی اداکاری کرکے جس تتلی کے پیچھے لپکا تھا' وہ بیلا سنگھ ہی تھی۔

ان دونوں کے درمیان سب کچھ پہلے سے طے ہوچکا تھا مگر نریش نے مجھے پھانسنے کے لیے وہ ڈراما رچایا تھا۔

میں بیلا سنگھ کے استقبال کے لیے تیار ہوگیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کو انگ ٹونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آسٹرک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر کسی کے بے اندازہ وسائل پر قابض ہو کر اسنار ڈنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لاپڑ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کے باعث چنے جھاڑ دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد ارنگ بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ کروالیں امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں کی بنیادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسنار ز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اور ائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی، اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا، اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا، جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کر لی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹر نیشنل کے غیر معمولی اور ولا چانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کردار ہمارا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹر نیشنل کے دفتر میں مقیم پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیاپھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی، کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خبر وہ بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں تاریک کے عادتے میں شدید زخمی ہو چکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہو گیا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے، ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی او زکی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "ہیومن سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کردار ہمارا جہانگیر کا ماموں سمیر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس بی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کر دیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور اگر تیس ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں، میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق ویرا ہم سے الگ ہو کر دوسرے ہوٹل میں قیام پذیر ہو گئی۔ کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم جان اسمتھ بھی نئی دہلی پہنچ چکا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ دہلی میں کرین کو پرافائل کی جستجو میں تھے۔ اسی اثنا میں را کی خوب رو ایجنٹ ریتا اجیت رائے مجھ سے ٹکرائی اور بے باک تعاقب میں مجھے بتایا کہ وہ مجھے اعل بسواس سے ملوا سکتی ہے۔ پاکستان سے اول خان نے مجھے آگاہ کیا کہ وہاں مظہر خان کے پاسپورٹ پر درج مندرجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ ریتا سے میری دوسری ملاقات بدمرگی کا شکار ہو گئی۔ اس کی ابتدا میں ہی را کے تیز خو اور سفاک ایجنٹ ناگر نے میری انگلیوں کے نشانات حاصل کیے اور پھر بعد میں ریتا نے مجھے بتایا کہ میری اور اس کی پچھلی رنگین ملاقات ویڈیو فلم کے ذریعے محفوظ کی جا چکی تھی۔ اب مجھے ہر قیمت پر را کے لیے کام کرنا تھا۔ ویرا جان اسمتھ کے چکر میں تھی مگر میں نے اسے متاثر دی کا مشورہ دیا اور دہلی اعل اپنی سرگرمیوں کو معطل کرنے پر رضامند ہو گئی۔ میں نے را کے دفتر میں اعل بسواس اور شرما دونوں سے ملاقات کی اور دیگر امور کے علاوہ انہوں نے مجھے میری تلاش کا بیڑا کام سونپ دیا۔ شرما کے دفتر میں مجھے گرین کو پرافائل نظر آگئی۔ را کے دفتر سے میری بخیریت واپسی نے میرے حوصلوں کو مہمیز دی اور میں نے اسی رات را کے دفتر میں نقب لگا کر تمام ضروری مواد نکال لینے کا فیصلہ کر لیا۔ گرپال میرا ہمنوا تھا۔ میں نے اس سے پہلے غزالہ کو جان اسمتھ کا کام تمام کرنے روانہ کر دیا۔ ہوٹل سرات میں غزالہ سے ویرا ٹکرا گئی۔ اس کے مشورے کے مطابق غزالہ نے با آسانی جان اسمتھ کو شکار کر لیا اور دونوں وہاں سے روانہ ہو گئیں۔ اس کی واپسی کے بعد میں آئی بی کی ٹیم کے ساتھ را کے دفتر روانہ ہو گیا۔ وہاں معاملات ہماری توقع کے مطابق بڑی تیزی سے نمٹتے گئے۔ تاہم ایک موقع پر را کے ناگر نے اپنی ذرا ملی آمد کے سبب ہمارے منصوبے کو ناکام بنا ہی دیا تھا مگر وہ خوشامد پسند اور انا پرست جلد ہی میرے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کا شکار ہو گیا۔ ہم وہاں سے مال غنیمت سمیت بہت سی فائلیں لے کر نکل آئے مگر اس سے پہلے میں نے اپنی ویڈیو فلم اور فنگر پرنٹس کو ضائع کرایا تھا۔ ناگر کی چتا شرما کے دفتر میں موجود کاغذوں سے تیار کی گئی اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ وہاں ہماری پے در پے کامیابیاں قابل فخر تھیں مگر ہمارا تن کی خاموشی مجھے کسی بڑے طوفان کا پتا دے رہی تھی۔ میں نے ہندوستان سے فوری روانگی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ عابد علی نے را کے دفتر سے ملنے والی فائلیں امرتسر میں ویرا کے حوالے کر دیں تاکہ وہ انہیں پاکستان لے جائے۔ مجھے اندازہ تھا کہ میری کارروائی را کی صفوں میں بھونچال پیدا کر دے گی جس کی لپیٹ میں ہم بھی آ سکتے ہیں اور ایسا ہی ہوا۔ مجھے ہوش سے اٹھوا لیا گیا اور ہلکی سی پرشدد اور نفسیاتی پوچھ گچھ کے بعد مجھے گلو خلاصی حاصل ہوئی۔ یہ میری بہت بڑی کامیابی تھی۔ نریش نے مجھے کلیئر تو کر دیا مگر یہ پابندی لگا دی کہ میں اس کی اجازت کے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ریتا اجیت رائے نے بتایا کہ میری ویڈیو فلم ضائع ہونے کے باعث نریش نے دوسری لڑکی کو میرے پیچھے لگا دیا ہے تاکہ اس کے ساتھ میری ویڈیو دوبارہ بنائی جا سکے۔ میں محتاط تھا اور نریش مجھے بیلا سنگھ نامی سکھ لڑکی سے ملنے کا مشورہ دے رہا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

نریش شرما ہوٹل کے بار سے نکل کر بہت تیزی سے گلابی ساڑی والی لڑکی کے قریب پہنچا پھر وہ دونوں تحیر زدہ تپاک سے یوں ایک دوسرے سے ملے جیسے ان کی وہ ملاقات کافی عرصے بعد اور اتفاقاً ہوئی ہو۔

بھرے بھرے اور گداز جسم والی وہ دراز قامت لڑکی چونک کر نریش کی طرف گھومی تھی اور ان دونوں نے بہت گرم جوشی سے ہاتھ ملائے تھے۔

میں نے نریش کے جاتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ لڑکی بیلا سنگھ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔ نریش نے اسے پچھلے روز میرے پیچھے لگایا تھا۔ بیلا سنگھ کی وہ شام بالکل بے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نجیہ رہی تھی۔ اس کے بارے میں رینا اجیت رائے نے مجھے
وقت ہوشیار کردیا تھا۔ میں دانستہ اس لڑکی سے دور رہنے کی
شش کررہا تھا۔ وہ جال نریش کا پھیلایا ہوا تھا۔ وہ خود
شش کرتا رہا تھا کہ میں اپنے کمرے سے نکلوں تاکہ بیلا
کھ مجھے اپنے حسن اور اداؤں سے مسحور کرکے اپنے کنج
فیت میں لے جاسکے جہاں اس کے لیے عافیت ہی عافیت
ی مگر میرے لیے سنگین ترین خطرے کے سوا کچھ نہیں تھا۔

نریش نے براہِ راست ہوٹل پہنچ کر یہ واضح کردیا تھا کہ
ں کے لیے میری اور بیلا سنگھ کی ملاقات کتنی اہم تھی۔ یہ
تہ اس کے گمان میں بھی نہیں آسکا تھا کہ میں رینا کی
ردیاں جیتنے میں کامیاب ہوچکا تھا اور را کی بہکائی ہوئی اس
دور لڑکی نے قبل ازوقت مجھے نریش اور بیلا سنگھ کے کھیل
آگاہ کردیا تھا۔

وہ دونوں را کے تجربے کار ایجنٹ تھے۔ بیلا سنگھ شاید
وہ پرانی نہ رہی ہو مگر نریش ایک خرانٹ سیکرٹ ایجنٹ
۔ وہ یہ بات فراموش کر ہی نہیں سکتا تھا کہ میں بار کی شیشے
دیوار سے اس کی اور بیلا کی طرف دیکھ رہا ہوں گا۔ ان
درمیان سب کچھ طے تھا۔ انہوں نے اپنے اپنے انداز
بے ساختگی سے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ
کے درمیان ہونے والی وہ ملاقات پہلے سے طے شدہ
ں تھی۔

میرے لیے وہ سب بہت تشویش ناک تھا مگر پھر بھی میں
ی اداکاری پر اپنے دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ اس
ت میرے نزدیک ایک ہی پیمانہ باقی رہ گیا تھا۔ اگر وہ لڑکی
لھ تھی تو وہ ڈراما مجھے پھانسنے کے لیے ترتیب دیا گیا تھا۔
ی اور تھی تو نریش کے ابتدائی ردِ عمل پر یقین کیا جاسکتا

وہ دونوں چند ثانیوں تک ہوٹل کی روشن اور کشادہ
اری میں کھڑے ہنس ہنس کر بے تکلفی سے باتیں کرتے
پھر شاید نریش شرما کی دعوت پر وہ لڑکی' اس کے ساتھ
ی طرف چل دی۔ نریش نے بے تکلفی سے اپنا بازو اس
ر کے گرد حمائل کردیا تھا۔

ایک دوسرے سے یوں ہی جڑے ہوئے وہ بار میں
ں ہوئے تو تقریباً سارے ہی رندوں کی نگاہیں ان کی
اٹھ گئیں۔

بیلا سنگھ بلاشبہ بہت حسین لڑکی تھی۔ قدرت نے اسے
ب کے نین نقشے اور متناسب بدن سے نوازا تھا جسے اس
نی کوششوں سے بہت دل نواز حدود میں رکھا ہوا تھا۔
کے بدن کے نشیب و فراز میں کہیں بھی کوئی غیر ضروری
تجاوز نظر نہیں آرہا تھا۔ کمر کی آخری حد پر بندھی ہوئی ساڑی اور سینے کی بالائی حد پر کسے ہوئے نٹھے سے بلاؤز کے درمیان اس کا پیٹ کسی شکاری کتیا کی طرح بالکل کمر سے لگا ہوا تھا۔ بلاؤز آستینوں سے محروم تھا اور اس کی سڈول' مرمریں بانہیں چلتے ہوئے بار بار ساڑی کے پلو سے الجھ رہی تھیں۔ مغرب میں عورتوں کی بے لباسی یا زیادہ محتاط الفاظ میں کم لباسی فیشن کا درجہ رکھتی ہے۔ جس کے بدن پر جتنا کم کپڑا ہوتا ہے وہ اسی قدر آزاد خیال اور مقبول ہوتی ہے لیکن نریش کے ساتھ بیلا کو گلابی ساڑی اور بلاؤز میں دیکھ کر صحیح معنوں میں اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی عورت یا لڑکی اپنے جوبن کی نمائش پر تل ہی جائے تو گزوں کپڑا بھی اس کے بدن کو پوری طرح چھپانے کے لیے ناکافی ہوتا ہے۔

میں نے نریش سے ہونے والی باتوں میں اسے یہ تاثر دیا تھا کہ میں را کے دفاتر میں اپنے ساتھ پیش آنے والے ہیبت ناک واقعات کے نتیجے میں ایسے شدید ڈپریشن کا شکار ہوا تھا کہ زندگی کی کسی بھی رنگینی اور تفریح کی طرف دل مائل نہیں ہورہا تھا مگر اس لڑکی کا دلکش سراپا اور پھر اس کے یاقوتی ہونٹوں پر پھیلی ہوئی بے حجاب مسکراہٹ دیکھتے ہی مجھے پھریری سی آگئی۔

اگر رینا نے مجھے اس کی اصلیت کے بارے میں پہلے سے نہ بتایا ہوتا تو نریش کو ذرا سی بھی محنت نہ کرنی پڑتی اور ہوٹل کے رومانی ماحول میں بے خبری میں اس لڑکی کا شکار ہوجاتا۔ وہ ایک ادا کے ساتھ فرش پر ہلکورے سے لیتی' میزوں کے درمیان اپنا راستہ بناتی ہوئی' نریش کے ساتھ میری میز پر آگئی۔

میں نے بوکھلا کر لیمن جوس کا گلاس میز پر رکھا اور... بدحواسی کا مظاہرہ کرتا ہوا کرسی سے اٹھ گیا۔ میں نے ان دونوں پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ اس لمحے سے پہلے میں نے ان پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔

"مظہر خان! اس سے ملو۔ یہ میرے دوست بھگوت سنگھ کی بیٹی بیلا سنگھ ہے۔ بہت بے مروت اور خود سر لڑکی ہے۔ آج مہینوں بعد میری نظر اس پر نہ پڑ گئی ہوتی تو یہ یہاں سے سیدھی نکلتی چلی جاتی.... اور یہ مظہر خان ہے۔ میرا دوست!"

بیلا سنگھ نے کھلکھلاتے ہوئے اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ عورت کی پہل پر ہاتھ ملانا ہر معاشرے میں مرد کی مجبوری بن جاتا ہے۔ میں نے اس ریت پر عمل کیا۔ بیلا سنگھ نے میرا ہاتھ بہت مضبوطی سے اپنی گداز اور حرارت آمیز ہتھیلی میں بھینچ لیا۔

"نریش انکل جب ملتے ہیں' مجھے ایسے ہی کانوں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھسیٹتے ہیں۔" بیلا سنگھ ہنستے ہوئے میرے سامنے اپنی صفائی پیش کررہی تھی "ان کا اپنا حال یہ ہے کہ کبھی گھر پر نہیں نکلتے۔ جب فون کرتی ہوں' پتا چلتا ہے کہ دفتر میں ہیں یا کسی میٹنگ میں گئے ہوئے ہیں۔"

بیلا سنگھ نے مصافحہ خاصا طویل کردیا۔ آس پاس کی میزوں پر بیٹھے ہوئے مرد ہمیں رشک آمیز نگاہوں سے دیکھ رہے تھے' ایک آدھ مرد کی آنکھوں سے کینہ بھی جھلک رہا تھا۔ جارح مزاج رکھنے والے بہت سے مرد اسی فطرت کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ کسی خوب رو عورت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی اہلیت سے محروم ہوتے ہیں لیکن جب کسی حسین عورت کو کسی اور مرد کے ساتھ بے تکلف ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو اندر ہی اندر جلنے اور کڑھنے لگتے ہیں۔

میرے ہاتھ کو کئی پر زور اور پرجوش جھٹکے دینے کے بعد بیلا نے آزادی بخشی اور خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"مظہر خان خشکا ہے۔ بار میں بیٹھ کر لیمن جوس پی رہا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا پیو گی؟" مجھے متاثر کرنے کے لیے نریش شرما اپنی تیسرے درجے کی ماتحت کے سامنے بچھا جارہا تھا۔ میں اس کی چال کو سمجھ رہا تھا۔ اس خبیث نے بیلا سنگھ کی شخصیت کو زیادہ اثر انگیز بنانے کے لیے اپنے کسی نام نہاد دوست کی بیٹی بنا دیا تھا۔ وہ اپنے رویے سے مجھے یہ جتانا چاہ رہا تھا کہ بیلا کوئی معمولی لڑکی نہیں تھی۔

"مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تم اپنے انکل نریش سے خاصی بے تکلف ہو۔" میں نے ایک چبھتی ہوئی بات بہت سادہ اور سپاٹ لہجے میں کہہ ڈالی۔

"یہ بڑے شریر انکل ہیں۔" بیلا نے شوخ اور تیکھی نظروں سے نریش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "جب جی چاہتا ہے' انکل بن کر بات بے بات پر اپنا بڑا پن جتانے لگتے ہیں اور ان کا اپنا موڈ ہو تو دوست بن جاتے ہیں۔" اس بار بیلا کا زندگی سے بھرپور لہجہ قدرے دھیما تھا۔

"ایک ڈبل اسکاچ' سوڈے کے ساتھ!" نریش نے بیلا کے جواب کا انتظار کیے بغیر ویٹر کو آرڈر دیا اور اس کے چلے جانے کے بعد بیلا کی طرف متوجہ ہو کر بولا "مجھے معلوم ہے کہ کوئی ہاکا پھاکا ڈرنک تم کو کھلنے نہیں دے گا۔ اسکاچ تمہیں بہت مرغوب ہے۔"

"تم مجھے نہ روکتے تو میں اپنے کمرے میں جاکر منی بار سے اسکاچ ہی لینے کا ارادہ کررہی تھی...."

"دیکھ لو' ہم نے تمہارے من کی بات پڑھ لی۔ ایسے انکل کسی کسی کے نصیب میں آتے ہیں۔" نریش نے اس کی بات کاٹ کر شوخی سے کہا۔

بیلا سنگھ اپنی ملائم اور مخروطی کہنیاں میز کی سطح پر ٹکا کر آگے جھک آئی اور تقریباً سرگوشیانہ آواز میں بولی "سچ پوچھو تو مجھے بار جیسی کھلی جگہوں پر بیٹھ کر پیتے ہوئے بے چینی سی محسوس ہوتی ہے۔ سارے مردوں کی ندیدی اور بھوکی آنکھیں تیروں کی طرح اپنے بدن میں اترتی ہوئی لگتی ہیں۔ شراب میں کیا برائی ہے؟ مرد پیتے ہیں' عورتیں بھی پیتی ہیں مگر یہ بات سب کو بری لگتی ہے کہ کوئی عورت ان کے بجائے دوسروں کے ساتھ شراب پیے۔"

نریش نے ہاکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "شراب کی برائی مظہر سے نہ پوچھنا۔ ابھی تقریر شروع کردے گا۔"

"میں مذاق نہیں کررہی۔ پرسوں ہی دلی آئی ہوں اور اسی ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہوں۔ میری مانو تو اوپر میرے کمرے میں چلو۔ پینے پلانے کا مزہ آجائے گا۔ اپنوں میں بیٹھ کر بے فکری سے پینے کا مزہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔" وہ دونوں میری توقع سے بہت پہلے' نہایت ہوشیاری سے گفتگو کو اپنے مطلب کے رخ پر لے آئے تھے۔ بیلا سنگھ کی تجویز پر نریش کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

بیلا سنگھ کی وہ تجویز میرے حق میں نہیں تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کے کمرے میں چھپے ہوئے کیمرے میری اور اس کی خلوت کے منتظر ہوں گے۔ میرے چہرے پر تذبذب کے آثار دیکھ کر نریش نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا "شہر میں کل سے بھونچال آیا ہوا ہے۔ نو بجے پولیس کمشنر کے دفتر میں ایک اہم اجلاس ہے۔ مجھے ہر حال میں وہاں پہنچنا ہے۔"

"اب بتاؤ کہ میں بے مروت ہوں یا تم بہت زیادہ مصروف آدمی ہو۔" بیلا سنگھ نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"تم بہت چالاک ہوگئی ہو۔ اپنے مطلب کی بات فوراً پکڑ لیتی ہو۔" نریش ہنس کر بولا "میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر نہیں جارہا۔ مظہر یہ شام تمہارے ساتھ گزارے گا۔ یہ بہت دل پھینک اور خوش باش آدمی ہے۔ تم اس کے ساتھ ہر وہ سلوک کرسکتی ہو جو میرے ساتھ کرتی رہی ہو۔ یہ تھوڑے سے ڈپریشن کا بھی شکار ہے۔ تمہاری رفاقت میں تھوڑا سا وقت گزار کر اسے بھی سکون ملے گا۔"

ان دونوں نے اتنی خوب صورتی اور چالاکی سے مجھے اپنے دام میں گھیرا تھا کہ میرے لیے نکلنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔ نریش کی ذو معنی باتوں میں بہت سے مفہوم پنہاں تھے مگر ظاہر کچھ بھی نہیں تھا۔ میں بیلا سنگھ کا ساتھ دینے سے انکار کرتا تو وہ دونوں میرے پیچھے پڑجاتے کہ میں انہیں ذرا سا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقت دینے سے کترا رہا تھا۔ خود کو ان کے چنگل میں بے بس پا کر میرے ذہن پر جھلاہٹ طاری ہونے لگی۔

اسی جھلاہٹ میں اچانک مجھے یاد آیا کہ نریش نے مجھے اپنے کمرے سے ہوٹل کی نچلی منزل تک بلانے کے لیے کسی بہت ضروری گفتگو کا بہانہ کیا تھا۔ میں نے قدرے تیزی سے کہا "تم یہ بھول رہے ہو کہ ہم دونوں کچھ ضروری باتوں کے لیے....."

"مظہر خان! باتوں کا کیا ہے۔ باتیں تو زندگی بھر ہوتی رہیں گی۔ بیلا جیسی لڑکی روز روز نہیں ملے گی۔" نریش نے بازاری انداز میں اپنی بائیں آنکھ دبا کے کہا "باتیں ہم کل یا پرسوں بھی کرلیں گے۔ تم بیلا سنگھ کی مہک سے محروم رہ گئے تو عمر بھر پچھتاتے رہو گے۔ یہ آج رات یہاں ہے۔ کل پتا نہیں کہاں ہوگی۔"

"انکل!" بیلا سنگھ نے اٹھلا کر ناراضی سے کہا "میں چیز میں لگی ہوئی کوئی بے بساط کلی نہیں ہوں جس کا رس ہر آوارہ بھونرا چوستا ہے اور اڑ جاتا ہے۔ میری تم سے دوستی ہے۔ تم چلتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ میں چلتی ہوں۔ تمہارا یہ قوطی دوست تو مجھے بھی آزردہ کردے گا۔"

اسی وقت ویٹر ڈبل اسکاچ لے آیا۔ نریش نے اہتمام سے اس میں سوڈا ملایا۔ بیلا سنگھ نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر گلاس اٹھالیا۔

وہ جام بیلا سنگھ کے نام تجویز ہوا۔ تینوں نے اپنے لب تر کیے اور گلاس دوبارہ میز پر رکھ دیے۔ نریش جن پی رہا تھا۔ بیلا سنگھ کے لیے اسکاچ آئی تھی اور میرے لبوں پر لیمن جوس کی خواہش ذائقہ تھا۔

"یہ قوطی نہیں، بہت زندہ دل آدمی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ دہلی میں تمہارے زیادہ دوست نہیں ہیں۔ اجنبیوں سے تم دور بھاگتی ہو۔ اگر مجھے میٹنگ میں نہ جانا ہوتا تو میں ضرور تم دونوں کا ساتھ دیتا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے جانے کے بعد مظہر تمہیں کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دے گا۔"

"سمجھ لو!" بیلا سنگھ نے اپنے گلاس سے دوسرا گھونٹ لے کر سر ہلاتے ہوئے کہا "میں پرسوں آئی تھی۔ آج دہلی میں میری تیسری اور آخری رات ہے۔ صبح دس بجے میں ممبئی چلی جاؤں گی۔ پتا نہیں پھر کب آنا ہو۔"

بیلا سنگھ، نریش سے مخاطب تھی مگر اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھے اپنا ساتھ دینے پر اکسا رہی تھی۔ وہ دونوں را کے پختہ کار ایجنٹ تھے۔ جو کچھ سوچ کر آئے تھے، اس پر عمل پیرا ہونے کے گر بھی جانتے تھے۔

"میں تم سے ملنے کے لیے ممبئی آجاؤں گا لیکن آج

انکوائری

کوئٹہ میں رہنے والے ایک صاحب بلوں کی ادائیگی میں بڑے بے پروا تھے۔ کبھی ان کی بجلی کٹ جاتی، کبھی فون کٹ جاتا، کبھی گیس اور کبھی پانی۔

ایک بار موسم سرما میں انہوں نے پانی کی ٹونٹی کھولی تو پانی نہیں آیا۔ پانی کے محکمے کو فون کرکے بولے "بھائی صاحب! ذرا ریکارڈ چیک کرکے بتایئے گا کہ میرا پانی کٹ گیا ہے یا سردی کی وجہ سے پائپوں میں جم گیا ہے؟"

شام تمہیں اور مظہر کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔ دہلی میں تم دونوں پردیسی ہو اس لیے تمہیں خود ایک دوسرے کی میزبانی کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔" بولتے بولتے وہ رک کر دھیرے سے ہنسا جیسے دل ہی دل میں کچھ سوچ کر محظوظ ہو رہا ہو پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "کباب میں ہڈی کا وجود کوئی پسند نہیں کرتا۔ پتا نہیں میری تجویز قبول کرنے میں تمہیں کیا تذبذب ہے۔"

"مجھے کوئی تذبذب نہیں رہا۔" بیلا سنگھ نے خوش دلی سے کہا "میرے دماغ میں ایک بات آئی تھی۔ وہ میں نے کہہ ڈالی۔ تم نے مجھے سمجھایا اور میں سمجھ گئی لیکن تمہارے دوست کے چہرے پر ابھی تک تشویش کی پرچھائیاں ناچ رہی ہیں۔"

"آپ بلاوجہ کمزوری دکھا رہے ہیں۔" میرے ذہن میں غزالہ کے الفاظ گونجے "اگر آپ کو اپنے اوپر اعتماد ہے تو آپ کو نریش سے خیرسگالی کے اظہار کے طور پر بیلا سنگھ سے مل لینا چاہیے۔" ان فقروں میں ایک عجیب سا اعتماد رچا ہوا تھا۔

رینا اجیت رائے نے میری بے خبری میں ایک انوکھا سوانگ رچا کر مجھے اپنے دام میں الجھایا تھا اور میں کچھ سوچے سمجھے بغیر اس کی سازش کا شکار ہو گیا تھا لیکن اس بار اسی رینا نے مجھ پر مہربان ہو کر مجھے بیلا سنگھ کی طرف سے خبردار کردیا تھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ بیلا سنگھ غیر معمولی حد تک حسین اور پرکشش تھی لیکن وہ کوئی شیرنی نہیں تھی جو تنہائی میں موقع پا کر مجھے پھاڑ کھاتی۔ میں اپنی قوت ارادی سے کام لے کر اس کے ہر حربے کو ناکام بنا سکتا تھا۔

وہ خیالات بہت تیزی سے میرے ذہن میں آکر گزر گئے اور میں نے بیلا سنگھ کی گہری آنکھوں میں براہِ راست جھانکتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے کہا "میری تشویش میرے اپنے مسائل کے بارے میں ہے۔ میں نریش کی غیر موجودگی میں تمہاری میزبانی کرتے ہوئے خوشی محسوس کروں گا۔"

اس وقت شاید میرے چہرے کے تاثرات نے بھی میرے سوچے سمجھے الفاظ کا ساتھ دیا تھا۔ بیلا سنگھ کے ہونٹوں پر ہلکی سی پر غرور اور فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے اپنا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگالیا۔

"آدمی کو زندگی بس ایک بار ملتی ہے۔" نریش خوش دلی سے کہہ رہا تھا "میں آواگون کے چکر میں ذرا بھی یقین نہیں رکھتا۔ سچ پوچھو تو میں بارہا سوچتا رہا ہوں کہ میں پچھلے جنم میں کیا تھا اور کون سے ایسے اچھے کام کیے تھے جن کے صلے میں آج مجھے ایک انسان کی آتما اور اسی کا شریر ملا ہوا ہے پر کچھ یاد نہیں آتا۔ اگر ایسا کچھ ہوتا بھی ہے تو ہر جنم کے اپنے اپنے دکھ سکھ ہوتے ہیں جن کا آپس میں کوئی ناتا نہیں ہوتا۔ جو عیش کر سکتے ہو وہ کر ڈالو۔ زندگی سے خوشیاں اس طرح نچوڑ لو جیسے گنا پیلنے کی مشین گنے سے رس نچوڑتی ہے۔ تم دونوں کا مل بیٹھنا میرے لیے خوشی کا باعث ہوگا۔"

اس وقت تک نریش نے ڈھکے چھپے لفظوں میں مجھے بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ جو کچھ وہ چاہتا تھا، کھل کر کہنے کے قابل نہیں تھا۔ اس کی کوششیں میرے لیے حیرت ناک تھیں۔ وہ اپنے دفتر کی آگ میں میری اور رینا کی فلم گنوا بیٹھا تھا اور اس کا متبادل حاصل کرنے کے لیے مضطرب تھا۔ اس کے طور طریقے دیکھتے ہوئے میرے ذہن میں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں وہ چلتے چلتے میرے کان میں وہ ناگفتنی باتیں نہ کہہ ڈالے جو وہ بیلا سنگھ کے سامنے بہرحال مجھ سے نہیں کہہ سکتا تھا۔

اس سہ فریقی ملاقات کو مختصر کرنے کے لیے میں نے ایک لمبا گھونٹ لے کر لیمن جوس کا گلاس خالی کر ڈالا۔

ان دونوں کی مشترکہ کوشش تھی کہ مجھے جلد از جلد اس شکارگاہ کی طرف ہانک سکیں جہاں خفیہ کیمرے میرے منتظر تھے۔ میری تقلید میں ان دونوں نے بھی اپنے گلاس تیزی سے خالی کر دیے۔ بیلا سنگھ بعد میں آئی تھی۔ ڈبل اسکاچ معدے میں اترتے ہی اس کی آنکھوں میں خمار کے گہرے ڈورے ابھر آئے۔ اسے اپنا پیگ ختم کرنے میں جو ذرا سی دیر ہوئی وہ نریش کے کام آئی۔ اس نے نپ میں بچی ہوئی جن گلاس میں نکال کر ایک گھونٹ میں ختم کر دی۔

وہ فائیو اسٹار ہوٹل کا بار تھا جہاں تجربے کار ویٹر ساقی گری پر مامور تھے۔ ہم تینوں کے قرینے سے ہمارے ویٹر نے اختتام کا اندازہ لگالیا اور چمکتی ہوئی چھوٹی سی نقرئی تھالی میں رکھے ہوئے چرمی فولڈر میں بل لے آیا۔

نریش شہر ارا کا شہزادہ تھا۔ مجھے پھانسنا اس کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔ اس اعتبار سے وہ اس وقت کار سرکار تھا اور اخراجات بھی سرکار ہی کے سر جانے تھے۔ اس نے بل دیکھنے کی زحمت کیے بغیر سو روپے کے تین نوٹ نقرئی تھالی پر رکھ دیے۔ بیلا نے اپنا بیگ شانے سے لٹکا لیا تھا اور کرسی چھوڑ دی تھی۔

"ساڑھے آٹھ بج چکے ہیں۔" بار سے نکل آنے کے بعد نریش نے رک کر کہا "ٹریفک صاف مل گیا تو میں میٹنگ میں بروقت پہنچ جاؤں گا ورنہ دیر ضرور ہوگی۔ میں تم دونوں کے لیے دعا گو ہوں۔ دونوں خوش رہو اور ایک دوسرے کو خوش کر سکو۔ میں اجازت چاہتا ہوں۔"

اس نے ہم دونوں سے ہاتھ ملایا اور عجلت میں ایک طرف چل دیا۔ اس کا رخ عقبی راستے کی طرف تھا۔ بیلا سنگھ مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے لفٹ کی طرف ہولی۔

پنچ کا آدمی جا چکا تھا۔ اس وقت شکار اور شکاری براہ راست ایک دوسرے کے مقابل آچکے تھے۔ میں نے بیلا سنگھ کی پیشوائی پر پہلی چوٹ کرنے کا موقع ضائع نہیں کیا اور برجستہ کہا "میں بھی اسی ہوٹل میں مقیم ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ اوپر جانے کے راستے کدھر واقع ہیں۔"

عام پری چہرہ لڑکیوں کی طرح اس کی بھی عقل موٹی تھی یا پھر وہ دانستہ میرے طنز کو پی گئی اور دھیمے سے بولی "یہ اور اچھی بات ہے۔ ہم دونوں زیادہ دیر تک ایک دوسرے کا ساتھ دے سکیں گے۔"

"تم نریش کو انکل کہتی ہو لیکن اس کے ساتھ تمہارے تعلقات میں بہت زیادہ بے تکلفی بلکہ بے حجابی ہے۔ ہمارے مشرقی ماحول میں یہ بات بہت عجیب لگتی ہے۔" میں نے اس کے تمتمائے ہوئے چہرے پر ایک نظر ڈال کر ہلکے سے طنز کا دوسرا نشتر چلایا۔

"نریش کو تم پر ضرورت سے زیادہ بھروسا ہے۔ اس نے بے تکلفی کی ابتدا کی تھی۔ مجھے بھی نبھانا پڑا۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو ہم دونوں کی باتوں کا انداز کچھ اور ہوتا۔ نریش سے میری گہری دوستی ہے۔ ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اسے انکل کہنا میری مجبوری ہے کیونکہ وہ میرے ڈیڈی کا دوست ہے۔ میرے اور اس کے مراسم بعد میں استوار ہوئے۔" نشے کا ہلکا سا سرور آجانے کے باوجود وہ اپنی کہانی پر جمی ہوئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے دل میں آیا کہ اس سے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی اور رینا اجیت رائے کے بارے میں سوال کرکے اسے حیران کردوں لیکن ایسا کرنا میری اپنی سلامتی کے منافی ہوتا۔ وہ مجھ سے دہرا کھیل کھیل رہی تھی۔ میرے لیے یہی مناسب تھا کہ میں انجان بن کر اس کے جانے بوجھے حربوں سے اپنا بچاؤ کرتا رہوں۔ وہ مجھے بے خبر سمجھ کر مجھ پر اپنے ترکش کے سارے تیر آزماتی رہے اور آخر کار نریش شرما کو اپنی ناکامی کی خبر سنانے پر مجبور ہوجائے۔

ہم لفٹ میں داخل ہوئے تو ہمارے ساتھ مزید دو افراد سوار ہوگئے۔ مطلوبہ فلور پر لفٹ رکتے ہی بیلا سنگھ متانت سے باہر نکل گئی۔

"یہ بری بات ہے کہ تم شراب نہیں پیتے لیکن اچھی بات یہ ہے کہ تم اچھی لڑکیوں کے قدرداں ہو۔" راہداری سے گزرتے ہوئے اس نے کہا۔

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟ نریش نے میرے سامنے ایسی کوئی بات تو نہیں کہی تھی۔" میں نے قدرے حیرت سے جواب دیا۔

"تم سے ملاقات ہونے سے پہلے نریش نے تمہارا غائبانہ تعارف کرادیا تھا۔" وہ ہنس کر بولی "دیکھنے میں تم ایسے کردار نہیں دکھائی دیتے۔"

وہ ایک دروازے کے سامنے رک گئی۔ بیگ میں سے چابی نکال کر اس نے قفل کھولا۔ اندر داخل ہوتے ہوئے میرے بدن میں سنسناہٹ کی ایک ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔ مجھے ہوٹل کے ایسے ہی کمرے میں رینا کے ساتھ گزارے ہوئے وہ لمحات یاد آگئے تھے جو ویڈیو ٹیپ پر محفوظ ہوکر نریش شرما کی تحویل میں چلے گئے تھے۔

میں نے بڑی جاں گسل جدوجہد کے بعد اپنی کج روی کے اس اٹل ثبوت کو ضائع کیا تھا جس کا متبادل حاصل کرنے کے لیے نریش شرما نے بیلا سنگھ جیسی مہ وش کو میرے سامنے بلایا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ امتحان میرے لیے سخت ثابت ہونے والا تھا۔

"نریش نے بتایا تھا کہ تم پاکستانی اور مسلمان ہو اسی لیے شراب نہیں پیتے۔ مجھے مدت سے کسی مسلمان لڑکے سے دوستی کا ارمان تھا۔" کمرے میں پہنچنے کے بعد وہ ایک گہرا سانس لے کر کہہ رہی تھی "آج نریش کی میٹنگ کی وجہ سے میری یہ حسرت پوری ہوجائے گی۔"

"بات صرف دوستی کی تھی تو ہم ہوٹل کے بار یا ریستوران میں بیٹھ کر بھی یہ مقصد حاصل کرسکتے تھے۔ کمرے میں آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"کمرے کی الگ بات ہے۔ مجھے اپنے بدن پر چھ گز کی یہ ساڑی بوجھ لگ رہی تھی۔ ہوٹل کے کسی بھی حصے میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔" اس نے ایک ادا سے مسکراتے ہوئے کہا اور ہاتھوں کی ذرا سی جنبش سے گلابی رنگ کی وہ خوب صورت ساڑی اپنے بدن سے الگ کرکے مسہری پر اچھال دی۔

میں نے زیر لب لاحول پڑھی۔ بیلا سنگھ واقعی بہت بے حجاب لڑکی تھی۔ ساڑی کے نیچے اس نے اسی رنگ کا پیٹی کوٹ پہنا ہوا تھا مگر اس کی وہ حرکت ہر اعتبار سے اخلاق اور شائستگی کے منافی تھی۔ ان چند لمحوں میں وہ میری نظروں میں اپنا رہا سہا وقار بھی کھو بیٹھی۔

وہ راکی تربیت یافتہ اور پیشہ ور لڑکی تھی مگر اسے اپنے حسن و جمال پر ضرورت سے زیادہ گھمنڈ تھا۔ وہ مردوں کو رجھانے کے جمالیاتی فن سے آگاہ نہیں تھی۔ اپنے جسم کی بے جا نمائش سے ہوس زدہ افراد کے حواس کو مختل کردینے کے اکلوتے اور گھٹیا طریقے میں ماہر تھی۔

"یہ تمہارا کمرا ضرور ہے لیکن اب اس حد سے تجاوز نہ کرنا۔" میں نے جذبات سے عاری اور سپاٹ آواز میں کہا "اتنے بے حجاب حسن سے گھن آنے لگتی ہے۔"

اس کے ہونٹوں سے دعوت انگیز مسکراہٹ یکایک غائب ہوگئی اور تیوری پر کئی بل پڑگئے "تم کیا کہہ رہے ہو!"

"تم نے مجھے صدمہ پہنچایا ہے بیلا!" میں نے فوری طور پر سنبھالا لے کر کہا "میں تم سے بہت زیادہ پروقار رویے کی توقع کررہا تھا۔"

"میں نے کیا کیا ہے؟" اس نے کھسیائے ہوئے انداز میں کہا "ساڑی سے مجھے الجھن ہورہی تھی۔ وہ میں نے اتار دی۔ میرا بدن اب بھی پہلے کی طرح کپڑوں میں چھپا ہوا ہے۔ تم بلاوجہ مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کررہے ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ میں نے خاصی اسکاچ پی ہوئی ہے۔"

اس کی بودی دلیل احمقانہ تھی۔ اس نے اپنا ڈبل پیگ تیزی سے ضرور ختم کیا تھا مگر اس کا نشہ گہرا نہیں ہوسکتا تھا۔ کسی عادی شرابی کے لیے وہ مقدار اونٹ کے منہ میں زیرے سے زیادہ نہیں تھی مگر میں اسے وہ باتیں نہیں بتا سکتا تھا کیونکہ اسے میرے ماضی کا علم نہیں تھا۔ ان دنوں میں مظہر خان بنا ہوا تھا جو شراب کو ہاتھ تک نہیں لگاتا تھا۔ ایسے شخص کو شراب نوشی پر کوئی حتمی رائے دینے کا حق نہیں تھا۔

"اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات بتادی۔" میں نے اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عذر کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "ایک پیگ سے اتنا نشہ ہو گیا ہے تو اب اور نہ پی لینا۔ تم نے کمرے سے باہر نکل کر غل غپاڑہ مچانا شروع کر دیا تو میرے لیے تمہیں سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔"

اس کا منہ بن گیا اور وہ تیزی سے بولی "تم اتنے سیدھے نہیں ہو جتنے صورت سے نظر آتے ہو۔ خود شراب نہیں پیتے تو مجھے بھی منع کر رہے ہو۔ میں دل کھول کر پینے کے لیے ہی تو کمرے میں آئی تھی۔ یہ مت بھولو کہ میں تمہاری طرح مسلمان نہیں ہوں۔"

میں اسے برہم کیے بغیر اپنا دامن بچانا چاہ رہا تھا۔ میں نے خوش دلی سے جواب دیا "تم مسلمان نہیں ہو لیکن مسلمان سے دوستی کی شوقین ہو۔ میں نے یہ مشورہ تمہارے تن کے رہے سہے کپڑوں کے بچاؤ کے لیے دیا ہے۔ تم اپنے بلاؤز اور پیٹی کوٹ پر تشدد نہ کرنے کا وعدہ کرو تو تھوڑی بہت پی سکتی ہو۔"

وہ لپک کر میرے بدن سے آ لگی اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں "سچ سچ بتاؤ کہ میں تمہیں کیسی لگ رہی ہوں۔ تم مجھ سے دور رہنے کی کوشش کیوں کر رہے ہو؟"

"میں کوئی کوشش نہیں کر رہا۔ نریش میرا دوست ہے اور تم اس کی دوست ہو۔ میں امانت میں خیانت نہیں کر سکتا۔"

"اس نے تمہیں کھلی چھوٹ دی ہے۔ میں تم سے دوستی کے لیے تیار ہوں پھر تم کیوں ڈر رہے ہو۔" اس نے مچل کر پوچھا۔

"میں بس اپنے انجام سے ڈرا ہوا ہوں۔ یہ خوف کل سے میری نس نس میں بیٹھ چکا ہے۔ اس سے پہلے تم ملی ہوتیں تو تمہیں اندازہ ہو جاتا کہ میں کس قماش کا آدمی ہوں۔" میں نے کوئی راہ نہ پا کر اسی کہانی پر ٹکے رہنے کا فیصلہ کر لیا جو میں دو مرتبہ نریش کو سنا چکا تھا۔

"کل تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟" اس نے مضبوطی سے میرا بازو تھام کر پوچھا۔ وہ میرے اتنے قریب تھی کہ میں اس کے گرم گرم سانسوں میں رچی ہوئی، الکحل کی تیز بو اپنے نتھنوں میں گھستی ہوئی محسوس کر رہا تھا۔

"میں تفصیل نہیں بتا سکتا۔ تم یہ سمجھ لو کہ میں موت کے منہ میں جانے سے بال بال بچا ہوں۔ نریش کو یہ قصہ معلوم ہے۔"

"تم بار بار نریش کا نام کیوں لے رہے ہو؟" وہ جھلا کر بولی "پہلے مجھے اس کی امانت قرار دے رہے تھے۔ اب اسے اپنا گواہ بنا رہے ہو۔ وہ ہم دونوں کو چھوڑ کر چلا گیا۔ تم اسے بھول جاؤ۔ اب جو کچھ ہونا ہے وہ میرے اور تمہارے درمیان ہو گا۔ نریش یا کسی اور کو اس کی بھنک بھی نہیں ملے گی۔"

"آرام سے بیٹھو۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا "نشہ ہونے کی وجہ سے تم بلاوجہ جذباتی ہو رہی ہو۔ تم اچھی اور دلکش لڑکی ہو۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہم دونوں کچھ دیر اور یوں ہی بیٹھے باتیں کرتے رہے تو میرا خوف دب جائے گا۔"

وہ اس وقت نریش شرما کی کٹھ پتلی تھی جو اپنا کام پورا کرنے کے لیے ہر راہ اختیار کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ میرے جواب میں اس کے لیے امید کی ایک کرن پوشیدہ تھی۔ اس نے کسی حیل و حجت کے بغیر میرا مشورہ مان لیا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں نے دوسری کرسی سنبھال لی۔

وہ کچھ دیر تک سکون سے کرسی پر بیٹھی مجھ سے میرے تلخ تجربے کے بارے میں سوالات کرتی رہی مگر میں ہر بار اسے خوب صورتی سے ٹالتا رہا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اسے میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا گیا تھا مگر میں سختی سے اپنی زبان بند رکھ کر بیلا سنگھ کے ذریعے را کے بڑوں کو یہ پیغام پہنچانا چاہ رہا تھا کہ میں ان سے کیے ہوئے وعدے کی پاس داری کے سلسلے میں پوری طرح سنجیدہ تھا۔ میری اس خاموشی کا دوسرا اور بالواسطہ مفہوم یہ تھا کہ مجھے بیلا سنگھ پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔ نریش شرما کے ذریعے متعارف ہونے کے باوجود میں اسے را کی لڑکی نہیں سمجھ رہا تھا۔

اپنی کوششوں میں ناکامی کے بعد بیلا سنگھ نے منی بار کے نچلے خانے میں سے اسکاچ کی دو چھوٹی بوتلیں نکال لیں۔ اس نے اپنی کرسی میرے قریب کھسکائی اور مے نوشی کے دوسرے دور کا آغاز کر دیا۔ میرے لیے اس نے کولڈ ڈرنک کی ایک بوتل کھول دی تھی۔

بیلا سنگھ میں استقامت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ بار بار مجھے چھیڑنے اور اکسانے والی حرکتیں کرتی رہی مگر اس وقت میرے حیوانی جذبات شاید ٹھوس برف کی طرح منجمد ہو چکے تھے۔ اس کے حرارت آگیں وجود کے لمس سے بھی میرے اعصاب پر جمی ہوئی وہ برف نہ پگھل سکی۔ مجھے خوشی تھی کہ میں بیلا سنگھ جیسی خوب صورت، دل فریب اور بے حجاب لڑکی کے سامنے اپنے دل و دماغ پر قابو رکھنے میں کامیاب تھا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ پہلی بوتل کی ساری اسکاچ اپنے آخری قطرے تک بیلا کے معدے میں اتر گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی زبان بھاری ہوتی جارہی تھی' اس کے دہانے سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے' آنکھوں میں خمار کی گہری سرخی اتر آئی تھی اور بھرے بھرے رخسار انجان جذبوں کی تمازت سے کشمیری سیبوں کی طرح دہکنے لگے تھے۔ میں اسے میٹھی میٹھی اور دل لبھانے والی باتوں میں الجھائے رہا۔

میری طرف سے ناامید ہو کر وہ بکھر جاتی۔ میں نے اس کی امید کو زندہ رکھا۔ میری خواہش تھی کہ اپنی برتری کے کسی لمحے کی آرزو میں وہ پیتے پیتے اس حد کو پہنچ جائے کہ بے ہوش ہو جائے اور میں اسے چھوڑ کر خاموشی سے کمرے سے نکل جاؤں۔ مجھے یقین تھا کہ غزالہ میری واپسی کے انتظار میں انگاروں کے بستر پر کروٹیں بدل رہی ہوگی۔ اس وقت دس بجنے والے تھے۔ مجھے اپنا کمرا چھوڑے دو گھنٹے سے زیادہ مدت گزر چکی تھی۔

غزالہ نے حالات کی نزاکت کو بھانپ کر مجھ پر اندھا اعتماد کرتے ہوئے مجھے کھلی اجازت دی تھی کہ میں نریش سے رفاقت کی خاطر بیلا سنگھ سے مل لوں لیکن وہ میری مشرقی بیوی تھی۔ اس کے اعصاب ایک حد تک انتظار کا دباؤ برداشت کر سکتے تھے۔ اس کے بعد اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک بھی سکتا تھا۔ خیالات کی رو غزالہ کی طرف ہوتے ہی میرے دل و دماغ پر ایک عجیب سی مجرمانہ اضطراری کیفیت طاری ہونے لگی۔

بیلا سنگھ نے دوسری بوتل کا آغاز کیا تو وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے جھومنے لگی۔

"بہتر ہوگا کہ اب تم بستر پر پہنچ جاؤ۔" میں نے پورے خلوص سے اسے مشورہ دیا۔

"تم بھی آجاؤ!" اس عالم میں بھی وہ اپنے فرض سے غافل نہیں تھی۔

"تم چلو' میں بھی آجاؤں گا۔" میں نے اسے ایک بار پھر ٹالا سا دیا۔

وہ میری باتوں میں آگئی۔ اس نے کرسی چھوڑنے کی کوشش کی لیکن اپنے قدموں پر کھڑی ہونے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ وہ نشے کی جھونک میں اِدھر اُدھر جھول رہی تھی۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ بے طرح گر کر خود کو مجروح کر لے گی۔

میں نے بڑھ کر اسے سہارا دیا اور اس نے اپنا سارا بوجھ میرے اوپر ڈال دیا۔ اس کے ذہن میں بھڑکنے والے منفی جذبات کی حرارت اس کے لوچ دار وجود میں رچی ہوئی تھی۔ میں نے اسے یوں سنبھل کر کرسی سے اٹھایا جیسے وہ سوتی جاگتی بیلا سنگھ کے بجائے مرمریں تراشا ہوا کوئی ٹھنڈا اور بے جان سنگی بت ہو۔ میرا خیال تھا کہ اس کے ذہن پر الکحل کی گرفت خاصی مضبوط ہو چکی تھی۔ نشے کی گہرائی کا اظہار اس کے ہر لفظ اور ہر حرکت سے ہو رہا تھا لیکن اس کے ذہن کے کسی نہاں خانے میں سلگتی ہوئی فرض کی چنگاری معدوم نہیں ہوئی تھی۔ مجھے اپنے قریب پا کر اس نے والہانہ انداز میں دست درازی کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔

وہ مدہوش تھی مگر میں پوری طرح اپنے ہوش و حواس میں تھا۔ وہ اندھی بازی کھیل رہی تھی جبکہ میں سوچے سمجھے انداز میں اس ملاقات کو ایک مخصوص انجام تک پہنچانے کی کوششیں کر رہا تھا۔ اس کی ڈگمگاتی ہوئی چال کی وجہ سے میرے لیے اپنا توازن برقرار رکھنا مشکل ہو رہا تھا مگر میں کشاں کشاں اسے مسہری کی طرف لے گیا۔ یہ احساس میرے ذہن میں کسی بچھو کے زہریلے ڈنک کی طرح چبھ رہا تھا کہ اس مسہری کے بعض حصے خفیہ کیمروں کی زد میں تھے۔ میں خود کو ہر حال میں ان کیمروں کی آنکھوں سے بچانا چاہ رہا تھا۔

میں نے بیلا سنگھ کو مسہری تک پہنچا دیا۔ وہ اس قدر بدحال تھی کہ بستر کی نرمی محسوس کرتے ہی اس پر دراز ہو گئی۔ اس کے دونوں ہاتھ تشنہ انداز میں فضا میں میری طرف اٹھے ہوئے تھے۔ اسے بستر پر پہنچانے کے بعد میں اس کی طرف سے بے پروا ہو گیا تھا۔ میں نے اس کا گلاس اس کے سرہانے والی تپائی پر رکھ دیا۔ مجھے امید تھی کہ وہ اپنا گلاس ختم کرنے سے پہلے ہی بے سدھ ہو جائے گی۔

میں دوبارہ کرسی پر آبیٹھا اور سکون سے سگریٹ سلگالی۔ بیلا سنگھ کو میں نے یہ اطمینان دلا دیا تھا کہ میں اس کے کمرے میں موجود تھا۔ وہ مزید مے نوشی کر کے خود کو سنبھال سکتی تھی۔

اس نے کروٹ بدل کر تپائی پر سے گلاس اٹھالیا۔ کچھ شراب بستر پر چھلکی' کچھ اس کے معدے میں اتر گئی۔

وہ ایک عجیب اور عبرت آموز تماشا تھا۔ میں نے کھلی مزاحمت کرنے کے بجائے مفاہمانہ انداز اختیار کر کے نریش شرما کی ایک شرمناک سازش کو ناکامی کے قریب پہنچا دیا تھا۔ بھارت کے قدیم ثقافتی ورثے کے تحفظ کے نام پر چلنے والی کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی تربیت یافتہ بیلا سنگھ اپنے آقا کی خواہش کی تکمیل کے لیے مضطرب تھی۔ وہ دبی دبی ہذیانی سرگوشیوں میں مجھے پکار رہی تھی۔ را کے ٹکڑوں پر پلنے والی وہ بھارتی لڑکی عورت کے نام پر ایک شرمناک داغ بنی ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کی آواز پر الکحل کے اثرات اتنے غالب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوگئے کہ اس کی آواز گھٹتے گھٹتے معدوم ہوگئی۔

اس کے بدن کی اضطراری جنبشیں اپنے آخری سانسوں پر تھیں۔ میں نے کرسی چھوڑ کر متجسس نگاہوں سے کمرے کی چھت اور دیواروں کا جائزہ لیا لیکن یہ سراغ لگانے میں ناکام رہا کہ راکے ماہرین کے نصب کیے ہوئے خود کار ویڈیو کیمرے کہاں پوشیدہ تھے۔

میں نے اپنے لباس پر ایک ناقدانہ نظر ڈالی پھر مسہری کے قریب جاکر بیلا سنگھ کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ بڑی بڑی دلنشیں آنکھوں پر پپوٹوں اور پلکوں کی چلمن گری ہوئی تھی۔ وہ مے نوشی کی ہوس میں مدہوشی کی گہری دلدل میں اتر چکی تھی۔ میں خاموشی سے مڑا اور بیلا سنگھ کے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ وہاں سے لوٹتے ہوئے میں نے قفل کا وہ بٹن دبا دیا تھا جس سے بند دروازہ اندر سے مقفل ہوجاتا تھا۔ باہر سے کوئی چابی استعمال کیے بغیر بیلا سنگھ کی مدہوشی میں مخل نہیں ہوسکتا تھا۔

اس وقت میری رسٹ واچ رات کے گیارہ بجانے والی تھی۔ را اور نریش شرما کا منصوبہ ناکام بنانے کے لیے مجھے تین گھنٹوں تک ان تھک محنت کرنا پڑی تھی!

○☆○

غزالہ نے اپنے دل پر صبر کی سل رکھ کر مجھے نریش اور بیلا سنگھ سے ملنے کی اجازت دے دی تھی لیکن میرے روانہ ہونے کے بعد کمرے کی تنہائی میں وسوسوں کے ناگ اس کے ذہن میں اپنے پھن لہرا کر اسے خوف زدہ کرنے لگے۔ وہ اپنی زندگی کے کسی بھی حصے میں بزدل نہیں رہی تھی۔ اپنی آبرو اور جان کے دشمنوں میں گھر جانے کے باوجود اس نے بہت دلیری سے حالات کا مقابلہ کیا تھا اور اپنے کئی سخت جان حریفوں کے لہو کی ہولی کھیل کر خود کو بدترین خطرات سے بچائے رکھا تھا لیکن اس وقت وہ پریشان ہوگئی تھی۔ اس کی چھٹی حس نے اسے کسی بری گھڑی کے بارے میں ستانا شروع کردیا تھا۔

وہ کمرے کے فرش پر بچھے ہوئے دبیز قالین پر ننگے پاؤں ٹہلتی اور سوچتی رہی۔ اسے کہیں کوئی خامی محسوس نہیں ہوئی۔ را والے مجھے سراسیمہ بلکہ دہشت زدہ کرنے کے لیے اپنا ہر کارگر نفسیاتی حربہ آزما چکے تھے۔ نریش شرما نے مجھے شدید ذہنی جھٹکوں سے گزارنے کے بعد اپنی کڑی اور بے رحمانہ پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس دوران میں مجھے ذلت بھی سہنا پڑی مگر میں نے اپنا دل کڑا کرکے اپنی ہر تحقیر کو خاموشی سے سہہ لیا۔ نریش میری زبان سے ایسی کوئی بات اگلوانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ جو میرے مظہر خان والے معصومانہ بہروپ سے میل نہ کھاتی ہو۔

را کے دو عقوبت کدوں میں چند گھنٹوں کی اذیت ناک قید وہ قیمت تھی جو میں نے ناگر کے قتل اور را کی گیارہ فائلوں کے حصول کے لیے ادا کی تھی۔ وہ قیمت ہر اعتبار سے بہت معمولی تھی۔ آخر کار مجھے آزادی مل گئی تھی۔

پہلے رینا اجیت رائے نے ہمارے کمرے میں پہنچ کر مجھے یہ خوش خبری سنائی کہ تھوڑی سی پرتشدد اور تکنیکی طور پر خالص نفسیاتی بازپرس کے نتیجے میں مجھے را سے کلیرنس مل چکی تھی۔ بعد میں نریش شرما کی دوستانہ فون کال نے رینا کی سنائی ہوئی نوید پر تصدیق کی مہر ثبت کردی۔

رینا نے اپنی ملاقات میں مجھے بیلا سنگھ کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا تھا۔ اس میں سے جستہ جستہ باتیں غزالہ کے علم میں آچکی تھیں۔ اسے یہ احساس تھا کہ نریش شرما مجھے بیلا سنگھ کے جال میں پھانسنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ اس کے مشورے سے میں نے ایک سوچا سمجھا راستہ اختیار کیا تھا جس میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اکلوتا اور بدترین خطرہ صرف یہی تھا کہ میں بیلا سنگھ کی اداؤں کا شکار ہوجاتا' وہ مجھے موم کرلیتی اور میں اس کی بانہوں میں پگھل جاتا۔

وہ غزالہ کے مان اور پندار کی شکست ہوتی کہ اس کے ہوتے ہوئے اور اس سے وعدہ کرلینے کے بعد میں را کی ایک فاحشہ کے سحر میں آجاتا مگر غزالہ وہ چوٹ کھانے کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کرچکی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ نریش شرما بہت موذی افسر تھا۔ وہ جو کچھ حاصل کرنا چاہ رہا تھا' اس سے آسانی سے دستبردار ہونے پر تیار نہ ہوتا۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ میری' نریش اور بیلا سنگھ کی سہ فریقی ملاقات میں کیا ہونے والا تھا۔ وہ یہ جانتی تھی کہ میں خود سے نہ بہکا تو نریش شرما مجھے اپنے اشاروں پر ناچنے پر مجبور کرسکتا تھا۔

غزالہ میری اس مجبوری کو قبول کرنے پر آمادہ تھی۔ وہ مجبوری اس کی خلش اور پریشانی کا سبب نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کی چھٹی حس اس سے کہیں زیادہ سنگین اور بڑے خطرے کی نشان دہی کررہی تھی مگر غزالہ ان غیبی اشاروں کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

وہ سوچتی رہی اور اس سے زیادہ پریشان ہوتی رہی۔ وقت بہت سست رفتار سے رینگ رہا تھا۔ میں پونے آٹھ بجے کمرے سے نکلا تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے غزالہ کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے مجھے گئے ہوئے گھنٹوں بیت چکے ہوں۔ پونے نو بجے کمرے کے دروازے پر اچانک دستک ہوئی تو وہ حیرت اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوف سے اچھل پڑی۔ دستک دینے کا میرا انداز وہ جانتی تھی۔ اس وقت دروازے پر کوئی اجنبی آیا ہوا تھا۔

غزالہ کی چھٹی حس کی للکار یکایک واضح ہوگئی۔ وہ خطرناک گھڑی سر پر آچکی تھی جسے اس کا وجدان پہلے سے محسوس کررہا تھا۔

وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھی اور گھٹی ہوئی آواز میں پوچھا "کون ہے۔"

"نریش شرما!" باہر سے آنے والی آواز سن کر غزالہ کے فرشتے کوچ کرگئے "دروازہ جلدی کھولو!"

وہ بدخواہوں کی فہرست میں نریش کے نام پر خط تنسیخ پھیر چکی تھی۔ اگر وہ میری طرف سے واقعی مطمئن ہوچکا تھا تو اس وقت دروازے پر دستک کیوں دے رہا تھا۔ اس نے مجھے نیچے بلایا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اوپر غزالہ کمرے میں اکیلی ہوگی۔ اکیلی عورت سے اس کو کیا کام ہوسکتا تھا۔ غزالہ سر سے پیر تک کانپ کر رہ گئی۔ شاید نریش شرما دہری بلیک میلنگ کے چکر میں تھا۔ اس نے بیلا سنگھ کو میرے سر پر مسلط کردیا تھا اور خود غزالہ کے دروازے پر آپہنچا تھا۔

غزالہ کے وجود کی گہرائیوں میں غیظ و غضب کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اگر نریش کے عزائم ناپاک تھے تو وہ قابل معافی نہیں تھا۔ انسپکٹر ڈیوڈ، جان اسمتھ اور ناگر کے بعد اس کو بھی جہنم کے سفر پر روانہ ہوجانا چاہیے تھا۔

اس نے ایک نئے عزم کے ساتھ بولٹ گرا کر دروازہ کھول دیا۔ آنے والا پستہ قامت اور تندرست شخص تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی استہزائیہ مسکراہٹ تیر رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی "میں تم سے کچھ باتیں کرنے آیا ہوں۔ کیا تم مجھے اندر نہیں بلاؤ گی؟"

غزالہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ تجربے کار تھی۔ وہ مردوں کی نظروں اور لب و لہجے کو خوب پہچانتی تھی۔ اس کے اندر چھپی ہوئی عورت نے اسے بتادیا کہ آنے والا اس کا دوست نہیں تھا۔ ساتھ ہی وہ اس کی آبرو کا دشمن نہیں ہوسکتا تھا۔ غزالہ نے ایک طرف ہٹ کر اسے راہ دے دی۔

اندر آتے ہی اس نے ٹیلی ویژن کی روشن اسکرین کو دیکھ کر تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلایا پھر پلٹ کر غزالہ سے گویا ہوا "تم ٹیلی ویژن دیکھتی ہو تو اخبار بھی ضرور پڑھتی ہوگی۔ تم کو معلوم ہوگا کہ پرسوں رات گئے دہلی میں کیا کچھ ہوا ہے۔"

نریش شرما کی عقابی نظریں غزالہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم راکے افسر ہو۔" غزالہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "مظہر خان سے ساری پوچھ گچھ کرچکے ہو۔ وہ ابھی تک تم سے دہشت زدہ ہے۔ سوتے میں بڑبڑانے لگا ہے۔ اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تم کو معلوم ہے کہ مظہر خان اور را کے بیچ کیا معاملہ ہوا ہے۔" نریش نے غزالہ کی بات سنی اَن سنی کردی۔

"یہ تمہیں اور اسے معلوم ہوگا۔ وہ بہت سی باتیں مجھ سے چھپاتا ہے۔ وہ تم سے ملنے کے لیے تھوڑی دیر پہلے یہاں سے گیا تھا۔ تم یہاں موجود ہو پھر وہ کہاں گیا۔ اس کو تمہارے ساتھ یہاں آنا چاہیے تھا۔"

"یہ ایک رنگین ہوٹل ہے۔ اسے ایک جاننے والی مل گئی۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ مجھے تمہارا دھیان آگیا۔" نریش شرما نے میری طرف سے غزالہ کے کان بھرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "تم اس کی دوست ہو۔ تم سے مجھے کچھ جوابات درکار ہیں۔"

وہ گفتگو کھڑے کھڑے ہورہی تھی۔ غزالہ نے اسے بیٹھنے کی پیشکش نہیں کی تھی "اگر مجھے کچھ معلوم ہوا تو میں ضرور بتادوں گی۔" اس نے بے رخی سے کہا۔

"سنو لڑکی!" نریش کا لہجہ اچانک درشت ہوگیا "مجھ سے اڑنے کی کوشش مت کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ پہلے تم دونوں اسی کمرے میں رہ رہے تھے۔ پرسوں رات تم نے یہ ہوٹل چھوڑ دیا۔ پہاڑ جیسی رات گزار کر تم دونوں صبح سویرے واپس آئے تو تمہیں الگ الگ کمروں کی ضرورت کا احساس ہوچکا تھا۔ ابھی میں کافی دیر تک تمہارے کمرے کا دروازہ پیٹتا رہا مگر وہ ویران تھا۔ مجبور ہوکر میں اس دروازے پر آگیا اور کی ہول میں سے جھانک کر میں نے اندازہ لگالیا کہ اندر کوئی موجود ہے اور واقعی تم موجود ہو۔"

"تمہاری ہر بات درست ہے۔ تم سب کچھ جانتے ہو تو مجھ سے کیا پوچھنے آئے ہو؟"

"رات تم دونوں نے کہاں اور کیسے گزاری؟" نریش نے گمبھیر لہجے میں پوچھا۔

"اگر تم یہ بات مظہر خان سے پوچھنا بھول گئے تھے تو میں تمہیں بتائے دیتی ہوں کہ ہم آگرہ جانے کے ارادے سے یہاں سے نکلے تھے۔" غزالہ نے پل بھر میں اندازہ لگالیا تھا کہ نریش کو بہت دیر سے یہ خیال آیا تھا کہ غزالہ کے بیان سے میری بتائی ہوئی تفصیلات کی تصدیق یا تردید حاصل کی جائے۔

شاید دفتر میں آگ لگنے اور ناگر کے جل مرنے کے باعث اس کی عقل چوپٹ ہوکر رہ گئی تھی۔ وہ بیک وقت ہم دونوں سے الگ الگ پوچھ گچھ کرتا تو ہماری کہانیاں مختلف ہوتیں اور ہم اپنے ہی بیانات کے تضاد میں پھنس جاتے لیکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ابتدائی مرحلے میں غزالہ کو نظرانداز کرنے کی سنگین غلطی کر بیٹھا تھا۔ اس کی ساری توجہ میری ذات پر مرکوز رہی تھی۔ میں نے بازپرس کے دوران میں جو کچھ نریش کو بتایا' اپنی رہائی کے بعد غزالہ کو بھی بتادیا تھا۔ غزالہ ... اپنی کہانی وہیں سے اٹھائی تھی جہاں سے میں نے شروع کی تھی۔ وہ سوچتی اور تیزی کے ساتھ بولتی چلی گئی۔ اس کی یادداشت قابل رشک تھی اس لیے اس نے دہلی کے تفریحی مقامات کی اس ترتیب میں بھی فرق نہ آنے دیا جو میں پہلے ہی بیان کرچکا تھا۔ اس سے پہلے اس نے یہ واضح کردیا کہ آگرہ جانے کا پروگرام کسی اہم فون کی وجہ سے ٹل گیا۔ مظہر خان کسی آدمی سے بات کیے بغیر دہلی چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا اور اس آدمی کا کارڈ مظہر خان سے کہیں گم ہوچکا تھا۔

نریش شرما نے اپنی جیب سے ایک نوٹ بک اور پنسل نکال لی تھی۔ وہ غزالہ کی باتیں سننے کے ساتھ ساتھ تیزی سے نوٹ بک پر کچھ لکھتا جارہا تھا۔

غزالہ نے کناٹ پلیس کے مرکزی سبزہ زار میں اپنی تفریح کے اختتام کے بارے میں بتایا۔ نریش نے ایک گہرا سانس لے کر نوٹ بک بند کی اور جیب میں ڈال لی۔

"ایک بار پھر سوچ لو کہ تم سچ بول رہی ہو۔" نریش نے غزالہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ہمارا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ بس ہم دہلی کی کھلی فضا میں گھومنا پھرنا چاہ رہے تھے۔" غزالہ نے مدافعانہ لہجے میں کہا "سیاحوں کا مقصد تفریح کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ میں نے اپنے ذہن پر زور دے کر تمہیں سب کچھ اسی ترتیب سے بتانے کی پوری کوشش کی ہے جس ترتیب سے ہم نے وہ جگہیں دیکھی تھیں پھر بھی میرے اور مظہر خان کے بیان میں فرق ہوسکتا ہے۔ یہاں کے بازاروں اور علاقوں کے نام اجنبی ہیں۔ ہم سے سمجھنے میں بھی غلطی ہوسکتی ہے۔"

"تم کو معلوم ہے کہ ہم لوگ تمہاری طرف کیوں متوجہ ہوئے تھے؟" نریش نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"ہم میاں بیوی نہیں ہیں پھر بھی ایک کمرے میں رہ رہے تھے۔ تم لوگوں کو شبہ تھا کہ مظہر خان مجھے پاکستان سے بھگا کر لایا ہے۔" غزالہ نے بہت خوب صورتی سے یہ بات گول کردی کہ وہ میرے بارے میں را کے منصوبوں سے پوری طرح واقف تھی۔

"یہ باتیں مظہر خان سے بھی پوچھی اور ریکارڈ کرلی گئی تھیں۔ میں نے تمہارے بیان کا ڈکٹیشن لے لیا ہے۔ مظہر کو پتا نہیں ہے کہ میں یہاں آیا ہوا ہوں۔ اب تم دونوں کی کہی ہوئی باتوں کا موازنہ کیا جائے گا۔ ذرا سا بھی جھوٹ سامنے آیا تو تم دونوں رگید دیے جاؤ گے۔ مظہر دیکھ چکا ہے کہ جھوٹوں سے سچ اگلوانے کے لیے ہمارے پاس کیسے کیسے اوزار اور ہتھیار موجود ہیں۔ انہیں دیکھ کر روح تک کانپ اٹھتی ہے۔"

"تم مظہر کے ساتھ چوہے اور بلی کا کھیل کھیل رہے ہو۔ وہ مجھے کچھ نہیں بتاتا مگر پریشان رہتا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے تم فون پر اس کے دوست اور خیرخواہ بنے ہوئے تھے اور اب مجھ سے آنکھیں بدل کر بات کررہے ہو۔ تمہاری ان باتوں نے مجھے پریشان کردیا ہے۔"

"بھارت میں ایک کہاوت ہے کہ را والے اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتے۔" نریش نے کہا "یہ بات ذرا کڑوی ہے لیکن سچی ہے۔ ہم جس کے پیچھے لگ جاتے ہیں اسے پاتال میں بھی نہیں چھوڑتے۔ تمہارے بیان کے بغیر ہمارا کام ادھورا تھا۔ اب جو فیصلہ ہوگا' اسی کی روشنی میں ہوگا۔"

اپنی بات مکمل کرتے ہی وہ دروازے کی طرف چل دیا۔ غزالہ اس کے پیچھے پیچھے دروازے تک گئی مگر نریش نے مڑکر دو الوداعی کلمات کہنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ دروازے سے نکل کر راہداری میں بڑھتا چلا گیا۔

غزالہ نے دروازہ بند کرکے اندر سے بولٹ کیا اور اس سے پشت ٹکا کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ نریش شرما کی غیرمتوقع آمد نے اسے ہراساں کردیا تھا۔

نریش اپنی زبان کا سارا زہر اگل کر لوٹ گیا۔ غزالہ کے دل و دماغ کی دنیا درہم برہم ہوگئی۔ تھوڑی دیر پہلے خوش گمانیوں کی جو فسوں خیز فضا پیدا ہوئی تھی' نریش کی آمد سے مسموم ہوچکی تھی۔ دہلی میں غزالہ کو کچھ بھی یقینی نظر نہیں آرہا تھا۔ فریب در فریب کا ایک سلسلہ چل رہا تھا۔ اس کا کلیدی نکتہ نریش نے بڑی وضاحت سے بیان کردیا تھا کہ را والے اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتے۔

نریش سے مل کر وہ اتنی پراگندہ خاطر ہوئی تھی کہ فوری طور پر گرم گرم چائے کے ایک کپ کی ضرورت محسوس کررہی تھی لیکن اس میں ایک بار پھر دروازہ کھولنے کا حوصلہ نہیں رہا تھا۔ اس نے روم سروس سے رابطہ کرنے کے بجائے کولڈ ڈرنک کی ایک بوتل منی بار سے نکال کر کھول لی۔

اس وقت تک را کے بارے میں جو تجربات غزالہ کے سامنے آئے تھے' ان سے یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ را والے چالاک' مکار' سفاک اور خون آشام ضرور تھے مگر غیرمعمولی ذہانت سے محروم تھے۔ جو ایسے حساس شعبے کی کامیابی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناگزیر ہوتی ہے۔ اس کے برعکس دہلی میں بیٹھے ہوئے، پاکستانی انٹیلی جنس بیورو کے تینوں افراد درندہ صفت اور خون آشام نہیں تھے لیکن بلا کی ذہانت اور پھرتی کے مالک تھے۔

شاید یہی وجہ تھی کہ بھارت والے کشمیر میں اور اپنی سرزمین پر پاکستانی آئی ایس آئی اور آئی بی وغیرہ کے مضبوط زیر زمین نیٹ ورک کا واویلا مچاتے رہتے تھے مگر کسی پر ہاتھ ڈالنے میں ناکام رہتے تھے۔ ان کے آدمی پاکستانی علاقوں میں دہشت گردی اور بربریت کے بدترین مظاہرے کرنے میں کامیاب ضرور ہوجاتے تھے لیکن ذہانت سے عاری اور ناقص منصوبہ بندی کی وجہ سے پکڑے جاتے رہتے تھے۔

نریش شرما نے ہر وہ کام کر ڈالا تھا جو مجھے اور غزالہ کو گھیرنے کے لیے ضروری تھا مگر وہ اقدامات بے ربط تھے۔ فیصلہ صحیح تھا تو اس پر عمل کرنے کے لیے غلط وقت کا انتخاب کیا گیا تھا اور صحیح وقت پر کیے جانے والے فیصلے زیادہ صائب نہیں تھے۔

شاید اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ اس خالص حربی پیشے میں انہوں نے رینا اجیت رائے اور بیلا سنگھ جیسی نوبرو باختہ لڑکیوں پر ضرورت سے زیادہ انحصار کیا ہوا تھا۔ اس حکمت عملی سے ان کے دشمن کو نقصان پہنچ رہا ہو یا نہ پہنچ رہا ہو، ان کے اپنے جنگی ڈسپلن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا تھا اور آثار بتا رہے تھے کہ وہ طریقے جاری رہے تو آنے والے چند سالوں میں را کے دفاتر اور مراکز عیاشی کے گڑھ بن جائیں گے۔

نریش کی آمد سے پہلے تک غزالہ کی یہ خوش فہمی تھی کہ را والوں نے اپنی ساری توجہ میری ذات پر مرکوز کی ہوئی تھی۔ اسے غیر اہم سمجھ کر نظرانداز کیا ہوا تھا مگر نریش نے اس کی یہ غلط فہمی دور کردی تھی۔ دہلی میں رونما ہونے والے واقعات کے بعد را کے ذمے دار کسی بھی مشتبہ فرد کو نظر انداز کرنے کی حماقت نہیں کرسکتے تھے۔ بس نریش سے ٹائمنگ کی ایک سنگین غلطی سرزد ہوچکی تھی۔ جس کا سارا فائدہ ہمیں حاصل ہوا تھا۔ اصولی طور پر اسے ہم دونوں سے ایک وقت میں الگ الگ پوچھ گچھ کرنی چاہیے تھی۔ آپس میں کوئی رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے ہم دونوں کے بیانات میں زمین و آسمان کا تضاد ہوتا اور ہمارا کھیل وہیں ختم ہوجاتا۔

بھارت جیسے دشمن ملک کی سرزمین پر ان دنوں ہمارے ستارے یاور تھے کہ نریش شرما بوکھلاہٹ کے عالم میں اس نکتے کو فراموش کرگیا۔ اس کا ایک بنیادی سبب یہ بھی تھا کہ را کے دفتر میں آتش زدگی کی واردات کو ناگر کی موجودگی نے بہت پیچیدہ بنادیا تھا۔ نریش شرما کو ہم پر براہِ راست کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے عمومی جانچ پڑتال میں مجھے ایک کمزور نشانہ سمجھ کر اٹھوالیا تھا۔

مجھ سے کی جانے والی پوچھ گچھ نتیجہ خیز ثابت نہ ہوسکی لیکن را کے لیے میرے کردار کا دوسرا رخ اہم تھا۔ پاکستان میں زرخرید پاکستانیوں کے ذریعے مخبری اور دہشت گردی ان کی حکمت عملی میں شاید سنگ میل کا درجہ رکھتی تھی۔ یہ بات انہیں معلوم تھی کہ بھارت آنے والا ہر پاکستانی بے ضمیر اور بکاؤ مال نہیں ہوتا۔ ان میں خال خال ہی کالی بھیڑیں ہوتی ہیں۔ ان سے معاملات طے کرتے ہوئے یہ خدشہ رہتا ہوگا کہ کسی وقت دباؤ کے تحت وہ را کے لیے کام کرنے پر آمادگی ظاہر کردیں اور سرحد پار کرتے ہی اپنے ملک اور قوم کی محبت کے جذبات سے مغلوب ہوکر ضمیر فروشی سے تائب ہوجائیں۔

رینا اجیت رائے کے ساتھ بنائی جانے والی میری ویڈیو فلم کا معاملہ غزالہ کے علم میں نہیں تھا مگر میں نے اسے یہ بتادیا تھا کہ نریش شرما مجھے بیلا سنگھ کے جال میں پھانس کر مجھے بلیک میل کرنے کا مواد حاصل کرنا چاہ رہا ہے۔ غزالہ کو اندازہ تھا کہ ایسا مواد را کی ضرورت بن گیا تھا تاکہ میں پاکستان واپس پہنچنے کے بعد را سے منحرف ہونے کے بارے میں نہ سوچ سکوں اور وہ مجھے اطمینان سے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرسکیں۔

را کے بارے میں سوچتے سوچتے غزالہ کی ذہنی رو بیلا سنگھ کی طرف بہک گئی۔ مجھے کمرے سے گئے کافی وقت ہوچکا تھا۔ نریش مجھ سے ملنے کے بعد غزالہ کے پاس پہنچا تھا۔ اس نے یہ شوشا بھی چھوڑ دیا تھا کہ میں ہوٹل میں کسی جاننے والی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ غزالہ کو خلش ہونے لگی کہ میں بیلا سنگھ کے ساتھ اتنی دیر تک کن مذاکرات میں مصروف تھا۔

بیلا سنگھ کو مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے میرے پیچھے لگایا گیا تھا۔ غزالہ کو ان حالات کا علم نہیں تھا جو نیچے رونما ہورہے تھے۔ اس کے ذہن میں ایک سیدھی سی بات جمی ہوئی تھی۔ اگر میں بیلا سنگھ سے اپنی جان چھڑانے میں کامیاب ہوجاتا تو زیادہ وقت برباد کیے بغیر کمرے میں واپس پہنچ جاتا۔ میری واپسی میں غیر معمولی تاخیر غزالہ کے لیے اس تلخ حقیقت کی عکاس تھی کہ میرے ارادے کمزور ثابت ہوئے تھے، بیلا سنگھ جیت گئی تھی۔

بدترین شکست کے احساس سے غزالہ کے حلق میں تلخی سی گھلنے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آسیبی خیالات اس کے ذہن پر یلغار کررہے تھے۔
کمرے کی تنہائی میں کوئی اس کا رفیق یا غم گسار نہیں تھا۔ اس نے زندگی میں کبھی خود کو اتنا مظلوم اور تنہا محسوس نہیں کیا تھا جتنا وہ اس وقت محسوس کررہی تھی۔
بے خیالی میں اس کا ہاتھ اپنے داہنے رخسار کی طرف گیا تو اپنی انگلیوں پر نمی محسوس کرکے وہ چونک پڑی۔ اس نے ہڑبڑا کر چہرے پر اپنے دونوں ہاتھ پھیرے اور پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے پہنچ گئی۔ اس کے دونوں رخسار تر تھے۔ نہ جانے کب سے اس کی غزالی آنکھوں سے آنسوؤں کے بے آواز موتی بہے چلے جارہے تھے۔ اس نے ٹشو پیپر سے اپنا چہرہ اور پھر آنکھیں خشک کیں۔ آئینے میں اسے اپنا عکس کمزور اور دھندلایا ہوا نظر آرہا تھا۔
اس کا احساسِ بے بسی یکایک غصے میں تبدیل ہوگیا۔ اس کا دل چاہا کہ اسی وقت مسلح ہوکر اپنے کمرے سے باہر نکلے اور بیلا سنگھ کو ہوٹل کے کسی کمرے میں ڈھونڈ نکالے۔ وہ میری موجودگی یا بعد کے خطرات کی پروا کیے بغیر بیلا سنگھ کو جہنم واصل کردینا چاہتی تھی۔
اس کے خیالات کی وہ غضب ناک رو زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ دروازے پر ہلکی سی دو مانوس دستکیں سن کر وہ چونکی اور پھر دروازے کی طرف دوڑ پڑی۔ اس نے دروازہ کھولا اور مجھے اپنے سامنے پاکر اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔
میں سرعت سے کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ بند کرکے اسے مضبوطی سے اپنی آغوش میں لے لیا۔
سہارا ملتے ہی غزالہ کے صبر اور ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ میری بانہوں میں سسکیوں کے ساتھ بلک کر رو پڑی۔
"کیا بات ہے۔ تم اتنی ہراساں کیوں ہو؟ میں تو تمہارے حوصلے پر ناز کرتا ہوں۔" میں نے نرمی سے کہا۔
"وہ.... وہ کمینی بیلا سنگھ آپ کو لے کر ہی بیٹھ گئی تھی.... میں...."
میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی۔ "تمہیں خوش ہونا چاہیے۔ وہ عادی شرابی ہے۔ میں اسے باتوں سے بہلاتا رہا اور اب وہ اپنے کمرے میں مدہوش پڑی ہوئی ہے۔ نریش اور بیلا کا پورا منصوبہ فلاپ ہوگیا۔"
وہ تڑپ کر میری بانہوں سے نکلی اور میرے روبہ رو کھڑی ہوگئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے مگر چہرہ کھل اٹھا تھا اور پنکھڑی جیسے ہونٹوں پر اندر کی خوشی مسکراہٹ بن کر ناچ اٹھی تھی۔ اس نے خوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا "سچ بتائیں کہ آپ میرا دل رکھنے کے لیے تو ایسا نہیں کہہ رہے؟"
"تمہارا دل رکھنے کے لیے میں اس سے دور رہا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میں جو کچھ کرتا ہوں' اس میں تمہاری خوشنودی کا خیال رکھتا ہوں۔ اس وقت بھی میں نے بیلا کو اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ اسے ہوش آئے گا تو وہ کفِ افسوس ملتی رہ جائے گی۔"
"آپ واقعی عظیم ہیں۔" اس نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا "ذرا سی دیر پہلے میں بیلا کے بارے میں سوچ سوچ کر سلگ رہی تھی۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اسے کہیں سے بھی تلاش کرکے مار ڈالوں۔"
"کبھی کبھی تم واقعی عقل سے عاری ہوجاتی ہو۔ تم نے مجھ پر اعتماد کیا تھا اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں اس جال کو توڑ دوں گا۔"
"نریش یہاں آیا تھا۔" غزالہ کی زبان سے وہ انکشاف سن کر میں حیرت سے اچھل پڑا۔ میرے ذہن میں بہ یک وقت کئی سنسنی خیز اور وحشت ناک خیالات آئے تھے۔ میں نے اس کا وہ مختصر فقرہ سنتے ہی اس پر سوالوں کی بھرمار کردی۔
غزالہ میری اور بیلا سنگھ کی ملاقات کے بارے میں تجسس میں مبتلا تھی۔ میں نریش کی آمد کے بارے میں فکرمند تھا۔ غزالہ کو خیال آیا کہ اسے شدید بھوک لگی ہوئی تھی۔ وقت کافی گزر چکا تھا۔ باتوں سے پہلے روم سروس کو کھانے کا آرڈر دے دینا ضروری تھا۔
روم سروس کو انٹرکام پر آرڈر دے کر غزالہ نے مجھے نریش کی کہانی سنانی شروع کردی۔
کھانا آیا اور کھانے کے دوران میں بیلا سنگھ کا ذکر چلتا رہا۔ اس لڑکی کے بارے میں غزالہ کا تجسس قابلِ فہم اور بالکل فطری تھا مگر اس وقت مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے غزالہ مجھ سے پچھلے تین گھنٹوں کے ایک ایک لمحے کا حساب لینے پر تلی ہوئی ہو۔ رینا کے برعکس بیلا سنگھ کے معاملے میں میرا دامن بالکل صاف تھا۔ میں غزالہ کی کسی بات کا بُرا منائے بغیر اس کے تمام سوالوں کے جواب دیتا چلا گیا۔
ہماری وہ شام بہت بوجھل اور ناخوش گوار گزری تھی۔ مسائل نے سر ضرور اٹھایا تھا مگر ان پر قابو پالیا گیا تھا۔ مجھے پوری امید تھی کہ نریش میرے اور غزالہ کے بیانات میں کوئی جھول دریافت نہیں کرسکے گا اور یوں ہماری تشویش کا آخری پہلو بھی صاف ہوجائے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دیکھنا ہے کہ اب بیلا سنگھ کی ناکامی پر نریش کا ردِّ عمل
یا رہتا ہے۔ اس معاملے میں آپ کو گھیرنے کے لیے اس
نے سر توڑ کوششیں کی تھیں۔" بستر پر پہنچنے کے بعد غزالہ نے
تے ہوئے کہا "آپ نے ان پر پانی پھیر دیا۔"

نریش شرما نے بہت صحیح نشانہ لے کر اپنی کمان سے تیر
یا تھا لیکن وہ خطا ہو گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس کے پاس
ے سے کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ اس شام میں نے اس کے
مشورے پر عمل کیا تھا۔ کمرے سے نکل کر نیچے اترا' اس
کے ساتھ بار میں بیٹھا' بیلا سے خوش دلی سے ملا اور نریش کے
نے کے بعد بیلا کے ساتھ اس کے کمرے میں بھی چلا گیا۔
کمرے کی کہانی سے اخلاقی طور پر اس کا کوئی تعلق نہیں
نا چاہیے تھا۔

باتیں کرتے کرتے ہم دونوں گہری نیند سو گئے۔ پہلے
زالہ کی آنکھ لگی پھر میں بھی نیم تاریکی میں دیواروں کو
گھورتے گھورتے سو گیا۔

گہری نیند سے رات گئے اچانک میری آنکھ کھل گئی اور
بیدار ہوتے ہی اس خلل کا سبب سمجھ میں آ گیا۔ میرے
رہانے رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی آسیبی انداز میں مسلسل
بجے جا رہی تھی۔ کمرے کی خاموش فضا میں گھنٹی کی آواز
نی نامانوس تھی کہ غزالہ کی نیند بھی اچٹ گئی۔

"ہیلو! کیا بات ہے؟" میں نے ریسیور اٹھا کر نیند سے
بھل آواز میں غرا کر پوچھا۔

"سر! باہر سے آپ کی فون کال ہے۔" ہوٹل آپریٹر کی
مؤدب آواز آئی "میں آپ کی نیند خراب کرنے پر معافی
یا چاہتی ہوں۔"

"صبح کے چار بجے فون کرنے کا کون سا وقت ہے۔" میں
نے بپھر کر کہا "کہہ دو کہ میں سو رہا ہوں۔"

"سر! میں نے اس وقت کال ٹرانسفر کرنے سے معذرت
چاہی تھی۔" وہ مدافعانہ لہجے میں کہہ رہی تھی "لیکن وہ بات
کرنے پر مصر ہیں۔ خود کو را کا افسر بتا رہے ہیں۔ ان کی
حیثیت جاننے کے بعد میں انکار نہیں کر سکی۔"

آپریٹر کی زبان سے را کا نام سنتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا
جیسے کسی نے میرے سر پر ٹھنڈے پانی کی بالٹی الٹ دی ہو۔
میں نے بے جان لہجے میں کہا "کال ملا دو۔"

کلک کی آواز کے ساتھ کال مل گئی۔ میں نے نرمی سے
پوچھا "کون بول رہا ہے؟"

"آج تم نے میری عزت خاک میں ملا دی۔ مجھے منہ
دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔" میرے کان میں نریش کی
دہاڑتی ہوئی آواز گونجی۔ میں بے اختیار بستر پر سیدھا ہو کر بیٹھ
گیا۔

نریش کی آواز سن کر میرا رہا سہا خمار بھی کافور ہو گیا تھا۔
میں نے حیرت سے پوچھا "میں نے کیا کیا ہے جو تم مجھ پر الزام
لگا رہے ہو؟"

"ابھی بیلا سنگھ کا فون آیا تھا۔ تم نے اس شریف لڑکی کی
حد سے زیادہ توہین اور تذلیل کی ہے۔" وہ غصے میں آپے سے
باہر ہوا جا رہا تھا۔

"توہین!" میں نے حیرت سے دہرایا "تم مجھ سے قسم لے
سکتے ہو کہ میں نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ وہ نشے میں کچھ
بہک گئی تھی پھر بھی میں نے اس کے احترام میں کوئی فرق
نہیں آنے دیا۔ جب وہ سو گئی تو میں اسے چھیڑے بغیر اس کے
کمرے سے نکل آیا۔"

"وہ بھی یہی کہہ رہی ہے۔ اسے غم و غصہ ہے کہ تم اس
سے یوں بچ رہے تھے جیسے اسے چھوت کی کوئی غلیظ بیماری
ہو۔"

"یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ آگ
و تیل یک جا ہو جائیں تو شعلوں کو بھڑکنے سے روکنا کتنا مشکل

امریکن ویزا حاصل کریں

اگر آپ امریکہ جانا چاہتے ہیں تو اس کیلئے غیر قانونی ذرائع استعمال نہ کریں
امریکن ویزا گائیڈ" امریکہ میں مقیم پاکستانی اور امریکی وکلاء کے مشوروں کی مدد
سے تیار کی گئی ہے اس میں وہ تمام قانونی طریقہ کار بتائے گئے ہیں جن کی مدد
سے آپ امریکی ویزا حاصل کر سکتے ہیں۔ (قیمت 275 روپے بمعہ ڈاک خرچ)

کینیڈین امیگریشن گائیڈ

کینیڈین امیگریشن کے لیے اپلائی کرنے والوں کیلئے "کینیڈین امیگریشن گائیڈ"
(اردو/انگلش) جس میں کینیڈین امیگریشن ویزے کے سلسلے میں شروع
سے آخر تک تمام معلومات دی گئی ہیں جس کی مدد سے آپ خود کینیڈین ویزے
ویزے کیلئے اپلائی کر سکتے ہیں۔ (قیمت: 325 روپے بمعہ ڈاک خرچ)

انگلش لینگویج کورس

ایسے افراد جنہوں نے اردو میڈیم سے تعلیم حاصل کی ہے اس کورس کی مدد
سے گھر بیٹھے چار ماہ میں انگریزی لکھنے، پڑھنے اور بولنے پر عبور حاصل کر سکتے ہیں
ہر ماہ بذریعہ ڈاک امتحان لیا جائیگا کورس کے آخر میں سند بھی جاری کیجائیگی
(چار ماہ کے کورس کی مکمل فیس: 450/- بمعہ ڈاک خرچ)

آپ صرف ایک خط لکھ کر یا ای میل بھیج کر بذریعہ V.P.P گھر بیٹھے منگوا سکتے ہیں

VITAL INFORMATION NETWORK
(Immigration Law Division)
P. O. BOX No. 4275, KARACHI-74000
Email : via1965@hotmail.com

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتا ہے۔ بیلا واقعی بہت مہربان اور آزاد خیال لڑکی ہے مگر میرے دماغ پر یہ بات طاری تھی کہ وہ تمہارے دوست کی بیٹی ہے اور تمہیں انکل کہتی ہے۔"

"تم بکواس کرتے ہو۔ تم نے میری اور اس کی بے تکلفی دیکھ لی تھی۔ خود اس نے تمہیں بتایا کہ وہ میری دوست ہے مگر تم کچھ سننے پر آمادہ نہیں تھے۔"

"مجھ سے کوئی بھول ہوئی تو میں معذرت چاہتا ہوں۔ سچ یہ ہے کہ بیلا نے میرا سارا ٹپریشن دور کردیا تھا۔ میں اس کی مے نوشی سے فائدہ اٹھا کر ایسی کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ بعد میں مجھے تمہارے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔"

"مجھے پٹی پڑھانے کی کوشش مت کرو۔ ایک معزز اور شریف لڑکی جب خود کو کسی کے سپرد کرنے کا فیصلہ کرتی ہے تو دیکھ بھال کر کرتی ہے۔ اس کی دعوت کو ٹھکرانا اس کو ذلیل کرنے کے برابر ہوتا ہے۔" میرے تجابلِ عارفانہ پر وہ بھنّا کر برہمی سے کہہ رہا تھا۔ میں اس کے وہ الفاظ سن کر سناٹے میں آگیا۔

نریش شرما ایک پڑھا لکھا اور ذمے دار بھارتی افسر تھا مگر اس نے بے غیرتی اور بے شرمی کی انتہا کردی تھی۔ وہ بیلا سنگھ کو ایک شریف اور معزز لڑکی قرار دے رہا تھا۔ اس کی آبرو کے تحفظ کو اس کی توہین اور تذلیل قرار دے رہا تھا۔ شاید اپنے منصوبے کی ناکامی نے اس کے دماغ پر منفی اثرات ڈالے تھے۔

"میرا خیال تھا کہ تم میرے کردار اور شرافت کی تعریف کرو گے۔ اگر میرے محتاط رویّے سے تمہیں صدمہ پہنچا ہے تو میں دوبارہ معافی چاہتا ہوں۔"

"تم نے بیلا کے دل کو جو ٹھیس پہنچائی ہے اس کا ازالہ لفظوں سے ہونا ناممکن ہے۔" نریش کا لہجہ گہری ملامت لیے ہوئے تھا۔ اس نے فون پر اپنی بات جاری رکھی "تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ عورت کے صرف چار روپ ایسے ہوتے ہیں جن میں وہ عزت اور احترام کی حق دار ہوتی ہے۔ ماں، بیٹی، بہن اور بیوی۔ ان کے سوا عورت بس ایک کھلونا ہوتی ہے۔ جب اور جیسے ہاتھ لگ جائے، اس سے کھیلنا چاہیے۔ عورت خود بھی یہی پسند کرتی ہے۔ بیلا کی رضا پاکر بھی تمہارے دماغ پر برف جمی رہی تو یہ تمہاری اور میری بدقسمتی ہے۔ میں تمہیں عقل سے اتنا عاری نہیں سمجھتا تھا۔"

"نریش! تم جذباتی ہو کر آگ لگانے والی باتیں کررہے ہو۔ میری بیوی ہر ایک کی بیوی یا بہن نہیں ہوسکتی۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ سارے مرد اس کے لیے بھیڑیے بن جائیں۔ چار کے سوا سارے رشتوں کے احترام کی دھجیاں اڑادیں۔" اس بار میں نریش کی ہرزہ سرائی پر معذرت خواہانہ رویہ اختیار نہ کرسکا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی "شاید تم عیال دار ہو۔ تم کو یہ خیال ہونا چاہیے کہ تمہارا انوکھا فلسفہ معاشرے کو ان کے لیے جہنم بنادے گا۔ یہ سب ...."

"خاموش رہو!" نریش کی آواز میں تلخی تھی۔ وہ میری بات کاٹ کر کہہ رہا تھا "مجھے سمجھانے کی کوشش مت کرو۔ اپنے گریبان میں جھانکو کہ تم نے کیا کیا ہے۔ تمہاری سرد مہری نے اسے اتنا دل برداشتہ کردیا ہے کہ اسے اپنے وجود اور زندگی تک سے نفرت ہوگئی ہے۔"

میں بالکل خاموش رہا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ بے غیرت یہ حکم صادر نہ کردے کہ میں معذرت کرنے کے بجائے اسی وقت دوبارہ بیلا سنگھ کے کمرے میں جاؤں اور عملی طور پر اپنی زیادتی کا بھرپور ازالہ کروں تاکہ بیلا کی زخمی انا کو قرار مل سکے۔

"خاموش کیوں ہو؟ بولتے کیوں نہیں!" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس کی دہاڑ سنائی دی۔

"ابھی تم نے خاموش رہنے کا حکم دیا تھا۔" میں نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا "تم اتنی تیزی سے آنکھیں بدلتے ہو کہ اب مجھے تم سے خوف آنے لگا ہے۔"

"اور مجھے دوبارہ تم پر شک ہونے لگا ہے۔" اس کی زہریلی آواز آئی "تم اتنے شریف اور سیدھے نہیں ہو جتنا بننے کی کوشش کرتے ہو۔ تم انتہائی چالاک اور مکار آدمی ہو۔ مجھے از سر نو دیکھنا پڑے گا کہ تم کون ہو اور ہمارے ساتھ کیا کھیل کھیلنے کی کوشش کررہے ہو۔"

نریش کی باتوں نے یکایک ایک خوف ناک رخ اختیار کرلیا تھا۔ میں نے جلدی سے خوشامدانہ لہجے میں کہا "ایسی دہلانے والی باتیں نہ کرو۔ میں اپنی مرضی سے تم سے نہیں ملا۔ میں تو انکل انل بسواس سے ملنے پر بھی تیار نہیں تھا مگر ناگر اور رینا نے مجھے بتایا کہ انکل جسے ملاقات کا وقت دے دیں اسے ہر حال میں اس سے ملنا پڑتا ہے۔ میں وہاں نہ گیا تو اس کے آدمی مار پیٹ کر مجھے زبردستی اس کے پاس لے جائیں گے۔ میں تم لوگوں کے ساتھ کیا کھیل کھیل سکتا ہوں۔"

"اب انکل ہی تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کرے گا۔" اس نے یہ نہیں کہا کہ بیلا سنگھ کی ناکامی کی خبر انل بسواس کو بھی مشتعل کردے گی۔

"تم نے انکل کا ذکر کہاں نکال لیا!" میں نے بوکھلائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی خوف زدہ آواز میں کہا "آج جو کچھ ہوا' وہ میرا تمہارا
ر بیلا سنگھ کا معاملہ ہے۔ اسے یہیں رہنے دو۔ میں بیلا سے
نوں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں گا۔"

شاید نریش کو اسی لمحے احساس ہوگیا کہ غصے اور روانی
ں اس سے غلطی ہوگئی تھی۔ اس نے بہت ہوشیاری سے
ا سنگھ کی سرکاری حیثیت کو پوشیدہ رکھ کر پورے ڈرامے کو
تی طور پر ہونے والی نجی ملاقات کا روپ دیا ہوا تھا۔ اس
ں انل بسواس کا نام لانے کی گنجائش نہیں تھی۔ میری بات
ری ہونے تک اسے ایک موزوں جواب سوجھ گیا اور
رے خاموش ہونے پر اس نے قلابازی کھائی "تم جیسے دو
ے آدمی کے لیے انل بسواس کے لیے کوئی وقت نہیں
ہے۔ میں اپنی بات کر رہا تھا کیونکہ تم نے مجھے بیلا کے حقیقی
ل کا درجہ دے کر ساری گڑبڑ کی ہے۔ بیلا تمہاری صورت
جھنے کی روادار نہیں ہے۔ ویسے بھی اسے صبح کی پرواز سے
ئی چلے جانا ہے۔ اب میں تمہیں تمہاری گستاخی کی کوئی
ہی سزا دوں گا۔"

یکایک لائن بے جان ہوگئی۔ میں نے خالی خالی نظروں
ر ریسیور کا جائزہ لیا پھر اسے کریڈل پر رکھ دیا۔

"پلان کی ناکامی نے اس کے تن بدن میں آگ لگادی
ی۔" غزالہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس میں ذرا سی بھی حیا ہوتی تو وہ اس واقعے کو خاموشی
ے پی جاتا۔ مجھے حیرت ہے کہ را کے افسروں کی ذہنی سطح
ی پست اور گھٹیا ہے۔ ابھی اس کا اضطراری ردِ عمل سامنے
ا ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔"
ں نے تشویش سے کہا۔

"ان کی سوچ گھٹیا ہے اسی لیے یہ پڑوسی ملکوں میں
شت گردیاں کرتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے انسانی جان
ید بیونٹی سے زیادہ حقیر ہے۔" غزالہ نے میری ہاں میں ہاں
ی۔ وہ مجھ سے کوئی سوال کیے بغیر میری اور نریش کی گفتگو کا
ن سنتی گئی تھی "اگر وہ واقعی انل بسواس کو درمیان میں
لے آتا ہے تو یہ معاملہ سنگین ہوجائے گا۔ مجھے اب یہاں
شت ہو رہی ہے۔ ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"وہ روانی میں انکل کا ذکر کر گیا تھا۔ بعد میں اس نے
ں بات بدل دی مگر یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ یہ سب
ں بسواس کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ اسے معلوم ہوچکا ہوگا
نریش شرما کے دفتر میں لگنے والی آگ میں کیا کچھ تباہ ہوا
ہے۔" میں بے دھیانی میں رینا والی ویڈیو فلم کا ذکر کرنے ہی
لا تھا کہ مجھے اچانک اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور میں نے
ت گھماتے ہوئے کہا "پاکستان میں جوابی قدم اٹھانے کے
لیے اسے کسی مضبوط' نئے اور مقامی مہرے کی ضرورت ہے۔
وہ مجھے پوری طرح بے بس کیے بغیر یہاں سے نہیں جانے دے
گا۔ دیکھنا ہوگا کہ رینا اور بیلا کے بعد اب کس کی باری آتی
ہے۔"

"ان کا یہ حربہ دو مرتبہ ناکام ہوچکا ہے۔" غزالہ نے پر
خیال انداز میں کہا "تیسری بار وہ اسے نہیں آزمائیں گے۔"

"تمہارا اندازہ درست ہے۔" میں نے دوبارہ بستر پر
دراز ہوتے ہوئے جواب دیا "ابھی صبح کا ابتدائی حصہ ہے۔
کچھ دیر کے لیے سونے کی کوشش کرو۔ صبح تازہ دم ہوکر اس
بارے میں کچھ سوچیں گے۔" میں نے کمرے میں جلتا ہوا
نائٹ لیمپ بھی بجھادیا۔ گہرا اندھیرا سونے کے لیے زیادہ مدد
گار ثابت ہوسکتا تھا۔

کچھ دیر تک کمرے کی فضا میں گہرا سکوت چھایا رہا پھر
غزالہ کی سرسراتی ہوئی آواز گونجی "جان! آپ سو رہے
ہیں؟"

"کوشش کروں گا تو سوجاؤں گا۔ ابھی منحوس نریش سر پر
سوار ہے۔" میں نے اس کی طرف پہلو بدل کر جواب دیا "کیا

موقع

ایک صاحب کا کتا بہت سمجھ دار تھا۔ اسے جو
کام کہا جاتا' نہایت سعادت مندی سے کردیتا۔
ایک مرتبہ دونوں پارک میں بیٹھے تھے کہ مالک کے
پاس سگریٹ ختم ہوگئے۔ اس نے سو کا نوٹ کتے کو
دے کر سگریٹ لینے بھیج دیا۔ کتا ایک گھنٹے تک
واپس نہ آیا تو مالک اس کی تلاش میں نکلا۔ کافی دیر
ادھر ادھر پھرنے کے بعد اس نے دیکھا' کتا ایک
ریستوران میں بیٹھا چکن تکا کھا رہا تھا اور کولڈ
ڈرنک پی رہا تھا۔

مالک نے غم زدہ لہجے میں شکوا کیا "اس سے
پہلے تو تم نے مجھے کبھی دھوکا نہیں دیا۔ میں نے جو کام
بھی کہا وہ تم نے نہایت ذمے داری سے کیا۔ یہ آج
تمہیں کیا ہوگیا؟"

کتا اطمینان سے بولا "اس سے پہلے آپ نے
کبھی پیسے میرے ہاتھ میں نہیں دیے تھے نا...!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہیں ڈر لگ رہا ہے؟"

"ہاں! اندھیرے سے خوف آرہا ہے۔" اس نے سہمی ہوئی آواز میں اقرار کیا "نائٹ لیمپ جلالیں۔"

میں نے ٹٹول کر بستر کے کنارے پر جھولتا ہوا سوئچ تلاش کیا اور دھیمی روشنی والا بلب آن کردیا۔ گھپ اندھیرے سے مجھے بھی الجھن ہو رہی تھی۔

○☆○

ویرا نے عابد علی کے ساتھ اپنے ہوٹل میں اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ اس کے لیے وہ قطعی اجنبی تھا۔ اس کی شناخت کا صرف ایک ثبوت سامنے آیا تھا کہ وہ بھارت جیسے موذی ملک میں ڈینی، ویرا اور غزالہ کے اصلی اور فرضی ناموں سے پوری طرح واقف تھا اور اپنے ساتھ کوئی مصیبت لے کر نازل نہیں ہوا تھا۔ وہ عابد کے ساتھ آخر تک سرد مہری سے پیش آئی۔ بس اس وقت ذرا سی گرم جوشی ہوئی جب اسے یہ پتا چلا کہ ہم لوگوں نے را کے ایک دفتر کو نذرِ آتش کردیا تھا اور اس آگ میں را کا ایک سینئر کمانڈو بھی زندہ یا مردہ حالت میں جل گیا تھا۔

اس نے عابد کو کسی تواضع کے بغیر رخصت کردیا۔ اس کے ذہن میں یہ خیال جاگزیں ہوچکا تھا کہ عابد اگر کسی اہم اور خفیہ مشن پر دہلی سے امرتسر آیا تھا تو اسے ویرا کے پاس ضرورت سے زیادہ وقت ضائع کیے بغیر واپس لوٹ جانا چاہیے تھا تاکہ کسی غیر متعلقہ شخص کو اس کے بارے میں سوچنے کا موقع نہ مل سکے۔

عابد کے جانے کے بعد ویرا نے اس کی لائی ہوئی فائلیں کھول ڈالیں۔ بیشتر کاغذات کا تعلق را سے تھا۔ فائلوں میں کچھ سادہ کاغذوں پر لکھی ہوئی تحریریں اور نقشے بھی تھے۔ ان تحریروں کا رسم الخط ہندی یا انگریزی تھا۔ ویرا ہندی رسم الخط سے نابلد تھی لیکن انگریزی حروف سے ترتیب دیے گئے الفاظ بالکل مہمل اور بے ربط تھے۔ عام آدمی ان سے کوئی مفہوم اخذ نہیں کرسکتا تھا۔

کافی دیر تک سر کھپانے کے بعد ویرا نے ان فائلوں کو اسی طرح بند کردیا۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ فائلوں کی اہمیت کے بارے میں عابد نے غلط بیانی نہیں کی تھی۔ خفیہ زبان میں تیار کی ہوئی وہ فائلیں پاکستان میں بیٹھے ہوئے ماہرین کے لیے سنسنی خیز ثابت ہوسکتی تھیں۔

وہ پاکستان سے اپنے سفری سامان کا ایک تھیلا لے کر روانہ ہوئی تھی اور امرتسر کے ہوٹل میں بھی اس کا اثاثہ اسی تھیلے تک محدود تھا۔ اسے فکر دامن گیر ہونے لگی کہ اس تھیلے میں فائلوں کے بنڈل کو چھپانا ممکن نہیں تھا۔

اسے پاکستان یا اس خطے کے کسی اور ملک میں ٹرینوں سے سفر کا زیادہ تجربہ نہیں تھا لیکن اس نے امرتسر سے دہلی اور پھر وہاں سے واپسی کے سفر میں یہ دیکھ لیا تھا کہ مغرب کے برعکس بھارتی باشندے.... زیادہ سازوسامان لاد کر سفر کرنے کے عادی تھے۔ اس بار ..... اسے ٹرین ہی کے ذریعے پاکستان اور بھارت کی حساس سرحد عبور کرنی تھی پھر اس کے پاس را کا خفیہ ریکارڈ بھی پہنچ چکا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ اس کا مختصر سامان اسے جانچ پڑتال کرنے والوں کی توجہ کا مرکز بنانے کا سبب بن سکتا تھا۔ اس کا کوئی نہ کوئی تدارک ضروری تھا۔

ٹرین کی روانگی میں خاصا وقت تھا۔ ویرا نے اسی وقت ہوٹل کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کرلیا۔

ہوٹل میں اپنے مختصر قیام کا حساب بے باق کرکے وہ قریبی بازار کی طرف نکل گئی جو کسی حد تک اس کا دیکھا بھالا تھا۔ مختلف دکانوں پر کافی وقت اور رقم برباد کرکے وہ اسٹیشن پہنچی تو اس کے ساتھ درمیانی سائز کا ایک خاصا وزنی سوٹ کیس موجود تھا۔ اس میں بیشتر نئے ملبوسات اور بھارتی دستکاری کے نمونے بھرے ہوئے تھے جو دہلی کے کناٹ پلیس کی دکانوں کے مقابلے میں امرتسر میں سستے تھے۔

اس کا سفری تھیلا اور را کی فائلوں والا غلاف اسی سوٹ کیس میں سما گیا تھا۔

ویرا نے وہ تیاری بھارتیوں سے بچنے کے لیے کی تھی۔ وہ اپنے رنگ وروپ اور خدوخال کی وجہ سے مقامیوں سے بہت ممتاز تھی۔ ہر مرحلے پر اس کے پاکستانی پاسپورٹ کو حیرت سے دیکھا گیا لیکن کسی نے مذاق میں بھی معترض ہونے کی کوشش نہیں کی۔ وہ نہایت اطمینان سے کسٹم اور امیگریشن کے مراحل سے گزر گئی۔ اسے کہیں اپنا سوٹ کیس کھول کر دکھانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔

ٹکٹ اس نے اسٹیشن پہنچتے ہی خرید لیا تھا۔ ایک قلی کے ساتھ وہ اپنی نشست تک پہنچ گئی۔ وہ زنانہ ڈبا تھا جس میں اس وقت کم سواریاں تھیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوتا چلا گیا۔

واپس جانے والی پاکستانی عورتوں کے ساتھ اس ڈبے میں سفر پر نکلی ہوئی بھارتی عورتیں بھی تھیں جن کے لباس اور بولیوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھارت کے مختلف علاقوں اور تہذیبوں سے تعلق رکھتی تھیں۔

ویرا بھارت کے اس سفر میں مسلسل انگریزی بولتی رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ اس نے کہیں بھی یہ ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ اردو جانتی ہے۔ اپنی اصلیت کا راز برقرار رکھنے کے لیے اس کی وہ احتیاط ناگزیر تھی۔

بوگی میں گرمی، پسینے اور عورتوں، بچوں کے ملے جلے شور و غل نے ویرا کو خاصا پریشان کیا لیکن اس نے ایک لمحے کے لیے بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ اس کے لیے سوٹ کیس کی حفاظت اس کی ہر تکلیف پر مقدم تھی۔ وہ بیٹھی عورتوں سے مسکراہٹوں کا تبادلہ کرتی رہی یا اپنی طرف حیرت سے دیکھنے والے بچوں سے چھیڑ چھاڑ کر کے وقت گزاری کرتی رہی۔ اس کا ذہن ان مسائل میں الجھا ہوا تھا جو اس کی واپسی میں ہمیں پیش آرہے ہوں گے۔

آخر کار ٹرین میں ہل چل شروع ہوگئی۔ پلیٹ فارم پر قلیوں اور مسافروں کی نقل و حرکت میں تیزی آگئی تھی۔ بوگی میں ریلوے کے اہل کاروں کی آمد و رفت شروع ہوگئی۔ کوئی ٹکٹ چیکر تھا تو کوئی بوگی کے مختلف حصوں میں بجلی کی سپلائی دیکھ رہا تھا۔

خدا خدا کر کے وہ مرحلے تمام ہوئے اور ٹرین حرکت میں آگئی۔ امرتسر کے پلیٹ فارم کو پیچھے چھوڑ کر ٹرین شہری آبادی کے درمیان سے گزرنے لگی۔ انجن سیٹیاں اور ہچکولے دیتا ہوا ٹرین کی رفتار بڑھا رہا تھا۔ پھر ٹرین آبادی سے ملحق ان میدانوں میں سے گزرنے لگی جہاں ٹریک کے دونوں طرف دور دور تک سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ حدِ نظر تک لہلہاتی ہوئی فصلیں، اس خطے کی زرخیزی کا کھلا اظہار تھیں۔

سفر تیزی سے جاری رہا۔ میدانوں اور چھوٹے چھوٹے دیہی اسٹیشنوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی ٹرین ویرا کو لمحہ بہ لمحہ اس سرحدی لکیر سے قریب لیے جا رہی تھی جس کے پار ویرا کو کوئی خوف نہ تھا کیونکہ وہ اپنے تھے اور اپنوں میں کسی قسم کا ڈر یا خوف نہیں ہوتا۔

نہ جانے وہ سفر کتنی دیر جاری رہا۔ ویرا کی نگاہیں کھڑکی سے باہر پھیلے ہوئے مناظر پر مرکوز تھیں مگر ذہن مسلسل میری اور غزالہ کی متوقع پریشانیوں میں الجھا ہوا تھا۔

پھر ٹرین کی رفتار دھیرے دھیرے کم ہونے لگی۔ مسافروں میں اضطراب کی ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔ ان کی باتوں سے ویرا کو پتا چلا کہ اٹاری کا ریلوے اسٹیشن آنے والا تھا۔ وہ بھارتی سرحد کا آخری اسٹیشن تھا۔ ٹرین وہاں سے رینگتی ہوئی آگے بڑھتی اور واہگہ پہنچ جاتی۔ اس سے آگے لاہور تھا۔

وہ بھارت سے پاکستان جانے والوں کی ٹرین تھی۔ لوگ اپنے ساتھ جو کچھ لے جا رہے تھے، خرید کر لے جا رہے تھے۔ انہوں نے اپنی وہ بھاری رقمیں بھارت کے شہروں اور بازاروں میں خرچ کی تھیں۔ اٹاری پر ایک مرتبہ پھر چیکنگ کا آغاز ہوا۔ سرسری سی دیکھ بھال کے بعد بھارتی عملہ ٹرین سے اتر گیا۔ کسی افسر نے ویرا سے سوٹ کیس کھولنے کے فرمائش نہیں کی تھی۔ وہ خوش تھی کہ میری بھیجی ہوئی امانت بھارت سے بحفاظت باہر نکالنے میں تقریباً کامیاب ہوگئی تھی۔

اٹاری ریلوے اسٹیشن پر ہر بوگی کے سامنے امیگریشن اور کسٹم کے کیبن بنے ہوئے تھے۔ امیگریشن والے پاسپورٹوں پر بھارت سے اخراج کی مہریں لگا رہے تھے۔ کسٹم والے اپنا کام نمٹا رہے تھے۔ ان سے نمٹنے کے بعد مسافر پاکستان سے آئی ہوئی خالی ٹرین میں سوار ہو رہے تھے جو انہیں لاہور پہنچا دیتی۔ ویرا بھی اس پاکستانی ٹرین میں بیٹھ گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بھارت کو چھوڑ کر اپنے گھر میں آگئی ہو اور جب وہ ٹرین اٹاری سے پاکستان کی طرف چلی تو ناقابلِ بیان کامیابی کے احساس سے ویرا کا دل حلق میں دھڑک رہا تھا۔

اٹاری سے واہگہ کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ دونوں سرحدی لکیروں کے درمیان نو مینز لینڈ کی پٹی تھی۔ ٹرین نے

جسم کو موٹا اور خوبصورت بنانے کی دوا

فربینا

فربینا جسم کو موٹا اور خوبصورت بنانے کی یونانی دوا ہے جو قدرتی طور پر ایک ماہ کے قلیل عرصہ میں بازو، کمر، کولہے، گردن، کندھے اور چہرے کے گالوں پر گوشت میں اضافہ کر کے جسم بھرا بھرا، خوبصورت، موٹا تندرست بنا دیتی ہے۔

فربینا شروع کرنے سے پہلے اپنا وزن نوٹ کر لیں اور ایک ماہ تک فربینا کی خوراکیں کھاتے رہیں ایک ماہ بعد اپنا وزن دوبارہ چیک کریں تو آپ کو فرق صاف نظر آجائے گا۔ مکمل طور پر قدرتی اجزا سے تیار کردہ قطعی بے ضرر یونانی مرکب قیمت 365/- روپے وزن 900 گرام جو ایک ماہ کی مکمل خوراک ہے۔ ایک خط لکھ کر بذریعہ V.P منگوائیں۔

حکیم ارشد لیبارٹریز پوسٹ بکس 2608 اسلام آباد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ فاصلہ رینگتے ہوئے طے کیا۔ اسے دور سے پاکستان کا پرچم لہراتا ہوا نظر آیا۔ تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ سرسبز و ہلالی پرچم خود اس کے وطن کا ہو۔

درمیانی پٹی عبور کرنے کے بعد انجن نے تیز سیٹی بجائی اور ٹرین رفتار پکڑنے لگی۔ لاہور کی مضافاتی آبادیوں اور کھیتوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ٹرین نے کچھ دیر بعد لاہور ریلوے اسٹیشن کے ایک پلیٹ فارم پر جا کر دم لیا۔ ٹرین رکنے سے پہلے ہی قلیوں کی فوج نے ٹرین پر دھاوا بول دیا۔ ویرا پلیٹ فارم کی مخالف سمت والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اطمینان سے بیٹھی بھیڑ چھٹنے کا انتظار کرتی رہی۔

کچھ دیر تک بوگی میں ہڑبونگ کا سماں رہا۔ قلیوں کے بعد عورتوں کے ساتھ سفر کرنے والے مرد بھی اندر گھس آئے۔ کوئی عجلت میں اپنا سامان سمیٹ رہا تھا' کوئی قلیوں سے مول تول کر رہا تھا۔ پلیٹ فارم پر منڈلاتے ہوئے غول اس کے علاوہ تھے۔ ویرا حیران تھی کہ جب ٹرین کا سفر لاہور پر ہی ختم ہو جانا تھا تو وہ بدنظمی کیوں تھی مگر اسے زیادہ دیر تک حیران ہونے کا موقع نہیں مل سکا۔ جلال اپنے ایک ماتحت کے ساتھ اچانک ہی اس کے سامنے آموجود ہوا "ویلکم ہوم! گریٹ لیڈی۔"

"تم.... تم اتنی تیزی سے مجھ تک کیسے پہنچ گئے؟" ویرا نے حیرت اور مسرت سے اپنی جگہ چھوڑ کر پوچھا اور گرم جوشی سے جلال کا ہاتھ تھام لیا۔

"اٹاری سے ہمارے انفارمر نے بتا دیا تھا کہ تم کس بوگی میں ہو۔" جلال نے آس پاس کا میدان صاف پا کر انگریزی میں سرگوشی کی "تمہارا سامان کہاں ہے؟"

ویرا نے اپنی سیٹ کے نیچے رکھے ہوئے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس وقت تک بوگی تقریباً خالی ہو چکی تھی۔ دروازے پر کچھ بھیڑ باقی رہ گئی تھی۔

جلال کے ساتھ آئے ہوئے شخص نے ویرا کا وزنی سوٹ کیس اٹھا لیا۔

"یہاں سے جاتے ہوئے تمہارے ساتھ چند جوڑوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس سوٹ کیس میں کیا بھر لائی ہو؟" جلال نے سوٹ کیس کو اپنی نگاہوں سے تولتے ہوئے پوچھا۔

"یہ را کے گناہوں کا بوجھ ہے جسے چھپانے کے لیے مجھے بہت کچھ خریدنا پڑا۔" ویرا نے جواب دیا۔

وہ تینوں بوگی سے پلیٹ فارم پر اتر گئے۔ جلال نے ویرا سے پاسپورٹ لے کر اپنے آدمی کے حوالے کر دیا۔ وہ سوٹ کیس سمیت تیز تیز قدموں سے آگے ہو لیا۔

"ٹرین سے امیگریشن تک ممنوعہ علاقہ ہے جہاں عام آدمی داخل نہیں ہو سکتے۔" ویرا جلال سے کہہ رہی تھی "مجھے امید نہیں تھی کہ تم ٹرین پر آجاؤ گے۔"

"یہاں بھارت سے آنے والوں کے سامان کا کھلا پوسٹ مارٹم ہوتا ہے۔ تمہارے سامان کو اس مرحلے سے بچانے کے لیے میرا اندر آنا ضروری تھا۔" جلال بولا "یہ بتاؤ کہ امرتسر یا اٹاری میں تو کچھ نہیں ہوا۔ جی سی محفوظ ہے نا؟"

"وہ گیارہ فائلوں کا بنڈل جس طرح مجھ تک پہنچا تھا' ابھی تک اسی حالت میں ہے۔"

ویرا اس پلیٹ فارم سے باہر نکلنے والی پہلی مسافر تھی۔ جو لوگ اس سے پہلے امیگریشن کے مرحلے سے نمٹ چکے تھے وہ کسٹم کے مرحلے میں پھنسے ہوئے تھے۔ تقریباً ہر مسافر اپنے سامان کے بارے میں پریشان تھا اور اس کی کوشش تھی کہ قلیوں وغیرہ کے ذریعے کچھ ایسا جوڑ توڑ کر لیا جائے کہ سامان کھولنے کی نوبت نہ آئے۔ جن لوگوں کا سامان کھل گیا تھا' وہ سخت بولائے ہوئے تھے کیونکہ ٹھونس ٹھونس کر بھرے اور باندھے گئے سوٹ کیسوں سے نکلا ہوا سامان دوبارہ ان میں سمانا آسان نہیں تھا۔

اسٹیشن سے باہر جلال کی گاڑی ڈرائیور سمیت موجود تھی۔ جلال کا ہمراہی ڈرائیور کے ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس نے ویرا کے ساتھ عقبی نشست سنبھال لی۔ ڈرائیور نے سوٹ کیس ڈکی میں رکھا اور وہ قافلہ وہاں سے روانہ ہو گیا۔

راستے میں ان دونوں کے درمیان کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی۔ ویرا' جلال کی طرف سے پہل کی منتظر تھی مگر وہ محتاط تھا۔ معاملہ اس قدر نازک تھا کہ وہ اپنے دونوں آدمیوں کی موجودگی میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

لاہور کی بارونق اور پرہجوم سڑکوں سے گزرتے ہوئے ویرا کو اپنائیت کے عجیب سے احساس نے مسحور کیا ہوا تھا۔ اس نے بھارت کی سرزمین پر ہر لمحہ تلوار کی دھار پر رہ کر گزارا تھا۔ ہر وقت یہ احساس ستاتا رہا تھا کہ وہ دشمن ملک میں آئی ہوئی ہے۔ بازار اور سڑکوں وغیرہ پر کوئی سرسری طور پر اس کو دیکھ لیتا تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ اسے اشتباہ آمیز نظروں سے گھور رہا ہو مگر لاہور پہنچنے کے بعد وہ ان تمام تفکرات سے آزاد ہو چکی تھی۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایک رہائشی مکان کے پورچ میں رک گئی۔ وہ اس مکان سے مختلف تھا جہاں وہ پچھلی بار رکی تھی۔ گاڑی سے اترتے ہی ایک مودب ملازم ان کی پیشوائی کے لیے موجود تھا۔ وہ انہیں ایک کشادہ اور آرام دہ کمرے میں لے گیا جہاں ائرکنڈیشنر کی خنکی رچی ہوئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جلال نے اسے چائے لانے کی ہدایت کی۔ اس کے جاتے ہی ڈرائیور ویرا کا سوٹ کیس لے آیا۔

جلال گرین کوبرا فائل دیکھنے کے لیے اتنا مضطرب تھا کہ اس نے کوئی اور بات شروع کرنے سے پہلے ویرا کو وہ فائل نکالنے کے لیے کہا۔ ویرا نے سوٹ کیس کے قفل کھول کر نئے کپڑوں کے نیچے دبا ہوا گیارہ فائلوں کا تھیلا جوں کا توں نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

جلال نے بے تابی سے شاپنگ بیگ میں سے غلاف کا تھیلا اور تھیلے میں سے فائلوں کا بنڈل نکال لیا۔ اس نے.... سرسری طور پر اوپر کی فائلوں پر نگاہ ڈالی اور درمیان میں سے گرین کوبرا فائل برآمد ہوتے ہی اس کی آنکھیں کامیابی اور مسرت کے احساس سے دمک اٹھیں۔

ویرا کی طرح جلال کے لیے بھی ہر تحریر اجنبی تھی جسے آئی بی والوں نے اپنے طور پر گومز کا نام دیا ہوا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ نہ صرف گرین کوبرا فائل ہاتھ آگئی تھی بلکہ مزید دس اہم فائلیں بھی اڑالی گئی تھیں۔

"تم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔" جلال نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں ویرا سے کہا "یہ ریکارڈ ہمارے ہاتھ آنے سے دور رس نتائج حاصل ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے خلاف بھارتیوں کی ہر منصوبہ بندی کی کچھ نہ کچھ تفصیلات ان فائلوں میں موجود ہوں۔ اٹامک انرجی کمیشن اور بجلی گھروں والی فائلیں میں نے پہچان لی ہیں بقیہ سات فائلیں میرے لیے ناقابلِ فہم ہیں۔ ان پر ہمارے ماہرین روشنی ڈال سکیں گے۔"

"تم بلاوجہ مجھے کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہو۔" ویرا ہنس کر بولی "میں نے امرتسر سے یہاں تک صرف قاصد کا کام کیا ہے۔ مجھے یہ بنڈل تمہارے عابد علی نامی ایجنٹ نے پہنچایا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ دہلی میں را کے ایک دفتر کو آگ لگادی گئی ہے۔"

"تو کیا تم دہلی میں رونما ہونے والے واقعات سے بے خبر ہو!" جلال نے حیرت سے پوچھا۔

"میں کل رات کی آخری ٹرین سے دہلی سے روانہ ہوئی تو بظاہر سب کچھ نارمل تھا مگر ڈینی کو حالات بگڑتے نظر آرہے تھے۔ اسی نے مجھے جلد از جلد دہلی سے نکل جانے پر مجبور کیا تھا۔ امرتسر میں آج عابد نے دو باتیں بتائی تھیں۔ اس آگ میں ان کا کوئی سینئر کمانڈو بھی مرا ہے۔"

"میرا اپنے آدمیوں سے رابطہ ٹوٹا ہوا ہے لیکن اسلام آباد میں دوسرے ذرائع سے خبریں آتی رہتی ہیں۔ شاید اب ڈینی پوری طاقت سے میدان میں کود پڑا ہے۔ وہ آگ پاکستانی

فائدہ

جعفر صاحب نے اپنی بیگم سے مشورہ طلب انداز میں پوچھا "اگر ہم وجاہت کو سائیکل لے دیں تو تمہارے خیال میں اس کی شرارتیں کم ہو جائیں گی؟"

"یقیناً" بیگم جعفر نے جواب دیا "کیونکہ پھر وہ زیادہ بڑے رقبے پر پھیل جائیں گی۔"

ونگ میں لگی تھی۔ اس نے فائلیں اڑانے کے بعد ان کے دفتر ہی کو نذرِ آتش کردیا تاکہ اصل واردات کا علم نہ ہو سکے۔"

"کیا یہ تمہارے آدمیوں کا کام نہیں ہو سکتا؟ تم ڈینی کا نام بہت یقین سے لے رہے ہو۔" ویرا نے پوچھا۔

"میرے آدمی اپنا دامن بچا کر مدافعانہ انداز میں کام کرتے ہیں۔ انہیں کئی مہینوں سے گرین کوبرا ٹاسک ملا ہوا تھا۔ وہ ایسی جارحانہ کارروائی کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔" جلال نے پر یقین لہجے میں کہا "یہ سو فیصد ڈینی کی کارروائی ہے۔ اس کے دماغ میں لاواپک رہا ہوگا اسی لیے اس نے تمہیں بروقت دہلی سے روانہ کردیا۔ اپنے مشن میں کامیاب ہونے کے بعد اس نے عقل مندی کی کہ یہ فائلیں اپنے پاس نہیں روکیں۔ تمہاری روانگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں بھیج دیں۔"

"اس میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ وہ آخری لمحے تک کسی کو کچھ نہیں بتاتا...." ویرا نے منہ بنا کر کہا۔

جلال نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ وہ کسی کو کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہوتا۔ آخری لمحات پر تیزی سے فیصلہ کرتا ہے اور اس پر عمل کر گزرتا ہے۔ تمہارے لیے سب سے بڑی خوش خبری یہ ہے کہ کل رات ہی جان اسمتھ کو سمراٹ ہوٹل کے ایک کمرے میں مار دیا گیا۔"

ویرا حیرت سے چونک کر صوفے سے اچھل پڑی۔ جان اسمتھ سے شاید اسے کوئی ذاتی پرخاش تھی۔ اس نے فخر آمیز لہجے میں کہا "اس کے قتل میں میرا بھی کچھ حصہ تھا مگر وہ کارنامہ اصل میں غزالہ نے سرانجام دیا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ تم یہاں رہتے ہوئے ہر بات سے باخبر ہو۔"

"اس کی لاش آج سہ پہر دریافت ہوئی ہے۔ وہ بھارت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بہت کسمپرسی کے عالم میں مارا گیا ہے۔" ویرا کا انکشاف سن کر جلال کا جوش ٹھنڈا ہو گیا "وہ ہمارے راستے کا ایک بھاری پتھر تھا جسے یہاں نہیں چھیڑا جا سکتا تھا۔ پتا نہیں اس کی قضا اسے کراچی سے دہلی کیسے لے گئی۔"

چائے نوشی کے دوران بھی وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے رہے۔ ویرا نے اسے انسپکٹر ڈیوڈ کے بارے میں بھی بتا ڈالا۔ جلال کا خیال تھا کہ ہم لوگوں نے بہت تیزی کے ساتھ دہلی میں یادگار کارنامے انجام دیے تھے۔ ایک انل بسواس کا کام اور تمام ہو جاتا تو پاکستان میں ایک لمبے عرصے کے لیے سکون ہو جاتا کیونکہ بھارتی سازشوں کے پیچھے اسی کا دماغ کام کرتا تھا اور گرین کوبرا فائل بھی اسی کی تخلیق تھی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ پچھلی رات دہلی کے حکمرانوں پر بہت بھاری گزری ہے۔" ویرا اس سے تبادلہ خیال کر کے بہت مسرور تھی۔

"یہ ڈینی کے لیے بھی آڑا وقت ہے۔ ہمیں اس کے لیے دعا گو رہنا چاہیے۔" جلال نے پُر تشویش لہجے میں کہا "وہ ہمارے لیے ایک قیمتی اثاثہ ہے۔ جس کام میں ہاتھ ڈالتا ہے اسے پورا کر کے دم لیتا ہے۔ بھارت سے اس کی زندہ و سلامت واپسی ضروری ہے۔"

جلال کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ ویرا بے چین ہو گئی "مجھے سچ سچ بتاؤ کہ ڈینی اور غزالہ کا کیا حال ہے۔ میں ان سے فون پر بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کرنا۔" جلال اس کا ارادہ بھانپ کر بوکھلا گیا "ان کے لیے یہ دو تین دن بہت ہولناک ہیں۔ میرے آدمی بھی دور ہٹ گئے ہیں۔ اس وقت کسی کی ذرا سی لغزش ان کے لیے موت کا پیغام بن جائے گی۔ ویسے بھی ڈینی ہوٹل میں نہیں ہے۔ را والے اسے لے گئے ہیں۔" جلال نے نہ چاہتے ہوئے بھی آخری فقرہ کہہ ڈالا۔

وہ بری خبر سن کر ویرا دہل گئی۔ سفاکی اور بربریت میں را والوں کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ویرا اندر کے پیچ و خم سے ناواقف تھی اس لیے اس کا پریشان ہونا فطری تھا۔ جلال نے اسے سمجھایا بجھایا اور تسلی دے کر چلا گیا۔ اسے را کی فائلوں کو فوری طور پر اسلام آباد روانہ کرنا تھا تاکہ ان پر کام شروع ہو سکے۔

ویرا کو جہاں ٹھہرایا گیا وہ چار کمروں والا ایک مہمان خانہ تھا۔ ان کمروں کے ساتھ ڈرائنگ روم، کھانے کا کمرا اور ٹی وی لاؤنج بھی تھا لیکن ویرا اپنے کمرے میں بند رہی۔ میرے بارے میں جلال سے تشویش ناک خبر سننے کے بعد اس کا دل بجھ گیا تھا۔

جلال نے ویرا کے بارے میں مہمان خانے کے عملے کو خاص ہدایات دے دی تھیں۔ ویرا کی فرمائش پر ایک خدمت گار نے بہت نفاست سے کمرے کی چھوٹی میز پر مے نوشی کے لوازم سجا دیے۔ ویرا نے اسے بتا دیا کہ وہ نو بجے کمرے میں ہی کھانا کھائے گی۔

ویرا امرتسر سے بہت ہلکے دل کے ساتھ روانہ ہوئی تھی۔ اس کے ذہن پر صرف ایک فکر تھی کہ عابد کی لائی ہوئی فائلیں پوری احتیاط کے ساتھ لاہور پہنچ جائیں۔ اس نے اپنی وہ ذمے داری اچھی طرح پوری کر لی تھی لیکن لاہور پہنچنے کے بعد وہ میرے بارے میں یکایک بہت زیادہ فکر مند ہو گئی تھی۔

رات گئے اسے فون پر جلال کی طرف سے فون پر اچھی خبر بھی مل گئی کہ راوالوں نے چند گھنٹوں کے بعد مجھے رہا کر دیا تھا۔ میری چال ڈھال اور چہرے مہرے سے تشدد کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ اس نے بتایا کہ دہلی میں گڑبڑ اور خفیہ اداروں کی حد سے بڑھی ہوئی غیر معمولی سرگرمیوں کی وجہ سے اسے وہ خبر تاخیر سے ملی تھی۔

ویرا نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ میرے سر پر آئی ہوئی مصیبت ٹل گئی تھی۔ وہ اپنی رات سکون سے گزار سکتی تھی۔

جلال بہت مصروف آدمی تھا۔ اگلے روز وہ ویرا کی طرف نہیں آ سکا لیکن شام میں اس نے فون پر ویرا سے تفصیلی گفتگو کر کے ویرا کے دل کا بوجھ خاصا ہلکا کر دیا۔ میرے بارے میں اس کے پاس کوئی نئی خبر نہیں تھی کیونکہ میں ہوٹل کے کمرے میں بند تھا۔ اس کے آدمی بھی دہلی میں یکایک زیر زمین چلے گئے تھے۔ انہوں نے اپنے سارے مقامی رابطے ختم کر کے خاموشی اختیار کر لی تھی جو وہاں کے پُر خطر حالات میں ضروری تھی۔

ویرا کے دماغ میں جلال کی یہ بات جم گئی تھی کہ میرے اور غزالہ کے لیے دو تین دن بہت خطرناک تھے۔ دوسرا دن ختم ہونے والا تھا۔ اسے امید تھی کہ اگلا دن بھی خیریت سے گزر جائے گا اور وہ مجھ سے براہِ راست رابطہ کر کے مجھ سے میری واپسی کے بارے میں بات کر سکے گی۔ اس نے کراچی فون کر کے اول خان اور سلطان شاہ کی خیریت معلوم کر لی لیکن ان دونوں سے بات نہ ہو سکی۔

اسے یا جلال کو شاید یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ مشتبہ افراد کی گرفتاری کے لیے ایوی ایشن ریسرچ سینٹر کی ریڈیائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آوازوں کو پکڑنے والی گاڑیاں دہلی کی سڑکوں پر نکل آئی تھیں۔ ان کے حرکت میں آنے کی وجہ سے دہلی کے باہمی رابطے ٹوٹ گئے تھے۔

دہلی کے واقعات کے بارے میں کراچی کے اخبارات میں جو کچھ شائع ہو رہا تھا۔ وہ ظاہری خبروں پر مبنی تھا۔ بھارتی حکام کی سخت گیری اور رازداری کی وجہ سے اخباری قیاس آرائیاں عروج پر تھیں۔ ان سے یہ ظاہر ہو رہا تھا جیسے دہلی کا نظام تلپٹ ہو کر رہ گیا ہو اور ہر طرف نامعلوم دہشت گرد دندناتے پھر رہے ہوں جنہیں بھارتی حکام پاکستانی ایجنٹ قرار دے کر اپنی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

اس نے لاہور میں اپنی دوسری رات جیسے تیسے بسر کر لی۔ جلال نے اسے دہلی سے آئی ہوئی فائلوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اور ایک ملاقات کے بعد سے مسلسل غائب تھا۔ اس کی یہ بات ویرا کو یاد تھی کہ میرے لیے دو تین دن اہم تھے۔ اس کی دانست میں دو دن گزر چکے تھے۔ وہ تیسرے دن کا آغاز تھا جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

اس کے کمرے میں موجود فون براہ راست تھا۔ وہ اس سے اندرونی اور بیرونی' ہر کال ملا سکتی تھی۔ پہلے اس نے میرے ہوٹل کا نمبر ملانے کا ارادہ کیا پھر اسے اول خان کا خیال آ گیا۔ اس بارے میں وہ کوئی بہترین مشورہ دے سکتا تھا۔

اول خان اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اس نے خود ہی ویرا کی کال وصول کی اور اس کی آواز سن کر خوش ہو گیا "واہ بھئی مبارک ہو۔ کل مجھے پتا چل گیا تھا کہ تمہارا فون آیا تھا مگر تم نے اپنا نمبر نہیں چھوڑا۔ میں تم سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ ڈینی اور غزالہ کے بارے میں مجھے سخت تشویش ہے۔"

"مجھے بھی یہی پریشانی ہے۔ ان دونوں نے مجھے وہاں سے نکال دیا اور خود بری طرح پھنس گئے ہیں۔" ویرا نے فون پر کہا "میں ڈینی کو فون کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔"

"تم لاہور میں ہو۔ دہلی میں راہ پر مصیبت ٹوٹ چکی ہے۔ مجھے سن گن ملی ہے کہ گرین کوبرا فائل بھی اسلام آباد پہنچ چکی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ واقعات ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ تم لوگوں نے دہلی سے اسلام آباد تک کھلبلی مچا دی ہے۔ ہر محکمہ فعال اور متحرک ہو گیا ہے...."

ویرا نے اول خان کی بات کاٹ دی اور کہا "تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔ اس میں اتنی سی تصحیح کر لو کہ ابھی تک میرا کردار بہت معمولی قاصد کا رہا ہے۔ شاید ڈینی کا دماغ الٹ گیا ہے۔ وہ انجام سے بے پروا ہو کر بڑے بڑے قدم اٹھائے چلا جا رہا ہے۔"

"ہاں۔ اسے دھیرے دھیرے کام کرنا چاہیے تھا۔ اس نے ایک وقت میں کئی محاذ کھول لیے ہیں۔ کسی بھی لمحے وہ دلدل میں پھنس جائے گا۔ اب اسے ہر قیمت پر واپس لوٹ آنا چاہیے۔ ورنہ وہ ان درندوں کے ہاتھوں مارا جائے گا۔"

"میں اسے فون کر کے یہی باتیں سمجھانا چاہ رہی ہوں۔" ویرا نے تحمل سے کہا "تمہارا کیا مشورہ ہے؟"

"اس کے پاس سی ایس ڈی ہے۔" قدرے توقف کے بعد اول خان کی پرتشویش آواز آئی "موجودہ حالات میں اس سے رابطہ نقصان دہ بلکہ مہلک ثابت ہو سکتا ہے مگر یہ رسک لینا پڑے گا۔ وہاں سے کئی بڑی خبریں آ چکی ہیں لیکن انل کا ذکر نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ڈینی اب اس کی گھات میں لگ گیا ہو۔ یہاں سے وہ اسی کی ذات کو اپنا مشن بنا کر روانہ ہوا تھا۔"

"میں ایک محتاط کوشش کیے لیتی ہوں۔ فضا صاف نہ ہوئی تو وہ خود فون بند کر دے گا۔" ویرا نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ہماری نیت صاف ہے۔ تم پورے خلوص سے اللہ کا نام لے کر یہ کام کر ڈالو۔ میں نتیجے کا منتظر رہوں گا۔"

"سلطان شاہ کہاں اور کس حال میں ہے؟" ویرا نے اپنی پہلی بات مکمل کرنے کے بعد جلدی سے پوچھا۔

"وہ کراچی میں را کے مخبر کو ڈھونڈ کر ٹھکانے لگانے کے ارادے سے غائب ہو گیا تھا۔ میرے آدمی اگلے دن اسے تلاش کر کے مشکل سے واپس لائے تھے۔ اب اسے اپنی

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حماقت کا احساس ہو چکا ہے۔ وہ اسٹیشن فور پر رہ رہا ہے۔"
اول خان نے ایک سانس میں پوری تفصیل بتا ڈالی۔
"اس چوزے کو میری طرف سے دعا کہہ دینا۔" ویرا نے فون بند کر دیا۔
اس کے پاس جلال کا کوئی پتا یا ٹھکانا نہیں تھا۔ اول خان نے اسے دہلی فون کرنے کی اجازت دے دی تھی پھر بھی وہ اپنی کوشش کے انتہائی منفی مضمرات پر غور کرنا چاہتی تھی۔ اس نے ایک سگریٹ سلگائی اور گھنٹی بجا کر اپنے لیے کافی طلب کر لی۔
سگریٹ ختم ہونے تک ویرا مجھے فون کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر دہلی میں میرے ہوٹل کا نمبر ملایا۔
سلسلہ ملنے پر ہوٹل کی آپریٹر لائن پر آ گئی۔ مخصوص گھنٹی نے اسے ہوشیار کر دیا کہ وہ بیرونِ ملک سے کال تھی۔
"میں فرانس سے میری بول رہی ہوں۔ مظہر خان سے بات کرا دو!" ویرا نے شستہ انگریزی میں کہا۔ آپریٹر نے اسے ہولڈ پر منتقل کیا۔ ویرا کے کان میں مترنم موسیقی گونجنے لگی۔ وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ میری آواز سننے کی منتظر تھی۔

○☆○

اچانک فرانس سے میری نامی کسی خاتون کے فون کے بارے میں اطلاع ملتے ہی میری کھوپڑی چکرا گئی۔ سمجھ میں نہیں آ سکا کہ یکایک فرانس میں میری کون سی خیر خواہ پیدا ہو گئی تھی۔ صبح کے چار بجے نریش کے فون نے میری طبیعت مکدر کی تھی اور اس وقت وہ خاتون لائن پر موجود تھی۔
میں نے بادل ناخواستہ آپریٹر سے لائن ملانے کے لیے کہہ دیا۔ کال ملنے پر جوں ہی میں نے انگریزی لب و لہجے میں ویرا کی آواز سنی، میں مزید بوکھلا گیا۔ میں نے سرعت سے سی ایس ڈی آن کی اور ماؤتھ پیس میں غرایا "کیا بات ہے؟ کیوں فون کیا ہے مجھے؟"
"تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ موسم بہت خراب ہے۔ جلد از جلد واپسی کی فکر کرو۔" وہ شاید کچھ اور بھی کہتی مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔
"مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔" میں نے بدستور انگریزی میں کہا "میں اپنے برے بھلے کو خود بہتر..."
میں نے اس کی قطع کلامی کی تھی اور میرے الفاظ میرے منہ میں ہی رہ گئے۔ سی ایس ڈی کے بزر کی آواز کے ساتھ لائن اچانک بے جان ہو گئی تھی۔
ابتدائی طور پر میں سناٹے میں آ گیا۔ ویرا نے مجھے فون کر کے فاش غلطی کی تھی۔ نریش نے کھل کر مجھ پر اپنے شبہات کا اظہار کیا تھا۔ یقینی طور پر اس کے کسی آدمی کی طرف سے میری گفتگو سننے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔
"کون تھا... کس کا فون تھا؟" بزر کی آواز پر غزالہ نے چونک کر سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔ وہ سی ایس ڈی کی کارکردگی اور اس کے بزر کے بولنے کی اہمیت سے اچھی طرح واقف ہو چکی تھی۔
"این نے ہوشیار بننے کی کوشش کی تھی۔ اب دیکھو کون سی نئی مصیبت نازل ہوتی ہے۔" میں نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا اور پھرتی سے سی ایس ڈی کو فون لائن سے الگ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کسی بھی لمحے نریش کا کوئی آدمی اچانک کمرے کے دروازے پر آ جائے گا۔
میں نے سی ایس ڈی کو محض اس خیال سے لائن سے منسلک چھوڑ دیا تھا کہ گوپال، سنیل یا ولی رام میں سے کوئی مطلع صاف پا کر فون کے ذریعے مجھ سے رابطہ کرے تو مجھے اس سے بات کرنے میں دشواری نہ ہو۔ میں جانتا تھا کہ جب تک آرک کی عفریت نما گاڑیاں دہلی کی سڑکوں پر گشت کر رہی تھیں، ان میں سے کوئی اپریٹس استعمال کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ ویرا پاکستان سے مجھے فون کر ڈالے گی۔
"وہ کیا کہہ رہی تھی؟" میری زبان سے ویرا کا مفروضہ نام سن کر غزالہ کا تجسس جاگ اٹھا۔
"تشویش زدہ لہجے میں مجھے جلد واپسی کا مشورہ دے رہی تھی۔" میں نے تلخی سے کہا "سمجھتی ہے کہ میں نادان ہوں جو یہاں رکا ہوا ہوں۔"
"یہ بہت برا ہوا۔ آپریٹر ضرور چونکی ہو گی کہ آپ کے لیے پاکستان سے فون کیوں آیا ہے۔" غزالہ مضطرب ہو گئی۔
"یہ غنیمت ہوا کہ اس نے پاکستان کے بجائے فرانس کا نام لیا۔ اپنا نام بھی این کی جگہ میری بتایا۔ پھر بھی ہماری باتیں سننے کی کوشش کی گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ نریش نے رات کو جھلا کر دوبارہ ہماری نگرانی شروع کرا دی ہے۔" میں نے سی ایس ڈی سائیڈ ٹیبل کی نچلی دراز میں ڈال دی۔
"ہو سکتا ہے کہ یہ آپریٹر کی حرکت ہو۔ اسے معلوم ہے کہ منہ اندھیرے راکے ایک اعلیٰ افسر نے آپ کو فون کیا تھا..."
"رات والی آپریٹر جا چکی ہے۔ اس وقت کوئی اور لڑکی ڈیوٹی پر ہے۔" میں نے غزالہ کی بات درمیان سے اڑا دی۔
"اس طبقے میں سرگوشیوں کا مرض عام ہے۔ جانے والی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے رات کا قصہ سب کو سنا دیا ہوگا۔ آٹھ گھنٹے تک جم کر ڈیوٹی دینے والیوں کے لیے دوسروں کی سن گن لینا بہترین مشغلہ ہوتا ہے۔ ایک پاکستانی مرد اور سفید فام عورت کی گفتگو آپریٹر کے لیے پرکشش ہو سکتی ہے۔"

میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ غزالہ کی بات میں وزن ضرور تھا مگر ویرا کے فون نے مجھے فکر مند کردیا تھا۔

اپنی تشویش اور فکر مندی پر غالب آنے کے لیے میں نے تازہ اخبار اٹھالیا۔ اس روز ذہنی پراگندگی کی وجہ سے میں اخبار پر نظر بھی نہیں ڈال سکا تھا۔

اخبار کے پہلے صفحے پر دو روز پہلے رونما ہونے والے واقعات کی نمایاں بازگشت موجود تھی۔ دہلی میں ہر طرف تلاطم کی لہریں پھیلی ہوئی تھیں۔ بھارتی حکام کی طرف سے پاکستانی دہشت گردوں پر الزام تراشی کے نتیجے میں شہری حلقوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوا تھا۔ ایک مخالف سیاسی رہنما نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ دہلی کے حکمراں شہر کو پاکستانی دہشت گردوں کے حوالے کرکے خود عیش کررہے تھے۔ ان کی حفاظت کے لیے مسلح نگہبان مامور تھے اور دل بہلانے کے لیے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی میں تربیت پانے والی لڑکیوں کی کھیپ موجود تھی۔ وہ انتہائی شرمناک صورت حال تھی جس سے اصل حکمراں غافل تھے۔

ایک اور نمایاں خبر چونکا دینے والی تھی۔ آرک کی گاڑیوں کے گشت کے نتیجے میں دہلی کے مختلف علاقوں سے تین مشتبہ افراد پکڑے گئے تھے۔ ان میں سے ایک ملزم رنگے ہاتھوں پکڑا گیا جو جامع مسجد سے ملحقہ آبادی میں اپنے وائرلیس ٹرانسمیٹر پر کسی سے گفتگو کررہا تھا۔ آرک والوں نے دوران گفتگو ہی اسے دھرلیا تھا۔ بقیہ دو افراد اس کی نشان دہی پر پکڑے گئے تھے اور وہ دونوں مقامی تھے۔

اصل ملزم بھی مقامی ہونے کا دعوے دار تھا لیکن حکام کو اس کے بیان پر شبہ تھا۔ اس کی اصل شہریت کے بارے میں کڑی چھان بین شروع کردی گئی تھی۔

اس وقت صحیح صورتِ حال یہ تھی کہ دہلی میں بڑے پیمانے پر کارروائیوں کو آغاز ہوچکا تھا لیکن ہر افسر اور ایجنسی کو مجرموں کے اس بے نام و نشان گروہ کی تلاش تھی جو شہر میں خوف و ہراس پھیلا رہا تھا۔ دو دن گزر جانے کے باوجود کسی کو یہ اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ وہ کسی بڑے گروہ کا کام نہیں تھا۔ وہ غلط سمت میں کام کررہے تھے اس وجہ سے میری اور آئی بی کے آدمیوں کی جان بچی ہوئی تھی۔ میرے ساتھ جو کچھ ہوا وہ نریش شرما کی سازشاہی کا نتیجہ تھا۔ اس نے کسی دلیل اور ثبوت کے بجائے مجھ کو محض اس وجہ سے رگڑنا ضروری سمجھا تھا کہ میں آتش زنی سے چند گھنٹے قبل اس کے دفتر میں موجود تھا۔

بیلا سنگھ والے قصے کا ان معاملات سے سرے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ مجھے راکا پکا مخبر بنانے کی کوششوں کا ایک حصہ تھا۔

مجھے یوں نظر آرہا تھا کہ اور کچھ ہو یا نہ ہو، دہلی کے کچھ مقامی لوگ اس چکی میں ضرور پس جائیں گے۔ آرک والوں کے ہاتھ لگنے والے تین افراد بھی اسی قبیل کے معلوم ہوتے تھے۔ شہر میں رونما ہونے والے واقعات سے ان کا دور پار کا بھی تعلق نہیں تھا لیکن وہ حالات کے بھنور میں پھنس چکے تھے۔ را اور دوسری بھارتی ایجنسیوں والے اپنے بہیمانہ تشدد کے ذریعے ان سے من مانے جرائم کا اعتراف کرانے پر قادر تھے۔

تشویش کی بات یہ تھی کہ پکڑے جانے والے تین افراد میں سے ایک کے پاس سے ٹرانسمیٹر... برآمد ہونے کی کہانی سنائی گئی تھی۔ اگر اس میں ذرا بھی صداقت تھی تو امکان یہی تھا کہ وہ پاکستان کی کسی خفیہ سروس کا آدمی ہوگا۔ جو آئی بی والوں سے رابطے میں نہ ہونے کی وجہ سے آرک کی گاڑیوں کی یلغار سے واقف نہ ہوسکا۔ شہر کے نازک حالات کے بارے میں اپنے لاسلکی آلے پر کسی سے بات کرتا رہا، کسی گشتی گاڑی کے حساس ترین آلات پر اس کی باتیں سنی گئیں اور پھر ریڈیائی اخراج کے سمت نما کی مدد سے اسے پکڑلیا گیا۔ وہ خطرات سے ذرا بھی زیادہ باخبر ہوتا تو طویل گفتگو کرنے کے بجائے ضروری اور مختصر ترین پیغامات کا تبادلہ کرکے، تیزی سے اپنی جگہ بدل لیتا۔ آرک والے کیل کانٹے سے لیس ہونے کے باوجود اس کو تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے تھے۔

پکڑا جانے والا کون تھا۔ اس سوال کا جواب مجھے صرف آئی والے فراہم کرسکتے تھے جن سے میرا رابطہ ٹوٹا ہوا تھا۔

گیارہ بجے ایک مرتبہ پھر نریش کا فون آگیا۔ رابطہ ہوتے ہی اس نے خشک لہجے میں حکم دیا "تم دونوں تیاری کرلو۔ بارہ بجے رینا آرہی ہے۔ اس کے ساتھ تم دونوں کو ایک خاص مقام پر پہنچنا ہے۔"

"تم مجھ سے ابھی تک ناراض ہو۔" میں نے اس کے لہجے کی رکھائی محسوس کرتے ہوئے خوشامدانہ انداز میں کہا "چاہو تو مجھے زندگی سے بیزار کرسکتے ہو۔ میں تمہیں یقین دلا رہا ہوں کہ بیلا کے معاملے میں جو کچھ ہوا، اس میں بدنیتی کے بجائے غلط فہمی کا دخل تھا۔ مجھے معاف کردو!"

"وہ قصہ یاد دلا کر مجھے طیش نہ دلاؤ جو کہا جارہا ہے اس پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ی کرو۔" اس پر میری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا' اس نے
رسا جواب دے کر فون بند کردیا۔

"اب شاید کوئی نیا چکر شروع ہونے والا ہے۔" غزالہ
نریش کے نادر شاہی حکم کے بارے میں سن کر کہا "نریش
دھوکر آپ کے پیچھے پڑگیا ہے اور اب تو اس نے اپنا کام
کو سونپا ہے۔ آپ کو کچھ پتا کروہ اپنے پیروں پر کلہاڑی
ں مارے گی۔"

"دیکھا جائے گا۔ اس وقت ہم بے بس ہیں۔ ہمیں اس
ر حکم ماننا پڑے گا۔"

ہوٹل سے ہمارے غائب ہونے اور پھر چند گھنٹوں بعد
آنے کے بارے میں نریش نے ہم دونوں سے یکے بعد
ے پوچھ گچھ کرکے ایک بڑی غلطی کی تھی۔ میرے اور
ہ کے بیان میں کہیں کوئی تضاد نہیں رہا تھا۔ مجھے شبہ
یا تھا کہ نریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا۔ کسی نئی باز
ں کے لیے اس نے ہم دونوں کو ایک ساتھ طلب کیا تھا۔
ں سے بیک وقت لیکن الگ الگ لے جاکر سوالات کیے
تے اور جوابوں کا موازنہ کرکے نریش اپنا آخری فیصلہ
ر کردیتا۔

میں اپنے ذہن پر زور دیتا رہا کہ ایسا کون سا نکتہ تھا۔
پر ہم دونوں تضاد بیانی کے جال میں پھنس سکتے تھے لیکن
ایسی کوئی بات یاد نہیں آسکی۔ غزالہ ہر راز میں میری
ی شریک تھی۔ صرف ایک بات اس کے علم میں نہیں
کہ راولوں نے میری اور رینا کی ویڈیو تیار کرلی تھی جسے
نے آئی بی والوں کے ساتھ مل کر خاموشی سے نذر آتش
یا تھا۔ وہ ایسی بات تھی جس کی بنا پر نریش میری گرفت
ں کرسکتا تھا۔

میں نے اس بارے میں غزالہ سے بھی مشورہ کرلیا۔
چاہتا تھا کہ کوئی بات رہ گئی ہو تو اس پر ہم رینا کی آمد سے
ایک دوسرے کو بریف کرلیں تاکہ کوئی مسئلہ کھڑا نہ ہو
غزالہ بھی کسی مبہم نکتے کی نشان دہی سے قاصر رہی۔

کچھ دیر بعد غزالہ اچانک ہی اٹھ کھڑی ہوئی "میں دس
یں واپس آتی ہوں۔"

"کہاں جارہی ہو؟" میں نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

"اپنے کمرے کی خیر خبر لے کر آتی ہوں۔" اس نے ہنس
یا "کل شام سے میں نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم بلا وجہ اس کمرے کا کرایہ ادا
رہے ہیں۔ اب ہر بات کھل چکی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ
ہی کمرے میں ایک ساتھ رہ رہے ہیں۔ اب دوسرے
رے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اسے واپس کردینا

ایک نوجوان نے جذبات کی ترنگ میں آکر اپنی
دوست سے کہا "میں ابھی اور اسی وقت تمہارے
خوابوں میں حقیقت کا رنگ بھر سکتا ہوں۔"

"خبردار.... جو تم نے ایسا کیا.... میں تھپڑ کھینچ
ماروں گی" لڑکی بگڑ کر بولی۔

چاہیے۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اسے چلنے دیں۔" غزالہ کی مسکراہٹ گہری ہوگئی
"اب رینا آپ کی انفارمر ہے۔ وہ آتی ہے تو میں اطمینان
سے اس کمرے میں چلی جاتی ہوں۔ وہ کمرا چھوڑ دیا تو مجھے
اِدھر اُدھر بھٹکنا پڑے گا۔ ہوسکتا ہے کہ دو چار روز میں ہم
دونوں کمرے چھوڑنے کے قابل ہوسکیں۔"

"نریش نے صاف کہہ دیا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر
ہم دہلی سے نکلے تو کہیں بھی پکڑے جائیں گے۔"

"کیوں نہ ہم کسی پرواز سے لاہور یا کراچی نکل جائیں۔
ہمارے سفری کاغذات مکمل ہیں۔"

"یہ دوست ملکوں کے شہریوں کے لیے ممکن ہوتا ہے۔
ہمارے پاسپورٹوں پر اٹاری سے داخلے کی مہریں ہیں۔ اسی
راستے سے واپس جانا ہوگا۔ ہوائی سفر کے لیے خاص اجازت
لینے کی ضرورت ہوگی۔" غزالہ کو جواب دیتے ہوئے میرا
ذہن پاکستان واپسی کے تیسرے راستے کے بارے میں سوچنے
میں مصروف تھا۔

"پھر مجبوری ہے۔" وہ شانے اچکا کر بولی "ہمیں اپنی
تقدیر پر شاکر رہنا ہوگا۔"

"یہ خیال رکھنا کہ رینا کے ساتھ مجھے چند منٹ کے
تخلیے کی ضرورت ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ میں اس سے کوئی
کارآمد بات اگلوا سکوں۔" میں نے آواز لگائی۔

"آپ فکر نہ کریں؟" اس نے مڑ کر جواب دیا "میں تیار
ہونے کے بہانے دوبارہ چلی جاؤں گی۔"

میں نے نریش شرما کی نئی ہدایات میں پوشیدہ خطرات
کے بارے میں سوچنا شروع کیا تو مجھے اچانک تین ضروری
اشیا یاد آگئیں۔ عابد عرف گوپال سے ملا ہوا اپریٹس' بیم گن
اور سی ایس ڈی۔ وہ تینوں چیزیں ہم کسی کمرے میں نہیں
چھوڑ سکتے تھے۔ ہمارے جانے کے بعد راولے دوبارہ کمروں
کی تلاشی لینے کا ارادہ کرلیتے تو ہم اپنی تحویل میں موجود ان
چیزوں کے بارے میں کوئی تسلی بخش جواز پیش کرنے سے
قاصر رہتے۔

انل بسواس سے ملاقات کے وقت میری جامہ تلاشی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہوئی تھی مگر مجھے یہ بتادیا گیا تھا کہ مجھے لانے والی کار میں اسلحے کی موجودگی کا سراغ لگانے والا آلہ نصب تھا۔ وہ آلہ بیم گن کو ضرور پکڑلیتا۔ اس سے واسطہ نہ پڑتا تو کسی منزل پر جامہ تلاشی کا امکان رد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تیسری صورت یہ ہوسکتی تھی میں ایک مرتبہ پھر آئی بی والوں میں سے کسی کی مدد طلب کرتا اور وہ تینوں چیزیں ان کے حوالے کرکے مطمئن ہوجاتا۔

وقت کم رہ گیا تھا۔ رینا کسی وقت بھی آسکتی تھی۔ بیلا سنگھ والے قصے میں اس نے ثابت کردیا تھا کہ وہ میرے ساتھ مخلص تھی لیکن میں غیر ضروری طور پر اسے اپنے کسی راز میں شریک نہیں کرسکتا تھا۔ فون سے سی ایس ڈی منسلک کرکے سرلا کے نمبر پر فون کرنا اور پھر اس آلے کو واپس نکالنا چند لمحوں کا کام نہیں تھا۔ دوسری طرف شہر میں منڈلاتی ہوئی آرک کی گاڑیوں کی موجودگی میں اپریٹس استعمال کرنا ناممکن تھا۔ میں مخمصے میں پڑگیا۔

میں اسی فکر میں غلطاں و پیچاں تھا کہ اچانک ٹرانسمٹر پر کال سگنل آنے لگا اور میرا دل بلیوں اچھل پڑا۔

وہ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی طلب صادق کا کمال تھا کہ ٹوٹا ہوا رابطہ اچانک بحال ہوتا نظر آرہا تھا۔ میں نے لپک کر کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کیا اور اپریٹس اٹھاکر کمرے کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا۔

اس وقت جی ٹو یعنی عابد لائن پر تھا۔ جوں ہی میں نے اسے اپنی موجودگی کی اطلاع دی، وہ کھل اٹھا۔

"تمہاری احتیاط رائگاں نہیں گئی۔ پچھلی رات گئے، آرک کی گاڑیاں واپس بلالی گئیں۔ میں نے آج اس خبر کی تصدیق کرنے کے بعد تم سے رابطہ کیا ہے۔"

"تم اس وقت کہاں ہو؟" اس کی بات پوری ہوجانے پر میں نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

"تم سے کافی قریب ہوں۔ دوسری خوش خبری یہ ہے کہ تمہارے ہوٹل میں ان کا کوئی آدمی نظر نہیں آرہا۔"

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میرے ساتھ کیا چکر چلایا جارہا ہے۔ باہر کوئی آدمی نہیں ہے لیکن ایک بڑا ہاتھ دھوکر میرے پیچھے پڑا ہوا ہے" اس کی احتیاط کے مدِّنظر میں نے بھی را کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے کہا "ہوسکے تو جلد از جلد دوسرے کمرے پر آجاؤ۔"

"اس وقت یہ خطرہ مول نہ لیا جائے تو بہتر ہوگا" اس کی آواز سے ہچکچاہٹ مترشح تھی۔

"یہ ناگزیر ہے۔ بارہ بجے ایک روح نازل ہونے والی ہے۔ اس کے آنے سے پہلے میں پرانی تھیلی تمہارے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔"

بات اشاروں کنایوں میں ہورہی تھی لیکن عابد میرا مفہوم پوری طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ جلدی سے بولا "میں دوسرے کمرے میں پہنچ رہا ہوں۔ تھیلی تیار رکھو۔"

میں نے اپریٹس آف کیا۔ دراز سے ایک موٹی تھیلی نکالی۔ بقیہ دونوں اشیا بھی قریب ہی موجود تھیں۔ میں نے انہیں یک جا کرکے غزالہ کے نمبر پر انٹرکام کیا۔ ادھر سے جواب ملتے ہی میں نے اسے اپنے کمرے میں واپس بلالیا۔

وہ آئی تو میں نے دروازے پر ہی وہ تھیلی اسے تھمادی "اس میں پرانا سامان ہے۔ گوپال تمہارے دروازے پر آرہا ہے، اسے دے دینا۔"

غزالہ تھیلی لے کر الٹے قدموں لوٹ گئی۔ وہ ذہین تھی، میری بات فوراً سمجھ گئی۔

اس وقت ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ پتا نہیں عابد کہاں تھا کہ غزالہ دس منٹ بعد اپنا بوجھ ہلکا کرکے واپس آگئی۔

"آپ نے دور کی بات سوچی۔ مجھے ان چیزوں کا خیال بھی نہیں رہا تھا" اس نے آتے ہی کہا پھر حیرت سے پوچھا "گوپال چراغ کے جن کی طرح اچانک کہاں سے نکل آیا؟ اس سے تو آپ کا ہر رابطہ ختم ہوچکا تھا۔"

غزالہ اس کی آمد کی تفصیل سن کر خوش ہوگئی۔ اس کی دانست میں وہ ایک اچھا شگون تھا۔

ہم دونوں بیٹھے پوری شدومد سے حالات و واقعات پر باتیں کررہے تھے کہ غزالہ چونک کر بولی "کل رات آپ کی جیب میں ایک پھولا ہوا لفافہ موجود تھا۔ اس میں کچھ ایسے کاغذات تو نہیں ہیں جو آپ کے لیے دشواری کا باعث بن جائیں۔"

"تم نے خوب یاد دلایا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "عورتوں میں اپنے شوہروں کی جیبیں ٹٹولنے کی جو عادت پائی جاتی ہے وہ کبھی کبھی سودمند بھی ثابت ہوتی ہے۔ میں اپنی پہلی تنخواہ کے اس لفافے کو بالکل بھول گیا تھا۔"

"پہلی تنخواہ کا لفافہ!" وہ متعجب ہوکر بولی "میں آپ کی بات نہیں سمجھی۔"

"نریش نے بیلا سنگھ کی آمد سے پہلے مجھے پچیس ہزار روپے کا وہ لفافہ دیا تھا۔ یہ را کی طرف سے میری پیشگی تنخواہ ہے۔ اس لفافے میں رقم سے زیادہ اہم وہ کاغذ ہے جس پر کراچی کا ایک فون نمبر اور دوسرا ٹیلکس نمبر لکھا ہوا ہے..."

"وہ آپ کو رابطے کے لیے دیے گئے ہوں گے" غزالہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے ایک بار پھر اپنی ذہانت کا مظاہرہ کیا۔
"فیکس نمبر پر مجھے رپورٹیں بھیجنی ہیں۔ فون نمبر انتہائی ایمرجنسی کے لیے ہے۔ جلال کے لیے دونوں نمبر دلچسپ ثابت ہوں گے۔"
"ہم دلی میں ہیں مگر ہنوز دلی دور است والی مثال کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔ لوٹیں گے تو جلال یا کسی اور سے ملاقات ہوگی۔"
"مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ پریشانیاں عارضی ہیں۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ہماری واپسی کا مرحلہ قریب آنے والا ہے۔"
"کیا آپ نے اس کام سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کرلیا ہے جس کے لیے پرسوں دہلی میں رکنے کا فیصلہ کیا تھا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔
"وہ کام میرے سر پر سوار ہے۔ کام کیسے ہوگا؟ یہ مجھے معلوم نہیں مگر میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ ہم آخری کامیابی کے قریب پہنچ چکے ہیں۔"
"واقعات اچانک اور تیزی سے رونما ہو رہے ہیں۔ رینا اور ناگر کے ذریعے آپ کی طلبی ہوئی تھی تو میں کھڑی گھڑی کی خیر مانگ رہی تھی۔ اس وقت یہ سوچنا ممکن نہیں تھا کہ اس طلبی کے نتیجے میں آپ کو وہ زبردست کامیابیاں حاصل ہوں گی مگر اس رات یکایک نقشہ پلٹ گیا۔"
"وہ کمال کی رات تھی۔ کاش! ایک بار پھر ویسی ہی خوش نصیبی ساتھ دے جائے۔ ہر قصہ نمٹ جائے گا۔"
غزالہ نے رینا کے استقبال کے لیے میرے کمرے میں رہنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے مجھے بتادیا کہ وہ رینا کو پسند نہیں کرتی۔ اس سے سامنا ہونے پر زبان سے غیر ارادی طور پر کوئی تلخ بات نکل گئی تو فضا ابتدا سے ہی کشیدہ ہوجائے گی۔
مجھے رینا سے کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں۔ میں نے غزالہ کے جواب میں خاموشی اختیار کرلی۔
"مجھے رہ رہ کر این کا خیال آرہا تھا۔ پتا نہیں اس بے چاری نے کیا سوچ کر آپ کو فون کیا ہوگا" غزالہ نے پھر مجھے ایک بھولی ہوئی بات یاد دلادی۔
"میں خود حیران ہوں۔ میں اس سے مختصر سی گفتگو ضرور کرتا مگر سی ایس ڈی نے لائن بند کردی۔ پتا نہیں کس نے ہماری گفتگو میں دخل انداز ہونے کی کوشش کی تھی" میرے ذہن میں ایک نئی خلش تازہ ہوگئی۔ "این سوچ رہی ہوگی کہ میں نے غصے میں فون کردیا۔"
"وہ اتنی بے وقوف نہیں ہے۔ آپ اپنی بات پوری کرکے فون بند کرتے۔ لائن اچانک ڈراپ ہوئی تھی۔ آپ کا فقرہ ادھورا رہ گیا تھا۔ اس نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ کسی نے درمیان میں گڑبڑ کرنے کی کوشش کی ہے" غزالہ نے مجھے مطمئن کرنے کے لیے وضاحت سے جواب دیا۔
"اگر وہ آپریٹر کی شرارت تھی تو ناقابلِ معافی ہے مگر میں کچھ کر نہیں سکتا۔"
"وہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو نریش ضرور اس ادھوری کال کا ذکر کرتا" غزالہ بولی "اس نے این کے بعد آپ سے بات کی تھی۔"
میرے ذہن میں ایک نئے خدشے نے سر ابھارا "یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ہماری طلبی اسی ادھوری گفتگو کے بارے میں ہو۔ اس نے علیحدگی میں تم سے اس بارے میں پوچھا تو تم اسے کیا بتاؤ گی؟ میری کون ہے اور اس سے میرا کیا تعلق ہے؟"
اس کی آنکھوں سے پریشانی جھلکنے لگی اور وہ بوکھلا کر بولی "مم... مجھے کیا پتا۔ جو کچھ آپ بتائیں گے' وہ کہہ دوں گی۔"
"بات سے بات نکل آئی ہے تو اپنا ذہن صاف کراو" میں نے نرمی سے اسے سمجھایا "یہ خالی الذہنی ہم دونوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ حیرت ہے کہ میں خود بھی این کی فون کال کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ ہمارے درمیان کچھ نہ کچھ طے ہوجانا چاہیے تھا۔"
"ہوسکتا ہے کہ نریش اس بارے میں کوئی ذکر نہ کرے۔ اس نے ہمیں کسی اور مقصد سے بلایا ہو۔"
"سب کچھ ہوسکتا ہے مگر ہمارا ہوم ورک مکمل ہونا چاہیے" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کرسی میں بے چینی سے پہلو بدلا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ میرے اور این کے درمیان ہونے والی بات کسی نے نہیں سنی۔ مداخلت ہوتے ہی لائن کٹ گئی۔ تم کہہ سکتی ہو کہ کوئی فون آیا تھا مگر تم تفصیل سے بے خبر ہو۔ میں نے اس بارے میں تمہیں کچھ نہیں بتایا بلکہ ٹال دیا۔"
"مگر آپ یہ جواب نہیں دے سکتے۔ آپریٹر نے آپ کو میری کے بارے میں بتایا تھا۔"
"میری کہانی یقیناً مختلف ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ پاکستان میں کبھی ملی ہو مگر میں اسے بھول چکا ہوں۔"
"اسے کیسے پتا چلا کہ آپ دہلی کے اس ہوٹل میں مقیم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں؟" غزالہ نے مجھ سے نگاہیں چار کرکے جرح کی۔

"ویری گڈ!" میں اس کے سوال پر خوش ہوگیا "باہمی بریفنگ اور تبادلہ خیال کا یہی فائدہ ہوتا ہے۔ یہ لاجواب کردینے والا سوال ہے۔"

"مگر آپ کے پاس اس کا کوئی نہ کوئی معقول جواب ضرور ہونا چاہیے۔"

"اس بارے میں وہ نامعلوم میری ہی کچھ بتا سکے گی" میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا "ہوسکتا ہے کہ اسے میرے بارے میں پاکستان سے کوئی سراغ ملا ہو مگر پھر بھی یہ بات اپنی جگہ برقرار رہتی ہے کہ اسے دہلی جیسے بڑے شہر میں میرے ہوٹل کا علم کیسے ہوا۔ این نے مجھے واقعی مشکل میں ڈال دیا ہے۔"

"پھر یہی موقف بہتر ہے کہ آپ کچھ نہیں جانتے۔ آپ کو شبہ ہے کہ وہ کال فرانس کے بجائے دہلی سے کی گئی تھی۔ وہ کوئی ماڈرن کال گرل بھی ہوسکتی ہے۔ جو آپ سے فون پر وقت لینا چاہ رہی تھی۔ اس کا مدعا جانتے ہی آپ نے اسے ڈانٹ کر فون بند کردیا۔"

"ایک بار پھر ویری گڈ!" میں نے اٹھ کر بے اختیار غزالہ کی پیشانی چوم لی "یہ سب سے بہتر جواب ہوگا۔ ہوٹل کی آپریٹر اگر غیر ملکی کال پر اصرار کرتی ہے تو کرتی رہے۔"

"اب مجھے ایک اور بات یاد آرہی ہے۔ اگر شروع سے مداخلت ہورہی ہوتی تو سی ایس ڈی آن کرتے ہی لائن بند ہوجاتی۔ آپ کے اور میری کے درمیان ایک دو فقروں کے تبادلے کی نوبت بھی نہ آتی۔ جو کچھ ہوا' ذرا سی تاخیر سے ہوا۔ یہ آپریٹر ہی کی شرارت ہوسکتی ہے۔ اس میں را کا ہاتھ نظر نہیں آتا۔ وہ لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوتے تو ابتدا سے ایک ایک لفظ سننے یا ریکارڈ کرنے کی کوشش کرتے' بیچ میں مخل نہ ہوتے۔"

"اس وقت تمہارا دماغ تیزی سے کام کررہا ہے" میں نے اعتراف کیا "یہ بہت باریک نکتہ ہے اور شاید سب سے مضبوط بھی۔ اتنی دماغ سوزی کے بعد ہمیں یہ فرض کرلینا چاہیے کہ نریش اس فون کال کے بارے میں سرے سے کوئی بات نہیں کرے گا۔"

"یہ میرا نہیں' آپ کا کمال ہے۔ یہاں ہر وقت آپ کے ساتھ رہ کر میں بھی بال کی کھال اتارنے کی عادی ہوتی جارہی ہوں۔ میں نے یہ ذکر اپنی تشویش سے شروع کیا تھا۔ پتا نہیں وہاں کیا حال ہے۔ ہمیں سلطان شاہ کے بارے میں بھی کوئی خیر خبر نہیں ملی۔"

"این اپنی ساری خامیوں کے باوجود فرض شناس ہے۔ اس نے واپس پہنچتے ہی کراچی والوں کی خبرگیری کی ہوگی۔ اگر وہاں کوئی گڑبڑ ہوتی تو وہ سب سے پہلے اسی کا ذکر کرتی۔ مجھ سے واپسی کے لیے اصرار نہ کرتی۔ اس وقت ساری توجہ اپنی کھال بچانے پر مرکوز رکھو۔ ہم یہاں ہتھیاروں سے نہیں بلکہ اعصاب کی بھیانک جنگ لڑ رہے ہیں۔ کہیں بھی چوک گئے تو مارے جائیں گے اور کوئی ہمیں بچانے کے لیے آگے نہیں آئے گا۔"

وہ اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے اٹھ گئی "کبھی کبھی آپ کی باتیں مجھے لرزہ براندام کردیتی ہیں۔"

"یہ یہاں کے ٹھوس زمینی حقائق ہیں۔ ہم موت کے جبڑوں میں رہ رہے ہیں۔ بھٹکنے پر نکیلے دانتوں تلے کچلے جائیں گے۔"

"میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں" وہ ہلکی سی پھریری لے کر بولی "وہ کسی بھی لمحے یہاں ہوگی۔"

اس وقت بارہ بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

رینا اجیت رائے نے اس روز وقت کی پابندی کا ریکارڈ قائم کردیا۔ ٹھیک بارہ بجے دروازے پر دستک ہوئی اور میں نے دروازہ کھولنے پر اسے اپنے سامنے موجود پایا۔

دروازے پر رسمی فقروں کا تبادلہ ہوا۔ اندر آتے ہی اس کی متلاشی نظریں کمرے میں چکرانے لگیں "غزالہ کہاں ہے۔ کیا ابھی تم دونوں تیار نہیں ہو؟" اس نے اپنے ہندی لب و لہجے میں ہلکی سی حیرت سے پوچھا "میں صحیح وقت پر آئی ہوں۔"

"وہ اپنے کمرے میں تیار ہورہی ہے۔ چند منٹ بعد ہم یہاں سے چل دیں گے۔ ہمیں جانا کہاں ہے؟" میں نے کہا۔

وہ کسی تعرض کے بغیر کرسی پر بیٹھ گئی "اس نے اپنا پرس گود میں رکھا اور دھیرے سے بولی "آج تمہارا ہیڈ کوارٹرز میں بلاوا ہے۔"

"تم کچھ سنجیدہ بلکہ فکرمند نظر آرہی ہو' خیریت تو ہے نا؟" میں نے پوچھا۔

"بیلا سنگھ کی ناکامی نے ہر ایک کو مشتعل کیا ہوا ہے۔ ایسے میں تمہارا ہیڈ کوارٹرز میں بلایا جانا کیا معنی رکھتا ہے۔"

"کیا وہاں کوئی خطرناک صورتِ حال پیش آسکتی ہے؟" میں نے قدرے تشویش سے پوچھا۔

"کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اس بار میں خود اندھیرے میں ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے حکم ملا اور میں یہاں آگئی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہاں ہمیں کس سے ملنا ہے؟" میں نے اپنے ذہن میں ابھرتی ہوئی گہری تشویش پر قابو رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"دفتر میں آگ لگنے کے بعد آج کل نریش بابو کا زیادہ وقت وہیں گزرتا ہے۔ پہلے تم اس کے پاس جاؤ گے' بعد کا مجھے پتا نہیں۔"

"تمہارا انکل بھی وہیں بیٹھتا ہوگا؟" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"دہلی میں ان کے کئی دفتر ہیں۔ کچھ پتا نہیں ہوتا کہ وہ کب کہاں بیٹھیں گے۔ ہمارے ہیڈ آفس میں بھی ان کا دفتر ہے۔"

"اگر سفر لمبا نہ ہو تو ہم کچھ وقت یہیں گزار لیں" میں نے تجویز پیش کی "ہمیں نریش سے کس وقت ملنا ہے؟"

"سفر لمبا ہے۔ کناٹ سرکل سے ہم کستوربا گاندھی روڈ پر نکلیں گے پھر ذاکر حسین روڈ سے ہوتے ہوئے لودھی روڈ پر مڑیں گے۔ وہیں ہمارا ہیڈ آفس ہے۔ راستے میں ہمیں انڈیا گیٹ سے بھی گزرنا ہوگا۔ یہ سب راستے بھیڑ بھاڑ والے ہیں۔ دیر سویر ہو سکتی ہے پھر بھی تم چند منٹ لے لو۔"

"آج تم کچھ سوگوار ہو۔ مجھے ترحم آمیز نظروں سے دیکھ رہی ہو جیسے میرا انجام برا ہونے والا ہو" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "جو کچھ بھی ہے' مجھے کھل کر بتا دو۔ میں حوصلہ نہیں ہاروں گا۔ خود کو آنے والے وقت کے لیے تیار کر سکوں گا۔"

"آثار اچھے نہیں ہیں" اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا "مگر میں پھر کہہ رہی ہوں کہ ابھی تک میں خود تمہارے بلاوے کے سبب سے بے خبر ہوں۔ میری بھگوان سے دعا ہے کہ تم پر کوئی برا وقت نہ آئے کیونکہ تم سے ہمدردی کر کے میں گمبھیر خطرہ مول لے بیٹھی ہوں۔ تم کو چار چوٹ کی مار پڑی تو تم کھایا پیا تک اگل دو گے۔ اس میں میرا نام بھی آئے گا" اس نے خوف زدہ انداز میں چند ثانیوں کے لیے اپنی آنکھیں موند لیں اور خاموش ہو گئی۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں مگر میرے وجود میں خوف کے بجائے مزاحمت کی ایک تند لہر دوڑ گئی۔ رینا نے آنکھیں کھولیں اور اپنی بات جاری رکھی "تمہارا جو ہونا ہے سو ہو کر رہے گا مگر میں بنا موت ماری جاؤں گی۔ ہم لوگوں میں مداری کی سزا بہت کٹھن ہوتی ہے۔ میری اور تمہاری فلم مل گئی۔ بیلا اپنے جوبن اور سولہ سنگھار کے ساتھ بھی تم کو نہ جھکا سکی۔ اب نریش بابو جھلایا ہوا ہے کہ تم کو کیسے قابو کرے۔ وہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ اب تم سے اپنی ہار کا بدلہ لے گا۔"

وہ جو کچھ چاہتا تھا' چابک کے زور پر حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے لیے میری رضامندی ضروری تھی۔ رینا کی باتیں سنتے ہوئے میں نے فیصلہ کر لیا کہ دروغ مصلحت آمیز کی طرح ضرورت پڑنے پر چاہے کچھ بھی کر لوں لیکن نریش کے گھناؤنے مقاصد پورے نہیں ہونے دوں گا۔ وہ بلیک میلنگ کے ایک رکیک اور گھٹیا حربے کو بلاوجہ انا کی جنگ میں تبدیل کرنے پر تلا ہوا تھا۔ تو ناکامی ہی اس کا مقدر ہونے والی تھی۔ اس لڑائی میں مجھے خاک ہونا منظور تھا' سپر ڈالنا گوارا نہیں تھا۔

چند منٹ بعد رینا نے بے چینی سے غزالہ کے بارے میں پوچھا اور میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اسی لمحے ایک اندیشے سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

رینا کو یقینی طور پر کچھ علم نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ بتایا وہ اس کا قیاس تھا۔ اگر اس قیاس میں ذرا بھی حقیقت تھی تو غزالہ کی وجہ سے میری پوزیشن بہت نازک تھی۔ وہ درندے مجھے زیر کرنے کے لیے غزالہ کو ڈھال کے طور پر استعمال کر سکتے تھے۔ میں اس بارے میں آگے کچھ نہ سوچ سکا۔

بے اختیار میرا دل چاہا کہ غزالہ کو اسی وقت فرار کی راہ پر لگا دوں اور خود رینا کے ساتھ چل دوں مگر میں نے اپنی اس خواہش کا گلا گھونٹ دیا۔ میں نے بھارت کی سرزمین پر اپنی جاں سوزی سے جو بساط سجائی تھی' اسے ایک جذباتی فیصلے سے تباہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حقیقت صرف نریش یا انل بسواس کے علم میں تھی۔ رینا کے اندازے زیادہ قابل اعتبار نہیں تھے۔ اس کے اندازے پر مشتعل ہو کر ہوش کے بجائے جوش میں آ جانا میرے لیے تباہ کن ہو سکتا تھا۔

میری ایک دستک پر غزالہ اپنے کمرے سے نکل آئی۔ دونوں عورتوں نے سرد مہری سے ایک دوسرے کی مزاج پرسی کی اور ہم لفٹ کی طرف چل دیے۔

گراؤنڈ فلور پر اتر کر ہوٹل کی عمارت سے باہر نکلنے کے بعد مجھے راؤ والوں کے بگڑے ہوئے موڈ کا اگلا ثبوت مل گیا۔

پچھلی بار انل بسواس نے مجھے اپنے دفتر بلوانے کے لیے رینا کو ایک شاندار کار دے کر ہوٹل بھیجا تھا لیکن اس دفعہ رینا کے پاس کوئی سواری نہیں تھی۔ وہ ہوٹل آ کر خالی ہونے والی کسی ٹیکسی کے انتظار میں برآمدے کے کنارے پر رک گئی۔ رینا کو خود بھی ان تبدیلیوں کا احساس تھا۔ وہ نہ صرف خاموش تھی بلکہ مجھ سے نظریں چار کرنے سے بھی دانستہ گریز کر رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک ٹیکسی اپنے اکلوتے سفید فام مسافر کو اتار کر جوں ہی خالی ہوئی، رینا ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ہم دونوں نے عقبی نشست سنبھال لی۔ رینا نے ڈرائیور کو لودھی روڈ چلنے کی ہدایت کی۔ ڈرائیور نے میٹر گرا کر ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

"میں تم دونوں کو ایک بات بتادوں کہ آج کی ملاقات بہت اہم ہے" ٹیکسی کناٹ سرکل گھوم کر سیدھی سڑک پر آئی تو رینا نے پیچھے مڑ کر ناصحانہ لہجے میں کہا "کوئی کڑوی کسیلی بات ہوجائے تو خاموشی سے پی جانا اور... اپنا دماغ ٹھنڈا رکھنا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ آج ہم برف کے بن جائیں گے" مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی "مگر یہ تو بتادو کہ ہمیں کہاں لے جارہی ہو۔"

را کے ہیڈ کوارٹرز میں نریش سے ملنا ہے" میں نے غزالہ کے کان میں سرگوشی کی "آج رینا کو اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہے۔"

ڈرائیور کی موجودگی کی وجہ سے ہم تینوں محتاط تھے۔ چند فقروں کے تبادلے کے بعد ٹیکسی میں خاموشی چھا گئی۔ میں کھڑکی سے باہر اس بارونق سڑک کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگیا۔ جس پر کہیں کہیں انگریزی اور ہندی زبانوں میں استورباگاندھی مارگ لکھا ہوا تھا۔

سڑک سیدھی اور پرہجوم تھی مگر ٹریفک کے بہاؤ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ کافی دور چل کر ٹیکسی نے ایک چوراہا عبور کیا۔ اس سے آگے انڈیا گیٹ کے آثار نمایاں تھے جو بتدریج واضح ہوتے چلے گئے۔ آخر ٹیکسی انڈیا گیٹ کے قلب میں رینگنے لگی۔ اس بھیڑبھاڑ سے نکلتے ہی ڈاکٹر ذاکر حسین روڈ کا آغاز ہوگیا۔ کچھ دیر بعد ہم دہلی گالف کورس کے قریب سے گزر رہے تھے۔ یہ رینا کی مہربانی تھی کہ وہ ہمیں راستے میں آنے والی اہم عمارتوں اور یادگاروں وغیرہ کے بارے میں بتاتی چلی آرہی تھی۔

گالف کورس ختم ہوتے ہی ٹیکسی چوراہا گھوم کر داہنی طرف مڑ گئی۔ وہ لودھی روڈ تھا۔

"بس اس اونچی بلڈنگ کے آس پاس گاڑی روک لینا" رینا نے آگے نظر آنے والی کنکریٹ اور شیشے کی ایک کثیرالمنزلہ عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈرائیور کو ہدایت کی۔

ڈرائیور کم گو تھا۔ سرہلا کر رہ گیا اور پھر اس نے اس پرشکوہ عمارت کے سامنے ٹیکسی روک دی جس پر ریسرچ اینڈ اینالیسس ونگ کے ابھرے ہوئے جلی حروف آویزاں تھے۔ وہ بھارت میں چلنے والے ایک متوازی نظام حکومت کا اعصابی مرکز تھا۔

رینا نے میٹر کے مطابق کرایہ ادا کرکے ڈرائیور کو فارغ کردیا۔

"یہ تیرہ منزلہ عمارت اور اس کے تہ خانے، سب را کے استعمال میں ہیں" رینا نے پختہ فٹ پاتھ پر پیش قدمی کرتے ہوئے ہماری معلومات میں اضافہ کیا۔

"انل اور نریش کس منزل پر ہوتے ہیں؟" میں نے روا روی میں پوچھ لیا۔

"ساتویں منزل پر!" رینا نے گردن گھما کر مجھے گھورتے ہوئے کہا "میں نے کہا تھا کہ اپنا دماغ ٹھنڈا رکھنا۔ یہاں انکل کا نام ادب سے لو۔ ہمارے کسی آدمی نے ایسا ادھورا نام سن لیا تو وہ تمہارے پیچھے لگ جائے گا۔"

انل بسواس کا نام ادب سے لینے سے بہتر تھا کہ زبان بند کرلی جائے۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی۔

عمارت کے برآمدے میں دو باوردی اور توانا گن مین موجود تھے۔ شیشے کی دیوار پر سرخ حروف میں نمایاں ہدایت درج تھی کہ عمارت میں داخلے سے پہلے شناخت ناگزیر تھی۔ را کے ہیڈ کوارٹرز کا طول و عرض اور بلندی دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہاں سیکڑوں افراد کام کرتے ہوں گے مگر سخت ترین حفاظتی انتظام کی وجہ سے وہاں لوگوں کی آمدورفت نہ ہونے کے برابر تھی۔

رینا نے ازخود ایک گن مین کو اپنا شناختی کارڈ دکھایا اور اسے ہم دونوں کے ساتھ اندر داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔

تاریک شیشوں کی دیوار کے پیچھے مزید دو گن مین موجود تھے۔ ہمارے اندر پہنچتے ہی انہوں نے ہمارے کپڑوں وغیرہ پر دستی آلہ پھیر کر ہماری جامہ تلاشی لی اور یہ اطمینان کرلیا کہ ہمارے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ نہیں تھا۔ اس کلیرنس کے بعد ہمیں ایک کاؤنٹر کی طرف جانا پڑا جہاں پختہ عمر کی ایک بنی سنوری خاتون کاؤنٹر پر کمپیوٹر اور دوسرے آلات سجائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے رینا کا کارڈ لے کر ایک مشین میں ڈالا۔ کارڈ برآمد ہونے کے بعد اس نے کمپیوٹر پر اس کے کوائف کا اندراج شروع کردیا۔

وہاں رینا کو صرف دو باتیں بتانا پڑیں۔ اول یہ کہ وہ ساتویں منزل پر نریش شرما کے پاس جارہی تھی۔ دوئم یہ کہ ہم دونوں اس کے ساتھ تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

را کی عمارت پر باہر سے انگریزی میں لکھی ہوئی تحریریں
ایاں نظر آرہی تھیں۔ لیکن عمارت میں گھستے ہی میں نے
یکھا کہ دفاتر وغیرہ کی نشان دہی کرنے والی ساری تختیاں
صرف ہندی میں لکھی ہوئی تھیں۔ دفاتر کے اس جنگل میں
ندی سے لاعلمی کے سبب کوئی اجنبی آسانی سے کسی کو تلاش
نہیں کر سکتا تھا۔

تیرتھ رام شاہ اسپتال کے قریب واقع را کا پاکستانی ونگ
حفاظتی معاملات میں جس قدر یتیم تھا' اس کا صدر دفتر اس
سے کہیں زیادہ قابل رشک حفاظتی حصار میں گھرا ہوا تھا۔
س عمارت کے بارے میں کسی مبالغے کے بغیر یہ کہا جاسکتا
تھا کہ مسلح نگہبانوں کی اجازت کے بغیر وہاں پرندہ بھی پر نہیں
ر سکتا تھا۔ اس عمارت کے اس حصے میں کوئی خفیہ کارروائی
کرنے کا تصور محال تھا۔

اوپر جانے والے کشادہ زینوں کے ساتھ ہی دو لفٹیں
گی ہوئی تھیں۔ رینا ہمیں لے کر ایک خود کار لفٹ میں
ساتویں منزل کی طرف روانہ ہوگئی۔ تلاشی اور پھر شناخت
کے آخری مرحلے کے بعد کاؤنٹر والی خاتون نے مجھے اور غزالہ
و کلپ والے دو کارڈ دیے تھے جو ہم نے اپنے سینوں پر
ویزاں کرلیے تھے۔ وہ کارڈ بھی ہندی میں تھے۔ دہلی میں
ندی کے ساتھ نظر آنے والی دوسری بڑی زبان صرف
نگریزی تھی۔ اردو کو اس سرزمین سے شاید دیس نکالا مل چکا
ا۔

وہ عمارت رینا کے لیے بھی زیادہ مانوس نہیں تھی۔
ساتویں منزل پر لفٹ سے نکلتے ہی ہمیں اس کمرے میں ایک
اق وچوبند گن مین کھڑا ہوا نظر آیا۔ اس کمرے سے مختلف
ستوں میں تین لمبی راہ داریاں نظر آرہی تھیں۔ رینا نے
ک کر ہندی میں لکھے ہوئے بورڈ کا جائزہ لیا اور پھر وسطی راہ
ری میں داخل ہونے لگی تو گن مین نے تینوں کو روک لیا۔
ں نے ایک مرتبہ پھر رینا اور غزالہ کے دستی بیگ کھول کر
اشی لی اور یوں ہم راہ داری میں داخل ہوگئے۔

یہ بہت غنیمت ہوا تھا کہ مشکل لمحات میں عابد نے خود
ی مجھ سے رابطہ کرلیا تھا اور میں نے اپنی تینوں اہم اشیا اس
کے حوالے کردی تھیں۔ کسی مجبوری کے تحت ہمیں وہ چیزیں
پنے ساتھ لانا پڑجاتیں تو کڑی تلاشی کے دوران میں وہ پکڑی
تیں۔ غالب امکان یہ تھا کہ ہماری اور نریش کی ملاقات
ھٹائی میں پڑجاتی اور بیم گن کی وجہ سے ہمارے خلاف ایک
اور سرگرم محاذ کھل جاتا۔

رینا کمروں میں لگی ہوئی تختیاں دیکھتی ہوئی آگے بڑھتی
رہی پھر ایک کمرے میں داخل ہوگئی۔ ہم دور رک گئے۔ رینا
نے میز کے پیچھے بیٹھے ہوئے ادھیڑ عمر شخص سے نیچی آواز میں
کچھ بات کی اور اس کی ہدایت کی روشنی میں ہمیں اپنے
ساتھ لے کر ایک الگ انتظار گاہ میں چلی گئی۔

وہ عمارت زیادہ پرانی نہیں تھی مگر کمروں کی صفائی وغیرہ
دیکھ کر یہ ماننا پڑتا تھا کہ اس کی دیکھ بھال کا نظام بہت موثر
تھا۔

ہم تینوں نریش سے ملاقات کے انتظار میں خاموش بیٹھ
گئے۔ میرے لیے پاکستانی ونگ کے بعد وہ را کا دوسرا دفتر تھا۔
دونوں عمارتوں کی ساخت اور انتظام میں زمین اور آسمان کا
ایسا نمایاں فرق تھا کہ میں مرعوب ہوگیا۔ مجھے یہ خوف تھا کہ
وہاں در و دیوار کے بھی کان ہوں گے۔ ہماری ہر آواز عمارت
کے کسی نگہبان کے کمرے میں سنی جارہی ہوگی اور شاید
پوشیدہ کیمروں کے ذریعے ہماری حرکات و سکنات کا بھی
مشاہدہ کیا جارہا ہوگا۔

وقت گزرتا رہا۔ جب ہمیں وہاں بیٹھے ہوئے کافی دیر
ہوگئی تو میں سکوت توڑنے پر مجبور ہوگیا "ہمیں کب تک
انتظار کرنا ہوگا؟"

"میں نے اپنی آمد کی اطلاع دے دی ہے۔ تمہاری وجہ
سے میں بھی بندھ گئی ہوں۔ تمہیں بلایا جائے تو میں بھی کچھ
لوگوں سے دعا سلام کرلوں" وہ بولی۔

"تم اکثر یہاں آتی رہتی ہوگی؟" غزالہ نے کہا "یہ
عمارت واقعی بہت شاندار ہے۔"

رینا نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر دھیرے سے کہا
"بلا ضرورت کوئی یہاں نہیں آسکتا۔ نیچے والوں کے پاس
میری آمد کی پیشگی اطلاع نہ ہوتی تو میں اپنے شناختی کارڈ کے
باوجود اوپر نہیں آسکتی تھی۔ میں دوسری مرتبہ یہاں آئی
ہوں۔"

"جو کچھ تم بتا رہی ہو وہ خفیہ معلومات کے زمرے میں
آتا ہے" میری متحیر آواز نیچی تھی۔

"میں اپنے فرائض سے کبھی غافل نہیں رہتی۔ یہ
باتیں ہر آنے جانے والے کے تجربے میں آتی رہتی ہیں۔"

کمرے میں ایک بار پھر سکوت پھیل گیا۔ میں محتاط تھا کہ
کہیں کوئی ممنوعہ سوال میری زبان پر نہ آجائے۔

تقریباً چالیس منٹ کے اعصاب شکن انتظار کے بعد
ایک نوجوان ماتحت نے انتظار گاہ میں آکر ہم دونوں کو
ملاقات کا مژدہ دیا۔

"کیا میری ضرورت پیش آئے گی؟" رینا نے ہمارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ اپنی جگہ چھوڑ کر پوچھا۔

"تم سنی صاحب سے مل لو۔ ملاقات ختم ہوگی تو میں تمہیں بتادوں گا" نوجوان نے کہا اور دروازے سے نکل کر راہ داری میں ایک طرف چل پڑا۔

میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں نریش سے ملاقات کے لیے اسی کمرے میں لے جایا جائے گا جہاں رینا نے ایک شخص سے ابتدائی گفتگو کی تھی لیکن نوجوان اس کمرے سے آگے بڑھا چلا جارہا تھا۔ رینا ہمارے پیچھے انتظار گاہ سے نکل کر دوسری طرف چل دی تھی۔

ایک بند دروازے کے سامنے وہ رک گیا۔ دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اس نے وہ پٹ اندر کھول دیا۔ اس کے سر کی جنبش پر میں کمرے میں داخل ہوگیا۔ غزالہ میری تقلید کررہی تھی۔

اندر گھستے ہی مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ میں ابتدا سے توقع کررہا تھا کہ میری ملاقات نریش سے ہوگی لیکن وہاں روشن میز کے پیچھے نیم تاریکی میں انل بسواس کرسی پر بیٹھا جھول رہا تھا۔ اس کے سامنے نریش بیٹھا ہوا تھا۔ انل بسواس راکی اندھیری اور پراسرار دنیا کا ایک کلیدی مہرہ تھا۔ شاید اسی لیے اسے زیادہ روشنی پسند نہیں تھی۔ اس کی میز پر تیز روشنی والا ایک بلب اس طرح روشن تھا کہ میز کی سطح پر رکھی ہوئی ہر چیز نمایاں تھی لیکن وہ روشنی پوری طرح انل بسواس تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

"گڈ آفٹرنون!" میں نے لمحہ بھر کے لیے سلام اور نمستے پر غور کرنے کے بعد کہا۔

"آفٹرنون!" اس نے بزرگانہ لہجے میں جواب دیا "آؤ بیٹھ جاؤ۔"

ہم دونوں نے نریش کے مخالف سرے پر کرسیاں سنبھال لیں۔

"لڑکی! تم سلام دعا کے آداب سے شاید بالکل نابلد ہو" انل بسواس نے تیکھی اور پرشکوہ آواز میں غزالہ کو ٹوک دیا۔

"میں نے سلام کیا تھا۔ شاید آواز آپ تک نہ پہنچی ہو" غزالہ نے سہمی ہوئی آواز میں سفید جھوٹ بولا۔ وہ نریش کے بجائے ایک مرعوب کن اور اجنبی شخص کو صدر کرسی پر براجمان پاکر کچھ پریشان ہوگئی تھی کیونکہ اس نے پہلی بار انل بسواس کو دیکھا تھا۔

انل بسواس اس وقت بھی ہلکے رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھا۔ عینک کے شفاف شیشوں کے پیچھے اس کی چمکتی ہوئی سیاہ آنکھوں کی پتلیاں مسلسل متحرک تھیں۔ سر کے اڑے ہوئے بال اور سفید کنپٹیاں اس کے ذاتی وقار میں

> "تم ایک معقول اور سمجھ دار لڑکی ہو۔ آخر تم مجھ سے شادی کیوں نہیں کرلیتیں؟"
>
> "اسی لیے کہ میں ایک معقول اور سمجھ دار لڑکی ہوں۔"

اضافہ کررہی تھیں۔ میں نے پہلی بار اندازہ لگالیا تھا کہ قدرت نے اسے فیاضی کے ساتھ ایسی ذاتی خوبیوں سے نوازا تھا کہ وہ زبان کھولنے سے پہلے ہی اپنے مخاطب کو مسحور کرلیتا تھا۔ غزالہ یکایک اس سے سامنا ہونے پر پریشان تھی۔

"تمہیں یہاں کوئی بے آرامی تو نہیں ہوئی؟" کمرے کی فضا میں انل بسواس کی باوقار آواز گونجی۔ وہ سوال کرتے ہوئے اس کی عقابی نگاہیں غزالہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

وہ تعارف کرانے کا کوئی موقع تھا نہ اس کی نوبت آئی مگر نریش اور اجنبی کے طور طریقوں سے شاید غزالہ اندازہ لگاچکی تھی کہ وہ اچانک کس کے سامنے پہنچادی گئی تھی۔ اس نے دبی دبی آواز میں کہا "میں کئی بار ذہنی تکلیف سے گزری ہوں مگر شاید یہ سب ضروری تھا۔"

"ہاں، مجھے علم ہے" اپنے سوال کا غیر متوقع بلکہ مہذب اور منہ توڑ جواب پاکر بھی انل بسواس کا موڈ خراب نہیں ہوا تھا "اعتماد کے رشتے استوار کیے جاتے ہیں تو ابتدا میں ایسا ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے یہاں کچھ ایسے واقعات ہورہے ہیں کہ کچھ بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔۔۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہم سے مظہر کی کیا بات ہوئی ہے۔"

"نہیں!" غزالہ نے کسی توقف کے بغیر بے ساختہ کہا "میں نے یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی۔ یہ سمجھ میں آیا ہے کہ کسی رشتے کے بغیر مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے ساتھ سفر کرنا پڑجائے تو دونوں کو الگ الگ رہنا چاہیے۔ ساتھ رہنے سے وہ ہر ایک کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں۔"

غزالہ بہت جرأت مندی کے ساتھ انل بسواس کا سامنا کررہی تھی۔ اس نے اپنا وہی موقف برقرار رکھا تھا جو اس نے نریش کو بتایا تھا۔ میں نے دخل اندازی کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اپنی باری کے لیے میں انل بسواس کی توجہ کا منتظر تھا۔

"اب شکوک و شبہات کی دھند صاف ہوچکی ہے۔ مجھے احساس ہے کہ کچھ مجبوریوں کی وجہ سے تمہارا یہ تفریحی دورہ برباد ہوا ہے۔ کل رات کے بعد ہماری طرف سے تم دونوں کو آزادی ہوگی۔ جب چاہو دہلی چھوڑ سکتے ہو۔ یہ تمہاری مرضی ہوگی کہ تاج محل دیکھنے کے لیے آگرہ جاؤ یا واپسی کا سفر اختیار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرلو۔"

"میں آپ کی ممنون ہوں" غزالہ نے سر جھکا کر کہا "اتنا کچھ ہوجانے کے بعد یہ بہت بڑی رعایت ہے۔"

"تم برابر کے کمرے میں بیٹھو" اس نے ایک اندرونی دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے غزالہ کو ہدایت کی "میں تمہارے دوست سے کچھ ضروری باتیں کروں گا۔"

غزالہ نے ایک انوکھی حرکت کی۔ اٹھ کر سر جھکایا اور سے آداب کہہ کر اندرونی بند دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ نل بسواس کے ہونٹوں پر توصیفی مسکراہٹ پھیل گئی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے انل بسواس کو برہم نہیں کیا تھا۔ اس سے گفتگو ختم کرکے خوشگوار فضا میں رخصت ہورہی تھی۔

بغلی دروازہ دوبارہ بند ہوجانے کے بعد انل بسواس میری طرف متوجہ ہوگیا "اس لڑکی سے تمہاری اتنی گہری دوستی ہے کہ یہ پاکستان سے تمہارے ساتھ یہاں چلی آئی مگر تم کو اس پر اتنا بھروسا نہیں ہے کہ اسے اپنے اور ہمارے تعلق کے بارے میں بتا سکو' کیا یہ عجیب بات نہیں ہے۔"

"مرد کمزور ہو تو عورت حاوی رہتی ہے" میں نے فلسفہ بگھارا "یہ سعادت مند دوست ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ بے چون وچرا مان لیتی ہے۔ میں اسے خوش رکھتا ہوں۔ اس کی ہر ضرورت پوری کرتا ہوں۔ وہ میرے ساتھ کسی بحث میں نہیں پڑتی۔"

"وہ خوبصورت لڑکی ہے" نریش نے پہلی مرتبہ زبان کھولی "تمہاری ہم خیال بن جائے تو ہم اس کے بارے میں بھی غور کرسکتے ہیں۔"

"اپنی یہ تجویز اپنے کسی اور ملاقاتی کے لیے محفوظ رکھو۔" میں نے شائستگی سے کہا "میں اسے ایسے کسی کام میں ملوث کرنا پسند نہیں کروں گا۔"

"یہ بات غیر ضروری ہے" میرا ردِعمل دیکھ کر انل بسواس نے شاطرانہ انداز میں نریش سے کہا "تمہیں مظہر کی سوچ کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔ میں نے خاصی محنت کے بعد اسے قائل کیا تھا کہ دو ناراض قوموں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا کام کسی سے غداری نہیں' انسانیت کی بڑی خدمت ہے۔"

وہ ایک مذموم اور گھناؤنے کام کو نفیس الفاظ کے لبادے میں پیش کررہا تھا۔ میں نے اسے یہ یاد دلانے سے گریز کیا کہ اس عظیم انسانی خدمت پر آمادہ کرنے کے لیے اس نے مجھے اس ویڈیو فلم کی تشہیر کی دھمکی دی تھی جو رینا کے ساتھ میرے کمزور ترین لمحوں کی گواہ تھی۔

وہ دونوں را کے بڑے افسر تھے اور دونوں اوّل درجے کے خبیث تھے۔ وہ بھارتی قوم کی بہنوں اور بیٹیوں کو رینا اجیت رائے اور بیلا سنگھ کے روپ میں آبرو کی نیلام گاہ پر چڑھائے بیٹھے تھے اور غزالہ کو بھی اسی عینک سے دیکھنے کی کوشش کررہے تھے۔ وہ یہ بھول رہے تھے کہ ایک دن ان کی جواں سال لڑکیوں کے ساتھ کوئی طالع آزما افسر وہی کھیل' کھیل سکتا تھا۔

شاید میں نریش کو کوئی سخت جواب بھی دے بیٹھتا لیکن انل بسواس نے غزالہ کو اگلی رات کے بعد آزادی کی خوش خبری سناکر میرا منہ بند کردیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری پیدا کی ہوئی کسی تلخی کے نتیجے میں معاملات پھر الجھ جائیں اور ہماری واپسی کا مرحلہ التوا کا شکار ہوجائے۔

"تمہیں پہلے مہینے کی پیشگی تنخواہ دے دی گئی ہے" انل بسواس اس بار مجھ سے مخاطب تھا "تم کو تمہارا کام سمجھادیا گیا ہے۔ رابطے کے نمبر تمہارے پاس ہیں اور تم ہماری فیلڈ فورس کا ایک بازو بن چکے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم پاکستان واپس لوٹنے کے بعد ہمارے اس اعتماد کو مجروح نہیں کروگے۔"

"مجھے معلوم ہے" میں نے سر جھکا کر معصومانہ لہجے میں اس کی دکھتی رگ چھیڑی "میری اور رینا کی ویڈیو خوف کی ایک تلوار بن کر مجھے ہمیشہ تمہارا تابع رکھے گی۔"

"یہ اچھی بات ہے کہ تمہارا حافظہ کمزور نہیں ہے۔ تم اہم باتوں کو یاد رکھتے ہو" انل بسواس نے سپاٹ لہجے میں کہا جیسے اس نے ویڈیو فلم کی راکھ کو یکجا کرکے مجھے بلیک میل کرنے کا مواد دوبارہ تیار کرلیا ہو۔

"سر! اگر اجازت ہو تو میں مظہر خان سے اپنے دل کی ایک بات کہہ ڈالوں؟" نریش نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ضرور کہو۔ تمہیں میں نے اسی مقصد کے لیے اس وقت اپنے ساتھ بٹھایا ہوا ہے" انل بسواس نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"تم اتنے مضبوط مرد نہیں ہو جتنا بنتے ہو!" نریش نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجے میں کہا "مجھے تمہاری مردانگی پر بھی شک ہے۔ جو شخص بیلا جیسے حسنِ بے پروا کو مناسب انداز میں خراج تحسین پیش نہ کرسکے اسے مرد نہیں کہا جاسکتا۔"

"میری اور رینا کی فلم دیکھ لو۔ تمہارا یہ شک دور ہوجائے گا" اس بار میں اپنے کاٹ دار جواب کو زبان پر نہ روک سکا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ کس بیلا کا ذکر ہے؟" انل بسواس نے موقع کی نزاکت بھانپ کر انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"میری ایک دوست ہے۔ جوان' بے حد حسین اور جوش بدن۔ وہ اس کے ساتھ تنہائی میں پی کر بہک گئی تھی۔ ظہر نے بزدل کی طرح اسے چھوڑ کر بھاگ آیا۔"

"تم مجھے مشتعل کرنے کی کوشش نہ کرو" میں نے سکون رہتے ہوئے جواب دیا "ساری غلطی تمہاری تھی۔ میں نے اسے تمہارے دوست کی بیٹی سمجھ کر معاف کیا تھا۔"

"مجھ پر الزام نہ لگاؤ" انل بسواس کے سامنے ذمے داری سے بچنے کے لیے نریش نے تیزی سے کہا "میں نے ہزاروں کناہوں میں تمہیں سب بتادیا تھا۔ میں تمہیں بیلا کے ساتھ وقت گزارنے کی ترکیبیں کاغذ پر لکھ کر نہیں دے سکتا تھا۔"

"جو وقت گزر گیا اس پر بحث کرکے اپنا وقت برباد مت کرو" انل بسواس نے ہاتھ اٹھا کر وہ بات وہیں ختم کردی۔

میں نے اندازہ لگایا کہ بیلا سنگھ کی ناکامی پر شاید انل بسواس نے نریش سے بازپرس کی تھی۔ اس نے اپنے افسر کے سامنے اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے میری موجودگی سے فائدہ اٹھانا چاہا تھا لیکن میں نے کھل کر ذمے داری اسی پر ڈال دی تھی۔

"اب واپسی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" انل بسواس نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"ابھی یہ مژدہ ملا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میری دوست آگرہ جانے پر آمادہ ہوجائے۔ اگلے دو تین دنوں میں' میں واپس چلا جاؤں گا۔"

"پاکستان میں تمہاری ضرورت ہے۔ تم کو شاید ڈینی کی موت کا صحیح اندازہ ہوگیا ہوگا۔"

"نریش نے اپنے پرانے دفتر میں مجھے ریکارڈ دکھا کر بریف کردیا تھا۔ میں سب سے پہلے اسی کو تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"یہ یاد رکھنا کہ وہ زندہ یا مردہ ... کسی بھی حالت میں مطلوب ہے" انل بسواس کے چہرے پر سختی ابھر آئی "تم نے اسے تلاش کرلیا تو یہ تمہاری یادگار کامیابی ہوگی۔ تم تصور میں کرسکتے کہ بھارت سے امریکا تک میں تمہارے مرتبے اور وقار میں کتنا اضافہ ہوجائے گا۔ بھاری مالی فائدہ اس کے علاوہ ہوگا۔"

"میں اس کی تلاش میں اپنے سر دھڑ کی بازی لگادوں گا" میں نے منافقانہ خلوص سے جواب دیا۔

اس روز سب کچھ میری توقع کے خلاف ہورہا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے را کے ہیڈکوارٹرز کی کوئی جھلک دیکھنے کا موقع مل سکے گا لیکن اس وقت میں ایک مہمان کے طور پر وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ نریش کے بجائے انل بسواس سے ملاقات ہوگئی تھی۔ اس ملاقات کے بارے میں میرے بہت سے تحفظات تھے اور میں ان کی پیش بندیاں کرتے کرتے ذہنی دباؤ میں آچکا تھا لیکن انل بسواس نے دوران گفتگو کوئی نازک موضوع نہیں چھیڑا تھا۔

ویرا کے فون کے بارے میں کچھ پوچھا گیا نہ ہم کو کسی جبر کا نشانہ بنایا گیا۔ سارے اندیشے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس ملاقات کا کیا مقصد تھا۔ اس وقت تک ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے انل بسواس نے ہمیں اگلی رات کے بعد آزادی کی خوش خبری سنانے اور را کے ساتھ میری وفاداری کی یقین دہانی حاصل کرنے کے لیے ہمیں بلایا ہو۔

مجھے بس ایک دھڑکا لگا ہوا تھا کہ انل بسواس کے بغلی دروازے سے گزرنے کے بعد غزالہ کو کسی ناگہانی افتاد کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو۔ ہمارے مذاکرات کا نیم دوستانہ ماحول میرے ایسے اندیشے کی نفی کررہا تھا لیکن غزالہ کے اٹھ جانے کے بعد میں اس ملاقات کے جلد از جلد خاتمے کا خواہاں تھا۔

اس وقت میرے اور غزالہ کے ہاتھوں میں موجود دو دو زہریلی انگوٹھیاں ہمارے کل ہتھیاروں کا درجہ رکھتی تھیں۔ سرخ کیپسول والی انگوٹھی جان لیوا زہر خارج کرتی تھی اور سبز و نیلے رنگ کے کیپسول میں پوشیدہ نوک کے ذریعے کسی دشمن کو فوری طور پر بے ہوش کیا جاسکتا تھا۔ میں اس بند کمرے میں اپنے دو دشمنوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ میں انہیں چشم زدن میں موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا لیکن اس عمارت کے مضبوط حفاظتی انتظامات کو دیکھتے ہوئے' یہ بات یقینی تھی کہ میرا وہاں سے بچ نکلنا محال تھا۔

نریش میرے لیے ایک بالکل نیا نام اور کردار تھا جس سے میں دہلی پہنچنے کے بعد متعارف ہوا تھا لیکن انل بسواس کے بارے میں' میں جلال کے نظریات سے اچھی طرح واقف تھا۔ انل بسواس را کا ایک اعلیٰ دماغ اور بہترین منصوبہ ساز تھا جو پاکستان کو مسلسل نقصان پہنچا رہا تھا۔ اسے موت کے گھاٹ اتار کر را اور اس کی سازشی کارروائیوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا جاسکتا تھا۔ جلال کی یہی شدید خواہش میرے بھارت کے سفر کی بنیاد بنی تھی اور میں صدق دل سے اس کی تکمیل کا خواہاں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انل بسواس سے مجھے کوئی ذاتی پرخاش نہیں تھی۔ میرے ساتھ اس کا رویّہ بھی مجموعی طور پر بہتر رہا تھا۔ نریش نے میرے ساتھ براہِ راست زیادتیاں کی تھیں اور یہ بات طے تھی کہ اسے ان معاملات میں انل بسواس کی مکمل خوشنودی حاصل تھی پھر بھی میرے ذہن میں انل بسواس کے خلاف گہرا عناد رچا ہوا تھا۔ اگر مجھے اپنے شکار کے لیے ان دونوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا موقع دیا جاتا تو میں کسی تردد کے بغیر انل بسواس کی گردن دبوچنے کو ترجیح دیتا۔

اس نے میرے اصل روپ کے بارے میں اپنی جس نفرت کا اظہار کیا تھا اس کی بنا پر اسے ٹھکانے لگانے کی میری خواہش شدید تر ہو گئی تھی۔

"میں پاکستان میں تمہاری کامیابی کا منتظر رہوں گا" انل نے اپنے دل کی گہرائیوں سے کہا اور گھنٹی بجادی۔

دروازے سے اس کا نوجوان ماتحت اندر آگیا۔ وہ مہذب اور تعلیم یافتہ نظر آتا تھا لیکن ظاہری طور پر انل بسواس کے اردلی کے کام کر رہا تھا۔

"ان دونوں کو میٹنگ روم میں پہنچادو" انل بسواس نے اس کو ہدایت دی پھر مجھ سے مخاطب ہو گیا "وہاں رینا کی آمد کا انتظار کرنا۔ اسے ساتھ لیے بغیر یہاں سے جانا مشکل ہو گا۔"

میں اٹھ گیا۔ انل بسواس اور پھر نریش نے مجھ سے پرتپاک انداز میں مصافحے کیے اور میں اردلی سے پہلے بغلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھولنے پر یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی کہ اس چھوٹے کمرے میں غزالہ ایک صوفے پر اطمینان سے بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔

اس کمرے سے نکاس کے لیے انل بسواس کا کمرا دوبارہ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ دوسری طرف ایک اور دروازہ نظر آرہا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر ہم راہ داری میں نکلے تو میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ راہ داری میں کھلنے والا دروازہ باہر سے بالکل سپاٹ تھا۔ اس پر کوئی لیور یا دستہ نہیں تھا۔ شاید اسے صرف اندر سے کھولا جا سکتا تھا۔ راہ داری کی سمت سے وہ دروازہ کھولنا ممکن نہیں تھا۔

انتظار گاہ خالی پڑی ہوئی تھی۔ ہمیں بٹھا کر وہ نوجوان لوٹ گیا۔ رینا کا کہیں پتا نہیں تھا۔

اس عمارت میں ہم کھل کر بات نہیں کر سکتے تھے اس لیے خاموشی سے رینا کا انتظار کرتے رہے۔ کنکریٹ کی راہ داری میں قدموں کی آوازیں ابھرتی اور معدوم ہوتی رہیں۔ لوگ آتے جاتے رہے لیکن رینا نہ آئی۔

"یہ کہاں رہ گئی" ڈھائی بجے غزالہ پُر تشویش انداز میں بڑبڑائی "ایسا تو نہیں کہ ہمیں بھول کر کسی کے ساتھ نکل گئی ہو۔"

"وہ ایسی غیر ذمے دار نہیں ہو سکتی۔ اسے معلوم ہے کہ ہمیں اس کے ساتھ لوٹنا ہے" میں نے غزالہ کو تسلی دی مگر میں خود پریشان تھا کہ وہ کہاں غائب تھی۔ انل بسواس سے بہ مشکل دس منٹ کی ملاقات کے لیے ہمیں ہوٹل سے نکلے ہوئے ڈھائی گھنٹے ہو چکے تھے۔ میں مضطربانہ انداز میں سگریٹ سلگا کر دروازے میں کھڑا ہو گیا۔

اس عمارت میں بلکہ اس فلور پر بھی دفاتر کا ایک جنگل پھیلا ہوا تھا مگر ڈسپلن کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف گہرے سکوت کا راج تھا۔ دفاتر کی آوازیں در و دیوار تک محدود تھیں۔ اسی طرح غیر ضروری طور پر راہ داری میں گھومنے والے بھی نایاب تھے۔ اچانک کوئی اپنے ہاتھ میں کوئی کاغذ یا فائل تھامے کسی دروازے سے برآمد ہوتا اور پھر تیز تیز چلتا ہوا کسی دوسرے دروازے کے پیچھے غائب ہو جاتا۔

وہ تماشا دیکھتے دیکھتے میں جلد ہی تھک گیا۔ میں نے اس کمرے کا رخ کیا جہاں رینا سب سے پہلے گئی تھی۔ وہ دروازہ مقفل تھا۔ مجھے یاد آیا کہ راکے دفاتر صبح سات بجے کھلنے کے بعد شاید دو بجے بند ہو جاتے تھے۔ لوگ چلے گئے تھے اور ہم دونوں احمقوں کی طرح رینا کی واپسی کے منتظر تھے۔

میں جھلا کر مڑا ہی تھا کہ وہ دور سے آتی ہوئی نظر آئی۔ اس کی رفتار تیز تھی۔ اس سے پہلے کہ میں اس کی واپسی میں تاخیر پر کسی برہمی کا اظہار کرتا، وہ خود معذرت کرنے لگی کہ پرانے ساتھیوں سے باتوں میں اسے وقت کا احساس نہیں رہا۔ جس کے لیے وہ شرمندہ تھی۔

اس کی آواز سن کر غزالہ بھی کمرے سے نکل آئی اور ہم تینوں واپس چل دیے۔

"اس وقت تم کن ساتھیوں سے بات کر رہی تھیں۔" میں نے منہ بنا کر پوچھا "میرا خیال ہے کہ دو بجے یہاں چھٹی ہو چکی ہے۔"

"یہاں کبھی چھٹی نہیں ہوتی۔ دن رات لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا "یہاں رات ہوتی ہے تو امریکا میں دن نکل رہا ہوتا ہے۔ دنیا سے رابطے میں رہنے کے لیے ہیڈ آفس دن رات کام کرتا ہے۔ علاقائی شعبوں میں ایک مقررہ وقت پر چھٹی ہو جاتی ہے۔"

"اگر تمہارے ساتھ کی مجبوری نہ ہوتی تو میں اب تک غزالہ کو ساتھ لے کر نکل گیا ہوتا۔"

"ناممکن تھا۔ جو جس کے ساتھ آتا ہے اسی کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

واپس جاتا ہے۔ یہ یہاں کا حفاظتی پروٹوکول ہے۔" وہ بولی۔
"یہاں ایسے ملاقاتی بھی آتے ہوں گے جن کے ساتھ را کا کوئی آدمی نہیں ہوتا۔ ان کا کیا بنتا ہے؟" غزالہ نے اس کی تاویل پر اعتراض جڑ دیا۔
"ان کے لیے پہلے سے نیچے ہدایات دی جاتی ہیں۔ واپسی پر ان کا میزبان خود نیچے آکر انہیں کلیر کراتا ہے۔"
"کیا تمہیں یہ طریقہ تکلیف دہ اور غیر ضروری محسوس نہیں ہوتا؟" غزالہ نے پوچھا۔
"شاید تھوڑا سا تکلیف دہ ہے مگر انتہائی ضروری ہے۔ اس عمارت میں آنے اور یہاں سے جانے والے ہر فرد کے لیے را کا کوئی نہ کوئی افسر یا اہلکار ذمے دار ہوتا ہے۔ اتنی احتیاط نہ کی جائے تو دشمنوں کا کوئی بھی ایجنٹ ملاقاتی بن کر اندر گھسے اور من مانی تخریب کاری کر کے خاموشی سے نکل جائے۔ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا۔" وہ فخریہ لب و لہجے میں را کی حفاظتی پالیسی کا دفاع کر رہی تھی۔ وہ مثبت باتیں کرتے ہوئے اس نے ہر احتیاط بالائے طاق رکھ دی تھی۔
"یہ بندوبست را کے دوسرے دفاتر میں کیوں نہیں ہے۔" میں نے لفٹ میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔
"پاکستان ونگ میں کچھ نہیں تھا۔ وہاں جو کچھ ہوا تم کو معلوم ہو چکا ہوگا۔" اس نے محتاط الفاظ میں کہا "اب وہاں بھی لڑکی نگرانی ہو رہی ہے۔"
ہم را کے دفتر آئے تو رینا خاموش اور شرمسار تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس وقت خاصی بے چین نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی چمک تھی جیسے وہ کچھ بتانا چاہ رہی ہو لیکن نہ بتا پا رہی ہو۔ میں نے اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ عمارت سے باہر نکل کر ہم آزادی سے بات کر سکتے تھے۔
آتے ہوئے اس عمارت میں غیر معمولی رونق تھی نہ جانے کیوں کسی ویرانی کا احساس ہوا۔ سب کچھ جوں کا توں تھا۔ رینا نے گراؤنڈ فلور کے کمپیوٹر پر مہمانوں سمیت اپنی واپسی کا اندراج کرایا اور ہم خنک عمارت سے نکل کر کھلی فضا میں پہنچ گئے۔
"معلوم ہو رہا ہے کہ کوئی نئی یا چونکانے والی بات ہمارے علم میں آئی ہے۔" فٹ پاتھ پر پہنچ کر میں نے نیچی آواز میں تبصرہ کیا۔
اس نے بے اختیار میری پسلیوں میں اپنی کہنی ماری "ابھی چپ رہو۔ تم چار بجے سے پہلے اپنے ہوٹل نہیں جاؤ گے۔ ہم انڈیا گیٹ پر اتر کر کہیں بیٹھیں گے تو یہ باتیں ہوں گی۔" اس کی بے چین آنکھیں کسی خالی ٹیکسی کے انتظار میں چکرا رہی تھیں۔
نریش کی ہدایت پر ہمیں بارہ بجے اپنے ہوٹل سے باہر ہانکا گیا تھا۔ رینا چار بجے کے بعد واپسی کی خبر سنا رہی تھی۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ را والے ہماری غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر ہمارے دونوں کمروں میں گھسے ہوئے تھے۔ انہیں ایک مرتبہ پھر کسی مشتبہ سراغ کی تلاش تھی۔
واپسی کے لیے رینا نے مختلف راستہ اختیار کیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اس علاقے میں جا بجا غیر ملکی مشن اور بین الاقوامی اداروں کے دفاتر قائم تھے۔ میرے استفسار پر رینا نے بتایا کہ وہ دہلی کا لودھی اسٹیٹ کا علاقہ تھا جسے اپنی سیاسی اور سفارتی اہمیت کی بنا پر دہلی کا قلب کہا جا سکتا تھا۔
لودھی اسٹیٹ میں وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی عالی شان عمارتوں کے سائے سے گزرتی ہوئی ٹیکسی نے کچھ دیر بعد ہمیں انڈیا گیٹ کے علاقے میں اتار دیا۔
"ہاں۔ تم کیا بتا رہی تھیں؟" غزالہ نے ٹیکسی کے روانہ ہوتے ہی رینا سے سوال داغ دیا۔
رینا نے اسے گھور کر کہا "صبر سے کام لو۔ بات لمبی ہے۔ کہیں سبزے پر بیٹھ کر کی جائے گی۔"
وہ ایک وسیع علاقہ تھا جو سرسبز قطعات، عمارات اور یادگاروں سے بھرا ہوا تھا۔ رینا ہمیں امر جیوتی نامی جنگی یادگار کے سائے میں پھیلے ہوئے وسیع سبزہ زار میں لے گئی جہاں ہم کسی کی مداخلت کے خطرے کے بغیر کوئی گوشہ عافیت تلاش کر سکتے تھے۔
انل بسواس سے ملاقات کے چکر میں ہم تینوں کا دوپہر کا کھانا گول ہو چکا تھا۔ باقاعدہ لنچ کرنے کا موقع نہیں تھا۔ غزالہ نے راہ میں آنے والی دکانوں اور ٹھیلوں سے کچھ نمکین اور چٹپٹی چیزیں خرید لیں جو ہماری آتشِ شکم سرد کر سکتی تھیں۔
"تم میرے صبر کا امتحان کیوں لے رہی ہو؟ تم چاٹ کھانے کے ساتھ بات بھی کر سکتی ہو۔" ایک صاف ستھرے کونے میں بیٹھنے کے بعد بھی جب رینا نے زبان نہیں کھولی تو مجھے اس کی بے پروائی پر غصہ آنے لگا۔
"پہلے تم یہ بتاؤ کہ آج کی ملاقات کے بارے میں تم نے کیا اندازہ لگایا ہے۔" کچھ بتانے سے پہلے اس نے پوچھا۔
"تمہارے انکل نے ہمیں یہ بتانے کے لیے بلوایا تھا کہ کل ہماری نظر بندی کی آخری رات ہوگی۔ اس کے بعد ہم آزاد ہوں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہو سکتا ہے کہ تمہیں بلانے کا یہ سبب بھی ہو مگر اتنی سی بات فون پر بتائی جا سکتی تھی۔"

"منہ کھول کر بات کرو۔ پہیلیاں نہ بجھواؤ۔ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"

"کچھ وقت ہوٹل سے لودھی اسٹیٹ پہنچنے میں برباد ہوا پھر چالیس منٹ انتظار کرنا پڑا۔ مجھے ہدایت دی گئی تھی کہ ڈھائی بجے سے پہلے دوبارہ تم سے نہ ملوں۔ اب بتایا گیا ہے کہ تم دونوں کو چار بجے کے بعد ہوٹل پہنچنا چاہیے۔ ان باتوں سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔"

"ہمیں چار گھنٹے تک ہوٹل سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔" غزالہ نے سنجیدگی سے کہا "شاید ہمارے کمروں کی تلاشی لی جا رہی ہے۔"

"وہ بھرا پرا مکان نہیں، ہوٹل کا کمرا ہے اس کی تلاشی کے لیے پندرہ بیس منٹ کافی ہیں۔"

"اوہ! تو کیا ان کمروں کو بگ کیا جا رہا ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"تم واقعی شیطانی دماغ کے مالک ہو۔" رینا تھکے ہوئے انداز میں ہنس دی "میں نے ہیڈ کوارٹرز میں اپنا وقت برباد نہیں کیا۔ مجھے تجسس تھا کہ تم دونوں کو دیر تک کیوں روکا جا رہا ہے۔ اب اس کمرے میں بہت محتاط رہنا۔ وہاں مائیکرو فونز کے ساتھ کیمرے بھی لگائے جا رہے ہیں۔"

"کیمرے!" غزالہ نے بے ساختہ حیرت سے دہرایا "ہم وہاں بم تو نہیں بنا رہے جو کیمروں کی ضرورت ہو۔"

"تھوڑی دیر کے لیے تم چپ رہو۔" میں نے غزالہ کو خاموش کر دیا "یہ سنگین معاملہ ہے۔ وہ کیا کرنا چاہ رہے ہیں۔"

"حیرت ہے کہ تم بات کی تہ تک نہیں پہنچے۔" رینا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "بیلا سنگھ ناکام ہو چکی ہے مگر را کو تمہارے خلاف کچھ مضبوط مواد درکار ہے۔ مجھے یہ بتاتے ہوئے افسوس ہو رہا ہے کہ یہ تیاریاں تمہاری اور غزالہ کی ویڈیو فلم کے لیے ہیں۔ تم دونوں جہاں بے تکلف ہونے کی کوشش کرو گے، خود کار کیمرے چل پڑیں گے۔"

"سور کے بچے!" میں مٹھیاں بھینچ کر غرایا "اب وہ اتنی پست سطح پر آ گئے ہیں۔"

"یہ ان کی ضرورت ہے۔ شاید تم دونوں کو آزادی کی خبر اسی نیت سے دی گئی ہے۔ تم دونوں دہلی میں اپنی آخری دو راتوں کو یادگار انداز میں منانا چاہو گے اور وہ اپنا کام کر گزریں گے۔ اب وہ کمرا تمہارے لیے قید خانہ بن جائے گا۔"

رینا کی بتائی ہوئی تفصیل سمجھ میں آتے ہی غزالہ کا چہرہ فق ہو گیا "کیا انہوں نے دونوں کمروں میں کیمرے لگائے ہیں؟"

"اس وقت یہ کام جاری ہے۔ مجھے یہ علم نہیں کہ انہوں نے ایک کمرا منتخب کیا ہے یا دونوں کمروں میں کام ہو رہا ہے۔"

"وہ ہمارے سانسوں کی آوازیں ریکارڈ کر لیں گے، تصویریں بنائیں گے۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں ابھی ہوٹل پہنچتے ہی کمرے بدلوا لوں گا بلکہ ہوٹل ہی تبدیل کر لوں گا۔ وہ کہاں تک میرا پیچھا کریں گے۔" میں نے غصے سے بپھر کر کہا۔

"بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کرنا۔" رینا نے گھبرا کر میری آستین تھام لی "ابھی تک انہیں مجھ پر شبہ نہیں ہوا کہ میں نے بیلا سنگھ کے بارے میں تمہیں پہلے سے خبردار کر دیا تھا۔ تم نے آج کمرے تبدیل کیے تو ہر بات ان کی سمجھ میں آ جائے گی۔ میں برباد ہو جاؤں گی۔ میرے ساتھ تم بھی ناقابلِ تصور مشکلات میں پڑ جاؤ گے۔"

"تم چاہتی ہو کہ ہم جانتے بوجھتے ہوئے ان کے جال میں پھنس جائیں!" غزالہ نے نرمی سے پوچھا۔

"میں تمہیں پھنسوانا نہیں چاہتی۔ تم دونوں میری بات کیوں نہیں سمجھتے۔ دو راتیں ان ہی کمروں میں گزار لو۔ ایک دوسرے سے دور رہو۔ فون پر بھی محتاط رہو۔ میں تم سے نہیں ملوں گی۔ تم کوئی غلط قدم اٹھائے بغیر ان کے نئے منصوبے کو ناکام بنا سکتے ہو۔"

اس وقت طبیعت کے اچانک ابال نے شاید میرے ذہن کو ماؤف کر دیا تھا کہ ایک سائنے کی بات میرے دماغ میں نہ آ سکی۔ رینا کی رائے صائب تھی۔ ہمیں کسی ردِ عمل کا مظاہرہ کرنے یا کسی سے الجھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ تقریباً چالیس گھنٹوں کی احتیاط کے بعد ہم انہیں اپنا منہ پیٹنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ اگر ان میں ذرا سی بھی نیک نیتی تھی تو اگلی رات کے بعد ہمیں آزادانہ نقل و حرکت کی چھوٹ مل جانی چاہیے تھی۔

خرابی یہ تھی کہ ان کا تعلق را سے تھا۔ ان کے قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں تھا۔ رینا خود اس اندیشے کا اظہار کر چکی تھی کہ انہوں نے ہمیں دو راتوں کے لیے اچھے موڈ میں لانے کے لیے وہ مفروضہ خوش خبری سنائی تھی۔ میں نے رینا کی متبادل تجویز پر چند ثانیوں تک غور کیا اور اس کے لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرا دل ممنونیت کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ وہ بری لڑکی بہت نیک جذبے سے ہمارا ساتھ دے رہی تھی جبکہ میں نے اس پر کوئی بڑا احسان نہیں کیا تھا۔ اس سے صرف اتنا وعدہ کیا تھا کہ میں را میں کسی کو یہ نہیں بتاؤں گا کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے گھناؤنے کردار کے بارے میں مجھے اس سے پتا چلا تھا.... تاکہ اس کی ملازمت پر کوئی آنچ نہ آئے اور وہ اپنی بیمار ماں کے علاج کے لیے روزگار سے لگی رہے۔

وہ کوئی بڑی بات نہیں تھی لیکن اس نے رینا کے دل کے نہاں خانوں کو کچھ اس طرح چھیڑا تھا کہ اس کے بعد سے وہ مسلسل میرے کام آ رہی تھی۔ میں یہ سوچ کر لرز اٹھا تھا کہ را والے میری بے خبری میں میری اور غزالہ کی خلوت کی فلم بندی کی تیاری کر چکے تھے۔ رینا کام نہ آتی تو میرے لیے را کے کھودے ہوئے اس گندے اور گہرے گڑھے سے بچنا محال تھا۔

رینا کی تجویز متبادل نہیں تھی۔ وہ میری نجات کا واحد راستہ تھا۔ اس کا کوئی متبادل ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ میں بھارت میں رہتے ہوئے، را کے کسی خارش زدہ کتے سے بھی کھلی محاذ آرائی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

میں ایک نتیجے پر پہنچ چکا تھا۔ میرا ذہن تیزی سے اس کے اثرات کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔

اگلے چالیس گھنٹوں کے لیے ہمیں سب کچھ بھول کر یہ یاد رکھنا تھا کہ میرا نام مظہر خان تھا اور وہ غزالہ تھی۔ ہماری زبانوں پر آئی بی، اول خان، ویرا اور ڈینی جیسے ممنوعہ نام نہیں آنے چاہیے تھے۔ سی ایس ڈی، بیم گن اور اپریٹس سے میں نے روانگی سے پہلے نجات حاصل کر لی تھی۔ فون کے استعمال میں سخت احتیاط ضروری تھی۔ یہ وہ باتیں تھیں جن سے ہمارے معمولات پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔

اہم ترین نقصان یہ تھا کہ آئی بی کے تینوں آدمیوں سے میرا ہر قسم کا رابطہ منقطع ہو جاتا۔ وہ لوگ نئے حالات سے بے خبر تھے۔ ان کو یہ بتانا ضروری ہو گیا تھا کہ وہ فون کے ذریعے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہ کریں کیونکہ کمرے میں ابھرنے والی ہر بات سنی یا ریکارڈ کی جا رہی ہو گی۔

اس چکر میں مجھے انل بسواس کو ٹھکانے لگانے کا کام ادھورا رہتا نظر آ رہا تھا۔ میں اس کو ٹھکانے لگانے کے لیے اپنی جان پر کھیل کر ہر کام کر سکتا تھا لیکن دہلی کے پُر پیچ اور اجنبی راستوں کو جاننا میرے لیے ناممکن تھا۔ شہر میں اپنے کام کو آگے بڑھانے کے لیے مجھے کسی رہنما کی ضرورت تھی۔ ایسا آدمی آئی بی کا کوئی رکن ہی ہو سکتا تھا۔

اندازہ

ایک نہایت وہمی مریض دوڑتا اور ہانپتا کانپتا ڈاکٹر کے کلینک میں داخل ہوا اور بولا "ڈاکٹر صاحب! مجھے جگر کی ایک مہلک بیماری لاحق ہو گئی ہے...." اس نے بیماری کا نام بتایا۔

ڈاکٹر صاحب منہ بنا کر بولے "کیا بے وقوفی کی بات ہے ...! تمہیں بھلا ٹیسٹ وغیرہ کے بغیر کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ تمہیں یہ بیماری ہے.... کیونکہ اس میں نہ تو درد ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی علامت ظاہر ہوتی ہے۔"

"انہی باتوں سے تو میں نے اندازہ لگایا ہے" مریض بولا۔

"اب یہی کیا جائے گا۔" میں نے نرمی سے رینا کو جواب دیا "تم غزالہ کے ساتھ یہیں بیٹھو۔ میں ذرا سی دیر میں آتا ہوں۔"

"تم کہاں جا رہے ہو۔" رینا نے پریشان ہو کر پوچھا پھر مدد کے لیے بے بسی سے غزالہ کی طرف دیکھا۔

"اب میں ہوٹل کے فون سے بے فکر ہو کر بات نہیں کر سکتا۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے سمجھایا "بس ایک دو فون کر کے آتا ہوں۔"

غزالہ بھانپ گئی کہ میں کسے فون کرنے جا رہا تھا۔ اس نے رینا سے سفارش کی "انہیں جانے دو۔ یہ تمہاری بات مان چکے ہیں۔ کسی سے الجھنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

میں ایک طرف ہو لیا جہاں دور سے ایک فون بوتھ لگا ہوا نظر آ رہا تھا۔

قریب پہنچنے پر پتا چلا کہ وہ کارڈ فون تھا۔ آس پاس ایسی کوئی دکان نہیں تھی جہاں سے فون استعمال کرنے کے لیے کارڈ خریدا جاتا۔ مجھے خاصی دور پیدل چلنا پڑا۔ کارڈ خریدنے کے بعد مجھے قریبی فٹ پاتھ پر بھی ایک بوتھ نظر آیا لیکن اس کے قریب لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ میں سرلا کے فون پر کسی آئی بی ایجنٹ سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ میں کارڈ جیب میں ڈال کر پہلے بوتھ کی طرف لوٹنے لگا۔

وہاں میدان صاف تھا۔ میں نے سلاٹ میں کارڈ لگا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرلا کا نمبر ملا لیا۔

پہلی گھنٹی پر فون اٹھا لیا گیا۔ بولنے والا سنیل تھا۔

"گوپال کہاں ہے۔ مجھے اس سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے نیچی آواز میں کہا "ہمارے ہوٹل کے کمرے خطرناک ہو گئے ہیں۔ ہمیں وہاں سے ہٹا کر بگ اور کیمرے لگائے جا رہے ہیں۔ اب کوئی مجھ سے وہاں رابطہ نہیں کرے گا۔ میں اس وقت ایک پبلک بوتھ سے بول رہا ہوں۔"

"وہ صبح سے نکلا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے ہوٹل کے قرب و جوار میں موجود ہو۔ مجھے اس کو تلاش کرنا ہو گا۔"

"تلاش کرو اور اسے اسی نمبر پر رہنے کے لیے کہہ دو۔ میں رات سے پہلے دوبارہ فون کروں گا۔ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔"

"تم مجھے جو کچھ بتاؤ گے میں من و عن اس تک پہنچا دوں گا۔"

"سب سے پہلے مجھے بنگو کے رابطے درکار ہیں۔ وہ کہاں اور کیسے قابو میں آئے گا۔" میں نے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد کہا۔

"یہ اسی سے معلوم ہو سکے گا۔" سنیل کی آواز سے شرمندگی کا اظہار ہو رہا تھا۔

"میں کسی وجہ سے دوبارہ فون نہ کر سکوں تو اسے یہ ضرور بتا دینا کہ وہ کل رات گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان ایک گاڑی کے ساتھ ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں موجود رہے اور ہمارا انتظار کرے۔ وہاں زیادہ روشنی نہیں ہوتی۔ اسے خود ہمیں پہچاننا ہو گا۔"

"میں اسے بتا دوں گا۔ کیا تم نے یہاں سے نکل جانے کا کوئی منصوبہ بنا لیا ہے؟" وہ میرا پیغام سن کر شاید پریشان ہو گیا تھا۔

"ابھی میرا ذہن صاف نہیں ہے۔ جو ضروری باتیں یاد آ رہی ہیں وہ دہرا رہا ہوں۔ ہر بات بہت زیادہ اہم اور ضروری ہے۔"

"تم دو منٹ بعد دوبارہ فون کرو۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ کہاں ہے۔" سنیل کی آواز پرجوش ہو گئی۔

وہ فون پر اپریٹس کا نام نہیں لینا چاہ رہا تھا مگر میں سمجھ گیا کہ شہر کی سڑکوں سے آرک کی گاڑیاں ہٹائے جانے کے بعد انہیں رابطوں کی آزادی میسر آ گئی تھی۔ وہ لاسلکی رابطے کے ذریعے ذرا سی دیر میں پتا چلا سکتا تھا کہ گوپال اس وقت کہاں تھا۔

میں فون بند کر کے بوتھ سے باہر آ گیا اور سگریٹ سلگا کر چہل قدمی کے انداز میں ایک طرف ہو لیا۔ اس وقت میرے دل و دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ کئی باتیں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو رہی تھیں جن کے تجزیے کے لیے گوپال سے رابطہ ضروری تھا۔

پندرہ بیس قدم دور جانے کے بعد میں واپس ہو لیا۔ اپریٹس پر گوپال کا پتا لگانے کے لیے چند لمحے کافی تھے۔ بوتھ کے قریب میں نے ادھ جلی سگریٹ زمین پر پھینک کر مسل دی اور اندر داخل ہو کر دوبارہ سنیل کا نمبر ملا لیا۔

"وہ دوپہر سے تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اس وقت وار میموریل کے ویران گوشے میں بینچ پر بیٹھا ہوا ہے اور تم کو دیکھ رہا ہے۔ بوتھ سے نکل کر تم نے سگریٹ سلگائی تھی اور ٹہلنے لگے تھے۔"

"ویل ڈن۔ اگر اس سے رابطے میں دقت نہیں ہو رہی تو اسے میری طرف بھیج دو۔ میں اس کا منتظر ہوں۔"

فون بند کر کے میں باہر نکلا تو میری متجسس نظریں دور دور تک دوڑ رہی تھیں پھر میں نے اسے دیکھ لیا۔ وہ سرسبز میدان کے ایک دور افتادہ گوشے سے فضا میں ہاتھ لہراتا ہوا میری طرف آ رہا تھا۔ اس نے بایاں ہاتھ یوں اپنے چہرے کے قریب اٹھایا ہوا تھا جیسے کسی جیبی ٹرانزسٹر سے کان لگا کر خبریں یا کمنٹری سننے کی کوشش کر رہا ہو۔ میں نے انگڑائی لینے کے انداز میں اپنے دونوں ہاتھوں کا اشارہ دیا۔ گوپال کے ہاتھ فوراً پہلوؤں پر جھول گئے۔

ہم دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھتے ہوئے درمیان میں یکجا ہو گئے۔ دوپہر کا وقت ہونے کی وجہ سے کھلے پارک میں دھوپ کی تیزی اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔ لوگوں کی تعداد بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ سایہ دار جگہوں پر کہیں کہیں لوگ بیٹھے ستا رہے تھے جن میں بعض سفید فام سیاح تھے۔

"تم ان کے ہیڈ کوارٹرز کس لیے گئے تھے؟" قریب آتے ہی عابد نے حیرت سے پوچھا "میرا دم نکل گیا تھا۔ تم پونے تین گھنٹے بعد وہاں سے نکلے تھے۔"

"ہمیں لے جایا گیا تھا۔ کل ہماری قید کی آخری رات ہے۔ اگلی صبح ہم اپنی مرضی کے مالک ہوں گے۔"

شاید سنیل نے اسے ہوٹل کی گڑبڑ کے بارے میں بتا دیا تھا۔ اس کا اگلا سوال اسی بارے میں تھا۔ میں نے اختصار سے اسے سب بتا دیا۔

"تم سی ایس ڈی مجھے دے چکے ہو۔ ہوٹل میں فون کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بتاؤ کہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔" باتوں کے دوران وہ مجھے اسی محفوظ گوشے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ف لے جارہا تھا جہاں سے نمودار ہوا تھا۔ مجھے بھی پورے
ان میں وہ سایہ دار جگہ زیادہ موزوں نظر آرہی تھی۔
"مہلت پوری ہوتے ہی انل کو مارنا اور یہاں سے نکل
۔ اس کے بعد جو ہونا ہے وہ ہوتا رہے۔ مجھے پروا نہیں
ں۔"
"ہوٹل میں ایسی سخت نگرانی کا بندوبست ہو رہا ہے تو وہ
ل کے باہر بھی تمہارے پیچھے لگے رہیں گے۔ تم ان
۔"
میں تلخی سے ہنس پڑا اور اس کی بات کاٹ کر بولا "وہ جو
ہ چاہتے ہیں' انہیں میرے کمرے یا بستر سے مل سکتا ہے۔
روہ پیچھا نہیں کریں گے۔ اس وقت کوئی میرے تعاقب
ں لگا ہوا ہوتا تو تم شاید بھول کر بھی میرے قریب نہ
تے۔"
"ہاں!" اس نے اعتراف کیا "کسی نے تم تینوں کا پیچھا
ں کیا۔ میرا خیال تھا کہ تم واپس ہوٹل جاؤ گے۔ یہاں
تے میں کیوں اتر گئے۔"
"یہاں اترنے کے بعد ہی یکایک میری معلومات میں
افہ ہوا ہے۔ رینا مجھے ہیڈ کوارٹرز میں کچھ بتا سکتی تھی نہ
تے میں بات کرنے کا موقع تھا۔"
"اوہ! تو یہ تازہ ترین معلومات ہیں جو تم تک پہنچی
۔" اس نے سیٹی بجانے کے انداز میں اپنے ہونٹ سمیٹ
کہا۔
"یہ مجبوری بھی تھی کہ اسے ہم کو چار بجے تک ہوٹل
دور رکھنا ہے۔ میں کل رات ہی انل پر وار کرنا چاہتا
ں!"
"کل کے بجائے پرسوں پر رکھو۔" اس نے مشورہ دیا
ں کی نیت جو بھی ہو۔ تم کو دیا ہوا وقت سکون سے پورا کرنا
ہیے۔ تم نے اپنی واپسی کے بارے میں کیا سوچا ہے۔"
"تم نے یہ نہیں پوچھا کہ انل پر کہاں وار کیا جائے
۔"
"رات کے وقت اسے گھر پر ہی گھیرا جا سکتا ہے۔ قرول
کے علاقے میں تم اس کا گھر پہلے ہی دیکھ آئے تھے۔"
وہ واقعی آئی بی کا ذہین آدمی تھا۔ میں نے کہا "میں نے
ر ضرور دیکھا تھا مگر میں اپنے طور پر دوبارہ وہاں پہنچ سکتا
ں نہ وہاں سے نکلنے کے لیے کوئی محفوظ راستہ اختیار کر سکتا
ں۔ اس رہنمائی کا فریضہ تم کو انجام دینا ہوگا۔"
"وہ سب ہو جائے گا۔" عابد کے مختصر سے بے پروایانہ
ب نے مجھے حیران کر دیا۔ وہ لوگ بھارت میں کسی بھی غیر

عادت

ایک دعوت میں ایک ٹی وی اناؤنسر کو آخر میں مہمانوں کا شکریہ ادا کرنے کی ذمے داری سونپی گئی تو اس نے یوں خطاب کیا۔

"خواتین و حضرات! کھانا خانساماں اور نوکروں کے تعاون سے پیش کیا گیا.... مین اسپانسر تھے اہل خانہ خورشید صاحب.... ان کے ساتھ دیگر اشتراک میں شامل تھیں ان کی بیگم صاحبہ اور صاحبزادیاں .... اب ضیافت کا وقت ختم ہوا چاہتا ہے۔ امید ہے اگلے ماہ پھر اسی وقت' اسی جگہ ملاقات ہوگی.... تب تک کے لیے خدا حافظ۔"

ضروری تصادم سے بچ کر صرف اپنا کام پورا کرنے کی پالیسی پر سختی سے کاربند تھے۔ اس میں غیر ضروری تشدد یا دہشت گردی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ را کے پاکستان ونگ میں جو کچھ کیا وہ بھی اسی پالیسی کے مطابق تھا۔ ان لوگوں کو گرین کوبرا فائل کے حصول کا ہدف دیا گیا تھا۔ ناگر نے اس کام میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی اور عابد نے اس موذی رکاوٹ کو دور کرنے میں پوری مستعدی سے میرا ساتھ دیا۔ اس سے آگے جو کچھ ہوا وہ شہادتیں مٹانے اور چوری کو چھپانے کے لیے ضروری تھا۔ نریش کے دفتر میں بھڑکنے والی آگ کے شعلے سب کچھ نگل گئے تھے۔ راو والوں کو کچھ پتا نہیں چل سکا کہ ان کے ہاتھ سے کیا کچھ نکل گیا تھا۔

اگر عابد' انل بسواس کے قتل میں میرا ساتھ دینے کے لیے آمادہ تھا تو وہ بھی اس کا ہدف رہا ہوگا۔ ایسا ہونا بعید از قیاس نہیں تھا کیونکہ انل بسواس کو ٹھکانے لگانے کی تجویز نے سب سے پہلے جلال کے ذہن میں جنم لیا تھا اور اس کا شمار آئی بی کے بڑوں میں ہوتا تھا۔

"تم یہ بتاؤ کہ اس واقعے کے بعد تم کہاں پناہ لو گے۔" عابد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"پناہ لینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ تم رات کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پرواز پر امرتسر کے لیے میرا اور غزالہ کا ٹکٹ تیار رکھو گے۔ ہم قرول باغ سے سیدھے ائرپورٹ کی طرف نکل جائیں گے۔"

"امرتسر سے آگے کا سفر خطرناک ہو سکتا ہے۔ انہیں اتنا وقت مل جائے گا کہ وہ اٹاری پر تمہیں پکڑ لیں۔"

"ہم جس طرح آئے تھے اسی طرح رات کے اندھیرے میں سرحد پار نکل جائیں گے۔ اس کام میں بنگو ہماری مدد کرے گا۔"

عابد ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا "تم نے پہلے ہی سب کچھ سوچ لیا ہے۔ اگر تم انل کے قتل کے بعد چند گھنٹوں میں سرحد پار کر لیتے ہو تو اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔"

"یہ کام تمہارے مشورے کے مطابق پرسوں کر لیا جائے گا لیکن تم کل رات ہوٹل کی پارکنگ میں مجھ سے ضرور ملو گے تاکہ باقی تفصیلات طے کی جا سکیں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ راضی ہو گیا "میں اس کے گھر کا قریب سے جائزہ بھی لے لوں گا۔ ہماری کوشش یہ ہو گی کہ اس موذی کے سوا کسی اور کو خراش بھی نہ آئے۔ اس کے گناہوں کی سزا اس کے گھر والوں کو نہیں ملنی چاہیے۔"

"اس معاملے میں میں تم سے زیادہ نرم دل ہوں۔" میں نے اس سے الوداعی مصافحہ کیا پھر رینا اور غزالہ کی طرف ہو لیا۔

میں نے ان سے ٹیلی فون کال کے بہانے کافی وقت لے لیا تھا۔

میں عابد سے ملاقات کر کے واپس لوٹا تو وہ دونوں اپنی شکم پری سے فارغ ہو چکی تھیں اور باتوں میں مصروف تھیں۔ انہیں سرے سے یہ احساس نہیں ہو سکا تھا کہ میں کتنی دیر کے بعد فون کر کے واپس لوٹا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی رینا نے پوچھا "تم فون کر آئے؟"

"ایک جگہ بات ہو گئی۔ دوسرا موجود نہیں تھا۔" میں نے منہ لٹکا کر کہا "اس کے لیے از سرِ نو کوشش کرنی پڑے گی۔"

"تمہارا کمرا خطرناک ہو گیا ہے لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ تم دن رات اسی میں قید رہو۔ دن کا وقت باہر کی فضا میں گھوم پھر کر گزارو اور رات گئے سونے کے لیے اس کمرے میں پہنچ جاؤ۔ کسی سے بات کرنے کے لیے ہوٹل میں اور اس سے باہر جگہ جگہ پبلک فون بوتھ موجود ہیں۔ تمہارے دو دن ایسے گزر جائیں گے کہ تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔" رینا نے اپنی دانست میں مجھے اپنے مخلصانہ مشوروں سے نوازا۔

"اب یہی کرنا ہو گا۔ چار بج رہے ہیں۔ کیوں نہ واپسی کی فکر کی جائے۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔

رینا نے اپنی گھڑی دیکھی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہاں سے ہم دونوں کو ہوٹل جانا تھا۔ رینا نے پوری ذمے داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیں چار بجے تک ہوٹل سے باہر روک لیا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ چاہے تو ہمارے ساتھ ہوٹل جانے کے بجائے وہیں سے اپنی راہ لے لیکن وہ اپنی ڈیوٹی سے سرمو بھی انحراف نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ہم تینوں سر سبز میدان سے قریبی سڑک تک آئے اور ایک خالی ٹیکسی میں سوار ہو کر ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔

"میں کل کسی وقت تم سے ملنے آؤں گی۔ تم ہوٹل میں کب مل سکتے ہو؟" راستے میں رینا نے اچانک سوال کیا۔

"کیوں؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا "کل کیا کام ہے تمہیں؟"

"کام کوئی بھی نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ معمول میں کوئی فرق آئے۔ میں اس سے پہلے بھی کئی بار تم سے مل چکی ہوں۔ کل ہمیں مل بیٹھنے کا آخری موقع ملے گا۔ اس کے بعد پتا نہیں کہ تم کہاں ہو گے۔ ہماری شاید اگلی ملاقات ہی نہ ہو۔"

"شام کو چار سے چھ بجے کے درمیان میں ہوٹل میں تمہارا انتظار کروں گا۔" میں نے اس سے اگلی ملاقات کا وقت طے کر دیا۔

"اور ہاں!" رینا کو اچانک کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی "یہ یاد رکھنا کہ تم نے آج کی ملاقات میں ہونے والی کوئی بات مجھے نہیں بتائی۔ سارا وقت ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ ہمارے درمیان رسمی شناسائی کے حوالے سے یہ بات بہت ضروری ہے۔"

"تم کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کتنی اہم ثابت ہو سکتی ہیں۔"

ایک مرتبہ پھر ٹیکسی میں خاموشی چھا گئی۔ وہ مشینی سواری ہمیں تیزی کے ساتھ دہلی کے کناٹ پلیس کی طرف لیے جا رہی تھی جہاں انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل کے دو کمروں میں راوالوں نے ہمارے لیے نئے چوہے دان تیار کیے ہوئے تھے

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے منفعلی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے طرف بحازیر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی۔ ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گردی کی کارروائیوں کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر قدم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے کیچے جاں بازوں کی ایک ایسی پُراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے انٹیلیجنٹ ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی روبی بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کو انگ ٹوہا ئی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آمزگ بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انسیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پُراسرار ہلاکت کے بعد امزگ بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازش کے ساتھ پاکستان پہنچ گیا جہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی سے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آ گئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کر لی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کردار ھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں متعین پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا تھے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرا لیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیاپھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے مگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں نزیک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں پتہ ہی کن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو فرار نہ ہونے کا سبب ہو گا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این بی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "ہیومن سوسائٹی" نامی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جہانگیر کاماموں سسر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کر دیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں' میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق ویرا ہم سے الگ ہو کر دوسرے ہوٹل میں قیام پذیر ہو گئی۔ کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم جان ایسٹھ بھی نئی دہلی پہنچ چکا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ دہلی میں گرین کوبرا فائل کی جستجو میں تھے۔ اسی اثنا میں را کی خوب رو ایجنٹ ریٹا اجیت رائے مجھ سے ٹکرائی اور بے باک ثنائی میں مجھے بتایا کہ وہ مجھے اعل بسواس سے ملوا سکتی ہے۔ پاکستان سے اول خان نے مجھے آگاہ کیا گیا کہ وہاں منظر خان کے پاسپورٹ پر درج مندرجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ ریٹا سے میری دوسری ملاقات بدمزگی کا شکار ہو گئی۔ اس کی ابتدا میں ہی را کے تند خو اور سفاک ایجنٹ ناگر نے میری انگلیوں کے نشانات حاصل کیے اور پھر بعد میں ریٹا نے مجھے بتایا کہ میری اور اس کی پچھلی رنگین ملاقات ویڈیو فلم کے فیتے پر محفوظ کی جا چکی تھی۔ اب مجھے ہر قیمت پر را کے لیے کام کرنا تھا۔ ویرا جان ایسٹھ کے چکر میں تھی مگر میں نے اسے محتاط روی کا مشورہ دیا اور وہ فی الحال اپنی سرگرمیوں کو منظل کرنے پر رضامند ہو گئی۔ میں نے را کے دفتر میں اعل بسواس اور شرما دونوں سے ملاقات کی اور دیگر امور کے علاوہ انہوں نے مجھے میری تلاش کا بڑا کام سونپ دیا۔ شرما کے دفتر میں مجھے گرین کوبرا فائل نظر آ گئی۔ را کے دفتر سے میری بخیریت واپسی نے میرے حوصلوں کو مہمیزدی اور میں نے اسی رات را کے دفتر میں نقب لگا کر تمام ضروری مواد نکال لینے کا فیصلہ کر لیا۔ گوپال میرا ہمنوا تھا۔ میں نے اس سے پہلے غزالہ کو جان ایسٹھ کا کام تمام کرنے روانہ کر دیا۔ ہوٹل سرات میں غزالہ سے ویرا ٹکرا گئی۔ اس کے مشورے کے مطابق غزالہ نے بنا آسانی جان ایسٹھ کو شکار کر لیا اور دونوں وہاں سے روانہ ہو گئیں۔ اس کی واپسی کے بعد میں آئی بی کی ٹیم کے ساتھ را کے دفتر روانہ ہو گیا۔ وہاں معاملات ہماری توقع کے مطابق بڑی تیزی سے نمٹتے گئے۔ تاہم ایک موقع پر را کے ناگر نے اپنی ڈرامائی آمد کے سبب ہمارے منصوبے کو ناکام بنا ہی دیا تھا مگر وہ خوشامد پسند اور انا پرست جلد ہی میرے ہاتھ میں موجود انجکشن کا شکار ہو گیا۔ ہم وہاں سے بال بیمت میں بہت سی فائلیں لے کر نکل آئے مگر اس سے پہلے میں نے اپنی ویڈیو فلم اور فنگر پرنٹس کو ضائع کرایا تھا۔ ناگر کی چتا شرما کے دفتر میں موجود کاغذوں سے تیار کی گئی اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ وہاں ہماری پے در پے کامیابیاں قابل فخر تھیں مگر بھارتیوں کی خاموشی مجھے کسی بڑے طوفان کا پتا دے رہی تھی۔ میں غزالہ کے ہمراہ دہلی میں رک گیا اور کیس ویرا کے ذریعے پاکستان روانہ کر دیں۔ مجھے اپنی کارروائی کے بعد را کی صفوں میں ہونے والے بھونچال کا اندازہ تھا۔ انہوں نے مجھ سے بھی کڑی پوچھ گچھ کی مگر میری حاضر دماغی کے باعث انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ میری اور ریٹا کی فلم ضائع ہو چکی تھی جس کے بعد ویلا سنگھ نامی سکھنی کو میرے پیچھے لگایا گیا مگر اس کی ناکامی کے بعد مجھے اور غزالہ کو ہوٹل سے دور رکھنے کے لیے نریش اور انل بسواس نے اپنے دفتر میں ہم سے ملاقات کی اور اس عرصے میں ہمارے کمروں میں خفیہ کیمرے لگا دیے گئے۔ ہم ریٹا اجیت رائے کی ہمراہی میں ہوٹل واپس جا رہے تھے جہاں ہمارے کمروں میں خفیہ کیمرے نصب ہو چکے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رینا ہمیں ٹیکسی سے ہوٹل کے برآمدے میں اتار کر اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہوگئی۔ اس نے اپنا فرض خوش اسلوبی سے ادا کیا تھا۔ اپنے بڑوں کی ہدایت کے مطابق اس نے ہمیں انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل سے را کے صدر دفتر پہنچایا۔ ہماری طے شدہ ملاقات جلد ختم ہوجانے کے باوجود ڈھائی بجے تک ہمیں وہاں اپنے انتظار میں روکے رکھا۔ وہاں سے نکلی تو چار بجے تک ہمیں انڈیا گیٹ کی "سیر" کراتی رہی۔ اس نے ہر کام دیے ہوئے شیڈول کے مطابق سرانجام دیا تھا۔

رینا اجیت رائے بھارتی سیکرٹ سروس کی ایک خوبرو کارکن تھی مگر میں نے اپنے ایک فیصلے سے اس کی ہمدردیاں جیت لی تھیں۔ بھارت کی دشمن سرزمین پر اس وقت وہ ہماری سب سے بڑی ہمدرد اور مددگار ثابت ہورہی تھی۔

میں نے اس سے جو وعدہ کیا تھا' اسے پورا کیا جاچکا تھا۔ میں نے انل بسواس اور نریش شرما کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی اور را کے درمیان قریبی رابطوں کے بارے میں رینا نے کسی قسم کی تصدیق کی تھی۔ یوں رینا کی ملازمت اور مستقبل پر منڈلاتا ہوا خطرہ ٹل چکا تھا اور وہ مجھ سے محض اسی تعاون کی خواہاں رہی تھی۔

وہ مطلب پورا ہوجانے کے بعد رینا کو مجھ سے مزید کوئی فائدہ حاصل ہونے کی امید نہیں تھی۔ اسے یہ بھی معلوم ہوچکا تھا کہ اگلی رات گزرنے کے بعد ہمیں را والوں کی طرف سے آزادی کی خوش خبری سنادی گئی تھی۔ وہ چاہتی تو ہمارے سامنے اپنی زبان بند رکھتی' ہم سے میٹھی میٹھی باتیں کرتی اور چار بجے کے بعد ہمیں ہوٹل پہنچادیتی۔ اس پر ہمارا کوئی اخلاقی زور تھا نہ ہمیں شبہ تھا کہ وہ ہم سے کوئی بات چھپا رہی تھی۔ ہم آسانی کے ساتھ بھارتی سیکرٹ سروس والوں کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس جاتے۔

مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ میں نے رینا کے ساتھ جس انداز میں ہمدردی اور یک جہتی کا اظہار کیا تھا' وہ براہِ راست اس کے دل پر اثر انداز ہوا تھا۔ وہ اپنی پیشہ ورانہ ذمے داریوں اور پابندیوں سے تجاوز کرکے مسلسل ہماری مدد کرتی چلی آرہی تھی۔ اگر وہ ہمیں نہ بتاتی کہ ہمیں اپنے کمروں سے دور رکھ کر وہاں خفیہ کیمرے اور مائیکروفون نصب کیے جارہے ہیں تو ہمارے فرشتوں کو بھی اس بارے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔

ہوٹل کا برآمدہ طے کرتے ہوئے وہ خیال میرے لیے سوہانِ روح بنا ہوا تھا کہ ہم آزاد اور کھلی فضا کو خیرباد کہہ کر ایک ایسے قید خانے کی طرف پیش قدمی کرنے پر مجبور کردیے گئے تھے جہاں ہماری ہر حرکت اور آواز دشمنوں کی دسترس میں تھی۔

"مجھے کمرے میں جانے کے خیال سے وحشت ہورہی ہے۔" میرے کانوں میں غزالہ کی دھیمی اور تشویش زدہ آواز آئی۔

"مگر یہ مجبوری ہے۔ اگلے اڑتیس' چالیس گھنٹوں تک ہمیں یہ سب برداشت کرنا ہوگا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"گونگا اور بہرا بن کر رہنا میرے بس سے باہر ہے۔" اس کی آواز سے خوف جھلک رہا تھا۔

"بھول کر بھی یہ غلطی نہ کرنا۔" میں نے تادیبی لہجے میں کہا "ہمیں رینا سے زیادہ خود کو بچانا ہے۔ انہیں یہ بھنک بھی نہیں ملنی چاہیے کہ ہم کو ان کی سازش کا علم ہوچکا ہے' ہمیں آپس میں معمول کے مطابق بولنا چالنا ہوگا تاکہ وہ اطمینان سے بیٹھے ہمارے کمزور لمحوں کا انتظار کرتے رہیں۔"

"ہم کیا باتیں کریں گے؟" اس نے حیرت سے پوچھا "اس وقت ہمارے ذہنوں میں جو کچھ موجود ہے' اس کا زبان پر آنا بھی مناسب نہیں ہے۔"

"یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔ اس وقت میں گفتگو کے موضوعات کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں۔"

آپس میں باتیں کرتے ہوئے ہم ہوٹل کے کاؤنٹر پر پہنچ گئے۔ کاؤنٹر کے پیچھے لگا ہوا وال کلاک شام کے ساڑھے چار بجانے والا تھا۔ ہمارے کمروں کی چابیاں کی بورڈ پر موجود تھیں۔ را والوں نے اپنے مقررہ وقت میں کام پورا کرکے چابیاں ہوٹل کے عملے کو لوٹادی تھیں۔

دونوں چابیاں لے کر ہم لفٹ کی طرف چل دیے۔

غزالہ کے لیے ہوٹل میں لیا ہوا اضافی کمرا ابتدا سے ہی ہمارے کسی خاص مصرف میں نہیں تھا۔ اس نے اپنی چابی بیگ میں ڈال لی۔ اپنے فلور پر لفٹ سے اترنے کے بعد میں نے اپنے دروازے کا قفل کھولا تو ہر نشیب و فراز پر غور کرلینے کے باوجود میرا ذہن الجھا ہوا تھا۔ دشمن کے نصب کیے ہوئے خفیہ کیمروں کی زد میں شب و روز گزارنے کا تصور کسی بھی طرح امید افزا نہیں تھا۔

کمرے میں قدم رکھتے ہوئے میں غیر ارادی طور پر چوکنا ہوگیا تھا۔ کمرے میں ہر چیز قرینے سے اپنی جگہ موجود تھی۔ بستر پر نئی اور بے داغ چادر بچھی ہوئی تھی۔ ہوٹل کے روم سروس کے عملے نے اپنے معمول کے مطابق پوری چابک دستی اور مہارت سے کمرے کی صفائی اور تزئین کی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہیں بھی کسی افراتفری یا تلاشی کی کوئی علامت باقی نہیں رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ را والوں نے ہماری غیر حاضری میں صرف آلات کی تنصیب کا کام نہیں کیا ہوگا بلکہ اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لیے کمرے کی بھرپور تلاشی بھی لی ہوگی۔ وہ لوگ آخری لمحے تک ہر پہلو کو پرکھنے کے عادی تھے۔ نریش شرما نے غزالہ سے پتے کی بات کہی تھی کہ را والے اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتے۔ شاید ان کی حکمتِ عملی کا بنیادی پتھر وہی نکتہ تھا جس پر عمل کرکے وہ کامیابیاں حاصل کرتے تھے۔

رینا نے مجھے جو کچھ بتایا تھا' اس سے یہ ثابت ہوچکا تھا کہ انڈین سیکرٹ سروس والے اپنی پیشہ ور طوائف کی ناکامی کے بعد میری اور غزالہ کی خلوت کی مصروفیات کی فلم بندی کا تہیہ کرچکے تھے۔ ان کے نصب کیے ہوئے کیمرے بہت زیادہ حسّاس اور خود کار ضرور ہوسکتے تھے لیکن ان کا دائرہ پورے کمرے پر محیط نہیں ہوسکتا تھا۔ رینا کے ساتھ ہونے والے پہلے رنگین و سنگین تجربے کے بعد مجھے اس کی زبانی معلوم ہوچکا تھا کہ خفیہ کیمرے بستر کے مخصوص حصوں پر مرکوز کیے گئے تھے اور رینا نے اپنی ہر بے اعتدالی کے باوجود مجھے بستر کے ان حصوں تک محدود رکھنے کی کامیاب کوششیں کی تھیں۔

را والوں کو رینا کے کمرے میں وہ رقت پیش آسکتی تھی تو میرے کمرے کی صورتِ حال بھی مختلف نہیں ہوسکتی تھی۔ بستر پر پہنچنے کے بعد ہی ہم دونوں ان کے لگائے ہوئے کیمروں کی زد میں آسکتے تھے۔ میں نے کمرے میں گھستے ہی دہری اور شاہانہ مسہری کے اوپر' فالس سیلنگ کی طرف دیکھا اور اس میں مجھے آسانی کے ساتھ وہ دو چھوٹے سوراخ نظر آگئے جو پہلے وہاں موجود نہیں تھے۔

کمرے کی چھت سے نیچے لگے ہوئے بڑے بڑے آرائشی ٹائلوں کے درمیان ایسی نفاست سے وہ سوراخ کیے گئے تھے کہ بادی النظر میں ان پر کوئی شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ان دونوں سوراخوں میں کیمروں کے عدسوں کی چمک مفقود تھی۔ ان لوگوں نے کنکریٹ کی چھت اور فالس سیلنگ کے درمیان خلا کی تاریکی میں اپنے خود کار کیمرے اس طرح چھپائے تھے کہ کمرے میں پھیلی ہوئی روشنی ان کے عدسوں سے منعکس نہیں ہوسکتی تھی۔

ایسے نازک کام میں را والوں سے کسی اناڑی پن کی توقع عبث تھی۔ کیمرے پوری احتیاط اور مہارت سے چھپائے گئے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں جدید انفراریڈ کیمرے رہے ہوں گے جو موہوم سی روشنی میں بھی واضح فلم بندی کرلیتے ہیں۔ ایسے کیمروں کی کارکردگی' تاریکی میں انسانی آنکھ سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ کمرے کی روشنیاں گل کرکے ہم بھی ان کی زد سے نہیں بچ سکتے تھے۔

میں نے بس چند ثانیوں کے لیے رک کر اپنا وہ جائزہ مکمل کیا اور پھر تھکے ہارے انداز میں' جوتوں سمیت بستر پر دراز ہوگیا۔

غزالہ سنبھل کر ایک کرسی پر جا بیٹھی۔ وہ تحیر زدہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

مسہری پر میں کیمروں کی زد میں تھا۔ میں نے پہلو بدلتے ہوئے فالس سیلنگ کے دونوں خوف آور سوراخوں پر نظر ڈالی لیکن منقش اور سفید ٹائلوں میں بنے ہوئے سوراخوں کے پار پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں کچھ دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

"میں بہت تھک گیا ہوں۔" میں نے انڈین سیکرٹ سروس والوں کو سنانے کے لیے کسل مندانہ آواز میں غزالہ سے کہا "یوں محسوس ہورہا ہے جیسے میں لودھی اسٹیٹ سے پیدل چلتا ہوا یہاں تک آیا ہوں۔"

"شاید آپ کے ذہن پر بوجھ ہے۔ ذہن بوجھل ہو تو بدن بھی تکان کا شکار ہونے لگتا ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"را والوں نے مجھے پریشان کردیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ بار بار میری طلبی کیوں ہورہی ہے۔"

"یہ آپ کے اور ان کے معاملات ہیں' جن سے میں پوری طرح باخبر نہیں ہوں.... بھلا میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تم میرے ساتھ نہ آئی ہوتیں تو کچھ بھی نہ ہوتا۔" میں نے قدرے بیزاری سے کہا۔

"آج آپ پریشان ہیں لیکن کل خوش تھے کہ نریش سے دوستی آپ کے دن پھیر دے گی۔" غزالہ کی آواز میں مصنوعی طنز ابھر آیا۔

غزالہ کو وہ جواب برجستہ اور برمحل سوجھا تھا۔ مجھے را والوں کو گمراہ کرنے کا ایک نادر موقع مل گیا۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "تم کو معلوم ہے کہ را والے میری طرف متوجہ ہوچکے ہیں لیکن خرابی یہ ہے کہ نریش بار بار تیور بدل رہا ہے۔ کبھی وہ میرا ہمدرد اور دوست نظر آنے لگتا ہے۔ اس کی دلائی ہوئی امیدوں میں میرے لیے سہانے مستقبل کا پیغام ہوتا ہے اور پھر اچانک ہی وہ سفّاک دشمن کا بھیانک روپ دھار لیتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہورہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ وہ رہ رہ کر میری طرف سے بدگمانی کا شکار کیوں ہو رہا ہے۔ آج اس نے مجھے آزادی کی نوید سنائی ہے لیکن کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کل کی رات گزرنے سے پہلے حالات کیا کروٹ لیں گے۔ میں اپنی دنیا میں مگن رہنے والا ایک عام سا آدمی ہوں جسے تمہاری زلفوں کے گھنیرے سائے میں آسودگی ملتی ہے مگر نریش مجھ پر شبہ کرتا ہے جیسے میں کوئی تخریب کار یا دہشت گرد ہوں۔ وہ مجھ سے ایسے لہجے میں پوچھ گچھ کرتا ہے کہ میری روح کانپ اٹھتی ہے۔"

"شاید اس میں اس کا قصور نہیں ہے۔ وہ اپنے فرض کے ہاتھوں مجبور ہے۔" غزالہ نے سپاٹ لہجے میں کہا "پچھلے کئی دن سے یہاں گڑبڑ ہو رہی ہے۔ راکے ایک دفتر میں آگ لگی، ان کا ایک بڑا افسر وہاں جل کر مر گیا پھر ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ایک امریکی عہدے دار مار ڈالا گیا۔ نریش سرکاری افسر ہے۔ وہ دباؤ میں آیا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان واقعات کے ذمے داروں کا کھوج لگانا اس کے فرائض میں شامل ہو۔"

"اب بات چھڑ ہی گئی ہے تو تم یہ بتاؤ کہ اس نے مجھے اپنا ٹارگٹ کیوں بنایا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"سیدھی سے بات ہے۔ دہلی میں تم غیر ملکی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر پاکستانی ہو....

میں نے غزالہ کی بات کاٹ دی "اس وقت دہلی میں ہزاروں غیر ملکی اور سیکڑوں پاکستانی موجود ہوں گے۔ وہ ان سب کو بھول کر بار بار مجھے کیوں تنگ کرنے لگتا ہے۔ اس ایک نکلتے نے میرا سکون غارت کیا ہوا ہے۔"

"وہ آپ کو ہر بات بتانے کا پابند نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے آدمی دوسرے پاکستانیوں سے بھی پوچھ گچھ کر رہے ہوں۔ آپ اس سے رابطے میں ہیں اس لیے وہ آپ کو خود ٹٹول رہا ہے۔ اگر وہ آپ کے دن پھیرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اسے آپ کی طرف سے اپنا اطمینان کرنے کا حق حاصل ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ آج وہ تمہاری برین واشنگ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔"

"مجھ سے کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ رینا ہمارے ساتھ تھی اس لیے میں نے آپ سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا ورنہ میں حیران تھی کہ آج مجھے کیوں بلایا گیا تھا۔ میں نے سارا وقت آپ کے انتظار میں اخبار بینی کرتے ہوئے گزارا۔ مجھ سے کسی نے سلام دعا تک نہیں کی۔"

"انل بسواس بہت گھاگ اور تجربے کار آدمی ہے۔ وہ تم کو دیکھنا اور پرکھنا چاہ رہا تھا۔ اس نے تم سے چند باتیں کر کے اپنا مقصد حاصل کر لیا کسی اور کو تم سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"اس نے میرے بارے میں اپنا اطمینان کر لیا، ہمیں کل رات آزادی کے بارے میں بتا دیا، آپ سے کوئی تلخ کلامی نہیں ہوئی پھر آپ کیوں پریشان ہیں؟"

"شاید میں ابھی تک ڈیپریشن کے غلبے سے نہیں نکل سکا۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا "نریش نے مجھے پچھلی بار اس قدر دہشت زدہ کیا تھا کہ میں ابھی تک ہر بات کو اسی تسلسل سے دیکھ رہا ہوں۔"

"آپ کے اس ڈیپریشن نے سب کچھ خراب کر دیا ہے۔ ہم یہاں تفریح کے لیے آئے تھے لیکن اب کمرے میں بیٹھے ایک دوسرے کے چہرے تکتے رہتے ہیں۔ بستر پر بھی میں کوئی بات کرتی ہوں تو آپ بیزاری سے کروٹ بدل لیتے ہیں۔"

"میں خود بھی اپنی اس حالت سے خوف زدہ ہوں۔" میں نے اعتراف کرنے کے انداز میں جواب دیا "میرے جذبات سرد ہو چکے ہیں اور ذہن کسی تفریح کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ یقین نہیں آتا کہ کوئی ایک واقعہ انسان کو اس طرح منجمد اور بے حس کر سکتا ہے۔"

"جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ اسے ایک خواب سمجھ کر بھولنے کی کوشش کریں۔ ہم دہلی میں دو تین راتوں کے مہمان ہیں۔ ہمیں یہ وقت خوش گوار انداز میں گزارنا چاہیے۔"

غزالہ کے ان الفاظ میں انڈین سیکرٹ سروس کے ان روپوش کارندوں کے لیے امید کا پیغام پوشیدہ تھا جو ہماری مسہری پر لگے ہوئے پوشیدہ کیمروں سے کام لینے پر مامور تھے۔ میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا "میں خود بھی اس ٹرانس سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر کامیاب نہیں ہو رہا۔ دعا کرو کہ یہ جمود ٹوٹ جائے۔"

جب تک ہم دونوں ہوٹل کے کمرے میں نہیں پہنچے تھے، پریشان تھے کہ صوت و صورت کو چرا لینے والے خفیہ آلات کی موجودگی میں ہم کیا کر سکیں گے لیکن گفتگو کا سلسلہ شروع ہوتے ہی بات سے بات نکلتی چلی گئی۔ میرا مقصد واضح تھا اور غزالہ بھی اتنی کند ذہن نہیں تھی کہ اس مقصد کے حصول میں میرا ساتھ دینے کی کوشش میں ناکام رہتی۔ ہماری گفتگو کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔

میں نے جوتے اتار دیے۔ کچھ دیر بعد غزالہ بھی بستر پر آ گئی۔ مجھے خوشی تھی کہ ہم نے اس کٹھن مرحلے پر انڈین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سیکرٹ سروس کے کارندوں کو چڑانے اور سلگانے کی ایک بے داغ راہ نکال لی تھی۔

ان لوگوں کے لیے ہم دونوں میاں بیوی نہیں' ایک دوسرے کے آشنا تھے۔ صحت وجوانی اور آشنائی کے ساتھ ہوٹل کے کمرے کی فسوں خیز خلوت بھی میسر تھی مگر ہم نے درمیان میں مناسب فاصلہ برقرار رکھا تھا اور گفتگو کا موضوع میرے ڈیپریشن کے گرد گھوم رہا تھا۔

غزالہ سے باتیں کرتے ہوئے بھی میں خاموشی سے تازہ حالات کا تجزیہ کرنے میں مصروف تھا۔

انل بسواس اور نریش شرما سے کئی ملاقاتیں ہونے کے بعد' را کے دفتر میں یہ بات بالکل واضح ہو چکی تھی کہ شکوک وشبہات سے دھندلائی ہوئی فضا میں مجھے گھیرنے کے دوران میں انڈین سیکرٹ سروس کے ذمے دار اہل کاروں کو ایک لمحے کے لیے بھی یہ شبہ نہیں ہوا تھا کہ مظہر خان کے بہروپ میں ڈینی ان کے روبہ رو موجود تھا۔ انہیں مظہر خان کی اصلیت پر شاید شک ہوا ہو اور انہوں نے اپنے طور طریقوں سے اس کی تصدیق کرلی ہو لیکن بھول کر بھی ان کا ذہن میرے اصل نام کی طرف نہیں گیا تھا۔

محتاط انداز میں میرے ساتھ مراسم بڑھاتے ہوئے انہوں نے دہلی اور قرب وجوار کے علاقوں میں اپنے اس گمنام دشمن کی تلاش جاری رکھی تھی جو ناگر کے قتل' را کے دفتر میں آتش زنی اور جان اسمتھ کے خون کا ذمے دار تھا۔

ان وارداتوں کے بارے میں' میں نے رینا سے بھی کھل کر کوئی بات نہیں کی تھی اس لیے مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ را کے بڑے عہدے دار کیا سوچ رہے تھے لیکن مقامی اخبارات میں آنے والی کہانیوں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ جان کے پراسرار قتل اور را کے دفتر میں آگ لگنے کے واقعات کے بارے میں الگ الگ تفتیش کی جارہی تھی۔ بظاہر وہ دونوں واقعات بے ربط تھے۔ ان میں کسی مشترکہ ہاتھ کا سراغ لگانا آسان نہیں تھا۔

اگر انہیں کسی طرح یہ معلوم ہو جاتا کہ ڈینی کسی بدلے ہوئے روپ میں ان کی سرحدوں میں گھس آنے میں کامیاب ہو چکا تھا تو پھر وہ دو ہی نہیں' دہلی میں رونما ہونے والے سارے تخریبی اور مجرمانہ واقعات میری ذات سے منسوب کردیتے۔

وہ دہلی میں ڈینی کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ انل بسواس اور نریش شرما اپنی ساری ذہانت اور مکاری کو بروئے کار لا کر یہ یقین کیے بیٹھے تھے کہ میں پرانی گاڑیوں کا ایک عیاش طبع پاکستانی کاروباری تھا جو کھل کر رنگ رلیاں منانے کے لیے اپنی داشتہ کے ساتھ دہلی آیا ہوا تھا۔

اپنی دانست میں انہوں نے پچیس ہزار روپے ماہانہ کے عوض مجھے خرید لیا تھا۔ مخبری اور جاسوسی کے ایسے معاملات میں عموماً سرمایہ ہی کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ ضمیر فروش مخبر اپنی قیمت پر خریداروں کے متلاشی ہوتے ہیں۔ خریدار مل جاتا ہے تو ذرا سے مول تول کے بعد کہیں نہ کہیں بات طے ہو جاتی ہے۔ کھرے کاموں کے برعکس ان کھوٹے کاموں میں زبان پر زیادہ اعتبار کیا جاتا ہے۔ دونوں فریق یہ جانتے ہیں کہ طے شدہ امور سے انحراف کی صورت میں کسی کو کوئی فیض حاصل نہیں ہو سکے گا۔ مخبر کو مقررہ معاوضہ نہ ملا تو وہ دشمن کے لیے جوابی مخبری شروع کردے گا۔ مخبر نے غداری کی تو اس کے خریدار ہر قیمت پر اس تک پہنچ کر اس کی گردن کاٹ دیں گے۔ یہ خوف تلوار بن کر ان کے سروں پر لٹکتا رہتا ہے اور اس کے سائے میں دونوں فریق ایک دوسرے پر اعتبار کرتے ہیں۔

مگر میرے بارے میں را کا رویہ کچھ زیادہ ہی مختلف تھا۔ شاید انہوں نے میری زبان پر اعتبار تو کرلیا تھا مگر وہ میرے خلاف بلیک میلنگ کا مواد تیار کرکے مجھے بہت زیادہ بے دست وپا کردینے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

نریش شرما نے میری اور رینا کی بہکی ہوئی خلوت کی ویڈیو فلم بنا کر اپنے اس مقصد میں عملی طور پر کامیابی حاصل کرلی تھی لیکن اپنے دفتر کی آگ میں وہ فلم گنوا دینے کے بعد اس نے مجھے بیلا سنگھ کے ذریعے دوبارہ پھانسنے کی ناکام کوشش کی۔ اس نے کسی مرحلے پر یہ اعتراف نہیں کیا کہ میری اور رینا کی فلم ضائع ہو چکی تھی مگر اس کا متبادل حاصل کرنے کے لیے اس کی سرتوڑ کوششیں جاری تھیں۔

مجھے اور غزالہ کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوٹل سے ہٹانے کے بعد اس نے اپنے آدمیوں کے ذریعے ہمارے دونوں کمروں میں خفیہ کیمرے اور مائیکروفون لگوا دیے تھے۔ سوال یہ تھا کہ وہ کیوں اس شدت سے مجھے بلیک میل کرنے کا خواہاں تھا۔

اس کا وہ اضطراب کسی غیر معمولی نکتے کی نشاندہی کر رہا تھا جو اس وقت تک میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔

میں اس کے لگوائے ہوئے کیمروں کی زد میں بے فکری سے اپنی مسہری پر دراز تھا۔ میں نے اپنی ساری توجہ اسی ایک نکتے پر مرکوز کردی۔

دوسری سگریٹ ایش ٹرے میں مسلنے کے بعد مجھے یوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محسوس ہوا جیسے میرے ذہن کے بعض دریچے یکایک کھل گئے ہوں۔

وہ میرے اوپر اپنی گرفت کو ہر اعتبار سے مضبوط اور فول پروف بنانے کا آرزو مند تھا تاکہ میرے انحراف کا کوئی بعید از قیاس امکان بھی باقی نہ رہے۔ ایسی گرفت کی خواہش اس بات کی غماز تھی کہ اس کی نظروں میں میری بہت زیادہ اہمیت تھی۔ را کے لیے ایک اجنبی بلکہ پاکستانی کی ایسی اہمیت اسی وقت ہو سکتی تھی جب اسے کوئی بڑا کام سونپنے کا فیصلہ کرلیا گیا ہو۔

ایک بڑے کام کا ذکر انل بسواس اور نریش شرما کر چکے تھے۔ وہ ڈیٹی کی تلاش میں میری مدد کے خواہاں تھے۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں تھا جو صیغہ راز میں رہا ہو۔ امریکا، بھارت اور پاکستان میں خفیہ ریاستی سرگرمیوں سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کو یہ علم تھا کہ دونوں ممالک مجھے اپنا بڑا دشمن قرار دے کر ہر قیمت پر مجھے پکڑنا چاہتے تھے۔ اس کام کے لیے نریش شرما مجھے گھیرنے کی خصوصی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔

وہ کام کسی خوف ناک تخریبی نوعیت کا ہو سکتا تھا جسے سرانجام دینا بھارتی ایجنٹوں کے بس سے باہر ہو۔ اس کی انجام دہی کے لیے را کو کسی زر خرید پاکستانی مخبر کی تلاش تھی جو ہر قیمت پر اپنے آقاؤں کے حکم کی بجا آوری کے لیے مجبور ہو۔

یہ را والوں کی کھلی بدقسمتی تھی کہ ایسے کسی نامعلوم مگر نازک اور اہم کام کے لیے قرعہ فال میرے نام نکلا تھا۔ یہیں پر بس نہیں ہوئی تھی۔ مزید طرّہ یہ تھا کہ مجھے بھارت میں رینا اجیت رائے جیسی لڑکی مل گئی تھی جو ہر قیمت پر میرا ساتھ دینے پر تلی ہوئی تھی۔

میری اور غزالہ کی وہ گفتگو جاری رہی جو را کے کارندے ریکارڈ کر رہے تھے۔ غزالہ بڑی شدّومد کے ساتھ مجھے قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ مجھے اپنے ڈیپریشن سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنا زیادہ سے زیادہ وقت ہوٹل کے کمرے سے باہر گزارنا چاہیے جہاں قدم قدم پر انسان کا دل موہ لینے والی رنگینیاں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ بحث برائے بحث تھی جس میں جیت غزالہ کی ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہم دونوں نے مسہری چھوڑ کر باہر نکلنے کی تیاریاں شروع کردیں۔ مجھے امید تھی کہ ہمارے کمرے میں ایک زبردست جال بچھانے کے بعد را کے ایجنٹ اپنی کامیابی کی امید میں بیٹھے رہیں گے اور دہلی کے بازاروں میں ہمارا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔

باہر شام کا دھندلکا پھیل چلا تھا۔ ہوٹل میں ڈو۔۔ اندھیروں کے ساتھ زندگی کی رعنائیاں طلوع ہو رہی تھیں۔ روشنیاں اور بیش قیمت فانوس جگمگا اٹھے تھے لیکن ہوٹل کی اس کائنات میں سارا حسن صرف وجودِ زن سے تھا۔ ہمارے گرد و پیش میں پھیلے ہوئے ماحول میں سے صنفِ نازک کو منہا کرنے کے بعد چشم تصور عجیب ویرانی سی دیکھ رہی تھی جس میں کوئی کیف تھا نہ کوئی رنگ۔

ہمارے سامنے کوئی واضح پروگرام نہیں تھا۔ ہمیں اپنے کمرے سے دور رہ کر صرف اور صرف اپنا وقت استعمال کرنا تھا۔ ہم نے مست خرامی کے انداز میں ہوٹل کے بار، ریستوران، بال روم اور ٹی شاپ کا ایک چکر لگایا پھر ایک طرف سے باہر نکلتے چلے گئے۔

دہلی کی وہ شام خاصی خوش گوار تھی۔ کناٹ پلیس روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ دکانوں اور گزرگاہوں پر کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ انسانوں کے اس سمندر میں رنگ رنگ اور بھانت بھانت کے لوگ تھے جو بے پروائی سے اپنی اپنی بولیاں بولتے گھوم پھر رہے تھے۔ ان میں یورپ کے سفید فام بھی تھے اور کوبین ومدورائے کے گہری گندمی چہروں والے لوگ بھی نظر آرہے تھے۔

میرے دل میں بے اختیار ایک خواہش ابھری کہ میں اس شخص کا ٹھکانا دیکھوں جو جامع مسجد کے علاقے میں ٹرانس میٹر استعمال کرتے ہوئے، آرک والوں کی مدد سے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ ہمارا اس ٹھکانے تک پہنچنا ناممکنات میں سے تھا مگر پھر بھی میرے قدم غیر ارادی طور پر اس شمالی راستے کی طرف بڑھ گئے جو رام لیلا گراؤنڈ سے ہوتا ہوا جامع مسجد کی طرف جاتا تھا۔

پرانی دہلی کی گنجان آبادیوں اور بازاروں سے گزرتے ہوئے ہم تھوڑی دیر بعد جامع مسجد کے نواح میں پہنچ گئے۔ دہلی میں مسلمانوں کے اقتدار کی وہ پُرعظمت نشانی زمانے کے سرد و گرم کے باوجود اسی شان سے سربلند تھی۔ جذباتی غلبے کے عالم میں ہمارے قدم اٹھتے رہے لیکن جب ہم مسجد کے ملحق علاقوں میں پہنچے تو مسلمانوں کی زبوں حالی دیکھ کر میری نگاہیں جھکتی چلی گئیں۔

اپنی وضع قطع اور لباس سے مسلمان الگ پہچانے جا رہے تھے۔ ہر طرف رونق اور گہما گہمی تھی مگر بیشتر چہروں پر عسرت و تنگ دستی کی نشانیاں ثبت تھیں۔ ٹھیلوں اور چھوٹی چھوٹی دکانوں سے تنگ اور خستہ حال مکانوں تک ایک ہی کہانی نظر آرہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاید وہیں کے کسی تنگ مکان کے فراخ دل مکینوں کی پناہ سے آرک والوں نے اس شخص کو پکڑا تھا جو ٹرانس میٹر استعمال کر رہا تھا۔ ہم دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے کافی دیر تک اسی علاقے میں گھومتے رہے۔ اسی دوران میں موقع پا کر میں نے غزالہ کو ایک ہوٹل میں بٹھایا اور خود ایک قریبی پبلک بوتھ پر جا پہنچا جہاں سے میں غزالہ پر بھی نظر رکھ سکتا تھا۔

رات ہو چکی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ کوئی ایمرجنسی نہ ہوئی تو اول خان اس وقت اپنے گھر پر موجود ہوگا۔ میں نے کارڈ لگا کر اس کے گھر کا نمبر ملا لیا۔

دوسری گھنٹی پر مجھے اول خان کی پُرسکون ہیلو سنائی دی جو یکایک ہیجان آمیز ہو گئی "ہیلو... یہ... یہ تم بول رہی ہو! کہاں ہو؟" شاید فون پر انٹرنیشنل کال ملنے کی مخصوص بیپ نے اسے چونکا دیا تھا۔ اس کا دھیان براہِ راست میری طرف گیا تھا۔

میں بے ساختہ ہنس پڑا "ابھی تو صرف تمہارے فون کی گھنٹی بجی تھی۔ میں کہاں بولا تھا...."

"تت.... تم کہاں ہو....؟ خیریت سے ہو نا؟" اس نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی۔

"میں وہیں ہوں۔ سب کچھ ٹھیک رہا تو شاید پرسوں لوٹ آؤں۔ اس گدھی سے کہہ دینا کہ اب مجھے فون کرنے کی حماقت نہ کرے۔"

"اس نے سنگین غلطی کی تھی اور پھر خود ہی سہم گئی۔ وہ ابھی تک پہلے پڑاؤ پر ہے۔" اول خان مجھے ڈھکے چھپے الفاظ میں بتا رہا تھا "اس کے لائے ہوئے تحفوں نے ہر ایک کو حیران کر دیا ہے۔ وہاں اس کی زبردست آؤ بھگت ہو رہی ہے۔"

"زندگی رہی تو اب ملاقات ہی ہوگی۔" میں نے اس کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا۔

ویرا نے میری کے نام سے مجھے فون کر کے واقعی سنگین حماقت کی تھی۔ اسے ایسی غلطی کے اعادے سے روکنا ضروری تھا۔ میں نے دہلی کی سیر کے دوران میں موقع سے فائدہ اٹھا لیا تھا ورنہ ہوٹل سے ایسے کسی رابطے کا تصور ہی محال تھا۔

مزید کچھ وقت اس علاقے میں گزار کر ہم واپس ہو لیے۔ کھیلوں اور پھیری والوں کی مخصوص صدائیں دور تک ہمارا پیچھا کرتی رہیں۔

"مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ آپ جان بوجھ کر اس علاقے میں آئے تھے۔" واپسی میں غزالہ نے کہا۔

"دہلی میں کچھ دن گزار لینے کے بعد اب میں اس قابل ہوا ہوں کہ چند گنے چنے راستوں کو سمجھ سکوں پھر بھی قرول باغ میں انل کے گھر تک پہنچنا میرے بس سے باہر ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے ٹالنے کی کوشش کی ہے۔" غزالہ نے شکوا کیا۔

"ہماری یہ سیر اس مجاہد کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے تھی جو اس علاقے میں آرک والوں کے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ شاید اس کی گرفتاری کے بعد ہی آرک والوں نے اپنی اسکیننگ وینز دہلی کی سڑکوں سے ہٹائی ہیں۔"

"واقعات کی کڑیاں بھی خوب ملتی ہیں۔" وہ ہلکی سی پھریری لے کر بولی "آرک کی گاڑیاں گشت پر رہتیں تو گوپال آپ سے اپریٹس پر رابطہ نہ کرتا۔ رابطہ ہوتے ہی آپ نے اسے بروقت بلا لیا ورنہ اس بار سی ایس ڈی وغیرہ ضرور را کے ایجنٹوں کے ہاتھ لگ جاتی۔"

"اور ہماری کھالوں میں بھس بھر دیا گیا ہوتا۔" میں نے اس کی بات مکمل کرتے ہوئے کہا "بعض اوقات چھوٹے چھوٹے واقعات بڑے واقعات کی بنیاد بن جاتے ہیں۔ پکڑے جانے والے کو علم بھی نہیں ہوگا کہ اس کے عتاب کا فیض کس پہنچا ہے۔"

"بھارت کو اپنی طاقت اور تنظیم پر گھمنڈ ہے۔ آپ نے ان کے گھر میں گھس کر را اور دوسرے نشانوں پر جو چوٹ لگائی ہے اس پر وہ بلبلا اٹھے ہیں۔ دم کچلے ہوئے خوں خوار کتے کی طرح ہر ایک کو پھاڑ کھانے کو دوڑ رہے ہیں۔ ان کا زخم تازہ ہے مگر انتقام لینے کے لیے کوئی ہدف سامنے نہیں ہے۔ اگر وہ بے چارہ نہ پکڑا جاتا تو یہ کھسیانی بلی ابھی تک کھمبا نوچ رہی ہوتی۔"

"اب تک انہوں نے اپنے تشدد سے اسے زندہ درگور کر دیا ہوگا۔ نریش کے دفتر کی آگ را کے ہر افسر کے سینے میں بھڑک رہی ہوگی۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "کرتا کوئی اور ہے اس کا نتیجہ کسی اور کو بھگتنا پڑتا ہے۔"

"کیا اس سے آپ کے کاموں کا اخلاقی جواز کمزور نہیں ہو جاتا؟" غزالہ نے سوال کیا۔

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر دھیرے سے کہا "کام کرنے اور نتیجہ بھگتنے والوں کا تعلق ایک ہی فریق سے ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اپنے مشن کے حصول کے لیے ہر ایک کو قربانی دینا پڑتی ہے۔ تم یہ دیکھو کہ میں نے اپنے لیے کچھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں کیا۔ اپنے ملک کے لیے میدان میں اترا ہوا ہوں جو پکڑا گیا وہ بھی ملک کے لیے کچھ کر گزرنے کے جذبے سے سرشار تھا مگر اپنے گردوپیش کے ماحول سے بے خبر تھا اس لیے پکڑا گیا۔"

"یہاں ان واقعات کو دہشت گردی قرار دیا جارہا ہے۔" غزالہ نے کمزور لہجے میں کہا۔

"اپنے سیکیورٹی ٹیٹ ورک کی ناکامی پر وہ کس طرح پردہ ڈال سکتے ہیں؟" میں نے پوچھا "ہم اپنے ہدف کے حصول کے لیے کوششیں کررہے تھے اور وہ اپنے فرض سے غافل تھے۔ گرین کوبرا اور دوسرا ریکارڈ اڑا لینے کے بعد اپنی کارروائی کی پردہ پوشی کے لیے دفتر کو آگ لگانا ہماری ضرورت بلکہ مجبوری تھی۔ ناگر نے ایک ذمے دار افسر کے بجائے کسی آوارہ سانڈ کی سی حرکت کی اور درمیان میں کود پڑا۔ وہ نہ مارا جاتا تو ہم مرتے۔ یہ کسی بھی طرح دہشت گردی نہیں تھی۔ مار کھانے والے یہی کہتے رہیں گے جو وہ کہہ رہے ہیں۔"

غزالہ نے دہلی کی سڑکوں پر راستہ طے کرتے ہوئے جان اسمتھ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ وہ جانتی تھی کہ امریکی سفارتی افسروں کی بھیڑ میں چھپا ہوا، سی آئی اے کا وہ خونی بھیڑیا کس قدر موذی اور خون آشام درندہ تھا جو کراچی میں بیٹھ کر پورے جنوبی ایشیا کے گلے میں امریکی غلامی کا طوق پہنانے کے منصوبے پر کام کررہا تھا۔

"حیرت ہے کہ سرکاری طور پر ابھی تک کسی نے کھل کر پاکستان پر الزام تراشی نہیں کی۔" راہ گیروں کی بھیڑ سے نکل آنے کے بعد غزالہ نے کہا۔

"ثبوت کے بغیر وہ کسی کا نام نہیں لیں گے کیونکہ اس طرح خود ان کی تحقیر ہوتی ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں سوال پیدا ہوگا کہ پاکستانی دہشت گرد دہلی آئے۔ را کے دفتر کی تلاشی لے کر آگ لگائی اور لوٹ گئے مگر را والے ان کی پونچھ کا بال بھی نہیں پکڑ سکے تو انہیں کس لیے پالا جارہا ہے۔"

جب سے ہم نے اپنے دشمنوں کے خلاف کامیاب کارروائیاں کی تھیں، ہم دونوں کو آپس میں کھل کر تبادلہ خیال کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ ہوٹل پہنچنے تک غزالہ آس پاس کا میدان صاف پاکر اپنے دل کی بھڑاس نکالتی رہی۔ اس کے ذہن میں کچھ خدشے اور تحفظات باقی تھے جو میں نے دلائل کی مدد سے دور کردیے۔ جب ہم ہوٹل کی حدود میں داخل ہوئے تو پچھلے واقعات کے بارے میں دونوں کی تشنگی دور ہوچکی تھی۔

رات گہری ہورہی تھی۔ ہوٹل میں زندگی کی حرار آفریں رونقیں عروج پر تھیں۔ ہم دونوں نے وہ پوری شا پیدل چلتے چلتے گزاری تھی۔ غزالہ کے ایما پر ہم کچھ دیر لیے ہوٹل کی لابی میں ٹک گئے اور اس نے ویٹر کو چائے آرڈر دے دیا۔

مجھے اور غزالہ کو ہوٹل کے ماحول سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لیے ہم نے لابی کا ایک ایسا گوشہ منتخب کیا تھا جہاں زیادہ روشنیاں نہیں تھیں۔ وہاں بیٹھ کر ہم آنے جانے والوں کی نظروں سے محفوظ تھے مگر خود ان کا جائزہ لے سکتے تھے۔

بیٹھنے کے چند منٹ بعد ہی اچانک میری نظر سنیل پڑی۔ وہ ٹہلنے کے انداز میں لابی سے گزر رہا تھا۔ اس کا بتا رہا تھا کہ وہ اسی وقت ہوٹل میں داخل ہوا تھا اور بے فکری سے ایک طرف چلا جارہا تھا۔ اسی وقت ویٹر نے چائے کے برتن ہمارے سامنے سجادیے۔

سنیل کی نگاہوں میں تجسس یا بے چینی کا شائبہ تک نہیں تھا، اسے دیکھ کر یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ ہمیں یا کسی اور کو تلاش کررہا تھا۔ وہ ہماری نگاہوں کے سامنے لابی میں نمودار ہوا اور سیدھا چلتا ہوا ایک طرف غائب ہوگیا۔

"یہ یہاں کیا کرتا پھر رہا ہے؟" غزالہ نے اپنے گردوپیش کا جائزہ لے کر محتاط لہجے میں سوال کیا۔

"ہم یہاں ہیں اس لیے وہ بھی یہاں نظر آرہا ہے۔ اسے اندازہ ہے کہ ہم یہیں کہیں بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ اس نے کسی بھی قسم کے رابطے کے فقدان کی وجہ سے دانستہ اپنی رونمائی کرائی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آئی بی والے ہمارا اتنا زیادہ خیال رکھ رہے ہیں۔"

"پھر تو ہوٹل سے نکلتے ہوئے بھی وہ ہمارے پیچھے رہا ہوگا؟" غزالہ نے حیرت سے کہا۔

"اس کے نمودار ہونے کے انداز سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔" میں نے اس کے خیال کی تائید کی۔

"حیرت ہے، میرے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چلا کہ کوئی ہمارا پیچھا کررہا ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"میں بھی بے خبر رہا۔ ہم وقت گزاری کے لیے آئے تھے۔ کوئی خاص مقصد نہیں تھا اس لیے میں نے آگے پیچھے کی کوئی پروا نہیں کی۔"

"یہ نہ کہیں۔" غزالہ نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا "اگر ابھی کوئی آکر پوچھے کہ آپ نے پبلک بوتھ سے کس کو فون کیا تھا تو آپ کیا جواب دیں گے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کوئی بھی بہانہ کیا جاسکتا ہے۔ راستے میں اچانک مجھے فون کرنے کا خیال آگیا تھا۔"

میں نے روا روی میں غزالہ کی بات اڑا دی مگر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ آئندہ مجھے محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ اگر سنیل ہماری بے خبری میں ہمارا پیچھا کرسکتا تھا تو را کا کوئی ایجنٹ بھی کامیابی سے ہمارا تعاقب کرسکتا تھا۔ ہمیں اپنا اگلا دن بھی دہلی میں گزارنا تھا۔ اس دوران میں میری کوئی بھی غفلت میرے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر سکتی تھی۔ ہم کو ہر صورت میں را کے بھیڑیوں سے اپنا دامن بچائے رکھنا تھا۔

چائے ختم کرکے ہم نے لابی چھوڑ دی اور اپنے کمرے کی طرف ہولیے۔

دہلی کی جامع مسجد کے علاقے کی سیر کے دوران میں ہم شکم سیر ہوچکے تھے۔ کھانے کی کوئی حاجت محسوس نہیں ہورہی تھی۔ غزالہ نے نیچی آواز کے ساتھ ٹیلی ویژن آن کردیا اور لباس تبدیل کرنے میں مصروف ہوگئی۔

ٹیلی ویژن کی نشریات میں پچھلے واقعات کی گہری بازگشت موجود تھی۔ خبروں میں تصدیق کردی گئی تھی کہ رنگے ہاتھوں پکڑا جانے والا شخص بھارتی شہریت کا جھوٹا دعوے دار تھا۔ تفصیلی بازپرس کے نتیجے میں یہ بات سامنے آگئی تھی کہ ماضی میں وہ بھارت کے کسی شہر میں نہیں رہا تھا۔ اس کے بچپن اور لڑکپن کے شناسا نہیں تھے۔ وہ سختی سے اپنے بیان پر اڑا ہوا تھا مگر بھارتی حکام اپنے طور پر اس کی صحیح شہریت کا سراغ لگانے کی کوشش کررہے تھے۔

ہماری مسہری کے اوپر، فالس سیلنگ کے دونوں شگافوں کے پیچھے چھپے ہوئے کیمرے شاید بیدار تھے اور ہم سونے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

بستر پر دراز ہونے کے بعد وقت گزارنے کے لیے ہم دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ میں نے ریموٹ کنٹرول سے ٹیلی ویژن بند کیا، غزالہ نے کمرے کی روشنیاں گل کردیں۔ وہ شہر کی سیر میں شاید زیادہ تھک گئی تھی اس لیے تھوڑی دیر بعد نیند کی آغوش میں چلی گئی لیکن میں مضطربانہ انداز میں بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ میرے لیے یہ احساس بہت تکلیف دہ تھا کہ پوشیدہ کیمروں کے ذریعے را کے ایجنٹ ہماری خلوت میں دخل انداز ہوچکے تھے۔

نیند سولی پر بھی آجاتی ہے۔ شاید یہ محاورہ درست نہ ہو لیکن شدید اضطراری کیفیت کے باوجود رات کے آخری لمحات میں میری آنکھ لگ گئی۔

اگلی صبح میری آنکھ کھلی تو غزالہ بستر پر موجود نہیں تھی۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ وہ مجھ سے پہلے بیدار ہوسکتی تھی مگر اس وقت میری ذہنی کیفیت نہ جانے کیا تھی کہ میں نے ہڑبڑا کر بستر چھوڑ دیا۔ غزالہ تیار ہوکر سکون سے ٹیلی ویژن دیکھ رہی تھی۔ اسے خبر تک نہیں ہوئی کہ میں جاگ چکا تھا۔ اسے اطمینان سے بیٹھا ہوا دیکھ کر میری جان میں جان آئی اور میں غسل خانے کی طرف ہولیا۔

ہم دونوں میز کے گرد بیٹھے ناشتا کررہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اول خان کے ذریعے میں پچھلی شام کو ہی پاکستان والوں کو پیغام دے چکا تھا کہ وہ مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہ کریں۔ آئی بی والے پل پل کی صورتِ حال سے باخبر تھے۔ وہ مجھے فون کرنے کی غلطی نہیں کرسکتے تھے۔ میری دانست میں وہ کال نزیش یا رینا کی ہوسکتی تھی۔

اپنے اس مفروضے کے ساتھ میں نے ریسیور اٹھایا تو آپریٹر نے لائن پر نزیش کی موجودگی کی خبر سنائی اور میری رضا پاتے ہی لائن ملادی۔

"میرا خیال تھا کہ تم سو رہے ہوگے مگر تمہاری آواز بہت تر و تازہ ہے۔" میری آواز سنتے ہی نزیش فون پر چہکا۔

میرے لیے اس کی خوش دلی حیران کن تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ اپنے کیمروں کے بندوبست کی ناکامی پر جھلایا ہوا ہوگا۔ میں نے اسی کے انداز میں جواب دیا "گیارہ بجنے والے ہیں۔ میں کافی دیر پہلے اٹھ گیا تھا۔ اس وقت ناشتا کررہا تھا۔"

"ویری گڈ! یہ بتاؤ کہ اب تمہارے ڈپریشن کا کیا حال ہے؟" اس نے براہِ راست سوال کیا۔

"کل میں نے خاصا وقت شہر میں گزارا۔ اس سے موڈ تبدیل ہوا ہے مگر ایک تشویش اپنی جگہ برقرار ہے۔ شاید ایک آدھ دن میں وہ بھی دور ہوجائے گی۔" میں نے غزالہ کو آنکھ مار کر فی البدیہہ ایک شوشا چھوڑ دیا۔

وہ مجھ سے براہِ راست یہ سوال نہیں کرسکتا تھا کہ میں پچھلی رات غزالہ سے دور کیوں رہا تھا مگر اس نے میری توقع کے مطابق میری بات پکڑلی اور رازدارانہ آواز میں پوچھا "خیریت تو ہے؟ تشویش کس بارے میں ہے تم کو؟"

"کوئی نفسیاتی گرہ معلوم ہوتی ہے۔" میں نے بھی اپنی آواز دھیمی کرلی جیسے نزیش مجھے غزالہ سے زیادہ عزیز اور قابلِ اعتماد محسوس ہوتا ہو۔ "میری گرل فرینڈ مجھ سے شاکی ہوگئی ہے۔ ہم یہاں ہنسنے کھیلنے کے لیے آئے تھے مگر اب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طبیعت اس کی طرف راغب نہیں ہو رہی۔"

میں نے اسے وہی بتایا تھا جو وہ میری اور غزالہ کی ریکارڈ کی ہوئی گفتگو کی صورت میں شاید پہلے ہی سن چکا تھا۔ ریسیور پر ایک گہرے سانس کے بعد اس کی آواز ابھری۔ "تم بہت ڈرپوک آدمی ہو۔ یہ کمزوری قابلِ رحم ہے۔ تم چاہو تو میں تمہیں ایک سنیاسی سے ملوا سکتا ہوں۔ اس کے پاس دور دور سے لوگ آتے ہیں اور اس کے نادر نسخوں سے شفایاب ہو جاتے ہیں۔"

انڈین سیکرٹ سروس کا وہ ذمے دار افسر اپنے مقصد کے حصول کے لیے کسی بھی حد تک جانے کے لیے آمادہ تھا۔ میں نے اس کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے کہا "آج یہاں ہماری آخری رات ہے۔ میں جلد از جلد پاکستان جا کر ہی...."

"پاکستان جانے کی تمہیں کیا جلدی ہے؟" میری بات مکمل ہونے سے پہلے نریش کی اضطراری آواز سنائی دی "دو چار دن میں تم بھلے چنگے ہو جاؤ گے۔"

"تم سے پیشگی تنخواہ لے لینے کے بعد میرے سر پر تمہارے کام کا بوجھ سوار ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اپنے گھر اور ماحول میں لوٹ کر مجھے کسی علاج معالجے کی ضرورت نہ رہے۔ میں خود ٹھیک ہو جاؤں۔ سچ پوچھو تو اب یہاں سے میرا دل اچاٹ ہو گیا ہے۔"

"میں تمہارا دوست اور خیر خواہ ہوں۔" نریش کا لہجہ خشک اور مایوسانہ ہو گیا۔ "تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں تاکہ تم دہلی کے بارے میں خراب تاثرات لے کر نہ جاؤ۔ یہ مہمان نوازوں کا شہر ہے۔ میرا کام دو چار دن بعد بھی شروع ہو سکتا ہے۔"

"نہیں نریش!" میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔ "یہ کوئی مرض نہیں، نفسیاتی گرہ ہے۔ جو تمہاری بدسلوکی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ میں جب بھی تمہارا سامنا کرتا ہوں میرے دماغ میں چیونٹیاں سی رینگنے لگتی ہیں۔ ذہن پر عجیب اور بے نام خوف سوار ہو جاتا ہے۔ اس ماحول سے نکلتے ہی میں سدھر جاؤں گا۔ میرا یہاں سے لوٹ جانا ہی میرے اور تمہارے مفاد میں ہے۔"

میرے اس جواب میں خاصی تلخی موجود تھی جو نریش کی بڑائی کے اظہار میں شاید معدوم ہو گئی تھی۔ اس کی آواز یکایک پُرغرور ہو گئی۔ "مظہر! تم بلاوجہ مجھے بدنام کر رہے ہو۔ میں نے تمہارے ساتھ کچھ بھی نہیں کیا۔ دلی کے تیسرے درجے کے چور اور اچکے بھی اس سے زیادہ ذہنی اور جسمانی تشدد ہنستے کھیلتے سہہ لیتے ہیں۔ تم تو ذرا سی پوچھ گچھ میں ہی پینڈے کے بل بیٹھ گئے۔"

"تمہاری بات سو فیصد درست ہے۔" میں نے نرم آواز میں اعتراف کیا "چور اور اچکے ہر بات اور مار سہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ ڈھیٹ ہو چکے ہوتے ہیں۔ تم بھول رہے ہو کہ میں ایک عزت دار کاروباری آدمی ہوں۔ وہ میری زندگی کا پہلا تلخ تجربہ تھا جو میرے دماغ کی نسوں میں بیٹھ چکا ہے۔"

شاید میری کہی ہوئی بات اس کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ چند ثانیوں کے لیے لائن پر سکوت چھا گیا پھر اس کی بوجھل آواز آئی۔ "یہ سچ تمہیں انکل انل کے سامنے اگلنا چاہیے تھا۔ وہاں تم نے ایسی کوئی بات نہیں کہی بلکہ میری بات کو الزام بنا کر جھٹلایا۔ اب مان لو کہ تم نے بیلا سنگھ کو میرے دوست کی بیٹی سمجھ کر معاف نہیں کیا تھا بلکہ تم اس کا کچھ بگاڑنے کے قابل ہی نہیں تھے۔"

"اس وقت مجھے خود اپنی حالت کا اندازہ نہیں تھا۔ اپنی ساتھی کے شکوے کے بعد میں صحیح نتیجے پر پہنچا ہوں۔ تم چاہو تو میں یہ بات تمہارے انکل کے سامنے بھی دہرا سکتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تمہارے دوست کی بیٹی والے قصے سے اس کا بھی کوئی تعلق ہے۔"

"انکل کا اس معاملے سے کیا واسطہ!" اس کی جھلائی ہوئی آواز میرے کانوں میں گونجی "میں تمہیں یہ جتا رہا تھا کہ وہاں تم نے جھٹ اپنی اور رینا کی فلم کا طعنہ دیا تھا۔ اب کچھ اور سنا رہے ہو۔"

اسے سگانا یا مشتعل کرنا میرے مفاد میں نہیں تھا۔ میں نے جھٹ ہتھیار ڈال دیے۔ "اس وقت میں غلطی پر تھا۔ اب میری آنکھیں کھل چکی ہیں۔ تم جس طرح چاہو، میں اپنی تضاد بیانی کا ازالہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ یاد رکھنا کہ تمہاری ویڈیو آج بھی ہمارے قبضے میں ہے۔"

"یہ بات میں مرتے دم تک نہیں بھول سکتا۔" میں نے جلدی سے کہا "پتا نہیں تم بار بار اس کا حوالہ کیوں دیتے ہو۔"

"ایک عزت دار کاروباری آدمی کو اس کے کمزور لمحوں کا احوال بار بار یاد دلانے سے اس کا حافظہ مضبوط رہتا ہے۔ تم نے ہم سے کیے ہوئے معاہدے سے ذرا بھی منہ پھیرا تو کراچی کی ہر ویڈیو شاپ سے دس دس روپے کرائے پر تمہاری یہ فلم دستیاب ہو گی۔"

"یہ بات بھی تم پہلے بتا چکے ہو اور میں اسے ذہن نشین کر چکا ہوں۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر تم سے سمجھوتا کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ میرے دل میں کوئی کھوٹ ہوتا تو ہمارے معاملات اس حد تک نہ پہنچے ہوتے جہاں آج نظر آرہے ہیں۔" میں نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"بعض باتوں کا بار بار دہرانا اچھا ہوتا ہے۔" اس کا لہجہ طنز میں لتھڑا ہوا تھا۔

وہ بہت خبیث اور بدفطرت آدمی تھا۔ اپنا ہدف حاصل کرنے کے لیے بلیک میلنگ پر تلا ہوا تھا اور پھر بلیک میل کرنے کے لیے بار بار ایک ایسی فلم کا حوالہ دے رہا تھا جو ناگر کی ہڈیوں کے ساتھ نریش ہی کے دفتر میں جل کر خاک ہو چکی تھی۔ مشکل یہ تھی کہ میں اسے فلم کے انجام کے بارے میں اپنی معلومات کا کوئی حوالہ نہیں دے سکتا تھا۔ وہ مجھ سے حقیقت چھپا کر مسلسل جھوٹ بولے جا رہا تھا۔

مجھے یکایک احساس ہوا کہ مجھ سے تازہ ترین گفتگو کے بعد وہ جھوٹ اس کی مجبوری بن چکا تھا۔ جب تک اسے یہ امید تھی کہ وہ جلی ہوئی فلم کا کوئی متبادل حاصل کر لے گا' وہ پر امید تھا۔ میرے اوپر بیلا سنگھ کا وار ناکام ہونے کے بعد وہ جھلا کر پھٹ پڑا تھا مگر پھر اس کے شیطانی دماغ نے میرے کمرے میں خفیہ کیمرے نصب کرنے کی راہ نکال لی اور میرے ساتھ اس کا رویہ خوشگوار ہو گیا۔

اس کے لگوائے ہوئے کیمروں کے سائے میں ہم نے عافیت کی ایک رات گزار لی تھی۔ کام کوئی مواد نہ ملنے پر شاید اس نے متجسس ہو کر مجھے فون کیا اور اس بار میں نے اس کے گھناؤنے کھیل کی طوالت ختم کرنے کے لیے اسے ایک بالکل نئی کہانی سنا ڈالی جس کی روشنی میں اس کی کامیابی کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا۔ اس کے لیے وہ کہانی مایوس کن ثابت ہوئی تھی۔

ایسی صورت میں وہ جھوٹ بولنے پر مجبور تھا۔ رینا اجیت رائے کے روپ میں اس نے میری طرف پہلا تیر چلایا تھا ٹھیک نشانے پر لگا تھا مگر اس کے دفتر میں لگنے والی آگ نے اس کی کامیابی کو ناکامی میں بدل دیا تھا۔

میرے خلاف اس کے پاس ایسا کوئی مواد نہیں رہا تھا جس کے سہارے مجھے بلیک میل کیا جا سکے۔ اپنی تیسری کوشش کی طرف سے ناامید ہونے کے بعد اس کے سامنے وہی ایک راہ باقی رہ گئی تھی کہ وہ جھوٹ پر جم جائے اور مجھے پہلی فلم کی دھونس دیتا رہے۔

"تم ان باتوں کو دہرا کر اپنا دل خوش کر رہے ہو تو میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ مجھے اپنی کمزور پوزیشن کا اندازہ ہے۔"

"آج دہلی میں تم اپنی آخری رات گزارنے کے پابند ہو۔ کل صبح تمہیں آزادی ہوگی کہ جب چاہو واپس لوٹ جاؤ۔" میرے عاجزانہ جواب سے تسکین پاتے ہی اس نے وہ بات کہہ ڈالی جس کا میں دیر سے منتظر تھا۔

انل بسواس نے پچھلے دن را کے صدر دفتر میں غزالہ سے وہی بات کہی تھی مگر مجھے بھروسا نہیں تھا کہ وہ لوگ آخر تک اپنے اس فیصلے پر قائم رہیں گے۔ نریش نے میری طرف سے ناامید ہونے کے بعد وہ بات دہرائی تھی تو اس میں کچھ نہ کچھ وزن ضرور تھا۔

"اس فیصلے کے لیے میں تمہارا اور تمہارے انکل کا شکر گزار ہوں۔ شاید ہم کل کا دن شاپنگ میں گزاریں گے۔ پرسوں میں تمہارے مشن کی تکمیل کے لیے دہلی سے روانہ ہو جاؤں گا۔ ڈینی میرا سب سے پہلا ہدف ہوگا۔" آخری فقرے کا اضافہ میں نے جان بوجھ کر کیا تھا۔

"کاش تم اس عفریت کو اپنے کسی جال میں پھانس سکو!" دکھتی رگ پر ہاتھ پڑتے ہی وہ حسرت بھرے لہجے میں بول اٹھا "تم سوچ نہیں سکتے کہ یہ کام کر کے تم اپنے لیے کیا مقام پیدا کرو گے۔"

آزادی کا مژدہ سنا کر پہلے اس نے مجھے خوش کیا تھا۔ ڈینی کو گرانے کا عہد دہرا کر میں نے اسے خوش کر دیا۔ یوں تلخیوں سے گزرنے والی ہماری وہ گفتگو ایک بہتر انجام کے ساتھ ختم ہو گئی۔

اس کال پر غزالہ کی خاموشی خطرناک ثابت ہوتی کیونکہ ہمارے کمرے میں ابھرنے والی ہر آواز کہیں سنی اور ریکارڈ کی جا رہی تھی۔ غزالہ کو اس نازک صورتِ حال کا مکمل ادراک تھا۔ میں ریسیور کریڈل پر رکھ کر مڑا تو غزالہ نے بے ساختہ پوچھا "کیا نریش سے بات ہو رہی تھی؟"

"بہت صحیح اندازہ لگا لیا تم نے۔" میں نے حیرت سے کہا "کیا میں نے اس کا نام لیا تھا؟"

"نام بھی لیا تھا مگر میں نے آپ کے بعض جواب سنے ہیں۔ کیا اب کوئی نیا مسئلہ پیدا ہو رہا ہے؟"

"مسئلہ کوئی نہیں ہے۔ وہ میرے ڈپریشن کی طرف سے فکر مند تھا۔ ساتھ ہی یاد دلا رہا تھا کہ پاکستان لوٹنے کے بعد میں اس کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو فراموش نہ کروں۔ مجھے بار بار کی یہ تکرار اچھی نہیں لگتی۔ اس پر ذرا سی بحث ہو گئی تھی۔"

"را والوں سے آپ کے کیا وعدے ہوئے ہیں؟" اس نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے اتنی سنجیدگی سے پوچھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ لمحہ بھر کے لیے میں بوکھلا گیا۔

"کوئی وعدے نہیں ہوئے۔" میں نے سنبھالا لے کر اسے جواب دیا "یہ مردانہ باتیں ہیں۔ تم کو ان بکھیڑوں میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"میں خود بھی آپ سے کچھ نہیں پوچھتی۔ اس وقت آپ کی یک طرفہ باتیں سنی ہیں تو دل میں تجسس جاگ اٹھا۔ راکا قصہ شروع سے چل رہا ہے لیکن میں نے اس بارے میں آپ سے کوئی سوال نہیں کیا۔"

"یہ بھارت کی باتیں ہیں۔ انہیں تم یہیں بھول جاؤ گی۔ پاکستان لوٹنے کے بعد تم نے کسی کے بھی سامنے راکا نام لیا تو یہ سمجھ لینا کہ میرے ساتھ تمہاری زندگی بھی برباد ہو جائے گی۔"

"یہ بات میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ مجھے صرف اپنی اور آپ کی خوشیاں عزیز ہیں۔ اس سے آگے آپ کیا کرتے ہیں' اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

ناشتے کے بعد ہم دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ وہ ساری گفتگو راوالوں کو سنانے کے لیے تھی جو ہمارے کمرے میں مائیکرو فون لگا کر کہیں چھپے بیٹھے تھے۔ یہ بات ہم پہلے ہی طے کر چکے تھے کہ ہمیں ہوٹل کے کمروں میں اپنا کم سے کم وقت گزارنا تھا۔ اس لیے غزالہ نے تجویز پیش کی کہ ہم بازار کا ایک چکر لگالیں تاکہ اگلے دن کے لیے خریداری کا بوجھ ہلکا ہو سکے اور میں فوری طور پر رضامند ہو گیا۔

دہلی میں ہم دونوں کا کوئی عزیز یا رشتے دار نہیں تھا جسے دکھانے کے لیے ہمیں زیادہ تیاری یا خوش پوشی کے کسی نفیس مظاہرے کی ضرورت ہوتی۔ ہم ذرا سی دیر میں تیار ہو کر ہوٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔

ہوٹل سے نکلنے کے بعد ایک مرتبہ پھر کناٹ پلیس کے علاقے نے ہمارے قدم روک لیے۔ شہر میں سیر و تفریح کے متعدد مراکز موجود تھے جن کی اپنی اپنی خوبیاں تھیں مگر کناٹ پلیس کی بات ہی اور تھی۔ وہاں سے بارہا گزرنے کے باوجود میں اس پر شکوہ علاقے میں ہر مرتبہ ایک نئی کشش محسوس کرتا تھا جو دوسرے علاقوں میں مفقود تھی۔

خریداری کا ذکر ایک بہانہ تھا ورنہ ہمیں اس روز بھی باہر کوئی کام نہیں تھا۔ ہم کافی دیر تک کناٹ پلیس کی دائرہ در دائرہ عمارتوں کی اونچی اونچی راہداریوں' پر شوکت برآمدوں اور شان دار دکانوں میں گھومتے رہے۔ اس دوران میں غزالہ تھوڑی بہت خریداری بھی کرتی رہی۔ میں نے اس بات پر کڑی نگاہ رکھی تھی کہ وہ کوئی بھاری چیز نہ خریدنے پائے۔ زیادہ بھاری سازو سامان ہماری واپسی کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا تھا۔

کناٹ پلیس سے جامع مسجد ایک سمت میں تھی تو قرول باغ کا علاقہ دوسری طرف تھا۔ میں نے سوچا کہ اگلی رات ہمیں اپنے بڑے شکار کے لیے اس طرف جانا تھا۔ کیوں نہ اسی وقت وہاں کا ایک چکر لگالیا جائے۔ ایک موہوم سی امید تھی کہ میں اس آبادی میں انل بسواس کا بڑا گھر پہچاننے میں کامیاب ہو جاؤں جو سنیل ایک بار مجھے دکھا چکا تھا۔

سنیل کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق نریش شرما بھی اسی علاقے میں رہتا تھا۔ اس کا گھر چھوٹا تھا جبکہ انل بسواس کو اپنے بڑے عہدے کی بنا پر ایک وسیع کوٹھی ملی ہوئی تھی جہاں داخل ہونا آسان نہیں تھا۔

"ہمیں اسی طرف چلنا چاہیے۔" میری تجویز سن کر غزالہ خوش ہو گئی "یہاں ہم اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔ ہو سکے تو ہمیں ان دونوں کے گھروں میں گھس کر مواقع کا جائزہ بھی لے لینا چاہیے۔"

"ایسا کوئی خیال دل میں نہ لانا۔ اب وہ ہم دونوں کو پہچانتے ہیں۔ ہم ان کے گھروں میں گھسے تو اپنی مرضی سے باہر نہیں نکل سکیں گے۔"

"پھر تو ہمیں ادھر کا رخ بھی نہیں کرنا چاہیے۔ انہوں نے اتفاق سے ہمیں قرول باغ میں گھومتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کے کان کھڑے ہو جائیں گے اور وہ ہمارے کل کے مشن کو آسانی سے کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔"

وہ خدشہ میرے ذہن میں بھی تھا۔ میں نے جواب دیا "وہ ایک وسیع رہائشی علاقہ ہے۔ ہم ان دونوں میں سے کسی کے گھر نہیں پہنچ سکتے۔ بس ذرا اس علاقے سے آشنائی ہو جائے گی۔ شہر میں لوگ بھانت بھانت کے حلیوں میں گھوم رہے ہیں۔ ہم بھی بڑے چھجوں والے ہیٹ اور دھوپ کے چشمے خرید لیتے ہیں۔ سرسری نظر میں ان کا باپ بھی ہمیں نہیں پہچان سکے گا۔"

"میں آپ کے ساتھ ہوں۔" غزالہ نے خوش دلی سے کہا۔

"ادھر نہیں۔ یہ کل والا راستہ ہے جو جامع مسجد کی طرف جاتا ہے۔ آج ہمیں اس طرف جانا ہے۔" میں نے اس کا بازو تھام کر اس کا رخ گھما دیا۔

کناٹ پلیس سے نکل کر ہم اندر ہی اندر پہاڑ گنج کے گنجان اور بارونق علاقے میں اتر گئے۔ پہاڑ گنج کو دہلی میں ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہم شہر کے اس حصے سے اتنا قریب رہ رہے تھے۔

مجھے یاد تھا کہ جب میں آئی بی والوں سے اپنی پہلی ملاقات کے لیے حضرت باقی باللہ کے مزار پر گیا تھا تو نئی دہلی کا ریلوے اسٹیشن میرے داہنے ہاتھ پر پڑا تھا۔ وہاں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزرتے ہوئے رکشا والے نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا تھا کہ سڑک کے بائیں طرف پہاڑ گنج کا علاقہ تھا۔

پہاڑ گنج میں دہلی کی قدیم اور جدید تہذیب کے شاہکار یکجا نظر آتے ہیں۔ عمارتوں سے انسانوں تک میں یہ خوشگوار اور انفرادی تضاد نظر آتا ہے۔ کسی گائیڈ کی مدد کے بغیر یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے وہاں کھڑی ہوئی عمارتیں کس دور کی عکاسی کررہی ہیں۔

پہاڑ گنج سے نکلتے ہی ہمیں ایک دکان کے نام کے نیچے انگریزی میں جھنڈے والا ان لکھا ہوا نظر آیا۔ وہ شاید اس آبادی کا نام تھا۔ اس سے آگے قرول باغ کا زندگی سے معمور رہائشی علاقہ واقع تھا۔

اپنی اس طویل پیدل مہم میں ہم جھنڈے والا ان سے سیدھے بندھو گپتا روڈ پر جا نکلے۔ ہمارا مقصد قرول باغ کی سڑکیں ناپنا نہیں تھا۔ میں اس علاقے کا ناقدانہ سروے کرنا چاہ رہا تھا۔ دہلی پبلک لائبریری سے آگے نکلتے ہی میں بائیں طرف مڑ گیا۔

ہم نے باتیں کرتے ہوئے اور راستے میں نظر آنے والے ہر قابل ذکر مقام میں گہری دلچسپی لیتے ہوئے اپنا وہ سفر خراماں خراماں طے کیا تھا اس لیے ہمیں ہوٹل سے وہاں پہنچنے میں دیر ہوگئی تھی ورنہ میرے اندازے کے مطابق وہ مسافت ڈھائی تین کلو میٹر سے زیادہ نہیں تھی۔ پیدل وہاں تک پہنچنے کے بعد اندازہ ہوا تھا کہ ہمارے بدترین دشمن ہمارے پڑوس ہی میں رہ رہے تھے۔

ہم نے راستے میں بڑے ہیٹ اور دھوپ کے سستے چشمے خرید لیے تھے۔ دہلی کی تپتی ہوئی گرمی میں وہ چیزیں ذرا بھی اجنبی نہیں تھیں۔

بازاروں کی حد تک ہر بات ٹھیک تھی۔ کسی نے ہمیں ٹوکا نہ کچھ کہا لیکن قرول باغ میں گھسنے کے بعد ہی میں نے محسوس کیا کہ متوسط طبقے کے مکانوں کے باہر موجود لوگ دلچسپی سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے اور دبی آوازوں میں آپس میں باتیں بھی کرتے جارہے تھے۔

"آپ ان باتوں پر دھیان نہ دیں۔" میری نشان دہی پر غزالہ نے دھیمی آواز میں کہا "یہ بہت اچھی بات ہے کہ دلی کے باسی ابھی اس معاشرتی بیگانگی کے شکار نہیں ہوئے ہیں جو کراچی میں عام نظر آتی ہے۔ انہیں تجسس ہے کہ ان کے علاقے میں کون آیا ہے اور کس تک پہنچنا چاہتا ہے۔ کراچی میں چور اور ڈاکو تک دندناتے ہوئے آتے ہیں اور اپنا شکار کھیل کر لوٹ جاتے ہیں۔ جس پر وہ ناگہانی افتاد ٹوٹتی ہے وہی اس کا خمیازہ بھگتتا ہے۔ دوسرے معصوم تماشائی بنے رہتے ہیں اور کبھی زبانی ہمدردی سے آگے نہیں بڑھتے۔"

"اس وقت کسی معاشرتی اسکالر کی طرح تقریر کررہی ہو۔"

"تیز مشاہدہ رکھنے والا ہر حساس آدمی اپنے ماحول کا اسکالر ہوتا ہے۔" وہ خوشگوار موڈ میں کہہ رہی تھی "ہمیں اپنے علاقے میں دیکھ کر ان کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگتی اور یہ بے حس بنے بیٹھے رہتے تو مجھے صدمہ ہوتا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم یہاں سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کریں تو تھوڑی دیر میں اپنے دونوں حریفوں کے دروازوں تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ہم یہاں اس مقصد سے نہیں آئے۔" میں نے اسے گھور کر کہا۔

وہ شوخی سے ہنس پڑی "میرا بھی یہ ارادہ نہیں ہے۔ میں ایک مثال دے رہی تھی۔"

کسی بھی آبادی میں نو وارد افراد کا تجسس اور ان کا متلاشی انداز مقامیوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہتا۔ ہم تیسری گلی سے گزر رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ایک مکان کے باہر چبوترے پر بیٹھے ہوئے کئی نو عمر اور ادھیڑ عمر افراد کی نظریں ہمارے اوپر مرکوز ہوچکی تھیں۔

میں نے بھی دور سے ان کے تیور بھانپ لیے اور اپنی رفتار قدرے تیز کردی۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ میں اس ٹولی کو یکسر نظرانداز کرکے تیزی سے آگے نکلتا چلا جاؤں گا۔

"تم بھی ان کی طرف نہ دیکھنا۔" میں نے غزالہ کو خبردار کیا "یہ بھیڑ گلے پڑسکتی ہے۔"

"نہیں دیکھوں گی مگر مجھے ان کی نظروں میں ہمدردانہ تشویش نظر آرہی ہے۔"

"بک بک مت کرو۔ ہمارے لیے صرف دو بھارتی ہمدرد کافی ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی کی ضرورت نہیں۔" میں نے دھیمی آواز میں تلخی سے کہا۔

ہم نے اپنی گردنیں سیدھی کیں اور تیز تیز قدموں سے ان کے سامنے سے گزرتے چلے گئے۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھ لیا تھا کہ ان میں سے کئی ہم سے مخاطب ہونے کے متمنی تھے مگر ہماری توجہ نہ پاکر ان کے چہروں پر مایوسی پھیل گئی تھی۔

لیکن ان میں سے کسی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔ وہ ہمارے پیچھے لپکتا ہوا چند لمحوں میں ہمارے ساتھ ہولیا۔

"بھیا! پردیسی لگتے ہو، کس کا گھر ڈھونڈ رہے ہو؟" اس نے کھیسیں پھیلا کر بہت نرمی سے پوچھا۔

میں نے دھوپ کے چشمے کے تاریک شیشوں کی اوٹ سے اسے گھورا۔ وہ ایک سادہ لوح آدمی تھا۔ اس سے الجھنا بے سود تھا۔ میں نے اطمینان سے کہا "ہم بھگت سنگھ کا گھر ڈھونڈ رہے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے چہرے پر ناچنے والی مسرت دیکھ کر میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ وہ مسرت بھری آواز میں کہہ رہا تھا "وہ تو پیچھے والی گلی میں رہتے ہیں۔ ریلوائی میں منشی کا کام کرتے ہیں۔ آؤ' میں تمہیں ان کے دروازے تک چھوڑ آتا ہوں۔ اس وقت گھر پر ان کے بال بچے ہوں گے۔ وہ اپنی ڈیوٹی سے شام ڈھلے واپس آتے ہیں۔"

اس نے ایک ہی سانس میں معلومات کا دریا بہا دیا تھا جو میرے لیے سود مند ثابت ہوا۔ میں نے تحمل اور سنجیدگی سے کہا "ہمارے بھگت سنگھ تیل کا کاروبار کرتے ہیں۔ ان کا ریلوے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ یہاں اکیلے رہتے ہیں۔"

وہ بے چارہ سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے جوابی وار میں اسے چت کر دیا تھا۔

چند ثانیوں تک اپنا سر کھجانے کے بعد اس نے پوچھا "ان کے مکان کا نمبر کیا ہے؟"

"نمبر نہیں معلوم مگر گھر میرا دیکھا ہوا ہے۔ تم آرام کرو۔ ہم تھوڑی دیر تک بھٹکنے کے بعد اس کا گھر تلاش کر لیں گے۔"

"آگے جا کر تم الٹے ہاتھ پر مڑو گے تو وہاں پیپل کے نیچے شطرنج کی بازی چل رہی ہوگی۔ وہ لوگ سب کو جانتے ہیں۔ تمہیں دوسرے بھگت سنگھ کے گھر بھیج دیں گے۔ کوئی بھی بچہ تمہیں وہاں پہنچا دے گا۔"

اس سے گلو خلاصی کی امید ہوتے ہی میں نے اس کا شکریہ ادا کیا' اسے یقین دلایا کہ میں اس کے مشورے پر ضرور عمل کروں گا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

غزالہ اس صورت حال سے خاصی محظوظ ہوئی تھی۔ چند قدم دور نکل آنے کے بعد بولی "شطرنج بازوں کے گھیرے میں پھنس گئے تو وہ آپ کو بھگت سنگھ نامی کسی تیل فروش تک پہنچائے بغیر ہماری جان نہیں چھوڑیں گے۔ ہو لیا یہاں کا جائزہ' میری مانیں تو اسی وقت یہاں سے نکل جائیں۔ زبردستی ہمدردیاں لوٹنے والے لوگ کبھی کبھی بہت خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔"

"آثار یہی بتا رہے ہیں۔ ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔" میں نے اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

ہم نے آبادی کے قلب میں گھسنے کے بجائے وہاں سے نکلنے کی راہ تلاش کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

وہاں سے زبردستی نکل بھاگنے کا بنیادی سبب یہ خوف تھا کہ ہمارا کوئی خود ساختہ ہمدرد ہمیں ہمارے مطلوبہ گھر تک پہنچانے کے لیے ہمارے گلے پڑ جاتا تو ہم مشکل میں پھنس سکتے تھے۔ ہم جن گھروں کا جائزہ لینے کی نیت سے قرول باغ کے علاقے میں آئے تھے' ان کے بارے میں اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکال سکتے تھے۔

اس کے ساتھ میرے ذہن پر ایک اور فکر بھی سوار تھی۔ پچھلے دن طے ہونے والے پروگرام کے مطابق رینا اجیت رائے کو چار اور چھ بجے کے درمیان ہم سے آخری ملاقات کے لیے آنا تھا۔

رینا کی دلیل یہ تھی کہ وہ پہلے بھی مجھ سے ملتی رہی تھی۔ دہلی میں میرے قیام کے آخری دن اس معمول کا اعادہ ضروری تھا تاکہ اس کے بڑوں کو اس پر کسی قسم کا شبہ نہ ہونے پائے۔

نریش شرما کے آدمیوں نے میرے کمرے کو جس انداز میں میرے لیے مخدوش بنا دیا تھا وہ رینا سے پوشیدہ نہیں تھا بلکہ وہ خبر اسی کے ذریعے میرے علم میں آئی تھی۔ رینا اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کر لیتی تو ہمارے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکتا تھا کہ ہمیں اپنے کمروں سے ہٹانے کے بعد راؤ والوں نے وہاں کیا کارروائی کی ہے۔

رینا اپنی پوزیشن کو شکوک و شبہات سے بالا رکھنے کے لیے آ رہی تھی۔ اس کے لیے میرا کمرا ہی سب سے بہتر تھا جہاں کہی جانے والی ہر بات کہیں نہ کہیں سنی جا رہی تھی۔ مجھ سے مخصوص نکات پر بات کر کے وہ اپنے دامن سے رہے سہے شبہات کے داغ بھی آسانی سے دھو سکتی تھی۔ میں رینا کی اس ترجیح میں دخل انداز ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔

اس وقت رینا کا تحفظ ہمارے اپنے تحفظ کے لیے ضروری تھا۔ نریش شرما کو ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ ہماری اس لڑکی سے کوئی ملی بھگت تھی تو وہ بہت آسانی سے وہ اسباب سمجھ سکتا تھا جن کی بنا پر میں اس کے بچھائے ہوئے ہر جال سے بچتا رہا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ میں صرف رینا کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ وہ لڑکی راکی بہت نچلی سطح پر کام کرتی تھی لیکن اپنی خوب صورتی اور خوش کلامی کی وجہ سے راکے عیاش طبع افسروں میں بھی بہت مقبول تھی۔ اعلیٰ افسران سے اپنے قریبی مراسم کی وجہ سے وہ تقریباً ہر اہم بات سے باخبر رہتی تھی۔ اس میں شاید اس کی کوششوں کا بھی دخل ہوتا تھا ورنہ یہ ضروری نہیں تھا کہ ہمارے بارے میں طے کی جانے والی ہر اہم بات اس لڑکی کے علم میں آتی چلی جائے۔ وہ میری ہمدرد بن چکی تھی اس لیے اپنی تنظیم میں رہتے ہوئے ہر وقت ایسی باتوں سے باخبر رہنے کی کوشش کرتی تھی جو کسی بھی طرح میرے مستقبل پر اثر انداز ہو سکتی تھیں۔ وہ اپنی بدا کتفا نہیں کرتی رہی تھی۔ ہر جتن کر کے مجھے خطرے سے قبل از

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقت آگاہ بھی کردیتی ہے۔

را کی صفوں میں جوان، خوب رو اور سج ادا لڑکیوں کی کمی نہیں تھی۔ وطن کی سلامتی کے لیے اپنی آبرو لٹا دینے کے پر فریب نعرے کے ذریعے انڈین سیکرٹ سروس نے معاشی بدحالیوں میں گھری ہوئی ایسی لڑکیوں کی ایک پوری فوج پالی ہوئی تھی۔ ان میں سے بیلا سنگھ کو میں دیکھ ہی چکا تھا۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ کسی بھی اوباش صفت مرد کو رینا اور بیلا میں سے کسی ایک کے انتخاب کا موقع دیا جاتا تو وہ رینا اجیت رائے پر دوسری نظر ڈالنے کی زحمت کیے بغیر بیلا سنگھ کے قدموں میں سر جھکا دیتا۔

اپنی بے شرمی اور آوارہ مزاجی سے قطع نظر، بیلا سنگھ واقعی غیر معمولی حسن کی مالک تھی۔

مگر یہ رینا اجیت رائے کی یا پھر میری خوش قسمتی تھی کہ انڈین سیکرٹ سروس کی طوائفوں کے اسکواڈ کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے نریش شرما کو بیلا سنگھ اور دوسری لڑکیوں کے مقابلے میں رینا اجیت رائے زیادہ مرغوب تھی۔ شراب کے بعد اسے جب بھی شباب کی ضرورت محسوس ہوتی تھی، وہ رینا کو اپنی خلوت میں بلا لیتا تھا۔

رینا درونِ پردہ میری خیر خواہ تھی۔ نریش شرما عملی طور پر میرا سب سے بڑا حریف تھا۔ میرے بارے میں اٹل بسواس کے ہر منصوبے کو وہی عملی جامہ پہناتا تھا، اس لیے میرے خلاف ہونے والی کارروائیوں کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر ہوتا تھا۔

اس وقت تک رینا اور نریش کی حد سے بڑھی ہوئی، ہوس ناک دوستی میرے لیے سود مند ثابت ہو رہی تھی۔ مجھے امید تھی کہ رینا اپنی آخری ملاقات میں مجھے کچھ نہ کچھ نیا مواد ضرور فراہم کرے گی۔

کچھ دیر تک قرول باغ کی گلیوں اور آبادی میں بھٹکنے کے بعد ہم ایک مصروف سڑک پر نکل آنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس دوران میں، میں نے خاص طور پر یہ بات نوٹ کی کہ اس خوش حال اور آباد علاقے میں بڑے مکانوں پر بھی کہیں مسلح گارڈ نظر نہیں آئے تھے۔ چھوٹے گھر عام طور پر تنخواہ دار دربانوں کی ضرورت سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ قرول باغ کے کشادہ گھروں کے پھاٹکوں پر کہیں کہیں ادھیڑ عمر یا عمر رسیدہ چوکیدار ضرور نظر آئے جن کا کام شاید صرف اتنا تھا کہ مکینوں اور ان کے مہمانوں وغیرہ کی آمد و رفت کے لیے بڑے پھاٹک کھول کر بند کرسکیں۔

اس زمانے میں شہری آبادیوں میں انفرادی تشدد اور دہشت گردی کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ دنیا کے بڑے اور گنجان آباد شہروں کی بات تو ایک طرف، کراچی جیسے شہر میں متمول شہری خود کو اپنے گھروں میں محفوظ تصور نہیں کرتے تھے۔ ہر آن کسی چور، ڈاکو، قاتل یا اغوا کر کے اٹھا لے جانے والوں کی مداخلت کا خطرہ ان کے سروں پر ننگی تلوار کی طرح لٹکتا رہتا تھا۔

ان خطروں سے بچاؤ کے لیے گھروں پر مسلح حفاظتی گارڈ مامور کیے جانے لگے تھے۔ اس رجحان کا جہاں فائدہ تھا وہاں ایک بڑا نقصان بھی تھا کہ ایسے گارڈ اپنے آقاؤں کی ثروت اور تمول کا نشان سمجھے جانے لگے تھے۔ کسی بھی گھر پر مسلح گارڈ کا اشتہاری وجود دیکھ کر سماج دشمن عناصر فوری طور پر سمجھ لیتے تھے کہ اسامی تگڑی ہے۔ مکین اپنی چار دیواری میں محفوظ رہتے تھے مگر اس سے باہر نکلتے ہی ان کے لیے دوسرے خطرات شروع ہو جاتے تھے۔

میرے لیے یہ بات طمانیت کا باعث تھی کہ دہلی یا کم از کم قرول باغ کے معززین کے گھروں میں مسلح گارڈ رکھنے کا رواج نہیں تھا۔ شاید وہی ایک مشاہدہ میری اس کوچہ نوردی کا حاصل تھا۔

انڈین سیکرٹ سروس والوں کو ہمارے کمروں میں جو کچھ کرنا تھا وہ کر چکے تھے۔ مجھے اور غزالہ کو یہ فکر نہیں تھی کہ ہم وہاں سے زیادہ دیر غائب رہے تو وہ کمرے میں کوئی زیادہ گڑبڑ کردیں گے۔

سی ایس ڈی، بیم گن اور اپریٹس کا کمرے میں وجود نہیں تھا۔ وہ تینوں خطرناک چیزیں میں پہلے ہی سیتل کے حوالے کر چکا تھا۔

واپسی میں ہم پہاڑ گنج کے ایک صاف ستھرے اور مختصر سے نہاری ہوٹل میں بیٹھ گئے جہاں چبوترے میں گڑی ہوئی جناتی دیگ پر ایک باریش نوجوان آستینیں چڑھائے بیٹھا ہوا تھا اور ہوٹل سے باہر تک کی فضا نہاری کی خوشبو سے مہک رہی تھی۔

عمدہ نہاری کے لیے بچھیا کا گوشت لازمی خیال کیا جاتا ہے جبکہ بھارت میں آباد ہندو اکثریت گائے کو اپنی ماتا مان کر پوجتی ہے۔ عقائد کے اس سنگین تضاد کی وجہ سے بھارت میں گائے کے ذبیحے پر پابندی چلی آرہی ہے مگر سنا یہی جاتا کہ ذائقے اور چٹخارے کے شوقین مسلمان ہر خطرہ مول لے کر چوری چھپے اپنا کام کر گزرتے ہیں۔ دہلی کے مسلمان محلوں میں پوشیدہ طور پر گائے کا ذبیحہ ہوتا تھا۔ ذرا سی دیر میں سارا گوشت گھروں میں تقسیم ہو جاتا تھا اور کہیں گئو ماتا کی ہتیا کا کوئی نشان باقی نہیں چھوڑا جاتا تھا۔

میں نے فرض کرلیا کہ اس نہاری ہوٹل کے مالکان بھی اپنی نہاری کا خام مال ایسے کسی ذریعے سے حاصل کرتے ہوں گے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہاری واقعی بہت لذیذ تھی جس میں چٹپٹے مسالے استعمال کیے گئے تھے۔

"دہلی آکر ہم نہاری نہ کھاتے تو اپنے ساتھ بڑا ظلم کرتے" شکم سیر ہونے کے بعد غزالہ نے ہوٹل سے نکلتے ہوئے کہا۔

"جو نعمت جس کے لیے لکھ دی گئی ہے وہ اس سے ضرور فیض یاب ہوتا ہے" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

میری کوشش تھی کہ ہم ریٹا سے طے کیے ہوئے وقت سے پہلے ہوٹل پہنچ جائیں لیکن پیدل چلنے کے خبط میں ہمیں ذرا سی دیر ہوگئی۔ چار بجے ہم کاؤنٹر سے چابی لے رہے تھے تو ہمارے لیے کوئی پیغام تھا نہ ریٹا کا دور دور تک کوئی سراغ نظر آرہا تھا۔

ہم دونوں چابی لے کر سیدھے اپنے کمرے کی طرف چل دیے۔

"آپ کی چہیتی ابھی تک نہیں آئی۔ آپ بلاوجہ اس کی پریشانی کی طرف سے فکرمند تھے" راستے میں غزالہ نے ہنس کر کہا۔

"اس نے چار بجے کا نہیں، چار اور چھ بجے کے درمیان کا وقت دیا تھا" میں نے اسے یاد دلایا۔

"پھر رات کو گوپال بھی آئے گا" غزالہ نے سنجیدگی سے کہا "آپ کو اس سے بہت کچھ طے کرنا ہے۔"

دراصل گوپال ہی اس دن کا اہم ترین ملاقاتی تھا کیونکہ مجھے اس سے مل کر انل بسواس کے خاتمے کے منصوبے کی جزئیات طے کرنا تھیں اور پھر اسی کو دہلی سے ہماری روانگی کا بندوبست کرنا تھا۔

کمرے میں پہنچنے کے بعد ہماری گفتگو کا رخ بدل گیا۔

ساڑھے چار بجے رینا اجیت رائے نے لابی کے انٹرکام سے اپنی آمد کی اطلاع دی اور میں اسے فوری طور پر اوپر بلا لیا۔

"اب میں اپنے کمرے میں چلی جاؤں؟" غزالہ نے رینا کی آمد کی خبر سن کر سوال کیا۔

"ضروری نہیں ہے۔ اب اس کے رویّے میں بہت سنجیدگی آگئی ہے" میں نے کہا۔

"پھر بھی وہ آپ سے بے تکلف ہے۔ میں بیٹھی رہی تو وہ آپ سے کھل کر بات نہیں کرسکے گی۔"

غزالہ کا نکتہ وزنی تھا۔ میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے جواب دیا۔ "ابھی بیٹھی رہو۔ وہ آئے تو اس سے مل کر چلی جانا۔"

ذرا سی دیر میں دروازے پر دستک ہوئی اور میری اجازت پاکر رینا کمرے میں آگئی۔ اپنے معمول کے مطابق

زندگی اور دکاں کے لیے ایک زمانہ گزیدہ کی خوں رنگ سرگزشت

ان کے لیے جن کے سینے دھواں دیتے ہیں
آنسوؤں آہوں امنگوں اور حوصلوں کی داستان
عبرت اثر، حیرت انگیز، ناقابلِ فراموش
بابر زمان خان کی آپ بیتی، جگ بیتی
اس جوانِ رعنا سے زندگی کا رویہ مختلف تھا۔

دل فگاروں کے لیے سب رنگ ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ
بازی گر
وہ تحریر جو دلوں کی دھڑکن ہے

قیمت فی حصہ -/60 روپے * ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے

6 حصے ایک ساتھ منگانے پر ڈاک خرچ معاف
یہ رعایت حاصل کرنے کے لئے رقم بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ فرمائیے
اس دلچسپ داستان کے 6 حصے شائع ہو چکے ہیں

کتابیات پبلی کیشنز
رمضان چیمبرز ملوریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ
پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے گہرا اور شوخ میک اپ کیا ہوا تھا۔ اس کا لباس بھی صنف مخالف کے لیے خاصا پرکشش تھا کیونکہ اس میں سے رینا کے بدن کے بعض حصے جھلک رہے تھے۔

اس نے پرتپاک انداز میں ہم دونوں سے ہاتھ ملایا اور بے تکلفی سے ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

غزالہ نے خوش خلقی سے اس کی مزاج پرسی کی اور پھر معذرت کرکے کمرے سے چلی گئی۔

"میرا خیال تھا کہ تم ٹھیک چار بجے یہاں پہنچ جاؤ گی۔ میں دہلی میں آوارہ گردی کا پروگرام مختصر کرکے ٹھیک وقت پر واپس لوٹ آیا تھا۔"

"مجھے بریفنگ لینے میں دیر ہوگئی" اس نے منی بار کی طرف جاتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"کیسی بریفنگ!" میں نے حیرت سے سوال کیا۔ میں پریشان ہوگیا تھا کہ اس نے کمرے میں چھپے ہوئے آلات کی موجودگی سے واقف ہونے کے باوجود ایک ممنوع موضوع پر بات چھیڑ دی تھی۔ اگر اسے میرے بارے میں کوئی بریفنگ دی گئی تھی۔ تو اسے باہر جانے کے بعد اس کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔

"نریش جی کے لیے یہ مشکل تھا کہ وہ تمہارے ساتھ سر کھپاتے۔ میں بہت سی باتوں سے واقف ہوں۔ جو رہ گئی تھیں، وہ مجھے بتادی گئی ہیں" اس نے چھوٹے سے ریفریجریٹر کے پاس کھڑے کھڑے اپنے لیے ڈرائی جن کا ایک گلاس تیار کرتے ہوئے جواب دیا "دہلی سے جانے سے پہلے تمہارا پورے پس منظر سے واقف ہونا ضروری ہے تاکہ تم پاکستان لوٹنے کے بعد یکسوئی سے اپنا کام سرانجام دے سکو۔"

"کل تمہارے انکل اور نریش کی بریفنگ کے بعد بھی یہ ضرورت باقی تھی۔"

وہ اپنا گلاس لے کر دوبارہ صوفے پر لوٹ آئی "بات ہوگی تو تمہیں خود اندازہ ہوجائے گا۔"

"پھر تم کس انتظار میں ہو؟ بلاوجہ تجسس پھیلانے کے بجائے براہِ راست شروع ہوجاؤ۔"

"اف!" وہ منہ بنا کر تیکھی چتون کے ساتھ بولی "تم تو ہونٹ بھی تر نہیں کرنے دوگے۔"

اس نے اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور گلاس ہاتھ میں تھامے دوبارہ صوفے سے اٹھ گئی۔ میرے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے مجھے آنکھ مار کر میری پشت پر ایک ہلکی سی چٹکی لی اور ڈھٹائی سے میری مسہری پر نیم دراز ہوگئی۔

"کچھ تھکی ہاری معلوم ہورہی ہو" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "شاید بریفنگ نے تمہارے ننھے سے دماغ پر زیادہ اثر ڈالا ہے۔"

"کوئی سہولت میسر ہو اور آدمی اس سے فائدہ نہ اٹھائے تو ناشکرا کہلاتا ہے۔ تمہاری پہنچ جاچکی ہے۔ میری مانو تو تم بھی یہیں مسہری پر آجاؤ۔" مسہری پر وہ خفیہ کیمروں کی زد میں آئی ہوئی تھی جبکہ میں اس رینج سے باہر تھا۔ وہ اپنے مکالموں سے انڈین سیکرٹ سروس کے ایجنٹوں کو سنا رہی تھی کہ اس نے الوداعی ملاقات میں مجھے ایک مرتبہ پھر اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی تھی۔"

"میں یہیں ٹھیک ہوں۔ پتا نہیں تمہارے نریش نے میرے دماغ کی کون سی کل مروڑی ہے کہ اب زندگی کی ہر رنگینی سے دل اچاٹ ہوگیا ہے۔"

"یہ نئی خبر ہے" وہ تعجب آمیز آواز میں بولی "میں پہلی بار تم سے ملی تھی تو تمہارا رنگ ہی کچھ اور تھا۔ تم جیسا بھوکا درندہ میرے معاملے میں اتنا سرد کیسے ہوگیا؟"

"ہونے والی بات کو روکنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ یہ باتیں نریش کو معلوم ہیں۔ اپنی نئی کمزوری کی وجہ سے مجھے نریش کے سامنے بھی شرمندگی اٹھانی پڑی۔ اس سے پوچھو گی تو وہ تمہیں ہر بات بتادے گا۔"

"ابھی تم کہہ رہے تھے کہ نریش نے تمہارے دماغ کی کوئی کل مروڑی ہے۔ کیا اس نے تمہیں مجھ سے دور رہنے کی ہدایت دی ہے" اس نے چونک کر اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"میں کہہ رہا ہوں کہ یہ پیچیدہ کہانی ہے۔ اس نے کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ بس تم اسی سے بات کرلینا۔ اس وقت میں تمہاری زبان سے کوئی بریفنگ سننے کا منتظر ہوں۔ تم باتوں کے دوران بھی شراب نوشی کا شغل جاری رکھ سکتی ہو۔"

اس نے ڈرائی جن اور ٹانک واٹر کے محلول کا گلاس اپنے نرم و نازک اور آتشیں لبوں سے ہٹایا پھر ایک گہرا سانس لے کر بولی "بات ذرا کچھ زیادہ لمبی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کہاں سے شروع کروں۔"

"تم کہیں سے بھی شروع کردو۔ ساری کڑیاں خود بہ خود مل جائیں گی۔"

اس نے لمحہ بھر کے لیے کچھ سوچا پھر مجھ سے پوچھا "تم جان اسمتھ کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"کون جان اسمتھ!" میں نے بے ساختہ حیرت سے پوچھا "یہ نام میرے لیے اجنبی ہے۔"

"یہ وہی امریکی ہے جو ہوٹل سمراٹ کے ایک کمرے میں مردہ پایا گیا تھا۔" رینا نے میرے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اوہ!" میں نے ایسی صداکاری کی جیسے رینا کی زبان سے حوالہ سنتے ہی مجھے ہر بات یاد آگئی ہو "جو کچھ اخبارات میں آیا ہے، وہی میرے علم میں بھی ہے۔"

"میں وہی جاننا چاہتی ہوں" رینا نے اصرار کیا۔ اس نے بستر پر اپنی پوزیشن بدل لی تھی۔

"وہ ایک امریکی سفارتی افسر تھا جو تعطیلات پر دہلی آیا ہوا تھا۔ یہاں اسے مار دیا گیا مگر اس سے میری بریفنگ کا کیا تعلق ہے" میں نے اس کے اصرار پر اپنے وجود میں بے چینی اور اضطراب کی ایک گہری لہر دوڑتی ہوئی محسوس کی تھی۔

"ایسا نہیں تھا" رینا کے اگلے فقرے نے میرے ذہن میں بڑھتا ہوا دباؤ کم کر دیا۔ وہ بتا رہی تھی "جان امریکا کی ڈپلومیٹک کور کا رکن ضرور ہے مگر اس کا اصل تعلق امریکی سی آئی اے سے ہے۔ ان لوگوں کو امریکا سے باہر اپنا کام کرنے کے لیے اکثر ایسی سفارتی آڑ کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔"

"یہ گہرے راز کی باتیں ہیں، تم یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم لوگوں نے مجھے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا ہو" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"نہیں! تمہارے لیے یہ جاننا اس لیے ضروری ہے کہ تمہارے دل میں اعتماد پیدا ہو سکے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم نریش یا انکل کے لیے کام نہیں کرو گے۔ تم دنیا کی بڑی اور مضبوط ترین قوموں کے مشن کو آگے بڑھاؤ گے، جن میں امریکا سرفہرست ہے اور..."

"مگر امریکا کا ایک بڑا افسر تمہارے شہر میں بہت بے بسی کی موت مارا جا چکا ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "اس کے انجام سے حوصلے کے بجائے عبرت حاصل ہوتی ہے۔"

"یہ پاکستانی ایجنٹوں کی کھلی دہشت گردی تھی۔ ان کو!" میں نے ایک مرتبہ پھر معصومانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی "کیا ا ر ہ کے پاکستانی قاتل پکڑ لیے گئے؟"

"وہ پکڑے نہیں گئے کیونکہ دہشت گرد کی کوئی شناخت نہیں ہوتی، وہ کھل کر مقابلہ نہیں کرتے۔ سایوں کی طرح خاموشی سے نمودار ہوتے ہیں اور اپنا کاری وار کر کے دوبارہ اپنے بلوں میں چھپ جاتے ہیں۔ انہیں پکڑنے کے لیے جس سفاکانہ خوں ریزی کی ضرورت ہوتی ہے اس سے ہر مہذب طاقت گریز کرتی ہے۔ حالات بتا رہے ہیں کہ را کے دفتر میں آتش زنی اور جان کے قتل میں پاکستانی ایجنٹوں کا ہاتھ ہے۔ بھارت کی سرزمین پر کوئی اور قوت اتنی دیدہ دلیری سے سازشیں نہیں کر سکتی۔"

وہ اداکاری کو بھول کر یکایک جذباتی ہو گئی تھی۔ ایک بھارتی اور وہ بھی را کی ایجنٹ ہونے کے ناتے، اسے ایسے ہی ردِعمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا۔ میں نے گفتگو کو مخصوص دائرے میں محدود رکھنے کے لیے جلدی سے کہا "تم امریکا کے بارے میں کوئی اہم بات بتانے جا رہی تھیں۔"

"جان سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر تھا۔ وہ کراچی میں بیٹھ کر مسلمانوں کی عالمی دہشت گردی سے نمٹنے کے ایک بہت بڑے منصوبے پر کام کر رہا تھا۔" اس نے اپنے گلاس سے مزید ایک گھونٹ لینے کے بعد کہنا شروع کیا "پاکستانی خفیہ ایجنسیاں بہت خطرناک اور طاقت ور ہیں۔ ان کی درپردہ

امریکہ میں

پاکستانی/ ہندوستانی، سی ڈیز، آڈیو، وڈیو کیسٹ، رسالے

اخبارات اور کتابوں کے سب سے بڑے تقسیم کار

منصور بک شاپ

جیکسن ہائٹس نیویارک ✵ رابطے کیلئے 718-4469554

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حمایت سے کچھ لوگ جان اسمتھ کے خون کے پیاسے ہوگئے اور اس نے خطرے کی سنگینی بھانپتے ہوئے کراچی سے عارضی پسپائی اختیار کی۔ بظاہر وہ چند روز کی چھٹیاں گزارنے کے لیے دہلی کی محفوظ فضاؤں میں آیا تھا اس لیے مقامی حکام نے اس کی حفاظت کے لیے کوئی غیر معمولی بندوبست نہیں کیا۔ یہ سنگین چوک تھی۔ تم نے دیکھ لیا کہ اسے زہر دے کر مار دیا گیا۔"

وہ بات اخباروں میں نہیں آئی تھی۔ اس کی زبان سے زہر کا ذکر سنتے ہی میرے دل میں مزید جاننے کی خواہش پیدا ہوگئی۔ میں نے پوچھا "کیا اسے کھانے میں زہر دیا گیا تھا؟"

"یہ تفتیش ہو رہی ہے۔ اس کے معدے کی آلائش میں انتہائی سریع الاثر زہر پایا گیا ہے جو صرف خیبر کے پہاڑوں میں پائے جانے والے سانپ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ خیبر کا سانپ ہوٹل کے کمرے میں گھس گیا ہو۔ سمراٹ کے عملے نے کمرے کا کونا کونا چھان لیا۔ وہاں کوئی سانپ نہیں تھا۔ وہ خطرناک زہر کسی بیرونی طریقے سے اس کے بدن میں اتارا گیا اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر مر گیا۔"

"کیا یہ سب بھی تمہاری تازہ بریفنگ میں بتایا گیا تھا؟" میں نے نیک نیتی سے پوچھا۔

میرے سوال پر وہ قدرے چڑ گئی اور تیزی سے بولی "احمقانہ باتیں مت کرو۔ اہم واقعات سے ہم لوگ اپنے طور پر باخبر رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بریفنگ کچھ اور تھی۔ تم بار بار دخل اندازی کرکے مجھے اس موضوع سے ہٹا رہے ہو۔"

"سوری رینا! میں کوشش کروں گا کہ اب کوئی غیر متعلقہ سوال نہ کروں۔"

"میں تمہیں جان کے بارے میں بتا رہی تھی۔ اس وقت وہ پاکستان کے خلاف سب سے مضبوط مہرہ تھا جو ہماری فیصلہ کن چال سے پہلے پٹ گیا مگر جلد ہی کوئی اور اس کی جگہ لے لے گا۔ اس نے پورے خلوص سے یہ بات سمجھ لی تھی کہ پاکستان دنیا بھر میں ریاستی دہشت گردی کا سرخیل ہے۔ آئی ایس آئی کے ذریعے وہ لوگ منتخب دہشت گردوں کی پشت پناہی کرتے ہیں، انہیں پالتے ہیں، وسائل کی ایسی بھرمار کرتے ہیں کہ جلد ہی وہ خود کفیل ہوجاتے ہیں۔ پھر ان کو پڑوسی ملکوں میں ہانک دیا جاتا ہے۔ بھارت، کشمیر اور افغانستان ان کی توجہ کے خاص ملک ہیں۔"

"اب تم صرف پاکستان کی بات کر رہی ہو۔ تھوڑی دیر پہلے تم نے مسلمانوں کی عالمی دہشت گردی کا تذکرہ کیا تھا" میں نے اسے ٹوکا۔

"میں اسی طرف آرہی تھی۔ پاکستان کی ان کامیابیوں سے دنیا میں دوسرے دہشت گردوں کو تقویت مل رہی ہے۔ افغانستان میں جہاد کا نعرہ لگا کر روسیوں کو بری طرح مار آگیا۔ مجاہدوں کو برداشت کرنا اور ان کو مالی اور فوجی امداد فراہم کرنا امریکا کی مجبوری بن چکا تھا۔ روس افغانستان میں خاک چاٹ کر اپنے زخموں کو سہلاتا ہوا بھاگ نکلا۔ اس جنگ کے بھاری معاشی بوجھ اور سیاسی بحران نے روس کا تیا پانچا کردیا۔ آج افغانستان کی سرزمین پر روسی اور امریکی ہتھیاروں سے لیس، دنیا کا سب سے بڑا اسلامی لشکر موجود ہے جو ہر وقت جہاد کے جوش میں کھویا رہتا ہے۔"

"تمہاری یہ باتیں الجھی ہوئی اور ناقابلِ فہم ہیں" میں نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

"تھوڑی دیر میں سب کچھ تمہاری سمجھ میں آجائے گا" اس نے مجھے تسلی دی اور اپنی بات جاری رکھی "ایک طرف عالم اسلام کی طرف سے جہاد کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف مسلم دنیا کے پڑوسی ممالک بھیانک دہشت گردی کا شکار ہو رہے ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوکر رہ گیا ہے اور امریکا نے حالات کے رخ کو بھانپ کر اس ابہام سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ جان اسی منصوبے پر کام کر رہا تھا۔"

"تم نے بہت بے رحمی سے جہاد اور دہشت گردی کو یکجا کردیا" میں نے احتجاج کیا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم مسلمان ہو۔ تمہیں میری بات بری لگے گی۔ میں ہندو ہوں، میں تمہارے دھرم کو نہیں مانتی اس لیے جہاد کو بھی نہیں مانتی۔ یہ بتاؤ کہ جہاد کے نام پر پاکستان سے ہتھیار اور گولا بارود لے کر کشمیر پر چڑھائی کرنے والوں کو میں کیا نام دوں؟ انہیں دہشت گرد نہیں تو کیا کہوں؟"

"یہ دوسروں کے مذہب پر رکیک حملہ ہے۔ تم جہاد کی روح کو سمجھے بغیر ایسی باتیں کر رہی ہو۔"

"مظہر! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں ہندو گھرانے میں پیدا ہوئی اس لیے ہندو ہوں۔ مجھے جہاد کی روح کو سمجھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو یہ دیکھتی ہوں کہ کچھ لوگ مرنے مارنے کا ارادہ کرکے ہتھیار اٹھاتے ہیں اور ان کے حریفوں پر موت راج کرنے لگتی ہے۔ یہ میری نہیں، ساری غیر مسلم دنیا کی سوچ ہے۔ تم مجھ سے بحث کرسکتے ہو۔ شاید مجھے قائل یا خاموش بھی کردو لیکن امریکا اور پوری دنیا کو کون سمجھائے گا؟ میں تم سے صرف اپنی نہیں، امریکا اور اس کے سارے حلیفوں کی بات کر رہی ہوں۔"

کوئی سخت بات کہہ کر اسے بھڑکانا مناسب نہیں تھا۔ وہ عالمی فتنوں کی بات کر رہی تھی۔ ان کے ذہنوں میں چھپے ہوئے زہر کو اپنے بڑوں کی ہدایت پر میرے سامنے اگل رہی تھی۔ میرے لیے یہی بہتر تھا کہ خاموش رہ کر اس کی ہر بات سنتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہوں اور اعتراض کرکے اسے ناراض نہ کروں تاکہ کسی بڑی اور ہولناک عالمی سازش کا تانا بانا میرے سامنے آسکے۔ میرے لیے وہ سنہرا موقع تھا جسے گنوانا مناسب نہیں تھا۔

"اپنے مذہب سے ہر ایک کو محبت ہوتی ہے" میں نے تھوڑے سے توقف کے بعد کہا "یہ سب باتیں میری برداشت سے باہر ہیں لیکن تم مجھے دوسروں کی سوچ کے بارے میں بتارہی ہو تو میں ہر بات سننے پر مجبور ہوں' تم اپنی بات جاری رکھ سکتی ہو۔"

"امریکا دنیا کا سب سے زیادہ طاقتور اور ترقی یافتہ ملک ہے" اپنے مشروب کا ایک بڑا گھونٹ لے کر وہ دوبارہ بولنے لگی "ان کا ملک دو طرف سے وسیع سمندروں سے گھرا ہوا ہے۔ ان کو بجا طور پر یہ زعم ہے کہ باہر سے کوئی ان پر حملہ آور نہیں ہوسکتا مگر وہ اپنے ہم مذہبوں کے لیے مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے خطرے کی طرف سے سخت فکرمند ہیں۔ انہیں مستقبل کا نقشہ بھیانک نظر آرہا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان جہادی قوتوں کو کھلی چھوٹ دی گئی تو مستقبل میں دنیا اسلامی غلبے میں آجائے گی۔"

"یہ ان کا گمان ہے۔ وہ بھول گئے کہ خلیج کی جنگ میں سب سے پہلے دو مسلمان ملک ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے تھے۔"

"وہ ایک واقعہ تھا۔ دوسرے واقعات میں تسلسل ہے۔ یورپ میں بحران چل رہا ہے۔ جگہ جگہ مسلم باغی سر اٹھا رہے ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں اسرائیلی' بارود کے ڈھیر پر جی رہے ہیں۔ آئے دن فلسطینی مجاہدان کے فوجیوں کو مارتے رہتے ہیں۔ کشمیر میں سب سے برا حال ہے جہاں غیر مسلم اپنی زمین پر اجنبی بنادیے گئے ہیں۔ امریکا بہت غور اور تشویش سے یہ سب دیکھنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ عالمی پیمانے پر جہادی قوتوں کی سرکوبی کا وقت آپہنچا ہے۔"

"تو کیا امریکا مجاہدوں کے خلاف کسی بڑی جنگ کی تیاری کررہا ہے؟"

"یہ نکتہ امکانات سے خارج نہیں ہے۔ پہلے مرحلے میں جہادی قوتوں کے خلاف فضا سازگار کی جارہی ہے۔ بعض دہشت گردوں کو بیانات کے ذریعے مجاہدوں کا ساتھی قرار دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف معروف مجاہد رہنماؤں پر دہشت گردی کے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ پروپیگنڈے کے ذریعے انہیں اور ان کے اقدامات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔"

"یعنی امریکی عالمی پیمانے پر برین واشنگ کا عمل کررہے ہیں؟"

"تم چاہو تو یہ بھی سمجھ سکتے ہو۔ امریکی اپنی دانست میں دنیا کو نئے عالمی خطرے سے آگاہ کررہے ہیں۔"

"اس سے تلخیاں بڑھانے کے سوا اور کیا مقصد حاصل ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ ہوم ورک ہے۔ دنیا میں روزِ اول سے دہشت گردیاں ہوتی آئی ہیں۔ جب تک کاروبارِ حیات جاری ہے' یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا۔ ایک مرتبہ رائے عامہ سازگار ہوگئی اور امریکیوں کو عالمی حمایت ملنے کا یقین ہوگیا تو یہ دہشت گردی کے کسی بھی بڑے واقعے کو بنیاد بناکر ان دہشت گردوں کے خلاف بھرپور محاذ کھول دیں گے جن کا یہ من مانا امیج بنارہے ہیں۔"

"امریکا کا مخالف کیمپ بھی نادان نہیں ہے جو ان چالوں کو نہ سمجھ سکے۔"

"سمجھتے رہیں۔ ان کی آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوگی۔ عالمی میڈیا پر یہودی قابض ہیں۔ وہ اسرائیلی مفادات کی وجہ سے امریکا کے ساتھ ہیں۔ وہ مخالفانہ آوازوں کو سختی سے دبادیں گے پھر وہی ہوگا جو امریکا چاہتا ہے۔"

"ان اشتعال انگیزیوں سے برافروختہ ہوکر کوئی امریکا کے خلاف بھی کارروائی کرسکتا ہے۔"

"انہیں یقین ہے کہ امریکا کی سرزمین ایسے ہر خطرے سے محفوظ ہے پھر بھی اگر ایسا ہوہی گیا تو وہ کرۂ ارض پر جہادی قوتوں کا آخری دن ہوگا۔ امریکا ان کے خلاف میدانِ عمل میں کود پڑے گا۔ وہ دوسروں کے خلاف ہونے والی کسی بڑی دہشت گردی پر جہادی قوتوں کو للکارنے کی تیاری کررہے ہیں۔ ان کے اپنے اوپر کوئی قیامت گزر گئی تو وہ جوشِ انتقام میں پاگل ہوکر کچھ بھی کرسکتے ہیں۔"

"وہ دہشت گردی اور جہاد کو خلط ملط کرکے غلطی کررہے ہیں۔ انہیں جہاد سے خوف کیوں ہے؟"

"یہ سبق شاید انہوں نے تاریخ سے سیکھا ہے۔ آج کے خلائی اور مواصلاتی دور میں دنیا کا ہر غیر مسلم' مجاہدوں

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورتِ دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے خوف زدہ ہے کیونکہ جہاد کا فلسفہ ہی عجیب و غریب ہے۔ تم مسلمان اپنے اللہ کی راہ میں لڑ کر زندہ رہو تو غازی ہوتے ہو' لڑتے لڑتے مرجاؤ تو شہید کے رتبے پر امر ہو جاتے ہو۔ یہ فلسفہ ہر مجاہد کو زندگی اور موت سے بے پروا بنا دیتا ہے۔ کسی مقصد کے لیے جانیں قربان کرنے کا ایسا درس دوسرے مذاہب میں نہیں ملتا۔"

"تم مجھے یہ بتا کر دہشت زدہ کرنا چاہ رہی ہو کہ امریکا مسلمانوں کے خلاف ایک عالمگیر لڑائی کی تیاری کر رہا ہے' کیونکہ وہ مجاہدین سے خائف ہے۔"

اس نے بستر پر لیٹے لیٹے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور کہا "شاید اگلی لڑائی قرونِ وسطیٰ کی صلیبی جنگوں کو بھی مات کر دے گی۔"

اور اس منصوبے میں بھارت بھی شریک ہے؟" میں نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"ہم شریک نہ ہوتے تو مجھے یہ سب معلوم نہیں ہو سکتا تھا" اس کا جواب بہت سیدھا سا تھا۔

"اس جنگ جوئی سے بھارت کو کیا فائدہ حاصل ہو گا؟"

"پوری بات اوپر والوں کو معلوم ہو گی مگر ایک نتیجہ بالکل سامنے نظر آتا ہے۔ ہمارے گرد دوستوں کی بھیڑ ہے۔ پڑوسیوں میں پاکستان ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس کی ساری ایٹمی سرگرمیاں پراسرار اور ہمارے خلاف ہیں۔ جب جنگ کا بگل بجے گا تو پاکستان بھی اس کی زد میں آئے گا۔ یہ مسلمان ملک ہے۔ کشمیر کے نام پر دل کھول کر مجاہدوں' باغیوں اور دہشت گردوں کی بھاری امداد کرتا رہتا ہے۔ اس کا سر کچلے بغیر جہاد کے فلسفے سے جان نہیں چھڑائی جا سکتی جس دن پاکستان کا وجود ختم ہوا' پورے علاقے میں سکون ہو جائے گا پھر اس علاقے میں صرف بھارت کے نام کا ڈنکا بجے گا۔"

"علاقے میں اپنی بالادستی کے لیے تم ایک عالمی سازش کا ایندھن بننا گوارا کرلو گی؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"دوست! یہ مجبوری ہے۔ جب دشمن سیدھے راستے سے قابو میں نہ آئے تو اس کی پیٹھ میں چھری گھونپ دو۔ ہم کب تک اپنے سپاہیوں کی لاشیں اٹھاتے رہیں گے۔"

"یہ راز کی باتیں ہیں۔ تم نے میرے سامنے کیوں اگل دیں۔"

"یہ راز کی باتیں نہیں ہیں۔ دہلی اور کول کتا کی سڑکوں پر ٹہلنے والے بھی جانتے ہیں کہ اب ہم دل و جان سے امریکا کے پیچھے ہیں۔ ہر بھارتی جانتا ہے کہ امریکا کی مدد کے بغیر ہم پاکستان کے بھیجے ہوئے نام نہاد مجاہدوں کا صفایا نہیں کر سکتے۔ جہاں دو چار پڑھے لکھے لوگ جمع ہوتے ہیں' وہاں یہی سب باتیں ہوتی ہیں۔ لوگوں کے ذہنوں میں سب کچھ ہے مگر انہیں یہ پتا نہیں کہ اس پر عمل کیسے ہو سکے گا۔ میں نے تمہیں صرف یہی ایک بات بتائی ہے۔"

"تمہیں یہ اندیشہ نہیں کہ میں یہاں سے لوٹ کر یہ کہانی کسی اور کو سنا دوں گا۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑی "ضرور سنا دینا۔ لوگ فکشن کو شوق سے پڑھتے اور سنتے ہیں۔ سب اسے تمہاری ذہنی اختراع قرار دیں گے۔ کوئی اس پر یقین نہیں کرے گا۔ شاید پاکستانی کچھ اور سوچتے ہوں کیونکہ وہ مسلمان اور جہاد کے حامی ہیں۔ یہاں بھارت میں لوگ دونوں سے چڑتے ہیں اور آپس میں وہی باتیں کرتے ہیں جو امریکا طے کر چکا ہے۔"

"تم نے اپنے قیمتی وقت کا ایک قابلِ ذکر حصہ بریفنگ دینے میں صرف کیا۔" میں نے ہلکے سے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "کیا واقعی نریش نے تمہیں ہدایت کی تھی کہ یہ سب باتیں مجھے بتا دی جائیں۔" اس سے یہ سوال کرتے ہوئے میں واقعی حیران تھا۔

"ہاں۔" اس نے گلاس سے گھونٹ لے کر میرے سوال کا جواب دیا۔

"اس طرح وہ کیا مقصد حاصل کرنے کی توقع کر رہا ہے؟"

"ہمارے نیٹ ورک میں تمہارے اعتماد کو بڑھانا تاکہ تم ہم سے منحرف ہونے کے بارے میں نہ سوچ سکو۔"

"اس یقین دہانی کے لیے کیا میری اور تمہاری وہ ویڈیو فلم کافی نہیں ہے جو اس کے قبضے میں ہے؟" میں نے اسے آنکھ مار کر پوچھا۔

"شاید میں نے کبھی تمہیں بتایا ہو کہ ہماری صفوں میں وہی لوگ رہتے ہیں جو دل و جان سے کام کرنے کے آرزومند ہیں۔ انکل کسی سے زبردستی کام لینے کے قائل نہیں ہیں۔ کام سے اکتائے ہوئے ایجنٹ کو وہ گھر بھیجنے میں ذرا تاخیر نہیں کرتے۔"

"اس موقع پر یہ بات دہرا کر تم مجھے کیا جتانے کی کوشش کر رہی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"ابھی تک تمہارے دماغ پر ویڈیو فلم کا دباؤ ہے۔" اس نے دعوت انگیز اور شوخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اب تمہیں پتا چلا ہے کہ تم خوش قسمتی سے ایسے نیٹ ورک کا حصہ بن گئے ہو جسے امریکا جیسی منظم سپر پاور کی سرپرستی حاصل ہے تو تم دباؤ سے آزاد ہو کر نئی لگن سے کام کرو گے۔ انکل ایسے کارکنوں سے محبت کرتے ہیں۔"

"تم جیسی کارکنوں سے انکل کیا' ہر ایک محبت کر سکتا ہے۔ اتنے ذرا سے کام کے لیے عالمی سیاست کو گھسیٹنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔" مجھے اندازہ تھا کہ میرے ان الفاظ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں سرکشی کی بو موجود تھی مگر میں نے بلا جھجک وہ بات کہہ ڈالی۔ میری وہ ہلکی پھلکی سرکشی گفتگو سننے والوں کے لیے طمانیت کا باعث ہوتی کہ میں اپنی آوازوں کے پیچھے ان کی خفیہ سرگرمیوں سے بے خبر تھا۔

پتھر ہوگئے ہو مگر باتیں اب بھی رنگین ہیں۔" رینا نے اپنا گلاس خالی کرکے ہلکی سی انگڑائی لی۔

"میں خود اپنے جمود سے اکتا گیا ہوں۔ اپنے رنگ میں زندگی کا مزہ لوٹنا چاہتا ہوں مگر نریش کی خوف ناک آنکھیں میرے جذبات پر ناگ بن کر بیٹھی ہوئی ہیں۔"

"کیا نریش نے تم کو کچھ کہا ہے؟" رینا نے چونک کر پوچھا۔

"تم باخبر رہتی ہو تو تمہیں اس تشدد کا بھی علم ہونا چاہیے جس سے مجھے گزرنا پڑا تھا۔" میں نے پچھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ مجھے معلوم ہے۔ مردانہ کھیل میں مردوں کے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے۔" اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"بس اسی نے میرا بیڑا غرق کیا ہوا ہے۔" میں نے اکتا کر کہا پھر فوراً ہی پوچھا "ہمارے ساتھ باہر چلو گی؟"

"آج دہلی میں تمہارا آخری دن ہے۔ تم چاہو گے تو ضرور باہر چلوں گی۔"

"پھر میں غزالہ کو بلائے لیتا ہوں۔" یہ کہتا ہوا میں فون کی طرف بڑھ گیا۔

رینا اجیت رائے نے میرے بگ بکے ہوئے کمرے میں بیٹھ کر جو طویل گفتگو کی تھی اس نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ یہ بھی ظاہر ہوگیا تھا کہ اس وقت وہ اپنی مرضی سے میرے پاس نہیں آئی تھی۔ اسے مخصوص پیغام کے تحت میرے پاس بھیجا گیا تھا۔

میری دہلی سے روانگی سے ایک دن پہلے سامنے آنے والی وہ ملاقاتی میرے لیے یکسر ناقابلِ فہم تھی۔ میں رینا کے ساتھ اس کمرے سے باہر نکلنے کے بعد ہی اس بارے میں کھل کر کوئی بات کر سکتا تھا۔

○☆○

وہ دن کا وقت تھا مگر کمرے میں دن کے اجالے کی بھرپور رسائی نہیں تھی۔

غزالہ نے ہم سے رخصت ہونے کے بعد اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو کھڑکیوں کے دبیز پردے سے چھن کر اندر آنے والی ناکافی روشنی میں اسے کسی خطرے کا ادراک نہیں ہوسکا۔ وہ بے دھڑک اندر داخل ہوگئی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی داہنے ہاتھ پر باتھ روم کا بند دروازہ تھا۔ اس گزرگاہ نے مختصر سی راہ داری کی صورت اختیار کی ہوئی تھی۔ وہ جوں ہی آگے بڑھی تو اس کی نظر ایک خبیث انسانی چہرے پر پڑی۔ وہ شخص اپنے سر کو دونوں ہتھیلیوں میں لٹکائے مسہری پر اس طرح دراز تھا کہ اس کا چہرہ داخلی راستے کی طرف تھا۔ وہ ہونٹوں پر گندی مسکراہٹ لیے اپنی چمک دار نگاہوں سے غزالہ کو تکے جا رہا تھا۔

غزالہ کے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔ اس نے الٹے قدموں لوٹ جانا چاہا لیکن مسہری پر لیٹے ہوئے شخص نے اس کے خیالات بھانپ کر ایک جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور سرگوشیانہ آواز میں بولا "لوٹنے کی ضرورت نہیں۔ اندر آجاؤ۔ میں برا آدمی نہیں ہوں۔"

غزالہ کو یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ اس تنومند اور دراز قامت شخص کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ غزالہ نے اسے گھور کر دیکھا اور غراتے ہوئے پوچھا۔ "تم کون ہو اور میرے بند کمرے میں کیسے گھسے ہو؟"

"رام قسم' ناراض ہوکر تو اور زیادہ زوردار لگ رہی ہو۔" وہ لوفرانہ انداز میں بولا "اندازہ لگاؤ کہ ہم کون ہوسکتے ہیں۔"

اس کے تیور گندے تھے۔ غزالہ کے وجود میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ وہ لفنگا اس کے سامنے تھا' دروازہ اس کی پشت پر تھا۔ وہ پلٹ کر دوڑ لگاتی تب بھی کامیابی کا امکان نہیں تھا۔ وہ لوفر لپک کر دروازہ کھولنے سے پہلے اسے دبوچ لیتا اور وہ اس کی بری گرفت میں پھنس جاتی' اس کی چھٹی حس اسے بتا رہی تھی کہ اس کا اجنبی سے دور اور ہوشیار رہنا ہی اس کے لیے سودمند ثابت ہوسکتا تھا۔

"تم ایک خبیث اور غلیظ آدمی ہو۔" غزالہ نے غصے کی زیادتی سے اپنے نچلے ہونٹ کا ایک گوشہ چباتے ہوئے جواب دیا "ایک عورت کے کمرے میں چور کی طرح گھسنے والا کوئی شریف آدمی نہیں ہوسکتا جس طرح آئے ہو' اسی طرح کان دبا کر نکل جاؤ ورنہ میں ہوٹل والوں کو بلاتی ہوں۔"

"چلے جائیں گے مگر پہلے ہمارا دل تو ٹھنڈا کردو۔ دو روز سے تمہیں دور ہی دور سے دیکھ رہے ہیں اور ہاں! شور شرابا نہ کرنا۔ لوگ آئیں گے تو بلاوجہ تمہارا تماشا بن جائے گا۔ سیر سپاٹے کے لیے دیس بدیس میں اکیلی نکلنے والی لڑکیوں کو کوئی اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔"

"اس خیال میں نہ رہنا۔ میں اکیلی نہیں ہوں۔" غزالہ غصے سے اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔ اجنبی نے اس کی بات درمیان سے اچک لی۔

"ہاں۔ مجھے معلوم ہے۔ تمہارا ایک یار بھی ہے۔ وہ اپنی لونڈیا کے ساتھ مزے اڑا رہا ہے تو تم بھی ہمارے ساتھ موج کرو۔ ہم تو اسی لیے آئے تھے کہ اپنے ساتھ کچھ تمہارا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی دل خوش کردیں گے۔ آؤ! آرام سے یہاں آکر بیٹھ جاؤ۔" اس نے سرہلا کر مسہری کی طرف اشارہ کیا تھا۔

غزالہ کا ذہن اس وقت بھی بہت تیزی سے سوچنے میں مصروف تھا۔ کمرے میں پیش قدمی کرنے کے بعد آسانی سے نکل بھاگنا ممکن نہیں تھا۔ فون دسترس سے باہر تھا۔ شور مچاتی تو آس پاس کے کمروں میں رہنے والے ضرور متوجہ ہوتے لیکن سب سے پہلے ہوٹل کا عملہ اندر آتا اور وہ لوگ ہوٹل کو کسی بدنامی سے بچانے کے لیے وہ معاملہ کمرے میں ہی رفع دفع کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ عورت ذات تھی۔ اس وقت سنگین خطرے میں گھر گئی تھی۔

اس وقت تک غزالہ یہ سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھی کہ اس کے کمرے میں گھس آنے والا شخص کون تھا۔ اس کے آنے کا مقصد اس کی نگاہوں اور باتوں سے سامنے آچکا تھا۔ غزالہ کو ویرا کی زبانی یہ معلوم تھا کہ مغرب کے آزاد معاشرے میں یہ ہوتا رہتا تھا کہ چھوٹے ہوٹلوں میں ٹھہرنے والی اکیلی خواتین کے دروازوں پر رات گئے مدہوش اور بدنیت مرد دستک دیتے ہیں۔ دروازہ کھلنے پر ذرا سا بھی حوصلہ افزا جواب ملے تو وہ خوشامدانہ انداز میں' ہزار معذرتوں کے ساتھ کچھ ایسی کہانیاں تراشتے ہیں کہ عزت و آبرو کو سب کچھ نہ سمجھنے والی خواتین اپنے وقت کو "بہتر" انداز میں گزارنے کے لیے انہیں اندر بلانے پر مجبور ہوجاتی ہیں۔ باکردار مغربی عورتیں اول تو رات گئے اپنا دروازہ ہی نہیں کھولتیں۔ یہ غلطی کر بھی ڈالیں تو اجنبی چہرے کو اپنے رو بہ رو پاکر کرختی سے جھڑک دیتی ہیں۔

معاً غزالہ کو انڈین سیکرٹ سروس یاد آگئی۔ وہ لوگ مسلسل میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ صبح میں نے فون پر نریش شرما کو ایک کہانی سنا کر بالواسطہ طور پر یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ میرا پیچھا ترک کردے کیونکہ پتھروں سے جتنا بھی سر پھوڑ لیا جائے' تیل برآمد نہیں ہوتا۔

وہ مجھ سے مایوس ہوچکے تھے۔ اس شام رینا میرے پاس آنے والی تھی۔ شاید نریش کو یہ بات معلوم ہوچکی تھی کہ رینا کی موجودگی میں غزالہ کمرا چھوڑ دیتی ہے۔ وہ موقع کی تلاش میں لگ گئے۔ ادھر رینا میرے کمرے میں پہنچی اور ادھر ایک بدمعاش غزالہ کے خالی کمرے میں گھس گیا۔ اس کمرے میں کیمرے نصب تھے اور ان کا رخ مسہری کی طرف مرکوز تھا۔ وہاں جو کچھ بھی ہوتا کیمروں کی زد سے محفوظ نہ رہ پاتا۔

اس شخص کی پوری کوشش تھی کہ وہ غزالہ کو بہلا پھسلا کر اپنے جال میں پھانس لے۔ را کے دوسرے ایجنٹوں کے برعکس وہ زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا اس لیے اس کی کوششیں کراہیت آمیز حد تک بھونڈی اور بازاری تھیں۔ شاید را والوں نے معاوضہ دے کر عارضی طور پر اس کی خدمات حاصل کی تھیں۔

وہ دہلی کا کوئی بازاری غنڈا سہی لیکن را والوں کی پشت پناہی کی وجہ سے اس وقت شیر بنا ہوا تھا۔ غزالہ دیکھ چکی تھی کہ اس فائیو اسٹار ہوٹل کی انتظامیہ را کے اختیارات کے سامنے بے بس تھی۔ وہ ہوٹل کے عملے کو بلانے میں کامیاب ہوجاتی تو ان سے کسی منصفانہ ہمدردی کی کوئی امید نہیں تھی۔ شاید غزالہ کو ہی شرمسار ہونا پڑتا۔ اس نے بہت سرعت سے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے طور پر اس بدمعاش سے نمٹنے کی کوشش کرے گی۔

"تم میرے کمرے سے جاتے ہو یا میں تمہارا کوئی اور بندوبست کروں۔" غزالہ نے اسے گھورتے ہوئے درشت لہجے میں کہا۔

"ایک بار میرے قریب آجاؤ پھر میں تمہاری ہر بات مان لوں گا۔" اس نے فضا میں دونوں ہاتھ پھیلا کر فلمی انداز میں کہا۔

اسی لمحے غزالہ کے پیروں میں گویا اسپرنگ لگ گئے۔ وہ اپنی جگہ سے فضا میں اڑتی ہوئی اپنے شکار پر جاپڑی۔ اس کے دونوں پیر پوری قوت سے اس غنڈے کے سینے پر پڑے تھے۔ وہ ایک دبی دبی غراہٹ کے ساتھ قالین پر دور جاگرا اور غزالہ دوسری طرف نکل گئی۔

غزالہ مارشل آرٹس میں کامل مہارت رکھتی تھی لیکن اسے اپنے جوہر آزمائے ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کے کمرے میں زیادہ دیر تک دھما چوکڑی جاری رہی تو کوئی نہ کوئی اس کی طرف متوجہ ہوجائے گا۔

اپنے قدموں پر توازن درست کرتے ہی وہ دوبارہ اپنے شکار کی طرف پلٹ پڑی۔ اس لمحے جو کچھ ہوا' بہت تیزی سے ہوا اس لیے غزالہ کو اپنی انگلی میں موجود وہ انگوٹھی استعمال کرنے کا خیال نہیں آیا جو اس کے شکار کو چشم زدن میں بے ہوش کرسکتی تھی۔ اس نے غضب ناک انداز میں اپنی داہنی ہتھیلی پوری طرح کھول کر فضا میں بلند کی' اس کا شکار سنبھل کر قالین سے اٹھنے کی کوشش کررہا تھا کہ غزالہ نے حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکال کر اس پر دوسرا وار کردیا۔

ندیدے بدمعاش کی کنپٹی پر غزالہ کی نرم و نازک ہتھیلی کی کھڑی ضرب اس قدر شدید تھی کہ وہ اٹھنے سے پہلے ایک ہچکی لے کر فرش پر دوبارہ ڈھیر ہوگیا۔

ہچکی کے ساتھ اس کے معدے سے کسی دیسی شراب کا تیز اور ناقابل برداشت بھپکا برآمد ہوا جس نے کچھ دیر کے لیے کمرے کی فضا مکدر کردی۔

غزالہ نے بجلی کی سی سرعت سے اپنا کام مکمل کیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے ڈر تھا کہ کہیں غصے کی وجہ سے اس کی ضرب شدید نہ ہوگئی ہو۔ اس نے جھک کر بے ہوش پڑے ہوئے آدمی کی نبض دیکھی جو چل رہی تھی اور پھر اسے ٹھوکر مار کر مسہری پر آگئی۔

وہ ایک سنگین اور اہم واقعہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ انڈین سیکرٹ سروس والوں کو کمرے میں لگے ہوئے حساس مائیکروفونز کے ذریعے یہ علم ہوچکا ہوگا کہ ان کا بھیجا ہوا بدمعاش اپنے مقصد کے حصول میں بُری طرح ناکام ہوچکا تھا۔ اس کی مدد کے لیے کسی بھی لمحے را والے دروازے پر دستک دے سکتے تھے۔

غزالہ کے لیے وہ مرحلہ جاں گسل تھا۔ اس نے ہمت اور حوصلے سے کام لے کر اپنے ایک موذی دشمن کو زیر کرلیا تھا لیکن اس کے اعصاب قابو میں نہیں تھے۔ وہ ایک دشمن ملک میں درندہ صفت دشمنوں میں گھری ہوئی تھی جو میرے اور اس کے ساتھ گھناؤنا کھیل کھیل رہے تھے۔ اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ اس کے پاس عافیت کے کتنے لمحے باقی رہ گئے تھے۔ اسے فوری طور پر مدد اور سہارے کی ضرورت تھی جس کے لیے اس کے ذہن میں صرف میرا نام گونج رہا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ میں نے محض انسانی ہمدردی کے جذبے کا بھرپور اظہار کرکے را کی صفوں میں رینا کو اپنا مطیع بنالیا تھا۔ غزالہ کے کڑے وقت میں' میں رینا سے اپنی آخری ملاقات میں مصروف تھا جس میں بہت سی اہم باتیں میرے علم میں آنے کا امکان تھا۔ وہ موقع گنوا دینے کے بعد ہم کبھی ان معلومات تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے تھے۔ خلوت میں ہونے والی میری اور رینا کی ملاقات سے ملک کا مفاد وابستہ تھا جب کہ دوسری طرف غزالہ کی ذات خطرات میں گھری ہوئی تھی۔

وہ سوچتی رہی۔ اس کے لیے کوئی ایک فیصلہ کرنا محال ہورہا تھا۔ آخر اس نے تن بہ تقدیر ہوکر سینے پر پتھر رکھ لیا۔ ملک کے سامنے فرد کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ مرجاتی تو پاکستان کی کوئی بھی بیٹی اس کی جگہ لے سکتی تھی لیکن پاکستان کے کسی نقصان کا ازالہ ہونا ناممکن تھا۔ اگر ملک کو کسی قربانی کی ضرورت تھی تو وہ اپنا لہو دینے کے لیے تیار تھی۔ اس نے تہیہ کرلیا کہ وہ انٹرکام کے ذریعے بھی میری اور رینا کی گفتگو میں مخل نہیں ہوگی۔

دہلی کے خبیث غنڈے کا بھاری وجود کسی بے جان لاش کی طرح کمرے کے قالین پر پڑا ہوا تھا۔ کسی غیر ضروری ناگہانی آفت سے بچنے کے لیے اس کا وہاں سے ہٹایا جانا ضروری تھا۔ غزالہ کے بدن میں بجلی سی سرایت کرگئی۔

اس کے سامان میں کوئی قابلِ ذکر چیز موجود نہیں تھی۔

اس نے درازوں وغیرہ کی تلاشی لینا شروع کردی۔ اس وقت اس کا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ وہ دیوانہ وار ہر چیز کو الٹ پلٹ رہی تھی۔ آخر کار اسے کاٹن ٹیپ کا وہ مضبوط رول مل گیا جو ہوٹل والوں نے اپنے مہمانوں کی ازار بند وغیرہ کی ضروریات کے لیے کپڑوں کی الماری کے ایک خانے میں رکھا ہوا تھا۔

وقت کی رفتار یک بیک سست ہوگئی تھی۔ غزالہ کو ایک ایک لمحہ صدیوں سے زیادہ بھاری محسوس ہورہا تھا۔ اس نے کاٹن ٹیپ کی مدد سے بے نام بدمعاش کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر لے جاکر جکڑ دیے پھر بے ہوش قیدی کے پیر بھی ملا کر سختی سے باندھ دیے تاکہ وہ ہوش میں آنے کے بعد بھی آزادی کے ساتھ نقل و حرکت نہ کرسکے۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے اپنی کارگزاری کا ناقدانہ جائزہ لیا اور پھر اس بندھے ہوئے نیم مردہ کو باتھ روم کی طرف کھینچنا شروع کردیا۔

اس وقت غزالہ نے بے مثال استقامت سے کام لیا۔ ایک طرف اسے را کے مددگاروں کی دخل اندازی کا دھڑکا لگا ہوا تھا دوسری طرف وہ خود اعصابی انتشار میں مبتلا تھی۔ اس کے لیے قیدی کے بھاری وجود کو گھسیٹنا دشوار ہورہا تھا۔ اسے باتھ روم میں پہنچانے تک اس کا سانس بری طرح پھول گیا اور وہ ہانپنے لگی۔

بندھے ہوئے بے ہوش قیدی کو باتھ روم میں بند کرکے وہ ریفریجریٹر کی طرف آئی اور ٹھنڈے پانی کے دو گلاس غٹاغٹ چڑھا گئی۔ پانی پینے سے ذرا سا سکون ملا تو اس کے ذہن میں ایک نیا خیال کوندا۔ وہ اپنے تھیلے سے روئی کا پیکٹ لے کر دوبارہ باتھ روم میں جا گھسی۔

اس نے چھوٹے ٹکڑوں کی صورت میں روئی کا آدھے سے زیادہ پیکٹ قیدی کے حلق تک ٹھونس دیا اور دوبارہ باتھ روم سے نکل آئی۔

وہ مشینی اور غیر ارادی طور پر وہ سب کرتی چلی آرہی تھی۔ اس نے قیدی کو اس بری طرح بے بس کردیا تھا کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد بھی اپنی نجات کے لیے کچھ نہیں کرسکتا تھا مگر وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ میرے فارغ ہونے کے بعد بھی اس سے کیسے چھٹکارا پایا جائے گا۔

اپنے کمرے میں کچھ دیر تک ٹہلنے کے بعد وہ تھک کر مسہری کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ اس کے کان انٹرکام کی طرف لگے ہوئے تھے۔ اسے پوری امید تھی کہ رینا سے مذاکرات ختم ہوتے ہی میں اس سے رابطہ کروں گا اور اس کی مشکل آسان ہونے کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔

اسے اپنا قیدی گلے کی ہڈی بنتا نظر آرہا تھا۔ اسے زیادہ سے زیادہ کمرے سے نکال کر ہوٹل کی راہ داری میں ڈالا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاسکتا تھا۔ اس کام کے لیے میدان صاف ہونا ضروری تھا۔ رات گئے ہوٹل کے عملے اور مہمانوں کی بے خبری میں وہ کام کیا جاسکتا تھا لیکن اصل خطرہ را کے ایجنٹوں کی طرف سے تھا۔ انہوں نے غزالہ کی تذلیل کے لیے اپنے کرائے کا آدمی اندر بھیجا ہوا تھا۔ اس کی واپسی تک وہ ایک لمحے کے لیے بھی غزالہ کے کمرے سے غافل نہیں ہوسکتے تھے۔ جوں ہی وہ کسی کو بھاری انسانی وجود کے ساتھ غزالہ کے کمرے سے نکلتا ہوا دیکھتے، اچانک سامنے آکر ہم کو رنگے ہاتھوں گرفتار کرلیتے۔ غزالہ کو میری آمد کے بعد بھی وہ مسئلہ حل ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔

وقت سسک سسک کر گزرتا رہا۔ غزالہ ہولناک اندیشوں کی دلدل میں ڈوبتی اور ابھرتی رہی۔ اپنی توہین اور اجنبی کے جارحانہ تیوروں پر مشتعل ہوکر غزالہ ایک انتہائی قدم اٹھاچکی تھی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہوتا جارہا تھا کہ اس نے غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔

میں اس پر گزرنے والی قیامت سے بے خبر رینا کو کریدنے میں مصروف تھا۔ غزالہ کی بے چینی ہر لمحے بڑھتی جارہی تھی جو رفتہ رفتہ تشویش میں بدل گئی تھی۔ اچانک کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور غزالہ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ پھٹی پھٹی اور خوف زدہ نگاہوں سے بند دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ طویل انتظار سے اکتاکر آخر کار را کے ایجنٹ اپنے آدمی کی تلاش میں اس کے دروازے پر آپہنچے تھے۔ وہ انہیں روکنا چاہتی تب بھی اندر آنے سے نہیں روک سکتی تھی۔ دروازہ نہ کھولتی تو وہ دروازہ توڑ کر اندر آنے پر قادر تھے۔

وہ اٹھی تو اس کی پنڈلیوں میں ہلکی سی لرزش موجود تھی۔

"کون ہے؟" اس نے بند دروازے کے قریب پہنچ کر کمزور آواز میں سوال کیا۔

"روم سروس، میڈم!" باہر سے ایک مہذب مردانہ آواز سن کر غزالہ کے کھوئے ہوئے اوسان قدرے بحال ہوئے اور اس نے دروازہ کھول دیا۔

بیرونی راہداری میں سروس ٹرالی موجود تھی۔ اس کے سامنے ایک نوجوان ویٹر چائے کی ٹرے اٹھائے موجود تھا۔

"کیا بات ہے؟" غزالہ نے اسے اندر آنے کی راہ دیے بغیر سپاٹ آواز میں پوچھا۔

"میڈم! آپ کا دو چائے کا آرڈر تھا" اس نے سپٹاتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ اس کی آنکھیں غزالہ کے شانوں کے پیچھے کمرے میں دیکھنے کی کوشش کررہی تھیں۔

"میں نے کوئی آرڈر نہیں دیا۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے" غزالہ نے بے رخی سے جواب دیا اور دروازہ بند کرکے اس سے پشت لگادی۔

"کمال ہے۔ انٹرکام پر تو کمرے کا یہی نمبر بتایا تھا" اس کے کانوں میں باہر سے ویٹر کی بڑبڑاہٹ آئی "خیر، دیکھا جائے گا۔"

غزالہ کچھ دیر تک اسی حالت میں کھڑی رہی پھر تھکے ہوئے انداز میں چل کر ایک صوفے پر جاگری۔ گزرے ہوئے واقعات نے ذرا سی دیر میں اسے اندر سے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ خود کو بالکل بے روح محسوس کررہی تھی۔

غزالہ کو یقین تھا کہ ویٹر کی بڑبڑاہٹ اسے دھوکا دینے کے لیے تھی۔ وہ ہوٹل کا ویٹر نہیں، ویٹر کے روپ میں را کا کوئی آدمی تھا جو چائے کے بہانے کمرے کے اندر کا جائزہ لینے کی نیت سے بھیجا گیا تھا۔ یہ غنیمت ہوا کہ غزالہ نے اس کی آمد سے پہلے بے ہوش قیدی کو باتھ روم میں منتقل کردیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پڑا رہتا تو دروازہ کھلتے ہی اس کا ننگا ہوں میں آنا یقینی تھا۔

غزالہ اپنی جگہ فکرمند تھی اور را والے اپنی جگہ تشویش میں مبتلا تھے۔ ان کی طرف سے ویٹر کے روپ میں چھیڑ چھاڑ کی ابتدا ہوچکی تھی۔ غزالہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ تن تنہا کتنی دیر تک ان روح فرسا حالات کا مقابلہ کرسکے گی۔

اچانک اس کے کمرے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ غزالہ دیر سے اسی سہانی آواز کی منتظر تھی۔ اس کے وجود کی ساری توانائیاں سمٹ کر اس کی ٹانگوں میں مرکوز ہوگئیں اور اس نے دوڑ کر ریسیور اٹھالیا۔

○☆○

میری آواز سن کر غزالہ نے کانپتی ہوئی آواز میں صرف اتنا کہا کہ میں فوری طور پر اس کے کمرے میں پہنچوں، وہاں گڑبڑ تھی۔

میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ گڑبڑ تھی تو اس نے مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کیا جبکہ ہمارے دونوں کمرے ایک فلور پر واقع تھے۔

لمحہ بھر میں میرے ذہن میں کئی امکانات ابھرے اور خود ہی معدوم ہوگئے۔ وہ واقعہ کچھ بھی رہا ہو، اصل اہمیت اس بات کی تھی کہ غزالہ صحیح سلامت تھی اور مجھ سے بات کرنے کے قابل تھی۔ اپنے کمرے میں اسے ایک ہی خطرہ ہوسکتا تھا کہ نشے میں چور کوئی پڑوسی بار بار اسے تنگ کررہا ہو اور وہ دروازہ کھولتے ہوئے ڈر رہی ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ دہلی کا کوئی نہاری ہوٹل نہیں بلکہ فائیو اسٹار ہوٹل تھا۔ وہاں ایک سے ایک بگڑا رئیس آتا تھا۔ ایسے لوگوں سے الجھنا یا انہیں سمجھانا آسان کام نہیں تھا۔ اس وقت سرکاری گواہ کے طور پر میرے ساتھ رینا کی موجودگی سودمند ثابت ہوسکتی تھی۔ اس کی سرگرمیاں کچھ بھی رہی ہوں لیکن وہ را کی تنخواہ دار ضرور تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس کے سرکاری کارڈ کی ایک جھلک ہی غزالہ کو ستانے والے کا نشہ ہرن کردے گی۔

میں نے رینا کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور تیزی سے کمرا چھوڑ دیا۔

غزالہ کے بند دروازے پر دستک دینے کے ساتھ ہی میں نے اونچی آواز میں اسے دروازہ کھولنے کی ہدایت کی۔ مدعا یہ تھا کہ اسے کوئی غلط فہمی نہ ہو بلکہ میرے پہنچنے کا اطمینان ہوجائے۔

دروازہ کھلا اور غزالہ بلک کر میرے سینے سے لپٹ گئی۔ میں اسے اپنی بانہوں میں لیتا ہوا کمرے میں داخل ہوگیا۔ رینا نے ہمارے بعد اندر آکر دروازہ بند کردیا۔

کافی دیر تک غزالہ کی سسکیوں اور آنسوؤں کا سلسلہ نہیں رک سکا۔ اس دوران میں اس نے جب دوسری بار ہاتھ روم کی طرف اشارہ کیا تو رینا کے قدم اس طرف اٹھ گئے۔ باتھ روم کا دروازہ کھول کر اس نے اندر کا منظر دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"یہ تو شاید مرچکا ہے۔ کب سے یہاں پڑا ہوا ہے؟" اس نے پلٹ کر سرسراتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

اس کے انکشاف پر میرے اوسان خطا ہوگئے۔ بندھے ہوئے بے ہوش قیدی کو دیکھ کر میں نے بھی وہی سوچا جو رینا کے ذہن میں آیا تھا۔ کسی نے تشدد کے بعد اسے مار کر وہاں ڈال دیا تھا۔ غزالہ کسی ضرورت کے تحت باتھ روم میں گئی تو اسے دیکھ کر دہشت زدہ ہوگئی۔ اسی اثنا میں، میں نے اسے فون کرلیا۔

غزالہ اس وقت شدید جذباتی بحران سے دوچار تھی مگر اسے یہ یاد تھا کہ اس وقت را پر کسی قسم کا شبہ ظاہر کرنا ہمارے لیے خطرناک ہوسکتا تھا۔ اس نے کسی بھی قیاس آرائی سے بچتے ہوئے بہت اختصار کے ساتھ پورا واقعہ ہمیں سنادیا۔

"مگر اس مردود کو تمہارے کمرے کی چابی کہاں سے مل گئی؟" غزالہ کی روداد سن کر رینا نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ سب بعد میں بھی سوچا جاسکتا ہے۔ اس وقت یہ بتاؤ کہ اس سے نجات کیسے ملے گی؟" غزالہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ میرے سینے سے الگ ہوچکی تھی مگر اس نے مضبوطی سے میرا داہنا بازو تھاما ہوا تھا۔ اس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ اس کی انگلیاں میرے بازو میں گڑی جارہی تھیں۔

میں نے اندازہ لگایا کہ اس وقت رینا کی حیرت سراسر مصنوعی تھی۔ بے دست وپا قیدی کو دیکھ کر وہ کسی نتیجے پر پہنچ چکی تھی کیونکہ اس کی خوبصورت آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

"تم فکر نہ کرو" رینا نے غزالہ کی پشت پر ہاتھ پھیر کر اسے دلاسا دیا "سب ٹھیک ہوجائے گا۔ میں ابھی بندوبست کرتی ہوں۔"

وہ سیدھی فون کی طرف گئی اور براہ راست کوئی فون نمبر ملانے میں مصروف ہوگئی۔ میں غزالہ کو تسلی تشفی دیتا رہا مگر میرے کان رینا کی طرف لگے ہوئے تھے۔

فون کا سلسلہ مل جانے پر رینا نے اتنی نیچی آواز میں گفتگو کی کہ میں کوشش کے باوجود واضح طور پر کوئی لفظ نہیں سن سکا۔ اپنی گفتگو ختم کرکے وہ ہماری طرف گھومی اور بولی "قیدی کو یہیں چھوڑ کر باہر چلو۔ را والے خود اسے اٹھالے جائیں گے اور پوچھ گچھ کرلیں گے۔"

میرے لیے وہ بڑی خبر تھی لیکن غزالہ سکتے کے سے عالم میں تھی۔ میں نے اس کے رخساروں پر تھپڑ لگا کر اسے ہوش دلایا اور اسے اس کمرے سے نکال کر اپنے کمرے میں لے آیا۔

"یہاں نہیں، اب کچھ دیر کے لیے ہوٹل سے باہر نکل چلو" رینا نے میرے کمرے کے دروازے پر رک کر مشورہ دیا "غزالہ کا دل بہل جائے گا۔"

چند ثانیوں پہلے خود میں نے رینا کے ساتھ وہی پروگرام طے کیا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ غزالہ کی مدد کرے تاکہ وہ ہاتھ منہ دھوکر ہمارے ساتھ باہر جانے کے قابل ہوسکے۔ رینا نے غزالہ کا ہاتھ تھاما اور اسے لے کر غسل خانے میں گھس گئی۔

ہمارے صرف کمرے بک کیے گئے تھے لیکن ہوٹل کی عمارت سے باہر آنے تک تینوں کی زبانیں بند رہیں۔ اس وقت تک مجھے صحیح حالات کا علم نہیں تھا، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ غزالہ پر ناکام مجرمانہ حملے کی کوشش کو را کی سرپرستی حاصل ہوگی۔

"آج تم نے کمال کردیا" ہوٹل سے باہر نکلتے ہی رینا تعریفی لہجے میں بول پڑی "میں تمہیں ایک عام سی خانہ دار لڑکی سمجھتی تھی مگر تم تو چھپی رستم نکلیں۔ تم نے مرلی جیسے فیل پیکر کو اتنی آسانی سے کیسے زیر کرلیا۔"

رینا کے الفاظ پر میں چونک پڑا "مرلی؟ تو کیا تم اس حملہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آور کو جانتی ہو؟"

رینا نے متاسفانہ انداز میں اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور کہا "میں وہاں یہ بات نہیں کہہ سکتی تھی مگر اب بتا رہی ہوں کہ غزالہ کے قیدی کو دیکھ کر مجھے زبردست جھٹکا لگا تھا۔ مرلی باڑہ ہندو راؤ کا ایک معمولی بدمعاش ہے جو کبھی کبھی ہمارے لیے کام کرتا ہے۔"

"مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے تمہارے بڑوں نے بھیجا ہو گا۔" غزالہ نے آزردہ آواز میں کہا "وہ اس طرح وہاں شیر بنا ہوا تھا جیسے وہ اسی کا کمرا ہو۔"

میری کھوپڑی گھوم گئی اور میں نے زہریلی آواز میں رینا سے پوچھا "یہ کس کی حرکت تھی؟ اس بارے میں تم نے کس سے بات کی تھی؟"

"میری رسائی نریش تک ہے۔ وہ مرلی کی ناکامی کی خبر سن کر گالیوں پر اتر آیا تھا۔ تم یقین کرو کہ میں اس حرکت سے بالکل بے خبر تھی۔"

رینا کو اپنے بارے میں کسی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اس کا اضطراری ردِّعمل دیکھ کر اس کی بے گناہی پر ایمان لا چکا تھا۔ نریش شرما اپنی ہر شکست کے بعد کسی زخم خوردہ سانپ کی طرح پلٹ پلٹ کر بھیانک وار کر رہا تھا۔ یہ ہمارے مقدر کی یاوری تھی کہ اسے کوئی من پسند کامیابی نصیب نہیں ہو رہی تھی۔

"وہ بہت ذلیل شخص ہے۔ میں اسے فنا کر دوں گا" میں نے طیش میں آکر غراتی ہوئی دھیمی آواز میں کہا۔

"اپنے اوپر قابو رکھو" رینا نے ہراساں ہو کر مجھے جھنجوڑ ڈالا "ہم کھلے بازار میں نکل آئے ہیں۔ تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

اچانک مجھے یاد آگیا کہ بھارت کی سرزمین پر میں ڈینی نہیں، مظہر خان بنا ہوا تھا جو ایک مصلحت کوش اور ڈرپوک کاروباری شخص تھا۔ میں نے سنبھل کر کہا "میں جانتا ہوں کہ چیونٹی بھی اپنے گھر میں شیر ہوتی ہے لیکن برداشت کی حد ہوتی ہے۔"

"شاید قصور میرا ہے" رینا مایوسانہ لہجے میں بولی "مجھے تم کو نہیں بتانا چاہیے تھا کہ میں مرلی کو جانتی ہوں۔ میں اپنی زبان بند رکھتی تو تم اسی بات پر خدا کا شکر ادا کر رہے ہوتے کہ بے ہوش قیدی سے آرام سے جان چھوٹ گئی ورنہ وہ گلے کا ہار بن جاتا۔"

"رینا ٹھیک کہہ رہی ہے" غزالہ نے مجھے سمجھایا "اس کمینے کے منہ لگنا بیکار ہے۔ ہم یہاں رکے تو وہ اسی طرح ہماری راہ میں روڑے اٹکاتا رہے گا۔ اب ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے ورنہ ہم بری طرح پھنس جائیں گے۔"

"میری نہیں تو اپنی غزالہ کی بات ہی مان لو" رینا نے میری خوشامد کی۔

میں نے کچھ نہیں کہا مگر میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ دوسرے کمرے کی بکنگ واپسی پر منسوخ کروا دوں گا۔ بھول چوک میں وہ کمرا کسی بھی وقت میرا یا غزالہ کا مدفن بن سکتا تھا۔

خاموشی سے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد رینا سے نہ رہا گیا اور وہ غزالہ سے دوبارہ پوچھ بیٹھی "دیکھنے میں تم دھان پان سی لڑکی ہو جو ذرا سی تیز ہوا سے اڑ سکتی ہو۔ تم نے مرلی کو اتنی آسانی سے بے ہوش کر کے کیسے باندھ ڈالا؟"

غزالہ کو جوش میں آکر شیخی بگھارنی چاہیے تھی مگر وہ ایسی کسی حرکت کے مضمرات سے آگاہ تھی۔ ویسے بھی وہ رینا کو زیادہ پسند نہیں کرتی تھی۔ اس نے سرسری لہجے میں کہا "بس وہ دھوکے میں کھڑا رہ گیا اور میرا ہاتھ صحیح جگہ پڑ گیا ورنہ آج میری جان ہی نکل گئی تھی۔"

"اصل کہانی وہ ہوش میں آنے کے بعد سنائے گا۔ جو مجھ تک پہنچ جائے گی" رینا نے ہماری افسردگی دور کرنے کے لیے شوخی سے کہا "تم بلاوجہ انکسار سے کام لے رہی ہو۔"

غزالہ پھیکے انداز میں ہنس پڑی "کبھی کراٹے سیکھا تھا' آج وہی کام آگیا۔ وہ آسانی سے گرنے والا نہیں تھا۔"

"ایک طرف اس نے غزالہ پر کریک وار کر کے منہ کی کھائی' دوسری طرف تمہیں میرے پاس بھیج دیا" میں نے گفتگو میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ وہ دنیا بھر کی سیاسی کہانیاں سنا کر مجھے کیا جتانا چاہ رہا ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم ابھی تک کچھ نہیں سمجھ سکے۔ وہ لومڑی کی طرح مکار مگر بھیڑیے کی طرح بزدل افسر ہے۔ اس کے دماغ کے کسی کونے کھدرے میں یہ ڈر بیٹھا ہوا ہے کہ تم پاکستان جا کر اپنی باتوں سے پھر گئے تو کیا ہو گا۔ اس کے پاس تمہاری کوئی کمزوری نہیں ہے۔ وہ تمہیں بلاوجہ دھمکا رہا ہے۔ امریکا اور بھارت کا گٹھ جوڑ بہت پرانا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ دنیا کدھر جا رہی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ بڑے بڑے ملکوں کے کھیل کی کہانیاں سن کر تم رعب میں آجاؤ گے اور خاموشی سے کٹھ پتلی بنے رہو گے۔ ہم پہلے بھی کئی پاکستانیوں کو پھانس چکے ہیں لیکن تم کو پتا نہیں کیوں زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے" اس نے تفصیل سے بتایا۔

میرے دل کی بات دہرا کر اس نے مجھے خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔ وہ زمانہ شناس لڑکی تھی۔ ہر بات موقع محل کی مناسبت سے کرتی تھی۔ نریش شرما کی حکمتِ عملی کا ذکر کرتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے اس نے بہت خوبصورتی سے میری اور اپنی ویڈیو فلم کا ذکر گول کیا تھا۔

میرے سامنے وہی چند باتیں تھیں جن کی وضاحت کے لیے ہمارا ہوٹل سے باہر نکلنا ضروری تھا۔ وہ وضاحتیں سامنے آنے کے بعد میرا ذہن ہلکا ہوگیا اور ہم خوش دلی کے ساتھ اپنے قرب وجوار کی دلچسپیوں میں محو ہوکر نئے سرے سے کناٹ پلیس کی سیر میں مصروف ہوگئے۔

بازار کی بھیڑ بھاڑ سے گزرنے کے بعد ہم گھاس کے ایک قطعے میں جا بیٹھے۔

گفتگو کرنے کی آزادی میسر آتے ہی غزالہ نے پھر نریش کا ذکر نکال لیا۔ تھوڑی دیر پہلے اس کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ اس قدر ہولناک تھا کہ وہ کوشش کے باوجود اسے اپنے ذہن سے محو کرنے میں کامیاب نہیں ہورہی تھی۔

میں نے اسے رینا کے ساتھ دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے سیر حاصل تبادلۂ خیال کا موقع دینے کے لیے سگریٹ سلگائی اور نرم گھاس پر دراز ہوگیا۔

"پچھتانے کے بجائے یہ سوچو کہ آج تمہارے ہاتھوں اس کی کیسی سبکی ہوئی ہے۔ جب انکل کو پتا چلے گا کہ آج کیا ہوا ہے تو نریش انہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔"

کچھ دیر بعد میرے کانوں میں رینا کی آواز آئی۔ وہ غزالہ کو سمجھانے کی کوشش کررہی تھی۔

"اس کی سبکی میرے زخم کو مندمل نہیں کرسکتی۔ مجھے پہلی بار اندازہ ہوا ہے کہ عورت ہونا کیا معنی رکھتا ہے" وہ غزالہ کی مرجھائی ہوئی آواز تھی۔

"اس کا پڑھایا اور سمجھایا ہوا آدمی اپنے قدموں پر چل کر تمہارے کمرے میں پہنچا تھا۔ تم اندازہ لگاؤ کہ جب اسے بے ہوشی کی حالت میں اسٹریچر یا کندھوں پر لاد کر لے جایا گیا ہوگا تو نریش کے دل پر کیسے سانپ لوٹے ہوں گے۔ تم نے اپنی بساط سے بڑھ کر بدلہ لیا ہے۔"

"ایک زخم لگانے سے دوسرا زخم نہیں بھرتا۔ یہ خدا کا شکر ہے کہ اس کا وار خالی گیا اور میں نے آنے والے کو خاک چاٹنے پر مجبور کردیا۔ وہ ضرور سر پیٹ رہا ہوگا مگر میری خلش اپنی جگہ پر ہے۔ یہ رفتہ رفتہ ہی ختم ہوگی۔"

"تم بھی مظہر خان کی طرح حساس طبیعت کی مالک معلوم ہوتی ہو۔ یہ سمجھنے کی کوشش کرو کہ تمہارے دشمن کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔ اسے ہر طرف ناکامی کا سامنا ہے۔ اسے سب سے بڑا دھچکا اس وقت لگے گا۔ جب مظہر پاکستان جاکر چند دن بعد اسے آنکھیں دکھائے گا اور وہ کچھ بھی نہیں کرسکے گا۔"

"یہ تمہاری خام خیالی ہے" میں نے لیٹے لیٹے جواب دیا "میں اسے آنکھیں دکھانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ میرے لیے پچیس ہزار روپے ماہانہ کی رقم معمولی نہیں ہے۔ جب تک وہ انکار نہیں کرے گا' میں اس ذلیل اور کمینہ فطرت شخص کے لیے کام کرتا رہوں گا۔"

میرے جواب پر رینا حیران رہ گئی "تمہارا یہ ارادہ ہے تو اس کے سارے جتن بے سود ہیں۔ پتا نہیں وہ کیوں کانٹوں پر منہ مار رہا ہے۔"

سب کچھ ہونے کے باوجود یہ بات طے تھی کہ رینا اجیت رائے اپنی ماں کی بیماری کی وجہ سے مجبوریوں کی دلدل میں پھنسی ہوئی تھی۔ را کی ملازمت اس کی مجبوری تھی۔ ایک مرتبہ وہ طوق پہن لینے کے بعد اپنی مرضی سے اسے اتار پھینکنا اس کے بساط سے باہر تھا۔ اسے زندگی بھر ان کا غلام رہنا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اسے کسی لغزش کی بنا پر معتوب یا معزول کردیا جاتا۔ غزالہ کی طرح رینا بھی ایک عورت تھی۔ را کے درندے عورت کو تکیل دے کر اپنا غلام بنائے رکھنے کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتے تھے۔

جب تک رینا ان کی صفوں میں شامل تھی' اس پر آنکھیں بند کرکے اعتبار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ کمزور عورت اپنے بڑوں کے سامنے کسی بھی لمحے اعصاب شکن تجربات سے گزر سکتی تھی۔ ایسے کمزور لمحوں میں وہ دنیا کا ہر سچ اگلنے پر مجبور ہوجاتی۔ اپنے بچاؤ کے لیے یہ بہت ضروری تھا کہ میں اپنے بارے میں یہ بات اس کے ذہن میں راسخ کردوں کہ میں مظہر خان تھا جس کے لیے طاقت ور سے ڈرنا اور ہر قیمت پر چار پیسے کمانا زندگی گزارنے کے سنہرے اصول تھے۔

رینا کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگی تھی کہ را کے دفتر کی آگ اور جان اسمتھ کے قتل جیسے بڑے کاموں میں ہمارے کوئی ہاتھ کار فرما تھے پھر بھی شاید اس نے اپنے دل میں میرے لیے کوئی بڑا مقام بنایا ہوا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے بزدلانہ جواب سے رینا کے اس تصور کو ٹھیس پہنچی تھی۔ وہ یکایک خاموش ہوگئی تھی۔

میں اس کی کوئی دل آزاری نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اپنے مفادات کو نظرانداز کرنا میرے لیے ناممکن تھا۔ میں نے اسے مزید کچھ سمجھانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ غزالہ کی باتوں کے جواب میں بھی بس ہوں ہاں کرتی رہی پھر واپسی کے ارادے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کل دہلی میں ہمارا آخری دن ہے" اسے رخصت کرنے سے پہلے غزالہ نے یاد دلایا "ملنے کے لیے آؤ گی؟"

"کوشش کروں گی مگر وعدہ نہیں کرتی" اس نے مجھ سے نظریں چراتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

میں نے اس سے آنے کے لیے اصرار نہیں کیا۔ غزالہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بعد اس سے تپاک سے ہاتھ ملایا اور وہ بوجھل قدموں سے ایک طرف چل دی۔

ہم دونوں پارک میں کھڑے چند ثانیوں تک اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے پھر مڑ کر اپنی راہ ہو لیے۔

"آپ نے آخر میں پیسے کے لیے اپنا لالچ ظاہر کر کے بلاوجہ اس بے چاری کو مایوس کر دیا۔ اسے آپ کے انوکھے خیالات سن کر صدمہ ہوا تھا" غزالہ نے میرے ساتھ چلتے ہوئے دھیرے سے کہا "آپ پیسے کی پروا بھی نہیں کرتے پھر بلاوجہ اسے یہ جتانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"خاموشی سے چلتی رہو۔ اپنی ضروریات کو میں بہتر طور پر سمجھتا ہوں" میں نے نرمی سے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم ہوٹل پہنچ گئے۔ میں نے کاؤنٹر پر کھڑے کھڑے غزالہ کے کمرے کی بکنگ منسوخ کروانے کے بعد اس کا نام اپنے ساتھ درج کروالیا۔ میرے ایما پر کلرک نے کمرے سے مختصر سا سامان نکالنے کے لیے چابی غزالہ کے حوالے کر دی۔

ہم اوپر پہنچے تو روم سروس والوں کو انٹرکام پر ایک کمرا خالی ہونے کے بارے میں اطلاع مل چکی تھی۔ میں نے غزالہ کے کمرے میں گھستے ہی باتھ روم میں جھانکا تو وہ خالی پڑا ہوا تھا۔ بے دست و پا قیدی وہاں سے غائب تھا۔ شاید راوالے پہلی فرصت میں اسے وہاں سے نکال لے گئے تھے۔

غزالہ نے اپنا اسباب سمیٹا۔ پورٹر نے اس کے دونوں تھیلے اٹھائے اور ہم نے اس کمرے کو خیرباد کہہ دیا۔

ہم نے جب سے بھارت کی سرزمین پر قدم رکھا تھا' حالات کو کسی ایک جگہ قرار نہیں تھا۔ صورتِ احوال پل پل میں اپنا رنگ بدل رہی تھی۔ کبھی یوں محسوس ہوا جیسے ہم نے دشمن کے خلاف اپنی لڑائی فیصلہ کن انداز میں جیت لی ہے اور کبھی ہمیں اپنا انجام سامنے نظر آتا تھا۔

نریش کمار کو دیے ہوئے پروگرام کے مطابق دہلی سے ہماری روانگی میں کم و بیش پورے ایک دن کا وقفہ حائل تھا۔ نریش نے اس وقفے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مرلی نامی بدمعاش کے ذریعے جو ناکام وار کیا تھا اس نے مجھے ذہنی اضطراب میں مبتلا کر دیا تھا۔ آثار و قرائن بتا رہے تھے کہ نریش پے در پے کئی چوٹیں کھا کر بھی نچلا بیٹھنے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ ہر بار نئے زاویے سے حملہ کر رہا تھا اور توقع یہ تھی کہ وہ اگلے چوبیس گھنٹوں میں پھر کوئی نہ کوئی حرکت کرے گا۔

ہوٹل کے کمرے میں ہم انڈین سیکرٹ سروس کے نصب کیے ہوئے خفیہ آلات کے اسیر تھے اس لیے آپس میں کھل کر بات نہیں کر سکتے تھے لیکن دونوں ہی اپنی اپنی جگہ فکر و تشویش میں مبتلا تھے غزالہ کا تجربہ تازہ اور زیادہ گمبھیر تھا اس لیے اس کی تشویش بھی زیادہ گہری تھی۔

آٹھ بجے غیر متوقع طور پر نریش شرما کا فون آگیا۔ آپریٹر کی زبان سے اس کا نام سن کر میں چونک پڑا۔

"سنا ہے کہ آج کسی بدمعاش نے تمہاری ساتھی کے کمرے میں گھس کر اس سے بدتمیزی کرنے کی کوشش کی تھی" رینا نے اس معاملے پر غزالہ کے کمرے سے براہ راست نریش سے گفتگو کی تھی اور اسی کے ایما پر ہمیں قیدی کو چھوڑ کر باہر نکل جانے کا مشورہ دیا تھا۔ اس نے یہ تصدیق بھی کی تھی کہ مرلی اکثر راوالوں کے لیے کام کرتا رہا تھا۔ اس کی ناکامی کی خبر سن کر نریش شرما غصے میں آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ ان تمام شواہد کی روشنی میں اس کے انجان بننے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

اس کا وہ سوال سن کر میرا خون کھول اٹھا مگر میں اس کو کوئی منہ توڑ جواب دینے سے قاصر تھا۔ میں نے بہت زیادہ تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا "کاش' تم نے سننے کے بجائے وہ منظر دیکھا ہوتا۔ میری ساتھی کی خوف سے آدھی جان نکل گئی تھی۔"

"مگر وہ بہت دلیر اور مردمار لڑکی ہے۔ میں نے تمہارے مجرم کو دیکھا ہے۔ حیرت ہے کہ وہ چوہے کی طرح اس لڑکی سے پٹ گیا۔"

"ظالم اور مظلوم میں یہی فرق ہوتا ہے۔ جب مظلوم اپنی بقا کے لیے لڑنے پر کمربستہ ہو جاتا ہے تو اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن کو بھی پلک جھپکتے میں زیر کر لیتا ہے۔ شاید تمہیں یہ سن کر حیرت ہو کہ اپنے دشمن پر غالب آنے کے بعد وہ دیر تک آنسوؤں سے روتی رہی تھی۔"

"میری طرف سے اسے دلاسا دینا کہ میں اس کے مجرم کو قرار واقعی سزا دیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ وہ قید میں ہے۔ اس کے ہوش میں آتے ہی اس سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کر دیا جائے گا۔ وہ زیادہ دیر تک اپنی زبان بند نہیں رکھ سکے گا۔"

"اس تعاون کے لیے میں تمہارا شکرگزار ہوں" اس سے ممنونیت کا اظہار کرتے ہوئے مجھے اپنے حلق میں تلخی گھلنے کا احساس ہو رہا تھا۔

"غزالہ سے یہ ضرور پوچھنا کہ اس نے مجرم کو پہلے کہاں دیکھا تھا؟"

"میں اس سے پوچھ چکا ہوں۔ اس نے اسے پہلی بار دیکھا ہے۔ وہ نچلے طبقے کا آدمی ہے۔ ایسے لوگ بڑے ہوٹلوں وغیرہ کا رخ کرنے سے کتراتے ہیں۔ یوں محسوس ہوا جیسے اس نے کسی سوچے سمجھے پلان کے تحت غزالہ کے کمرے کا رخ کیا ہو۔ وہ مقفل کمرے میں پہلے سے گھسا ہوا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جو کچھ ہوا اس پر مجھے افسوس ہے کیونکہ اب دہلی میں تم دونوں ہمارے مہمان ہو۔ تمہاری دیکھ بھال ہم لوگوں کی ذمے داری ہے۔ مجھے امید ہے کہ اب ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوگا۔ جو ہوگیا اسے بھولنے کی کوشش کرو۔ میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

وہ ہمدرد بن کر میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کررہا تھا۔ میرے پاس اس کی مکاری کو درگزر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ یہ ضرور ہوا کہ اس بار میں نے اس کا شکریہ ادا کرنے کی زحمت نہیں کی۔ وہ اسی قدر گھٹیا کردار کا مالک تھا کہ اس سے ہر ملاقات اور گفتگو کے بعد میرے دل میں اس سے نفرت کا جذبہ مزید گہرا ہوجاتا تھا۔ انل بسواس اس سے کہیں بڑا افسر تھا اور شاید ساری منصوبہ بندیوں میں اسی کا دماغ کارفرما ہوتا تھا لیکن اس کے انداز میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جو اس کے خلاف بغض وعناد کو ہوا دیتی ہو۔

نریش نے میرے کسی جواب کی توقع میں صرف چند ثانیوں کے لیے خاموشی اختیار کی اور میری طرف سے کوئی جواب نہ پاکر دوبارہ اپنی بات شروع کردی "آج کی رات گزارنے کے بعد تم ہماری طرف سے کہیں بھی آنے جانے کے لیے آزاد ہوگے۔ واپسی کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟"

"یہ رات گزر جائے، کل کسی بھی وقت ہم نکل جائیں گے" میں نے مبہم سا جواب دیا۔

"تو کیا تم نے اس بارے میں ابھی تک کچھ نہیں سوچا؟" اس کی آواز تحیر زدہ سی تھی۔

"اس میں سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہی کیا ہے" میں نے اس کے تجسس کو نظرانداز کرتے ہوئے بے پروائی سے جواب دیا "ہمیں پولیس رپورٹ سے استثنیٰ حاصل ہے۔ سفری کاغذات مکمل ہیں۔ اسٹیشن جاکر ٹکٹ لیں گے اور ٹرین میں سوار ہوجائیں گے۔"

"اس بارے میں میری کسی مدد کی ضرورت ہو تو بلا تکلف بتادینا" اس نے مربیانہ لہجے میں کہا۔

"مگر کہاں اور کیسے؟" میں نے بے ساختہ کہا "اب میرے پاس تم سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ تمہارا دیا ہوا پہلا کارڈ میں نے تلف کردیا تھا۔"

"اوہ!" میرے کانوں میں اس کی کھسیائی ہوئی ہنسی کی آواز گونجی "میں آج کل خود بھی بھاگ دوڑ میں لگا رہتا ہوں۔ وقت نکال کر کل صبح تم سے رابطہ کرلوں گا۔"

میں نے اسے یہ یاد دلانے کی کوشش نہیں کی کہ اگلے دن ہمارا خریداری کا پروگرام تھا جس سے میں نے اسے پہلے ہی آگاہ کردیا تھا۔

"نریش کا فون تھا" میں نے وہ گفتگو ختم ہونے کے بعد معنی خیز نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا "وہ تمہارے ساتھ پیش آنے والے افسوسناک واقعے پر اپنے دکھ اور ہمدردی کا اظہار کررہا تھا۔"

میری طرح غزالہ بھی اس وقت کیمروں کی زد سے باہر تھی۔ اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی مٹھی بند کرکے انگوٹھے سے فرش کی طرف اشارہ کیا جو نریش پر لعنت کے مترادف تھا مگر میری بات کا جواب دیتے ہوئے وہ اپنے اس جذبے کا اظہار نہیں کرسکی "یہ لوگ ہمارے ہمدرد اور خیرخواہ ہیں۔ دوبارہ بات ہو تو میری طرف سے اس کا شکریہ ادا کردینا۔"

وہ کمرا میرے لیے قیدخانہ بنا ہوا تھا۔ میں جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ ویسے بھی اس رات گوپال سے میری ملاقات طے تھی۔ میں نے اسے کوئی وقت نہیں دیا تھا۔ مگر مجھے امید تھی کہ باہمی رابطوں کے سنگین بحران کی وجہ سے وہ اندھیرا پھیلتے ہی ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں پہنچ چکا ہوگا۔

اس وقت میرے ذہن پر ایک نئی فکر بھی سوار تھی کہ عابد علی عرف گوپال سے ملاقات کے لیے جاتے ہوئے غزالہ کو کہاں چھوڑا جائے۔ کچھ دیر قبل رونما ہونے والے سنگین واقعے کے بعد میں اسے کمرے میں تنہا چھوڑنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

مجھے اس بارے میں فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی۔ کمرے کے مقابلے میں ہوٹل کے بھرے پرے گراؤنڈ فلور پر غزالہ زیادہ محفوظ رہتی۔ لابی سے لے کر ریستوران اور کافی شاپ تک متعدد باروقار مقامات تھے جہاں وہ کسی دشواری کے بغیر کافی وقت گزار سکتی تھی۔

"آؤ، ذرا نیچے چلتے ہیں۔ کمرے کی بند فضا میں مجھے گھٹن محسوس ہورہی ہے" فیصلہ کرتے ہی میں نے اپنی جگہ چھوڑدی۔

غزالہ تیار تھی۔ ہم دونوں کمرا مقفل کرکے دوبارہ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔

"تم ہوٹل میں کہیں وقت گزارلو۔ میں گوپال سے ملاقات کرکے واپس آتا ہوں" میں نے لفٹ کا انتظار کرتے ہوئے غزالہ کو بریف کیا۔

"میں سمجھ گئی تھی کہ آپ اسی ملاقات کے ارادے سے نکلے ہیں" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "میں پہلے ہی سوچ چکی ہوں کہ کچھ دیر تک ونڈو شاپنگ کرنے کے بعد ریستوران میں بیٹھوں گی۔ آپ کو واپس آنے میں دیر سویر ہوگئی تب بھی میں آسانی سے وہاں وقت گزار سکوں گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لفٹ آگئی۔ اس میں اوپری منزلوں کے تین افراد سوار تھے۔ ان کے ساتھ ہم بھی گراؤنڈ فلور پر پہنچ گئے۔

لفٹ سے نکل کر میرا براہِ راست پارکنگ لاٹ کی طرف جانا مناسب نہیں تھا۔ راہ والوں کی طرف سے کوئی نگرانی نہ ہونے کا یقین ہونے کے باوجود میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں کچھ دیر تک غزالہ کے ساتھ ہوٹل کے شاپنگ آرکیڈ میں دکانوں کی سیر کرتا رہا پھر خاموشی سے اس سے الگ ہو کر ٹہلتا ہوا ہوٹل کے عقبی راستے کی طرف بڑھ گیا۔

پارکنگ لاٹ روشن تھی۔ میں نے رک کر گاڑیوں کے ہجوم پر نظریں دوڑائیں اور عابد علی کو دیکھ لیا۔ وہ سر جھکائے ایک گاڑی کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا ہوگا مگر وہ ایک تجربے کار سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ ایسے مواقع پر برتی جانے والی کوئی احتیاط اس نے نظرانداز نہیں کی تھی۔ مجھے کوئی اشارہ کرنے کے بجائے اَن جان بن گیا تھا۔ میں کسی عجلت کا مظاہرہ کیے بغیر آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔

شاید اس نے کن انکھیوں سے مجھے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ فوراً اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

میں نے سیاہ رنگ کی اس گاڑی کی پسنجر سیٹ سنبھال لی۔ وہاں کئی گاڑیوں میں ایک سے زیادہ افراد بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے۔ وہ سب غالباً ڈرائیور تھے جو اپنے مالکان کی واپسی کے انتظار میں اپنا وقت گزار رہے تھے۔ ہم دونوں وہاں رکے رہتے تو شاید کسی کی نگاہوں میں نہ آتے لیکن عابد علی مجھ سے زیادہ محتاط تھا۔ میرے سوار ہوتے ہی اس نے انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی آگے بڑھادی۔ ایک جگہ رکے رہنے کے مقابلے میں دورانِ سفر تبادلہ خیال کرنا زیادہ بہتر تھا۔ میں نے اسے اختصار سے نریش کی تازہ ترین حرکت کے بارے میں بتادیا۔

اس نے میرے ان اندازوں کی دوبارہ تائید کی کہ راکی طرف سے میری یا غزالہ کی نگرانی نہیں کی جارہی تھی۔ اس نے سنیل کے ساتھ اپنی باری مقرر کی ہوئی تھی۔ ان دونوں میں ایک شخص ہر وقت ہمارے آس پاس رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ شہر میں ہر طرف خاموشی تھی۔ بظاہر ہماری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

اس نے انل بسواس کے گھر کا قریب سے جائزہ لے کر یہ معلوم کرلیا تھا کہ اس گھر میں تین ملازمین سمیت جملہ سات نفوس کی رہائش تھی۔ وہاں کارروائی کے لیے رات کے دو بجے کا وقت منتخب کیا گیا تھا تاکہ کسی طرف سے مداخلت کا کوئی خطرہ نہ رہے۔ میرے اور غزالہ کے ساتھ وہ تینوں اس مہم میں شریک ہونے والے تھے۔

وہ مجھے اپنے سوچے سمجھے منصوبے کی جزئیات سے آگاہ کرتا رہا۔ اس نے ہر پہلو پر غور کرکے بے داغ منصوبہ بندی کی تھی۔ توقع یہی تھی کہ ہم کسی بڑی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر اپنے شکار کو آسانی کے ساتھ جہنم واصل کردیں گے۔

"میں اس پروگرام میں ذرا سی تبدیلی چاہتا ہوں" اس کی پوری بات ختم ہونے کے بعد میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم کھل کر بتاؤ، میں تمہارے تجربے کا قائل ہوچکا ہوں۔ یقیناً تم نے اس پلان میں کوئی کمی محسوس کی ہوگی" عابد علی نے خلوص سے دعوت دی۔

"اس منصوبے پر اسی طرح عمل ہوگا۔ بسواس کے ساتھ اب نریش شرما بھی میرا ہدف ہے۔ کل رات اس کا بھی کام تمام ہونا چاہیے" میں نے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کردیا۔

اس نے گاڑی چلاتے چلاتے چونک کر میری طرف دیکھا جیسے میں نے کوئی انوکھی بات کہہ دی ہو پھر دبی زبان سے بولا "ایک رات میں دونوں کام ذرا مشکل ہوجائیں گے۔"

"میں مشکلات کا مقابلہ کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں۔ تم لوگ مجھ سے زیادہ کٹھن وقت گزار رہے ہو۔ ہمیں مشکلات کو خاطر میں لائے بغیر ہدف پر نگاہ رکھنی چاہیے۔"

"میں ابھی کام شروع کردوں گا۔ کل رات سے پہلے ہم ایک اور ملاقات میں پورے خاکے پر بات کرلیں گے" اس نے سعادت مندی سے کہا۔

"دن کی روشنی میں ہمارا ایک ساتھ دیکھا جانا مناسب نہیں ہوگا۔ تم آج ہی کے وقت آجانا۔ ہم ہوٹل چھوڑ دیں گے اور دو بجے سے پہلے ہر بات طے کرلی جائے گی۔"

"ٹھیک ہے" اس نے میری تجویز بلا تامل قبول کرلی "آٹھ بجے سے دو بجے تک ہمارے پاس کافی وقت ہوگا۔ میں نے صبح سات بجے کی پرواز پر تم دونوں کی امرتسر روانگی کا بندوبست کرلیا ہے۔ مقدر نے ساتھ دیا تو قرول باغ سے ہم سیدھے ائرپورٹ جائیں گے۔"

"گڈ!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "ان واقعات کے بعد میں یہاں رکنا پسند کروں گا۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گاڑی میں خاموشی چھاگئی۔ دہلی کی بارونق سڑکوں پر عابد علی کی گاڑی تیزی سے اپنا راستہ بناتی ہوئی آگے بڑھی جارہی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کو اغ فوٹامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آرمک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹار زنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آرمک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادی کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی۔ اس نے میرے اور اولی خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا، اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل نے میرے اور اولی خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا، اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا، جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کر لی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی اودلیا پہنچ پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کارکن ھرا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرا لیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا بھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے مگھدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی (کرشن کمار) کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں بری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں زیرک کے مارے گئے۔ ہم نے مجھے اور نیلش شرما کو ہمراہ لیا اور بھارت کے راستے نئی دہلی پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی او زل کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "ہیومن سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جہانگیر کامانوس سسر چودھری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کر دیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں نئے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق ویرا ہم سے الگ ہو کر دوسرے ہوٹل میں قیام پذیر ہو گئی۔ کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم جان اسمتھ بھی نئی دہلی پہنچ چکا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ دہلی میں گرین کوبرا فائل کی جستجو میں تھے۔ اسی اثنا میں رائی خوب رو ایجنٹ ریتا اہمیت رائے تجھ سے ٹکرائی اور بے باک تھائی میں مجھے بتایا کہ وہ مجھے اہل بسواس سے ملوا سکتی ہے۔ پاکستان سے اولی خان نے مجھے آگاہ کیا تھا کہ وہاں مظہر خان کے پاسپورٹ پر درج مندرجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ ریتا سے میری دوسری ملاقات بدمزگی کا شکار ہو گئی۔ اس کی ایجنٹ ہی رائے تند خو اور سفاک ایجنٹ ناگر نے میری انگلیوں کے نشانات حاصل کیے اور پھر بعد میں ریتا نے مجھے بتایا کہ میری اور اس کی پھول رنگین ملاقات ویڈیو فلم کے فیتے پر محفوظ کی جا چکی تھی۔ اب مجھے ہر قیمت پر رائے کے لیے کام کرنا تھا۔ ویرا جان اسمتھ کے چکر میں تھی مگر میں نے اسے محتاط روی کا مشورہ دیا اور وہی الحال اپنی سرگرمیوں کو معطل کرنے پر رضامند ہو گئی۔ میں نے رائے کے دفتر میں اہل بسواس اور شرما دونوں سے ملاقات کی اور دیگر امور کے علاوہ انہوں نے مجھے میری تلاش کا بڑا کام سونپ دیا۔ شرما کے دفتر میں مجھے گرین کوبرا فائل نظر آگئی۔ رائے کے دفتر سے میری تخیت واپسی نے میرے حوصلوں کو سمیٹ دیا اور میں نے اسی رات رائے کے دفتر میں نقب لگا کر تمام ضروری مواد نکال لینے کا فیصلہ کر لیا۔ گو پال میرا ہمنوا تھا۔ میں نے اس سے پہلے غزالہ کو جان اسمتھ کا کام سونپ دیا۔ ہوٹل سمراٹ میں غزالہ سے ویرا ٹکرا گئی۔ اس کے مشورے کے مطابق غزالہ نے باآسانی جان اسمتھ کو شکار کر لیا اور دونوں وہاں سے روانہ ہو گئیں۔ اس کی واپسی کے بعد میں آئی بی کی ٹیم کے ساتھ رائے کے دفتر روانہ ہو گیا۔ وہاں معاملات ہماری توقع کے مطابق بڑی تیزی سے نمٹتے گئے۔ تاہم ایک موقع پر رائے ناگر نے اپنی ڈرامائی آمد کے سبب ہمارے منصوبے کو ناکام بنا ہی دیا تھا مگر وہ خوشامد پسند اور اناپرست جلد ہی میرے ہاتھ میں موجود آلۂ نمی کا شکار ہو گیا۔ ہم وہاں سے مال غنیمت میں بہت سی فائلیں لے کر نکل آئے مگر اس سے پہلے میں نے اپنی ویڈیو فلم اور فنگر پرنٹس کو ضائع کرایا تھا۔ ناگر کی چتا شرما کے دفتر میں موجود کاغذوں سے تیار کی گئی اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ وہاں ہماری پے در پے کامیابیاں قابل فخر تھیں مگر بھارتیوں کی خاموشی مجھے کسی بڑے طوفان کا پتا دے رہی تھی۔ میں غزالہ کے ہمراہ دہلی میں رک گیا اور فائلیں ویرا کے ذریعے پاکستان روانہ کر دیں۔ مجھے اپنی کارروائی کے بعد رائی صنعوں میں ہونے والے بھونچال کا اندازہ تھا۔ انہوں نے مجھ سے بھی کڑی پوچھ گچھ کی مگر میری حاضر دماغی کے باعث انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ میری اور ریتا کی فلم ضائع ہو چکی تھی جس کے بعد بیلا سنگھ نامی سکھنی کو میرے پیچھے لگایا گیا مگر اس کی ناکامی کے بعد مجھے اور غزالہ ہوٹل سے دور رکھنے کے لیے نیلش اور اگر بسواس نے اپنے دفتر میں ہم سے ملاقات کی اور اس عرصے میں ہمارے کمروں میں خفیہ کیمرے لگا دیے گئے۔ ریتا کی مہربانی کے باعث رائے بہ اور بھی ناکام ہوا۔ نیلش بری طرح جھنجلایا ہوا کمرے بس تھا۔ چار و ناچار اس نے ہمیں بھارت سے روانگی کی اجازت دے دی۔ اس دوران میں ریتا نے ایک ملاقات کے دوران میں مجھے بتایا کہ اہل بسواس اور نیلش شرما بڑی طاقتوں کے ایما پر یہ تمام کام انجام دے رہے ہیں۔ نیلش شرما سے رہائی کا مژدہ سنتے ہی میں نے آخری وار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے گوپال عرف عابد علی سے ملاقات کی اور اس سے حتمی کارروائی کا لائحہ عمل طے کرنے لگا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

بھارت بلکہ دہلی میں میرا مزید قیام خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ یہ بات میں نے عابد علی کو بھی بتا دی تھی کہ اہل بسواس اور نیلش شرما سے نمٹنے کے بعد میں دہلی میں رکنا پسند نہیں کروں گا۔ وہ خود بھی اسی نتیجے پر پہنچ چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے قرول باغ سے ہمیں براہِ راست ائرپورٹ پہنچانے کا پروگرام طے کیا ہوا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلے ہمارا پروگرام صرف انل بسواس کو ٹھکانے لگانے کا تھا مگر اس شام نریش شرما نے مرلی نامی بدمعاش کے ذریعے غزالہ پر جو اوچھا اور گھناؤنا وار کیا تھا' اس کے بعد پروگرام میں تبدیلی آچکی تھی۔

"انل بسواس کے ساتھ نریش کا نام شامل ہوجانے کے بعد تم کچھ فکرمند ہوگئے ہو۔" گاڑی میں سکوت کے طویل ہوتے ہوئے وقفے کو توڑتے ہوئے میں نے زبان کھولی۔

"ان دونوں کو ایک وقت میں نشانہ بنانا ممکن نہیں ہے۔ میں اسی الجھن میں پڑا ہوا ہوں۔" عابد نے متردد لہجے میں جواب دیا۔

"وہ عیال دار ہیں۔ الگ الگ گھروں میں رہتے ہیں۔ تم ان کو بیک وقت نشانہ بنانے کے بارے میں کیوں سوچ رہے ہو؟"

"وہ دونوں را کے بڑے افسر ہیں۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا "اگر درمیان میں زیادہ وقت ہوا تو پہلے مارے جانے والے کے اہل خانہ فوری طور پر دوسرے کو فون وغیرہ پر اس واقعے سے آگاہ کردیں گے اور وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

عابد کی وہ دلیل بہت اہم تھی۔ اسے کسی صورت میں بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اپنی تمام تر ذاتی پرخاش کے باوجود میں نے نریش شرما کو دوسرے نمبر پر رکھا تھا۔ انل بسواس ہمارے لیے زیادہ اہم تھا۔ پہلے اس کا کام تمام ہونا چاہیے تھا۔ اس کی ہلاکت کی خبر ملتے ہی نریش شرما اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوتا اور جلد از جلد جائے واردات پر پہنچنے کی کوشش کرتا۔ ایسی صورت میں اسے اس کے گھر پر گھیرنے کا منصوبہ بری طرح ناکام ہوجاتا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ انل بسواس کے گھر پر جمع ہوجانے والی بھیڑ میں نریش پر حملہ کرنے کی کوشش کی جاتی۔

"اس وقت تم کہاں جارہے ہو؟" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"تمہارے ہوٹل کی طرف جانے کا ارادہ ہے۔" اس نے سڑک سے توجہ ہٹائے بغیر کہا۔

"فی الحال یہ ارادہ ملتوی کردو اور قرول باغ کی طرف چلو۔ میں ان دونوں کے گھروں پر ایک نگاہ ڈالنا چاہتا ہوں۔"

عابد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس سرہلا کر رہ گیا۔

اس کا اٹھایا ہوا نکتہ غور طلب تھا۔ میری دانست میں اس پر جلد از جلد کوئی فیصلہ کرنا ضروری تھا۔ ہوٹل کے بجائے قرول باغ کا رخ کرنے کی صورت میں ہمیں آپس میں تبادلہ خیال کرنے کے لیے خاصی مہلت مل سکتی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ اس دوران میں نئے مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔

"ان دونوں کے گھروں کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟" قدرے خاموشی کے بعد میں نے پوچھا۔

"مشکل سے چند منٹ کی پیدل مسافت ہے۔ گاڑی میں ہو تو یہ فاصلہ اور کم ہوجاتا ہے۔ اصل خطرہ ٹیلی فون کی طرف سے ہے۔ ٹیلی فون پر ہر مسافت سمٹ جاتی ہے۔ لمحہ بھر میں دوسرے کو اپنے ساتھی کا حشر معلوم ہوجائے گا اور وہ چوکنا ہوجائے گا۔"

"ابھی تک وہ دونوں بہت ذہین اور سفّاک ثابت ہوئے ہیں۔" میں نے خودکلامی کے انداز میں ان کا جائزہ لینا شروع کیا "جس کام کے پیچھے لگ جاتے ہیں اسے آخر تک پہنچا کر دم لیتے ہیں۔ ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کوئی احمقانہ غلطی کرتے ہوئے ہمارے دام میں آپھنسیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" عابد نے پُرخیال انداز میں میری خودکلامی کی تائید کی "یہ ذہانتوں کا خون آشام تصادم ہے۔ بلاشبہ را والے بہت ذہین ہیں لیکن ابھی تک تم اپنے عمل اور فیصلوں سے خود کو ان سے کہیں زیادہ ذہین ثابت کرتے چلے آرہے ہو۔ تم سے بڑھ کر غزالہ نے اپنے کمال دکھائے ہیں۔ وہ جان اسمتھ کو جہنم واصل کر آئی اور را والے ابھی تک اس نامعلوم عورت کی تلاش میں ہیں جس کے ساتھ جان نے ہوٹل کا بار چھوڑا تھا۔ اس کا نیا شکار مرلی تھا۔ اس کا انجام را والوں کے سینے پر سانپ بن کر لوٹتا رہے گا۔ ویسے اب اسے کہاں چھوڑ کر آئے ہو؟"

باتیں کرتے کرتے عابد کو اچانک ہی غزالہ کا خیال آگیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا "تجربہ ثابت کرچکا ہے کہ بند دیواروں کی تنہائی میری یا اس کی محافظ نہیں بن سکتی۔ میرے کمرے میں وہ کسی نئے وار کا نشانہ بن سکتی تھی۔ اس وقت وہ ہوٹل کے ریستوران میں اپنا وقت گزار رہی ہوگی۔"

میرے جواب پر عابد سوچ میں پڑگیا۔ چند ثانیوں بعد اس نے زبان کھولی "میں نے بھابی کو زیادہ قریب سے نہیں دیکھا۔ اسے سمجھنے اور پرکھنے کا موقع بھی نہیں مل سکا۔ تم کو اس پر پورا اعتماد ہے نا؟"

عابد علی کا وہ سوال بہت تلخ بلکہ ناشائستہ تھا۔ میرا خون کھول اٹھا۔ وہ غزالہ پر شبہ ظاہر کررہا تھا۔ میں نے برداشت سے کام لیتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بس اتنا کہا "کیا تمہارے لیے صرف یہ جاننا کافی نہیں ہے کہ وہ میری بیوی ہے۔"

"میں جانتا ہوں' سب کچھ جانتا ہوں۔" وہ بوکھلا کر بولا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرے ذہن میں کوئی شبہ نہیں ہے پھر بھی میں بہت سے تلخ تجربات سے گزرا ہوں۔ معتبر اور باوقار نظر آنے والی بعض عورتیں کچھ خاص قسم کے مردوں کے لیے حیرت ناک طور پر اپنے دل میں نرم گوشے رکھتی ہیں۔ ان کے خوابوں کا مرد مجسم ہو کر سامنے آجائے تو وہ اپنے ہر پندار اور سارے اصولوں کو لات مار کر اس کی طرف کھنچی چلی جاتی ہیں...."

میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا۔ میں نے اسے بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر اپنی بات شروع کردی "وہ ان عورتوں میں سے نہیں ہے۔ یہ کمزوریاں مغرب کی ان شہزادیوں میں پروان چڑھتی ہیں جو نگرانیوں میں پلتی بڑھتی ہیں۔"

وہ دھیمی آواز میں ہنس پڑا "تم ذہن تک کو پڑھ لیتے ہو۔ اس وقت میں اس برطانوی شہزادی کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اپنے اصطبل کے ایک سائیس کے ساتھ عشق میں مبتلا ہو کر اپنا سب کچھ گنوا بیٹھی تھی۔"

"غزالہ اس شہزادی سے بہت مختلف اور دوسروں کے لیے پتھر کی بنی ہوئی ہے۔" میں نے خشک اور سرد لہجے میں کہا "کمرے کی تنہائی سے نکل آنے کے بعد وہ بہت اچھی طرح اپنی حفاظت کرسکتی ہے۔ تم اس کے بارے میں زیادہ سوچ کر اپنے ذہن کو نہ تھکاؤ۔"

وہ بس چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا پھر اس نے پوچھا "تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ انل اور نریش میں سے تمہارے لیے کون سا شکار زیادہ اہم ہے۔"

"انل کا نام ہماری لسٹ میں سب سے اوپر تھا۔ وہ اب بھی وہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"گڈ!" وہ میرے لہجے کا برا منائے بغیر خوش دلی سے بولا "یہ ترجیح طے ہوجانے کے بعد منصوبہ بنانا ذرا آسان ہوجائے گا۔"

عابد نے مجھ سے غزالہ کے بارے میں جو کچھ پوچھا وہ ذاتی طور پر میرے لیے ناگوار تھا لیکن پیشہ ورانہ اعتبار سے ان باتوں کی خاصی اہمیت تھی۔

یہ شاید قدرت کا بنایا ہوا قانون ہے جو سدا سے اسی طرح چلا آرہا ہے کہ عام طور پر مرد عورت کا پیچھا کرتے ہیں اور ڈورے ڈال کر اسے اپنے چنگل میں پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسا کم ہوتا ہے کہ صنف نازک کسی مرد کو تاک کر اس کا پیچھا کرتی ہو۔ عورت اگر رینا اجیت رائے یا بیلا سنگھ ہو تو اپنی ملازمت کی مجبوریوں کے تحت مجھ جیسے مرد کے پیچھے لگ جاتی ہے یا پھر وہ عورتیں ہوتی ہیں جو اپنی سج دھج پر معمولی سی سرمایہ کاری کرکے رنگین مزاج مردوں سے اپنے قرب کا بھاری خراج وصول کرتی ہیں۔ ان دو قسموں کے سوا کچھ عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو بعض مردانہ خواص اور عادتوں پر دل وجان سے فدا ہوتی ہیں۔ انہیں اپنی پسند اور معیار کا مرد کہیں بھی نظر آجائے تو وہ سب کچھ بھول بھال کر اس کی خوشنودی کے حصول میں مصروف ہوجاتی ہیں۔

دہلی میں اس وقت ہم زندگی کے ایک بدترین موڑ سے گزر رہے تھے۔ اس مہم میں ہماری ذرا سی لغزش نہ صرف ہمیں موت کے منہ میں پہنچا سکتی تھی بلکہ بھارت کی سرزمین پر کافی لمبی مدت کے لیے آئی بی کے کسی ایجنٹ کا کام کرنا ناممکن ہوجاتا۔ وہ محض پانچ زندگیوں کا معاملہ نہیں تھا جن میں تین آئی بی والے تھے۔ چوتھی اور پانچویں ذات میری اور غزالہ کی تھی۔ ہم پانچوں کی جانوں سے کہیں بڑھ کر آئی بی کی کارکردگی اور اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ہمارے خیرخواہوں کی پالیسی داؤ پر لگی ہوئی تھی۔ ہماری کامیابی ان کے لیے شاید اتنی زیادہ سود مند نہ ہوتی جتنی تباہ کن ہماری ناکامی ہوتی۔

وہ پوری ہوش مندی سے کسی فیصلے پر پہنچنے کے نازک لمحات تھے۔ اس وقت عقل و دانش کا دامن چھوڑ کر کسی جذباتی کج بحثی میں پڑنا مناسب نہیں تھا۔ عابد نے اسی جذبے کے تحت پورے خلوص سے غزالہ کے بارے میں ایک تلخ سوال کیا تھا۔ اس میں اس کی کسی بدنیتی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ خرابی وہی تھی جس کا اعتراف عابد خود کرچکا تھا کہ اسے غزالہ سے مل بیٹھنے اور قریب سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

اس کے ٹیڑھے سوال کا جواز قدرے تاخیر سے میرے ذہن میں آیا۔ اس سے پہلے میں بہت سخت لہجے میں عابد کو اس کے سوال کا جواب دے چکا تھا۔ عابد کو اپنے سوال کی سنگینی کا پورا ادراک تھا۔ اس نے میری جارحانہ تلخ نوائی کو بڑی متانت سے برداشت کرلیا تھا اور گفتگو اس موضوع سے آگے نکل چکی تھی۔

کسی رہے سہے تناؤ کو ختم کرنے کے لیے میں بلاوجہ ہی دھیمے سے ہنسا پھر بولا "یہ ترجیح طے ہوجانے میں تمہیں کیا آسانی نظر آرہی ہے؟"

"مجھے معلوم ہے کہ اب ہم لوگوں کو سب سے پہلے اور ہر قیمت پر انل بسواس کو موت کے گھاٹ اتارنا ہے۔ نریش کی باری اس کے بعد آئے گی۔ ویسے بھی انل اپنے عہدے کے اعتبار سے نریش سے کہیں بڑا افسر ہے۔ اولیت اس کا حق ہے۔"

"میں قرول باغ کے علاقے کا چکر لگا کر دیکھ چکا ہوں کہ وہاں بڑے گھروں میں بھی مسلح چوکیدار رکھنے کا رواج نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔۔۔" میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ عابد علی ایک گہرا سانس لے کر بے اختیار بول پڑا تھا۔

"اوہ! تو دن میں تم یہ جائزہ لینے کے لیے اس بستی میں گئے تھے۔ تمہارا پیچھا کرتے ہوئے سنیل پریشان ہو گیا تھا کہ تم اس طرف کیوں جا رہے تھے۔ مجھے ماننا پڑے گا کہ تم ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتے ہو۔ کام کے دوران تمہاری کوئی حرکت بے مقصد نہیں ہوتی۔"

اس کی بات مکمل ہو جانے پر میں نے کوئی تبصرہ کیے بغیر اپنی ادھوری بات چھیڑ دی "تم بتا رہے تھے کہ انل بسواس کے گھر میں تین ملازمین سمیت کل سات نفوس رہتے ہیں۔ ہو سکے تو مجھے ان کی تفصیل سے بھی آگاہ کر دو۔"

"ملازمین میں ایک ادھیڑ عمر عورت ہے جو شاید گھر کی صفائی اور برتن وغیرہ دھونے کے کام کرتی ہو گی۔ دوسرا باورچی ہے جو کسی کسی وقت چوکیدار کا کام بھی سرانجام دیتا ہے۔ تیسرا آدمی ہر فن مولا ہے۔ مالی کا کام کرتا ہے، دروازہ کھولتا اور بند کرتا ہے اور گھر کی گاڑی بھی چلاتا ہے۔ جب وہ گھر پر نہیں ہوتا تو اس کی جگہ خانساماں چوکیداری کے فرائض سنبھال لیتا ہے۔ وہ دونوں کمزور اور بزدل نظر آتے ہیں۔"

"جو لوگ ہر فن مولا بننے کی کوشش کرتے ہیں وہ ہر کام ادھورا چھوڑ دیتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں انل کے ملازموں کی طرف سے کسی مزاحمت کا خطرہ نہیں ہے۔ ساری رکاوٹ بقیہ چار افراد کی طرف سے پیدا ہو سکتی ہے۔ میری خواہش ہے کہ انل بسواس کو اس کے کرتوتوں کی سزا دیتے ہوئے اس کے گھر والوں کو بالکل نہ چھیڑا جائے۔ وہ ہماری راہ میں حائل ہوں تو ان کے ساتھ کم از کم طاقت استعمال کی جائے۔"

"میں بھی عیال دار ہوں۔ اپنے مجرموں کے بیوی بچوں سے دور رہنے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہوں۔ آدمی ہر برا کام ان کے لیے کرتا ہے لیکن اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔ ویسے بھی انل کوئی عام مجرم نہیں ہے۔ اس کا قصور یہ ہے کہ وہ ہماری حریف ایجنسی کا بڑا منصوبہ ساز ہے۔"

"میری نظروں میں وہ عام مجرموں سے زیادہ گھٹیا آدمی ہے۔ جو شخص اپنا کام آسان بنانے کے لیے اپنی قوم کی جوان اور خوب صورت مگر مجبور لڑکیوں کی عزت سے کھیلنے کا عادی ہو چکا ہو، اس کا ضمیر مر چکا ہوتا ہے۔ وہ طوائفوں کے کسی دلال سے بھی گیا گزرا آدمی ہے۔"

"اس کی ذہنیت پر مجھے بھی دکھ ہے۔ تمہیں یہ سن کر شاید حیرت ہو کہ گھر کے چار مکینوں میں انل اور اس کی بیوی کے علاوہ اس کی دو جوان بیٹیاں بھی ہیں۔ وہ دونوں یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہیں۔"

"بیٹیاں!" میں عابد کی وہ بات سن کر چونک پڑا "دو جوان بیٹیوں کا باپ ہو کر وہ را کے دفتر میں ایسے گھناؤنے کھیل کھیل رہا ہے!"

"دوسروں کی عزت سے کھیلنے والے اندھے ہو جاتے ہیں۔ اپنے گریبان میں کبھی نہیں جھانکتے۔"

"اوہ!" میں نے فوری خیال کے تحت کہا "اس کے بارے میں بحث کر کے ہم بلاوجہ اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔ ہمیں کل رات کے بارے میں اپنے مشن کا کوئی نہ کوئی ابتدائی خاکہ ضرور سوچ لینا چاہیے۔"

"تم ہوٹل چھوڑ دو گے اس لیے غزالہ بھی ہمارے ساتھ رہے گی۔ وہ پرویز اور عبداللہ کے ساتھ نگرانی کے مشن پر رہے گی۔ میں تمہارے ساتھ ہر اول میں رہوں گا۔ وہ تینوں ہمارے کام میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے، صرف ناگزیر ضرورت پڑنے پر ہمیں کمک فراہم کریں گے۔"

"تم صحیح خطوط پر سوچ رہے ہو۔ میں خود بھی غزالہ کو پس منظر میں رکھنا پسند کرتا ہوں۔"

"ہم نے انل کا گھر اندر سے نہیں دیکھا۔ بالا بالا جو کچھ معلوم ہو سکا وہ حوصلہ افزا ہے۔ شاید ہم اپنا کام آسانی سے مکمل کر لیں لیکن انل کے گھر والے اس واقعے میں ضرور ملوث ہوں گے۔ مجھے یہ فکر ستا رہی ہے کہ انہیں نریش یا را کے کسی اور افسر سے رابطہ کرنے سے کیسے روکا جائے۔"

"یہ بات ہر شک و شبے سے بالا ہے کہ را اور اس کے افسروں کو دنیا کی بہترین مواصلاتی سہولتیں دستیاب ہیں۔ ان کے خفیہ باہمی رابطوں کی کہانیاں آئے دن سامنے آتی رہتی ہیں مگر مجھے یہ یقین ہے کہ انل نے اپنے گھر والوں کو ان

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورتِ دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہو گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سہولتوں کے بارے میں نہیں بتایا ہوگا۔ اس گھر کی نفری میں سے انل کو منہا کردیا جائے تو وہ چھ نفوس بھارت کے عام شہری ہو کر رہ جاتے ہیں جنہیں صرف فون پر رابطے کی سہولت میسر ہوگی۔"

عابد نے بے اختیار اپنی بائیں ہتھیلی اپنی پیشانی پر مار کر کہا "تم بہت جلد صحیح نتیجہ اخذ کرلیتے ہو۔ میں انل کے استعمال میں موجود مواصلاتی آلات کے بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہا تھا۔ یہ بات میرے ذہن میں نہیں آرہی تھی کہ اس کے زیر ہوجانے کے بعد وہ آلات کوئی استعمال نہیں کرسکے گا۔"

"قرول باغ میں بھی ٹیلی فون کے تاروں کا وہی حال ہے جو کراچی اور لاہور میں نظر آتا ہے۔ انل بسواس کے گھر کی لائنیں باہر سے کاٹ دی جائیں تو مسئلہ بڑی حد تک حل ہوجائے گا۔" میں نے اپنی تجویز پیش کردی۔

"یہی کرنا ہوگا۔ اس کے بعد بس موبائل فون رہ جاتا ہے۔ اس بارے میں ہم بے بس ہوں گے۔"

"کوئی نہ کوئی رسک لینا ہوگا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "خطرہ مول لیے بغیر کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔"

انل بسواس پہلے سے ہمارے نشانے پر تھا اس لیے عابد اور اس کے آدمیوں نے اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرلی تھیں لیکن نریش شرما کے بارے میں ہم تاریکی میں تھے کیونکہ اس کے مستقبل کے بارے میں میں نے تھوڑی دیر پہلے ہی فیصلہ کیا تھا۔

دونوں ہدف ہمارے سامنے تھے لیکن اس وقت اپنی کامیابی یا ناکامی کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ آخری نتائج حاصل کرنے کے لیے ہمیں درمیانی رات ہوٹل میں گزارنی تھی۔

انل اور نریش کے اقوال کی روشنی میں وہ رات کی نگرانی میں بسر ہونے والی ہماری آخری شب تھی۔ نریش میرے خلاف اپنا جو ہتھیار گنوا بیٹھا تھا' اس کے متبادل کے حصول کے لیے اس نے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگائے ہوئے تھے۔ وہ مجھ پر اور غزالہ پر اپنا ہر ہر وار آزما چکا تھا لیکن قدرت نے شاید ناکامی اس کے مقدر میں لکھ دی تھی۔

جس وقت عابد نے مجھے قرول باغ کی بستی میں پہنچنے کی خبر سنائی' میرا ذہن ایک نئے مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ راؤ والوں نے مجھے اور غزالہ کو بہت چالاکی کے ساتھ ہوٹل کے کمرے سے کئی گھنٹوں تک دور رکھ کر وہاں فلم بندی کے خفیہ آلات نصب کیے تھے۔ اس وقت بھی ہمارا کمرا خالی پڑا ہوا تھا۔ اس سے پہلے ہم دونوں ریتا کے ساتھ باہر نکل کر انہیں ایک اور موقع فراہم کرچکے تھے۔ پتا نہیں ان مواقع سے فائدہ اٹھا کر راؤ والے کیا کچھ کر گزرے تھے۔

وہ مسئلہ میرے ذہن پر زیادہ دیر تک سوار نہیں رہ سکا۔ ریتا کی آمد سے پہلے بھی ہم نے کافی وقت باہر گزارا تھا۔ راؤ والوں کو جو کچھ کرنا تھا' وہ کر گزرے تھے۔ ہمیں بلیک میل کرنے والے مواد کے حصول میں ناکامی کے بعد وہ زیادہ سے زیادہ یہی کرسکتے تھے کہ ہماری مسہری میں کوئی خودکار بم نصب کردیتے لیکن ایسا کرنا ان کے اپنے مفاد میں نہیں تھا کیونکہ وہ مجھے اپنے مخبر بلکہ ایجنٹ کے طور پر زندہ رکھ کر پاکستان میں مجھ سے کوئی اہم کام لینا چاہ رہے تھے۔

"کونے سے دوسرا مکان نریش کا ہے۔" عابد نے گاڑی ایک گلی میں گھماتے ہوئے داہنی طرف خفیف اشارہ کرکے کہا اور سست رفتار سے گاڑی کو آگے لیتا چلا گیا۔

وہ مکان واقعی چھوٹا سا تھا۔ احاطے اور عمارت کی دیواروں کا درمیانی فاصلہ اتنا کم تھا کہ نریش شرما کی اپنی گاڑی بھی بمشکل گھر کے اندر پارک ہوتی ہوگی۔ پھاٹک کی چوڑائی سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ نریش اپنی گاڑی گھر کی حدود میں رکھنے کا عادی تھا۔

ذرا سی دیر میں ہم قرول باغ کے چھوٹے مکانوں کو پیچھے چھوڑ آئے۔ میں خاص طور پر نوٹ کر رہا تھا کہ اپنی تلاش کے دوران ہم آبادی کی ان گلیوں تک نہیں پہنچ سکے تھے۔

گھروں کے باہر کھڑی ہوئی گاڑیوں اور لوگوں کی آمدورفت کی وجہ سے عابد کی گاڑی کی رفتار سست تھی پھر بھی ہمیں انل کا مکان جلد نظر آگیا۔ وہ کونے کا مکان تھا جس کے احاطے میں کئی گھنے درخت موجود تھے۔ میں نے مختصر سے جائزے میں اندازہ لگالیا کہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے انل بسواس کا مکان ہر قسم کی واردات کے لیے انتہائی موزوں تھا۔ کم از کم باہر سے گھر کے اندر کودنے یا گھسنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

ہوٹل کا کمرا مخدوش ہوجانے کی بنا پر میں نے اپنی تین اہم ترین چیزیں آئی بی والوں کے حوالے کردی تھیں۔ ان میں سے عابد علی کی دی ہوئی امانت تھی جس کی افادیت اگلی رات کے بعد ختم ہونے والی تھی۔ جب تک میں دہلی میں تھا' اس کا دیا ہوا محدود رینج کا ایرپیس میرے لیے بہت کارآمد تھا۔ میں نے اس کی مدد سے بعض نازک مواقع پر بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔ دہلی سے واپس جاتے ہوئے وہ ایرپیس ان لوگوں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لوٹانا تھا۔

بقیہ دو اشیا مجھے اپنی زندگی کی طرح عزیز تھیں۔ ان میں سے ایک وہ بیم گن تھی جو شی کے ایک مقتول آئی مین کی یادگار تھی۔ وہ ہمہ گیر افادیت رکھنے والا ایک نادر ہتھیار تھا جو ہمیشہ میرے کام آتا تھا۔ دوسری سی ایس ڈی تھی جو را والے بدری ناتھ کی یادگار تھی۔

واپسی کے سفر کے دوران میں نے عابد کو تاکید کی کہ اگلی رات وہ ان چیزوں کو اپنے ساتھ لانا نہ بھولے۔

ہمارے درمیان بہت سی اہم اور غیر اہم باتیں ہوتی رہیں پھر اس نے مجھے کناٹ پلیس کے ایک محفوظ مقام پر اتار دیا۔

عابد کی گاڑی آگے نکل جانے کے بعد میں ہوٹل کی طرف ہولیا۔

اس وقت ہونے والی گفتگو میں عابد نے اپنے ساتھیوں کے اصل نام استعمال کیے تھے۔ میں سنیل سے کئی مرتبہ ملا تھا مگر رام سے شاید ایک بار ملنے کی نوبت آئی تھی۔ میں تعارف ہوجانے کے باوجود ان دونوں کو ان کے مفروضہ ناموں سے پہچانتا تھا۔ کوشش کے باوجود مجھے یاد نہیں آرہا تھا کہ ان میں سے کون عبداللہ تھا اور کس کا نام پرویز احمد تھا۔ وہ سوال رہ رہ کر میرے ذہن کے کسی گوشے میں کھٹک رہا تھا اور میرے لیے مستقل بے چینی کا سبب بنا ہوا تھا۔

ہوٹل میں سب کچھ جوں کا توں تھا مگر میں جانتا تھا کہ وہ دہلی میں میری آخری رات تھی اس لیے مجھے سب کچھ بدلا بدلا اور نکھرا ہوا نظر آرہا تھا۔ میں بے پروایانہ انداز میں ہوٹل کی روشن اور بھری پری راہ داریوں سے ہوتا ہوا ریستوران میں پہنچ گیا جہاں غزالہ سکون سے ایک میز کے گرد براجمان تھی۔

اسے وہاں بیٹھے کافی دیر ہوچکی تھی لیکن اس نے چند ہلکی پھلکی اشیا منگوانے پر اکتفا کیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

چند ثانیوں بعد مسکراتی ہوئی خوب رو ویٹرس ہمارے سروں پر مسلط ہوگئی۔ شاید اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ غزالہ میرے انتظار میں وہاں بیٹھی وقت گزار رہی تھی۔ ریستوران کا مینو کارڈ پہلے سے غزالہ کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ اس نے روانی کے ساتھ آرڈر لکھوا کر ویٹرس کو رخصت کردیا۔

"اس سے آپ کی ملاقات کیسی رہی؟" غزالہ نے کہنیوں کے سہارے میز پر جھک کر پوچھا۔

"آئی بی والوں سے مل کر مجھے ہمیشہ تقویت کا احساس ہوتا ہے ورنہ ہم دونوں اس شہر میں بالکل اجنبی ہیں۔" میں نے دھیرے سے جواب دیا۔

"اجنبی ضرور ہیں مگر دشمنوں کے چنگل سے محفوظ ہیں۔" وہ مسکرا کر بولی۔ اپنے کمرے میں پیش آنے والے واقعے کے اثرات آہستہ آہستہ اس کے ذہن سے مندمل ہوچکے تھے اور وہ دوبارہ نارمل ہوچکی تھی۔

"ہمیں جیسے تیسے آج کی رات گزارنی ہے۔ کل شام ہم اس ہوٹل کو خیرباد کہہ دیں گے۔" میں نے اس کے لب و لہجے پر اپنی خوشی کو چھپاتے ہوئے کہا "اس سے پروگرام طے ہوگیا ہے۔ کل ان دونوں کا وقت بھی پورا ہوجائے گا۔"

"آپ کن دونوں کی بات کررہے ہیں؟" اس نے تیز سرگوشیانہ آواز میں پوچھا۔

"وہی دونوں جو ہمارے لیے سوہانِ روح بنے ہوئے ہیں۔"

"پہلے آپ نے ایک کے بارے میں طے کیا تھا۔" اس نے مجھے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"تمہارے آج کے خوفناک تجربے کے بعد دوسرا بھی فہرست میں آگیا ہے۔"

"ویری گڈ۔" میری اطلاع پر وہ خوش ہوگئی "یہ باتیں ہمیں یہیں نمٹالینی چاہئیں۔ ہوٹل کے کمرے میں ہم پابند اور مجبور ہوجاتے ہیں۔"

"کمرے میں لگائے جانے والے آلات ایک طرح ہمارے لیے مددگار ثابت ہورہے ہیں۔ ان پر ریکارڈ کی ہوئی آوازیں سننے والا ہر دشمن مطمئن رہے گا کہ ہم اس کی ناپاک سرگرمیوں سے بالکل بے خبر ہیں۔ واپسی پر تمہیں اپنے تجربے کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہنا چاہیے۔ وہ تمہارا ردِعمل سننے کے لیے بے چین ہوں گے۔"

غزالہ کا منہ بن گیا "اس تجربے کے بارے میں بات کرنا تو درکنار، میں سوچنا بھی نہیں چاہتی لیکن آپ کی بات درست ہے۔ مجبوری کے عالم میں آدمی کو زہر کی گولی بھی نگلنا پڑتی ہے۔ میں آپ کی ہدایت یاد رکھوں گی۔"

ہوٹل کے کمرے میں ہم دونوں زبان بندی پر مجبور تھے۔ کھل کر کوئی بات نہیں کرسکتے تھے۔ اگر ہم نے اس دن کا بڑا حصہ ہوٹل سے باہر رہ کر نہ گزارا ہوتا تو ہمارے دلوں میں ایک بھڑاس سی موجود ہوتی جسے ہوٹل کے ریستوران میں نکالا جاتا لیکن اس وقت ہمارے درمیان صرف اور صرف اگلی رات کی مہم زیرِ غور تھی۔ میں نے انل بسواس اور نریش شرما کے گھروں کے بارے میں جو کچھ دیکھا اور سوچا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا' اس میں غزالہ کو شریک کرتا چلا گیا۔

کھانے کے دوران بھی ہم دونوں اسی بارے میں باتیں کرتے رہے۔ غزالہ کو خوشی تھی کہ دشمن کی تمام تر گھاتوں کے باوجود ہماری روانگی کا پروگرام سوچے سمجھے' مخصوص انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔

"بڑے گھر میں سات افراد ہوتے ہیں۔ چھوٹے کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا۔" اس نے کہا۔

"اس کے بارے میں گوپال سے پہلی بار بات ہوئی ہے۔" میں نے بتایا "میرا خیال ہے کہ وہ آج رات ہی بہت کچھ معلوم کرلے گا۔"

"وار کرنے سے پہلے حریف کی پوزیشن اور نفری کے بارے میں صحیح اطلاعات موجود ہوں تو حملہ ناکام ہونے کے امکانات بہت کم رہ جاتے ہیں۔"

میں اپنی بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکا "تم اس طرح بات کررہی ہو جیسے ہمارا غنیم کے بہت بڑے لشکر سے مقابلہ ہونے والا ہے۔"

"کہیں ذرا سی لغزش ہوگئی تو آناً فاناً میں لشکر بھی جمع ہوجائے گا۔ یہ شہران کا ہے۔ یہاں کی انتظامیہ اور پولیس ان کی ہے۔ ایک اشارے پر وہ سب پوری آبادی کا محاصرہ کرلیں گے۔ آخری کامیابی حاصل ہونے تک ہمیں دشمن کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔"

"یہ میرا اصول ہے جسے تم دہرا رہی ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "اب ہماری بلی ہم ہی کو میاؤں کررہی ہے۔"

اس بار وہ شوخی سے ہنس دی اور باتوں کا سلسلہ یوں ہی چلتا رہا۔

میرے ذہن پر مسائل کا بوجھ کچھ زیادہ تھا۔ ایک وقت میں بہت کچھ کرنا اور سہنا پڑ رہا تھا جب کہ غزالہ اتنے زیادہ دباؤ میں نہیں تھی۔ اسے جان اسمتھ کا نپا تلا ٹارگٹ دیا گیا تھا۔ اس نے اپنی تمام تر ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر' بہت کامیابی سے اسے جہنم واصل کردیا تھا اور بے فکر ہوکر بیٹھ گئی تھی۔

میں نے اسے آئی بی والوں کے اصل ناموں کے بارے میں اپنی الجھن سے آگاہ کیا تو اس نے کسی توقف کے بغیر مسئلہ حل کردیا۔

سنیل کا اصل نام پرویز احمد تھا۔ اس سے ابتدائی رابطے کے لیے کپور تھلا کے رئیس کا کوڈ دیا تھا۔ عبداللہ دہلی میں ولی رام بنا ہوا تھا۔ ان دونوں سے اگلی رات میری آخری ملاقات ہونا تھی۔ مجھے یہ اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ میں اپنے آڑے وقت کے ان فرض شناس ساتھیوں کو ان کے اصل ناموں سے الوداع نہ کہہ سکوں۔

ریستوران سے نکل کر ہم نے کچھ وقت ہوٹل میں گھومتے ہوئے گزارا۔ دوبارہ کمرے میں پہنچے تو رات کے گیارہ بجنے والے تھے۔

"آج کا دن میں اپنی زندگی میں کبھی فراموش نہیں کرسکوں گی۔" کپڑے وغیرہ بدلنے کے بعد اِدھر اُدھر کی باتوں میں غزالہ نے اچانک میری ہدایت پر عمل کرنا شروع کردیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ریستوران کا ڈنر تمہیں بہت زیادہ پسند آیا ہے۔" میں نے اسے آنکھ مار کر مزاحیہ لہجے میں کہا۔

"ایسے ہزار ڈنر بھی اس تجربے کو نہیں بھلا سکتے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی "وہ میرے نیم تاریک کمرے میں کسی خوں خوار درندے کی طرح چھپا بیٹھا تھا۔ اس کا مکروہ شیطانی چہرہ جب بھی یاد آتا ہے' میں لرز کر رہ جاتی ہوں۔"

"تم بار بار اس کا ذکر کیوں نکال لیتی ہو۔" میں نے ہلکی سی ترشی سے کہا "ہر شخص کی زندگی میں بہت سے اچھے اور برے واقعات پیش آتے ہیں۔ ناخوشگوار یادوں کو اس طرح ذہن پر نقش کرلیا جائے تو زندگی اجیرن ہوجاتی ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وقت کے ساتھ یہ ڈراؤنا واقعہ میرے ذہن سے محو ہوجائے مگر اس وقت اسے بھلانا ممکن نہیں ہے۔ باہر گھومتے پھرتے ہوئے میں کھل کر آپ سے بات نہیں کرسکی تھی۔ کمرے کی تنہائی میسر آئی ہے تو وہ خیال مکڑی کے جالے کی طرح پھر دماغ پر چھا گیا ہے۔"

"اس منحوس اور مردود شخص کے بارے میں ایک مرتبہ دل کھول کر بات کرلو۔ بار بار کے اس تذکرے سے مجھے چڑ ہونے لگی ہے۔ یوں معلوم ہورہا ہے جیسے تم مجھے کچھ جتانے کی کوشش کررہی ہو" میں نے بے زاری سے کہا۔

"آپ بلاوجہ ناراض ہورہے ہیں۔ بھلا میں آپ کو کیا جتانے کی کوشش کروں گی" غزالہ کی آواز میں آزردگی سمٹ آئی۔

"میں تمہیں اپنے ساتھ دہلی لایا تھا۔ شاید تم یہ سوچ رہی ہو کہ تمہاری حفاظت کرنا میری ذمے داری ہے جسے میں پورا نہیں کرسکا۔"

"آپ بلاوجہ اتنی دور کی بات سوچ رہے ہیں۔ مجھ سے قسم لے لیں جو میرے دل میں یہ خیال بھی آیا ہو۔ میں نے آپ کی ذات کو اپنا سہارا بنایا ہے۔ وقت نے ثابت کردیا ہے کہ میرا یہ فیصلہ غلط نہیں تھا۔ رہا وہ واقعہ تو وہ کسی کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی پیش آسکتا ہے۔"

"مجھے اب بھی حیرت ہے کہ تم نے اس کو کیسے زیر کیا ہوگا" میں نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا "وہ بہت مضبوط اور قد آور تھا۔"

"مجھے خود پتا نہیں کہ وہ سب کیسے ہوگیا۔ اسے اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر میرے دماغ پر وحشت سی سوار ہوگئی تھی۔ بس ایک خیال تھا کہ اپنی عزت بچانے کے لیے اسے ماردوں یا خود مرجاؤں۔ اسے کمرے کے قالین پر بے سدھ پڑا ہوا دیکھ کر مجھے دوبارہ ہوش آیا تھا۔"

"نریش شرما بہت خطرناک اور ٹیڑھا آدمی ہے۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے حملہ آور کو اپنے آدمیوں کی مدد سے خاموشی سے اٹھوالیا۔ ہوٹل کی انتظامیہ سے مدد لینے کی نوبت آجاتی تو بات پولیس تک ضرور پہنچتی اور ایک نیا اسکینڈل کھڑا ہوجاتا۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ خود کو اس بھیڑیے کے سامنے پاکر میری عقل ماؤف ہوگئی تھی۔ میں بغیر سوچے سمجھے اس پر ٹوٹ پڑی۔"

"وہ ناکام ہوگیا۔ تم نے اپنے سے طاقت ور دشمن کو حیرت ناک آسانی سے زیر کرلیا۔ بات پولیس تھانے تک نہیں پہنچی اور یہ قصہ خاموشی سے نمٹ گیا۔ ان پہلوؤں پر ٹھنڈے دل سے غور کروگی تو تمہیں خود بہ خود صبر آجائے گا۔"

"وہ نشے میں دھت نہ ہوتا تو شاید اتنی آسانی سے مار نہ کھاتا" غزالہ اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کرنے کے موڈ میں آچکی تھی۔

"تم نے پہلے ذکر نہیں کیا کہ وہ نشے میں دھت تھا۔"

"رہ رہ کر باتیں یاد آرہی ہیں مگر یہ میرا وعدہ ہے کہ آئندہ آپ میری زبان سے یہ تذکرہ نہیں سنیں گے۔"

"اگر وہ نشے میں تھا تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ غلطی سے تمہارے کمرے میں گھس گیا ہو۔"

"اب آپ مجھے بہلانے کی کوشش نہ کریں۔ بڑے ہوٹلوں میں ایک کمرے کی چابی سے دوسرے کمرے کا تالا ہرگز نہیں کھلتا۔ وہ خطرناک ارادے سے جان بوجھ کر میرے کمرے میں چھپا تھا۔ وہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں تھا۔ میں بہت بڑے خطرے سے بال بال بچی ہوں۔"

"نریش کا خیال تھا کہ اس شخص نے پہلے تمہیں کہیں دیکھا ہوگا اور تم پر فدا ہوگیا..."

"فدا ہونے والے ایسی اوچھی اور خطرناک حرکتیں

خدمتِ انسانیت ایک عظیم عبادت ہے
ارشادِ نبوی

آپ
پریشان
آخر کب تک؟

اگر خدانخواستہ آپ کسی بھی اندورنی بیماری
اعصابی کمزوری، تبخیر معدہ یعنی گیس ٹربل
شوگر یا دیگر قابل غور امراض
کی پریشانی میں مبتلا ہیں تو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں کیونکہ مایوسی گناہ ہے۔ ہمارا بلند معیار۔ بااصول مستند ادارہ آپ کو سستا، آسان، اصولی، تسلی بخش مستقل اور مختصر علاج فراہم کرے گا۔

ہمارا طریقہ علاج
دوسرے اداروں سے بالکل مختلف ہوتا ہے جس سے بفضلہ تعالیٰ مرض جڑ سے ختم ہوجاتی ہے اور دوبارہ علاج کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔

ادویات بذریعہ ڈاک منگوائی جاسکتی ہیں

اندرون و بیرون ملک حضرات اپنے تمام حالات مفصل لکھ کر مشورہ حاصل کرسکتے ہیں۔ صیغہ راز ایک امانت ہوگی۔ ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ اپنی مرض کو لمبی۔ پرانی یا لاعلاج نہ بنائیں بلکہ جس قدر جلد ممکن ہو۔ اپنا اصولی، تسلی بخش اور مستقل علاج کروائیں۔ کیونکہ اگر صحت اچھی ہوگی تو تب ہی ساری خوشیاں بھی اچھی لگیں گی۔
تندرستی ہزار نعمت ہے

منیجر مستند ادارہ النجم الصحت
شریف دواخانہ قائم شدہ ۱۹۴۱ء
پوسٹ بکس ۹، حافظ آباد پوسٹ کوڈ ۵۲۱۱۰ پاکستان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں کرتے" غزالہ نے میری بات کاٹ کر چڑچڑے انداز میں کہا "نریش سنکی ہے جو ایسی باتیں سوچ رہا ہے۔ وہ راکا بڑا افسر ہے۔ اس آدمی کی تھوڑی سی گوشمالی کرے تو وہ سارا سچ اگل دے گا۔"

غزالہ کے آخری فقروں پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ وہاں چور اور کوتوال، دونوں ملے ہوئے تھے۔ کون کس کی گوشمالی کرتا۔ مرلی اور نریش کی ملی بھگت سے قطع نظر غزالہ کی بات سو فیصد درست تھی۔ اگر نریش شرما کا دامن ذرا بھی صاف ہوتا تو اسے کوئی قیاس آرائی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ رنگے ہاتھوں بلکہ بے ہوشی کی حالت میں غزالہ کے باتھ روم سے پکڑا جانے والا مجرم اس کے قبضے میں تھا۔ وہ ذرا سی دیر میں اس سے ہر بات اگلوا سکتا تھا۔

"اب نریش جانے اور اس کا قیدی جانے۔ ہمیں ان پر سر کھپانے کی کوئی ضرورت نہیں" میں نے اکتا کر کہا۔

"کئی راتوں سے آپ کا رویہ عجیب سا ہو گیا ہے" غزالہ نے زیرلب مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مجھ سے دور اور کھنچے کھنچے سے رہتے ہیں۔ آج میں ڈری ہوئی ہوں۔ ویسے بھی شاید یہ دہلی میں ہماری آخری رات ہو۔ آج ہم ایک دوسرے سے قریب رہیں گے۔"

نریش شرما کی امیدوں کے دم توڑتے ہوئے چراغ کی لو کو غزالہ نے یکایک بھڑکا دیا۔ اس کے الفاظ کا ایندھن اس چراغ کو پوری رات فروزاں رکھنے کے لیے کافی تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ غزالہ کے وہ معنی خیز فقرے فوری طور پر نریش تک پہنچا دیے جائیں گے۔

"میں پوری کوشش کروں گا" میں نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا "بند کمرے میں ہم دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں۔ اس خلوت میں کوئی تیسرا خلل انداز ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا مگر تمہیں میری بگڑی ہوئی کیفیت کا علم ہے۔ میں خود بھی دہلی کی فضاؤں میں تمہارے وجود کی خوشبو سے محظوظ ہونا چاہتا ہوں مگر خدا کے لیے مجھ پر جبر نہ کرنا۔ تمہارے لیے میری چاہت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ یوں سمجھ کو لہ مجھے کوئی عارضی ذہنی بیماری لگ گئی ہے۔"

"میں جانتی ہوں .... میں سب جانتی ہوں۔ آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

اس گفتگو میں وہ سارے پیغام پنہاں تھے جو میں ریکارڈنگ کے آلات کے ذریعے نریش تک پہنچانا چاہتا تھا۔

ہوٹل کی رہائشی منزلوں سے نیچے اور ہوٹل کے باہر زندگی کی ساری ہنگامہ آرائیاں جاری و ساری تھیں لیکن بند کمرے میں وقت کافی ڈھل چکا تھا۔ غزالہ کے ساتھ کچھ دیر تک ٹیلی وژن دیکھنے کے بعد میں ساڑھے گیارہ بجے بستر پر دراز ہو گیا۔

وہ رات بھی ہم دونوں نے پچھلی رات کی طرح محتاط رہ کر گزار دی۔ کمرے میں چھپے ہوئے تصویر کشی کے آلات کا خوف ہم دونوں کے لاشعور پر اتنا حاوی تھا کہ نیند کے دوران میں کروٹ وغیرہ لیتے ہوئے ہمارے جسموں کا کوئی حصہ ایک دوسرے سے چھو جاتا تھا تو دونوں چونک کر بیدار ہو جاتے تھے۔

خدا خدا کر کے دہلی میں ہماری وہ آخری اور صبر آزما رات بھی ڈھل گئی۔ کھڑکیوں پر تنے ہوئے پردوں کے پیچھے دن کا دھندلایا ہوا، موہوم سا اجالا نمودار ہوتے ہی میں نے بستر چھوڑ دیا اور نئے دن کی نئی سرگرمیوں کے لیے تازہ دم ہونے کے ارادے سے باتھ روم میں گھس گیا۔

میں باتھ روم سے نکلا تو غزالہ بھی بیدار ہو چکی تھی اور بہت خوش تھی۔

مجھے توقع تھی کہ نریش مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔ ناشتے کے بعد ہم دونوں کیمروں کی زد سے بچ کر اپنا سامان مختصر سے سوٹ کیس اور تھیلے میں پیک جا کر رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے دوسری گھنٹی بجنے پر ریسیور اٹھا لیا۔

آپریٹر نے میری توقع کے برعکس لائن پر انل بسواس کی موجودگی کی اطلاع دی اور میری ہدایت پاتے ہی لائن ملا دی۔ انل کی اس کال کی اطلاع پاتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ میری اور غزالہ کی روانگی میں کوئی رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔

"تم نے ہمارا دیا ہوا وقت خوش اسلوبی سے گزار لیا ہے۔ اب تم اپنی مرضی کے مطابق کہیں بھی جانے کے لیے آزاد ہو۔ یہ میرا وعدہ تھا جو آج پورا ہو گیا" اس کی آواز دھیمی اور پُرسکون تھی۔ میرا مشاہدہ تھا کہ وہ نریش شرما کے مقابلے میں زیادہ متحمل مزاج تھا۔

"میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ شکوک و شبہات کی دھند سے گزرنے کے بعد آخر کار تم میری طرف سے مطمئن ہو گئے ہو" اس وقت انل بسواس نے گفتگو کا آغاز انگریزی میں کیا تھا۔ میں نے بھی اسی زبان میں جواب دیا جو آپ اور تم کے کسی نازک امتیاز سے عاری تھی۔

"یہاں تمہارے ساتھ کچھ زیادتیاں ہوئی بھی ہوں گی" وہ میرے تشکر آمیز کلمات کو نظرانداز کر کے کہہ رہا تھا "یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موجودہ حالات اور ہمارے طریقہ کار کی مجبوریاں ہیں جن پر میں معذرت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ ہمارے ساتھ کچھ وقت گزار کر تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ رازداری اور تحفظ کا کیا مفہوم ہوتا ہے۔"

"میں بہت کچھ سمجھ چکا ہوں۔ میں نے کچھ سیکھا بھی ہے۔ پاکستان لوٹنے کے بعد تمہارے عظیم مقاصد کے لیے کام کرکے مجھے خوشی محسوس ہوگی۔"

"یہ ابتدائی مرحلہ ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ تم کو فخر کا احساس ہوگا۔ تم دنیا کی دو بڑی اور عظیم قوتوں کے ساتھی ہو۔ کل رینا نے اس بارے میں تمہیں آخری بریفنگ دے دی ہوگی۔"

"رینا کی بتائی ہوئی ہر بات خیال انگیز تھی۔ میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے مجھے یہ سب بتانا ضروری سمجھا۔ میں یہ باتیں جانے بغیر بھی تمہارے لیے کام کرنے پر آمادہ ہو چکا تھا۔ میرے لیے ہزاروں روپے ماہانہ کی اضافی آمدنی بہت اہمیت رکھتی ہے۔"

"ابتدا میں تم اس کام کو اپنے ملک اور قوم سے غداری تصور کر رہے تھے!" وہ فون پر بھی میرے ذہن کو ٹٹولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"وہ جذباتی باتیں تھیں" میں نے خفّت آمیز لہجے میں جواب دیا "حقیقت یہ ہے کہ باتیں کتنی ہی دلکش اور اثر آفریں ہوں، وہ انسان کا پیٹ نہیں بھر سکتیں۔ ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہر قدم پر پیسے کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر تم میری خدمات نہیں خرید رہے۔ تمہارے سامنے اس پورے خطے کے باسیوں کی بہبود اور بقا کا ایک واضح منصوبہ ہے۔"

"یہ باتیں سمجھنے میں شاید یہ خوف بھی کارفرما ہے کہ تمہاری اور رینا کی ایک ویڈیو فلم نریش کے قبضے میں ہے۔"

"مجھے اس فلم کی فکر ہے۔ دوسروں کی طرح میں بھی اپنے اس چہرے کی تشہیر پسند نہیں کرتا جسے میں نے ہر ایک سے چھپایا ہوا ہے" میں نے کمرے میں غزالہ کی موجودگی کی پروا کیے بغیر وہ بات کہہ ڈالی "میں تم سے ایک التجا ضرور کروں گا کہ میری طرف سے پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد وہ ویڈیو مجھے واپس لوٹا دینا۔"

میری اور انل کی گفتگو کی نزاکت بھانپ کر غزالہ نے ازخود مجھے تخلیہ فراہم کر دیا تھا اور غالباً کسی ضرورت کے بغیر باتھ روم میں چلی گئی تھی۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ذرا سی دیر میں ایک فلم

خوبصورت مقبول کتابیں

اقلیم علیم
ناگ بھون 300/-
سنگتراش 300/-

انوار علیگی
سفید محل 250/-
بچھو 250/-
ریچھ کے اسرار 100/-

انوار صدیقی
طاغوت 200/-
برہمچاری 175/-
رقص ابلیس 150/-
خبیث (5 حصے) 225/-
درخشاں (2 حصے) 90/-
امبر بیل 1000/-

ایم اے راحت
کالا کفن 375/-
طلسم زادی 300/-
بازی (4 حصے) 240/-
وادی سحر 180/-
چھپکلی 210/-
فرعون کی رُوح 800/-

علیم الحق حقی
وقت کے فاصلے 210/-
پروانہ 150/-
حج اکبر 150/-
مٹی کی امانت 300/-
نیلے کالے سیاہ پھول 150/-
اُمید کا دیا 100/-
بالائے ستم 90/-
دادا، چوزی اور موذی 135/-
کان کن 100/-

محمود احمد مودی
تلاش 300/-
بہروپ 180/-
سرکش (12 حصے) 720/-

مشتاق احمد قریشی
ٹائیگر (13 حصے) 650/-

م۔ الف صدیقی
روگی (5 حصے) 270/-

مکتبہ القریش
اُردو بازار، لاہور۔2 ☆ فون: 7668958

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے کئی کیسٹ تیار کیے جاسکتے ہیں۔ ایک فلم واپس لے کر بھی تمہیں اس کے خوف سے نجات نہیں مل سکے گی۔"

"تم سے مل کر میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ تم قول کے پکے ہو۔ جو کہتے ہو' اس پر پوری سچائی سے عمل کرتے ہو اور جو کچھ نہیں کرنا چاہتے' اس کے بارے میں سرے سے بات ہی نہیں کرتے۔ میرے اطمینان کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ تم میری التجا قبول کرلو۔"

انل بسواس لاکھ باراں دیدہ اور خرانٹ سہی مگر ایک انسان تھا۔ میری خوشامدانہ باتوں پر اس نے کسی مسرت کا اظہار نہیں کیا لیکن اس موضوع کو وہیں سمیٹتے ہوئے صرف اتنا وعدہ کرلیا کہ وہ میری فرمائش پر غور کرے گا۔

اپنی حکمتِ عملی کے تحت میں اسے یہ باور کرانے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا میں اس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس کر پوری طرح بے بس ہوچکا تھا۔

انل کے روبہ رو نہ ہونے کی وجہ سے میں اس کے ردِعمل کا صحیح اندازہ لگانے سے قاصر تھا لیکن اس کی باتوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ مجھے اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل ہوچکی تھی۔ غالب امکان یہ نظر آرہا تھا کہ وہ ہماری روانگی میں رخنہ اندازی کی کوئی کوشش نہیں کرے گا۔

"دہلی میں قیام کی پابندی ختم ہونے کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے؟" ریسیور پر سنائی دینے والے' انل بسواس کے سوال نے مجھے چونکادیا۔

"ہوسکتا ہے کہ کل ہم پاکستان کے لیے روانہ ہوجائیں" میں نے دل کی تیز دھڑکنوں کے ساتھ جھوٹ بولا۔

"میری نیک تمنائیں اور دعائیں تمہارے ساتھ ہیں" انل بسواس نے الوداعی کلمات کے ساتھ فون بند کردیا۔

بھارتی سیکرٹ سروس میں انل بسواس کا منصب بہت اعلیٰ تھا۔ گو نریش شرما براہِ راست اسی کو جواب دہ تھا مگر ان دونوں کے مراتب میں بہت زیادہ فرق تھا۔ میں حیران تھا کہ اس وقت نریش کے بجائے انل نے کیوں فون کیا تھا۔

اگر نریش اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں دہلی سے باہر تھا تب بھی وہ فون کے ذریعے آسانی سے مجھ سے رابطہ کرسکتا تھا۔ اس کی جگہ اچانک انل بسواس کا سامنے آنا اس بات کی دلیل تھا کہ ہمارے معاملے کو ہمارے اندازے سے زیادہ اہمیت دی جارہی تھی۔

جب تک ہم دہلی میں رہنے کے پابند تھے' معاملات نریش کی سطح پر چلتے رہے لیکن وہ پابندی ختم ہوتے ہی انل ابھر کر سامنے آگیا تھا۔ میرے پاس اس سے یہ سوال کرنے کی کوئی بنیاد نہیں تھی کہ اس نے مجھے عزت افزائی کے قابل کیوں سمجھا تھا۔ ایک خطرناک امکان یہ بھی نظر آرہا تھا کہ دہلی سے روانگی کے موقع پر را والے ہماری کڑی نگرانی شروع کردیں اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ ہم کب اور کس ذریعے سے دہلی سے روانہ ہوں گے۔

میں ان باتوں پر جتنا غور کرتا رہا' اتنا ہی الجھتا چلا گیا۔ بظاہر آسان نظر آنے والے معاملات یکایک وحشت ناک رخ اختیار کرتے جارہے تھے۔ سب سے بڑی مجبوری یہ تھی کہ میں اس کمرے میں غزالہ سے کھل کر بات کرسکتا تھا نہ فون پر عابد یا اس کے کسی ساتھی سے بات کرسکتا تھا۔

میں نے انل بسواس کو... ایک طرف سے تاریکی میں رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اسے اپنی روانگی کے حتمی پروگرام سے آگاہ نہیں کیا تھا جبکہ عابد سے سب کچھ طے ہوچکا تھا۔ مجھے اور غزالہ کو رات کے آٹھ بجے ہوٹل چھوڑ دینا تھا۔ ہمارا بقیہ وقت کہاں اور کن حالات میں گزرتا' اس کا انحصار عابد علی کے پروگرام پر تھا۔ رات کے دو بجے ہمیں آئی بی والوں کے تعاون سے قرول باغ میں اپنا سب سے بڑا آپریشن شروع کرنا تھا۔ اس کام سے نمٹتے ہی ائرپورٹ روانگی کا منصوبہ طے ہوچکا تھا۔

اگر اس وقت انل بسواس کا غیر معمولی فون نہ آیا ہوتا تو میں طے کرچکا تھا کہ ہم اپنے اکلوتے سوٹ کیس کے ساتھ ہوٹل کو باقاعدہ خیرباد کہیں گے اور وہاں سے عابد کے ساتھ نکل جائیں گے لیکن انل سے گفتگو کرنے کے بعد میں تذبذب کا شکار ہوگیا تھا۔

سامان کے ساتھ ہوٹل سے نکلنے کا مطلب دہلی سے روانگی کا کھلا اعلان ہوتا۔ شاید بل بنانے سے پہلے ہی ہوٹل کی انتظامیہ را کے نامزد کیے ہوئے کسی افسر کو ہماری روانگی کی خبر دے دیتی اور ہمیں اتنی دیر کے لیے الجھالیا جاتا کہ را کے ایجنٹ ہوٹل پہنچ کر ہمارے تعاقب کی تیاری کرسکیں۔ وہ بہت خطرناک صورتِ حال ہوتی۔ دہلی میں آئی بی کے تینوں ایجنٹ ایک مدت سے پوشیدہ رہ کر اتنی خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے کہ کسی کو کانوں کان بھی ان کے وجود کی بھنک نہیں مل سکی تھی۔ ہماری اطلاعیہ روانگی کی صورت میں ہمیں ہوٹل سے لے جانے والا آدمی یقینی طور پر را کے ایجنٹ کی نگاہوں میں آجاتا۔

اس لغزش کے دوررس اثرات کو میری نگاہیں بھانپ رہی تھیں۔ ایک طرف انل اور نریش کے خلاف ہمارا مشن بدترین ناکامی سے دوچار ہوتا۔ اس میں ہم سب لوگوں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانوں کے اتلاف کا سنگین خطرہ پنہاں تھا۔ دوسری طرف دہلی میں آئی بی کے فعال وجود کا راز فاش ہوجاتا جس کے نتیجے میں اس پاکستانی ایجنسی کے لیے برسوں تک دہلی میں قدم جمانا ممکن نہ ہوتا۔ دیر تک سوچنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ سراسر تباہی اور بربادی کا راستہ تھا جس کا ترک کردینا ہی ہمارے مفاد میں تھا۔

دوسری اور درمیانی راہ یہ تھی کہ بدلے ہوئے حالات میں ہم انل بسواس اور نریش شرما کو بھول کر صرف اپنی کھال بچانے کی کوشش کریں۔ عابد علی اور اس سے طے کیے ہوئے پروگرام کو یکسر فراموش کردیں۔ رات کو آٹھ بجے ہمارے نہ پہنچنے کی صورت میں عابد بلبلا کر ہم سے کسی نہ کسی طرح رابطہ کرتا تو اسے بتادیا جاتا کہ حالات اچانک کتنے مخدوش ہوگئے تھے۔ اس فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد ہم اپنی سفری دستاویزات کے سہارے باضابطہ طور پر دہلی سے لاہور کے لیے روانہ ہوجاتے۔

وہ درمیانی راہ سب سے بہتر اور محفوظ تھی۔ اس میں ہماری جانیں ضائع ہونے کا اندیشہ تھا' نہ دہلی میں آئی بی کا نیٹ ورک ٹوٹنے کا کوئی خطرہ پوشیدہ تھا مگر میرا دل اس سمجھوتے کی طرف مائل نہیں تھا۔ ہم نے دہلی میں قیام کے دوران میں کئی اہم کامیابیاں حاصل کرلی تھیں لیکن میں پاکستان سے انل بسواس کو جہنم واصل کرنے کا جو مشن لے کر نکلا تھا وہ بری طرح ناکام ہوجاتا۔

انل بسواس میرا بنیادی اور اہم ترین شکار تھا۔ نریش شرما کا گھناؤنا کردار دہلی پہنچنے کے بعد ہمارے سامنے آیا تھا۔ اس نے میرے ساتھ سنگین ذاتی زیادتیاں کی تھیں۔ شاید میں اس کی وہ تمام سفاکیاں بھول کر اسے معاف کردیتا لیکن اس نے پچھلے روز غزالہ کے ساتھ جو حرکت کی تھی اس کے بعد وہ میرا ناقابلِ معافی مجرم بن چکا تھا۔

ایک طرف مشن کی تکمیل کی تڑپ اور انتقام کی پیاس تھی اور دوسری طرف بھیانک ناکامیوں کی دلدل نظر آرہی تھی۔ غزالہ نے باتھ روم سے آنے کے بعد مجھ سے فون کے بارے میں پوچھا اور میں نے کسی تشویش کا اظہار کیے بغیر اسے انل بسواس کی میٹھی اور مصالحانہ باتوں کے بارے میں بتادیا۔ اس سے آگے بولنا ممکن نہیں تھا کیونکہ اس وقت بھی ہماری آوازیں کہیں نہ کہیں سنی جارہی ہوں گی۔

غزالہ نے مجھ سے زیادہ سوالات نہیں کیے مگر وہ میری آنکھوں سے جھانکتی ہوئی تشویش دیکھ کر خود بھی پریشان ہوگئی تھی۔

پھر میرے ذہن میں تیسرے خیال نے سر ابھارا۔ ہمیں کسی سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں تھی۔ پاکستان سے ہم بہت مختصر اور ضروری سامان لے کے ساتھ آئے تھے جو ایک سفری تھیلے میں سما سکتا تھا۔ بقیہ سامان غزالہ نے مقامی بازاروں سے خریداری کے شغل میں جمع کیا تھا۔ وہ سامان ساتھ لے جانا ضروری نہیں تھا۔ جان ومال کے زیاں کے اس نازک موڑ پر وہ سامان سوٹ کیس سمیت کمرے میں چھوڑ کر ہم خاموشی سے فرار ہوجاتے تو راولوں کے ہوشیار ہونے تک ہمیں خاصی مہلت مل سکتی تھی۔ جب تک وہ حالات کا صحیح اندازہ لگا کر میدانِ عمل میں اترتے' ہم ان کی دسترس سے بہت دور' پاکستانی سرزمین پر پہنچ چکے ہوتے۔

وہ خیال اس قدر سنسنی خیز اور حوصلہ افزا تھا کہ میں نے فوراً ہی دراز میں پڑے ہوئے کاغذوں وغیرہ کی دیکھ بھال شروع کردی۔ میرے حساب اور اندازے کے مطابق ہوٹل میں میرے حساب میں اتنی رقم جمع تھی جو کم از کم اگلے دو دن کے کرائے اور دیگر اخراجات کے لیے کافی تھی۔ حساب کی اس صحت مند پوزیشن میں ہوٹل کی انتظامیہ کو یہ پروا بھی نہ ہوتی کہ ہم ہوٹل سے نکلنے کے بعد رات کو واپس آتے ہیں یا گول ہوجاتے ہیں۔

اس طریقے پر عمل کرنے میں اکلوتی خرابی یہ تھی کہ ہماری پراسرار روپوشی پر را اور دوسری بھارتی ایجنسیوں کی صفوں میں ہلچل مچ جاتی۔ نہ جانے کیا کچھ کہا اور سمجھا جاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مظہر خان کے روپ میں میرا دوبارہ بھارت آنا ناممکن ہوجاتا۔

را کے دفتر کو آگ لگادینے کے بعد میں نے ایسے حالات سے بچنے کی کوشش کی تھی اور آخری لمحات پر بھارت سے اپنے فرار کا معاملہ کسی مناسب وقت کے لیے ملتوی کردیا تھا۔ وہ وقت کچھ سازگار تھا۔ حالات کچھ مختلف تھے اس لیے میرا وہ فیصلہ درست ثابت ہوا تھا مگر انل بسواس کے فون کے بعد میری بچھائی ہوئی پوری بساط بکھرتی نظر آرہی تھی۔ فیصلہ کن لمحات سر پر مل گئے تھے۔ مجھے ہر خطرہ مول لے کر اپنے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانا اور پھر بھارت سے نکل بھاگنا تھا۔ میں فیصلہ کرنے میں ذرا بھی تاخیر کرتا تو بھارت سے ہماری زندہ وسلامت واپسی ایک خواب بن سکتی تھی۔

میں نے مسہری سے دور رہ کر اشاروں کنایوں سے غزالہ کو کمرے سے باہر نکلنے کی ضرورت کا احساس دلایا اور اس نے فوری طور پر ہوٹل سے نکلنے کی تیاری شروع کردی۔ وہ میرے تیور دیکھ رہی تھی اور میری زبان سے کوئی اہم فیصلہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سننے کی منتظر تھی۔

"کیوں نہ ہم بازار کا ایک چکر لگالیں؟" اس نے نگرانوں کو سنانے کے لیے تجویز پیش کی۔

"تم سارے قابلِ ذکر بازار دیکھ چکی ہو۔ خریداری کرکے کافی کاٹھ کباڑ جمع کرلیا ہے۔ اسے ڈھونا میرے لیے مصیبت بن جائے گا" میں نے بے زاری سے کہا۔

"ہم روز روز دہلی نہیں آئیں گے" غزالہ نے میری خوشامد کی "میری خاطر چلے چلیں۔"

"تمہاری خاطر یہاں تک آیا ہوں تو بازار بھی جانا پڑے گا۔ عورت کے لیے انسان کو نہ جانے کہاں کہاں جانا پڑتا ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی مگر اس کے بشرے پر چھائی ہوئی تشویش اس کی ہنسی کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

غزالہ کبھی بھی بناؤ سنگھار کی عادی نہیں رہی تھی۔ وہ ذرا سی دیر میں روانگی کے لیے تیار ہوگئی۔ میں اس سے پہلے ہی تیار بیٹھا ہوا تھا۔ چند ہلکے پھلکے فقروں کے تبادلے کے ساتھ ہم دونوں نے کمرا چھوڑ دیا۔

○☆○

میرے اعصاب پر ہلکی سی کشیدگی طاری تھی اور میں ٹیلی وژن کے سامنے اکیلا بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔

غزالہ پندرہ منٹ پہلے مجھے الوداع کہہ کر اپنے مختصر سفری تھیلے سمیت کمرے سے جاچکی تھی۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق پونے آٹھ بجے مجھے بھی اس کمرے کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینا تھا جس کے بام و در میں را والوں نے خفیہ خبرگیری کے جدید اور حساس آلات چھپائے ہوئے تھے۔

وہ عجیب ساون تھا۔ صبح انل بسواس کی اکلوتی فون کال آنے کے بعد انسٹرومنٹ مستقل طور پر خاموش تھا۔ پتا نہیں نریش شرما کہاں جا سویا تھا۔ صبح میں غزالہ کے ساتھ بازار کی طرف نکلا تو اسے اپنے نئے فیصلوں سے آگاہ کرتے ہوئے بھی میری بے چین نگاہیں تیزی سے قرب و جوار کا جائزہ لے رہی تھیں مگر اس روز تلاش کے باوجود مجھے آئی بی کے کسی آدمی کا سایہ تک نظر نہیں آیا۔

حقیقت وہ نہیں تھی جو میں تنہا بیٹھا سوچ رہا تھا مگر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے انل بسواس کے فون کے بعد ہر ایک نے مجھ سے کنارا کشی اختیار کرلی ہو۔ عابد علی سے پچھلی رات جو کچھ طے ہوا تھا، مجھے اسی پر عمل پیرا ہونا تھا۔

سگریٹ ختم کرکے میں نے ایش ٹرے میں مسل دی اور صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ گھڑی کی سوئیاں دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھیں۔ میں نے ٹیلی وژن بند کردیا۔

چند ثانیوں تک میں اسی جگہ کھڑا رہا پھر میں نے آخری بار درازوں وغیرہ کا جائزہ لینا شروع کردیا۔ وہاں سے جاتے ہوئے میں ایسا کوئی سراغ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا جو میری اصل شخصیت تک رسائی کے لیے را والوں کے کام آسکے۔

غزالہ نے پوری ذمے داری کے ساتھ درازوں کی صفائی کی تھی۔ ان میں را والوں کے لیے کچھ نہیں تھا۔ الماری کے نچلے خانے میں وہ چھوٹا سا نیا سوٹ کیس رکھا ہوا تھا جس میں غزالہ کی خریداری کا سارا سامان اپنی پیکنگ سمیت بھر دیا گیا تھا۔ میرے لیے وہ سوٹ کیس اپنے ساتھ لٹکائے پھرنا ممکن تھا اور نہ میں اپنی روانگی کا اعلان کرنا چاہتا تھا۔ میں نے بے چینی کے عالم میں اپنے سوچے ہوئے وقت سے کئی منٹ پہلے کمرا چھوڑ دیا۔ باہر نکل کر دروازہ مقفل کیا اور لفٹ کی طرف ہولیا۔ میرے ہاتھ میں میرا ہاکا بریف کیس موجود تھا۔

گراؤنڈ فلور پر میں نے چابی کاؤنٹر پر دی تو کسی کو یہ خیال نہیں آسکا کہ میں دوبارہ وہ چابی لینے کے لیے نہیں آؤں گا۔

عابد سے میری ملاقات کا وقت آٹھ بجے طے ہوا تھا۔ کاؤنٹر پر چابی دینے کے بعد میں وقت گزارنے کے لیے بغلی راہ داری میں گھس گیا جہاں بڑے بڑے شوکیسوں والی متعدد سجی سجائی دکانیں خریداروں کو دعوت دے رہی تھیں۔

نئی سگریٹ سلگا کر میں شیشے کی ان دیواروں کے اس پار دیکھتا رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ میری بے چینی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا کیونکہ عابد میرے پروگرام میں ہونے والی تبدیلی سے بالکل بے خبر تھا۔ غزالہ مجھ سے الگ ہوچکی تھی۔ میں نے اپنے بدترین اندیشوں کے پیشِ نظر اس کا پاسپورٹ اس کے حوالے کردیا تھا۔ مدعا یہ تھا کہ کسی ناگہانی افتاد کی وجہ سے ہم ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں تو اسے بھارت سے نکلنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

ٹھیک آٹھ بجے میں ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں داخل ہوا تو عابد علی اپنی گاڑی کے ساتھ ایک ممتاز اور روشن مقام پر موجود تھا۔ اس کی نگاہیں میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ مجھے اپنی ایک جھلک دکھاتے ہی وہ جھک کر اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ میں غائب ہوگیا۔ میں توقف کیے بغیر بے پروایانہ انداز میں پارکنگ لاٹ طے کرکے پیش قدمی کرتا رہا۔

میں نے عابد کے برابر والی نشست سنبھالی تو وہ اگنیشن آن کرتے ہوئے تشویش زدہ آواز میں بولا "بھابی کہاں ہے؟ تم اکیلے کیوں آئے ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس روز کسی کی طرف سے ہمدردی اور فکرمندی کے وہ پہلے بول تھے جو میرے کانوں میں پڑے اور مجھے گہری آسودگی کا احساس ہوا۔ بھارت کی سرزمین میرے لیے اتنی زیادہ اجنبی نہیں تھی۔ وہاں کچھ لوگ تھے جنہیں میری اور غزالہ کی سلامتی کی فکر تھی۔

"وہ کناٹ پلیس پر ٹورسٹ آفس کے قریب والی گلی میں ہمارا انتظار کرے گی" میں نے اسے بتایا "تم یہاں سے نکلو۔ آج حالات نے غیر متوقع انداز میں ایک نئی قلابازی کھائی ہے۔ سنو گے تو حیران۔۔۔"

"ضرور سنوں گا" اس نے گاڑی کو حرکت میں لاتے ہوئے میری بات کاٹ دی "مگر تمہارا سامان کہاں ہے؟ کیا وہ بھی تم نے اس بے چاری کے سر لاد دیا؟"

"ہم جس طرح آئے تھے' اسی طرح واپس جائیں گے۔ میرے پاس بریف کیس ہے اور اس کے پاس ایک ہاکا سفری تھیلا۔ سوٹ کیس اور دوسرا سامان ہم نے ہوٹل کے کمرے میں ہی چھوڑ دیا ہے۔"

وہ غزالہ کو میرے ساتھ نہ پا کر ذہنی طور پر اتنا الجھ گیا تھا کہ میری بات پوری طرح نہیں سمجھ سکا اور بے ساختہ پوچھ بیٹھا "تو کیا تم وہ سامان لینے کے لیے دوبارہ ہوٹل آنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"تم دماغی طور پر غیر حاضر ہو۔ تم نے میری بات غور سے نہیں سنی۔ ہم نے وہ سامان چھوڑ دیا ہے اور اس کے بغیر واپس جائیں گے۔"

"مگر کیوں؟ اچانک ایسی کیا تبدیلی رونما ہو گئی کہ تم نے اپنا پروگرام بدل دیا۔"

میں نے جواب میں انل بسواس کی کال کا قصہ چھیڑ دیا۔ وہ مجھے ٹوکے بغیر' پورے انہماک اور تشویش کے ساتھ وہ کہانی سن رہا تھا۔

"تمہارا فیصلہ بہت صائب تھا۔ تیزی سے بدلتے ہوئے حالات میں ہر شخص صحیح فیصلہ کرنے پر قادر نہیں ہوتا" میری بات مکمل ہو جانے پر اس نے کہا "اب تمہارے لیے سامان کا بندوبست بھی کرنا ہوگا۔ بغیر ساز و سامان کے سفر کرنے والے مسافروں کو شک اور تشویش کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ تمہاری بات ان مسافروں پر صادق آتی ہے جو بیرون ملک لمبے سفر پر جا رہے ہوں۔ ہمیں دہلی سے امرتسر تک کے فضائی سفر کے لیے ان تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے آگے کے سفر کے بارے میں تم جانتے ہو کہ میں نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"میں کبھی ان جزئیات کو نظرانداز نہیں کرتا" اس نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد زبان کھولی "میری کوشش ہوتی ہے کہ نقل و حرکت کے دوران میں ایسی ہر بات سے گریز کروں جس کی وجہ سے میری ذات دوسروں سے الگ نظر آنے کا اندیشہ ہو۔"

"تم پیشہ ور آدمی ہو۔ میں ایک من موجی فری لانسر ہوں۔ دونوں میں کوئی نہ کوئی فرق ہونا چاہیے۔" میں نے وہ بات مذاق میں اڑا دی۔

"نریش کا کیا رہا؟" چند ثانیوں کے مختصر سے سکوت کے بعد میں نے اس سے پوچھ لیا۔

"اس کے گھر میں اس کی بیوی اور بیٹے کے علاوہ دو ملازم رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہاں ہمیں زیادہ مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا کیونکہ دونوں ملازموں کے ساتھ اس کا بیٹا بھی اوپری منزل پر بنے ہوئے کمروں میں سوتا ہے۔"

"مجھے اندازہ ہے کہ میں نے اچانک تمہارے سر بوجھ ڈال دیا ہے لیکن یہ ضروری تھا۔ تم لوگ اپنے طور پر یہاں جو کچھ کرتے ہو' اس میں خون خرابے کا عنصر نہیں ہوتا۔ میرے ساتھ تم کو یہ ناگوار کام بھی انجام دینا پڑے گا۔ اب ہمارے سامنے ایک کے بجائے دو شکار ہیں۔"

"فرض سمجھ کر انجام دیا جانے والا کوئی کام ناگوار نہیں ہوتا" اس نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا "انل کے لیے ہمیں خاص ہدایات ملی ہوئی ہیں۔ ہم جب سے بھارت آئے ہیں' ہمیں پہلی بار کسی کو ٹھکانے لگانے کی ذمے داری سونپی گئی ہے۔ اس کے ساتھ دوسرے کا بھی کام تمام ہو جائے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"یہ مشن بہت مشکل اور پُرخطر ہے۔ آج رات ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو مجھے یہ محسوس ہوگا جیسے میں یہاں سے خالی ہاتھ واپس جا رہا ہوں۔"

"ویری گڈ!" وہ خوش ہو کر بولا "تمہارے ان فقروں سے میری جان میں جان آئی ہے کہ آج کی کامیابی اور ناکامی سے قطع نظر' تم نے ہر قیمت پر پاکستان لوٹ جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب تمہاری روانگی ناگزیر ہو چکی ہے۔ تم یہاں رکے رہے تو پانی سر سے اونچا بھی ہو سکتا ہے۔"

"میں نے دہلی میں آج اپنی کشتیاں جلا دی ہیں۔ واپسی کے بجائے آگے بڑھنا ہوگا۔ یہ سفر پاکستان کی سرحد آنے سے پہلے ختم نہیں ہوگا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ کناٹ پلیس کی گول سڑک پر پہنچ گیا۔ ٹریفک کے شور میں ہماری آوازیں دبنے لگیں اور میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ اس وقت میری نگاہیں بے چینی سے دہلی ٹورسٹ آفس اور غزالہ کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں۔

دہلی میں قیام کے دوران میں بارہا اس علاقے میں گھومتا رہا تھا لیکن اس وقت مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ کسی علاقے میں پیدل گھومنے اور سواری میں بیٹھ کر سفر کرنے میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ ساری عمارتیں اور سڑکیں وہی تھیں مگر عابد کی گاڑی سے مجھے ہر چیز نئی اور بدلی بدلی سی نظر آرہی تھی۔

کناٹ سرکس روڈ کا بہت بڑا دائرہ طے کرتے ہوئے عابد کی گاڑی کئی چوراہوں سے گزری اور پھر مجھے اپنے داہنے ہاتھ پر دہلی ٹورسٹ آفس کا نمایاں بورڈ نظر آگیا۔

"گاڑی کی رفتار کم کرلو" میں نے اضطراری لہجے میں اسے مشورہ دیا "غزالہ یہیں کہیں کھڑی ہمارا انتظار کررہی ہوگی۔"

درحقیقت مجھ سے ایک غلطی سرزد ہوچکی تھی۔ دہلی کے اس سیاحتی دفتر کے آس پاس کوئی گلی نہیں تھی۔ وہ دفتر ٹھوس اور وسیع عمارت کے تقریباً وسط میں واقع تھا جب کہ میں نے غزالہ کو قریبی گلی میں اپنا انتظار کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اپنی اس غلطی کا ادراک ہوتے ہی مجھے تشویش سی ہونے لگی مگر وہ تشویش زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ لوگوں کے رنگارنگ ہجوم میں مجھے غزالہ نظر آگئی۔ وہ دوسرے بہت سے سفید فام سیاحوں کی ایک بھیڑ کے ساتھ کھڑی کوئی نقشہ پڑھنے کی کوشش کررہی تھی۔ اس کے فطری انداز سے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وہ اس علاقے سے نکلنے سے پہلے صحیح سمت کے تعین کے لیے کوشاں ہو۔

وہاں ہر طرف روشنیوں کا سیلاب آیا ہوا تھا پھر بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ غزالہ دور سے ہماری گاڑی کو میری موجودگی کی وجہ سے پہچان لیتی، اسے میرا انتظار تھا۔ میں نے عابد کو بتایا کہ میں غزالہ کو دیکھ چکا تھا۔ اس نے فوراً ہی اپنی رینگتی ہوئی گاڑی سڑک کے کنارے سے لگا کر روک لی۔ میں پھرتی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ عابد علی نے اپنی گاڑی کا انجن رواں رہنے دیا تھا تاکہ ٹریفک کا کوئی سپاہی غلط پارکنگ پر اس کی طرف متوجہ ہو تو وہ گاڑی آگے بڑھادے۔

غزالہ اپنا سفری تھیلا شانے سے لگائے بظاہر نقشہ بینی میں مصروف تھی لیکن وہ اپنے گردوپیش سے غافل نہیں تھی۔ میں نے جوں ہی گاڑی سے نکل کر سڑک عبور کرنے کی کوشش کی، اس نے مجھے دیکھ لیا اور نقشہ موڑ کر اپنے تھیلے کی ایک جیب میں اڑستے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس کے بڑھتے ہی میں سڑک کے وسط سے گاڑی کی طرف لوٹ آیا۔ میری رفتار سست تھی، غزالہ بہت تیزی سے آگے بڑھی تھی۔ عابد کی گاڑی غلط جگہ پر رکنے پر کوئی اعتراض ہونے سے پہلے غزالہ میرے پیچھے پیچھے گاڑی تک آئی اور عابد کو سلام کرتی ہوئی پچھلی نشست پر سوار ہوگئی۔ عابد نے گاڑی آگے بڑھادی۔

"ٹورسٹ آفس کے آس پاس کوئی گلی نہیں ہے۔ میں پریشان ہوگئی تھی کہ کہاں رک کر آپ کا انتظار کروں" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"کبھی کبھی ایسی غلطیاں ہوجاتی ہیں۔ غنیمت یہ ہے کہ ہم نے کسی دشواری کے بغیر ایک دوسرے کو دیکھ لیا۔"

"یہاں بھی اندھیر ہے۔ سیاحوں کی سہولت کے لیے چھاپے جانے والے مفت نقشے نایاب ہیں۔ فٹ پاتھ پر کتابچے بک رہے ہیں جن میں نقشے بھی لگے ہوئے ہیں۔ وہ دھڑا دھڑ بک رہے ہیں۔ مجھے بھی وقت گزارنے کے لیے چالیس روپے میں ایک کتابچہ لے کر اس میں سے نقشہ نکالنا پڑا۔"

"اس وقت ہم ان فضولیات میں پڑنے کے لیے یک جا نہیں ہوئے ہیں۔ ہمارے سامنے ایک بڑا کام ہے" میں نے اس کی غیر ضروری وضاحت پر تادیب کی۔

غزالہ نے جواب میں خاموشی اختیار کرلی۔ اس نے اس بات پر برا نہیں منایا تھا کہ میں نے عابد کی موجودگی کی پروا کیے بغیر اسے ٹوک دیا تھا۔

"تمہارے دونوں ساتھی اس وقت کہاں ہیں؟" میں نے عابد سے پوچھا۔

"وہ اپنے ٹھکانے پر تیار بیٹھے ہیں۔ ایک بجے وہ ہمارے ساتھ آملیں گے" عابد نے بتایا۔

"ابھی تو سوا آٹھ ہوئے ہیں۔ ہمارے پاس کافی وقت ہے۔ یہ ہم کہاں گزاریں گے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"ہمارا کہیں بیٹھنا مناسب نہیں ہوگا۔ ہمارے لیے سڑکیں یا کھلی جگہیں زیادہ محفوظ رہیں گی۔ ہماری ضرورت کی ہر چیز گاڑی میں موجود ہے۔ بھرے ہوئے پستول، تین ایریٹس اور شکاری چاقو پچھلے پائیدان میں پڑے ہوئے ہیں۔ بیم گن اور سی ایس ڈی ڈیش بورڈ کے خانے میں ہیں۔"

"میری دونوں چیزیں مجھے دے دو" میں نے کہا "آخری لمحات کی افراتفری میں وہ یہیں نہ رہ جائیں۔"

عابد نے ہاتھ بڑھا کر ڈیش بورڈ کا خانہ کھول دیا۔ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندھیرے میں بیم گن کا لمس محسوس کرلیا۔ وہ دونوں چیزیں پلاسٹک کے تھیلے میں محفوظ تھیں۔ میں نے تھیلی قدموں میں خالی کی، بیم گن اپنی جیب میں ڈالی اور سی ایس ڈی کو بریف کیس میں رکھ دیا۔

عابد سے پچھلی رات پروگرام طے کرتے ہوئے مجھے پوری طرح اندازہ تھا کہ ہمارے یک جا ہونے اور دشمن پر وار کرنے کے درمیان خاصا طویل وقفہ حائل تھا۔ میں نے اپنی ضروریات کے تحت اس وقت کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ غزالہ نے وہ ذکر چھیڑ کر مجھے احساس دلایا تھا کہ ہمیں اگلے پانچ چھ گھنٹے دہلی کی کوچہ پیمائی کرتے ہوئے گزارنے تھے۔

ہوٹل سے ہم دونوں کا دیر سے نکلنا مناسب نہیں تھا۔ شام کی پُرہجوم رونقوں میں ہم ایک دوسرے سے الگ ہوکر ہوٹل سے نکل آئے تھے۔ رات گہری ہونے لگتی تو ہوٹل کے باہر چہل پہل میں کمی آجاتی جس کی وجہ سے ہماری مشتبہ نقل و حرکت کسی کی نگاہوں میں آسکتی تھی۔ ویسے بھی ہم نے دو دنوں سے سرِشام ہوٹل سے نکلنے کو اپنا معمول بنالیا تھا۔ اگر ہماری کوئی دیکھ بھال ہورہی تھی تو ہماری فیصلہ کن روانگی کو بھی ہمارے معمول کا ایک حصہ سمجھ کر نظرانداز کیے جانے کا امکان موجود تھا۔

دوسری طرف قرول باغ کی گنجان آبادی تھی جہاں ہر بڑے شہر کی طرح رات کی ویرانی دیر سے اپنے ڈیرے جماتی تھی۔ ہمیں انل اور نریش کے خلاف قدم اٹھانے کے لیے اس وقت کا انتظار کرنا تھا جب دہلی کی اس آبادی کے بیشتر مکین گہری نیند سوچکے ہوں اور رات کے اندھیرے میں ہمارے سایوں کی طرف متوجہ ہونے والا کوئی نہ ہو۔

ان دونوں مجبوریوں کے درمیان ایک طویل وقفہ حائل تھا جسے جیسے تیسے گزارنا ہی تھا۔

"ذرا عقب نما آئینے پر نگاہ رکھنا" میں نے اپنے خیالوں کی کوکھ سے جنم لینے والے اندیشے کے تحت عابد سے کہا "بے خبری میں ہمارا پیچھا نہ کیا جارہا ہو۔"

"ابھی تک میدان صاف ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہورہا ہے جیسے آج تم ضرورت سے کچھ زیادہ محتاط ہو" عابد بولا۔

"تم پارکنگ لاٹ میں ہمارا انتظار کررہے تھے، تمہارے دونوں ساتھی اپنے ٹھکانے پر ہیں۔ جب پیچھے دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو تو تفکرات ستانے لگتے ہیں۔ را والے بالکل گھامڑ اور عقل سے کورے نہیں ہیں۔ کیا پتا کہ پابندی کی آخری رات ختم ہوتے ہی انہوں نے ہماری نگرانی شروع کردی ہو۔ ہم اپنی دانست میں انہیں جل دے کر نکل آئے ہیں لیکن ہمارے پاس اپنے اندازوں کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔"

"تم دونوں کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ تم ایک دوسرے سے الگ ہوکر ہوٹل سے روانہ ہوئے ہو اور وہاں صرف ولی رام موجود تھا۔ وہ ایک وقت میں ایک آدمی کی دیکھ بھال کرسکتا تھا۔ اس نے بھابی کو چھوڑ کر تمہارے اترنے کا انتظار کیا ہوگا۔ آٹھ بجے تمہیں پارکنگ لاٹ تک پہنچانے کے بعد وہ سرعت سے اپنے ٹھکانے کی طرف روانہ ہوگیا ہوگا۔ دشمن کا کوئی آدمی تمہاری نگرانی کررہا ہوتا تو ولی رام مجھے ضرور اطلاع دیتا تاکہ میں تم سے دور رہ سکوں۔ اس کی خاموشی کا مطلب ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ شاید بھابی کا پیچھا بھی نہیں کیا گیا۔ ولی رام نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر یہ ضرور دیکھا ہوگا کہ کوئی مشتبہ آدمی بھابی کی طرف متوجہ نہیں تھا۔"

"وہ آٹھ بجے میری دیکھ بھال کررہا تھا اور چند منٹ میں اپنے ٹھکانے پر سنیل کے پاس پہنچ گیا" میں نے مستفسرانہ لہجے میں کہا "کہیں تم مجھے بہلانے کی کوشش تو نہیں کررہے؟"

"میں جھوٹ نہیں بولتا" عابد نے پوری سنجیدگی سے جواب دیا "آج وہ دونوں اپنے مستقل ٹھکانوں پر نہیں ہیں۔ کسی بھی اہم مشن سے پہلے ہم لوگ عارضی طور پر اپنے ٹھکانے بدل لیتے ہیں تاکہ ہماری آمدورفت کے اوقات کسی کی نظروں میں نہ آسکیں۔ آج وہ تمہارے ہوٹل کے قریب ایک سستے ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اگر قسمت نے ہم سب کا ساتھ دیا تو وہ تمہیں ائرپورٹ پہنچانے کے بعد اپنے اپنے مستقل ٹھکانوں کی طرف جائیں گے۔"

ان لوگوں نے میری توقع سے زیادہ منصوبہ بندی کی ہوئی تھی۔ مجھے سب سے بڑی خوشی اس بات کی تھی کہ نئی مصروفیات میں الجھ کر انہوں نے ہماری دیکھ بھال کا سلسلہ ترک نہیں کیا تھا۔ عابد کی زبان سے وہ تفصیلات سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ انل بسواس کے فون کے بعد میرے بارے میں را کی حکمتِ عملی میں کوئی نمایاں فرق نہیں آیا تھا۔ انہوں نے مجھے اپنے جال میں آیا ہوا بے بس مخبر سمجھ کر میرے حال پر چھوڑ دیا تھا اور شاید یہی ان کی سب سے سنگین چوک تھی۔

سنیل اور ولی رام یعنی پرویز اور عبداللہ کا سستے ہوٹل میں منتقل ہونا آئی بی والوں کی پیشہ ورانہ منصوبہ بندی کا واضح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ثبوت تھا۔ ہر کام سے فارغ ہو کر صبح کے چار پانچ بجے وہ واپس اسی ہوٹل میں پہنچتے تو شکوک و شبہات کی زد میں آجاتے۔ عابد نے بہت سادگی کے ساتھ بتادیا تھا کہ اس رات کے مشن سے نمٹنے کے بعد ان دونوں کا ہوٹل واپسی کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ ہوٹل سے اپنا حساب بے باق کر کے نکلتے اور کام پورا ہونے کے بعد ان کمین گاہوں کی طرف لوٹ جاتے جہاں انہوں نے ان دنوں اپنے پیر جمائے ہوئے تھے۔

عابد ضرورت سے زیادہ باتیں کرنے کا عادی نہیں تھا۔ اس کے پیشے میں فضول گوئی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ غزالہ کے گاڑی میں سوار ہونے کے بعد عابد نے مجھے جو کچھ بتایا تھا وہ کوزے میں سمندر کے مترادف تھا۔ مجھے امید ہو چلی تھی کہ ہماری وہ رات رائیگاں نہیں جائے گی۔

کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ عابد اپنی گاڑی شہر کے پُرہجوم اور بارونق حصوں سے دور لے جارہا تھا۔ میں نے اسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا اور خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔

جوں ہی گاڑی ٹریفک کے ہجوم سے باہر نکلی، عابد نے غزالہ سے پچھلے پائیدان میں رکھا ہوا تھیلا مانگ لیا۔ تھیلا خاصا وزنی تھا۔ عابد کو اس حقیقت کا احساس تھا۔ اس نے تھیلا لینے کے لیے گاڑی کی رفتار کم کرلی تھی مگر اس سے پہلے میں نے غزالہ سے وہ تھیلا لے کر اپنے قدموں میں رکھ لیا۔

"اس میں سے ایک اپریٹس مجھے نکال دو" عابد نے مجھ سے فرمائش کی۔ میں نے تھیلے میں ہاتھ ڈالا تو اس میں پستول، بھرے ہوئے فاضل میگزین، کچھ بڑے چاقو اور اپریٹس موجود تھے۔ میں نے اندھیرے میں ٹٹول کر ایک اپریٹس نکالا اور خاموشی سے عابد کی طرف بڑھادیا۔ عابد نے گاڑی کی رفتار بڑھادی۔

عابد نے اپریٹس آن کیا اور اسے اپنے منہ کے قریب لاکر دھیمی آواز میں بولنا شروع کردیا "اسپل تھری ٹوون.... بی ٹی سکس۔"

اس نے مہمل بلکہ بے ربط الفاظ، حروف اور ہندسوں کا استعمال کرتے ہوئے دو مرتبہ وہ پیغام نشر کیا اور پھر دوسری طرف سے اسی ناقابل فہم، جناتی انداز میں جواب موصول ہونے لگا جو عابد کے نشر کیے ہوئے پیغام سے زیادہ طویل تھا۔

دونوں طرف سے باری باری نشری سوال جواب ہوتے رہے۔ چند ثانیوں بعد عابد نے اپریٹس آف کر کے مجھے لوٹادیا۔

اپریٹس پر ریڈیائی شور کی وجہ سے دوسرے فریق کی آواز گھٹی گھٹی سی تھی جو میری شناخت میں نہیں آسکی۔

"مبارک ہو!" میرے سوال کرنے سے پہلے عابد نے مجھ سے کہا "ولی رام نے تصدیق کردی ہے کہ ہوٹل میں دشمن کی طرف سے تمہاری نگرانی نہیں ہورہی تھی۔ آخری لمحات تک وہاں سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ تمہیں میری طرف آتا ہوا دیکھ کر وہ واپس چلا گیا۔"

اس نے محض میری تشویش دور کرنے کے لیے عبداللہ سے وہ رابطہ کیا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "کیا اس وقت اپریٹس کا استعمال خطرناک نہیں تھا؟"

"اس کوشش میں موہوم سا خطرہ تھا۔" اس نے اعتراف کیا "مگر بات وہی ہے کہ خطرات مول لیے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔"

"شہر میں ہونے والے واقعات کے بعد راوالوں کو ابھی تک کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ انہیں پوری سرگرمی سے اپنے مجرموں کی تلاش ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت بھی خفیہ ریڈیائی رابطے ان کی دیکھ بھال کی زد میں آئے ہوئے ہوں۔" میں نے اپنے شبہے کا اظہار کیا۔

"دشمن کے علاقے میں کام کرنے والے، ہم جیسے بوریا نشین افراد اور سرکاری ایجنسیوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ ہم اپنا ہر کام خاموشی اور رازداری سے انجام دینے کی فکر میں رہتے ہیں اور وہ اپنی ہر کارروائی کا طمطراق سے ڈھنڈورا پیٹتے ہیں تاکہ حریف کو نفسیاتی طور پر خوف زدہ کرسکیں۔ آرک والوں کی اسکیننگ و سینز دہلی کی سڑکوں پر گشت کے لیے نکلی تھیں تو ہمیں بروقت ان کی اطلاع مل گئی تھی۔ جامع مسجد سے ایک بدنصیب کو پکڑنے کے بعد ان کی وہ سرگرمیاں دم توڑ چکی ہیں۔"

"وہ بڑے پیمانے کی کوشش تھی۔" غزالہ نے ہماری باتوں میں حصہ لیتے ہوئے کہا "ضروری نہیں کہ اس وقت وہ اپنی گاڑیوں سے کام لے رہے ہوں۔ دوسرے ذرائع سے بھی ریڈیائی رابطوں کی کڑی نگرانی کی جاسکتی ہے۔"

"یہ مواصلاتی رابطوں کا زمانہ ہے۔ آئے دن نت نئے آلات سامنے آتے رہتے ہیں۔ وہ یقیناً غافل نہیں ہوں گے لیکن گفتگو پکڑنے والے غیر متحرک آلات کتنے ہی حساس کیوں نہ ہوں، ان کی رینج محدود ہوتی ہے اور اس وقت ہم حرکت میں ہیں۔ وہ شاید ہمیں نہ پکڑسکیں۔"

"تم متحرک ہو مگر عبداللہ اور پرویز ہوٹل کے کمرے میں محبوس ہیں۔ وہ گرفت میں آسکتے ہیں۔" میں نے اعتراض کیا۔

"وہ اپریٹس کے ساتھ ایسا آلہ استعمال کررہے ہیں جس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی وجہ سے ان کی پوزیشن کا سراغ نہیں لگایا جاسکتا۔ اس بندوبست کے باوجود میں نے اس سے کوڈ ورڈز میں بات کی ہے۔ یہ ہم سب کی سلامتی اور بقا کا معاملہ ہے۔ ہم نے احتیاط کے کسی پہلو کو نظرانداز نہیں کیا۔"

"ایسا کوئی آلہ ہے تو وہ مجھے بھی دیا جاسکتا تھا۔ اس کے بجائے مجھے آپریٹس کا استعمال ترک کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔"

وہ ایک گہرا سانس لے کر بے بسی سے ہنس پڑا "اس وقت تم بال کی کھال نکال رہے ہو۔ وہ آلے سے زیادہ ایک پیچیدہ سرکٹ ہے جسے مہارت کے بغیر آپریٹس سے منسلک نہیں کیا جاسکتا۔ وہ گھروں میں استعمال ہونے والی عام بجلی سے کام کرتا ہے اس لیے میں اسے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔ وہ دونوں ہوٹل کے کمرے میں ہیں۔ انہوں نے وہ آلہ آسانی سے جوڑ لیا ہوگا۔ اس کا بندوبست صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ کسی بھی وقت ہمارا رابطہ نہ ٹوٹے۔"

"ہوٹل سے نکلنے کے بعد وہ کیا کریں گے؟" اس کی بتائی ہوئی تفصیلات میرے لیے دلچسپ ثابت ہو رہی تھیں۔

"ہوٹل چھوڑنے سے پہلے وہ اس آلے کو سمیٹ لیں گے کیونکہ باہر عام برقی رو میسر نہ ہونے کی وجہ سے وہ اسے استعمال نہیں کرسکیں گے۔ کھلی فضا میں نکل آنے کے بعد وہ حرکت میں ہوں گے۔ ہر لمحے ان کی پوزیشن بدل رہی ہوگی۔ وہ اس آلے کی ضرورت سے بے نیاز ہوچکے ہوں گے۔"

عابد علی کے پاس میرے ہر سوال کا جواب موجود تھا۔ اول تو وہ یہ اطمینان کرچکا تھا کہ دہلی میں ریڈیائی پیغامات پکڑنے کی ہنگامی کوششیں دم توڑ چکی تھیں اور اگر معمول کی سرکاری کوششوں سے کوئی خطرہ تھا تو وہ تینوں اس کا پیشگی تدارک کرچکے تھے۔

دہلی کے اجنبی اور قدرے خالی راستوں پر کافی دیر تک ڈرائیونگ کرنے کے بعد عابد نے اپنی گاڑی ایک خوب صورت اور روشن پارک کے قریب روک دی جہاں تفریح اور ہوا خوری کے لیے کافی لوگ آئے ہوئے تھے۔

بچوں کی بھاگ دوڑ اور چیخ و پکار سے اس پارک کی فضا میں رونق تھی پھر بھی وہاں بھیڑ اور گھٹن کا احساس نہیں تھا۔ عابد ہم دونوں کے ساتھ پارک کے ایک خالی گوشے میں گھاس پر جابیٹھا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ اس روشن فیملی پارک کو قدسیہ گارڈن کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا۔

ہمیں کسی نہ کسی طرح اپنا وقت گزارنا تھا۔ اس پارک میں ستانے سے پہلے عابد نے شہر کی سڑکیں ناپنے میں کم وبیش ایک گھنٹا گزار دیا تھا۔

وہ آئی بی والوں کے ساتھ دہلی میں ہماری آخری رات تھی۔ ان کی سرگرمیوں، دہلی کے حالات اور پاکستان کے بارے میں بھارتی رویّے کے سلسلے میں میرے ذہن میں تشنگی موجود تھی۔ جب سے ہم لوگ ایک دوسرے سے متعارف ہوئے تھے، ہمیں فرصت سے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھنے اور کھل کر باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اپنے آخری اور فیصلہ کن شکار سے پہلے ملی ہوئی ایک مہلت میں میری طرح عابد بھی دل کھول کر بول رہا تھا۔

مجھے ان لوگوں کی سرگرمیوں کے دائرہ کار کے بارے میں زیادہ تفصیلات معلوم نہیں تھیں اس لیے میرے سوالات کم اور محدود تھے جبکہ عابد میرے مشن سے پوری طرح واقف تھا۔ ہمارے قیام کے دوران میں بعض واقعات کے بارے میں اسے صرف ابتدائی اطلاع دی گئی تھی اور پھر منظرنامہ تیزی سے تبدیل ہوگیا تھا۔ اس کے ذہن میں ان حالات و واقعات کے بارے میں گہرا تجسّس موجود تھا۔ وہ مجھ سے کرید کرید کر سوالات کررہا تھا۔

ہماری باتوں کا رخ پچھلی شام کے اس واقعے کی طرف ہوگیا جس میں نریش کی پشت پناہی سے مرلی نے غزالہ کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔

اس واقعے میں غزالہ کا کردار اتنا حاوی تھا کہ رینا اجیت رائے کی کہی ہوئی خوف ناک باتیں پس منظر میں معدوم ہوگئی تھیں۔ پچھلی رات کو عابد سے ہونے والی ملاقات میں، میں نے اسے صرف غزالہ اور مرلی کے بارے میں بتایا تھا۔ اس سے باتیں کرتے ہوئے میرا ذہن ان نکات کی طرف مبذول نہیں ہوسکا تھا جو رینا نے کم وبیش اسی دوران میں مجھے سنائے تھے۔

"وہ ایک معجزہ ہوا تھا۔" عابد نرم اور ٹھنڈی گھاس پر پہلو کے بل لیٹا ہوا کہہ رہا تھا "آج سنیل نے باڑہ ہندو رائے میں جاکر مرلی دھر کے بارے میں جو معلومات حاصل کی ہیں، وہ لرزہ خیز ہیں۔ وہ بہت اوباش اور کمینہ آدمی ہے۔ اپنے کسرتی تن و توش کے ساتھ بدمعاش بھی اس کے منہ لگنے سے گھبراتے ہیں۔ وہ کئی آدمیوں کو بری طرح ادھیڑ چکا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ بھابی نے اس جیسے فیل پیکر کو کیسے زیر کرلیا۔"

"وہ معجزہ ہی تھا۔" میں نے کہا "جس وقت غزالہ اپنے کمرے میں مرلی دھر کا مقابلہ کررہی تھی، رینا میرے کمرے میں پہنچی ہوئی تھی...."

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اوہو.....!" اس نے استعجابیہ انداز میں میری بات کاٹی "تم نے اس کے بارے میں پہلے کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"اس وقت غزالہ کا تجربہ ہر دوسری بات پر حاوی تھا۔ اس نے اپنے بڑوں کے ایما پر مجھے ایک بالکل نئی کہانی سنائی ہے۔"

"راوا لے غیر ضروری چکروں میں نہیں پڑتے۔ رینا کی نئی کہانی کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد رہا ہوگا۔"

"بالکل واضح مقصد تھا۔ وہ مجھے اس حقیقت سے مرعوب کرنا چاہ رہے تھے کہ بھارت کو دنیا کی اکلوتی سپرپاور کی پشت پناہی ہے۔ راوا لے جو کچھ کر رہے ہیں' اس میں امریکی پوری طرح ان کے ساتھ ہیں۔ ان دونوں کو دنیا بھر میں منظم ہونے والی اسلامی جہادی تنظیموں سے خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ ان کا منصوبہ کم و بیش تیار ہے۔ کسی بھی مناسب موقع پر وہ ان تنظیموں کے خلاف ایسا لرزہ خیز کریک ڈاؤن شروع کریں گے کہ کوئی ان کا ساتھ نہیں دے گا۔"

"جہادی تنظیمیں ظلم کے خلاف لڑ رہی ہیں یا پھر آزادی کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔ ان سے بھارت یا کسی اور ملک کو کیا تکلیف ہے۔"

"جہاد مسلمانوں کا مذہبی عقیدہ اور فرض ہے۔ وہ اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کو جہاد کے فلسفے سے خوف آتا ہے۔ لڑ مرنے کا ایسا جذبہ کسی دوسرے مذہب میں نہیں پایا جاتا۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ کے نام پر نکلنے والے مجاہد زندگی اور موت سے بے نیاز کیسے ہو سکتے ہیں؟ وہ ماریں یا خود مر جائیں' دونوں صورتوں میں خود کو خوش نصیب تصور کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں جہاد کی یہ فکر تیزی سے پروان چڑھ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جہادی قوتوں کو نئی صدی کا سب سے بڑا خطرہ سمجھ رہے ہوں۔"

"رینا تم کو یہ باتیں بتانے کے لیے آئی تھی؟" عابد کی حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا۔

"ہاں' اسے ہدایت دی گئی تھی کہ مجھے یہ باتیں بتا دے تاکہ میں سپرپاور کے ساتھ بھارت کے گٹھ جوڑ سے مرعوب ہو جاؤں اور ان سے انحراف کرنے کے بارے میں نہ سوچ سکوں۔ اس نے میرے کمرے میں پوشیدہ آلات کی پروا کیے بغیر کھل کر یہ باتیں کی تھیں۔ کمرے سے نکلنے کے بعد اس نے بتایا کہ اس طرح نریش کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔"

"یہ بھارتیوں کی اپنی سوچ ہو سکتی ہے۔ امریکی اپنی مادی دنیا میں مست رہنے والے لوگ ہیں۔ ان کی سرحدیں محفوظ ہیں۔ انہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں ہو سکتی کہ مسلمانوں کے عالمی رجحانات کس سمت میں جا رہے ہیں۔ یہ دیہاتی کے کمبل کو لوٹنے کے لیے شہر میں میلہ لگانے والی بات ہے۔"

"شاید ان لوگوں نے یہ بات بڑھا چڑھا کر پیش کی ہو مگر اس میں کوئی نہ کوئی حقیقت ضرور ہوگی۔" میں رینا کی باتوں کو نظرانداز کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"دراصل یہ بھارتیوں کا اپنا خوف ہے۔" عابد نے چند ثانیوں کے بعد کہا "تم گہرائی میں دیکھو تو تمہیں ان باتوں کی تہ میں بھارتیوں کے ان تلخ تجربات کی جھلک نظر آئے گی جو کشمیر میں ان کا مقدر بنے ہوئے ہیں' یہ جھگڑا روزِ اول سے چل رہا ہے۔ مزاحمت بھی چل رہی تھی لیکن جہاد کا نظریہ پچھلے برسوں سے عام ہوا ہے۔ دوسرے ملکوں سے آنے والے مجاہدوں کا بھی شور مچایا جا رہا ہے۔ بھارت کی پوری کوشش ہے کہ کشمیر کی آزادی کے لیے جان و مال کی پروا کیے بغیر لڑنے والوں کو دہشت گرد قرار دلوا دے....."

"بھارت ہمیشہ انہیں دہشت گرد اور تخریب کار ہی کہتا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"اس کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہی بات امریکا کہنے لگے تو اس میں وزن ہوگا۔ یہ بھارت کا ایک خواب ہے جو شاید کبھی پورا نہ ہو۔"

"میں سیاست سے دور رہتا ہوں اس لیے یہ سیاسی باریکیاں میری سمجھ سے باہر ہیں۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ رینا کی نئی باتوں سے خطرے کی بُو آ رہی تھی۔ شاید بھارت کے مزاج اور موسم میں کوئی بڑی تبدیلی آ رہی ہے جو ہمارے لیے تشویش ناک ثابت ہوگی۔"

"یہ باتیں اسلام آباد کے ذمّے داروں کو ضرور بتا دینا۔" عابد نے پُرتشویش لہجے میں کہا "مدت سے یہاں رہنے کے باوجود ہم ایسی معلومات تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔"

میرے لیے یہ باتیں جاننا دشوار تھا۔ نریش شرما میری فلم کھو دینے کے بعد اپنے اس نقصان کے ازالے کے لیے ہر طرف ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ اس نے اس بوکھلاہٹ میں کچھ ایسی باتیں میرے کانوں تک پہنچا دی تھیں جو ناقابلِ یقین ہونے کے باوجود اہم تھیں۔

"میری رسائی جلال تک ہے۔ میں اسے پوری رپورٹ دوں گا۔ اس سے آگے دیکھنا اس کا کام ہوگا۔"

"یہ نہ سوچو۔" عابد نے جلدی سے کہا "ہم بھارت میں رہتے ہیں مگر ہمیں پاکستان کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ یہ تمہاری خام خیالی ہے کہ تمہاری رسائی دور تک نہیں ہے۔ تمہاری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات اعلیٰ ترین سطح پر سنی جاتی ہے۔ اس پر غور و فکر ہوتا ہے۔ یہ پالیسی کی مجبوری ہے کہ تمہیں پورا پروٹوکول نہیں دیا جاتا اور بڑے عہدے دار تم سے دور رہتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں جس شخص کو امریکی سرکار۔۔ قاتل اور دہشت گرد قرار دے چکی ہو' اس کی گرفتاری میں مدد دینے والوں کے لیے بڑے انعامات کا اعلان کر چکی ہو' اسے کوئی بھی کھل کر تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ جاننے کے باوجود مجھے اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔ مجھ پر ایسے وقت بھی گزرے ہیں کہ میں نے پاکستان بلکہ کراچی میں روپوش رہ کر دن رات ٹھکانے تبدیل کیے ہیں تاکہ قانون کے محافظوں سے بچ سکوں۔"

"ان تلخیوں کو دل سے نکال دو۔ عہدوں کی دستار میں بندھے ہوئے سر ضابطوں کے اسیر ہوتے ہیں۔ ان کی بہت سی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ بعض اوقات انہیں ایسے قدم اٹھانے پڑ جاتے ہیں جن سے وہ نفرت کرتے ہیں۔"

"میرے دل میں کوئی تلخی ہے نہ شکوا۔ میں تم سے کوئی شکایت نہیں کر رہا تھا بلکہ تمہیں بتا رہا تھا کہ میں کیسے کیسے مرحلوں سے گزر چکا ہوں۔"

"یہ مرحلے صرف اس وجہ سے آئے کہ تم امریکیوں کی نفرت کا نشانہ بنے ہوئے ہو۔"

"بھارتی اور امریکی' دونوں ہی میرے لہو کے پیاسے ہیں اور میں ان کا دشمن ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ پاکستان میں ہاتھ روکنے کی ہدایت ملنے کے بعد ہم نے دہلی میں جان اسمتھ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اگر رینا کی سنائی ہوئی کہانی میں ذرا سی بھی صداقت تھی تو اس کے سنائے ہوئے ماسٹر پلان کا خالق وہی شخص تھا۔"

"یہ تمہارے ارادوں کی مضبوطی کی علامت ہے کہ پاکستان میں تم نے اسے چھوڑے رکھا مگر وہ اپنی موت کی تلاش میں خود بھاگا ہوا دہلی آ پہنچا۔ ایسے اتفاقات شاذ و نادر ہی سننے میں آتے ہیں۔ مزید حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس سے چھٹکارا پانے کے لیے تم کو ہاتھ بھی نہیں ہلانا پڑا۔ بھالی جیسی معصوم' بے ضرر اور کمزور عورت نے بہت آسانی کے ساتھ اس سفید فتنے کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر دیا۔"

جب تک ہم دونوں کے ذہن الجھنے ہوئے تھے۔ ہم ادھر اُدھر کی بے ربط باتیں کر رہے تھے۔ قدسیہ گارڈن کے پُرفضا ماحول میں بے فکری میسر آتے ہی بات سے بات نکلنے کا سلسلہ چل پڑا۔ وہ میری اور عابد کی پہلی اور آخری ملاقات تھی جس میں اس قدر کھل کر تبادلہ خیال ہو رہا تھا۔

غزالہ اپنے خیالوں کی دنیا میں کھوئی ہوئی ہمارے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ ہم دونوں کی ہر بات سن رہی تھی لیکن ہماری گفتگو میں دخل انداز نہیں ہوئی تھی۔

وقت گزارنے کے لیے عابد علی نے بہت موزوں جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ شاید لوگ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ سرِ شام ہی وہاں آ جاتے تھے۔ جیسے جیسے رات بھیگتی جا رہی تھی' لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں وہاں سے واپس جا رہے تھے۔

گیارہ بجے تک وہاں نظر آنے والی رونق ماند پڑ چکی تھی۔ ہم نے آدھا وقت بہت آرام سے گزار لیا تھا۔ اس سے آگے درپیش کاموں میں ہمیں رات کالی کرنی تھی۔ جبکہ ہمارے معدے خالی تھے۔ رات کے آٹھ بجے ہوٹل چھوڑنے کی وجہ سے ڈنر کی نوبت نہیں آ سکی تھی۔

کام سے پہلے شکم سیری ضروری تھی۔ ہم اپنی جگہیں چھوڑ کر باغ میں سے گزرنے والی روشن سڑک پر کھڑی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

ایک قریبی بازار میں ہم تینوں الگ ہو گئے۔ وہ عابد کی تجویز تھی۔ وہ ہر طرف سے اپنا اطمینان کر چکا تھا مگر پھر بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ دہلی میں ہمارے قیام کے آخری مرحلے پر ہم تینوں کا سرِعام یک جا ہونا اس کی دانست میں قرینِ مصلحت نہیں تھا۔

کھانے کے لیے ہم نے چالیس منٹ کا وقت طے کیا تھا جو کافی سے زیادہ تھا۔ وہ وقت پورا ہوتے ہی ہمیں ہر قیمت پر جمع ہو کر اس بازار سے روانہ ہو جانا تھا۔

عابد ہم سے الگ ہوتے ہی ایک تنگ سی گلی میں گھس کر غائب ہو گیا۔ غزالہ سیدھی چل دی۔ میں اس کے پیچھے ہو لیا۔

غزالہ نے کچھ دور جانے کے بعد ایک معمولی سے ہوٹل کا انتخاب کر لیا۔ میں نے سڑک عبور کی اور دوسری طرف دہی بڑوں اور پکوڑوں کے ایک کیبن کے گرد' فٹ پاتھ پر بچھی ہوئی کرسیوں میں سے ایک پر براجمان ہو گیا۔ غزالہ کو اپنی نظروں کے سامنے رکھنے کے لیے میں نے باقاعدہ ڈنر کا ارادہ منسوخ کر دیا تھا۔

وہ صاف ستھرا کیبن معمولی تھا لیکن شہر غیر معمولی تھا۔ میں نے جو کچھ منگوایا اس کا ذائقہ بہت لذیذ تھا۔ مجھے بے اختیار کسی کی کہی ہوئی یہ بات یاد آ گئی کہ دہلی کا ہر باسی کھانے کا شوقین اور چٹورا ہوتا ہے۔ شاید اسی لیے دکان دار ذائقوں کا معیار برقرار رکھنے پر مجبور تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھانے کا وقفہ میری توقع کے برعکس بہت تیزی سے گزر گیا۔ غزالہ ہوٹل سے نکلتی ہوئی نظر آئی تو میں نے سفید دھوتی اور کرتے میں ملبوس لالہ جی کو پیسے ادا کیے اور واپس چل دیا۔

عابد شاید تنگ گلی کے نکڑ پر کھڑا ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ ہم دونوں کے کار تک پہنچنے سے چند لمحوں پہلے وہ نمودار ہوا اور اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ہم تینوں کے درمیان خود بہ خود ہم آہنگی پیدا ہو چکی تھی۔ ذرا سی دیر میں گاڑی دوبارہ سڑکوں پر رواں تھی۔

"اب وقت کم رہ گیا ہے۔ یہ تیزی سے گزر جائے گا۔ غزالہ کو ایک بجے ہم سے الگ ہو جانا ہے۔ ہمیں ایک مرتبہ اپنے کاموں کو دہرا لینا چاہیے۔" میں نے سگریٹ کا آخری کش لے کر سلگتا ہوا ٹوٹا کھڑکی سے باہر اچھال دیا۔

ایک بجے پرویز اور عبداللہ دوسری گاڑی میں قرول باغ کی آبادی سے باہر ملیں گے۔ تمہیں کسی ایمرجنسی کے لیے پستول اور ایرپیس اپنے ساتھ رکھنا ہے۔" عابد نے غزالہ کو بتانا شروع کیا "تم یہ دونوں چیزیں لے کر ان کی گاڑی میں چلی جاؤ گی۔ اپنا سفری بیگ اور مظہر کا بریف کیس بھی تمہارے ساتھ ہوگا۔ تمہیں اپنے ساتھ لینے کے بعد وہ انل بسواس کے مکان کا ایک چکر لگا کر اس علاقے سے نکل آئیں گے۔ دو بجنے میں پانچ منٹ پر عبداللہ ایک خاص مقام پر بجلی کے تاروں پر لوہے کے نرم اور لچک دار رسّے کا لنگر پھینکنے لگا۔ تاروں میں شارٹ سرکٹ سے زوردار روشن دھماکا ہوگا اور علاقہ تاریکی میں ڈوب جائے گا۔ اس دوران میں تم پرویز کے ساتھ گاڑی میں رہو گی۔ عبداللہ کے لوٹ آنے کے بعد تینوں انل کے مکان کے باہر موجود رہنا تاکہ میری اور مظہر کی کارروائی میں کوئی رخنہ نہ ڈال سکے۔ اس کے بعد تم تینوں پیچھے رہ کر ہماری حفاظت کرتے رہو گے۔ نریش کے کام کا انحصار ہم دونوں کی صوابدید پر ہوگا۔"

"اس مہم میں میرا کوئی کردار نہیں ہے۔" غزالہ نے دبے لفظوں میں احتجاج کیا۔

"علاقے کی بجلی اڑانے کے لیے ایک آدمی کافی ہے۔ تم بتاؤ کہ کیا کرنا چاہتی ہو؟" عابد نے کہا۔

غزالہ لاجواب ہو گئی۔ اس وقت اسے احساس ہوا ہوگا کہ کسی تجویز پر معترض ہونا دنیا کا آسان ترین کام ہے۔ متبادل تجویز دینے میں دانتوں پسینہ آجاتا ہے۔

"تم نے انل بسواس کے فون کے تار کٹوانے کا ذکر نہیں کیا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"بجلی اڑانے کے بعد تار کاٹ دیے جائیں گے۔" عابد نے جواب دیا "وہ دونوں دن کی روشنی میں ادھر جا چکے ہیں۔"

"میرے لیے ٹرانسمٹر... کی کیا افادیت ہے؟ یہ بلاوجہ کا بوجھ بنا رہے گا۔" غزالہ نے کہا۔

"ضروری نہیں کہ سارا کام ہمارے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ہوتا چلا جائے۔ پولیس کی کسی گشتی گاڑی سے اچانک سامنا ہو سکتا ہے یا کوئی اور بدترین صورتِ حال رونما ہو سکتی ہے۔ اگر تم ان دونوں سے بچھڑ جاتی ہو تو دہلی میں تمہارا سراغ لگانا ناممکن ہو جائے گا۔ ایسے ناگہانی حالات میں تم ایرپیس پر ہم سے رابطہ کر سکو گی اور ہم تم تک پہنچ جائیں گے۔ ہم تینوں کا ہر حال میں ایک دوسرے سے رابطے میں رہنا ضروری ہے کیونکہ تم دونوں کو صبح کی پرواز سے دہلی سے نکل جانا ہے۔"

عابد کی وہ باتیں کچھ ہیجان خیز تھیں۔ مجھے اپنے خون میں تھوڑی سی حرارت محسوس ہونے لگی۔

"علاقے میں اندھیرا کر کے شاید ہم اپنے لیے دشواریاں پیدا کر لیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری انل بسواس تک رسائی مشکل ہو جائے۔" عابد کے بنائے ہوئے منصوبے پر غور کرنے کے بعد میں نے دھیرے سے کہا "اندھیرے میں غلطی کا زیادہ امکان ہوگا۔"

"رات کے دو بجے دیوار کود کر اس کے گھر میں گھسنا آسان کام نہیں ہے۔ اجالے میں کسی نے دیکھ لیا تو ہم دونوں بے موت مارے جائیں گے۔"

انل بسواس کے گھر سے باہر منڈلانے والا وہ خطرہ اندر پیش آنے والی دشواریوں پر حاوی تھا۔ میں نے چپ سادھ لی۔

عابد کو یاد آیا کہ ہمارے ہوائی سفر کے ٹکٹ اسی کے پاس تھے۔ اس نے اپنی جیب سے دونوں ٹکٹوں کا لفافہ نکال کر میرے حوالے کر دیا "اگر بدقسمتی سے میں مارا گیا یا پکڑا گیا تو اب تم دونوں کی روانگی میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی۔ تم کسی نہ کسی طرح بروقت ائرپورٹ پہنچ ہی جاؤ گے۔"

"ایسے منحوس کلمات منہ سے نہ نکالو۔" غزالہ نے تادیبی انداز میں کہا "بعض اوقات قبولیت کی گھڑی بھی آجاتی ہے۔"

عابد نے زبردستی ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا "تم بھابی ہو کر بھی اندر سے ایک وہمی عورت ہو۔ سچ یہ ہے کہ عورت، عورت ہی رہے تو اچھی اور باوقار لگتی ہے۔ اس وقت تم نے میرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دل خوش کردیا۔ اب میں کوئی منفی بات نہیں سوچوں گا۔"

عابد نے اپنی گاڑی کی پیٹرول کی ٹنکی بھروائی ہوئی تھی۔ وہ بار بار اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر ہلکی اور درمیانی رفتار سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ سڑکیں ٹریفک سے خالی ہو چکی تھیں۔ خال خال ہی کوئی گاڑی یا ٹیکسی وغیرہ تیزی سے آتی یا جاتی ہوئی نظر آجاتی تھی۔

"اب ہم اپنی مطلوبہ سڑک پر آگئے ہیں۔" ایک بجنے سے چند ثانیوں پہلے عابد نے اعلان کیا۔ اس وقت اس کی گاڑی ایک کشادہ سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ فاصلے تیزی سے سمٹتے رہے پھر عابد کو وہ سرخ گاڑی نظر آگئی جس میں اس کے ساتھیوں کو اس سے ملنا تھا۔ اس نے رفتار کم کردی۔

عابد کی گاڑی بس لمحہ بھر کے لیے سرخ کار کے پیچھے رکی۔ غزالہ تیار تھی۔ گاڑی تھمتے ہی نیچے اتر گئی اور عابد نے کار تیزی سے آگے بڑھا دی۔ سرخ گاڑی غزالہ کے سوار ہونے کے انتظار میں وہیں کھڑی رہ گئی۔ میں مڑ کر دور تک اس کا جائزہ لیتا رہا اور پھر سڑک کے گھماؤ کے ساتھ وہ میری نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

"اگر تمہارا پروگرام وہی ہے جو تم نے ابھی بتایا تھا تو میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم نے غزالہ کو دوسری گاڑی میں کیوں منتقل کردیا۔ وہ ہمارے ساتھ رہتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔ کام پورا ہونے کے بعد تم ذرا سا بھی وقت ضائع کیے بغیر ہمیں ائرپورٹ پہنچا سکتے تھے۔ اب تمہیں ایک مرتبہ پھر کہیں نہ کہیں رک کر غزالہ کو واپس اس گاڑی میں لینا ہوگا۔"

"کام ہوتا چلا گیا تو میں ایک لمحے کے لیے بھی کہیں نہیں رکوں گا۔ دونوں گاڑیاں ائرپورٹ جائیں گی اور تم دونوں کو وہاں چھوڑ کر لوٹ آئیں گی۔" اس نے کہا۔

"پھر بھی یہ ردوبدل میری سمجھ میں نہیں آسکی۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہہ ڈالا۔

"تم نے یہ فرض کرلیا ہے کہ سب کچھ اسی طرح ہوتا چلا جائے گا جیسا سوچا گیا ہے۔ یہ سوچو کہ ذرا سی بھی گڑبڑ ہوگئی تو کیا ہوگا۔ غزالہ اس گاڑی میں اکیلی ہوگی۔ اسے شہر کے راستوں کا علم نہیں ہے۔ وہ کہاں جائے گی؟ کیا کرے گی؟ اسے ہر حالت میں ایسے لوگوں کے ساتھ ہونا چاہیے جو گڑبڑ ہونے کی صورت میں اسے قرول باغ کی بھول بھلیوں جیسی آبادی سے نکال کر ائرپورٹ یا کسی اور محفوظ مقام تک پہنچا سکیں۔ میں نے اس بات کو شروع سے آخر تک دھیان میں رکھا ہے۔ ہر قدم ناپ تول کر اٹھایا ہے۔"

"تمہارا خیال ہے کہ کوئی گڑبڑ ہوئی تو سرخ گاڑی کے تینوں سوار محفوظ رہیں گے۔" میں نے پوچھا۔

"محفوظ رہنا یا نہ رہنا' بعد کی بات ہے۔ اس میں مقدر کی یاوری کا بہت دخل ہوتا ہے۔ میں نے یہ بات مدّنظر رکھی ہے کہ وہ باہر نسبتاً بہتر حالات میں رہیں گے۔ بات بگڑ جائے تو انہیں وہاں سے فرار ہونے کا موقع بھی مل سکتا ہے۔ وہ ہمارے اور اپنے لیے بہت کچھ کرسکتے ہیں۔"

میں نے اسے ہر طرح سے ہلا جلا کر دیکھ لیا لیکن وہ اپنی جگہ ڈٹا رہا۔ اس کے کیے ہوئے فیصلوں میں کہیں کوئی جھول نہیں تھا۔ اس نے ہر پہلو پر غور و خوض کرکے را کے دو اہم افسروں پر شب خون مارنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اسے کسی ردوبدل کے لیے قائل کرنا آسان نہیں تھا۔

باتوں باتوں میں اس نے بتایا کہ اس کے استعمال میں موجود گاڑی کرائے کی تھی جو ایک فرضی نام پر لی گئی تھی۔ ہتھیاروں کے تھیلے کے سوا اس نے یہ احتیاط رکھی تھی اس گاڑی میں ایسی کوئی چیز نہ رہے جو اس کی یا اس کے ساتھیوں کی شناخت میں مددگار ثابت ہوسکے۔ مدعا یہ تھا کہ حالات بگڑنے کی صورت میں ہم دونوں گاڑی کی پروا کیے بغیر وہاں سے نکل کر پیدل ہی کسی طرف فرار ہوسکیں۔ کسی گوشہ عافیت میں پہنچنے کے بعد ہم ٹرانسمٹر پر ایک دوسرے سے رابطہ کرسکتے تھے۔

وہ ایک طرح سے عابد علی کا شہر تھا اس لیے اس رات کی منصوبہ بندی کا بیشتر بوجھ اس نے خود سنبھالا ہوا تھا۔ شاید اس نے اپنے اوقات کار کے بارے میں کئی مرتبہ ریسرسل کرلی تھی کیونکہ وہ ایک مختلف راستے سے دوبارہ قرول باغ کی حدود میں داخل ہوا تو دو بجنے میں صرف سات منٹ باقی تھے۔

ہماری گاڑی انل بسواس کے گھر سے دور تھی کہ اچانک کہیں ایک زوردار دھماکا ہوا۔ فضا میں لمحے بھر کے لیے شعلوں کی خون آشام سرخی ابھری اور فوراً معدوم ہوگئی۔ ہمارے آس پاس کے مکان بدستور روشن تھے۔ عبداللہ بجلی کے تاروں پر اپنا کام دکھا چکا تھا مگر میں حیران تھا کہ قرب و جوار کے مکان کیوں روشن تھے۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ دھماکے کے بعد آبادی کو اندھیرے میں ڈوب جانا چاہیے تھا۔" میں نے تشویش کا اظہار کیا۔

"شاید اس علاقے کی سپلائی کسی اور لائن سے ہے۔" عابد نے رائے دی۔ گاڑی چل رہی تھی۔ اگلے لمحے آبادی کا تاریکی میں ڈوبا ہوا حصہ ہمارے سامنے آگیا۔

میں نے تیزی سے ڈیش بورڈ کا خانہ کھول کر اس میں رکھی ہوئی دو ٹارچیں نکال لیں۔ پستول' فاضل میگزین اور شکاری چاقو پہلے ہی ہماری جیبوں میں منتقل ہوچکے تھے۔ مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محسوس ہو رہا تھا کہ اس مہم کے لیے ہم دونوں ضرورت سے زیادہ مسلح ہو چکے تھے۔

عابد نے اپنی گاڑی کے بریک لگاتے ہی ہیڈ لیمپس بجھا دیے۔ ہم انل بسواس کے گھر کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ مجھے سرخ گاڑی کہیں نظر نہیں آئی۔ وہ لوگ اپنا کام پورا کرنے کے بعد کہیں اوٹ میں چھپے ہوئے تھے تاکہ اتفاقی طور پر ان کی موجودگی کا راز فاش نہ ہو سکے۔

گاڑی رکتے ہی ہم دونوں نیچے اتر گئے اور دروازے مقفل کیے بغیر انل بسواس کے مکان کے احاطے کی دیوار کی طرف بڑھ گئے۔

اس آبادی کا بیشتر حصہ گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ بند گھروں کے در و دیوار میں سوئے ہوئے مکین شاید برقی شارٹ سرکٹ کا دھماکا سننے سے قاصر رہے تھے۔ کہیں بھی نقل و حرکت کے کوئی آثار نہیں تھے۔ میں نے دیوار کے سائے میں رک کر لمحہ بھر کے لیے عابد کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سفید و سیاہ ڈھیلے تاریکی میں چمک رہے تھے۔ میری طرح وہ بھی دیوار پھاندنے سے پہلے اندر کی سن گن لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اچھل کر دیوار کے اوپری حصے پر ہاتھ جمائے اور پھر اپنے وجود کو اوپر سمیٹنا شروع کر دیا۔

میری بھری ہوئی جیبیں اس وقت ایک بوجھ محسوس ہو رہی تھیں مگر اپنے لادے ہوئے اس بوجھ سے نجات حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ میں زور صرف کر کے دیوار پر پہنچا اور پل بھر میں دوسری طرف کود گیا۔ میں نے اپنے جوتوں کے نیچے پختہ فرش کے بجائے مٹی کی نرمی محسوس کی تھی۔ میں زمین پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے قریب ہی دھمک کی آواز پیدا ہوئی۔ میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا تو میرے پیچھے عابد بھی اندر کود چکا تھا۔ وہ بجلی اڑانے کے بعد مہم کا پہلا مرحلہ تھا جو خیر و خوبی سے مکمل ہو گیا تھا۔

انل بسواس کے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے مکان پر گہرا سکوت طاری تھا۔ کہیں سے کسی نقل و حرکت کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ہماری پیش قدمی کے لیے میدان سازگار تھا۔

اس وقت مجھے شدت سے احساس ہوا کہ عابد نے اپنے ذرائع سے بہت سی معلومات کر لی تھیں لیکن اس گھر کی اندرونی ساخت کے بارے میں ہمیں کچھ علم نہیں تھا۔ اس شب خون کے آغاز سے پہلے عابد نے کمان سنبھالی ہوئی تھی لیکن عملی کارروائی کا آغاز ہوتے ہی وہ پیچھے ہو لیا تھا۔

اندر سے تاروں کی چھاؤں میں یہ نظر آ رہا تھا کہ احاطے اور عمارت کی دیواروں میں خاصا فاصلہ تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس چار نفری خاندان کے تینوں ملازمین احاطے میں بنے ہوئے سرونٹس کوارٹرز میں رہتے اور سوتے ہوں گے۔ اگر وہ تینوں گہری نیند سوئے ہوئے تھے تو ان کے آرام میں خلل انداز ہونا مناسب نہیں تھا۔ میں نے ہاتھ سے عابد کو اشارہ کیا اور پنجوں کے بل دوڑتا ہوا ایک ہی سانس میں اصل عمارت کے سائے میں پہنچ گیا۔

دیوار کے ساتھ لگے لگے میں نے سرکتے ہوئے داخلی راستے تک رسائی حاصل کی۔ وہ بند تھا۔ میں تیزی سے آگے بڑھ کر بغلی دیوار کی طرف ہو لیا۔ کچھ آگے بڑھتے ہی مجھے مکان کے پچھلے حصے میں احاطے کی دیوار کے ساتھ بنے ہوئے دو کمرے نظر آ گئے جو ملازمین ہی کے استعمال میں ہو سکتے تھے۔

بغلی دیوار کی پہلی دو کھڑکیاں بند تھیں۔ تیسری کھڑکی کے پٹ کھلے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میں رکے بغیر وہاں پہنچ گیا۔ اس کھلی ہوئی کھڑکی میں جالی کے پٹ اندر سے بند تھے۔ گھر میں مکھیوں اور مچھروں کا داخلہ روکنے کے لیے فلائی پروفنگ ضروری تھی۔ میں نے جالیوں میں سے اندر جھانکنے کی کوشش کی مگر دوسری طرف پھیلی ہوئی گہری تاریکی کی وجہ سے کچھ دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کسی کی خواب گاہ ہے۔

ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ اندر گھسے بغیر مقصد حاصل ہونا ممکن نہیں تھا۔ میں نے گرد آلود جالی پر ہاتھ لگایا تو وہ نائیلون کے بجائے کسی دھات کی محسوس ہوئی۔ میں نے پتلون کی بائیں جیب سے عابد کا لایا ہوا چاقو نکال کر کھول لیا۔

جالی کا ایک حصہ چاقو کی نوک سے کاٹنے میں خاصی آواز پیدا ہوئی۔ رات کے گہرے سناٹے میں المونیم کے تاروں کے کٹنے کی وہ آواز آسانی سے کسی کی نیند میں خلل انداز ہو سکتی تھی۔ میں نے مزید جالی کاٹنے کے بجائے اندر ہاتھ ڈال دیا۔ ذرا سی کوشش کے بعد چٹخنی تلاش کرنے اور کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ جالی دار پٹ کے قبضے بے آواز تھے۔ پٹ کھلتے ہی میرے داخلے کا راستہ پیدا ہو چکا تھا۔ میں نے سر اوپر کر کے اندھیرے میں نظریں گاڑ دیں۔

وہ ایک بڑا کمرا تھا جہاں دو کشادہ مسہریوں پر نسوانی ہیولے محو خواب نظر آ رہے تھے۔ میں نے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہیں کی کہ وہ انل بسواس کی بیٹیوں کی خواب گاہ تھی۔ وہ چڑھتی ہوئی جوانی کے خمار میں ڈوبی ہوئی گہری نیند سو رہی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں کھڑکی سے گزر کر کمرے کے فرش پر اتر گیا جو دبیز قالین میں چھپا ہوا تھا۔

میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ ان معصوم لڑکیوں سے کوئی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر مکان کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ جاؤں لیکن پھر سوچا کہ وہ بعد میں کسی کھٹکے سے بیدار ہو کر ہمارے لیے ایک مصیبت کھڑی کر سکتی تھیں۔ ان کا بے ہوش ہو جانا ہمارے حق میں بہتر تھا۔

میرا اندازہ تھا کہ اس گھر میں خدمات انجام دینے والے تینوں ملازمین بیرونی کمروں میں پڑے بے خبر سو رہے تھے۔ گھر میں موجود موبائل فون یا کسی دوسری مواصلاتی سہولت کو صرف اہل خانہ استعمال کر سکتے تھے۔ دو لڑکیاں ہمارے سامنے سو رہی تھیں۔ انہیں بے ہوش کرنے کے بعد گھر میں انل بسواس اور اس کی بیوی رہ جاتی۔ انل کے بارے میں ہم خون آشام عزائم لے کر اس گھر میں داخل ہوئے تھے۔ اسے ٹھکانے لگانے کے بعد یا اس سے پہلے اس کی بیوی کو بھی بے ہوش کر دیا جاتا تو ہمارے سروں پر منڈلاتا ہوا یہ خطرہ ٹل جاتا کہ انل کے قتل کی اطلاع زلیش شرما کو مل جائے گی اور وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے ہوشیار ہو چکا ہو گا۔

میں پنجوں کے بل چلتا ہوا مسہری کے قریب گیا۔ اس پہلی مسہری پر لیٹی ہوئی لڑکی کے پیر ہلکے کمبل میں لپٹے ہوئے تھے۔ میں نے انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے کا رخ ہتھیلی کی طرف گھمایا اور پھر وہ ہاتھ مضبوطی سے لڑکی کی نرم پنڈلی پر جما دیا۔

پنڈلی پر میری گرفت کے دباؤ سے نگینے میں پوشیدہ مائیکرو سرنج کے ذریعے سریع الاثر سیال لڑکی کے جسم میں سرایت کر گیا۔ اس نے سوتے سوتے ایک تیز جھرجھری لی۔ لمحے بھر کے لیے میں خوف زدہ ہو گیا کہ شاید وہ سیال کے اثر انداز ہونے سے پہلے میرے ہاتھ کا لمس محسوس کر کے جاگنے والی تھی۔ وہ بیدار ہو جاتی تو اپنے کمرے میں دو اجنبی سایوں کو موجود پا کر دہشت سے چیخنا شروع کر دیتی اور ہمیں وہاں سے الٹے پاؤں بھاگ جانا پڑتا۔

ذرا سے انتظار نے میرے خوف کو بے بنیاد ثابت کر دیا۔ جھرجھری لینے کے بعد لڑکی کا بدن ساکت ہو گیا۔ اول خان کا دیا ہوا تحفہ اس نازک موقع پر بے مثال انداز میں میرے کام آیا تھا۔ عابد میرے قریب کھڑا وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا لیکن اسے میرے پاس موجود انگوٹھیوں کا راز معلوم نہیں تھا۔ بار بار آنکھیں پھاڑنے کے باوجود وہ کچھ سمجھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

ایک لڑکی کی بے ہوشی کی طرف سے مطمئن ہو کر میں دوسری مسہری کی طرف بڑھا تو عابد کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"تم ان کے پیر کیوں پکڑ رہے ہو؟" وہ میرے کان کے نیچے سرگوشیانہ آواز میں منمنایا "کوئی لڑکی اٹھ گئی تو قیامت کھڑی کر دے گی۔"

میں نے شہادت کی انگلی ہونٹوں پر رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر انگوٹھی والے ہاتھ سے دوسری لڑکی کا داہنا پیر تھام لیا جو پائنتی کی طرف میرے قریب تھا۔

پیر کی جلد کو چھوتے ہی مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ تلوے کی سخت جلد میں سیال کا ایک قطرہ اتارنے کے لیے سخت تر گرفت کی ضرورت تھی۔ میں نے لڑکی کے پیر پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ظالمانہ حد تک بڑھا دیا۔ وہ بھی آنکھیں کھولے بغیر دھندلکوں کی اسی دنیا میں پہنچ گئی جہاں اس کی بہن پہلے سے موجود تھی۔

"میرے اندازے کے مطابق یہ دونوں بے ہوش ہو چکی ہیں۔" میں نے نیچی آواز میں عابد کو بتایا۔

"مگر کیسے..... تم نے ان کے پیر اور پنڈلی پر کیا عمل کیا ہے؟" میری کارروائی کے سحر میں گرفتار ہو کر وہ یہ بھول بیٹھا تھا کہ ہمیں انل بسواس کی تلاش تھی۔

"برہمن کی کنواری کنیا کے چرن چھو لیے جائیں تو وہ لاج سے بے ہوش ہو جاتی ہے۔ آؤ' آگے چلو۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ انل بسواس کے گھر میں آسانی سے گھس آنے کے بعد میرے اعتماد میں بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ مہم یکایک مجھے بہت سہل نظر آنے لگی تھی۔

دو خالی کمروں کا سرسری جائزہ ناکام رہا۔ ایک ڈرائنگ روم تھا۔ دوسرا سونے کا کمرا تھا مگر خالی تھا۔ گھر میں ہر طرف گہرے اندھیرے کا راج ہونے کی وجہ سے مجھے سنبھل کر آگے بڑھنا پڑ رہا تھا۔ کمروں کا جائزہ لیتے ہوئے بھی میں نے ٹارچ استعمال نہیں کی تھی۔ جب تک اس گھر میں انل بسواس زندگی کے سانس لے رہا تھا' احتیاط ضروری تھی۔

تیسرے تاریک کمرے میں گھستے ہی میرا دل خوش ہو گیا۔ مسہری پر شب خوابی کے کپڑوں میں ملبوس دو سائے ایک دوسرے کے جسموں پر ہاتھ رکھے بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔ اس کمرے کی فضا میں رچی ہوئی خنکی اور مخصوص بو سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بجلی اڑنے سے پہلے کمرے کا ائر کنڈیشنر چلتا رہا تھا۔

انل اپنے ملک' اپنے شہر اور سب سے بڑھ کر اپنے گھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں تھا۔ وہ درندہ صفت، سفّاک اور بے غیرت شخص یہ سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ میں اس کی بُو پر لگ کر اس کی خواب گاہ تک میں پہنچ جاؤں گا۔ وہ بے خبری اور اطمینان کی گہری نیند سو رہا تھا۔ دوسروں کے آرام اور سکون کو تہس نہس کر دینے والے شخص کی وہ بے فکری میرے لیے قابل رشک تھی۔ اس نے غزالہ کے ساتھ جو بدسلوکی کی تھی، اس کا ہولناک انتقام لینے کے لیے اس کے گھر میں دو جوان اور شاید خوب صورت لڑکیاں موجود تھیں مگر میں جوش انتقام میں اپنی سطح سے گر کر انل بسواس کے گندے مقام تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس کی بیٹیاں اس کے جرائم میں شریک نہیں تھیں اور میں راکا کوئی بھیڑیا نہیں تھا جو باپ کے کرتوتوں کی سزا اس کی بیٹیوں کو دینے پر تل جاتا۔

انل بسواس اور اس کی بیوی کے سونے کا انداز بہت والہانہ تھا۔ ادھیڑ عمری کے آخری مرحلوں سے گزرتے ہوئے بھی انل اپنی خانگی زندگی میں خلوص اور وفا کا پیکر نظر آرہا تھا۔ اس کی ساری بے رحمی اور سفاکی اپنے گھر سے باہر والوں کے لیے تھی۔

میں کچھ دیر تک تذبذب میں مبتلا رہا۔ فیصلہ نہ کر سکا کہ پہلے انل بسواس کی زندگی کا چراغ گل کروں یا اس کی بیوی کو بے ہوش کروں۔

آخر میں نے اس کی بیوی کو منتخب کرلیا۔ وہ دشمن کی خاص الخاص عورت تھی۔ اس کے بارے میں جو کچھ بھی سوچا جاتا، وہ کم تھا۔ را کے اصولوں کے تحت وہ بدترین تحقیر اور تذلیل کی سزاوار تھی مگر میں نے اس کی جوان بیٹیوں کو معاف کردیا تھا تو وہ ادھیڑ عمر عورت میرے کس کام کی تھی۔ میں اس کے جسم کو چھونا بھی بُرا سمجھ رہا تھا۔ میری مجبوری یہ تھی کہ عورت کی عافیت کے لیے اس کا بے ہوش ہوجانا اس کے حق میں بہتر تھا۔ اسے بے ہوش کرنے کے لیے اس کے جسم کے کسی نرم اور نازک حصے کو چھونا بلکہ پکڑنا ضروری تھا۔ میں ذرا سی دیر پہلے اس کی بیٹی پر تجربہ کرچکا تھا کہ تلوے کی سخت کھال انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے میں پوشیدہ سوئی کے لیے ایک امتحان بن سکتی تھی۔ میں نے اپنے ذہن میں آنے والے خیالات کو جھٹکا اور انل بسواس کی بیوی کی برہنہ پنڈلی پر اپنا ہاتھ جما دیا۔ اس کی پنڈلی پر روئیں کی جگہ بال اگے ہوئے تھے جن سے مجھے کوئی سروکار نہیں تھا۔

عورت کے جسم کو ایک جھٹکا لگا۔ اس کا ایک ہاتھ انل بسواس کے سینے پر تھا۔ ہاتھ کی شدید اضطراری حرکت سے... ہڑبڑا کر انل بسواس گھگیاتا ہوا نیند سے بیدار ہوگیا "کک... کک... کیا ہوا نینی... کیا بات ہے...؟"

"خاموش!" میں نے اپنی جیب سے بھرا ہوا پستول نکال کر اس پر تان لیا۔

میری سفاکانہ آواز پر وہ چونک کر بستر سے اٹھ گیا۔ اسے پہلی بار اندازہ ہوا کہ اس کی خواب گاہ میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں اس کی بیوی کے سوا کوئی اجنبی بھی موجود ہے "تت... تم کون ہو؟ میرے کمرے میں کیا کررہے ہو؟" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی، خوف زدہ آواز برآمد ہوئی۔

میری دھمکی کارگر رہی تھی۔ میری خواہش اور کوشش تھی کہ وہ دہشت زدہ ہوکر اچانک چیخنا چلانا شروع نہ کردے۔ وہ ایک جہاں دیدہ شخص تھا۔ میری آواز کی سختی کو سننے کے ساتھ شاید اس نے میرے پستول کی جھلک بھی دیکھ لی تھی۔ اسے معاملے کی نزاکت کا اندازہ ہوجانا چاہیے تھا۔

"بوجھنے کی کوشش کرو کہ میں کون ہوں!" میں نے استہزائیہ لہجے میں اسے دعوت دی۔ وہ اتفاقیہ طور پر ہوش میں آگیا تھا اور اس کے تینوں اہل خانہ بے ہوش پڑے ہوئے تھے تو اس موذی سے تھوڑی دیر کے لیے کھیل لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

"تم... تم تو شاید مظہر خان ہو۔" اس کی تحیر اور خوف میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری "تمہاری آواز میری سنی ہوئی ہے۔"

"تمہاری یادداشت واقعی قابلِ رشک ہے۔ مجھے آج کل اسی نام سے پہچانا جاتا ہے۔"

"تم کو میرے گھر میں گھسنے کی جرأت کیسے ہوئی۔" تعارف ہوتے ہی اس کی آواز غصیلی ہوگئی۔ اس کے اندازوں کے مطابق مظہر خان ایک بزدل اور حریص شخص تھا۔ وہ مجھ سے اسی انداز میں پیش آنے کی غیر ارادی کوشش کر بیٹھا تھا "میں تمہارے پیر توڑ دوں گا۔"

"تم نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو میرے پستول کی سات گولیاں تمہارا بدن چھلنی کردیں گی۔"

"تم حقیر پاکستانی کیڑے... تمہاری یہ مجال کہ میرے گھر میں گھس کر مجھ کو دھمکیاں دے رہے ہو۔"

"تم نے خود مجھے مجبور کیا ہے۔ میری اور رینا کی فلم لوٹا دو۔ میں واپس چلا جاؤں گا۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

مجھے مظہر خان کی حیثیت سے پہچان لینے کے بعد وہ کچھ مطمئن نظر آنے لگا تھا۔ اس نے میرے مطالبے کو نظرانداز کرکے پوچھا "میری بیوی کے ساتھ تم نے کیا حرکت کی تھی۔ نینی نے مجھے کیوں جھنجوڑا تھا اور اب بے سدھ کیوں پڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئی ہے۔"

"تمہاری بیوی کے ساتھ کوئی شخص کوئی حرکت نہیں کرسکتا۔ اس کے جسم پر مردوں جیسے بال تم ہی برداشت کرسکتے ہو۔"

"شٹ اَپ۔ یو سن آف اے بچ!" وہ غصے میں آپے سے باہر ہو کر حلق کے بل غرایا۔

عابد خود پر قابو نہ پاسکا۔ میرے کچھ سمجھنے سے پہلے اس نے اندھیرے میں اپنی جگہ چھوڑی اور انل بسواس کا جبڑا سہلا دیا۔ وہ مار کھا کر کراہتا ہوا مسہری پر ڈھیر ہوگیا۔

"تم کو یہ جسارت مہنگی پڑے گی۔" وہ مسہری پر پڑے پڑے بھرائی ہوئی آواز میں بولا "میں دیکھتا ہوں کہ تم یہاں سے کیسے نکلتے ہو۔"

"رینا اجیت رائے اور بیلا سنگھ بھی کسی کی بیٹیاں اور ہونے والی بیویاں ہیں۔ تم نے ان کو دن رات کھلونا بنایا ہوا ہے مگر اپنی بیوی کے بارے میں تم ایک حقیقت بھی نہیں سن سکتے۔ لعنت ہے تم پر اور تمہارے سرکاری عہدے پر۔ تم کو تو کسی طوائف کا دلاّل ہونا چاہیے تھا۔"

"تم دو ہو۔ اس وقت جو چاہو' کہہ سکتے ہو۔ یہ یاد رکھنا کہ ابھی بھی تم میری مٹھی میں ہو۔ میں تمہیں فنا کردوں گا۔" وہ یہ کہتا ہوا دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔

میں سنبھل کر آگے بڑھا اور پستول کی سرد آہنی نال اس کی پیشانی پر رکھ دی "کتے کے بچے! اس سے پہلے میں تجھے مار دوں گا۔"

"نن.... نہیں۔ تت.... تم مجھے نہیں مار سکتے۔" وہ خوف سے ہکلاتے ہوئے بولا۔

"ہمیں کون روکے گا؟ اس وقت تو ہمارے رحم و کرم پر ہے۔" میں نے پستول کی نال سے اس کی پیشانی کو پیچھے جھٹکا دے کر کہا۔

"تم مجھے نہیں مار سکتے۔ تمہاری فلم تمہیں ہر جگہ بدنام کردے گی۔" اسے خطرے کا ادراک ہونے لگا تھا۔

"یہ تیری اور نریش کی بدقسمتی ہے کہ وہ فلم ناگر کی چتا میں جل گئی اور اب اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ تم دونوں دیوانہ وار اس فلم کا متبادل حاصل کرنے کی کوششوں میں لگے رہے لیکن کچھ حاصل نہیں کرسکے۔ تیرا وقت پورا ہوچکا ہے...."

"نہیں۔ تم مجھے نہیں مارو گے۔" اس نے ہذیانی انداز میں میری بات کاٹ دی۔

"پھر یہ نیک کام کون کرے گا؟" میں نے زہریلے لہجے میں پوچھا "میں تجھے معاف نہیں کروں گا۔"

"شاید میں دھوکا کھا گیا۔ اس وقت تمہارے اندر چھپا ہوا درندہ بول رہا ہے۔ تم وہ نہیں ہو جو میں سمجھ رہا تھا۔ تم خطرناک آدمی ہو۔"

"میں وہی ہوں جس کے نام نے تم سب کی نیندیں حرام کی ہوئی ہیں۔ مرنے سے پہلے تجھ کو معلوم ہونا چاہیے کہ تو بھارت میں ڈینی کا پہلا شکار بننے والا ہے۔"

"ڈے.... اے.... اے.... نی.... ای!" اس کے منہ سے بمشکل میرا نام برآمد ہوا "تم ڈینی ہو؟"

اس کی آواز یکایک کھوکھلی اور بے روح ہوگئی تھی۔ میں نے اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں اپنے داہنے گھٹنے سے ضرب لگائی اور وہ کسی زخمی پلے کی طرح بلبلاتا ہوا' مسہری سے ٹکرا کر فرشی قالین پر گر گیا۔ وہ تکلیف سے دہرا ہو کر تڑپ رہا تھا۔ میں الٹے قدموں پیچھے ہٹ گیا۔

"زیادہ تشدد مت کرو۔" عابد نے میرے شانے کے قریب سرگوشی کی "یہ اچانک چیخ پڑا تو مصیبت کھڑی ہوجائے گی۔ اندھیرے میں وہ کہیں سے کوئی ہتھیار بھی نکال سکتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے پہلے گولی چلا دے اور ہم یہاں گھر جائیں۔"

عابد کے اندیشوں میں وزن تھا مگر میں حالات پر پوری طرح قابو پالینے کے بعد اس کھیل کو اتنی جلدی ختم کرنے کے حق میں نہیں تھا۔

"مکاری بند کر اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہوجا۔" میں نے اسے ڈانٹا۔

میرا نام سننے کے بعد وہ اتنا ڈر گیا تھا کہ تکلیف کے باوجود اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کسی ریچھ کی طرح دونوں ہاتھ بھی شانوں تک اٹھا لیے تھے مگر ہتھیلیاں آگے گری ہوئی تھیں۔ عابد نے اپنی ٹارچ کا رخ فرش کی طرف کرکے اسے روشن کردیا جس سے پورے کمرے میں اجالا پھیل گیا۔

"مجھے مار کر تم کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔" انل بسواس رو دینے والی آواز میں کہہ رہا تھا "میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میں اپنے فرض سے مجبور ہو کر تمہارا پیچھا کرتا رہا ہوں۔ میرے بعد میری جگہ آنے والے بھی تمہیں تلاش کرتے رہیں گے۔"

میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ اس کی موت پاکستان کے خلاف مکّارانہ سازشوں اور منصوبوں کے خاتمے کے لیے ناگزیر ہوچکی تھی۔ میں نے سرد لہجے میں کہا "زندہ رہنا چاہتا ہے تو اپنی زندگی کی قیمت لگا دے۔ ہوسکتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے کہ کوئی سودا بن جائے۔"

"میں تمہیں کئی لاکھ روپے دے سکتا ہوں۔ یہ میری ساری زندگی کی جمع پونجی ہے۔" انل بسواس نے پیشکش کی۔

"ایسی رقمیں میری ٹھوکروں میں پڑی رہتی ہیں۔ پیسے کے علاوہ کوئی اور بات کر۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"پپ.... پیسے کے بعد شاید تم کو عورتوں کا شوق ہے۔ دہلی کی جس عورت پر ہاتھ رکھ دو گے اسے تمہاری باندی بنادوں گا۔"

"تجھے ہوش ہے کہ تو کیا کہہ رہا ہے۔ تو دہلی کا کوئی مطلق العنان راجا نہیں ہے۔"

"میری ایجنسی کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ تم آزما کر دیکھو۔ جو لوگ ہماری بات نہیں مانتے وہ اچانک جبر کا شکار ہو جاتے ہیں۔" میری باتوں سے اس کے دل میں امید کی کرن جاگ اٹھی تھی۔

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تو اپنی بات پر قائم رہے گا؟" میں نے زہریلے انداز میں پوچھا۔

"اگر تم نے پردھان منتری کی بیٹی مانگ لی تو میں کچھ نہیں کرسکوں گا۔ وہ میرے اختیار سے باہر کی بات ہے۔" اس نے بے چارگی سے جواب دیا۔

"میری طلب صرف تیرے اختیار میں ہے۔ تو دو بیٹیوں کا باپ ہے۔ زندگی چاہتا ہے تو ان کے بارے میں بات کرلے۔"

"نہیں ڈینی، یہ نہیں ہوسکتا۔ کوئی باپ اس طرح اپنی بیٹیوں کا سودا نہیں کرسکتا۔"

"پھر مرنے کے لیے تیار ہو جا!" میں نے اپنے پستول والے ہاتھ کو ذرا سی حرکت دے کر کہا۔

"ٹھہرو...." اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں ابھر آئیں "میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔ مجھے امتحان میں مت ڈالو۔ مجھ سے کچھ اور لے لو۔" وہ گڑگڑانے لگا۔

"تو نے مرلی دھر کو غزالہ پر چڑھائی کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ میرے دل میں آگ لگی ہوئی ہے۔ یہ آگ صرف خون سے ٹھنڈی ہوسکتی ہے۔ تیرا خون یا تیری آبرو کا خون۔ یہ فیصلہ تجھ کو کرنا ہے اور اسی وقت کرنا ہے۔ میں تجھ جیسے شاطر کو وقت نہیں دوں گا۔"

"میری بچیاں کہاں ہیں؟" اسے جیسے اچانک ہی ان دونوں کا خیال آگیا۔

"وہ اپنے کمرے میں تیری نینی کی طرح بے ہوش پڑی ہوئی ہیں۔" میں نے بتایا۔ اس کے سوال پر مجھے گمان ہوا تھا کہ یکایک اس کی پدرانہ غیرت جاگ اٹھی تھی۔

"وہ بے ہوش پڑی ہیں تو تم مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو!" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے بال نوچتے ہوئے بولا "میں تمہارے ہتھیاروں کے سامنے بے بس ہوں۔ اپنے ساتھی کو یہاں چھوڑ دو اور ان کے کمرے میں جاکر جو چاہو کرلو۔ میں تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکوں گا۔"

"انل بسواس! تم بالکل بکواس کررہے ہو۔ میں تیری اور نریش کی طرح بے غیرت نہیں ہوں جو کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھاؤں۔ نہ میں مرلی دھر کی طرح بے ضمیر ہوں کہ کسی کے ساتھ جبر اور زبردستی کروں۔ دل رضامندی سے بہلتا ہے۔ تیری اجازت کے بغیر میں ان کلیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔"

کمرے میں خنکی ہونے کے باوجود انل بسواس کا چہرہ پسینے میں بھیگنے لگا۔ پرائی عورت کو ذلیل، رسوا اور بلیک میل کرنے والے کو قدرت نے خود اسی موڑ پر لا کھڑا کیا تھا جہاں ایک طرف موت اپنا دہانہ کھولے کھڑی تھی اور دوسری طرف ذلت کی انتہائی گہرائیوں میں زندگی کی امید، بس ایک موہوم سی امید نظر آرہی تھی۔

کمرے میں گہرا سکوت چھایا رہا۔ میں چند ثانیوں تک اپنے یا انل بسواس کے سانسوں کی آواز سنتا رہا۔ انل کی کمزور آواز نے اس اعصاب شکن سکوت کو حیرت ناک انداز میں توڑا "اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ میرے چہرے پر کالک مل کر تم مجھے زندہ چھوڑ دو گے۔"

"یہ میرا وعدہ ہے۔" میں نے پورے خلوص سے کہا "میری سچائی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ میں نے ابھی تک تیری بیٹیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔"

"نہیں، نہیں۔ میں تم پر بھروسا نہیں کرسکتا۔ تم جھوٹے اور مکار ہو۔" وہ جھنجلا کر بے بسی سے بولا۔

"تو چاہے تو میں بڑی سے بڑی قسم کھا سکتا ہوں۔ میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔"

"پھر اپنے خدا کی قسم کھا کہ اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کرنے کے بعد تو مجھے نہیں مارے گا۔" اس بار وہ فرطِ جذبات میں تم سے تو کے صیغے پر اتر آیا تھا۔

میں مسلسل اس کی تحقیر کرتا چلا آرہا تھا۔ میں نے اس کی جذباتی خطا کو درگزر کردیا اور اس کے کہنے کے مطابق قسم کھالی "میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لیے تیری آبرو کا خون کیا تو پھر تجھے نہیں ماروں گا۔" عابد حیرت سے یوں میری طرف دیکھ رہا تھا جیسے میرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دماغ الٹ گیا ہو۔

"میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ اب میں زندہ رہوں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تو اپنی قسم نہیں توڑے گا۔ جا اور میرا منہ کالا کر کے اپنا دل ٹھنڈا کر لے۔"

میں یہی دیکھنا چاہ رہا تھا کہ راکا وہ مردار خور اپنی جان بچانے کے لیے کہاں تک گر سکتا ہے۔ اس کا جواب میرے لیے متوقع تھا پھر بھی اس بے غیرت کے الفاظ سن کر میرا خون کھول اٹھا اور میں اپنا پستول عابد کی طرف اچھال کر انل بسواس پر ٹوٹ پڑا۔

مجھے اندازہ تھا کہ وہ میرے ہاتھ سے مار کھانے کے بعد اس مرتبہ ضرور شور مچائے گا۔ میں نے سب سے پہلے اس کی گردن اور دہانے پر دونوں ہاتھ مضبوطی سے جمائے اور پھر اس کی پیشانی پر اتنی زوردار ٹکر رسید کی کہ وہ تیورا گیا۔ وہ دراز قامت اور صحت مند آدمی تھا۔ میرے لیے اسے سنبھالے رکھنا دشوار تھا۔ میں اس کے ساتھ قالین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس دوران میں، میں نے ایک لمحے کے لیے بھی اس کے دہانے پر سے ہاتھ نہیں اٹھایا تھا اور وہ اپنا منہ آزاد کرانے کے لیے زور صرف کر رہا تھا۔

اس زور آزمائی میں شاید میرا کوئی وار سخت پڑ گیا یا پھر تکلیف کا سیال کسی طرح اس کے جسم میں سرایت کر گیا۔ اچانک اس کی ساری جدوجہد ٹوٹ گئی اور وہ کسی بے جان لاش کی طرح میری بے رحمانہ گرفت میں جکڑا رہ گیا۔

اس کی بے ہوشی کا پورا یقین کرنے کے بعد میں نے اسے چھوڑ دیا اور قالین سے اٹھ گیا۔

عابد میری مدد کرنے کے ارادے سے میرے قریب آپہنچا تھا مگر اس کے دخل انداز ہونے سے پہلے ہی انل بسواس کا قصہ نمٹ گیا۔

"تم نے اس پر ہاتھ اٹھا کر اپنی قسم توڑی ہے۔" عابد علی نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "میں حیران تھا کہ تم کو قسم کھانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اسے بے نقاب کرنے کے لیے وہ سب ضروری تھا۔ یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آسکیں گی۔ اس پر حملہ کر کے میں نے قسم نہیں توڑی۔"

"ہمیں اس کو مار ڈالنا ہے۔ تم نے قسم کھائی تھی کہ اسے نہیں مارو گے۔"

"وہ قسم مشروط تھی۔ میں نے اس کی بیٹیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ ان لڑکیوں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ ان کا باپ واقعی قابل نفرت ہے۔ جو شخص اپنی زندگی کے لیے اپنی بیٹیوں کے آنچل کا سودا کر لے، اسے زمین کا بوجھ بن کر زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس نے اپنی بیٹیوں کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا ہے جو وہ دوسروں کے ساتھ کرتا چلا آیا تھا۔"

پہلے میرا ارادہ تھا کہ اسے سر کے پچھلے حصے سے گولی مار کر اس طرح ہلاک کروں گا کہ گولی اس کا پورا چہرہ پھاڑ کر باہر نکل جائے۔ اس کی بگڑی ہوئی ہیبت ناک لاش ہی راکے رنگیلے شہزادوں کے لیے عبرت آموز ہو سکتی تھی مگر اس کے حادثاتی طور پر بے ہوش ہونے کے بعد تکیوں وغیرہ میں دبا کر پستول چلانے کا خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے سیفٹی کیچ لگا کر پستول اپنی جیب میں ڈالا اور تیز پھل والا لمبا شکاری چاقو جیب سے نکال لیا۔

اس کی گردن کی شہ رگ کو کاٹنے سے ذبیحے کی ایک علامتی مماثلت پیدا کی جا سکتی تھی جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ میں نے فوری فیصلے کے تحت سے الٹا کیا اور اس کے گھٹنوں کے پیچھے سے گزرنے والی دونوں شہ رگیں کاٹ دیں۔ انل بسواس بے ہوش تھا لیکن کٹی ہوئی رگوں سے بہنے والی خون کی دھاروں کے نتیجے میں اس کے بدن میں وقفے وقفے سے اکڑاؤ اور ڈھیلے پن کی کیفیات رونما ہونے لگیں۔ عابد ٹارچ روشن کر کے میری مدد کر رہا تھا۔

میں نے انل بسواس کے کمرے سے ملحق باتھ روم میں جا کر چاقو کو اچھی طرح دھویا، ہاتھ صاف کیے اور وہاں سے نکل آیا۔

انل بسواس کی بیوی اور دونوں بیٹیوں سے کوئی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر ہم دونوں اسی راستے سے عمارت سے باہر نکل گئے جدھر سے اندر داخل ہوئے تھے۔ پورے علاقے کے ساتھ انل کا مکان بھی گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ سرونٹ کوارٹرز کی طرف حسب سابق سکوت کا راج تھا۔

ہم احاطے کی دیوار پھاند کر اندر گھسے تھے لیکن واپسی میں کوئی خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ آہنی پھاٹک کی کنڈی کھول کر میں نے باہر جھانکا اور ذرا سی دیر میں ہم انل بسواس کے گھر کی حدود سے نکل کر اپنی گاڑی میں سوار ہو چکے تھے۔

"میرے منصوبے کی بنیادی بات یہ تھی کہ ہم کہیں بھی ضرورت سے زیادہ نہیں ٹھہریں گے۔" گاڑی آگے بڑھانے کے بعد عابد نے نیچی آواز میں کہا "یہاں ہمیں بہت دیر ہو گئی۔"

"وقت گزارنا ناگزیر تھا۔ تم نے دیکھ لیا کہ را میں کیسی گھٹیا ذہنیت کے لوگ بڑے عہدوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ انل بسواس پاکستان کے خلاف خطرناک منصوبوں کا خالق قرار دیا جاتا ہے مگر اس کا یہ عالم تھا کہ وقار کی موت کو گلے لگانے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بجائے ایسی زندگی کی التجائیں کر رہا تھا جس سے شاید اسے خود بھی کچھ دنوں بعد گھن آنے لگتی۔"

"یہ اندر کی کہانی ہے جو تم نے اپنا دل بہلانے کے لیے سن لی۔ دنیا کو کچھ پتا نہیں چل سکے گا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں۔ حد یہ ہوگی کہ اس کی بیٹیاں بھی اپنے باپ کی میت سے لپٹ کر زار و قطار روئیں گی۔ انہیں یہ بتانے والا کوئی نہیں ہوگا کہ ان کے بے حیا باپ کا مرجانا ہی ان کے لیے سود مند تھا۔"

"کچھ سامنے آئے یا نہ آئے' اس کی موت عبرت ناک رہے گی۔ چند گھنٹوں بعد دہلی میں ایک کہرام مچ جائے گا۔" میں نے کہا۔

"تم نے ان تینوں کو کس طرح بے ہوش کیا تھا؟" عابد کو اچانک وہ واقعات یاد آگئے "تم نے ان کی پنڈلیوں اور پیروں کی کون سی رگیں دبائی تھیں؟"

میں غیر ضروری طور پر کسی کو اپنا راز داں بنانے کا قائل نہیں تھا لیکن عابد علی کی بات مختلف تھی۔ اس نے بہت کڑے وقت میں اور ہر قسم کے خطرات مول لے کر اس طرح ہمارا ساتھ دیا تھا کہ میرا دل اسے کوئی چکما دینے پر مائل نہیں تھا۔ میں نے رسانیت سے اسے انگوٹھی کے بارے میں بتا دیا۔ مہلک زہر والی انگوٹھی کا تذکرہ میں نے گول کر دیا۔ وہ انگوٹھیاں دہلی میں دو مواقع پر استعمال ہو چکی تھیں۔ پہلی مرتبہ ویرا نے انسپکٹر ڈیوڈ کو اس کی مدد سے ہلاک کیا تھا اور دوسری بار غزالہ نے جان اسمتھ کو انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بنایا تھا۔

"یہ نایاب انگوٹھی ہم لوگوں کے پاس بھی ہونی چاہیے۔" اس نے رشک آمیز لہجے میں کہا پھر پوچھا "اس کا شکار کتنی دیر میں ہوش میں آتا ہے؟"

"اس کا انحصار استعمال ہونے والے سیال کی مقدار اور بحالی کی کوششوں پر ہوتا ہے۔ عام طور پر بے ہوشی کے اثرات چار گھنٹے تک برقرار رہتے ہیں۔"

"بہت ہی مناسب وقفہ ہے۔" اس نے مسرت سے کہا "انل بسواس کی بیوی اور بیٹیوں میں سے کوئی صبح کے چھ بجے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔ انل کے قتل کی خبر پھیلنے میں ایک ڈیڑھ گھنٹا لگ جائے گا۔ اس وقت تک ائر انڈیا کا جہاز تمہیں لے کر دہلی سے کافی دور جا چکا ہوگا۔"

"اس خوش فہمی میں تم یہ بھول رہے ہو کہ ابھی نریش شرما باقی ہے۔ وہاں کامیابی ہونے کے بعد ہم کوئی صحیح اندازہ لگا سکیں گے۔"

"انل کے گھر میں دیر ہونے سے بھابی سمیت ہر ایک کو تشویش ہوئی ہوگی۔" اس نے فوراً ایک نئی بات شروع کر دی۔

"کسی کو قتل کرنا آسان کام نہیں ہوتا۔ تم میرے ساتھ تھے اس لیے یہ بات کہہ رہے ہو۔ انہوں نے ہماری خیریت سے واپسی پر خدا کا شکر ادا کیا ہوگا۔" میں نے مسکت جواب دیا اور وہ خاموش ہو گیا۔

انل بسواس ہمارا اس رات کا پہلا اور سب سے اہم شکار تھا۔ وہاں کام نمٹانے کے لیے اوقات کا تعین ہمارے اختیار میں تھا اس لیے علاقے میں بجلی کے بریک ڈاؤن وغیرہ کی پیشگی منصوبہ بندی کر لی گئی تھی۔ وہاں کام نمٹانے میں صرف ہونے والے وقت کا کسی کو اندازہ نہیں تھا۔ وہاں سے نمٹنے کے بعد ہمیں نریش شرما کی طرف جانا تھا۔ اس کی نوبت کس وقت آتی۔ اس بارے میں پہلے سے اندازہ لگانا محال تھا۔ دوسرے یہ خوف بھی تھا کہ نریش کو انل کے قتل کی خبر مل گئی تو وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

دوسری مہم کے لیے صرف ہدف ہمارے سامنے تھا۔ کوئی منصوبہ بندی نہیں کی جا سکی تھی۔ میں نے رائے دی کہ ہم براہِ راست نریش کے گھر جانے کے بجائے آبادی سے نکل جائیں۔ انل کے تینوں پس ماندگان کو کامیابی سے بے ہوش کرنے کے بعد یہ خطرہ مل چکا تھا کہ انل بسواس کے قتل کی اطلاع تیزی سے پھیل جائے گی۔ وہاں جو کچھ ہوا تھا' مکمل

کرم فرما توجہ فرمائیں

پائیوریا کے منفرد اور پینتالیس سالہ آزمودہ طریقہ علاج کے بانی ڈاکٹر سید مشتاق علی کے انتقال کے بعد ان کے تربیت یافتہ بھانجے داماد سید دلشاد بخاری اسی منفرد اور آزمودہ علاج کے ساتھ آپ کی خدمت میں۔

اوقات صبح 11 تا شام 7 بجے

پتہ: پائیوریا کیور ڈینٹل کلینک کمرہ A-15 کیانی پلازہ، کیانی شہید روڈ نزد آئی بی اے۔ کراچی۔

فون: 7236817

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاموشی اور رازداری کے ساتھ ہوا تھا۔ اگر عابد اپنی گاڑی باہر نکال لے جاتا تو سرخ کار والے بھی اس کے پیچھے پیچھے اسی راہ پر ہو لیتے۔

راستہ بدل جانے کی بنا پر ان لوگوں کو یہ سمجھنے میں دشواری نہ ہوتی کہ میرے اور عابد کے پروگرام میں کوئی تبدیلی آچکی تھی۔ دونوں گاڑیاں کسی سنسان مقام پر رکتیں اور ذرا سی دیر میں نریش کے لیے کوئی منصوبہ بندی کرلی جاتی جس میں برتی رو کے تعطل کی گنجائش ہوتی۔

عابد نے کھلے دل سے مجھے بتایا کہ نریش کے لیے صرف مارنے اور بھاگ نکلنے کے ہنگامی پروگرام پر کام کیا گیا تھا۔ وقت کی تنگی کے خوف سے یہ سوچا ہی نہیں گیا کہ نریش کے مکان کی بجلی کس سمت سے اڑائی جاسکے گی۔

مختصر وقت میں یہ معلوم کرنا کسی طرح ممکن نہیں تھا کہ نریش شرما کے مکان کو بجلی فراہم کرنے والے تار کس سرکٹ سے منسلک تھے۔ اگر کسی نہ کسی طرح وہ سراغ لگالیا جاتا تو اتنی رات گئے لچک دار آہنی لنگر فراہم کرنا ناممکنات میں سے تھا۔

عابد کے پیش کیے ہوئے وہ عذر معقول اور قابل قبول تھے۔ میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا۔

نریش شرما کا مکان چھوٹا اور کونے سے دوسرا تھا۔ عابد نے گاڑی گلی میں لے جانے کے بجائے باہر ہی کھڑی کردی۔

میں نے گاڑی سے اترتے ہوئے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو تین بجنے والے تھے۔ اٹل بسواس کے گھر میں گھسنے کے بعد وقت اتنی تیزی کے ساتھ گزرتا چلا گیا تھا کہ ہمیں یا کم از کم مجھے اس کا اندازہ ہی نہیں ہوسکا تھا۔

ہم قرول باغ میں آبادی کے جن حصوں سے گزرے تھے وہاں رات کے گہرے سکوت اور سناٹے کا راج پایا تھا۔ علاقے کے سارے سفید پوش شرفا سوچکے تھے یا اپنے اپنے گھروں میں محصور تھے۔ قرب و جوار سے کبھی کبھار آوارہ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان کے بعد فضا پر وہی لامتناہی سناٹا چھا جاتا تھا۔

تاریکی میں ہم نے بہت آسانی سے اپنا کام کرلیا تھا مگر نریش شرما کی گلی میں اِکّا دُکّا مکانوں کے گیٹ لیمپ روشن تھے۔ رات کے گھور اندھیرے میں ان روشنیوں کا انعکاس دور تک پھیل رہا تھا۔

میں عابد کے ساتھ چہل قدمی کے انداز میں گلی میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر میری تشویش میں اضافہ ہوگیا کہ نکڑ سے دوسرے مکان کے دروازے پر بھی ایک بلب روشن تھا اور یہی مکان نریش شرما کا تھا۔ بڑے کے مقابلے میں وہ چھوٹا شکار مجھے دشوار تر نظر آنے لگا۔

روشنی کی وجہ سے ہم زیادہ دیر تک اس گھر کے سامنے نہیں رک سکتے تھے۔ بے خوابی کا کوئی مریض اپنی کھڑکی سے جھانکتا تو ہمیں وہاں دیکھ کر شکوک و شبہات میں مبتلا ہوجاتا۔

"دیواریں زیادہ اونچی نہیں ہیں۔" میں نے دھیمی آواز میں عابد سے کہا "میں جاتے ہی اندر کود جاؤں گا۔ تم باہر رک کر دروازہ کھلنے کا انتظار کرنا۔"

عابد کی تحیر زدہ نگاہیں میرے چہرے کی طرف اٹھ گئیں "اگر تم دیکھ لیے گئے تو کیا ہوگا؟"

اٹل بسواس کو کامیابی سے مار لینے کے بعد میرا دل شیر ہوچکا تھا۔ میں نے بے پروائی سے کہا "جو ہوگا' دیکھ لیا جائے گا۔ زیادہ خطرہ ہوا تو ہم گاڑی کی طرف دوڑ لگادیں گے۔"

ہتھیاروں کی وجہ سے ہماری پھولی ہوئی جیبیں دور سے دیکھی جاسکتی تھیں مگر ہتھیاروں کی موجودگی ناگزیر تھی۔ کوئی گڑبڑ ہوتی تو ہم ایک دو ہوائی فائر کرکے دشمن اور اس کے محلے داروں کو خود سے دور رہنے پر مجبور کرسکتے تھے۔

نریش شرما کے گھر کے سامنے پہنچتے ہی میں پوری دیدہ دلیری سے دیوار پر چڑھا اور کودنے کے بجائے آہستگی سے اندر اتر گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کودنے کی ہلکی سی دھمک بھی قریبی کمروں میں سن لی جائے گی اور کوئی گھر سے باہر نکل آئے گا۔

اندر کودنے بلکہ اترنے کے لیے میں نے ایسا پُراعتماد طریقہ اختیار کیا تھا جیسے گھر کا کوئی فرد دیر سے آنے کی صورت میں' اپنے بڑوں کی بازپرس سے بچنے کے لیے' چھپ کر گھر میں داخل ہوتا ہے۔ میں نے چند لمحوں تک انتظار کیا لیکن کہیں سے کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس رات مقدر پوری طرح میری یاوری کررہا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ عابد پر ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا ہوگا۔ میں احاطے کی دیوار کے ساتھ بیٹھے بیٹھے گیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔

گیٹ کے سامنے نریش کمار کی گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ گاڑی کے پچھلے حصے اور دروازے کے درمیان اتنی کم جگہ تھی کہ میرے اندازے کے مطابق ذیلی دروازے کا پٹ پوری طرح کھولنا ممکن نہیں تھا۔ اتنی جگہ ضرور بن سکتی تھی کہ آنے جانے والے آسانی سے دروازے سے گزر سکیں۔

مکان کی اگلی دیوار اور احاطے کے درمیان چند فٹ کا مختصر سا فاصلہ تھا۔ گیٹ کے سامنے البتہ پورچ بنا ہوا تھا۔ اس طرف مکان کی دیوار اتنی پیچھے چلی گئی تھی کہ اندر گاڑی پارک کرنے کی گنجائش نکل آئی تھی۔ مکان کا رقبہ مختصر تھا مگر اسے پوری چابک دستی سے استعمال میں لایا گیا تھا۔

میں وہ جائزہ لیتا ہوا کار اور گیٹ کی درمیانی جگہ میں پہنچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا۔ یہ میری چھٹی حس تھی کہ وہاں پہنچ کر میں نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ ذیلی دروازے کا کنڈا اندر سے مقفل نہیں تھا۔ میں نے بیٹھے بیٹھے اسے چھپکے سے اٹھا کر ہولے سے سرکانا چاہا لیکن زنگ کی سی آواز پیدا ہوئی اور میں نے بوکھلا کر ہاتھ نیچے کرلیا۔ اس بار میرے کان ہر آواز پر لگے ہوئے تھے۔ مجھے کنڈا اٹھانے کی وہ آواز بہت پُرشور محسوس ہوئی تھی جو کسی مکین کو ہوشیار کرنے کے لیے کافی تھی مگر اندر کوئی ردِّ عمل نہیں ہوا۔

کنڈا جہاں تھا، وہیں رکا ہوا تھا۔ شاید آہنی پٹ میں کوئی ٹیڑھ پیدا ہوگئی تھی جس کی وجہ سے رواں ہونے کے بجائے پھنسا ہوا تھا۔ میں نے محتاط انداز میں زور لگا کر پورا کنڈا سرکا دیا۔ کنڈا کھلتے ہی آہنی دستہ نرمی سے نیچے آگیا۔ میں نے پٹ کے نچلے حصے میں انگلیاں پھنسا کر اسے اندر کھینچا۔ اس بار بھی کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی اور ذیلی دروازے میں خلا بڑھنے لگا۔

عابد علی باہر بہت مخدوش پوزیشن میں کھڑا ہوا تھا۔ میں گھر کے احاطے میں داخل ہوچکا تھا۔ میری طرف سے خاموشی کا مطلب یہ تھا کہ مجھے کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ پٹ کھلتے ہی عابد تیزی سے آگے آیا اور دروازے سے اندر گھس آیا۔ وہ اس قدر گھبرایا ہوا تھا کہ اس نے اندر آتے ہی پلٹ کر، احتیاط سے پٹ بند کردیا۔ میں گاڑی اور گیٹ کی درمیانی جگہ میں بیٹھا ہوا تھا جبکہ عابد علی اپنے قدموں پر کھڑا ہوا تھا۔ اگر گھر میں کوئی ہوشیار تھا تو وہ گیٹ لیمپ کی روشنی میں اسے یقیناً دیکھ چکا تھا۔

عابد نے پٹ بند کرتے ہی اپنی جیب سے پستول نکال لیا تھا۔ میں نے اس کی پنڈلی پر ہاتھ مار کر اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ میری نیت اسے کسی خطرے میں جھونکنے کی نہیں تھی۔ مدعا صرف یہ تھا کہ جو سامنے ہے وہی پیش قدمی کی ابتدا کرڈالے۔

اس وقت عابد پوری طرح چوکنا اور مستعد تھا۔ اس نے بھی موقع کی نزاکت بھانپ لی تھی۔ پر میرا اشارہ پاکر اس نے میری طرف دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی.... اور پختہ فرش پر محتاط قدموں سے چلتا ہوا گاڑی کے عقب سے نکل گیا۔

وہ بس ایک لمحے کے لیے مجھے نظر آتا رہا پھر گاڑی کی اوٹ میں غائب ہوگیا۔ عابد کی پیش قدمی کا کوئی واضح نتیجہ سامنے آنے تک میرا اپنی جگہ سے اٹھنا مناسب نہیں تھا۔ میں اضطراری طور پر اپنی ہتھیلیاں فرش پر ٹکا کر سجدے کی حالت میں نیچے جھکتا چلا گیا۔ میری وہ ترکیب کارگر رہی۔ گاڑی کے نیچے سے مجھے عابد کے بڑھتے ہوئے محتاط قدم صاف نظر آرہے تھے۔ اس سے آگے مکان کے داخلی دروازے کا نچلا حصہ بھی نظر آرہا تھا جو بند تھا۔

عابد علی کے بڑھتے ہوئے قدم بند دروازے کے پاس رک گئے۔ شاید وہ دروازے کے ہینڈل پر طبع آزمائی کررہا تھا۔ میں سانس روکے نتیجے کا انتظار کرتا رہا۔ عابد کی کامیابی کی صورت میں مجھے دروازہ اپنی جگہ سے ہلتا ہوا نظر آجاتا۔ کئی لمحے گزر گئے مگر کچھ نہ ہوا پھر اچانک ہی دروازے کا پٹ ایک جھٹکے سے اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔ دروازے کی جگہ نمودار ہونے والے خلا میں مجھے دو ننگے مردانہ پاؤں نظر آرہے تھے جن کے اوپر سفید اور نیلے رنگ کی دھاریوں والا ڈھیلا پاجامہ جھول رہا تھا۔

"ہینڈز اَپ!" دروازہ کھلتے ہی میرے کانوں میں تیز اور تحکم آمیز آواز آئی "حرکت کی تو گولی ماردوں گا۔"

وہ آواز سو فیصد نریش شرما کی تھی اور نشے یا نیند کے خمار سے بوجھل سی تھی۔ مجھے اپنی کمین گاہ سے ان دونوں کی پنڈلیوں کا کچھ حصہ نظر آرہا تھا۔ اس سے اوپر کیا ہورہا تھا، وہ میرے علم میں نہیں تھا۔ غیر متوقع طور پر نریش کی آواز سن کر میرے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں۔ یہ بہت برا ہوا تھا کہ عابد علی رنگے ہاتھوں دھر لیا گیا تھا۔ اس کی ناکام کوششوں کے بعد گھر کا دروازہ یوں اچانک کھولا گیا تھا کہ اسے اپنے پستول سے کوئی فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔

"تم سعادت مند چور معلوم ہوتے ہو۔" اس بار نریش شرما کی استہزائیہ آواز ابھری "شرافت سے اپنا پستول مجھے دے دو۔ تمہاری جیبیں بھی بھاری ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ہتھیار یا نقب زنی کے آلات بھرے ہوئے ہیں۔ آج تم کو سب کھایا پیا یاد آجائے گا۔"

ننگے پاؤں اپنی جگہ سے آگے بڑھے۔ دونوں حریفوں کا درمیانی فاصلہ کم ہونے لگا۔ شاید نریش شرما بڑھ کر عابد علی سے پستول لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس وقت تک اس نے نریش کے جواب میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ جس حالت میں پکڑا گیا تھا۔ اس حالت میں اس کے پاس اپنے دفاع میں کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ مسلح حالت میں کسی اجنبی کی گھر میں گھسنے کی کوشش کرنے والا اپنے جرم کا اعتراف کرنے کے سوا کہہ بھی کیا سکتا تھا۔

عابد علی سے اس کا بھرا ہوا خودکار پستول لینے کے بعد نریش شرما الٹے قدموں پیچھے لوٹ گیا کیونکہ قدموں کا درمیانی فاصلہ اس بار خاصا بڑھ گیا تھا۔

"اب ہاتھ گرائے بغیر اندر آؤ اور پیر سے دروازہ بند کردو۔" نریش نے اگلا حکم جاری کیا۔ میں اس کا ایک ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لفظ سن رہا تھا۔ اپنے چور کو رنگے ہاتھوں پکڑ لینے پر وہ بہت زیادہ پُراعتماد نظر آرہا تھا۔ یہ حیرت کی بات تھی کہ اس نے عابد علی کے اندر آنے کے طریقے کے بارے میں سوچنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

مجھے پورا یقین تھا کہ میری ابتدائی کوشش کے نتیجے میں پیدا ہونے والی آہنی آواز نے نریش کو اپنے دروازے کی طرف متوجہ کیا تھا اور وہ کسی تاریک کھڑکی کے پیچھے سے عابد علی کو اپنے گھر میں گھستے دیکھتا رہا۔ اس نے یہ غور نہیں کیا کہ ذیلی دروازے میں کوئی بھی قفل نہیں تھا جسے باہر سے کھولا جاسکے۔ اس پٹ کا کنڈا اندر سے کھولا گیا تھا۔ اگر نریش شرما نے اسے دروازے سے اندر آتے ہوئے دیکھا تھا تو اس کے لیے یہ جاننا ضروری ہوجاتا تھا کہ اندر سے کنڈا کس نے کھولا تھا؟

وہ نکتہ واضح طور پر عابد علی کے کسی ساتھی کی نشاندہی کرتا تھا جو اس وقت بھی گھر میں موجود تھا۔ نریش شرما' عابد علی کو گھیر کر مطمئن ہوگیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے پوری واردات اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی تھی۔ پھاٹک پر پیدا ہونے والی آواز پر وہ چونکا اور کوئی آتشیں ہتھیار لے کر اپنے صدر دروازے کے پیچھے جم گیا تاکہ آنے والے کا استقبال کرسکے۔ وہ اتنا گاؤدی نہیں تھا کہ سب کچھ دیکھ لینے کے باوجود دوسرے آدمی کی موجودگی کے خطرے کو نظرانداز کردیتا۔

عابد علی کے قدم بڑھنے لگے۔ وہ دروازے سے گزر گیا۔ شاید وہ بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اس کے پکڑے جانے کے باوجود میں محفوظ تھا۔ جب تک ہم دونوں میں سے ایک بھی بچا ہوا تھا' دوسرے کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ گلوخلاصی کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا ہوسکتی تھی۔

عابد علی نے اندر پہنچنے کے بعد اپنی ایڑی سے دروازہ بند کردیا۔ وہ منظر نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہی میں نے برق رفتاری سے اپنی جگہ چھوڑی اور پنجوں کے بل تقریباً دوڑتا ہوا اس بند دروازے کے سامنے پہنچ گیا جو بند ہوچکا تھا۔ وہاں رک کر میں نے لمحے بھر کے لیے اندر کے منظر کے بارے میں سوچا اور فوری مداخلت کا فیصلہ کرلیا۔ دیر ہونے کی صورت میں نریش شرما کو اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کا موقع مل جاتا اور وہاں ایک بڑا تصادم ناگزیر ہوجاتا۔

میں نے دروازے کے ہینڈل کو گھما کر ذرا سا زور دیا اور دلی پٹ کوئی آواز پیدا کیے بغیر اندر کھلتا چلا گیا۔ اندر کا منظر بدل چکا تھا۔ عابد علی مکان کے اندرونی حصے میں میری طرف منہ کیے کھڑا تھا۔ نریش شرما اس کے اور دروازے کے درمیان حائل تھا۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔

میں اندر گھسا ہی تھا کہ نریش شرما بہت تیزی سے میری طرف گھوم گیا۔ دروازہ کھلنے سے آواز ہوئی تھی نہ میں نے کوئی آہٹ پیدا کی تھی۔ شاید پشت سے باہر کی تازہ ہوا کے آنے والے جھونکے نے نریش شرما کو خطرے سے خبردار کیا تھا۔ وہ اپنے ریوالور سمیت میری طرف پلٹا تھا۔ شاید وہ فائر بھی کرڈالتا لیکن بدقسمتی اس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ مجھے پہچان کر اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے اعتباری امڈ آئی۔

"مظہر.....!" اس کے ہونٹوں سے تحیرزدہ آواز نکلی۔

اس کی پل بھر کی وہ جھجک اس کے لیے شکست کا پیغام بن گئی۔ عابد علی کو مہلت مل گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے جست کرکے کسی عقاب کی طرح اس پر ٹوٹ پڑا اور اس کے پورے وجود کو اپنے مضبوط توانا بازوؤں کی گرفت میں دبوچ لیا۔ نریش کا ریوالور والا اٹھا ہوا ہاتھ مجہول ہوکر اس کے پہلو میں جھول گیا۔

"منہ سے آواز نہ نکالنا!" میں نے نیچی آواز میں دھمکی دی "تمہاری بیوی' بیٹے اور ملازموں میں سے جو بھی ادھر آیا' بے موت مارا جائے گا۔ اس وقت ہمارے پانچ آدمی تمہارے احاطے میں موجود ہیں اور میں تم سے فلم کا سودا کرنے یہاں آیا ہوں۔"

اسے خاموش رکھنے کے لیے وہ سب کہنا ضروری تھا۔ میری زبان سے نام نہاد فلم کا ذکر سن کر اسے یہ خوش فہمی ہوسکتی تھی اس پرانے جھگڑے میں اس کی جان کے زیاں کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ جو کچھ ہونا تھا' زبانی کلامی طور پر ہونا تھا۔

نریش اس وقت بالکل بے بس ہوچکا تھا۔ اس نے مکاری سے کام لیتے ہوئے اپنا ریوالور قالین پر چھوڑ دیا۔ یہ ہماری خوش بختی تھی کہ اس جھٹکے سے گولی نہیں چلی ورنہ سارا کھیل بگڑ جاتا۔

عابد علی نے اس کا داہنا ہاتھ مروڑ کر پشت سے لگایا اور اس کی شرٹ کی جیب سے اپنا پستول نکال کر اسے آگے دھکیل دیا۔ "اب بتاؤ کہ تم میری کیسی مزاج پرسی کا ارادہ کرچکے تھے؟"

"تم چپ رہو۔" نریش شرما نے خفگی سے کہا "یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے۔ مظہر کے سامنے آنے کے بعد صورتِ حال بدل چکی ہے۔ اب مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں رہا۔"

"یہاں کھڑے رہنے کے بجائے اپنی خواب گاہ میں چلو۔ یہ باتیں سکون سے وہاں بیٹھ کر ہوں گی۔"

"وہاں میری بیوی سو رہی ہے۔ میں اس کی نیند خراب نہیں کروں گا۔ آؤ' ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ چلنے سے پہلے اپنا ریوالور اٹھانے کے لیے جھکا تو عابد نے للکار کر اسے روک دیا۔ نریش شرما زیر لب کچھ بڑبڑاتا ہوا ایک طرف بڑھ گیا۔ عابد نے اس کے ریوالور پر قبضہ کرلیا۔ اس اثنا میں، میں اندر آکر دروازہ بند کرچکا تھا۔ ہم دونوں نریش کے پیچھے اس کے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔

نریش شرما ہم سے پہلے ایک صوفے پر آرام سے پھیل کر بیٹھ چکا تھا۔ اس نے ہمیں بھی بیٹھنے کی پیش کش کی۔ عابد سامنے چلا گیا۔ میں نے دانستہ نریش کے بائیں ہاتھ والا صوفہ سنبھال لیا۔

"تم اس فلم کے لیے اتنے پریشان کیوں ہو؟ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے لیے تم میرے گھر تک آنے کی ہمت کروگے۔" نریش نے مربیانہ انداز میں کہا۔

"فلم کی واپسی ضروری ہے کیونکہ اس کے ذریعے میری شناخت ہوسکتی ہے۔ میں اسے پسند نہیں کرتا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ پھیکے اور بے جان انداز میں ہنس دیا "ایسی بڑی بڑی باتیں نہ کرو۔ میں تمہیں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں۔ تم غزالہ سے بہت ڈرتے ہو۔"

"تم کو معلوم ہے کہ ڈینی کی کوئی تصویر تمہارے ریکارڈ میں نہیں ہے۔ میں اس فلم کو تمہارے ریکارڈ کا حصہ نہیں بننے دوں گا۔"

"ڈینی!" اس نے حیرت سے کہا "اس وقت اس کا ذکر کہاں سے نکل آیا؟ تم اپنی بات کرو۔"

"وہ فلم اس لیے اہم ہے کہ میں ہی ڈینی ہوں۔" سرد لہجے میں یہ انکشاف کرتے ہوئے میں نے اپنی جیب سے بیم گن نکال لی۔

"اوہ!" اس کے ہونٹ سکڑ گئے اور آنکھوں میں بے اعتباری سی سمٹ آئی "مجھے آج صبح تک شبہ تھا کہ تم وہ نہیں ہو جو بننے کی کوشش کررہے ہو مگر انکل نے میری بات سختی سے مسترد کردی۔ تم ڈینی ہو تو پھر غزالہ کے ہاتھوں مرلی دھر کے پٹنے کا معما بھی حل ہوگیا۔ میں حیران تھا کہ ایک عام عورت فلائنگ کک کیسے لگا سکتی ہے؟"

"فلم.... میں فلم کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے سختی سے کہا۔ میں اس پر زیادہ وقت برباد کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

وہ اپنی جگہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "شاید تم یقین نہ کرو لیکن اس فلم کا کوئی وجود نہیں ہے۔ وہ میرے دفتر کی آگ میں ناگر کے ساتھ جل گئی تھی۔"

فلم کے بارے میں اس نے پہلی بار سچ بولا تھا۔ اس سے مزید گفتگو بے سود تھی۔ میں نے سرسری انداز میں بیم گن کا رخ اس کی طرف کردیا۔

"بند نال والا یہ کون سا ہتھیار ہے؟ اس کا رخ میری طرف سے ہٹالو۔" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں نے اس کے بائیں پہلو کا نشانہ لے کر بیم گن کا ٹریگر دبادیا۔ نیلگوں شعلوں کی پتلی سی دھار فضا میں تیرتی ہوئی نریش شرما کی جلد، پسلیوں اور دل کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ وہ جس حالت میں بیٹھا ہوا تھا، اسی حال میں بیٹھا رہ گیا۔ آخری لمحوں کی گھبراہٹ اس کے چہرے پر منجمد ہوکر رہ گئی تھی۔

"تم نے اس پر اپنا بہت قیمتی وار ضائع کیا۔ یہ حرام زادہ ایسی سہل موت کا مستحق نہیں تھا۔" عابد علی نے افسردگی سے کہا۔

"شور شرابے اور وقت کے ضیاع سے بچنے کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا میں راولوں سے اکتا گیا ہوں۔ یہاں سے جلد از جلد نکلنا چاہتا تھا۔" میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

عابد علی نے ڈرائنگ کی ساری روشنیاں گل کردیں۔ نریش شرما کی لاش کو اندھیرے میں چھوڑ کر ہم دونوں باہر آگئے۔

انل بسواس کے مقابلے میں نریش شرما کے گھر کا ماحول مختلف تھا۔ مجھے توقع تھی کہ اس کے گھر والوں یا ملازمین میں سے کوئی بھی صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے بیدار نہیں ہوگا مگر ہم اس سلسلے میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ مشن شروع کرنے سے پہلے ہمیں یہ خوف لاحق تھا کہ انل کی موت کی خبر ذرا سی دیر میں پھیل جائے گی۔ وہ کام پورا ہوا تو ہمیں اس طرف سے صبح تک کے لیے بے فکری ہوگئی۔ میں اس بات کو یقینی بنانا چاہتا تھا کہ نریش شرما کی موت کی خبر بھی ہمارے امرتسر کے لیے روانگی تک دبی رہے۔

نریش کی خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کی بیوی بے حجابی سے اپنے بستر پر سو رہی تھی۔ وہ بلاشبہ بہت خوب صورت اور متناسب الاعضا عورت تھی۔ اسے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ ایک جوان بیٹے کی ماں ہوگی۔ وہ سوئی تو نریش کی بیوی تھی، بیدار ہونے پر یہ انکشاف اس کے لیے دل دوز ہوتا کہ وہ بیوہ ہوچکی تھی مگر وہ مقدرات تھے جو انل ہوتے ہیں۔ نریش نے میرے اور غزالہ کے ساتھ مخاصمانہ اور ہتک آمیز رویہ اختیار کرکے خود کو اس انجام کا سزاوار بنایا تھا۔

عابد علی کی خواہش پر میں نے انگوٹھی اپنی انگلی سے اتار کر اسے دے دی۔ اس نے انگوٹھی انگلی میں پہنے بغیر، اس کا نگینہ نریش کی بیوی کے بازو پر رکھ کر دبایا اور اس عورت کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بدن پھڑکتے ہی اس نے انگوٹھی اٹھالی۔ اس عورت کی نیند کم از کم چار گھنٹوں کے لیے گہری ہو چکی تھی۔

"واقعی یہ نایاب انگوٹھی ہے۔" اس نے انگوٹھی کی بناوٹ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "آئیڈیا مل گیا ہے۔ میں بات کروں گا۔ شاید یہ انگوٹھیاں بنوائی جاسکیں۔"

"میں غیر یقینی حالات سے نہ گزر رہا ہوتا تو یہ انگوٹھی اسی وقت تمہاری نذر کردیتا۔ پتا نہیں مجھے کب اور کہاں اس کی ضرورت پڑجائے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا' اس نے بوکھلا کر انگوٹھی فوراً مجھے لوٹا دی "ہر اچھی چیز کی تعریف کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ مانگی جارہی ہے۔"

"ابھی اوپر چار شکار اور باقی ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "چاہو تو ان پر آزمانے کے بعد مجھے واپس دے دینا۔"

"ہاں!" اس نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے انگوٹھی واپس لے لی "اس کا استعمال میرے لیے ایک سنسنی خیز تجربہ ہے۔"

جب تک نریش شرما زندہ تھا' میں شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھا۔ اس خبیث نے عین وقت پر عابد علی کو رنگے ہاتھوں پکڑ کر مجھے مزید ذہنی اذیت میں مبتلا کردیا تھا۔ اس کے قتل کے بعد میں خود کو بالکل ہلکا اور تروتازہ محسوس کررہا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہورہا تھا کہ اس چھت کے نیچے میرا ایک مقتول بھی موجود تھا۔ عابد علی کی باتوں سے بھی ایسا ہی ظاہر ہورہا تھا۔

وہ دہلی میں ہماری آخری اور بہترین رات تھی۔ میں نے جلال کے دیے ہوئے ہدف سے کہیں زیادہ مقاصد حاصل کرلیے تھے۔ نریش شرما کے قتل میں بیم گن کے استعمال کے سوا میں نے کہیں ایسا کوئی ثبوت نہیں چھوڑا تھا جس کی بنا پر یہ واقعات میری ذات سے منسوب کیے جاسکیں۔ یہ اور بات تھی کہ انل اور نریش کے جانشین محض میری بھارت سے روانگی کی بنا پر ان دونوں کا خون میرے کھاتے میں ڈال دیتے۔ ان کی وہ ساری کارروائیاں مظہر خان کے نام پر ہوتیں۔ انہیں دہلی میں میری یعنی ڈینی کی موجودگی کا سراغ اس صورت میں مل سکتا تھا جب ان کے ماہرین نریش شرما کے دل پر بیم گن کے مہلک وار کا فیصلہ صادر کرنے میں کامیاب ہوجاتے۔ ہر دو صورتوں میری صحت اور سلامتی پر کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ ان فیصلوں سے بہت پہلے میں پاکستان کی آزاد فضاؤں میں پہنچ چکا ہوتا۔

نریش شرما نے اوپر کی منزل پر بہت قرینے سے چار کمرے بنوائے تھے۔ ان میں سب سے کشادہ اور آراستہ کمرا اس کے بیٹے کے استعمال میں تھا جو اس وقت وہاں گہری نیند سویا ہوا تھا۔

اس لڑکے کی عمر کسی طرح اٹھارہ' بیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کی ماں کی طرح مجھے اس پر بھی ملال ہوا کہ وہ اپنے باپ کی ناپاک حرکتوں کی وجہ سے کم عمری میں ہی یتیم ہوچکا تھا۔ وہ عالمی اور علاقائی رقابتوں کا بھیانک کھیل تھا جس میں انفرادی جذبوں اور ہمدردیوں کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جس کو جہاں موقع ملتا تھا' وہ اپنے حریف کو پیس ڈالنے پر مل جاتا تھا۔

عابد علی نے اس لڑکے کے بعد تینوں ملازموں کی نیند کو بھی گہری بے ہوشی میں بدل دیا۔ نریش شرما کا نام عمل کی دنیا سے نکل کر ایک بھولا ہوا خواب بن چکا تھا۔ عیاشی' مکاری' آوارگی اور بے غیرتی کا وہ سدا بہار پیکر اپنے دن پورے کرچکا تھا۔ اس کے گھر میں ہمارا کوئی کام باقی نہیں رہا تھا۔ ہم وہاں سے واپس چل دیے۔

عابد کا ابتدائی اندازہ یہ تھا کہ ہمیں قرول باغ میں بدترین معرکے پیش آنے والے تھے جن میں ہمارا نقصان بھی ہوسکتا تھا۔ ان دونوں معرکوں سے نمٹنے کے بعد شاید ہمیں افراتفری کے عالم میں ائرپورٹ کی طرف بھاگنا پڑتا۔ اس کی تیاریوں میں ایسے امکانات کو ملحوظ رکھا گیا تھا لیکن نتائج اس کی بلکہ میری توقعات کے بھی برعکس نکلے تھے۔

ہر کام خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا جاچکا تھا۔ ہمارے پاس کافی وقت تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ ہم دونوں کو ایک جلوس کی صورت میں ائرپورٹ پہنچایا جائے۔ اس بارے میں عابد نے میری رائے طلب کی تو میں پوری طرح اس کا ہم خیال تھا۔ اس نے قرول باغ سے نکلنے کے بعد گاڑی ایک ایسے راستے پر ڈال دی جہاں ہمیں رک کر سامان اور سواریوں میں ردوبدل کرنے کا موقع مل سکتا تھا۔

اس وقت صبح کے پونے چار بجے کا عمل تھا۔ شہر کی ساری سڑکیں تقریباً ویران اور سونی پڑی ہوئی تھیں۔ آبادی سے باہر واقع سڑک پر کچھ دور نکلنے کے بعد عابد علی نے اپنی گاڑی روک کر انجن بند کیا اور پھر گاڑی کا بونٹ اوپر اٹھادیا۔ چند منٹ بعد دوسری گاڑی بھی ذرا دور آکر رکی تو عابد نے اشارہ دے کر اسے قریب بلالیا۔ گاڑی کا بونٹ دیکھ کر وہ تینوں یہ سمجھے کہ عابد کی گاڑی میں کوئی خرابی ہوگئی تھی۔

"گاڑی ٹھیک ہے اور اس سے بھی بڑی خوش خبری یہ ہے کہ آج کے دونوں مشن مکمل کامیابی سے ہمکنار ہوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ں۔" عابد نے انہیں بتایا۔

"وہ دونوں بہت آسانی سے مار کھا گئے۔" غزالہ نے
یرت سے کہا "مجھے تو ہر لمحہ پُر شور تصادم کا دھڑکا لگا ہوا
تھا۔"

"قسمت ہم دونوں کا ساتھ دے رہی تھی۔" عابد علی
نے خوش دلی سے کہا "نریش نے مجھے چوہے دان میں پھانس
یا تھا۔ مظہر کی حاضر دماغی کی وجہ سے میں عین وقت پر اس
کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا ورنہ اس وقت تک
ہاں پولیس کی بھاری نفری پہنچ چکی ہوتی۔"

"کیا اسے انل کے قتل کی خبر مل گئی تھی؟" عبداللہ نے
ضطراری لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔ دونوں خبریں ابھی تک دبی ہوئی ہیں۔ صبح
ونے سے پہلے کسی کو پتا نہیں چل سکے گا کہ وہاں کیا ہوا
ہے۔" ان تینوں کو جواب دینے کی ذمے داری عابد نے
نبھالی ہوئی تھی۔ میں اس کے قریب کھڑا اطمینان سے
گریٹ نوشی کا لطف لے رہا تھا۔

وہ تینوں اصل معاملات اور واقعات سے بالکل الگ
علگ رہے تھے اس لیے ان کے ذہنوں میں بہت سے
والات مچل رہے تھے۔ عابد نے انہیں مختصر الفاظ میں خلاصہ
انے کے بعد یہ بھی بتادیا کہ وہ دونوں ائرپورٹ کے بجائے
پنے ٹھکانوں پر واپس جائیں گے اور وہ خود مجھے اور غزالہ کو
رپورٹ چھوڑے گا۔ ان تبدیلیوں پر عمل کرنے کے لیے
ستے میں رکنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔ غزالہ مجھ سے
لگ ہو کر پریشان تھی۔ وہ خبر سنتے ہی وہ سرخ گاڑی سے میرا
یف کیس اور اپنا سفری تھیلا نکال لائی اور میں ان دونوں
سے تشکر آمیز الوداعی ملاقات میں مصروف ہوگیا۔

اس پڑاؤ میں غزالہ کی منتقلی ---- سب سے زیادہ اہم
ں۔ اس فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد عابد کے دونوں
تھی گاڑی گھما کر واپس روانہ ہوگئے۔ کچھ دیر بعد عابد نے
ں بونٹ گرادیا اور ہماری گاڑی ایک مرتبہ پھر حرکت میں
ئی۔

"یہ یاد رکھنا کہ اب پاکستان پہنچنے تک تم انل بسواس یا
یش شرما کا نام نہیں لوگی۔" میں نے غزالہ پر واضح کیا "اس
ڑی سے اترنے کے بعد ہم ان ناموں کو بھول جائیں
ے۔"

"مرنے والوں کو بھولنا پڑتا ہے مگر میں حیران ہوں کہ یہ
سیابیاں اتنی آسانی سے کیسے مل گئیں۔" غزالہ نے تعجب کا
ہار کیا۔

"کوئی آسانی نہیں تھی۔ افسانہ طرازی کے لیے بہت
کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن تمہیں یہ اطمینان ہونا چاہئے کہ ان
دونوں سے تمہاری توہین کا بدلا لے لیا گیا ہے۔"

"یہ احسان جتانا ضروری نہیں ہے۔" عابد نے ہنستے
ہوئے کہا "انل روز اول سے تمہارا ہدف تھا۔ ہاں، نریش کا
نام تم نے پچھلی رات کو شامل کیا تھا۔"

"یوں ہی سہی۔ تجویز جس کسی کی رہی ہو، مری دھر کو
بھیجنے والا نریش کمار ہی تھا۔"

ہم آپس میں باتیں کرتے رہے۔ عابد علی بہت اطمینان
سے گاڑی چلا رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ وقت ہونے کی وجہ سے
وہ ایک لمبا راستہ طے کرکے ائرپورٹ جارہا تھا۔ صبح کے ٹھیک
پانچ بجے اس کی گاڑی ائرپورٹ پر پہنچ چکی تھی۔ اس دوران
میں، میں بیم گن کو اپنے بریف کیس میں منتقل کرچکا تھا۔

غزالہ سے اس نے رسمی سلام دعا کی مگر مجھ سے وہ بہت
تپاک سے بغل گیر ہوا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا "وطن کی
قدر یہاں رہ کر ہورہی ہے۔ ہم وہاں کی ہوا کو ترس گئے ہیں۔
تمہاری ذات میں وطن کی خوشبو ملی تھی لیکن تم بھی ساتھ
چھوڑ کر جارہے ہو۔ اپنی دعاؤں میں ہم لوگوں کو کبھی نہ
بھولنا۔"

"میں نے تمہیں اور تمہاری پُر خطر زندگی کو بہت قریب
سے دیکھا ہے۔ میں نے یہاں ایک ایک لمحہ اس یقین کے
سہارے گزارا ہے کہ تم تینوں کی مخلص ٹیم میری طرف سے
کسی وقت غافل نہیں رہی۔ میں تمہیں کبھی نہیں بھول
سکوں گا۔"

"میری عمران ہی کاموں میں گزری ہے مگر میں نے تم
سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ دشمن پر سبقت حاصل کرنے کے
لیے تیزی سے بروقت اور صحیح فیصلے کرکے تم نے ہمیشہ مجھے
حیران کیا ہے۔" وہ گرمجوشی سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔

"انسان اپنے کام سے مخلص ہو اور اس کے دل میں
کچھ نہ کچھ سیکھنے کی جوت روشن ہو تو وہ زندگی بھر ہر ایک سے
سیکھتا رہتا ہے۔ دنیا کا کاروبار اسی طرح چل رہا ہے کہ لوگ
ہر لمحے ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ سیکھتے رہتے ہیں۔"
میرے لیے پُرجوش جوابی رویے کا اظہار ضروری ہوگیا تھا۔

اس نے ہمیں ائرپورٹ کے لاؤنج کے سامنے اتارنے
کے بجائے اپنی گاڑی پارکنگ ایریا کے سرے پر روکی تھی
جہاں ہماری گفتگو سننے والا کوئی نفس نہیں تھا۔ ہم تینوں نے
کچھ دیر تک وہیں کھڑے آپس میں باتیں کیں۔ اس نے
غزالہ سے ان زحمتوں کے لیے معذرت چاہی جو اسے دہلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں قیام کے دوران کسی نہ کسی سبب سے جھیلنا پڑی تھیں۔ ان مسائل میں آئی بی والوں کا کوئی ہاتھ تھا' نہ ان کی کسی کوتاہی کے نتیجے میں وہ واقعات رونما ہوئے تھے پھر بھی عابد اخلاقی طور پر نادم نظر آرہا تھا۔ وہ دوبارہ مجھ سے بغل گیر ہوا اور پھر افسردہ انداز میں اپنی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوگیا۔

میں غزالہ کے ساتھ وہیں کھڑا' اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ ہم دونوں کے پاس سامان نہ ہونے کے برابر تھا اور پرواز میں خاصا وقت بھی باقی تھا۔ ہم وہاں سے ٹہلتے ہوئے ملکی پروازوں کی روانگی والے لاؤنج کی طرف چل دیے۔

وہ محفوظ فضائی سفر کا زمانہ تھا مسافروں کے دستی سامان کو مشینوں سے گزار کر جانچا جاتا تھا لیکن چیک ان کاؤنٹر پر ائر لائن کے عملے کے حوالے کیے جانے والے اسباب کو جوں کا توں آگے بھیج دیا جاتا تھا۔ اس عمل میں اتنی احتیاط ضرور کی جاتی تھی کہ پرواز سے کوئی ایسا مسافر غائب نہ ہونے پائے جس کا سامان جہاز پر بھیجا جاچکا ہو۔ اگر بورڈنگ کارڈ کے اجرا کے بعد کسی وجہ سے کوئی مسافر رہ جاتا تو پھر تفصیلی پڑتال کی نوبت آتی تھی اور جہاز سے ایسے گمشدہ مسافر کا سامان اتار لیا جاتا تھا۔

میں اس وقت بھارت کی ایک اندرون ملک پرواز سے سفر کرنے والا تھا۔ میرے بریف کیس میں کاغذات وغیرہ کے ساتھ بیم گن بھی موجود تھی اس لیے مجھے اپنے ذہن میں ان باتوں کو تازہ کرنے کی ضرورت تھی۔

بیم گن میرے لیے ایک بیش قیمت ہتھیار کا درجہ رکھتی تھی۔ اس سے میں کسی بھی قیمت پر رضاکارانہ طور پر دستبردار نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ بات عابد علی اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے بیم گن پہلی مرتبہ دیکھی تھی لیکن وہ لیزر گن اور اس کے استعمال کے بارے میں بہت کچھ پڑھ چکا تھا۔ اس نے کسی مرحلے پر مجھے یہ یاد دلانے کی کوشش نہیں کی تھی کہ ہوائی سفر میں مجھے اس کی طرف سے محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ شاید اس نے یہ سوچ کر اس بارے میں کوئی بات نہیں چھیڑی تھی کہ میں اس کے مشورے پر اس غلط فہمی میں مبتلا ہوجاؤں کہ وہ احتیاط کے بہانے مجھے بیم گن دہلی میں چھوڑنے کا مشورہ دے رہا ہے۔

ہم پاکستان سے بھارت کے لیے روانہ ہوئے تو بیم گن میرے قیمتی اثاثے میں شامل تھی۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ بھارت میں قیام کے دوران مجھے کسی مرحلے پر فضائی سفر کی ناگزیر ضرورت پیش آئے گی۔ اٹل بسواس اور شرما کے دہرے قتل کے بعد وہ ناگزیر صورتِ حال رونما ہوچکی تھی اپنے تحفظ کے لیے جلد از جلد دہلی سے دور نکل جانے کے لیے فضائی سفر کرنا میری مجبوری بن چکا تھا۔

میں بیم گن والے بریف کیس کو دستی سامان کے طور پر اپنے ساتھ لے کر سفر کرنے کی کوشش کرتا تو مشینی جانچ پڑتال کے دوران بیم گن اسکرین پر نظر آجاتی اور میں مشکل میں پڑجاتا۔ میں فیصلہ کرچکا تھا کہ بورڈنگ کاؤنٹر پر اپنا مقفل بریف کیس ائرلائن کے عملے کو سونپ دوں گا تاکہ وہ حفاظت سے امرتسر تک پہنچ سکے۔ اس وقت اس میں بیم گن کے ساتھ سی ایس ڈی جیسی اہم اور کارآمد چیز بھی موجود تھی۔

یہ بات ذرا عجیب سی ہوتی کہ کوئی مسافر اپنے بریف کیس کو بھی اپنے ساتھ جہاز کے کیبن میں نہ لے جانا چاہے لیکن بالکل انوکھی اور نرالی نہیں تھی۔ دنیا کے مختلف حصوں کے فضائی سفر کے دوران میں نے ایسے خبطی لوگ بھی دیکھے تھے جو محض کوئی بھاری کتاب بھی اپنے سامان کے طور پر ہاتھ میں لے جانے سے گریز کرتے تھے۔ میری وہ تدبیر قدرے غیر معمولی مگر بالکل محفوظ تھی۔

لاؤنج میں ائرانڈیا کے تین کاؤنٹرز پر میری امرتسر کی پرواز کا نمبر روشن تھا لیکن کاؤنٹر بند تھے۔ میں غزالہ کے ساتھ قریبی اسنیک بار کی طرف چل دیا۔

پچھلی رات میں نے غزالہ پر نظر رکھنے کے لیے ڈنر کے نام پر محض دہی بڑے کھانے پر اکتفا کیا تھا۔ دہی بڑے کب کے ہضم ہوچکے تھے۔ میرا خالی معدہ احتجاج کررہا تھا جب کہ پرواز کی روانگی میں کم از کم دو گھنٹے باقی تھے۔ اس وقت کا بہترین استعمال یہی تھا کہ کچھ پیٹ پوجا کرلی جائے۔

ائرپورٹ کی پوری عمارت روشنیوں میں نہائی ہوئی تھی لیکن وہاں مسافروں وغیرہ کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ ماحول میں عجیب اور خواب ناک سی اداسی تیر رہی تھی رونق جہاں بھی ہو' انسانوں کے دم قدم سے ہوتی ہے۔ جہاں انسانوں کے سوا سب کچھ ہو' وہ جگہ ویرانے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یہ آدم بیزاروں کا میراق ہوتا ہے کہ وہ ایسی جگہوں کو پُرسکون اور رومان پرور قرار دے کر وہاں ڈیرے ڈال دیتے ہیں۔

ہم دونوں نے صاف ستھرے اسنیک بار میں کافی کے ساتھ اچھا خاصا ناشتا کرڈالا۔ دہلی سے اپنی روانگی کے اس آخری مرحلے پر مجھے یاد آیا کہ دہلی میں اپنے قیام کے دوران ہم کسی بھی دن حلوہ پوری کے روایتی مقامی ناشتے سے لطف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندوز نہیں ہو سکے تھے۔ بھارت کے اس تاریخی شہر میں ہمارا سارا وقت بے یقینی کی سولی پر گزرا تھا۔ حالات ہر لمحے ایسی خطرناک کروٹیں لیتے رہے تھے کہ میرا ذہن ایسی کسی تفریح، تبدیلی یا عیاشی کی طرف نہیں بھٹک سکا تھا۔

نریش شرما اور انل بسواس روز اول سے میرے لیے مسئلہ بنے ہوئے تھے۔ بھارت میں پاکستانی دہشت گردوں کے داخلے کی خبر نما افواہ کے بعد بھارتی پولیس نے جس چھان بین کی ابتدا کی تھی، اس کے نتیجے میں راوا لے میری طرف متوجہ ہوئے تھے پھر انہوں نے مجھے ایک دن کے لیے بھی سکھ کا سانس نہیں لینے دیا تھا۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ میں پاکستان سے را کے ایک ونگ کے سربراہ کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ لے کر دہلی میں وارد ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں دہلی میں مامور را کے ایجنٹوں کے تعاون سے اپنی مہم کا آغاز کرتا، راوا لے خود میری طرف متوجہ ہو گئے۔

ابتدا سے آخری لمحات تک میرے اور ان کے درمیان بلی اور چوہے کا کھیل ہوتا رہا۔ کبھی مجھے یہ شبہ ہوتا کہ وہ منظم انداز میں مجھے گھیرنے کی کوششیں کر رہے ہیں اور کبھی یہ خوش فہمی ہونے لگتی تھی کہ میں کامیابی سے انہیں بے وقوف بنا رہا تھا۔ تذبذب اور بے یقینی کی وہ کیفیت اس رات تک قائم رہی تھی۔ ان دونوں کے کامیاب قتل نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ان کے بارے میں میرے شبہات بے بنیاد تھے مگر خوش فہمیاں بے بنیاد نہیں تھیں۔

ہم ناشتا کر کے اسنیک بار سے دوبارہ لاؤنج میں پہنچے تو اجڑے اجڑے کاؤنٹر آباد ہو چکے تھے مگر مسافروں کی آمد کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔

میں نے ایک خالی کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھی ہوئی لڑکی کو اپنی طرف متوجہ پا کر اسی کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کاؤنٹر پر ہماری پرواز کا نمبر موجود تھا۔

لڑکی نے دلکش مشینی مسکراہٹ کے ساتھ ہمارا استقبال کیا اور دونوں ٹکٹ کھول کر بورڈنگ کوائف ڈالنے میں مصروف ہو گئی۔ میں نے خاموشی سے اپنا بریف کیس سامان کا وزن کرنے والی مشین پر رکھ دیا۔ مسافروں کا سامان مشینی پٹے پر منتقل کرنے والے لوڈر نے استفسار طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔ وہ تصدیق کرنا چاہ رہا تھا کہ میں نے اپنا بریف کیس یوں ہی مشین پر رکھ دیا تھا یا میں اسے جہاز کے کارگو ہولڈ میں بھجوانا چاہتا تھا۔ میں نے انگلی سے اشارہ کیا کہ بریف کیس بھیج دیا جائے۔

لوڈر نے بریف کیس کے ہینڈل کے ساتھ ٹیگ باندھا اور اس کا نچلا حصہ الگ کر کے لڑکی کے سامنے رکھ دیا جو میرا بورڈنگ کارڈ تیار کرنے میں مصروف تھی۔ ذرا سے انتظار کے بعد بریف کیس کے ٹیگ کے ساتھ دونوں بورڈنگ کارڈز مل گئے۔ میرا بریف کیس متحرک پٹے پر آگے بڑھتا چلا گیا۔

بظاہر وہ ایک معمولی سا مرحلہ تھا مگر میں اس کی طرف سے بہت فکر مند تھا۔ ہمارے ساتھ کوئی سوٹ کیس وغیرہ ہوتا تو بیم گن اور سی ایس ڈی کو آسانی سے اس میں چھپایا جا سکتا تھا۔ محض بریف کیس کی وجہ سے ائرلائن کے عملے میں کسی کو شک ہو سکتا تھا۔ مجھے امید تھی کہ کاؤنٹر سے گزر جانے کے بعد میرے بریف کیس کو نہیں چھیڑا جائے گا اور وہ پوری حفاظت سے ہمارے ساتھ امرتسر پہنچ جائے گا۔

ساڑھے پانچ بجے اس پرواز کے لیے بورڈنگ کے آغاز کا اعلان ہوا تھا۔ اس وقت تک لاؤنج میں خاصے مسافر آ چکے تھے مگر وہ تعداد تسلی بخش نہیں تھی۔

میں اس مرحلے کے لیے دیر سے پابہ رکاب بیٹھا ہوا تھا۔ بورڈنگ کا اعلان ہوتے ہی مسافروں کی پہلی کھیپ کے ساتھ ائر انڈیا کے طیارے میں سوار ہو گیا۔ ٹرالی سے دو انگریزی اخبارات لیتے ہوئے ہم دونوں اپنی جڑی ہوئی نشستوں پر پہنچ گئے۔

پچھلے کئی دن سے مجھے دہلی کے اخباروں کا تفصیلی معائنہ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ طیارے میں آرام سے بیٹھ کر میں نے ورق گردانی کی تو اخبار کے اندرونی صفحات پر کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے حوالے سے ایک تفصیلی مضمون موجود تھا۔

کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی مذموم سرگرمیوں کے بارے میں بھارتی اخباری نمائندوں کی مہم جوئی عابد علی کی کوششوں کی مرہون منت تھی۔ میں نے اس مضمون کا سرسری جائزہ لے کر اندازہ لگایا کہ مضمون کا لب ولہجہ بہت تلخ، تنقیدی اور جارحانہ تھا۔

بھارت میں اپنے مشن کے دوران میں میری بے یقینی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ شکوک و شبہات کی دھند چھٹ جانے کے بعد ہر بات واضح سیاق و سباق کے ساتھ سمجھ میں آ رہی تھی اور میرے دل میں فخر و انبساط کے جذبات امڈ رہے تھے۔

میں دہلی میں اپنے مشن سے بہت کامیاب و کامران ہو کر لوٹ رہا تھا۔ میری آمد را والوں کے لیے بہت بھاری ثابت ہوئی تھی۔ ہر طرف ان کے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے۔ پہلے ان کے پاکستانی ونگ میں آتش زنی کی سنگین واردات ہوئی جس کے نتیجے میں وہ اپنے بہت سے ریکارڈ اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناگر جیسے کامیاب افسر سے محروم ہوگئے۔ وہ اس چوٹ سے سنبھلنے نہ پائے تھے کہ چانکیہ پوری کے سمراٹ ہوٹل میں جان اسمتھ کی لاش برآمد ہونے کی خبر آگئی۔

اس محاذ کے سرد ہونے سے پہلے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا سویا ہوا فتنہ بیدار ہوگیا اور را کا گھناؤنا کردار زبردست تنقید کی زد میں آگیا۔ ان لوگوں کے پوشیدہ زخم عام بھارتیوں اور اخباری دنیا کی نظروں سے پوشیدہ تھے۔

وہ را کی بدبختیوں کی پرانی داستان تھی۔ اس کے دو نئے باب پچھلی رات کی تاریکی میں لکھے گئے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ انل بسواس اور نریش شرما کے قتل کا انکشاف را کے ساتھ بھارتی حکومت کو بھی ہلا کر رکھ دے گا اور را کی کارکردگی بھارتیوں کے لیے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن جائے گی۔

میری رسٹ واچ پونے سات بجا رہی تھی۔ جہاز تیزی سے بھرتا جارہا تھا۔ کیبن میں مردوں، عورتوں اور بچوں کی ملی جلی، ہیجان انگیز سرگوشیاں اور آوازیں گونج رہی تھیں مگر میرا ذہن قرول باغ کے دو مکانوں اور ان کے بدنصیب مکینوں میں الجھا ہوا تھا۔

ان دونوں گھروں کے ناہنجار سربراہ اپنے کیے کے انجام کو پہنچ چکے تھے۔ میرا خیال تھا کہ ان گھروں میں بے ہوش ہونے والے نفوس میں سے چند کو ضرور ہوش آچکا ہوگا۔ گھنٹوں سے دبی ہوئی خبر ایک آتشیں بگولے کی طرح پھیلتی جارہی ہوگی۔ جب تک را کے بڑے اس واردات کے بارے میں کچھ سمجھنے میں کامیاب ہوتے، ہمارا جہاز دہلی کی سرزمین کو چھوڑ کر فضا میں بہت اوپر جاچکا ہوتا۔

میں ایک ایک لمحہ گن گن کر گزار رہا تھا۔ خدا خدا کرکے جہاز کے دروازے بند ہوئے۔ بورڈنگ کے ریکارڈ کے مطابق ہر مسافر طیارے میں آچکا تھا اور جہاز میں لادے جانے والے اسباب کی دوبارہ زمینی جانچ پڑتال کا خطرہ ٹل چکا تھا۔

جہاز کے انجن چل پڑے۔ اپنے شیڈول کے مطابق طیارہ بروقت حرکت میں آیا اور کسی بڑے مشینی عفریت کی طرح ٹارمک پر مست خرامی کرتا ہوا اس رن وے کی طرف بڑھنے لگا جہاں سے دوڑ لگا کر اسے فضا میں بلند ہونا تھا۔ دہلی میں نئی صبح طلوع ہوچکی تھی۔ مشرقی افق سے کافی اوپر چمکتے ہوئے سورج کی کرنیں جہاز کی کھلی ہوئی کھڑکیوں سے براہِ راست کیبن میں بیٹھے ہوئے مسافروں پر پڑ رہی تھیں۔ میرے لیے وہ سب بہت روح پرور اور اطمینان بخش ثابت ہورہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کنٹرول ٹاور سے اجازت ملنے کے بعد، رن وے کے سرے پر رکے ہوئے طیارے نے جھرجھری لے کر دوڑنا شروع کردیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جہاز نے زمین چھوڑ دی اور فضا میں تیزی سے اوپر اٹھتا چلا گیا۔ دہلی کا مطلع صاف تھا لیکن کہیں کہیں ہلکے سرمئی بادلوں کے پرے تیرتے پھر رہے تھے۔ چند ثانیوں بعد طیارہ ان بادلوں کو چیرتا ہوا اوپر نکل گیا۔

دہلی کا قیام میرے لیے زندگی کا ایک بھیانک اور روح فرسا تجربہ تھا۔ زمین سے رشتہ ٹوٹنے کے بعد مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ میں ان حالات سے بخیر و خوبی نکل آنے میں کامیاب ہوچکا تھا۔

جہاز میں کچن کی سرگرمیوں کا آغاز ہوچکا تھا۔ دہلی سے امرتسر کی پرواز زیادہ طویل نہیں تھی اس لیے جہاز کے مقررہ بلندی پر پہنچتے ہی فضائی میزبانوں نے اپنا کام شروع کردیا۔ سینڈوچ، پیسٹریز اور چائے یا کافی پر مشتمل ہلکا پھلکا ناشتا فراہم کیا جارہا تھا۔

وہ مختصر سا دور تھا جو جلد ہی ختم ہوگیا۔ برتن وغیرہ تیزی سے سمیٹے گئے۔ کچھ دیر بعد لینڈنگ کا اعلان ہونے لگا۔

دہلی کی ہلچل میں ڈوبی ہوئی سنسنی خیز فضاؤں سے دور، وہ شہر میرے لیے امان کا باعث تھا۔ گزرے ہوئے تلخ دنوں کی صرف یادیں باقی رہ گئی تھیں۔ مجھے امید تھی کہ امرتسر میں بنگو معقول آدمی کے لالچ میں مجھ سے پورا تعاون کرے گا اور ہم جلد ہی سرحدی لکیر عبور کرکے پاکستان میں داخل ہوجائیں گے۔

امرتسر کا ایرپورٹ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ دہلی سے روانگی کے بعد وہاں اترتے ہی یہ احساس ہوا تھا جیسے ہم شہر سے کسی گاؤں میں آگئے ہوں۔ طیارے سے اترنے کے بعد مجھے اپنے بریف کیس کے انتظار میں عمارت کے اس حصے میں رکنا پڑا جہاں سامان کی آمد متوقع تھی۔

سامان کی پہلی کھیپ میں میرا بریف کیس شامل نہیں تھا۔ مجھے بے چینی سی ہونے لگی۔ بظاہر کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن ذہن میں عجیب سے وسوسے سر ابھار رہے تھے۔

"ہمیں آرام سے بیٹھ جانا چاہیے۔" غزالہ نے مشورہ دیا "ہم جہاز کے ابتدائی مسافروں میں شامل تھے اس لیے آپ کا بریف کیس سب سے آخر میں آئے گا۔"

وہ سیدھی سی بات کئی بار میرے تجربے میں آچکی تھی مگر ذہنی دباؤ کی وجہ سے میں اس نکتے پر غور نہیں کرسکا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مسافروں کا سامان جس ترتیب سے جہازوں میں لادا جاتا ہے' عام طور پر سفر کے اختتام پر اس سے الٹی ترتیب میں اترتا ہے۔ میں سگریٹ سلگا کر غزالہ کے ساتھ ٹہلتا ہوا ایک طرف ہولیا۔

تاخیر کا سبب سمجھ میں آجانے کے بعد میری پریشانی میں خاصی کمی ہوگئی تھی۔ میری نگاہیں طیارے سے آنے والے سامان پر جمی ہوئی تھیں۔ خدا خدا کرکے میرا بریف کیس نظر آیا اور میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر اسے حاصل کرلیا۔ بریف کیس صحیح حالت میں تھا اور اس کا قفل بدستور لگا ہوا تھا۔

ائرپورٹ سے نکل کر ہم نے ٹیکسی لی اور ڈرائیور کو گرانڈ ہوٹل کا پتا بتادیا۔ وہ ہوٹل میرا دیکھا ہوا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم سکون سے وہاں اپنا وقت گزار لیں گے۔

ٹیکسی ڈرائیور ایک نوجوان سردار تھا جس کی زبان ٹیکسی سے زیادہ تیز چل رہی تھی۔ فائدہ یہ ہوا کہ وہ راستے بھر مسلسل بولتا اور امرتسر کے بارے میں اپنی معلومات کے گن گاتا رہا۔ ہمیں اس نے ہوں ہاں کرنے سے زیادہ بولنے کی مہلت نہیں دی۔

گرانڈ ہوٹل پہنچنے پر ہمیں بولنے کی اس مشین سے نجات ملی اور ہم ٹیکسی سے اتر کر ہوٹل میں داخل ہوگئے۔

ہوٹل کے کاؤنٹر پر پہنچنے سے پہلے میں دو فیصلے کرچکا تھا۔ سب سے ضروری یہ تھا کہ مجھے اپنے اور غزالہ کے لیے الگ الگ کمرے لینے تھے تاکہ دہلی جیسے کسی تلخ تجربے کا اعادہ ہونے کی نوبت نہ آئے دوسری ضروری بات یہ تھی کہ ہوٹل کے عملے کو اپنے اصل عزائم سے بے خبر رکھنے کے لیے دو تین دن قیام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا جائے۔

دہلی سے نکل آنے کے بعد میں جلد از جلد پاکستان پہنچ جانا چاہتا تھا لیکن امرتسر سے آگے کا سفر میرے اختیار میں نہیں تھا۔ اپنے خلاف راہ والوں کا نیٹ ورک متحرک ہونے کے اندیشے کی وجہ سے میں اپنے پاسپورٹ کے ذریعے پاکستان لوٹنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ ہماری روانگی کا تمام تر دارومدار میری اور بنگو کی پہلی ملاقات کے نتائج پر تھا۔

کاؤنٹر کلرک نے بہت خوش دلی سے ہمارا استقبال کیا۔ ہوٹل میں کئی کمرے خالی تھے۔ اس کے مشورے پر ہم نے دوسری منزل کے ایک دوسرے سے ملحق دو کمروں کے لیے آمادگی ظاہر کردی۔

ہم دونوں نے دہلی سے امرتسر تک کا سفر فرضی ناموں سے کیا تھا تاکہ ہماری دہلی سے روانگی کی فوری تصدیق نہ ہوسکے لیکن ہوٹل کے ریکارڈ میں اندراج کے لیے جو کوائف درکار تھے' وہ ہم فرضی ناموں کے ساتھ فراہم نہیں کرسکتے تھے۔ میں نے اطمینان سے دونوں پاسپورٹ کاؤنٹر پر رکھ دیے۔

میرے دل میں یہ چور تھا کہ ہم کسی قابل ذکر سامان کے بغیر سفر کررہے تھے۔ اس پر کسی کو بھی شک ہوسکتا تھا۔ ہوٹل کے رجسٹر کے اندراجات کے دوران میں نے باتوں میں کاؤنٹر والے کو یہ جتادیا کہ ہم پاکستان واپسی سے پہلے اپنی ساری خریداری امرتسر سے کرنے کا ارادہ رکھتے تھے کیونکہ آگرہ سے دہلی روانگی کے دوران ہمارے سامان سے بھرا ہوا سوٹ کیس بس کے کارگو ہولڈ سے کہیں غائب ہوگیا تھا۔

کاؤنٹر والے سردار جی نے ہماری ہمدردی میں بھارتی چوروں کو خاصا بُرا بھلا کہا۔ جوشِ خطابت اور روانی میں وہ غزالہ کی موجودگی کی پروا کیے بغیر دو تین گالیاں بھی دے گئے۔ وہ ان کی طرف سے ہمدردی کے اظہار کا فطری اور روایتی طریقہ تھا جس پر اعتراض کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

ہمارے پاس کوئی سامان نہ ہونے کے باوجود ہوٹل کا پورٹر ہمیں کمرے دکھانے کے لیے دوسری منزل تک گیا۔ غزالہ نے اسے دس روپے دے کر خوش کردیا۔

ہم دونوں پچھلی رات آٹھ بجے سے دربدر تھے۔ دہلی کا ہوٹل چھوڑنے کے بعد ہمیں کہیں رکنے یا آرام کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ غزالہ اپنے کمرے میں چلی گئی تاکہ نہا دھوکر تازہ دم ہوسکے۔ میں نے اپنی جیب سے عابد کا دیا ہوا رقعہ نکالا اور کمرے میں موجود انسٹرومنٹ پر براہِ راست فون لائن لے کر بنگو کا نمبر ملانا شروع کردیا۔

پہلی کوشش میں ہی نمبر مل گیا۔ میں ریسیور کان سے لگائے' جواب کے انتظار میں گھنٹیاں گنتا رہا۔ تیسری گھنٹی کے بعد میرے کانوں میں ایک تھکی ہوئی اور بیزار سی مردانہ آواز آئی۔ "ارے' صبح صبح کون ہے؟ کیا کام ہے؟"

"بنگو کو بلادیں۔ اس سے ضروری کام ہے۔" میں نے نرم بلکہ خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"بنگو سالا دو دن سے غائب ہے۔ پتا نہیں کب آئے گا۔ شاید اسے پولیس والوں نے پکڑلیا ہے۔" دوسری طرف سے اسی لہجے میں جواب آیا اور میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اگر بنگو کسی چکر میں پکڑا گیا تھا تو امرتسر ہمارے لیے نخدوش ہوچکا تھا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ہم آسمان سے گر کر اچانک کھجور میں اٹک گئے ہوں۔

(جاری ہے)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤں ڈون کو انگ ڈونا کی ایک چینی بدمعاش کے ہاؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آمزگ بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اژدر سوچ کی بیماری کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں زیو ڈاسٹار زمانی میسونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد ازگ بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہمارے دل کشمکش سے اس کی برادریوں کا آغاز ہوا اور وہ زیو ڈاسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی تو ملیٹ کا لاز م اوبرائن ذہنی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' طلبہ ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس سے خودکشی کرالی۔ اس کی خودکشی پر فریم انٹیلی جنٹس کے غیر معمولی دباؤ اچانک پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کردار ہمارا اکرام الٰہی تھا جو خود فریم انٹیلی جنٹس کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا تھے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا بھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے اور سلطان شادی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار و امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری پند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں زیلک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود رائے پاکستانی ونگ کے سربراہ اتل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ بھنک مل گئی تھی قدرتاً اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنی دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر ملی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی او زکی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او' ہیومن سوسائٹی' فلاحی کاموں کی آڑ میں بیرون سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جاوید نظیر کاماموں سسر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس بی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کر دیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں' میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق ویرا ہم سے الگ ہو کر دوسرے ہوٹل میں قیام پذیر ہو گئی۔ کراچی میں امرکی قونصلیٹ کا لاز م جان اسمتھ بھی نئی دہلی پہنچ چکا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ دہلی میں گرین کو برا فائل کی جستجو میں تھے۔ اسی اثنا میں را کی خوب رو ایجنٹ رینا اجیت رائے مجھ سے نمرائی اور بے باک تعالی میں مجھے بتایا کہ وہ مجھے اتل بسواس سے ملوا سکتی ہے۔ پاکستان سے اول خان نے مجھے آگاہ کیا کہ وہاں مظہر خان کے پاسپورٹ پر درج مندرجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ رینا سے میری دوسری ملاقات دہشت گرد کا شکار ہو گئی۔ اس کی ابتدا میں ہی را کے تیز خو اور سفاک ایجنٹ ناگر نے میری انگلیوں کے نشانات حاصل کیے اور پھر بعد میں رینا نے مجھے بتایا کہ میری اور اس کی پہلی رنگین ملاقات ویڈیو فلم کے فیتے پر محفوظ کی جا چکی تھی۔ اب مجھے ہر قیمت پر را کے لیے کام کرنا تھا۔ ویرا جان اسمتھ کے چکر میں تھی مگر میں نے اسے محتاط رہنے کا مشورہ دیا اور وہ فی الحال اپنی سرگرمیوں کو معطل کرنے پر رضامند ہو گئی۔ میں نے را کے دفتر میں اتل بسواس اور شرما دونوں سے ملاقات کی اور دیگر امور کے علاوہ انہوں نے مجھے میری تلاش کا بڑا کام سونپ دیا۔ شرما کے دفتر میں مجھے گرین کو برا فائل نظر آ گئی۔ را کے دفتر سے میری بخیریت واپسی نے میرے حوصلوں کو سمیٹ دیا اور میں نے اسی رات را کے دفتر میں نقب لگا کر تمام ضروری مواد نکال لینے کا فیصلہ کر لیا۔ کو پال میرا ہم نوا تھا۔ میں نے اس سے پہلے غزالہ کو جان اسمتھ کا کام تمام کرنے روانہ کر دیا۔ ہوٹل سرائے میں غزالہ نے ویرا کو اغوا کر لیا۔ اس کے مشورے کے مطابق غزالہ نے با آسانی جان اسمتھ کو شکار کر لیا اور دونوں وہاں سے روانہ ہو گئیں۔ اس کی واپسی کے بعد میں آئی بی کی ٹیم کے ساتھ را کے دفتر روانہ ہو گیا۔ وہاں معاملات ہماری توقع کے مطابق بڑی تیزی سے نمٹتے گئے۔ تاہم ایک موقع پر را کے ناگر نے اپنی ڈرامائی آمد کے سبب ہمارے منصوبے کو ناکام بنا ہی دیا تھا مگر وہ خوشامد پسند اور انتہا درجہ جلد باز میرے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کا شکار ہو گیا۔ ہم وہاں سے مال غنیمت میں بہت سی فائلیں لے کر نکل آئے مگر اس سے پہلے میں نے اپنی ویڈیو فلم اور فنگر پرنٹس کو ضائع کر دیا تھا۔ ناگر کی چتا شرما کے دفتر میں موجود کاغذوں سے تیار کی گئی اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ وہاں ہماری پے در پے کامیابیاں قاتل فخر حسین گرمار نوتیں کی خاموشی مجھے کسی بڑے طوفان کا پتا دے رہی تھی۔ میں غزالہ کے ہمراہ دہلی میں رک گیا اور فائلیں ویرا کے ذریعے پاکستان روانہ کر دیں۔ مجھے اپنی کارروائی کے بعد رائی بیفوں میں ہونے والے بھونچال کا اندازہ تھا۔ انہوں نے مجھ سے بھی کڑی پوچھ گچھ کی مگر میری حاضر دماغی کے باعث انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ میری اور رینا کی فلم ضائع ہو چکی تھی جس کے بعد بلا شبہ نائی سکھنہ کو میرے پیچھے لگایا گیا مگر اس کی ناکامی کے بعد مجھے اور غزالہ ہوٹل سے دور رکھنے کے لیے زیلک اور اتل بسواس نے اپنے دفتر میں ہم سے ملاقات کی اور اس عرصے میں ہمارے گھروں میں خفیہ کیمرے لگا دیے گئے۔ رینا کی مہربانی کے باعث را کا یہ وار بھی ناکام ہو گیا۔ زیلک بری طرح جھنجلایا ہوا تھا مگر بے بس تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر ایک غنڈے کے ذریعے غزالہ کی بے حرمتی کی مگر غزالہ نے اپنی شناقی وصارت سے اس غنڈے کو زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ زیلک کے اس اقدام نے میری اس سے نفرت میں اضافہ کر دیا۔ اسی وقت اتل بسواس نے مجھے فون کر کے میری آزادی کا مژدہ سنایا اور میں نے آخری شکار کھیلنے کی تیاریاں مکمل کر لیں۔ اب میں صرف اتل بسواس کو نہیں بلکہ زیلک شرما کو بھی نرک بھجوانے کا خواہش مند تھا۔ ہمارے ستارے یاور تھے اور دہلی میں ہمارے قیام کی آخری رات کو دونوں کا قصہ پاک کر دیا گیا۔ ہم دہلی سے امرتسر پہنچے اور میں نے بنگو سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو مجھے بتایا گیا کہ وہ گزشتہ دو دنوں سے غائب تھا اور شبہ تھا کہ اسے پولیس نے پکڑ لیا ہو گا۔ میرے تو ہوش تلے زمین نکلنے لگی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

دوسری طرف سے پولیس کے ہاتھوں بنگو کی گرفتاری کا امکان ظاہر ہوتے ہی میں سناٹے میں آگیا۔ چند ثانیوں کے لیے میرے سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت معدوم ہو گئی۔ ذہن کی گہرائیوں میں بس ایک ہی خیال جم کر رہ گیا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ دہلی سے کسی نہ کسی طرح نکل آنے کے باوجود ہم دونوں امرتسر میں پھنس گئے تھے۔

میرے مخاطب نے فون بند نہیں کیا تھا۔ میں بھی سکتے کے عالم میں ریسیور اپنے کان سے لگائے کھڑا تھا۔ مجھے اچانک احساس ہوا کہ میری خاموشی سے اکتا کر وہ بیزار صفت شخص فون بند کر سکتا تھا۔ میں نے ذہنی جھٹکے سے سنبھالا لے کر فوراً ہی بولنا شروع کر دیا۔ "بنگو کے بارے میں تم کو کچھ تو معلوم ہوگا؟"

میں روانی میں وہ سوال کر بیٹھا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ اس کا کوئی معقول جواب نہیں مل سکے گا۔ گھپلے کے کام کرنے والے ہر قیمت پر رازداری برقرار رکھتے ہیں اور غیر ضروری طور پر کسی کو اعتماد میں نہیں لیتے۔ دہلی میں انٹیلی جنس بیورو کے تینوں ایجنٹ سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں مقیم تھے' اس کا فون استعمال کرتے تھے اور دہلی پہنچنے کے بعد میں نے اپنا پہلا پیغام اسی کے ذریعے عابد علی تک پہنچایا تھا مگر پھر بھی سرلا آئی بی والوں کی اصلیت اور ان کے اصل کام سے بے خبر تھی۔ شاید بنگو بھی اس شخص کو درمیانی رابطے کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ بنگو کی ساری مصروفیات سے باخبر رہا ہو۔

"وہ سالا پکّا چار سو بیس ہے۔ اپنے باپ کو بھی کچھ بتانے والا نہیں ہے....."

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" میں نے جلدی سے اس کی بات درمیان سے اچکتے ہوئے وضاحت کی "وہ تمہارے علاقے کا آدمی ہے۔ اسے پولیس نے پکڑا ہے تو وہ آس پاس کے کسی تھانے میں ہوگا۔ کیا تم پتا نہیں چلا سکتے کہ وہ کہاں بند ہے۔"

"وہ مجھے سکا سکا کر مہینے میں پانچ سو روپلّی دیتا ہے۔ اتنے پیسوں میں یہ کام نہیں ہو سکتا۔" اس کے لہجے میں بیزاری بدستور موجود تھی لیکن میں نے محسوس کیا کہ بنگو کے بارے میں اضطراب محسوس کر کے وہ پیسوں کے لالچ میں مبتلا ہو گیا تھا۔

"تم فکر نہ کرو۔ اس کا پتا چلا سکو تو میں تمہیں معقول انعام دوں گا۔" میں نے اسے دانہ ڈالا۔

"نہیں!" اس کی آواز میں بیزاری کے بجائے خوف عود کر آیا "بنگو بہت ظالم اور دست دراز آدمی ہے۔ وہ اپنے گاہکوں سے کسی دین پسند نہیں کرتا۔"

"اسے ہوا بھی نہیں لگے گی کہ میں نے تم کو کچھ دیا ہے۔"

"یہ نہیں ہو سکتا' میں تم کو پہچانتا ہوں نہ تم نے مجھے دیکھا ہے۔ بنگو ہم دونوں کی پہچان کا آدمی ہے۔ اس کے بغیر کوئی بات نہیں بنے گی۔"

"تم اپنا پتا بتا دو۔ میں تھوڑی دیر میں وہاں آجاتا ہوں۔"

"کیا پتا کہ اس وقت تک وہ بھی آجائے۔ اس نے تم کو میرے پاس دیکھ لیا تو میری کھال گرا دے گا۔" وہ بنگو سے کچھ زیادہ ہی خوف زدہ تھا۔

"وہ کہاں سے آجائے گا؟ ابھی تو تم نے کہا ہے کہ اسے پولیس نے پکڑ لیا ہے۔" میں نے تنک کر کہا۔

"یہ میرا خیال تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور چکر میں لگا ہوا ہو۔ تم اپنا پیغام دے دو۔ وہ آئے گا تو میں بتا دوں گا۔"

"اور وہ آج بھی نہ آیا تو کیا ہوگا؟" میں نے اپنی جھنجلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"رام جانے..... میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" اس کی آواز میں بے بسی تھی۔

"رگھو بیر..... گرانڈ ہوٹل۔ اس کو یہ دو باتیں بتا دینا۔ میں بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں اپنا کام پورا کرتا ہوں۔ اس کے آتے ہی تمہارا پیغام اسے مل جائے گا۔"

میں نے فون بند کیا اور کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگا لی۔

ہم نے دہلی میں اپنا کام بہت مہارت اور صفائی سے انجام دیا تھا۔ ہماری کامیابی میں دہلی کے سماجی اور معاشرتی حالات کا گہرا دخل رہا تھا۔ دہلی کے شہری ماحول میں بہت سی تبدیلیاں آجانے کے باوجود' شہر کی پرانی آبادیوں میں تحفظ کا گہرا احساس جاگزیں تھا۔ ایسی آبادیوں میں رہنے والے امرا اور بڑے افسران بھی اپنے گھروں کے دروازوں پر مسلح نگہبانوں کی موجودگی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ میں نے غزالہ کے ساتھ ایک روز پہلے اس آبادی کا چکر لگا کر یہ اندازہ لگا لیا تھا۔ انل بسواس کے گھر پر ایک دو مسلح محافظ ہوتے تو شاید ہمارا کام اتنا آسان ثابت نہ ہوتا۔ ان سے تصادم کی صورت میں ہماری ناکامی کا خطرہ بھی پیدا ہو سکتا تھا۔

نریش شرما' انل بسواس سے بہت نچلے درجے کا آدمی تھا اس لیے اس کا گھر زیادہ بڑا تھا نہ وہاں کسی چوکیدار وغیرہ کی تعیناتی کی کوئی گنجائش یا ضرورت تھی۔ ہم نے ان دونوں گھروں میں پوری بے فکری سے اپنا کام کیا تھا۔ اپنا شکار کھیلتے ہوئے میں نے پوری احتیاط رکھی تھی کہ دونوں مقتولین کے اہل خانہ میں سے کسی کو زبردستی یا زیادتی کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ میں نے عابد کے ساتھ مل کر صرف اتنا اہتمام کیا تھا کہ انہیں بے ہوش کر دیا تھا۔ انل بسواس کے گھر میں وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کارروائی بھی پوری طرح نہیں کی گئی تھی کیونکہ اس کے ملازم گھر سے الگ تھلگ بنے ہوئے کمرے میں سوئے ہوئے تھے۔

ان سب کی بے ہوشی صبح کے اجالے کے ساتھ ختم ہوجانی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ سب سے پہلے انل بسواس کے ملازم نیند سے بیدار ہوئے ہوں گے اور گھر میں آنے پر ان کو علم ہوا ہوگا کہ ان کا آقا ان کا ساتھ چھوڑ کر نرک کی دہکتی ہوئی آگ اور سسکارتی ہوئی دلدلوں میں اتر چکا ہے۔

ان دونوں کی موت کی خبر جب تک شہر میں پھیلتی' ہماری پرواز دہلی سے دور نکل گئی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ دہرے قتل کی وہ وارداتیں را کے ساتھ دہلی کی انتظامیہ کو ہلا کر رکھ دیں گی اور تمام تر وسائل دستیاب ہونے کے باوجود وہ فوری طور پر یہ اندازہ نہیں لگا سکیں گے کہ انل اور نریش کی بدقسمتی کے کیا محرکات تھے۔

ان لوگوں کی وہ بے یقینی زیادہ دیر تک قائم رہنے والی نہیں تھی۔ جوں ہی بعض نکات واضح ہوتے' وہ اپنی ساری توجہ میری تلاش پر مرکوز کردیتے۔

دہلی میں چند روز کے دوران میں بہت سے ہولناک واقعات رونما ہوئے تھے جن میں کچھ یکسانیت تھی۔ وجوہ کچھ بھی رہی ہوں مگر یہ بات یقینی تھی کہ را والے اپنی ساری مغز زنی کے باوجود اسی یکسانیت کا سراغ لگانے میں ناکام رہے تھے۔

ویرا کے ہاتھوں انسپکٹر ڈیوڈ کی موت زہریلے نگلنے والی انگوٹھی کے استعمال کے نتیجے میں ہوئی تھی پھر ناگر کو ٹھکانے لگانے کے لیے میں نے اسی قسم کی دوسری انگوٹھی استعمال کی۔ یہ اور بات تھی کہ ناگر کی مجروح لاش آخر کار بھیانک شعلوں میں جھلس گئی اور شاید اس کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی اس کی موت کے صحیح سبب کا تعین نہیں کرسکی۔ اسی رات غزالہ نے سی آئی اے کے زونل چیف پر تیسری انگوٹھی آزمائی۔ سمراٹ ہوٹل کے بند کمرے میں پائی جانے والی جان اسمتھ کی لاش کے بارے میں صحیح کہانی اخبارات میں آچکی تھی کہ وہ جلد کے ذریعے بدن میں اترنے والے زہر کے اثرات سے مرا تھا۔

را والوں کے لیے یہ بات سنسنی خیز اور خاصی بھیانک ہوتی کہ انل بسواس کو بالکل اسی طریقے سے مارا گیا تھا جس سے جان اسمتھ اور ڈیوڈ کو ہلاک کیا گیا تھا۔ محض وہ ایک نکتہ ان تمام واقعات کی کڑیوں کو یک جا کرنے کے لیے کافی تھا۔ بس ایک نریش ایسا تھا جو بیم گن کا نشانہ بنا تھا ورنہ ان دونوں گھروں میں بے ہوش کیے جانے والوں پر بھی ہولناک انگوٹھیوں کے کھوکھلے نگینوں میں چھپے ہوئے غیر مسلک زہر استعمال کیے گئے تھے۔

بیم گن کے بارے میں یہ بات تمام عالمی ایجنسیوں کے علم میں آچکی تھی کہ شی کے بڑوں کا وہ ہتھیار میرے اور ویرا کے قبضے میں تھا۔ محض بیم گن کے استعمال کی بنا پر را اور سی آئی اے والے کئی بار میری اور ویرا کی جارحانہ کوششوں کے بارے میں صحیح اندازے لگا چکے تھے۔

اس بار نریش کی لاش دہلی میں ڈینی کی موجودگی کا کھلا اعلان ثابت ہوتی اور میری تلاش میں ہر طرف کھلبلی مچ جاتی۔ ان کے لیے یہ انکشاف حیرت ناک ہوتا کہ بھارت کی سرزمین پر میں صرف بیم گن سے نہیں بلکہ ہلاک کردینے اور طویل بے ہوشی طاری کردینے والے زہروں سے بھی لیس تھا۔

اس وقت ان لوگوں کے سامنے کوئی واضح سراغ نہیں تھا۔ میں ان کی نظروں میں کبھی زیادہ مشتبہ نہیں رہا تھا لیکن اپنے دو اہم افسروں کو خاموشی سے گنوا دینے کے بعد را کے ذمے دار یہ سوچ سکتے تھے کہ ان کا وہ مقام اور وہ شخصیات بدترین انجام سے دوچار ہوئیں جن سے مظہر خان نامی پاکستانی کا رابطہ تھا۔

مجھے رینا اجیت رائے اور ناگر کے ذریعے را کے پاکستانی ونگ میں بلایا گیا اور قلیل سی مدت میں اس عمارت کا اہم ترین حصہ پر اسرار آتش زدگی کا شکار ہوگیا۔ اس آگ میں را والوں نے اہم ریکارڈ کے ساتھ ناگر جیسا کامیاب ایجنٹ بھی کھو دیا۔ انل اور نریش' مظہر خان کے معاملے پیش پیش تھے اور وہ دونوں بھی مار دیے گئے۔

ان واضح امکانات پر توجہ مبذول ہوتے ہی را والے مظہر خان کی تلاش میں انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل کی طرف دوڑ پڑتے جہاں سے میں پچھلی شام نکل چکا تھا۔ ہمارا وہ خاموش ترین فرار ہمارے دشمنوں کے شبہات کو مزید تقویت پہنچاتا۔

ڈینی اور مظہر خان کے دہرے ناموں کا راز فاش ہوجاتا اور ہر طرف ڈینی کی تلاش کا ایک کہرام برپا ہوجاتا۔

میری منصوبہ بندی میں راز داری کو ابتدا سے اولین اہمیت حاصل رہی تھی۔ ہوٹل والوں کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ میں وہاں سے نکل کر کس طرف گیا تھا۔ دہلی میں اپنے قیام کے دوران میں بار بار اس بات کا اظہار کرتا رہا تھا کہ غزالہ تاج محل دیکھنے کے لیے آگرہ جانا چاہتی ہے۔ اگر وہ بات نریش کے ذریعے اس کے دفتری ساتھیوں کے علم میں بھی آچکی تھی تو مجھے ہوٹل اور دہلی سے غائب پاکر وہ براہِ راست آگرہ کا رخ کرتے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عابد علی نے ہم دونوں کے لیے دہلی سے امرتسر کے فضائی سفر کے لیے ٹکٹ بنوانے میں انتہائی ہوش مندی سے کام لیا تھا۔ وہ ٹکٹ مظہر خان اور غزالہ کے بجائے دو مقامی اور فرضی ناموں پر بنوائے گئے تھے۔ دہلی سے روانہ ہونے والی پروازوں کے ریکارڈ سے کوئی سراغ نہ ملنے کے باوجود را کے ہیجان زدہ افسران سرحد پر بھی اپنی توجہ مرکوز کردیتے۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ ساری کارروائیاں بہت تیزی سے عمل میں آتا تھیں۔

ہمارے لہو کے پیاسے ہمارے بچ نکلنے کی ہر راہ مسدود کرنے کی کوشش کرتے۔ ہمارے لیے بس اتنا ہی کافی تھا کہ ہم ان کے ہوش میں آنے سے پہلے کھلے بندوں فضائی سفر کرکے دہلی سے سیکڑوں میل دور آچکے تھے۔

دشمن کو سوچنے، سمجھنے اور اپنی صف بندی کرنے کی کچھ نہ کچھ مہلت مل چکی تھی۔ اس امر کے سارے واضح امکانات موجود تھے کہ ڈینی اور کسی بھیانک قاتل کی تلاش میں کوئی سرا ہاتھ میں نہ ہونے کے باوجود انہوں نے مظہر خان کا نام سرِفہرست رکھ لیا ہو۔ را تیسرے درجے کی کوئی گئی گزری تنظیم نہیں تھی۔ وہ لوگ پیشہ ور اور اپنے کاموں میں ماہر تھے۔ یہ اور بات تھی کہ میرے مقابلے میں ان کے ستاروں نے ان کی یاوری نہیں کی تھی اور کچھ سمجھنے سے پہلے ہی، چند روز کی قلیل سی مدت میں وہ میرے ہاتھوں مار پر مار کھاتے چلے گئے تھے۔ یہ بات ان میں سے کسی کے گمان میں بھی نہیں آسکی تھی کہ مظہر خان جیسا دل پھینک اور ڈرپوک پاکستانی ایک خونخوار بھیڑیا بن کر ان کے اہم آدمیوں کو جہنم واصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

وہ جب تک غافل تھے، میری زنجیر لمبی تھی لیکن ایک بار میری طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے کے بعد وہ بہت تیزی کے ساتھ، میرے بچ نکلنے کی ہر راہ مسدود کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ ان کا پہلا قدم یہ ہوتا کہ وہ بھارت کی سرحدوں سے نکلنے والے ہر زمینی اور فضائی راستے پر مامور عملے کو مظہر خان اور غزالہ کے کوائف سے آگاہ کردیتے تاکہ ہم ان کی آنکھوں میں مزید دھول جھونک کر بھارت سے فرار نہ ہوسکیں۔

وہ نتائج اخذ کرنے کے لیے کسی غیر معمولی بصیرت کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ دو اور دو چار جیسی سیدھی باتیں تھیں جو سامنے نظر آرہی تھیں۔ ایسے وقت میں جب را اور بھارت کی دوسری تمام ایجنسیوں کی نگاہیں سرحدوں کی کڑی نگرانی پر مرکوز ہوچکی ہوں، ہم اپنی سفری دستاویزات کے سہارے قانونی طریقے سے سرحد پار کرنے کا خطرہ مول نہیں

حیرانی

مفتوحہ علاقے کی ایک لڑکی اپنی سہیلی کو بتارہی تھی "کل دشمن کا ایک فوجی میرے گھر میں گھسا.... اس نے تلوار ڈھال اور زرہ بکتر اتار کر خاموشی سے ایک طرف رکھی.... میری عزت لوٹی... پھر اسی طرح ایک لفظ کہے بغیر رخصت ہوگیا۔ خدا ہی بہتر جانے وہ چاہتا کیا تھا؟"

لے سکتے تھے۔ ہمارے لیے وہ سراسر موت اور تباہی کا راستہ ہوتا۔

میرے ذہن میں وہ خدشات پہلے سے موجود تھے جو ہمارے امرتسر پہنچنے کے بعد مستحکم ہوچکے تھے۔ اسی بنا پر میں نے بھارت کی سرزمین سے نکل کر پاکستان پہنچنے کے مشن میں بنگو سے مدد لینے کا فیصلہ کیا تھا لیکن یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ بنگو دو روز سے اپنے ٹھکانے سے غائب تھا۔

اس نئی صورتِ حال نے مجھے ذہنی طور پر بُری طرح الجھا کر رکھ دیا تھا۔ مجھے اس کے سوا کوئی راہ نظر نہیں آرہی تھی کہ ہم امرتسر کے گرانڈ ہوٹل میں تن بہ تقدیر ہوکر پڑے رہیں اور بنگو کی واپسی کے لیے دعائیں کرتے رہیں۔

میں اسی گہری فکر میں غلطاں تھا کہ غزالہ تازہ دم ہونے کے بعد اپنے کمرے میں لوٹ آئی۔

وہ نئی افتاد سے بے خبر تھی اس لیے اس کے بشرے سے مسرت اور تازگی جھلک رہی تھی۔ اس نے میرے کمرے میں آتے ہی کہا "خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اپنے سب کام پورے کرلیے لیکن اب مجھے یہاں رکنے کے تصور سے وحشت ہورہی ہے۔ اگر بنگو راضی ہوجاتا ہے تو ہمیں اسی وقت اگلے سفر پر نکل جانا چاہیے۔"

میں نے اداس اور ہمدردانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور جواب میں سرہلاتے ہوئے بولا "بنگو غائب ہے۔ میں نے تمہارے جاتے ہی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ دو دنوں سے کہیں نکلا ہوا ہے۔ اس کے آدمی کو خدشہ ہے کہ کہیں اسے پولیس نے نہ دھرلیا ہو۔"

میری زبان سے وہ بری خبر سنتے ہی غزالہ کا چہرہ دھواں ہوگیا "یہ کیا بری خبر سنا رہے ہیں آپ!" اس کی آواز سے بے یقینی مترشح تھی۔

"ضروری نہیں کہ خوش نصیبی ہر قدم پر ہمارا ساتھ دیتی رہے۔ سب کچھ جتنی آسانی سے ہوتا چلا آرہا تھا اس سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری چھٹی حس جاگ اٹھی تھی۔ میرے ذہن کے کسی گوشے میں کسی ناگہانی رکاوٹ کا خدشہ پچھلی رات سے چکرا رہا تھا۔"

"مگر یہ کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ہمارے لیے اب تک سرحدیں بند ہو چکی ہوں گی اور جگہ جگہ چوہے دان لگا دیے گئے ہوں گے۔ ہمیں ہر قیمت پر چوری چھپے یہاں سے نکلنا ہوگا۔ یہ کام جلد از جلد ہونا ضروری ہے ورنہ امرتسر ہمارے لیے مقبرہ بن جائے گا۔" وہ بہت زیادہ ہراساں نظر آنے لگی تھی۔

"پاکستان اور بھارت کی سرحد کے دونوں طرف کڑا پہرا رہتا ہے۔ بنگو جیسے کسی جانے پہچانے شخص کی رہنمائی کے بغیر ہم ادھر کا رخ بھی نہیں کر سکتے۔" میں نے کہا۔

"تو آپ یہاں رک کر اس کی واپسی کا انتظار کریں گے؟" اس نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"مجبوری ہے۔ تمہیں کوئی متبادل راہ سوجھ رہی ہے تو وہ بتا دو۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"میرا بھی دماغ کام نہیں کر رہا لیکن میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہوٹل ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔ وہ سرحدیں بند کرنے پر اکتفا نہیں کریں گے۔ ہمارے بارے میں سرحدی حکام کو بریف کرنے کے ساتھ ہی شہروں میں چھاپے مارنے شروع کر دیں گے۔ ہم یہاں ہر لمحہ سولی پر لٹکے ہوئے ہیں۔"

غزالہ نے درست بات کہی تھی۔ اس نے صحیح خطرے کی نشان دہی نہیں کی مگر صحیح سمت کی نشان دہی ضرور کی تھی۔ ہم نے دہلی سے امرتسر تک کا سفر فرضی ناموں سے کر کے بہت ہوشیاری کا مظاہرہ کیا تھا مگر گرانڈ ہوٹل میں کمروں کے حصول کے لیے جو کوائف درکار تھے' ان کا مہیا کرنا دشوار تھا۔ میں نے فرضی ناموں کی الجھن میں پڑے بغیر دونوں پاسپورٹوں کی مدد سے کمرے بک کرا لیے تھے۔

غزالہ کی زبان سے آخری فقرہ ادا ہوتے ہی مجھے اپنی گردن سولی کے حلقے میں جاتی ہوئی نظر آنے لگی۔ یہ نچلی سطح سے اوپر تک کا اصول ہے کہ تفتیش کے دوران کسی مجرم کا سراغ نہ مل رہا ہو تو ہر کمزور اور مشتبہ شخص کو گھیرے میں لے کر پکڑ لو۔ اسی اصول کے تحت میرے خلاف را کی کارروائی کا آغاز ہو چکا تھا۔ ان کے لیے میں سب سے بڑا مشتبہ ملزم ہو سکتا تھا جسے پکڑنے کے لیے سارے وسائل کو بروئے کار لانا ضروری تھا۔

مجھے یقین ہو رہا تھا کہ انہوں نے مظہر خان اور غزالہ کے بارے میں صرف سرحدی اہلکاروں کو ہدایات دینے پر اکتفا نہیں کیا ہوگا۔ وہ ہمارے خلاف اخباروں میں خبریں اور اشتہار چھپوا سکتے تھے۔ ان خبروں اور اشتہاروں کی اشاعت میں تاخیر ہونے کا امکان تھا اس لیے غالب خطرہ یہ تھا کہ ہمارے بارے میں بھارتی شہریوں کا نیٹ ورک استعمال کرنے کے لیے وہ ریڈیو اور ٹیلی وژن پر اعلان کرا دیں گے۔

وہ دونوں بہت موثر اور طاقت ور ذرائع تھے۔ ذرا سی دیر میں پورے بھارت میں ہمارے خلاف ایک محاذ کھڑا کیا جا سکتا تھا۔ ریڈیو اور ٹی وی کی رسائی ہر گھر' دفتر اور ہوٹل تک تھی۔ وہ اعلان سننے کے بعد گرانڈ ہوٹل کا بکنگ کلرک خاموشی سے پولیس کو مطلع کر دیتا کہ مطلوبہ مجرم اس کے ہوٹل میں مقیم تھے۔

اس مخبری کے بعد ہمارا انجام کیا ہوتا۔ اس کا تصور ہی لرزہ خیز تھا۔

"بنگو کا انتظار کرنے سے بہتر ہوگا کہ ہم اپنے طور پر کوئی کام کا آدمی تلاش کرنے کی کوشش کریں۔" غزالہ نے کچھ دیر کے سکوت کے بعد کہا۔ وہ میرے ذہن میں اٹھنے والی آندھی کی نئی لہر سے بالکل بے خبر تھی۔

وہ ہمارے پورے حالات پر غور کیے بغیر مشورہ دے رہی تھی۔ یہ ٹھیک تھا کہ دنیا کے بیشتر سرحدی شہروں میں ایسے پیشہ ور اسمگلر موجود ہوتے ہیں جو بھاری معاوضہ لے کر انسانوں اور ساز و سامان کو خفیہ راستوں سے سرحد پار پہنچا دیتے ہیں۔ عام آدمی تو انہیں تلاش کرنے کا خطرہ مول لے سکتا تھا مگر ہم پہلے ہی مخدوش حالات میں گھرے ہوئے تھے۔ امرتسر جیسے اجنبی شہر میں اپنی بے خبری کی بنا پر کسی غلط آدمی سے ٹکرا جاتے تو آن واحد میں ہمارا کام تمام ہو سکتا تھا۔

بنگو کی پراسرار گمشدگی نے ہمیں اچانک ایک بند گلی میں دھکیل دیا تھا جہاں سے نکاس کی کوئی راہ نہیں تھی۔

میں نے خاموشی سے غزالہ کی بات سنی اور اپنی جگہ چھوڑ دی "کمرے سے اپنا سامان اٹھاؤ اور یہاں سے بھاگ نکلنے کی تیاری کرو۔"

میری سرگوشیانہ آواز سن کر وہ سراسیمہ ہو گئی "کیوں....؟ بیٹھے بیٹھے آپ کو اچانک کیا ہو گیا؟"

"ہوٹل میں ہم نے اپنے پاسپورٹ دکھا کر کمرے لیے ہیں۔ کسی بھی وقت دور درشن سے اعلان ہوگا کہ مظہر خان اور غزالہ نامی ایک پاکستانی جوڑا دہلی میں اہم افسروں کو قتل کر کے بھاگا ہے۔ بھارتی شہری ان کی طرف سے ہوشیار رہیں اور جہاں بھی انہیں دیکھیں' پولیس کو مطلع کر دیں۔ صحیح خبر دینے والے کو اتنا انعام دیا جائے گا۔ ذرا تصور کرو کہ ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں بے خبر بیٹھے ہیں۔ یہ اعلان نشر ہوا تو ہم کہاں ہوں گے؟" میں نے چیخی آواز میں اسے بتایا۔

غزالہ نے گھبرا کر اپنی جگہ چھوڑ دی "ہمیں یہ بات پہلے سوچ لینی چاہیے تھی۔ ہم سے بڑی سنگین غلطی ہوئی ہے۔"

"شدید دباؤ میں بہت سی اہم باتیں توجہ سے محروم رہ جاتی ہیں۔" میں نے متاسفانہ انداز میں اپنا سہلاتے ہوئے جواب دیا "اس وقت یہ معلوم نہیں تھا کہ بنگلوا چانک غائب ہو جائے گا۔ میں اسے ایک فضول اور کاہل شخص سمجھ رہا تھا جو صرف آئی بی کے لیے کام کرتا ہے۔ میرے ذہن میں اس خطرے نے بھی سر نہیں ابھارا تھا کہ انل اور نریش کی موت کا راز کھلتے ہی راوالے میرے اور تمہارے فرضی ناموں پر اپنی ساری توجہ مرکوز کر دیں گے۔"

"مجھے اب بھی شبہ ہے کہ وہ اتنی سرعت سے ہمیں اتنی زیادہ اہمیت دیں گے۔ جن دونوں سے آپ کا براہِ راست رابطہ تھا وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ دوسروں کے لیے فیصلے کرنا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ ہمارے ناموں کی باری ضرور آئے گی مگر میرا خیال ہے کہ اس میں وقت لگے گا۔"

"پھر ہمیں گھبرا کر ہوٹل سے بھاگنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے پورے خلوص سے اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "اگر بنگلو لوٹ آیا تو ہمارے لیے پریشان ہوتا پھرے گا۔ میں نے اس کے آدمی کو یہیں کا پتا دیا ہے۔"

"نہیں!" وہ بوکھلا کر بولی "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ بس ہمیں امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ آپ کے ذہن میں ایک اندیشہ جنم لے چکا ہے تو اب ہم یہاں ٹھہرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ فیصلے کی ذرا سی لغزش ہماری موت کا سبب بن جائے گی۔"

وہ میری زندگی کا بہت سنگین اور نازک موڑ تھا۔ میں نے ہمیشہ خطرات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا اور کبھی حالات کے سامنے سپر نہیں ڈالی تھی لیکن اس وقت مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میری خود اعتمادی ریزہ ریزہ ہو گئی ہو اور میں یکایک بہت کمزور ہو گیا ہوں۔

غزالہ نے بڑے فیصلے میں وقت لگنے کی امید دلائی تو میں ہوٹل سے فرار کا ارادہ ملتوی کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے کوئی خطرہ مول نہ لینے کا ارادہ ظاہر کر کے مجھے دوبارہ تذبذب میں ڈال دیا تھا۔ میں نے اندر کی ٹوٹ پھوٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے دونوں امکانات کا موازنہ کرنا شروع کر دیا۔

میری کمان سے ایک تیر نکل چکا تھا جسے واپس لانا

سدا بہار فلمی گیتوں کا نوٹیشن

سُر سنگ گیت

موسیقی کے دیوانوں کے لئے ایک منفرد تحفہ!
اس کتاب میں دیئے گئے گیتوں کا نوٹیشن ایسا ہے جس پر عمل کر کے گلوکاروں کی گائیکی کے مخصوص انداز بھی اپنائے جا سکتے ہیں۔ "سرنویسی" میں نئی علامات اختراع کر کے گلوکاروں کے ہر انداز کو اجاگر کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے۔ اپنی طرز کی ایسی کتاب پہلے کبھی شائع نہیں ہوئی۔

صفحات 208 | ڈاک خرچ 25 روپے | قیمت 200/-

کتاب کی قیمت۔ بمعہ ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ کریں

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 23 رمضان چیمبر ٹلوریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200
فون: 5895313-5802552 فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے بس سے باہر تھا۔ گرانڈ ہوٹل کے رجسٹر پر یہ حقیقت ریکارڈ ہو چکی تھی کہ مظہر خان اور غزالہ اس ہوٹل میں پہنچ چکے ہیں۔ اس رجسٹر کے نذر آتش ہونے کے بعد بھی یہ بات ہوٹل کے کلرک کے دماغ میں جمی رہتی کہ پاکستانی پاسپورٹ رکھنے والا ایک مسلمان جوڑا اس کے ہوٹل میں ٹھہرا تھا۔ شاید اسے نام بھی یاد رہ جاتے کیونکہ اس سے میری کچھ ذاتی گفتگو بھی ہوئی تھی جو آگرہ سے دہلی تک بس کے سفر کے دوران ہمارے اسباب کی فرضی گمشدگی سے متعلق تھی۔

ہم ہوٹل میں رکے رہتے تو ایک بھیانک خطرہ ہر لمحے میرے اعصاب پر سوار رہتا۔ ہماری لاعلمی میں ٹی وی وغیرہ پر ہمارے خلاف کوئی اعلان نشر ہوتا اور مقامی پولیس ہوٹل کے عملے سے اطلاع ملتے ہی وہاں دھاوا بول کر ہمیں رنگے ہاتھوں دھر لیتی کیونکہ بیم گن اور سی ایس ڈی جیسی دو نایاب چیزیں میری تحویل میں تھیں جن سے میں دستبردار ہو سکتا تھا اور نہ ان کی موجودگی کے بارے میں بھارتی پولیس کو کوئی قابلِ قبول کہانی سنا سکتا تھا۔

ہم پاکستانی تھے۔ بھارتی پولیس کے مغلوب کیے ہوئے مجرموں کی حیثیت میں ہمارے ساتھ جو بھی بدسلوکی ہوتی وہ ناقابلِ برداشت ہوتی۔ میں تصور کر سکتا تھا کہ میرے مقابلے میں غزالہ کی جو تذلیل ہوتی اسے سہنا میرے یا اس کے لیے ہرگز ممکن نہ ہوتا۔ شاید وہ اس سے پہلے خود اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیتی۔

دوسری راہ ہوٹل سے فرار کی تھی۔ میں ہوٹل کا رجسٹر چرا سکتا تھا نہ کلرک کے دماغ سے اپنا نام کھرچ سکتا تھا۔ اعلان کے نتیجے میں مخبری ہوتی تو امرتسر کی پولیس ہماری واپسی کی گھات میں ہوٹل کا محاصرہ کر کے بیٹھ جاتی اور دن بھر بیٹھی رہتی۔ جب ہم رات گئے تک واپس نہ لوٹتے تو ان کے کان کھڑے ہوتے اور شہر میں ہماری تلاش کی مہم شروع ہو جاتی۔ جس کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات مساوی تھے۔

ہوٹل سے فوری فرار کے نتیجے میں ہمیں دس بارہ گھنٹوں کی مہلت مل سکتی تھی جو مقامی پولیس ہمارے انتظار میں گزار چکی ہوتی۔ اس کے بعد یہ بات پورے بھارت میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی کہ دہلی کی خوں ریزیوں میں مطلوب جوڑا امرتسر میں کہیں روپوش ہے۔ اس کے بعد وہ متوسط درجے کا سرحدی شہر ساری توجہات کا مرکز بن جاتا۔ اگر ہم بدقسمتی سے اس شہر میں پھنسے رہ جاتے تو پھر ہمارا نکلنا محال ہو جاتا۔

فرار میں ایک نقصان یہ ہوتا کہ بنگو سے رابطے کی امید کمزور پڑ جاتی۔ میں نے کمرے میں چہل قدمی کرتے ہوئے، چند سگریٹیں پھونکنے کے بعد یہ سوچا کہ ہوٹل چھوڑنے کے بعد میں کہیں سے دوبارہ فون کر کے بنگو کے بیزار صفت ساتھی کو صرف اتنا بتا دوں کہ میں ہوٹل چھوڑ کر خریداری کے لیے بازار میں نکلا ہوا تھا۔ بنگو لوٹ آئے تو اسے روک لیا جائے۔ میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ رابطہ برقرار رکھ سکتا تھا۔

میں جتنا غور کرتا گیا، خطرات کے مہیب سائے اسی قدر گمبھیر ہوتے چلے گئے۔ ہوٹل میں رکنا ہر صورت میں مضر تھا۔ وہاں سے نکل جانے میں بھی کئی خطرے مضمر تھے لیکن پھر بھی وہ ہمارے لیے عافیت کی ایک بہتر راہ تھی۔

ہم دونوں نے اپنے مختصر اثاثے سمیٹے، غزالہ نے اپنے کمرے کا چکر لگایا اور پھر ہم دونوں دوسری منزل سے نیچے چل دیے۔ کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے سردار جی نے شناسائی کے انداز میں دور ہی سے مسکرا کر ہمارا استقبال کیا مگر میں اس مردود سے غافل نہیں تھا۔ اس کی غلیظ نگاہیں غزالہ پر زیادہ مرکوز تھیں۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میرا نام بھولے تو بھول جائے، غزالہ جیسی پرکشش خاتون کا نام مہینوں نہیں بھول سکتا تھا۔

میں نے دونوں کمروں کی چابیاں اس کے سامنے ڈالیں اور پھر ہم دونوں اپنے مختصر دستی سامان کے ساتھ باہر نکل گئے۔

"خیر سے تم دونوں کی واپسی کب تک ہوگی؟" پیچھے سے اس کی آواز آئی۔

"بازار سے دیر سے آئیں گے۔" میں نے پلٹ کر جواب دیا اور آگے بڑھ گیا۔

امرتسر بڑے شہروں کی طرح دیر سے بیدار ہونے والوں کا شہر نہیں تھا مگر پھر بھی وہ وقت وہاں کے بازاروں کے لیے نامناسب تھا۔ کچھ دکانیں کھلی ہوئی تھیں مگر بیشتر بازار بند تھا۔

میں نے گرانڈ ہوٹل چھوڑ دیا تھا جہاں ہم دونوں کے مختصر قیام کا ریکارڈ موجود تھا۔ میں اس ہوٹل اور اس سڑک سے جلد از جلد دور نکل جانا چاہتا تھا تاکہ ہمارا کوئی سراغ حاصل کرنے کا امکان باقی نہ رہے لیکن راستے میں ایک فون بوتھ پر نظر پڑتے ہی میرے قدم رک گئے۔

قریبی دکان سے فون کارڈ خرید کر میں نے بوتھ سے بنگو کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے وہی پرانی آواز سنائی دی۔

"میں رگھوبیر بول رہا ہوں۔ بنگو آیا؟" میں نے اس کی آواز پہچان کر براہِ راست سوال کیا۔

"نہیں۔ ابھی تک وہ آیا نہ اس کی کوئی خبر آئی۔ تم فکر نہ کرو۔ تمہارا پیغام مجھے یاد ہے..."

"میں اس کے انتظار میں بندھ کر نہیں بیٹھ سکتا۔ اب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بازار جا رہا ہوں۔"

"پھر میں اس سے کیا کہوں؟" میرے جواب پر وہ شاید الجھ گیا۔

"بس اسے روک لینا۔ میں ایک گھنٹے بعد پھر فون کروں گا۔" میں نے نرمی سے جواب دیا۔

"آگیا تو ضرور روک لوں گا۔ ہمیشہ وہ کام کے انتظار میں رہتا ہے۔ آج پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ کام آیا ہے تو وہ غائب ہے۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔" میں نے مختصر سا جواب دے کر فون بند کر دیا۔

اس بار میں نے محسوس کیا کہ وہ بلاوجہ بات بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاید کسی موٹی رقم کا لالچ ایک مرتبہ پھر اس کی نیت پر غالب آرہا تھا مگر میں نے پچھلی گفتگو میں یہ اندازہ لگالیا تھا کہ وہ بہت ڈرپوک اور کم از کم میرے لیے ناقابلِ اعتبار آدمی تھا۔ وہ بنگو سے اس قدر ڈرتا تھا کہ اس کی ذرا سی ڈانٹ ڈپٹ پر میری اور اپنی گفتگو اس کے سامنے دہرا دیتا اور بنگو میری طرف سے بدظن ہو کر شاید میرا ساتھ دینے سے بھی انکار کر دیتا۔

میرے لیے بنگو کی سب سے بڑی افادیت یہ تھی کہ وہ بھارتی سرزمین پر شاید پاکستانی انٹیلی جنس بیورو کا واحد غیر مسلم ایجنٹ تھا۔ بظاہر وہ آئی بی کا تنخواہ دار نہیں تھا۔ اسے ہر کام کا ایک لگا بندھا معاوضہ دیا جاتا تھا۔ اس نے پوری حفاظت اور ذمے داری کے ساتھ ہمیں لاہور کے مضافات سے اپنی تحویل میں لینے کے بعد امرتسر پہنچایا تھا۔ اس کے پاس آئی بی والوں کا دیا ہوا ایک طاقت ور ٹرانسمٹر موجود تھا جس پر وہ ضرورت کے وقت جلال یا اس کے کسی آدمی سے بات کر سکتا تھا۔ اس سے رابطہ ہونے کے بعد مجھے یہ تسلی ہو جاتی کہ جلال کو فوری طور پر یہ معلوم ہو جاتا کہ دہلی میں کہرام برپا ہونے سے پہلے ہم دونوں بحفاظت امرتسر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

امرتسر اور لاہور کے درمیانی راستوں کے بارے میں اس کی واقفیت مستند تھی۔ وہ ایسے کسی خفیہ راستے سے ہمیں نکال لے جانے کے بارے میں بہترین مشورہ دے سکتا تھا۔ سفر کے وقت کے تعین کے لیے اس کی صوابدید پر آنکھیں بند کر کے بھروسا کیا جا سکتا تھا۔

ہم دونوں کافی دیر تک امرتسر کی سڑکوں اور فٹ پاتھوں

حسین سے حسین تر بننے کیلئے

چہرے کے فاضل بالوں کو ہمیشہ کیلئے ختم کرتی ہے

برسہا برس کے تجربے اور تحقیق کے بعد ۲۰ قیمتی جڑی بوٹیوں کے اجزاء اور عرقیات سے تیار کردہ بدنما داغ دھبوں، مہاسوں کو بھی صاف کر کے چہرے کی رنگت نکھارتی ہے۔

گلیسی پوٹانی کریم

اسٹاکسٹ:

- خواجہ اسٹور ایم ایس مارکیٹ صدر کراچی
- صدر میڈیکل اسٹور ایم ایس مارکیٹ صدر کراچی
- مسلم جنرل اسٹور لیاقت مارکیٹ میر کراچی
- ابراہیم من لیاقت مارکیٹ لیمر کراچی
- قمری دواخانہ ایم ایس مارکیٹ صدر کراچی
- قمری اسٹار جنرل اسٹور مدینہ چوک رشیم بازار حیدرآباد
- نعمہ دفی دواخانہ کوئٹہ روڈ سکھر
- بیزاوہ میڈیکل اسٹور بریانی روڈ سکھر
- طاہر شاپنگ سینٹر بلیل بازار اوکاڑہ
- علی ہومیو اسٹور ایمپو ہومیو لاہور
- ایس اے ہومیو اسٹور ریٹے ہومیو لاہور
- راجہ برادرز فیصل بازار سیالکوٹ
- پاکستان جنرل اسٹور پھیری بازار گول چوک سرگودھا
- حکیم بوٹی سینٹر مدینہ مارکیٹ سٹینڈ روڈ لیمل آباد
- شفا علی دواخانہ پلیٹ بازار فیصل آباد
- پنجاب جنرل اسٹور پھیری روڈ سرگودھا
- شہباز جنرل اسٹور مدینہ مارکیٹ سٹینڈ روڈ لیمل آباد
- رمضان پنساری کرشالہ روڈ چیچہ وطنی
- ملی ہومیو اسٹور نظیر گجرات
- نئی ہومیو اسٹور اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی
- لطیف کیمسٹ چاندنی چوک راولپنڈی
- مشتاق دواخانہ پاک گیٹ ملتان
- مہتاب ہومیو اسٹور مرالا چوک سیالکوٹ
- احمد جنرل اسٹور ایم اقبال روڈ سیالکوٹ
- امین جنرل اسٹور گھنٹہ گھر بازار فیصل آباد
- شالی دواخانہ اندرون شریف گیٹ شاہی بازار بہاولپور
- محمد صالحین اینڈ سنز مونی والے چوک بازار ملتان
- حی القیوم جنرل اسٹور ہسپتال روڈ چکوال
- بادشاہ دی ہٹی ڈھوک کعبہ راولپنڈی
- خالد دواخانہ صابر علی بازار ایبٹ آباد
- احسن محمد میڈیکل سیاں محمد روڈ میرپور
- عوامی دواخانہ تین بازار مظفر آباد آزاد کشمیر
- پولی پشاور اسٹور بری نشی روڈ کوئٹہ
- دکن پشاور اسٹور بری نشی روڈ کوئٹہ
- انعام کیمسٹ حشی روڈ مردان
- عید نیشنل اسٹور اندرون گنگ گیٹ کوہاٹ
- دارالشفاء پیلا بازار منکورہ سوات
- ملت دواخانہ گھنٹہ گھر پشاور

ڈسٹری بیوٹر: ریاضی محمود ۱۹ نیو عالمگیر مارکیٹ شاہ عالم لاہور۔ فون نمبر 7686268 محمد علی دواخانہ ۱۹ لبرٹی شاپنگ سینٹر آبپارہ اسلام آباد فون نمبر 5502903 محمد صالحین اینڈ سیز موتی والے چوک بازار ملتان فون نمبر 542173 شاہی طبی دواخانہ بوہڑ بازار راولپنڈی فون نمبر 5505519

گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی پی پارسل منگوانے کے لئے

حکیم اینڈ سنز۔ پوسٹ بکس 2159 کراچی 74600 پاکستان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر پیدل چلتے رہے۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ شہر زیادہ وسیع نہیں تھا۔ گرانڈ ہوٹل سے بہت زیادہ دور نکلنا شاید ممکن نہیں تھا لیکن تنگ راستوں اور گنجان بازاروں کا سلسلہ میری توقع سے زیادہ طویل ثابت ہوا۔

گرانڈ ہوٹل سے زیادہ سے زیادہ دور نکلنے کی کوششوں میں، میں نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ میں ان بھرے پرے اور بارونق راستوں سے دور نہ بھٹکوں جہاں دوسروں کے درمیان ہماری انفرادیت نمایاں نہ ہو اور ہم کسی کی مخصوص توجہ سے بچے رہیں۔ اس کوشش میں ہمیں کئی بار پیچ در پیچ گلیوں میں بھی بھٹکنا پڑا۔ کچھ دیر بعد لسی کی ایک اونچی اور بڑی سی دکان کو تیسری بار اپنی نگاہوں کے سامنے پایا تو میں چونک پڑا۔ مجھے احساس ہوا کہ امرتسر کی اس کوچہ نوردی میں بھٹک کر میں سمتوں کا احساس کھو بیٹھا تھا اور بار بار ایک ہی بھول بھلیاں میں چکراتا پھر رہا تھا۔

بھٹکنے کی وجہ سے مجھے امرتسر کی وسعت کی خوش فہمی ہو رہی تھی لیکن لسی کی ایک ہی دکان کے سامنے سے تیسری بار گزرنے کے بعد میری یہ خوش فہمی دور ہو گئی۔ امرتسر میرے ابتدائی اندازے کے مطابق زیادہ بڑا شہر نہیں تھا۔ میں نے اپنی غلطی سے اس شہر کو بڑا بنا دیا تھا۔

اس مٹر گشت یا کوچہ نوردی میں، میں یہ دیکھ چکا تھا کہ تقریباً تمام ہی ہوٹل مردانہ تھے لیکن خریداری کے لیے اپنی سکھنیوں کے ساتھ نکلنے والے سرداروں کی سہولت کے لیے کئی ہوٹلوں کے باہر واضح طور پر لکھا ہوا تھا کہ وہاں فیملی کیبن دستیاب تھے۔ ہندی میں لکھی ہوئی تحریریں میرے لیے ناقابلِ فہم تھیں۔ بھارت سے اردو کو مدت پہلے دیس نکالا مل چکا تھا لیکن امرتسر آنے والے غیر ملکیوں اور خصوصاً عیال دار پاکستانیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے بہت سی دکانوں اور ہوٹلوں کے بورڈ انگریزی میں بھی لکھے ہوئے تھے۔ میرا سارا مشاہدہ ان انگریزی تحریروں تک محدود تھا۔

بازار میں بے مقصد بھٹکنے کا احساس ہوتے ہی مجھے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا اور یکایک تکان بھی محسوس ہونے لگی۔ میں سب سے پہلے نظر آنے والے اس ہوٹل میں گھس گیا۔ جہاں فیملی کیبن کی موجودگی کا اشتہار نمایاں تھا۔

وہ ہوٹل بس واجبی سا تھا۔ ہوٹل میں رکھے ہوئے ڈیک کے ذریعے اسپیکروں پر جگجیت سنگھ کا مشہور پنجابی گانا گونج رہا تھا جس میں منہ زور جوانی کے سامنے ململ کی کرتی کے چار دن میں بول جانے کا بازاری تذکرہ موجود تھا۔ شاید غزالہ کے احترام میں وہ گانا روک کر کیسٹ فوراً آگے بڑھا دیا گیا۔ میں میزوں کے درمیان سے گزرتا ہوا ان نام نہاد کیبنوں کی طرف بڑھ گیا جن کے ادھورے پارٹیشن فرش سے کم از کم ایک فٹ بلند تھے۔

پردے کے نام پر ایک میلے چیتھڑے سے گزر کر ہم اندر پڑی ہوئی چار میں سے دو کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ گرانڈ ہوٹل سے افراتفری میں فرار کے بعد اس وقت وہ کیبن غنیمت نظر آ رہا تھا۔ ہمارے بیٹھتے ہی کیسوں اور غزالی آنکھوں والے ایک نوخیز سکھ لڑکے نے پانی سے بھرا ہوا اسٹیل کا جگ اور دو گلاس میز پر رکھے اور ہمہ تن سوال بن کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں پر خواجہ سراؤں والی پھیکی سی مسکراہٹ جمی ہوئی تھی۔

گرانڈ ہوٹل والے سکھ کلرک کے مقابلے میں وہ لڑکا قطعی بے ضرر نظر آ رہا تھا بلکہ خود نقصان اٹھانے کے موڈ میں تھا۔ میں نے بس ایک بار اس کی طرف دیکھا اور شرمندہ ہو کر اپنی نظریں جھکا لیں۔ خجالت میں مجھے کچھ اور نہ سوجھ سکا۔ میں نے چائے اور بسکٹوں کا آرڈر دے کر اسے ٹال دیا۔

لڑکا چلا گیا تو مجھے بے اختیار سلطان شاہ یاد آ گیا۔ مجھے را کے چنگل میں پھنسوانے والے آدمی کی تلاش میں خود غائب ہو کر اس نے مجھے فکر اور تشویش میں مبتلا کر دیا تھا مگر غنیمت یہ ہوا کہ اول خان کے آدمیوں نے بروقت اسے تلاش کر کے اسٹیشن فوراً پہنچا دیا تھا جہاں وہ خیریت سے اور پر سکون تھا۔ وہ را اور بھارتیوں کے معاملے میں بہت زیادہ جذباتی بلکہ انتہا پسند واقع ہوا تھا۔ وہ ان کی توہین اور تذلیل کے ہر موقع سے استفادہ کرنا اپنا حق تصور کرتا تھا۔ غزالہ کے بجائے وہ امرتسر کے اس ہوٹل میں میرے ساتھ ہوتا تو ویٹر کے فرائض انجام دینے والا سکھ لونڈا اپنا مطلوب نقصان اور اس سے منسلک فوائد اٹھانے میں ضرور کامیاب ہو جاتا۔

میرا خیال تھا کہ ویرا کے پاکستان پہنچ جانے کے بعد سلطان شاہ کی وحشت اور تنہائی کے احساس میں کمی آ چکی ہو گی۔ جب تک ہم اپنا سفر مکمل کر کے کراچی پہنچیں گے، وہ اور اعتدال پر آ چکا ہو گا۔

چائے نوشی کے دوران میں میرا ذہن بار بار دہلی اور اسلام آباد کے درمیان بھٹکتا رہا۔ مجھے بتا دیا گیا تھا اور بعد میں یہ بات میرے تجربے میں بھی آ چکی تھی کہ دہلی میں مامور، آئی بی کے ایجنٹ پاکستانی سفارت کاروں سے دور بلکہ بالکل الگ تھلگ رہ کر اپنے فرائض انجام دیتے تھے کیونکہ پاکستانی مشن کے تمام چھوٹے بڑے اراکین ہمہ وقت بھارتیوں کی کڑی نگرانی میں رہتے تھے۔ ان سے میل جول رکھنے میں یہ خطرہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا کہ آئی بی والے دشمنوں کے سامنے بے نقاب ہو جاتے اور کوئی سفارتی مراعات حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ناقابلِ تصور صعوبتوں کا نشانہ بن جاتے۔

آئی بی والوں کی محتاط روی کی انتہا یہ تھی کہ وہ اپنی رپورٹوں کی ترسیل اور ہدایات کی وصولی کے لیے اپنے انتہائی خفیہ مگر آزاد ذرائع استعمال کرتے تھے۔ ان ٹھوس زمینی حقائق کے باوجود مجھے پورا یقین تھا کہ ہمارا سفارت خانہ ان کی سرگرمیوں سے بے خبر نہیں رہا ہوگا۔ دہلی میں اتل اور نریش کی موت کی خبر سنتے ہی انہوں نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ وہ کارروائی کس سمت سے کی گئی تھی۔

وہ ہر لحاظ سے ایک بہت بڑا واقعہ تھا جس کی خبری اہمیت بھی تھی۔ اس پر رپورٹ لکھنے کا انداز مختلف اور رازدارانہ ہو سکتا تھا لیکن دوسروں کی طرح پاکستانی سفارت کاروں کو وہ خبر اپنے ملک تک پہنچانے کا حق حاصل تھا جسے استعمال کیا گیا ہوگا۔

وہ کسی بھی طرح رکنے والی خبر نہیں تھی۔ صرف جلال کو معلوم تھا کہ میں اتل بسواس کی موت کا اہم ترین مقصد اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔ خبر سنتے ہی وہ سمجھ لیتا کہ میں نے کسی نہ کسی طرح اپنا ہدف حاصل کر لیا ہے۔ اس خبر کے ساتھ ہی اسے میری اور غزالہ کی فکر ہو جاتی۔ اس کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا جو اسے ہم دونوں کی تازہ ترین پوزیشن سے آگاہ کر سکے۔ اپنے پاس موجود ٹرانسمیٹر کی وجہ سے صرف بنگو وہ خبر آگے بڑھانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو مجھے بنگو کے لیے دوسرا فون کیے ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ میں نے چائے کی اپنی پیالی خالی کر کے غور سے غزالہ کی طرف دیکھا اور پوچھا "میں کچھ دیر کے لیے تمہیں اکیلا چھوڑ دوں تو تمہیں ڈر تو نہیں لگے گا؟"

"کھلے ہوٹل میں ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ کسی نے میری تنہائی سے فائدہ اٹھا کر بے تکلف ہونے کی کوشش کی تو مجھے کوفت ہوگی۔ اس نازک وقت میں، میں کوئی ہنگامہ کھڑا کر کے اپنی ذات کو تماشا اور دوسروں کی توجہ کا مرکز نہیں بنانا چاہتی۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

میں نے اطمینان سے کرسی چھوڑ دی "مجھے خوشی ہے کہ تمہیں حالات کی نزاکت کا گہرا ادراک ہے۔ مجھے تمہارے خوف اور کوفت کی کوئی پروا نہیں ہے۔ میں اپنے آدمی کو فون کر کے ذرا سی دیر میں واپس آتا ہوں۔" دھیمی آواز میں اسے مطلع کرنے کے بعد میں ہوٹل کے کیبن سے نکل گیا۔

اس ہوٹل میں داخل ہونے کا فیصلہ کرنے سے پہلے میں یہ دیکھ چکا تھا کہ اس کے قریب ہی ایک پبلک بوتھ موجود تھا۔ دوسری طرف فون کی پہلی گھنٹی بجی اور ریسیور اٹھا لیا گیا۔ اس بار وہ پرانی اور بیزار آواز نہیں سنائی دی۔ بولنے والا کوئی پُرجوش اور جوان آدمی تھا۔ وہ آواز سن کر میں لمحے بھر کے لیے تذبذب میں پڑ گیا۔ کہیں وہ کوئی غلط آدمی نہ ہو۔ اس سے بنگو کے بارے میں سوال کرنے سے کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔

میں بیزار آواز والے کے نام سے بھی واقف نہیں۔ مجھے بنگو سے رابطے کے لیے صرف فون نمبر دیا گیا تھا۔ آدمی کی کوئی اہمیت ہوتی تو عابد علی نے اس کے بارے میں مجھے ضرور بریف کیا ہوتا۔ اس نے اس بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ اگر گڑبڑ ہونی تھی تو یہ بھی ہو سکتا تھا کہ پرانی اور بیزار آواز والا آدمی غلط رہا ہو۔ فون پر رابطہ برقرار تھا۔ میرے پاس سوچنے کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنا مدعا ظاہر کر دیا "بنگو کو بلا دو!"

وہ اپنے کام کو سمجھنے والا ہوشیار آدمی تھا۔ مجھ سے کوئی جرح کرنے سے پہلے اس نے اپنا تعارف کرانا ضروری سمجھا "میں بنگو ہی بول رہا ہوں۔ تم کون ہو؟" اس کی آواز جذبات سے یکسر عاری مگر محتاط تھی۔

میرے لیے وہ بہت بڑی خوش خبری تھی کہ ہماری پاکستان واپسی کی سب سے مضبوط کڑی مل چکی تھی۔ میں نے بے ساختہ کہا "میں رگھوبیر ہوں۔ تم دو دن سے کہاں تھے؟ تمہاری آواز کو کیا ہوا؟ فون پر میں پہچان ہی نہیں سکا کہ تم بول رہے ہو۔"

عابد نے مجھے بتایا تھا کہ بنگو کے لیے رگھوبیر کوئی نام نہیں تھا۔ اس ظاہری نام میں ایک مکمل خفیہ پیغام پنہاں تھا کہ اس کے دوستوں سے تعلق رکھنے والا کوئی آدمی بھارت کے کسی اور شہر سے امرتسر آیا ہوا تھا اور اس سے جلد از جلد ملنے کا خواہاں تھا۔

"صبح سے تم دو بار فون کر چکے ہو۔ دونوں بار تمہارے پیغام الگ الگ تھے۔ اس وقت تم کہاں ہو؟" اس نے میرے سوالوں کو نظرانداز کر کے پوچھا۔

"میں یہاں کے علاقوں اور بازاروں سے واقف نہیں ہوں۔ بس یہ معلوم ہے کہ جس ہوٹل میں ہوں، اس کے بورڈ پر پروپرائٹر کا نام سردار گلاب سنگھ لکھا ہوا ہے....."

بنگو نے میری بات کاٹ دی اور جلدی سے بولا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"گلابے کا ہوٹل میرا دیکھا ہوا ہے۔ تم وہیں ٹھہرو۔ میں تھوڑی دیر میں پہنچتا ہوں..... مگر سنو! میں تمہیں کیسے پہچانوں گا؟ کیا میں نے کبھی تم کو دیکھا ہوا ہے؟"

"یہ فون کی خرابی ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا "میں تمہاری آواز پہچان سکا نہ تم نے میری آواز پہچانی۔ چند روز پہلے تم ہی مجھے دو عورتوں کے ساتھ لائے تھے اور راستے میں ایک صوبے دار کو....."

"بس بس۔ مجھے یاد آگیا۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا "میں آدھے گھنٹے میں آرہا ہوں۔ تم بھی خیال رکھنا۔ اس وقت میرا دماغ کچھ سنکا ہوا ہے۔ ایک لمبے بکھیڑے سے نمٹ کر آیا ہوں۔ تمہارا پیغام نہ ملا ہوتا تو اب تک لمبی تان کر سو گیا ہوتا۔"

میں نے اسے ملنے کی یقین دہانی کرائی اور فون بند کر دیا۔

درمیانی آدمی نے بنگو کے بارے میں جن خدشات کا اظہار کیا تھا وہ میرے لیے بہت ہولناک تھے کیونکہ انل اور نریش کے قتل کے بعد بنگو ہمارے فرار کا اکلوتا وسیلہ تھا۔ اگر وہ کسی ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہوتا تو ہم دونوں ناقابلِ بیان مشکلات میں گھر جاتے۔ اس وقت فون پر بنگو سے بات کر کے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ ذہن سے ناامیدی کے بادل چھٹ گئے تھے اور میں اپنی مہم کے آخری مرحلے کے بارے میں ایک مرتبہ پھر اپنے دل کی گہرائیوں میں نیا جوش اور ولولہ ابھرتا محسوس کر رہا تھا۔

اس وقت تک مجھے کہیں ایسی کوئی علامت نظر نہیں آئی تھی جس سے یہ پتا چلتا کہ را والوں نے میرے بارے میں ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ پر کوئی ہمہ گیر مہم شروع کر دی ہے۔ دہلی میں جو کچھ ہو رہا تھا، غالباً روایتی سرکاری انداز میں ہو رہا تھا۔

بنگو سے رابطہ ہونے کے بعد مجھے کسی بات کی کوئی فکر نہیں رہی تھی۔ اگر را والے مظہر خان اور غزالہ کے خلاف کوئی اعلان کر بھی ڈالتے تو کم از کم آنے والی رات تک ہم بالکل محفوظ رہتے۔ بات گرانڈ ہوٹل کے عملے تک پہنچ جاتی اور انہیں پتا چل جاتا کہ را کے مطلوب قاتل اور پاکستانی دہشت گرد اسی صبح ان کے ہوٹل میں ٹھہرے ہیں تو وہ خالی اور مقفل کمروں میں کوئی تیر نہیں مار سکتے تھے۔ وہ ہر حال میں رات گئے تک ہماری واپسی کا انتظار کرتے۔ یوں ہمارے پاس بھارت کی منحوس سرزمین چھوڑنے کے لیے کافی وقت تھا۔ جب تک ہوٹل والے ہماری واپسی سے مایوس ہو کر یہ خبر پھیلاتے کہ پاکستانی دہشت گرد کچھ دیر کے لیے ان کے ہوٹل کے الگ الگ کمروں میں قیام کرنے کے بعد امرتسر کے پُرہجوم بازاروں میں کہیں گم ہو چکے تھے، ہم شاید پوری حفاظت سے پاکستان واپس پہنچ چکے ہوتے۔

بنگو نے مجھ سمیت کسی کو بھی اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے مرعوب نہیں کیا تھا۔ وہ جسیم اور قد آور ضرور تھا لیکن ذہانت اسے چھو کر بھی نہیں گزری تھی وہ محض اپنی فرماں برداری کے سہارے آئی بی کے مضبوط نیٹ ورک کا ایک پرزہ بنا ہوا تھا۔ ابتدا میں اسے ہمارے مشن میں ایک معمولی مہرے سے زیادہ وقعت حاصل نہیں تھی لیکن ہماری واپسی کے منصوبے میں اس نے یک بیک کلیدی اور ناگزیر حیثیت اختیار کر لی تھی۔

ہوٹل کے کیبن میں میرے کچھ بولنے سے پہلے غزالہ نے بھانپ لیا کہ مجھے کوئی اہم کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ نیچی آواز میں بول پڑی "آپ کا چہرہ تر و تازہ نظر آرہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنگو کا کوئی سراغ مل گیا ہے۔"

"اس کی گرفتاری کے خدشے سے میری جان نکلی ہوئی تھی۔ وہ کسی لمبے چکر میں الجھا ہوا تھا۔ اب لوٹ آیا ہے اور آدھے گھنٹے میں یہاں پہنچ رہا ہے۔" میں نے کرسی سنبھالتے ہوئے اسے بتایا "میں فون پر اسی سے بات کر کے آرہا ہوں۔"

"اپنے بارے میں کیا بات ہوئی؟ را والے کیا سوچ رہے ہیں؟" غزالہ نے پوچھا۔

"فون پر زیادہ بات نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ آئے گا تو کچھ پتا چلے گا۔"

ہم نے گرانڈ ہوٹل چھوڑنے کے بعد امرتسر میں بے مقصد آوارہ گردی کرتے ہوئے کئی گھنٹے گزار دیے تھے اور وقت کا پتا نہیں چلا تھا لیکن بنگو کے انتظار میں ایک ایک لمحہ رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت کی رفتار اچانک سست ہو گئی ہو۔

اس پارٹیشن کے داخلی راستے پر پڑا ہوا پردہ برائے نام تھا۔ غزالہ نے اپنی پشت اس طرف کر کے رسمی سے پردے کا اہتمام کر لیا تھا مگر میں نے اپنی کرسی دانستہ ایسے رخ سے رکھی تھی کہ ہوٹل میں آنے جانے والے میری نظروں میں رہیں۔

خدا خدا کر کے وہ وقت گزر ہی گیا۔ بنگو اپنے دیے ہوئے وقت سے چند منٹ پہلے ہی گلابے کے ہوٹل میں آپہنچا تھا۔

"وہ آگیا!" میں نے زیرلب اضطراری سرگوشی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غزالہ کو مطلع کیا۔ اس کے چہرے پر جوش کی ہلکی سی سرخی پھیل گئی مگر اس نے مڑ کر اپنے پیچھے دیکھنے کی حماقت نہیں کی۔

بنگو اس وقت آدھی آستین والی' سیاہ رنگ کی چست ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس تھا۔ اس کے سر پر پی کیپ جمی ہوئی تھی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں والی دھوپ کی عینک جمی ہوئی تھی۔ اس حلیے میں اس نے خود کو بلاوجہ ہی نمایاں کیا ہوا تھا۔

بنگو اس ہوٹل کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اس کے اندر گھستے ہی کئی افراد نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ اس خبیث کی آنکھوں پر سیاہ عینک منڈھی ہوئی ہونے کی وجہ سے مجھے یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کس طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ہاتھ لہرایا۔ غنیمت ہوا کہ اس نے دیکھ لیا اور سر کی خفیف سی جنبش سے جوابی اشارہ کر کے کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ مجھے شبہ ہوا کہ شاید اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ دیکھ لیا ہوتا تو وہ باہر رکنے کے بجائے ہمارے کیبن کی طرف آتا۔

اس کے تیوروں سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کاؤنٹر والے سے ہی بات کر کے واپس لوٹ جائے گا۔

"وہ شاید یہاں اپنی رونمائی کے لیے آیا ہے۔" غزالہ نے دھیمی آواز میں کہا "ہمیں اس کے پیچھے نکلنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

میں پہلے ہی اپنی جیب ٹٹول رہا تھا اور ہوٹل سے اٹھنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ میں نے اس سے کہا "تم اس کے پیچھے چلو۔ میں بل ادا کر کے آتا ہوں۔"

بنگو ہاتھ لہرا کر ہوٹل سے فٹ پاتھ پر اتر گیا۔ غزالہ کسی عجلت کا مظاہرہ کیے بغیر ہموار رفتار سے ہوٹل سے نکلتی چلی گئی۔ میں کاؤنٹر پر رک گیا۔ شاید کسی کو اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ بنگو کی آمد اور روانگی سے ہمارا کوئی تعلق تھا۔

میں ہوٹل سے نکل کر داہنی طرف ہو لیا۔ اس وقت تک بازار کی رونق اپنے شباب پر آ چکی تھی۔ اس بھیڑ میں دراز قامت بنگو نمایاں نظر آ رہا تھا۔ غزالہ اس سے چند قدم پیچھے چل رہی تھی۔ میں نے اپنی رفتار قدرے تیز کر دی پھر درمیان سے غزالہ کو اپنے ساتھ لیتا ہوا بنگو کے پہلو میں پہنچ گیا۔

"گڈ! بس یوں ہی میرے ساتھ چلے آؤ۔" بنگو نے

سسپنس ڈائجسٹ

کا معروف سلسلہ اب کتابی شکل میں

انبیائے کرام کی سوانحات پر مبنی مضامین

سوانح انبیاء

نیاز تبسم بلگرامی کے قلم سے

مضبوط جلد

خوبصورت کور

قیمت فی حصہ 150 روپے

ڈاک خرچ فی حصہ 25 روپے

23 انبیائے کرام کی زندگی کے پرلطف چونکا دینے والے پر از حقائق واقعات، جن کا عام لوگوں کو علم نہیں۔

ان پیغمبران دین کے واقعات جن کی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

جذبۂ ایمانی تازہ کرنے کیلئے ان کی سوانحات کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

قارئین کے پرزور اصرار پر دو حصوں میں شائع کی جا رہی ہے

کتابیات پبلی کیشنز

فون: 5802552-5895313

فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

پوسٹ بکس 23 رمضان چیمبرز میلوڈی اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فوراً کہا۔ وہ بھیڑ میں چلنے کے باوجود اپنے گردوپیش سے پوری طرح باخبر تھا۔

مزید کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک قریبی گلی میں مڑ کر ایک صاف ستھری اور مقفل گاڑی کے قریب رک گیا جو پچھلی بار مجھے اس کی تحویل میں نظر نہیں آئی تھی۔ اس نے اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی' میں اس کے برابر میں بیٹھا۔ غزالہ پیچھے سوار ہوگئی۔ گاڑی کا انجن بیدار ہوا اور وہ آگے چل پڑی۔

"ہمارا ہوٹل میں ملنا مناسب نہیں تھا۔ اچھا ہوا کہ تم نے میرا اشارہ سمجھ لیا ورنہ مشکل ہوجاتی۔ وہاں کوتوال کے دو ٹاؤٹ بیٹھے ہوئے تھے۔" گاڑی کے حرکت میں آنے کے ساتھ بنگو کی زبان چل پڑی "یہ سالے بہت حرامی اور کائیاں ہوتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ میں پولیس سے بچ بچا کر کچھ ہیر پھیر کرتا رہتا ہوں۔ تم دونوں کو میرا گاہک سمجھ کر زبردستی ہزار' پانچ سو روپے لے مرتے۔ انہیں دیکھ کر میں نے تم سے ملنے کا پروگرام تبدیل کردیا تھا۔"

"میں نے اسے یہ جتانا ضروری نہیں سمجھا کہ اس سے ملنا ہماری مجبوری تھی۔ وہ اگر پولیس کے ٹاؤٹوں کو دیکھ کر بگٹٹ دوڑ پڑتا تو اس تک پہنچنے کے لیے ہم بھی دوڑ لگانے پر مجبور ہوجاتے۔ میں بردباری کے ساتھ سرہلا کر بولا "تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم کہاں غائب تھے؟"

"وہ میرے اپنے دھندے تھے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے مجھے کورا جواب دے دیا۔

"ہمارا فوری طور پر واپسی کا ارادہ ہے۔ اسی سلسلے میں تمہاری تلاش تھی۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

وہ سوچ میں پڑگیا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ سڑک پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ آخر اس نے زبان کھولی "اس کام میں دو چار دن لگیں گے۔ پرسوں میری گاڑی مال سمیت پکڑی گئی تھی۔ میں اسی کو چھڑانے کے چکر میں لگا ہوا تھا۔ اب میں نے بہت زور لگایا تو بارڈر سیکیورٹی فورس والوں سے کل تک پیچھا چھوٹ سکے گا۔"

وہ ایک نئی اور بری خبر تھی۔ میں نے قدرے حیرت سے پوچھا "بارڈر سیکیورٹی فورس تو کشمیر میں ہوتی ہے۔ تم اپنی گاڑی میں وہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"کشمیر میں ان کے لیے بہت کام ہے لیکن ان کے کچھ دستے مشرقی پنجاب میں بھی ہیں۔ گاڑی میں دو ڈھائی لاکھ کا مال لدا ہوا ہے۔ میں اس بارے میں بہت پریشان ہوں۔"

"یہ کیسے ہوا کہ گاڑی پکڑی گئی اور تم آزاد ہو۔"

میرے لیے سرحدی اسمگلنگ کا وہ واقعہ نیا تھا۔

"میں گاڑی سمیت پکڑا گیا تھا۔ دس ہزار دے کر نکلا ہوں۔ گاڑی کا معاملہ طے نہ ہوا تو بی ایس ایف والے اپنے ریکارڈ میں یہ دکھادیں گے کہ اسمگلر زبردست فائرنگ کے بعد رات کے اندھیرے میں گاڑی چھوڑ کر بھاگ گیا۔"

"تم اتنی مال دار اسامی نہیں ہو پھر تمہارے پاس دو ڈھائی لاکھ کا مال کہاں سے آگیا؟" پیچھے سے غزالہ نے چبھتا ہوا سوال کیا۔

"وہ میرا نہیں' پارٹی کا مال ہے۔ جو نقصان ہوگا وہ پارٹی کے سر جائے گا۔"

"پھر اس بارے میں تم کیوں پریشان ہو؟" میں نے تحمل سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔ اس وقت ہمارے مسئلے کا حل اس کی پریشانی سے منسلک ہوکر رہ گیا تھا۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے مجرمانہ مسائل میں دلچسپی لینے پر مجبور تھا۔

"یہ اس دھندے کا بنیادی اصول ہے۔ پکڑے جانے والے مال پر کسی کا کوئی دعویٰ نہیں ہوتا۔ بات نہیں بنتی تو سمجھو کہ پارٹی کا مال گیا' میری پک اپ گئی۔ اپنی رہائی کے لیے دس ہزار پلے سے دینے پڑے۔ اس سے میری ساکھ خراب ہوگی۔ آگے کام ملنا بند ہوجائے گا۔ میں بھوکوں مرجاؤں گا۔"

"بی ایس ایف سے تمہاری کیا سودے بازی چل رہی ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"وہ پچیس ہزار مانگ رہے ہیں۔ پارٹی بیس پر اٹک گئی ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ اڑے ہوئے ہیں۔"

"پانچ ہزار اپنی گرہ سے ڈال دو۔ تمہاری پک اپ کسی طرح ساٹھ ستر ہزار سے کم کی نہیں ہوگی۔ سمجھ لینا کہ پانچ ہزار اس کے دے دیے!"

"اپنی رہائی کے دس ہزار میں نے قرض ادھار لے کر پورے کیے ہیں۔ میں بالکل کنگال ہوچکا ہوں۔ میری جیب میں ذرا سی بھی گنجائش ہوتی تو میں اب تک یہ قصہ صاف کرچکا ہوتا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر حسرت زدہ لہجے میں بولا "تم یہ بتاؤ کہ کس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہو۔ شاید تم نے گرانڈ ہوٹل کا نام بتایا تھا۔ میں تمہیں وہاں اتار دیتا ہوں۔ تم آرام کرو۔ میں کوئی جگاڑ کرتا ہوں۔ تمہیں پہنچانے کے بعد ماسٹر سے جو مال ملے گا' میں اس میں سے اپنا قرضہ ادا کردوں گا۔"

میں نے ذرا سی دیر کے لیے خاموشی اختیار کرکے اس کے کہے ہوئے الفاظ اپنے ذہن میں گھمائے اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ماسٹر کا لقب اس نے جلال کے لیے استعمال کیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمیں لاہور کے مضافات سے امرتسر تک پہنچانے کا معاوضہ اسے جلال سے ملا تھا۔ اس لیے وہ یہ بات فرض کرچکا تھا کہ ہمیں واپس پہنچانے کا معاوضہ اسے کام کی تکمیل ہونے پر، پاکستانی سرزمین پر ادا کیا جائے گا۔ تیسری اور اہم بات یہ تھی کہ وہ گرانڈ ہوٹل کو ہماری عارضی قیام گاہ سمجھے بیٹھا تھا جب کہ میں اس عمارت کے قرب وجوار میں جانے کا بھی روادار نہیں تھا۔

"ہم ہوٹل چھوڑ چکے ہیں۔ ہم سے کچھ دیر کے لیے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتے ہو تو ہمیں بھینسوں والے باڑے میں یا کسی اور ٹھکانے پر پہنچادو۔"

"اس ٹھکانے پر بھینسوں کے گوبر کی تیز بدبو واقعی کبھی کبھی ناقابلِ برداشت ہوجاتی ہے۔" اس نے میرے استہزائیہ تبصرے کا برا منائے بغیر کہا "اپنی ایک کشمیری رکھیل بھی ہے۔ اس کا گھر بہت صاف ستھرا ہے مگر جب سے مفلسی نے میرا گھر دیکھا ہے، میری رانی نے مجھے منہ لگانا چھوڑ دیا ہے۔ تم کو پرانے ٹھکانے پر ہی چلنا ہوگا۔"

اس وقت امرتسر میں ہمیں کسی محفوظ ٹھکانے کی شدید ترین ضرورت تھی۔ اس تحفظ کے لیے میں ہر سمجھوتا کرسکتا تھا "اسی طرف رخ موڑلو۔ وہاں بیٹھ کر ہم زیادہ سہولت کے ساتھ بات کرسکیں گے۔" میں نے اس سے کھل کر کوئی بات نہیں کی۔ اس سے ہونے والی پچھلی ملاقات میں، میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ بہت حریص اور لالچی شخص تھا۔ اپنی شاہ خرچیاں پوری کرنے کے لیے اسے ہر وقت پیسے کی ضرورت رہتی تھی۔

میں کھل کر اس سے بات کرتا تو وہ اپنا تمام خسارہ پورا کرنے کے لیے مجھے لمبا چونا لگا سکتا تھا۔ جلال اس کا مستقل گاہک تھا۔ بنگو اس کا لحاظ کرتا تھا اور شاید اس سے دبتا بھی تھا۔ اسے یاد رکھنا چاہیے تھا کہ مجھ سے ہونے والے لین دین کا فائنل حساب جلال ہی کرے گا۔

"تم دہلی سے یہاں صبح ہی کو پہنچے ہوگے۔ وہاں سے کس وقت چلے تھے؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد بنگو نے پوچھا۔

وہ ایک نازک سوال تھا۔ میں نے ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں سوچا اور فیصلہ کرتے ہوئے کہا "وہاں سے ہم پرسوں نکلے تھے مگر راستے میں انبالہ میں رک گئے تھے۔ صبح کی ٹرین سے یہاں پہنچے ہیں۔"

"تم گرانڈ ہوٹل میں کمرا لے چکے ہو۔ وہ ایک رات کا کرایہ لیتے ہیں۔ تم آرام سے وہاں رہ سکتے تھے۔ ادھر کیوں نہیں جارہے؟"

اس بار بنگو جیسے قابلِ اعتماد آدمی سے جھوٹ بولنا مناسب نہیں تھا۔ وہ امرتسر کا پرانا شہری تھا۔ لوگوں سے اس کے روابط بہت وسیع تھے۔ وہ ذرا سی کوشش کرکے گرانڈ ہوٹل کے عملے سے ہمارا سارا کچا چٹھا معلوم کرسکتا تھا۔ میں نے کہا "بس ایک چوک ہوگئی جس کی وجہ سے وہاں لوٹنا مناسب نہیں ہے۔ یہاں آتے ہوئے ہمیں کوئی فکر نہیں تھی لیکن واپسی میں ہمیں احتیاط سے کام لے کر اپنی شناخت چھپانی تھی تاکہ کسی کو یہ پتا نہ چل سکے کہ ہم امرتسر سے گزرے ہیں۔ سفر کی تکان میں یہ بات میرے دماغ سے نکل گئی اور ہم نے ہوٹل والوں کو اپنے پاسپورٹ دکھادیے۔ تھوڑی دیر بعد مجھے اپنی غلطی کا اندازہ ہوا تو میں نے بوکھلا کر ہوٹل چھوڑ دیا۔"

"کام میں کچے ہو۔" اس نے مربیانہ انداز میں کہا "تمہارا نام اور پاسپورٹ نمبر ہوٹل کے رجسٹر پر آگیا ہے۔ اب تم وہاں رہو یا نہ رہو، یہ بات معلوم کی جاسکتی ہے کہ تم امرتسر آئے تھے۔ ایسے کاموں میں بہت سمجھ اور ہوشیاری کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ نانی یاد آجاتی ہے۔"

میں فدویانہ انداز میں ہنس کر رہ گیا "بس ہونے والی

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

آشنائی

اداکار افضل خان عرف جان ریبو جہاز میں سفر کررہے تھے۔ ایک صاحب بہت دیر سے انہیں گھوررہے تھے۔ آخر بولے "آپ جان ریبو ہیں نا؟"

"جی ہاں۔"

"آپ فلموں میں کام کرتے ہیں نا؟"

"جی ہاں۔"

"آپ لاہور میں رہتے ہیں نا؟"

"جی ہاں۔"

تب وہ صاحب خوشی سے تقریباً چلاتے ہوئے بولے "اوہو.... اب میں نے آپ کو پہچان لیا.... آپ وہی ہیں جن کی شادی صاحبہ سے ہوئی ہے۔"

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات تھی جو ہو گئی۔"

میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ گرانڈ ہوٹل میں قیام کے بعد میری سوچ میں اچانک تبدیلی رونما ہوئی تھی اور مجھے را کی کسی اشتہاری مہم کے نتیجے میں اپنے پکڑے جانے کا خطرہ سامنے نظر آنے لگا تھا۔ میرے کوائف گرانڈ ہوٹل کے ریکارڈ پر ضرور باقی رہ گئے تھے لیکن وہاں سے بھاگ نکلنے کے بعد میں بے خبری میں گرفتاری کے کسی خوفناک خطرے سے محفوظ ہو چکا تھا۔ میرے لیے وہ اطمینان ہی کافی تھا۔

"تم چاہو تو میں ہوٹل کے رجسٹر سے تمہارا نام اڑوا سکتا ہوں۔" بنگو نے سوچتے ہوئے کہا۔

"یہ بہت بڑا کام ہوگا۔ میرے سر پر سے ایک بوجھ اتر جائے گا۔" میں نے خوش ہو کر جواب دیا۔

"مگر ہوٹل سے ملنے والی آدھی رقم میری ہوگی۔" اس نے شرط عاید کر دی اور پوچھا "تم نے وہاں کتنے پیسے جمع کرائے تھے؟"

"تین ہزار۔" میں نے بے یقینی سے کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نام اڑانے کے ساتھ وہ تمہیں آدھی رقم بھی لوٹا دیں۔"

"ہوٹل والوں کو اپنے کرایے پر بھاری ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ گرانڈ ہوٹل میں میرے جاننے والے ہیں۔ تمہیں چھوڑنے کے بعد میں ہوٹل جا کر بکنگ کینسل کرا دوں گا۔ آدھی رقم مجھے مل جائے گی۔ آدھی ہوٹل والوں کی جیب میں چلی جائے گی۔ رجسٹر پر تمہارے نام اور پاسپورٹ وغیرہ پر سفیدہ پھیر دیا جائے گا۔ اس پر وہ کسی نئے گاہک کا نام چڑھا لیں گے۔ ہوٹلوں کے ریکارڈ میں ایسی بھول چوک اور غلطیاں چلتی رہتی ہیں۔"

فوری طور پر مجھے اس کی تجویز ہر اعتبار سے بے داغ اور قابلِ عمل نظر آئی۔ ہوٹل کے ریکارڈ میں ہیر پھیر کے ذریعے ٹیکس بچانے کی کوشش کر کے ہوٹل والے ایک جرم میں ملوث ہو جاتے۔ میرا اور غزالہ کا نام منظرِ عام پر آنے کے بعد انہیں یاد آتا کہ ہم دونوں ان کے ہوٹل میں کچھ دیر تک قیام کے بعد خاموشی سے فرار ہو گئے تھے تو ان کے ہاتھ پیر کٹ چکے ہوتے۔ ہوٹل کے ریکارڈ میں مشتبہ انداز میں ردوبدل کر کے وہ شریکِ جرم ہو چکے ہوتے۔ اپنی گردن بچانے کے لیے وہ بھول کر بھی یہ بات اپنی زبانوں پر نہ لاتے کہ بھارتی سرکار کو مطلوب پاکستانی دہشت گرد جوڑا ان کے ہوٹل میں بھی دیکھا گیا تھا۔

میری وہ خوش امیدی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکی۔ بنگو کی تجویز کی پُرزور تائید کرنے سے پہلے ہی مجھے اس تجویز کا تاریک ترین پہلو نظر آ گیا۔

اس وقت کی صورتِ حال جوں کی توں برقرار رہتی تو صرف ایک خطرہ تھا۔ یہ بات ہر طرف پھیل جاتی کہ ہم دونوں گرانڈ ہوٹل گئے تھے لیکن اس کے بعد کہاں غائب ہو گئے۔ یہ سراغ کسی کو نہیں مل سکتا تھا۔ بنگو کی تجویز پر عمل کرنے کے بعد صورتِ حال بالکل برعکس ہو جاتی۔ ہوٹل سے باہر کسی کو علم نہ ہو پاتا کہ ہم نے کچھ دیر کے لیے وہاں پناہ لی تھی مگر ہوٹل والوں کو یہ معلوم ہوتا کہ بنگو ہمارے ساتھ ملا ہوا تھا۔ ہوٹل چھوڑ دینے کے بعد بھی ہم اس کے رابطے میں تھے۔ امرتسر میں اس کی مشکوک سرگرمیاں بہت زیادہ ڈھکی چھپی نہیں تھیں۔ اس کی گردن دبوچ کر اسے تیسرے درجے کے بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تو وہ کھایا پیا تک اگل دیتا۔

اس کے سینے میں صرف ہمارا راز پوشیدہ نہیں تھا۔ وہ آئی بی اور جلال کے بہت سے رازوں کا امین تھا۔ ان کے اہم ترین آپریشنز میں مڈل مین کا کردار ادا کر چکا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس کی تحویل میں آئی بی سے ملا ہوا وہ طاقت ور اپریٹس موجود تھا جو سو کلومیٹر کے حیطۂ عمل میں مواصلاتی رابطے کے کام آ سکتا تھا۔

بھارت کے خفیہ اداروں کے لیے آئی بی والوں کا وہ لاسلکی نشری آلہ اجنبی نہیں ہو سکتا تھا۔ بنگو کے لیے یہ جواب دہی مشکل ہو جاتی کہ پاکستانی انٹیلی جنس بیورو کا ایک حسّاس آلہ اس کی تحویل میں کب، کیوں اور کیسے آیا۔

وہ گرانڈ ہوٹل سے ہمارے فرار کے اصل پس منظر سے بے خبر تھا اس لیے وہ خطرات اس کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔

"گرانڈ ہوٹل کو بھول جاؤ۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "ڈیڑھ ہزار روپے کی کشش تمہیں کسی نادیدہ دلدل میں لے ڈوبے گی۔ یہ کوئی بڑا کھیل بھی ہو سکتا ہے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ یہاں کوئی بڑا کھیل شروع ہو چکا ہے۔" بنگو نے میری بات پر پوری طرح دھیان دیے بغیر کہا "میں نے تم سے اسی لیے پوچھا تھا کہ تم دہلی سے کب آئے ہو۔ سنا ہے کہ وہاں کے حالات بہت خراب ہیں۔ پچھلی رات کو را کے پانچ چھ بڑے افسر مار دیے گئے۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلا۔"

اس کی زبان سے پانچ چھ افسروں کے قتل کا ذکر سن کر میں بری طرح چونک پڑا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ شاید میری واپسی کے بعد بھی آئی بی کے تینوں ایجنٹوں نے اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنی کارروائیاں جاری رکھی تھیں جن کے نتیجے میں وہ تعداد دو سے بڑھ کر پانچ یا چھ تک پہنچ گئی تھی۔

"یہ بات تم نے کہاں سے سن لی؟" میں نے پُرہیجان لہجے میں بنگو سے سوال کیا۔

"ابھی تک ریڈیو یا ٹی وی پر کوئی خبر نہیں آئی۔ سنا ہے کہ سرکار بدنامی سے بچنے کے لیے خبر دبا رہی ہے لیکن ہر طرف زبردست افواہیں پھیلی ہوئی ہیں۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ کوئی پاکستانی ایجنسی ہاتھ دھو کر را اور اس کے نامی گرامی افسروں کی تباہی کے پیچھے پڑ گئی ہے۔"

خبریں دبائی جاتی ہیں تو افواہیں اسی طرح پھیلتی اور پھلتی پھولتی ہیں۔ بنگو کے اس بیان میں حقیقت کا سرا دور تک دستیاب نہیں تھا۔

"اتنی بڑی خبر آسانی کے ساتھ نہیں دبائی جا سکتی۔" میں نے بے یقینی سے کہا "یہ صرف افواہ ہو سکتی ہے۔" اسے جھٹلاتے ہوئے میں خود اپنے الفاظ کا کھوکھلا پن محسوس کر رہا تھا کیونکہ انل اور نریش کو میں خود اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار کر آیا تھا۔

"افواہیں اتنے زور سے گردش میں نہیں آتیں۔ امرتسر میں ہر شخص یہی کہانی سنا رہا ہے۔ تم کو اس بارے میں زیادہ معلوم ہونا چاہیے۔" اس نے تیکھی آواز میں کہا۔

"وہاں کچھ ہوا ہے تو دہلی والوں کو معلوم ہوگا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں انبالہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں ایسی کوئی افواہ نہیں تھی۔" میں نے سادگی سے جواب دیا۔

اس بار ہم بند آہنی پک اپ کے بجائے کار سے سفر کر رہے تھے اس لیے راستے ہمارے سامنے تھے۔ آثار بتا رہے تھے کہ بنگو کی کار اس کے ٹھکانے کے قرب و جوار میں پہنچ چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد میرے نتھنوں میں وہ بو گھسنے لگی جو گایوں اور بھینسوں کے باڑوں کے آس پاس پائی جاتی ہے۔ ہم لوگ بنگو کے محفوظ ٹھکانے سے لمحہ بہ لمحہ قریب ہوتے جا رہے تھے اور وہ اپنے ماحول سے بے پروا، میرے ساتھ اس افواہ پر بحث میں مصروف تھا۔

ایک ناہموار سڑک اور پھر دھول میں اٹی ہوئی گلی سے گزرنے کے بعد بنگو کی کار اس وسیع احاطے میں پہنچ کر رک گئی۔ جہاں ہم نے اپنے قدموں سے پہلی بار بھارت کی زمین کو چھوا تھا۔ وہ احاطہ اپنی مختصر تعمیرات کے ساتھ جوں کا توں موجود تھا۔ احاطے میں داخلے کا راستہ بدستور کسی پھاٹک یا رکاوٹ سے محروم تھا۔

پچھلی بار ہم وہاں پہنچے تو ہمیں سرحد پار کرانے والی خستہ حال پک اپ سے پہلے ایک پرانی کار بھی کھڑی ہوئی تھی۔

اس روز وہاں کسی دوسری گاڑی کا وجود نہیں تھا کیونکہ بنگو کی کہانی کے مطابق اس کی پک اپ بارڈر سیکیورٹی فورس نے پکڑی ہوئی تھی۔

بنگو ہمیں اپنے ساتھ لے کر اس مختصر کمرے میں پہنچ گیا جہاں ایک بستر اور دو سال خوردہ کرسیاں نظر آ رہی تھیں۔

"میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ یہ افواہ نہیں ہے۔" بنگو سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "میں اپنے چکروں میں الجھا ہوا تھا اور مجھے تم سے ملنے کی کوئی توقع نہیں تھی اس لیے میں نے دہلی کی خبروں پر دھیان نہیں دیا تھا۔ اب میں باہر جاؤں گا تو دیکھوں گا۔ ہو سکتا کہ شام کے اخباروں میں کوئی بات چھپی ہو۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم پاکستانی ہو اور تمہیں یہ تک نہیں معلوم کہ تمہارے ساتھی یہاں کیا کر رہے ہیں۔"

"تم اور ہم، آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں مگر ہماری حکومتیں ایک دوسرے کے لہو کی پیاسی ہیں۔ وہ ایک

ایک شہری کو کچھ دیر کے لیے دیہی علاقے میں ایک کھیت کے قریب رکنا پڑا۔ اس نے دیکھا ایک دیہاتی رسی کا ایک ٹکڑا لیے درخت سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس نے یونہی تجسس کے تحت پوچھ لیا

"بھائی صاحب! یہ آپ کیا لیے کھڑے ہیں؟"

"یہ موسم کا حال معلوم کرنے کا آلہ ہے" دیہاتی نے جواب دیا۔

"کمال ہے...." شہری حیرت سے بولا "ایک رسی کے ٹکڑے سے بھلا موسم کا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟"

"بہت آسان طریقہ ہے..." دیہاتی نے جواب دیا "جب یہ ادھر ادھر ہلنے لگتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ تیز ہوا چل رہی ہے اور جب یہ گیلا ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ بارش ہو رہی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرے کے خلاف ایسے الزامات لگاتی رہتی ہیں۔ تم کو اس طرح نہیں سوچنا چاہیے۔ میں دو روز پہلے دہلی سے نکلا تو وہاں خوں ریزی کا ایسا کوئی منصوبہ نہیں بن رہا تھا۔ اس قدر اہم لوگوں کو تھوک کے بھاؤ مارنے کے لیے بہت لمبی منصوبہ بندی، مشق اور مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔"

میں غزالہ کے ساتھ کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ کمرے میں تیسری کرسی نہ ہونے کی وجہ سے بنگو مسہری کے سرے پر ٹک گیا تھا۔

"جو ہونا ہے وہ ہو گیا۔ ہم کو اس سے کیا لینا۔ اب تم اپنے مطلب کی بات کرو۔ کل تک تم کو یہیں رک کر انتظار کرنا ہوگا۔ تم اس کے لیے تیار ہو تو میں بی ایس ایف والوں سے پک اپ چھڑانے کے لیے بھاگ دوڑ کرتا ہوں۔"

"مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تمہارا کام ہمارے مطلب سے زیادہ اہم ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں گاڑ کر کہا "ایمانداری سے بتاؤ کہ ماسٹر سے تمہیں ایسے کاموں کا کیا معاوضہ ملتا ہے؟"

"وہ بہت نرم دل اور سخی آدمی ہے۔ یہ سمجھ لو کہ مجھے اس سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔" اس نے چالاکی سے گول مول جواب دیا۔

"شاید تمہارے بھگوان نے تمہارا کام بنانے کے لیے ہمیں یہاں بھیجا ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "مجھے کھل کر بتاؤ کہ ہمیں امرتسر پہنچانے کے لیے تمہیں ماسٹر نے کتنی رقم دی تھی۔ یہ بات مجھے اس سے بھی معلوم ہو جائے گی۔"

"آتے ہوئے گوری چمڑی والی این کا ویل بھی تمہارے ساتھ تھی۔ مجھے اس پھیرے کے پندرہ ہزار ملے تھے۔ تم چاہو تو میرے اپریٹس پر کوشش کر سکتے ہو۔ ماسٹر مل گیا تو اسی سے بات ہو جائے گی۔ وہ جو کہے، وہی دے دینا۔ میں ابھی ایک گھنٹے میں اپنی پک اپ چھڑا لاؤں گا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ تمہیں کچھ رقم پیشگی مل سکتی ہے۔ لاؤ اپریٹس نکالو۔" اس کی تجویز سن کر مجھے اپنے اوپر کچھ غصہ آیا کہ میں بنگو کی تحویل میں اپریٹس کی موجودگی سے باخبر تھا۔ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کے ذریعے امرتسر میں بیٹھے بیٹھے آئی بی والوں سے بات کی جا سکتی تھی پھر بھی میں اسے بھولا ہوا تھا۔

بنگو نے پھیرے کی بات کر کے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا ورنہ وہ سیدھا سیدھا پانچ ہزار روپے فی کس کا حساب تھا۔ اس کی بات بھی اپنی جگہ درست تھی کہ آدمی ایک ہو یا پانچ، اس کے لیے سفر کی طوالت اور خطرات کی سنگینی یکساں ہوتی ہے۔

بنگو مسہری کے سرے سے اٹھا اور ہمارے کمرے سے نکل کر برابر والے کمرے کے بند دروازے پر جا رکا۔

"اس کا مل جانا ہمارے لیے نعمت سے کم نہیں ہے۔" غزالہ نے اس کی غیر موجودگی میں دھیمی آواز میں کہا۔

"ذہن کو دھار سی لگ گئی ہے۔" میں نے اعتراف کیا "دہلی کی افواہوں کے بارے میں ابھی جلال سے پتا چل جائے گا۔"

"عملی طور پر ہم ابھی تک بھارت میں ہیں لیکن بنگو سے مل کر یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم لاہور پہنچ چکے ہوں۔" غزالہ بولی۔

"یہ مہلت کسی بھی لمحے ختم ہو سکتی ہے۔ اگر بنگو کو پتا چل جائے کہ دہلی کی خوں ریزی میں ہمارا ہاتھ تھا تو اس کا رویّہ بدل جائے گا۔ اگر انہوں نے ہماری گرفتاری میں مدد لینے والوں کے لیے کوئی بڑا انعام مقرر کر دیا تو بنگو کی نیت بھی ڈانواڈول ہو جائے گی۔ یہ پیسے کا بڑا لالچی ہے۔"

بنگو کی اس علاقے میں بہت زیادہ دھاک تھی یا پھر وہ بہت ہی کنگال آدمی تھا کہ اس کے احاطے میں کوئی پھاٹک نہیں تھا۔ ایک کمرے کا دروازہ غیر مقفل رہتا تھا۔ دوسرے کمرے کا مقفل دروازہ بھی اتنا کمزور تھا کہ ایک لات میں اپنی جگہ چھوڑ سکتا تھا پھر بھی کوئی وہاں ناجائز تصرف یا چوری چکاری نہیں ہوتی تھی۔ میرے لیے یہ بات اطمینان بخش تھی کہ اس نے آئی بی کا مخصوص اپریٹس بے پروائی سے کہیں نہیں ڈالا ہوا تھا بلکہ احتیاط سے مقفل کمرے میں رکھا ہوا تھا۔

اسے اپریٹس پر آئی بی کے کسی پاکستانی دفتر سے رابطے کے لیے اپنا خصوصی پاس ورڈ استعمال کرنے کی ضرورت تھی۔ وہ پاس ورڈ اس کے لیے بہت اہم تھا جسے صیغہ راز میں رکھنا ضروری تھا۔ شاید اسی احتیاط کی وجہ سے اس نے احاطے میں کسی سے رابطہ قائم کیا پھر اپریٹس کو بائیں ہاتھ میں اپنے چہرے کے قریب کیے کمرے میں آ گیا۔

"اب میں اپریٹس رگھوبیر کو دے رہا ہوں.... اوور!" دوسری طرف کی پوری بات سن لینے کے بعد بنگو نے کہا اور اپریٹس مجھے تھما دیا۔

لمحے بھر کے لیے لائن پر پُرشور ریڈیائی توقف برقرار رہا پھر میرے کانوں میں ایک بھاری مردانہ آواز گونجی "بی ایل تھری اسپیکنگ۔ تمہارا کیا حال ہے رگھوبیر۔ اوور!" میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے وہ آواز نئی اور نامانوس تھی۔

"میں ٹھیک ہوں اور واپسی کے لیے پابہ رکاب ہوں۔ بنگو سے کیا ڈیل ہوگی۔ اس وقت وہ مجھ سے کافی دور چلا گیا ہے.... اوور!" میں نے کن انکھیوں سے بنگو کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

بنگو نے خود تخلیے سے فائدہ اٹھا کر تنہائی میں اپریٹس پر رابطہ کیا تھا اور یوں اپنا پاس ورڈ ہم دونوں سے بچائے رکھا تھا۔ وہ اس لاسلکی گفتگو میں میری ضرورت سے باخبر تھا۔ اس کے سامنے میں اپنے نامعلوم مخاطب سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خاموشی سے ٹہلتا ہوا باہر نکل گیا تھا اور میں نے وہی بات بی ایل تھری کو بتا دی تھی۔

"دس ہزار.... ویسے جو کچھ مانگتا ہے' دے دو۔ ہر شخص خیریت سے تمہاری واپسی کا خواہاں ہے۔ تم کو ہر قیمت پر جلد از جلد وہاں سے نکل آنا چاہیے۔ دہلی سے پیغام ملا ہے کہ دو مہروں کے پٹ جانے کے بعد وہاں خوفناک انتقامی فضا بنتی چلی جا رہی ہے اور کھل کر سارا الزام ڈینی پر لگایا جا رہا ہے.... اوور!"

بنگو کے تعاون کے باوجود مجھے دہلی کے بارے میں کوئی خبر نہیں مل رہی تھی۔ بنگو امرتسر میں پانچ چھ افراد کے قتل کی افواہوں کی کہانی سنا رہا تھا۔ فضا میں اضطراب اور بے یقینی کا راج تھا لیکن لاہور میں بیٹھا ہوا انٹیلی جنس بیورو کا کوئی افسر تازہ ترین حالات سے پوری طرح باخبر تھا۔ اس نے تصدیق کر دی تھی کہ دہلی میں صرف دو افراد مارے گئے تھے۔ آئی بی والوں نے دہلی سے میری واپسی کے بعد مزید کوئی غیر ضروری کارروائی نہیں کی تھی۔

یہ بات عابد علی مجھے کئی بار بتا چکا تھا کہ بھارت میں وہ لوگ غیر ضروری معرکہ آرائی اور ہیجان خیزی سے گریز کرتے ہوئے اپنی پوری توجہ اپنے محدود مقاصد کے حصول پر مرکوز رکھتے تھے۔ بے مقصد خوں ریزی ان کے فرائض میں کبھی بھی شامل نہیں رہی تھی۔ لاہور والا عابد کی اس بات کی تصدیق کر رہا تھا۔

مجھے یہ جان کر مسرت آمیز حیرت ہوئی تھی کہ دونوں حکومتوں میں سخت کشیدگی کے باوجود لاہور والے دہلی کے تازہ ترین حالات سے باخبر تھے اور مجھے مشورہ دینے کی پوزیشن میں تھے۔ ان کو یہاں تک معلوم تھا کہ میں رگھوبیر کے پاس ورڈ کے ساتھ واپسی کا سفر طے کر رہا تھا۔

اس نے مختصر لیکن جامع الفاظ میں مجھے بتا دیا تھا کہ اس وقت میری واپسی ہر چیز پر مقدم تھی۔ مجھے بنگو کے ہر مطالبے کو قبول کر لینا چاہیے تھا۔ دل ہی دل میں' میں خود بھی اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا لیکن میرے ذہن میں یہ اندیشہ بھی برا جمان تھا کہ بنگو کم و بیش مستقل بنیادوں پر جلال کے لیے کام کرتا رہتا تھا۔ کہیں میں اپنے اکلوتے کام میں فیاضی کا مظاہرہ کر کے ہمیشہ کے لیے شرحوں کو بگاڑنے کا سبب نہ بن جاؤں۔

مجھے اس کی زبان سے یہ سن کر حیرت ہوئی تھی کہ بھارتی حکام نے اپنی بے خبری اور ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لیے سارا الزام ڈینی کے سر ڈال دیا تھا۔ گو ان کا لگایا ہوا وہ الل ٹپ الزام حقیقت کے عین مطابق تھا لیکن اس کے لیے کوئی جواز یا ثبوت موجود نہیں تھا۔

"میں تمہارے خلوص کی قدر کرتا ہوں۔ تمہارے مشورے پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔" میں نے بی ایل تھری کو جواب دیا "کیا میں جلال سے بات کر سکتا ہوں۔ اوور!"

اس وقت میرے ذہن میں ہلکی سی جھنجلاہٹ طاری ہو گئی۔ اپریٹس پر ہونے والی ریڈیائی گفتگو سو فیصد محفوظ نہیں تھی۔ دہلی میں' میں اس تجربے سے گزر چکا تھا کہ ایوی ایشن ریسرچ سینٹر یعنی آرک کی ایک بھاری اور بکتر بند اسکیننگ وین نے گشت کے دوران میں جامع مسجد کے علاقے سے ایک نامعلوم ایجنٹ کو ٹرانسمٹر استعمال کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔ گفتگو میں ہر احتیاط لازمی تھی لیکن میں نئے حالات کی پیش بینی نہیں کر سکا تھا ورنہ اس وقت جلال کا نام لینے کے بجائے کوئی متبادل کوڈ استعمال کیا جا سکتا تھا۔

"چیف اس وقت مرکز میں ہیں۔" بی ایل تھری کی آواز ابھری "ان سے بات ہونی ممکن نہیں ہے۔ تم میرے مشورے پر پورا اعتماد کر سکتے ہو۔ اوور۔"

"مجھے تم پر پورا اعتماد ہے۔" میں نے جلدی سے کہا "تمہاری فارمیشن کا ہر آدمی میرے لیے قابل قدر ہے۔ میں چیف سے کچھ ذاتی معاملات پر بات کرنے کا خواہاں تھا۔ اوور!"

"تم ایک خون آشام جال میں گھرے ہوئے ہو۔ گزرتے ہوئے ہر لمحے کے ساتھ خطرات گمبھیر ہوتے جا رہے ہیں۔ اس وقت اپنی ساری توجہ اپنی واپسی پر مرکوز رکھو۔ حالات ساز گار رہے تو تمہیں جلد ہی چیف سمیت ہر ایک سے ملنے کا موقع مل جائے گا.... اوور!"

"اس درد مندی کے لیے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ اوور!" میں جذبات سے مغلوب آواز میں اس سے آگے نہ بول سکا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے کہے ہوئے چند پُر خلوص جملوں نے میرے دل کے نہ جانے کون سے تار چھیڑ دیے تھے۔ میرا دل اس کے لیے واقعی ممنونیت کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ اس نے کبھی مجھے دیکھا تھا نہ مجھ سے ملا تھا پھر بھی وہ میری سلامتی کے لیے فکر مند تھا۔ ہم دونوں کے جذبات کم و بیش یکساں تھے کیونکہ ہمارا مقصد ایک تھا۔ اس وقت ہم دونوں وطن کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ اطمینان سے اپنے دیس کی پُر سکون فضاؤں میں بیٹھا ہوا تھا اور میں دشمن کی سرزمین پر اپنی بقا کے لیے جدوجہد کر رہا تھا۔ مقصد کی یکسانیت نے ہم دونوں کو لمحہ بھر میں ایک مضبوط اور نہ ٹوٹنے والے رشتے سے منسلک کر دیا تھا۔

"اب اپریٹس بنگو کو دے دو۔ میں اس سے بات کر لوں اوور!" میرے کان میں بی ایل تھری کی آواز آئی۔

بنگو اس وقت بھی کمرے سے باہر تھا لیکن احاطے میں ایسی جگہ کھڑا ہوا تھا جہاں میں اسے دیکھ سکتا تھا۔ میں نے بے تابی سے ہاتھ ہلا کر اسے اشارہ کیا اور وہ تقریباً دوڑتا ہوا کمرے میں آ گیا۔ اس بار وہ مجھ سے اپریٹس لے کر کمرے سے باہر نہیں گیا۔

"میں پوری کوشش کروں گا لیکن یہ بتا دوں کہ اندھیرا پھیلنے سے پہلے میں یہاں سے نہیں نکلوں گا۔" بنگو نے چند لمحوں تک بی ایل تھری کی بات سننے کے بعد کہا "رات کا اندھیرا ایسے کاموں کے لیے مہربان اور مددگار ثابت ہوتا ہے۔ دن کے اجالے میں ہر طرف خطرات ہی خطرات منڈلاتے رہتے ہیں۔ اوور!"

اس کے بعد وہ زیادہ تر دوسری طرف کی باتیں سنتا رہا اور درمیان میں مختصر جواب دیتا رہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں نو بجے کے قریب زیرو پوائنٹ پر پہنچنے کی پوری کوشش کروں گا اوور!" آخر میں اس نے کہا اور وہ کال منقطع کر دی گئی۔

"کیا تم سرحد پار کرنے سے پہلے یہ اپریٹس ضرور استعمال کرتے ہو؟" میں نے بنگو سے پوچھا۔ اسے اپریٹس پر آئی بی کے کسی اہل کار سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھ کر اس کی ذات میں میرے اعتماد میں قابل قدر اضافہ ہوا تھا۔

"میں دوسروں کے لیے مال لاتا یا لے جاتا ہوں تو سب کچھ میری صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "ماسٹر کے کاموں کے لیے پلان بنانا پڑتا ہے۔"

"تم کو معلوم ہے کہ ماسٹر کون ہے اور کیا کرتا ہے۔" میں نے اسے ٹٹولنے کے لیے دھیمی آواز میں سوال کیا۔

"پیسے پورے اور بروقت ملتے رہیں تو کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ میرا اندازہ ہے کہ چیف اپنے آدمی یہاں جاسوسی کے لیے بھیجتا ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ لوگ صرف دو کاموں کے لیے کوئی بھی سرحد پار کرتے ہیں۔ جاسوسی یا پھر اسمگلنگ۔"

"ہم لوگ اسمگلر بھی ہو سکتے ہیں۔" میں نے شوشا چھوڑا۔

"مظہر خان! میں اتنا نادان نہیں ہوں۔" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "اسمگلر خالی ہاتھ کبھی سفر نہیں کرتے۔ ہر پھیرے میں لمبا مال اِدھر اُدھر کرتے ہیں۔ تم لوگوں کے لیے میں نے آج تک کوئی کھیپ نہیں نکالی۔ ان باتوں کو رہنے دو اور اپنے کام سے کام رکھو۔"

وہ بے خبری میں جلال کا آلہ کار نہیں بنا ہوا تھا۔ اس موضوع پر بنگو سے مزید گفتگو کیے بغیر میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ جو کچھ کر رہا تھا' سوچ سمجھ کر کر رہا تھا۔ وہ ایک جگہ ٹک کر' محنت سے کوئی کام کرنے کا عادی نہیں تھا۔ ہر وقت آسانی سے پیسوں کے حصول کے چکر میں لگا رہتا تھا کیونکہ اس نے اپنے اخراجات بہت زیادہ بڑھائے ہوئے تھے۔ بظاہر وہ اکیلا تھا' اس کا وہ ٹھکانا بے سروسامانی کا شاہکار تھا مگر میرا دل کہتا تھا کہ بنگو جیسا عیاش طبع شخص اپنے شب و روز بدبو میں گندھے ہوئے اس اجاڑ احاطے میں نہیں گزار سکتا تھا۔

وہ اس احاطے کو اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کے لیے ایک اڈے کے طور پر استعمال کرتا تھا اور ہم جیسے مہمانوں کو بھی اس سے آگے نہیں لے جاتا تھا۔ اس کی زندگی کا ذاتی روپ کہیں زیادہ حسین اور رنگین ہونا چاہیے تھا۔ بنیادی طور پر وہ ایک عیاش طبع آدمی تھا جو خوب صورت عورتوں' شراب اور جوئے کا رسیا تھا۔ وہ تینوں شوق ایسے تھے کہ انہیں پورا کرنے کے لیے قارون کا خزانہ بھی کم پڑ سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ناجائز ذرائع سے بھاری رقوم کمانے کے باوجود تنگ دستی کے عذاب میں مبتلا نظر آتا تھا۔

اس نے اپنے لیے زندگی کی جن راہوں کا انتخاب کیا تھا' وہاں کردار اور ضمیر کا کوئی دخل نہیں تھا۔ وہ ہر اعتبار سے ایک گھٹیا اور خود غرض آدمی تھا جو اپنے مفاد کے لیے اپنی ذات اور اپنے وطن سمیت سب کچھ بیچ سکتا تھا لیکن روز مرہ کی زندگی میں اس کی کوئی نہ کوئی افادیت بہرحال تھی۔ وہ کسی اور کے نہیں تو میرے اور جلال کے کام آ رہا تھا۔ امرتسر کے نواحی علاقوں کے اسمگلروں کی خدمت کر رہا تھا اور اپنی آمدنی سے نہ جانے کس کس کے روزگار کا وسیلہ بنا ہوا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے پورا یقین تھا کہ وہ دہری زندگی گزار رہا تھا۔ تیسرے درجے کے بدمعاش کے طور پر وہ اجاڑ احاطہ اس کا مسکن تھا۔ فرصت کے لمحات وہ یقینی طور پر کسی آراستہ عشرت کدے میں گزارتا ہوگا جہاں اسے زندگی کی ساری آسائشیں دستیاب تھیں۔

"بی ایل تھری نے بتایا ہے کہ تم مجھے مال دو گے۔" مجھے خاموش پاکر بنگو نے ٹوکا۔ غزالہ اپنا بیگ کرسی پر چھوڑ کر کمرے سے جاچکی تھی۔

"تمہارے حساب سے دو آدمیوں کے دس ہزار روپے ہوتے ہیں۔ ہمیں لانے کے لیے تم نے پانچ ہزار فی کس لیے تھے۔" میں نے کہا۔

"میں نے اس پھیرے کے پندرہ ہزار لیے تھے۔ تم سے بھی وہی لوں گا۔" اس نے سگریٹ سلگا کر جواب دیا۔

"دس ہزار تو تم نے اپنی رہائی کے لیے دیے اور پانچ ہزار بی ایس ایف والوں کو دو گے۔ پندرہ ہزار کا نقصان مجھ سے پورا کرنا چاہ رہے ہو!"

"نقصان تمہارے سامنے ہے۔ قسمت سے تم آگئے ہو تو مجھے سودا کرنے کا پورا حق ہے۔"

"اور اگر میں تمہیں پیشگی کچھ بھی نہ دے سکوں تو تمہارا جواب کیا ہوگا؟ تم ہمارا کام کرو گے؟" میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"بنگو کام سے کبھی انکار نہیں کرتا۔ آگے آمدنی کی امید ہو تو میں کسی سے قرض لے کر بھی اپنا کام چلا سکتا ہوں۔"

"بس' تو پھر ماسٹر ہی تمہارا معاوضہ طے کرے گا اور ادائیگی بھی وہی کرے گا۔" میں نے اسے آزمانے کے لیے کہہ ڈالا۔

وہ پُراعتماد انداز میں ہنسا اور بولا "ٹھیک ہے۔ تم نہیں جانتے کہ ماسٹر کتنا دریا دل آدمی ہے۔ میں اسے اپنی پریشانی کے بارے میں بتاؤں گا تو وہ مجھے پندرہ کیا' بیس ہزار دے دے گا۔ وہ مرد کا بچہ ہے۔ اسے کام کی فکر ہوتی ہے۔ وہ پیسے کی پروا نہیں کرتا۔"

"تم پیسے کی بات اسی سے کرلینا۔ اب تم پک اپ واپس لانے کی تیاری کرو۔" میں نے کہا۔

"پانچ ہزار کے لیے مجھے نہ جانے کس کس کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ بی ایل تھری کی باتوں سے پتا چل رہا تھا کہ تم میری طرح کنگلے نہیں ہو۔ مجھے کم سے کم پانچ ہزار تو دے دو تاکہ میں اپنے منحوس دوستوں کا منہ دیکھنے سے بچ جاؤں۔ پیسے مل جائیں تو میرا وقت بھی بچے گا۔"

میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا پھر بریف کیس اپنی گود میں رکھ کر کھول لیا۔

میں نے ہزار کے نوٹوں والی گڈی سے گن کر پہلے پانچ ہزار اور پھر پندرہ نوٹ الگ کرلیے۔ بنگو اپنی ذات میں جیسا بھی تھا۔ ہمارے لیے اپنے ملک اور قوم کو بھولے بیٹھا تھا۔ اس نے ہماری خاطر اپنے ملک سے جو غداری کی تھی' اسے اس کا انعام ملنا چاہیے تھا۔

میں نے بریف کیس بند کرکے پندرہ ہزار روپے اس کی طرف بڑھا دیے۔

نوٹ گنے بغیر ہی اسے رقم کا اندازہ ہوگیا۔ اس نے اپنی جگہ چھوڑ کر بے اختیار میرا ہاتھ چوم لیا۔ اس کی آنکھوں میں یکایک ایک چمک پیدا ہوچکی تھی۔ "تم بھی دیوی کے اوتار معلوم ہوتے ہو۔" وہ نوٹوں کو چومتے ہوئے مسرت آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا "آج مجھے یقین ہوگیا کہ سخی کا دوست سخی ہوتا ہے اور سوم کا سوم۔ تم آڑے وقت پر میرے کام آئے ہو۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ میری دعا ہے کہ تم سدا کامیاب اور کامران رہو۔"

بظاہر وہ اس کی خوشامدانہ باتیں تھیں لیکن مجھے اندازہ تھا کہ وہ ایک ایک لفظ اپنے دل سے ادا کررہا تھا۔

"میری واپسی تک تم دونوں یہیں رہو۔ میں پک اپ نکلوانے کے بعد گودام میں مال اتاروں گا۔ واپسی پر تمہارے لیے کھانے پینے کا کچھ سامان لے کر آؤں گا۔ مجھے ایک ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔" اس نے میرے دیے ہوئے نوٹ احتیاط سے اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

باتھ روم سے غزالہ کی واپسی سے پہلے وہ عجلت میں وہاں سے روانہ ہوگیا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اس کی مال سے لدی ہوئی ایک پک اپ زیادہ دیر تک بی ایس ایف والوں کے قبضے میں رہی تو چوری ہوتے ہوتے اس کا آدھا مال غائب ہوجائے گا۔

اسے رخصت کرکے میں دوبارہ کمرے میں آگیا۔ احاطے میں پھیلی ہوئی سورج کی تیز روشنی دھیرے دھیرے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کھلے ہوئے دروازے سے باہر تیز دھوپ اور دھول میں اٹا ہوا احاطہ دیکھ کر یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میں کسی کھلے میدان میں سایہ دار جگہ پر بیٹھا ہوا ہوں۔ میں نے دروازے کے پٹ بند کردیے۔

تھوڑی دیر بعد غزالہ بھی لوٹ آئی۔ اس کے بال نم تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم صبح ہوٹل میں نہائی تھیں تو یہاں دوبارہ غسل کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔" میں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"مجھے بنگو کے قرب سے وحشت ہو رہی تھی اس لیے میں کمرا چھوڑ کر غسل خانے میں چلی گئی۔ یہ مجھے گھناؤنا آدمی معلوم ہوتا ہے۔" غزالہ نے اپنے گیلے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔

"اور مجھے اس پر پیار آرہا ہے۔ اس وقت وہی ہماری واپسی کی کلید ہے۔"

"کلید ضرور ہے مگر بھدی اور کریہہ ہے۔" وہ ہنس کر بولی "اس سے کب تک ہمارا پیچھا چھوٹے گا۔"

"وہ اپنی پک اپ کے مسئلے سے نمٹ لے تو پورا دن اسی کے ساتھ گزرے گا۔ رات بلکہ شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہماری روانگی قرین مصلحت نہیں ہوگی۔"

"بی ایل تھری بنگو کے بارے میں کیا بتا رہا تھا۔" غزالہ اپنے بال سمیٹ کر بستر پر میرے قریب بیٹھ گئی۔

"آئی بی والے اس پر آنکھیں بند کر کے بھروسا کرتے ہیں۔ انہیں اس کی وفاداری پر ذرا بھی شبہ ہوتا تو اسے اپریٹس نہ دیا جاتا۔"

"اور رقم کا کیا بنا؟ وہ پیسوں کے لیے سخت پریشان تھا۔"

"میں نے پندرہ ہزار روپے دے دیے۔ وہ خوشی سے نہال ہو گیا۔" میں نے بتایا۔

"اب یہ بوجھ بھی آپ کے سر آگیا۔ پندرہ ہزار روپے کم نہیں ہوتے۔ ہمارا یہ خرچ آئی بی کو ادا کرنا چاہیے تھا۔"

"بعض اوقات تم بہت چھوٹی باتیں سوچنے لگتی ہو۔ میں چاہوں تو جلال سے لاکھوں روپے لے سکتا ہوں۔ وہ منہ نہیں موڑے گا۔ تم کو یاد نہیں کہ رستم والے قصے میں، میں نے اپنے پاس سے جو خطیر رقم ادا کی تھی، وہ اول خان سے ایک چیک کی صورت میں واپس مل گئی تھی۔"

"اول خان کی اور بات ہے۔ جلال کے بارے میں مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے۔"

"رقم جلال ہی دیتا۔ میں نے یہ ادائیگی بنگو کی خوشنودی کے لیے کی ہے۔ اب وہ دل و جان سے ہمارے لیے کام کرے گا۔ تم کو اندازہ نہیں ہے کہ اس وقت میں کیسے ذہنی کرب سے گزر رہا ہوں۔ یہاں ہمارا ایک ایک لمحہ خوف میں گزر رہا ہے۔ پتا نہیں ہمارے دشمنوں کو کب مظہر خان کا خیال آجائے۔"

"آپ بلاوجہ اتنا سنجیدہ ہو رہے ہیں۔ میں نے سرسری طور پر ایک بات کہہ دی تھی۔ ویسے بھی گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم بہت خطیر تھی۔ شاہانہ خرچوں کے باوجود اس میں کوئی نمایاں کمی نہیں ہوئی ہے۔"

"شاید وہی میری زندگی کا یادگار موڑ تھا۔ وسائل کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ کمانے کی فکر نہ ہو تو ہر شخص بہت بڑے کارنامے سرانجام دے سکتا ہے۔"

"ہر شخص والی بات بالکل غلط ہے۔" اس نے مسکرا کر اعتراض کیا "دنیا میں لاکھوں کروڑ پتی ہیں لیکن وہ دن رات ارب پتی بننے کے چکر میں لگے ہوئے ہیں۔ کسی کو ملک اور قوم کا درد محسوس نہیں ہوتا۔ کارناموں کا تعلق نیت اور حوصلے سے ہوتا ہے۔"

"میں نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ اس کی بات بڑی حد تک درست تھی۔ انسان کے کچھ بننے یا کچھ بھی نہ بننے کا انحصار اس کی نیت اور ارادوں پر ہوتا ہے۔ بنگو کی مثال ہمارے سامنے تھی۔ وہ منصوبہ بندی، سازشوں اور جوڑ توڑ میں مہارت رکھتا تھا۔ محض اپنے ان خواص کی بنا پر وہ ایک کامیاب ترین سیکرٹ ایجنٹ بن سکتا تھا لیکن اس کی وہ سوچ ہی نہیں تھی۔ وہ سہل پسند اور کاہل آدمی تھا۔ کسی پر خطر پیشے میں جانے کے بجائے ذلتوں کی دلدل میں جا گرا تھا۔

اس امر میں کوئی کلام نہیں تھا کہ میرے دل میں اس کے لیے احترام کے جذبات پیدا ہو چکے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ ہماری دشمن قوم کا فرد ہونے کے باوجود ہمارا ہمدرد اور خیر خواہ تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ آخر کار انتہائی ذلت کی موت مارا جائے گا۔ اس کے کرتوتوں پر اس کا کوئی ہم نسب فخر نہیں کر سکتا تھا۔

جب تک بی ایل تھری سے رابطہ نہیں ہوا تھا، میں اپنے سفر کے بارے میں بہت سے تحفظات کا شکار تھا۔

دو پڑوسی ملکوں کے درمیان خوش گوار تعلقات ہوں تو سرحدی پٹی پر مامور نگرانوں اور فوجیوں کی زندگی بہت خوش گوار ہو جاتی ہے۔ وہ شہری پولیس کے انداز میں اپنی گشتی ڈیوٹیاں انجام دیتے ہیں اور پکنک جیسے رنگا رنگ ماحول میں اپنے شب و روز گزارتے ہیں لیکن جب دونوں طرف مخاصمانہ جذبات عروج پر ہوں تو یہ ماحول انتہائی کشیدہ اور خون آشام ہو جاتا ہے۔

پاکستان اور بھارت کے درمیان ایسی سرحدی تلخیاں شاید کبھی بھی کم نہیں ہو سکی تھیں۔ دونوں سرحدوں کے محافظ دن رات حالتِ جنگ میں رہنے کے عادی تھے اور پتا کھڑکتے ہی شاید بھڑک کر فائرنگ شروع کر دیتے تھے۔ ہمیں امرتسر سے لاہور پہنچنے کے لیے پہلے بھارت اور پھر پاکستان کے خطرناک فوجی علاقوں سے گزرنا تھا۔ اگر بنگو سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندازے کی کوئی سنگین غلطی نہ ہوتی تو وہ ہمیں آسانی کے ساتھ بھارتی فوجیوں سے بچالے جاتا۔ وہ انہیں جل دینے کے طریقوں سے واقف تھا اور ان سے لین دین کرنے کے گر سے بھی واقف تھا۔ پاکستانی علاقے میں اس کی یہ برتری ختم ہوجاتی کیونکہ وہ اس کے لیے اجنبی ملک تھا۔

اگر وہ کسی پیشگی بندوبست کے بغیر پاکستان کی سرحد عبور کرنے کی کوشش کرتا تو کہیں بھی پاکستانی فوجیوں کے نرغے میں آسکتا تھا۔ وہ اسے للکارتے اور وہ فرار ہونے کی کوشش کرتا جس کا نتیجہ بارودی آگ کی برسات کی صورت میں برآمد ہوسکتا تھا۔ میرے لیے یہ تصور سوہانِ روح تھا کہ دشمن کی سرحد پار کرنے کے بعد ہم اپنی زمین پر اپنے ہی رکھوالوں کی گولیوں کا نشانہ نہ بن جائیں۔ بی ایل تھری سے بنگو کی تفصیلی بات ہونے کی بعد مجھے یہ اطمینان ہوچکا تھا کہ پاکستان کے ایک ذمے دار افسر کو ہمارے پروگرام کا علم ہوچکا تھا۔ اس کی متوقع پیش بندیوں کی وجہ سے حادثاتی طور پر ہمارے مارے جانے کے اندوہناک امکانات ختم ہوگئے تھے۔

"جب سے بنگو نے دہلی میں پانچ چھ افسروں کے قتل کی افواہ سنائی ہے۔ مجھے عابد اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے تشویش ہورہی ہے۔" غزالہ نے کمرے میں چھایا ہوا سکوت توڑا "بعض اوقات ضرورت سے زیادہ پُرجوش ہونا مہلک ثابت ہوتا ہے۔"

میں دھیرے سے ہنس پڑا اور چونک کر بولا "میں اس بارے میں تم سے بات کرنا بھول ہی گیا تھا۔ بی ایل تھری نے تصدیق کی ہے کہ دہلی میں صرف دو آدمی مارے گئے ہیں۔ وہ انل اور نریش ہی ہوسکتے ہیں۔"

غزالہ کا چہرہ کھل اٹھا "میں اس وقت اسی نکتے پر سوچ جارہی تھی۔ ذہن میں ایک خیال یہ بھی آرہا تھا کہ کہیں بے ہوش کیے جانے والوں میں سے تین چار ڈوز کی زیادتی کی وجہ سے نہ چل بسے ہوں۔ یہ بات آپ نے بنگو کو بھی نہیں بتائی۔"

"اس کے لیے دو یا چھ کے مرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" میں نے کہا "ویسے بھی وہ باہر کا آدمی ہے۔ اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ جلال اور اس کے ساتھی دہلی کے معاملات میں اتنی گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ تم اپریٹس پر دنے والی دو طرفہ باتیں سن رہی تھیں۔ حیرت ہے کہ تم نے دہلی میں دو مہروں کے پٹنے کی بات نہیں سنی۔"

"اس وقت میری توجہ بنگو پر مرکوز تھی جو اپریٹس آپ کے حوالے کرتے ہی سر جھکا کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی سمجھ داری سے کام لے گا۔"

بنگو سے ملاقات اور پھر بی ایل تھری سے بات ہونے کے بعد ہمارے ذہنوں میں واپسی کا ایک واضح نقشہ ترتیب پاچکا تھا۔ ہم دونوں بنگو کی واپسی کے انتظار میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس وقت تک باہر سے کوئی بھی مخل نہیں ہوا تھا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے بنگو آس پاس رہنے والوں سے کوئی میل جول نہیں رکھتا تھا۔

وہ اپنے وعدے کے مطابق سوا گھنٹے میں لوٹ آیا۔ احاطے میں اس کی گاڑی کے انجن کی آواز سن کر میں نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ

اصل وجہ

مغرب میں بعض دکانوں پر لگے ہوئے بورڈز کے مضامین قابل غور بھی ہوتے ہیں اور قابل داد بھی۔ ایک دکان جس پر ان خواتین کی ضرورت کا سامان ملتا تھا جو ماں بننے والی تھیں.... اس پر بورڈ لگا تھا۔

"بہتر تو یہی تھا کہ اس رات آپ ٹی وی ہی دیکھتی رہتیں۔"

ایک دکان پر لکھا تھا "خواتین کے لیے یہاں پر ہر چیز دستیاب ہے.... سوائے مردوں کے۔"

جوتوں کی ایک دکان پر لکھا تھا "اندر آیئے.... جوتا حاضر ہے۔"

فرانس میں ایک دکان پر لکھا تھا "یہاں انگریزی اور فرانسیسی بولی جاتی ہے اور کیش زبان سمجھی جاتی ہے۔"

ایک نرسری پر لکھا تھا "ہمارے ہاں کے پودے بہت تیزی سے بڑھتے ہیں۔ بس پانی دیجیے اور چھاؤں میں بیٹھ جایئے۔"

نیویارک کے باہر ایک بورڈ لگا تھا "اب آپ نیویارک سے نکل رہے ہیں۔ سانس لینا شروع کردیجیے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پک اپ کے بجائے اسی گاڑی سے واپس آیا تھا جس میں ہمیں اس اڈے تک لایا تھا۔

وہ اپنے ہاتھ میں کئی اخبارات لیے گاڑی سے برآمد ہوا اور ہاتھ لہراتا ہوا ہماری طرف چلا آیا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں وزنی شاپنگ بیگ تھا۔

"دہلی میں صرف دو افسر مارے گئے ہیں۔" اس نے اخبار میری طرف بڑھاتے ہوئے اس انداز میں اعلان کیا جیسے چھ کے بجائے محض دو افراد کے قتل کی خبر سے اسے مایوسی ہوئی ہو۔ "میں تمہارے لیے شام کے انگریزی اخبار لے آیا ہوں۔"

میں نے ہندی اخباروں میں سے چار صفحوں کا انگریزی اخبار الگ کیا۔ اس کی شہ سرخی میں میری اصل عرفیت موجود تھی۔

اس اخبار نے اپنے قارئین میں سنسنی پھیلانے کے لیے قاتل ڈینی دہلی میں' کی سرخی جمائی تھی۔ میں نے کھڑے کھڑے وہ خبر پڑھنی شروع کردی۔ غزالہ متجسس انداز میں میرے ساتھ آکھڑی ہوئی تھی۔

میرے تعارف کے لیے اخبار نے پاکستانی ایجنسیوں کے پالے پوسے ہوئے سفّاک قاتل کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ صبح سات بجے انل بسواس کی لاش دریافت ہوئی تھی۔ اس کے پندرہ منٹ بعد یہ خبر آئی کہ نریش بھی اسی رات موت کے گھاٹ اتارا جاچکا تھا۔

بھارتی سرجنوں نے میری توقع سے کہیں زیادہ تیزی دکھائی تھی اور دونوں لاشیں دریافت ہونے کے ایک گھنٹے میں یہ نتیجہ اخذ کرلیا تھا کہ نریش کمار کی موت لیزر شعاعوں کے ذریعے اس کے دل میں ہونے والے سوراخ کی وجہ سے ہوئی تھی۔ خبر میں بیم گن کے لیے لیزر گن کی اصطلاح استعمال کی گئی تھی۔ را کے ذمے دار افسروں کا کہنا تھا کہ وہ جدید ترین اور مہلک ہتھیار ڈینی کی خاص پہچان بنا ہوا تھا۔ نریش کے قتل میں لیزر گن کا استعمال اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ خطرناک پاکستانی دہشت گردوں کے بھارت میں گھس آنے کی خبریں درست تھیں۔ ڈینی اپنے گروہ کے ساتھ دہلی میں موجود تھا اور خاموشی سے را کے مفادات کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے میں مصروف تھا۔

خبر میں دہلی کی انتظامیہ کو ملامت کی گئی تھی کہ ہوٹلوں کی کڑی چھان بین اور پاکستانیوں کی جانچ پڑتال کے باوجود وہ ڈینی جیسے مجرم کا سراغ لگانے میں بری طرح ناکام رہی تھی اور دہلی میں مرکزی حکومت کی ناک کے نیچے دہشت گردی کے واقعات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔

اخباری نمائندے کے مطابق یہ نتیجہ بھی اخذ کرلیا گیا تھا کہ اگر نریش کو مارنے کے لیے لیزر شعاعیں استعمال نہ کی گئی ہوتیں تو دہلی میں کسی کو علم نہ ہوتا کہ ڈینی اپنے مخصوص اہداف لے کر دہلی پہنچا ہوا ہے۔

دہلی پولیس کے ایک بڑے افسر نے اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی استدعا کے ساتھ یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ایک قتل میں ڈینی نے دانستہ لیزر گن استعمال کی تھی تاکہ اس طرح وہ دہلی میں اپنی موجودگی کا اعلان کرکے اعلیٰ سرکاری افسروں میں خوف و ہراس کی لہر دوڑا سکے۔

سانپ نکل چکا تھا اور دہلی کی انتظامیہ لکیر پیٹنے میں مصروف تھی۔ ڈینی کی بربریت کا متوقع نشانہ بننے والے سرکاری افسروں اور سرکردہ لیڈروں کے لیے فوری طور پر مسلح محافظوں کی ٹکڑیاں مامور کردی گئی تھیں اور دہلی کے اہم سرکاری علاقوں میں جنگ کا سا سماں نظر آنے لگا تھا۔

اخبار میں ایک طرف میری موجودگی کا اعلان تھا۔ دوسری طرف دہلی میں بڑے پیمانے پر پکڑ دھکڑ اور چھاپوں کی اطلاعات تھیں۔ سارے جرائم میرے سر تھوپ دیے گئے تھے اس لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ ساری کارروائیاں دہلی کے مسلمانوں کے خلاف نہیں تھیں مگر اخبار میں اس بدترین مذہبی امتیاز کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔

میں نے بہت غور سے اخبار کے چاروں صفحے دیکھ ڈالے لیکن مجھے کہیں بھی مظہر خان اور غزالہ کے نام نظر نہیں آئے۔ شہر میں ایک نامور مجرم کی موجودگی کے ہراس میں مبتلا ہوکر اعلیٰ افسروں نے چھوٹے موٹے مشتبہ افراد کو یکسر نظر انداز کردیا تھا۔

وہ قدرت کی طرف سے ایک غیبی تائید تھی۔ اشارے مل رہے تھے کہ ہم دونوں کو حفاظت کے ساتھ امرتسر بلکہ بھارت سے نکل جانے کی مہلت مل چکی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ جوں ہی کسی افسر کو یہ خیال آگیا کہ ڈینی کسی غیر معروف روپ میں دہلی کی عام آبادی میں روپوش ہے تو سب سے پہلے مظہر خان کا نام اس کی توجہ کا مرکز بنے گا اور پھر ہر طرف اسی نام کا شہرہ ہوجائے گا۔ میں نے اخبار ختم کرکے ایک طرف ڈال دیا۔

"یہ سالا ڈینی بھی کوئی چھلاوا لگتا ہے۔" بنگو نے بدمزگی سے کہا "اخبار والوں نے اسے بلاوجہ ہیرو بنایا ہوا ہے۔ ہر دو چار مہینے بعد اس کے نام کی سرخیاں لگتی ہی لگتی ہیں۔ کبھی وہ پاکستان میں ہمارے آدمی مار دیتا ہے' کبھی امریکا میں ان کا پیچھا کرتا ہے اور اب تو حد ہوگئی کہ وہ دہلی میں دندنا رہا ہے اور اسے پکڑ کر اس کا سر کچلنے کے بجائے اس کے نام سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شریف لوگوں کو ڈرایا جارہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے پولیس، را اور سی آئی ڈی میں سب نامرد ہوگئے ہیں۔"

"یہ سب سرکاری افسروں کا ڈراما ہے۔" غزالہ نے وثوق سے اسے مزید گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "وہ اپنی کھال بچانے کے لیے ایسے نام اور کردار گھڑتے رہتے ہیں تاکہ ہر ٹیڑھا جرم اس کے سر ڈال کر آرام سے بیٹھے رہیں اور کوئی ان سے بازپرس نہ کرے۔ تم میری بات لکھ لو کہ وہ کبھی ڈینی کو نہیں پکڑ سکیں گے۔"

"بھاڑ میں ڈالو ڈینی کو۔ اپنی پیٹ پوجا کی فکر کرو۔" اس نے اپنے لائے ہوئے شاپنگ بیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "کھانا ٹھنڈا ہوجائے گا۔"

بنگو احاطے میں بنے ہوئے باورچی خانے سے پلیٹیں لے آیا۔ غزالہ نے کھانا نکالا اور جس کو جہاں جگہ ملی اس نے وہیں بیٹھ کر اپنی شکم پری شروع کردی۔

"یہ بہت اچھا ہوا کہ تم ڈینی ڈراما شروع ہونے سے پہلے دہلی سے نکل آئے۔" بنگو نے لقمہ چباتے ہوئے کہا "پولیس والے اب مسلمانوں کا دہلی سے نکلنا مشکل کردیں گے اور تم دونوں صرف مسلمان نہیں، پاکستانی بھی ہو۔ وہ تمہارے کپڑے تک اتروا دیتے۔"

"ہمیں ڈینی اور اس کے چکروں سے کیا لینا۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا "تم آج ہمیں یہاں سے نکال دو پھر جو ہوتا ہے، ہوتا رہے۔"

"سب اُلّو کے پٹھے ہیں۔" بنگو اس ذکر میں دلچسپی لے رہا تھا "میری بات لکھ لو کہ کسی اور نے لیزر گن استعمال کرکے ڈینی کو مروانے کی کوشش کی ہے۔ دنیا کا کوئی مجرم اتنا بے وقوف نہیں ہوتا کہ واردات کے بعد اپنے خلاف کوئی کھلا ثبوت بھی چھوڑ دے۔"

"پھر تمہاری دانست میں یہ حرکت کس کی ہوسکتی ہے؟" میں نے اسے اکسایا۔

"لیزر گن، انفرا ریڈ چشمے اور دوربینیں پہلے فلموں میں دکھائی جاتی تھیں اب سنا ہے کہ امریکا میں عام ہیں۔ ڈینی کے پاس ایک گن ہوگی۔ سی آئی اے والے چاہیں تو سو گنیں لاسکتے ہیں یہ ان ہی کی حرکت ہوسکتی ہے۔ وہ پکے حرامی ہیں۔"

"وہ را کے افسروں کو کیوں ماریں گے؟ ان سے سی آئی اے کی گہری دوستی ہے۔"

"امریکی کسی کے دوست نہیں ہوتے۔ وہ اپنے مطلب کے لیے دوستی کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ انل بسواس اور نریش نے سی آئی اے والوں کا کوئی حکم ماننے سے انکار کیا ہو اور انہوں نے دونوں کو اس طرح مروا دیا کہ الزام ان کے سر نہ آئے۔ تمہیں پورے اخبار میں کہیں سی آئی اے کا نام نہیں ملے گا۔"

"تم بلاوجہ ان باتوں میں اپنا سر کھپا رہے ہو۔" غزالہ نے اس کی جذباتی اور احمقانہ تاویل پر کہا "یہ بتاؤ کہ تمہاری پک اپ کہاں ہے۔"

"تیئیس ہزار میں سودا بن گیا۔" اس نے فخر سے بتایا "میری جیب گرم تھی۔ میں نے دو ہزار توڑ لیے۔ نوٹ دیکھ کر بی ایس ایف کے کرنل کی رال ٹپکنے لگی تھی۔ گاڑی گودام میں خالی ہورہی تھی ہے۔ میرا آدمی اسے لے آئے گا۔ میں تم دونوں کی وجہ سے جلدی لوٹ آیا۔"

"تمہارا آدمی پک اپ لے کر یہاں آئے گا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"پھر اور کہاں جائے گا۔ میرے پاس گاڑیاں کھڑی کرنے کے لیے یہی ایک جگہ ہے۔" اس نے شانے اچکا کے جواب دیا۔

"جب تک ہم دونوں یہاں ہیں، اپنے آدمیوں کو دور رکھو۔ ہم کسی کے سامنے آنا پسند نہیں کریں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ کوئی کمرے میں نہیں آئے گا۔ باہر سے گاڑی چھوڑ کر چلا جائے گا۔ ضرورت ہوئی تو میں باہر جاکر اس سے مل لوں گا۔" بنگو نے تسلی دی۔

"کیا رات کو ہمیں اسی پک اپ سے سفر کرنا پڑے گا؟" غزالہ نے منہ بنا کر پوچھا۔

"مجبوری ہے۔ ایسے کاموں کے لیے میرے پاس وہی ایک گاڑی ہے۔" بنگو نے بے چارگی سے کہا "اس سفر میں

مکالمے

○... ایک صاحب نے ایک نہایت خوب صورت لڑکی کو دفتر میں ملازم رکھتے ہوئے کہا "جب تم یہاں دوسرے کارکنوں کی تیز تیز سانسوں کی آوازیں سننے کی عادی ہوجاؤ گی تو پھر تمہیں کام میں زیادہ دشواری محسوس نہیں ہوگی۔"

○... ایک خاتون ایک صاحب سے کہہ رہی تھیں "اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ایک نہایت رومینٹک شوہر ہیں لیکن اس وقت آپ غلط اپارٹمنٹ میں آگئے ہیں..."

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہیں بے آرامی تو ہوگی مگر پیچھے کے لوہے کے کیبن کی وجہ سے وہ محفوظ ہے۔ سفر بھی زیادہ لمبا نہیں ہے۔"

"پرسوں تم پکڑے گئے تھے۔ ایسا نہ ہو کہ آج پھر دھر لیے جاؤ۔" میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"آج تو میں نئی شان کے ساتھ جاؤں گا۔" اس نے اپنا سینہ پھلا کے کہا "پک اپ کا سودا ہونے کی وجہ سے کرنل سے میری دوستی ہوگئی ہے۔ رات کی راہ داری کے لیے میں نے اسے ہزار روپے دے دیے ہیں۔ اس کی ایک گاڑی ہمیں سرحد تک پہنچائے گی۔ بی ایس ایف والے مال بنانے کے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

"تم نے اسے بتا دیا ہے کہ آج تم دو آدمیوں کو سرحد پار لے جا رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"گاڑی لے جانے کی بات ہوئی ہے۔ اب یہ میری مرضی ہے کہ اسے خالی لے جاؤں یا اس میں ہیروئن بھر لوں۔"

"جانتے ہو کہ منوں ہیروئن کی مالیت کتنی بنتی ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بی ایس ایف والے ہم سے زیادہ کمائیاں ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کروڑوں کا مال لے جانے کے لیے کوئی ایسی چھٹیچر پک اپ استعمال نہیں کرے گا۔ بڑے کاموں میں تیز رفتار والی نئی اور طاقت ور فور وہیل ڈرائیو گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں۔"

"تو کیا تم نے جان بوجھ کر اپنی پک اپ کو خراب حالت میں رکھا ہوا ہے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"کون کہتا ہے کہ میری پک اپ خراب حالت میں ہے" اس نے تیزی سے سوال کیا پھر خود ہی بولنے لگا "اس کا انجن بہت جان دار اور اچھی حالت میں ہے۔ باڈی میں نے کم پیسوں میں بنوائی ہے۔ بارڈر والے مال نہیں دیکھتے، گاڑی دیکھتے ہیں۔ مجھ سے انہوں نے کبھی دو چار ہزار روپے سے زیادہ کی امید نہیں کی۔ لینڈ کروزر ہو تو لاکھوں سے نیچے بات نہیں ہوگی۔ ان سالوں کی ذہنیت بہت خراب ہوتی ہے۔ میں نے تو سوچ لیا ہے کہ کبھی مقدر نے ساتھ دیا تو بھی پھیروں کے لیے گاڑی نہیں بدلوں گا۔ اسی کو ٹھیک ٹھاک کرالوں گا۔"

کھانے اور باتوں سے فارغ ہونے کے بعد بنگو اٹھ گیا۔ "تم دونوں آرام کرو۔ میں برابر والے کمرے میں ہوں، کوئی ضرورت ہو تو بلا لینا۔"

وہ بدمعاش ضرور تھا مگر تہذیب سے یکسر عاری نہیں تھا۔ اس نے ہمارے سروں پر مسلط رہنے کے بجائے کمرے سے ٹل کر نہایت شائستگی کا ثبوت دیا تھا۔

"شام کو دارو پینے کا ارادہ ہو تو میرے کمرے میں آجانا" اس نے دروازے پر رک کر مجھے دعوت دی "آج میں نے تین ولایتی بوتلیں منگوائی ہیں۔ یہاں سے شہنشاہ بن کر سفر پر روانہ ہوں گے۔"

تین بوتلوں اور شہنشاہی کا ذکر سنتے ہی میرا ماتھا ٹھنک گیا اور میں نے سختی سے کہا "بنگو! آج تم شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔ میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ تم اپنی بادشاہی کی ترنگ میں کسی سے الجھ پڑو اور ہمارا سارا پروگرام درہم برہم ہو جائے۔"

وہ رک کر ہنسنے لگا "بس، اتنی سی بات سے ڈر گئے۔ تم نے آج کے کام کے پیشگی پیسے دے کر مجھ پر احسان کیا ہے۔ میں تمہاری بات مان لوں گا۔ شوق کا کیا ہے، وہ واپس لوٹ کر بھی پورا کیا جا سکتا ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم سوکھے مسلمان ہو۔"

میں نے اٹھ کر اندر سے دروازہ بولٹ کیا اور مسہری پر دراز ہوگیا۔ غزالہ مجھ سے پہلے لیٹ چکی تھی۔

بنگو کا لایا ہوا کھانا ذائقے میں لذیذ اور مقدار میں وافر تھا اس لیے میں نے شکم سیر ہو کر کھایا تھا۔ خلوت اور سکون میسر آتے ہی میرے ذہن پر غنودگی طاری ہونے لگی اور میں اونگھتے اونگھتے نیند کی وادیوں میں اتر گیا۔

غزالہ نے جھنجوڑ کر مجھے بیدار کیا تو کمرے میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ باہر دھندلکا گہرا ہوتا جا رہا تھا کیونکہ راہوار مشرق اپنے دن بھر کے سفر کے آخری مرحلے پر تھکے تھکے انداز میں غروب ہو رہا تھا۔

میں نے ہڑبڑا کر مسہری چھوڑی اور کمرے سے نکل کر غسل خانے کی طرف ہولیا۔ بنگو اپنے کمرے کے سامنے، کھلے آسمان تلے کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ اس کی پک اپ واپس آچکی تھی اور اس کے وعدے کے مطابق دور تک کوئی چوتھا متنفس نظر نہیں آرہا تھا۔

میں غسل خانے سے نکلا تو بنگو اپنی کرسی سمیت غائب تھا۔ اس کے روشن کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں اپنے کمرے کے بجائے وہیں چلا گیا۔ وہ کمرا زیادہ صاف اور آراستہ تھا۔ مجھے افسوس ہوا کہ بنگو نے ہم دونوں کو وہاں آرام کرنے کی دعوت نہیں دی۔

بنگو زمانہ شناس آدمی تھا۔ میرے تیور بھانپ گیا اور جلدی سے بولا "میں تم کو یہی کمرا دیتا مگر میں نے سوچا کہ غزالہ برا نہ مان جائے۔ دراصل ان تصویروں کی وجہ سے میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم دونوں کو برابر والے کمرے میں رکھا تھا۔"

اس کے توجہ دلانے پر بات میری سمجھ میں آگئی۔ اس کمرے کی تین دیواروں پر مردوں اور عورتوں کی بڑی بڑی رومانی تصویریں آویزاں تھیں۔ ان رنگین تصاویر کی عریانیت کسی بگڑے ہوئے مرد کے ذوق نظر کی تسکین کا سبب بن سکتی تھی لیکن غزالہ جیسی خانہ دار عورت کے لیے وہ تصویریں خاصی فحش تھیں۔ بنگو نے سوچ سمجھ کر بالکل صحیح فیصلہ کیا تھا۔ مجھے اس بات سے بھی خوشی ہوئی کہ اس کے کمرے کی فضا میں الکحل کی ذرا بھی بو نہیں تھی۔ اس کی منگوائی ہوئی تینوں بوتلیں الماری پر رکھی ہوئی تھیں۔

"اب نکلنے کی تیاری کرو۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہا تو تم دونوں رات کا کھانا لاہور میں کھاؤ گے" کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس نے کہا۔

"ہمیں تیار ہی سمجھو" یہ کہہ کر میں مسکراتا ہوا اس کے کمرے سے نکل گیا۔

ہمیں کسی فیشن شو میں نہیں' اپنے وطن واپس جانا تھا۔ وہ مرحلہ اس قدر اہم تھا کہ اس میں ہماری تیاری کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ہم جیسے اور جس حالت میں تھے' اسی میں سفر پر روانہ ہو سکتے تھے۔ میں نے بال سنوار کر موزے اور جوتے پہنے پھر ہم دونوں اپنے دستی سامان کے ساتھ باہر آگئے۔ میرے آواز لگانے پر بنگو بھی اپنے کمرے کی روشنی گل کر کے باہر آگیا۔ اتنی دیر میں باہر خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں نے احتیاط کے طور پر بیم گن بریف کیس سے نکال کر اپنی جیب میں ڈال لی تھی۔

غسل خانے کی دیوار پر جلتے ہوئے بلب کی روشنی میں بنگو نے دونوں دروازے مقفل کیے اور ہم تینوں پک اپ کی طرف بڑھ گئے۔

وہ دیکھنے میں ہی باربرداری کی بدوضع گاڑی معلوم ہوتی تھی۔ سفر کی ابتدا سے ہی احتیاط ضروری تھی اس لیے ہم دونوں پک اپ کے پچھلے حصے میں سوار ہو گئے اور بنگو نے دروازہ بند کر دیا۔ کھلی فضا کے مقابلے میں اندر گرمی تاریکی تھی۔

چند ثانیوں بعد پک اپ کا انجن تیز غراہٹ کے ساتھ بیدار ہو گیا۔ وین نے وسیع احاطے میں یوٹرن لیا اور پھر ناہموار زمین پر سست روی کے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔ ہمیں جھٹکے لگنے کے اندیشے کی وجہ سے بنگو تیز رفتاری کے جوہر دکھانے سے گریز کر رہا تھا۔

بنگو نے ہمیں ایک ایسے مکان میں رکھا تھا جہاں بھینسوں وغیرہ کے باڑے سے آنے والی بدبو کا راج تھا۔ پک اپ کے عقبی کیبن میں دونوں آہنی دیواروں کے ساتھ لمبی لمبی نشستیں نہ ہوتیں تو وہ بھی مویشیوں کو لانے اور لے جانے کے لیے زیادہ موزوں تھی۔ اس میں عجیب ملی جلی سی بساند رچی ہوئی تھی۔

جب تک وہ پک اپ امرتسر کے بارونق علاقوں سے گزرتی رہی' ہمیں باہر کی آوازیں وغیرہ سنائی دیتی رہیں۔ باڈی کی جھریوں سے چھن کر کیبن میں آنے والی ناکافی روشنی بھی اس گھور اندھیرے میں غنیمت معلوم ہو رہی تھی۔ رونق اور آبادی کے وہ سارے آثار تھوڑی دیر میں ختم ہو گئے۔ مجھے پہلے سے اندازہ تھا کہ کسی ایک سمت میں سفر کیا جائے تو امرتسر کی شہری حدود زیادہ دیر تک ساتھ نہیں دے سکیں گی۔ ویرانے میں پک اپ کافی دیر تک پختہ سڑک پر دوڑتی

سچ بیانی

رفاہی تنظیم کے صدر شہر کے امیر ترین مگر کنجوس ترین شخص کے پاس چندے کی اپیل لے کر پہنچے۔ کروڑپتی نے کہا "آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میری نوے سالہ والدہ پچھلے پانچ سال سے اسپتال میں داخل ہیں۔ میری ایک بیوہ بیٹی جس کے پانچ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں۔ میرے پانچ نکمے بھائی ہیں جنہوں نے لاکھوں کے قرضے سر چڑھا رکھے ہیں.... اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے۔ مدد پہلے اپنوں کی کی جاتی ہے۔"

"اوہ.... مجھے معلوم نہیں تھا' آپ اتنی ذمے داریوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں" رفاہی تنظیم کے صدر نے قدرے شرمندگی سے کہا۔

کروڑپتی نے روانی میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "آپ خود سوچیں کہ جب میں نے ابھی تک ان لوگوں کی کوئی مدد نہیں کی تو آپ کی کیا مدد کروں گا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہی۔ ہم دونوں، آمنے سامنے کی لمبی نشستوں پر، پائپ فائے خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔

"مجھے یہ پورا سفر ایک خواب کی طرح محسوس ہو رہا ہے" کچھ دیر بعد غزالہ نے سکوت توڑا "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہم بھارت جا کر راوالوں کے حلق میں ہاتھ ڈالیں گے اور مختصر سی مدت میں اتنی کامیابیاں حاصل کر کے لوٹ آئیں گے۔"

"خوابوں کے بجائے حقیقت کی دنیا میں رہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ سفر ابھی ختم نہیں ہوا۔ ہم اس کے سب سے خطرناک مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ دعا کرو کہ تھوڑی دیر بعد یہ امتحان خیر و خوبی سے مکمل ہو جائے۔ بھارت کی زمین کا آخری انچ بھی ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"بنگو کی باتیں امید افزا تھیں۔ وہ اس سفر کے لیے بارڈر سیکیورٹی فورس کے کرنل کو ایک ہزار روپے پیشگی دے چکا ہے۔ وہ اسی راہ سے گزرے گا۔ مجھے امید ہے کہ یہ سفر خیر و خوبی سے کٹ جائے گا۔ میں ابھی سے خود کو پاکستان میں محسوس کر رہی ہوں۔"

میں نے اس کی خوش فہمی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میری خواہشات غزالہ سے مختلف نہیں تھیں۔ سب باتیں بھی میرے سامنے تھیں لیکن امرتسر کی شہری حدود سے نکلتے ہی میرے دل پر ایک عجیب سا اضطراب طاری ہونے لگا تھا جو کسی ناگہانی خطرے کی آمد کا اعلان تھا۔

پک اپ کی رفتار کم ہونے لگی۔ میرا تجربہ بتا رہا تھا کہ پختہ سڑک ختم ہونے والی تھی۔

گاڑی ہلکے سے جھٹکوں کے ساتھ مڑ کر کچے راستے پر اتر گئی۔ چاروں طرف سے بند آہنی کیبن میں محصور ہونے کی وجہ سے میں باہر کی جھلک بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بس اندازے ہی اندازے قائم کیے جا سکتے تھے۔ میں دل ہی دل میں حساب لگا رہا تھا کہ ہمیں اگلے ایک گھنٹے سے بھی کم مدت میں پاکستانی علاقے میں اس زیرو پوائنٹ پر پہنچ جانا چاہیے تھا جہاں جلال گاڑی کے ساتھ ہمارا منتظر ہوتا۔

بند کیبن کی فضا میں یکایک خنکی کا احساس تیرنے لگا۔ شاید گاڑی آبادی اور ویرانوں کو پیچھے چھوڑ کر کسی خودرو سرحدی جنگل میں داخل ہو چکی تھی۔

پک اپ کی رفتار بہت کم ہو چکی تھی۔ ہچکولوں سے پتا چل رہا تھا کہ بنگو اسٹیئرنگ پر خاصی محنت کر رہا تھا۔ سفر جاری رکھنے کے لیے اسے بہت تیزی سے اور بار بار گاڑی کا رخ موڑنا پڑ رہا تھا۔ شاید وہ سفر کے کسی خطرناک زون میں داخل ہو چکا تھا جہاں گاڑی کے ہیڈ لیمپس بجھا دیے گئے تھے۔ رات کے اندھیرے میں نظر آنے کی حد میں کمی ہو جانے کی صورت میں ہر چھوٹی سے چھوٹی رکاوٹ اچانک سامنے آتی ہے اور راستہ بدلنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

کئی بار گاڑی اتنی تیزی سے گھومی کہ ہم دونوں اپنی جگہوں سے پھسل کر فرش پر گرتے گرتے بچے مگر ہم نے اُف تک نہیں کی۔ مجھے معلوم تھا کہ بنگو ہمیں دانستہ ہلکان نہیں کر رہا تھا۔ وہ رف ڈرائیونگ اس کی مجبوری بنی ہوئی تھی۔

"ہالٹ!" باہر انجن کے یکساں شور میں اچانک کوئی کرخت انسانی آواز گونجی۔

وہ آواز اتنی اونچی اور تحکمانہ تھی کہ بے اختیار میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ نہ جانے کون چیخا تھا اور کس پر چیخا تھا۔ مجھے پتا نہیں چل سکا۔ ہماری پک اپ بدستور اسی بے ڈھنگے انداز میں آگے ہی آگے رواں تھی۔

اونچی آواز کی بازگشت معدوم ہونے کے بعد خوف آور فضا پر وہی مہیب سناٹا چھا گیا جس میں پک اپ کے انجن کے شور کے سوا کوئی اور ہلچل نہیں تھی۔

"ہالٹ!" وہی آواز اس بار نیم وحشیانہ انداز میں گونجی۔ میں اپنی جگہ تن کر بیٹھ گیا۔

پک اپ چلتی رہی۔ اس بار لکارکی بازگشت ختم ہونے سے پہلے ہی کہیں سے لگاتار دو فائروں کی مہیب آواز سنائی دی۔ ان فائروں کا منبع ہماری پک اپ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ان دو دھماکوں کے ساتھ ٹائر پھٹنے کا تیسرا دھماکا سنائی دیا اور پھر یوں محسوس ہوا جیسے قیامت سی آگئی ہو۔

پک اپ کو ٹائر پھٹنے سے زبردست جھٹکا لگا اور پھر وہ اچھلتے اچھلتے اچانک رک گئی۔ بنگو نے اس کا انجن بند کر دیا تھا۔

میں نے صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے تیزی سے نیچے اترنے کا ارادہ کیا مگر آہنی دروازے پر ہاتھ لگتے ہی یاد آیا کہ وہ دروازہ باہر سے بولٹ تھا۔ اس مضبوط بولٹ کو ہٹائے یا کاٹے بغیر ہم باہر نہیں نکل سکتے تھے۔

"خدا خیر کرے!" غزالہ کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی تشویش زدہ آواز برآمد ہوئی "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے فائر کر کے ہماری گاڑی کا اگلا ٹائر پھاڑا گیا ہے۔"

"فائر سے پہلے کسی نے بنگو کو دو مرتبہ للکارا تھا" میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے ہیجان آمیز سرگوشی میں کہا "اس حرام زادے نے وارننگ کی پروا نہیں کی۔"

"ایسے جارحانہ انداز میں صرف سرحدی محافظ ہی روک سکتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم سرحد کے قریب پہنچ چکے ہیں۔"

"اس وقت سرحد' جنت اور جہنم' سب ہی قریب ہیں۔" میں نے اضطراری انداز میں پچھلے دروازے پر زور لگایا جو بے سود تھا۔

"رکو اور ہاتھ اوپر اٹھالو!" اس بار کوئی وحشیانہ انداز میں چیخا تھا "ورنہ میں برسٹ مار کر گرا دوں گا۔"

پک اپ کا انجن بند ہونے کے ساتھ ایسا لگ رہا تھا جیسے کائنات کی نبض رک گئی ہو۔ ہر طرف گہرا اور مہیب سناٹا تھا جس میں ہر آواز اپنی اصل شدت اور تاثر کے ساتھ سنائی دے رہی تھی۔ باہر سے بنگو کے سانس کی آواز تک نہیں آئی۔ فضا دو افراد کے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سے گونجنے لگی۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں تیزی سے قریب آتی جا رہی تھیں پھر وہ تھم گئیں۔

"اوئے! ماں کے خصم! تو نے ہمارا کاشن نہیں سنا تھا؟" ایک اجنبی آواز کرخت پنجابی لہجے میں گونجی۔

"انجن کے شور میں میرے کان کام نہیں کر رہے تھے۔" پہلی بار بنگو کی سہمی ہوئی اور مدافعانہ آواز سنائی دی۔

"ابھی تیری ہر چیز کام کرنے لگے گی۔" وہ دوسری زہریلی آواز تھی "ادھر سرحدی جنگل میں کہاں جا رہا ہے۔"

"میں نے بارڈر سیکیورٹی فورس کے کرنل بھوشن سے اجازت لی ہوئی ہے۔"

"کرنل اور جنرل مت بک۔ یہ بتا کہ تو کہاں جا رہا ہے؟ ایجنٹ ہے پاکستان کا؟" پہلی کرخت آواز گونجی۔

گفتگو کے تیور یکایک بہت خوفناک ہو گئے تھے۔ بدقسمتی بنگو کا پیچھا کر رہی تھی۔ وہ ایک مرتبہ پھر غلط آدمیوں سے ٹکرا گیا تھا۔ میں نے بے چین ہو کر ایک مرتبہ پھر دروازے پر طبع آزمائی کی لیکن کوئی چیز ٹس سے مس نہ ہوئی۔ جب تک باہر کا فولادی کنڈا لگا ہوا تھا ہم دونوں میں سے کوئی باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

دونوں نووارددوں کے درشت لب و لہجے نے شاید بنگو کے اوسان خطا کر دیے۔ اس نے ہکلاتے ہوئے کہا "مم... میں... کک... کسی کا ایجنٹ نہیں ہوں۔"

"پھر ادھر اپنی ماں کی گود میں جا رہا تھا۔" کرختگی سے کہا گیا "یا تیرا باپ بیٹھا ہے وہاں بفرزون میں۔"

"دد... دیکھو میرے ماں باپ تک مت پہنچو۔ تم نے ٹائر پھاڑ کر پہلے ہی میرا نقصان کر دیا ہے۔"

"ابھی ٹائر پھاڑا ہے تو نے زبان نہیں کھولی تو سب کچھ پھاڑ دیں گے۔" کرخت آواز والا دہاڑا۔

"تم مجھے کرنل بھوشن کے پاس لے چلو۔ وہاں میں تمہاری ہر بات کا جواب دوں گا۔" بنگو نے اصرار کیا۔

زمین پر وزنی قدموں کی مختصر سی چاپ سنائی دی پھر فضا بنگو کی چیخ سے لرز اٹھی۔ شاید ان دونوں میں سے کسی نے بڑھ کر بنگو کے جسم کے کسی حصے پر شدید ضرب لگائی تھی۔ میں پک اپ کے آہنی کیبن میں محبوس تھا۔ مجھے باہر رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا' جو کچھ تھا بس میرے اندازے تھے۔ ان کی بنا پر بھی میں کوئی قدم اٹھانے سے قاصر تھا۔

"کہاں جا رہا تھا اور گاڑی میں کیا ہے؟" بنگو کی چیخ تھمنے پر کرخت آواز گونجی۔

"میں مر گیا۔" بنگو اذیت ناک آواز میں کراہتے ہوئے بولا "گاڑی میں کچھ نہیں ہے۔ تم خود پچھلا دروازہ کھول کر دیکھ لو۔"

"پہلے اس کی تلاشی لے لو۔ خطرناک ارادے سے نکلا ہے تو ہتھیار بھی ساتھ ہو گا۔" زہریلی آواز میں مشورہ دیا گیا۔

کچھ دیر کے لیے فضا میں خاموشی چھا گئی۔ شاید بنگو کی جامہ تلاشی کا عمل شروع ہو چکا تھا۔

"بڑا ناز ہے تجھے اپنی نشانہ بازی پر گھر سے صرف چاقو لے کر نکلا ہے۔" کرخت آواز میں طنز سے کہا گیا۔

فضا میں چٹاخ کی پُرشور آواز گونجی۔ اس زوردار تھپڑ کو بنگو خاموشی سے پی گیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا "چاقو

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہو گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رف پلٹا۔ غزالہ اسے زمین پر گرائے رکھنے کی جان توڑ وشش میں اس کے سینے پر سوار تھی۔

"ہٹو۔ الگ ہٹ جاؤ۔" میں نے سختی سے غزالہ کا شانہ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔

وہ شاید میرے ہاتھوں پہلے فوجی کا انجام دیکھ چکی تھی۔ پھل کر اس کے ناپاک وجود سے الگ ہوگئی۔ اگلے ہی لمحے ں نے دوسرے فوجی کے چہرے کے رخ سے اس کے دماغ پر گوں شعاعوں کی دھار ماری۔ دھاتوں کو پگھلا بلکہ جلا دینے ی حرارت رکھنے والی شعاعیں اس کے دائیں چہرے سے تی ہوئی پار نکل گئیں اور وہ بھی کسی اذیت کے بغیر پل بھر ں اپنے ساتھی کے پاس پہنچ گیا۔

دہشت سے بنگو کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں وہ بے یقینی ے میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"تت۔۔۔تم۔۔۔تت۔۔۔تم تو تم۔۔۔ڈڈ۔۔۔ڈینی ہو!" اس کے نٹوں سے اٹکتی اور سرسراتی ہوئی ایک خوف زدہ سرگوشی آمد ہوئی۔

"ان دونوں کو رائفلوں سمیت پک اپ میں ڈالو اور ری طور پر یہاں سے چل دو۔ فائرنگ سن کر ان کے ساتھی ھر آنکلے تو نئی مصیبت ہمارے گلے پڑ جائے گی۔" میں نے کراتے ہوئے اسے ہدایت کی۔ خوف اور بے یقینی کا اب سر سے اترتے ہی میں خود کو بالکل نارمل اور ہلکا وس کر رہا تھا۔

غزالہ نے بڑھ کر زمین پر پڑی ہوئی روشن ٹارچ اٹھائی ر پھر دونوں خود کار رائفلیں اٹھا کر پک اپ میں ڈال دیں۔

"اس وقت میرے ہاتھ قابو میں نہیں ہیں۔" بنگو نے رسراتی ہوئی شکستہ آواز میں کہا "میں نے تمہیں درندے کی رح ان دونوں کو مارتے دیکھا ہے۔ تمہارے پاس لیزر گن ے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم ڈینی ہو گے۔"

"لاش اٹھاؤ۔" اس بار میں نے سختی سے کہا "ہمیں جلد جلد آگے بڑھنا ہے۔"

بادل ناخواستہ اس نے ایک لاش کے دونوں پیر تھام ے۔ وہ دونوں فوجی صحت مند اور توانا تھے۔ ان کی لاشوں کو نچی پک اپ میں منتقل کرنے کے لیے غزالہ کو بھی ہمارا تھ دینا پڑا۔ ذرا سی دیر میں ہم اپنے کام سے فارغ ہو چکے ے۔ لاشیں چڑھانے کے بعد ہم نے تیزی سے پھٹا ہوا انگلا ز بھی تبدیل کر لیا۔

"تم ڈینی ہو نا؟" بنگو نے ایک مرتبہ پھر مجھ سے سوال یا اور میں اندھیرے میں اسے گھور کر رہ گیا۔

ان واقعات کے بعد بنگو حواس باختہ ہو چکا تھا۔ وہ ڈرائیونگ کیبن میں اکیلا ہوتا تو ہمیں کسی حادثے سے دوچار کر سکتا تھا۔ میں علیحدگی میں غزالہ کو سمجھانے کے بعد بنگو کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس نے چوں تک نہیں کی۔ غزالہ پچھلے کیبن میں دونوں لاشوں کے ساتھ موجود تھی۔ میں نے اسے کھلی چھوٹ دے دی تھی کہ وہ لاشوں کی تلاشی لے کر رائفلوں کے فاضل میگزین بھی یکجا کر لے اور ضرورت پیش آنے پر گولی چلانے سے دریغ نہ کرے۔

"اب ہم کدھر جائیں گے؟" بنگو نے انجن اسٹارٹ کرنے سے پہلے پوچھا۔

"پروگرام کے مطابق چلتے رہو ہمیں ہماری منزل پہ پہنچانے کے بعد تم اپنی مرضی کے مالک ہو گے۔" میں نے کہا۔

"یہ لاشیں تم پاکستان میں اتار لو گے نا؟" اس نے انجن اسٹارٹ کر کے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"انہیں میں نے نہیں بلایا تھا۔ لاشیں مل گئی ہیں تو یہ پاکستان جائیں گی تم کو ان کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

بنگو نے پارکنگ لائٹس روشن کر کے پک اپ آگے بڑھا دی اس وقت ہم خاصے گنجان جنگل میں تھے۔

چند منٹ بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ اتنی ناکافی روشنی میں گاڑی چلانا کس قدر مشکل کام تھا۔ وہ بنگو ہی تھا جو اپنے غیر معمولی مشاہدے کی مدد سے پک اپ کو ہر لمحے کسی درخت کے تنے یا بڑے پتھر سے ٹکرانے سے بچا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد دور سے گولیاں چلانے کی آوازیں آئیں تو بنگو بولا "اتنی فائرنگ ہونے کے باوجود ان کا کوئی ساتھی ادھر نہیں آیا۔"

"سرحدی علاقوں میں بلا وجہ بھی گولیاں چلتی رہتی ہیں کبھی کبھی یہ لوگ اپنی اکتاہٹ دور کرنے کے لیے خیالی سایوں پر بھی گولیاں چلا دیتے ہیں پھر یہ بہت لمبی سرحد ہے۔ گشتی پارٹیاں ایک دوسرے سے کافی دور ہوتی ہیں۔ دور سے یہ پتا چلانا مشکل ہوتا ہے کہ کہاں فائرنگ ہوئی ہے۔"

"یہ بی ایس ایف والے نہیں ہیں کیونکہ ان کی وردیاں الگ ہوتی ہیں۔ پتا نہیں یہ کہاں سے ادھر نکل آئے۔"

"کبھی کبھی شامت بھی انسان کو گھیر کر کسی خاص مقام پر پہنچا دیتی ہے۔ تم ان کے بارے میں کیوں فکر مند ہو؟"

"فکر مندی کی بات ہے میں اکثر ادھر آتا رہتا ہوں۔ اس راستے پر واقع ساری چوکیاں بی ایس ایف والوں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔"

"کیا ہم وہاں سے گزر آئے ہیں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں۔ دس پندرہ منٹ بعد ہم وہاں سے گزریں گے۔ وہ ہمیں نہیں روکیں گے۔" اس نے بتایا "میرے راستے میں صرف ایک چوکی آئے گی۔"

"کسی کھلی جگہ پر گاڑی روک لینا۔" میں نے اس کا جواب سننے کے بعد اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "اس چوکی کے قریب سے گزرنے سے پہلے مجھے پچھلے دروازے کا بندوبست کرنا ہے۔ میں نے لیزر گن سے اس کا بولٹ کاٹ دیا تھا۔"

"تم واقعی حیران کن آدمی ہو میں ڈر رہا تھا کہ دونوں فوجی تمہیں اور غزالہ کو آسانی سے پکڑ لیں گے۔ لوگ تمہارے نام سے بلاوجہ خوف نہیں کھاتے۔ اب بات میری سمجھ میں آرہی ہے کہ تم راولوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے دہلی گئے تھے۔ جس روز ان کا ویل امرتسر سے نکلی اس سے پہلی رات راکے ایک دفتر کو آگ لگائی گئی تھی۔ وہاں ان کا ایک آدمی بھی مرا تھا۔ آج تم جا رہے ہو اور صبح دہلی میں راکے دو افسر مرے ہوئے تھے۔ سچ سچ بتا دو کہ تم دہلی سے آئے تھے یا انبالہ سے۔"

"میں بار بار اپنی کہانیاں بدلنے کا عادی نہیں ہوں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا "میں نے تمہیں سچ بتا دیا ہے اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ جو چاہو سوچتے رہو۔"

اس نے ایک کھلی جگہ پر گاڑی روک دی۔ میں نے اتر کر غزالہ سے خیریت دریافت کی۔ اس نے بتایا کہ پچھلا دروازہ جھٹکوں سے بار بار کھل رہا تھا۔ وہ اندر سے اسے تھامے بیٹھی تھی اسے ڈر تھا کہ کسی غلط موقع پر دروازہ خود بہ خود کھل گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

"لاشوں کے جوتوں سے لمبے فیتے کھول لو اور دروازے کے پٹ اندر سے باندھ لو۔" میں نے اسے مشورہ دیا "تم کنارے پر بیٹھ کر سفر کرتی رہیں تو کسی جھٹکے سے خود بھی لڑھک کر نیچے آجاؤ گی۔ آگے ہمیں بی ایس ایف کی ایک چوکی سے بھی گزرنا ہے۔"

"ویری گڈ۔ آپ نے میری مشکل آسان کر دی۔ میں خود بھی دروازہ تھامے تھامے پریشان ہو گئی تھی۔" وہ خوش ہو کر بولی۔

ہم ذرا سی دیر کے لیے وہاں رکے رہے۔ غزالہ نے دروازے کے پٹ فیتوں سے باندھ لیے تو میں نے باہر سے اس کی مضبوطی کا اندازہ لگایا اور دوبارہ بنگو کے ساتھ جا بیٹھا۔ اس دوران میں گاڑی کا انجن چلتا رہا تھا۔ بنگو نے دوبارہ گاڑی چلا دی۔

اس وقت تک جو کچھ ہوا تھا وہ گڑبڑ کے باوجود ہمارے حق میں رہا تھا۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس تھا کہ مجھے دونوں بھارتی فوجیوں پر بیم گن استعمال کرنی پڑی تھی۔ اگر میں ان لاشوں کو وہیں چھوڑ دیتا تو اگلی صبح تک یہ کہانی عام ہو سکتی تھی کہ ڈینی دہلی میں انل اور نریش کا کام تمام کرنے کے بعد اسی راہ سے پاکستان فرار ہوا تھا۔ دہلی والوں کی سوچ کے مطابق بیم گن یا لیزر گن کا استعمال میری کہیں بھی موجودگی کا کھلا ثبوت تصور کیا جاتا۔

اس راہ سے گزرنے والوں کے بارے میں کڑی چھان بین ہوتی تو بنگو کا نام ضرور سامنے آجاتا۔ اس کی گرفتاری سے میرے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن انٹیلی جنس بیورو کے ذمے داروں کو ضرور تشویش ہو سکتی تھی۔

بھارتی سرزمین پر اپنے اس آخری سفر کے دوران میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں ان باتوں پر سوچ بچار کر کے کوئی صحیح فیصلہ کر پاتا۔ جب میں نے ان لاشوں کو پک اپ میں لادنے کا فیصلہ کیا تو میرے سامنے دو اہم ترین نکات تھے۔ اول یہ کہ کوئی دوسری گشتی پارٹی ان لاشوں کو دریافت کر کے پوری سرحدی پٹی پر ہائی الرٹ کی صورت حال پیدا نہ کر سکے۔ دوسری اور اہم ترین بات یہ تھی کہ میں بنگو اور ان دونوں لاشوں کے مستقبل کا فیصلہ جلال سے مشورے کے بعد کرنا چاہتا تھا۔ اگر جلال کی رائے میں ان لاشوں کا بھارتی سرزمین پر پایا جانا ہر خطرے سے خالی ہوتا تو بنگو اپنی واپسی کے سفر میں ان لاشوں کو کہیں بھی پھینک سکتا تھا۔

وہ باتیں اپنی جگہ پر تھیں۔ جب سے بنگو نے مجھے ڈینی کی حیثیت سے پہچانا تھا اس کی طرف سے تذبذب کا شکار ہو گیا تھا۔ فوجیوں کے مقابلے کے دوران جو کچھ ہوا، وہ بہت تیزی سے اور غیر ارادی طور پر ہوتا چلا گیا۔ میں نے مجبوری کے عالم میں بیم گن استعمال کی کیونکہ میرے پاس کوئی اور ہتھیار موجود نہیں تھا مگر بنگو نے اسی بیم گن کو اہم ترین اشارہ سمجھ کر مجھے ڈینی کہنا شروع کر دیا تھا۔

انٹیلی جنس بیورو کے لیے بنگو کی افادیت مسلمہ تھی۔ امرتسر یا اس کے قرب و جوار میں اس کا کوئی متبادل تلاش کرنا آسان نہیں تھا مگر وہ بنیادی طور پر بھارت کا ایک جرائم پیشہ شخص تھا جو کسی بھی وقت قانون کی گرفت میں آسکتا تھا۔ وہ میرے خلاف ایک مضبوط چشم دید گواہ بن گیا تھا۔ بھارتی نژاد اس اکلوتے گواہ کا وجود میرے لیے پریشان کن تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والے اسے کسی بھی وقت میرے خلاف میدان میں اتار
تے تھے۔
بنگو کی زندگی اور موت کا بہتر فیصلہ جلال ہی کر سکتا تھا۔
"میری جیب میں ساڑھے چار ہزار روپے پڑے ہوئے
ے وہ ان دونوں میں سے کسی کی جیب میں ہوں گے۔" کافی
ی کی خاموشی کے بعد بنگو نے شکوا کیا۔
"فکر نہ کرو۔ ان کی جیبوں سے ملنے والی ساری نقدی
یں دے دی جائے گی۔" میں نے اسے اطمینان دلایا۔
"تین دن سے میرے ستارے گردش میں آئے ہوئے
ں۔ وہ متاسفانہ لہجے میں بولا "پتا نہیں قسمت کی دیوی
رے ساتھ کیا کھیل کھیل رہی ہے۔ بس ایک اچھی بات
ئی ہے میں نے تم کو پہچان لیا ہے۔ تمہارا نام پڑھتے پڑھتے
ے بھی تم کو دیکھنے کا شوق ہو گیا تھا۔
"میں تم پر صرف رحم ہی کر سکتا ہوں۔ مجھ کو پہچاننے میں
سنگین غلطی کر رہے ہو۔"
"مجھے خود بھی یقین نہیں آ رہا کہ اس وقت تم میرے
تھ اس چھکڑے میں سفر کر رہے ہو مگر میں اپنے دل کی بات
ں ٹال سکتا۔"
تمہارا یہ دل کسی وقت تمہیں مروا دے گا۔ تمہیں اس
ے بہکائے میں نہیں آنا چاہئے۔"
اچانک بنگو نے اپنی گاڑی کے ہیڈ۔ لیمپس روشن کر
یے اور رفتار بھی بڑھا دی۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا
۔ اسے بی ایس ایف کی چیک پوسٹ نظر آ گئی تھی۔ میں نے
ی نظریں سامنے گاڑ دیں۔ چند ثانیوں بعد مجھے بھی اگلی چوکی
ی روشنیاں نظر آ گئیں۔
"چوکی کے لیے اس جنگل میں بجلی کہاں سے آ گئی!" میں
نے حیرت سے پوچھا۔
"بی ایس ایف کنگال فورس ہے مگر اس کے اہل کار مال
ر ہیں۔ یہ فورس سرحدوں کے لیے بنی ہے جہاں یہ خوب
ماتے ہیں اور چوکیوں کا عملہ اپنے ذاتی چندے سے جنریٹر لگا
ا ہے تاکہ مزے سے ڈیوٹی پوری کر سکے۔"
"فورس کا یہ حال ہے کہ تو پھر بھارت کا اللہ ہی نگہبان
سکتا ہے۔ یہ لوگ ملک کو لوٹ کر کھا جائیں گے۔"
"کھا رہے ہیں لیکن ہمارا ملک بہت بڑا ہے۔ اس کا کچھ
یں بگڑتا۔ یہ کچھن خاص خاص چوکیوں کے ہیں۔ بعض
وں پر حالات بہت خراب ہیں۔"
چوکی کی روشنیوں کے ابھرنے اور ڈوبنے کا سلسلہ ختم
گیا۔ ہموار راستہ آ جانے کے سبب چوکی مسلسل ہماری
نظروں کے سامنے تھی۔ دور سے کسی گاڑی کے انجن کا شور
سن کر ایک رائفل بردار فوجی اپنے دفتر نما مورچے سے باہر
نکل آیا تھا اور ہاتھ ہلا کر ہمیں رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔
بنگو نے مناسب فاصلے سے گاڑی کی رفتار کم کرنی
شروع کر دی۔ باہر کھڑے ہوئے اہل کار نے آگے جھک کر شاید
رینگتی ہوئی گاڑی کی نمبر پلیٹ پر نظر ڈالی اور ہمارے رکنے سے
پہلے ہی ہمیں آگے جانے کا اشارہ کر کے دوبارہ اپنے مورچے
میں غائب ہو گیا۔
"میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ بی ایس ایف
والے ہم کو نہیں روکیں گے۔"
بارڈر سیکورٹی فورس والوں کی اس اکلوتی چیک پوسٹ
سے آگے درختوں کا سلسلہ چھدرا ہوتا چلا گیا تھا لیکن خودرو
پودوں اور جھاڑیوں نے زمین کو اپنی آغوش میں چھپایا ہوا
تھا۔ کچھ دور نکلنے کے بعد بنگو نے گاڑی کی تمام روشنیاں گل
کر دیں۔
"میرے لیے کچھ بھی دیکھنا ممکن نہیں تم ڈرائیونگ کیسے
کر رہے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"کچھ ان راستوں کا تجربہ ہو گیا ہے اور میری آنکھیں
بھی اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئی ہیں۔"
"یہاں کانٹے دار جھاڑیاں بھی چھپی ہوئی ہوں گی۔ کوئی
ٹائر پنکچر ہو گیا تو تم کیا کرو گے۔ اسپیئر ٹائر پہلے ہی لگ چکا ہے۔"
"میری گاڑی پرانی ہے مگر پانچوں ٹائر نئے ہیں۔ چھوٹے
موٹے کانٹوں کو یہ خود روندتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ آج
پہلی بار میری پک اپ کا ایک ٹائر پھاڑا گیا ہے ورنہ برسوں
سے اس میں پنکچر تک نہیں ہوا۔" اس نے فخر سے مجھے بتایا۔
"آج تمہارے ستارے گردش میں ہیں کچھ بھی ہو سکتا
ہے۔" میں نے اسے چھیڑا۔
"کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ جب تک اگلے دو ٹائر سلامت
رہتے ہیں، میں گاڑی چلاتا رہوں گا اور تمہیں منزل پر پہنچا
دوں گا۔"
ہیڈ لیمپس گل ہونے کے بعد پک اپ کی رفتار بہت کم
رہ گئی تھی۔ فضا میں جنگلی بھیڑیوں، سوروں اور دوسرے
جانوروں کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ بی ایس ایف کی
چیک پوسٹ کی روشنیاں کافی پیچھے رہ گئیں تو بنگو نے بتایا کہ
ہم پاکستان میں داخل ہو چکے تھے۔
"یہاں دور دور تک ایک جیسا ویرانہ پھیلا ہوا ہے۔
تمہیں کیسے پتا چلا کہ نئی سرحد شروع ہو گئی ہے۔"
"اس علاقے میں بہت سی سرحدوں کا زمین پر وجود نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ وہ کاغذوں پر بنی ہوتی ہیں یا سینوں میں محفوظ ہیں۔ میں نے ایک چھوٹی نالی کی نشانی رکھی ہوئی ہے اسے ہم نے ابھی ابھی عبور کیا ہے۔"

میرے اعصاب پر ایک فرحت انگیز سرور سا چھانے لگا۔ دشمن کی سرزمین سے اپنی خاک پر لوٹ آنے کا احساس بہت عجیب اور کسی حد تک رقت آمیز تھا۔ وطن کی وہ ہوائیں میرا استقبال کر رہی تھیں جن کے لیے عابد علی، پرویز احمد اور عبداللہ مدتوں سے ترسے ہوئے تھے۔

"یہاں سے زیرو پوائنٹ کا فاصلہ کتنا ہے؟" میں نے پوچھا۔"

"ہیڈ لیمپس روشن کرلوں تو پانچ منٹ میں وہاں پہنچ سکتے ہیں مگر میں پاکستان میں گھسنے کے بعد ڈرتا ہوں۔"

"ماسٹر سے بات ہونے کے بعد تمہیں نہیں ڈرنا چاہیے۔ یہاں سب کو پتا ہوگا کہ آج رات تم آنے والے ہو۔"

"ماسٹر بھی یہی کہتا ہے پھر بھی میرا ڈر دور نہیں ہوتا۔ سنا ہے کہ پاکستانی فوجیوں کا نشانہ بہت کم خطا ہوتا ہے۔ یہ لین دین بھی نہیں کرتے۔"

میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ بعض باتوں پر اسے قائل کرنا دشوار تھا۔

وہ راستہ بہت خراب اور سخت ناہموار تھا۔ پک اپ کو شدید جھٹکے لگ رہے تھے اگر بنگو گاڑی کے ہیڈ لیمپس بھی روشن کرلیتا تو بھی اس راستے پر زیادہ رفتار سے گاڑی چلانا ممکن نہیں تھا۔ وہ لمبے موڑ کاٹ کر دھیرے دھیرے بڑھتا رہا پھر اچانک ہی ہم ایک ٹیلے کے سر پر جا نکلے۔ آگے ایک بڑا نشیب پھیلا ہوا تھا، تاروں بھرے آسمان کی خوابناک روشنی میں اس وسیع نشیب کے وسط میں ایک بیجیرو کا ہیولا نظر آرہا تھا۔ اس کے قریب تین افراد ہمارے منتظر تھے۔

ویرانے کا یہ سماں میرے لیے جذبات آفریں تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہوگئیں۔

بنگو نے اپنی پک اپ آہستگی سے نشیب میں اتاری اور پھر اس کی رفتار میں قدرے اضافہ کردیا۔

پک اپ رکتے ہی میں نیچے اترا تو جلال والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ "تم واقعی بہت عظیم ہو۔" وہ جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں میرے کان میں کہہ رہا تھا "تم نے ہم سب کے سر فخر سے بلند کردیے۔"

غزالہ کو سفر کے اختتام کا علم نہیں تھا۔ بنگو نے پیچھے جا کر اسے باہر آنے کی ہدایت کی۔ کچھ کھٹ پٹ ہوئی اور غزالہ بھی دروازہ کھول کر نیچے آگئی۔ جلال نے پک اپ کے پیچھے جا کر اس سے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور خوش آمدید کہا تھا۔

"یہ اندر کیا پڑا ہے۔" جلال نے پک اپ کے آہنی کیبن میں جھانکتے ہوئے اپنے آدمیوں سے کہا "ان کا سامان بھی اتار لو۔"

"یہ سامان نہیں، دو لاشیں ہیں ماسٹر!" بنگو نے بوجھل آواز میں کہا "ڈینی استاد نے انہیں لیزر گن سے مارا ہے۔"

"ڈینی!" جلال نے بوکھلا کر دہرایا اور میری طرف دیکھا "تمہارے سفر میں ڈینی کہاں مل گیا۔"

"یہ احمق مجھے ڈینی سمجھ رہا ہے کیونکہ میں نے اسپارک پلگ مشین سے دو بھارتی فوجیوں کو مارا ہے۔" میں نے جلال کا بازو دبا کر کہا۔

"اوئے۔ ویری گڈ" جلال دھیرے سے ہنسا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "بنگو! میں تم کو اتنا بے وقوف نہیں سمجھتا تھا۔"

"یہ بتاؤ کہ اب ان لاشوں کا کیا کرنا ہے۔" بنگو نے جلال کے تبصرے کا کوئی جواب دیے بغیر پوچھا۔

"آؤ میں تمہیں پوری بات سمجھاتا ہوں۔" میں جلال کو ایک طرف لیتا چلا گیا۔ خلافِ معمول غزالہ بھی ہمارے ساتھ چلی آئی۔

"تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" میں نے اس کی طرف مڑ کر سنجیدگی سے پوچھا۔

"راستے میں، میں نے دونوں لاشوں کی تلاشی لی تھی۔ ایک فوجی کی جیب سے کافی رقم اور ایک ٹرانسمٹر ملا تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے میں رقم نہیں گن سکی۔"

میں نے جلال کو اختصار سے اپنے نظریات اور خدشات سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

"اس کا سیدھا سا حل ہے۔" جلال نے چند ثانیوں کے بعد جواب دیا "لاشیں روک لو۔ بنگو کو جانے دو۔ وہ ہمارے لیے بہت کارآمد ہے۔"

"وہ ایک آدھ روز میں دھر لیا جائے گا۔ اس کی پک اپ کی باڈی فوجیوں کے چلائے ہوئے راؤنڈز سے چھلنی ہوچکی ہے۔ جنگل میں پڑے ہوئے گولیوں کے خول اس مقام کی نشان دہی کردیں گے جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ شاید وہاں کچی زمین پر بنگو کی گاڑی کے ٹائروں کے نشان بھی موجود ہوں۔"

"یہ بات مختلف ہوگئی۔ ذرا مجھے سوچنے دو۔" جلال نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہادت کی انگلی اٹھا کر کہا۔

"وہ پکڑا گیا تو زیادہ دیر تک اپنی زبان بند نہیں رکھ سکے گا۔" غزالہ نے رائے دی "ہر ایجنسی بدمعاشوں سے پوچھ گچھ کے لیے بہت سخت رویہ اختیار کرتی ہے۔ اس کے خلاف شہادتیں بھی ہوں گی۔ وہ اپنی پک اپ کو کہاں لے جائے گا۔ وہ پورے امرتسر میں اپنے نمونے کی اکلوتی گاڑی ہوگی۔"

"اس سے ہم بہت زیادہ کام نہیں لیتے لیکن جب بھی لیا ہے' اس سے بڑا کام ہی لیا ہے۔ تمہارے بھارت کے سفر کے دوران اسے زیادہ اہمیت ملی ہے۔ اگر وہ تمہاری سلامتی کے لیے خطرناک ثابت ہوتا ہے تو میں بے دریغ اسے اڑا دوں گا۔" جلال نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"اور ان دونوں لاشوں کا کیا بنے گا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو۔ پہلے ہمیں بنگو سے نمٹ لینا چاہیے۔ یہ اس کی بدنصیبی ہے کہ اس نے تمہیں پہچان لیا ہے۔"

"پہچاننے سے فرق نہیں پڑتا۔ مجھے دہلی میں بہت سے لوگ مظہر خان کے روپ میں قریب سے دیکھ چکے ہیں۔ ان میں راکی کئی لڑکیاں بھی ہیں جو مجھے دور سے پہچان لیں گی۔ اصل خرابی یہ ہے کہ وہ اندر کی بہت سی باتیں جانتا ہے۔ صرف مجھے پہچان لینے کی وجہ سے وہ ان باتوں کی کڑیاں ملا لے گا۔ اسے چار چوٹ کی مار پڑے گی تو وہ آئی بی اور عابد علی سے لے کر این کا ویل تک کی پول کھول کر رکھ دے گا۔ وہ تمہارے کئی بڑے کاموں میں ملوث ہو چکا ہے۔"

"پھر بھی میرا فیصلہ برقرار ہے۔ آؤ!" وہ مڑ کر گاڑیوں کی طرف ہو لیا جہاں بنگو اس کے دونوں آدمیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔

"فوجی کی جیب سے ملنے والی رقم بنگو کو دے دو۔" جلال نے غزالہ کو ہدایت کی اور اس نے جیب سے نوٹ نکال کر بنگو کو دے دیے۔

اپنی رقم سے زیادہ پیسے پا کر بنگو کا چہرہ کھل اٹھا "میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ ماسٹر دریا دل آدمی ہے۔" اس نے مجھ سے تائید چاہی۔

میں سر ہلا کر رہ گیا۔ میرے دل میں بنگو کے لیے ہمدردی کے جذبات امڈے چلے آرہے تھے مگر وہ گردنیں کاٹنے کا کھیل تھا۔ اسے چھوڑا جاتا تو دوسرے کئی اہم افراد مارے جا سکتے تھے۔ نہ جانے کتنے راز دشمنوں تک پہنچ جاتے۔

"میرا اپریٹس واپس دے دو۔" جلال نے بنگو سے مطالبہ کیا۔

"کیوں؟" وہ پریشان ہو گیا "میں تم سے کیسے رابطہ کروں گا؟"

"چند روز میں تمہیں نیا اپریٹس مل جائے گا۔" جلال نے اسے سمجھایا "اس اپریٹس کی فری کوئنسی بھارتیوں نے پکڑ لی ہے۔ اس کا استعمال جاری رکھا تو بھارتی کسی وقت ساری باتیں سن لیں گے اور تم بے موت مارے جاؤ گے۔ یہ تبدیلی بہت ضروری ہے۔"

بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ وہ تیزی سے اپنی پک اپ کی طرف گیا اور ڈیش بورڈ پر سے اپریٹس اٹھا لایا۔

جلال نے ٹرانسمٹر لے کر اپنی جیب میں ڈال لیا اور کہا "آج کے کام کا معاوضہ تمہیں مل چکا ہے۔ واپسی میں سرحد پار کر کے دونوں لاشیں کہیں بھی گرا دینا۔ چاہو تو ان کی رائفلیں تم اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔"

بنگو نے بے ساختہ اپنے کان پکڑ لیے "نہیں بابا۔ میرے پاس سے کبھی فوجی رائفل کیا' اس کی گولی بھی نکل آئی تو میں مارا جاؤں گا۔ رائفلیں وغیرہ تم رکھ لو۔"

جلال کے اشارے پر دونوں فوجیوں کے ہتھیار پک اپ سے نکال لیے گئے۔ بنگو نے اسے تاکید کی کہ اس کے لیے جلد ہی کوئی نیا کام نکالا جائے اور پھر انجن اسٹارٹ کر لیا۔ اس دوران میں جلال کا اشارہ پا کر اس کا ایک آدمی ٹیجیرو سے ایک بھاری گن نکال چکا تھا۔

بنگو نے سب کی طرف ہاتھ لہرایا۔ جلال نے اس کے اشارے کا کوئی جواب نہیں دیا۔

اچانک جلال کے آدمی نے اپنی گن کی نال سیدھی کی اور وہ ویرانہ ایک ہولناک برسٹ سے لرز اٹھا۔ پلک جھپکتے میں کئی گولیاں ونڈ اسکرین کو ریزہ ریزہ کرتی ہوئی بنگو کے جسم اور چہرے کے کئی حصوں میں پیوست ہو چکی تھیں۔ اس کی پک اپ اچھلی اور ایک ہچکی لے کر بند ہو گئی۔

فضا اچانک اداس اور بوجھل ہو گئی۔ بنگو کے ناگزیر انجام پر کوئی بھی خوش نہیں تھا۔

چند منٹ بعد ہمارا پانچ نفری قافلہ ٹیجیرو میں سوار ہو کر واپس روانہ ہو چکا تھا۔

"کیا وہ تینوں لاشیں اسی طرح پڑی رہیں گی؟" میں نے جلال سے پوچھا۔

"نہیں۔ ابھی چیک پوسٹ پر بتا دوں گا۔ وہ گاڑی ان تین لاشوں سمیت کل بھارتیوں کو لوٹا دی جائے گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بھارتیوں کو کیوں؟" میں نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

"گاڑی بھارت سے پاکستانی علاقے میں آئی تھی۔" جلال نے دھیمی اور پر خیال آواز میں کہنا شروع کیا "جوانوں نے اسے للکارا۔ اس نے رکنے کے بجائے بھاگنے کی کوشش کی اور گاڑی پر فائر کھول دیا گیا۔ ڈرائیور کے مرنے کے بعد پتا چلا کہ پک اپ کے پچھلے حصے میں دو نہتے فوجیوں کی لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔"

"وہ کیسے مارے گئے۔" میں نے سوال کیا۔ میں جزئیات سے آگاہی حاصل کرنا چاہتا تھا۔

"ہم نے سب کچھ امانت کے طور پر رات بھر کے لیے روک لیا۔ اپنے آدمیوں کے بارے میں بھارتی خود سر کھپائیں گے۔ اگر وہ لیزر گن کا نشانہ بنے تو وہ گن کہاں سے آئی اور کہاں گئی۔ ہماری سب سے بڑی سچائی یہ ہوگی کہ تین بھارتیوں کی لاشیں پاکستانی علاقے سے ان کے ایریا کمانڈر کے حوالے کی جائیں گی۔ اس معاملے میں شور مچا کر بھارتیوں کو خفت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وہ یہی سوچ سوچ کر ہلکان ہوتے رہیں گے کہ دونوں فوجیوں کی لاشیں میلوں دور کیسے پہنچ گئیں۔"

"یہ اونچ نیچ تم زیادہ بہتر طور پر سمجھتے ہو۔ میں ان حربی معاملات سے نابلد ہوں۔"

گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ دہلی میں میری اور آئی بی کی مشترکہ کامیابیوں کا خمار بنگو کے خون سے پھیکا پڑ گیا تھا۔

جلال کے دونوں آدمیوں میں سے ایک ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ دوسرا اس کے برابر والی نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔ جلال ہم دونوں کے ساتھ پجیرو کی پچھلی نشست پر تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ جلال اپنے آدمیوں کی موجودگی میں کھل کر بات کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ مجھے اس کے کہے ہوئے یہ الفاظ بھلائے نہیں بھولتے تھے کہ ایک اچھا سیکرٹ ایجنٹ کبھی غیر ضروری طور پر کوئی بات نہیں کرتا اور نہ کسی کو اپنے رازوں میں شریک کرتا ہے۔

جلال کے دونوں آدمیوں کا تعلق بھی آئی بی سے رہا ہوگا لیکن ان کے لیے یہ سب جاننا ضروری نہیں تھا کہ میں دہلی کس لیے گیا تھا اور میں نے وہاں کیا تیر مارے تھے۔ ان دونوں نے ہماری واپسی پر بنگو کی زبان سے جو کچھ سن لیا تھا' ان کے لیے وہی کافی تھا۔

آرمی کی پہلی چیک پوسٹ پر جلال گاڑی رکوا کر نیچے اتر گیا۔ چوکی پر مامور ایک افسر نے باہر آکر اس کا استقبال کیا۔ وہ دونوں کچھ دیر تک دھیمی آوازوں میں آپس میں باتیں کرتے رہے۔ جلال کے ہاتھوں کے اشاروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ فوجی افسر کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جواب میں اس کا مخاطب سر ہلاتا رہا۔ اسے بریفنگ دے کر جلال نے اس سے الوداعی مصافحہ کیا اور واپس لوٹ آیا۔

کھیتوں اور میدانوں میں ہمارے سفر کا سلسلہ ایک مرتبہ پھر شروع ہو گیا۔

واپسی میں' میں نے بھارتی علاقے میں سفر کا خاصا حصہ بنگو کے ساتھ اگلے کیبن میں بیٹھ کر طے کیا تھا اور یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ پورے بھارتی علاقے میں ہم بی ایس ایف کی صرف ایک چیک پوسٹ کے پاس سے گزرے تھے جبکہ پاکستانی علاقے میں جگہ جگہ چوکیوں اور مورچوں کا ایک مربوط جال پھیلا ہوا تھا۔

اس تضاد کے دو ہی اسباب ہو سکتے تھے۔ بنگو چوروں کی طرح چھپ کر سفر کر رہا تھا اس لیے وہ چوکیوں والے معروف راستے کو چھوڑ کر جنگل اور ویرانوں سے گزرتا ہوا سرحد تک پہنچا تھا۔ اس نے صرف ایک مقام پر چوکی کے قریب سے گزرنے کا خطرہ مول لیا تھا جہاں قدرتی زمینی رکاوٹوں کی وجہ سے شاید کوئی متبادل راستہ نہیں تھا۔ ایسی صورت میں ہمارا بھارتی دستوں سے واسطہ پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا جبکہ جلال اپنی سرزمین پر پورے قانونی اختیار کے ساتھ اور ڈنکے کی چوٹ پر مجھے واپس لے جا رہا تھا۔ اسے چور راستے استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ سرحدی پٹی کے سب سے بہتر راستے پر سفر کر رہا تھا اس وجہ سے ہمیں جا بجا پاکستانی فوجی چوکیاں نظر آ رہی تھیں۔

اس فرق کا دوسرا سبب جغرافیائی بھی ہو سکتا تھا۔ بھارتی جنگل اور ویرانے میں چوکیوں کی زیادہ ضرورت نہیں تھی۔ پاکستان کے سرسبز اور ہموار میدانی علاقے میں' مقامی آبادی کے تحفظ کے لیے قابل ذکر فوجی موجودگی ضروری تھی۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟" لمبے سکوت کے بعد میں نے جلال سے پوچھا۔

"آج تم لاہور میں ہمارے مہمان رہو گے۔" گاڑی میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں جلال کی آواز ابھری "لاہور کے ماڈل ٹاؤن کے ایک آرام دہ گھر میں تمہارے قیام کا بندوبست کیا گیا ہے۔ وہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"مگر میری خواہش ہے کہ میں جلد از جلد کراچی لوٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاؤں۔" میرے ذہن میں اول خان اور سلطان شاہ کے پیکر ناچ رہے تھے۔

"جب تک ہم لاہور پہنچیں گے' صرف نائٹ کوچ کا وقت باقی رہ جائے گا۔ اس پرواز پر پوری رات کالی ہوجاتی ہے۔ تمہیں کراچی جانے کی اتنی ہی عجلت ہے تو رات لاہور میں گزار کر صبح کی پہلی پرواز سے کراچی لوٹ جانا۔ وہاں تمہیں کیا کام ہے؟"

"یہ کام سے واپس آئے ہیں۔ اب آرام کریں گے۔" مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی "دراصل انہیں اپنے چہیتوں سے بچھڑے ہوئے کافی دن ہوچکے ہیں۔ یہ اب جلد از جلد ان کے درمیان پہنچ جانا چاہتے ہیں۔ میں خود بھی ان لوگوں کو بہت زیادہ مس کررہی ہوں۔"

غزالہ کی وضاحت پر جلال نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "اگر تم ویرا کی بات کررہی ہو تو وہ ابھی تک لاہور میں ہی موجود ہے۔ اور....."

میں نے اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا "صرف ویرا نہیں' میں سب سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے وضاحت کی۔

"میں بھی یہی بتا رہا تھا۔ سلطان شاہ شام کی پرواز سے لاہور آچکا ہے۔ وہ تمہارا انتظار کررہا ہوگا۔"

"یہ اچھا ہوا پھر لاہور میں رات گزاری جاسکتی ہے۔" میں نے ہتھیار ڈال دیے اور تینوں ہنسنے لگے۔

سرحدی میدانی علاقہ پیچھے چھوڑ کر پجیرو لاہور کے مضافات میں داخل ہوگئی۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں گزرتے رہے پھر ہم بانا پور میں داخل ہوگئے۔ وہ ایک قصبہ ہے لیکن وہاں زندگی کی چہل پہل اپنے عروج پر تھی۔

ہم گاڑی میں کسی اہم موضوع پر بات کرنے سے گریز کررہے تھے۔ کئی بار میرے دل میں آئی کہ جلال سے انگریزی میں کچھ کہوں لیکن میں ہمت نہ کرسکا۔ اس کے دونوں آدمی اس کے لیے معمولی نوعیت کے کام کررہے تھے لیکن اپنی صورتوں سے پڑھے لکھے' مہذب اور جہاں دیدہ نظر آرہے تھے۔ وہ انگریزی سے واقف ہوتے تو مجھے ان کے سامنے خاصی سبکی کا سامنا کرنا پڑتا۔

ایسا نہیں تھا کہ جلال کو ان پر اعتماد نہیں تھا۔ وہ یقینی طور پر اس کے قابل اعتماد اور محنتی کارندے تھے۔ اسی لیے وہ میرے استقبال کے لیے انہیں اپنے ساتھ لایا تھا۔ بات صرف احتیاط کی تھی اور میں حد سے بڑھی ہوئی اس احتیاط میں گھٹن کا شکار ہونے لگا تھا۔

خدا خدا کرکے پجیرو لاہور کی حدود میں داخل ہوگئی۔ ماحول اور راستوں کی رونق میں بتدریج اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

جس وقت پجیرو ماڈل ٹاؤن کے ایک بڑے مکان کے بند پھاٹک کے سامنے رکی تو میری رسٹ واچ میں تقریباً دس بجے کا عمل تھا۔ ایک مسلح اور باوردی دربان نے پھاٹک کی ذیلی کھڑکی سے باہر جھانکا اور پجیرو کو پہچان کر پھاٹک کھول دیا۔ ڈرائیور گاڑی کو سبک رفتاری سے ڈرائیو وے میں پورچ تک لیتا چلا گیا۔

شاید اندر والوں کے کان کسی گاڑی کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔ غزالہ کے بعد میں پوری طرح گاڑی سے اترنے بھی نہیں پایا تھا کہ اندر سے سلطان شاہ تقریباً دوڑتا ہوا برآمدے میں نمودار ہوا اور پھر رکے بغیر' بڑھ کر مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔

اس کے پیچھے پیچھے ویرا بھی آگئی۔ اس نے اسی تپاک سے غزالہ کا استقبال کیا۔ پجیرو ہمیں پورچ میں اتار کر آگے بڑھ گئی۔

اس وقت لاہور کے اس وسیع و عریض مکان کے برآمدے میں مختصر سے جشن کا سا سماں ہوگیا تھا۔ ایک دوسرے کی مزاج پرسی ہورہی تھی' گلے شکوے کیے جارہے تھے' پوچھ گچھ شروع ہوگئی تھی مگر ہر لفظ اور فقرے میں خلوص ہی خلوص تھا۔

"راستے میں ڈینی سے میری بات نہیں ہوسکی۔" جلال نے اپنی بھاری آواز میں خوش دلی سے وضاحت کی "ایسا معلوم ہورہا ہے کہ تم لوگ مدتوں سے ایک دوسرے سے بچھڑے ہوئے تھے۔ میں تمہارے درمیان زیادہ دیر تک دیوار نہیں بنوں گا۔ ڈینی سے چند منٹ بات کرکے چلا جاؤں گا۔"

اس کی دخل اندازی پر مجھے احساس ہوا کہ ہم پانچوں برآمدے میں ہی اٹک کر رہ گئے تھے۔ میں نے سب کو اندر چلنے کا مشورہ دیا اور سلطان شاہ کی پیشوائی میں ہمارا قافلہ اس ٹھہرے اور پرشکوہ مکان میں داخل ہوگیا۔

اس وقت ہمارے درمیان کوئی اجنبی نہیں تھا۔ ویرا دہلی والے مشن میں بڑی حد تک ہماری شریک کار رہی تھی۔ جلال جانتا تھا کہ میرے اور سلطان شاہ کے درمیان برادرانہ مراسم استوار تھے۔ میں اس سے اور اول خان سے کوئی بات نہیں چھپاتا تھا۔ اس نے چلتے چلتے میرے برابر میں آکر محبت سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور نیچی آواز میں بولا "مجھے افسوس ہے کہ میں بارڈر پر تم کو کھل کر مبارک باد نہیں دے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکا۔ تم نے دہلی میں جو کچھ کیا ہے اسے سوچ کر ہی مجھے پسینہ آگیا تھا۔ انل بسواس جیسے چیف موذی کو اس کے شہر بلکہ گھر میں گھس کر مارنا بہت دل گردے کا کام تھا۔ وہ پیغام ملا تو مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ تم اپنے مشن میں سرخ رو ہو چکے ہو۔"

"یہ صرف ڈینی کا کام نہیں تھا۔ اس میں تھوڑا بہت میرا ہاتھ بھی تھا۔" ویرا نے شوخی سے جلال کی تصحیح کی۔

"تم نے بھی لاجواب کام کیے ہیں لیکن تمہیں اپنی کارکردگی پر مناسب ترین خراج تحسین پیش کیا جا چکا ہے۔" جلال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ڈینی کے آنے سے میری اہمیت کم نہیں ہو سکتی۔ میں نے....." ویرا نے بولنا چاہا لیکن سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہاں' ہاں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے جان اسمتھ کو ہوٹل میں تلاش کرنے اور پھر جہنم واصل کرنے میں غزالہ کی مدد کی تھی اور تم ہی نے راولوں کا کچھ اہم ترین ریکارڈ بھارت سے لاہور پہنچایا ہے۔ میرے آنے کے بعد سے تم یہ باتیں کئی بار دہرا چکی ہو۔"

"اچھا.....!" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں "ڈینی کو دیکھ کر اب تم بھی شیر ہو رہے ہو۔ یہ باتیں میں نے بتائی تھیں یا تم نے پوچھی تھیں!"

"ویرا' پلیز!" جلال نے ہاتھ اٹھا کر استدعا کی "مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں کے یہ جھگڑے چلتے رہتے ہیں۔ تم لوگوں کو ابھی تک ہوا بھی نہیں لگی تھی کہ ڈینی دہلی میں کیا کر کے آیا ہے۔" میں نے محسوس کیا کہ ویرا سے بات کرتے ہوئے جلال کے لہجے میں ہلکی سی لجاجت موجود تھی جو اس کے جھکاؤ کی غمازی کر رہی تھی۔

"ابھی تم بتا چکے ہو کہ ڈینی نے انل بسواس کا کام تمام کر دیا ہے۔" ویرا نے اپنی گردن ترچھی کر کے جلال کو یاد دلایا۔

"ڈینی یہاں سے اس کام کا بیڑا اٹھا کر نکلا تھا اور اسے پورا کر کے لوٹا ہے۔ میرے آدمی تین برس سے وہاں رہ رہے ہیں مگر وہ انل کے سائے کے قریب بھی نہیں پھٹک سکے تھے۔ یہ کام بے خوف منصوبہ بندی اور حوصلے کے بغیر نہیں کیا جا سکتا تھا۔"

"تمہارے محکمے کو اس کارنامے پر ڈینی کو تمغہ دینا چاہیے۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا۔

"دکھ اسی بات کا ہے کہ سرکاری طور پر میرا محکمہ کچھ نہیں کر سکتا۔" جلال کی آواز متاسفانہ ہو گئی "معاملہ صرف بھارت کا ہوتا تو ہمیں پروا بھی نہ ہوتی لیکن ڈینی نے بدقسمتی سے امریکیوں سے بھی دشمنی مول لی ہوئی ہے۔ آج کی دنیا میں کوئی امریکا کے کسی دشمن کو اپنے گلے لگانے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ امریکی ایسے تکبر میں مبتلا ہیں کہ اپنے دشمن کو چھوڑ کر سب سے پہلے اس کے ہمدرد کا نزخرا چبا ڈالیں گے۔"

"یہ بات تم کس حیثیت میں کہہ رہے ہو۔" ویرا یکایک بہت زیادہ سنجیدہ ہو گئی۔

"مم..... میرا مطلب ہے کہ یہ میری ذاتی رائے ہے۔ محکمے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہاں جو کچھ ہوتا ہے' پالیسیوں کے مطابق ہوتا ہے۔" جلال بوکھلا کر بولا۔

ویرا نے اس کی بوکھلاہٹ پر زوردار قہقہہ لگایا اور کہا "میں ہمیشہ کہتی ہوں کہ میں خود امریکی ہوں اور اپنی قوم کو اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ یہ بہت بزدل ہوتے ہیں مگر اپنی بے پناہ طاقت کے بل پر عالمی داداگیر بلکہ بدمعاش بن چکے ہیں کیونکہ ان کے ظلم کی کہیں کوئی دادرسی فریاد نہیں ہے۔"

"تم بات کسی اور طرف لے جاتی ہو۔" اس بار جلال کچھ جھلا کر بولا "میں ڈینی کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اس کے بلکہ تم تینوں کے کارناموں پر نیچے سے اوپر تک سب بہت خوش ہیں۔ گرین کو برا فائل کے ساتھ آنے والے ریکارڈ اور انل کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد بھارتی سازشوں کو شدید دھچکا لگا ہے اور وہ پندرہ بیس سال پیچھے چلے گئے ہیں مگر اس کے باوجود' مجھ سمیت کوئی بھی' تمہیں یا تم لوگوں کے کارناموں کو سرکاری طور پر نہیں اپنا سکتا۔ امریکا ڈینی کا دشمن ہے۔ وہ اس سے کسی کی دوستی برداشت نہیں کرے گا۔"

"دہلی میں تمہارے آدمیوں کے ساتھ کام کرتے ہوئے میں نے تمہاری دوسری مجبوریوں کا بھی قریب سے مشاہدہ کیا ہے۔ ہم نے اس مشن کا بیڑا کسی انعام یا تعریف کے لالچ میں نہیں اٹھایا تھا۔ یہ ہمارا فرض تھا جو ہم نے پورا کر دیا۔ ہمیں صلے کی تمنا ہے' نہ ستائش کی پروا۔"

جلال کے چہرے پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی اور اس نے دھیمے لہجے میں اپنی بات جاری رکھی "مجھے معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے۔ تم چاروں اور تمہارے ساتھ پانچواں اول خان ہے۔ تم سب بہت احترام اور عزت کے قابل ہو۔ میں نے ابھی جو کچھ بتایا وہ ہماری سرکاری پوزیشن ہے۔ میں اپنے بڑوں اور چھوٹوں کی طرف سے تمہارا ممنون ہوں۔ نجی سطح پر تمہیں ہر قسم کی مراعات حاصل رہیں گی۔"

باتیں کرتے ہوئے ہم ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔ جس کو جہاں جگہ ملی وہ وہیں بیٹھتا چلا گیا لیکن غزالہ دروازے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اندر داخل ہو کر ایک طرف کھڑی رہی۔

"غزالہ! تم بھی بیٹھ جاؤ" جلال نے وسیع ڈرائنگ روم کے خالی صوفوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"امرتسر سے یہاں تک کے سفر نے مجھے تھکا دیا ہے۔ پک اپ میں بیٹھے بیٹھے میرا جوڑ جوڑ ہل گیا تھا۔ میں کچھ دیر کے لیے اپنی کمر سیدھی کرنا چاہتی ہوں۔"

"اوہ!" جلال نے معذرت خواہانہ انداز میں اٹھتے ہوئے کہا "میں تمہیں تمہارا کمرا دکھاتا ہوں۔"

"تم بیٹھو، میں غزالہ کے ساتھ جا رہا ہوں" سلطان شاہ نے اس کام کے لیے اپنی خدمات پیش کر دیں۔

وہ غزالہ کے ساتھ ڈرائنگ روم سے نکلا ہی تھا کہ ویرا نے بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی "کمر میں زیادہ درد ہے تو ڈینی کو ساتھ لے جاؤ۔ یہ تمہاری کمر دبا دے گا۔"

"غزالہ کی کمر سے زیادہ اس وقت تمہارا گلا دبانے کی ضرورت ہے۔ ڈینی کو وہیں رہنے دو" سلطان شاہ نے مڑ کر جواب دیا اور وہ دونوں راہداری میں غائب ہو گئے۔

"گرین کوبرا فائل میں پاکستان، بنگلا دیش، سری لنکا اور نیپال کے خلاف بھارت کے سازشانہ عزائم کا تفصیلی روڈ میپ موجود ہے" جلال نے پہلو بدل کر سنجیدگی سے بتانا شروع کیا "دوسرے کاغذات بھی بہت اہم ہیں۔ اس پلندے نے ہماری آنکھیں کھول دی ہیں۔ بھارت کے مذموم اور جارحانہ عزائم ہماری توقعات سے کہیں زیادہ ہیں۔ گرین کوبرا فائل اور دوسرے کاغذات کا ملنا، انل بسواس کا کانٹا ہٹانے سے زیادہ اہم اور ضروری تھا۔"

"مگر مجھے اس بارے میں بریف نہیں کیا گیا تھا۔" میں نے دبے الفاظ میں شکوا کیا۔

"یہ ہمارے تصور میں بھی نہیں تھا کہ تم جیسا اجنبی دہلی میں چند روز گزارنے کے بعد یکایک را کے حلق میں ہاتھ ڈال دے گا۔ اس بار ہر بات انہونی ہوئی ہے۔"

"اس میں ہماری منصوبہ بندی سے زیادہ حالات کا دخل تھا۔ جو کچھ سامنے آ رہا تھا، اس کی روشنی میں ہم تیزی سے فیصلے کرتے چلے گئے" میں نے کہا۔

"جان اسمتھ کو بھی بروقت ہٹایا گیا ہے" جلال بولا "گرین کوبرا پلان میں اس کے نام کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ وہ اس خطے میں ناپسندیدہ حکومتوں کو گرانے کے لیے جوڑ توڑ اور ڈالروں کے بے دریغ استعمال کا گندہ کھیل کافی آگے تک لے جا چکا تھا۔"

"تم یہ مان لو کہ وہ محض میری وجہ سے مارا گیا ہے" ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "میں اسے خوف زدہ کر کے کسی خارش زدہ چوہے کی طرح کراچی سے بھاگنے پر مجبور نہ کرتی تو وہ دہلی پہنچتا اور نہ غزالہ کے ہاتھوں مارا جاتا۔"

"اس میں کوئی شبہ نہیں ہے" اسے شرافت پر مائل پا کر میں نے بھی پوری سنجیدگی سے کہا اور پھر جلال کی طرف متوجہ ہو گیا "صرف یہی نہیں بلکہ ویرا کسی پروگرام کے بغیر سمراٹ ہوٹل پہنچی۔ غزالہ پریشان تھی کہ وہ جان اسمتھ جیسے اجنبی کو اتنے بڑے ہوٹل میں کہاں تلاش کرے گی۔ ویرا نے اس کی بھرپور مدد کی اور وہ اپنے کمرے میں جانے کے بعد جہنم واصل ہو گیا۔"

"تم لوگوں نے دہلی کے اس دورے میں سارے بت گرا دیے۔ انل کے ساتھ تم نے دوسرے کس آدمی کو مارا ہے؟" جلال نے پوچھا۔

"وہ عہدے میں انل بسواس سے بہت کم تر ہے۔ اسے انل کا سینئر کلرک سمجھ لو۔ گرین کوبرا فائل سمیت ریکارڈ کی فائلوں کا ایک انبار اس کی تجوری میں دفن تھا۔ وہ سب لانا ممکن نہیں تھا اس لیے میں نے اس کے دفتر کو آگ لگا دی تھی۔ جو کاغذ ہمارے کام نہیں آ سکتے، وہ ان کے کام کیوں آئیں!"

"اس آگ میں ان کا ایک ایجنٹ بھی جل کر مرا تھا۔" جلال کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ دہلی میں تیزی سے رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں اس کی اطلاعات میں گہرائی نہیں تھی۔ اسے ہر بات معلوم تھی لیکن اندر کے پیچ اس کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے آدمی تمہیں تفصیل کے ساتھ کچھ نہیں بتاتے" میں نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"غنیمت یہ ہے کہ وہ بڑے واقعات سے باخبر کرتے رہتے ہیں۔ ان کے پاس رابطے کا کوئی قابلِ اعتماد ذریعہ نہیں ہے" جلال نے سگریٹ کا کش لے کر فضا میں کثیف دھواں بکھیرتے ہوئے جواب دیا "فون اور فیکس استعمال نہیں کر سکتے۔ دہلی اور پاکستان کے کسی سرحدی شہر کے درمیان رابطے کے لیے دستی اپریٹس دستیاب نہیں ہیں۔ وہاں سے ابھی تک انل اور نریش کے بارے میں خبر نہیں آ سکی۔ جو کچھ معلوم ہوا ہے، سفارتی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے۔"

"دنیا کے ہر ملک میں ڈپلومیٹک بیگ کو تقدس کا درجہ حاصل ہے۔ دشمن بھی کسی کی سفارتی ڈاک کا تھیلا نہیں کھولتے" میں نے کہا "وہ اپنی رپورٹیں دہلی میں واقع پاکستانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہائی کمیشن کے ذریعے بھیج سکتے ہیں۔ ان کے لیے یہ سب سے سہل طریقہ ہے۔"

جلال کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی "یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ ہائی کمیشن کے ایک ایک ملازم کی دن رات نگرانی ہوتی ہے۔ میرے آدمی ان سے دور رہتے ہیں ورنہ وہ بھی بھارتی ایجنسیوں کی نظروں میں آجائیں گے۔ مکمل رازداری کے ساتھ دہلی میں تین برس گزارنا آسان کام نہیں ہے۔"

"یہ بہت بڑی مجبوری ہے" میں نے کہا "میری خواہش تھی کہ ہمیں وہاں سے پل پل کی خبریں ملتی رہیں۔ میں نے اپنی دانست میں اپنا کام پورا کرلیا جب تک ان کا ردِ عمل سامنے نہیں آئے گا' یہ پتا نہیں چل سکے گا کہ ہم کہاں تک کامیاب رہے ہیں۔"

"ذرا صبر سے کام لو۔ پچھلی رات کو تم نے انہیں مارا' صبح ان کی لاشیں دریافت ہوئیں۔ ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے اور وہ تمہاری تلاش میں نکل پڑے ہیں۔ یہ ان کی گھبراہٹ اور بدحواسی کی سب سے بڑی نشانی ہے۔"

"اگر وہ بیم گن کے استعمال پر اتنا زیادہ دھیان دے رہے ہیں تو اب انہیں یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ نریش کے دفتر کی تجوری لیزر سے کاٹی گئی تھی۔ نریش لیزر سے مارا گیا۔ انل کو اس کے ساتھ مارا گیا مگر اسے ختم کرنے کے لیے زہر استعمال کیا گیا۔ اس سے یہ بات سامنے آجائے گی کہ زہر اور لیزر گن ایک ہی فریق یا شخص استعمال کررہا ہے۔ وہ سارے الزامات میرے اوپر ڈال دیں گے۔"

"یہ حقائق ان کے ہوش اڑادیں گے" جلال نے زور دے کر کہا "ایک شخص دہلی میں بیٹھا ان کی بنیادیں کھوکھلی کررہا تھا اور وہ غافل بیٹھے ہوئے تھے۔"

"میرے سر پر ایک الزام ہو یا دس خون عائد کردیے جائیں' کیا فرق پڑتا ہے۔ اب میں باہر آچکا ہوں۔ جب تک بھارت میں پھنسا ہوا تھا' ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھا رہا تھا۔"

"تم اپنی اس حکمتِ عملی میں بھی پوری طرح کامیاب ہوگئے۔ را والے احمق نہیں ہیں۔ اگر را کے پاکستانی ونگ کی تجوری سالم ہوتی اور دفتر کو آگ لگادی گئی ہوتی تو انہیں زیادہ تشویش نہ ہوتی۔ کٹی ہوئی تجوری سے سارا ریکارڈ نکالے جانے سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ آنے والے کسی خاص چیز کی تلاش میں تھے۔ وہ چیدہ چیدہ ریکارڈ اپنے ساتھ لے گئے اور باقی ردی کے ڈھیر کو ان کے ایجنٹ کی چتا میں بدل دیا۔"

"سونے پر سہاگا یہ کہ یہ سب ڈینی کا کیا دھرا ہے" ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

"کل کی سفارتی ڈاک سے بڑے بھارتی اخبار آئیں گے۔ میں ایک دو تمہیں بھجوادوں گا۔ ان سے تمہیں دہلی کی تازہ ترین خبریں مل جائیں گی" جلال نے اپنی جگہ چھوڑ دی "مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ ابھی میرا دل نہیں بھرا مگر مجبوری یہ ہے کہ گیارہ بجے مجھے دفتر خارجہ کے ایک اجلاس میں شرکت کرنی ہے۔ میں وقت نکال کر ذرا فرصت سے تمہارے پاس آؤں گا تاکہ تم سے کچھ سیکھ سکوں۔ بے داغ منصوبہ بندی اور تیز فیصلے کرنے کی تمہاری صلاحیتیں قابلِ رشک ہیں۔"

باتیں کرتے کرتے اس نے اپنی جیب میں سے ایک مڑا ہوا لفافہ نکالا اور میری طرف بڑھادیا "یہ رکھ لو۔"

"اس میں کیا ہے" میں نے اس کے ہاتھ سے لفافہ لے کر متجسس لہجے میں پوچھا۔

"میرے جانے کے بعد دیکھ لینا۔ ابھی اسے اپنی جیب میں رکھ لو" اس نے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے محسوس کرلیا تھا کہ اس کاغذی لفافے میں کوئی کاغذ ہی تھا۔ وہ میرے لیے کوئی پیغام ہی ہوسکتا تھا۔ میں نے روا روی میں لفافہ اپنی جیب میں ڈال لیا۔

جلال کے برآمدے میں اترتے ہی سرکاری نمبر پلیٹ والی گاڑی پورچ میں رینگ آئی۔ جلال ہم دونوں سے ہاتھ ملا کر گاڑی میں سوار ہوا اور وہاں سے روانہ ہوگیا۔

"کھول کر تو دیکھو' لفافے میں کیا ہے؟" تخلیہ ہوجانے پر ویرا نے مجھے اکسایا۔

"تمہارے رشتے کا پیغام بھی ہوسکتا ہے۔ میں دیکھ رہا تھا

مقام شکر

انسان ہر حال میں کسی نہ کسی بات پر خدا کا شکر ادا کرسکتا ہے۔ مثلاً اگر آپ کے ذمے کچھ قرض ہے اور آپ اسے ادا نہیں کرپارہے ہیں تو آپ کو اس بات پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ آپ وہ آدمی نہیں ہیں جس کا آپ کے ذمے قرضہ ہے...!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ آج جلال کی نظروں میں تمہارے لیے کوئی عجیب سی بات تھی۔"

اس نے ایک جان دار قہقہہ لگایا جیسے میرے تبصرے سے محظوظ ہوئی ہو پھر بولی "تم واقعی عقاب کی سی نگاہیں رکھتے ہو۔ میں نے جان بوجھ کر اسے تھوڑی سی راہ دی تھی۔ اب وہ مجھ سے بے تکلف ہونا چاہ رہا ہے مگر میں اس سے کھنچ گئی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ اندر ہی اندر تڑپ رہا ہوگا۔"

ہم دونوں ڈرائنگ روم میں آبیٹھے۔ نئے موضوع میں انہماک کے باعث لفافے کا معاملہ محو ہوگیا۔

"جب تمہیں اس سے مراسم نہیں بڑھانے تھے تو اسے راہ کیوں دی تھی؟ تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤگی؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے ملامت کی۔

"میرے اوپر آنکھیں نہ نکالو" وہ غرائی "پہلے پوری بات سن لو۔ میں ٹرین سے فائلیں لے کر لاہور پہنچی تو وہ بہت جذباتی ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے سینے سے لگا کر کہا کہ وہ مجھے اپنی بہن سمجھتا ہے۔ یہ سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی کہ وہ بلاوجہ پارسا بننے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"اس میں آگ لگنے کی کیا بات تھی۔ مجھے اس کی بات پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ وہ بہت شریف اور باکردار آدمی ہے۔"

"نامحرم عورت کو بہن اور بیٹی قرار دینا گالی کے برابر ہوتا ہے" وہ تنک کر بولی۔

"امریکا میں ہوتا ہوگا۔ مشرق میں یہ رشتے محبت اور احترام کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔"

"میں امریکا میں پلی اور بڑھی ہوں۔ تم کو یہ موٹی سی بات سمجھ لینی چاہیے کہ جب تم کسی خوبصورت عورت یا لڑکی کو بہن کہتے ہو تو اسے یہ جتانے کی کوشش کرتے ہو کہ تم اسے اپنی محبوبہ بنانے کے قابل نہیں سمجھتے۔ مجھے جلال کی یہی بات بری لگی تھی۔"

"سبحان اللہ .... کیا انوکھی منطق ہے تمہاری" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "یہ اس کا قصور نہیں بلکہ تمہارے دماغ کا گند ہے۔"

"ہوا کرے۔ مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ میں یہ بتا رہی تھی کہ میں نے اسی وقت اسے سلگانے کا ارادہ کرلیا تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں کسی کو ستانے کا ارادہ کرلیتی ہوں تو کس حد تک جاسکتی ہوں۔ میں کراچی جانے کے بجائے یہیں جم کر بیٹھی ہوئی ہوں۔ اس سے جڑ کر بیٹھتی رہی۔ بات کرتی تو اس پر اتنا جھک جاتی کہ بے چارہ اپنے چہرے پر آنے والے میرے گرم گرم سانسوں سے پریشان ہو جاتا۔ جوں ہی وہ پگھلا میں انجان بن گئی۔ اب اس کی ہمت نہیں ہوتی کہ کس طرح میرے قریب آئے۔ اسے سلگا کر مجھے سچی خوشی حاصل ہوتی ہے۔"

"یہ بے ہودہ حرکتیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دماغ کی کوئی رگ ڈھیلی ہو چکی ہے۔"

"تم جو چاہو کہتے رہو۔ مجھے فرق نہیں پڑتا۔ یہ میرا شغل ہے، اس سے مجھے تسکین ملتی ہے۔ یہ جاری رہے گا۔"

اسی وقت سلطان شاہ لوٹ آیا۔ غزالہ کو وہ شاید اس کے کمرے میں چھوڑ آیا تھا۔

"اوہو۔ یہاں تخلیے میں کیا ہو رہا ہے" اس نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی مسرت سے پوچھا "بھائی جلال کہاں ہیں؟"

"وہ چلا گیا" ویرا چٹکی بجا کر بولی "میں ڈینی کو اسی کا قصہ سنا رہی تھی۔ اب وہ مجھے بہن کہہ کر پشیمان ہے۔"

"دیکھو! یہاں ہم اسی کے مہمان ہیں۔ یہاں خفیہ مائیکروفونز وغیرہ بھی ہوسکتے ہیں" میں نے ویرا کو سمجھانے کی کوشش کی "اگر تمہاری اس فضول گوئی کی بھنک اس کے کانوں میں پڑ گئی تو اسے صدمہ ہوگا اور ہمارے آپس کے تعلقات بگڑ جائیں گے۔ کوئی بھی اپنی کردار کشی برداشت نہیں کرے گا۔"

"میں تمہیں بتا کر اپنا دل ہلکا کرنا چاہ رہی تھی۔ تم خاموشی سے اسے دیکھتے رہنا۔ میں غزالہ سے اس بارے میں بالکل بات نہیں کروں گی۔"

میں نے اسے کوئی جواب دینے کے بجائے سگریٹ سلگالی۔

"وہ لفافہ تو کھولو" قدرے توقف کے بعد وہ چونک کر بولی "اپنا پیٹ ہلکا کرتے ہی اسے بھولا ہوا موضوع یاد آگیا تھا۔"

"یہ کس لفافے کا ذکر ہے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا۔

"یہ ہے!" میں نے لفافہ جیب سے نکالتے ہوئے اسے جواب دیا۔

لفافے کا فلیپ اسکاچ ٹیپ سے چپکا ہوا تھا۔ اس میں کوئی ہلکا پھلکا کاغذ ہی تھا۔ میں نے ٹیپ ہٹا کر لفافہ کھولا اور اندر نگاہ ڈالی تو بھونچکا رہ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے بے خبری میں میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔

جلال کے لفافے میں رکھا ہوا اکلوتا کاغذ میرا منہ چڑا رہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے انٹیلی ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کو انک فونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آنرک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے انداز مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹار زنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد انرک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی اپنی شخصیات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے اشتعال ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اور برائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کر لی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرنال ہرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار یوب رالیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرا لیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیاپھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا کچرا پی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر یہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کی ہمراہ اپنے بھائی کے انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود رائے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے کی کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں پورے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں قیام کے دوران میں ہم نے ہیروئن کی بڑھتی ہوئی دبا کے لیے انسداد کے لیے آئی پی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد کی اور جلال کے تعاون سے جہانگیر کے ماموں سسر چوہدری عظمت کی این جی او کا قلع قمع کر دیا۔ اس کے بعد ہم انڈیا روانہ ہو گئے۔ ہم نے جلال کی مدد سے سرحد عبور کی اور بآسانی دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں انل بسواس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی بی کے ایجنٹوں کی نشاندہی پر ویرا نے اپنا قیام ہم سے الگ کر لیا۔ میں اور غزالہ تاج محل میں تھے۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترک کمرے میں رہائش کی بنا پر راہ میری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی ایک خوب رو ایجنٹ رینا اجیت رائے نے دل پھینک اوباش دوشیزہ کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جلوؤں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہوٹل کی رنگین تنہائی میں کچھ وقت گزار کر اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھی اور میری بے راہ روی کی مکمل ویڈیو تیار کی جا چکی تھی۔ مجھے اس کے بعد انل بسواس سے ملنا پڑا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پاکستانی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بہ رضا و رغبت اس میں پھنستا چلا گیا۔ اسی وقت آئی بی کے مقامی ایجنٹوں نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فائل کے چکر میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک مواد موجود ہے۔ میں نے انل بسواس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں اس کا معاون نریش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور میری اور رینا اجیت رائے کی ویڈیو نریش شرما کے کمرے میں تھی۔ راکا وہ دفتر اپنے حفاظتی اقدامات کی بنا پر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی ویڈیو فلم ضائع کر دی نیز مال غنیمت کے طور پر گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں سے اڑا لیا۔ اس مہم میں راکا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ راکے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر ویرا کے اہمراہ پاکستان بھجوا دیا اور وہ بہ خیریت وہاں سے نکل گئی۔ اس کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا مگر مجھے جلد گلوخلاصی حاصل ہو گئی تھی مگر اب رینا میری ہم نوا ہو گئی اپنے فرض سے غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث راہ والے مجھے دوبارہ کسی جال میں گرفتار نہ کر سکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے انل بسواس اور نریش شرما دونوں کو ختم کرنا تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہو گیا۔ واپسی کے سفر میں ہم سرحد عبور کرتے ہوئے دو بھارتی فوجیوں سے ٹکرا گئے جنہیں جہنم واصل کرنے کے بعد جلال کے لیے امرتسر میں خدمات انجام دینے والے بنگو کو بھی قربان کرنا پڑا۔ ہم پاکستان پہنچے جہاں ویرا اور سلطان شاہ ہمارے منتظر تھے۔ ہم اپنی قیام گاہ پر تھے اور جلال مجھ سے تھوڑی دیر کے لیے رخصت ہو رہا تھا۔ وہ چلتے چلتے ایک لفافہ مجھے دے گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے لفافہ کھولا اور اندر رکھے کاغذ پر نظر پڑتے ہی مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرے سر پر لٹھ مار دیا ہو۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں نے وہ کاغذ لفافے میں نکالے بغیر دیکھا۔ وہ کوئی
ام کاغذ نہیں تھا۔ نیشنل بینک کی مقامی شاخ کا بیئرر چیک تھا
س پر دس لاکھ روپے کی خطیر رقم درج تھی۔ کوئی بھی شخص
پنے دو دستخطوں کے ساتھ وہ چیک بینک میں پیش کر کے دس
کھ روپے نقد حاصل کر سکتا تھا۔

میرے ذہن میں بے اختیار غزالہ کے وہ الفاظ گھوم گئے جو اس نے امرتسر میں بنگو کو رقم کی ادائیگی کے سلسلے میں کہے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ امرتسر سے ہماری غیر قانونی واپسی کے لیے بنگو کو ادا کی جانے والی رقم جلال اور اس کے محکمے کے سر ہونی چاہیے تھی۔ غزالہ اپنی عملی زندگی میں بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فراخ دل اور بے پروا تھی۔ امرتسر میں پتا نہیں کیوں وہ چھوٹی بات اس کے ذہن میں آگئی تھی۔ اس کے خود غرضانہ خیال سے اتفاق نہیں کیا تھا اور حساب کتاب کرنے کا... کوئی موہوم ترین خیال بھی اپنے ذہن میں لائے بغیر بنگو کو پندرہ ہزار روپے اپنے پاس سے ادا کردیے تھے۔

دوسری طرف وہ چیزیں جلال کی نظروں سے اوجھل نہیں تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ ہم آئی بی کی کسی مالی اعانت کے بغیر قومی مقاصد میں اس کے محکمے کی اعانت کررہے تھے اور اس مد میں ہونے والے تمام اخراجات خود برداشت کررہے تھے۔ اس نے شاید بھارت کے سفر میں ہونے والے ہمارے بھاری اخراجات اور خدمات کے صلے میں خطیر رقم کا وہ چیک مجھے دیا تھا مگر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میرے منہ پر تھپڑ دے مارا ہو۔

میں اپنے دل کی گہرائیوں سے سچا پاکستانی تھا۔ میرے پاس جو کچھ بھی تھا اسی ملک کے طفیل تھا۔ اگر میں اس ملک کی بقا اور سلامتی کے تحفظ کے لیے اپنی ساری جمع پونجی کے ساتھ اپنی جان بھی داؤ پر لگا دیتا تو اپنی زمین اور مٹی کا قرض ادا نہیں کرسکتا تھا۔ وہ سراسر میرا اور میرے وطن کا معاملہ تھا۔ جلال یا کسی اور کو اس کی قیمت لگانے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔

وطن سے محبت کا وہ سبق میں نے اپنا بہت کچھ کھو دینے کے بعد سیکھا تھا۔ اپنی سوتیلی ماں اور سوتیلے بھائیوں کے انسانیت سوز سلوک کے سائے میں، میں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔ بھوک، پیاس اور غربت کے دکھ جھیلے اور اپنی سگی ماں کی صحت یابی کے لیے کچھ نہ کرسکا۔ لاہور میں میرے لیے زمین تنگ ہوگئی تھی اور آسمان بہت دور تھا۔ میری ماں اپنے جوان بیٹے کی وہ بے بسی اور بے کسی زیادہ دن نہ دیکھ سکی اور ایک دن خالق حقیقی سے جا ملی۔ اس کے سانس کی لڑی ٹوٹتے ہی میری وہ وزنی زنجیر بھی ٹوٹ گئی جس نے مجھے لاہور کی مٹی سے باندھا ہوا تھا۔ ماں کے سوگ میں کسی اندھے، گونگے اور بہرے روگی کی طرح میں نے نہ جانے کتنا وقت چلتے چلتے گزارا اور پھر اپنے غدار شہر کو خیرباد کہہ کر کراچی کا رخ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ کراچی میرے لیے اجنبی شہر تھا لیکن اس شہر نے شی کے ذریعے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بظاہر سوسائٹی فار ہیروئن ایڈیکشن منشیات کے انسداد کے لیے کام کررہی تھی۔ اس کا سرغنہ جمی لائیڈ تھا جو ویرا کا بن بیاہا باپ بھی تھا۔ شی نے میری ہر مالی ضرورت فراخ دلی سے پوری کی اور میں نے مغرب کے نوجوانوں کو ہیروئن سے بچائے رکھنے کے لیے ابتدا میں مفت اور پھر کوڑیوں کے دام کراچی میں ہیروئن پھیلانی شروع کردی۔ اس وقت میں اچھے اور برے کی تمیز کھو کر صرف دولت حاصل کرنے کا خواہاں تھا کیونکہ اسی کی محرومی کے سبب میری ماں قبل ازوقت منوں مٹی تلے جاسوئی تھی مگر جب میں نے اپنی آنکھوں سے ہیروئن کی ہولناک تباہ کاریاں دیکھیں تو میرا رُواں رُواں کانپ اٹھا۔ وہ میری زندگی کا اہم ترین موڑ تھا جہاں سے میری کایا کلپ شروع ہوئی۔ میں نے شی اور اس کے مفادات کے خلاف تن تنہا ایک خفیہ جنگ شروع کردی جو بڑھتے بڑھتے ایک کھلی لڑائی میں بدل گئی۔ میرے ارادے نیک تھے اس لیے مقدر میری یاوری کرتا رہا۔ اسی دوران میں مجھے منشیات فروشوں کی ایک گن بوٹ پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا جسے نامعلوم مجرموں یا شاید بحری قزاقوں کے ہاتھ فروخت کرکے میں نے اتنی بڑی رقم کمالی جو میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی۔ ایک مدت سے ہونے والے فراخ دلانہ اخراجات کے باوجود اس خزانے میں کوئی نمایاں کمی نہیں آئی تھی۔ بھارت کے سفر میں بھی وہی رقم بلکہ اس کا ایک حقیر سا حصہ میرا زادِ راہ رہا تھا۔ میں نے اسی میں سے بنگو کو پندرہ ہزار روپے کی معمولی سی رقم دے کر اپنے اور غزالہ کے لیے گویا نئی زندگی خریدی تھی۔ میری دانست میں جلال پر اس کا کوئی بار نہیں تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو...؟ لفافے سے کاغذ باہر کیوں نہیں نکالتے!" سلطان شاہ نے شاید میرے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ کو دیکھ کر مجھے ٹوک دیا۔

میں نے سرد نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور لفافے میں سے چیک نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا "لو! جلال کی دی ہوئی گالی تم بھی پڑھ لو۔"

سلطان شاہ سے پہلے ویرا نے وہ چیک میرے ہاتھ سے اچک لیا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "اوہ خدا! یہ تو ایک ملین روپے کا چیک ہے۔ تم اسے گالی کہہ رہے ہو۔"

سلطان شاہ بھی لپک کر ویرا کے شانے سے جا لگا۔ نیشنل بینک کے چیک کی تحریر پڑھ کر وہ بھی حیران رہ گیا۔

"یہ گالی ہے۔" میں نے زوردے کر جتایا "میں نے کسی انعام یا معاوضے کے لالچ میں بھارت کا سفر نہیں کیا تھا۔"

"یہ کون کہہ رہا ہے کہ تم حریص یا معاوضے کے طلب گار تھے۔ تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ آئی بی والوں نے شایانِ شان طور پر تمہارے بلکہ ہم تینوں کے کارناموں کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اعتراف کیا ہے۔" ویرا نے تحیر زدہ بے یقینی سے کہا۔

"میں یہ چیک پھاڑ کر اس کے پرزے اسی لفافے میں جلال کو لوٹا دوں گا۔" میں نے اداسی سے کہا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو۔" ویرا نے وہ چیک جلدی سے تہ کر کے اپنے بلاؤز میں اڑسا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی "سرکار سے انعام میں چند روپے تو بڑی بات ہے' ایک روکھا سوکھا صداقت نامہ لینے کے لیے لوگ نہ جانے کیسے کیسے پاپڑ بیلتے ہیں۔ اپنی انا کا خون کر کے ہر ایرے غیرے کی خوشامدیں کرتے پھرتے ہیں تاکہ گلے میں کوئی تمغا یا فائل میں کوئی سرٹیفکیٹ سجا سکیں اور تم ہو کہ اتنے بڑے انعام کو ٹھکرا رہے ہو۔"

"تم کو انعام اور مہربانی کا فرق معلوم ہونا چاہیے۔" میں نے بائیں ہاتھ سے اس کا شانہ دبوچ کر سختی سے کہا۔

"مہربانی مطالبہ کر کے طلب کی جاتی ہے۔ تم نے جلال سے کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا۔ اس نے از خود تمہیں انعام دیا ہے۔" ویرا نے کہا۔

"اس نے کچھ نہیں دیا۔" سلطان شاہ نے گفتگو میں دخل اندازی کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا "وہ معزز' شریف اور ذمے دار افسر ضرور ہے مگر تنخواہ دار ہے۔ وہ اپنی گرہ سے اتنی بڑی رقم نہیں دے سکتا۔ یہ چیک سرکار کی طرف سے آیا ہے۔"

"تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو۔" ویرا اس کی بات ختم ہوتے ہی بول پڑی "جلال اور اس سے اوپر والے سب لوگ سرکاری ملازم ہیں جن کو عوام کے دیے ہوئے ٹیکسوں سے تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ یہ پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ یہاں چھوٹے موٹے سرکاری اہل کار بھی خود کو مالک و مختار اور شہنشاہ سمجھتے ہیں۔ مہذب ملکوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ جلال اس غیر مہذب معاشرے کا انتہائی مہذب افسر ہے۔ وہ کوئی احسان جتائے بغیر خاموشی سے لفافہ دے کر چلا گیا۔ اسے امانت دی گئی تھی۔ وہ اس نے تمہیں پہنچا کر امانت داری کی ایک روشن مثال قائم کی ہے۔"

اس بار سلطان شاہ نے ویرا کی بات درمیان سے اچک لی اور بولا "وہ چاہتا تو خود بھی یہ بیئرر چیک کیش کروا سکتا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں ایک بہت خوش گوار اور اچھا کام سرانجام دیا ہے۔ چیک کے پرزے اس کا دل توڑ دیں گے۔"

"سرکاری خزانے سے رقم آسانی سے نہیں نکلا کرتی۔" میرے کچھ بولنے سے پہلے ویرا کی زبان ایک مرتبہ پھر چل پڑی "پتا نہیں انعام کی اس تجویز پر کب سے کام ہو رہا ہو گا جو اب تمہیں بھارت سے لوٹتے ہی چیک ملا ہے۔ اسے لوٹا کر تم نہ جانے کس کس کی محنت پر پانی پھیر دو گے... یہ...."

"بس!" میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا "تم دونوں اپنی اپنی بولیاں بولتے رہو گے یا میری بھی کچھ سنو گے۔ تم دونوں کی کچھ باتیں میری سمجھ میں آ رہی ہیں۔ چیک پھاڑنے سے جلال کو واقعی دکھ ہو گا۔ میں شکریے کے ساتھ چیک اسے لوٹانا چاہتا ہوں۔ لاؤ چیک مجھے دے دو۔"

میرے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر ویرا استہزا کے ساتھ ہنسی اور بولی "میں ہرگز نہیں دوں گی۔ تم نے دیکھا ہے کہ میں نے اسے کہاں محفوظ کیا ہے۔ ہمت ہے تو نکال لو۔"

"آج تمہارے دماغ میں کچھ کیڑے رینگ رہے ہیں۔ مجھے تاؤ نہ دلاؤ ورنہ میں تم سے چیک چھین لوں گا۔"

"وہ چیک صرف تمہارا نہیں ہے۔ اس پر میرا اور غزالہ کا بھی حق ہے۔" ویرا آنکھیں نکال کر غرائی "میں تم جیسی ساہو کار نہیں ہوں جو اتنی بڑی رقم کو ٹھکرا دوں۔ میری آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے جب سے پاکستان آئی ہوں' تمہارے رحم و کرم پر پڑی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم غزالہ کو ڈرا دھمکا کر اپنا ہم نوا بنا لو گے مگر میں اپنے حق سے دست بردار نہیں ہو سکتی۔ اس چیک کی رقم میرے کام آئے گی۔"

"میں اس سے زیادہ رقم تمہیں دے دوں گا' چیک مجھے دے دو۔" میں نے نرمی سے کہا "یہ چیک قبول کرنے سے میرا پندار ٹوٹ جائے گا کہ میں جان و مال سے اپنے وطن کی خدمت کر رہا ہوں۔ ضد مت کرو۔ میں بہت دور تک سوچ رہا ہوں۔"

"تمہارا یہ پندار اس وقت مجروح کیوں نہیں ہوا جب تم نے اول خان سے ایک بڑی رقم وصول کی تھی۔" ویرا نے جل کر پوچھا۔

"وہ انعام یا معاوضہ نہیں تھا۔ وہ رقم میں نے رستم علی کو اپنے جال میں پھانسنے کے لیے نقد ادا کی تھی اور اول خان نے اسی وقت کہا تھا کہ وہ مجھے میری رقم واپس دلائے گا۔ وہ بالکل مختلف معاملہ تھا۔ اسے جلال سے مت ملاؤ۔"

"میں تمہاری ان من گھڑت باتوں میں نہیں آؤں گی۔ جلال سے کہہ دوں گی کہ تم سے وہ چیک میں نے لے لیا ہے۔ میں نے پاکستان کی خاطر امریکا کو چھوڑا ہوا ہے۔ دنیا جہان سے لڑتی پھر رہی ہوں۔ پاکستان پر میرا بھی کچھ حق بنتا ہے۔ جلال میری بات رد نہیں کر سکے گا۔ وہ عوام کے دیے ہوئے ٹیکسوں سے تنخواہ اور مراعات لیتا ہے۔ ایک انعام لینے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حق مجھ کو بھی ہے۔"

"جلال کے رد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" سلطان شاہ نے جوش و خروش سے اس کی تائید کی "اس نے یہ رقم اپنی جیب سے نہیں دی۔ یہ ہم لوگوں کی خدمات کا انعام ہے۔ ڈینی ہمارا سربراہ ہے اس لیے چیک اس کو دیا گیا۔ اسے تذبذب ہے تو ہم سب چیک کے حق دار ہیں۔"

"اے ... ذرا سوچ سمجھ کر بولا کرو۔" ویرا نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا "بیچ میں ٹانگ اڑانے کی کوشش نہ کرو ورنہ وہ ٹوٹ جائے گی۔ یہ چیک صرف اور صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو بھارت کے مشن پر گئے اور را کے سومنات کے کئی بڑے بت گرا کر سرخ روئی کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔"

ویرا کی چال بازی پر سلطان شاہ گڑبڑا گیا اور بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا "ابھی تم نے خود کہا تھا کہ سرکاری خزانے سے رقم آسانی سے نہیں نکلا کرتی۔ پتا نہیں انعام کی تجویز پر کب سے کام ہو رہا ہوگا۔ اب تم بھارت جانے والوں کی ..."

"ہاں ہاں۔ وہ میری اور ڈینی کی بات تھی۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ دی "ڈینی کو قائل کرنے کے لیے میں بہت سی بے سروپا باتیں کر جاتی ہوں۔ تمہیں ان سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ دس لاکھ کے انعام پر اب تمہاری رال ٹپک رہی ہے۔"

سلطان شاہ کی طبیعت میں لالچ نام کو نہیں تھا۔ بات کچھ ایسے رخ پر چلی گئی کہ وہ روانی میں سب کا ذکر کر بیٹھا جس کا جواز خود ویرا نے ہی فراہم کیا تھا۔ ویرا کی قلابازی اور پھر الزام تراشی پر سلطان شاہ کی کھوپڑی سنک گئی اور وہ بھنّا کر بولا۔ "دس لاکھ تو کیا میں دس کروڑ پر بھی پیشاب نہیں کرتا۔ میں۔"

ویرا نے اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا اور سلگانے والے انداز میں بولی "کرو گے کیسے؟ تمہارا تو مثانہ ہی خراب ہے۔"

"لعنت ہے تم پر اور تمہاری حمایت کرنے والے پر۔" سلطان شاہ پیر پٹخ کر دبی دبی آواز میں تقریباً چیخ پڑا۔ اس نے بے ساختہ اپنے دونوں کان مروڑتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ "مجھ سے خطا ہوئی جو میں نے ڈینی کے بجائے تمہارا ساتھ دیا۔"

ویرا کے بے رحمانہ تبصرے سے سلطان شاہ کا دل ایسا خراب ہوا کہ وہ پھر وہاں نہیں رکا۔ بکتا جھکتا اور پیر پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

ویرا نے مزید کچھ نہیں کہا۔ اسے مزید اشتعال دلانے کے لیے بے پروایانہ انداز میں مسکراتی رہی۔ جب وہ کمرے سے چلا گیا تو ویرا نے ہلکی سی انگڑائی لی اور مجھے آنکھ مارتے ہوئے بولی "یہ اس قدر احمق آدمی ہے کہ میں آسانی سے اسے اپنی انگلیوں پر نچا لیتی ہوں۔ اس وقت میں اسے بھگانا چاہ رہی تھی اور دیکھ لو کہ وہ کتنی آسانی سے خود ہی چلا گیا۔ ویسے میں اس کی ہزار خوشامدیں کر لیتی تب بھی وہ یہاں سے نہ ہلتا۔"

"تم اس کے ساتھ بہت بے دردی سے پیش آتی ہو۔ تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے اس کا دل کھٹا ہو جائے گا۔" میں نے اسے ملامت کی۔

"میں جب چاہوں گی' ذرا سی دیر میں اسے منالوں گی۔" ویرا نے پورے اعتماد سے جواب دیا "میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں اور اس کی کمزوریاں جانتی ہوں۔"

"تمہاری حد سے بڑھی ہوئی یہ خود اعتمادی کسی دن تمہیں لے ڈوبے گی۔ تھوڑی دیر پہلے تم جلال کے بارے میں ایسی ہی خوش فہمیوں کا شکار تھیں۔ اس نے اگر تمہیں بہن کہہ دیا ہے تو تم کیسی ہی بدمعاشی پر اتر آؤ' وہ تم پر بری نظر نہیں ڈالے گا۔ میں اسے جانتا ہوں۔ اس ٹائپ کے افراد اپنے جذبات پر کنٹرول کے معاملے میں بہت سنگ دل ہوتے ہیں۔ اپنے ہر قسم کے جذبات کا گلا گھونٹ دیتے ہیں مگر اپنے مردانہ وقار اور کردار پر آنچ نہیں آنے دیتے۔"

"خوب ... اس وقت میری ساری باتیں سن رہے تھے۔ اب اس کی خوبیاں یاد آ رہی ہیں۔"

"سلطان شاہ کے لوٹ آنے کی وجہ سے میں خاموش ہونے پر مجبور ہو گیا تھا ورنہ تمہیں کھری کھری سنانے کا ارادہ کر چکا تھا۔" میں نے تلخی سے کہا۔

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورتِ دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ اتنا عظیم آدمی ہے تو تم اس کا چیک لوٹانے پر کیوں مصر تھے؟" ویرا نے پوچھا۔

"دو الگ الگ باتوں کو ملانے کی کوشش نہ کرو۔ لاؤ چیک مجھے دے دو۔"

اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے اپنی شوخ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کردیں۔ "تمہیں معلوم ہے کہ میں نے چیک کہاں رکھا ہے۔ نرمی اور محبت سے اسے نکال لو۔ میں کوئی اعتراض نہیں کروں گی۔" دھیمے اور مخمور لہجے میں بولتے بولتے یکایک اس کی آواز سرگوشیانہ ہوگئی "میں تمہاری طلب میں اندر سے پھنکی جارہی ہوں۔"

"اوہ!" اس بار میرے طنز کی باری تھی۔ میں نے کہا "تو یوں کہو کہ تمہارے دماغ میں گرمی چڑھی ہوئی ہے۔ جلال تمہارے لاشعور میں کہیں چپکا ہوا ہے اسی لیے وہ تمہیں اپنے اوپر رینگتا نظر آرہا ہے۔ اس وقت تم نے مجھے بلاؤز سے دوسری مرتبہ چیک نکالنے کی دعوت دی ہے۔"

"اب زیادہ نہ بولو۔" وہ برا سا منہ بنا کے بولی "مجھ سے پہلے تم نے اس کی نظروں میں عجیب سی بات کا ذکر چھیڑا تھا۔"

"وہ مذاق کی بات تھی اور تم اسے لے اڑیں۔ میں نے تو یہ بھی کہا تھا کہ لفافے میں تمہارے رشتے کا پیغام تھا تو کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ جلال تم سے شادی کا خواہاں ہے؟"

"میں ضرورت کے بغیر جھوٹ نہیں بولتی۔ مردوں کا ذہن میرے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہوتا ہے۔" اس نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"بات صرف اتنی سی ہے کہ تم نے بھارت سے گرین کو برا فائل اور دوسرے کاغذات وہاں سے لاہور پہنچا کر اتنا اہم کام سرانجام دیا ہے کہ وہ تمہارا حد سے زیادہ احترام کرنے لگا ہے اور مجھے یہی بات عجیب محسوس ہوئی تھی۔ یہ قصہ ختم ہوچکا ہے۔ اس پر بحث میں میرا وقت برباد مت کرو۔"

وہ اپنی جگہ چھوڑ کر اچانک میرے قریب آبیٹھی اور میرا ہاتھ اپنے گداز ہاتھ میں تھام کر ملتجی آواز میں بولی "تم مجھے بہت ترساتے ہو۔ میں کچھ وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔"

"خدا کا خوف کرو ویرا!" میں اچھل کر اس سے دور ہوگیا "ہم روح کو منجمد کردینے والے بھیانک خطرات سے گزر کر کچھ دیر پہلے ہی محفوظ سرحد میں داخل ہوئے ہیں۔ دو بھارتی فوجیوں کی ادھڑی ہوئی لاشیں اور بنگو کا عبرت ناک انجام میرے اعصاب پر سوار ہے۔ ذرا کچھ سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"تم تھک گئے ہو۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ میں تمہاری خدمت کروں گی۔ بس....."

"کچھ نہیں۔" میں نے اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا۔ "میری سب سے بڑی خدمت یہ ہوگی کہ چیک مجھے لوٹا دو۔"

وہ سرسری مطالبہ کرتے ہوئے مجھے پورا یقین تھا کہ ویرا انکار کردے گی لیکن اس نے ذرا بھی توقف کیے بغیر اپنے کھلے گریبان سے بلاؤز میں انگلیاں ڈال کر، مڑا ہوا چیک نکالا اور میری طرف بڑھا دیا۔

"چیک ملنے کا مطلب ہے کہ تم میری ہم خیال ہوچکی ہو؟" میں نے تحیر آمیز بے یقینی سے کہا۔

"میری رائے میں بال برابر فرق نہیں آیا۔ میری دانست میں چیک واپس نہیں ہونا چاہیے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ میں یہ چیک جلال کو لوٹا دوں گا پھر تم نے اسے واپس کیوں کردیا؟"

"تاکہ تمہیں یہ شبہ نہ ہو کہ اس رقم پر میری نیت خراب ہوگئی ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ شی میں، میں کروڑوں روپوں میں نہیں ڈالروں میں کھیلتی تھی۔"

"مجھے سب کچھ یاد ہے اسی لیے میں بھی تمہارا احترام کرتا ہوں۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"آئندہ یہ نہ کہنا۔" ویرا یکایک بھڑک اٹھی "ایسی باتیں مجھے دوستوں کی زبان سے زہر لگتی ہیں۔ کسی لڑکی کو جیتے جی درگور کرنا ہو تو اس کا احترام کیے جاؤ۔ اس کے اندر بھڑکنے والی آگ کے طوفانی شعلوں کا درماں کرنے کے بجائے اس کی پوجا شروع کردو۔ وہ سسک سسک کر مرجائے گی۔ مجھے کسی عزت اور احترام کی ضرورت نہیں۔ میں صرف محبت کی پیاسی ہوں اور تم سے جواب میں یہی چاہتی ہوں۔ اپنا احترام کسی اور کے لیے اٹھا رکھو۔"

میں پرتشویش نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ اس وقت میرا کوئی کڑوا کسیلا جملہ اسے مزید بھڑکانے کا سبب بن سکتا تھا۔

"خاموش کیوں ہو؟ میں اپنی بات کا جواب سننا چاہتی ہوں۔" خاموشی کا وقفہ طویل ہوجانے پر وہ اضطراری انداز میں بول پڑی۔

"میرا جواب کانوں سے سننے کے بجائے اپنے دل سے محسوس کرنے کی کوشش کرو۔ تم خود مطمئن ہوجاؤ گی۔" میں نے سنجیدگی سے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"مجھے تم ہمیشہ سے بہلاتے آئے ہو۔ اپنی زبان سے اقرار کردیا کھل کر انکار کردو۔" اس نے ضد کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہر نشیب و فراز کے باوجود ہماری دوستی برسوں سے برقرار ہے۔ اپنے بارے میں شکوے کرتے ہوئے تم یہ بات بالکل بھول جاتی ہو کہ غزالہ سے شادی ہو جانے کے بعد میری پوزیشن نازک ہو گئی ہے۔ اب میں پہلے کی طرح آزاد پنچھی نہیں رہا ہوں۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں اب تمہاری ان حیلہ سازیوں کو خوب سمجھنے لگی ہوں۔ مجھ سے کتراتے ہو تو غزالہ کی آڑ لے لیتے ہو۔ جب مہربان ہونے کا موڈ ہوتا ہے تو اسے یکسر نظر انداز کر دیتے ہو۔ وہ دودھ پیتی بچی نہیں ہے۔ تمہارے سامنے زبان نہ کھولنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ میری اور تمہاری دوستی سے بے خبر ہے۔ بیوی بننے کے بعد ہر لڑکی کی چھٹی حس بہت تیز ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے شوہر کی نظروں سے تاڑ لیتی ہے کہ اس کے آس پاس کیا کھیل ہو رہا ہے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "بھارت یاترا میں شاید تمہارے دماغ کا کوئی پرزہ ڈھیلا ہو گیا ہے جو ایسی اوٹ پٹانگ باتیں کر رہی ہو۔ یہ سب جانتی ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ غزالہ کی چشم پوشی کا بھرم برقرار رہنا چاہیے۔"

وہ یکایک اداس ہو گئی۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگالی اور تھکی ہوئی آواز میں بولی "کبھی کبھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں تپتے ہوئے صحرا میں ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہوں جو کبھی میرے ہاتھ نہ آئے گا۔ اس تھکا دینے والی بھاگ دوڑ میں میرا سایہ تک میرے ساتھ نہیں ہے۔ میں بالکل تنہا ہوں۔ میرا کوئی بھی نہیں ہے۔"

"اس وقت تم مایوسی کی حالت میں احسان فراموشی کی مرتکب ہو رہی ہو۔" میں نے اسے ٹوکا "ہم چاروں ایک خاندان کی طرح اکٹھے رہتے ہیں۔ اول خان ہماری فیملی کا پانچواں رکن ہے۔ ہم سب ایک دوسرے کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ تمہیں علم نہیں ہے کہ دلی میں غزالہ تمہارے لیے کتنی فکر مند تھی۔"

"مجھ سے جہالت کی باتیں مت کرو۔" ویرا برہم ہو کر بولی "مغرب میں یہ سب بکھیڑا نہیں ہوتا مگر مشرق میں ماں باپ اپنی بیٹیوں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے ہیں پھر بھی کوئی اپنی بیٹی کو عمر بھر اپنے گھر میں نہیں رکھتا۔ اکثر اوقات آسودہ گھرانوں کی لڑکیاں اپنے میکے کی ساری آسائشوں کو تج کر غریب اور متوسط طبقے کے گھروں میں بہو بننا قبول کر لیتی ہیں۔ جانتے ہو کہ یہ سب کیوں ہوتا ہے۔"

"مجھے اپنے بے ہودہ فلسفوں میں الجھانے کی کوشش نہ کرو۔" میں نے بے رخی سے کہا۔

"یہ کوئی فلسفہ نہیں' اس روئے زمین کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ لڑکی کسی کی بہن اور بیٹی بن کر سدا سکھی نہیں رہتی۔ تنہائی کا زہریلا ناگ اسے چپکے چپکے اور اندر ہی اندر ڈستا رہتا ہے۔ عورت کسی کی بیوی یا کم از کم محبوبہ بن کر ہی خود کو مکمل محسوس کرتی ہے۔"

"تم کو کس نے روکا ہے؟ تم شادی کے لیے آمادگی ظاہر کرو تو میں تمہارے لیے ایک سے ایک رشتہ تلاش کر سکتا ہوں۔"

"شادی تنہائی کا اکلوتا حل نہیں ہے۔ میں بارہا تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں نے دوسری راہ کا انتخاب کیا ہے۔ تمہاری شادی سے پہلے تم کو چاہتی تھی اور میں آج بھی اپنے اس فیصلے پر پورے خلوص سے قائم ہوں۔"

"ویرا! یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔ میں لمبے سفر سے تھکا ہارا واپس آیا ہوں۔" میں نے اس کے قریب ہو کر اسے سمجھایا۔

اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور میں بے ساختہ احمقانہ انداز میں مسکرا دیا۔

"ویری گڈ!" ویرا کو میری مسکراہٹ میں نہ جانے کیا نظر آیا کہ وہ یکایک خوش ہو گئی اور میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے صوفے سے اٹھ گئی "کبھی کبھی عہدِ وفا کی تجدید ہوتی رہے تو مجھے دلی سکون رہتا ہے ورنہ میں مضطرب ہو جاتی ہوں۔"

"تم سے زیادہ بے باک' خود غرض اور احمق لڑکی میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ تم نے نہیں دیکھی ہو گی" اس نے سنجیدگی سے کہا "تم میری محبت ہو اور غزالہ تمہاری محبت ہے۔ اس عجیب تکون میں تم میری زندگی کا حاصل ہو۔ جب بھی تم سے دور ہونے کا خوف لاحق ہوتا ہے' مجھے اپنی زندگی بے روح اور پھیکی محسوس ہونے لگتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ تمہیں قتل کر دوں یا اپنی زندگی کا خاتمہ کر لوں۔"

آخری فقرے پر وہ خود ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی مگر میں اندر سے لرز کر رہ گیا۔ اس نے میرے روبہ رو پہلی مرتبہ اپنی اس سفاکانہ سوچ کا اظہار کیا تھا۔ میں اس کے مزاج کو خوب سمجھتا تھا۔ اس کے اعتراف سے پہلے مجھے اندازہ تھا کہ اس کی تحکمانہ اور قابضانہ ذہنیت مایوسی کی انتہا پر پہنچنے کے بعد کوئی بھی ایسا گل کھلا سکتی تھی کہ جس پر سب کی عقلیں دنگ رہ جائیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ جوان، حسین، خوش کلام اور خوش بدن ضرور تھی مگر میرے لاشعور کے کسی کونے کھدرے میں ابتدا سے اس کے کسی بھیانک ردِ عمل کا خوف پل رہا تھا۔ شاید اسے میرا عذرِ لنگ قرار دیا جائے مگر اس خوف کی وجہ سے میں نے ہمیشہ اسے خوش رکھنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے اس کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترنا پسند تھا نہ اپنے بچاؤ کے لیے اس کا خون بہانا گوارا تھا۔ پُرامن بقائے باہمی کے لیے یہ ضروری تھا کہ ویرا کے انتہا پسندانہ جذبات کو محبت سے مغلوب رکھا جائے۔

وہ میرے منہ سے انکار یا اقرار سننے پر تلی ہوئی تھی لیکن گفتگو کا سلسلہ چل نکلا تو وہ اس گورکھ دھندے میں اپنا مطالبہ بھول گئی۔ ہم دونوں خوش گوار موڈ میں باتیں کرتے ہوئے اس ڈرائنگ روم سے باہر نکلے تو راہ داری خالی پڑی ہوئی تھی۔ ڈرائنگ روم کا ایک دروازہ براہ راست برآمدے میں اور دوسرا اس اندرونی راہ داری میں کھلتا تھا۔

"تمہاری نظریں کسی کی تلاش میں بھٹک رہی ہیں۔ کسے ڈھونڈ رہے ہو؟" راہ داری میں چند قدم بڑھنے کے بعد ویرا نے سوال کیا۔

"ہر طرف سناٹا ہے۔ یہاں کسی نہ کسی معاون یا خدمت گار کو موجود ہونا چاہیے تھا" میں نے کہا۔

ویرا نے مجھے کوئی جواب دینے کے بجائے فضلو کہہ کر کسی کو پکارا اور قریبی ڈرائنگ روم کے حریری پردوں کے پیچھے سے ایک ادھیڑ عمر اور باریش شخص اچانک نکل آیا۔

"ہم کمرے میں جا رہے ہیں۔ کھانا لگوانے کی تیاری کرو۔" ویرا نے اسے طلب کیا تھا اس لیے کوئی کام بتانا بھی ضروری تھا۔ ویرا کی ہدایت پر اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر فضلو دوبارہ اسی پردے کے پیچھے غائب ہو گیا۔

"آئی بی کے ڈرائیور، خانساماں اور فراش بھی پُراسرار ہیں" فضلو کے چلے جانے پر ویرا نے ہنستے ہوئے مجھے بتایا "ویسے ہر طرف سناٹے اور ویرانی کا راج نظر آتا ہے لیکن جب کسی کو پکارو، کوئی نہ کوئی آدمی کسی جن کی طرح کہیں سے نکل آتا ہے۔"

"یہ خطرناک بات ہے۔ ہو سکتا ہے کہ فضلو نے میری اور تمہاری باتیں سن لی ہوں۔"

"اپنے بڑوں کے حکم کے بغیر وہ ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ جلال کو ہم پر پورا بھروسا ہے۔"

اس خوبصورت مکان میں کل چار بیڈ روم تھے۔ ویرا مجھے میرا اور اپنا کمرا باہر سے دکھاتی ہوئی آگے نکل گئی۔ اس کا اندازہ تھا کہ سلطان شاہ غزالہ کے کمرے میں گھسا، اس کا مغز چاٹ رہا ہو گا کیونکہ دہلی میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں سب سے زیادہ تشنگی اسی کو ہو سکتی تھی۔

کمروں کے تعین سے ویرا باخبر تھی۔ اس نے غزالہ کے لیے مخصوص کیے ہوئے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور اندر سے سلطان شاہ کی اجازت پا کر اندر داخل ہو گئی۔

وہ دہرے بستر والا ایک وسیع و عریض کمرا تھا جہاں مسہری کے سوا ایک گوشے میں چار نشستوں والا صوفہ سیٹ بھی موجود تھا۔ سلطان شاہ، غزالہ کے ساتھ وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ غزالہ کے گیلے بالوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ سلطان شاہ کے سوالات کا سامنا کرنے سے پہلے اس نے غسل کر کے سفر کی دھول اور تکان سے نجات حاصل کر لی تھی۔

"گریٹ ... واقعی تم گریٹ ہو!" مجھے دیکھتے ہی سلطان شاہ وفورِ جذبات سے بے قابو ہو کر میری طرف لپکا اور پھر میرے گلے میں جھول گیا۔

"ارے ... یہ کیا حرکت ہے۔ میری گردن ٹوٹ جائے گی۔" میں اس ناگہانی افتاد پر بوکھلا گیا۔

سلطان شاہ کو بھی فوراً احساس ہو گیا کہ وہ تیمیں بدن نہیں تھا۔ وہ والہانہ انداز میں میرے رخساروں کے بوسے لے کر الگ ہو گیا۔

"سب کچھ ہماری توقع سے بڑھ کر شاندار رہا لیکن بنگلہ کے انجام پر بہت دکھ ہوا" سلطان شاہ کہہ رہا تھا۔

"بنگلو کو کیا ہوا؟" ویرا نے چونک کر پوچھا۔ ملاقات ہونے کے بعد اس نے ہماری مہم کے بارے میں کچھ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی تھی اس لیے وہ مکمل تاریکی میں تھی۔

"پاکستان پہنچنے کے بعد اسے مار دیا گیا" میں نے سگریٹ سلگا کر سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"اسے کس نے مارا؟" ویرا نے تحیر زدہ آواز میں بے ساختہ سوال کیا "وہ ہمارے لیے بہت کار آمد تھا۔ جلال نے بتایا تھا کہ امرتسر سے وہی تم کو پاکستان لا رہا تھا۔"

"ہمیں اسی نے پہنچایا تھا مگر راستے میں کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے کہ وہ مجھے پہچان گیا۔ اس کی پک اپ کی لوہے کی باڈی بھارتی فوجیوں کی چلائی ہوئی گولیوں سے چھلنی ہو چکی تھی اور دو فوجی مارے جا چکے تھے۔ وہ امرتسر جاتا تو اس کا پکڑا جانا یقینی تھا" میں نے اس بار ذرا وضاحت سے بتایا۔

"وہ انٹیلی جنس بیورو والوں کا بہت پرانا اور پکا انفارمر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ پکڑا بھی جاتا تو کچھ نہ اگلتا۔ کیا اسے تم نے مار ڈالا؟"
ویرا کا ذہن اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔
"وہ سیکرٹ ایجنٹ نہیں' تیسرے درجے کا بدمعاش تھا جو پیسے کے لالچ میں جلال کے لیے کام کررہا تھا۔ اس کے بارے میں جلال نے میرے مشورے سے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا اور آئی بی کے ایک آدمی نے اسے اڑا دیا۔ اسے نہ مارا جاتا تو امرتسر پہنچنے کے بعد وہ ہم سب کو مروا دیتا۔"
"تمہارا نام پہلے ہی جھنڈے پر چڑھا ہوا ہے۔ وہ تمہارا مزید کیا بگاڑ سکتا تھا؟" ویرا کی ہمدردیاں بدستور بنگو کے ساتھ تھیں۔
مجھے معلوم تھا کہ جب تک ویرا کو اپنے سوال کا تسلی بخش جواب نہیں ملے گا' وہ بار بار سوال کرکے تنگ کرتی رہے گی۔ میں نے اسے تفصیل سے وہ سارا پس منظر بتا دیا جو بنگو کے قتل کے فیصلے کے پس پشت کارفرما تھا۔ درمیان میں اس نے چند سوال بھی کیے جن کے مسکت جوابات موجود تھے۔ گفتگو مکمل ہونے پر وہ اس خیال سے متفق ہوچکی تھی کہ بنگو کو مارنے کا فیصلہ ناگزیر تھا مگر ہم سب کی طرح وہ بھی اس بھارتی بدمعاش کے انجام پر دل گرفتہ سی تھی۔
"بنگو بہت اہم آدمی تھا" میں نے آخر میں کہا "وہ نہ ہوتا تو مکمل ترین رازداری کے ساتھ ہمارا بھارت میں داخلہ ناممکنات میں سے تھا۔ اسی کی وجہ سے یہ ممکن ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور را کا دوسرا اہم ترین ریکارڈ بروقت بھارت سے نکال کر پاکستان پہنچا دیا گیا اور ہم دونوں کی بہ سلامت واپسی اس کے تعاون کے بغیر ناممکن تھی مگر یہ بہت بھیانک کھیل تھا جو انسانی لہو کا طلب گار تھا۔ اسے نہ مارا جاتا تو ہماری صفوں میں سے نہ جانے کون کون مارا جاتا۔ سب سے زیادہ خطرہ عابد علی اور اس کے دونوں ساتھیوں کی جانوں کو ہوتا۔ وہ تین برس سے پوری احتیاط کے ساتھ دہلی میں رہ رہے ہیں اور ان کے دامن بے داغ ہیں۔ بنگو کے پکڑے جانے کے بعد وہ کسی بھی لمحے چیونٹیوں کی طرح مسل دیے جاتے۔ را والے اپنے جہنم رسیدہ افسروں کے جوشِ انتقام میں اس وقت خونی بھیڑیے بنے ہوئے ہوں گے۔"
"یہ مجبوری تھی' اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اب کوئی اور بات کرو" ویرا نے مضمحل آواز میں کہا۔
"فکر نہ کرو۔ میں نے غزالہ سے ہر بات پوچھ لی ہے۔ پتا نہیں تم ڈرائنگ روم میں اتنی دیر تک ڈینی سے کیا باتیں کرتی رہی ہو" سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "ان دونوں کو اب آرام کرنے کا موقع ملنا چاہیے۔ میں تم کو ان کی پوری کہانی سنا دوں گا۔"
"مجھے ٹال کر اپنے نمبر بڑھانے کی کوشش مت کرو۔" ویرا نے رکھائی سے اسے ڈانٹ دیا "میں ان کی کہانیاں ان کی زبان سے سننا چاہتی ہوں۔"
"بہت سی باتیں تمہیں معلوم ہیں کیونکہ تم خود دہلی میں موجود تھیں" سلطان شاہ نے ڈھٹائی سے کہا "درمیان کی جو باتیں رہ گئی ہیں' وہ میں پوچھ چکا ہوں۔"
"تم چغد ہو" ویرا جل کر بولی "مجھے جان اسمتھ کے قتل کے سوا کچھ معلوم نہیں..."
"پھر اللہ تم پر رحم کرے" سلطان شاہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بزرگانہ انداز میں بڑبڑایا "معلوم ہوتا ہے کہ دہلی پہنچنے کے بعد تم ہاجی اللہ والی بن گئی تھیں۔"
"کیا تم کچھ دیر کے لیے خاموش نہیں رہ سکتے" ویرا نے درشتی سے کہا۔
"کوشش کروں تو شاید رہ سکتا ہوں مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں کوشش کیوں کروں۔ جب تم نے دہلی میں ہوتے ہوئے ڈینی اور غزالہ کا ہاتھ بٹانے کی کوئی کوشش نہیں کی تو میں بھی بس اللہ پر توکل کیے لیتا ہوں۔ وہ صرف ایک بار آدمی کی زبان بند کرتا ہے اور یہ بندش قیامت تک کے لیے ہوتی ہے۔"
"خاموش نہیں ہوسکتے تو کچھ دیر کے لیے سنجیدہ ہی ہوجاؤ۔ میرے ذہن میں اس وقت ایک نیا خیال آیا ہے۔" ویرا نے زچ ہوکر کہا۔
"راگ' راگنیاں اور خیال یہاں الاپنے کی کیا ضرورت ہے۔ کراچی جاکر یہ شوق پورے کرلینا" سلطان شاہ اسے عاجز کرنے پر تل گیا تھا۔ "یہاں تم...؟"
ویرا کے بشرے سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ اس وقت کوئی سنجیدہ بات کرنے کے موڈ میں تھی۔ میں نے تیکھی نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور وہ اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ کر یکایک یوں خاموش ہوگیا جیسے اس کی چابی ختم ہوگئی ہو۔
"تھینک یو ڈارلنگ!" ویرا نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا "اسے تم ہی خاموش کرا سکتے تھے۔"
"میں اپنی مرضی سے خاموش ہوا ہوں۔ مجھے کسی نے نہیں گھورا تھا" سلطان شاہ نے احتجاج کیا۔
"تم اپنی بات شروع کرو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارے ذہن میں اب کیا خیال آیا ہے؟" میں نے ویرا سے کہا۔
"میرا خیال ہے کہ اپنا کھیل تم نے خود بگاڑا ہے ورنہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈینی کا نام بھولے سے بھی سامنے نہ آتا" ویرا بولی۔

"بدترین حالات میں پھنس جانے کے بعد آدمی کے حواس زائل ہوجاتے ہیں اور وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہوجاتا ہے...." غزالہ نے کچھ کہنا شروع کیا مگر ویرا نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں تنقید نہیں کررہی۔ ڈینی کوئی عام آدمی نہیں ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ مشکلات میں گھر جانے کے بعد اس کا ذہن زیادہ تیزی سے کام کرتا ہے۔ اب تک جو کچھ ہوچکا' اس کو واپس لوٹانا ناممکن ہے لیکن اپنے فیصلوں اور کارکردگی کا جائزہ لے کر کوئی سبق حاصل کیا جاسکتا ہے تو ہمیں اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔"

"میں تمہاری بات سننے سے پہلے کہہ رہی ہوں کہ انہوں نے ہر مرحلے پر اپنی حیران کن صلاحیتوں سے کام لیا ہے۔ زندگی اور موت کے دوراہے پر ان سے بہتر فیصلے کوئی نہیں کرسکتا۔"

"یہ بحث بے کار ہے تم بتاؤ کہ کیا کہنا چاہ رہی ہو" میں نے ویرا سے مخاطب ہوکر کہا۔

"تم بھارت میں را کے مزید دس آدمیوں کو مار دیتے تب بھی انڈین پریس میں تمہارا نام نہیں آسکتا تھا۔ تم نے نریش شرما کو بیم گن سے ہلاک کرکے مسئلہ شروع کیا۔ لیزر گن یا بیم گن کا ذکر سامنے آتے ہی سب کا ذہن ڈینی کی طرف مبذول ہوگیا۔ تمہارے اس ہتھیار سے تمہارے دشمن دہشت زدہ رہتے ہیں۔ وہ بھارت کی سرزمین پر اس انوکھے ہتھیار کا پہلا استعمال تھا۔ بات واضح ہوگئی کہ ڈینی دہلی میں ہے اور نریش شرما کا قاتل ہے۔"

ویرا سانس لینے کے لیے رکی تو غزالہ جھٹ بول پڑی "وہ بھارت میں بیم گن کا پہلا نہیں' دوسرا استعمال تھا۔"

"میں جلال سے سن چکی ہوں کہ را کے پاکستانی ونگ میں نریش کی تجوری اسی سے کاٹی گئی تھی لیکن لوہے کی کسی تجوری کا پوسٹ مارٹم نہیں ہوتا۔ آگ میں سب کچھ جھلس کر برباد ہوگیا تھا۔ ناگر کی لاش بھی جل کر کوئلا ہوگئی ہوگی۔ یہ سمجھا گیا ہوگا کہ تجوری گیس کٹر سے کاٹی گئی تھی۔ اب نریش کا معاملہ سامنے آیا ہے تو اس تجوری کے جلے ہوئے حصوں پر بھی کام ہوگا اور یہ بات سامنے آجائے گی کہ تجوری مقفل کرنے کے پورے میکانزم کو انتہائی شدید حرارت سے پگھلایا گیا تھا۔ اتنی حرارت لیزر شعاعیں ہی پیدا کرسکتی ہیں۔" ویرا نے ایک باقاعدہ نظریہ قائم کرلیا تھا۔

"وہ تجوری پر سر کھپا کر نتائج اخذ کرتے رہیں۔ ہماری صحت پر کیا اثر پڑے گا؟" غزالہ نے تنک کر پوچھا۔

"چند روز میں وہ پتا چلالیں گے کہ ساری وارداتوں میں ڈینی کا ہاتھ تھا۔ اگر نریش پر بیم گن استعمال نہ ہوتی تو ڈینی کا نام پردے میں رہتا۔"

"تم کو اندازہ نہیں ہے۔ وہ خبیث مزاحمت پر تُل گیا تھا۔ اس نے آئی بی کے ایک آدمی کو پکڑلیا تھا۔" میں نے اپنے فیصلے کا دفاع کرتے ہوئے کہا "انگوٹھی کا زہر استعمال کرنے کے لیے اس کے قریب جانا ضروری تھا۔ مجھے اپنے قریب پاتے ہی وہ کوئی گڑبڑ کرسکتا تھا۔"

"اگر آئی بی کا کوئی آدمی تمہارے ساتھ تھا تو وہ زندہ نہیں رہا ہوگا۔ وہ اسے گولی مار دیتا۔" ویرا نے بیزاری سے کہا۔

"اور فائر کی پُرشور آواز کے نتائج تم بھگت لیتیں!" میں نے استہزائیہ انداز میں کہا "ویرا! بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ میں نے مجبوری کی حالت میں' بہت سوچ سمجھ کر' بیم گن استعمال کی تھی۔ اسے کسی اور ترکیب سے مارنے یا زیر کرنے کی کوشش کی جاتی تو ہمارا وہاں سے بچ نکلنا مشکل ہوجاتا۔"

"چلو' مان لیا کہ وہاں تم مجبور تھے لیکن ویران سرحدی جنگل میں کیا مشکل درپیش تھی۔ تم نے بھارتی فوجیوں پر بھی بیم گن چلادی۔"

"وہاں سب کچھ بہت تیزی سے ہوا۔ سوچنے سمجھنے کی مہلت نہیں تھی۔ وہ بنگلو کو مار دیتے تو ہم اسی جنگل میں بھٹک جاتے اور ان کے ساتھی ہمیں پکڑ لیتے۔ بس جو کچھ ذہن میں آتا چلا گیا' میں اس پر عمل کرتا چلا گیا۔"

"میں چشم دید گواہ ہوں۔" غزالہ بولی "وہ بہت بڑی اور ناگہانی مصیبت تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ ہم پک اپ کے آہنی پنجرے میں ہی پھنسے رہ جائیں گے لیکن ان کے حواس قائم تھے۔ اگر یہ بیم گن سے دروازے کا بیرونی کنڈا نہ کاٹتے تو بھارتی فوجیوں نے ہمیں زیر کرلیا تھا۔"

"وہاں ایکشن ہورہا تھا۔" میں نے ویرا کو بتایا "دونوں فوجیوں کے سروں پر خون سوار تھا۔ وہ بے تحاشا گولیاں برسا رہے تھے۔ انہیں جہنم واصل کرنے میں ذرا بھی تاخیر کی جاتی تو وہ مرتے مرتے بھی ہمیں گولیوں کی باڑ پر رکھ لیتے۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم نے اتنی شدید مجبوریوں کے عالم میں بیم گن استعمال کی ہوگی۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر ہتھیار ڈال دیے۔

"بھارت میں مجھے قدم قدم پر احساس تھا کہ بیم گن کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

استعمال میری موجودگی کا اشتہار بن سکتا ہے۔ میں حتی الامکان اس کے استعمال سے بچتا رہا لیکن اس بار بچنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔" میں نے ویرا کو بتایا "جب میں نے تمہیں رات کی آخری ٹرین سے دہلی سے نکل جانے کی ہدایت کی تو میں بھی صبح کی پہلی پرواز سے امرتسر جانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ آئی بی والوں نے میرے اور غزالہ کے ٹکٹ بنوا لیے تھے مگر میں نے محض اپنا نام اچھلنے کے اندیشے کی وجہ سے دہلی چھوڑنے کا ارادہ عین وقت پر ملتوی کر دیا۔ جان اسمتھ کی موت اور نریش کے دفتر میں نقب زنی کے بعد میرا وہاں رکنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

"امرتسر میں عابد فائلوں کا پلندا لے کر آیا تو میں حیران ہوئی تھی کہ میرے اور تمہارے درمیان ایسی کوئی بات طے نہیں ہوئی تھی پھر ایک اجنبی میرے کمرے پر کیسے پہنچ گیا۔" ویرا کسی عذر کے بغیر میری کہی ہوئی ہر بات مانتی جا رہی تھی اور ساتھ ہی وہ درمیانی کڑیاں بھی جوڑتی جا رہی تھی جو ہمارے درمیان کھلا رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت تک خلش کا سبب بنی ہوئی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھی "اس وقت تم غائب ہو جاتے تو اودھم مچ جاتا کہ یہ سب کیا دھرا مظہر خان کا ہے۔ رات میں اپنا کام دکھاتے ہی وہ ہوٹل سے بھاگ گیا۔ راوالوں نے ان معاملات میں تم کو پریشان تو کیا ہوگا۔"

"راوالے زمین پر شیطان کے چیلے ہیں۔ میں اس وقت تمہیں صحیح وسلامت نظر آ رہا ہوں تو یہ نہ سمجھو کہ میں دہلی میں عیش کرتا رہا ہوں۔ شدید ترین ذہنی تشدد کے ساتھ میں نے نریش کے ہاتھوں مار بھی کھائی ہے۔ اس کے ہر بے رحمانہ تھپڑ پر میرا خون کھول اٹھتا تھا مگر میں سر جھکائے پٹتا رہا تاکہ وہ مجھے پکا بزدل سمجھتا رہے۔"

"اس سؤر کے بچے نے تم کو تھپڑ لگائے تھے۔" سلطان شاہ صدمے اور حیرت سے بولا۔

"انتہائی کرارے اور ایسے زوردار کہ میری آنکھوں سے پانی نکل آیا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"آپ کا صبر رائگاں نہیں گیا۔ اس سے ہونے والی آخری ملاقات میں آپ نے سارے بدلے چکا دیے۔" غزالہ بولی "یہ باتیں آپ نے مجھ سے بھی چھپائے رکھیں۔"

"یہ سن کر تمہارا حوصلہ ٹوٹ جاتا۔ آدمی مشکل حالات میں گھرا ہوا ہو تو حوصلہ اس کا سب سے بڑا ہتھیار ہوتا ہے۔" میں نے کہا۔

"تم سن رہی ہو۔" غزالہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں ویرا کو مخاطب کیا "یہ سارے روگ اپنی جان پر لیے دشمنوں سے لڑتے رہے اور تم کہہ رہی ہو کہ انہوں نے غلطیاں کی تھیں جن کے نتیجے میں آج بھارتی پریس میں ان کے نام کا چرچا ہو رہا ہے۔"

"میں کہہ رہی تھی!" ویرا نے بھویں چڑھا کر' ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا "اب میں اپنے الفاظ واپس لے چکی ہوں۔"

"نریش سؤر کا بچہ تھا۔ وہ اپنے صحیح انجام کو پہنچا ہے۔" سلطان شاہ نے غصے سے مغلوب لہجے میں کہا "وہ اپنی دانست میں مظہر خان نامی ایک پاکستانی کو مار رہا تھا۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ اس کے سامنے ڈینی موجود ہے تو دہشت سے اس کا پیشاب خطا ہو جاتا۔"

"سب سے زیادہ دلچسپ بات یہی ہے۔" میں نے ان کی گفتگو سے محظوظ ہوتے ہوئے زبان کھولی "وہ لوگ ڈینی سے ڈرتے ہیں اور مظہر خان کو ایک بزدل چوہا سمجھ رہے تھے۔ نریش کو بس اتنا شبہ تھا کہ کہیں مظہر خان کسی پاکستانی ایجنسی کے لیے کام نہ کر رہا ہو۔"

"تم نے واقعی وہاں بہت دکھ اٹھائے۔ ان حالات میں جو کچھ تم نے کیا وہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں تھی۔" ویرا نے پہلی بار کھل کر اعتراف کیا۔

"میں مانتا ہوں کہ بیم گن کے استعمال نے ان کی عقلوں پر پڑے ہوئے پردے ہٹا دیے اور یکایک انہیں ہوش آ گیا کہ ڈینی ان کی صفوں سے بہت قریب گھوم رہا ہے۔" ویرا کی فراخ دلی دیکھتے ہوئے میں نے بھی کسی عار کے بغیر' کھلے دل سے حقیقت تسلیم کر لی "راوالے غبی اور عقل سے پیدل نہیں ہیں۔ ان کے قریب رہ کر میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ان کی تربیت میں ذہانت' چالاکی اور مکاری کے جوہروں کو نکھارنے پر خاصا زور دیا جاتا ہے۔ بیم گن کا غلغلہ نہ اٹھتا تو انہیں واقعات کی کڑیاں جوڑنے میں کچھ وقت ضرور لگتا مگر وہ جان لیتے کہ دہلی میں ہم لوگ ہی ان کی پشت پر پیاز کتر کر چلے گئے ہیں۔"

"دیکھنا یہ ہے کہ اب وہ ڈینی اور مظہر خان کے درمیان تعلق جوڑنے میں کتنا وقت لیتے ہیں۔" غزالہ گہرا سانس لے کر بولی۔

"شاید اس میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" یہ پیش گوئی کر کے میں نے سگریٹ سلگا لی۔

اسی لمحے غزالہ کے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے پر فضلو کا گمبھیر چہرہ نظر آیا۔ وہ میز تیار ہونے کی خبر لایا تھا۔

جب تک ہم بھارت کی سرزمین پر اپنی بقا کی جدوجہد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہے تھے، بھوک اور پیاس کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا لیکن بنگو کی زبان سے پاکستانی علاقے کا سفر شروع ہونے کی خبر سنتے ہی میری بھوک شدت سے جاگ اٹھی تھی۔ اپنے پرانے ساتھیوں کے حد سے بڑھے ہوئے جوش و خروش کی وجہ سے میں نے اپنی اس خواہش کو دبالیا تھا لیکن فضلو کا اعلان سننے کے بعد بھوک کا احساس میری برداشت سے باہر ہوگیا۔ میں نے نئی جلائی ہوئی سگریٹ ایش ٹرے میں مسلی اور اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ تینوں بھی میری تقلید میں خاموشی سے میرے پیچھے ہولیے۔

میز پر انواع و اقسام کے کھانوں کی اشتہا انگیز بھاپ اڑاتی ہوئی قابیں سجی ہوئی تھیں اور فضا خوشبوؤں سے بھری ہوئی تھی۔ جلال کو میری اور غزالہ کی آمد کی پیشگی اطلاع مل گئی تھی۔ اس لیے اس نے ہماری استقبالیہ دعوت کے اہتمام میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ کمی تھی تو بس اتنی کہ ہمارا میزبان اس دعوت میں موجود نہیں تھا۔

ابتدا میں میز پر تھوڑی سی ہلچل ہوئی لیکن پھر پلیٹیں بھرنے کے ساتھ سکون ہوتا چلا گیا اور ہم چاروں خاموشی سے کھانے میں مصروف ہوگئے۔

"ابھی تک تم نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔" پیٹ میں کچھ چارا پڑجانے کے بعد ویرا نے اچانک مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اعتراض کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ سب کھانے بہت لذیذ ہیں۔" میں نے لقمہ نگل کر جواب دیا۔

"یہ بات مجھے بھی معلوم ہے۔ میں کھانے کی نہیں، کمرے کی بات کررہی تھی۔" ویرا نے میری تصحیح کی۔

"کمرے کو کیا ہوا؟" مجھ سے پہلے سلطان شاہ نے تجسس کے ساتھ سوال داغ دیا۔

"سب کو معلوم ہے کہ ڈینی اور غزالہ کے درمیان میاں بیوی کا رشتہ ہے پھر بھی جلال نے دونوں کی شب خوابی کے لیے یہاں الگ الگ کمرے مخصوص کیے ہیں۔"

"اچھا!" غزالہ نے چونک کر سر اٹھایا اور بولی "تمہیں یہ بات کس نے بتائی؟"

"میں یہاں تم دونوں سے سینئر ہوں۔" ویرا نے بات شروع کی لیکن سلطان شاہ نے درمیان میں اپنی ٹانگ اڑا دی۔

"یہاں قیام کے سلسلے میں، میں بھی ان دونوں سے سینئر ہوں۔ مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی۔" اس نے اعتراض کیا۔

"کان اور آنکھیں کھلی رکھو تو تمہیں کچھ معلوم ہو۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا "ویسے بھی تمہیں آئے ہوئے چند گھنٹے ہوئے ہیں۔ میں کئی دنوں سے یہاں رہ رہی ہوں۔ یہاں کام کرنے والوں سے میری خاصی جان پہچان اور بے تکلفی ہوگئی ہے۔"

"تم میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ تم ہر ایک سے زبردستی بے تکلف ہونے پر تُل جاتی ہو بلکہ اس کے سر پر سوار ہونے لگتی ہو۔"

"خاموش ہوجاؤ!" میں نے اکتا کر سلطان شاہ سے التجا کی "تم دونوں اپنی بحث میں بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے ہو۔ ذرا سکون سے کھانا کھالینے دو۔"

"الگ الگ کمروں کے بندوبست کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ویرا نے پھر شوشا چھوڑ دیا۔

"ضروری نہیں کہ ہر کام جلال نے خود کیا ہو۔" میں نے بے پروائی سے کہا "اس نے اپنے ماتحتوں کو دو مہمانوں کی آمد کے لیے تیار رہنے کی ہدایت کی اور انہوں نے دونوں کے لیے الگ الگ کمرے مخصوص کردیے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم الگ الگ رہیں۔ ہم دونوں ایک کمرے میں ہی رات بسر کریں گے۔"

"ہوں۔ اوں!" ویرا نے ہنکارا بھرا پھر بولی "اپنی اپنی سوچ ہے۔ میرے نزدیک یہ بات اہم ہے کہ جلال نے اس بندوبست میں ذاتی دلچسپی نہیں لی اور سارا کام اپنے آدمیوں پر ڈال دیا۔"

"تمہاری آنکھوں سے شرارت ٹپک رہی ہے۔" سلطان شاہ بے ساختہ بول پڑا "ڈینی کو جلال کے خلاف اکسانے کی کوشش مت کرو۔"

سلطان شاہ کا وہ تجزیہ سو فیصد درست تھا۔ جلال نے ویرا کو ایک خوب صورت، کج ادا اور دل نواز دوشیزہ کی سی پذیرائی دینے کے بجائے اسے بہن قرار دے دیا تھا۔ جلال کی اس مشرقی گستاخی پر ویرا بری طرح چڑی ہوئی تھی۔ وہ دانستہ یا لاشعوری طور پر جلال کے خلاف زہر اگلنے پر تل گئی تھی۔ یہ بات ویرا کے سوا ہم میں سے ہر ایک نے محسوس کرلی تھی اور کوئی بھی اس کی باتوں میں آنے والا نہیں تھا مگر میں نے اس وقت سلطان شاہ کی تائید میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میری طرف سے ذرا سی حوصلہ افزائی ہوتے ہی وہ فوراً بے لگام ہوجائے گا۔

ہم چاروں خاصے طویل وقفے کے بعد یک جا ہوئے تھے اس لیے کھانے کے درمیان نوک جھوک کا سلسلہ چلتا رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن کوئی بھی نکتہ زیادہ زور نہ پکڑ سکا۔ غزالہ کچھ زیادہ خاموش تھی مگر ویرا خوب چہک رہی تھی۔ غزالہ کی چھٹی حس نے شاید اسے یہ احساس دلا دیا تھا کہ اس شام ویرا میرے اوپر ضرورت سے زیادہ مہربان ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ بات ویرا نے خود ہی کہی تھی کہ شوہروں کے بارے میں بیویوں کی نگاہیں عقابی ہوتی ہیں۔ وہ ایک نظر میں بھانپ لیتی ہیں کہ ان کا شوہر کس کھونٹے کے گرد منڈلا رہا ہے لیکن پھر بھی ویرا غیر محتاط تھی۔ مجھ سے بے تکلف ہونے اور ہاتھا پائی کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کر رہی تھی۔

ویرا کی وہ بے ساختہ اور بہت زیادہ بے تکلفانہ ادائیں مجھے برانگیختہ کر رہی تھیں۔ میں پتھر یا فولاد کا بنا ہوا کوئی بے جان مجسمہ نہیں تھا۔ جیتے جاگتے اور بستے ہوئے گرم لہو سے سرشار ایک انسانی پیکر تھا۔ ویرا کے گداز اور حسین سراپا کے ہر لمس سے میرے بدن میں گدگدیاں سی دوڑ رہی تھیں لیکن غزالہ کی غیر معمولی خاموشی مجھے ویرا کی شوریدہ سری کا جواب دینے سے روکے ہوئے تھی۔ میں دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ آئی بی کے مہمان خانے میں میری وہ اکلوتی رات سکون سے گزر جائے۔

ویرا نے سب سے پہلے کھانے سے ہاتھ روکا مگر وہ میز پر جمی رہی۔ کوئی اور موقع ہوتا تو یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ وہ دوسروں کا ساتھ دینے کے لیے ازراہِ مروت میز پر بیٹھی ہوئی تھی مگر اس کا موڈ کچھ ایسا خطرناک ہو رہا تھا کہ میرے بارے میں کوئی بھی اس کے تیوروں کا صحیح اندازہ لگا سکتا تھا۔

کھانے کا دور ختم ہونے کے بعد ہم چاروں کچھ دیر تک میز کے گرد بیٹھے رہے۔ ویرا کے تیکھے اور معنی خیز جملوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر غزالہ نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا "میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہاں سے اٹھ جانا چاہیے۔ یہ کرسیاں زیادہ دیر تک ہمارا بوجھ نہیں سہہ سکیں گی۔"

"ہم میں سے کوئی بھی اتنا بھاری نہیں ہے کہ یہ کرسیاں ٹوٹ جائیں۔" ویرا نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

"ہم بھاری نہیں ہیں۔ ہماری باتیں ہم سے زیادہ بھاری ہیں۔" سلطان شاہ نے فوراً لقمہ دیا۔

غزالہ نے اپنی کرسی چھوڑ دی تھی۔ میں نے اس کی تقلید کی۔ سلطان شاہ بھی کرسی سے اٹھنے پر مجبور ہو گیا۔ ویرا نے آخر میں اپنی کرسی چھوڑی تھی۔

میں نے کھانے کے کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم کا رخ اختیار کرنا چاہا تھا لیکن غزالہ اس سے پہلے اپنے کمرے کی طرف ہولی۔ ویرا اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ میں نے اسے روکنا چاہا کہ ہم کچھ دیر کے لیے ڈرائنگ روم میں بیٹھیں گے مگر ویرا نے صاف انکار کر دیا۔ "ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہم تھوڑی دیر کے لیے یہاں مہمان بن کر آئے ہوں۔ بیڈ روم میں بے تکلفی سے لیٹنے بیٹھنے کا مزہ ہی اور ہوتا ہے۔"

ویرا کے اس اصرار کے بعد مزید کچھ کہنا بے سود تھا۔ ہم چاروں دوبارہ غزالہ کے کمرے میں پہنچ گئے۔

ہمیں وہاں بیٹھے چند منٹ گزرے ہوں گے کہ فضلو نے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر کراچی سے آئے ہوئے فون کے بارے میں اطلاع دی۔ اس وسیع و عریض مکان میں ہر قسم کی سہولتیں میسر تھیں لیکن بیڈ رومز میں فون کی لائنیں نہیں تھیں۔ صرف ڈرائنگ روم میں ایک انسٹرومنٹ موجود تھا۔

کراچی سے فون کی اطلاع پاتے ہی میں نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہاں سے اول خان ہی فون کر سکتا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اتنے قلیل سے وقفے میں اسے کیسے پتا چل گیا کہ ہم لاہور کے اس فون نمبر پر مقیم تھے۔

میں نے ڈرائنگ روم میں پہنچ کر تپائی پر رکھا ہوا ریسیور اٹھا کر صرف ہیلو ہی کہا تھا کہ دوسری طرف سے اول خان کی زندگی سے بھرپور آواز گونجنے لگی "مبارک ہو' آج میرا رواں رواں خوش ہے کہ تم دونوں خیروعافیت سے اپنے وطن واپس لوٹ آئے۔"

"تمہیں اس خفیہ پروگرام کی سن گن کیسے مل گئی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"آج صبح سے میرا دل تم سے بات کرنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ میں نے مضطرب ہو کر چیف کو اسلام آباد فون کیا تو اس نے بتایا تھا کہ تم دونوں آج رات کسی بھی وقت لاہور واپس آ سکتے ہو۔ چند منٹ پہلے جلال سے میری بات ہوئی تو اس نے تمہارا یہ نمبر دے دیا۔"

"جلال سے تمہارا کہاں رابطہ ہو گیا؟" اول خان کے جواب پر میری حیرت دوچند ہو گئی۔

"وہ اسلام آباد میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا ہے۔ تم بہت بروقت وہاں سے نکل آئے۔ اس وقت میں نے آل انڈیا ریڈیو پر ایک اعلان سن کر جلال کو فون کیا تھا۔ بھارت میں تمہاری اور غزالہ کی تلاش شروع ہو چکی ہے۔ اطلاع دینے والے کے لیے پچاس ہزار روپے کا انعام رکھا گیا ہے۔"

"کیا تم نے یہ اعلان اپنے کانوں سے سنا ہے؟" میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔ وہ اپنے ہر فقرے کے ساتھ میری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ت میں اضافہ کر رہا تھا۔

"جب سے تم بھارت گئے تھے' میں آل انڈیا ریڈیو باقاعدگی سے سن رہا تھا۔ یہ اعلان کچھ دیر پہلے میں نے خود سنا ہے۔" اس نے بتایا۔

"یہ ضروری تو نہیں تھا کہ ہمارے بارے میں ریڈیو وغیرہ کوئی خبر نشر ہوتی۔" میں نے ہنستے ہوئے ہاؤتھ پیس میں کہا۔

"ضروری نہیں تھا مگر تمہارا مشن بہت اہم تھا۔ میرا خیال کہہ رہا تھا کہ تم کامیاب رہو گے۔ تمہاری ہر کارروائی کی خبریں بھارتی ریڈیو اور ٹیلی وژن نے نشر کی ہیں۔ ادھر کے پاکستانی ونگ میں آتش زنی کی خبر میں دوردرشن پر سنی ہیں۔"

بھارت میں رہتے ہوئے میرے شب و روز اتنے مصروف اور کٹھن تھے کہ میں ان باتوں پر دھیان نہیں دے سکا تھا۔ ریڈیو اس دور میں اپنی افادیت کھو چکا تھا۔ شہری علاقوں میں ریڈیو کی نشریات سننا ضروری نہیں رہا تھا کیونکہ ٹیلی وژن پر خبر اور تصاویر کے انضمام نے ہر چیز پر سبقت حاصل کرلی تھی۔ ریڈیو دور افتادہ اور پس ماندہ دیہی علاقوں کے باسیوں کا شغل بن کر رہ گیا تھا۔ دہلی میں ہمارے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ ہم ٹیلی وژن سے چپکے بیٹھے رہتے۔ اپنی کارگزاریوں کا ردِ عمل جاننے کے لیے ہمارا تمام انحصار دہلی سے شائع ہونے والے دو انگریزی روزناموں پر تھا جو انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل میں ٹھہرنے والے مسافروں کو بلاقیمت کمروں میں فراہم کیے جاتے تھے یا کمرے کے کرائے میں شامل تھے۔

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اول خان ہمارے بارے میں بہت زیادہ فکر مند تھا۔ اپنے ذاتی ذرائع کے ساتھ ساتھ ابلاغ کے دوسرے ذرائع سے بھی ہمارے بارے میں خبریں حاصل کرتا رہا تھا۔ میرے لیے یہ خبر بہت اہم تھی کہ نریش سرانل بسواس کی ہلاکت کے تقریباً بارہ گھنٹے بعد ہی دہلی کے تفتیشی اداروں کی توجہ میری اور غزالہ کی طرف مبذول ہو چکی تھی۔

"میں دوردرشن اور آل انڈیا ریڈیو کی زہر فشانی سے بے خبر ہوں مگر یہ بات ذو معنی ہے کہ بھارتیوں نے پورے زور و شور سے مظہر خان اور غزالہ کی تلاش شروع کردی ہے۔ انہوں نے ریڈیو پر اس تلاش کا کوئی سبب بھی بتایا ہوگا۔" میں نے پوچھا۔

"بھارت میں ہونے والی دہشت گردی کی کئی بھیانک وارداتوں کی چھان بین کے لیے تم دونوں کو اہم ملزم قرار دیا گیا ہے۔ میرے لیے یہ حیرت کی بات تھی کہ آج تم نے بھارت کو خیرباد کہا اور آج ہی بھارتی ایجنسیوں کو تم دونوں کا خیال آگیا۔"

"شاید تمہیں را کے انل بسواس اور نریش شرما کے بارے میں پتا نہیں چل سکا۔" میں نے کہا۔

"صبح سے وہ خبر ٹیپ کے بند کی طرح بار بار دہرائی جارہی ہے۔" اول خان کی طرف سے کسی توقف کے بغیر جواب آیا "ان دونوں کے جہنم واصل ہونے کی خبر سننے کے بعد ہی مجھے تم دونوں کی سلامتی کی طرف سے فکر لاحق ہوئی تھی۔ ان جیسے موذیوں کو مار کر بھارت سے نکل آنا آسان کام نہیں تھا۔"

"مجھے نئی خبر کی تفصیل بتاؤ۔ کیا جلال کو معلوم ہے کہ بھارتیوں نے ہماری تلاش کی مہم شروع کردی ہے۔"

"جلال باخبر نہ ہوتا تو مجھے صدمہ ہوتا۔ ایسی اطلاعات سے واقف رہنا اس کے فرائضِ منصبی میں داخل ہے۔"

"اپنے اعلان میں انہوں نے مظہر خان کو کس روپ میں پیش کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مظہر خان پاکستانی پاسپورٹ پر دہلی میں مقیم تھا۔ وہ اسے پاکستانی دہشت گرد قرار دے رہے ہیں۔" اول خان نے بتایا۔

"دوسری طرف انہیں ڈینی کی تلاش ہے جس نے اپنی لیزر گن سے نریش شرما کو مار دیا۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ہاں' یہی ایک نکتہ ہے جو حوصلہ افزا ہے۔ ابھی تک وہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ سمجھ رہے ہیں۔ میں نے ان کا ہر نشریہ غور سے سنا ہے۔ بھارتی حکام نے ابھی تک ایسی کوئی بات نہیں کی ہے جس سے یہ شبہ ہو کہ وہ ڈینی اور مظہر خان کو ایک شخصیت کے دو روپ سمجھ رہے ہیں۔ یہ باتیں میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ تم نے دہلی میں اپنی بساط لیسے پھیلائی تھی کہ وہ ابھی تک اس ابہام کا شکار ہیں۔"

"یہ لمبی کہانی ہے۔ آج کی رات گزر جانے دو۔ کل کراچی آؤں گا تو سب کچھ بتادوں گا۔"

"دہلی سے لاہور تک تمہارا سفر کیسا رہا؟" اول خان سب کچھ جان لینے کے لیے بے چین تھا۔

"ہولناک!" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر جواب دیا "یہ کہانی بھی کل سن لینا۔ دو بھارتی فوجیوں نے ہمیں موت کے دہانے تک پہنچا دیا تھا۔"

"میں تمہیں ایک بات بتادوں!" اول خان کی آواز میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یک بہ یک گہری سنجیدگی آگئی "اس بار بھارتیوں کا لب ولہجہ خطرناک ہے۔ وہ دہلی میں پیش آنے والے واقعات کو زور دے کر اور تکرار کے ساتھ عالمی دہشت گردی کا حصہ قرار دے رہے ہیں۔"

"مجھے یہ سن گن مل چکی ہے۔" میں نے دل ہی دل میں اس گفتگو کو یاد کرتے ہوئے جواب دیا جو میرے اور رینا اجیت رائے کے درمیان ہو چکی تھی۔ "اس وقت بھارتی حکمراں بہت خطرناک راستے پر چل پڑے ہیں۔ ان کی پوری کوشش ہے کہ دہشت گردی کے خلاف پائے جانے والے عالمی غم وغصے کو بھرپور انداز میں پاکستان کے خلاف استعمال کیا جائے۔"

"ہو سکتا ہے کہ ان کا یہ رویّہ ہمارے لیے مشکلات پیدا کرنے کا سبب بن جائے۔" اول خان کی آواز پُر تشویش ہو گئی۔

"کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ دہلی میں آج صبح تک جو کچھ ہوتا رہا وہ ہمارے لیے سود مند نہیں تھا۔" میں نے چونک کر پوچھا۔

"اوہ...! تم نے تو اچانک بہت لمبی جست لگا دی۔" ایک گہرے سانس کے بعد اول خان کی آواز آئی "وہاں جو کچھ ہوا' اس کے لیے ایک مدت سے خواب دیکھے جا رہے تھے۔ تم نے چند دنوں میں ایسی کامیابیاں حاصل کی ہیں جن کے اثرات برسوں تک محسوس کیے جائیں گے مگر ہمارا حریف بہت خطرناک ہے۔ وہ اپنی اس ہزیمت میں بھی سرخ روئی کے پہلو تلاش کرنے کی تگ ودو کر رہا ہے۔ وہ ان واقعات سے سیاسی فائدے اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"یہ مجبوری ہے۔ ان کی حرکتوں کا کوئی نہ کوئی سدباب کرنا پڑے گا۔ ہر ہوشیار قیادت اپنے حریفوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی ہے۔ ہمیں اپنی کمزوریوں کا اعتراف کر کے عاجزانہ رویّہ اختیار کرنے کے بجائے دبنگ ہو کر جارحانہ انداز میں ان کا مقابلہ کرنا چاہیے۔" میں نے اس کی تشویش کی نوعیت سمجھتے ہوئے کہا "میں اپنے ملک کے ان دشمنوں سے ہر محاذ پر لڑ سکتا ہوں لیکن سیاسی لڑائی میرے بس سے باہر ہے۔"

ریسیور پر اول خان کی ہلکی سی ہنسی کی آواز آئی پھر اس نے کہا "میں اپنا اور تمہارا موازنہ نہیں کر رہا لیکن ہماری کمزوریاں کم وبیش یکساں ہیں۔ مجھے بھی سیاست کے نام سے الجھن بلکہ وحشت ہونے لگتی ہے۔ جھوٹ سچ بولنا اور جوڑ توڑ کرنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"یہ نہ کہو۔ دشمن کے چنگل میں پھنس جانے کے بعد ہر فریب سے کام لینا پڑتا ہے۔" میں نے نرمی سے جواب دیا "سیاسی جوڑ توڑ میں کوئی حصہ لیے بغیر میں ہزاروں بار جھوٹ سچ اور جوڑ توڑ سے کام لے چکا ہوں۔ اس کے بغیر زندگی بہت دشوار ہو جاتی ہے۔"

"یہ متنازع بات ہے۔ یہ بتاؤ کہ کراچی کب آ رہے ہو؟" اول خان نے فوراً ہی موضوع بدل دیا۔

"میں نے کہا نا کہ ہم کل کراچی پہنچ رہے ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

اول خان دھیرے سے ہنس دیا "ویرا واپس آ کر لاہور میں بیٹھ گئی ہے۔ میں نے سوچا کہ تم بھی وہاں لمبا قیام کرو گے۔"

"ویرا کی بات مختلف ہے۔ فائلیں اور راکے کاغذات لانے والے قاصد کی حیثیت سے لاہور میں اس کی ضرورت سے زیادہ آؤ بھگت ہو رہی تھی اس لیے اس کا یہاں دل لگا ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کل وہ بھی ہمارے ساتھ کراچی لوٹ آئے۔"

"تمہاری غیر حاضری میں اس کا چراغ جل رہا تھا۔ تمہارے لوٹ آنے کے بعد صورتِ حال مختلف ہو جائے گی۔ اب وہ لاہور میں کیا کرے گی۔"

"یہ سوال اسی سے کرنا۔" اس سے مزید چند منٹ تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر سلسلہ ختم ہو گیا۔

"دہلی میں را اور دوسری بھارتی ایجنسیوں کو ہوش آ گیا ہے۔" میں نے ویرا' غزالہ اور سلطان شاہ کی مستفسرانہ نگاہوں میں چبھتے ہوئے سوال کو پڑھ کر ان کے زبان کھولنے سے پہلے کلیدی نکتہ بتا دیا۔ "وہاں مظہر خان اور غزالہ کی تلاش کی مہم شروع ہو چکی ہے۔"

"یہ ہونا ہی تھا۔" غزالہ نے سنجیدگی سے کہا "بس انہوں نے ذرا سی تیزی دکھائی ہے۔"

"اول خان کو یہ اطلاع کیسے مل گئی؟ جلال نے تو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔" ویرا نے اعتراض کیا۔

"جلال مصروف آدمی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے تک وہ ہمارے ساتھ تھا۔ اس وقت اسلام آباد میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا ہے۔" اول خان کہہ رہا تھا کہ جلال اس بات سے واقف ہے کہ بھارتیوں نے ہماری تلاش کی مہم شروع کر دی ہے۔"

"یہ اس کے دفتر کا کون سا وقت ہے۔" سلطان شاہ نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر حیرت سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ذمے دار سرکاری ملازم کے دفتر کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔ جب بھی کوئی اہم کام درپیش ہو وہ دفتر میں موجود ہوتا ہے۔" ویرا نے طنزیہ لہجے میں کہا "سارے سرکاری افسر تمہاری طرح گھڑی دیکھ کر کام کرنے لگیں تو اس ملک کا اللہ ہی حافظ ہوگا۔" سلطان شاہ کو سنانے کے بعد وہ مجھ سے مخاطب ہوگئی "تم نے یہ نہیں بتایا کہ جلال اور اول خان کو اطلاع ملنے کے کیا ذرائع ہیں۔ دہلی میں موجود آئی بی والوں کے رابطے اتنے مؤثر تو نہیں ہیں کہ وہ پل پل کی خبریں اپنے بڑوں کو پہنچاتے رہیں۔"

"اول خان ہماری فکر میں آل انڈیا ریڈیو اور دوردرشن سنتا اور دیکھتا رہا ہے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا "آئی بی والے بھی بھارتی نشریات کو مانیٹر کرتے ہوں گے۔ ہمیں ان فضول باتوں پر سر کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اتنا کافی ہے کہ اب وہ ہماری راہ پر لگ گئے ہیں۔"

"تو کیا انہوں نے واقعات کی ساری کڑیاں جوڑ لی ہیں؟" سلطان شاہ نے متجسس انداز میں پوچھا۔

"یقین سے نہیں کہا جاسکتا۔ بس ایک بات واضح ہے کہ ابھی تک وہ ڈینی اور مظہر خان کو الگ الگ شخصیات سمجھ رہے ہیں۔" میں نے بتایا۔

"تم نے یہ کیسے فرض کرلیا؟" ویرا نے مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"انہوں نے مظہر خان اور غزالہ کے بارے میں صحیح اطلاع دینے والے کے لیے پچاس ہزار روپے کے معمولی انعام کا اعلان کیا ہے۔"

"آپ کے لیے امریکیوں نے دس لاکھ ڈالر کا انعام مقرر کیا ہوا ہے۔" غزالہ نے فخر سے یاددہانی کرائی۔

"آثار یہ بتاتے ہیں کہ میرے ہم وطنوں کی وہ رقم ہمیشہ محفوظ رہے گی۔ عام انسانوں کی طرح ڈینی بھی لازوال نہیں ہے۔ کبھی نہ کبھی اس کا وقت پورا ہوگا مگر اس میں اس کے لہو کے پیاسوں کا کوئی ہاتھ نہیں ہوگا۔ یہ اپنے فطری انجام سے دوچار ہوگا۔" ویرا نے رائے ظاہر کی۔

کچھ دیر تک وہ محفل غزالہ کے کمرے میں جمی رہی پھر ویرا کے ایما پر چاروں دوبارہ ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔ جہاں بڑی اسکرین والا رنگین ٹیلی وژن موجود تھا۔ خبرنامے کا وقت بہت پہلے نکل چکا تھا لیکن گیارہ بجے اہم خبروں کی نشریات متوقع تھیں۔ باتوں باتوں میں وہ وقت بھی گزر گیا۔ گیارہ بجے کی مختصر اور اہم خبروں میں چند مقامی اور عالمی واقعات کا ذکر تھا۔ بھارت میں رونما ہونے والے واقعات اور ان کے سرکاری ردِعمل کا کوئی نشان نہیں تھا۔ پاکستانی وزارت اطلاعات اور نشریات کے ذمے داروں کو ان خفیہ سرگرمیوں کا کوئی علم نہیں تھا جو بعض افراد کے تعاون سے بھارت میں جاری تھیں۔

خبریں ختم ہوتے ہی غزالہ اٹھ گئی۔ میں نے اس کا ساتھ دیا۔ امرتسر سے لاہور تک کے سفر کا شدید ذہنی اور جسمانی دباؤ اس وقت بستر کی ضرورت کا احساس دلا رہا تھا۔ شاید ویرا اور سلطان شاہ کو بھی ہماری تھکن کا احساس تھا۔ انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور میں غزالہ کے ساتھ اسی کے کمرے میں پہنچ گیا۔ دشمن کے ملک میں بھیانک شب و روز گزارنے کے بعد ہمیں اپنے وطن کی آزاد فضاؤں میں پہلی رات یک جا ہو کر بسر کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔

"مظہر خان اور غزالہ کی تلاش پر پچاس ہزار روپے کے انعام سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ بھارتی حکام کو ہمارے اس

وغیرہ وغیرہ

آفاقی صاحب، بٹ صاحب اور خان صاحب کا ہانگ کانگ جانے کا پروگرام بنا تو آفاقی صاحب نے ایک ہوٹل کو پیشگی ٹیلی گرام دے دیا۔

"ہمارے لیے ٹاپ فلور پر ایک سوئٹ بک کردیا جائے جہاں سے نظارہ بہت خوب صورت دکھائی دیتا ہو... سوئٹ تین کمروں پر مشتمل ہو.... اس میں تمام آسائشیں موجود ہوں... فرنیچر نیا اور آرام دہ ہو... وغیرہ وغیرہ... وغیرہ۔"

جب وہ مذکورہ ہوٹل پہنچے تو انہیں ان کا سوئٹ دکھایا گیا۔ واقعی بہت عمدہ تھا لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس میں تین خوبصورت لڑکیاں بھی موجود تھیں۔

"یہ کون ہیں؟" آفاقی صاحب نے منیجر سے پوچھا۔

"یہ وغیرہ وغیرہ ہیں..." منیجر نے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روپ پر شک ہو چکا ہے۔" غزالہ باتھ روم میں کچھ وقت گزار کر شب خوابی کے حریری لباس میں برآمد ہوئی تو اس کے ہونٹوں پر سحر انگیز مسکراہٹ ناچ رہی تھی اور ذہن میں ایک نیا خیال موجود تھا۔

"کسی شبہے کے بغیر تلاش شروع نہ ہوتی۔ انہیں جلد از جلد کچھ نہ کچھ کر کے دکھانا ہوگا ورنہ بھارت میں را کی ساکھ بری طرح تباہ ہو جائے گی۔" میں نے کہا "اس وقت وہ پوری مستعدی سے ہر مشتبہ نام کا پیچھا کریں گے۔"

"میں نے یہ بات بھری چوپال میں نہیں چھیڑی ورنہ وہاں ہر ایک اپنی بولی بولنا شروع کر دیتا۔ آخر انہیں مظہر خان پر کیا شبہ ہو سکتا ہے۔"

"پس پردہ واقعات کو بھول کر سوچو تب بھی تم کو ان کی تلاش کا جواز مل جائے گا۔" میں نے بستر پر اپنے پہلو میں غزالہ کے لیے جگہ بناتے ہوئے جواب دیا "مظہر خان کو را نے اپنا مخبر بنانے کے لیے منتخب کیا تھا۔ وہ نریش شرما اور انل بسواس سے قریبی رابطے میں تھا۔ ان دونوں نے اپنی بساط کے مطابق یہ یقین کر لیا تھا کہ مظہر خان کوئی جعلی نام نہیں تھا۔ نریش نے اپنے ذہنی اور جسمانی حربے آزما کر دیکھ لیے تھے مگر مظہر خان کی زبان سے کوئی منفی بات اگلوانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ درست ہیں مگر نریش اور انل کی موت کا راز کھلنے کے ساتھ یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ مظہر اور غزالہ نے اس واقعے سے پچھلی رات اپنے ہوٹل کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ آگرے میں ان کا سراغ نہیں ملتا۔ اٹاری پر ان کی پاکستان واپسی کا کوئی اندراج نہیں ہے۔ دہلی میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ دونوں کہاں گئے۔ ان ناموں کو مشتبہ بنانے کے لیے یہ مواد کافی ہے۔"

"ایک طرف بھارتیوں نے سارا الزام ڈینی کے سر ڈال دیا ہے۔ دوسری طرف وہ مظہر خان کو تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔ کیا یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہیں؟" غزالہ نے ایک ادا کے ساتھ مسہری پر دراز ہوتے ہوئے پوچھا۔

"مظہر خان سے رابطہ رکھنے والے را کے دونوں افسر جہنم واصل ہو چکے ہیں۔ ان کے سفاکانہ قتل کی تحقیقات کرنے والے یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ کام ایک دو آدمیوں نے سرانجام دیا ہوگا۔ ان کے دماغوں میں ڈینی کا گروہ گھسا ہوا ہے۔ وہ ڈینی کے ساتھ اس کے گروہ کے کارندوں کی بھی تلاش میں لگے ہوئے۔ وہ ہر اس شخص پر ہاتھ ڈال دیں گے جو ان کی دانست میں دشمن سے ذرا سا بھی تعاون کر سکتا تھا۔ ان میں مظہر خان کا نام اب سرفہرست ہے۔"

"بعض اوقات آپ واقعات کا اتنا اچھا تجزیہ کرتے ہیں کہ وکیل معلوم ہونے لگتے ہیں۔" غزالہ نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں ابھی تک ان دونوں باتوں کو ملا کر سوچ رہی تھی تو خوف آ رہا تھا۔ آپ کی وضاحت کے بعد یہ خوف کم ہو چکا ہے۔"

"خوف! اب ہم پاکستان کی محفوظ سرحدوں میں ہیں۔" میں نے اس کی طرف کروٹ لے کر پوچھا "یہاں تمہیں کس بات کا خوف ہے۔"

"یہ نہ کہیں، رسل و رسائل اور مواصلات کی سہولتوں نے آج کی دنیا کو واقعی ایک بڑے عالمی گاؤں میں بدل کر رکھ دیا ہے۔ کوئی بھی کہیں بھی محفوظ نہیں ہے۔ خون کے پیاسے کسی کے لہو کی بو لگ پر جائیں تو واشنگٹن کے وائٹ ہاؤس میں بھی اس تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"آج ارسطو زندہ ہوتا تو وہ بھی ایسے بے بنیاد خوف کا علاج نہیں کر سکتا تھا۔" میں نے اس کے گلابی رخسار پر ہلکی سی چپت لگا کر کہا۔

"میرا خوف بے بنیاد نہیں ہے۔ آپ کو بھی ہوشیار رہنا چاہیے۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا "جب جلال امرتسر کے بنگلو کو خرید سکتا ہے تو را والے بھی آپ کے خلاف کسی پاکستانی کو خرید سکتے ہیں۔ معاشروں کے لحاظ سے غداروں کی تعداد کم و بیش ہو سکتی ہے مگر یہ دنیا کے ہر خطے میں پائے جاتے ہیں۔"

غزالہ کا وہ اندیشہ بلا جواز نہیں تھا۔ وہ کم بولتی تھی لیکن جب بھی زبان کھولتی تھی، اس کی ہر بات کی پشت پر تجزیہ کارفرما ہوتا تھا۔

"اور مجھے دہلی میں رہنے والے مظلوم مسلمانوں کی بھی فکر ہے۔" چند ثانیوں تک میرے سینے کے بالوں سے کھیلتی رہنے کے بعد غزالہ منمنائی "مشتبہ آدمیوں کی تلاش میں ان غریبوں کی شامت آ جائے گی جن کا کوئی والی وارث نہ ہو، لمبی مدت کے لیے بھارتی جیلوں میں سڑا دیے جائیں گے۔"

"بھارت میں یہ بربریت آئے دن ہوتی رہتی ہے۔ اسے کوئی نہیں ٹال سکتا۔ حد ہے کہ کشمیر میں ہونے والے واقعات کی سزا بھارت میں رہنے والے مسلمانوں کی دی جاتی ہے۔ پاکستان میں ایسا نہیں ہوتا۔ ہندوؤں پر ایک قوم اور ان کے مذہب کی بنا پر کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔ اس معاملے میں ہم سب مجبور ہیں۔ بھارت کی ان زیادتیوں کو نوشتہ دیوار سمجھ کر قبول کرنا پڑتا ہے۔ جب تک دونوں حکومتوں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان مفاہمت کی فضا پیدا نہیں ہوتی' ایسے واقعات ہوتے
رہیں گے۔"

"ساری گڑبڑ مفاہمت نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔"
نے کہا "جس دن دوستی ہوگئی' سب جھمیلے ختم ہوجائیں
گے۔"

"تم نے دہلی کے مسلمانوں کا ذکر کرکے میری ذہنی رو کو
سے اتار دیا ہے۔" میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا "مظہر
کے مشتبہ قرار پانے کے بعد سب سے زیادہ خطرہ رینا
رائے کو ہے۔ یہ بات را کے ریکارڈ میں موجود ہوگی کہ
کے ایما پر وہ مجھ سے کئی بار ملی تھی۔"

"پھر تو بیلا سنگھ کی باری بھی آنی چاہیے۔" غزالہ میری
سے رینا کا ذکر سن کر خوش نہیں ہوئی۔

"بیلا سنگھ کو میں نے اپنے قریب آنے یا بے تکلف
کا موقع نہیں دیا تھا۔" میں غزالہ کو کیسے بتاتا کہ ان
سے میرے مراسم کی نوعیت مختلف تھی۔ بے خبری میں
کے ساتھ میری ویڈیو فلم بنالی گئی تھی جب کہ بیلا اپنی
شوں میں بری طرح ناکام ہوئی۔

"آپ نے تو رینا کے بارے میں بھی کہا تھا کہ وہ ناکام
تھی۔" غزالہ نے چونک کر مجھے یاد دلایا۔

میں گڑبڑا گیا۔ اپنی خانگی زندگی کے امن و سکون کو
ار رکھنے کے لیے میں نے اپنے اور رینا کے مراسم کے
پہلو غزالہ سے مخفی رکھے تھے۔ میں نے جلدی سے
ب دیا "وہ دونوں میرے خلاف بلیک میلنگ کا مواد حاصل
نے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھیں۔ بیلا کے بارے میں'
وشیار تھا۔ میں نے شروع سے اسے منہ نہیں لگایا تھا مگر
جھ سے کچھ بے تکلف ہوگئی تھی۔ تمہیں معلوم ہے کہ
نے کئی نازک مواقع پر ہماری بہت مدد کی تھی۔

غزالہ کھلکھلا کر معصومیت سے ہنس پڑی "آپ تو
ے ذرا سے سوال پر اس طرح گھبرا گئے جیسے میں نے آپ
ئی چوری پکڑلی ہو۔"

اس نے وہ بات مذاق میں کہی تھی مگر مجھے یوں محسوس
یسے وہ تجاہل عارفانہ سے کام لے رہی ہو۔ بیوی ہونے
تے سب کچھ جان گئی ہو لیکن انجان بن رہی ہو۔ میں
س سے نظریں چرالیں اور اس نے بھی اپنے مذاق کو
دینے کی کوشش نہیں کی۔

رینا اجیت رائے بھارت میں میرے متعلق سب سے
حساس حیثیت کی مالک تھی۔ اس سے میرے سامنے
ایک لغزش ہوئی تھی کہ اس نے دہلی کی کلاسیکل ڈانس
اکیڈمی سے اپنے تعلق کا اقرار کیا تھا اور پھر میرے جال میں
پھنس گئی تھی۔ آئی بی کے عابد علی نے مجھے بتادیا تھا کہ اس
اکیڈمی میں رقص کی تربیت دینے کے بہانے حسین وجواں
سال بھارتی دوشیزاؤں کو داخلے دیے جاتے ہیں اور ہر کھیپ
میں سے مجبور و بے سہارا آوارہ مزاج لڑکیوں کو چھانٹ کر
الگ کرلیا جاتا تھا۔ انہیں مردوں کو رجھانے اور پھانسنے کے
فن کی خصوصی تربیت دے کر میدان میں اتارا جاتا تھا۔ میں
نے اپنی ان معلومات کی روشنی میں رینا کو دبایا اور اس نے نہ
صرف سب کچھ اگل دیا بلکہ اپنی کہانی بھی سنا ڈالی۔

اپنی خفیہ معلومات کو اپنی ذات تک محدود رکھنا میری
ضرورت تھی مگر بعد میں رینا کی دہشت دیکھتے ہوئے میں نے
یہ ظاہر کیا کہ میں کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے بارے میں اس
کی کہی ہوئی باتیں نریش یا انل بسواس کے سامنے دہرانے کا
ارادہ رکھتا ہوں تو وہ میرے قدموں میں آگری۔ اس نے مجھے
میری زبان بندی کے لیے اپنی بیمار ماں کی علالت کا واسطہ
دیا۔ اسے اپنی ماں کے علاج اور گھر چلانے کے لیے را کی
نوکری کی اشد ضرورت تھی۔ میں نے اس پر احسان جتاتے
ہوئے خاموش رہنے کا وعدہ کرلیا۔

رینا میری اس خاموشی کے لیے میری ایسی احسان مند
ہوئی کہ را کے مفادات کو بھول کر میری ہمدرد بن گئی۔ اس
نے کئی مواقع پر مجھے یقینی خطرات سے بچایا۔ اس سے راہ و
رسم برقرار رکھنا میرے لیے سود مند تھا اس لیے دہلی میں قیام
کے دوران میں وہ مسلسل مجھ سے ملنے کے لیے آتی رہی۔
ہماری وہ ملاقاتیں ڈنکے کی چوٹ پر ہوتی تھیں لیکن ان

جدید لغت

ادھیڑ عمری... جب عورت کے سفید بال سیاہ ہونے لگتے ہیں۔

ماہر نفسیات... وہ شخص جو اس وقت تک آپ کی بات نہایت توجہ سے سنتا ہے جب تک آپ احمقانہ اور بے سروپا گفتگو کرتے ہیں۔

ٹپ... وہ تنخواہ جو ہم دوسروں کے ملازموں کو دیتے ہیں۔

سڑک... وہ بے ہودہ راستہ جو اس طرف نہیں مڑتا جس طرف عورت گاڑی موڑتی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملاقاتوں میں ہونے والی باتیں ہمارے درمیان محفوظ رہتی تھیں۔

کثرت سے ہونے والی ان ملاقاتوں کے حوالے سے رینا کی ذات راوالوں کی نظروں میں آسکتی تھی۔ وہ میری احسان مند اور وفادار ضرور تھی مگر ایک کمزور لڑکی تھی۔ ذرا سے تشدد یا کسی کڑے نفسیاتی حربے کے سامنے ہتھیار ڈال سکتی تھی۔ اگر وہ زبان کھول بیٹھتی تو را کے گھاگ افسران اس کے دیے ہوئے اشاروں سے یہ نتیجہ اخذ کرسکتے تھے کہ ڈینی ہی مظہر خان کا روپ دھار کر دہلی پہنچا تھا اور سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر را کا اہم ترین ریکارڈ لے اڑا تھا۔

ڈینی اور مظہر خان کی دہری شخصیت کا راز کھلنے کے بعد جہاں نریش اور انل کے قتل کی گتھیاں سلجھ جاتیں وہیں را کے بڑوں کو یہ بھی معلوم ہوجاتا کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے بارے میں رسوا کن مواد بھارتی اخبارات میں کیسے پہنچا تھا۔

میں نے اس بارے میں جتنا غور کیا' میری تشویش میں اسی قدر اضافہ ہوتا چلا گیا۔ را والے اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی وہ باتیں نہیں جان سکتے تھے جو رینا ذرا سی دیر میں اگل دیتی۔ میرے رازوں کی حفاظت کے لیے اس لڑکی کا شکوک و شبہات سے بالا رہنا ضروری تھا۔

کمرے میں غزالہ نے اندھیرا کیا تو میرے اندیشے سایوں کے ڈراؤنے روپ دھار کر کمرے کے در و دیوار پر ناچنے لگے۔ آخر میں نے یہ سوچ کر کہ میں را والوں کی دسترس سے بہت دور' پاکستان پہنچ چکا تھا' سب کچھ اپنے ذہن سے جھٹک دیا اور اپنی بھرپور توجہ غزالہ کے سحر انگیز سراپا پر مرکوز کردی۔

○☆○

جلال کو معلوم ہوچکا تھا کہ بھارتیوں نے مظہر خان کی تلاش شروع کردی تھی مگر وہ اسلام آباد میں نہ جانے کن چکروں میں الجھا ہوا تھا کہ اسے دوبارہ مجھ سے رابطہ کرنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔ لاہور میں موجود اس کے عملے نے ہم چاروں کے لیے کراچی واپسی کی نشستوں کا بندوبست کیا اور تیسرے پہر ہم کراچی ائرپورٹ پر اتر گئے۔

کراچی کے قائداعظم ائرپورٹ پر طیارے سے کھلی فضا میں نکلے بغیر ہم گینگ وے سے ائرپورٹ کی خوب صورت اور جدید عمارت میں داخل ہوئے اور اپنا سامان لینے کے مرحلے سے گزر کر باہر آئے تو لوگوں کی بھیڑ میں اول خان کا جوش سے تمتمایا ہوا چہرہ الگ ہی نظر آرہا تھا۔

دوسروں کے عزیز اور دوست صرف لاہور سے آئے تھے لیکن اول خان کے تین شناسا جان لیوا خطرات کی دلدل عبور کرتے ہوئے دہلی سے براستہ لاہور' کراچی پہنچے تھے اس لیے اس کا جوش و جذبہ دیدنی تھا۔ میرے باہر نکلتے ہی وہ والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ اس نے گرم جوشی سے میرے رخساروں پر یوں چٹاچٹ بوسے دیے کہ قریب کھڑے ہوئے بہت سے پڑھے لکھے اور سنجیدہ لوگ چونک کر ہمیں دیکھنے لگے۔ کئی خواتین اور مردوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ عود کر آئی تھی۔ مجھے خفت کے ساتھ خود کو اول خان کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کرنا پڑی مگر وہ شیر نر دنیا و مافیہا سے بے خبر' اپنے جوش و جذبے کے پُرخلوص اظہار میں مصروف رہا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت وہ اپنی غیر فوجی یونیفارم میں نہیں تھا ورنہ وہاں زیادہ بڑا تماشا بن جاتا۔

ائرپورٹ کی عمارت کے باہر انتہائی گرم جوشی سے ہمارا استقبال کرنے کے بعد اول خان واپس مڑا۔ میرا اور غزالہ کا سامان صرف دستی تھا۔ دہلی سے روانگی کے وقت ویرا بھی کم و بیش اتنے ہی اسباب کی مالک تھی لیکن اس نے لاہور میں اپنے چند روزہ قیام کے دوران میں کپڑوں اور اپنی ضروریات کی دوسری اشیا کی خریداری کرکے درمیانی سائز کا ایک سوٹ کیس تیار کرلیا تھا۔ سلطان شاہ کراچی سے ایک چھوٹا سوٹ لے کر ہم سے ملنے کے لیے لاہور پہنچا تھا۔ اس مشترکہ اسباب کی مقدار اتنی تھی کہ ایک عدد ٹرالی کا جواز پیدا ہوگیا تھا۔

قائداعظم ائرپورٹ کی نئی عمارت کے برآمدے کے آخری سرے پر وی آئی پی حضرات اور اہم سرکاری عہدے داروں کے لیے مخصوص قطار میں اول خان کا ڈرائیور اس کی بڑی جیپ لیے ہمارا منتظر تھا۔

جیپ ہمیں لے کر روانہ ہوئی تو اِدھر اُدھر کی باتیں ہورہی تھیں۔ گاڑی شارع فیصل پر آئی تو میرے ذہن میں چبھتا ہوا نکتہ سوال بن کر میری زبان پر آگیا "ہمیں لاہور کے مہمان خانے میں پہنچانے کے بعد جلال نے دوبارہ ہم سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟"

"وہ اسلام آباد میں بری طرح الجھا ہوا ہے۔ دہلی پولیس نے اس کے ایک آدمی کو سمراٹ ہوٹل کی عمارت میں مشتبہ انداز میں گھومتے ہوئے دھرلیا ہے۔ وہ اس کی طرف سے سخت فکرمند ہے۔" اول خان کے اس انکشاف نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔

"کون پکڑا گیا؟ وہاں آئی بی کے صرف تین آدمی ہیں۔" میں نے اپنا سوال بھول کر پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم ان تینوں کے نام دہراؤ تو شاید مجھے یاد آجائے۔ میں نے نام پر زیادہ دھیان نہیں دیا۔ میرے لیے یہ خبر زیادہ اہم تھی کہ دہلی میں ایک پاکستانی ایجنٹ کے ستارے گردش میں آچکے ہیں۔ نام سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس وقت ساری اہمیت اس کی قومیت کی ہے۔"

"عابد علی، پرویز احمد اور عبداللہ!" میں نے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے آئی بی کے تینوں ایجنٹوں کے نام دہرائے۔

"شاید عبداللہ ہے۔ دہلی میں وہ ولی رام کے نام سے رہ رہا تھا۔" اول خان کا جواب سن کر میرا دل بوجھل ہوگیا۔

"میں نے اس سے تمہارا نمبر لیتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ وہ تمہیں فون کروں گا۔" وہ بے فکر ہوگیا ہوگا کہ میں تمہیں تازہ ترین خبروں کے بارے میں بتادوں گا۔ پاکستان لوٹ آنے کے بعد تم عبداللہ کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتے۔ جلال اپنے آدمی کی رہائی کے لیے فکرمند ہے۔"

"میں کچھ نہیں کرسکتا تو جلال یہاں بیٹھ کر اس کے لیے کرے گا۔ میں نے ان تینوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اللہ بھارتی پولیس کے ہاتھوں مرجانا گوارا کرلے گا مگر اپنی زبان نہیں کھولے گا نہ اپنے دونوں ساتھیوں کے بارے میں بتائے گا۔ سمراٹ ہوٹل میں جان اسمتھ مارا گیا تھا۔ وہ بہت خطرناک ہوچکی تھی۔ عبداللہ کو ادھر کا رخ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا وقت پورا ہوچکا اور اس کی اجل اسے وہاں لے گئی ہے۔"

"ایسے بے رحمانہ کلمات اپنی زبان سے مت نکالو۔" جہان شاہ نے میرے اندیشے پر شبہم کرکہا "پاکستان کو ایسے جانفروش سپوتوں کی ضرورت ہے۔"

"یہاں ان کے کئی آدمی آئی بی والوں کی نظر میں ہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ اسلام آباد میں سفارتی افسر کے بھیس میں کام کرنے والے را کے ایک ایجنٹ کو رنگے ہاتھوں پکڑ لے شاید اس طرح عبداللہ کی جان بچ سکے۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔" ویرا مایوسانہ آواز میں بولی "سفارتی افسر کی شناخت ہوجانے کے بعد اسے حراست میں نہیں رکھا جاتا۔ زیادہ سے زیادہ اسے ملک بدر کیا جاسکتا ہے۔ یہ بین الاقوامی سفارتی قانون ہے۔ اس کی گرفتاری سے عبداللہ کی رہائی ممکن نہیں ہوگی۔"

"مجھے ان باریکیوں کا علم نہیں ہے۔" اول خان نے جھنجلا کر کہا "مجھے اتنا معلوم ہے کہ جلال اپنے آدمی کی رہائی کے لیے کسی جوڑ توڑ میں لگا ہوا ہے۔"

عبداللہ کی گرفتاری کی بری خبر کی صورت میں مجھے یہ معلوم ہوچکا تھا کہ جلال کس الجھن میں گرفتار تھا۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی۔

شارع فیصل سے کارساز روڈ اور پھر نیشنل اسٹیڈیم سے ہوتے ہوئے ہم اپنے گھر پہنچ گئے۔ وہاں ایس بی ایف کا ایک سادہ پوش مگر مسلح سنتری پہرے پر مامور تھا جس نے اول خان کو دیکھتے ہی ہمارے لیے دروازہ کھول دیا۔

گھر کی حدود میں قدم رکھتے ہی مجھے نجات اور آزادی کا ایک عجیب سا احساس ہوا۔ یقین نہیں آرہا تھا کہ ہم دہلی میں اپنا خون آشام مشن مکمل کرکے اپنے ملک اور اپنے گھر میں واپس آچکے تھے۔ اس وقت وہ سب ایک خواب سا معلوم ہورہا تھا۔

"عبداللہ والی خبر سننے کے بعد تم اداس اور خاموش ہوگئے ہو۔" ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بعد اول خان نے مجھے ٹوکا۔

"اداس ہی نہیں، میں اس جاں باز کے لیے دل گرفتہ ہوں۔" میں نے پرخیال آواز میں جواب دیا "آج کل کے دور میں اپنی جان کی پروا کیے بغیر مادر وطن کی خدمت کرنے

مندرجہ ذیل الفاظ کو امریکا میں خوبصورت، حسین اور خوشگوار ترین سمجھا جاتا ہے۔

مجھے تم سے محبت ہے۔

کھانا لگ چکا ہے۔

میں نے سب کچھ معاف کردیا۔

دوپہر تک پڑے سوتے رہو۔

ریزگاری تم رکھ لو۔

مندرجہ ذیل الفاظ کو امریکا میں سب سے ناگوار، دل شکن اور اداس کردینے والے سمجھا جاتا ہے۔

مجھے یہ خرید دو۔

کار میں پیٹرول ختم ہوگیا۔

بل ادا نہیں کیے جاسکے۔

رقم ناکافی ہے۔

صرف بیرونی استعمال کے لیے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والوں کا کال ہے۔ اگر عبداللہ کو کچھ ہوا تو اس کا بوجھ میں اپنی گردن پر بھی محسوس کروں گا۔"

"تمہاری گردن اتنی مضبوط نہیں ہے کہ تم اس پر دنیا جہان کا بوجھ لادتے پھرو۔" ویرا نے قدرے ترشی سے کہا "سارا قصور اس کا ہے۔ جان اسمتھ جہنم واصل ہو چکا تھا تو عبداللہ وہاں کیا کرنے گیا تھا۔ اب جلال کو اپنے آدمیوں سے کہہ دینا چاہیے کہ وہ نریش اور انل کے گھروں کے چکر لگانا شروع نہ کردیں۔ ان دونوں کی کلبلاتی ہوئی بدروحیں ایک عذاب بن کر آئی بی کے رہے سہے دونوں آدمیوں کو بھی نگل سکتی ہیں۔"

"وہ تفریح یا خودکشی کے ارادے سے وہاں نہیں گیا ہوگا۔" میں نے ویرا کو سرد نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا "میں ان تینوں کے بارے میں ایسی تلخ اور ناروا زبان برداشت نہیں کرسکتا۔ وہ تینوں اپنے کاز کے لیے مرمٹنے کے جذبے سے دہلی میں رہ رہے ہیں۔ عبداللہ کسی کام سے ہی وہاں گیا ہوگا۔"

"تم دونوں عورتوں کے لوٹ آنے سے یہ گھر دوبارہ آباد ہوگیا ہے۔ کچن میں ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔ جلدی سے چائے لے آؤ۔" اول خان نے دخل اندازی کی۔

اس کی فرمائش پر ویرا نے ملتجی نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا اور غزالہ نے جھٹ اپنی نظریں ایک تصویر پر مرکوز کردیں۔

ناچار ویرا کو ہی باورچی خانے کا رخ کرنا پڑا۔ وہ برا سا منہ بنا کر زیر لب کچھ بڑبڑا رہی تھی۔

دہلی میں پچھلے چند دنوں میں جو کچھ ہوا، اس کا نچوڑ اول خان کے علم میں تھا مگر وہ یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ ہم نے وہاں کے بدترین مخاصمانہ ماحول میں وہ بڑی بڑی کامیابیاں کیسے حاصل کرلیں۔ واقعات کے دھارے سے الگ ہو کر وہ نتائج حیران کن ہی نہیں، محیر العقول نظر آتے تھے۔ ہماری کامیابیوں میں بعض چھوٹی چھوٹی جزئیات نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا جنہیں الگ سے یاد کرکے بیان کرنا ممکن نہیں تھا۔

میں نے اول خان کی تسلی کے لیے جستہ جستہ نکات پر اس کے لیے سوالوں کے جوابات دینے شروع کردیے۔

ویرا بھارت میں ہماری ہم سفر ضرور رہی تھی لیکن دہلی میں حفاظتی نکتہ نظر سے اسے ہم دونوں سے بالکل الگ تھلگ رہنا پڑا تھا۔ وہاں اس سے ہمارا گہرا رابطہ بھی نہیں رہا تھا اس لیے اس کی ذہنی کیفیت اول خان سے بہت زیادہ مختلف نہیں تھی۔ اس نے لاہور میں ایک رات کے قیام کے دوران میں بہت کچھ جان لیا تھا مگر پھر بھی اس کی تشنگی دور نہیں ہوئی تھی۔ وہ چائے کی ٹرے لاکر جلد ہی ہماری گفتگو میں شامل ہوگئی۔

"را والے مٹی کے مادھو نہیں ہیں۔" چائے نوشی کے دوران میں دہلی کے واقعات کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے مظہر خان کا ذکر نکلا تو ویرا نے کہا "تمہارے ستارے یاوری کررہے تھے۔ آئی بی والے پس پردہ رہ کر تمہاری بھرپور مدد کررہے تھے۔ تمہاری مکاری کی وجہ سے رینا بلاوجہ تمہارے احسان کے بوجھ سے جھکی ہوئی تھی۔ تم ایک کے بعد دوسری کامیابی حاصل کرتے چلے گئے۔ حد یہ ہے کہ را کے رسوائے زمانہ اور خطرناک ترین ایجنٹ، ناگر کی قتل پر پردہ پڑ گیا اور وہ اپنے کسی چھوٹے بڑے کو اعتماد میں لیے بغیر آگ میں کود پڑا اور تمہارے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کی جلی ہوئی لاش نے معاملہ بہت الجھا دیا ورنہ تمہارا کھیل وہیں ختم ہوجاتا....."

"اس تقریر سے تم کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہو۔" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر بیزاری سے پوچھا۔

"را والوں کا دماغ چل پڑا ہے۔" ویرا نے چند ثانیوں تک اسے گھورنے کے بعد اپنی بات جاری رکھی "اب وہ تمہاری کارروائی کے بخیے ادھیڑ ڈالیں گے۔ اس کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے مظہر خان اور غزالہ کے جوڑے کی تلاش شروع کردی ہے۔"

"اگر تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ ڈینی کے ستارے گردش میں آگئے ہیں تو آنے دو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جب تک یہ لوگ بھارت میں تھے، انہیں ہر بات کی فکر تھی۔ پاکستان آنے کے بعد یہ ہر فکر سے بے نیاز ہوچکے ہیں۔"

"یہاں را والوں کے اپنے آدمی ہیں۔ ان کے زرخرید مخبر بھی ہوسکتے ہیں۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر گہرا کش لینے کے بعد جواب دیا "وہ ذرا سی محنت کرکے یہ کھوج نکال لیں گے کہ مظہر خان نے کبھی پاکستان سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔ اس کے نام اور جعلی پاسپورٹ پر کسی اور نے بھارت کا سفر کیا تھا۔"

"سفر اور اس کے مقاصد پورے ہوگئے۔ اب یہ ساری تگ و دو سانپ گزرنے کے بعد لکیر پیٹنے کے مترادف ہوگی۔" میں نے ہنس کر ویرا کو جواب دیا اور پھر ایک فوری خیال کے تحت چونک کر اول خان کی طرف متوجہ ہوگیا "میری اس مہم کی کامیابی کا سنگِ بنیاد تم نے جانے سے پہلے کراچی میں رکھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا تھا۔"

"تم کہہ رہے ہو تو درست ہی کہہ رہے ہوگے۔" اول خان نے سرسری انداز میں جواب دیا۔

"جانے سے پہلے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میرا پاسپورٹ اس قدر اہمیت اختیار کرجائے گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "را والوں نے مجھے ایک دل پھینک پاکستانی سمجھ کر میرے اوپر ہاتھ ڈالا تھا۔ اگر پاکستان سے میرے سفری کوائف کی تصدیق نہ ہوتی تو وہ میری طرف سے اچٹ جاتے اور مجھ پر اعتبار کرنے کے بجائے مشتبہ سمجھ کر پکڑ لیتے۔ کیا اس وقت تمہارے ذہن میں یہ بات تھی کہ میرے پاسپورٹ کے اندراجات حقیقت سے قریب ہوں۔"

"پاکستان اور بھارت کی روایتی دشمنی ہر وقت میرے پیش نظر رہتی ہے۔" اول خان نے پہلو بدل کر جواب دیا "تم ایک خاص مشن پر بھارت جارہے تھے۔ میرے ذہن میں یہ خوف سوار تھا کہ اپنا کام کرنے کے دوران میں بھارتی پولیس یا کسی اور خفیہ ایجنسی کے ہاتھ لگ گئے تو کیا ہوگا۔ اس اندیشے کی وجہ سے میں نے مظہر خان کو تلاش کرلیا تھا۔"

"وہ کون ہے اور کہاں ہے؟" میں نے متجسس ہوکر سوال کیا۔

"یہ مجھ سے پوچھو۔ وہ حقیقی وجود رکھتا ہے اور اس وقت گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہے۔" سلطان شاہ نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر جواب دیا۔

"یہ کیا حماقت تھی کہ اس کے کوائف کی انکوائری کرنے والے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے؟" میں نے ترشی سے پوچھا۔

"بس، معاملہ تازہ تھا۔ تمہاری مخدوش پوزیشن کا علم ہوتے ہی میری کھوپڑی سنک گئی۔" اس نے خفت آمیز ہنسی کے ساتھ کہا۔

"تمہاری اس کوشش کا کیا نتیجہ نکلا؟" میرے تیور مزید سخت ہوگئے۔

"اتنا پتا چلا کہ مظہر خان اپنا گھر مقفل کرکے کہیں چلا گیا ہے۔ اس کی چھان بین کرنے والے کا سراغ نہیں ملا۔"

"کراچی انسانوں کا ایک سمندر ہے۔ یہاں کسی بے نام و نشان شخص کو تلاش کرنا ایسا ہی ہے جیسے سمندر میں گری ہوئی پانی کی ایک بوند کی تلاش میں جھک مارنا۔" ویرا نے سخت اور ناصحانہ انداز میں اس سے کہا "شاید تمہیں اس حقیقت کا اندازہ ہوگیا ہوگا۔"

"کوئی مظہر خان کا دوست بن کر اس کے گھر پہنچا تھا اور

ارادہ

ایک صاحب غصے کے عالم میں گھر سے نکلے۔ ہاتھ دے کر ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ گئے۔

"کہاں چلنا ہے جناب؟" ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا۔

"کسی اونچی پہاڑی پر لے چلو اور وہاں سے ٹیکسی سمندر میں گرادو .... میں خودکشی کرنا چاہتا ہوں" جواب ملا۔

پڑوسیوں سے اس کے بارے میں پوچھ گچھ کرکے چلا گیا۔" سلطان شاہ نے بتایا۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" میں نے اول خان سے مخاطب ہوکر دونوں کی بات کاٹ دی۔

"وہ مظہر خان ہے۔ اکیلا رہتا ہے اور پرانی گاڑیوں کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے۔ میں نے تمہیں کوئی غلط بات نہیں بتائی تھی۔"

"میری روانگی کے بعد وہ کہاں غائب ہوگیا اور اب وہ کہاں ہے؟"

"وہ اپنے اصلی پاسپورٹ کے ذریعے دبئی چلا گیا اور اب وہیں ہے۔ سال چھ مہینے سے پہلے اس کی واپسی کی امید نہیں ہے۔"

"میری وجہ سے تم نے اس بے چارے کو بلاوجہ دبئی کے تپتے ہوئے ریگ زار میں بھیج دیا!" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"دبئی اب ریگستان نہیں، گل و گلزار بن چکا ہے۔ وہاں کی آسائشوں اور تفریح گاہوں کی کشش ہر سال یورپ سے لاکھوں سیاحوں کو وہاں کھینچ لاتی ہے۔" اول خان نے مسکراتے ہوئے میری معلومات میں اضافہ کیا "اسے میں نے کہیں نہیں بھیجا۔ وہ میرے گاؤں کا آدمی ہے۔ اس کا ایک رشتے دار دبئی میں پرانی گاڑیوں اور انجن والی کشتیوں کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاروبار کرتا ہے۔ اس نے اپنی مدد کے لیے مظہر خان کو وہاں بلایا ہے۔ وہ وہاں سیٹ ہو گیا تو کراچی کا مکان بیچ دے گا اور وہیں رہ جائے گا۔ اس کی کہانی میرے ذہن میں تھی۔ تمہارے بھارت کا پروگرام بنا تو میں نے اسی کا نام استعمال کر ڈالا۔ غزالہ کو تمہاری بیوی بن کر سفر نہیں کرنا تھا۔ اس لیے میرا کام اور آسان ہو گیا۔ کسی اکیلے آدمی کے پاس پیسے کی فراوانی ہو تو وہ اپنا دل بہلانے کے لیے کسی کو بھی اپنا ہم سفر بنا سکتا ہے۔"

"ویری گڈ!" میں اول خان کی دور اندیشی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ اندیشہ نہیں تھا کہ بھارت سے میری واپسی کے بعد را کا کوئی مقامی ایجنٹ میرے دھوکے میں اصلی مظہر خان کو کوئی نقصان پہنچا سکے۔ وہ دبئی میں ہر خطرے سے محفوظ تھا۔

"بعض اوقات ذرا ذرا سی باتیں اچانک اہمیت اختیار کر لیتی ہیں۔" وہ بولا "میری کوشش ہوتی ہے کہ ہر وقت حقیقت سے قریب رہ کر چلوں۔"

"تم بھارت میں را والوں کی ایسی کی تیسی کر آئے۔ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی پر کیچڑ اچھال کر انہیں ان کے ملک میں رسوا کر دیا۔ اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"بس، تمہارے اور ویرا کے ہاتھ پیلے کرنے کی فکر ہے پھر تج کر کے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لوں گا۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

میری بات پر ویرا اچانک بدک گئی۔ "میری نہیں، اپنے آوارہ سانڈ کی فکر کرو۔ اس کے ہاتھ پیلے بلکہ نیلے اودے کر دو۔ میں شادی وادی کے جھنجٹ میں نہیں پڑوں گی۔"

"یہ مذاق کر رہے ہیں۔ تم بلاوجہ سنجیدہ ہو رہی ہو۔" غزالہ نے معصومانہ سنجیدگی سے چٹکی لی۔

"میں ایک مدت سے تم سب لوگوں کے تیور دیکھ رہی ہوں۔ تم لوگ مجھے بھی سلطان شاہ کی طرح اکیلا اور بے سہارا سمجھ کر مجھ پر ترس کھانے کی کوشش کرتے رہتے ہو۔ کان کھول کر سن لو کہ مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں رہی۔ میں اپنی ذات میں انجمن ہوں...."

سلطان شاہ زور سے ہنس پڑا "بے بنیاد دعوے مت کرو۔ تم کو تین دفعہ تولا جائے تو مشکل سے ایک انجمن بنے گی۔ انجمن اپنی ذات میں ویرا ہو سکتی ہے۔ دوسری صورت ممکن نہیں ہے۔"

"تم نے پھر میرے منہ لگنے کی کوشش کی۔" ویرا اس پر غرائی۔

"ابھی تم مجھے کیا کہہ رہی تھیں؟ میں نے تمہیں کون سے سینگ مارے ہیں جو تم مجھے سانڈ بنا رہی تھیں۔"

"جس دن مجھے سینگ مارنے کی کوشش کی، سینگ توڑ دوں گی۔"

"اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر ان دونوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ریسیور اٹھا لیا۔

"کیا حال چال ہیں؟" ریسیور پر جلال کی تھکی تھکی آواز سن کر میں حیران رہ گیا۔

"تم اس وقت تھکے ہوئے معلوم ہو رہے ہو۔ سنا ہے کہ اسلام آباد میں کسی مصروفیت نے تمہیں گھیر لیا ہے۔" میں نے کہا۔

نہیں، اب میں کراچی میں ہوں۔" جلال کی مضمحل آواز آئی۔

"اوہ! تم کب آئے۔ اس وقت کہاں ہو۔ میں تم سے ملنے کے لیے بے چین ہوں؟" میں نے اضطراری انداز میں کہا۔

"بنگلو کا خون شاید رنگ لا رہا ہے۔ کل رات تمہارا استقبال کرتے ہوئے میں خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا کہ اب سکون کا سانس لینے کا موقع ملے گا لیکن پچھلی رات ہی دہلی سے پریشان کن خبریں آنا شروع ہو گئیں۔ میں عبداللہ کے لیے بہت پریشان ہوں۔"

"مقدر کے لکھے کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔" میں نے ہمدردی کا اظہار کیا "وہ بہت پُر عزم اور جی دار لڑکا ہے۔ ساری صعوبتوں کو سہہ کر آخر کار سرخ رو رہے گا۔ اس کا معاملہ اب اللہ پر چھوڑ دو۔ اس کے بارے میں زیادہ فکر مند ہو کر ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اسے کس الزام میں پکڑا گیا ہے۔"

"ابتدا میں کوئی الزام نہیں تھا۔ وہ محض شبے میں پکڑا گیا تھا۔ تازہ ترین پوزیشن کے بارے میں، میں اندھیرے میں ہوں۔"

"وہ سمراٹ ہوٹل کی طرف گیا ہی کیوں تھا۔ وہ اس وقت تفتیشی ایجنسیوں کا گڑھ بنا ہوا ہو گا۔"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بات وہ بھی جانتا ہو گا۔ کوئی مجبوری اسے وہاں لے گئی ہو گی۔ تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں کراچی کیوں آیا ہوں۔"

"کسی نہ کسی کام سے یا پھر ہم سے ملنے کے لیے آئے ہو گے۔" میں نے روا روی میں کہہ دیا۔

"را والوں کے ساتھ امریکی سی آئی اے بھی مل کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میدان میں آگئی ہے' انہیں ڈینی اور مظہر خان کی تلاش ہے۔"

جلال کا وہ انکشاف خطرناک تھا "را اور سی آئی اے کا اشتراک پرانی بات ہے مگر اس وقت ان کا یک جا ہونا ہمارے لیے سخت خطرناک ہے۔" میں نے اپنے دل کی گہرائیوں میں جنم لینے والے اندیشے کو بلا کم و کاست الفاظ کے روپ میں ڈھال دیا۔

"آج شام چار بجے مجھے ایک اہم اجلاس میں شرکت کرنی ہے۔" جلال نے اطلاع دی "سی آئی اے کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر اس اجلاس میں شرکت کے لیے استنبول سے کراچی پہنچ رہا ہے۔ اس بار ان کے تیور جارحانہ نظر آرہے ہیں۔"

"تم پہلے ہی محتاط تھے۔" میں نے بے ساختہ کہا "تم نے کل رات کہہ دیا تھا کہ ذاتی طور پر پاکستان کا ہر انتظامی افسر ہمارا خیر خواہ اور دعا گو ہے لیکن سرکاری سطح پر ہمیں کہیں کوئی سرپرستی نہیں مل سکے گی۔ مجھے اندازہ ہے کہ اس اجلاس میں تم کھل کر میرا دفاع نہیں کر سکو گے۔"

"میں مخمصے میں پڑ گیا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ شام کو کیا ہوگا۔"

"اپنے ذہن پر زیادہ زور نہ دو۔ اپنی پوزیشن کا دفاع کرتے ہوئے تم جہاں تک انہیں چکر دے سکتے ہو' دیتے رہو۔ تمہارے سر پر کوئی عذاب آنے لگے تو جو چاہو کر گزرنا۔ مجھے تم سے کوئی شکوا نہیں ہوگا۔ بس اتنی گزارش ضرور ہے کہ مجھے اجلاس کے نتیجے سے آگاہ کر دینا تاکہ میں اپنے بچاؤ کا بندوبست کر سکوں۔"

"میری اس کال کا مقصد بھی یہی ہے کہ تم فوری طور پر زیر زمین چلے جاؤ۔ کسی کو یہ بھنک نہیں ملنی چاہیے کہ تم بھارت سے لوٹ آئے ہو۔"

"فکر نہ کرو۔ یہ بات میں سمجھ چکا ہوں۔" میں نے اسے اطمینان دلایا اور پھر چونک کر کہا "رات تم نے جو چیک دیا تھا' وہ ہم نے شکریے کے ساتھ قبول کر لیا ہے۔"

"اس کے لیے تمہیں کسی کا شکر گزار ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ تمہارا واجب الادا قرض تھا جو سیکرٹ فنڈ سے خاموشی سے لوٹا دیا گیا۔ اس سرکاری فنڈ کا کوئی باضابطہ حساب رکھا جاتا ہے نہ اس کا آڈٹ ہوتا ہے۔ مجاز اتھارٹی اپنی صوابدید کے مطابق ہر حق دار کو ادائیگی کرتی ہے اور بس!"

"مجاز اتھارٹی کو الہام نہیں ہوتا۔ کوئی نہ کوئی اس کی مدد کرتا ہوگا۔ تم نے ہماری نشان دہی کی۔ اس کے لیے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔"

"یہ سب لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ یہ صرف تمہارا حق یا انعام ہے۔" جلال نے زور دے کر کہا۔

"ایک ہی بات ہے۔" میں نے وہ تذکرہ وہیں گول کر دیا۔ میں نے کن انکھیوں سے ان چاروں کی طرف دیکھا تو ان کے چہرے کھلے ہوئے تھے۔ ویرا سب سے زیادہ خوش تھی کہ میں نے اس کا مشورہ مان کر جلال کا دیا ہوا وہ چیک قبول کر لیا تھا جو اس وقت تک کیش نہیں کرایا گیا تھا۔

"آج لاہور چھوڑنے سے پہلے تم میں سے کوئی نیشنل بینک گیا نہ تم نے وہ چیک میرے کسی آدمی کو دیا۔" جلال فون پر کہہ رہا تھا "اسے پہلی فرصت میں کیش کرا لینا کیونکہ فنڈ کا سارا انحصار بینک اسٹیٹ منٹ پر ہوتا ہے۔ چیک تمہاری جیب میں پڑا رہا تو بیلنس کی رقم کہیں اور کام آجائے گی۔"

"اس سنہرے مشورے کے لیے تمہارا مزید شکریہ!" میں نے ہنس کر کہا۔

اس وقت جلال اپنی الجھنوں میں گرفتار تھا جن کا تعلق ہم لوگوں کی سلامتی سے بھی تھا۔ وہ گفتگو زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکی اور فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

فون پر میری یک طرفہ گفتگو سن کر ان چاروں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ جلال سے میری بات چیت کا موضوع

غلط فہمی

ہالی ووڈ میں ایک چھوٹی اداکارہ کو ایک فلم میں اہم رول مل گیا۔ فلم میں اس کی "کامن لا میرج" ہو چکی تھی۔ اداکارہ اپنے رول کو صحیح طور پر سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ آخر ڈائریکٹر اسے ایک طرف لے گیا اور بولا "تمہیں معلوم ہے کامن لا میرج کسے کہتے ہیں؟"

اداکارہ نے نفی میں سر ہلایا تو ڈائریکٹر بولا "اس میں مرد اور عورت بالکل میاں بیوی کی طرح رہتے ہیں لیکن کاغذات میں اس شادی کا اندراج نہیں ہوتا اور قانونی طور پر دونوں کسی قسم کے حقوق کے پابند نہیں ہوتے۔"

"اوہ.... اچھا...." اداکارہ کھل اٹھی "میں سمجھتی تھی اسے منگنی کہتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوشگوار نہیں تھا۔

"کیا کوئی نیا مسئلہ کھڑا ہوگیا؟" سوال کرنے میں ویرا نے پہل کی تھی۔

"وہی پرانا مسئلہ ہے۔ میرے خلاف امریکی ایک بار پھر سرگرم ہورہے ہیں۔ آج شام سی آئی اے کا کوئی ڈپٹی ڈائریکٹر کراچی پہنچنے والا ہے۔ دیکھنا ہے کہ وہ کیا شگوفہ کھلاتا ہے۔ ہم لوگ بے فکری سے کبھی بھی وقت نہیں گزار سکتے۔"

"امریکی بدمعاش ہیں۔" ویرا برہم ہو کر بولی "پاکستانی افسروں کو انہیں کورا جواب دے دینا چاہیے۔ ان میں ہمت ہے تو وہ خود ڈینی کو تلاش کرکے پکڑلیں۔ اس معاملے میں پاکستان ان کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔"

"ملزموں کے بارے میں رائے عامہ کتنی ہی ہمدردانہ کیوں نہ ہو' سرکاری سطح پر ایسا رویّہ اختیار کرنا ممکن نہیں ہے۔ ایک ملک کے ملزموں کو دوسرے ملکوں میں پناہ ملنے لگے تو یہ دنیا جرائم سے بھرے ہوئے ایک خوفناک جنگل میں تبدیل ہوجائے۔"

"لیکن ڈینی پر کیا الزام ہے؟" ویرا جوش میں آگئی "اپنے ملک اور معاشرے کے دشمنوں کو چن چن کر مارنا اگر جرم ہے تو یہ جرم ہر محب وطن شہری کرسکتا ہے۔"

"مجھ سے بحث نہ کرو۔ میں خود نئی اطلاع سے پریشان ہوں۔ امریکیوں کو سمجھانا اتنا آسان نہیں ہوگا۔"

اول خان یا اس کی اسپیشل ٹاسک فورس کے پاس بھی اس مسئلے کا کوئی حل نہیں تھا۔ خاصی دیر تک اس مایوس کن صورتِ حال پر تھکے تھکے انداز میں بات ہوتی رہی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوسکا۔ مجھے یقین تھا کہ سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر کراچی میں ہونے والے اجلاس میں اس خواہش کا اظہار کرے گا کہ پاکستانی حکام ڈینی کو تلاش کرکے امریکیوں کے حوالے کردیں تاکہ وہ گن گن کر مجھ سے اپنے بدلے چکا سکیں۔

چلتے وقت میں نے دس لاکھ روپے کا چیک اول خان کو دے دیا۔ وہ ایسے وسائل رکھتا تھا کہ کراچی میں بیٹھے بیٹھے لاہور کے بینک سے وہ رقم حاصل کرسکے۔

اول خان کو رخصت کرکے ہم چاروں ایک مرتبہ پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

○☆○

کراچی کے کمشنر ہاؤس کے ایک سجے سجائے اور آراستہ کمرے میں بڑی سی میز کے پیچھے پانچ ادھیڑ عمر اور سنجیدہ افراد گمبھیر چہروں کے ساتھ خاموش بیٹھے سگریٹ نوشی میں مصروف تھے یا پھر اپنے سامنے کھلے ہوئے کاغذوں میں سر کھپا رہے تھے۔ ان ہی میں جلال بھی تھا جو شاید عمر میں سب سے چھوٹا تھا۔ ان سب کے سامنے چائے یا کافی کی پیالیاں رکھی ہوئی تھیں۔

وہ بظاہر کھانے کی میز نظر آرہی تھی۔ جس کے گرد بارہ نفوس کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ سات کرسیاں اس وقت خالی پڑی ہوئی تھیں۔

کمشنر ہاؤس کی عمارت کے گرد اس شام غیر معمولی حفاظتی بندوبست کیا گیا تھا۔ معمول کے مطابق ڈیوٹی انجام دینے والے مسلح پولیس گارڈز کے علاوہ رینجرز کا ایک دستہ بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے سے عمارت کے گرد پہرے پر مامور تھا۔ وہ اہتمام دیکھ کر دور ہی سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ عمارت میں کوئی خاص کام سرانجام دیا جارہا تھا۔

"اس سے پہلے بھی امریکی آتے جاتے رہے ہیں۔ وہ اپنے پورے وسائل کے ساتھ ڈینی کی تلاش میں مصروف ہیں مگر انہیں اپنی کوششوں میں ذرا بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔" ملٹری انٹیلی جنس کے کرنل شعبان نے سگار کا دھواں اڑاتے ہوئے نرم اور تحمل لہجے میں کہا "اب وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔"

"ایم آئی اس بارے میں کچھ نہیں کرسکتی۔" فیڈرل انوسٹی گیشن ایجنسی کے شاہد رانا نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے کہا "اس معاملے میں صرف سویلین ادارے ہی کچھ کرسکتے ہیں لیکن پھر بھی یہاں پانچ اداروں کے سینیر نمائندوں کی موجودگی ضروری سمجھی گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ امریکی اب بڑے پیمانے پر کام کا آغاز کرنا چاہتے ہوں۔"

"امریکی اپنی دانست میں ہر کام کا آغاز بڑے پیمانے پر کرتے ہیں۔" انٹر سروسز انٹیلی جنس کے کرنل غفور نے قدرے بیزاری سے کہا "یہ اور بات ہے کہ ان کے شروع کیے ہوئے بیشتر کاموں کا انجام پھُس پھُسا اور بے معنی ہوتا ہے۔"

تقریباً سب کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ پھیل گئی۔ کراچی کے آئی جی نے بات آگے بڑھائی "شاید دبئی کے واقعات نے انہیں پریشان کردیا ہے۔ وہاں کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں جان اسمتھ کا قتل کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔"

"جان اسمتھ یہاں نہیں مرا۔" کرنل شعبان نے تیکھے لہجے میں کہا "یہاں سے وہ اپنے پیروں سے چل کر دبئی گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ز وہاں مارا گیا ہے۔ امریکیوں کو اگر کچھ کرنا ہے تو انہیں دہلی
جانا چاہیے۔ یہاں آکر وہ اپنا اور ہمارا وقت برباد کریں گے۔
انہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ میری ایجنسی ڈینی کے بارے
میں کچھ نہیں جانتی۔"

"اس کے بارے میں ہمارا ریکارڈ بھی بے داغ ہے۔"
شاہد نے مسکراتے ہوئے کہا "جلال کی خاموشی سے ظاہر
ہو رہا ہے کہ آئی بی والوں کو اس کی کچھ خیر خبر ہے۔"

"کیوں جلال! تم کیوں خاموش ہو؟" کرنل غفور نے
جلال کو ٹوکا۔ وہ پانچوں ایک دوسرے کے پرانے شناسا اور
آپس میں کسی حد تک بے تکلف نظر آرہے تھے۔

"میں خاموش نہیں ہوں۔ کچھ سوچ رہا ہوں۔" جلال
نے مسکراتے ہوئے اپنا دفاع کیا۔

"ذرا بلند آواز میں سوچو تاکہ ہمیں بھی کچھ معلوم
ہو سکے۔" آئی جی نے لقمہ دیا اور سب ہنس پڑے۔

"حیرت ہے!" کرنل غفور نے چونک کر کہا "آج یہاں
اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی نمائندہ نظر نہیں آرہا۔"

"یہ کون سی فورس ہے؟" کرنل شعبان نے معصومانہ
سادگی سے پوچھا۔

"اوہ.... کم آن یار کرنل!" آئی جی نے میز پر ہاتھ مار کر
کہا "اب اتنے بھولے نہ بنو...."

کرنل شعبان نے اس کی بات کاٹ دی "جس چیز کا
ہمارے ریکارڈ پر کوئی وجود نہ ہو۔ اس کے بارے میں انجان
رہنا ہی سود مند ثابت ہوتا ہے۔ جس طرح ہم ڈینی کے
بارے میں کچھ نہیں جانتے اسی طرح ایس ٹی ایف کے وجود
سے بھی بے خبر ہیں۔"

"میں اس میٹنگ میں نہیں تھا مگر میں نے سنا ہے کہ کافی
مدت پہلے امریکیوں سے ہونے والی ایک میٹنگ میں ایس ٹی
ایف کا اول خان اپنے ایک مشتبہ ماتحت کے ساتھ شریک ہوا
تھا۔" کرنل شعبان نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" جلال نے اس کی تائید کی
"امریکی ان دنوں ایس ٹی ایف کے بارے میں بہت زیادہ
حساس ہو رہے تھے۔ ان کی فرمائش پر مجبور ہو کر ایس ٹی ایف
کے نمائندوں کو بلایا گیا تھا۔ وہ میٹنگ قطعی آف دی ریکارڈ
تھی۔"

"وہ میٹنگ آف دی ریکارڈ تھی تو تمہیں اس کا حوالہ
نہیں دینا چاہیے۔" کرنل غفور نے جلال کو یاد دلایا۔

جلال کھسیائے ہوئے انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔ اسے
علم تھا کہ اس وقت وہ اپنے اپنے شعبوں کے تجربے کار

سچائی

کچھ لوگوں کا خیال ہے اچھی عائلی زندگی کے لیے ضروری ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو اپنا ماضی بتادیں۔ ایک میاں نے سچ بولتے ہوئے بیوی کو بتادیا کہ میں ایک سائیکاٹرسٹ کے پاس جاتا رہا ہوں تو اس کی بیوی نے بھی بتادیا کہ وہ بھی ایک سائیکا ٹرسٹ، ایک جرنلسٹ، دو انجینئروں اور ایک بزنس مین کے پاس جاتی رہی ہے۔

(خوشاب سے شان وشوکت کا تحفہ)

ماہرین کے درمیان موجود تھا۔ اگر وہ کوئی دلیل دینے کی کوشش کرتا تو اس کے ساتھ عذر گناہ بدتر از گناہ والا معاملہ پیش آسکتا تھا۔ وہ چاروں مل کر اس کی ٹانگ کھینچنا شروع کردیتے۔

"جان ایش کوف یہاں کتنے دن قیام کرے گا۔" شاہد رانا نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ ہمیں صرف آج کی میٹنگ میں اس سے ملنا ہے۔ اس کے بعد وہ یہاں رہے یا چلا جائے۔ یہ ہمارا دردسر نہیں ہوگا۔" کرنل شعبان نے بتایا۔

گھڑی کی سوئیاں چار بجنے کا اعلان کررہی تھیں۔ وہ پانچوں اپنے مہمان کا استقبال کرنے کے لیے مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے وہاں پہنچ گئے تھے۔ چند منٹ بعد کمشنر ہاؤس کے دراز قامت اور باوردی دربان کے ساتھ دو امریکی اس کمرے میں داخل ہوئے۔ دربان انہیں پہنچا کر دروازے سے ہی لوٹ گیا۔

امریکیوں نے دور ہی سے ہیلو ہائے کے گرم جوش نعرے بلند کیے۔ وہ دونوں اس اجلاس کے بیشتر شرکا سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے۔ شاید اپنی اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سلسلے میں ان کی باہمی ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ امریکیوں کی طرف سے گرم جوشی کے اظہار کے نتیجے میں انہیں پُرتپاک انداز میں خوش آمدید کہا گیا۔ کرنل شعبان نے جان اور لیری کا جلال سے تعارف کرایا۔ جان سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر تھا اور لیری اس کا چیف کلرک۔

وہ دونوں اپنی جگہیں سنبھال رہے تھے کہ کمشنر ہاؤس کا باوردی خانساماں چائے اور دیگر لوازم کی ٹرالی لے آیا۔ اس نے میز پر سے خالی پیالیاں اٹھائیں اور پھر ٹرالی پر سے سامان اتار کر میز پر سجانے میں مصروف ہوگیا۔ جب تک ساتوں افراد کو ان کی پسند کے مطابق چائے یا کافی پیش کی گئی' ذاتی مزاج پرسیوں اور خوش گپیوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ ملازم کے واپس جانے کے بعد اس کمرے کی فضا یکایک تبدیل ہوگئی۔

"دہلی میں جان اسمتھ کے روح فرسا قتل کی خبر تم لوگوں نے سن لی ہوگی۔" جان ایلش کوف نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد بات شروع کی "میں اس کے قاتل کی تلاش کے مشن پر نکلا ہوں اور مجھے امید ہے کہ اپنے دوستوں کے تعاون سے ہم اس مہم میں کامیابی حاصل کرلیں گے۔"

"جان اسمتھ کو مرے ہوئے کئی دن گزر چکے ہیں۔" کرنل شعبان نے رسانیت سے کہا "تمہاری اب تک کی پیش رفت کیا ہے۔"

"کل تک ہم اندھیرے میں ہاتھ پیر مار رہے تھے۔ کل انڈین سیکرٹ سروس نے کچھ سراغ فراہم کیے ہیں۔ بھارت میں ڈینی سرگرم عمل ہے۔ اس کی موجودگی کا سب سے بڑا ثبوت بیم گن کا استعمال ہے۔ اس نے را کے ایک ذمّے دار افسر کو بیم گن سے ہلاک کیا ہے۔"

"تو یوں کہو کہ تمہیں را کے مجرم کی تلاش ہے۔" شاہد نے وقفہ پاکر کہا۔

"نہیں۔ اس واردات سے کچھ دیر پہلے را کے ایک کلیدی عہدے دار کو زہر کی سوئی استعمال کرکے ٹھکانے لگایا گیا تھا۔" جان نے اپنی بات جاری رکھی "ان دونوں مقامات پر بقیہ افراد پر ایسی سریع الاثر سوئیاں استعمال کی گئیں جن کے ذریعے جسم میں اترنے والا مواد انسان کو کئی گھنٹوں کی طویل مدت کے لیے بے حس و حرکت کردیتا ہے۔ اس سراغ سے یہ ثبوت مل گیا ہے کہ بیم گن اور زہریلی سوئیوں سے ہونے والی اموات میں ڈینی ملوث ہے۔"

"تم نے اب تک جان اسمتھ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ ہمیں را والوں کے انجام سے زیادہ ہمدردی نہیں ہے۔" کرنل شعبان نے کہا۔

"سچ پوچھو تو را کے دو افسروں کے مختلف انداز میں مارے جانے سے مجھے خوشی ہوئی ہے۔" جان نے بے لاگ انداز میں کہا "اسی کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دہلی میں ہونے والی ساری وارداتوں میں ڈینی کا ہاتھ ہے۔ جان اسمتھ کو ڈینی اور ویرا نے ایک سازش کے ذریعے مارا تھا۔"

"تم نے اتنا بڑا نتیجہ اتنی آسانی سے کیسے اخذ کرلیا؟" کرنل غفور نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"میں ابتدا سے بتاؤں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ جان اسمتھ کے فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈر کو سننے کے بعد پتا چلا ہے کہ ویرا فون پر آوازیں بدل بدل کر مجنونانہ انداز میں جان کو دھمکیاں دے رہی تھی کہ وہ بہت جلد اس کا نوخرا چیر دے گی اور اسے مار دے گی۔ وہ نیم پاگل اور مہم پسند لڑکی ہے۔ قتل و غارت گری ہمیشہ اس کا شوق رہا ہے۔ جان خوف زدہ ہوکر چھٹی پر دہلی چلا گیا وہاں شاید ڈینی بھی اس کے پیچھے پیچھے پہنچ گیا۔" جان ایلش کوف نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر اپنا گلا تر کیا اور پھر تفصیل بتانے لگا "ڈینی نے زہریلی سوئی استعمال کرکے جان کو اس کے ہوٹل کے کمرے میں مار ڈالا۔ وہ طریقہ نیا تھا اس لیے ہم بھٹکتے رہے لیکن کل علی الصباح انل اور نریش کی لاشیں ملنے کے بعد را والوں نے زبردست کارکردگی دکھائی اور پتا چل گیا کہ ڈینی بھارت میں اپنے عزائم پورے کرنے کے لیے بیم گن کے ساتھ زہریلی سوئیاں بھی استعمال کررہا ہے۔"

جلال کے سوا بقیہ چاروں افراد کے لیے وہ بالکل نئی کہانی تھی۔ وہ توجہ سے جان کی بات سنتے رہے۔

"یہ براہِ راست ثبوت نہیں ہے پھر بھی یہ تعین ہوجاتا ہے کہ جان کا قاتل کس فریق سے تعلق رکھتا تھا۔" کرنل شعبان نے کہا۔

"آج صبح سویرے ایک سرحدی مقام پر پاکستانی فوج نے تین بھارتیوں کی لاشیں بھارتی فوج کے حوالے کی ہیں۔" جان نے پیالی سے چائے کا دوسرا گھونٹ لینے کے بعد بات جاری رکھی "وہ تینوں بھارتی ہیں۔ ایک امرتسر کا غنڈا ہے۔ دو بھارتی فوجی ہیں۔ فوجیوں کو بیم گن سے مارا گیا ہے۔ غنڈے کو اس کی پک اپ میں مارا گیا ہے۔ وہ مشتبہ انداز میں سرحدی علاقوں کا سفر کرتا رہتا تھا۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اپنی گاڑی میں بھارتی فوجیوں کی لاشیں لے کر پاکستان کیوں آیا تھا۔"

"یہ سب واقعات بھارت میں ہوئے۔" جلال نے قدرے مضطرب ہوکر اپنی کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا "مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اطلاع ملی ہے کہ سرحد پر ایسا واقعہ ہوا ہے۔ اس کی تفتیش کے لیے تمہیں بھارت کا رخ کرنا چاہیے تھا۔ تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

"یہ واشنگٹن کا فیصلہ ہے۔" جان نے اپنا رخ جلال کی طرف گھمالیا "بھارتی ابھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچے لیکن ہمیں ڈینی کا ٹریک مل گیا۔ جب تک وہ دہلی میں رکا رہا' زہر میں بجھی ہوئی سوئیاں یا زہیرا انجیکٹ کرنے کا طریقہ استعمال کرکے اپنے حریفوں کو قتل اور بے ہوش کرتا رہا۔ شاید دہلی کے ہوٹلوں میں ٹھہرے ہوئے کسی مشتبہ فرد کی تلاش میں ڈیوڈ نامی پولیس افسر نے اس کی کسی دکھتی رگ پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ وہ بھی بدن میں زہر سرایت ہونے کی وجہ سے مرگیا۔ ڈینی خاموشی سے اپنا کام کرتا رہا۔ دہلی کی انتظامیہ اس کے وجود سے بے خبر رہی۔ اپنے قیام کے آخری مرحلے پر اس نے نریش کو مارا تو فاتحانہ انداز میں اپنی موجودگی کا اعلان کرنے کے لیے بیم گن استعمال کرڈالی۔ یہ ہر بڑے مجرم کی نفسیات ہوتی ہے کہ اسے اس کے کارناموں سے پہچانا جائے۔ ڈینی اس مقصد میں کامیاب ہوگیا۔ اب پورے بھارت میں اس کی تلاش جاری ہے۔"

"اور تم اسے ڈھونڈنے کے لیے کراچی آئے ہو۔" جلال نے قدرے طنزیہ انداز میں کہا۔

"لینگلے میں سی آئی اے ہیڈ کوارٹرز میں بیٹھے ہوئے ماہرین نے ان تھک عرق ریزی کے بعد مجھے یہاں بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے جس کی منظوری صدر نے دی ہے۔" جان نے فخر آمیز لہجے میں بتایا "ان کی متفقہ رائے ہے کہ بھارت میں اب ڈینی کا سایہ بھی نہیں مل سکے گا۔ انل اور نریش کو مارنے کے بعد ڈینی امرتسر پہنچا اور مقامی غنڈے کے ذریعے سرحد پار نکل گیا۔ اس کی گاڑی کو راستے میں روکنے کی کوشش کی گئی ہوگی مگر اس نے مزاحم ہونے والے دونوں فوجیوں کو بیم گن سے اڑا دیا۔ ان کی لاشیں پک اپ میں لادیں اور اپنا سفر جاری رکھا۔"

"وہ پک اپ چلانے والا بنگو نامی بدمعاش پاکستانی فوج کی فائرنگ سے مرا ہے۔" جلال نے زور دے کر کہا "ڈینی اس پک اپ میں تھا تو وہ کہاں گیا۔"

جلال کا ذہن اس وقت پوری سرعت سے کام کررہا تھا۔ جان کی تفتیشی کہانی سن کر اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئی تھیں اور گلا خشک ہونے لگا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ پاکستان اور بھارت کی سرحد سے ہزاروں میل دور' فیرفیکس کے لینگلے نامی علاقے میں بیٹھے ہوئے سی آئی اے کے ماہرین اتنی آسانی سے اصل کہانی تک پہنچ جائیں گے۔"

"یہ ملین ڈالر کا سوال ہے۔ اسی کا جواب تلاش کرنے کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔" جان نے اپنی پیالی خالی کردی۔ "بنگو والا واقعہ ریکارڈ پر ہے۔" کرنل غفور نے جان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "جس وقت اسے للکارنے کے بعد گولیوں کی باڑ ماری گئی' پک اپ میں دو لاشوں کے سوا کوئی اور متنفس نہیں تھا۔ صرف بنگو تھا اور وہ مارا گیا۔"

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو' ڈیر کرنل!" جان نے بہت رسانیت سے کہا "دونوں فوجی بیم گن کی لیزر سے مرے ہیں۔ یہ اس مخدوش علاقے میں ڈینی کی موجودگی کا ثبوت ہے۔ وہ دہلی سے نکلا اور امرتسر ہوتا ہوا سرحدی ویرانے میں پہنچ گیا۔ وہ پاکستانی فوج کے ہاتھ نہیں آیا پھر کہاں گیا؟"

جلال کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی پیشانی عرق آلود ہوتی جارہی ہے۔ اپنے فیصلے کرتے ہوئے اسے ایک لمحے کے لیے بھی گمان نہیں ہوا تھا کہ میرا کوئی حریف اتنی آسانی سے کڑیاں ملالے گا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں ہمارے بیان پر یقین

جڑ

ایک خاتون اپنی بیٹی کے سلسلے میں پریشان تھیں۔ بیٹی صبح اٹھتی تھی تو اس کا سر بھاری ہوتا تھا۔ کئی ڈاکٹروں سے علاج کرا چکی تھیں۔ آخر ایک مشہور اسپیشلسٹ کے پاس لے گئیں۔

"کیا آپ کی بیٹی سوتے وقت دودھ پیتی ہے؟" اسپیشلسٹ نے معائنے کے بعد پوچھا۔

"جی ہاں۔" ماں نے جواب دیا۔

"بس... یہی تو بیماری کی جڑ ہے..." ڈاکٹر صاحب فوراً بولے "بچی دودھ پی کر سوتی ہے۔ کروٹیں بدلتی ہے تو دودھ سے مکھن نکل آتا ہے۔ مکھن چربی میں بدل جاتا ہے۔ چربی شوگر میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ شوگر' الکحل بن جاتی ہے۔ چنانچہ بچی صبح اٹھتی ہے تو اس کا سر بھاری ہوتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہے۔" کرنل شعبان نے قدرے برہمی سے کہا۔

"میری بات سے غلط مفہوم اخذ نہ کرو۔" جان کا لہجہ ملتجیانہ ہوگیا "ڈینی ایک ملزم بلکہ مجرم ہے۔ اس کے ہاتھ بہت سے بے گناہ امریکیوں اور دوسروں کے خون سے داغ دار ہیں۔ وہ ہمارا یا تمہارا دوست نہیں ہو سکتا۔ ہمیں سر جوڑ کر اپنے اس مشترکہ دشمن کا کھوج نکالنا ہوگا۔"

اس کا لب ولہجہ اس قدر مفاہمانہ تھا کہ کوئی اس کی رائے سے اختلاف کرنے کی جرأت نہیں کر سکا۔ سب سر ہلا کر رہ گئے۔

چند ثانیوں کے لیے اس کمرے میں روح کو منجمد کر دینے والا بھیانک سکوت طاری ہوگیا جسے کرنل شعبان نے غیر ارادی طور پر اونچی آواز سے توڑا "اگر تمہارے اس نظریے کو درست مان لیا جائے تو اب ڈینی کہاں ہو سکتا ہے۔"

"یہاں!" جان نے اپنے داہنے ہاتھ کے انگوٹھے سے میز کی چوبی سطح ٹھونکتے ہوئے کہا "وہ پاکستانی شہری ہے۔ یہ ملک اس کے لیے بہترین پناہ گاہ ہے۔ رنگ، نسل، زبان اور اپنے خدوخال کی بنا پر وہ یہاں عام لوگوں میں گھل مل کر بے فکری سے اپنی زندگی گزار سکتا ہے۔ ہمارے پاس اس کی کوئی واضح اور نئی تصویر نہیں ہے جسے ہم لوگوں کے لیے مشتہر کر کے انہیں خبردار کر سکیں۔ ہم نے اس کے بارے میں خبر دینے والے کے لیے دس لاکھ ڈالر کا انعام مقرر کیا ہوا ہے۔ اسے اور اس کے خاندان کو امریکی شہریت اور باعزت روزگار کی ضمانت دی ہے مگر ہماری یہ ساری کوششیں ناکام رہی ہیں۔ کیونکہ ہمارے پاس اسے ٹریک ڈاؤن کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔"

"تم سب کچھ کہے جا رہے ہو لیکن تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ وہ ہمارے سرحدی دستوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر پاکستان کیسے پہنچ گیا۔" شاہد رانا نے بھی نرمی سے کہا۔

"اوہ ڈیر! میں بار بار التجا کر رہا ہوں کہ میری کسی بات سے غلط مفہوم اخذ نہ کرو۔" جان نے خوشامدانہ انداز میں کہا "میں کسی پر کوئی الزام تراشی نہیں کر رہا۔ سب کی کوششیں اپنی جگہ پر ہیں لیکن ڈینی انہیں ناکام بنا کر پاکستان لوٹنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بنگو کی پک اپ سے کچھ دور پہلے اتر چکا ہو۔ اسے پاکستانی علاقے میں اتارنے کے بعد بنگو واپس جا رہا تھا۔ رات کے اندھیرے اور ویرانے کی یکسانیت کی وجہ وہ ذرا سا بھٹکا اور تمہارے فوجیوں کی نگاہ میں آگیا۔"

"اگر بنگو اور ڈینی کا یہی پروگرام تھا تو وہ بھارتی فوجیوں کی لاشیں اپنے ساتھ کیوں لیے پھر رہے تھے؟" جلال نے پوچھا۔

"لاشیں چھوڑ دی جاتیں تو وہ بھارتی فوج کے کسی دستے کی نگاہ میں آجاتیں۔ پوری سرحد پر کھلبلی مچ جاتی اور بنگو کی واپسی کی راہ مسدود ہو جاتی۔"

"امرتسر پہنچنے کے بعد بنگو ان لاشوں کو کہاں ٹھکانے لگاتا؟" جلال نے عاجلانہ انداز میں اگلا سوال داغ دیا۔

جان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی باتیں سن کر پانچوں پاکستانی افسر مضطرب سے نظر آنے لگے تھے۔ اس نے اپنے لہجے کی نرمی برقرار رکھتے ہوئے جواب دیا۔ "اسے لاشیں امرتسر لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ واپسی پر وہ انہیں کسی بھی گڑھے میں پھینک دیتا اور بھاگ نکلتا۔ ہر گزرتا ہوا لمحہ اسے لاشوں کی دریافت کے خطرے سے دور اور امرتسر کے قریب پہنچا دیتا۔ یہ ایک نظریہ ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔ لینگلے میں بیٹھے ہوئے افسروں نے بہت عرق ریزی اور دماغ سوزی کے بعد یہ کہانی تیار کی ہے۔ اس میں ہر سوال اور ہر امکان کا تحریری تجزیہ کیا گیا ہے۔ میں تم کو اسی کے مطابق جواب دے رہا ہوں۔ سب اس فائل میں لکھا ہوا ہے، خود پڑھ لو۔"

اپنی بات مکمل کر کے اس نے بریف کیس میں سے سرخ رنگ کی ایک فائل نکال کر میز پر ڈال دی۔

جلال کا دماغ چند ثانیوں کے لیے سن ہو کر رہ گیا۔ جان حرف بہ حرف صحیح کہانی سنا رہا تھا۔ اس نے لمحوں ہی لمحوں میں خود پر قابو پایا اور بولا "تم بتا رہے ہو کہ راوالوں نے کل تمہیں انل اور نریش کے قتل کے طریقوں سے آگاہ کیا اور آج تم کراچی میں اپنے بڑوں کی تیار کی ہوئی جامع رپورٹ لیے بیٹھے ہو۔ اتنی جلدی یہ سب کیسے ہو گیا؟"

جان کی موت ہم سب کے لیے بہت بڑا صدمہ تھی۔ اس بھیانک واردات پر بہت سا کام کیا جا چکا تھا۔ کچھ کڑیاں غائب تھیں۔ گم شدہ کڑیوں کا سراغ ملنے کے بعد سب کام آسان ہو گیا۔"

"اب تم کیا چاہتے ہو؟" کرنل غفور نے جان ایش کوف سے سوال کیا۔

"ڈینی کی تلاش۔ میں دہلی کا ایک چکر لگاؤں گا پھر یہاں ڈیرا ڈال دوں گا۔ میں پاکستان سے بھرپور مدد کا خواہاں ہوں۔"

"ابھی تم اپنے بڑوں کے تیار کیے ہوئے ایک نظریے پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات کر رہے تھے۔ اب ہمیں زمینی حقائق پر بھی نظر ڈال لینی چاہیے" کرنل شعبان نے سگریٹ سلگا کر ایسے سرد لہجے میں کہا کہ جلال چونک پڑا۔

"کیا زمینی حقائق ان باتوں سے مختلف ہیں جو میں کرتا رہا ہوں؟" جان نے پوچھا۔

"خاصے مختلف بلکہ شاید تلخ بھی ہیں" کرنل شعبان کے لہجے کی سرد مہری برقرار رہی۔

"اس وقت میں ہر بات سننے کے موڈ میں آیا ہوں۔ ہمارے دلوں میں اگر کچھ تلخیاں ہیں تو آج انہیں دھل جانا چاہیے" جان نے کھلی رواداری کا مظاہرہ کیا۔

"آج تم بہت نرم اور دھیمے لہجے میں بات کر رہے ہو۔ آج سے پہلے امریکیوں کا لب و لہجہ تلخ ہوا کرتا تھا" کرنل شعبان نے فیصلہ کن انداز میں لب کشائی کی "ڈینی کے بارے میں مختلف امریکی حلقے شروع سے اس بات کے شاکی رہے ہیں کہ پاکستان کی بعض ایجنسیاں درپردہ ڈینی کی پشت پناہی کرتی ہیں۔"

"ایک شخص پے در پے جرائم کرتا چلا جائے اور قانون کی گرفت سے مسلسل بچتا رہے تو ایسے شکوک و شبہات کا پیدا ہونا فطری امر ہے۔"

"ایسے چالاک مجرم ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔ امریکا میں سیکڑوں افراد ایسے ہوں گے جو برسوں سے قانون کو مطلوب ہیں لیکن کبھی گرفت میں نہیں آتے۔ ان کے بارے میں کیا کیا جاتا ہے۔"

"گرفتاری ہونے تک ان کی سرگرمی سے تلاش رہتی ہے۔ ڈینی کے خلاف پاکستان میں صرف ایک بار بھرپور مہم کا آغاز ہوا تھا۔ اس کے بعد مکمل خاموشی ہے۔ یہاں اسے مفرور مجرم قرار دیا گیا ہے نہ اس کی گرفتاری میں مدد دینے والوں کو ترغیب دلانے کے لیے کوئی انعام مقرر کیا گیا ہے۔"

"بس، میں یہی کہہ رہا تھا کہ تم بھی نرم لہجے میں الزام تراشی کے ارادے سے آئے ہو۔ پاکستان کو انعام مقرر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے" کرنل شعبان نے کہا۔

"میں الزام تراشی نہیں کر رہا۔ تمہاری بات کا جواب دے رہا ہوں" جان بولا۔

"تمہارے ایک ملین ڈالر کے انعام کا کوئی جواب نہیں ملا۔ تم نے بارہا مقامی اخباروں میں ڈینی اور ویرا کے خلاف اشتہار چھپوائے ہیں۔ ان کا کیا نتیجہ نکلا؟ اتنے بڑے انعام کے اعلان بعد کسی چھوٹے انعام کا اعلان مضحکہ خیز ثابت ہوگا۔ ہمارے غریب ملک کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ کسی ایک شخص کی گرفتاری کے لیے کروڑوں روپے کا انعام مقرر کیا جا سکے۔ تمہاری یہ دلیل بالکل بودی اور بے وزن ہے۔"

"ہم ڈینی اور مظہر خان کے بارے میں پاکستان کی مدد چاہتے ہیں" جان کا لہجہ سنجیدہ اور سخت ہوگیا۔ گفتگو آگے بڑھنے کے ساتھ اس کا صبر و سکون رخصت ہوتا جا رہا تھا۔

"مظہر خان!" کرنل غفور نے چونک کر پوچھا "یہ نام میں پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"یہ مشتبہ پاکستانی ہے جو باقاعدہ ویزا پر اٹاری کے راستے بھارت میں داخل ہوا تھا۔ دہلی میں وہ راوالوں کی نگرانی میں تھا۔ انل اور نریش کے قتل والی رات وہ اپنی گرل فرینڈ سمیت اچانک دہلی سے غائب ہوگیا۔ ہوٹل کے ریکارڈ سے لیے گئے کوائف میرے پاس موجود ہیں۔"

"راوالے اس کی نگرانی کر رہے تھے تو وہ کیسے غائب ہوگیا" شاہد رانا نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"یہ مجھے دہلی پہنچ کر معلوم ہوگا" جان نے خفت آمیز لہجے میں کہا "وہ مشتبہ ہے۔ ابھی اس کے جرائم کا تعین ہونا باقی ہے۔"

"یہ تو جانتے ہوگے کہ وہ کس سلسلے میں مطلوب ہے!" جلال نے موقع ملتے ہی جارحانہ انداز میں سوال کیا۔

وجہ تاخیر

ایک بڑے بزنس مین کے انتقال کے کئی دن بعد جب اس کے دفتری سامان کا جائزہ لیا گیا تو اس میں ایک خط بھی تھا جو پوسٹ ہونے سے رہ گیا تھا۔ اس کی مستعد اور فرض شناس سیکریٹری نے خط پوسٹ کر دیا لیکن خط کے آخر میں تاخیر کی وجہ بیان کرنا بھی بہتر سمجھا۔ اس نے خط میں باس کے دستخط سے پہلے یہ لائن ٹائپ کی!

"یہ خط ارسال کرنے میں تاخیر اس لیے ہوئی کہ خط لکھنے کے بعد میرا انتقال ہوگیا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"شبہ ہے کہ اس نے را کے مفادات کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے" جان نے بتایا۔

"سوری جان!" کرنل غفور نے دوٹوک لہجے میں کہا "تم مظہر خان کے کوائف ہمیں دے دو۔ ہم اپنے طور پر اس کی چھان بین کریں گے لیکن تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ را سے ہماری دیرینہ رقابت ہے۔ ہم ایسا کوئی کام نہیں کریں گے جس سے ہمارے بدترین حریف کو کوئی فائدہ پہنچ سکے۔"

"سرد جنگ کا یہی سب سے بڑا نقصان ہوتا ہے" لیری نے پہلی مرتبہ پُر تشویش انداز میں اپنی زبان کھولی ورنہ وہ خاموشی سے ساری گفتگو سنتا رہا تھا۔

"تم ڈینی کے لیے یہ عذر کیوں پیش نہیں کرتے؟ اس نے بھی را والوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔" جان نے اعتراض کیا۔

"اس پر تم نے جان اسمتھ کے قتل کا الزام لگایا ہے۔ ماضی میں بھی اس پر کئی امریکیوں کے قتل کے الزامات لگائے جاتے رہے ہیں۔ امریکا ہمارا دوست ملک ہے۔ اس کی مدد کرنے کے لیے ہم بہت کچھ کرسکتے ہیں" کرنل غفور بولا۔

"اور اگر وہ امریکیوں کے خلاف ہونے والے جرائم میں ملوث پایا گیا تو تم اسے ہمارے حوالے کردو گے؟"

"تمہارا یہ سوال مفروضے پر مبنی ہے" کرنل شعبان نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا "ہم کسی جال میں پھنسنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔ شہادتیں سامنے آنے کے بعد ہی تم لوگوں سے تعاون کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ میری نیت کے بارے میں تمہارے کچھ تحفظات ہیں!" جان کا لہجہ پہلی بار تلخ ہوگیا۔

"مجبوری ہے جان!" کرنل غفور نے اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے جواب دیا "وقت نے ہمیں بہت کچھ سکھادیا ہے۔"

"دیکھو کرنل! تم صرف اپنے آس پاس دیکھتے ہو۔ ہم امریکی پوری دنیا کے حالات پر نظر رکھتے ہیں۔ ڈینی اور اس کے مددگار رفتہ رفتہ اس خطے کے لیے خطرہ بنتے جارہے ہیں۔ اب ان کی سرکوبی کا وقت آگیا ہے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ امریکی حکومت روئے زمین کے کسی بھی حصے میں موجود ہر امریکی کی جان اور اس کے مال کی حفاظت کی ضامن ہے۔ ہم اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ اپنے مفادات کو نقصان پہنچانے والے کی اینٹ سے اینٹ بجادیں۔ ہم نے عبرت کی ایسی کئی مثالیں قائم کی ہیں کہ اپنے ایک دو یا چار مخالفین کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے چند سو یا چند ہزار بے قصور مردوں، عورتوں اور بچوں کو بھی اڑادیا۔ کسی بھی امریکی پر حملہ امریکا پر حملہ تصور کیا جاتا ہے اور جان اسمتھ بہت بڑا امریکی تھا۔ یہ محض دوستی اور رواداری کی بات ہے کہ میں یہاں میز پر بیٹھا تم سے مساویانہ انداز میں بات کررہا ہوں ورنہ ہمارے پاس اپنے مجرموں سے نمٹنے کے دوسرے طریقے بھی ہیں۔"

جان ایش کوف نے تاؤ میں آکر اپنے لب و لہجے سے نرمی کا نقاب نوچ ڈالا تھا۔ وہ وہی زبان بول رہا تھا جو اس کے پیش رو بولتے چلے آئے تھے۔ جان کے روپ میں آنے والی اس ڈرامائی تبدیلی پر وہ پانچوں حیران رہ گئے۔ وہ سب کھاگ اور تجربے کار افسر تھے۔ انہوں نے اندازہ لگالیا کہ آخر کار جان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔ اس پر مزید نشتر زنی کی جاتی تو وہ آپے سے باہر ہوکر اس اہم میٹنگ کو ناکام بنا سکتا تھا۔

آپس میں کوئی تبادلۂ خیال کیے بغیر وہ پانچوں بہ یک وقت ایک ہی فیصلے پر پہنچ چکے تھے۔

"اس بات سے کسی ہوش مند شخص کو انکار نہیں ہوسکتا کہ آج امریکا دنیا کی اکلوتی سپر پاور ہے" جلال نے سرہلاتے ہوئے کہا "اب تم سنجیدہ ہوگئے ہو تو میں بھی پوری سنجیدگی سے تم کو بتارہا ہوں کہ ہم بھارت پر اعتبار نہیں کرسکتے۔ اپنے مفادات کے حصول کے لیے وہ امریکا کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ تم ان کی فراہم کی ہوئی معلومات پر انحصار کیے بغیر، اپنے طور پر ہم سے کوئی بات کروگے تو ہم کو پوری طرح اپنا مددگار پاؤ گے۔"

"ان کی بدنیتی اسی ایک بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ مظہر خان ان کی نگرانی کے باوجود نکل گیا اور وہ ہم سے اس کی گرفتاری کے خواہاں ہیں" کرنل غفور نے کہا۔

"یہ صرف اکسانے والی حرکتیں ہیں" جان نے اعتراف کیا "اگر وہ اتنا ہی خطرناک تھا تو اسے دہلی میں دبوچ لیا جاتا مگر ڈینی بھارت کے ساتھ ساتھ ہمارا بھی مسئلہ ہے اس کے لیے تم لوگوں کو کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔ تمہاری مدد کے بغیر اسے قابو میں کرنا ناممکن ہے۔"

بات بگڑتے بگڑتے سنبھلنے لگی تھی۔ جلال نے جان کی نظریں بچاکر کرنل شعبان کو اشارہ کیا اور وہ بولا "کھل کر بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"ہمیں ڈینی کے خلاف اشتہار دیے ایک مدت ہوگئی ہے اور اس کا دور دور تک پتا نہیں ہے۔ یہ ہمارے لیے بہت سبکی کی بات ہے۔ اپنے وقار کی بحالی کے لیے ہم ضروری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قیمت 150 روپے

ڈاک خرچ 25/- روپے

روشنی کے مینار

ضیا تسنیم بلگرامی

اولیائے کرام جو مینارہ رشد و ہدایت تھے۔ ضیا تسنیم بلگرامی نے انہیں اپنے قلم کا مستقل موضوع بنایا۔

ان دنوں جب ہر طرف حرص و طمع عیش کوشی، خود غرضی اور نفسا نفسی کا دور دورہ تھا، انسان دنیاداری، جاہ طلبی اور جاہ پرستی میں مبتلا تھا روشنی کے ان میناروں نے انسانیت کو نجات ابدی کی راہ دکھائی دکھی انسانوں کی راہ نمائی کی ان کے کام آئے۔

ان کے کارنامے

اور ان کی منور زندگی آج بھی ہماری رہنمائی کر رہی ہے وہ ہم میں موجود نہیں لیکن اپنے کام میں موجود ہمیں بتا رہے ہیں کہ دنیا سائے کی طرح ہے۔ اس کے پیچھے بھاگو گے تو ہمیشہ آگے ہی آگے رہے گی تمہارے ہاتھ نہیں آئے گی لیکن اگر اس سے بھاگو گے تو تمہارے پیچھے دوڑے گی۔ ایک ایسی چیز جو سائے کی طرح ہے اس کی حصولیابی سے کیا حاصل؟

اسلام کے خاموش مبلغوں کے دلچسپ اور پر اثر واقعات

کہانیوں سے زیادہ دلچسپ داستانوں سے زیادہ اثر انگیز

کتاب کی قیمت، مع ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ کریں

مصنفہ کی ایک اور کتاب "عظمت کے مینار" قیمت 150 روپے بھی دستیاب ہے

فون: 5802552 — کتابیات پبلی کیشنز — فیکس: 5802551

پوسٹ بکس 23 رمضان چیمبرز ملوریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200

kitabiat1970@yahoo.com

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمجھتے ہیں کہ اب اپنے سارے وسائل استعمال کریں اور اسے زندہ یا مردہ پکڑلیں۔"

"اپنے وسائل کے بارے میں تم جانتے ہو۔ ہمیں ہمارا رول بتاؤ" کرنل شعبان نے کہا "شاید ہم کچھ کرسکیں۔"

"ہمیں ڈینی کی واضح تصاویر' فنگر پرنٹس اور اس کی آواز کا ٹیپ درکار ہے" جان نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا۔

کرنل شعبان ایک گہرا سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا "اس تک رسائی ہوجائے تو اس بکھیڑے کی کیا ضرورت ہے۔ اسے پکڑا ہی نہ لیا جائے۔"

"یہ بنگلے کے سر پر موم بتی جلا کر اسے پکڑنے والی بات ہے" شاہد رانا نے کہا۔

"وہ یہاں کا شہری ہے۔ کسی نہ کسی سرکاری ریکارڈ سے کچھ نہ کچھ مل سکتا ہے" جان نے اصرار کیا۔

"ڈینی کے مقابلے میں اس کی ان نشانیوں کی کیا افادیت ہے؟" جلال نے پوچھا۔

"ساری کوششیں اسے زیر کرنے کے لیے ہیں۔ زمین سے تقریباً چار سو کلومیٹر کی بلندی پر ہمارے کئی سیٹلائٹ گردش کررہے ہیں۔ ہر سیٹلائٹ نوے منٹ میں ایک مرتبہ پاکستان کے اوپر سے گزرتا ہے۔ ڈینی کی تصویریں اس نظام میں ڈال دی جائیں تو چند روز میں اسے تلاش کیا جاسکتا ہے۔"

"اوہ.... اب سمجھ میں آیا کہ تم کیا چاہ رہے ہو؟" کرنل غفور کے منہ سے نکلا "بدقسمتی سے ہماری کسی ایجنسی کے پاس ڈینی کا کوئی مصدقہ ریکارڈ نہیں ہے۔ وہ ایک سائے کی طرح بے آواز نمودار ہوتا ہے اور اپنی کارروائی کرکے چھلاوے کی طرح غائب ہوجاتا ہے۔ کہیں نہ کہیں اس کا کوئی ریکارڈ ضرور دفن ہوگا لیکن ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ وہ ریکارڈ کس نام سے ہوگا۔ اس کا اصل نام تنویر علی بتایا جاتا ہے۔ اسے ڈینی کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ پتا نہیں اس نے کس نام سے بھارت کا سفر کیا ہوگا۔"

"تم لوگ مظہر خان کو بھی ضرور دیکھو" جان کی آواز ایک مرتبہ پھر نرم ہوگئی "میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ معلومات سی آئی اے کی تحویل میں رہیں گی۔ را یا کسی اور بھارتی ایجنسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی جائے گی۔"

اس بارے میں کچھ کرنا یا نہ کرنا ان لوگوں کی مرضی پر منحصر تھا۔ انہوں نے وہ موضوع ختم کرنے کے لیے سرہلادیے۔ جان شاید ان کی آمادگی کا ہی منتظر تھا۔ اس نے اپنے بریف کیس میں سے ایک لفافہ نکالا اور اس میں سے کمپیوٹر پر چھپے ہوئے ایک کاغذ کی نقول نکال کر ساتوں کو تقسیم کردیں۔

اس کاغذ پر مظہر خان اور غزالہ کے پاسپورٹوں کے کوائف لکھے ہوئے تھے۔

"یہ غزالہ کون ہے؟" جلال نے کاغذ پر نظریں دوڑاتے ہوئے انجان بن کر پوچھا۔

"را والوں کا کہنا ہے کہ وہ مظہر کی گرل فرینڈ تھی مگر ہم اس لڑکی کو اس کے نام کی وجہ سے اہمیت دے رہے ہیں کیونکہ ڈینی کی بیوی کا نام بھی غزالہ ہے۔ ایک موہوم سا امکان ہے کہ ڈینی نے مظہر خان کا نام اختیار کرکے را والوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی ہو اور وہ 'اُلو کے پٹھے' دال خورا ابھی تک اس لڑکی اور ڈینی کی بیوی کے نام کی مماثلت سے غافل ہیں۔"

پیشہ ورانہ لگن اور تجربہ یک جا ہوجائے تو بڑی سے بڑی گتھی پلک جھپکتے میں سلجھ جاتی ہے۔ جان نے ایک لمحے میں اس رمز کو پالیا تھا جو را والے ہفتہ بھر بلکہ اس کے بعد بھی بھولے ہوئے تھے۔ وہ دوسری سمتوں میں اپنی کارگزاری دکھارہے تھے لیکن اصل نکتے کو نظرانداز کیے بیٹھے تھے۔

جلال کا ماتھا ٹھنک گیا۔ اس بار امریکیوں کے عزائم خطرناک تھے۔ وہ نئی لگن کے ساتھ میری اور غزالہ کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔ زمین سے خلا تک' اپنے سارے وسائل کو میرے خلاف آزمانے پر تل گئے تھے۔

"تم فکر نہ کرو۔ اب مظہر خان کا نام بھی ہماری لسٹ پر رہے گا۔" کرنل غفور نے جان کو یقین دلایا۔ وہ اس بارے میں مخلص تھا کیونکہ مظہر خان کی اصلیت سے' ان ساتوں کی بھیڑ میں جلال کے سوا کوئی واقف نہیں تھا۔

"میں تمہیں ایک اور بات بتادوں۔ را والوں کے شبہات بالکل بے بنیاد نہیں ہیں" میٹنگ کے مقامی شرکا کو تعاون پر آمادہ پاکر جان نے اپنی بات آگے بڑھائی "مظہر خان کے نام کی طرف متوجہ ہونے کے بعد انہوں نے بہت تیزی سے اپنا کام آگے بڑھایا ہے۔ اس کا اور غزالہ کا پاسپورٹ اسپیشل پولیس کی پڑتال میں دیکھا گیا تھا۔ اس ریکارڈ کے مطابق وہ دونوں پندرہ تاریخ کو اٹاری کی سرحد سے بھارت میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے پاسپورٹ نمبروں اور ناموں سے تحقیقات کی گئیں تو پتا چلا کہ اٹاری کے امیگریشن ریکارڈ کے مطابق پندرہ یا اس سے چند روز پہلے اور بعد کی تاریخوں میں اس نام کے پاکستانی وہاں سے نہیں آئے۔ ان کے پاسپورٹوں پر امیگریشن کی مہریں جعلی تھیں۔ پتا نہیں وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں کس طرح بھارت میں داخل ہوئے تھے۔"

"اور واپس جانے والے مسافروں کا امیگریشن ریکارڈ کیا کہتا ہے" کرنل شعبان نے پوچھا۔

"وہ بھی سپاٹ ہے۔ زمینی، فضائی اور سمندری ریکارڈ میں کہیں ان دونوں کا اندراج نہیں ہے۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ ابھی تک بھارت میں پھنسے ہوئے ہوں" کرنل شعبان نے خیال ظاہر کیا۔

"یہ سوچنا سراسر خود فریبی کے مترادف ہے۔ اگر ڈینی ہی نے مظہر خان کا روپ دھارا ہوا تھا تو وہ بنگلو کی مدد سے سرحد پار کر چکا ہے" جان نے اپنے ان الفاظ سے جلال کی رہی سہی خوش فہمی بھی رفع کر دی۔ اس کے اخذ کیے ہوئے نتائج حقیقت سے قریب ترین تھے۔

جلال کا اندازہ تھا کہ جان کو دہلی میں ذرا سا بھی سہارا مل گیا تو وہ وہاں تھوڑا سا وقت گزارنے کے بعد بالکل صحیح نتائج اخذ کرنے میں کامیاب ہو جائے گا اور میری تلاش کی امریکی مہم میں یکایک بے انتہا تیزی پیدا ہو جائے گی۔

"ہم اپنی سرحدوں میں آنکھیں کھلی رکھیں گے۔ تم بھارت میں دیکھ لو۔ ہو سکتا ہے کہ جلد ہی کوئی راہ نکل آئے" آئی جی نے جان کی آمد کے بعد پہلی مرتبہ زبان کھولی کیونکہ ان تمام پس پردہ واقعات کے بارے میں اس کی معلومات سب سے زیادہ ناقص تھیں۔

"مجھے اندازہ ہے کہ ماضی میں ہمارے درمیان کافی تلخیاں رہی ہیں" جان نے اپنا بریف کیس سمیٹتے ہوئے کہا "اس میں کمی لانے کی کوئی مخلصانہ کوشش نہیں کی گئی مگر میں اس عزم کے ساتھ یہاں آیا ہوں کہ پاکستان اور پاکستانیوں کے تعاون سے ہم جلد از جلد ڈینی کا فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔"

"برابری اور احترام کی فضا میں ہم اپنے کام کو بہتر انداز میں آگے بڑھا سکیں گے" کرنل شعبان نے خوبصورت الفاظ میں اسے پیغام دیا کہ وہ بالادستی اور برتری کا خمار اپنے ذہن سے جھٹک دے تو اسے کسی نہ کسی حد تک قبول کیا جا سکتا تھا۔"

"یہاں میری ٹیم صرف لیری تک محدود ہے۔ تم کو ہم دونوں سے کوئی شکایت نہیں ہوگی" جان نے مفاہمانہ لہجے میں یقین دلایا۔

"اب تم بھارت کب جا رہے ہو؟" کرنل غفور نے گویا اجلاس کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے پوچھا۔

"جلد از جلد" جان نے اپنی کرسی چھوڑ دی "مجھے کمپیوٹر پر لینگلے سے کچھ مشورے کرنے ہیں۔ میں چارٹرڈ پرواز سے آیا ہوں۔ جس وقت بھی فرصت مل گئی، دہلی کے لیے نکل جاؤں گا۔ اس میٹنگ کے بعد دہلی میری اگلی منزل ہے۔"

چائے یا کافی کی صرف ایک پیالی پر وہ مذاکرات ختم ہو گئے۔ دوسرے لوازم میز پر دھرے کے دھرے رہ گئے۔ ساتوں افراد، کرنل غفور کی پیشوائی میں کمشنر ہاؤس کے اس آراستہ کمرے سے نکل آئے۔ برآمدے میں پہنچ کر جان اور لیری نے تشکر آمیز کلمات ادا کرتے ہوئے اپنے پانچوں میزبانوں سے پُرتپاک الوداعی مصافحے کیے اور چند سیڑھیاں اتر کر اپنی بڑی سی سیاہ گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

ان کو رخصت کرتے ہوئے جلال فیصلہ کر چکا تھا کہ اسے فوری طور پر مجھ سے ملنا چاہیے۔

○☆○

ہم سب کو بہت بے چینی سے جلال کی آمد کا انتظار تھا۔ اس نے فون پر جو ذو معنی باتیں کی تھیں، ان کی وضاحت وہی کر سکتا تھا۔ اس سے ملاقات کے لیے اول خان بھی اپنی

مرد حضرات ہی پڑھیں

آپ بھی بے پناہ قوت کے مالک بن سکتے ہیں

دکھایا گیا ہے کہ افریقی گوریلے میں اتنی بے پناہ قوت ہوتی ہے کہ وہ شیر کی ٹانگیں چیر کر پھینک دیتا ہے جرمن سائنسدانوں نے اسکی قوت کے اس راز پر برسوں تحقیق کی اور کئی ناکارہ بوڑھوں کے جسم میں بندر کے غدود لگا کامیاب پیوندکاری کر کے جوان ہو بنا دیا۔ انگریز سائنسدانوں نے گوریلے کی خوراک میں شامل قیمتی جڑی بوٹیوں کا سالہا سال اپنی لیبارٹریوں میں تجزیہ کر کے اسے کمزور نوجوان جو خاص کمزوری میں مبتلا تھے ایک ایک ہفتہ آزما کر یہ ثابت کر دیا کہ یہ جوہر بے پناہ قوت کا سرچشمہ ہے اب ہم اس جوہر کو نسخے کی شکل میں آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کر رہے ہیں اس جوہر کو مزید جانچ پڑتال کے بعد پاکستانی آب و ہوا کے مطابق بنا دیا گیا ہے اس نسخے کے استعمال سے آپ محسوس کریں گے کہ آپ کے رگ رگ میں بجلی کی سی لہر دوڑ گئی ہے اور رگ پٹھوں میں نئی زندگی پیدا ہو گئی ہے اور آپکو وہ تمام خوشیاں میسر ہو جائیں گی جن سے آپ ایک مدت تک محروم رہے۔

آج ہی ایک خط اپنی مکمل کیفیت لکھ کر جوابی لفافے کے ہمراہ ہمیں روانہ کریں آپکو یہ نسخہ فوراً روانہ کر دیا جائے گا۔

ایم۔ کے لیبارٹریز

پوسٹ بکس 2479 کراچی 74600 پاکستان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دفتری مصروفیات سے فارغ ہو کر ہمارے گھر آگیا تھا۔ اسے ہم سب سے زیادہ تجسس تھا کہ شہر میں امریکیوں کے ساتھ ایسا کون سا اجلاس ہو رہا تھا جس میں اسپیشل ٹاسک فورس کی نمائندگی کو ضروری نہیں سمجھا گیا تھا۔

جلال اپنی میٹنگ سے فارغ ہو کر سوا چھ بجے ہمارے گھر آپہنچا۔ میں نے خود دروازہ کھول کر اس کا استقبال کیا۔

اس کا چہرہ اترا ہوا اور مضمحل نظر آرہا تھا۔ ہم سب اس کی آمد کے پس منظر سے واقف تھے اس لیے رسمی گفتگو زیادہ طویل نہ ہو سکی۔ ڈرائنگ روم میں آرام سے ایک صوفے پر بیٹھتے ہی اس نے پوری تفصیل سے اپنی کہانی سنانی شروع کردی۔ وہ تفصیل اس قدر دلچسپ اور سنسنی خیز تھی کہ ہم پانچوں کوئی مداخلت کیے بغیر پورے انہماک سے اس کی کہانی سنتے رہے۔

"وہ ایک دو روز میں دہلی سے لوٹ آئے گا۔ زیادہ دیر تک اسے ٹالنا ممکن نہیں ہوگا" اجلاس کی تفصیل سنانے کے بعد جلال نے کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے محکمے کے ڈسپلن کے خلاف نہیں جاسکتے۔ تمہیں اوپر سے کیا ہدایات ملی ہیں؟" میں نے ٹٹولنے والے لہجے میں پوچھا۔

"میرا پورا محکمہ تمہاری کارکردگی کا معترف ہو چکا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس وضاحت میں تمہارے سوال کا جواب پنہاں ہے۔"

"یہ تمہاری بات ہے مگر وہاں اور لوگ بھی موجود تھے۔ ان کی پالیسی کیا رہے گی؟" اول خان نے سوال کیا۔

"ہم آپس میں ایک دوسرے کی محکمہ جاتی پالیسی پر بات نہیں کرتے" جلال نے سنجیدگی سے جواب دیا "مگر میں نے ان سے ذاتی گفتگو میں یہ محسوس کیا ہے کہ تمہارے تازہ ترین کارناموں سے باخبر ہوئے بغیر وہ سب تمہارے لیے ہمدردانہ جذبات رکھتے ہیں۔ پولیس کے محکمے سے بات پھیل سکتی ہے اس لیے شاید آئی جی کو اعتماد میں نہ لیا گیا ہو مگر دوسرے وقت گزارنے کی پالیسی پر عمل کریں گے۔ جان کے تیور بتا رہے ہیں کہ وہ زیادہ دیر تک ٹال مٹول سے نہیں بہلے گا۔"

"اسلام آباد کے باخبر حلقوں میں یہ خبر گشت کرنے لگی ہے کہ را کا کچھ اہم ترین ریکارڈ پاکستان کے ہاتھ لگ چکا ہے" اول خان نے اسے بتایا۔

"میں جانتا ہوں۔ ایسی بڑی خبریں زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہتیں۔ ہمارے جوابی اقدامات سے بہت کچھ ظاہر ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ آنے والے چند روز میں گرین کوبرا فائل کا نام بھی باہر نکل جائے۔ امریکی ان باتوں سے بے خبر نہیں رہیں گے۔ تم نے بہت اہم نکتے کی طرف توجہ دلائی ہے۔"

"سب سے پہلے ہمیں اس مسئلے کا توڑ سوچنا ہوگا۔ اگر ہم ڈینی سے اپنی لاتعلقی ظاہر کرتے ہیں تو پھر اس بات کا کیا جواز ہوگا کہ را کے پاکستانی ونگ کا مسروقہ ریکارڈ ہمارے قبضے میں آگیا اور ہم نے اس پر کام بھی شروع کردیا" اول خان بولا۔

"ہر دور میں فری لانس سیکرٹ ایجنٹ پائے جاتے ہیں" ویرا نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "یہ کہا جاسکتا ہے کہ گرین کوبرا فائل ایسے کسی ذریعے سے خریدی گئی ہے۔"

"بھارتی جانتے ہیں کہ وہ فائل نریش کے دفتر میں محفوظ تھی جو آتش زدگی کا شکار ہوگیا۔ وہاں سے وہ فائل ڈینی ہی نکال سکتا تھا..."

میں نے اول خان کی بات کاٹ دی "میرا خیال ہے کہ ہم اس مسئلے پر بلاوجہ اپنا سر کھپا رہے ہیں۔ ویرا کی تجویز بہت معقول ہے۔ اپنے تحفظ کی وجہ سے فری لانسر عام طور پر سامنے نہیں آتے ورنہ وہ مار دیے جائیں۔ مسروقہ ریکارڈ اور معلومات کا سودا بیچ کے آدمی کرتے ہیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ دوسری ایجنسیوں کو بھی اس بارے میں بریف کردیا جائے تاکہ امریکیوں کو ہر طرف سے ایک ہی کہانی سننے کو ملے۔"

"اگر تم ویرا کی اس تجویز کی حمایت کر رہے ہو تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں" جلال نے خلوص سے جواب دیا "اس معاملے میں کوئی گڑبڑ ہوئی تو سارے اثرات تمہاری ذات پر پڑیں گے۔ میرے لیے تمہارے رائے سب سے مقدم ہے۔"

میں نے دیکھا کہ جلال کی شفاف نظروں میں ویرا کے لیے کوئی بھاؤ نہیں تھا۔ وہ بہت اعتماد اور بے باکی سے ویرا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہا تھا۔ اپنی ذات میں جلال کی عامیانہ دلچسپی کے بارے میں ویرا نے جو کچھ کہا تھا وہ اس کے اپنے ذہن کی اختراع یا پھر مخمور دماغی کا نتیجہ تھا۔ وہ اپنے وقار یا منصب کے منافی کوئی حرکت کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔

"یہ طے کرلو۔ دوسری طرف جان کو دہلی میں راہ سے ہٹانے کی کوشش بھی کی جاسکتی ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"نہیں ... میرے آدمی ایسے کسی کام میں ملوث نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوسکتے" جلال نے میرے اندازے کے مطابق انکار کردیا "عبداللہ ویسے ہی بھارتیوں کے عتاب میں آیا ہوا ہے۔ پرویز اور عابد اس کے مستقبل کے بارے میں بہت پریشان ہیں۔ اس پر بہیمانہ تشدد ہو رہا ہے۔"

عبداللہ کے بارے میں وہ خبر سن کر میرا دل بھاری ہوگیا۔ بھارت کی سرزمین پر وہ تینوں بہرحال اجنبی تھے۔ انہوں نے وہاں قیام کے دوران میں اپنے جو رابطے استوار کیے تھے وہ زیادہ پرانے نہیں تھے۔ جب تک حالات ٹھیک چل رہے تھے، ان کے بہروپ برقرار تھے لیکن قانون کے شکنجے میں آنے کے بعد جب عبداللہ کے ماضی کو کھنگالا گیا ہوگا تو وہ یہ بتانے سے قاصر رہا ہوگا کہ بھارت میں تین برس سے پہلے اس کا کیا ماضی تھا اور وہ کہاں سے آیا تھا۔

وہ دہلی میں موجود آئی بی کے ہر ایجنٹ کی زندگی کا سب سے کمزور گوشہ تھا۔ ایک بار باز پرس کی چکی کا ایندھن بننے کے بعد ایسے ٹیڑھے سوالوں سے نجات ناممکن تھی۔

"بھارتی ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسے جاسکیں گے" اول خان نے جلال کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "اپنے ملک میں جان اسمتھ کے دیدہ دلیرانہ قتل کے بعد بھارتی مزید حماقت نہیں کریں گے۔ وہ دوسرے جان اور لیری کے لیے حفاظت کا خاطرخواہ بندوبست کریں گے۔"

میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کرلیا کہ جان کو میں خود دیکھوں گا۔

"اسے تمہارے بارے میں مطلوب کوائف تو نہیں دیے جاسکتے لیکن کچھ دنوں تک بہلائے رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ بتانا ہوگا۔ وہ بہت چالاک اور مکار آدمی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان معمولی باتوں سے ہی کوئی بڑا فائدہ اٹھالے۔ جب تک وہ یہاں رہتا ہے، تم کو بہت محتاط بلکہ زیرِ زمین رہنا چاہیے۔"

"اگر یہ تمہاری ہدایت ہے تو میں اسے مان لوں گا۔ مشورہ ہے تو میں شکریے کے ساتھ یہ بتانا چاہوں گا کہ میں وقت اور حالات کے تحت اپنے فیصلے کروں گا اور تم کو جوابی مشورہ دوں گا کہ اس دوران میں تم مجھ سے دور رہو۔ میں بھی تمہاری آئی بی سے الگ تھلگ رہوں گا۔"

"تم نے راسے جو کاغذات اڑائے تھے۔ ان کے سرسری مطالعے سے پہلی یہ بات سامنے آئی ہے کہ پڑوسی ملکوں کی سیاسی قیادت کو زیر کرنے کے لیے راتیزی کے ساتھ اس علاقے میں سی آئی اے کے ساتھ تعاون بڑھائے گی اور دو طرفہ مفادات کے اہداف کی نشاندہی کرے گی جس میں سخت گیر سیاسی لیڈروں کا قتل بھی شامل ہے۔"

میں گرین کو برا فائل اور اس کے ساتھ آئے ہوئے دوسرے کاغذوں کو بھولا ہوا تھا۔ جلال نے ان کا ذکر چھیڑا تو مجھے نیپال یاد آگیا "ان کاغذوں میں نیپال کے بارے میں بھی کافی مواد تھا۔ وہاں راکیا کرنا چاہ رہی ہے؟"

"وہ ایک افسوس ناک باب ہے۔ نیپال میں بی بکرم شاہ بریندرا کی مضبوط حکومت کو راوالے انتہائی غیردوستانہ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کھٹمنڈو کے شاہی محل میں خونی انقلاب لانے کے لیے محل کی حفاظتی فوج میں اپنے کافی آدمی شامل کردیے ہیں۔ وہاں سے کسی بھی وقت کوئی بری خبر آسکتی ہے۔ سب سے پہلے شاہ کو گولیوں کا نشانہ بنایا جائے گا۔"

"طاقت اور سازشوں کے بل پر کسی پڑوسی ملک کی حکومت کو اس طرح گرانا کیا بربریت نہیں ہے؟" اول خان نے غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے سوال کیا۔

"بربریت اور کھلی جارحیت ہے" ویرا نے اس کی تائید کی "امریکی ایجنسیاں اس سازش سے بے خبر نہیں ہوں گی مگر انہوں نے زبان اور آنکھیں بند کرلی ہیں۔"

"یہ سب اپنی جگہ بہت اہم ہے۔ ہم نے اپنا پیغام شاہ تک پہنچانے کی کوشش کی ہے مگر ناکام رہے ہیں۔ شاہ کو جان کا خوف دلا کر بھارت کے ہمدردوں نے اپنے ایسے مضبوط حصار میں لے لیا ہے کہ ہمارا پیغام درمیان میں روک لیا گیا۔ شاہ کے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ اس کے گرد منڈلاتے

گزارش

ایک اسکاٹ نے مرتے وقت اپنے عزیز ترین دوست سے کہا "اسکاچ کی وہ بوتل جو میں نے پچاس برس سے بچاکر... اور چھپاکر رکھی ہوئی ہے.... میں چاہتا ہوں.... میرے مرنے کے بعد وہ تم میری قبر پر چھڑک کر خالی کردو..."

"میں تمہاری وصیت پر ضرور عمل کروں گا...."

دوسرے اسکاٹ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا "لیکن اگر تم برا نہ مناؤ تو میں اس اسکاچ کو چھڑکنے سے پہلے اپنے گردوں کی چھلنی سے گزار لوں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے لوگ کیا گل کھلا رہے ہیں۔"

"ایسے نازک وقت پر کوئی ایٹمی ہی وہ حصار توڑ کر شاہ کو ہوشیار کر سکتا ہے" اول خان بولا۔

"یہ کوشش جاری ہے مگر ڈر ہے کہ مفاد پرست ٹولہ ایسی درخواست بالا ہی بالا رد کر دے گا" جلال نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"عجیب بے بسی ہے" میں نے مایوسی سے کہا "سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی ہم کچھ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔"

"وہ دور کی بات ہے۔ تم اپنا معاملہ دیکھ لو۔ بھارتیوں نے امریکیوں کے ساتھ مل کر تم کو ایسا بھیانک مجرم بنا دیا ہے کہ ہم تمہاری حمایت میں زبان نہیں کھول سکتے ورنہ وہ ہم پر عالمی دہشت گردی کی پشت پناہی کا الزام عائد کر دیں گے۔"

"بھارت اتنی بڑی طاقت نہیں ہے۔ امریکا اسے اپنے مذموم عزائم کے لیے پال پوس رہا ہے" ویرا نے سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا "وہ اس کی ہرجائز اور ناجائز روش پر مکمل چشم پوشی سے کام لیتا ہے۔"

"تمہاری یہ باتیں مایوسانہ سوچ کی چغلی کھا رہی ہیں" میں نے ویرا سے کہا "اگر ہم ان حالات کو من و عن تسلیم کر لیں تو پھر ہاتھ پیر چھوڑ کر بیٹھ جائیں۔ اپنے ملک کو حالات کے بے رحم اور ناموافق دھارے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں تاکہ جو کچھ اگلے دس برسوں میں ہونا ہے، وہ پانچ سالوں میں ہو جائے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" ویرا نے جلدی سے کہا "کوششیں ہر حال میں جاری رہنی چاہئیں مگر حالات امید افزا نہیں ہیں۔"

"ابھی تک تم صرف ناموں پر غور کر رہی ہو۔ تم نے ان کی اہمیت کے بارے میں نہیں سوچا۔" میں نے طنز سے کہا "را والے اپنے پالیسی ساز سے محروم ہو چکے ہیں۔ انل بسواس را میں منصوبہ سازی کا سب سے بڑا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ اسی طرح جان اسمتھ سی آئی اے کا منصوبہ ساز دماغ تھا۔ وہ جنوبی ایشیا کے لیے اپنے ایک مہلک منصوبے کے ساتھ کراچی میں وارد ہوا تھا اور دہلی میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اپنے دو اعلیٰ دماغوں سے محروم ہونے کے بعد را اور سی آئی اے کا گٹھ جوڑ کم از کم دس پندرہ سال پیچھے چلا گیا ہے۔"

"تم صحیح کہہ رہے ہو۔" جلال نے جھٹ میری بات کی تائید کی "پاکستان کے ہر ہوش مند خیر خواہ کو ان دونوں کے عبرت ناک انجام سے خوشی ہوئی ہوگی۔"

"جلال نے ابھی ابھی بتایا ہے کہ جان ایلش کوف نے اپنے مرنے والے ساتھی کو بہت بڑا امریکی قرار دیا تھا۔" سلطان شاہ نے یاد دلایا۔

"اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا "ہر مرنے والے کی خوبیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہی جاتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ جلال کی طرف متوجہ ہو گئی "ابھی تم جان ایلش کوف کی بھی بہت زیادہ تعریفیں کر رہے تھے اور اس کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کر رہے تھے۔"

"وہ چالاک اور مکار پیشہ ور آدمی ہے۔ میں نے اس کی منصوبہ بندی کی صلاحیتوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ تفتیش کے فن کو بہت مہارت سے استعمال کر رہا تھا۔ سی آئی اے کی من مانیوں کے خلاف بغض و عداوت رکھنے کے باوجود ہم میں سے کوئی بھی کھل کر اس سے اختلاف نہیں کر سکا تھا۔"

"اس میں صلاحیتیں ہیں۔ اگر اسے اپنی کارکردگی کے جوہر دکھانے کا موقع ملے تو وہ شاید اپنے پیش رو کو بھی پیچھے چھوڑ دے۔" ویرا بولی۔

"دنیا میں بڑے بڑے نامور لوگ مر گئے لیکن کاروبار زندگی کبھی نہیں رکا۔" اول خان نے کہا "بلکہ دنیا دن بدن ترقی ہی کر رہی ہے۔ یہ ضرور ہوتا ہے کہ کسی کے ناگہانی مارے جانے سے اس کے کام کو دھچکا لگتا ہے۔ سی آئی اے ایک مدت تک جان اسمتھ کا نقصان نہیں بھلا سکے گی۔ اس نے اپنے مہرے سجائے ہوئے تھے۔ یہ بات صرف اس کے ذہن میں محفوظ تھی کہ اپنے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اسے کس مہرے سے کیا کام لینا ہے۔ شاید نئے آنے والے کو جان کی چھوڑی ہوئی فائلوں سے یہ پتا چل جائے کہ اب اسے کن خطوط پر کام کرنا ہے لیکن ہر کام کے لیے موزوں آدمیوں کے انتخاب میں اسے سخت دشواریوں کا سامنا کرنا ہوگا۔"

"یہ بات قابلِ فہم ہے۔ ہر مرنے والے کی اپنی کوئی نہ کوئی افادیت ہوتی ہے۔" ویرا نے تسلیم کیا۔

"میں یہ بات دعوے سے کہتا ہوں کہ را میں انل بسواس کا کوئی متبادل نہیں ہے۔" جلال نے پورے اعتماد سے کہا "اس شخص کی ذات سے پاکستان کو بہت سنگین خطرات لاحق تھے۔"

"ہم نے ان دونوں سے چھٹکارا ضرور حاصل کر لیا لیکن اب حالات کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے سامنے اپنے خول میں محصور ہونے اور سمٹنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ کیا اس طرح ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ائدوں کے اثرات کم نہیں ہوجاتے؟"

"میرا خیال ہے کہ تم اس وقت بحث برائے بحث کررہی ہو ورنہ یہ بات تمہیں بھی معلوم ہوگی کہ بڑی کامیابیوں کے بعد تعطل کے ایسے وقفے ضرور آتے ہیں۔" جلال بولا۔

ویرا اپنی بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکی "میں واقعی تم لوگوں کو ٹٹول رہی تھی۔ مجھے اندازہ ہے کہ بھارت کی سرزمین پر حاصل ہونے والی کامیابیاں بے مثال تھیں۔ کسی کی کوئی بھی کوشش ان کامیابیوں کی اہمیت کم نہیں کرسکتی۔"

"یہ سوال اپنی جگہ برقرار ہے کہ اب کیا کیا جائے۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔

"یہ تینوں بھارت میں بہت محنت کرکے آئے ہیں۔ دوسری طرف جان نئے عزم کے ساتھ میدان میں اتر چکا ہے۔ میرا یہ مشورہ اپنی جگہ برقرار ہے کہ تم لوگوں کو اپنی سرکرمیاں معطل کرکے کچھ دنوں کے لیے زیر زمین چلا جانا چاہیے تاکہ کچھ آرام کرسکو۔" جلال نے اپنی بات دہرائی۔

میں نے جلال کے مشورے کے اعادہ پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میں اپنے ذہن میں نئی راہِ عمل مرتب کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

جلال کو کراچی میں کچھ اور کام درپیش تھے سب سے پہلے اسے اپنے چیف کو اجلاس کے بارے میں بریف کرنا تھا۔ اصولی طور پر اسے وہ کام اجلاس ختم ہوتے ہی اور پہلی فرصت میں کرنا چاہیے تھا لیکن وہ ہماری کہانی میں ایک نئے اور طاقت ور حریف کی شمولیت پر ایسے ہیجان کا شکار ہوا کہ سب کچھ بھول بھال کر ہماری طرف دوڑا چلا آیا۔ اس کی کراچی آمد ہنگامی طور پر ہوئی تھی کیونکہ اس کا پہلے سے کوئی پروگرام طے نہیں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ کراچی آہی گیا ہے تو لگے ہاتھوں صدف مینشن کے بعض معاملات بھی نمٹالے۔ ان مصروفیات کے پیشِ نظر اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ ہم سب کے مشترکہ اصرار کے باوجود وہ کھانے کے لیے رکنے پر آمادہ نہیں ہوا اور عجلت میں ہم سے رخصت ہوگیا۔

"جلال نے ہمیں کوئی اچھی خبر نہیں سنائی۔" اس کے چلے جانے کے بعد ویرا نے منہ لٹکا کر کہا "نئے جان کی آمد کی خبر نے دہلی میں حاصل ہونے والی کامیابیوں کا نمار کرکرا کردیا ہے۔ پتا نہیں اب آنے والے دنوں میں کیا ہونے والا ہے۔"

"دن چڑھیں گے تو سب خود بخود سامنے آجائے گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا "تم پاکستان لوٹ آئی ہو۔ تمہیں اپنی آزادی کا مزہ کرکرا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اپنی

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات
ضیاء تسنیم بلگرامی کے قلم سے
روشنی کے مینار
قیمت -/150 روپے ڈاک خرچ ۲۳ روپے

ضیاء تسنیم بلگرامی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ
عظمت کے مینار
قیمت -/150 روپے ڈاک خرچ ۲۳ روپے

محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ وہ فن پارے جن کی آپ کو تلاش ہے۔
ایمان کا سفر
قیمت -/150 روپے ڈاک خرچ ۲۳ روپے

محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔
کچرا گھر
قیمت -/100 روپے ڈاک خرچ -/۲۳ روپے

محی الدین نواب کا بہلا طویل معاشرتی ناول ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ جو بیکیرگی کے بہانے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں
آدھا چہرہ
قیمت -/250 روپے ڈاک خرچ ۲۵ روپے

جرائم، جادو، شیطان، ازم، ارواح، طنز و مزاح، اسرار و خوف، سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں
کالی کہانیاں
قیمت -/30 روپے ڈاک خرچ ۲۳ روپے

مشہور چونکا دینے والے جو بے قیمت چیزیں گراں قدر معاوضے پر چرواتا ہے
نک ویلوٹ کی چوریاں
دو حصے۔ قیمت فی حصہ -/50 روپے
قیمت -/50 روپے ڈاک خرچ ۲۳ روپے

-/200 روپے کی کتابیں ایک ساتھ منگانے پر ڈاک خرچ معاف
یہ عایت پیشگی منی آرڈر ارسال کرنے پر ہی حاصل ہوگی

کتابیات پبلی کیشنز
رحمان مینشن، طلوع الاسلام آئی آئی چندریگر روڈ
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802561
Email: kitabiat@hotmail.net
پوسٹ بکس 23
کراچی 74200

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بری عادتوں کے مطابق عیش کرو اور بے فکر رہو۔ جو ہوگا' اسے دیکھنے والے بہت ہیں۔"

ویرا نے ترچھی نظروں سے میری طرف دیکھا اور دھیرے سے بولی "سورج ڈوب رہا ہے۔ دل میں امنگیں جوان ہو رہی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اب تم مولوی ہو چکے ہو۔ میں تمہیں پینے پلانے پر اصرار نہیں کروں گی لیکن میرے ساتھ تو بیٹھو گے نا۔"

میں مے نوشی میں جہانگیر جیسے گدھے کے ساتھ بھی بیٹھ جاتا تھا اور محض سگریٹیں پھونک کر اس کے جناتی گلاسوں کی تعداد گنتا رہتا تھا۔ ذہنی طور پر ویرا اس سے کہیں بہتر تھی۔ میں نے ہنستے ہوئے وعدہ کر لیا کہ اول خان سے مذاکرات سے فارغ ہونے کے بعد میں اس کے ساتھ کچھ وقت گزاروں گا۔

سورج کے ڈوبنے اور امنگوں کے جاگنے کے بارے میں ویرا نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا۔ ماضی میں جب میں بھی بلا کا مے نوش ہوا کرتا تھا۔ مجھے بارہا یہ تجربہ ہوا تھا کہ کھلی فضاؤں میں اندھیرے کی چادر محیط ہوتے ہی شراب کی طلب بیدار ہونے لگتی تھی اور جب تک اعصاب کی تپش کو کندنی سیال کی ٹھنڈک فراہم نہ کی جائے' یہ طلب لحہ بہ لحہ بڑھتی ہی چلی جاتی تھی۔

ویرا ہمارے ساتھ ڈرائنگ روم میں واپس نہیں آئی بلکہ اپنے ڈرائنگ روم میں جا گھسی جسے اس نے اپنے ستھرے ذوق کے مطابق سجایا ہوا تھا۔ میں اول خان کے ساتھ کمرے کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ سلطان شاہ نے غزالہ کے ساتھ ڈرائنگ روم کا دوسرا گوشہ سنبھال لیا۔

سلطان شاہ کافی دنوں تک تنہا رہا تھا۔ اول خان اپنی دفتری مصروفیات کی وجہ سے اسے خاطر خواہ وقت نہیں دے پاتا تھا جس کی وجہ سے سلطان شاہ کے مزاج میں چڑچڑے پن کے ساتھ ہٹ دھرمی بھی عود کر آئی تھی۔ اپنی اسی رو کے تحت وہ بھڑک کر اس نابکار بھارتی ایجنٹ کی لاحاصل تلاش میں نکل کھڑا ہوا تھا جس نے راولپنڈی کے لیے کراچی میں مظہر خان کے کوائف کی تصدیق کی تھی۔

لاہور میں جلال کے مہمان خانے میں رات بھر کے قیام کے دوران سلطان شاہ اپنی خواب گاہ میں اکیلا محصور رہا تھا اس لیے اسے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا کوئی کھلا موقع نہیں مل سکا تھا۔ ہمارے کراچی پہنچنے کے بعد کچھ ابتدائی وقت اول خان کی نذر ہو گیا۔ اس کے بعد جلال کا فون ہمارے اعصاب پر سوار رہا۔ ہم لوگ جلال کی آمد کے انتظار میں مسلسل اس کی دی ہوئی اطلاعات پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔

جلال کے جانے کے بعد سلطان شاہ کو پہلی بار فرصت میسر آئی تھی اور وہ دل کھول کر اس سے فائدہ اٹھا رہا تھا۔ وہ غزالہ کے ساتھ کچھ دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھا رہا۔ جب اس نے مجھے اول خان کے ساتھ گفتگو میں منہمک پایا تو خاموشی کے ساتھ غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر کمرے سے کھسک گیا۔

"جان اسمتھ امریکی سی آئی اے میں بہت اہم پوزیشن کا حامل تھا۔ اس کے قتل کے ردِّعمل میں امریکیوں کی غیر معمولی سرگرمی میرے لیے متوقع تھی۔" اول خان کہہ رہا تھا۔

"مجھے بھی یقین تھا کہ اس کی موت پر وہ خوف زدہ ہو کر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "مگر مجھے یہ امید نہیں تھی کہ دہلی کے واقعات کے بارے میں اتنی سرعت سے میرا نام ابھر آئے گا۔"

"اس میں ان لوگوں کے کمال سے زیادہ تمہاری بے احتیاطی کا دخل ہے۔" اول خان نے اپنی دو ٹوک رائے صادر کر دی۔ "میں نے تمہاری کہانی بہت غور سے سنی تھی اور اب جلال کی زبانی بہت کچھ سنا ہے۔ یہ سارا فتور بیم گن کے استعمال سے پھیلا ہے۔ سی آئی اے والے تو پھر بھی ذہین ہوتے ہیں۔ تم نے بتایا تھا کہ بنگلے نے تمہیں بھارتی فوجیوں بیم گن استعمال کرتے ہوئے دیکھ کر خوف زدہ ہونے کے باوجود' پہچان لیا تھا۔ دہلی اور پھر امرتسر کے مضافات میں پھیلے ہوئے سرحدی جنگل میں بیم گن کے استعمال سے تمہاری گزرگاہوں کی نشان دہی ہو گئی اور بات تیزی سے آگے بڑھ گئی۔"

"دونوں مواقع پر میرے لیے احتیاط کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ کسی متبادل طریقے کے استعمال کے لیے میرے ذرا سے تذبذب کی قیمت صرف اور صرف میری زندگی ہوتی ہے۔ میں بیم گن استعمال نہ کرتا تو حریفوں کے جوابی وار سے میرا بچنا محال ہو جاتا۔" میں نے اپنی صفائی پیش کی۔

"جو کچھ ہو گیا اس پر کفِ افسوس ملنا بے کار ہے۔ سمراٹ ہوٹل میں جان اسمتھ کے قتل کی خبر ملنے کے بعد مجھے دلی خوشی ہوئی تھی کہ روئے زمین سے ایک بہت بھاری فتنے کا صفایا ہو گیا اور اب اس بارے میں کبھی پاکستان پر الزام تراشی نہیں کی جا سکے گی مگر ایسا نہیں ہو سکا۔"

"یہ سب مقدرات کی باتیں ہیں جو اٹل ہوتی ہیں۔ انہیں بدلنا انسان کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ یہ واقعی ہماری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بدقسمتی ہے کہ بھارت کی سرزمین پر کھیلی جانے والی خون کی ہولی کا داغ بھارتیوں کی پیشانی کو آلودہ کرنے کے بجائے ہمارے دامن کو داغ دار کرتا ہوا نظر آرہا ہے۔"

"نیا جان اپنی پوری تھیوری تحریری شکل میں لے کر آیا ہے!" اول خان کی آواز تعجب آمیز تھی۔

"یہ جان کا کمال نہیں ہے۔ جلال بتا چکا ہے کہ وہ رپورٹ فیرفیکس کے علاقے میں بیٹھے ہوئے امریکی عہدے داروں نے سنی سنائی باتوں کی مدد سے مرتب کی ہے۔" میں نے کہا۔

"پھر بھی ان کی کوشش قابل تعریف ہے۔ جائے واردات سے ہزاروں میل دور بیٹھ کر اتنی صحیح رائے قائم کرنا آسان نہیں ہے۔"

"ابھی تم خود کہہ چکے ہو کہ اس کامیابی میں امریکیوں کی صلاحیتوں سے زیادہ میری بے احتیاطی کا دخل ہے۔"

اول خان بے ساختہ ہنس پڑا پھر بولا "سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ تم سنی ہوئی ہر بات یاد رکھتے ہو..... یہ بتاؤ کہ اب تم کیا سوچ رہے ہو۔"

"جان کی تحقیقات کو روکنا ضروری ہوگیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "اس کی کامیابی سے ہمارے دشمنوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔"

"اس کے کام میں روڑے اٹکانا آسان ہے مگر بات پھر وہیں آجاتی ہے کہ پاکستان میں اب کسی امریکی کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ اسی فیصلے کی وجہ سے ہم جان اسمتھ سے دور رہے تھے۔ اس کی موت اگر اسے دہلی نہ لے جاتی تو وہ آج بھی زندہ ہوتا۔"

"جان ایش کوف بھی دہلی جارہا ہے۔ مجبوری یہ ہے کہ ہم وہاں سے واپس آچکے ہیں اور آئی بی کے ایجنٹ کسی قیمت پر اس پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"رینا اجیت رائے دہلی میں تمہاری سب سے بڑی ہمدرد اور دوست تھی۔ کیا تم اس سے کوئی کام نہیں لے سکتے؟"

"وہ بے خبری میں میری آلہ کار بنی ہوئی تھی۔ اسے میرے اوپر شبہ بھی ہوجاتا تو وہ ہرگز میرے قریب نہ آتی اور اب تک تو وہ بے چاری بھی عتاب میں آچکی ہوگی۔ وہ دلکش اور جوان ضرور ہے مگر جذباتی لڑکی ہے۔ میرے ایک ذرا سے احسان سے مغلوب ہوکر میری ہمدرد، غم گسار اور رازدار بن گئی تھی۔ را کے باراں دیدہ بھیڑیوں نے اسے بھارت ماتا پر ڈینی کے ظلم وستم کی اندوہناک کہانیاں سنانی شروع کردیں تو وہ رو رو کر سب کچھ اگلتی چلی جائے گی اور پھر اپنی چمڑی ادھڑوا لے گی۔"

"میری خواہش ہے کہ جان کے خلاف کچھ نہ کچھ کیا جائے۔"

میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی اور کہا "یہ تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ آج کے اجلاس میں ایس ٹی ایف شریک نہیں تھی اس لیے تمہارے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔"

"اس سے پہلے کہ ہمارے ہاتھ بھی بندھ جائیں، ہمیں کچھ نہ کچھ کرگزرنا چاہیے" اس نے میرے تبصرے کا برا منائے بغیر جواب دیا۔

"میرے ذہن میں کچھ کھچڑی سی پک رہی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ میں اسے نہیں پہچانتا۔ میں نے اسے کہیں ملانے کے لیے آمادہ کرلیا اور اس نے اپنی جگہ کسی اور امریکی بندر کو بھیج دیا تو میں دھوکا کھاجاؤں گا۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔

"وہ سی آئی کا بہت پرانا افسر ہے اور ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچا ہے۔ وہ افغانستان پر روسیوں کی یلغار کے زمانے میں پاکستان آتا جاتا رہتا تھا اور کافی عرصے پشاور میں مقیم رہا تھا۔" میں نے اسے دیکھا ہوا ہے۔ پہلی نظر میں اسے پہچان لوں گا۔"

"شاید اسی لیے میٹنگ میں شریک ہونے والے پاکستانی افسروں سے اس کی بے تکلفانہ جان پہچان تھی۔ مجھے حیرت ہے کہ جلال نے اس کے پاکستان میں پچھلے قیام کا کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"اس کے پاس وقت کم تھا اور سر پر زیادہ مسائل سوار تھے، بھول گیا ہوگا۔"

"پشاور میں جان کیا کرتا رہا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"افغانستان میں دیر پر وہ کئی امریکی ایجنسیاں افغانیوں کی دل کھول کر مدد کررہی تھیں۔ انہیں ہتھیار، گولا بارود اور رسد فراہم کی جارہی تھی۔ باہر سے آنے والے عرب اور دوسرے ایشیائی مجاہدین کی حوصلہ افزائی کی جارہی تھی اور پہاڑوں میں موجود قدرتی سرنگوں کے جال کو ایسے ناقابل شکست بنکرز وغیرہ میں تبدیل کیا جارہا تھا جہاں محصور ہوکر لمبی مدت تک روسیوں کا مقابلہ کیا جاسکے۔ ان سرگرمیوں کے لیے سرمایہ درکار تھا۔ سی آئی اے کے فنڈز جان تقسیم کرتا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پھر تو وہ پاکستان اور پاکستانیوں سے بڑی حد تک واقف ہوگا" میں نے رائے زنی کی۔

"یقیناً واقف ہے۔ اسی لیے اس کو پاکستان بھیجا گیا ہوگا۔ اجنبی چہروں کے مقابلے میں شناسا افسر زیادہ سہولت سے کام کر لیتے ہیں۔"

"جلال نے یہ بات خاص طور پر بتائی تھی کہ آج کے اجلاس کی فضا شروع سے آخر تک دوستانہ تھی۔"

"یہ باتیں بعد میں بھی ہوتی رہیں گی۔ ابھی تک تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہارے ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔"

"ابھی تھوڑی دیر میں سب کچھ تمہارے سامنے آجائے گا۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت جان کہاں ہو سکتا ہے؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت امریکی قونصل خانے میں ہو۔ وہاں عام طور پر دیر تک کام ہوتا ہے۔ جلال بھی کہہ رہا تھا کہ اسے کمپیوٹر پر اپنے ہیڈ آفس سے رابطہ کرنا ہے۔ قونصل خانے میں ساری سہولتیں دستیاب ہوں گی... یہ تو بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟"

"فی الحال اسے فون کرنے کا ارادہ ہے۔ سی ایس ڈی کی موجودگی میں، میں کھل کر اس سے بات کر سکوں گا۔"

"کیا بات کرو گے؟" اول خان نے صوفے پر بے چینی سے پہلو بدل کر پوچھا۔

"اس کا انحصار اس کے موڈ اور رویے پر ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ فون پر آجائے۔"

"تو پھر قونصل خانے سے ہی ابتدا کرو۔ اس وقت تمہارے تینوں ساتھی بھی یہاں سے ملے ہوئے ہیں۔"

"ویرا اب ذرا بے شرم ہوگئی ہے۔ کسی بھی لمحے اپنے گلاس سمیت ناگہانی ٹپک پڑے گی۔ وہ غلط وقت پر آگئی تو اس کی مداخلت سے سارا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"اسے دیکھ لو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے شغل میں مگن ہو" اول خان نے مسکراتے ہوئے خیال ظاہر کیا۔

میں ڈرائنگ روم سے اٹھ گیا۔ سلطان شاہ، غزالہ کے ساتھ اپنے کمرے میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ وہ دونوں جوش و خروش سے باتوں میں مصروف تھے۔

"آؤ! تم بھی آجاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے اور اول خان کے رازونیاز ختم ہوگئے ہیں" دروازے پر میری جھلک دیکھتے ہی سلطان شاہ دھیمی آواز میں چہکا تاکہ اس کی آواز اول خان کے کانوں تک نہ پہنچ سکے "اس وقت غزالہ مجھے بیلا سنگھ کے بارے میں بتا رہی ہے، تم نے بہت سنگ دلی

دنیا کے 6 حیرت انگیز علوم

- پانسہ پھینکیے۔ قسمت کا حال معلوم کیجیے
- تاش کے پتوں سے قسمت شناسی
- ماتھے کی لکیریں کیا کہتی ہیں!
- خال اور تل..... کردار بتاتے ہیں!
- شگون..... سعد و نحس!
- خواب..... مستقبل کے پیامبر!

قیمت 25 روپے ♦ ڈاک خرچ 23 روپے

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ پیشگی منی آرڈر ارسال کریں

خط و کتابت کا پتہ
مکتبہ نفسیات
پوسٹ بکس 944 رمضان چیمبرز ٹیلر یا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
کتابوں کی قیمتیں اور ڈاک خرچ جو بھی ہو یہاں ان میں کسی بھی وقت تبدیلی ہو سکتی ہے 1-8-2001

kitablat@hotmail.com
kitablat1970@yahoo.com

سے اس بے چاری کا دل توڑا ہے۔"

"تم غزالہ سے دہلی کی حکایتیں سنتے رہو۔ ابھی میں مصروف ہوں اور مزید کچھ دیر کے لیے تخلیہ چاہتا ہوں" میں نے دروازے پر کھڑے کھڑے کہا۔

"باتوں میں مزہ آرہا ہے۔ جب تک خود نہیں بلاؤ گے' ہم دونوں میں سے کوئی تمہاری اور اول خان کی خلوت میں مخل نہیں ہوگا۔"

'ویری گڈ!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "تم دونوں ہی سعادت مند بچے ہو۔"

انہیں نمٹا کر میں ویرا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا دروازہ بند تھا اور اندر پھیلی ہوئی مشرقی موسیقی کا دھیما دھیما آہنگ باہر راہ داری میں بھی سنائی دے رہا تھا۔ اس میں یہ خاص خوبی تھی کہ وہ مے نوشی کا شغل شروع کرنے سے پہلے اپنے دروازے کا پٹ بند کرلیتی تھی۔

میں نے لحظہ بھر توقف کے بعد بند دروازے پر دستک دی' ویرا نے یہ جانے بغیر کہ دروازے پر کون ہے' اندر سے کلم ان کی ہانک لگادی۔ میں نے ہینڈل گھمایا تو دروازہ اندر سے مقفل یا بولٹ نہیں تھا۔ ذرا سے دباؤ سے اندر کھلتا چلا گیا۔

ویرا خاصے بے حجابانہ بلکہ اشتعال انگیز لباس میں اپنی مسہری پر اسکاچ کا گلاس لیے نیم دراز تھی اور پنجی آواز میں کیسٹ پلیئر چل رہا تھا۔ اپنے دروازے پر مجھے دیکھ کر ویرا کا چہرہ کھل اٹھا اور گلاس میری طرف بلند کرکے بولی "آج میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ تم اپنے وعدے کا پاس کرو گے اور اپنا کچھ وقت میرے ساتھ ضرور گزارو گے۔ دیکھ لو' آج میں نے تمہارے لیے خاص طور پر یہ شان دار کپڑے پہنے ہیں..."

"میں تم سے کچھ دیر کی اجازت لینے آیا تھا" میں نے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میں مزید دس پندرہ منٹ کے لیے اول خان کے ساتھ مصروف ہوں۔ اس سے نمٹ کر تمہارے پاس آؤں گا۔"

"میں انتظار کرلوں گی" اس نے خوشی سے میری معذرت قبول کرلی "تم اطمینان سے اس سے بات ختم کرلو۔"

"ان کپڑوں میں اپنے کمرے سے باہر نہ نکل آنا" میں نے بالواسطہ طور پر اس کی طرف سے عدم مداخلت کی یقینی دہانی چاہی "تماشا بن جاؤ گی۔"

"تم فکر نہ کرو۔ پاکستان میں اتنی مدت گزار کر اب مجھے بھی اپنے بدن کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوگیا ہے۔ میں ایک لڑکی ہوں اور کسی لڑکی کو غیر ضروری طور پر اپنے بدن کی نمائش نہیں کرنی چاہیے۔ یہ امریکا اور مغرب کا گندا دستور ہے کہ وہاں مرد مستور رہتے ہیں اور عورتیں کھلی پھرتی ہیں۔"

"کبھی کبھی تم واقعی دانش ور بھی ہوجاتی ہو۔ بس میں ذرا سی دیر میں آتا ہوں" میں نے اس کی طرف ہاتھ لہرایا اور دروازہ بند کرکے واپس ڈرائنگ روم کی طرف ہولیا۔

ڈرائنگ روم میں اول خان کے سامنے کراچی کی ٹیلی فون ڈائریکٹری کی پہلی جلد رکھی ہوئی تھی۔ اس نے ڈائریکٹری سے امریکی قونصل خانے کے فون نمبر نوٹ کرلیے تھے۔

میں نے گھر پہنچنے کے بعد سی ایس ڈی کو پہلی فرصت میں فون لائن سے جوڑ دیا تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم میں موجود انسٹرومنٹ سنبھالا اور ایک براہ راست نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔ دفتری اوقات ختم ہوجانے کی وجہ سے اس وقت ٹیلی فون کے سوئچ بورڈ سے جواب ملنے کی کوئی توقع نہیں تھی۔

پانچویں گھنٹی بجنے کے بعد دوسری طرف سے جواب دینے کی ریکارڈنگ مشین چل پڑی۔ وہ خالص امریکی لب و لہجے میں ریکارڈ کیا ہوا ایک نسوانی معذرتی پیغام تھا جس کے آخر میں مخاطب سے اپنا نام اور پتا چھوڑنے کی درخواست کی گئی تھی۔ میں نے پورا پیغام سن کر فون بند کردیا۔

دوسرے نمبر سے فوری طور پر جواب مل گیا۔ پہلا نمبر ملاتے ہوئے میں یہ فیصلہ کرچکا تھا کہ رابطہ قائم ہوجانے پر عربی لب و لہجے میں انگریزی بولوں گا۔ مقامی آواز کو شاید زیادہ اہمیت نہ دی جاتی' امریکی یا کسی یورپی لہجے کی نقل میرے لیے دشوار ہوتی کیونکہ میرا گفتگو کو طول دینے کا ارادہ تھا۔

"میں عبدالماجد الحسینی بول رہا ہوں۔ مجھے مسٹر جان ایلنکوف سے بات کرنی ہے" میں نے روانی سے کہا۔

"یہ جان کا نمبر نہیں ہے اور دفتر کا وقت ختم ہوچکا ہے" خشک امریکی لہجے میں جواب دیا گیا۔

اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ جان کو نہیں جانتا یا وہ دفتر میں نہیں ہے۔ میں نے اصرار کیا "بات بہت ضروری ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں کہ میں نے تمہیں زحمت دی۔ ہوسکے تو اس سے میری بات کرادو۔"

"میں نے دو باتیں بتائی ہیں۔ یہ جان کا نمبر نہیں ہے اور دفتر پانچ بجے بند ہوچکا ہے۔ میرا سوا بیشتر لوگ جاچکے ہیں۔"

"پھر جان سے کہاں رابطہ ہوسکے گا؟" میں نے کسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میابی کی امید میں سوالات کا سلسلہ جاری رکھا۔
"میں اس نام کے کسی ملازم سے واقف نہیں ہوں" یہ کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔
میں نے ایک گہرا سانس لے کر ریسیور کو گھورا' کریڈل دبا کر لائن منقطع کی اور نمبر ری ڈائل کرنے والا بٹن دبا دیا۔
"ہیلو!" اس مرتبہ وہ بھنائی ہوئی آواز کتے کی غراہٹ سے مشابہ تھی۔
"مجھے معلوم ہے کہ جان ایشکوف تمہارے دفتر میں ملازم نہیں ہے" اس بار میں نے کسی تمہید کے بغیر خوشامدانہ لہجے میں اپنی بات شروع کر دی "مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ آج شام استنبول سے کراچی پہنچے گا اور میرا نام سن کر مجھ سے بات کرنے پر ضرور آمادہ ہو جائے گا۔"
"تمہیں اس سے کیا کام ہے؟" اس بار میرے مخاطب نے کوئی دو ٹوک جواب نہیں دیا تھا۔
"یہ میں کسی کو نہیں بتا سکتا" میں نے لجلجائی ہوئی آواز میں کہا "یہ سمجھ لو کہ جان اسی سلسلے میں یہاں آیا ہے' میں اس کا کام آسان کر سکتا تھا۔"
وہ قونصل خانے کا کوئی باخبر ملازم تھا۔ میرے آخری لفظوں میں پنہاں اشارے کو بلا تامل بھانپ گیا کہ میں ڈینی یا ظہیر خان کے سلسلے میں کوئی بات جان تک پہنچانے کے لیے بے چین ہو رہا تھا کیونکہ جان صرف ان دونوں کی تلاش میں کراچی آیا تھا "اپنا فون نمبر لکھوا دو۔ جان چاہے گا تو تم سے رابطہ کر لے گا" اس نے ہدایت دی۔
"میں ایک چھوٹے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ وہاں صرف کاؤنٹر پر ایک فون ہے۔ جس پر رازداری سے بات نہیں ہو سکتی۔ میں ویسے بھی ایک کوچہ گرد سیلانی ہوں۔ اگر جان نے فون کیا اور میں ہوٹل میں موجود نہ ہوا تو میرا اور اس کا بھاری نقصان ہو جائے گا۔ اس وقت بھی میں ایک پبلک بوتھ سے بات کر رہا ہوں۔"
"سوری! میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اب دوسری بار فون کر کے میرا وقت برباد نہ کرنا" اس نے دوبارہ فون بند کر دیا۔
میں نے جھلا کر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ اس امریکی کا رویہ سراسر سرد مہری اور بے اعتنائی پر مبنی تھا مگر اس نے جو گفتگو کی تھی وہ بے معنی نہیں تھی۔ اگر جان اس وقت قونصل خانے میں موجود ہوتا تو شاید وہ اس سے میری بات کرا دیتا۔ میرے فون نمبر پر اس کے اصرار سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ جان وہاں موجود نہیں تھا۔

ثبوت

فلم کے پریس شو کے بعد ایک نئے اداکار نے پرجوش لہجے میں ایک فلمی نقاد سے پوچھا "آپ نے میری فلم دیکھی؟"
"لگتا تو یہی ہے...." فلمی نقاد نے پیشانی مسلتے ہوئے جواب دیا۔ "کیونکہ سر میں کافی درد ہو رہا ہے۔"

اول خان کی یہ بات قرین قیاس نہیں تھی کہ جان کو محض فون یا کمپیوٹر کی وجہ سے قونصل خانے میں بیٹھنا پڑا ہوگا۔ وہ سہولتیں اوسط درجے کے بیشتر گھروں میں بھی پائی جاتی تھیں۔ جان کی عارضی قیام گاہ میں ان کا فقدان نہیں ہو سکتا تھا۔
"اب جان کو شہر میں کہاں ڈھونڈا جائے؟" اول خان نے فکرمندی سے کہا "کلفٹن اور ڈیفنس کے علاقے کی بہت سی عمارتیں امریکیوں کے زیر تصرف ہیں۔"
میرے ذہن میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا۔ وہ اس وقت دہلی جانے کے ارادے سے عارضی طور پر کراچی آیا تھا لیکن اس نے مشترکہ اجلاس میں اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ دہلی سے واپسی پر وہ کراچی میں طویل قیام کرے گا تاکہ ڈینی کے فتنے کا سدباب کر سکے۔
ہمارا سابقہ تجربہ اس بات کا گواہ تھا کہ امریکا سے آنے والے افسروں کے لیے نئے مکان حاصل کرنے کے بجائے ان محفوظ گھروں کے استعمال میں تسلسل کو اولیت دی جاتی تھی جو پہلے سے کسی اور امریکی کے استعمال میں رہے ہوں۔ اوبرائن ڈی ہنٹ مارا گیا تھا تو چند روز بعد جان اسمتھ کو اس کا جانشین بنایا گیا تھا اور وہ اسی فلیٹ میں مقیم تھا جہاں اوبرائن رہتا تھا۔ جان اسمتھ کی موت کے بعد وہ فلیٹ خالی ہو چکا تھا۔ جان ایشکوف اگر اس کی جگہ لینے کا ارادہ رکھتا تھا تو اس کے لیے جان اسمتھ کے سجے سجائے فلیٹ سے بہتر قیام گاہ کا ملنا مشکل تھا۔
"وہاں کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے" اول خان نے میرے اس خیال سے واقف ہونے کے بعد کہا "تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس مکان کا نمبر مجھے زبانی یاد تھا۔ میں نے دل ہی دل میں اللہ کا نام لے کر وہ نمبر ملالیا۔ دوسری گھنٹی بجنے کے بعد کلک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ رابطہ قائم ہوا لیکن لائن فوراً ڈراپ ہوگئی اور میرے کان میں دوبارہ فون کی ڈائل ٹون گونجنے لگی۔

"کسی نے فون اٹھایا تھا لیکن بات ہونے سے پہلے لائن کٹ گئی" میں نے اول خان کی مستفسرانہ نظروں کے جواب میں بتایا "میں دوبارہ کوشش کرتا ہوں۔"

"تمہارا یہ اندازہ درست ہے کہ وہ فلیٹ غیر آباد نہیں ہے۔ خدا کرے جان ہی وہاں موجود ہو" اول خان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

میرے دوسرے تجربے کا انجام بھی مختلف نہیں تھا۔ لائن ملی اور فوری طور پر کٹ گئی۔ اس بار میں چونکا تھا۔ میں نے اپنے بیڈ روم میں واضح طور پر سی ایس ڈی کے بزر کی آواز سنی تھی۔ اس وقت میں ایک مشکل سے گزر رہا تھا اس لیے میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں چند ثانیوں تک ریسیور اپنے کان سے لگائے ڈائل ٹون سنتا رہا پھر بات سمجھ میں آگئی۔

میرے ریسیور پر ڈائل ٹون لوٹنے کا مطلب تھا کہ جان کی طرف کوئی گڑبڑ نہیں تھی۔ سلسلہ ملتے ہی سی ایس ڈی اپنا کام دکھا رہی تھی۔ اس کے فعال ہونے کا راز مجھے جلال کی زبانی معلوم ہو چکا تھا۔ اس نے اجلاس میں جان اسمتھ کے فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈر کا ذکر کیا تھا جس پر ویرا کی دھمکی آمیز کالز ریکارڈ کرلی گئی تھیں۔ شاید ویرا کے پہلے فون کے بعد جان نے وہ بندوبست کیا تھا کہ ریسیور اٹھاتے ہی ٹیپ ریکارڈر بھی چل پڑے اور دونوں طرف کی آوازیں مقناطیسی فیتے پر محفوظ ہو جائیں۔ اس صورت میں ایک نمبر پر بیک وقت دو کنکشن مل جاتے تھے۔ ریسیور اور ٹیپ ریکارڈر کے ایک ساتھ فعال ہونے پر سی ایس ڈی خطرے کی گھنٹی بجا کر لائن کاٹ رہی تھی۔

مجھے تیسری بار ریسیور اٹھاتے دیکھ کر اول خان بولا "بار بار وقت کیوں خراب کر رہے ہو؟ یہ دو مرتبہ کیا گڑبڑ ہوئی ہے؟"

اول خان میرا قابل اعتماد شریک کار تھا۔ ہر کارروائی کے بارے میں اس کا اطمینان بھی ضروری تھا۔ میں نے اسے اپنے ذہنی تجزیے میں شریک کرلیا۔

"بعض اوقات تمہاری ذہانت کمال کرتی ہے۔ یہ باریک نکتہ میرے ذہن میں نہیں آسکتا تھا" اس نے کہا۔

"بس مجھے یہ یاد آگیا کہ اجلاس میں جان اسمتھ کے فون سے جڑے ہوئے ٹیپ ریکارڈر کا ذکر آیا تھا ورنہ میں بھی الجھا رہتا کہ یہ کیا کھیل ہو رہا ہے؟"

"بات واضح ہوگئی ہے تو اب نمبر ملانے سے پہلے سی ایس ڈی آف کردو تاکہ تیسری مرتبہ لائن ڈراپ نہ ہو" اس نے مشورہ دیا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" میں نے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ ریسیور کریڈل پر رکھا اور اپنی جگہ چھوڑ دی "مسئلہ حل ہوگیا تھا اس لیے دماغ پھر کند ہوگیا۔"

میں نے اپنے بیڈ روم میں جاکر سی ایس ڈی کو آف کیا اور دوبارہ اول خان کے پاس لوٹ آیا۔

"کال ریکارڈ ہوگئی، کیا یہ بہترین نہیں ہوگا کہ تم یہاں کے بجائے باہر کسی بوتھ سے بات کرو" اول خان نے سوچ سمجھ کر مشورہ دیا۔

"گفتگو ضرور ریکارڈ ہوگی مگر جان کو ہمارے نمبر کا علم نہیں ہوسکے گا" میں نے کہا کیونکہ ان دنوں سی ایل آئی کی سہولت رائج نہیں ہوئی تھی۔

"امریکی ٹیکنالوجی دنیا سے بہت آگے ہے۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اس کا بھی کوئی بندوبست کرلیا ہو۔ احتیاط ہر حال میں بہتر ہوتی ہے۔"

"آؤ! پھر باہر ہی چلتے ہیں" میں نے اس سے بحث کرنے کے بجائے اس کی تجویز مان لی۔ اول خان کی گاڑی گھر سے باہر کھڑی ہوئی۔ ہم اس میں قریبی بازار کی طرف چل دیے۔ پہلا فون بوتھ نظر آتے ہی اول خان نے گاڑی روک دی اور میرے ساتھ نیچے اتر آیا۔

"اب یہ نہ کہہ دینا کہ ہمیں گلشن اقبال کے بجائے کسی اور علاقے کا فون بوتھ استعمال کرنا چاہیے" میں نے کہا اور پھر اس کی بے ساختہ ہنسی میں شریک ہوگیا۔

بوتھ میں داخل ہوکر میں نے دل کی تیز دھڑکنوں کے ساتھ جان کا نمبر ملایا۔ پہلی گھنٹی ختم ہونے سے پہلے ہی عجلت میں ریسیور اٹھالیا گیا اور میرے کانوں میں ایک مردانہ ہائے گونج اٹھی۔ وہ خالص امریکی طرز کی ہیلو تھی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میری اور اول خان کی مشترکہ جدوجہد رائگاں نہیں گئی تھی۔ ہم اپنے مطلوب آدمی سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستان عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کو الگ ڈنا ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آنز ک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹار نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آنز ک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی اہم شخصیات کے نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا۔ ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظریں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آچکی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا لارم اور ایرانی ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی۔ اس نے میرے اور اول خان کے فکر پر ٹنس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی گم نہیں تھا، جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کر لی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کمرا دھرا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کمائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا تھے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرا لیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا تو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا اور بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے شاہ ولی کا رنے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے بنگلہ دیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معلومات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی اکرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے مگر مے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے مقاصد انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری پند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود رائے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود مجیر بخشی کو ہمارے بارے میں پتہ چل گیا تھی قندا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے، ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی تم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں قیام کے دوران میں ہم نے ہیروئن کی بڑھتی ہوئی وبائے اسمد اد کے لیے ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد کی اور جلال کے تعاون سے جہانگیر کے ماموں سہروردی عظمت کی این جی او کا قلع قمع کر دیا۔ اس کے بعد ہم انڈیا روانہ ہو گئے۔ ہم نے جلال ہی کی مدد سے سرحد عبور کی اور با آسانی دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں انل بسواس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی بی کے ایجنٹوں کی نشاندہی پر ویرا نے اپنا قیام ہم سے الگ کر لیا۔ میں اور غزالہ تاج محل میں تھے۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترکہ کمرے میں رہائش کی بنا پر رامیری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی ایک خوب رو ایجنٹ رینا اہمیت رائے نے دل پھینک اوباش دوشیزہ کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جھوسے کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہو ٹل کی رنگین تھالی میں کچھ وقت گزارنے کے بعد اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھی اور میری بے راہ روی کی مکمل ویڈیو تیار کی جا چکی تھی۔ مجھے اس کے بعد انل بسواس سے ملنا پڑا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پالا تنائی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بہ رضا و رغبت اس میں پھنستا چلا گیا۔ اسی وقت آئی بی کے مقامی ایجنٹوں نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فائل کی چھان بین میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک مواد موجود ہے۔ میں نے انل بسواس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں اس کا معاون رنیش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور میری اور رینا اہمیت رائے کی ویڈیو رنیش شرما کے کمرے میں تھی۔ راکا وہ دفتر اپنے حفاظتی اقدامات کی بنا پر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی ویڈیو فلم ضائع کر دی نیز مال غنیمت کے طور پر گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں سے اڑا لیا۔ اس مہم میں راکا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ راکے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر دراکے اسمراہ پاکستان بھجوا دیا اور وہ بہ خیریت وہاں سے نکل گئی۔ اس کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا مگر مجھے جلد گلو خلاصی حاصل ہو گئی۔ میری ویڈیو ضائع ہو گئی تھی مگر اب رینا میری ہم نوا ہو کر اپنے فرض سے غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث راوالے مجھے دوبارہ کسی جال میں گرفتار نہ کر سکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے انل بسواس اور رنیش شرما دونوں کو شکار کرنا تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہو گیا۔ واپسی کے سفر میں ہم سرحد عبور کرتے ہوئے دو بھارتی فوجیوں سے ٹکرا گئے جنہیں جہنم واصل کرنے کے بعد جلال نے لیے امرتسر میں خدمات انجام دینے والے بنگلہ کو بھی قربان کرنا پڑا۔ ہم لاہور میں مختصر قیام کے بعد کراچی پہنچ گئے۔ جلال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا تھا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کر لیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظفر خان کے علاوہ ڈینی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ ان سے اجلاس کے دوران میں معلوم ہوا کہ انہیں ڈینی کی تلاش تھی۔ جلال نے اجلاس کی مکمل رپورٹ مجھے دے دی۔ اب ہمارے سامنے جان ایلیٹ کو فف تھا اور میں اس سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

ریسیور پر امریکی لب و لہجے میں ایک مردانہ آواز سن کر میرے ذہن میں جو ہیجان برپا ہوا تھا۔ وہ بس چند لمحوں کے لیے برقرار رہا پھر میں الجھ گیا۔ میں جذبات کی روانی میں جان ایلیٹ سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر میں نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ میں اس سے کس حیثیت میں بات کروں گا۔

میں نے قونصل خانے میں جان کی موجودگی کا کھوج لگانے کے لیے عبدالماجد حسینی کا نام استعمال کیا تھا اور انگریزی بولتے ہوئے عربی لب و لہجہ اختیار کرنے کی کوشش کی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے میں نے سوچا کہ میں اپنے کردار کا وہی تسلسل برقرار رکھوں۔ جان جس وقت اپنے دفتر سے رجوع کرتا تو اسے وہاں سے بتایا جاتا کہ کسی عبدالماجد نے اپنا کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فون نمبر چھوڑے بغیر اس سے فون پر بات کرنے کی کوشش کی تھی پھر خیال آیا کہ کیوں نہ میں اپنے اصل نام سے اس سے بات کروں۔ میں اس سے کہہ سکتا تھا کہ میں بھارت سے بول رہا ہوں۔ اپنے اصل نام کو استعمال کرتے ہوئے میں جان سے زیادہ کھل کر بات کر سکتا تھا۔

اپنے دوسرے خیال کو میں نے فوراً مسترد کر دیا۔ اس میں کئی خطرات مضمر تھے۔ ٹکنالوجی کے میدان میں امریکیوں کی ترقی اور مکمل بالادستی کے متعدد ثبوت میری نگاہوں میں آ چکے تھے۔ چند ثانیوں قبل اول خان اندیشہ ظاہر کر چکا تھا کہ جان سے بات کرنے کے لیے گھر کا فون استعمال کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس وقت سی ایل آئی کی سہولت دستیاب نہ ہونے کے باوجود یہ شبہ تھا کہ امریکی اپنے جدید آلات کی مدد سے ہر اس نمبر تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں جہاں سے انہیں فون کیا جائے۔ ایک اور اہم تر نکتہ یہ تھا کہ جہنم واصل ہونے سے قبل اوبرائن ڈی بنٹ نے میرا سراغ لگانے کے لیے ساؤنڈ یا وائس اسکیننگ کے حساس ترین آلات استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ آلات ریڈیائی لہروں میں بھٹکنے والی کروڑوں آوازوں میں کسی ایک آواز کو نہایت آسانی سے پکڑ کر یہ بتا سکتے تھے کہ بولنے والا اس وقت کہاں موجود تھا۔ اپنے ان آلات کی کامیابی کے لیے اوبرائن نے میرے بہروپ سے دھوکا کھا کر ہزاروں ننھے ننھے چپس میرے حوالے کر دیے تھے جنہیں شہر کے مختلف علاقوں میں بکھیرنا تھا۔

ریت، مٹی اور کنکروں میں مل جانے کے بعد ان چپس کو الگ سے شناخت کرنا ناممکن تھا۔ وہ جہاں ڈالے جاتے، وہیں پڑے رہتے اور اپنے قرب و جوار کی آوازیں فضا میں نشر کرتے رہتے۔ ان صوتی اشاروں کو وائس اسکیننگ کے آلات پر مانیٹر کیا جاتا جہاں اوبرائن نے بہت چالاکی سے میری آواز محفوظ کی ہوئی تھی۔ جوں ہی اس کے آلات یہ نشان دہی کرتے کہ مطلوبہ آواز والا آدمی شہر کے کسی حصے میں موجود ہے، وہ ایک اشارہ کرتا اور امریکی قونصل خانے میں چھپا ہوا خوفناک کمانڈو اسکواڈ اپنے تمام تر ہتھیاروں سمیت میری طرف دوڑ پڑتا۔

وہ اوبرائن عرف اوبی کا ایک بھیانک منصوبہ تھا۔ یہ میرے مقدر کی یاوری تھی کہ سارے چپس میرے ہاتھ آ گئے اور میں نے ان حساس مواصلاتی سنگ ریزوں کو تباہ کر دیا۔ اس وار سے بچ نکلنے کے بعد یہ ضروری ہو گیا تھا کہ میں اپنے اصل نام سے ان کے سامنے نہ آؤں ورنہ وہ میری آواز کا مزید ریکارڈ جمع کر لیتے۔

رابطے کی دو ناکام کوششوں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ جان ایشکوف کے فون سے ٹیپ ریکارڈر منسلک تھا۔ وہ ریسیور اٹھا کر دوسری لائن پر آتا تھا اور سی ایس ڈی لائن منقطع کر دیتی تھی۔ تیسری بار بیک بوتھ میں سی ایس ڈی نہیں تھی۔ اسی وجہ سے رابطہ ہو گیا تھا۔

محض اپنی صوتی شناخت کو پوشیدہ رکھنے کے لیے میں نے اسی لمحے عبدالماجد الحسینی والے کردار کو آگے بڑھانے کا فیصلہ کر لیا۔

"میں عبدالماجد الحسینی ہوں۔" میں نے قدرے توقف کے بعد عربی لہجے سے مغلوب انگریزی میں جواب دیا "اور جان ایشکوف سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

جان کے لیے وہ اجنبی نام شاید بے ضرر تھا۔ اس نے کہا "میں جان بول رہا ہوں۔ جان ایشکوف!"

"میں نے سنا ہے کہ تم کسی خاص مشن پر استنبول سے کراچی آئے ہو۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

میرے اس اظہارِ خیال نے اسے چونکا دیا "یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟"

"جو شخص تمہارے نام اور موجودہ فون نمبر سے واقف ہو سکتا ہے وہ اور کچھ بھی جان سکتا ہے۔" میں نے دوستانہ لہجے میں بات ٹال دی "اس بارے میں تم کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ بتاؤ کہ میری معلومات کہاں تک درست ہیں؟"

"تم خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔" لمحے بھر کی خاموشی کے بعد جان کی متردد آواز ابھری "اب تمہارا تفصیلی تعارف حاصل کیے بغیر میں تم سے گفتگو جاری نہیں رکھ سکوں گا۔"

"میں تمہارا ہمدرد اور دوست ہوں۔" میں نے اسے یقین دلانا چاہا۔

"یہ کافی نہیں ہے۔" اس نے اعتراض جڑ دیا "یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"میں عبدالماجد الحسینی ہوں اور تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں تاکہ میرا بھی کچھ فائدہ ہو سکے۔" میں نے جواب دیا۔

"تم سعودی ہو؟" دوسری طرف سے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا گیا۔

"سعودی نہیں، میں یمنی ہوں۔" میں نے بے ساختہ کہہ ڈالا۔

"کس نیٹ ورک کے لیے کام کرتے ہو؟" جان نے اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باقاعدہ جرح کا آغاز کردیا تھا۔

"میں کسی نیٹ ورک کے چکر میں نہیں پڑتا۔ صرف اپنے فائدے کے لیے کام کرتا ہوں۔"

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو تم اپنے نام سے مسلمان معلوم ہوتے ہو۔" جان نے قیاس آرائی کی۔

"تمہارا اندازہ درست ہے۔ الحمدللہ' میں مسلمان ہوں۔" میں نے فوری طور پر جواب دیا۔

"غیر ملکیوں کے لیے پاکستان کسی بھی طرح ایک پُرکشش ملک نہیں ہے۔ یہاں غربت ہے۔ سماجی پابندیاں بے شمار ہیں۔ الکحل کا استعمال خلافِ قانون ہے پھر تم یہاں کیا کررہے ہو؟"

"یہی سوال میں تم سے بھی کرسکتا ہوں۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں ایک سرکاری ملازم ہوں۔ ایک مشن پر یہاں آیا ہوں۔ یہ اشارہ تم خود بھی دے چکے ہو۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔

"میرا کوئی مشن نہیں ہے۔ میں ایک بے فکر سیلانی ہوں جسے شراب سے کوئی رغبت نہیں ہے۔"

"میں نہیں مان سکتا۔ پاکستان میں پائے جانے والے بیشتر عرب اور دوسرے غیر ملکی مسلمان کسی نہ کسی مشن سے وابستہ ہیں۔ تم القاعدہ کے آدمی تو نہیں ہو؟"

"ان میں میرا شمار ہوتا تو تم میرے نام سے ضرور واقف ہوتے۔ وہ تمہارے چہیتے اور پالے ہوئے ہیں۔"

دوسری طرف سے جان ایشکوف کی تلخ سی ہنسی سنائی دی پھر وہ بولا "تم مسلمان لوگ استنجا کرتے ہو نا۔ اس کے لیے آس پاس سے کوئی بھی کنکر پتھر اٹھاتے ہو اور اسے استعمال کرنے کے بعد بے پروائی سے ایک طرف اچھال دیتے ہو۔ بعد میں بھول کر بھی اسے یاد نہیں کرتے۔ القاعدہ والے ہمارے استنجے کے پتھر تھے۔ افغانستان میں روسیوں کا سر کچلنے کے لیے ان کی ضرورت تھی۔ القاعدہ کے حریفوں سے اپنی بات منوانے کے لیے ہمیں ان کی حوصلہ افزائی کرنا تھی۔ ہم نے ان کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا....."

"تم نے ان کی پشت پر صرف ہاتھ نہیں رکھا' بہ نفسِ نفیس ان کی اوٹ میں موجود تھے۔" میں اس کی بات کاٹے بغیر نہ رہ سکا۔

"ہم جس پر مہربان ہوتے ہیں' اس پر اپنی فیاضیوں کے سارے دروازے کھول دیتے ہیں۔ اسے زمین سے اٹھا کر اپنی سطح پر لے آتے ہیں۔ جب ہم اپنا کوئی مشن پورا کرنے کے لیے نکلتے ہیں تو مقصد حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ تم گزری ہوئی باتوں کے طعنے نہ دو۔ کل ہم نے اپنے ہاتھوں سے انہیں پروان چڑھایا تھا اور آج ہم ان کے لہو کے پیاسے ہیں کیونکہ یہ لوگ ہمارے احکام ماننے کے بجائے اپنی من مانیاں کرنے پر تل گئے ہیں۔ جب موقع ملا' ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے گی۔"

"یہ سب تم مجھے کیوں سنا رہے ہو؟" میں نے سادگی سے پوچھا۔

"میں کسی کو کچھ نہیں سناتا۔ تم نے القاعدہ کو ہمارا پالا ہوا کہہ کر مجھے مشتعل کیا تھا۔"

"ان کا حوالہ تم نے دیا تھا۔ بات کی ابتدا میں نے نہیں کی تھی۔" میں نے اپنی یعنی عبدالماجد الحسینی کی صفائی پیش کی۔

"پاکستان میں آوارہ گردی کرنے والے بیشتر غیر ملکی مسلمان کسی نہ کسی نیٹ ورک سے منسلک ہیں۔ ایسے کسی مضبوط رابطے کے بغیر تم کو وہ باتیں معلوم نہیں ہوسکتی تھیں جو تم جانتے ہو۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم کس کے لیے کام کرتے ہو؟"

"میں صرف اور صرف اپنے لیے کام کرتا ہوں۔ مہینوں سے دس لاکھ ڈالر کے انعام کے لیے سرگرداں ہوں۔"

"وہ ضبیث ڈینی بھی کسی بہت مضبوط نیٹ ورک کا آدمی ہے۔ ہر بار چھلاوے کی طرح ہماری نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے۔ اس کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟"

"سب کچھ نہ سہی تب بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔" میں نے پورے اعتماد سے کہا "وہ غاروں میں نہیں' کھلی زمین پر رہتا ہے۔"

"اگر تم نے اسے پکڑوا دیا تو دس لاکھ ڈالر تمہارے ہوں گے۔" میری توقع کے عین مطابق وہ مضطرب ہوگیا۔

"اگر کہہ کر تم نے شرط عائد کردی۔" میں نے خشک لہجے میں اعتراض کیا "اسے پکڑنا یا نہ پکڑنا تمہارا کام ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہے۔"

"اس وقت سب سے اہم سوال یہی ہے کہ وہ مردود کہاں ہے۔" جان نے روانی میں جواب دیا۔

"مقام کا تعین کرو اور رقم لے آؤ۔ میں بتادوں گا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"امریکی وعدہ خلاف نہیں ہوتے۔ تمہاری دی ہوئی اطلاع کی تصدیق ہوتے ہی تم کو پوری رقم ادا کردی جائے گی۔"

اس بار میں ہنس پڑا "امریکی شاید سب سے بڑے جھوٹے اور دغاباز ہوتے ہیں۔ ابھی تم نے کہا تھا کہ آج تم اپنے ہی بنائے ہوئے نیٹ ورک کی اینٹ سے اینٹ بجا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دینے پر تل گئے ہو کیونکہ اسٹیج کے ان ڈھیلوں سے تمہارا کام نکل چکا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم واقعی کسی نیٹ ورک کے آدمی نہیں ہو۔" ایک گہرے سانس کے ساتھ جان کی آواز آئی "تم نے کبھی کسی مشن پر کام کیا ہوتا تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ساری اہمیت مقصد کی ہوتی ہے۔ اس کے حصول کی راہ میں آنے والا ہر مہرہ بے رحمی سے پٹوا دیا جاتا ہے۔ کمزور مہرے خود ہی پٹتے چلے جاتے ہیں۔ اس علاقے میں ہمارے مقاصد کی بساط سمٹ رہی ہے۔ ہدف بدل گئے ہیں۔ ایسے میں سب کچھ جائز ہو جاتا ہے۔ اسے دغابازی نہیں کہا جا سکتا۔"

"تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتے تو میں بھی تم پر اعتبار نہیں کر سکتا۔ دس لاکھ ڈالر بڑی رقم ہوتی ہے۔ کیا پتا کہ تم مجھے جعلی نوٹ تھما دو اور میں دھر لیا جاؤں۔ تمہاری دی ہوئی کرنسی کی اصلیت کی تصدیق ہونے کے بعد میں تمہیں اپنی معلومات سے آگاہ کروں گا۔"

"تم بلاوجہ بات بڑھا کر تلخی پیدا کر رہے ہو۔" یک بیک اس کا لہجہ ناصحانہ ہو گیا "تم کو اندازہ نہیں ہے کہ ڈینی تک پہنچنے کے لیے تمہاری کیا کچھ نازبرداریاں کی جا سکتی ہیں۔ مجھ پر نہیں تو میری حکومت پر اعتبار کرو اور بتا دو کہ وہ جہنم کا کندہ کہاں ہے۔"

"وہ تمہارے دوستوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھا ہوا ہے اور تم اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹک رہے ہو۔" میں نے اپنے تصور میں اس کی مضطربانہ کیفیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"تم کن دوستوں کی بات کر رہے ہو۔ ہم پاکستانیوں کو بھی اپنا دوست تصور کرتے ہیں۔"

میں ہنس پڑا "یہ تمہارا ایک اور جھوٹ ہے۔ تمہارے دماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ تم پاکستان میں پاکستانیوں کو بے وقوف بنانے کے لیے آئے ہو۔ روانی میں تم نے دوستی کی رٹی رٹائی بات دہرا دی۔ یہ بھول گئے کہ میں پاکستانی نہیں، یمنی ہوں۔"

"یمن کے آدھے سے زیادہ لوگ ہمارے دوست ہیں۔" دوسری طرف سے ڈھٹائی سے کہا گیا "ایک روز پورے یمن پر ہمارے دوستوں کا راج ہو گا۔"

"میں سیاسی نہیں، معاشی میدان کا آدمی ہوں۔ کسی بدمعاشی کے بغیر اپنی روزی کمانا چاہتا ہوں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں کہ تم گول مول الفاظ میں اپنے خدشات اور تحفظات کا اظہار کر رہے ہو۔ تمہاری دی ہوئی اطلاع کی تصدیق ہونے کی صورت میں تمہیں چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر انعام کی پوری رقم تمہاری سہولت کے مطابق مل جائے گی۔"

"تصدیق ہو جانے کے باوجود تم مجھے یہ بری خبر سنا سکتے ہو کہ میری دی ہوئی اطلاع غلط ثابت ہوئی۔"

"شاید میں ایسی بے ایمانی کر لوں۔ میری حکومت ایسی حرکت کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ اسے اپنی ساکھ ایک ملین ڈالر سے زیادہ عزیز ہے۔"

"بدقسمتی یہ ہے کہ میں اس وقت امریکی حکومت کے بجائے جان ایشکوف سے مخاطب ہوں۔"

"اس وقت میری حیثیت امریکی حکومت کے بااختیار نمائندے کی ہے...."

میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی "اور تم اپنی بے ایمانی کے امکان کو خود تسلیم کر چکے ہو۔"

"تم بلاوجہ حجت کر رہے ہو۔" وہ میری جرح سے زچ ہو کر بولا "اب تک تمہیں بتا دینا چاہیے تھا کہ تم کیا جانتے ہو۔"

"میں نے تمہیں بتانے کے ارادے سے ہی فون کیا تھا مگر تم نے اپنی باتوں سے میرے دل میں شکوک و شبہات پیدا کر دیے ہیں۔"

"اپنے دل سے ہر بدگمانی جھٹک دو۔ مجھ پر اعتبار کرو۔ میں تمہیں دھوکا نہیں دوں گا۔"

"فون پر میں کچھ نہیں بتا سکتا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "تم مجھ سے مل لو۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری آنکھوں میں

خبردار

اداکاری کی خواہش مند ایک نئی لڑکی کی ایک ڈائریکٹر سے ملاقات طے ہوئی تو ایک پرانی واقف حال نے اسے خبردار کیا۔ "سوچ سمجھ کر اس کے پاس جانا۔ اس شخصیت کی شہرت بہت خراب ہے۔ سنا ہے اکیلے کمرے میں اگر کوئی لڑکی اس کے پاس پہنچ جائے تو کپڑے پھاڑ ڈالتا ہے۔"

"بہت اچھا کیا تم نے مجھے خبردار کر دیا..." نئی امیدوار نے شکرگزارانہ لہجے میں کہا "میں اب کوئی پرانا اور بے کار سا جوڑا پہن کر جاؤں گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے بھروسے کی کچھ پرچھائیاں نظر آجائیں اور میں تمہیں اپنی معلومات میں شریک کرنے پر آمادہ ہوجاؤں۔"

"پاکستان میرے لیے ایک نیا ملک ہے۔ میں یہاں ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر یوں تم سے نہیں مل سکتا۔"

"پھر مجبوری ہے۔ میں تمہاری شرائط پر کوئی تعاون کرنے سے قاصر ہوں۔"

"تم کوئی تعاون نہیں کررہے۔" ریسیور پر اس کی تیز آواز ابھری "تمہیں ڈینی کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔ ہم نے ان معلومات کی بولی لگائی ہوئی ہے اور تم ہمارے مقرر کیے ہوئے داموں پر اپنی معلومات بیچنا چاہتے ہو۔ یہ بالکل کھلا ہوا سودا ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔ میں یہ سودا اپنے اطمینان کے بعد ہی کروں گا۔"

لائن پر چند ثانیوں کے لیے خاموشی چھاگئی پھر جان ایشکوف کی بھاری آواز ابھری "ٹھیک ہے۔ تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں اس معاملے میں کسی پیش رفت سے پہلے تم سے ملنے کا خواہاں ہوں۔"

"کب اور کہاں ملنا چاہتے ہو؟" جان نے فیصلہ کن لہجے میں سوال کیا۔

میں نے بس ایک لمحے کے لیے سوچا پھر کہا "کراچی کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں یہاں آتا جاتا رہا ہوں۔ پشاور میں میرا قیام خاصا طویل رہا ہے۔"

"تم نے اچانک پشاور کا ذکر کیوں نکال لیا؟" وہ موقع فراہم کررہا تھا تو مجھے گفتگو کو طول دینے میں کوئی عذر نہیں تھا۔

"یہ سلسلہ اس وقت سے چل رہا ہے جب پاکستان میں کراچی کے سوا کوئی اور بین الاقوامی ہوائی اڈا نہیں تھا۔ پشاور اور دوسرے عالمی شہروں کے درمیان آمدورفت کے لیے مجھے بار بار کراچی میں ٹھہرنا پڑتا تھا۔ میں اس شہر سے خاصی حد تک واقف ہوں۔"

"تم نے بندرگاہ کو شہر سے ملانے والا نیٹی جیٹی کا پل ضرور دیکھا ہوگا۔" میں نے پوچھا۔

"یہ نام میں پہلی بار سن رہا ہوں۔" اس نے کسی حیل و حجت کے بغیر اعتراف کرلیا۔

"تم نے بیچ لگژری ہوٹل کا نام ضرور سنا ہوگا۔ وہ کراچی کا بہت پرانا اور اچھا ہوٹل ہے۔"

"یہ نام کانوں کو مانوس معلوم ہوتا ہے۔ تم اپنا مدعا بتاؤ۔ میں کسی نہ کسی طرح تمہارے مقرر کردہ مقام پر پہنچ جاؤں گا۔" میرے کانوں میں اس کی اضطراری آواز گونجی۔ میرے اطمینان سے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جارہا تھا۔

"ایک راستہ نیٹی جیٹی کے پل کے اوپر سے گزرتا ہے۔ دوسرا بیچ لگژری ہوٹل کی طرف سے پل کے نیچے آتا ہے۔" میں نے اپنی یادداشت تازہ کرتے ہوئے کہا "اس دوسرے راستے پر سمندری کھاڑی کے کنارے مندر بنا ہوا ہے۔ تم کل رات نو بجے مجھے اس مندر کے آس پاس مل جاؤ۔"

"کل رات کے بجائے تم آج ہی وہاں کیوں نہیں آجاتے۔" اس نے اپنی بے چینی کا مظاہرہ کیا۔

میں اس کے اضطراب کا سبب سمجھ رہا تھا۔ میں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے، بے پروائی سے کہا "آج میں مصروف ہوں۔ یہ ملاقات کل ہی بہتر رہے گی۔"

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ کل دن میں مجھے دہلی کے لیے روانہ ہونا ہے۔ میں اپنی روانگی ملتوی نہیں کرسکتا۔ تم آج کے لیے وقت نکالو۔"

کڑی سے کڑی مل رہی تھی۔ جلال کی فراہم کی ہوئی معلومات اور جان کے عذر سے یہ ثابت ہورہا تھا کہ اس کی دہلی روانگی کا پروگرام طے پاچکا تھا۔ میری تلاش کے سلسلے میں اسے بینگلے میں سی آئی اے کے افسران سے کمپیوٹر پر جو رابطے کرنے تھے، وہ ہوچکے تھے۔ کراچی میں اپنے مختصر قیام کے مقاصد حاصل کرلینے کے بعد وہ اپنے چارٹرڈ طیارے سے دہلی روانگی کے لیے پابہ رکاب بیٹھا ہوا تھا۔ میری ٹیلی فون کال کے نتیجے میں اسے غیر متوقع طور پر اہم ترین معلومات حاصل ہونے کی امید ہوگئی تھی اس لیے وہ اپنے اگلے پروگرام کو خراب یا متاثر کیے بغیر مجھ سے جلد از جلد ملنے کے لیے بے چین ہوگیا تھا۔

"بہت مشکل ہوگا۔" میں نے بلاوجہ معذوری ظاہر کی "آج رات مجھے اپنے مالی وسائل کی بہبود کے لیے کچھ جستجو کرنی ہے۔"

"آج کی مصروفیات سے تمہیں کتنی آمدنی کی امید ہے؟" اس کی آواز میں بلا کا تجسس امڈ آیا۔

"ڈیڑھ دو لاکھ روپے تو مل ہی جائیں گے۔" میں نے سوچ سمجھ کر تیر اپنے نشانے پر پھینکا "میں پاکستان میں آوارہ گرد عرب کے طور پر پہچانا جانا پسند نہیں کرتا۔ اپنے گزارے کے لیے آمدنی کے کچھ نہ کچھ ذرائع ڈھونڈتا رہتا ہوں۔ تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے رابطہ بھی میری ان ہی کوششوں کی ایک کڑی ہے۔"

"اپنی آج کی مصروفیات منسوخ کردو۔" جان نے بے تابی سے کہا "نو بجے مندر کے پاس آجاؤ۔ میں تمہیں اپنے پاس سے دو لاکھ روپے دے دوں گا۔ یہ رقم تمہارے انعام میں سے نہیں کاٹی جائے گی۔ میرے لیے وقت بہت قیمتی ہے۔"

"مجھے پہلے سے یہ اندازہ ہوگیا ہوتا تو میں ڈیڑھ دو لاکھ کے بجائے دس پندرہ لاکھ کی بات کرتا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"تم نے یہ موقع گنوا دیا۔ میں تمہیں دو لاکھ سے ایک روپیا بھی اوپر نہیں دوں گا۔ یہ بھی خاصی بڑی رقم ہے۔"

"قطعی بڑی رقم نہیں ہے۔ اسے ڈالروں میں تبدیل کرو گے تو یہ بہت زیادہ سکڑ جائے گی۔ تم یہ بھول رہے ہو کہ میں پاکستانی نہیں، یمنی ہوں۔ آمدنی کے ذرائع کی تلاش میں گھاٹ گھاٹ گھومتا رہتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے پیچھے میں بھی دہلی چل دوں۔ اس وقت میرے لیے دس لاکھ ڈالر کا حصول سب سے زیادہ ضروری ہے۔"

"میں دہلی میں زیادہ دیر تک نہیں رکوں گا۔ اپنا کام ختم کرتے ہی دوبارہ کراچی لوٹ آؤں گا۔" اس نے جلدی سے وضاحت کی۔

"ابھی ہماری ملاقات بھی نہیں ہوئی اور تم نے اپنی وعدہ خلافیوں کی داغ بیل ڈال دی۔" میں نے شکایت کی۔

"کیسی وعدہ خلافی؟ تم مجھ پر بلاوجہ الزام تراشی کیوں کررہے ہو؟" پہلی بار اس کا لہجہ ترش ہوگیا۔

"تم نے چوبیس گھنٹوں میں رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اگر ہم آج رات نو بجے مل لیتے ہیں تو یہ مدت کل رات کے نو بجے ختم ہوجائے گی۔ اب تم سنا رہے ہو کہ اس وقت تم دہلی میں بیٹھے ہوئے ہو گے تو میری رقم کون ادا کرے گا؟"

"اس وقت تم جان ایشکوف سے نہیں، امریکی حکومت کے ایک طاقت ور نمائندے سے بات کررہے ہو۔ میں کراچی سے چلا گیا تب بھی یہاں میرے اختیار اور وعدوں کا تسلسل برقرار رہے گا۔ کوئی دوسرا آدمی میرے وعدے پورے کرے گا۔"

"میں اس تک کیسے رسائی حاصل کروں گا؟" میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"تم آج آنے پر اپنی آمادگی ظاہر کرو تو سب کچھ ہوجائے گا۔"

میں یوں خاموش ہوگیا جیسے تذبذب کا شکار ہوگیا ہوں پھر میں نے نیم دلی سے کہا "ٹھیک ہے۔ میں آجاؤں گا۔"

"گڈ!" جان کی آواز سے فتح کی مسرت جھلک رہی تھی "سب کچھ طے ہوگیا ہے تو اتنا اشارہ تو دے دو کہ وہ کس شہر میں ہوگا۔"

میں پانچوں سروسز کے نمائندوں کے ساتھ جان ایشکوف کی ملاقات کا تفصیلی احوال، جلال کی زبانی سن چکا تھا۔ مجھے یہ بات معلوم ہوچکی تھی کہ لینگلے نامی امریکی علاقے میں بیٹھے ہوئے سی آئی اے کے ماہرین نے اپنی خداداد ذہانت سے کام لے کر یہ نتیجہ اخذ کرلیا تھا کہ ڈینی دہلی میں را اور سی آئی اے کے کلیدی عہدے داروں کے خون کی ہولی کھیلنے کے بعد امرتسر کے زمینی راستے سے بنگو کے ذریعے پاکستان پہنچ چکا تھا۔ ان کی قائم کی ہوئی یہ رائے اس قدر ٹھوس اور مستحکم تھی کہ انہیں کسی بھی طرح بہکانا یا بھٹکانا ممکن نہیں رہا تھا پھر بھی میں نے جان کے چٹکی لینے کا فیصلہ کرلیا۔

"اگر اس وقت میں یہ کہوں کہ وہ دہلی میں تمہارے دوستوں کے درمیان بیٹھا ہوا ہے تو....."

"اوہ نو!" اس کی غراتی ہوئی آواز نے میری بات کاٹ دی "اگر تمہاری معلومات کا یہ حال ہے تو میں نے بلاوجہ تم پر اپنا قیمتی وقت برباد کیا۔"

"یہ بات اتنی ناممکن نہیں ہے۔ تم اسے اتنی سختی سے کیوں مسترد کررہے ہو..... ویسے یہ مذاق کی بات تھی۔" میں نے کہا۔

"مذاق بھی کچھ قرین قیاس ہونا چاہیے۔ وہ جہاں جہاں سے گزرا ہے وہاں اس نے اپنی موجودگی کے ثبوت چھوڑے ہیں۔ اس حرام زادے کا خیال ہے کہ اس طرح وہ ہمیں اور بھارتیوں کو دہشت زدہ کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔ یہ اس کی بھول ہے۔ وہ دہلی میں تھا اور پھر امرتسر سے پاکستانی علاقے میں نکل گیا۔ ہمارے پاس اس بارے میں ناقابل تردید واقعاتی شہادتیں موجود ہیں جنہیں کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔" جان ایشکوف کا نرم لہجہ یک بیک تلخ ہوگیا تھا۔

"میں اس کی کمین گاہ کے بارے میں قبل از وقت زبان کھول کر اپنے ہاتھ نہیں کٹوا سکتا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر، اس کی دی ہوئی گالی کو نظرانداز کرتے ہوئے جواب دیا "مجھے بھی معلوم ہے کہ وہ بھارت سے پاکستان آچکا ہے اور میں تم سے اپنے اسی علم کی قیمت وصول کرنا چاہتا ہوں۔"

"تھوڑی دیر پہلے بھی تم نے کہا تھا کہ وہ ہمارے دوستوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھا ہوا ہے اور ہم اس کی تلاش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بھٹک رہے ہیں۔ کیا اس وقت بھی دوستوں سے مراد بھارت والے تھے!" مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری کہی ہوئی بات یاد آنے پر وہ چونک پڑا تھا۔

"ظاہری طور پر تم ہر ایک کو اپنا دوست قرار دیتے ہو لیکن اپنی پالیسی کے ذریعے بہت سے دوستوں کی پشت میں خنجر گھونپنے کی تیاری کرتے رہتے ہو۔ تفصیل سنو گے تو تم خود حیران ہو جاؤ گے کہ ڈینی یہاں کن ہاتھوں میں محفوظ ہے۔"

میں نے جان بوجھ کر وہ پینترا بدلا تھا۔ جان کے لہجے کی تلخی ایک مرتبہ پھر تجسس میں بدل گئی "میں یہی پوچھ رہا تھا۔ مجھے کوئی اشارہ تو دے دو کہ وہ کہاں ہے؟"

"نہیں جان! میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔" میں نے سختی سے کہا "تم عیاری سے کام لے کر مجھ سے ہر بات اگلوانا چاہ رہے ہو لیکن تم نے اب تک اپنے اس نمائندے کا نام، پتا اور فون نمبر نہیں بتایا جو تمہارے دہلی جانے کے بعد مجھے انعام کی رقم ادا کرے گا۔"

"اگر تم باخبر ہو تو تم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میں آج ہی استنبول سے کراچی پہنچا ہوں۔ مجھے دیکھنا ہوگا کہ میرے خاص خاص آدمیوں میں سے کون موجود ہے اور کون چھٹی پر گیا ہوا ہے۔ مکمل رازداری کے ساتھ اتنی بڑی نقد رقم ادا کرنے کے لیے آنکھیں بند کر کے ہر ایک پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"

"پھر تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ میں آج رات تم سے ملنے پر آمادہ ہو جاؤں تو تم مجھے رقم دینے والے کے بارے میں بتا دو گے۔"

"مجھ سے غلطی ہو گئی۔ امید ہے کہ تم میری مجبوری کو سمجھ گئے ہو گے۔" اس کی آواز معذرت خواہانہ ہو گئی۔

"یہ یاد رکھنا کہ میرے ساتھ کوئی چال بازی کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ میرے ساتھی تمہاری بوٹیاں نوچ ڈالیں گے۔"

"ابھی تک تم کہہ رہے تھے کہ تمہارا کسی نیٹ ورک سے کوئی تعلق نہیں ہے پھر تمہارے خوں خوار ساتھی کہاں سے نکل آئے۔"

"ہم چند گہرے دوست ہیں جو ایک دوسرے کے جاں نثار ہیں۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا "ہم کسی تنظیم کے رکن نہیں ہیں۔"

"تم گہرے اور کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے درمیان کوئی لمبی مفاہمت ہو سکے۔"

"یہ یاد رکھنا کہ دس لاکھ ڈالر مل جانے کے بعد مجھے پیسے کی زیادہ پروا نہیں رہ جائے گی۔" میں نے اسے تادیب کی "کسی نے میری یہ رقم روکنے کی کوشش کی تو میں اس کے حلق میں ہاتھ ڈال کر کھایا پیا تک اگلوا لوں گا۔"

"میں یہ سب جانتا ہوں۔ اس طرح کے کاموں میں یہی سب ہوتا ہے۔ تم نے میرا بہت وقت لے لیا۔ باقی باتیں اب رات کو ہوں گی۔ یہ بتاؤ کہ میں تم کو کیسے پہچانوں گا؟" اس نے اپنی جانب سے گویا گفتگو کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہم لوگ گمنامی میں درویشی زندگی بسر کرتے ہیں۔ میں رات کو سرخ رنگ کی پرانی سوزوکی کیری میں آؤں گا جس کے سیاہ ہڈ کے اوپر سبز رنگ کا بلب جل رہا ہوگا۔ اس گاڑی کو دیکھتے ہی تمہیں میرے پاس آنا ہے۔ تمہاری کیا شناخت ہوگی؟"

"سیاہ ٹی شرٹ اور سیاہ جینز کے ساتھ میرے سر پر سیاہ پی کیپ ہوگی۔" اس نے بتایا پھر پوچھا "تم اکیلے آؤ گے یا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہوگا۔"

"یہ میرے موڈ پر منحصر ہے۔ اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ میں سوزوکی کیری چلاؤں گا۔ میرے برابر والی سیٹ خالی ہوگی۔"

"اوکے آب ڈل مے جد! نو بجے مندر کے پاس ملاقات ہوگی۔ گڈ لک!" دوسری طرف سے کریڈل کی کلک سن کر میں نے فون بند کر دیا۔

"خدا کی پناہ۔ تم اس سے یوں باتیں کیے جا رہے تھے جیسے کئی دنوں سے ان مکالموں کی ریہرسل کرتے رہے ہو۔ وہ بھی تمہاری باتیں سن رہا تھا۔" میرے فارغ ہوتے ہی اول خان نے گہرا سانس لے کر تحیر زدہ لہجے میں کہا۔

"دراصل وہ گفتگو کے آغاز میں ہی گہرے تجسس کا شکار ہو گیا تھا۔" میں نے اول خان کی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے جواب دیا "اس کے ذہن میں چھپا ہوا زہر اگلوانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ گفتگو کو طول دیا جائے۔ وہ باتیں کرنے پر آمادہ تھا اس لیے بات جاری رہی۔"

"ایک اجنبی کے فون پر سی آئی اے کے ایک منجھے ہوئے ڈپٹی ڈائریکٹر کا یوں فریب کھانا بہت عجیب محسوس ہو رہا ہے" اول خان اپنی گاڑی کا اسٹیئرنگ وہیل سنبھالتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔

"اپنی دانست میں اس نے کوئی فریب نہیں کھایا بلکہ چالاکی سے کام لیا ہے۔ یہ نہ بھولو کہ ڈینی اس کا مرغوب ترین موضوعِ سخن ہے" میں نے اسے یاد دلایا "اگر یہ لوگ ایسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والا دلچسپ ترین سلسلہ

مدہوشوں کی کہانی، ہوش مندوں کے لئے

ایک نوجوان کی خودنوشت جو اپنوں کے ہاتھوں برباد ہو کر منزل کا نشان کھو بیٹھا تھا۔
ان نوجوانوں کی داستان عبرت جن کی پرورش رشوت کے مال سے ہوئی تھی۔ ان
زر پرستوں کا احوال جنہیں سونے چاندی کی خیرہ کن چمک نے بینائی سے محروم کر دیا تھا۔
موت کے ان سوداگروں کا ماجرا جو اپنے بچوں کو اپنے ہی ہاتھوں زہر پلا رہے ہیں۔

مقبول ترین کہانی کار اقلیم سلیم کے قلم سے

موت کے سوداگر

کتابی شکل میں 4 حصے شائع ہو چکے ہیں

قیمت فی حصہ 60 روپے • ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے

اس دلچسپ ترین سلسلے کا پانچواں اور چھٹا حصہ جنوری 2002ء میں شائع ہو رہا ہے

ایجنٹ حضرات اپنے آرڈر سے آج ہی مطلع فرمائیں

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ پیشگی منی آرڈر ارسال کریں

کتابیات پبلی کیشنز

رمضان چیمبرز بلموریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

پوسٹ بکس 23
کراچی 74200

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باتوں پر دھیان نہ دیں تو انہیں کسی بھی معاملے کا سراغ تک نہیں ملے گا۔ بعض اوقات ایسے رابطے بہت سودمند ثابت ہوتے ہیں۔"

"اسے فون کرنے تک تمہارے ذہن میں کوئی خاکہ نہیں تھا۔ کیا تم اس سے ملنے جاؤ گے؟" اول خان نے گاڑی آگے بڑھادی۔

"ضرور جاؤں گا۔ اس بارے میں تمہارا کیا مشورہ ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اس نے تم سے تمہاری ساری نشانیاں پوچھ لی ہیں۔ اس کے سپرسنز یا کمانڈوز دور سے ہی تمہیں باڑ پر لے لیں گے۔ یہ بہت خوں ریز اور مہلک تصادم ثابت ہو سکتا ہے" اول خان کی آواز سے گہری تشویش نمایاں تھی "ہمارے دوستوں نے ہمیں اس سے دور رہنے کا مشورہ دیا ہے۔"

"میرا لڑنے مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ وہ بھی اپنی کھال میں رہے گا۔"

"میں تمہاری اس خوش فہمی کا سبب ضرور جاننا چاہوں گا۔" اول خان بولا۔

"وہ بہت چالاک اور خرانٹ آدمی ہے۔ میں اس سے کھیل رہا تھا۔ وہ مجھے اُلو بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس نے میری باتوں پر اعتبار نہیں کیا ہوگا...؟"

"پھر اس نے تم سے اتنی لمبی بات کیوں کی؟" اول خان نے درمیان میں سوال کر ڈالا۔

"اسے کوئی سرا ملنے کی موہوم سی امید ہوئی ہوگی۔ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا" میں نے پورے اعتماد سے جواب دیا "مجھ سے ملاقات ہونے سے پہلے وہ میرے خلاف کوئی براہِ راست کارروائی نہیں کرے گا۔"

اول خان کی نظریں قریبی گلیوں اور راستوں پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ سر ہلا کر بولا "ہاں' اسے کوئی شبہ ہو بھی چکا ہو تو تم سے ملے بغیر اسے یہ اندازہ کیسے ہو سکے گا کہ تم سچے ہو یا جھوٹ بول کر اسے بے وقوف بنا رہے ہو' وہ تم سے ملے بغیر کوئی منفی قدم نہیں اٹھائے گا۔"

"بس یہی ایک نفسیاتی نکتہ ہے جہاں مجھے اس پر برتری حاصل ہے۔ وہ ڈینی کے بارے میں ہر قیمت پر کچھ نہ کچھ جاننا چاہتا ہے۔ میں نے یہ امید دلا کر اسے اپنے جال میں پھانس لیا ہے۔ دوسری اور اہم بات یہ ہے کہ وہ مجھے نہیں جانتا' میں تمہاری مدد سے اسے دور سے پہچان سکتا ہوں۔"

"تم نے اسے اپنی جو شناخت بتائی ہے وہ سن کر میں ہکا بکا رہ گیا تھا۔ کالے ہڈ والی سرخ سوزوکی کیری جس کے اوپر سبز بلب لگا ہوا ہو' کہاں سے آئے گی؟ ایسی گاڑی تم نے کہاں دیکھ لی تھی؟"

"گھر میں بیٹھ کر اطمینان سے بتاؤں گا" میں نے ہنس کر کہا کیونکہ ہم واپس گھر پہنچ چکے تھے اور اول خان نے اپنی گاڑی باہر روک دی تھی۔

"تم عجیب اور سمجھ میں نہ آنے والے آدمی ہو" وہ میرے ساتھ گھر میں داخل ہوتے ہوئے بڑبڑایا "بعض اوقات ایسی باتیں کرتے چلے جاتے ہو جن کا کوئی سرپیر نظر نہیں آتا۔ بعد میں ان کی اہمیت سامنے آتی ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔"

وہ مبالغانہ تبصرہ میری تعریف میں تھا اس لیے میں خاموش رہا۔

ڈور بیل کے جواب میں دروازہ کھلا تو ان تینوں کے اُڑے اُڑے اور پریشان چہرے دروازے کے پیچھے تھے۔

"کسی سے کچھ کہے سنے بغیر کہاں مر گئے تھے؟" ویرا نے غراتی ہوئی غصیلی آواز میں پوچھا۔ اس کی نیلی آنکھوں میں تیرتے ہوئے خمار کے ہلکے سرخ ڈورے یہ بتا رہے تھے کہ وہ سُرور کے عالم میں تھی۔ ہم دونوں نے خاموشی سے گھر سے نکل کر اس کا موڈ غارت کر دیا تھا۔

"بے چارے ڈینی پر آنکھیں مت نکالو۔ ہم جان ایش کوف کو فون کرنے کے لیے ایک پبلک بوتھ تک گئے تھے" میرے کچھ بولنے سے پہلے اول خان بزرگانہ انداز میں بول پڑا۔ "اب ہمیں اندر آنے کا راستہ بھی دو کی یا یوں ہی اڑی کھڑی رہو گی؟"

"ہمیں اس سے غرض نہیں کہ آپ دونوں کہاں گئے تھے" غزالہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "جانے سے پہلے کسی کو تو کچھ بتا جاتے تاکہ ہم تینوں کو پریشانی نہ ہوتی۔ ہم سب آج کل بدترین خطرات سے دوچار ہیں۔ دشمن پوری قوت کے ساتھ میدان میں اُترے ہوئے ہیں۔ آپ دونوں کو اچانک غائب پا کر ہمارے ذہنوں میں بُرے بُرے خیالات آنے شروع ہو گئے تھے۔ مجھے بھارتیوں سے کبھی خوف نہیں آیا لیکن امریکیوں سے ڈر لگتا ہے وہ بہت سفاک اور جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ہیں۔"

"وہ ہمیں بیٹھے بیٹھے دھواں بنا کر تو نہیں اڑا سکتے تھے" میں نے بدمزگی سے کہا۔

"اس خوش فہمی میں نہ رہنا۔ وہ یہ بھی کر سکتے ہیں۔ لیزر سے چلنے والے جدید ترین ہتھیار دھاتوں تک کو چشم زدن میں بھاپ بنا کر اُڑا دیتے ہیں۔ ان ہتھیاروں کے سامنے انسانوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے آبی بدن کی کوئی حقیقت نہیں ہے" ویرا نے فضا میں اپنی شہادت کی انگلی نچا کر کہا۔

"کم از کم اس وقت ایسا نہیں ہوا تھا" میں نے تلخی سے کہا "تم اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی موج اُڑا رہی تھیں۔ تمہیں اپنے عشرت کدے سے باہر آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"سلطان شاہ اور غزالہ کو تمہارا ہوش تک نہیں تھا" ویرا نے ہمارے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہوئے ترکی بہ ترکی جواب دیا "تم نے کچھ دیر بعد میرے کمرے میں آنے کا وعدہ کیا تھا۔ جب خاصا وقت گزر گیا اور تم نہیں آئے تو میں تمہاری تلاش میں باہر نکلی۔ میری آوازیں سن کر ان دونوں کو بھی ہوش آگیا۔"

"یہ درست کہہ رہی ہے۔ اس کے ڈکرانے کی آوازیں سن کر ہم چونکے تھے" سلطان شاہ نے سنجیدہ روئی سے ویرا کی تائید کی۔

"اگر میں اس وقت ڈکرا رہی تھی تو اس وقت تم رینک رہے ہو" ویرا مشتعل ہو کر بولی۔

"اس وقت تمہارے سر پر لال پری سوار ہے" سلطان شاہ نے بے نیازی سے کہا "تم کو سات خون معاف ہیں۔ جو چاہو، کہہ سکتی ہو۔"

"لال گلابی پری سے میرا کچھ نہیں بگڑتا" ویرا نے برہمی سے کہا "میں پوری بوتل پی کر بھی تم سے زیادہ ہوش مند رہتی ہوں۔ کسی کے ساتھ کمرے میں بند ہو کر دنیا و مافیہا سے بے خبر نہیں ہو جاتی۔ میرے منہ لگنے کی کوشش کرو گے تو میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔"

"الکحل کی بو والے منہ کی قربت سے مجھے متلی ہونے لگتی ہے" سلطان شاہ اسے چڑانے پر تل گیا۔

مجھے فضا میں فساد کے آثار منڈلاتے ہوئے نظر آنے لگے۔ ویرا اپنے ہوش و حواس میں تھی لیکن کسی حد تک مخمور تھی۔ اس وقت اس کی ذہنی رو بہک جاتی تو اسے سنبھالنا کافی دشوار ہو سکتا تھا۔ میں نے تیزی سے کہا "تم لوگ ہمیشہ اپنی بے وقت کی راگنی الاپنے میں مصروف رہتے ہو۔ کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ ہم دونوں جان ایشکوف سے فون پر بات کرنے کے لیے باہر گئے تھے۔ تمہاری نظروں میں اول خان کی دی ہوئی اس اطلاع کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"باہر جانے کی کیا ضرورت تھی؟ یہاں سی ایس ڈی استعمال کر کے تم زیادہ مطمئن رہ سکتے تھے" ویرا نے مجھ سے کہا۔

میں ویرا کی احمقانہ تجویز کا کوئی جواب دینے والا تھا کہ اول خان نے خشک لہجے میں مجھے ٹوک دیا "وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ ان بے سروپا باتوں میں تو بج جائیں گے۔ تم اس رنگین سوزوکی کیری کے بارے میں کچھ بتانے جا رہے تھے؟"

"بس، ذرا ایک بات بتا دو" سلطان شاہ نے التجا کی "نو بجے کی کیا اہمیت ہے۔ یہ بات میرے علم میں آجائے گی تو تم دونوں کی بقیہ باتیں خود بخود میری سمجھ میں آتی چلی جائیں گی۔"

"ڈینی نے پہلے سے کچھ طے کیے بغیر جان ایشکوف سے فون پر فی البدیہہ بات کی ہے اور اس سے نو بجے جینی جینٹی کے مندر کے قریب ملنے کا پروگرام طے کیا ہے۔ اب یہ اس سوزوکی کیری کے بارے میں بتائے گا جس میں اسے وہاں پہنچنا ہے۔"

اول خان مشینی انداز میں اپنی بات پوری کر کے میری طرف دیکھنے لگا۔

"کالے ہڈ والی کسی سرخ سوزوکی کیری کی سرے سے ضرورت نہیں ہے۔ میری کوشش تھی کہ وہ کسی طرح اپنی کمین گاہ سے نکل کر شہر کے کسی کھلے مقام پر آئے اور ہم وہاں اس کی خبر لے سکیں۔ نو بجے وہ میری بتائی ہوئی سوزوکی کیری ڈھونڈ رہا ہوگا اور میں تمہاری شناخت کے ذریعے اس کے سر پر پہنچ جاؤں گا۔ بے خبری میں اس کی ایسی گوشمالی ہوگی کہ وہ اسے زندگی بھر فراموش نہیں کر سکے گا۔"

"جلال نے ہمیں اس سے دور رہنے کا مشورہ دیا ہے" اول خان نے سنجیدگی سے کہا "پاکستان کی سرزمین پر اسے کوئی گزند پہنچا تو ہمیں خواہ مخواہ امریکیوں کی بڑھتی ہوئی مخاصمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"اس کا مارا جانا امریکیوں کے اشتعال کا سبب بن سکتا ہے۔ میرا اسے مارنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اسے مار پیٹ کر کے چھوڑ دیا گیا تو امریکی محتاط رہ کر زبان کھولیں گے۔ انہی میری تلاش کے لیے مقامی مدد کی شدید ضرورت ہے۔"

"جلال ضرور برہم ہوگا۔ تمہارا یہ منصوبہ اس کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوگا۔"

"مجھے اس سے اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں" میں نے زور دے کر کہا "میں فری لانسر ہوں۔ اگر جان ایشکوف میری سرکوبی کے لیے اتنا سرگرم ہے تو پھر مجھے بھی اپنا دفاع کرنے اور اسے روکنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ اس واقعے کے بعد میں یہاں واپس نہیں آؤں گا۔ شہر میں کہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روپوشی اختیار کراوں گا۔ جلال تم میں سے کسی سے رابطہ کرے تو کہہ دینا کہ میں غائب ہو چکا ہوں۔ مجھ سے رابطہ کیے بغیر تم کچھ کہنے سے معذور ہو۔"

"اچھی طرح سوچ لو" اول خان نے مجھے تادیب کی "یہ تمہارے اندازے ہیں جو غلط بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"جان سے بات کرنے سے پہلے میں نے کچھ نہیں سوچا تھا لیکن اس کے بعد اپنے منصوبے پر مسلسل غور کرتا رہا ہوں۔ مجھے اس میں کوئی نقص نظر نہیں آتا۔ میرا خیال ہے کہ میں امریکیوں کے حوصلے توڑنے میں کامیابی حاصل کراوں گا۔"

"تم بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہو" ویرا نے کھل کر میری تائید کی "جو مارتا ہے' امریکی اس سے خوف کھاتے ہیں۔ ڈرنے والوں کو یہ پوری قوت سے دباتے چلے جاتے ہیں اور آخر کار اسے بند دیوار سے لگا دیتے ہیں۔"

"وہ پٹے گا مگر زندہ رہے گا" میں نے اپنے ذہن میں منصوبے کے خدوخال مرتب کرتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ دہلی کے سمراٹ ہوٹل میں جان اسمتھ کی ہلاکت کے بعد اس کا جانشین اس واقعے سے عبرت حاصل کرے گا۔"

"تمہارا یہ مفروضہ بے بنیاد ہے کہ وہ تمہارے جال میں پھنسنے کے لیے اکیلا ہی مقررہ مقام پر پہنچے گا۔ یقینی طور پر کچھ لوگ پوشیدہ رہ کر اس کے حفاظت کر رہے ہوں گے۔ تم اس پر ہاتھ ڈالو گے تو وہ خاموش تماشائی نہیں بنے رہیں گے۔ تم پر آگ اور بارود کی برسات کر دیں گے۔"

"ان کا جواب دینے کے لیے ہمارے پیچھے بھی مسلح نفری موجود ہو گی... چونکو نہیں۔ وہ تمہاری ٹاسک فورس کی نفری ہی ہو سکتی ہے۔ جب ہم ایک دوسرے سے گتھے ہوئے ہوں گے تو جان کے آدمی اسے گولی لگ جانے کے خوف سے نشانہ لے کر فائرنگ نہیں کریں گے۔ وہ مجھے خوف زدہ کرنے کے لیے صرف ہوائی فائرنگ کر سکتے ہیں۔ میں اسے ماروں گا اور اندھیرے میں کسی طرف بھاگ نکلوں گا۔"

"سمجھانا میرا فرض ہے جو میں نے پورا کر دیا" اول خان ایک گہرا سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا "میرے مشوروں کو ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ اس معاملے میں اسپیشل ٹاسک فورس کو الگ تھلگ رکھا گیا ہے اور میرے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ اگر تم من مانی پر تل گئے ہو تو میں تمہارا ساتھ دینے کے لیے مجبور ہوں۔ تم سے دوستی ہو جانے کے بعد میں نے ایک بار بھی تمہیں پیٹھ نہیں دکھائی۔"

"تمہارے اسی تعاون کی وجہ سے میں آج تک زندہ ہوں ورنہ میرے خون کے پیاسوں نے مجھے بہت پہلے پیس ڈالا ہوتا" میں نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں جواب دیا "میرا خیال ہے کہ جان کے خلاف اس کارروائی کے نتائج آنے پر تمہاری رائے بدل جائے گی۔ اگر اس موقع پر پولیس زخمی جان کی مدد کو پہنچ سکے تو کام مزید آسان ہو جائے گا۔"

"پولیس والوں کے اپنے ہی رنگ ڈھنگ ہوتے ہیں۔ ایسے افسران میرے رابطے میں ہیں جو یہ کام کر سکتے ہیں لیکن جوش میں وہ وقت سے پہلے آنکلے تو تمہارا پورا منصوبہ ٹھپ ہو جائے گا۔ تم جان کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکو گے۔ پولیس کی مداخلت سے کیا فائدہ ہو گا۔"

"واقعہ ریکارڈ پر آجائے گا۔ جان کے لیے یہ بتانا دشوار ہو گا کہ وہ رات کے اندھیرے میں اس سنسان مقام پر کس پراسرار مقصد کے لیے آیا تھا" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "جب تک وہ اپنی شناخت ثابت کرے۔ پولیس اس کی جامہ تلاشی لے کر دو ڈھائی لاکھ روپے کی خطیر رقم برآمد کر چکی ہو گی۔ اسے یہ بتانا ہو گا کہ وہ اتنی بڑی رقم لے کر وہاں کس چور' قاتل یا اسمگلر سے سودا طے کرنے آیا تھا۔"

یکایک اول خان کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ بولا "یہ اس واقعے کا سب سے جان دار پہلو ہو گا۔ وہ شکایت کرنے کے بجائے مدافعانہ پوزیشن میں آجائیں گے۔ امریکی حکومت نے کراچی کو اپنے آدمیوں کے لیے مخدوش شہر قرار دیا ہوا ہے اور انہیں غیر ضروری طور پر پبلک مقامات کا رخ کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔ ان ہدایات میں اجنبیوں اور دور افتادہ یا ویران مقامات سے دور رہنے کا سخت مشورہ بھی شامل ہے۔"

"انگریزی اخبارات میں چند ہفتوں قبل چھپنے والا وہ اشتہار میرے ذہن میں تازہ ہے۔"

"لیکن تم کو وعدہ کرنا ہو گا کہ تم اسے نہیں مارو گے" اول نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

"یہ بات میں بار بار واضح کر چکا ہوں۔ پیر کے نیچے بار بار دبنے کے بعد چیونٹی بھی پلٹ کر کاٹ لیتی ہے۔ طاقت کے اعتبار سے امریکیوں کا مقام بہت بلند ہے۔ دوسرے جان کے خون پر وہ جھنجلا کر کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتے ہیں۔"

"ان کے لیے ایک امریکی کے بدلے دس پانچ ہزار معصوم اور بے گناہ شہریوں کو مار دینا کوئی بڑی بات نہیں ہو گی۔ بحر ہند میں لنگر انداز کسی بھی جنگی جہاز سے وہ ایک میزائل فائر کریں گے اور اپنے انتقام کی وحشیانہ آگ کو سرد کر لیں گے۔"

"مائی ڈیر سر! تم اتنی وضاحتیں کیوں کر رہے ہو؟ میں یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب جانتا ہوں" میں نے اس کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"آپ نے بھارت سے واپس آتے ہی پھر پاگل کتے کے منہ میں ہاتھ ڈالنا شروع کردیا" سب کچھ طے ہوتا ہوا دیکھ کر غزالہ سرا سیمہ آواز میں بولی "یہ کوئی دانش مندی نہیں ہے۔ آپ بلاوجہ بڑھ چڑھ کر خطرات مول لینے لگے ہیں۔"

"جان ایشکوف کو میں نے استنبول سے نہیں بلایا ڈارلنگ! وہ خود یہاں آیا ہے اور میرا متلاشی ہے۔"

"یہ اس کا حق ہے" غزالہ نے زور دے کر کہا "دہلی میں مرنے والے اپنے ساتھی کے قاتل تک پہنچنے کی کوششیں کرنا اس کا فرض ہے۔ آپ بلاوجہ اس سے کیوں الجھنا چاہ رہے ہیں۔ آپ اسے اپنا سر کھپانے دیں اور خود خاموشی سے روپوش ہوجائیں۔"

"تم جانتی ہو کہ ایسا کرنا میرے مزاج کے خلاف ہوگا۔ وہ میری جان کا دشمن ہے۔ اس کی راہ میں روڑے اٹکانے کا حق مجھ سے نہ چھینو۔"

"آپ روپوش ہوجائیں گے اور ہم تینوں یہیں رہتے رہیں گے؟" چند ثانیوں کے بعد غزالہ نے پوچھا۔

"اس بارے میں اول خان سے پوچھو۔ اس کی رائے زیادہ صائب ہوگی" میں نے کہا۔

"تم تینوں کے یہاں رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ آج کل شہر میں رینجرز کے دستوں کے حفاظتی گشت کی ڈیوٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ ان کی آڑ میں میرے آدمی دور رہ کر تم تینوں کی دیکھ بھال کرتے رہیں گے۔ اس وقت سارا زور صرف ڈینی کی ذات پر ہے۔"

"ڈینی پر دباؤ ڈالنے کے لیے وہ لوگ ہماری طرف بھی متوجہ ہوسکتے ہیں" ویرا نے اپنی تشویش کا اظہار کیا "یہ بات اب کھل چکی ہے کہ ہم چاروں یک جا رہ کر ڈینی کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ہمارے دشمنوں کو ہمارے نام تک معلوم ہیں۔"

"انہیں بہت کچھ معلوم ہے۔ بس ہماری کمین گاہ کا علم نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے امید افزا پہلو کی نشان دہی کی۔

"ہمیں عجلت اور گھبراہٹ میں الٹے سیدھے فیصلے کرنے کی ضرورت نہیں" اول خان نے حتمی طور پر اپنا فیصلہ صادر کردیا "ڈینی آج رات جان ایشکوف سے اپنی مجوزہ ملاقات کے بعد یہاں نہیں آئے گا۔ بقیہ سب کچھ جوں کا توں رہے گا۔ حالات سازگار ہونے پر کچھ اور سوچا جائے

حسین سے حسین تر بننے کیلئے

چہرے کے فاضل بالوں کو ہمیشہ کیلئے ختم کرتی ہے

برسہا برس کے تجربے اور تحقیق کے بعد ۲۰ قیمتی جڑی بوٹیوں کے اجزاء اور عرقیات سے تیار کردہ بہد نما بادام دھوبں، مہاسوں کو بھی صاف کر کے چہرے کی رنگت نکھارتی ہے۔

گلیسی بادامی کریم

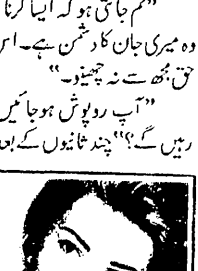

اسٹاکسٹ:

- خواجہ اسٹور ایپو لیس مارکیٹ صدر کراچی
- صدر میڈیکل اسٹور ایپو لیس مارکیٹ صدر کراچی
- مسلم جنرل اسٹور لیاقت مارکیٹ لیلیٰ کراچی
- فرائیس لیاقت مارکیٹ لیلیٰ کراچی
- قمری دواخانہ ایپو لیس مارکیٹ صدر کراچی
- قمری اسٹار جنرل اسٹور مدینہ چوک، ریشم بازار حیدرآباد
- نیو ہلی دواخانہ گولبہ روڈ سکھر
- پیرزادہ میڈیکل اسٹور بیراج روڈ سکھر
- طاہر شاپنگ سینٹر ریل بازار فیصل آباد
- علی بوتیک اسٹور انجم موزا لاہور
- ایس اے بوتیک اسٹور ریلوے روڈ لاہور
- راجپوت اور ٹھیلیا بازار سیالکوٹ
- پاکستان جنرل اسٹور گجری بازار گول چوک سرگودھا
- تکبیر بوتی سینٹر مدینہ مارکیٹ ستیانہ روڈ فیصل آباد
- شاہی طبی دواخانہ چنیوٹ بازار فیصل آباد
- پنجاب جنرل اسٹور چندی روڈ سرگودھا
- شہباز جنرل اسٹور مدینہ مارکیٹ ستیانہ روڈ فیصل آباد
- رمضان پنساری کورشالہ روڈ جیجو وقلعی
- علی بوتیک اسٹور سرکلر گجرات
- سٹی بوتیک اسٹور اقبال روڈ کشمیر چوک راولپنڈی
- لطیف کیمسٹ جاندنی چوک راولپنڈی
- مشتاق دواخانہ پاک گیٹ ملتان
- میس بوتیک اسٹور لوہاری چوک جاتیوالی
- المدینہ جنرل اسٹور اچھرہ روڈ راوی
- ابن سینا اسٹور گھنٹہ گھر بازار چیزہ نہ ڈی خان
- شافی دواخانہ اندرون فرید گیٹ شاہی بازار بہاولپور
- نور صادق ایجنٹ سٹور ٹبلی والے چوک بازار ملتان
- ملی بقیہ، ریل اسٹور پیشاور روڈ چکوال
- بادشاہ دی ہٹی ڈھوک کمب راولپنڈی
- خالد دواخانہ صرافہ بازار بہاولپور
- احسن محمود میڈیکل سیالی تھوہ روڈ میرپور
- عوامی دواخانہ مین بازار مظفر آباد آزاد کشمیر
- پوپی پنسار اسٹور بی بی شمس روڈ کوئٹہ
- بی بی پنسار اسٹور بی بی شمس روڈ کوئٹہ
- انعام کیمسٹ شمسی روڈ مردان
- جدید کیمسٹ اسٹور انارکلی کلاتھ مارکیٹ کوئٹہ
- دارالشفا میڈیکل بازار مگھوڑ سوات
- شفا دواخانہ گھنٹہ گھر پشاور

ڈسٹری بیوٹر: ریاضی محمود ۲۹ نیو عالمگیر مارکیٹ شاہ عالم لاہور۔ فون نمبر 7686268 محمد علی دواخانہ ۱۹ لبرٹی شاپنگ سینٹر آبارہ اسلام آباد فون نمبر 5502903 محمد صالحین اینڈ سنز موتی والے چوک بازار ملتان فون نمبر 542173 شاہی طبی دواخانہ بوہڑ بازار راولپنڈی فون نمبر 5505519

گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی پی پارسل منگوانے کے لئے

حکیم اینڈ سنز۔ پوسٹ بکس 2159 کراچی 74600 پاکستان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گا۔"

"تم کہاں جاؤ گے؟" ویرا نے پوچھا۔ باتوں میں الجھ کر وہ یہ بات بھول گئی تھی کہ اس کی مے نوشی کا دورانیہ تمام ہو گیا تھا "ہمیں تمہارے پتے ٹھکانے کا علم ہونا چاہیے تاکہ کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں تم سے مشورہ کیا جا سکے۔"

"میرے مشورے کی کیا ضرورت ہے۔ تم خود بقراط سے کم نہیں ہو" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ہمیں اس موضوع پر زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں" سلطان شاہ بولا "ویسے یہ سامنے کی بات ہے کہ اس وقت ڈینی کے لیے اسٹیشن فور ہی سب سے محفوظ ٹھکانا ہو سکتا ہے۔ وہاں اول خان کی مرضی کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔"

"اتنی خوش فہمی اچھی نہیں ہوتی" اول خان نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا "اسپیشل ٹاسک فورس ایک بے ضابطہ ادارہ سہی لیکن اس کا ڈسپلن بہت زیادہ سخت ہے۔ میں سارے معاملات میں خود مختار نہیں ہوں۔ مجھے کسی کو جواب دہی کرنی پڑتی ہے۔ وہ چاہے تو مجھے اسٹیشن فور سے اٹھا کر بھی پھینک سکتا ہے۔ میں اخلاقی اور منصبی طور پر اسے اپنی ہر اہم کارروائی سے باخبر رکھنے کا پابند ہوں۔"

"یہ تمہاری فرض شناسی ہے مگر ہم لوگ جانتے ہیں کہ تمہارا چیف بھی ڈینی کی صحیح سوچ اور فیصلوں کا معترف ہے۔ وہ کبھی بھی اس کے مفاد کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائے گا۔"

"یہ سب باتیں اس وقت تک درست تھیں جب تک ایس ٹی ایف کا وجود سینۂ راز میں تھا۔ یہ موجود ہے مگر ریکارڈ اور فائلوں پر اس کا کوئی سراغ نہیں ہے۔ اس کے باوجود امریکی جان چکے ہیں کہ یہاں دستور سے ماورا ایک طاقت کام کر رہی ہے۔ ان کا دھیان اس طرف بھٹک گیا تو وہ اپنی ساری توجہ ایس ٹی ایف کے ٹھکانوں پر مرکوز کر دیں گے۔ وہ اس قدر بالادست ہیں کہ ان کے سامنے شدت سے بے بسی کا احساس ہونے لگتا ہے۔"

"ان میں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں جو تم ان کے قصیدے پڑھ رہے ہو؟" ویرا کو اپنی قوم کی وہ تعریف پسند نہیں آئی۔

"یہ قصیدے نہیں، آج کے زمینی حقائق ہیں" اول خان نے افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "اسٹیشن فور کی جانچ پڑتال کے لیے انہیں وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ خلا میں زمین کے مدار پر گھومتے ہوئے مصنوعی سیارچوں میں لگے ہوئے حساس کیمروں سے دنیا کے کسی بھی حصے میں کسی شخص یا چیز کی واضح تصویریں لے سکتے ہیں۔ روایتی طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ خلا سے کسی زمینی ریگستان میں گری ہوئی سوئی تک کا سراغ لگا سکتے ہیں۔ یہ سنی سنائی باتیں نہیں ہیں۔ آج کے اجلاس میں جان ایشکوف نے سب حاضرین کو امریکا کی ان صلاحیتوں کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ اپنے اسی بے مثال مواصلاتی نیٹ ورک کے ذریعے ڈینی کا سراغ لگانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے انہیں ڈینی کی تصاویر، فنگر پرنٹس اور دوسرے ڈیٹا کی ضرورت ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے یہ ریکارڈ اپنے کمپیوٹروں میں ڈال دیا تو ڈینی کے کھلے آسمان تلے آتے ہی مواصلاتی کیمرے اپنے زمینی اسٹیشنوں کو اطلاع دے دیں گے کہ مطلوبہ آدمی اس وقت فلاں مقام پر موجود ہے۔ اس کے بعد ہونے والی کارروائی کا انحصار امریکیوں کی مرضی پر ہوگا۔ وہ اس نشانے پر راکٹ داغیں، میزائل چلائیں، طیارے سے بمباری کریں یا کوئی چاق و چوبند زمینی دستہ بھیج کر اپنے شکار کو زندہ پکڑنے کی کوشش کریں۔"

"غزالہ جھرجھری لے رہی تھی۔" ویرا نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا پھر یک بہ یک سنجیدہ ہو گئی "تم نے بہت بھیانک منظر کشی کی ہے۔ اگر یہ سب درست ہے تو روئے زمین کا کوئی کونا امریکیوں کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے۔ وہ گھر بیٹھے سب کچھ جان لیتے ہیں۔"

"اکلوتی سپر پاور ہونے کے اسی زعم نے ان کا دماغ خراب کیا ہوا ہے اور وہ ہر ایک پر غراتے رہتے ہیں" سلطان شاہ بولا۔

"سوال یہ ہے کہ دنیا کے سارے ممالک اس بات پر احتجاج کیوں نہیں کرتے کہ امریکی سیارے ان کے اوپر سے گزرتے ہیں یا ان پر ٹھہرے ہوئے ہیں" غزالہ نے پوچھا۔

"ساری گڑبڑ یہ ہے کہ خلا تک دنیا کے چند گنے چنے ممالک کی رسائی ہے اور ایک عالمی معاہدے کے تحت خلا پر کسی جغرافیائی حد کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ترقی یافتہ ملکوں کو خلا میں امن کے نام پر من مانی کرنے کی آزادی حاصل ہے۔ زمین کے گرد پھیلے ہوئے فضائی غلاف کی کل اونچائی ڈھائی سو میل ہے جبکہ ساری فضائی سہولتیں دس پندرہ میل سے زیادہ اوپر نہیں جاتیں کیونکہ بلندی بڑھنے کے ساتھ ایندھن کو جلانے والی آکسیجن کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ ایسے میں کون ڈھائی سو میل سے آگے خلا میں جائے گا۔"

"تمہیں اس بارے میں خاصی معلومات حاصل ہیں۔ اس وقت امریکا کے گن گا رہے ہو؟" ویرا نے ہلکے سے استہزا کے ساتھ کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ بہت موٹی موٹی اور بنیادی باتیں ہیں جو شاید سائنس پڑھنے والے بچے بھی جانتے ہوں گے۔ یہ باتیں کسی بارکی یا تکنیکی الجھن کے بغیر سمجھ میں آجاتی ہیں۔ پہلے ان خلائی ترقیوں میں روس' امریکا کا سب سے بڑا حریف ہوا کرتا تھا۔ جب سے امریکا نے مجاہدوں کی بھاری مالی اور فوجی مدد کرکے اسے افغانستان میں جوتے لگوائے ہیں' میدان خالی ہوگیا ہے اور امریکا اس میدان میں سب پر سبقت لے گیا ہے۔"

"جلال نے اجلاس میں جان کا جو رویہ بتایا ہے وہ آنے والے دنوں میں بھیانک واقعات کی غمازی کررہا ہے۔ القاعدہ اور اس کی قیادت کو سی آئی اے نے جان جیسے افسروں کے ذریعے پال پوس کر توانا کیا ہے۔ اب وہ ان کے خلاف زہر اگل رہے ہیں۔ یہ تیور اچھے نہیں ہیں۔" میں نے تشویش سے کہا۔

"اس وقت آپ اپنی ساری توجہ اپنے تحفظ پر مرکوز رکھیں۔" غزالہ نے چڑ کر کہا "سی آئی اے دنیا کی ایک ہزار بالا ہے جو جگہ جگہ اپنے پنجے گاڑے بیٹھی ہے۔ وہ ہر جگہ امریکی مفادات کے لیے کام کررہی ہے اور اس کے لیے مہرے آگے پیچھے کرتی رہتی ہے۔ آپ کو ان باتوں میں سر کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"غزالہ کا مشورہ بہت مناسب اور بروقت ہے۔ تمہیں ہر قیمت پر خود کو بچانا ہے۔ دوسری باتوں کو بھول جاؤ۔" اول خان نے کہا۔

"آج رات کی مہم پر ہم تینوں میں سے کون کون تمہارے ساتھ جائے گا؟" ویرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کوئی نہیں۔ مطلع صاف ہونے تک تم تینوں میرے سائے سے بھی دور رہو گے۔" میں نے اس کی مخمور آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہاری کمک کے طور پر ایس ٹی ایف کے کچھ مسلح آدمی پیچھے رہ کر حالات پر نظر رکھیں گے۔" سلطان شاہ نے لب کشائی کی "ہم تینوں ان کی صف میں شامل ہو کر آسانی سے خود کو پوشیدہ رکھ سکتے ہیں۔ ہماری واپسی بھی ان کے ساتھ ہوگی۔"

"نہیں۔ میں اس کے خلاف ہوں۔" اول خان نے سختی سے کہا "ڈینی کو متوقع خطرات کا صحیح ادراک ہے۔"

"ہم تم سے کہاں اور کیسے رابطہ کریں گے؟" ویرا کی نظروں میں تشویش کے سائے لرزاں تھے۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ کال سینسنگ ڈیوائس کی ڈبیا میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ جہاں سے موقع ملا' تم لوگوں سے رابطہ کراؤں گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"اب سات بجنے والے ہیں۔ تم ان لوگوں کے ساتھ اپنی تیاری کرو اور مجھے تخلیہ فراہم کردو۔" اول خان نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "وقت کم رہ گیا ہے۔ مجھے نو بجے کے بے داغ پروگرام کے لیے کئی جگہ بات کرنی ہوگی۔ علاقہ پولیس کی شمولیت کا مرحلہ شاید سب سے دشوار ہوگا۔"

میں صوفے سے اٹھ گیا۔ اول خان کی بے لاگ ہدایت کے بعد ڈرائنگ روم میں کسی کے رکنے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

"اب تم جا ہی رہے ہو تو کچھ دیر کے لیے میرے ساتھ بیٹھو۔" ڈرائنگ روم سے باہر نکلتے ہی ویرا نے غزالہ کی موجودگی کی پروا کیے بغیر' ڈھٹائی سے میرا بازو تھام کر مطالبہ کردیا "بھارت کی تنہائی نے میرے ذہن میں خاصا غبار بھر دیا ہے جس کا اب صاف ہونا ضروری ہوگیا ہے۔"

میں نے بے چارگی سے غزالہ کی طرف دیکھا۔ اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر مجھے اجازت دے دی۔

"میرے لیے بس اتنی تیاری کردو جتنی دہلی کے لیے کی تھی۔" میں نے ویرا کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے غزالہ سے کہا "میرے بیگ میں سی ایس ڈی رکھنا نہ بھولنا۔"

"سب ہوجائے گا۔ مرے کیوں جارہے ہو۔" ویرا نے میرے بازو میں چٹکی لے کر سرگوشی کی۔

میں نے بے چارگی سے اس کی طرف دیکھا "کبھی کبھی تم مجھے سب کے سامنے تماشا بنادیتی ہو۔"

ویرا ہنس پڑی "میں تمہیں ذبح کرنے نہیں لے جارہی ہوں۔ تم نے اپنے چہرے پر مظلومیت کیوں طاری کرلی ہے۔"

"میرا یہ ردِعمل فطری ہے۔ تمہاری محبت سے بھی عجیب طرح کی سفاکی اور برتری جھلکتی ہے جو کبھی کبھی خوف زدہ کرنے لگتی ہے۔"

اس بار وہ پُرغرور انداز میں زیادہ زور سے ہنسی تھی۔ اس نے اپنی رسٹ واچ پر ایک نگاہ ڈالی اور دھیرے سے بولی "ابھی ایسی محبت کے اظہار کا وقت نہیں ہے۔ تم بار بار یہ بات بھول جاتے ہو کہ جب میں نے پہلی بار تمہیں پسند کیا تھا تو میں ویرا نہیں بنی تھی' تمہاری بلیک کوئن ہوا کرتی تھی جس کے نام سے بڑے بڑے بدمعاشوں کے پیشاب خطا ہوجاتے تھے۔ تم یہ سوچ کر خوش ہورہے ہو گے کہ تم نے بلیک کوئن کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دل جیت لیا اور مجھے اس احساس سے لذت مل رہی تھی کہ میں اپنے ایک اور پسندیدہ مرد کو اپنے قدموں میں جھکانے میں کامیاب ہوگئی۔ مردوں کو رجھانا' اپنی خلوت میں لانا اور دل بھر جانے پر انہیں ٹھوکر مار کر نکال دینا میرا محبوب ترین مشغلہ تھا۔"

اس نے میرے اندر پہنچنے کے بعد کمرے کا دروازہ بند کرلیا تھا۔

"تم کو اپنے ماضی پر شرم آنی چاہیے۔ پتا نہیں کہ تم کس مٹی کی بنی ہوئی ہو کہ ان باتوں کو فخر سے یاد کرتی ہو۔" میں نے ملامت بھری نظروں سے اسے گھورا۔

"مجھے فخر ہے کہ میں وہی بنی جو میرے ناجائز باپ نے چاہا تھا۔ تم بھی میرے اسی ماضی کی دریافت ہو۔ غزالہ سے تمہاری شادی ہوجانے کے باوجود مجھے اپنے اس انتخاب پر کوئی ملال نہیں ہے۔ تم نے مجھے میرے ماضی سے نکال کر ویرا بنایا ہے۔ میں تمہیں ٹوٹ کر چاہتی ہوں۔"

وہ دروازے کی اوٹ میں یوں میرا راستہ روکے کھڑی تھی کہ باہر سے کوئی اچانک دروازہ کھول دیتا تو پٹ میرے پہلو سے ٹکرا کر رک جاتا اور آنے والا ہم دونوں کو اس حالت میں روبہ رو کھڑا ہوا نہ دیکھ پاتا۔

"معلوم ہے.... مجھے معلوم ہے۔" میں نے جھلا کر کہا "تم یہ بات موقع بے موقع کیوں جتاتی رہتی ہو؟"

"تاکہ تمہارا حافظہ تازہ رہے۔ تم غزالہ کے سحر انگیز وجود کی حرارت میں ڈوب کر مجھے بالکل فراموش کردیتے ہو اور میں اکیلی پڑی' رقابت کے انگاروں پر لوٹتی رہتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اچانک والہانہ انداز میں میرے سینے سے لپٹ گئی۔ اس نے اپنا چہرہ میرے سینے میں گھسالیا تھا۔

"خدا کا خوف کرو ویرا۔" میں نے اس کے جوان درعنا وجود کی تپش سے گھبرا کر کہا "دروازہ مقفل نہیں ہے۔ کوئی آگیا...."

اس نے میری بات درمیان سے کاٹ دی اور ایک گہرا سانس لے کر سرگوشیانہ آواز میں بولی "میں نے تمہیں دھکیل کر دروازے سے لگا دیا ہے۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ اُف! کس قدر سکون مل رہا ہے تمہیں خود سے اتنے قریب پاکر۔"

میری چھٹی حس محسوس کرچکی تھی کہ اس کے تیور خراب ضرور تھے مگر بہت زیادہ خراب نہیں تھے۔ بات حد سے زیادہ بڑھنے کے امکانات نہیں تھے۔ میں نے اس خوب صورت بلا سے سختی برتنے کے بجائے نرمی سے اپنی بانہوں میں لیا اور الگ کردیا۔

وہ زبان سے کچھ کہے بغیر صوفے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے قدم تھکے تھکے سے تھے۔ میں بھی خاموشی سے صوفے پر الگ تھلگ جا بیٹھا۔ تپائی پر اسکاچ کی نصف بوتل کے ساتھ گلاس اور آئس پاٹ بھی رکھا ہوا تھا۔ وہ خاموشی سے اپنے لیے نیا پیگ تیار کرنے میں مصروف ہوگئی۔

"تم یہاں اپنا شوق پورا کرنے کے ارادے سے آئی ہو۔ مجھے بلاوجہ کیوں روکا ہوا ہے؟" میں نے کچھ دیر کی خاموشی میں سگریٹ سلگا کر کہا۔

"تمہاری موجودگی سے میرے دل کو ڈھارس سی ملتی ہے۔ کچھ دیر یوں ہی بیٹھے رہو گے تو تمہارا کیا بگڑ جائے گا!"

"بہت کچھ بگڑ جائے گا۔ سب سے زیادہ اول خان بگڑے گا۔ وہ آیا ہوا ہے اور میں اسے اکیلا چھوڑ کر تمہارے ساتھ کمرے میں بند ہوگیا ہوں۔"

"وہ کیوں بگڑے گا۔ اس نے تو خود تخلیے کی خواہش ظاہر کی تھی۔" ویرا تیوریاں چڑھا کر بولی۔

"تخلیے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں اسے عضو معطل سمجھ کر بھول جاؤں۔ فون سے فارغ ہو کر وہ مجھ سے مشورہ کرنا چاہے گا۔"

"تمہیں چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔" گلاس سے ایک گھونٹ لینے کے بعد وہ کسمساتے ہوئے بولی۔

"تمہارا واحد اور اکلوتا مرض تنہائی ہے۔ میری بات مانو تو اپنا گھر بسالو۔ تمہاری ہر بیشانی دور ہوجائے گی۔"

"میں گھر بھی بسالوں مگر پسند کا کوئی مرد کہاں ہے!" اس نے عجلت میں گلاس سے دوسرا گھونٹ لے کر حسرت سے کہا "تم سے دل لگایا تو مکاؤ کے ڈون نے تمہاری اور غزالہ کی شادی کرا دی۔ اگر اول خان کنوارا ہوتا تو میں اس سے شادی کرلیتی۔"

اس کا جواب سن کر میری کھوپڑی چکرا گئی۔ لاہور میں جلال اس کے سر پر سوار ہوگیا۔ اس وقت ویرا نے پہلی بار اول خان کے لیے کسی قسم کی ذاتی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ میں نے حیرت سے پوچھا "اول خان تمہیں اچانک کیسے یاد آگیا؟"

"مجھے مضبوط' بانکے اور سختی سے اپنا فیصلہ نافذ کرنے والے مرد اچھے لگتے ہیں۔ ان کی انا کو ختم کرکے جھکانا مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔"

"ایک بات تم بھول رہی ہو۔" میں نے طنز سے کہا "تمہاری پسند کے مرد کا شادی شدہ ہونا بھی ضروری ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ لاشعوری اتفاق ہو سکتا ہے یا شاید مرد کی مردانگی پر شادی کے بعد ہی صحیح نکھار آتا ہے۔" اس نے کسی شرمندگی کے بغیر جواب دیا "شادی شدہ مرد ایک عورت کی ذہنی اور جسمانی ضرورتوں کو زیادہ اچھی طرح سمجھتا ہے اور انہیں پورا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔"

"تم بہت تجزیہی ذہن کی مالک ہو۔" میں نے ملامت سے کہا "ان باتوں سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ تم اپنا گھر بسانے کے لیے کسی نہ کسی کا گھر اجاڑو گی۔"

"یہ ضروری نہیں ہے۔ تمہارے مذہب میں چار شادیوں کی اجازت کا فلسفہ اب میری سمجھ میں آ رہا ہے۔ یہ مرد کے ساتھ بعض عورتوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔"

میں اٹھ گیا "میں نے تمہیں کافی وقت دے دیا۔ تمہارے معدے میں اترنے والی تازہ الکحل اب نیا رنگ دکھا رہی ہے۔ تم پیو۔ میں اول خان کو دیکھتا ہوں۔"

وہ مجھے روکتی رہ گئی مگر میں اس کی خواب گاہ کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

میں نے ڈرائنگ روم میں جھانکا تو اول خان فون پر کسی سے باتیں کرنے میں مصروف تھا۔ میں نے ٹھٹک کر واپس لوٹنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اول خان نے مجھے دیکھ کر اشارہ کیا اور میں خاموشی سے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔

وہ کسی کو ٹھیک سوا نو بجے مندر کے پاس پہنچنے کی تاکید کر رہا تھا۔ میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ پولیس کے محکمے کے کسی اعلیٰ افسر سے بات کر رہا تھا۔

"سب کچھ طے ہو گیا۔" اول خان نے فون پر بات ختم ہونے کے بعد مجھے آگاہ کیا "پولیس وہاں ٹھیک سوا نو بجے مداخلت کرے گی۔ تمہیں بہت کم وقت میں اپنا کام مکمل کر کے وہاں سے غائب ہونا ہے۔ تمہیں نکلنے میں تاخیر ہوئی تو پولیس تمہیں بھی دھر لے گی۔ تم نے وقت سے پہلے کام دکھا دیا تو جان اور اس کے ساتھیوں کو وہاں سے نکلنے کا موقع مل جائے گا اور یہ واقعہ اپنی پوری جزئیات کے ساتھ پولیس ریکارڈ پر نہیں آ سکے گا۔"

"اگر تمہارا بندوبست پکا ہے تو سب کچھ ذرا سی دیر میں ہو جائے گا۔" میں نے خوشی کے ساتھ جواب دیا "ہم کو یہاں سے آٹھ بجے نکل جانا چاہیے کیونکہ فاصلہ بہت لمبا ہے۔"

"وہ علاقہ ساڑھے آٹھ بجے سے میرے آدمیوں کی کڑی نگرانی میں آ جائے گا۔" اول خان نے بتایا "وہاں کوئی بھی غیر معمولی نقل و حرکت دیکھنے میں آئی تو وہ وائرلیس ٹرانسمٹر پر فوراً مجھے خبر دے دیں گے۔ انہیں سختی سے کہہ دیا گیا ہے کہ وہ فائرنگ میں پہل نہیں کریں گے۔"

"مجھے شبہ ہے کہ جان بھی کوئی بڑا خطرہ مول نہیں لے گا۔ اس کے آدمی پہلے سے اپنے مورچے سنبھال لیں گے۔ وہ کتنا ہی ڈفر ہو اس خام خیالی میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ عبدالماجد الحسینی سے ملنے میں اس کے لیے کوئی خطرہ پوشیدہ نہیں ہے۔"

"مجھے بس ایک ہی ڈر ہے۔" اول خان نے میری تردید کیے بغیر اپنے خدشے کا اظہار کیا "دونوں طرف سے عقابی نگاہیں رکھنے والے تجربے کار آدمی میدان میں اتارے جائیں گے اس لیے ڈر ہے کہ وہ ایک دوسرے کی موجودگی نو بجے سے پہلے بھانپ لیں گے۔"

"نو بجے سے پہلے وہ آپس میں ٹکرا گئے تو پورا کھیل تباہ ہو جائے گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"فائرنگ میں پہل نہ کرنے کا حکم دے کر میں نے اسی خطرے کا تدارک کیا ہے۔ اگر انہوں نے کسی بنا پر ایک فائر بھی کر دیا تو وہ پُرسکون ساحلی علاقہ بارودی نغموں سے گنگنا اٹھے گا۔" اول خان پر تشویش لہجے میں بولا۔

روانگی کا وقت سر پر چلا آ رہا تھا۔ اول خان نے چائے کے لیے آواز لگائی تو غزالہ دوڑی چلی آئی۔ ویرا اس وقت جن جہانوں کی سیر کر رہی تھی وہاں تک اول خان کی آواز کی رسائی نہیں تھی۔

اول خان کی سرکاری گاڑی بہت بہتر حالت میں تھی اور تیز رفتار تھی۔ اس کے پیشہ ورانہ فرائض کی نوعیت کی وجہ سے نشستوں کے نیچے ہتھیاروں اور فاضل میگزین کا خاصا ذخیرہ موجود رہتا تھا۔ طے یہ پایا کہ اس مہم میں اسی کی گاڑی استعمال کی جائے۔

ٹھیک آٹھ بجے ہم گھر سے باہر نکل چکے تھے۔ اس وقت تک ویرا کی آنکھوں کا خمار گہرا ہو چکا تھا مگر اتنا گہرا نہیں ہوا تھا کہ وہ ہمیں الوداع کہنا بھول جاتی۔ اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے میرا دل چاہا کہ اسے شادی شدہ مردوں کی لشکاری کے نام سے مخاطب کروں مگر از خود وہ ارادہ بدل دیا۔ اس نازک مرحلے پر وہ بھڑک اٹھتی تو فضا خاصی مکدر ہو سکتی تھی۔

اول خان نے اس رہائشی بلاک کی اندرونی گلیوں سے گاڑی مین روڈ پر نکالی اور ہم تیزی سے یونیورسٹی روڈ پر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

میرا خیال تھا کہ اس وقت شہر سے آنے والے راستوں پر گاڑیوں کا ہجوم ہو گا لیکن شہر جانے والی گاڑیوں کی تعداد بھی کم نہیں تھی۔ کچھ دور نکلنے کے بعد اول خان اپنی رفتار برقرار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہ رکھ سکا۔ ٹریفک کی بھیڑ میں مجموعی رفتار سے تجاوز کرنا کسی طرح ممکن نہیں تھا۔

"وہاں دو پل ہیں۔" راستے میں، میں نے اپنی منزل کا نقشہ ذہن میں جماتے ہوئے کہا "پرانے متروک پل کے بائیں جانب مندر ہے جس کی سیڑھیاں سمندری پانی تک چلی گئی ہیں۔ اس سے اوپر نیا پل ہے جہاں دن رات کودی کا بھاری ٹریفک رواں رہتا ہے۔ تمہارے آدمی کہاں ہوں گے؟"

"دونوں جگہ۔" اول خان کا جواب تسلی بخش تھا۔ "وہ سب گداگروں اور ہیرو پنجیوں کے روپ میں وہاں پھیلے ہوئے ہوں گے۔ نیا پل ان کا بہترین مورچا ثابت ہوگا۔ وہاں سے ان کی نگاہوں اور ہتھیاروں کی رینج میں بہت اضافہ ہوجائے گا۔ میرے آدمیوں پر گولی چلائی گئی تو جان کے ساتھیوں میں سے ایک بھی بچ کر نہیں جاسکے گا۔"

"ایسی مایوسانہ باتیں نہ کرو۔" آج کی رات گولیوں کے تبادلے کے بغیر سب کچھ نمٹ جائے تب ہی ہم خود کو کامیاب سمجھ سکتے ہیں۔"

مصروف پل کے کنارے چادروں اور کمبلوں میں لپٹے ہوئے گداگر جو اپنی گدڑیوں میں آتشیں ہتھیار چھپائے موقع کے منتظر ہوں اور پل کی بلندی سے دشمن کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے ہوں۔ وہ اول خان کے زرخیز ذہن کا شاندار منصوبہ تھا جو جنگی اعتبار سے ناقابل شکست تھا۔

ہماری گاڑی مولوی تمیز الدین خان روڈ سے ہوٹل بیچ لگژری کی طرف گھومی تو ٹریفک کا بہاؤ اچانک کم ہوگیا۔ اس وقت نو بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ اول خان نے راستے میں طے کیے ہوئے پروگرام کے مطابق اپنی گاڑی ہوٹل بیچ لگژری کے احاطے کے سامنے والی فٹ پاتھ کے کنارے پارک کردی۔ وہاں سے چند منٹ کا بقیہ راستہ ہمیں پیدل طے کرنا تھا۔

"میں نے بہت سی مہمات سر کی ہیں لیکن آج میں عجیب سی سنسنی محسوس کررہا ہوں۔" مندر کی طرف جانے والے راستے پر چلتے ہوئے اول خان بولا۔

"میری دانست میں آج تو سرے سے کوئی مہم درپیش ہی نہیں ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ اپنی اس رات کی منزل کے قریب پہنچ کر میں خود کو بہت ہلکا اور پرسکون محسوس کررہا تھا۔ ذہن پر چھائے ہوئے تفکرات کے بادل اچانک چھٹ گئے تھے اور ہر نکتہ بہت واضح نظر آرہا تھا۔

"یہی تو چکر ہے۔ ہمیں کسی کو اٹھانا ہے نہ مارنا ہے۔ بس ذرا سی بے ضرر ہاتھا پائی کرکے لوٹ آنا ہے۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔"

"ہوا کرے لیکن اللہ کی رضا سے پورا ہوگا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

راستہ زیادہ لمبا نہیں تھا۔ خم دار سڑک کے کنارے ٹہلتے ہوئے ہم مندر کے قریب پہنچے تو ہمارے درمیان فاصلہ پیدا ہوچکا تھا۔ اول خان آگے چلا جارہا تھا۔ میں اس سے چند قدم پیچھے، مستانہ انداز میں سگریٹ پیتا ہوا چل رہا تھا۔

اس خم دار سڑک سے آگے جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ متروک پل سے گزرتی ہوئی شاید کسی اگلی ریلوے لائن پر ختم ہورہی تھی۔ ہم دونوں اسی ترتیب سے آگے پیچھے چلتے ہوئے مندر سے آگے نکلے۔ اول خان ایک منڈیر پر بیٹھ گیا۔ میں بلاوجہ پان سگریٹ والے کیبن کے پاس جارکا۔

میری رسٹ واچ ٹی وی کے وقت سے ملی ہوئی تھی۔ اس میں نو بجنے میں صرف ایک منٹ باقی رہ گیا تھا۔ جان ایشکوف یا کسی اور سفید فام کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

میں دکان دار سے سگریٹ لے کر اس کے پیسے ادا کررہا تھا کہ اول خان کی سیٹی کی مخصوص آواز سن کر میرے کان کھڑے ہوگئے۔ میں نے اس آواز پر فوراً پلٹنے کی حماقت نہیں کی۔ دکان دار سے اپنا لین دین مکمل کرکے میں بے پروایانہ انداز میں گھوما تو سڑک کے کنارے ایک پیلی ٹیکسی کے قریب مجھے ایک دراز قامت اور تندرست سفید فام کھڑا نظر آیا۔ وہ جان ایشکوف کی بتائی ہوئی نشانیوں کے عین مطابق سر سے پیر تک سیاہ کپڑوں میں ملبوس تھا۔

پیلی ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ پر گھنگھریالے بالوں والا ایک مکرانی بیٹھا ہوا تھا جس کے بدن پر شاید قمیص شلوار رہی ہوگی۔ وہ اپنی نشست پر بیٹھا ہوا تھا اس لیے مجھے اس کا پورا لباس نظر نہیں آرہا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ جان ایشکوف نے اس مہم کے لیے ساری احتیاطی تدابیر کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک مقامی مکرانی کی ٹیکسی کا انتخاب کیا تھا۔

جان ایشکوف ٹیکسی سے اتر کر متجسسانہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اسے کوئی بھٹکا ہوا فراخ دل سیاح سمجھ کر آس پاس سے دو بچے اور ایک شخص ہاتھ پھیلائے اس کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ میں تیزی سے اپنے شکار کی طرف بڑھ گیا۔

میرے خدوخال کسی بھی طرح یمنی نہیں تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے دیکھتے ہی بھڑکے گا۔ اسے وہاں سرخ سوزوکی کیری کی تلاش تھی جس کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

"جان! میں عبدالماجد الحسینی کا آدمی ہوں۔" میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔

نخوت سے اس کی بھویں تن گئیں اور اس نے میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑھتے ہوئے ہاتھ کو نظرانداز کرکے امریکی لہجے میں کہا "مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا بک رہے ہو۔"

"وہ اس طرف تمہارا منتظر ہے۔" میں نے سمندری پانی پر چمکتی ہوئی ریلنگ کی طرف اشارہ کیا۔

"ہینڈز اپ یو باسٹرڈ!" اچانک میرے کانوں کے نیچے کالے امریکیوں والے مخصوص لب ولہجے میں ایک تیز سرگوشی گونجی اور قمیص شلوار میں ملبوس امریکی میرے پہلو سے آلگا۔ اس کی جیب میں چھپے ہوئے پستول یا ریوالور کی بے رحم آہنی نال میرے کولہے میں چبھ رہی تھی۔

پہلی ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ طلسماتی طور پر اچانک خالی ہوچکی تھی۔ مجھے اپنے ہتھیار کی زد پر لینے والا کوئی مقامی نگرانی نہیں' خاص امریکی کالا تھا جس نے تیزی سے بولتے ہوئے ہر لفظ کا آخری حصہ حلق ہی میں روک لیا تھا۔ وہ واقعی بہت پھرتیلا تھا اور اس انداز میں مجھ سے لگا کھڑا تھا کہ تحیرزدہ بھکاریوں کو بھی بدلی ہوئی سنگین صورتِ حال کا ادراک نہیں ہوسکا تھا۔

"گو.... گٹ اوسٹ!" جان ایشکوف نے بھکاریوں کی طرف زور سے ہاتھ لہرا کر اپنا ایک پیر سڑک پر مارا اور وہ تینوں ڈر کر دور بھاگ گئے۔

میں نے کالے کے حکم پر اپنے ہاتھ سر سے اوپر اٹھانے کے بجائے اپنے جسم سے ذرا آگے بڑھا کر ہتھیلیاں پھیلا دی تھیں۔ میری نگاہیں بہت تیزی کے ساتھ اول خان کو تلاش کررہی تھیں مگر وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر کہیں غائب ہوچکا تھا۔

"بات نہ بگاڑو۔ یہاں سے ہٹ کر ہم بات کرسکتے ہیں۔ بلاوجہ لوگوں کی نظریں ہماری طرف اٹھ رہی ہیں۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

کالا اپنے کام میں ماہر تھا۔ وہ اس دوران میں میرے کپڑوں پر ہاتھ پھیر کر یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ میرے لباس میں کوئی ہتھیار پوشیدہ نہیں تھا۔ اس نے میری جامہ تلاشی ایسی ماہرانہ چابک دستی سے لی تھی کہ کسی دیکھنے والے کو اس کی اصل کارروائی کا اندازہ نہیں ہوسکا ہوگا۔

"اب اسی طرح میرے ساتھ چلتے رہو۔ تم نے ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میرے ساتھی کی بے خطا گولی تم کو جہنم میں پہنچا دے گی۔" اس بار جان غرایا۔ میں نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ میں خود بھی ایسے کسی گوشے میں پہنچنے کا خواہاں تھا جہاں اندھیرے میں کوئی ہمیں نہ دیکھ سکے۔

میں جان کے ساتھ چل رہا تھا۔ کالا میرے بدن سے الگ ہوگیا تھا مگر قدموں کی چاپ بتا رہی تھی کہ وہ ہمارے پیچھے آرہا تھا۔

ہم اینوں کی شکستہ دیوار پار کرکے اس راستے پر بڑھ گئے جس کے دونوں طرف پائپ کی مضبوط ریلنگ چمک رہی تھی اور نیچے سمندر کا گہرا' گدلا پانی موجود تھا۔ میری دلی آرزو تھی کہ میں کسی طرح جان کو کسی ریلنگ کے تاریک حصے تک لے جاسکوں۔

میرے ذہن میں گھڑی کی سوئیاں بھی ناچ رہی تھیں۔ وہ کھیل شروع ہوئے تقریباً دو منٹ ہوچکے تھے۔ صرف تیرہ منٹ بعد مقامی پولیس کو وہاں آجانا تھا۔ مجھے وہ مدت پوری ہونے سے پہلے پہلے اپنا کام مکمل کرکے وہاں سے نکلنا تھا۔

"اب بتاؤ کہ تم کس حرامی دغاباز کا ذکر کررہے تھے۔" ایک نیم تاریک حصے سے گزرتے ہوئے جان نے سفاکی سے کہا۔

"کالے ہڈ والی لال سوزوکی کیری خراب ہوگئی ہے۔ عبدالماجد اس پل کے نیچے سے گزرنے والے پائپوں پر...."

میری بات ادھوری رہ گئی۔ پیچھے سے تیز پھنکار اور دھمک کی آواز سن کر میرے ساتھ جان بھی بری طرح چونک پڑا۔

ہم دونوں ایک ساتھ پیچھے گھومے اور یہ دیکھ کر میرا دل خوشی سے بلیوں اچھل پڑا کہ اول خان نے نیم تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے' عقب سے سیاہ فام امریکی پر مارشل آرٹ کا کوئی خطرناک وار کیا تھا جس کے نتیجے میں سیاہ فام کوئی قابلِ ذکر آواز پیدا کیے بغیر تیورا کر نیچے ڈھیر ہوگیا تھا۔

اول خان کالے کو ڈھیر کرنے کے بعد رکا نہیں۔ دو لمبے ڈگ بھر کر ہمارے سر پر آپہنچا "سیدھے ہوکر چلتے رہو ورنہ تمہیں بھی اس حشر کا سامنا کرنا ہوگا۔" وہ جان ایشکوف کو گھورتے ہوئے انگریزی میں غرایا۔ اس کی آواز میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ جان کچھ کہے بغیر ایڑیوں پر گھوما اور میرے ساتھ ہولیا۔

وقت تیزی سے گزرا جارہا تھا۔ ہماری مہلت لمحہ بہ لمحہ کم ہورہی تھی۔ سوا نو بجے پولیس کو دخل انداز ہونا تھا۔ میں تیزی سے ریلنگ کی طرف ہولیا۔

"تم کون ہو؟" صورتِ حال تبدیل ہونے کے بعد جان کے لب ولہجے میں پہلی بار فکر و تشویش کا عنصر ابھر آیا۔

"عبدالماجد الحسینی کا ایک ادنیٰ خادم۔ سیدھے چلتے رہو۔ وہ تمہارا منتظر ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"تم سب فراڈ معلوم ہوتے ہو۔ تم یمنی ہو نہ عرب۔ یہ سب مقامیوں کا چلایا ہوا کوئی چکر معلوم ہوتا ہے۔" وہ بہت فکرمند تھا۔

"ہمارے گروہ میں عرب' امریکی' اطالوی اور مقامی۔ سب شامل ہیں۔ ہم ایک برادری کی طرح کام کرتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اسے الجھائے رکھنے کے لیے کہا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ میں خود الجھا ہوا تھا۔ اول خان کے چھپے ہوئے مسلح آدمیوں کی موجودگی میرے علم میں تھی۔ میرے لیے یہ ماننا ناممکن تھا کہ جان وہاں صرف ایک آدمی کے ساتھ آیا ہوگا۔ اس کی حفاظت کے لیے بھی کچھ نہ کچھ آدمی آئے ہوں گے۔ ان کی نگاہیں جان اور کالے پر لگی ہوئی ہوں گی۔ کالا گرا دیا گیا تھا اور جان ہم دونوں کے رحم و کرم پر رہ گیا تھا۔ اس کے آدمی اس نازک موڑ پر کیوں خاموش تھے؟ ان کی وہ پراسرار خاموشی مجھے اندیشوں میں مبتلا کر رہی تھی۔

میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس وقت جان کے آدمیوں کی خاموشی کا صرف ایک سبب میری سمجھ میں آرہا تھا کہ کالے کو گرائے جانے کے بعد بھی ہماری پیش قدمی کی سمت وہی تھی جس کا انتخاب ان دونوں نے اپنی مرضی سے کیا تھا۔ شاید جان کے پوشیدہ محافظ اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ کالے کے گر جانے کے بعد بھی حالات جان کے کنٹرول میں تھے۔ ان کے لیے کالے کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس وقت جان کی سلامتی اور اس کے مشن کی کامیابی ان لوگوں کے لیے ہر چیز پر مقدم تھی۔ شاید جان نے انہیں محتاط رہنے کی ہدایت کی ہوئی تھی اور وہ اس وقت تک چھپے رہتے جب تک انہیں جان کے پھنسنے کا شبہ نہ ہوتا۔

ہم ریلنگ کے پاس پہنچ کر رک گئے۔ میں نے اضطراری انداز میں اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ نو بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔ مجھے وہاں سے اول خان کی کار تک پہنچنے کے لیے بھی کچھ وقت درکار تھا۔ اول خان نے جان کی پشت سے مجھے اشارہ کیا اور پنجوں کے بل تیزی سے واپس ہو لیا۔

جان خوف اور بے یقینی سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

"تم وعدہ خلافی کر کے اپنے ساتھ مسلح آدمی لائے ہو اس لیے عبدالماجد الحسینی نے آخری لمحات پر تم سے ملنے کا ارادہ منسوخ کر دیا ہے۔" میں نے اس ساری مشق کے جواز کے طور پر غرا کر اسے بتایا "مجھے سبق سکھانے کے لیے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے۔"

اپنی بات مکمل کرتے ہی میں نے فضا میں اچھل کر اس کی ناک پر ایک ٹکر رسید کی۔ وہ چیخ مار کر پیچھے جھکا پھر اس نے اپنے الٹتے ہوئے وجود کو سہارا دینے کے لیے پائپ کی موٹی ریلنگ تھام لی۔ اسی لمحے کہیں سے کوئی فائر ہوا۔ میرے پاس اس کی سمت دیکھنے کا وقت نہیں تھا۔ اس ابتدائی فائر کی گونج ختم ہونے سے پہلے اس ساحلی ویرانے میں تڑا تڑ گولیاں چلنے لگیں۔

ماحول یکایک گمبھیر ہو گیا۔ فضا میں آگ کی لکیریں اِدھر سے اُدھر تیر رہی تھیں مگر کسی گولی کا رخ ہم دونوں کی طرف نہیں تھا۔ گولیاں برسانے والے ہر فریق کو یہ خوف لاحق تھا کہ ٹارگٹ شوٹنگ کی صورت میں اس کی گولی حریف کے بجائے حلیف کو نہ چاٹ جائے۔

میں نے جھکے ہوئے جان ایشکوف کی ٹانگوں کے درمیان سے، پیچھے سے ہاتھ گزارا اور اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے، اسی ہاتھ کی ہتھیلی سے ریلنگ تھام کر پوری قوت سے اپنے بازو کو اوپر اچھالا۔ جسم کے نازک حصوں پر پڑنے والی اس شدید ضرب پر جان کی بے ساختہ چیخ بہت دلدوز تھی۔ اس کے پیر زمین سے اکھڑ گئے، ریلنگ ہاتھوں سے نکل گئی اور وہ فضا میں سمندر کے پرسکون پانی پر اڑتا ہوا آگے جانے لگا۔

اسی لمحے کوئی بھٹکی ہوئی گولی بجلی کے تار سے ٹکرائی۔ فضا میں تنا ہوا تار ٹوٹنے کا ترنم، تاروں کے آپس میں ٹکرانے کے ہولناک تڑاقوں سے دب گیا۔ تار ٹکرانے سے فضا میں شعلے کوند رہے تھے اور پگھلا ہوا تار شراروں کی صورت میں گر رہا تھا۔ علاقے میں جلنے والی روشنیاں کئی بار دھیمی اور تیز ہوئیں پھر ہر طرف اندھیرا پھیل گیا۔

میں نے جان کے قدم زمین سے اکھاڑتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر واپسی کی دوڑ لگا دی تھی۔ فائرنگ کے بھیانک شور اور برقی دھماکوں میں جان کی دہشت زدہ چیخیں بہت نمایاں تھی۔ میں نے ہر طرف پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں جان کے پانی میں گرنے کا پُر شور چھپاکا سنا۔

جلال نے میرے ہاتھ باندھ دیے تھے۔ میں پاکستان میں اس سازشی کے خلاف کوئی انتہائی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا لیکن میں دل کھول کر اس کی تذلیل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس کھاڑی میں سمندر متلاطم نہیں تھا۔ مجھے امید تھی کہ بیشتر امریکیوں کی طرح جان بھی تیرنا جانتا ہوگا اور کسی نہ کسی طرح قریبی کنارے تک پہنچ جائے گا جہاں کسی بھی لمحے پولیس پہنچنے والی تھی۔ کھارے اور گندے سمندری پانی میں نہائے ہوئے جان ایشکوف اور پولیس افسران کی ملاقات خاصی دلچسپ ثابت ہو سکتی تھی۔

فضا میں اندھیرا پھیلتے ہی فائرنگ کا زور بڑھ گیا۔ دونوں فریقوں میں سے شاید کوئی کسی کے نشانے پر نہیں رہا تھا مگر دونوں طرف سے دل جمعی کے ساتھ گولیاں چلائی جا رہی تھیں۔

میں اندھیرے میں کئی جگہ ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرتے گرتے بچا۔ سڑک کے قریب پہنچنے تک میرے کانوں میں ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوف زدہ چیخوں کی آوازیں بھی آنے لگیں جو وہاں پھنس جانے والے راہ گیروں اور تماشائیوں کی دہشت کا نتیجہ تھیں۔

سڑک پر آنے کے بعد میری رفتار تیز ہوگئی۔ میں بگٹٹ دوڑے جارہا تھا۔ اول خان مجھ سے ذرا پہلے بھاگا تھا۔ اسے اندھیرا ہونے سے پہلے خاصی دور نکلنے کا موقع مل گیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ میرے پہنچنے سے پہلے وہ گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرچکا ہوگا۔

وہ شاید دوڑ کا چیمپئن رہ چکا تھا۔ میرے پہنچنے سے پہلے ہی گاڑی اسٹارٹ کرکے سست رفتار سے میری طرف واپس آرہا تھا۔ میں نے دور سے گاڑی پہچان لی۔ اول خان نے بھی ہیڈ لیمپس کی روشنی میں مجھے دوڑ کر اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا اور میرے قریب گاڑی روک دی۔ میں دروازہ کھول کر پھرتی سے پسنجر سیٹ پر سوار ہوگیا۔ گاڑی نے تیزی سے یو ٹرن لیا اور پھر روشنیوں سے آراستہ ہوٹل کے سامنے سے گزرتی چلی گئی۔

فضا میں اس وقت بھی فائرنگ کا شور گونجتا سنائی دے رہا تھا لیکن اس کی شدت میں خاصی کمی آگئی تھی۔

"تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟" مولوی تمیزالدین خان روڈ پر آنے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"چہرے پر ایک ٹکر رسید کرکے سمندر میں پھینک دیا۔ سالے کے ہوش ٹھکانے آگئے ہوں۔"

"اسے پانی خاصا گیلا اور ٹھنڈا محسوس ہوا ہوگا" اول خان نے تمسخرانہ انداز میں کہا اور ہم دونوں ہنس پڑے۔

"کالو مکرانی کو دیکھ کر میں پریشان ہوگیا تھا" کچھ دیر بعد اول خان بولا "وہ کسی چیتے کی سی پھرتی اور سرعت سے ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ کر تمہارے پیچھے پہنچا تھا۔"

"پہلے میں اسے مکرانی سمجھا تھا۔ وہ بولا تو پتا چلا کہ اس کا تعلق کالے امریکیوں سے ہے۔"

"یہ جان کی چالاکی تھی کہ وہ اسے اپنا ڈرائیور بنا کر قیمتی شلوار میں وہاں لایا۔ وہ زبان نہ کھولتا تو ہر دیکھنے والا اسے مقامی ہی سمجھتا" اول خان نے کہا "سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کی احتیاطی تدابیر دھری رہ گئیں اور تمہارا منصوبہ کامیاب ہوگیا۔"

"دیکھنا یہ ہے کہ اوسان خطا ہونے کے بعد وہ پولیس والوں کو کیا کہانی سناتا ہے اس کے کالے ساتھی کو کئی گھنٹوں سے پہلے ہوش نہیں آئے گا۔"

"ہماری روانگی تک فضا میں فائروں کا شور گونج رہا تھا۔ تمہارے آدمی وہاں کیوں رکے ہوئے تھے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"انہوں نے نو بج کر چودہ منٹ پر فائرنگ روک کر واپسی کی راہ اختیار کرلی ہوگی۔ رہے سہے فائر جان کے آدمی کررہے ہوں گے۔ بجلی کے تار ٹوٹنے کے بعد ان کی ہر راہ مسدود ہوگئی تھی۔ ان کو پتا نہیں چل سکا ہوگا کہ سمندری کھاڑی میں گرنے کے بعد جان کدھر گیا؟"

"مندر میں اندھیرا ہوگیا تھا مگر اس طرف سے بیچ لگژری ہوٹل کی روشنیاں رہنمائی کررہی تھیں۔ جان ضرور نکل آیا ہوگا۔"

"تم نے جو کچھ سوچا تھا' اسے پورا کرلیا" اول خان نے کہا "اب اس بارے میں زیادہ نہ سوچو' وہاں کیا ہوا ہوگا؟ یہ تھوڑی دیر بعد معلوم ہوجائے گا۔"

"اب سے ڈیڑھ دو گھنٹے بعد تم سے کہاں رابطہ ہوسکے گا؟" میں نے پوچھا۔

"میں گھر پر ملوں گا' یہ بتاؤ کہ اب تم کہاں جاؤ گے" اول خان نے مجھ سے جوابی سوال کرڈالا۔

"میں محسوس کررہا ہوں کہ جان کی آمد کے ساتھ ہماری انتظامیہ پر امریکی دباؤ بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ میری تلاش کے سلسلے میں انتظامی سطح پر کچھ نہ کچھ سرگرمیاں شروع ہوجائیں گی۔ میرا ہوٹلوں سے دور رہنا میرے لیے سودمند رہے گا۔"

"ہوٹل کے سوا تم کہاں جاؤ گے؟" اول خان کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"میرا ارادہ مکمل آرام کرنے کا ہے۔ بیماری کا بہانہ کرکے چند روز کے لیے کسی اسپتال میں رہوں گا۔"

"بہت اچھوتا خیال ہے" اول خان میرے انکشاف پر خوش ہوگیا "اسپتال میں سب سے الگ تھلگ رہ کر تم ہر قسم کی سرگرمیوں سے دور رہوگے۔ روپوشی کے لیے گمنام بن کر کسی اسپتال میں جانا سب سے بہتر اور محفوظ طریقہ ہے۔ تم نے اپنے لیے کس اسپتال کا انتخاب کیا ہے؟"

"تم مجھے پی آئی ڈی سی ہاؤس کے پاس اتار دینا۔ اس کے بعد سوچوں گا کہ مجھے کہاں جانا چاہیے" میں نے کہا۔ حقیقت یہ تھی کہ میں نے اس وقت تک اس بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا۔

"مجھے کیسے پتا چلے گا کہ تم کہاں ہو؟" اس نے فوری طور پر سوال داغ دیا۔

"میں دو گھنٹے بعد تمہیں فون کروں گا تو یہ بات بھی بتادوں گا" میرے جواب نے اسے مطمئن کردیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اول خان مجھے میری کسی متوقع منزل پر اتارنے کے لیے مصر تھا مگر میں اپنے ابتدائی فیصلے پر قائم رہا۔ آخر اس نے ریلوے پل عبور کرنے کے بعد مجھے پی آئی ڈی سی ہاؤس کے سامنے اتار دیا۔ مجھ سے رخصت ہوتے ہوئے اس نے پرتپاک انداز میں مجھے ڈھیروں دعائیں دیں اور آگے روانہ ہو گیا۔

میرے پاس میرے مختصر سے سامان پر مشتمل تھیلا تھا جسے میں نے کندھے پر لٹکا لیا۔ میں نے ایک ہوٹل پر بیٹھ کر گرما گرم چائے کی ایک پیالی پی، سگریٹ سلگائی اور وہاں سے چل کھڑا ہوا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ مجھے روپوشی کے نئے تجربے کے لیے سول اسپتال کا رخ کرنا چاہیے۔

پی آئی ڈی سی ہاؤس سے سول اسپتال کا فاصلہ اتنا کم نہیں تھا کہ اسے آسانی سے پیدل طے کیا جا سکے مگر میں اپنی رو میں مگن پیدل چلتا رہا۔ پرل کانٹی نینٹل ہوٹل سے چندریگر روڈ کے چوراہے تک سیدھا چلتا ہوا میں شاہین کمپلیکس تک پہنچا۔ وہاں سے سڑک عبور کر کے ایس ایم لا کالج والے نکڑ سے داہنی طرف گھوم کر برنس روڈ کی سمت میں چل دیا۔ اتنی دور تک پیدل چلنے کی وجہ سے میرے بدن میں خاصی حرارت پیدا ہو چکی تھی۔

ایم اے جناح روڈ پر جامع کلاتھ مارکیٹ کے سامنے والی سڑک اختیار کر کے میں ذرا سی دیر میں سول اسپتال کے ایمرجنسی کے شعبے میں پہنچ گیا۔

غنیمت تھا کہ ان دنوں شہر میں قتل و غارت گری کا دور دورہ نہیں تھا ورنہ اسپتال زخمیوں اور جاں بہ لب مریضوں سے بھرے ہوئے نظر آتے تھے۔ ایمرجنسی اور حادثات کے شعبے میں اس وقت صرف چند مریض تھے۔ کچھ دیر کے انتظار کے بعد میری بھی باری آ گئی۔

اسپتالوں اور بیماریوں سے کبھی میرا کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔ ڈاکٹر نے باری آنے پر مجھ سے مرض کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے بے اختیار اپنڈکس کا نام لے دیا۔

نوجوان ڈاکٹر میرا جواب سن کر مسکرانے لگا "تم کو کیسے معلوم ہوا کہ تمہیں اپنڈکس کی شکایت ہے؟"

"پیٹ میں شدید درد ہو رہا ہے" میں نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

"ہاتھ لگا کر بتاؤ کہ کس جگہ درد ہو رہا ہے؟" ڈاکٹر نے وہ سوال کر کے مجھے ایک امتحان سے دوچار کر دیا۔

مجھے اپنڈکس کے محل وقوع کا پتا نہیں تھا۔ ڈاکٹر کے سوال کا فوری جواب دینا ضروری تھا۔ میں نے اپنے پیٹ پر ایک جگہ ہاتھ رکھ دیا۔

ڈاکٹر نے اپنے نرم ہاتھ سے میری بتائی ہوئی جگہ دبائی اور میں تکلیف ہونے کی اداکاری کر کے کراہنے لگا۔ ڈاکٹر نے میری پتلون میں سے قمیص باہر نکالی اور نرمی سے میرے پیٹ کے مختلف حصوں کو دبانا شروع کر دیا۔ اسی کے ساتھ وہ سوالات بھی کرتا جا رہا تھا۔ اس نے میری پسلیوں کے نیچے اور پیٹ کے نچلے حصے کو اچھی طرح ٹٹولنے کے بعد مجھے بستر سے اٹھایا اور اپنی مختصر سی میز کے پیچھے کرسی پر جا بیٹھا۔

"تمہیں اپنڈکس کیا، کوئی بھی تکلیف نہیں" نوجوان ڈاکٹر نے اپنی تشخیص کا نچوڑ ایک جملے میں سمیٹ کر مجھے حیران کر دیا "ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی ریاحی درد وغیرہ ہو۔ بازار سے یہ دو گولیاں لے کر پانی سے نگل لو۔ آرام آ جائے گا۔"

اس نے نام اور عمر پوچھ کر نسخے پر اندراج کیا اور نسخہ میری طرف بڑھا دیا۔ اس پر پینا ڈول لکھی ہوئی تھی۔

"مگر میں چاہتا ہوں کہ مجھے اسپتال میں داخل کر کے اچھی طرح دیکھ بھال کر لی جائے" میں نے اپنی خواہش ظاہر کی۔

"میں نے اچھی طرح دیکھ بھال کر کے ہی اپنی رائے دی ہے" اس نے خشک نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا "اسپتال کے بستر ضرورت مند مریضوں کے لیے ہیں۔ شوق یا خواہش پر کسی کو یہاں داخل نہیں کیا جا سکتا۔"

"میں پھر بھی یہ چاہوں گا کہ مجھے رات بھر کے لیے یہاں رکھ لیا جائے۔ بڑے ڈاکٹر نے بھی یہی رائے دی تو میں گھر چلا جاؤں گا" میں نے اصرار کیا۔

"بڑے ڈاکٹر صاحب اپنی کوئی رائے دینے سے پہلے مجھ سے جواب طلب کریں گے کہ میں نے تمہیں کیوں داخل کیا۔ تمہیں اسپتال میں داخلے کا ایسا ہی شوق ہے تو تم کسی پرائیویٹ اسپتال چلے جاؤ۔ تمہاری جیب میں پیسے ہیں تو وہ تمہیں داخل کر لیں گے۔"

وہ نوجوان ڈاکٹر اچھے اخلاق اور کردار کا مالک تھا۔ اس کی پیشہ ورانہ مہارت بھی شک و شبے سے بالاتر تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس نے پرائیویٹ اسپتال کی راہ سجھا کر میری مشکل آسان کر دی تھی۔ یہ میری غلطی تھی کہ میں نے اپنے مسئلے کے حل کے لیے سول اسپتال کا رخ کیا تھا۔

میں وہاں سے نکلا اور خون بیچنے والوں اور ان کے دلالوں کی بھیڑ سے نکل کر قریب سے ایک رکشا پکڑ لیا۔ ان دنوں شہر میں ایک بہت بڑے پرائیویٹ اسپتال کے نام کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈنکا بج رہا تھا۔ میں نے رکشا ڈرائیور کو اسی اسپتال کا نام بتادیا۔

شہر کی سڑکوں پر رواں ٹریفک کے ہجوم میں چابک دستی سے اپنا راستہ بناتے ہوئے رکشا ڈرائیور نے بہت جلد مجھے اسپتال کی پرشکوہ عمارت میں پہنچادیا۔

وہاں بھی میں ابتدائی طبی دیکھ بھال کے مرحلے سے گزرا۔ ڈاکٹر اپنی تشخیص سے زیادہ میری شکایت پر دھیان دے رہا تھا۔ اس نے میری مفروضہ تکلیف کے بارے میں اپنی کوئی رائے نہیں دی لیکن میری خواہش کے احترام میں مجھے اسپتال میں داخلے کا مژدہ سنادیا۔ اس کی رائے تھی کہ میرا پیچیدہ مسئلہ تفصیلی جانچ پڑتال کے بعد ہی حل ہو سکتا تھا۔

اسپتال میں داخلے کی باری آئی تو معلوم ہوا کہ وہاں جنرل وارڈ سے وی آئی پی روم تک کمروں کی پوری رینج حاضر تھی۔ میں نے پرائیویٹ روم کو ترجیح دی۔ اسپتال بہت شاندار تھا اور اس کے پرائیویٹ روم کا کرایہ اچھے ہوٹل کے یومیہ کرائے سے ذرا ہی کم تھا۔

اسپتال میں دس ہزار روپے جمع کرانے سے بھی کام چل سکتا تھا مگر میں نے بیس ہزار روپے دے دیے کیونکہ مجھے کئی دنوں تک وہاں رہنا تھا۔ مجھے امید تھی کہ حساب میں وافر رقم موجود ہوئی تو مجھے میری مرضی کے خلاف اسپتال سے رخصت نہیں کیا جائے گا۔ داخلے کے لیے میں نے نئے نام اور پتے کا سہارا لیا تھا۔

نووارد مریضوں کے لیے اسپتال کے آراستہ کمرے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ رقم ادا کرنے کے چند منٹ بعد ہی مجھے راہ داری اور پھر لفٹ کے ذریعے میرے پرائیویٹ روم میں پہنچادیا گیا جہاں ایک فرد کی ضرورت اور آسائش کے لیے بہت کچھ دستیاب تھا۔ میرے لیے اس کمرے میں ٹیلی وژن اور فون کی موجودگی زیادہ اہم تھی۔

مجھے حقیقت میں کوئی تکلیف نہیں تھی۔ مجھے یقین تھا کہ سول اسپتال کے نوجوان ڈاکٹر کی طرح اس اسپتال کے ڈاکٹر نے بھی اس رمز کو پالیا ہوگا۔ مجھ سے اسپتال میں داخلے کے پیسے لے لیے گئے تھے لیکن علاج معالجہ اگلی صبح تک التوا میں رہے گا۔

میں بے داغ، سفید چادر والے سرجیکل بیڈ پر آرام سے دراز ہو کر ٹیلی وژن پروگرام دیکھ رہا تھا کہ دروازے پر دستک دے کر ایک پختہ عمر والی خوش شکل نرس اپنے وارڈ بوائے کے ساتھ کمرے میں آگئی۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں بہت سا طبی ساز و سامان موجود تھا۔

وارڈ بوائے سامان لگانے میں مصروف ہوگیا۔ نرس مجھ سے مسکرا مسکرا کر باتیں کرتی رہی۔ اس دوران میں ڈیوٹی ڈاکٹر کمرے میں آگیا۔ اس نے سر سے پیر تک میرا تفصیلی جائزہ لیا، مجھ سے بہت سے سوالات پوچھتا اور میڈیکل فائل پر نوٹ لیتا رہا۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد نرس نے اپنا کام شروع کیا۔

پہلے ایک سرنج میں میری کلائی کی نس سے خون کا نمونہ لیا گیا جو مختلف تجربات کے لیے لیبارٹری میں جانا تھا۔ سفید ٹائلوں سے آراستہ باتھ روم میں موجود شیشی میں یورین کا سیمپل دینے کی ہدایت کی گئی پھر مجھے بستر پر لٹا کر میرے بائیں ہاتھ کی نس میں کینولا اتار دیا گیا۔ اس اثنا میں وارڈ بوائے نے ڈرپ کی بڑی سی تھیلی اسٹینڈ سے لٹکا دی تھی۔

"آپ کے ساتھ کمرے میں کوئی مددگار نہیں رہے گا؟" نرس نے ڈرپ کے قطروں کو میرے دورانِ خون میں رواں کرتے ہوئے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"آپ جیسے مخلص اور پیشہ ور عملے کی موجودگی میں کسی اور کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

اپنا کام مکمل کر کے اس نے مجھے کچھ ہدایات دیں، عملے کو طلب کرنے والی گھنٹی کے بارے میں بتایا اور وارڈ بوائے کے ساتھ کمرے سے چلی گئی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ مرد مریضوں کے کمروں میں ہر نرس کسی وارڈ بوائے کو اپنے محافظ کے طور پر ساتھ لے جاتی ہوگی تاکہ کوئی مریض اس سے ضروری یا غیر ضروری چھیڑ چھاڑ نہ کر سکے۔

میری خواہش پوری ہو چکی تھی۔ میں مریض بن کر امریکیوں کے کسی نئے عتاب اور نگاہوں سے محفوظ ہو چکا تھا۔ کمرے میں تنہائی میسر آنے پر میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو سوا گیارہ بج رہے تھے۔ جان کو سمندری کھاڑی میں پھینکنے کے بعد سوا دو گھنٹے کا وقت بہت تیزی سے گزر گیا تھا۔

میں نے اپنے سرہانے تپائی پر رکھا ہوا فون بستر پر اٹھالیا۔ بایاں ہاتھ ناگہانی ڈرپ کی گرفت میں آیا ہوا تھا۔ میں نے ریسیور گردن اور شانے کے درمیان دبا کر داہنے ہاتھ سے اول خان کے گھر کا نمبر ملالیا۔

اول خان فوراً ہی میری آواز پہچان گیا۔ اس وقت وہ بہت خوش تھا۔ "یہ بتاؤ کہ اس وقت کہاں اور کس حال میں ہو؟"

میں نے اسپتال کا نام اور اپنے کمرے کا نمبر بتانے کے بعد کہا "میں باقاعدہ مریض بنادیا گیا ہوں۔ اس وقت ڈرپ کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قیدی ہوں اس لیے سی ایس ڈی نہیں لگا سکا۔"

اول خان میرا اشارہ بھانپ گیا "لگا لو تو مجھے ضرور بتانا ..... تم اچھے خاصے تھے۔ تمہیں ڈرپ کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"مجھے نہیں، اسپتال والوں کو اس کی ضرورت تھی۔ یہ مریض کو مرعوب کرتی ہے اور بل بڑھانے میں قطرہ قطرہ مدد دیتی ہے۔ مجھے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ مجھے یوں باندھ کر بستر پر ڈال دیا جائے گا تو میں ہرگز ادھر کا رخ نہ کرتا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ڈرپ میں کچھ دوائیں بھی ملائی گئی ہیں۔"

"یہ سب کیا ہو رہا ہے، ایسا نہ ہو کہ تم واقعی بیمار پڑ جاؤ۔ یہاں تم نے اپنا پورا نام درج کرایا ہوگا۔"

وہ اول خان کا ڈھکا چھپا سوال تھا۔ وہ جاننا چاہ رہا تھا کہ میں اسپتال میں کس نام سے مقیم ہوں۔ میں نے جواب میں اپنا مفروضہ نام دہرا دیا "یہاں میرا وقت تو سکون سے گزر جائے گا لیکن یہ علاج معالجہ خطرناک ہے۔ کھانے پینے کی دوائیں ہوں تو آدمی نظر بچا کر تلف کر دے۔ یہ براہِ راست ڈرپ اور رگ جگرشوں پر اتر آئے ہیں۔"

"تم نے یہاں کس مرض کے سلسلے میں رجوع کیا تھا؟" اول خان نے سوال کیا۔

"اپنڈکس کی شکایت کی تھی۔ اب وہی گلے پڑتی نظر آرہی ہے" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اپنڈکس کو ڈاکٹر غیر ضروری بند آنت قرار دیتے ہیں جو کسی بھی وقت اچانک مسئلہ بن جاتی ہے۔ بہت سے لوگ کسی تکلیف کے ہونے سے پہلے اس کو نکلوا دیتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس تھیوری کے تحت تمہارا آپریشن بھی کر دیا جائے" اول خان یکایک فکرمند ہو گیا۔

"یہ مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکیں گے۔ میں سوچنے کے لیے دو چار دن کی مہلت لے لوں گا۔ اس وقت تک فضا بدل جائے گی۔ یہ بتاؤ کہ اس قصے کا کیا رہا؟"

"ٹھنڈے پانی میں ڈبکیاں کھا کر اس کی طبیعت صاف ہو گئی تھی۔ اس نے پولیس کو ماجد کے فون سے لے کر آخر تک کی کہانی بلا کم و کاست سنا دی۔ وہ باتیں بھی دہرا دیں جو تم نے اس سے ماجد اور اس کے گروہ کے بارے میں کہی تھیں۔ اب پولیس ماجد یمنی کی تلاش میں ہے۔"

"اس خادم کے بارے میں موصوف نے کیا زہر اگلا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تم کو ماجد کا خطرناک مقامی ساتھی کہا ہے۔ وہ تمہیں دوبارہ دیکھے گا تو پہچان لے گا۔"

"پھر تو اس نے ان دو لاکھ روپوں کے بارے میں بھی بتا دیا ہوگا جو اس کی جیب میں تھے۔"

"بتایا ہے لیکن یہ شکایت کی ہے کہ اسے بچانے والوں میں سے کسی نے لاکھ کی ایک گیلی گڈی اس کی جیب سے نکال لی۔"

"وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ پولیس کو دیکھتے ہی اسے لمبی گڑبڑ کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ وہ جھوٹ بولتا تو کہیں نہ کہیں پکڑا جاتا۔ اس نے سچ بول کر اپنی جان بچائی ہے۔"

"دوسرا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اب پولیس کو ماجد کو بھی تلاش کرنا ہوگا" اول خان کی آواز آئی۔

"یہ تازہ اور اہم واقعہ ہے۔ اچھا ہے کہ ان کی توجہ اس کی طرف مبذول رہے" میں نے امید ظاہر کی۔

"ناک سوجنے کی وجہ سے اس کا چہرہ بہت کریہہ ہو گیا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ چہرے پر پڑنے والی ٹکر نے اس کی ناک کی ہڈی توڑ دی۔"

"اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے تھا۔ اگر اس کا ساتھی اتنا پھرتیلا نہ ہوتا تو میں اس کا چہرہ مزید بگاڑ دیتا۔"

"زیادہ اونچی پرواز مت کرو" اول خان کی آواز دھیمی اور سخت ہو گئی "وہ لوگ فون کے ساتھ ایسے آلات استعمال کر رہے ہیں کہ انہیں فون کرنے والے کا نمبر تک معلوم ہو جاتا ہے۔ وہ اسے کالر لائن آئڈنٹی فیکیشن کہتے ہیں۔ اس نے پولیس کو گلشن اقبال کے اس پبلک بوتھ کا فون نمبر دینے کا وعدہ کیا ہے جہاں سے اس کے بقول ماجد نے اسے فون کیا تھا۔"

"پبلک بوتھ کا بھی کوئی فون نمبر ہوتا ہے؟" میں نے حیرت سے کہا "یہ بات میں پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"ہر فون کا کوئی نہ کوئی نمبر ہوتا ہے۔ پبلک بوتھ کے نمبر پوشیدہ رکھے جاتے ہیں تاکہ ان کا غلط استعمال نہ ہو سکے لیکن ان کے سی ایل آئی سسٹم پر اس پبلک بوتھ کا فون نمبر آگیا ہوگا۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ اس سے باہر سے رابطہ کیا گیا تھا۔"

"سی ایس ڈی کے بغیر یہ باتیں خطرناک ہیں۔ تم کب تک جاگ رہے ہو؟" میں نے چونک کر کہا۔

"آج سونے والی رات نہیں ہے۔ ابھی مجھے اسلام آباد کے ردِ عمل کا انتظار ہے۔" اول خان نے بتایا۔

"پتا نہیں جلال کراچی میں ہے یا اسلام آباد واپس لوٹ گیا۔ اس سے تمہارا رابطہ ہو جائے تو بہت سی خبریں مل سکتی ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس وقت میں اسے چھیڑنا نہیں چاہتا۔ وہ بے حد مصروف آدمی ہے۔ اگر گھر پر آرام کر رہا ہے تو مجھے دخل انداز نہیں ہونا چاہیے۔ صبح میں اس کے دفتر میں بات کروں گا تاکہ اندر کی کوئی سن گن مل سکے۔ وہ بہت زیادہ باخبر آدمی ہے۔"

"اپنی طرف سے آج والے واقعے کا ذکر نہ چھیڑنا۔ اسے شبہ ہو جائے گا کہ ہم نے اس کی درخواست کو نظرانداز کر دیا اور جان سے الجھ گئے۔"

"اس کا انحصار اخبارات پر ہے۔ اگر اس واقعے کو نہیں دبایا جاتا اور اخبارات میں خبریں لگ جاتی ہیں تو بات کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ شہر میں رونما ہونے والے واقعات سے پوری طرح باخبر رہنا میری پیشہ ورانہ ذمے داریوں میں شامل ہے۔ دوسری صورت میں، میں محتاط رہوں گا۔"

"فی الحال خدا حافظ۔ میں ڈرپ کے جنجال سے اپنی جان چھڑا کے سی ایس ڈی لگانے کا بندوبست کرتا ہوں۔ صبح ہونے سے پہلے تم سے دوبارہ رابطہ کروں گا۔"

"تمہارا دوبارہ فون نہ آیا تو صبح میں تم سے ملنے کے لیے اسپتال آؤں گا۔"

"مجھے ایک اٹینڈنٹ کو دن رات اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت ہے۔ اگر تم گھر کا سکون چھوڑ کر یہاں کچھ وقت گزارنا چاہو تو اس وقت بھی یہاں آسکتے ہو۔ ہوٹل کے بجائے اسپتال میں روپوشی کا تجربہ میرے لیے خوشگوار نہیں رہا۔ مجھے ابھی سے وحشت ہونے لگی ہے۔"

"رات کو میرا آنا ممکن نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اندرونِ خانہ واقعات کوئی اور رخ اختیار کرلیں۔ ایسی صورت میں چیف کسی بھی وقت مجھ سے بات کرنے کی ضرورت محسوس کرسکتا ہے۔ میں رات کو گھر سے غائب رہا تو اسے خاصی کوفت ہوگی۔"

وہ اپنی مجبوریوں کو مجھ سے زیادہ سمجھتا تھا۔ میں نے اس کی آمد کے لیے اصرار نہیں کیا اور فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

فون پر اول خان سے بات کرنے کے بعد مجھے خاصا سکون محسوس ہوا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے سینے سے ایک بوجھ سا اتر گیا ہو۔ میرے لیے یہ احساس بھی طمانیت کا باعث تھا کہ جان کو زک دینے کے بعد میں تنہا نہیں رہا تھا۔ میرے ساتھیوں میں سے کم از کم اول خان کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ میں نے شہر کے کس اسپتال میں پناہ لی تھی۔

گھٹن کے اندرونی احساس سے نجات حاصل کرنے کے بعد میں کچھ دیر تک بستر پر دراز کچھ سوچتا رہا پھر میں نے اسپتال کے عملے میں سے کسی کو بلانے کے لیے اپنے سرہانے لگی ہوئی گھنٹی بجا دی۔ اس اسپتال میں طبی علاج اور پیشہ ورانہ دیانت کا جو بھی معیار رہا ہو، ذاتی دیکھ بھال کا معیار بہت اعلیٰ تھا۔ مجھے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ذرا سی دیر کے بعد ایک نیا مردانہ چہرہ میرے کمرے میں آموجود ہوا۔ وہ اپنے طور طریقوں سے میل نرس کے بجائے وارڈ بوائے نظر آرہا تھا۔

"مسٹر کو بلاؤ۔ مجھے سخت الجھن اور وحشت ہو رہی ہے۔" میں نے اس سے کہا اور وہ الٹے قدموں لوٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پرانی نرس کے ساتھ آگیا۔ نرس کے ہونٹوں پر نرم اور مہربان مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"مسٹر! مجھے ڈرپ سے سخت وحشت اور گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ اسے نکال دو!" میں نے اس کی صورت دیکھتے ہی احتجاج کیا۔

وہ میرے بستر کے قریب آگئی اور ڈرپ کی نلکی کو چھیڑتے ہوئے بولی "اس میں ایسی کوئی دوا نہیں ہے جس سے آپ کو گھبراہٹ ہو۔ صبح تک آپ کو کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں دیا جائے گا۔ طاقت کے لیے رات بھر یہ ڈرپ چلے گی۔ ہو سکتا ہے کہ صبح ڈاکٹر صاحب معائنہ کرنے کے بعد آپ کے آپریشن کا فیصلہ کرلیں۔"

اس کے آخری فقرے نے میرے اوسان خطا کر دیے

"میں آپریشن نہیں کرواؤں گا۔ ڈاکٹر صاحب جو فیصلہ چاہیں، کرلیں مگر وہ مجھے میری مرضی کے خلاف آپریشن تھیٹر میں نہیں لے جاسکیں گے، میں کسی کو اپنے بدن پر نشتر زنی کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"یہ صرف میرا خیال ہے۔" وہ جلدی سے بولی "ہو سکتا ہے کہ سرے سے آپریشن کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ آپریشن کے لیے مریض کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔ میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ اس وقت آپ کی بہتری کے لیے ڈرپ دی جا رہی ہے۔"

"ڈرپ میں سرنج سے کچھ دوائیں بھی شامل کی گئی تھیں۔" میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا "وہ کیا تھیں؟"

"ایک درد ختم کرنے والی دوا تھی۔ دوسری دوا سے آپ کو آرام سے نیند آجائے گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا۔

"میرا سارا درد ختم ہو چکا ہے۔" خواہش کے باوجود میں اسے یہ نہ بتا سکا کہ میرے پیٹ میں کہیں کوئی درد نہیں تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے مسکّن دوا کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تھوڑی دیر بعد میں خود ہی سوجاؤں گا۔ تم یہ ڈرپ نکال دو۔ اس نے مجھے مریض بنادیا ہے۔ اس کام میں دیر نہ کرو۔"

اس نے لمحے بھر کے لیے سوچا پھر بولی "میں ڈاکٹر کی ہدایت کے بغیر کچھ نہیں کرتی۔ آپ ذرا سا صبر کریں۔ میں ڈیوٹی ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔"

وہ کمرے سے چلی گئی اور میں فکرمند ہوگیا۔ جس طرح سمندر میں رہ کر مگرمچھ سے بیر نہیں پالا جاسکتا تھا اسی طرح اسپتال میں رہ کر ڈاکٹر سے الجھنا ممکن نہیں تھا۔ وہ مصیبت میری اپنی لائی ہوئی تھی اور میں جانتا تھا کہ اپنے کیے ہوئے کا کوئی علاج ممکن نہیں تھا۔ میرے پاس صبر اور انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

مریضوں کی ذاتی دیکھ بھال کی اعلیٰ روایت کو برقرار رکھتے ہوئے وہ نرس جلد ہی ڈاکٹر کو ساتھ لے کر دوبارہ میرے کمرے میں آگئی اور میرا بلڈ پریشر اور نبض چیک کرنے لگی۔

ڈاکٹر مجھے ڈرپ اور اس میں ملی ہوئی دواؤں کی افادیت سمجھانے پر مصر رہا اور میں کسی پیچیدہ نفسیاتی مریض کی طرح اپنی الجھن، وحشت اور گھبراہٹ کے اظہار پر زور دیتا رہا۔ اسپتال کے عملے کا کچھ نہیں بگڑ رہا تھا۔ بیل ٹوٹنے کے بعد ڈرپ اور دواؤں کی پوری قیمت میرے بل کا حصہ بن چکی تھی۔ ڈرپ اور دواؤں کے بھلے برے اور بھلے اثرات کا شکار میں ہو رہا تھا۔ میری بڑھتی ہوئی بحث سے ڈاکٹر کا منہ بن گیا اور اس نے نرس کو ڈرپ نکالنے کا ناخوشگوار حکم دے دیا۔

"آپ یوں ہی من مانی کریں گے تو علاج اور افاقہ کیسے ہوگا؟" ڈاکٹر نے ناگواری سے پوچھا۔

"مجھے کھانے اور پیٹ کی دوائیں دے دیں۔ ان پر میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔"

"ڈرپ آپ کی خواہش پر روکی گئی ہے۔ اب آپ سونے کی کوشش کریں۔ صبح ڈاکٹر امجد آپ کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔" اس نے روکھے لہجے میں کہا۔

"آپ مجھے متبادل دوائیں دے دیں۔ وہ میں استعمال کرلوں گا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"میں نے بہترین علاج تجویز کیا تھا۔ میں اس سے کم پر سمجھوتا نہیں کرسکتا۔ یہ میرے پیشہ ورانہ اصول کے خلاف ہے۔ آپ صبح تک درد وغیرہ برداشت کریں۔ ڈاکٹر امجد آپ کو دیکھ کر اپنی رائے دیں گے۔ درد بڑھنے لگے تو بلا تکلف مجھے دوبارہ بلالیں۔"

وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر کمرے سے چلا گیا۔ اس دوران میں نرس ڈرپ بند کرکے اس کی نلکی کو کینولا سے الگ کرچکی تھی۔ ڈاکٹر کے پیچھے پیچھے وہ بھی کمرے سے باہر چلی گئی۔ اس نے ڈاکٹر کے پیچھے رک کر مجھ سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میرے بدن کے کسی حصے میں دور دور تک کسی قسم کے درد یا تکلیف کا وجود نہیں تھا جسے برداشت کرنا پڑتا۔ میری ایک شکایت کو مفت کے سول اسپتال میں سرے سے مسترد کردیا گیا تھا اور اس مہنگے اسپتال میں اسی شکایت کو من و عن تسلیم کرکے پیچیدہ علاج کی داغ بیل ڈال دی گئی تھی۔ وہ ہمارے معاشرے کا ایک بھیانک اور تکلیف دہ رخ تھا جو جان ایشکوف کی بدولت میری نظروں میں آگیا تھا۔ یہ ہوس زر کی انتہا تھی کہ طب کے مقدس پیشے میں بھی پیسے کے حصول کی ہوس رکھنے والی کالی بھیڑیں در آئی تھیں۔

کپڑے کے مضبوط ٹیپ کے نیچے کینولا کی نرم اور لچک دار سوئی، میرے بائیں ہاتھ کی ایک نس میں بدستور اتری ہوئی تھی۔ میں کچھ دیر تک مسہری پر پڑا اپنی اس گھائل نس کو دھیرے دھیرے سہلاتا رہا پھر میں نے بستر چھوڑ دیا۔

میں نے آہستگی سے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کیا، سگریٹ سلگائی اور اپنے مختصر تھیلے کی طرف متوجہ ہوگیا جس میں سی ایس ڈی موجود تھی۔

میں نے سی ایس ڈی پر اپنے تجربات کے بعد اسے ٹیلی فون لائن سے جوڑنے کا سہل اور ریڈی میڈ طریقہ دریافت کرلیا تھا۔ چند لمحوں میں سی ایس ڈی والی ڈبیا تاروں کے ذریعے لائن سے منسلک ہوکر میرے تکیے کے نیچے پہنچ چکی تھی۔ اس کا ہر وقت میری دسترس میں رہنا ضروری تھا تاکہ میں ضرورت پیش آنے پر بلا تاخیر اسے آن یا آف کرسکوں۔ شہر میں اپنے ساتھیوں سے محفوظ رابطے کے لیے اس آلے کا استعمال میرے لیے ناگزیر تھا۔

امریکا کی سرزمین پر میرے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترنے والے بدری ناتھ کی ہڈیاں تک اس وقت تک گل سڑ کر ناپید ہوچکی ہوں گی۔ را کا وہ کھاگ ایجنٹ اپنی ساری چالاکیوں سمیت نیست و نابود ہوچکا تھا مگر اس کی دی ہوئی سی ایس ڈی اس وقت بھی کارآمد تھی۔ بدری کے کرتوت ایسے نہیں تھے کہ اسے زیادہ دنوں تک یاد رکھا جاتا لیکن سی ایس ڈی کے حوالے سے وہ مردود اکثر مجھے یاد آتا رہتا تھا جس کے ساتھیوں نے ایک عرصے سے میرا جینا اجیرن کیا ہوا تھا۔

مجھے کھانے کی قطعی کوئی حاجت نہیں تھی۔ اسپتال کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نرس اپنی گفتگو کے دوران مجھے یہ اشارہ دے چکی تھی کہ اگلی صبح میری متوقع سرجری کی وجہ سے میرا کھانا پینا بند کر کے مجھے صرف ڈرپ پر رکھنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ ویسے بھی اس وقت رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ کمرے میں عملے کے کسی فرد کی رضاکارانہ آمد کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ میں نے دروازہ بولٹ رہنے دیا اور نائٹ لیمپ روشن کر کے کمرے کی دونوں ٹیوب لائٹس گل کر دیں۔

وہ بندوبست کر کے میں نے اپنی دانست میں ہر بیرونی مداخلت کے خلاف باڑ کھڑی کر دی تھی۔ کمرے میں کوئی ایش ٹرے موجود نہیں تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ کمرے میں تمباکو نوشی کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی۔ میں نے کمرے میں ٹہل ٹہل کر سگریٹ ختم کی اور اس کا سلگتا ہوا آخری سرا باتھ روم کے کموڈ میں تلف کر کے دوبارہ بستر پر پہنچ گیا۔

میں نے اول خان سے دوبارہ رابطہ کرنے کے ارادے سے ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ میرے ذہن میں غزالہ کا معصوم اور فکرمند چہرہ مجسم ہو گیا۔ مجھے احساس تھا کہ وہ میرے بارے میں فکرمند ہو گی۔ میں نے فوری طور پر گلشن اقبال میں اپنے گھر کا نمبر ملا لیا۔

گھنٹی بجنے پر دوسری طرف سے غزالہ نے ریسیور اٹھایا اور میری آواز سن کر اس کے لب و لہجے میں عجیب والہانہ سی مسرت سمٹ آئی۔ وہ کہہ رہی تھی "میرا دل کہہ رہا تھا کہ اتنی دیر سے آنے والی یہ کال آپ ہی کی ہو سکتی ہے۔ آپ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟"

"سی ایس ڈی کو فعال کرتے ہی میں نے سب سے پہلے تمہیں فون کیا ہے۔ میں بالکل خیریت سے ہوں اور ایک اسپتال میں ہوں۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"اسپتال میں! مگر کیوں؟" میرے انکشاف پر شاید اسے گہرا جھٹکا لگا تھا۔ پل بھر میں ہی اس کی آواز سے ساری بشاشت رخصت ہو گئی تھی۔ گھر میں کسی کو یہ علم نہیں تھا میں نے اس مرتبہ روپوش ہونے کے لیے کس قسم کے ٹھکانے کا انتخاب کیا تھا اس لیے غزالہ کا اسپتال کا نام سن کر چونکنا فطری تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں نے اسپتال کے کمرے کو اپنی خفیہ کمین گاہ کے طور پر منتخب کیا ہو گا۔ میری زبان سے اسپتال کا ذکر سن کر اسے اندیشہ ہوا ہو گا کہ میں جان ایشکوف سے تصادم میں مجروح ہو گیا تھا۔

"فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں" میں نے اسے دلاسا دیا "میں ہر قسم کی ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ ہوں۔ اپنے دشمنوں کی نگاہوں سے بچنے کے لیے ہوٹل کے بجائے اسپتال کے کمرے میں آ گیا ہوں۔ میری تلاش میں کوئی ادھر کا رخ نہیں کر سکے گا۔"

"خدا کا شکر ہے کہ آپ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں" اطمینان کے ایک گہرے سانس کے بعد غزالہ کی پرسکون آواز آئی "میں کوشش کے باوجود سونے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ میرا خیال مسلسل آپ کی طرف لگا ہوا تھا۔ آپ کے نو بجے والے کام کا کیا رہا؟"

سوال کرنے کے بارے میں وہ محتاط تھی مگر میں لائن پر سی ایس ڈی کے استعمال کی وجہ سے بے خوف تھا۔ میں نے کھل کر کہا "اس کی ٹھکائی کر کے میں نے اسے بحیرہ عرب کے گندے ساحلی پانی میں پھینک دیا۔ وہ اپنی اس ہزیمت کو زندگی بھر نہیں بھلا سکے گا۔ اس پوری کارروائی میں اول خان اور اس کے آدمیوں کا کردار بے مثال تھا۔ ان لوگوں کے بغیر جان کو گھیرنا ممکن نہیں تھا۔ وہ خبیث امکانی خطرات کا اندازہ لگا کر اپنی پوری تیاری کے ساتھ آیا تھا۔"

"شاید کچھ اتھل پتھل شروع ہو گئی ہے۔ ابھی پندرہ منٹ پہلے آپ کے لیے جلال کا فون آیا تھا۔"

"تم نے اسے کیا جواب دیا؟" میں نے عجلت میں غزالہ کی بات درمیان سے اچک لی۔

"میں نے کہہ دیا کہ آپ نے اس سے ملاقات کے بعد گھر کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ میں آپ کے پتے ٹھکانے سے بے خبر ہوں۔"

"شاباش!" میں نے اس کی تعریف کی "اس وقت تمہارا بیان سو فیصد درست تھا۔ یہ یاد رکھنا کہ مرد کے ساتھ اچھی عورتوں کی بھی ایک زبان ہوتی ہے۔ اب بھی اپنے اسی بیان پر قائم رہنا' اسے یہ ہوا نہ لگنے دینا کہ میں نے فون پر تم سے بات کی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ جان کے بارے میں ناخوشگوار جرح کرے گا کیونکہ وہ اپنی سرکاری مجبوریوں کا قیدی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس کی کڑوی کسیلی باتوں کے جواب میں میری زبان سے کوئی تلخ بات نکلے۔ ہم دونوں کا ایک دوسرے سے چند روز تک دور رہنا ہی بہتر ہے۔"

"آپ کے لیے وہ بہت کام کا آدمی ہے اور آپ کی عزت کرتا ہے۔ آپ کے اور اس کے درمیان کوئی بدگمانی نہیں ہونی چاہیے۔"

"کوئی بدگمانی پیدا نہیں ہو گی۔ دو چار دن میں جان کا قصہ دب جائے گا تو اس کے ذہن میں کھلی ہوئی تلخیاں خود بہ خود کم ہو جائیں گی۔ اس وقت میں اس کے سارے گلے شکوے دور کر دوں گا مگر ابھی معاملہ تازہ ہے۔ وہ مجھ پر برس پڑے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بہتر تو یہی ہے کہ آپ اس سے دور رہیں۔ اتفاق سے کوئی رابطہ ہو جاتا ہے تو آپ صاف انکار کر دیں کہ آپ کا اور جان کا آمنا سامنا ہوا تھا۔"

"اول تو میں اس سے جھوٹ نہیں بول سکتا پھر وہ یہ بات بھی جانتا ہے کہ یہاں کسی میں اتنا دل گردہ نہیں ہے کہ جان کے رتبے کے کسی امریکی کو جال میں گھیر کر اس کی ناک کی ہڈی توڑ سکے۔ کسی نہ کسی وقت اسے دوسرے ذرائع سے پتا چل جائے گا کہ میں نے ایس ٹی ایف کے تعاون سے یہ کام کیا تھا۔ اس کی نظروں میں میری ساکھ گر جائے گی۔"

"آپ بالکل صحت مند آدمی ہیں۔ آپ کو اسپتال میں کس احمق نے لے لیا؟" غزالہ کی چونکی ہوئی آواز آئی۔

"بعض پرائیویٹ اسپتالوں میں مریض کے مرض کے بجائے اس کی جیب دیکھی جاتی ہے۔ ان لوگوں نے اللہ شافی کہہ کر میرا باضابطہ علاج شروع کر دیا ہے۔ بڑی مشکل سے میں نے ان کی لگائی ہوئی ڈرپ سے نجات حاصل کی ہے تاکہ فون لائن سے سی ایس ڈی جوڑ سکوں۔"

"آپ کس پرائیویٹ اسپتال میں ہیں؟" غزالہ کا لہجہ تجسس آمیز ہو گیا۔

"میں نام نہیں لوں گا۔ وہ بڑے لوگ ہیں۔ مجھ پر ازالہ حیثیت عرفی کا بھاری دعویٰ دائر کر دیں گے" میں نے کہا "اصولاً تم کو ان باتوں سے بے خبر رہنا چاہیے تاکہ تمہیں دوسروں کے سامنے جھوٹ بولنے کا ارتکاب نہ کرنا پڑے۔"

"سلطان شاہ میرے سامنے بیٹھا ہوا بہت توجہ سے ہماری باتیں سن رہا ہے۔ اس سے میں کچھ بھی نہیں چھپا سکتی۔"

"اس سے کہو کہ ہماری باتوں کے بجائے ویرا پر توجہ دے۔ وہ کسی کنوارے مرد کی طرف مشکل سے راغب ہوگی۔ جو کچھ تمہارے علم میں ہے وہ سلطان شاہ کو بھی بتایا جا سکتا ہے۔"

"یہ کنوارے مرد کی بات کہاں سے نکل آئی" غزالہ نے تحیر زدہ آواز میں پوچھا۔ وہ میرے اور ویرا کے درمیان تخلیے میں ہونے والی باتوں سے بے خبر تھی اس لیے اس کا وہ سوال فطری تھا۔

"یہ میری رائے تھی۔ اسے سلطان شاہ تک نہ پہنچا دینا۔ میرا مشاہدہ ہے کہ شادی شدہ اور وجیہہ مرد ویرا کی کمزوری ہیں۔ اس وقت وہ کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں مدہوش پڑی ہوئی ہوگی۔ آج اس نے کچھ زیادہ پی ہوئی ہے۔ جب بھی نشے کی جھونک سے ذرا باہر نکلتی ہے، جھومتی جھامتی کمرے سے باہر آتی ہے اور آپ کی خیر خبر لینے کے بعد دوبارہ اپنے کمرے میں لوٹ جاتی ہے۔ وہ آج زیادہ خوش ہے یا پھر ڈپریشن دور کرنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ نارمل بہرحال نہیں ہے۔"

"یہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئی تو کسی دن شراب نوشی سے اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا" میں نے دکھ سے کہا۔

"مشکل یہ ہے کہ اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ وہ آپ کی بات بھی نہیں مانتی۔"

"اسے بھی میرے بارے میں بریف کر دینا اور یہ بتا دینا کہ میں اس کی ہلا نوشی سے ناراض ہوں۔"

"میں ضرور بتا دوں گی مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ پتا نہیں وہ کس مٹی کی بنی ہوئی ہے؟"

وہ جو بھی مٹی رہی ہو، بہت زرخیز، خوشبودار اور دل آویز تھی مگر میں وہ باتیں غزالہ سے نہیں کہہ سکتا تھا۔

"جلال کا دوبارہ فون آجائے تو میں اسے کیا بتاؤں؟" غزالہ نے گفتگو کا اختتام قریب محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی ذرا سی دیر پہلے بتایا ہے کہ زبان نہ بدلنا، جو کہہ چکی ہو، اسی پر قائم رہنا۔ اسے یہ بھی بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں کسی گھریا ہوٹل کے بجائے اسپتال میں پناہ گزین ہوں۔ وہ اپنے تمام وسائل بروئے کار لا کر مجھ تک پہنچ جائے گا۔" میں نے اسے تاکید کی۔

"آپس کے معاملات آپ دونوں جانیں۔ میں آپ کی ہدایت پر پوری طرح عمل کروں گی۔"

کچھ دیر بعد غزالہ سے گفتگو ختم ہو گئی۔ لاہور سے ہماری کراچی آمد کے بعد جو کچھ ہوا، وہ بس ہوتا ہی چلا گیا۔ ہمارا اس دن کا ابتدائی حصہ نارمل انداز میں گزرا تھا مگر جان کے ساتھ ایجنسیوں کے نمائندوں کے مشترکہ اجلاس کے بعد جلال نے براہِ راست ہمارے پاس پہنچ کر حالات کا رخ یکسر بدل دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ امریکی دباؤ کے تحت متوقع طور پر شروع ہونے والی میری تلاش کی مہم سے محفوظ رہنے کے لیے میری روپوشی ناگزیر ہو گئی تھی۔ میں نے بھی وہ فیصلہ اسی بنا پر کیا تھا لیکن جلال کے چلے جانے کے بعد ہم نے جان کے خلاف جو منصوبہ بنایا اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد میرا جلال سے بچنا بھی ضروری ہو گیا تھا۔

میں کچھ دیر تک بستر پر پڑا یہی سب سوچتا رہا، مجھے معلوم تھا کہ اول خان مجھے از خود فون نہیں کرے گا۔ وہ اس انتظار میں بیٹھا رہے گا کہ میں اپنی ڈرپ سے نجات حاصل کر کے فون سے سی ایس ڈی جوڑوں اور پھر اس سے رابطہ کروں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بدیسی حساب سے رات کے بارہ بجے دن اور تاریخ کی تبدیلی عمل میں آگئی۔ اپنی رسٹ واچ کے ڈائل پر نگاہ پڑتے ہی مجھے اول خان کا خیال آگیا اور میں نے اس کا فون نمبر ملالیا۔

"میں بہت بے چینی سے تمہاری کال کا انتظار کر رہا تھا" اول خان مجھے ہیجان آمیز لہجے میں بتا رہا تھا "کیا تم نے سی ایس ڈی لگالی ہے؟"

"اسے لگائے بغیر میں تمہیں ہرگز فون نہ کرتا۔ ہماری آپس کی باتیں خطرناک ہوتی ہیں جو کسی دشمن کے کانوں میں پڑ جائیں تو ہمارے لیے مہلک ثابت ہو سکتی ہیں۔"

"جلال بہت سرگرمی سے تمہیں تلاش کر رہا ہے۔ میں نے اس بارے میں اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔"

"وہ مجھ سے کیا چاہ رہا ہے؟" میں نے پر تشویش لہجے میں پوچھا۔

"میں اسے زیادہ نہیں کرید سکا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں تو ہماری افسرانہ انا آڑے آنے لگتی ہے۔ میں پوچھتے ہوئے جھجکتا ہوں۔ وہ از خود کچھ بتانے سے گریز کرتا ہے۔ ویسے وہ اس وقت بہت خوش اور اچھے موڈ میں تھا۔" اول خان بھی وہ بات بتاتے ہوئے خاصا خوش تھا۔

اس کی پہلی بات قابل فہم تھی۔ وہ دونوں اپنی اپنی تنظیموں کے ذمے دار افسر تھے۔ فرق یہ تھا کہ جلال ایک دستوری ایجنسی سے وابستہ تھا جب کہ اسپیشل ٹاسک فورس کا وجود ہر قانون سے ماورا تھا۔ دونوں کی جداگانہ ذمے داریاں تھیں۔ ان کے درمیان کھلی گفتگو میں یہ جھجک مانع رہتی تھی کہ وہ کہیں اپنی حدود سے تجاوز کر کے دوسرے کے محکمہ جاتی رازوں کے بارے میں نہ پوچھ بیٹھیں اور دوسری طرف سے جواب دینے سے انکار کر دیا جائے۔ اس کی دوسری بات حیران کن تھی۔ اگر وہ جان ایشکوف والے معاملے سے واقف ہو چکا تھا تو اس کا موڈ خراب ہونا چاہیے تھا۔ موڈ کی بہتری سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس واقعے سے بے خبر تھا۔

انٹیلی جنس بیورو کا شمار ملک کے حساس ترین خفیہ اداروں میں ہوتا تھا۔ یہ ناممکن سمجھا جاتا تھا کہ ملک کے داخلی یا خارجی محاذ پر کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہو اور آئی بی کے اہم کارپردازان اس سے بے خبر رہے ہوں۔

"تم نے اس کی مسرت کے سبب کے بارے میں کوئی اندازہ تو لگایا ہوگا؟" میں نے شہ دی۔

"اندازے اسی وقت لگائے جا سکتے ہیں جب کھلی کھلی باتیں ہوں۔ اس کی جگہ تم سے بات ہو رہی ہوتی تو میں جھٹ پوچھ لیتا کہ اس وقت کیوں چہک رہے ہو؟"

"اس نے گھر پر بھی فون کیا تھا۔ میں نے غزالہ کو سختی سے منع کر دیا ہے کہ اسے کچھ نہ بتائے۔ اس سے دو چار دن بعد ہی ملنا بہتر ہوگا۔"

"اس نے کہا ہے کہ تم جہاں بھی ہو' اس سے رابطہ کرو۔ اس نے تم تک یہ پیغام پہنچانے کی ذمے داری مجھے سونپی ہے۔"

"پھر مجھے پورا یقین ہے کہ جان کی ناک ٹوٹنے کا اہم عالمی واقعہ اس کے علم میں نہیں ہے" میں نے پورے وثوق سے کہا۔

"یہ نہ ماننے والا مفروضہ ہے" اول خان نے بے تکلفی سے میری رائے مسترد کر دی "آئی بی اور آئی ایس آئی کو حکومت کی نگراں آنکھیں کہا جاتا ہے۔ جان جب سے کراچی پہنچا ہے' سب سے بڑا موضوع سخن بنا ہوا ہے۔ آج کا واقعہ پولیس کے ریکارڈ پر آچکا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ جلال اس سے بے خبر ہو۔"

"اگر اس نے مجھ سے ذرا سی بھی تلخی سے بات کی تو میں پھٹ پڑوں گا اور ہمارے مراسم میں ہمیشہ کے لیے دراڑ پڑ جائے گی" میں نے محتاط لب و لہجے میں کہا "میں اسی لیے اس سے سامنا یا کوئی رابطہ کرنے سے گریز کر رہا ہوں۔"

"اس کے برعکس وہ ہر قیمت پر جلد از جلد تم سے بات کرنے کا خواہاں ہے" اول خان نے زور دے کر کہا۔

"وہ اس وقت کہاں ملے گا۔ میرے پاس اس کے اسلام آباد کے نمبر نہیں ہیں" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ اسلام آباد نہیں گیا۔ ابھی کراچی میں ہے اور رات کے دو بجے تک صدف مینشن کے نمبروں پر دستیاب رہے گا۔"

وہ ایک نیا انکشاف تھا۔ اگر وہ کراچی میں تھا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ اتنا بے خبر ہوتا۔

"مجھے صدف مینشن کے نمبر لکھوا دو۔ میں اس سلسلے میں غور کروں گا۔ اگر مناسب ہوا تو اس سے بات کروں گا" میں نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

اول خان میرے فون کا منتظر تھا اس لیے صدف مینشن کے تین فون نمبر اپنے ساتھ لیے بیٹھا تھا۔ اس نے فوری طور پر وہ نمبر مجھے نوٹ کرا دیے۔

"اس سے تمہیں اسلام آباد کے ردِ عمل کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں ہوا ہوگا" میں نے اول خان سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس کا اسلام آباد جانا ہی نہیں ہوا تو کچھ پوچھنا بے سود تھا۔ وہاں سے خبریں لیک ہونے میں ذرا دیر ہوتی ہے لیکن ایک بار یہ سلسلہ چل نکلے تو ہر طرف سے خبروں، افواہوں اور تبصروں کا ایک ریلا چل پڑتا ہے۔ اس کے لیے شاید ہمیں صبح تک انتظار کرنا ہوگا۔"

اول خان کی وہ بات منطقی تھی۔ رات کو آنے والی بڑی خبریں متعلقہ اہم افسروں کو ان کے گھروں یا دفتروں میں ملتی تھی جہاں بیشتر نچلا عملہ موجود نہیں ہوتا تھا۔ دن کے اجالے میں بھرپور دفتری سرگرمیوں میں چپراسی اور چوکیدار تک کھلے کانوں سے اپنے افسروں کی بہت سی خفیہ باتیں سن لیتے تھے اور دوسروں پر اپنی اہمیت جتانے کے لیے یا پھر فطری تجسس سے مجبور ہو کر ان خبروں کو کچھ مسالے کے ساتھ آگے بڑھا دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خبروں اور افواہوں کا طوفان دفتری اوقات میں زیادہ زور پکڑتا تھا۔ ان کو پھیلانے کے لیے کلرکوں اور بابوؤں کے پاس مفت سرکاری ٹیلی فون کی سہولت بھی دستیاب ہوتی تھی جس پر پسندیدہ رابطے کیے جاسکتے تھے۔

"وہ اسلام آباد نہیں گیا لیکن اس کا اپنے دفتر سے رابطہ تو برقرار ہوگا" میں نے کہا۔

"یار، کچھ ہوتا تو وہ خود ہی اگل دیتا۔ مجھے بلاوجہ اسے چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی!" میری مسلسل جرح سے اول خان کچھ چڑ گیا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں اس سے ایسی کوئی بات نہیں کرتا جس کا جواب نفی میں ملنے کا امکان ہو۔ تمہاری اور اس کی بات اور ہے۔ تم سے اس کی یاری ہوگئی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا انتظار جاری ہے" میں نے اس کی طبیعت کی بدمزگی کا اندازہ لگاتے ہی موضوع بدل دیا۔

"میں جاگ رہا ہوں۔ اگر تم جلال سے بات کرنے کا فیصلہ کرلو تو بعد میں مجھے بھی گفتگو سے آگاہ کردینا۔" وہ بولا۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔ مجھے کسی صحیح فیصلے پر پہنچنے کے لیے وقت درکار ہوگا۔ میں اس مرحلے پر جلال جیسے ہمدرد دوست سے محروم ہونا نہیں چاہتا۔"

اسپتال کے ٹیلی فون کے ذریعے رابطے قائم ہوتے ہی خبریں ملنے کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ غزالہ اور اول خان سے ہونے والی باتوں کا نچوڑ یہ تھا کہ جلال خوشگوار موڈ کے ساتھ کراچی میں موجود تھا اور مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کی پراسرار خوشی کے بارے میں، میں نے دو مفروضے قائم کرلیے تھے۔ اول یہ کہ دہلی کے حکمرانوں کی گرفت میں آئے ہوئے عبداللہ کو کسی نہ کسی طرح آزادی مل چکی تھی۔ دوسرا امکان یہ تھا کہ وہ جان والے واقعے سے بے خبر ہو۔

وہ میرے ساتھ اس قدر مخلص تھا کہ میں اپنے اندر اس کی آرزو کو مسترد کرنے کی ہمت نہیں پا رہا تھا۔ سوچتے سوچتے میں نے ایک صحیح فیصلہ کرہی لیا۔ جلال میری تلاش میں سرگرداں تھا تو مجھے اس کو فون کرلینا چاہیے تھا۔ جب تک وہ ڈھنگ سے بات کرتا، گفتگو جاری رہتی اور جوں ہی وہ جان کے حوالے سے کسی ناپسندیدگی کا اظہار کرتا، میں اس سے بحث کرنے یا الجھنے کے بجائے فون بند کردیتا۔ اسے میرے ٹھکانے کا علم نہیں تھا۔ وہ مجھے نہیں پکڑ سکتا تھا۔ اس سے اگلا رابطہ اسی وقت ہوتا جب میری خواہش ہوتی۔

نشتر روڈ پر واقع صدف مینشن کی پرہول اور آسیبی عمارت میری دیکھی بھالی تھی۔ اس کے اندرونی حصے کا ماحول پراسرار، نیم تاریک اور اس قدر اجاڑ رکھا گیا تھا کہ اندر قدم رکھتے ہی وحشت اور ڈراؤنے پن کے آسیبی سائے اعصاب پر مسلط ہوجاتے تھے۔ مجھے توقع تھی کہ جلال اس عمارت کے گراؤنڈ فلور کے اس دفتر میں بیٹھا ہوا ہوگا جہاں مناسب دفتری ماحول اور سازوسامان دستیاب تھا۔

کچھ دیر تک سوچ بچار کے بعد میں نے اپنے اس فیصلے کو عملی جامہ پہنا ڈالا۔ اس پر عمل کرنے کی صورت میں کسی خرابی کا امکان نہیں تھا۔

پہلی گھنٹی پر فون اٹھالیا گیا۔ بولنے والا جلال تھا۔ اس کی آواز سے واقعی شگفتگی جھلک رہی تھی۔

"خیریت تو ہے؟ اس وقت تم کچھ سرور میں معلوم ہورہے ہو ورنہ دن بھر کی تھکن آواز کی ساری تازگی نچوڑ لیتی ہے" میں نے کہا۔

"اوہو.... تو آخرکار تمہارا سراغ مل ہی گیا" میری آواز پہچان کر وہ شاید حیرت اور خوشی سے اچھل پڑا تھا "اس وقت تم کہاں ہو؟"

"تمہارے مشورے کے مطابق مفرور ہوں اور ایک خفیہ ٹھکانے پر مقیم ہوں" میں نے خوش دلی سے کہا "تمہیں میری کیا ضرورت پیش آگئی۔"

"بس، میں کراچی میں ہی رک گیا ہوں اور تم سے ملنا چاہ رہا ہوں۔ تم کتنی دیر میں اپنے گھر پہنچ سکتے ہو۔"

"گھر!" میں نے حیرت سے دہرایا "کیا جان ایشکوف والا قصہ اتنی جلدی نمٹ گیا؟"

"فی الحال اسے بھول جاؤ" ہلکے سے قہقہے کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جلال کی آواز آئی "سیانا کوا ہمیشہ گو کھاتا ہے۔ اس نے یہاں آتے ہی زبردست دوڑ لگانے کی کوشش کی تھی اور ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرا ہے۔ اب ان لوگوں کی توجہ تمہاری ذات سے ہٹ کر کہیں اور مرکوز ہو گئی ہے۔"

"وہ خاصا سنجیدہ اور متین نظر آتا ہے۔ اسے دیکھے بھالے بغیر اتنی تیز دوڑ لگانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں روانی میں کہہ گیا۔

"سنجیدہ اور متین!" اس بار جلال کے حیران ہونے کی باری تھی "اس خبیث کو تم نے کب اور کہاں دیکھ لیا؟"

مجھے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور میں نے بوکھلا کر اپنی تصحیح کرتے ہوئے کہا "میں اسے کہاں دیکھتا۔ میں تو تم سے سنی سنائی باتیں دہرا رہا تھا۔"

"وہ حقیقت میں نہیں، محاورتاً دوڑا تھا" جلال نے مطمئن ہو کر کہا "اس کا خیال تھا کہ وہ ایک ہی زقند میں آسمان سے تارے توڑ لے گا۔"

وہ جان سے بے خبر نہیں تھا۔ اس کی ناکامی کی کوئی تازہ ترین خبر سنا رہا تھا لیکن اس نے ٹینٹی جینٹی والے واقعے کا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا۔ ادھر میں خود چند گھنٹوں میں اسپتال کے خشک ماحول سے بیزار ہو گیا تھا۔ میں نے محتاط لہجے میں کہا "میں گھر پہنچ کر تمہیں فون کر دوں گا لیکن تم کو وعدہ کرنا ہو گا کہ کسی بات پر مجھ سے جھگڑا نہیں کرو گے۔"

"کیا میں نے پہلے کبھی تم سے جھگڑا کیا ہے؟" اس نے افسردہ آواز میں پوچھا۔ شاید میری شرط سن کر اسے رنج ہوا تھا۔

"پہلے نہیں کیا مگر اب امکان نظر آ رہا ہے۔ تم..."

اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔ بیچ میں بول پڑا "بس تم گھر پہنچو۔ وہاں آمنے سامنے بات ہو گی۔ کتنی دیر میں پہنچو گے؟"

"کچھ دیر ہو گی۔ میرے میزبان کچھ مختلف قسم کے ہیں۔ اپنے چنگل میں پھنسے ہوئے مہمان کو کھال اتارے بغیر گھر نہیں جانے دیتے۔"

"یہ کون بدمعاش ہیں۔ مجھے بتاؤ، میں ابھی آ کر تمہیں لے جاتا ہوں" میری بات پر وہ برہم ہو گیا۔

"نن.... نہیں" میں نے جلدی سے اسے منع کر دیا "تمہیں دخل اندازی کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں آئندہ کے لیے ان سے مراسم استوار رکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ زبردستی میرے مدد کے لیے آنے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے بہت مشکل سے اسے سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا اور فون بند کر دیا۔

کریڈل دبا کر میں نے اول خان کا نمبر ڈائل کیا تاکہ اسے اپنی نجات کی خوش خبری سنا دوں مگر اس کی لائن مصروف تھی۔ میں نے سگریٹ سلگا کر کچھ دیر تک انتظار کیا اور دوبارہ نمبر ملایا۔ اول خان کا فون بدستور مصروف تھا۔ شاید وہ کسی سے ضروری گفتگو میں مصروف تھا۔ میں بستر پر دراز سگریٹ کے کش لیتا رہا۔ پوری سگریٹ پھونک کر میں نے تیسری کوشش کی تو رابطہ ہو گیا۔

"ابھی جلال کا فون آیا ہوا تھا" اس نے مجھے ایک لفظ سے زیادہ بولنے کا موقع نہیں دیا۔ میری آواز پہچانتے ہی اپنی بات شروع کر دی "اس نے مجھے اسی وقت تمہارے گھر بلایا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ تم بھی تھوڑی دیر میں وہیں پہنچ رہے ہو؟"

"میں نے بھی تمہیں یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ جلال نے کیا گورکھ دھندا شروع کر دیا ہے" میں نے کہا۔

"تھوڑی دیر کی بات ہے پھر سب سامنے آ جائے گا۔ تم اس اسپتال سے کیسے جان چھڑاؤ گے؟"

"کوشش کرتا ہوں۔ وہ زبردستی مجھے نہیں روک سکتے" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ میں اپنے کمرے سے باہر نکلا تو اسپتال کے صاف ستھرے کاریڈور میں خوابناک روشنیوں کا راج تھا۔ کاریڈور کے آخری سرے پر کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھی ہوئی دو وردی پوش نرسیں سفید پریوں کی طرح نظر آ رہی تھیں۔ میں اسی طرف چل پڑا۔ اسپتال میں آتے ہوئے میں نے دیکھ لیا تھا کہ ڈیوٹی ڈاکٹر کا کمرا اسی طرف تھا۔

میں نے ڈاکٹر کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور ہینڈل گھما کر دروازہ کھول دیا۔ ڈاکٹر ایک صوفے پر نیم دراز نیلی وژن دیکھنے میں مصروف تھا۔ اسکرین کا رخ مخالف سمت میں ہونے کی وجہ سے میں یہ نہیں دیکھ سکا کہ اسکرین پر کیا پروگرام چل رہا تھا۔ ڈاکٹر میری صورت دیکھتے ہی سنبھل کر صوفے پر سیدھا ہو گیا اور ریموٹ کنٹرول دبا کر ٹیلی وژن آف کر دیا۔ میں اس کی آنکھوں میں اپنے لیے ناپسندیدگی کے تاثرات دور سے پڑھ سکتا تھا۔

"میں اسپتال سے چھٹی چاہتا ہوں" میں نے اس کی پیش کش کا انتظار کیے بغیر اس کی میز کے پاس پڑی ہوئی کرسی سنبھال لی۔

"کیوں؟" اس کی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا آپ صبح تک ڈاکٹر امجد کا انتظار نہیں کریں گے۔"

"صبح میں شہر کے کسی بہتر اسپتال سے رجوع کروں گا" میں نے بہتر پر زور دے کر کہا۔

"کیا یہاں آپ کو کوئی شکایت ہے؟" میرے تیور دیکھ کر وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"یا تو مجھے ڈرپ میں ملا کر دوائیں دی جا رہی تھیں۔ ڈرپ نکالنے کے بعد مجھے لاوارث چھوڑ دیا گیا ہے۔ یوں ہی پڑے رہنا ہے تو میں اپنے گھر پر زیادہ آرام سے رہوں گا۔"

"آپ کو صبح تک تو ہر حال میں انتظار کرنا ہوگا۔ ہمارا اکاؤنٹس آفس صبح نو بجے کھل کر پانچ بجے بند ہو جاتا ہے۔"

"مگر میں نے رات کے دس بجے کے قریب بیس ہزار روپے جمع کرائے تھے" میں نے تلخی سے کہا۔

"مریضوں کی سہولت کے لیے کیشیر چوبیس گھنٹے موجود رہتا ہے۔ یہاں ہر وقت مریض آتے رہتے ہیں۔"

"آنے والے مریضوں کی سہولت کا اتنا خیال رکھا جاتا ہے تو جانے والے مریضوں کے لیے بھی کوئی بہتر بندوبست ہونا چاہیے۔"

"دیکھیے! میں ڈاکٹر ہوں۔ مریضوں کو دیکھتا اور علاج تجویز کرتا ہوں۔ ان انتظامی امور سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسپتال کا انتظامی عملہ بھی صبح نو بجے آتا ہے۔ آپ کی شکایت کا جواب وہی لوگ دے سکیں گے۔ یہ رات آپ یہاں بسر کرلیں کیونکہ آپ ابھی جائیں یا صبح جائیں، آپ کو ایک رات کے روم چارجز ادا کرنے ہوں گے" میری باتوں پر ڈاکٹر کی پیشانی شکن آلود ہو گئی مگر وہ پڑھا لکھا ڈاکٹر تھا۔ اس کی گفتگو تہذیب اور شائستگی کی حدود میں رہی۔

اپنی محدود ذمے داریوں کے بارے میں اس کا بیان درست تھا۔ میں نے اس سے الجھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور نرمی سے کہا "میں یہاں بہت مضطرب اور بے آرام ہوں۔ فی الحال میرا آپریشن کروانے کا ارادہ نہیں ہے۔ میں اسی وقت گھر جانا چاہتا ہوں۔"

"آپ ڈسچارج فارم پر دستخط کر کے اپنے رسک پر واپس جا سکتے ہیں" ڈاکٹر نے سپاٹ لہجے میں خوش خبری سنائی "ڈپازٹ کی رسید احتیاط سے رکھیں۔ صبح آپ کا حساب بن جائے گا۔ پانچ بجے سے پہلے کسی بھی وقت آئیں اور رسید دکھا کر بقیہ رقم واپس لے لیں۔"

"میں یہی چاہ رہا تھا" میں نے ممنونیت سے کہا "مجھے اپنا آرام پیسوں سے زیادہ عزیز ہے۔"

دس منٹ بعد میں اسپتال سے نکل کر باہر سڑک پر پہنچ چکا تھا جہاں ٹیکسیاں اور رکشے موجود تھے۔ اسپتال کا کمرا چھوڑنے سے پہلے ... میں ٹیلی فون لائن سے سی ایس ڈی نکال کر محفوظ کرنا نہیں بھولا تھا۔ اسپتال سے ہمارے گھر کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ موسم خوشگوار ہوتا تو رات کے سکون آور سناٹے میں وہ راستہ پیدل بھی طے کیا جا سکتا تھا مگر وہ رات خنک تھی۔ میں نے ٹیکسی لی اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

میری بائیں ہتھیلی کی پشت پر کینولا کی سوئی سے چھیدی جانے والی نس پر لگا ہوا ٹیپ اسپتال کی اکلوتی نشانی کے طور پر میرے ساتھ تھا۔

میں نے اول خان کو اپنی واپسی کے پروگرام سے آگاہ کیا تھا، غزالہ کو خبر نہیں دی تھی مگر جب ٹیکسی گھر کے سامنے رکی تو میں اپنے گھر کی مکمل روشنیاں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ خوابیدہ آبادی میں ہمارا گھر روشنیوں کے ایک جزیرے کی طرح جگمگا رہا تھا۔ رات کے سناٹے میں ٹیکسی کا انجن بند ہونے کی آواز سن کر سلطان شاہ دروازے پر آ گیا۔ میں ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے پلٹا تو وہ تینوں ہی پھاٹک کے پاس میرے منتظر تھے۔

ویرا کی آنکھیں سرخ اور متورم تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی باوقار مسکراہٹ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ مے نوشی کی کثرت کے باوجود اس نے اس وقت اپنے اعصاب پر قابو پایا ہوا تھا "ویری گڈ! لوٹ کے بدھو گھر کو آئے" مجھے دیکھ کر اس نے برمحل تبصرہ کیا۔ اس کی آواز میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔

"جلال کا فون آیا تھا۔ وہ بھی پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میں اسے فون کر دوں کہ آپ آ گئے ہیں" غزالہ یہ کہہ کر دوڑتی ہوئی اندر چلی گئی۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے" سلطان شاہ نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کہا "پہلے تمہیں بھگا دیا گیا۔ اب تم لوٹ آئے ہو، جلال بھی آ رہا ہے..."

"جلال ہی اس راز پر سے پردہ اٹھائے گا" میں نے اسے جواب دیا پھر ویرا کی طرف متوجہ ہو گیا "آج تم نے پھر کم وقت میں بہت زیادہ پی ہے۔ آئینے میں صورت دیکھی ہے اپنی؟"

"تم آ گئے ہو تو تمہاری آنکھوں کے آئینوں میں اپنی تصویر دیکھوں گی" وہ کھری مسکراہٹ کے ساتھ بولی "اس سے پہلے میں خود فراموشی کی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔"

"اس میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ زیادہ پی کر نثر میں شاعری کرنے لگتی ہے" سلطان شاہ چڑ کر بولا "میری اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غزالہ کی مشترکہ رائے تھی کہ اس سوئے ہوئے جن کو نہیں اٹھائیں گے۔ پتا نہیں یہ ہماری آوازیں سن کر کیسے اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔"

"تمہاری آوازیں سن کر قبر سے مردے بھی باہر آسکتے تھے" ویرا نے اسے گھور کر تلخی سے کہا "ڈیڈی کی واپسی کی خبر سن کر تم اس بری طرح چیخے تھے کہ میں گھبرا گئی تھی۔"

"بس' اب زیادہ تکرار نہیں ہوگی" میں نے ہاتھ اٹھا کر مداخلت کی "جلال سے پہلے اول خان بھی آرہا ہے۔ ان لوگوں کی موجودگی میں یہاں کوئی تماشا نہیں بننا چاہیے۔"

"سب کے یک جا ہونے کا مطلب ہے کہ کوئی اہم اجلاس ہونے والا ہے" ویرا نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے چٹکی بجا کر کہا "میں دس منٹ میں بالکل فریش آپ ہو کر واپس آتی ہوں۔ ان دونوں کو یہاں پہنچنے میں اتنا وقت تو لگے گا۔"

وہ مڑی اور کچن کی طرف چلی گئی۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔

"اسے اپنی خواب گاہ کے باتھ روم میں جا کر نہانے کی ضرورت تھی۔ یہ کچن میں کیا کرنے گئی ہے" میں نے قدرے اونچی آواز میں خود کلامی کی۔

"نہانے سے پہلے وہ لیموؤں پر ہاتھ صاف کرے گی" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا "کبھی اسے جن میں نچوڑنے کے لیے لیمو کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی اسکاچ کا نشہ ہرن کرنے کے لیے لیموؤں کا شربت پیتی ہے۔ جب فرج کھولتا ہوں' لیمو غائب ہوتے ہیں۔"

غزالہ بھی آگئی۔ اس نے خواب گاہ کے انسٹرومنٹ سے جلال کو فون کر دیا تھا' میری غیر متوقع واپسی پر اس کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

ویرا کی واپسی اور جلال کی آمد سے پہلے اول خان آگیا کیونکہ وہ ہمارے گھر سے قریب' جمشید روڈ پر رہتا تھا جب کہ جلال کو نشتر روڈ پر واقع صدف مینشن سے ہمارے گھر کی دوڑ لگانی تھی۔ ہمارے اس اجلاس کا اہم ترین شریک وہی تھا۔

موسم سرد تھا اور رات گہری ہو چکی تھی۔ ڈرائنگ روم بند ہونے کے باوجود موسم کے اثرات سے متاثر تھا۔ غزالہ نے کسی فرمائش کے بغیر چائے بنانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اول خان اور سلطان شاہ نے خلوصِ دل سے اس کی تائید کی اور وہ کچن کی طرف چلی گئی۔

"مجھے اندیشہ تھا کہ اسپتال والے آسانی سے تمہاری جان نہیں چھوڑیں گے" اول خان ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا "ایسے لالچی لوگ اپنے چنگل میں پھنسنے والے مریضوں کے خدائی خیر خواہ بن جاتے ہیں اور آسانی سے ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔"

"میں نے بیس ہزار روپے گروی رکھوا کر آزادی حاصل کی ہے۔ اس رقم کا حساب کل ہوگا" میں نے کہا۔

"رقم کے ذکر پر مجھے یاد آیا کہ میں نے تمہارا چیک لاہور بھجوا دیا ہے۔ کل لاہور میں چیک کیش ہوتے ہی ایک آدمی یہاں نقد رقم دے دے گا۔ اس کا کیا کرنا ہے" اول خان نے پوچھا۔

"میرا کہیں کوئی اکاؤنٹ نہیں ہے۔ سارے پیسے جہانگیر کی بیوی کے پاس پڑے ہوئے ہیں۔ یہ پیسے اپنے اکاؤنٹ میں ڈال لینا۔ اس میں سے دو لاکھ تمہارے ہیں" میں نے کہا۔

"میں اس میں سے ایک روپیا نہیں لوں گا۔" اول خان نے برہمی سے کہا "وہ رقم تم چاروں کی ہے۔ تم کو مبارک ہو۔ مجھے اپنے کام کی باقاعدہ تنخواہ ملتی ہے۔ میرے لیے وہی کافی ہے۔ میں یہ رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع نہیں کرا سکتا۔ کسی بدخواہ کو بھنک مل گئی تو میرے کردار پر حرف گیری کا سلسلہ چل نکلے گا۔"

"پھر وہ رقم گھر پر رکھ لینا" میں نے اپنی تجویز پر اصرار کیے بغیر اس سے گزارش کی "مطلع صاف ہوگا تو یہ پیٹ بھی سلمٰی کے پاس رکھوا دوں گا۔"

"کافی دنوں سے گولڈن فارمیسی کے سیٹھ اور اس کی بیوی کی کوئی خیر خبر نہیں ملی" سلطان شاہ نے یاد دلایا۔

"بھارت جانے سے پہلے میں ان سے ملا تھا۔ اب آیا ہوں تو دوسری ملاقات ہوگی۔ تم بھول رہے ہو کہ سلمٰی مجھے لاہور میں بھی ملی تھی۔"

"اوہ! یاد آگیا۔ چوہدری عظمت سلمٰی کا سگا ماموں تھا" وہ چونک کر بولا "اس کی گرفتاری پر وہ تم سے بہت ناراض ہوگی۔"

"میں نے لاہور میں ہی اسے بتا دیا تھا کہ میں بے بس ہوں۔ اس کے ماموں کے گھر سے ہیروئن کی بھاری مقدار برآمد ہوئی تھی۔"

غزالہ ٹرے میں چائے کے ساتھ کچھ سینڈوچ وغیرہ بھی بنا لائی۔ میرا خیال تھا کہ اس نے بلاوجہ تکلف کیا تھا لیکن جب دور شروع ہوا تو ذرا سی دیر میں سینڈوچ صاف ہو گئے۔ غزالہ کے حصے میں ایک ٹکڑا بھی نہیں آسکا تھا جبکہ میری سوئی ہوئی اشتہا جاگ اٹھی تھی اور مزید خوراک کی طلب گار تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ دور ختم ہونے سے پہلے جلال آگیا۔ وہ پوری طرح بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ ویرا بن سنور کر آگئی۔ میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے اتنی مہارت سے اپنی آنکھوں پر ہلکا سا میک اپ کیا تھا کہ اس کی مخمور آنکھوں کی سوجن بالکل چھپ گئی تھی۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ تھوڑی دیر پہلے وہ نشے سے بدحال نظر آرہی تھی۔

"تھوڑی دیر پہلے تم فون پر چہک رہے تھے۔ اس وقت اداس اور خاموش ہو" میں نے جلال کو ٹوکا۔

"اس وقت میں اپنے موڈ کی بحالی کے لیے عمدہ چائے کی ایک پیالی کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں" جلال نے فرمائش کی اور اپنی بات جاری رکھی "چلتے چلتے ایک بری خبر ملی ہے۔ بھارتی درندوں کا تشدد سہتے سہتے آخر کار عبداللہ شہید ہوگیا۔ اللہ اس کی مغفرت کرے۔ وہ بہت محنتی اور جوشیلا کارکن تھا۔ بہیمانہ تشدد کی وجہ سے اس کے دونوں گردوں سے خون رواں ہوگیا اور وہ جاں بحق ہوگیا۔"

ڈرائنگ روم کی فضا یکلخت پرسوز ہوگئی۔ وہ انکشاف میرے لیے شدید صدمے کا باعث تھا کیونکہ میں نے دہلی میں رہتے ہوئے بہت قریب سے عبداللہ عرف ولی رام کی ذاتی خدمات اور صلاحیتوں سے استفادہ کیا تھا۔ اس کی شہادت نے یقینی طور پر عابد اور پرویز کے حوصلے توڑ دیے ہوں گے۔

اول خان نے "فاتحہ" کہہ کر دعا کے لیے دونوں ہاتھ فضا میں اٹھا دیے۔ سب نے اس کی تقلید کی۔ ان میں غیر مسلم ویرا بھی شامل تھی۔ ویرا کو آنکھیں موند کر ہاتھ اٹھائے دیکھ کر بے اختیار میرا جی چاہا کہ اس سے پوچھوں کہ فاتحہ کے نام پر وہ کیا پڑھ رہی تھی لیکن اس گمبھیر فضا میں ویرا سے ایسا کوئی سوال کرنے سے جلال کے نازک جذبات مجروح ہوسکتے تھے۔ میں نے زبان نہیں کھولی مگر دل ہی دل میں ویرا کی اداکاری کی داد دیتا رہا۔

فاتحہ کے بعد غزالہ نے ٹی پاٹ پر سے ٹی کوزی اتار دی اور جلال کے لیے چائے بنانے لگی۔ جلال کہہ رہا تھا "آج میں بہت خوش تھا۔ مجھے پہلی بار تجربہ ہوا کہ امریکی کتنے بزدل ہوتے ہیں مگر آخری اطلاع نے مجھے دل گرفتہ کردیا۔ شہید عبداللہ کے لیے میرا دل اداس ہے۔"

"اس کی قربانی رائیگاں نہیں جائے گی، اس کے خون کا بدلہ لیا جائے گا" سلطان شاہ نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"ہم سب کو اس کی موت کا گہرا دکھ ہے" اول خان نے لب کشائی کی "جو ہونا تھا وہ ہوچکا ہے۔ ہمارا یہ غم مرنے والے کو واپس نہیں لاسکتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس کی قربانی سے ہم کس طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ہمیں ماضی کے بجائے مستقبل پر نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔"

جلال نے غزالہ کی پیش کی ہوئی پیالی سے گرم اور تازہ چائے کا ایک گھونٹ لیا پھر کہا "آج کسی یمنی نے جان کو سخت مار لگائی ہے۔ وہ اپنے..."

جلال اصل حقیقت سے بے خبر تھا اور فاخرانہ انداز میں اس واقعے کا ذکر کرنے جا رہا تھا۔ اول خان نے اس کی بات کاٹ کر کہا "اس یمنی کا نام عبدالماجد الحسینی تھا۔ اس نے ڈینی کے بارے میں انعامی معلومات دینے کے لیے نو بجے جان کو نینی جیتی والے مندر کے پاس بلایا پھر ناک توڑ کر اسے گہری کھائی میں پھینک دیا۔"

"اوہ!" جلال کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "کیا یہ تم لوگوں کا کوئی پلاٹ تھا؟"

"یہ عبدالماجد الحسینی ہے" اول خان نے میری طرف اشارہ کیا۔

جلال نے متاسفانہ انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور بولا "مجھے یہ جان کر خوشی کے ساتھ افسوس بھی ہوا ہے کہ تم نے یہ شاندار منصوبہ بناتے ہوئے مجھے اپنے اعتماد میں نہیں لیا۔"

"یہ کوئی باقاعدہ منصوبہ نہیں تھا۔ ڈینی نے اسے چھیڑنے کے لیے فون نمبر آزمائے تھے۔ باتیں شروع ہوئیں تو یہ یکایک کسی اور ٹریک پر چل پڑا۔ اس کی باتیں حیران کن تھیں۔ جان شیشے میں اترتا چلا گیا اور یوں بیٹھے بٹھائے ایک سلسلہ چل نکلا۔"

"تم نے اسے آس پاس کے کسی پبلک بوتھ سے فون کیا تھا؟" جلال نے مجھ سے پوچھا۔

"اس کے فون سے ٹیپ یا کوئی اور آلہ منسلک تھا۔ یہاں سے سی ایس ڈی نے اس کی نشاندہی کی تو ہم پبلک بوتھ کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔"

"تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔ اس نے اپنی اور عبدالماجد کی پوری گفتگو کا ٹیپ کراچی کے ڈی آئی جی کو دیا ہے" جلال نے بتایا "مجھے حیرت ہے کہ اتنا کچھ ہوجانے کے بعد بھی وہ عبدالماجد کی تلاش میں ہے اور ہر قیمت پر اس تک پہنچنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔"

"اس نے تمہیں تصادم کا کیا سبب بتایا ہے؟" میں نے ایک نتیجے پر پہنچ کر سوال کیا۔

"عبدالماجد اس سے مل لیتا۔ وہ ماجد کو دینے کے لیے دو لاکھ روپے بھی اپنے ساتھ لایا تھا لیکن جان سے پہلے وہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مورچے سنبھالنے والے امریکی کمانڈوز ماجد کی نظروں میں آگئے۔ وہ خود غائب ہوگیا۔ اس کے کسی آدمی نے جان کو گھیر کر اس کی درگت بنادی۔"

"تم میں سے کسی کو اس کی کہانی کمزور یا بودی محسوس نہیں ہوئی؟" میں نے پوچھا۔

"مضبوط اور مربوط کہانی ہے۔ اس میں کہیں کوئی جھول نہیں ہے۔ اس کا اصرار ہے کہ کراچی میں کام کرنے والے تمام عرب گروپوں کے سرغنوں کو پکڑ کر ان سے ماجد کے بارے میں کڑی بازپرس کی جائے اور وہ جہاں بھی ہے' اسے قابو میں کرلیا جائے کیونکہ وہ چالاک آدمی ڈینی کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتا ہے۔"

میرے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ تیر گئی "یہ ایک اتفاق ہے کہ کسی ارادے کے بغیر ایسی کہانی بن گئی جس کا تانا بانا مضبوط ہے۔ اسے سمندری کھاڑی میں پھینکنے سے پہلے میں نے اسے بتایا تھا کہ ماجد کے نہ ملنے اور اس سے بدسلوکی ہونے کا کیا سبب ہے۔ میری وہ بات بھی اس نے ذہن نشین کرلی۔"

"میرے لیے یہ سب ناقابلِ یقین ہے۔ ناولوں اور کہانیوں میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔ جان جیسے کھلاڑ کھلاڑی کا دھوکا کھانا ناقابل فہم ہے" جلال بے اعتباری سے بولا "میری یہ شکایت اب بھی باقی ہے کہ اس پلان کے بارے میں تم لوگوں نے آخر تک مجھے اندھیرے میں رکھا۔"

"تمہاری پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ ناول اور کہانیاں آسمان سے نہیں اترتیں۔ گردوپیش کے واقعات کا آئینہ ہوتی ہیں۔ شکایت رہ جاتی ہے تو بات وہی ہے کہ یہ پلان نہیں تھا۔ شروع سے آخر تک' سب کچھ بلا سوچے سمجھے ہوتا چلا گیا۔ تمہاری سخت ہدایت تھی کہ جان سے دور رہا جائے۔ پاکستان میں جان کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ اپنے فی البدیہہ پلان پر قدم بہ قدم عمل کرتے ہوئے مجھے اندیشہ تھا کہ ہم تمہاری ہدایت سے انحراف کررہے ہیں۔ تفصیلات تمہارے علم میں آتیں تو تم سختی سے ہمیں روک دیتے۔ اب ہماری کارروائی کے مثبت نتائج سامنے آچکے ہیں تو تم ہماری بے اعتمادی پر اپنے قلق کا اظہار کررہے ہو۔"

جلال نے بہت غور سے میری بات سنی اور سرہلا کر بولا "شاید تمہارا تجزیہ بالکل درست ہے۔ نتائج سامنے آنے سے پہلے شاید میرا رویہ کچھ اور ہوتا۔"

"کیا تم محض اس وجہ سے پُرجوش تھے کہ جان اور اس کے سرپرستوں کی توجہ ماجد یمنی کی طرف مبذول ہوگئی ہے۔"

اول خان نے پوچھا۔

"ہاں! ڈینی سے ان کی پرانی پرخاش ہے پھر بھی وہ دوسرے نمبر پر چلا گیا ہے۔ انہیں یقین ہے کہ ماجد کراچی میں ہے۔ مقامی انتظامیہ اسے جلد پکڑلے گی۔"

"اسے گھیرنے کے لیے امریکی کمانڈوز بھی بھیس بدل کر نکل پڑے ہوں گے" سلطان شاہ نے اظہار خیال کیا۔

"وہ کمانڈوز باہر سے نہیں آئے۔ ان کا تعلق قونصل خانے کے حفاظتی عملے سے ہے۔ وہ اپنی ڈیوٹی پر لوٹ چکے ہیں۔ کمال کی بات یہ ہے کہ نیٹی جیٹی پر جان کی ناک ٹوٹنے کے سوا کسی کا خون نہیں بہا۔ گولیوں کے دھواں دھار تبادلے کے بعد پولیس پہنچی تو وہاں صرف گولیوں کے خول جا بہ جا بکھرے ہوئے تھے۔ کسی متنفس کا پتا نہیں تھا۔"

"ان لوگوں نے ماجد کو پکڑنے کا بوجھ مقامی انتظامیہ کے سر ڈال دیا ہے۔ خود جان کیا کررہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سب سے دلچسپ بات یہی ہے۔ وہ اس واقعے سے اتنا خوف زدہ ہوا ہے کہ آج رات ہی یہاں سے بھاگنے پر تل گیا ہے۔ ان تبدیلیوں کی وجہ سے میں نے اسلام آباد روانگی کا پروگرام ملتوی کردیا اور تمہاری تلاش شروع کردی تاکہ تم سب کو بریفیک کرسکوں۔ یہاں پتا چلا کہ تم مجھ سے دو ہاتھ آگے چل رہے ہو۔"

"یہاں ماجد پکڑا گیا تو اس کا کیا ہوگا؟" اول خان نے پوچھا۔

"تم لوگوں نے جو کچھ بتایا ہے وہ سننے کے بعد ماجد کی گرفتاری کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ جان کو خواہش تھی کہ اسے پکڑ کر ڈینی کے بارے میں پوچھ گچھ کی جائے۔ کراچی میں پھیلے ہوئے عرب گروہوں سے اس کے قریبی مراسم معلوم ہوتے ہیں" جلال نے بتایا۔

"آج شام تک امریکی چراغ پا تھے.... پاکستانی حکام کی نیک نیتی پر شکوک وشبہات کا اظہار کررہے تھے۔ اب اچانک ایسی کیا تبدیلی آگئی کہ جان اپنا کام مقامی انتظامیہ کو سونپ کر یہاں سے بھاگنے کی فکر میں ہے" میں نے سوال کیا۔

"نیٹی جیٹی کے واقعے نے انہیں بدترین دفاعی پوزیشن میں دھکیل دیا ہے۔ ایک بار پھر سختی سے یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ نقل وحرکت میں سخت ترین احتیاطی تدابیر پر عمل کرنے کی ہدایات کے باوجود اہم امریکی افسر اور سفارت کار بار بار دور افتادہ ویرانوں میں جاکر مصائب کیوں مول لے رہے ہیں۔ ان کے عزائم مشکوک نظر آتے ہیں۔ اس طرح وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مقامی انتظامیہ کے لیے بھی امن وامان کے سنگین مسائل پیدا کررہے ہیں۔ وہ اپنی غیر ذمے دارانہ نقل وحرکت اور پراسرار سرگرمیوں کی وجہ سے نامعلوم اور ناپسندیدہ عناصر کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں تو پاکستان اور امریکا کے تعلقات میں تلخی پیدا ہونے لگتی ہے۔ امریکی اپنے افسروں کی حرکتوں کی پردہ پوشی کے لیے پاکستانیوں پر ناجائز دباؤ ڈالنے لگتے ہیں" جلال نے وضاحت سے صورت حال بیان کردی۔

"یہ سوال کس نے اٹھائے ہیں؟" میں نے دھیمی مگر پرخیال آواز میں پوچھا۔

"دفتر خارجہ اور وزارت داخلہ والے امریکیوں پر سخت برہم ہیں۔ حالات نے انہیں اپنی برہمی کے اظہار کا کھلا موقع فراہم کردیا ہے۔ رات کے گیارہ بجے امریکی سفیر کو دفتر خارجہ میں طلب کرکے ایک بہت سخت مگر خفیہ احتجاجی مراسلہ دیا گیا ہے کہ امریکی اہل کار پاکستان کے امن وامان کو برباد کرنے والی حرکتوں میں ملوث ہورہے ہیں۔"

جلال کی وہ وضاحت سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے وجود میں ٹھنڈ سی پڑگئی ہو۔ میں نے کہا "ان کے خلاف ثبوت ہیں اس لیے انہوں نے خاموشی سے پسپائی اختیار کرلی ہے تاکہ ان کے کرتوتوں پر پردہ پڑا رہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس واقعے کی دھول بیٹھ جائے گی تو وہ نئی مہم جوئی شروع کردیں گے۔"

"یہ ایک مسلسل عمل ہے۔ جب تک ان کی نیت صاف نہیں ہوگی، ایسے واقعات رونما ہوتے رہیں گے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم جیسے عام لوگ ان کے خلاف صف آرا ہوکر بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کررہے ہیں۔ آج تو کراچی کی پولیس نے بھی بروقت کارروائی کی اچھوتی مثال قائم کردی۔ جان کو بھیگے ہوئے چوہے کی طرح کھاڑی کے گہرے اور نمکین پانی سے نکالا گیا تو پولیس پہلے سے اس کے استقبال کے لیے تیار تھی۔ اس کا ساتھی بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ پانی میں ڈبکیاں کھا کر وہ اتنا بدحواس ہوچکا تھا کہ اسے کوئی جھوٹ نہ سوجھ سکا۔ اس نے سارا سچ اگل دیا۔" جلال کہہ رہا تھا "اس بکھرے بکھرے سچ کی کڑیاں ہم لوگوں نے سر جوڑ کر ملائی ہیں۔"

"تمہاری آپس کی باتوں سے بہت کچھ سمجھ میں آگیا ہے۔" ویرا نے پہلی مرتبہ زبان کھولی "پھر بھی کئی باتیں وضاحت طلب ہیں۔"

"اس وقت صرف ایک ہی بات وضاحت طلب ہے۔ تم نے شہید عبداللہ کے لیے فاتحہ میں ہاتھ اٹھا کر کیا پڑھا تھا۔" سلطان شاہ نے اچانک وہ غیر متوقع سوال کر ڈالا۔ جلال سمیت ہر ایک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سب کی نگاہیں ویرا کے چہرے پر مرکوز ہوگئی تھیں۔

"میں نے عبداللہ کے لیے اپنی عقیدت اور احترام کے اظہار میں علامتی طور پر تمہارے ساتھ ہاتھ اٹھائے تھے۔" ویرا نے چند ثانیوں تک سلطان شاہ کو گھورنے کے بعد سکوت توڑا "مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا پڑھ رہے تھے مگر عیسائیوں کا خدا بھی تمہارے خدا کی طرح نیتیں دیکھتا ہے۔ اس وقت میری دعا تھی کہ خدا دوسرے جہان میں اسے اپنے انعامات اور لطف وکرم سے نوازے اور اس کے پس ماندگان کو صبر و استقامت کے ساتھ یہ سانحہ برداشت کرنے کی قوت عطا فرمائے۔"

"ویری گڈ ویرا....!" جلال بے ساختہ بول پڑا "اپنے شہید ساتھی کے لیے میں تم سے اس سے بہتر دعا کی توقع نہیں کرسکتا تھا۔"

"دراصل خدا ایک ہی ہے۔ یہ ہماری عقلوں کا فتور ہے کہ ہم نے اسے اللہ، خدا، گاڈ، بھگوان اور نہ جانے کیا کیا بنایا ہوا ہے۔" ویرا نے اعتماد سے کہا "خدا ایک ان دیکھی اور سب سے بالا دست قوت کا نام ہے جو زندگی کی خالق اور خاتم ہے۔ اس نکتے پر سب متفق ہیں۔ اس سے آگے مذہبوں اور پھر فرقوں تک کا اختلاف پیدا ہوجاتا ہے۔ میں نے اسی نکتے پر اپنی توجہ مرکوز کرکے دعا کی تھی۔"

"مزید ویری گڈ!" سلطان شاہ سب سے پہلے بول پڑا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کسی مذہبی معاملے پر تمہاری سوچ اتنی واضح ہوگی۔" اس کے لب و لہجے میں ویرا کے لیے تضحیک کا شائبہ تک نہیں تھا۔ سلطان شاہ نے اس کی توصیف کرکے اپنے سوال کی ندامت کو دھو دیا تھا۔

"تم اس وقت صدف مینشن میں بیٹھے کیا کررہے تھے؟" قدرے سکوت کے بعد میں نے جلال سے پوچھا۔

"کئی معاملات تھے۔ سب سے اہم ایک تازہ قیدی تھا جو دو سال سے ایک بھارتی سفارتی افسر کا اغوا مربنا ہوا ہے۔ اس کا اعترافی بیان لینے کے بعد اس کی گرفتاری ڈکلیر کردی جاتی۔ اس اقدام کے نتیجے میں عبداللہ کے بچ جانے کی امید کی جارہی تھی مگر ہمیں تاخیر ہوگئی۔ رانے اپنا کام دکھا دیا۔"

"اب اس قیدی کا کیا بنے گا؟" غزالہ نے دلچسپی کے ساتھ پوچھا۔

"پوچھ گچھ کے بعد اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ ایسے دسیوں آدمی ہماری نظروں میں ہیں مگر بڑی مچھلیوں کے شکار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لیے ان سے چشم پوشی برتی جاتی ہے۔ ہر ملک میں یہی ہوتا ہے۔ عبداللہ بھارتیوں کی قید میں زندہ رہتا تو ہم بھی سودے بازی کے لیے اسے نہ چھوڑتے۔"

"عبداللہ کو مارنے والا کون ہے؟" میں نے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

"ابھی مجھے اس کی شہادت کی ابتدائی خبر ملی ہے۔ ایک دو روز میں یہ بات بھی معلوم ہو جائے گی۔"

"جس طرح امریکیوں نے عبدالماجد الحسینی کے خوف میں مبتلا ہو کر ڈینی کو پس پشت ڈال دیا ہے، تم امریکیوں کے چکر میں پڑ کر اپنے بھارتی دشمنوں کو نہ بھلا دینا۔ ان سے نمٹنا ہماری پہلی ترجیح ہے کیونکہ ہمیں سب سے زیادہ نقصان وہی پہنچاتے ہیں۔ انہوں نے امریکیوں کے ذہنوں کو ہماری طرف سے زہر آلود کیا ہوا ہے۔"

"میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں اور اسی لیے میں تمہاری تلاش میں تھا۔ امریکی دباؤ میں عارضی کمی سے فائدہ اٹھا کر ہمیں بھارتیوں کو رگڑ دینا چاہیے۔" اس بارے میں جلال کا رویّہ ابتدا سے ہی جارحانہ تھا۔ وہ اندر کی بہت سی باتیں جانتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ بھارتی کہاں کہاں ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

"میرا اندازہ تھا کہ تم نے ہمیں عبدالماجد والے قصے سے آگاہ کرنے کے لیے بلایا ہے۔" اول خان بولا۔

"ساری بات وہیں سے شروع ہوئی ہے۔ کراچی سے جان کے قدم نہ اکھڑتے تو میں ڈینی کو بلانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ڈینی کی ذات کو جان نے اپنے لیے خصوصی موضوع بنایا ہوا ہے۔ اس کی اپنی رگڑائی نہ ہو گئی ہوتی تو وہ ڈینی پر عرصہ حیات تنگ کر سکتا تھا۔"

وہ دونوں غیر ضروری باتوں کی طرف بھٹک رہے تھے۔ میں نے جلال کو مخاطب کر کے کہا "بھارتیوں کے سلسلے میں تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"ان کو عبداللہ کی شہادت کا جواب جلد از جلد ملنا چاہیے۔ اس کے اصل قاتل کا سراغ ملتا رہے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا کام شروع کر دو۔" اس نے کہا۔

"میں وہی جاننا چاہ رہا ہوں کہ اب مجھے کیا کرنا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے، زور دے کر کہا۔

"مجھے کچھ کہنے یا بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نریش نے تمہیں جو کام سونپا تھا وہ شروع ہو جانا چاہیے۔"

"اس نے مجھے جو فون اور فیکس نمبر دیے تھے ان پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش شاید اب کامیاب نہ ہو۔" میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

"نتائج کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔ ہمیں اپنی کوشش کا آغاز کر دینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ کامیابی مل ہی جائے۔"

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ دہلی سے امرتسر اور پھر لاہور کے راستے کراچی پہنچتے ہی واقعات کا ایک ایسا سلسلہ چل نکلا تھا کہ مجھے پیچھے دیکھنے یا سوچنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ وہ کراچی میں ہماری پہلی رات تھی۔ ہمیں شہر میں آئے ہوئے پورے چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے کہ ہمارے خلاف مسائل نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ واقعات کی وہ لہر جس حیرت ناک تیزی سے اٹھی تھی، اس سے کہیں زیادہ تیزی سے معدوم ہوتی چلی گئی تھی۔

اسپتال میں پناہ لیتے ہوئے میرے ذہن میں یہ خیال راسخ تھا کہ مجھے کم از کم ایک آدھ ہفتے کے لیے وہاں محصور ہونا پڑے گا لیکن وہاں چند گھنٹے بسر کرنے کے بعد ہی جلال کی طرف سے خطرہ ٹلنے کا سگنل موصول ہو گیا اور میں گھر لوٹ آیا۔ وہ سب ناقابلِ یقین سا تھا اور مجھے ایک خواب کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔

ان واقعات کے ساتھ ساتھ مجھے یہ یاد تھا کہ کراچی میں بھارتی سفارتی کیڈر میں کوئی ایک ایسا فرد چھپا ہوا تھا جو پاکستان کے خلاف را کے مذموم عزائم کو آگے بڑھانے کے لیے کام کر رہا تھا۔ نریش نے مجھے دہلی میں ایک ماہ کا پیشگی مشاہرہ دے کر اپنا پابند کر لیا تھا۔ اس کی ہدایت کے مطابق مجھے اپنی رپورٹ اس نمبر پر فیکس کے ذریعے بھیجنی تھی۔ ٹیلی فون نمبر پر کسی بہت ہی اہم اور ناگزیر ضرورت کے وقت رابطہ کرنا تھا۔

جب تک میں دہلی میں تھا وہ باتیں اپنی جگہ اٹل تھیں۔ خود میرا منصوبہ تھا کہ میں کراچی واپس جاتے ہی اوٹ پٹانگ یا پھر اخباری اطلاعات پر مبنی رپورٹیں اس نمبر پر فیکس کر کے غداروں کی صف میں اپنی جگہ بناؤں گا اور پھر ان کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کروں گا۔

بدقسمتی یہ ہوئی کہ ہمارے دہلی بلکہ امرتسر سے نکلنے کے بعد حالات تیزی سے بدلتے چلے گئے۔ انل اور نریش کی لاشوں کی دریافت نے دہلی میں ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ پاکستان کے خلاف را اور امریکی سی آئی اے کا گٹھ جوڑ نیا نہیں تھا۔ امریکی گرگوں کے تعاون سے را والوں کو یہ نتیجہ اخذ کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ میں دہلی میں ہونے والی خوں ریزیوں میں سرگرم کردار ادا کر رہا تھا۔ انل اور نریش کو مارنے کے بعد میں امرتسر کے راستے پاکستان فرار ہو گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیم گن کا استعمال بھارت میں میری موجودگی کا ناقابل تردید ثبوت قرار پایا۔ راوالوں کی تفتیش کا آخری موڑ یہ تھا کہ انہوں نے ڈینی کے ساتھ مظہر خان کی تلاش بھی شروع کردی تھی۔ میری آخری اطلاعات کے مطابق انہیں یہ شبہ نہیں ہوسکا تھا کہ وہ ایک ہی شخصیت کے دو نام تھے۔

پاکستان اور بھارت کے درمیان سیاسی اور سفارتی تعلقات میں سرد مہری' مغائرت اور کشیدگی کا دور چل رہا تھا۔ یہ کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا کہ بھارت کے مطالبے پر پاکستانی حکام مجھے گردن سے دبوچ کر ان کے حوالے کردیتے۔ بھارتیوں کی وہ ضرورت پوری کرنے کے لیے فوری طور پر امریکی حرکت میں آگئے۔ جان ایشکوف بجلی کی سی سرعت سے ایک طیارہ چارٹر کرکے استنبول سے کراچی آپہنچا اور اس نے پاکستانی ایجنسیوں سے ڈینی اور مظہر خان کی گرفتاری کا مطالبہ کردیا۔

بھارتیوں نے مظہر خان کا نام مطلوب افراد کی فہرست میں ڈال دیا تھا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اس نام سے بھیجے ہوئے کسی فیکس پر یقین کرلیں گے پھر بھی ان سے رابطے کی ایک کوشش کرلینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ جلال نے اس نمبر کی نشان دہی کے سوا کوئی بات نہیں کی تھی لیکن ایک اشارہ ملتے ہی میرے ذہن نے کام کرنا شروع کردیا تھا۔ اگر میں اپنے پہلے ہی پیغام میں یہ واویلا مچا دیتا کہ میرے بھارت سے نکلتے ہی میرے ساتھ ظالمانہ امتیاز برتنا شروع کردیا گیا تھا۔ را کا تنخواہ دار ہوتے ہوئے مجھے مشتبہ قرار دے دیا گیا تھا جس کے نتیجے میں پاکستان میں میری آزادانہ نقل و حرکت مخدوش ہوگئی تھی اور میں کراچی میں روپوش ہونے پر مجبور ہوگیا تھا تو را کے مقامی گماشتے کے دھوکا کھا جانے کی امید ہوسکتی تھی۔

جلال نے مجھ سے تفصیل سے بات نہیں کی تھی۔ شاید اس کا مدعا بھی یہی تھا کہ ایک کوشش کرلینی چاہیے۔ وہ اندھیرے میں چلایا ہوا تیر ہوتا۔ نشانے پر لگ جاتا تو کامیابی کے دروازے کھل جاتے ورنہ خطا ہونا اس کا مقدر تھا۔

"ہمارے کراچی پہنچتے ہی جو چکر چل پڑا وہ تمہارے سامنے ہے۔" میں نے جلال سے کہا "مہلت ملنے پر میں اس فیکس نمبر پر ایک کوشش ضرور کروں گا۔"

"اس کوشش کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ یک

حسن وہ! جو چھپائے نہ چھپے!

میرے نسوانی حسن کا راز

بلوسم بریسٹ کریم (یونانی)

قدرتی جڑی بوٹیوں پر برسہا برس کے تجربے اور تحقیق کے بعد ایک نئی ایجاد

بلوسم بریسٹ کریم جو

قیمت = 150/-

• بریسٹ کے ٹشوز کو سخت کرکے ابھارلاتی ہے۔
• بریسٹ کے چھوٹے پن میں اضافہ کرکے پروقار شخصیت کا مالک بناتی ہے
• کھوئی ہوئی نسوانی خوبصورتی کو دوبالا کرتی ہے

اسٹاکسٹ:

خواجہ سٹور ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی
صدر میڈیکل سٹور ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی
مسلم جنرل سٹور لیاقت مارکیٹ ملیر کراچی
ابراہیم سن لیاقت مارکیٹ ملیر کراچی
تھری اسٹار جنرل سٹور مدینہ مارکیٹ۔
رشیم بازار حیدرآباد
نیو دہلی دواخانہ وکٹوریہ روڈ سکھر
پیرزادہ میڈیکل سٹور سبزاج روڈ سکھر
حافظ میڈیکل سٹور گین پور روڈ لاڑکانہ
طاہر شاپنگ سنٹر بلیر بل بازار اکاڑہ
نشان ہومیو اسٹور ہیٹنٹ بازار فیصل آباد
راجہ برادرز تحصیل بازار سیالکوٹ
پاکستان جنرل سٹور کچری بازار گوجرانوالہ
عظیم ہیوی سنٹر مدینہ مارکیٹ میٹا روڈ فیصل آباد
اوکے شاپنگ سنٹر صدر بازار ڈیرہ غازی خان
ایس نبی بیوٹی میڈیکل سٹور مسلم بازار گجرات
شفائی دواخانہ اندرون فرید گیٹ شاہی بازار، ملتان
بادشاہ دی ہیٹی ڈھوک کھبہ راولپنڈی
جرمن ہومیو سٹور مانو بازار رشیم بازار خان
ابن سینا سٹور گھنٹہ گھر بازار ڈیرہ غازیخان
حبیب دواخانہ گھنٹہ گھر بازار ملتان
امداد ہومیو سٹور ہائی سٹریٹ سامیوال
شہزاد دواخانہ کارخانہ بازار فیصل آباد
شاہی طبی دواخانہ جلیوٹ بازار فیصل آباد
گوئے اینڈ گورے میڈیکل سٹور کچری بازار سرگودھا
شکار میڈیکل سٹور ریلوے روڈ سیالکوٹ
جرمن ہومیو سٹور اردو بازار گوجرانوالہ
الحافظ دواخانہ بازار مارکیٹ کلاں بازار ڈیرہ غازی خان
کوثر دواخانہ کارخانہ بازار فیصل آباد
حق القیوم جنرل سٹور ہسپتال روڈ پکوال
عوامی دواخانہ مین بازار مظفر آباد
یوبی پیسار سٹور ہری کشن روڈ کوئٹہ
دین پیسار سٹور ہری کشن روڈ کوئٹہ
انعام ہیسٹ قصہ خوانی روڈ پشاور
سعید بیٹی سٹور اندرون لکی گیٹ کوہاٹ
دارالشفاء مینا بازار منگورہ سوات
ملت دواخانہ گھنٹہ گھر پشاور
ممتاز اینڈ سنز ناٹی کرشل مارکیٹ میرپور آزاد کشمیر

شاہی طبی دواخانہ بوہڑ بازار راولپنڈی فون:- 55-5519

ریاض محمود 69 نیو عالمگیر مارکیٹ شاہ عالم لاہور فون:- 7686268

محمد علی دواخانہ 19 لبرٹی شاپنگ سنٹر آبپارہ اسلام آباد۔ فون:- 5529034

محمد صالحین اینڈ سنز موتی والے چوک بازار ملتان فون:- 542143

گھر بیٹھے بذریعہ وی پی پارسل منگوانے کیلئے

حکیم اینڈ سنز پوسٹ بکس نمبر 2159 کراچی - 74600 پاکستان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف رابطہ ہے۔" ویرا بولی "اپنی کو پتا نہیں چل سکے گا کہ انہوں نے مظہر خان کے بھیجے ہوئے فیکس کو اہمیت دی ہے یا اسے مسترد کر کے ردی کی ٹوکری کی نذر کر دیا ہے۔"

جلال کی مستفسرانہ نظریں میری طرف اٹھ گئیں۔ میں نے کہا "بظاہر ویرا کا اعتراض درست نظر آتا ہے لیکن فیکس وصول کرنے والا اپنے بھی کچھ نہ کچھ ذرائع رکھتا ہوگا۔ ایسے لوگ ناقابلِ یقین ذرائع سے رابطے کی کوئی نہ کوئی صورت نکال لیتے ہیں۔"

"رابطہ کرنے سے پہلے ہمیں اس پر بھی غور کر لینا چاہیے۔" ویرا نے سگریٹ کا دھواں اگلتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"بچگانہ باتیں مت کرو۔" میں نے منہ بنا کر کہا "جب رابطہ کیا جائے گا تو یہ سب سوچ لیا جائے گا۔"

میں نے ویرا کو خاموش کر دیا مگر حقیقت یہ تھی کہ اس مسئلے کا حل اسی وقت میرے ذہن میں آیا تھا۔

میں ان لوگوں سے تبادلہ خیال کیے بغیر یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ میرے پہلے فیکس کا متن کسی رپورٹ کے بجائے میری داد و فریاد پر مشتمل ہوتا۔ سیدھی سی بات تھی کہ میں اس پیغام کے آخر میں یہ اضافہ کر دیتا کہ میں ایک مقررہ وقت پر فون کروں گا تاکہ مزید ہدایات لے سکوں۔

پہلے سے وقت کا تعین کر کے فون کرنے سے نزلش کی وہ شرط پوری ہو جاتی تھی کہ وہ ٹیلی فون ناگزیر ضرورت کے وقت استعمال کیا جائے۔ مقررہ وقت پر کی جانے والی میری فون کال کے ساتھ ہونے والے سلوک سے پتا چل جاتا کہ راولے مظہر خان پر کس حد تک بھروسا کرنے کے لیے تیار تھے۔

میرے وہ فیصلے میری ذات تک محدود رہے۔ اس بارے میں کسی نے کوئی سوال نہیں اٹھایا اور عبدالماجد والا قصہ دوبارہ شروع ہو گیا۔

اس واقعے کی پوری تفصیلات میرے علم میں تھیں یا اول خان ان کا چشم دید گواہ تھا۔ جلال کی معلومات پولیس رپورٹ تک محدود تھیں۔ ان کو کاٹف میں ماجد کی جگہ میرا نام رکھ کر وہ سب کچھ سمجھ گیا تھا۔ بقیہ تینوں افراد نے ہمارے تبادلہ خیال میں دخل اندازی نہیں کی تھی مگر ان کے ذہنوں میں متعدد سوالات چکرا رہے تھے۔

"سچ پوچھو تو یہ قصہ بہت دلچسپ ہے۔" کچھ دیر کے سوال جواب کے بعد جلال نے اول خان سے کہا "میرے ذہن میں بھی کئی تشنہ سوال ابھر رہے ہیں۔ تم ایک دفعہ شروع سے آخر تک کے واقعات دہرا ڈالو۔ ہم سب کی تسلی ہو جائے گی۔"

ویرا اور سلطان شاہ نے پرزور انداز میں جلال کی تجویز کی تائید کی۔ غزالہ اپنے معمول کے مطابق خاموش بیٹھی مسکراتی رہی اور اول خان نے سی ایس ڈی والے فون کے ذریعے جان کے گھر سے رابطے میں ناکامی سے قصے کی ابتدا کر دی۔

سب لوگ انہماک اور گہری دلچسپی سے اول خان کی بتائی ہوئی تفصیل سن رہے تھے۔ وہ اس معاملے میں ابتدا سے آخر تک میرا شریکِ کار رہا تھا لہٰذا اس نے جزئیات کو بھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔ میں خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا ذہن میں اپنے اس پیغام کا خاکہ مرتب کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو مجھے نزلش دیے ہوئے نمبر پر فیکس کرنا تھا۔

اول خان کی وہ روداد ختم ہونے کے بعد کچھ دیر تک سوالات اور تعریف و تحسین کا سلسلہ چلتا رہا پھر جلال مجھ سے اجازت لے کر فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو رابطے کے لیے ہمارے گھر کا فون نمبر دینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ صدف مینشن کے تازہ ترین حالات سے باخبر رہنے کے لیے اس کی وہ کال ضروری تھی۔

فون پر گفتگو کے آغاز میں چند ثانیوں کے لیے اس کا لہجہ تیز ہوا پھر اسے خیال آ گیا کہ وہ اپنے دفتر میں نہیں، ہم لوگوں کے درمیان موجود تھا۔ اس کی آواز فوری طور پر اعتدال پر آ گئی۔ کچھ دیر تک بات کرنے کے بعد وہ ہمارے درمیان لوٹ آیا۔ اس کے چہرے سے افسردگی جھلک رہی تھی۔

"جب تم یہاں آئے تو اداس تھے۔ اب ایک بار پھر افسردگی نے تمہارے چہرے پر ڈیرے ڈال دیے ہیں۔" اس کے بیٹھنے کے بعد میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ماتحت جب اپنی حدود سے تجاوز کر جائیں تو مجھے شدید کوفت ہوتی ہے۔ عبداللہ کی موت کی خبر سن کر میرے آدمی اشتعال اور غصے میں تھے۔ میرے یہاں آنے کے بعد انہوں نے قیدی پر دل کھول کر تشدد کیا ہوگا۔ تیوا کر گرنے سے اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا۔" جلال نے بتایا۔

"جو کچھ ہو گیا اسے واپس لوٹانا ممکن نہیں ہے۔" میں نے اسے سمجھایا "تم بلاوجہ اپنا خون سکاتا رہے ہو۔ غصہ تھوک دو۔ انتقام اور اشتعال انسانی شعور کا حصہ ہے۔ بھارتیوں کے ہاتھوں اپنے ایک ساتھی کی موت کی خبر پا کر ان کا طیش میں آ جانا فطری تھا۔"

"میں یہ سب باتیں جانتا ہوں۔" اس نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ڈسپلن ایسے جذبوں کو لگام دینا سکھاتا ہے۔ مجھے اس انتقام سے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ ابھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ بھی پتا چلا ہے کہ عبداللہ کو مارنے والے کا نام ونود ہے اور اسے پاکستان میں سیکنڈ سیکریٹری کے طور پر نامزد کیا گیا ہے۔ اسلام آباد سے اس کے کاغذات کی منظوری ملتے ہی اسے پاکستان بھیج دیا جائے گا۔"

"عبداللہ کے خون کا انتقام اسی سے لینا چاہیے پھر تو تمہارا قیدی مفت میں مارا گیا۔"

"صبر کا نتیجہ ہمیشہ بہتر نکلتا ہے۔ میری کوشش ہوگی کہ عبداللہ کا قاتل جلد از جلد پاکستان آئے تاکہ میں اس سے اپنا حساب بے باق کرسکوں۔"

رات کا بڑا حصہ گزر چکا تھا۔ اس وقت صبح کے تین بجنے والے تھے۔ اپنے آدمیوں سے بات کرکے جلال کا موڈ مدر ہو گیا تھا۔ وہ جلد از جلد صدف مینشن پہنچ کر ذاتی طور پر صورتِ حال کا جائزہ لینا چاہتا تھا اس لیے وہ محفل ختم کردی گئی۔ جلال نے غزالہ کے سوا سب سے باری باری گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور ہم سے رخصت ہو کر واپس روانہ ہو گیا۔

اس نے جاتے جاتے مجھے تاکید کی تھی کہ حالات کا دباؤ کم ہونے کی وجہ سے مجھے اپنے گھر لوٹنے کی آزادی مل گئی تھی لیکن احتیاط کے طور پر مجھے بہت زیادہ محتاط رہ کر اپنی نقل و حرکت کو اہم ترین کاموں تک محدود رکھنا تھا۔

میں اول خان کے ساتھ جلال کو رخصت کرنے کے لیے باہر تک آیا تھا۔ اول خان نے خنک فضا میں اپنی دونوں ہتھیلیاں آپس میں زور زور سے رگڑ کر حرارت حاصل کرنے کی کوشش کی اور وہیں سے گھر جانے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ دوسروں کو الوداع کہنے کے لیے اندر جاتا تو اس کا مزید وقت برباد ہو سکتا تھا۔ وہ عیال دار آدمی تھا۔ اپنے فرائض کی بجا آوری کے لیے اپنے بیوی بچوں کو بھول کر تن دہی سے دن رات کاموں میں لگا رہتا تھا۔ میں نے اسے بھی رخصت کردیا۔

میں ان دونوں کو روانہ کرکے گھر میں داخل ہوا تو ڈرائنگ روم سے ویرا اور سلطان شاہ کی تیز آوازیں آرہی تھیں۔

"مہمانوں کے جاتے ہی تم دونوں نے ہنگامہ کیوں کھڑا کردیا؟" میں نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے اونچی

100% قدرتی بال لگوائیں

Latest Procedure in the World

لمبے بال، جھڑی اور گری کیلئے
نیورو سے علاج کیا جاتا ہے

موٹر سائیکل چلائیں، نہائیں، سوئیں، شیمپو کریں

عورتوں کے بال لگانے کا جدید طریقہ

سابقہ قیمت 25000
رعایتی
سپیشل ڈسکاؤنٹ
12500

امریکہ سے درآمد شدہ
مردانہ قوت
کی دوائی
Male Plex Super
ہے

Surgeon Sohail Sheikh
M.B.B.S (K.E) C.A (Bristol)
D.S.A (Austria), F.R.S.H (London)
C.A (Bangkok)

ہیئر اینڈ ہیلتھ کلب

کوئٹہ	حیدر آباد	رحیم یار خان	کراچی	پشاور	فیصل آباد	ملتان	اسلام آباد
آفتاب سرائے کمپلیکس آفس نمبر 12-11 فرسٹ فلور ریگل چوک کوئٹہ 829735	ہاؤس ہوٹل ٹنڈی سڑک 0221 786750	ایوان اقبال کمپلیکس فرسٹ فلور رحیم یار خان	52-C گلشن اقبال بلاک نزد مسجد بیت المکرم بلاک نمبر 17 یونیورسٹی روڈ کراچی 021-4975967	B-305 بلاک سی پشاور یونیورسٹی روڈ، پشاور 091-42437	شاپ نمبر 65 اقبال سٹیڈیم فیصل آباد 041-628136	بوچینڈ سکوائر آفس نمبر 9 فرسٹ فلور ایس پی چوک کنٹ 061-571632	42-C بیورلے سنٹر بلیو ایریا اسلام آباد 051-2873097

ہیڈ آفس لاہور: جیل روڈ TCS کے اوپر فوارہ نمبر 1 لاہور۔ فون: 5712475-5712445

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آواز میں مداخلت کی۔

"میں نے صرف اتنی سی بات پوچھ لی تھی کہ یہ اس وقت کس کے لیے بن سنور کر آئی تھی اور یہ ناراض ہوگئی۔" سلطان شاہ نے ویرا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

"تم کون سے میرے باپ یا شوہر لگتے ہو کہ یہ سوال کررہے ہو!" ویرا آنکھیں نکال کے غرائی۔

"تم دونوں بلاوجہ ہر وقت ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے ہو۔ مخلصانہ کوشش کرو تو تمہارے درمیان ان میں سے کم از کم ایک رشتہ پیدا ہوسکتا ہے۔" میں نے ان کے مکالمے سن رہتے ہوئے اپنی رائے صادر کردی۔

"تم اسے ڈانٹنے کے بجائے ہنس رہے ہو۔ یہ ہر وقت مجھ سے بدتمیزی کرتا رہتا ہے۔ کیا باہر سے آنے والے مہمانوں کے لیے حلیہ درست کرنا بننا سنورنا کہلاتا ہے!"

"قطعی نہیں کہلاتا لیکن اس وقت تم نے کمال کردیا۔ آنکھوں کے میک اپ نے تمہاری بلانوشی کے اثرات کی بہت اچھی طرح پردہ پوشی کی ہوئی ہے۔"

"بس میں نے بھی یہی بات کہنی چاہی تھی۔" میرے خاموش ہوتے ہی سلطان شاہ بول پڑا "الفاظ ذرا مختلف تھے۔ یہ بگڑ گئی حالانکہ اس میں بگڑنے والی کوئی بات نہیں تھی۔ یہ کہہ دیتی کہ مہمانوں کے استقبال کی تیاری کی ہے اور بات ختم ہوجاتی۔"

میں سلطان شاہ کی معصومیت کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "اب تم نے بھی پر پرزے نکالنے شروع کردیے ہیں۔ اپنی کھال میں رہا کرو۔ کسی وقت تلخیاں اتنی بڑھ جائیں گی کہ زندگی بھر پچھتاتے رہو گے۔"

"ڈیڈی کی باتیں غور سے سنو اور گرہ سے باندھ لو!" ویرا نے صوفے سے اٹھتے ہوئے، سلطان شاہ کو ہدایت دی "اس کے مشورے نظرانداز کرنے والوں کو میں نے سر پکڑ کر روتے دیکھا ہے۔"

ویرا ایک ادا سے اپنی کمر کو بل دے کر، فضا میں ہاتھ لہراتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ اس نے عارضی طور پر اپنی مے نوشی کے ثبوت ختم کردیے تھے لیکن شراب کا خمار اس کے ذہن پر بدستور سوار تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس وقت وہ بستر کی طلب میں بے چین ہوگی۔

"ویرا کے سامنے تم ہمیشہ مجھے دبانے کی کوشش کرتے ہو۔" اس کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے مجھ سے شکوا کیا "تمہارے اس رویے سے اس کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔"

"عورت کی حمایت کرنا ہر مرد کی مجبوری ہوتی ہے۔" سلطان شاہ کی شکایت پر غزالہ نے جواب دے کر مجھے چونکا دیا "جب عورت ویرا جیسی ہو تو اس سے کوئی نہیں جیت سکتا۔"

غزالہ کی حمایت پاکر سلطان شاہ کا چہرہ کھل اٹھا۔

چند منٹ بعد وہ بھی اٹھ گیا۔ اسے احساس تھا کہ ہم دونوں کو آرام کی ضرورت تھی۔

اپنی خواب گاہ میں سونے کی تمام تیاریاں کرکے میں بستر پر دراز ہوا تو میرا ذہن ایک بار پھر جان کی طرف بھٹک گیا۔

میں نے اس کو فون کرتے ہوئے کسی مخصوص مقصد کے تحت عبدالماجد کا نام استعمال نہیں کیا تھا۔ میں اس سے کسی غیر ملکی کی حیثیت سے بات کرنا چاہتا تھا مگر جان نے میرے یمنی ہونے کے اعتراف پر برجستہ القاعدہ کا نام لیا تھا جو ان دنوں کھل کر منظرعام پر نہیں آئی تھی لیکن اس کی سرگرمیوں کا ہر طرف شہرہ تھا۔ ماجد کے نام اور شخصیت میں جان کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی دلچسپی حالات کے کسی نئے رخ کی نشان دہی کررہی تھی۔

وہ سی آئی اے کا ایک بڑا افسر تھا۔ اسے صرف میری گرفتاری کے لیے پاکستان بھیجنا قرین قیاس نہیں تھا۔ وہ یقینی طور پر کوئی خطرناک اور وسیع پلان لے کر آیا تھا جس میں میری سرکوبی کا مشن بھی شامل ہوسکتا تھا۔ ماجد یمنی کا نام سامنے آنے پر اس نے جس تیزی سے اپنی توجہ اس نام پر مرکوز کی تھی، وہ اس کے مذموم اور پوشیدہ عزائم کی نشان دہی کررہی تھی۔ ماجد کے مقابلے میں اس نے عارضی طور پر میرا نام پس پشت ڈال دیا تھا۔

وہ کن مقاصد کے لیے کراچی آیا تھا اور ماجد تک رسائی حاصل کرکے کیا کرنا چاہتا تھا، اس کا جواب آنے والا وقت ہی دے سکتا تھا۔

رات کے آخری پہر میں اپنے آرام دہ بستر پر دراز ہوکر میں اس بارے میں صرف دماغ سوزی کرسکتا تھا، کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرسکتا تھا۔

میں نے پہلو بدل کر غزالہ کے نرم شانے پر آہستگی سے ہاتھ رکھا تو اس کے بدن میں کوئی جوابی جنبش نہیں تھی۔ عورت ہونے کے ناتے وہ مجھ سے زیادہ تھکی ہاری تھی اور بستر پر دراز ہوتے ہی گہری نیند کی آغوش میں چلی گئی تھی۔

میں نے اس کی نیند میں خلل انداز ہونے کا ارادہ ترک کردیا۔ میرا ذہن ایک مرتبہ پھر جان کی پس پردہ سرگرمیوں میں الجھ گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستان عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کو لانگ فوناٹی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل ہائی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹار زنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں سے نکلے ہمارے مختلف تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اور برائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی، اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا، اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی ہی میں ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا، جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اسے خود کشی کرنی پڑی۔ اس کی خود کشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی اودھاپا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رافیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا جسے ہم نے میر پور خاص سے بازیاب کرا لیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھوڑ کے علاقے میں مسیح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر یہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے بنگلہ دیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی، کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نقصانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتایا۔ کرشن کمار وہ اور امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھائی انہام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچایا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں نزیک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے کی کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرکے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے، ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں قیام کے دوران میں ہم نے ہیروئن کی بڑھتی ہوئی وبا کے انسداد کے لیے ایس ڈی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد کی اور جلال کے تعاون سے جہانگیر کے ماموں سر چوہدری عظمت کی این جی او کا قلع قمع کر دیا۔ اس کے بعد ہم انڈیا روانہ ہو گئے۔ ہم نے جلال کی مدد سے سرحد عبور کی اور بآسانی دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں انل بسواس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی بی کے ایجنٹوں کی نشاندہی پر ویرا نے اپنا قیام ہم سے الگ کرایا۔ میں اور غزالہ تاج محل میں تھے۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترکہ کمرے میں رہائش کی بنا پر رابیری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی ایک خوب رو ایجنٹ ریٹا اجیت رائے نے دل پھینک اوباش دوشیزہ کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جلووں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہوٹل کی رنگین تنہائی میں کچھ وقت گزار کر اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھی اور میری بے راہ روی کی مکمل ویڈیو تیار کی جا چکی تھی۔ مجھے اس کے بعد انل بسواس سے ملنا پڑا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پاکستانی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بہ رضا و رغبت اس میں پھنستا چلا گیا۔ اسی وقت آئی بی کے مقامی ایجنٹوں نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فائل کے چکر میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک مواد موجود ہے۔ میں نے انل بسواس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں اس کا معاون نریش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور میری اور ریٹا اجیت رائے کی ویڈیو نریش شرما کے کمرے میں تھی۔ را کا وہ دفتر اپنے حفاظتی اقدامات کی بنا پر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی ویڈیو فلم ضائع کر دی نیز مال غنیمت کے طور پر گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں سے اڑا لیا۔ اس مہم میں را کا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ را کے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر ویرا کے ہمراہ پاکستان بھجوا دیا اور وہ بہ خیریت وہاں سے نکل گئی۔ اس کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا مگر مجھے جلد گلوخلاصی حاصل ہو گئی۔ میری ویڈیو ضائع ہو چکی تھی مگر اب ریٹا میری ہم نوا ہو کر اپنے فرض سے غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث انل بسواس کی گرفتاری نہ رکسکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے انل بسواس اور نریش شرما دونوں کو شکار کرنا تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہو گیا۔ واپسی کے سفر میں ہم سرحد عبور کرتے ہوئے دو بھارتی فوجیوں سے ٹکرا گئے جنہیں جہنم واصل کرنے کے بعد جلال کے لیے امرتسر میں خدمات انجام دینے والے بجگو کو بھی قربان کرنا پڑا۔ ہم لاہور میں مختصر قیام کے بعد کراچی پہنچ گئے۔ جلال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا تھا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کر لیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں منظیر خان کے علاوہ ڈینی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ ان سے اجلاس کے دوران میں معلوم ہوا کہ انہیں ڈینی کی تلاش تھی۔ جلال نے اجلاس کی مکمل رپورٹ مجھے دے دی۔ اب ہمارے سامنے جان ایلش کوف تھا اور میں اس سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ خلاف توقع اس سے رابطہ آسان ثابت ہوا۔ میں نے اس سے عبدالماجد حسینی کے نام سے عربی لب و لہجے میں گفتگو کی۔ ڈینی کا نام ان کے اعصاب پر بری طرح سوار تھا لہٰذا وہ آسانی سے میرے جال میں پھنستا چلا گیا۔ اس نے مجھ سے سمندر کے کنارے ملاقات کا وعدہ کیا جہاں ایس ڈی ایف کی مکمل نگہبانی میں، میں نے اس سے پر تصادم ملاقات کی اور اسے شدید زخمی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جان ایلش کوف بھی اپنے پیش رو جان اسمتھ کی طرح پاکستان سے خوف زدہ ہو کر بھارت فرار ہونے والا تھا۔ جلال نے میری اس کارروائی کی تعریف کی مگر اپنی بے خبری کا شکوا کیا لیکن میں اسے قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ حالات بظاہر قابو میں تھے مگر ان پر یک سوئی کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

صبح ناشتے کی میز پر ہم چاروں خوشگوار موڈ میں جمع تھے۔ رات کی تشویش اور پریشانی میں اندھیرا چھٹنے کے ساتھ نمایاں کمی آچکی تھی۔ میں نے بھی را کے مقامی ایجنٹ سے رابطے کے لیے ایک راہ متعین کرلی تھی۔ اس سے چھیڑ چھاڑ کرکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیش رفت کی کوئی نہ کوئی راہ سامنے آسکتی تھی۔

"مجھے رہ رہ کر خیال آرہا ہے کہ تم نے جان ایش کوف کو مار بھگانے کے لیے مار دھاڑ سے بھرپور، تیسرے درجے کی فلموں کا سا طریقہ اختیار کیا ہے۔" ویرا نے چائے کی پیالی سے ایک گرم گرم گھونٹ اپنے حلق میں اتارتے ہوئے کہا۔

"تم جو چاہو کہہ لو مگر تم کو یہ ماننا پڑے گا کہ ڈینی کا وہ طریقہ سو فیصد کامیاب رہا۔" سلطان شاہ نے جواب دیا۔

"بات ابھی بھی میری سمجھ میں نہیں آرہی۔ جان کوئی گھٹیا بدمعاش نہیں ہے۔ میں حیران ہوں کہ سی آئی اے کا ایک منجھا ہوا ایجنٹ ایسے عامیانہ جھانسے میں کیسے آگیا؟" ویرا نے اپنی بات جاری رکھی "اس احمق کو یہ سوچنا چاہیے تھا کہ اسے گھیرنے والوں نے اسے جان سے کیوں نہیں مارا۔ سمندری کھاڑی کے ٹھہرے ہوئے گندے پانی میں ڈبو کر کیوں چھوڑ دیا۔ یہ اس واقعے کا سب سے اہم اور مرکزی نکتہ تھا۔"

"بہت سی باتیں تم کہہ کر بھول جاتی ہو۔" غزالہ نے ہنس کر کہا "اپنے سوال کا جواب تم بارہا خود دے چکی ہو۔"

"اگر تم کچھ یاد دلا سکو تو میں تمہاری ممنون رہوں گی۔" ویرا سنجیدگی سے بولی۔

"اس وقت تم اس بارے میں اتنی فکرمند کیوں ہو رہی ہو؟" غزالہ نے سنجیدگی سے پوچھا "جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا اور اب نتائج ہمارے سامنے ہیں جان بوکھلا کر کراچی سے فرار ہونے پر مجبور ہو گیا ہے۔ ہمیں اس بارے میں اپنے ذہن کو تھکانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں نے ان واقعات پر خاصا غور کیا ہے۔ سی آئی اے کے ایک خرانٹ ڈپٹی ڈائریکٹر سے ایسی ناقص کارکردگی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔"

"یہ نکتہ تمہارے ذہن میں کب آیا؟" سلطان شاہ پوچھ بیٹھا۔

"ابھی صبح کی بات ہے۔" ویرا نے روا روی میں جواب دیا "منہ دھوتے ہوئے بھی یہ باتیں میرے ذہن پر بوجھ بنی ہوئی تھیں۔"

"خرابی یہی ہے۔" سلطان شاہ نے اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دیتے ہوئے تشویش سے کہا "رات کو تم گہرے سُرور میں تھیں۔ اسی وقت اپنے منہ پر ٹھنڈے پانی کے چند چھپکے مار لیتیں تو تم کو اس وقت اپنے دماغ پر زور نہ دینا پڑتا۔ ہم رات کو ہی اس موضوع پر سر کھپا چکے ہیں۔"

مجھے توقع تھی کہ سلطان شاہ کے اس کڑوے کسیلے جواب پر ویرا چراغ پا ہو جائے گی لیکن وہ خلافِ توقع پرسکون رہی اور متاسفانہ لہجے میں بولی "کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔ میں تم لوگوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی مگر میرا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔"

"اگر تمہارے دل میں یہ احساس زندہ ہے تو تم مے نوشی کی بُری عادت سے تائب کیوں نہیں ہو جاتیں!" غزالہ نے بڑی دردمندانہ آواز میں کہا۔

"یہ میرے بس سے باہر ہے۔" ویرا کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تیر گئی "یہ شاید میری زندگی کی کسی بڑی ناکامی کا ثمر ہے کہ شراب میرے دل و دماغ میں رچ بس گئی ہے۔"

غزالہ کو جواب دیتے دیتے اس کی نگاہیں شکایتی انداز میں میرے چہرے پر ٹھہر گئیں "ہر شخص کی زندگی میں بہت سے سنہرے خواب ہوتے ہیں جنہیں وہ اپنی زندگی کا مقصد اور محور تصور کرتا ہے۔ اگر کسی کے یہ خواب ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں تو وہ پوری زندگی میں کبھی نہیں سنبھل سکتا۔ شاید میرے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا ہے۔ میں نے جسے چاہا تھا اسے پالیتی تو شاید آج میں ایک بالکل مختلف لڑکی ہوتی۔ ایسا نہیں ہو سکا اور آج میرا انجام تمہارے سامنے ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ آج تم کسی آڑ موڑ کے بغیر بے لاگ انداز میں اپنی ذات کا تجزیہ کر رہی ہو۔" سلطان شاہ کی آواز میں بھی تحیر زدہ سی ہمدردی سمٹ آئی "تم نے اپنی پوری بات میں صرف ایک جگہ تھوڑی سی غلط بیانی سے کام لیا ہے ورنہ سب سچ ہے۔"

"اس وقت میرا موڈ بالکل مختلف ہے۔ میں نے کوئی بات غلط نہیں کی۔" ویرا سگریٹ کا پیکٹ کھول کر سگریٹوں کے سروں کو گھمانے لگی۔

"یہ تمہاری خام خیالی ہے کہ آج بھی خود کو لڑکی کہتی ہو ورنہ تم ایک تجربے کار عورت کے روپ میں ڈھل چکی ہو۔" سلطان شاہ نے اپنی رائے دی۔

"تم خوش ہو تو یہی سمجھ لو۔" ویرا نے ایک سگریٹ منتخب کر کے اپنے یاقوتی ہونٹوں میں دبالی۔

"آج میرے لیے حیرتوں کا دن ہے۔" غزالہ مسرت آمیز لہجے میں بولی "تمہیں سلطان شاہ کی خوشی عزیز ہو گئی ہے۔"

"بس اسی سے اندازہ لگالو کہ وہ کون خوش نصیب ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جسے ویرا نے پسند کیا ہوگا مگر وہ اس کا نہ ہوسکا۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"تم ہر بات سے واقف ہو۔ کم از کم تم تو ایسی باتیں مت کرو۔" ویرا نے مجھ سے شکوا کیا "سلطان شاہ واقعی مجھے بہت عزیز ہے مگر اس میں کہیں کسی آنچ کی کمی ہے۔ یہ میرا تو کیا، کسی بھی معقول لڑکی کا محبوب نہیں بن سکتا۔"

"سن لیا تم نے۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا "جلد از جلد اس آنچ کی کسر پوری کرنے کی کوشش کرو پھر تمہاری بھی لاٹری نکل سکتی ہے۔" میری پوری کوشش یہ تھی کہ ویرا کے موڈ پر طاری ہونے والی سنجیدگی کو گمبھیر رخ اختیار نہ کرنے دوں۔

"میں اپنی ذات میں کسی قسم کی کوئی کمی محسوس نہیں کرتا۔" سلطان شاہ نے خفت آمیز، مدافعانہ لہجے میں جواب دیا "اگر جوہری کی آنکھوں میں موتیا اترا ہوا ہو تو اسے کوہ نور جیسے بے مثال ہیرے میں بھی کئی عیب نظر آئیں گے۔"

"ہیرا!" ویرا بے ساختہ ہنس پڑی "مکمل ہونے کا ایسا بڑا دعویٰ تو ڈینی کو بھی نہیں ہوگا۔ جو ہر لحاظ سے تم سے افضل ہے۔"

"تم بلاوجہ مجھے ڈینی سے بھڑانے کی کوشش مت کرو۔" سلطان شاہ خفگی سے بولا۔

"ہاں، یہ دوستانہ فضا خراب نہیں ہونی چاہیے۔" غزالہ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر مفاہمانہ انداز میں مداخلت کی "اس چھت کے نیچے ایسے خوشگوار لمحات بہت کم میسر آتے ہیں۔"

ویرا نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر دھواں فضا میں بکھیرا پھر بولی "میرا سوال غت ربود ہوگیا۔ جان ایش کوف کی کھوپڑی پر رات کو برف کیوں جم گئی تھی۔"

"ڈینی تک رسائی کی اُمید نے اسے ہر خطرے سے بے نیاز کردیا اور وہ اپنی دانست میں پوری تیاری کرکے دوڑ لگا بیٹھا۔" سلطان شاہ نے ایک فقرے میں جواب دیا۔

"مان لیا۔" ویرا نے سگریٹ کے سرے سے خیالی راکھ جھاڑ کر اتفاق کیا "وہ جوش اور ہیجان میں بہت سی باتیں نظر انداز کر بیٹھا لیکن مندر کے پاس اپنی ناک کی ہڈی تڑوانے کے بعد اس کو سوچنا چاہیے تھا کہ اسے دغا دی گئی ہے۔ اس کے بجائے اس نے رختِ سفر باندھ لیا۔ کیوں؟"

"یہ تم گاہے گاہے بتاتی رہتی ہو کہ امریکی بنیادی طور پر بزدل ہوتے ہیں۔ مار کھانے کا اندیشہ ہو تو اپنے حریف کا جم کر مقابلہ کرنے کے بجائے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلنے کو ترجیح دیتے ہیں۔" اس بار غزالہ نے اسے یاد دلایا تھا۔

"چلو، یہ بھی مان لیا جائے تو اب وہ ڈینی کی ذات کو پس پشت ڈال کر عبدالماجد کی تلاش میں کیوں ہیں؟" ویرا نے پوچھا۔

"یہ ڈینی کی حاضر دماغی اور برجستہ گوئی کا کمال ہے۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا "سمندر کے کھارے اور ٹھنڈے پانی میں ڈبکیاں کھانے کے باوجود جان کے اس یقین میں کوئی فرق نہیں آسکا کہ وہ عبدالماجد کی کسی سازش کا نشانہ بنا ہے۔"

"نظر یہی آرہا ہے۔" ویرا اپنا سر ہلاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بولی "اگر جان اتنا نڈر ہے تو اسے سرے سے سی آئی اے میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ پتا نہیں وائٹ ہاؤس میں بیٹھے ہوئے کن گدھوں نے ڈینی ڈائریکٹر کے عہدے پر اس کی تقرری کی منظوری دی ہے۔"

میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اس وقت اپنی زبان بند رکھنا سب سے بہتر تھا۔ میں نے گزرے ہوئے دنوں میں امریکی سی آئی اے کے بارے میں جو اہم باتیں معلوم کی تھیں ان میں یہ نکتہ سرِفہرست تھا کہ وہ امریکا میں حکومت در حکومت بلکہ ایک متوازی حکومت کی حیثیت سے جڑ پکڑ چکی تھی۔ امریکی صدر کو سی آئی اے کے سربراہ کے تقرر کا اختیار تھا اور ہر امریکی صدر اپنے اس اختیار کے استعمال میں انتہائی احتیاط سے کام لیتا تھا۔ اس سے آگے سی آئی اے کا اپنا نظام تھا۔ اس کا ڈائریکٹر اپنی صوابدید سے تقرر، ترقی اور نئی بھرتیوں کے بارے میں فیصلے کرسکتا تھا۔ اس کے لیے فیصلے کرنا آسان تھا لیکن کسی فیصلے کو واپس لینا دشوار تھا کیونکہ سی آئی اے کے ہر رکن اور ایجنٹ کو امریکا کے وفاقی ملازم کی حیثیت سے بہت سے تحفظات میسر تھے۔ وہ سی آئی اے کا اندرونی کھیل تھا جس میں وائٹ ہاؤس والوں کا کبھی زیادہ عمل دخل نہیں رہا تھا۔

اچانک بج اٹھنے والی ڈور بیل نے میری خاموشی کا بھرم رکھ لیا۔ سلطان شاہ اٹھ کر دروازے تک گیا۔ گھر میں آنے جانے والوں کی دیکھ بھال کی ذمّے داری اس نے رضاکارانہ طور پر سنبھالی ہوئی تھی۔ وہ واپس آیا تو اول خان اس کے ساتھ تھا۔

"خس کم جہاں پاک!" پُرتپاک سلام دعا اور مزاج پرسی کے بعد اول خان نے ایک صوفے پر ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا جان ایش کوف بھی مرگیا؟" ویرا نے چونک کر طنزیہ پیرائے میں پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایسی بددعائیں نہ مانگو۔" اول خان نے اسے گھورتے ہوئے تادیب کی "وہ کراچی میں بلکہ پاکستان میں کہیں بھی مارا گیا تو سیاسی سطح پر شدید مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔"

"پھر تم کس خس کی کمی کی خوش خبری سنا رہے تھے؟" ویرا اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی بول پڑی۔

"تم پوری بات سنے بغیر درمیان میں اپنی ٹانگ اڑا دیتی ہو۔" اول خان نے ہلکی سی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کہا "میں تم لوگوں کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ کراچی ائرپورٹ سے صبح چار بجے اس کا طیارہ دہلی کی طرف پرواز کر گیا۔ اب وہ یہاں نہیں ہے۔"

"بہت ہی کمینہ اور بزدل نکلا یہ جان بھی۔" ویرا نے نفرت سے کہا۔

"شاید جان نام کے سارے امریکی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ڈرپوک، خود غرض اور عیش کوش!" سلطان شاہ بولا۔

"کم از کم جان اسمتھ اور جان ایش کوف کی حد تک تمہاری بات درست معلوم ہوتی ہے۔" غزالہ نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"جان نے یہاں سے جانے سے پہلے مجھے نظر انداز کر دیا۔ اب اس کی توجہ ماجد یمنی پر مرکوز ہے۔ اس کی تلاش کا کام بھی مقامی پولیس اور ایجنسیوں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں کچھ دن بے فکری کے مزے لے سکتا ہوں۔" میں نے صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر جواب دیا۔

"اس بھول میں نہ رہنا۔ انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ اپنے طور پر وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ اب وہ ہمارے سر پر سوار ہو جائیں گے کہ ہم نے ان کے مطلوبہ آدمی کی تلاش کے سلسلے میں کیا کامیابی حاصل کی۔" اول خان بولا "خود کام کرنے کے بجائے دوسروں پر ذمے داری تھوپ دینے کا یہی فائدہ ہوتا ہے۔"

"یہاں کی ایجنسیاں ان کی ملازم نہیں ہیں۔" ویرا نے برہمی سے کہا "ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ ڈینی کی تلاش میں برسوں کا وقت اور بھاری سرمایہ خرچ کر کے انہوں نے کیا کامیابی حاصل کی ہے۔ ان کے پاس ڈینی کے بارے میں کوئی ریکارڈ تک نہیں ہے۔"

"ان فضول باتوں میں وقت برباد مت کرو۔ یہ یاد رکھو کہ ویرا اور سی آئی اے والوں کو تین افراد کی تلاش ہے۔ ڈینی، مظہر خان اور ماجد یمنی۔" اول خان کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئی تھیں۔ ان کے نزدیک تینوں خطرناک اور خونی مجرم ہیں۔ ان تینوں شخصیات کا الگ الگ برقرار رہنا ضروری ہے۔"

"ماجد یمنی کا اب روئے زمین پر کہیں سراغ نہیں ملے گا۔" میں نے بے پروائی سے ہنس کر جواب دیا "وہ نظریۂ ضرورت کی ایک اضطراری پیداوار تھی۔ وہ عمر بھر اسے ڈھونڈتے رہیں، اس تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ مجھے دوبارہ یہ نام استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"اسے ہم بھی بھول جائیں گے....." اول خان نے اطمینان سے اپنی بات شروع کی لیکن میں قطع کلامی کر بیٹھا۔

"تم بار بار اپنا ذکر کیوں کر رہے ہو؟ کمشنر ہاؤس میں جان سے ہونے والی ملاقات میں تم تھے نہ تمہاری ایس ٹی ایف کا کوئی نمائندہ پھر تم بلاوجہ اپنی گردن کیوں پھنسا رہے ہو۔"

"میں ایم آئی، آئی بی، آئی ایس آئی، ایف آئی اے اور پولیس فورس کو خود سے الگ نہیں سمجھتا۔ ہم سب ایک مشین کے کل پرزے ہیں جنہیں مل جل کر چلنا ہوتا ہے۔ جب ہمارے سامنے امریکیوں یا بھارتیوں جیسے حریف ہوں تو ہمیں زیادہ گہرے اتحاد کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔"

اس کی بات سادہ اور قابلِ فہم تھی۔ میں نے جواب میں خاموشی اختیار کر لی۔

"لیکن ڈینی اور مظہر خان کے ناموں کو اتنی آسانی سے فراموش نہیں کیا جا سکے گا کیونکہ وہ دونوں زندہ حقیقت ہیں۔"

"جان اور لیری کو ٹال دینے کے بعد تمہیں یہ نام کیوں یاد آ رہے ہیں۔" سلطان شاہ نے پوچھا "اس بارے میں تو جلال نے بھی ایسے لہجے میں بات نہیں کی تھی حالانکہ وہ جان کے ساتھ کمشنر ہاؤس کے اجلاس میں خود شریک تھا۔"

"اس کے بعد سے کچھ تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ کل جان ان دونوں کا طلب گار تھا۔ آج بھارتی وزارت داخلہ نے دہلی میں باضابطہ طور پر ہمارے سفیر سے مطالبہ کیا ہے کہ بھارت کے ان دونوں مجرموں کو پکڑ کر ان کے حوالے کیا جائے۔"

"مظہر خان کے بارے میں صاف انکار کر دو۔" میں نے اول خان کو مشورہ دیا۔

"یہ ناممکن ہے۔" اول خان نے بے یقینی سے میری طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا "تم نے اس نام پر دہلی تک کا سفر کیا تھا۔ تمہارے پاسپورٹ کے کوائف انہوں نے فراہم کیے ہیں۔ ایک باضابطہ پاکستانی شہری کے بارے میں ہم کیسے اپنی لاعلمی ظاہر کر سکتے ہیں۔"

"تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ مظہر خان غیر قانونی طور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر بھارت میں داخل ہوا تھا۔" میں نے کہا "اس کے پاسپورٹ پر بھارتی امیگریشن کی جعلی مہریں لگی ہوئی تھیں۔ اصلی پاسپورٹ بھارتیوں کے پاس نہیں ہے اس لیے وہ یہ ثابت نہیں کرسکتے کہ وہ مہریں جعلی تھیں۔ خود ان کو یہ حقیقت اس وقت معلوم ہوگی جب وہ اپنی اٹاری پوسٹ کے ریکارڈ کی دیکھ بھال کریں گے اور انہیں وہاں سے مظہر خان اور غزالہ نامی پاکستانیوں کے داخلے کا اندراج نہیں ملے گا۔"

"تم سوچتے ہو تو واقعی بہت دور کی کوڑی لاتے ہو۔ میرا دھیان اس طرف نہیں گیا تھا۔" اول خان نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

"مظہر خان نے قانونی طور پر سرحد عبور کی یا غیر قانونی طریقے سے بھارت میں داخل ہوا' یہ بعد کی بات ہے۔ دہلی میں اس کی موجودگی کا اظہار کرکے بھارتیوں نے اپنے گلے میں ہڈی اٹکالی ہے۔ پہلے وہ بتائیں کہ مظہر خان کس راستے سے بھارت سے باہر نکلا۔ اس کے اخراج کے اندراجات دکھائیں۔ اس کے بعد ہی مظہر خان کے بارے میں پاکستان پر کوئی ذمّے داری عائد کی جاسکے گی۔ وہ دہلی میں تھا۔ اگر اس کی واپسی کا کہیں کوئی ریکارڈ نہیں ہے تو ایک پاکستانی کے غائب ہونے کی ذمّے داری بھارتیوں پر ہے۔ وہ بتائیں کہ وہ کہاں ہے' اسے کس جیل یا تھانے میں رکھا گیا ہے۔ پاکستان ان سے اپنے شہری کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔"

"گریٹ.... واقعی تم گریٹ ہو۔ یہی موقف غزالہ کے بارے میں بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔" پوری بات سمجھتے ہی اول خان خوشی سے اپنی جگہ پر اچھل پڑا "کاش جان والے اجلاس میں دوسروں کے ساتھ تم بھی موجود ہوتے تو جان اور لیری کے بخیے ادھیڑ ڈالتے۔ یہ بات ابھی تک کسی کے ذہن میں نہیں آئی ہے۔"

"مظہر خان کے پُراسرار طور پر اغوا ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ کراچی چھوڑنے کے بعد سے اب تک اس کا گھر ویران اور مقفل پڑا ہوا ہے۔" سلطان شاہ نے پُرجوش لہجے میں کہا "بات زیادہ بڑھائی گئی تو اس کے پڑوسی بین الاقوامی ایجنسیوں کے کارندوں کو بتائیں گے کہ جانے کے بعد وہ واپس نہیں لوٹا۔"

"زیادہ بغلیں نہ بجاؤ۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا "یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ را یا سی آئی اے والے اتنے احمق نہیں ہیں کہ محض ریکارڈ چھاننے میں لگے رہیں۔ وہ سخت پاکستانی جواب کے سامنے جھک جائیں گے اور کہہ دیں گے کہ مظہر خان' غزالہ کو لے کر چوری چھپے پاکستان چلا گیا ہے۔"

"اس سے پاکستان کی اخلاقی پوزیشن مستحکم ہوگی۔" اول خان ویرا کی بات ماننے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "حکومتیں قانون کی عمل داری اور سر بلندی کی علامت ہوتی ہیں اور ہر لا قانونیت ان کی پیشانی کا داغ بن جاتی ہے۔ وہ اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے کہ ایک مشتبہ پاکستانی جوڑا دہلی میں روز اول سے را کے بڑے اور ذمّے دار افسروں کی نگرانی میں تھا' اچانک کوئی جادوئی چراغ استعمال کرکے بھارت سے کیسے غائب ہوگیا۔ میں نے ڈینی کی بتائی ہوئی ہر بات ذہن نشین کرلی ہے۔ اب دیکھ لینا کہ دہلی میں ہمارے سفیر کو دیا جانے والا مراسلہ بھارتیوں کے گلے پڑجائے گا۔ ڈینی نے اپنی چشم کشا باتوں سے ایک گائیڈ لائن فراہم کردی ہے۔ اس میں بہت سی باریکیاں ہمارے وہ بزرجمہر تلاش کرلیں گے جو دن رات قانون کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رہتے ہیں۔" اس نے اپنی جگہ چھوڑ کر میرے شانے پر زور سے ہاتھ مارا اور بولا "اس وقت تم نے میرا دل خوش کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنے دل کی ہر بات تمہارے سامنے رکھ دیتا ہوں تو مجھے چین ملتا ہے۔"

"را والوں کو کراچی میں مظہر خان کے پتے کا علم ہے۔" غزالہ بولی "اس تصدیق کے بعد ہی نریش نے آپ پر ڈورے ڈالنے کی کوششیں شروع کی تھیں۔ شروع میں اسے بھنک بھی مل جاتی کہ کراچی کے پتے پر مظہر خان کا وجود نہیں ہے تو آج کی کہانی بالکل مختلف ہوتی۔"

"بالکل!" میں نے اس کی تائید کی "را والے اپنے ان ہی ذرائع سے یہ معلوم کرلیں گے کہ مظہر خان ابھی تک اپنے گھر واپس نہیں پہنچا۔ ان ساری کامیابیوں کی داغ بیل اول خان کی ڈالی ہوئی ہے۔ میرا پاسپورٹ بنواتے ہوئے ان باتوں کا خیال نہ رکھا جاتا تو یہ قدم قدم پر پریشان کرتیں۔"

"اب عبدالماجد یمنی غائب ہوگیا۔ مظہر خان کو بھارتیوں نے کہیں قید کیا ہوا ہے۔ تینوں میں سے صرف ڈینی رہ جاتا ہے۔" ویرا نے نشان دہی کی۔

"وہ بہت مشکل شکار ہے۔" اول خان نے ہنستے ہوئے جواب دیا "یہ بات را سے سی آئی اے اور موساد تک' سبھی جانتے ہیں۔"

"وقتی طور پر ہم نے مسائل کا تدارک کرلیا ہے لیکن ہم اپنے دشمنوں کی طرف سے غافل نہیں رہ سکتے۔ ان پر اگلا وار کرنے کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟" اول خان نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پوچھا۔

"سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک فون اور فیکس نمبر ڈیلی کے پاس موجود ہے۔ اسی کو دیکھنا چاہیے۔" ویرا بول اٹھی۔

اول خان کے اس سوال کے نتیجے میں میرے ذہن میں ایک بے نام سا تاریک دھبا نمودار ہوا تھا لیکن مجھے اس پر غور کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ویرا کے پُریقین جواب نے میرے ذہن کو اس تاریک دھبے پر مرکوز نہ رہنے دیا اور بات آگے بڑھ گئی۔

"تم نے فیکس پر بھیجے جانے والے پیغام کے بارے میں کچھ نہ کچھ سوچ لیا ہوگا۔" اول خان نے پوچھا۔

خاکہ میرے ذہن میں تیار تھا۔ میں نے وہ چند نکات ان چاروں کے سامنے دہرائے۔

وہ بہت سیدھی سی بات تھی۔ دہلی کے قیام کے دوران میں انل اور نریش سے میری مفاہمت ہوگئی تھی۔ ایک طے شدہ معاوضے پر مجھے ان کے لیے پاکستان میں کام کرنا تھا۔ یہ کام اتنا پکا تھا کہ مجھے ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی دے دی گئی مگر میرے پاکستان پہنچنے سے پہلے ہی مجھے بھارت میں اشتہاری مجرم قرار دے کر شور مچا دیا گیا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ را والے مجھے کس بڑے شکار کے لیے اپنا چارا بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"فیکس میں یہ بات ضرور لکھ دینا کہ تم کسی مقررہ وقت پر فون کرو گے تاکہ کھل کر بات کرسکو۔" ویرا نے تاکید کی۔

فیکس محض ایک ابتدائی کوشش تھی۔ میرا اصل مقصد یہی تھا کہ میں نریش کے دیے ہوئے فون نمبر پر کسی سے کھل کر بات کرنے میں کامیابی حاصل کرلوں۔ ویسے بھی فون کی سہولت ہر جگہ میسر تھی جب کہ فیکس عام نہیں تھا۔ اس پر رابطہ کرنے میں سب سے پہلا خطرہ رازداری کو لاحق ہوتا کیونکہ فیکس مشین کا مالک پیغام پر سرسری نظر ڈال کر بھی محض اتفاقاً کوئی اہم نکتہ ذہن نشین کرسکتا تھا۔

امریکی سی آئی اے میری ذات کے حوالے سے کسی شناخت کے لیے تڑپ رہی تھی۔ میں نے ناشتے کی میز پر بیٹھ کر اپنا پیغام تحریر کیا تو مجھے اندازہ تھا کہ میری تحریر بھی میری شناخت کا ایک ذریعہ بن سکتی تھی۔ اس پیغام کا من و عن دشمن کے ہاتھوں میں پہنچنا مخدوش تھا۔

میرے اس اندیشے سے آگاہ ہوتے ہی ویرا اور سلطان شاہ نے کھلے دل سے پیشکش کی کہ فیکس پر بھیجنے کے لیے وہ میری تحریر کی نقل کردیں مگر میرے ذہن میں ایک خدشہ جنم لے چکا تھا۔ میں اپنے کسی ساتھی کی تحریر کا نمونہ بھی را کے کسی ایجنٹ کو بھیجنے کا روادار نہیں تھا۔

میں انگریزی میں لکھا ہوا پیغام ٹائپ کرانے کے لیے اول خان کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔

کراچی کے حسن اسکوائر پر سوک سینٹر کی عمارت ہمارے گھر سے زیادہ دور نہیں تھی۔ متعدد شہری دفاتر کے اردگرد درخواستیں لکھنے اور ٹائپ کرنے والے صبح سے شام تک روزگار کی آس میں بیٹھے رہتے تھے۔ اس علاقے میں کسی ٹائپسٹ کا ملنا دشوار نہیں تھا مگر پارکنگ کے لیے جگہ ڈھونڈنا محال تھا۔ اول خان نے سوک سینٹر کی عقبی سڑک کے ایک دور افتادہ مقام پر اپنی گاڑی کھڑی کی اور ہم پیدل بارونق دفتری علاقے کی طرف ہولیے۔

ایک خستہ حال سوزوکی میں میز پر ٹائپ رائٹر اور کاغذوں کا پلندا میری نظروں کو بھلا معلوم ہوا۔ ہمیں دیکھ کر کرسی والے شخص نے مصروف نظر آنے کی کوشش کی مگر ہمارے بڑھتے ہوئے قدم دیکھ کر اسے اپنی نام نہاد مصروفیت ترک کرکے ہماری طرف متوجہ ہونا پڑا۔

میں نے اپنا لکھا ہوا کاغذ اسے دیا۔ اس نے فوراً ٹائپ رائٹر پر سفید کاغذ چڑھانا شروع کردیا۔

"اس کی کتنی نقلیں بنیں گی۔ پتا کس کا ہوگا؟" اس نے رٹے رٹائے جملے دہرائے۔

"پتا کسی کا نہیں ہوگا۔ بس یہ مضمون ٹائپ کردو۔" اول خان نے خشک لہجے میں کہا "نقل کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"کم از کم ایک کاپی ٹائپ کروالیں۔ کاربن اور ایک کاغذ کا کشن ملتا ہے تو حروف صاف چھپتے ہیں۔" اس نے مشورہ دیا۔

ہم نقل تلف کرسکتے تھے۔ میں نے سرہلا کر رضامندی ظاہر کردی۔

اس پیغام کا متن مبہم سا تھا۔ ٹائپ کرنے والے نے پیشہ ورانہ انداز میں کئی مقامات پر ردوبدل کا مشورہ دیا جسے میں نے مسترد کردیا۔ را والوں کے لیے وہ سطور لکھتے ہوئے میں نے خیال رکھا تھا کہ کوئی اجنبی ٹائپسٹ کسی اہم بات سے آگاہ نہ ہوسکے۔

ٹائپنگ مکمل کرنے کے بعد اس نے کاغذ مشین سے اتارے بغیر مجھے پیغام پڑھنے کا مشورہ دیا تاکہ کسی غلطی کی اصلاح کی جاسکے۔ میں چھپے ہوئے کاغذ پر جھکا تو پہلی ہی سطر میں املا کی چار غلطیاں موجود تھیں۔ پورا مضمون غلطیوں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھرا ہوا تھا مگر مفہوم بہرحال اپنی جگہ برقرار تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میں نے غلطیوں کی اصلاح کا مطالبہ کیا تو ہمارا کافی وقت برباد ہوجائے گا۔ میری رضا پاکر اس نے کاغذ رول سے اتارے' اپنا کاربن نکالا اور دو مطبوعہ کاغذ میرے ہاتھ میں تھما دیے۔

غلطیوں سے بھری ہوئی ان چند سطروں کی ٹائپنگ کا معاوضہ پچیس روپے طلب کیا گیا۔ بیس اصل کے اور پانچ روپے کاربن کاپی کے۔ میرے لیے رقم کی کمی بھی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی لیکن بے ایمانی اور دھوکے بازی میری برداشت سے باہر تھی۔ اپنے کسی ناخوشگوار ردِعمل کے مظاہرے سے پہلے مجھے خیال آگیا کہ غلطی میری تھی۔ میں نے ٹائپسٹ کو کام سونپنے سے پہلے پیسے طے نہیں کیے تھے۔ کام کرنے کے بعد اس نے جو کچھ مانگ لیا تھا' وہ دینا ضروری تھا۔ ویسے بھی وہ گردشِ روزگار کا ستایا ہوا ایک پریشان حال سفید پوش تھا۔ میں نے پچیس روپے کے بجائے پچاس روپے کا نوٹ اسے تھمایا اور اس کے ہاتھ سے وہ کاربن پیپر لے لیا جو میرے کام میں استعمال ہوا تھا۔

میں دیکھ چکا تھا کہ وہ کاربن پرانا تھا پھر بھی اس پر میرے پیغام کے کسی لفظ یا حصے کے پڑھے جانے کا احتمال تھا۔ میں نے کاربن پیپر کو اپنی مٹھی میں سمیٹا اور بقیہ پیپروں کی واپسی کا انتظار کیے بغیر وہاں سے چل دیا۔

چند قدم دور نکل آنے کے بعد میں نے کاربن پیپر اور پیغام کی نقل کے پرزے پرزے بکھیر کر فضا میں اڑا دیے۔

"تم فطری طور پر بہت زیادہ محتاط آدمی ہو۔" آنے جانے والوں کی بھیڑ سے دور نکل کر اول خان نے معترفانہ انداز میں کہا "میں بھول کر بھی پرانے اور سڑے ہوئے کاربن کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔ شاید یہی عقابی نظریں تمہیں ان دیکھے خطرات سے بچاتی چلی آرہی ہیں۔"

"اب مسئلہ فیکس مشین کا ہے۔" گاڑی میں واپسی کے دوران میں نے کہا۔

"قریب ہی کسی دکان سے فیکس کرلو۔ دس روپے میں کام ہوجائے گا۔" اول خان نے مشورہ دیا۔

"پی سی او سے بھیجے گئے ہر فیکس پر دوسری طرف شناختی لائن بھی جاتی ہے۔ اسے بند کرانے پر بھی خدشہ رہے گا کہ دکان دار نے ہدایت پر عمل کیا ہے یا نہیں۔ راکے آدمی کو یہ پتا نہیں چلنا چاہیے کہ اسے شہر کے کس علاقے سے فیکس کیا گیا ہے۔" میں نے وضاحت کی۔

"پھر تم یہ پیغام مجھے دے دو۔ میں دفتر سے فیکس کردوں گا۔ اس کے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چلے گا کہ یہ کہاں سے فیکس کیا گیا ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"احتیاط کے طور پر سی ایس ڈی بھی لے لینا۔ ویسے فیکس پر کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہیں ہوگا۔"

میں نے دور تک سوچ کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ زیش کے دیے ہوئے نمبر پر فیکس کرنے کے لیے گلشن اقبال کے علاقے کا کوئی پبلک فیکس آفس استعمال نہ کیا جائے۔ پچھلے روز ہم نے اپنی ہر احتیاط بروئے کار لاتے ہوئے گھر کے بجائے ایک پبلک کال آفس سے جان ایش کوف کو فون کیا تھا۔ وہ وہی موقع تھا جب میں نے عبدالماجد کے روپ میں اس سے بات کی تھی۔ بعد میں جلال نے رات گئے بتایا تھا کہ جان نے نہ صرف اس پبلک بوتھ کا نمبر معلوم کرلیا تھا بلکہ میری اور اپنی گفتگو کا مکمل ٹیپ بھی حکام کو دے دیا تھا۔ اس واقعے کے بعد دوبارہ یہ بات سامنے آئی کہ را کے کسی آدمی کو گلشن اقبال ہی سے فیکس کیا گیا تھا تو وہ علاقہ دشمنوں کی نگاہوں میں آجاتا اور ہمارے لیے وہاں ٹھہرنا مشکل ہوجاتا۔

اول خان اس وقت فیکس کے چکر میں ہماری طرف آیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ فیکس لینے کے بعد مجھے دروازے پر اتار کر اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوجائے گا لیکن گھر پہنچنے کے بعد میں نے اسے رکنے پر مجبور کردیا۔ گھر میں تینوں افراد اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ میں اول خان کو اپنے ساتھ لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کھلے ہوئے ڈرائنگ روم کے مقابلے میں خواب گاہ کی خلوت میں بیٹھ کر ہم زیادہ آزادی اور بے فکری سے بات کرسکتے تھے۔

اول خان کا میرے ساتھ خواب گاہ میں آنا معمول سے ہٹا ہوا عمل تھا۔ ویرا ایسے معاملات میں بہت کائیاں تھی' وہ چونکے بغیر نہ رہ سکی اور چند ثانیوں بعد ہی کمرے میں آکر ہم دونوں کے ساتھ جم گئی۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو۔ کچن میں جاکر غزالہ کا ہاتھ بٹاؤ۔" میں نے اس کا ارادہ بھانپ کر خشک لہجے میں کہا۔

"میں غزالہ سے اجازت لے کر یہاں آئی ہوں۔ وہ بہت حوصلے والی لڑکی ہے۔ کام سنبھال لے گی۔" مجھے سلگانے کے لیے اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس وقت شاید تمہاری موجودگی ضروری نہیں ہے۔" اول خان نے میرے تیور بھانپ کر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہ تمہاری منکسر مزاجی ہے کہ ایسا کہہ رہے ہو۔" ویرا ڈھٹائی سے بولی "ورنہ میں اپنے فرض سے غافل نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوسکتی۔ تم تھوڑی دیر کے لیے ہمارے مہمان بن کر آتے ہو۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تمہاری آمد کو نظرانداز کرکے ہم سب اپنے اپنے کاموں میں لگے رہیں۔"

"اول خان کی میزبانی کے لیے میں یہاں موجود ہوں۔ تمہیں اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اپنا غصہ دباتے ہوئے کہا "تم جاکر اپنا کام کاج دیکھو۔ کوئی ضرورت ہوئی تو میں آواز دے کر تمہیں بلالوں گا۔"

"نہیں!" وہ اٹھلا کر بولی "مجھے معلوم ہے کہ تم تکلف کروگے۔ مجھے آواز نہیں دوگے۔"

اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ مجھے سلگانے کی کوشش کررہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ میں نے زچ ہوکر کہا "میں قطعی تکلف نہیں کروں گا۔ خدا کے لیے اس وقت تم یہاں سے چلی جاؤ۔ میں تخلیے میں اول خان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو یوں کہو نا کہ تم مجھ سے نجات حاصل کرنا چاہ رہے ہو۔ اب تو میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔" اس نے مجھے چڑانے کے لیے کرسی کے دونوں بازو تھام لیے۔

"ایسی کیا بات ہے جو تم ویرا کے سامنے نہیں کرسکتے؟" اول خان نے معاملہ رفع دفع کرانے کی کوشش میں کہا اور ویرا نے اس کی بات اُچک لی۔

"خدا تمہارا بھلا کرے۔ تم نے حق بات کہہ دی ہے۔ جب ہمارا رہنا سہنا اور مرنا جینا ایک ساتھ ہے تو آپس میں ایسی پردہ پوشیوں کی کیا ضرورت ہے؟"

اپنی ذہنی رو کو قابو میں رکھنے کی کوشش میں، میں نے اضطراری طور پر سگریٹ سلگالی۔

اول خان نے بلاوجہ بزرگانہ انداز میں ویرا کو سمجھانا شروع کردیا "اس طرح ہر جگہ ٹانگ اڑانا اچھا نہیں ہوتا۔ اگر تمہیں یہ یقین ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی تمہارے خلاف کوئی بات نہیں سوچ سکتا تو تمہیں ایسی دخل اندازی سے گریز کرنا چاہیے۔ اس طرح بلاوجہ کی بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں۔"

ویرا کے دماغ پر اس وقت تجسس اور شرارت کا بھوت سوار تھا۔ وہ معصومانہ سنجیدگی کے ساتھ یوں ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہوگئی جیسے اس کا کہا ہوا ایک ایک لفظ اپنے دل و دماغ پر نقش کرنے کی کوشش کررہی ہو۔

اول خان نے اپنی لمبی چوڑی اصلاحی تقریر کے بعد پوچھا "میری یہ باتیں تمہاری سمجھ میں آرہی ہیں نا۔"

"بالکل۔" ویرا نے سرہلا کر اقرار کیا "میں نے انہیں گرہ سے باندھ لیا ہے۔ آئندہ تمہیں مجھ سے شکایت نہیں ہوگی۔"

"شاباش! تو اب باہر جاؤ۔ میں ڈینی کی باتیں سن کر یہاں سے جلد نکل جانا چاہتا ہوں۔"

"میں نے آئندہ کے لیے تم سے وعدہ کرلیا ہے مگر اس وقت یہاں سے نہیں جاؤں گی۔" ویرا مچل گئی "یہ میری توہین ہوگی کہ ڈینی مجھے اپنے کمرے سے نکال دے۔"

میں ویرا کا کہا ہوا ہر زہریلا لفظ سن رہا تھا مگر گونگا اور بہرا بنا ہوا، خاموشی سے اپنی سگریٹ پھونکے جارہا تھا۔ اس کا آخری جواب سن کر میں نے اسے یکسر نظرانداز کردیا اور اپنی کرسی کا رخ گھما کر اول خان کے بالکل سامنے ہوگیا۔

"میرے ذہن میں ایک بات بار بار بچھو کے ڈنک کی طرح چبھ رہی ہے۔" میں نے معتدل لہجے میں اپنی بات شروع کی "تم اس بات کے گواہ ہو کہ میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر، اچانک ہی عبدالماجد الحسینی کا نام استعمال کیا تھا مگر یہ نام اسی لمحے جان کی توجہ کا ایسا مرکز بنا کہ اب وہ ڈینی کی ذات کو پس پشت ڈال کر صرف اور صرف ماجد تک پہنچنا چاہ رہا ہے۔ آخر اس نام میں ایسی کیا تاثیر تھی؟"

اول خان نے فوری طور پر میرے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد سوچتے ہوئے بولا۔ "فون پر تمہارے یعنی ماجد کے بارے میں سوالات کرتے ہوئے اس نے یہ بھی پوچھا تھا کہ تم القاعدہ کے آدمی تو نہیں ہو؟"

"بالکل پوچھا تھا۔" میں نے اقرار کیا "بعد میں اس نے القاعدہ والوں کے لیے گندی اور ہتک آمیز زبان بھی استعمال کی تھی۔ میرے کان اس نام سے ضرور آشنا ہیں مگر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ امریکی ان سے اتنی نفرت کرنے لگے ہوں گے۔"

"یہ جنگ اور سرد جنگ کے کرشمے ہیں۔" اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر سوچتے ہوئے جواب دیا "افغانستان میں روسیوں کی سرکوبی کے لیے لڑنے والوں میں ایک گروپ القاعدہ بھی تھا۔ اس وقت امریکی دل کھول کر ہر روس دشمن طاقت کی مدد کررہے تھے۔ اس لڑائی میں کہیں کہیں امریکی بھی شریک تھے۔ وہ اور القاعدہ والے افغان سرزمین پر روسیوں سے شانہ بشانہ لڑے تھے مگر روس کی روسیاہی کے بعد حالات پلٹ گئے۔ راستے جدا ہوگئے۔ امریکی القاعدہ والوں کے خلاف ہوچکے ہیں۔ ان کو ڈر ہے کہ افغانستان کے عدم استحکام سے فائدہ اٹھا کر القاعدہ کے حامی برسرِاقتدار آگئے تو اس سرزمین پر امریکیوں کے لیے کوئی جگہ نہیں رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گی۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت جان ایش کوف ہی افغانستان کے معاملات کا نگراں ہو اور اپنے جوڑ توڑ کے ذریعے وہاں القاعدہ کی راہ روکنے کی کوششیں کررہا ہو۔"

"اس میں ماجد یمنی کے کردار کی کیا اہمیت ہوسکتی ہے؟" میں نے الجھ کر سوال کیا۔ ان سیاسی نکات میں مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔

"کہا جاتا ہے کہ القاعدہ میں عرب اور یمنی بڑی تعداد میں ہیں۔ تم نے جان سے ڈینی کے بارے میں مخبری کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ شاید اس کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی ہو کہ ماجد القاعدہ کا کوئی اہم آدمی ہے جس پر ہاتھ ڈال کر وہ دہرا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

"اچانک سامنے آنے والے ایک سائے سے ایسی کیا امیدیں وابستہ کی جاسکتی تھیں؟" میں نے تلخی سے پوچھا۔

"اسے امید ہوگئی ہوگی کہ ماجد کے ذریعے ایک طرف وہ ڈینی کا سراغ لگا سکتا ہے اور دوسری طرف القاعدہ کی شکست و ریخت کے عمل میں غیر معمولی کامیابیاں حاصل کرسکتا ہے۔ یہی خوش فہمیاں اس کے لیے ایک آسیبی جال بن گئیں اور وہ تمہاری باتوں کے پھندے میں الجھ کر نیٹی جیٹی کے مندر تک پہنچ گیا۔ واقعات کی کڑیاں صرف اسی امکان کی نشان دہی کرتی ہیں ورنہ جان آسانی سے فریب کھانے والا آدمی نہیں تھا۔"

اس وقت تک ویرا بالکل خاموشی سے ہم دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہی تھی۔ اس نے ایک بار بھی اپنی زبان کھولنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کی مفاہمانہ خاموشی کی وجہ سے میرے وجود میں انگڑائیاں لیتا ہوا اشتعال سرد ہوچکا تھا مگر اس مرحلے پر ویرا نے اپنی خاموشی توڑ کر مجھے چونکا دیا "اگر تم دونوں کو کوئی اعتراض نہ ہو تو چند باتیں میں بھی کہہ ڈالوں۔"

اول خان کی مستفسرانہ نگاہیں میرے چہرے پر آکر رک گئیں اور میں نے ویرا کے چہرے پر سنجیدگی کی پرچھائیں دیکھ کر اسے بولنے کا اشارہ کردیا۔

"میرے ذہن میں یہ بات چبھ رہی تھی کہ سی آئی اے کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر اتنا احمق کیسے ہوسکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب مجھے اپنے سوال کا جواب مل چکا ہے۔ اسے یکایک اپنی دہری کامیابی کا خواب نظر آنا شروع ہوگیا تھا اور وہ اسی چکر میں ڈینی کے ہاتھوں سمندری کھاڑی میں جاگرا۔ میں اس بات کی چشم دید گواہ ہوں کہ شی میں میرے باپ کے اقتدار کے زمانے سے افغان علاقہ امریکیوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ڈینی محض ایک فرد کے طور پر ان کا سب سے بڑا دشمن ہے لیکن افغان علاقے ایک طویل عرصے سے خفیہ امریکی پالیسیوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔"

"اس وقت ہمارا مل بیٹھنا سودمند ثابت ہوا۔" میں نے اول خان سے کہا "ہم سب کے ذہنوں میں کچھ نہ کچھ شکوک و شبہات پل رہے تھے جواب صاف ہورہے ہیں۔"

"اب بات واقعی قابلِ فہم ہوگئی ہے کہ ماجد یمنی کے فرضی نام نے اچانک اتنی اہمیت کیوں اختیار کرلی کہ ڈینی پسِ پشت چلا گیا۔" ویرا بولی۔

"سچ سچ بتانا کہ جان سے فون پر بات کرتے ہوئے تمہارے ذہن میں ماجد اور یمن کے نام کیوں آئے تھے۔" اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

"مجھے کوئی نہ کوئی فرضی نام لینا تھا۔ میں یہ سب بتا چکا ہوں۔ مقامی نام کو جان اہمیت نہ دیتا۔ غیر ملکی نام میں اس کے لیے کشش ہوتی۔ مغربی نام اپنا کرمیں اس لب و لہجے میں زیادہ دیر تک انگریزی نہیں بول سکتا تھا۔ کہیں نہ کہیں مار کھا جاتا۔ جان کے عربی داں ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔ میں عرب بن گیا۔"

"عرب ممالک کی تعداد کم نہیں ہے۔ تم نے خود کو یمنی بتانا کیوں پسند کیا؟"

"بس یوں سمجھ لو کہ وہ نہلے پر دہلا تھا۔ اس نے میرے سعودی ہونے کا قیاس کیا تھا۔ میرے لیے اس کی تردید ضروری تھی۔ جواب آں غزل کے طور پر میرے ذہن میں یمن کا نام آگیا۔"

"بس اس کے ستارے گردش میں آگئے تھے اس لیے ڈینی کا ذہن بالکل صحیح سمت میں کام کرتا چلا گیا۔" ویرا نے کہا۔

"آج کل القاعدہ بڑی حد تک گمنام ہے۔ اس تنظیم کے خلاف امریکیوں کی نفرت سے ظاہر ہورہا ہے کہ آنے والے دنوں میں یہ ایک تہلکہ خیز نام بن کر ابھرنے والی ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے اپنی رائے دی "جان کی باتوں میں اب مجھے مستقبل کی جھلکیاں نظر آنے لگی ہیں۔"

"میں سوچ رہی ہوں کہ اس وقت فیرفیکس میں کیا ہورہا ہوگا۔" ویرا بڑبڑائی۔

میرا ذہن فوری طور پر اول خان کو دیے ہوئے فیکس کی طرف گیا لیکن زبان کھولنے سے پہلے مجھے یاد آگیا کہ وہ امریکی قصبہ سی آئی اے کا گھر تھا۔ میں نے لمحے بھر کے توقف کے بعد پوچھا "وہ لوگ بہت محنت سے صحیح سمت میں کام کررہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔ میرے بارے میں ان کے بیشتر اندازے درست ہیں۔"

"اس سے مجھے انکار نہیں۔ وہ لوگ یہ سن کر اپنے سر پیٹ لیں گے کہ جان اسمتھ کے بعد جان ایش کوف بھی کراچی سے ڈر کر دہلی بھاگ گیا ہے۔ سی آئی اے کے منصوبہ ساز اپنے مستقبل کے منصوبوں کے لیے کراچی میں قدم جمانا چاہ رہے ہیں اور ان کے بھیجے ہوئے بھیڑیے' بھیڑوں کی طرح ممیاتے ہوئے دہلی کی طرف دوڑ لگا رہے ہیں۔"

"ان کی یہ افراتفری ہمارے لیے مفید ہے۔ وہ یک سوئی سے کام نہیں کر سکیں گے۔" اول خان نے کرسی چھوڑ دی۔

ہم دونوں نے دروازے تک آکر اسے رخصت کیا۔

"کبھی کبھی تم مجھ سے بہت زیادہ بیزار نظر آنے لگتے ہو۔" اول خان کو رخصت کرنے کے بعد ویرا نے راہداری میں دبی زبان میں شکایت کی "میں اب تمہیں اتنی زیادہ بری لگنے لگی ہوں تو میں یہاں سے اپنا منہ کالا کرلوں؟"

"تم پہلے بھی منہ کالا کرتی رہی ہو۔" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "یہ محاورہ ذرا احتیاط سے استعمال کیا کرو۔"

اس نے سلگ کر اپنی چٹکی سے میرے بازو کی جلد مروڑ کر رکھ دی۔ راہداری طے کرکے ہم سلطان شاہ کی نشست کے قریب پہنچ چکے تھے اس لیے ویرا کو جواب میں کچھ کہنے کا موقع نہیں مل سکا اور وہ مجھے گھورتی رہ گئی۔

"فیکس کب تک بھیج دیا جائے گا؟" غزالہ نے کچن سے نکلتے ہوئے پوچھا۔ چولہوں کی حدت سے اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔

"اول خان اپنے دفتر میں پہنچتے ہی یہ کارِ خیر کر گزرے گا۔ کچھ خطرات نہ ہوتے تو میں اسی وقت کسی پبلک فیکس سے وہ پیغام بھیج دیتا۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ فریق ثانی کو اتنا وقت ملنا چاہیے کہ وہ پیغام ملنے کے بعد سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کرسکے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"بکواس مت کرو۔" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں "ہر وقت اوندھی باتیں کرتے رہتے ہو۔"

"میں نے کون سی غلط بات کہہ دی؟" سلطان شاہ نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں اچھال کر احتجاج کیا۔

"دشمن سے غلط فیصلے کی امید رکھو۔" ویرا نے چٹکی بجا کر اسے آنکھ ماری "دشمن کا کوئی بھی صحیح فیصلہ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔"

"میرا بھی یہی مطلب تھا۔" سلطان شاہ نے چیخ کر جواب دیا "میں دشمن کے ایسے کسی غلط فیصلے کی بات کر رہا تھا جو ہمارے لیے صحیح ثابت ہو۔"

سلطان شاہ کی اس انوکھی توجیہہ پر غزالہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور گھر کی فضا یک بیک خوشگوار ہوگئی۔

مجھے امید تھی کہ اول خان میرا پیغام بارہ بجے سے پہلے را کے نامعلوم ایجنٹ کو فیکس کردے گا جبکہ میں نے اپنے پیغام میں سات بجے فون کرنے کا ذکر کیا تھا۔ اس طرح فریق ثانی کو کسی بھی قسم کی ذہنی تیاری کرنے کے لیے پورے سات گھنٹے کا وقت دستیاب تھا۔

نریش نے دہلی میں مجھے رابطے کے جو نمبر دیے تھے وہ دونوں شہر کے سول لائنز کے علاقے یا اس کے مضافات سے تعلق رکھتے تھے جس کا اظہار ان نمبروں کے تین ابتدائی ہندسوں کی یکسانیت سے ہوتا تھا۔ جب سے ہم لاہور کے راستے کراچی پہنچے تھے' اتنی مہلت نہیں ملی تھی کہ سکون سے بیٹھ کر اپنی پچھلی کارگزاری کا جائزہ لیا جائے اور پھر کچھ نکات پر تحقیق و تفتیش کے کام کو آگے بڑھایا جائے۔ مجھے وقت ملا ہوتا تو یہ پتا چلانا دشوار نہیں تھا کہ وہ دونوں فون نمبر کس کے نام پر تھے اور عملی طور پر کس کے تصرف میں تھے۔

کراچی میں بھارتی قونصل خانہ کم و بیش اسی علاقے میں' فاطمہ جناح روڈ پر واقع تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ نمبر قونصل خانے کے نہیں ہوسکتے تھے۔ دہلی میں نریش نے میری اداکاری سے جو بھی فریب کھایا ہو' وہ یہ سنگین غلطی نہیں کرسکتا تھا کہ اپنے ایک پاکستانی مخبر کو خفیہ سفارتی رابطوں کی کسی کڑی سے آگاہ کردے۔

جان سے گفتگو کے لیے استعمال کیے جانے والے پبلک فون بوتھ کے نمبر جان کے ہاتھ لگ جانے سے میرے اعتماد کو دھچکا لگا تھا۔ اس زمانے میں سی ایل آئی کی سہولت کے بارے میں نہیں سنا گیا تھا مگر یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ کم از کم ... کراچی میں مقیم اہم امریکی افسران میں سے بعض کو اس سہولت تک رسائی حاصل تھی۔ ایسی صورت میں سی ایس ڈی کی افادیت بھی مشکوک ہوجاتی تھی۔ میرے تجربے کے مطابق وہ آلہ دورانِ گفتگو کسی تیسرے فریق کی مداخلت کا مکمل ترین انسداد کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ یہ بات وثوق سے نہیں کہی جاسکتی تھی کہ سی ایس ڈی ہمارے فون نمبر کو کسی قسم کی شناخت سے بھی محفوظ رکھ سکتی تھی۔

اس آلے کے بارے میں میرا تجربہ یہ تھا کہ اس کا استعمال کرتے ہوئے ہم کبھی کسی کی گرفت میں نہیں آئے تھے جبکہ ہم اس آلے کی مدد سے امریکی اور بھارتی سفارتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

افسروں سے بھی رابطے کرتے رہے تھے پھر مجھے یاد آیا کہ ویرا نے بھی اسی آلے کے سائے میں جان اسمتھ کو پے در پے فون کرکے اتنا خوف زدہ کیا تھا کہ وہ دہلی کی طرف بھاگ نکلا تھا۔ اگر اس نے ویرا کے فون نمبر کا سراغ لگایا ہوتا تو اسے کراچی سے بھاگنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ فون کا مجرمانہ استعمال ہر اعتبار سے خلافِ قانون تھا۔ جان اسمتھ کے ایک اشارے پر کراچی پولیس ذرا سی دیر میں ویرا کو ہمارے گھر سے اٹھا کر لے جاسکتی تھی۔

جان اسمتھ کے معاملے میں ایسا نہیں ہوا تھا۔ دوسری طرف جان ایش کوف نے پبلک بوتھ کا نمبر پکڑلیا تھا جبکہ وہ بھی گھر میں رہ رہا تھا جہاں جان اسمتھ کا قیام تھا۔ ان دونوں کا فون بھی ایک ہی تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ ہمارے گھر پر سی ایس ڈی نصب تھی جبکہ پبلک بوتھ اس آلے سے محروم تھا۔ شاید اس زمانے میں نمبر پکڑنے کے لیے سادہ آلات کے بجائے کوئی ایسی مشین استعمال کی جاتی تھی جو سی ایس ڈی کے حساس آلے سے نہیں بچ سکتی تھی۔

ویرا اور جان والے واقعات یاد آنے کے بعد مجھے سی ایس ڈی کی کارکردگی کی طرف سے دلی اطمینان تو ہوگیا مگر میں نے فیصلہ کرلیا کہ پہلی فرصت میں جلال یا اول خان کے لیے مزید معلومات حاصل کروں گا۔ اپنے تحفظ کے لیے سی ایس ڈی کی کارکردگی سے پوری طرح باخبر ہونا بہت ضروری تھا۔

عارضی دلی اطمینان ہوجانے کے باوجود میں مزید تصدیق کے بغیر تک اپنا فون یا موبائل فون کسی دشمن سے رابطے کے لیے استعمال کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ دوسری طرف وہ سارا دن بیکار رہ کر گزارنا میرے لیے مشکل تھا۔ میں نے سالم اور ویرا کو امورِ خانہ داری میں مصروف چھوڑا اور سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

سلطان شاہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے تک کسی چون چرا کے بغیر میری ہدایات پر عمل کیا لیکن سفر کا آغاز ہونے کے بعد اس کا تجسس سوالات کی صورت میں اس کی زبان پر آیا۔ وہ جاننا چاہ رہا تھا کہ میں اس وقت کہاں اور کس ارادے سے جارہا تھا۔

میرا کوئی خفیہ پروگرام نہیں تھا۔ میں کچھ دیر تک اسے مذاق میں ٹالتا رہا پھر اسے بتادیا کہ میں اولڈ ٹاؤن کے کسی پبلک بوتھ سے نریش کے دیے ہوئے نمبر پر فون کرنا چاہ رہا تھا۔ شام کے سات بجے سے پہلے اس فون نمبر کے بارے میں آگاہی حاصل کرسکوں۔

میرا ساتھی بننے سے پہلے سلطان شاہ ایک ٹرانسپورٹ کمپنی میں کام کرتا رہا تھا۔ اسے ہلکی اور بھاری گاڑیوں کی ڈرائیونگ پر کامل مہارت حاصل تھی۔ وہ سڑکوں پر رواں دواں بھانت بھانت کی گاڑیوں کے ہجوم میں اپنا راستہ بناتا ہوا اولڈ ٹاؤن کی طرف بڑھتا رہا۔

"اس علاقے میں پہنچ کر ہمیشہ میری پرانی یادیں تازہ ہوجاتی ہیں۔" کھارادر کی تنگ سڑکوں پر گاڑی چلاتے ہوئے سلطان شاہ نے جذباتی لہجے میں کہا "میں جس زمانے میں سیٹھوں کے لیے کام کررہا تھا تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے اپنے وطن کی خدمت کرنے کا ایسا بڑا موقع ملے گا۔"

"یہ دل کو سمجھانے کی باتیں ہیں ورنہ ان دنوں تم واقعی محنت کررہے تھے۔ آج کل تو ہم لوگ وقت گزار رہے ہیں۔" میں نے اسے چھیڑا۔

وہ اسٹیئرنگ وہیل پر ہاتھ مار کر ہنس پڑا "را اور سی آئی اے والے گھامڑ نہیں ہیں کہ بلاوجہ دن رات تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ میں دہلی میں تمہارے کاموں کے بارے میں سوچتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ را کے دفتر میں گھسنا ہی دل حوصلے کا کام تھا۔ تم نے تو ان کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ گرین کوبرا کے ساتھ نہ جانے کیا کیا نکال لائے' ناگر کو مار ڈالا اور ان سالوں کے دفتر کو آگ تک لگا دی۔ وہ تمہارے گن گاتے رہے۔"

"میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔" میں نے سنجیدگی سے اسے سمجھایا "جو لوگ اپنی کامیابیوں پر زیادہ ناز کرتے ہیں وہ رفتہ رفتہ اپنے سنہرے ماضی میں رہنے کے عادی ہوجاتے ہیں اور پھر اپنے اردگرد کے حالات سے غافل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ روش انہیں بہت مہنگی پڑتی ہے۔"

"میں نے بھی تمہارے ساتھ رہ کر بہت کچھ سیکھا اور کیا ہے لیکن تم نے میری زبان سے کبھی اس بارے میں ایک لفظ نہیں سنا ہوگا۔ میں ہمیشہ تمہاری اور دوسروں کی بات کرتا ہوں۔" اس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا "یہ مرض ویرا کو ہے کہ وہ ہر وقت اپنے راگ الاپتی رہتی ہے۔"

"پھر ویرا درمیان میں آگئی!" میں نے ہنس کر اسے ٹوکا "کسی وقت تو اسے بھلا دیا کرو۔"

"تم نے غور نہیں کیا۔ وہ واقعی اپنے ماضی کے تذکروں میں زیادہ مگن رہتی ہے۔"

"اسے معاف کردیا کرو۔ وہ بہت بدنصیب لڑکی ہے۔ اس نے بے مثال عروج کے بعد ایسا زوال دیکھا ہے کہ اب اپنی شناخت تک کھو بیٹھی ہے۔ ایسے لوگ ہمیشہ محرومیوں کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شکار رہتے ہیں اور اپنے ماضی کی کامیابیوں کے تذکرے سے تسکین حاصل کرتے ہیں۔"

میرے ایما پر سلطان شاہ نے ایک قریبی پبلک بوتھ کے قریب گاڑی روک لی۔ بوتھ خالی تھا۔ میں نے اندر داخل ہو کر سلاٹ میں کارڈ لگایا اور ڈائل ٹون ملنے پر اللہ کا نام لے کر اپنا مطلوبہ نمبر ملالیا۔

دوسری طرف گھنٹی بجی۔ میں تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کسی جوابی آواز کا انتظار کرتا رہا لیکن لائن پر کوئی انسانی آواز نہیں سنائی دی۔ دوسری، تیسری، چوتھی اور پھر مسلسل گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ میں متذبذب انداز میں ریسیور اپنے کان سے لگائے کھڑا رہا۔ گھنٹیاں بجنے کی وجہ سے اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ دوسری طرف کوئی موجود نہیں تھا یا پھر وہ فون خراب تھا۔

کافی دیر کے انتظار کے بعد میں نے مایوس ہو کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ بوتھ چھوڑنے سے پہلے میں نے احتیاط سے نمبر ملانے کی دوسری کوشش کی مگر اس کا بھی وہی نتیجہ رہا اور میں ریسیور کریڈل سے لٹکا کر باہر آگیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ناکام واپس آئے ہو۔" سلطان شاہ نے میرے بشرے سے اندازہ لگا کر آہستگی سے کہا۔

"کوئی جواب نہیں مل رہا۔ ہو سکتا ہے کہ مظہر خان پر شبہ ہو جانے کے بعد را کے ایجنٹ نے اپنا ٹھکانا بدل لیا ہو۔" میں نے سگریٹ سلگا کر پُرخیال لہجے میں جواب دیا۔

"ایسا ہے تو پھر اول خان کو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔" سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔

اس بار میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے خیال آیا کہ فون نمبر پر رابطے میں ناکامی کے بعد مجھے فیکس نمبر پر بھی ایک کوشش کر لینی چاہیے تھی۔ بہت سے لوگ اپنے لیک ہی فون نمبر کو فون اور فیکس کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ رابطہ نہ بھی ہوتا تو ریسیور پر فیکس کی مخصوص آواز سن کر کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہو جاتا۔ اس دوسری کال کے لیے میں کوئی اور بوتھ بھی استعمال کر سکتا تھا مگر پہلی ناکامی نے میرے ذہن پر کچھ جھلاہٹ سی طاری کر دی تھی۔ میں نے اسی وقت اول خان سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

سلطان شاہ کو گھر کی طرف واپسی کی ہدایت دے کر میں نے اپنے موبائل فون پر اول خان کے دفتر کا نمبر ملالیا۔ وہ اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اس نے پہلی گھنٹی پر ہی ریسیور اٹھالیا اور میری آواز سن کر خوش دلی سے چہکنے لگا۔ "تم کہاں گھوم رہے ہو؟ میں نے گھر فون کیا تو پتا چلا کہ تم کسی سے کچھ کہے سنے بغیر باہر نکلے ہوئے ہو۔ میں نے تمہارے لیے ویرا کو پیغام دے دیا تھا۔ اس نے تمہیں بتا دیا ہو گا۔"

"میں ابھی تک گھر سے باہر ہوں۔ اولڈ ٹاؤن کے کسی پبلک بوتھ سے زلیش والے فون نمبر پر رابطہ کرنے کے ارادے سے نکلا تھا مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ یہ بتاؤ کہ فیکس کا کیا رہا؟" میں نے اپنی جھلاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے خوش گوار لہجے میں پوچھا۔

"فیکس چلا گیا۔ میں نے تمہارے گھر فون کر کے ویرا کو یہی اطلاع دی تھی۔" اول خان نے بتایا پھر پوچھا "فون مصروف تھا یا اس پر کوئی ریکارڈنگ چل رہی ہے؟"

"مسلسل گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ کوئی جواب نہیں مل رہا۔ میرا خیال ہے کہ کسی کو اس نمبر کی چھان بین پر لگایا جانا چاہیے۔"

"میں نے ٹی اینڈ ٹی والے شہزاد کو اس کام پر لگا دیا ہے۔ یہ نمبر کس کے نام پر ہیں، کس کے استعمال میں ہیں اور اس وقت ان کی کیا پوزیشن ہے۔ یہ سب باتیں شام سے پہلے معلوم ہو جائیں گی۔ مجھے ان باتوں کی اہمیت کا اندازہ تھا۔ سات بجے سے پہلے ہمارا باخبر ہونا ضروری ہے۔"

وہ واقعی دور اندیش اور فرض شناس افسر تھا۔ اسے بہت زیادہ بتانے اور سکھانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ سیدھے مسائل میں وہ ہمیشہ ہر پہلو کو نگاہ میں رکھتا تھا۔ جہاں جوڑ توڑ، جھوٹ، فریب اور سازشوں کا معاملہ ہو، وہاں وہ چکرا جاتا تھا پھر بھی صحیح سمت میں پیش قدمی کرنے کی مقدور بھر کوشش کرتا تھا۔

اول خان سے فون پر مختصر سی گفتگو کر لینے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر پر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

"وہ دونوں فون اور فیکس نمبر تمہیں دہلی میں زلیش نے دیے تھے۔" سلطان شاہ کہہ رہا تھا "ان کے بارے میں یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ نمبر کراچی میں مقیم، را کے کسی ایجنٹ کے استعمال میں ہیں۔ اس بارے میں تم کو کسی تردد میں نہیں پڑنا چاہیے۔ ان پتوں پر پہنچو اور بے رحمی سے اپنے دشمنوں کے گریبان پر ہاتھ ڈال دو۔ ایسے معاملات میں مدافعانہ پیش قدمی کے بجائے جارحانہ پیش رفت ہمیشہ سود مند ثابت ہوتی ہے۔"

"یہ باتیں میں بھی جانتا ہوں۔" میں نے اس کے مشورے کا برا منائے بغیر جواب دیا "اگر یہ نمبر بھارتی قونصل خانے کے کسی ملازم کے استعمال میں ہیں تو بات اتنی سادہ نہیں رہے گی۔ ہمیں بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا ہو گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے تازہ مسائل میں سر کھپاتے ہوئے ہم دونوں دو بجے سے پہلے گھر پہنچ گئے جہاں دونوں خواتین کچن کی مصروفیات سے فارغ ہو کر ہماری واپسی کی منتظر تھیں۔

ویرا نے اپنے مزاج کے مطابق کچھ برہمی کا اظہار کیا کہ میں اسے کچھ بتائے بغیر گھر سے نکل گیا تھا۔ اس کے اصرار کے باوجود میں نے اسے یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر کہاں گیا تھا اور ویرا کا منہ پھول گیا۔

کھانے کی میز پر ویرا میرے اور سلطان شاہ کے ساتھ منہ ماری کرتی رہی۔ سلطان شاہ نے میرا رویّہ دیکھ کر ویرا کو چڑانا اور نظرانداز کرنا شروع کر دیا۔ اس بے چارے کو ایسے سنہری مواقع بہت کم ملتے تھے جب میرا وزن ویرا کے بجائے اس کے پلڑے میں ہو۔

ساڑھے تین بجے اول خان وفورِ جوش سے تمتمایا ہوا آپہنچا۔ اس کے آدمی نے نریش کے دیے ہوئے دونوں مقامی نمبروں کے بارے میں اہم معلومات فراہم کی تھیں۔

فیکس نمبر کراچی کے بھارتی قونصل خانے کے ایک مقامی ملازم چندن گرنانی کے نام پر تھا جو سول لائنز کے علاقے میں متوسط درجے کے ایک فلیٹ میں رہتا تھا۔ فون نمبر پی آئی ڈی سی ہاؤس کے پیچھے ایک پرانی عمارت میں واقع ایک وکیل کے دفتر کا تھا۔ اس وکیل کا نام سنی کمار تھا۔ وہ محکمہ جاتی معلومات تھیں۔ ٹیلی فون اینڈ ٹیلی گراف ڈپارٹمنٹ کے ریکارڈ میں برسوں سے وہ اندراجات اسی طرح چلے آرہے تھے۔ دونوں نمبر فعال تھے اور ان کے بل ادا کیے جا رہے تھے۔ اول خان کے آدمی نے متعلقہ ایکس چینج کے ہولڈنگ روم سے بھی چیک کر لیا تھا کہ ان میں سے کسی نمبر میں کوئی گڑبڑ نہیں تھی۔

"فیکس نمبر کا معاملہ بالکل صاف ہے۔ چندن گرنانی را کا ایجنٹ ہے اور اپنی فیکس مشین پر مقامی مخبروں سے رپورٹیں وصول کرتا ہے۔" ویرا نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

"بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔" اول خان نے سر ہلاتے ہوئے اس کی تائید کی "اہم ترین بات یہ ہے کہ وہ پاکستانی شہری ہے۔ اسے کسی نہ کسی چکر میں گھیر گھار کر پکڑا جا سکتا ہے۔ اس پر ہاتھ ڈالنے کے نتیجے میں کسی بڑی پیچیدگی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"پولیس کی مدد سے اس کے پاس سے چرس یا ہیروئن برآمد کروائی جا سکتی ہے۔" سلطان شاہ بھی مشورہ دینے میں پیچھے نہیں رہا "منشیات رکھنے کے جرم میں اسے آسانی سے دس پندرہ دنوں تک کسی حوالات میں رکھا جا سکتا ہے۔ وہاں کی خاطر تواضع اس سے سب کچھ اگلوا لے گی۔"

"یہ کام اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ بیشتر سفارتی ملازمین کو بہت سے تحفظات حاصل ہوتے ہیں۔ اس خانہ پری کے بغیر چندن گرنانی کو پکڑا گیا تو بھارتی شور مچا دیں گے۔ وہ اپنے اس اہم آدمی کو اتنی آسانی سے نہیں بھلائیں گے۔"

"چندن بیچ کا آدمی بھی ہو سکتا ہے۔ وہ فیکس لے کر کسی اور کو پہنچاتا ہو گا۔" غزالہ نے کہا "یہ نہ بھولو کہ فون نمبر کسی اور کا ہے۔"

"چندن بیچ کا آدمی ہے تب بھی کار آمد ہے۔ وہ بہت کچھ بتا سکتا ہے۔" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔

"تم نے سنی کمار کے فون کے بارے میں مزید کچھ نہیں بتایا۔" میں نے اول خان کو ٹوکا۔

"اس کی نوبت ہی کہاں آئی۔ سب نے چندن پر مغززنی شروع کر دی۔" وہ ہنستے ہوئے بولا "یہ معلومات حاصل ہوتے ہی میں نے اپنے آدمیوں کو تصدیق کے کام پر مامور کر دیا۔ چندن کے گھر والے اندرون سندھ رہتے ہیں۔ وہ فلیٹ میں اکیلا رہتا ہے۔ جمعہ کی رات کو عمر کوٹ جاتا ہے اور اتوار کی شام کو واپس لوٹ آتا ہے کیونکہ پیر سے جمعہ تک اسے مسلسل پانچ دن دفتر جانا ہوتا ہے۔ اس کے فلیٹ میں بھی وہی سب ہوتا ہے جو رنگین مزاج اکیلے مردوں کے گھروں میں ہو سکتا ہے۔"

"اس کے معمولات بہت معقول ہیں۔" ویرا پھر بول پڑی "اس پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے، اس کی غیر حاضری میں فلیٹ کی تلاشی لے کر بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

"یہ سب بعد میں سوچا جائے گا۔ پہلے سنی کمار کی کہانی سن لو۔" اول خان نے ہاتھ اٹھا کر کہا "وہ ایک ادھیڑ عمر ہندو وکیل ہے۔ نچلی عدالتوں میں فوج داری کیس لیا کرتا تھا لیکن بیمار ہونے کی وجہ سے کئی مہینوں سے دفتر نہیں آرہا۔ اس نے اپنے عملے کو چھٹی دے دی ہے اور وہ دفتر کئی مہینوں سے مقفل پڑا ہوا ہے۔"

"اسی لیے فون نمبر پر گھنٹیاں بج رہی تھیں اور جواب نہیں مل رہا تھا۔" سلطان شاہ نے کڑی سے کڑی ملالی۔

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" میں نے اسے ڈانٹ دیا "اول خان بتا رہا ہے کہ وہ دفتر کئی مہینوں سے بند ہے۔ نریش اس بات سے بے خبر نہیں ہو گا۔ اس نے تین چار روز پہلے مجھے یہ فون نمبر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دفتر بند ہو یا کھلا، فون پر کسی نہ کسی سے بات ہو سکتی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لیکن تم کو کوئی جواب نہیں ملا۔" سلطان شاہ نے استفہامت کے ساتھ اعتراض کیا۔

"فون کے بارے میں نریش کی ہدایت تھی کہ اسے صرف ایمرجنسی میں استعمال کیا جائے۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "فیکس کے برعکس فون کا مسئلہ ٹیڑھا ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ میرے دیے ہوئے وقت پر کوئی جواب دیتا ہے یا گھنٹیاں بجتی رہتی ہیں۔"

"اگر وہ دفتر بند ہے تو کون تمہاری کال کا جواب دے گا؟" ویرا نے پوچھا۔

"میں نے ابھی بتایا ہے کہ فون نمبر دیتے وقت نریش کو بھی معلوم رہا ہوگا کہ سنی کا دفتر کئی ماہ سے بند ہے۔ میں فیکس پر پیشگی بتا چکا ہوں کہ میں سات بجے فون پر رابطہ کروں گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت کوئی نہ کوئی میری بات سننے کے لیے موجود ہو۔"

"سات بجے میرے آدمی سنی کے دفتر کی خفیہ نگرانی کریں گے۔ اگر تمہاری مجوزہ فون کال سننے کے لیے کوئی وہاں آتا ہے تو اس پر گہری نگاہ رکھی جائے گی تاکہ ضرورت پیش آنے پر اسے قانون کی آہنی گرفت میں لیا جاسکے۔" اول خان نے بتایا۔

"اگر یہ محض ایک تجویز ہے تو مجھے اس سے پورا اتفاق ہے۔" میں نے کہا "اپنے آدمیوں کو اسی وقت ہدایات دے دو۔ سات بجے چندن پر بھی نظر رکھی جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ وہی اپنے گھر سے نکل کر سنی کے دفتر میں گھس جائے۔"

"سنی کے دفتر کے اردگرد میرے آدمی منڈلا رہے ہوں گے۔ چندن کے بارے میں، میں ابھی کہے دیتا ہوں۔" اول خان اپنی بات پوری کرکے فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

جب تک اول خان فون پر بات کرتا رہا، کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔ وہ فون پر اپنے کسی آدمی کو ہدایات دے کر فارغ ہوا تو ویرا بولی "ابھی ابھی مجھے خیال آیا ہے کہ نریش کے دیے ہوئے نمبر پر فیکس بھیج کر تم نے ایک سنگین غلطی کی ہے۔"

غلطی کا ذکر آتے ہی اول خان ہمہ تن گوش ہوگیا "یہ قدم سب کے مشورے سے اٹھایا گیا ہے۔ اب تمہیں اس میں کیا غلطی نظر آرہی ہے۔"

"بھارتی تمہاری حکومت سے ڈینی اور مظہر خان کی گرفتاری اور حوالگی کا مطالبہ کررہے ہیں۔ کل طے ہوا تھا کہ مظہر کی پاکستان واپسی سے یکسر انکار کرکے بھارت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنی قید میں موجود مظہر نامی پاکستانی کو واپس کرے یا پھر اس کی واپسی کے کوائف سے آگاہ کرے۔" ویرا نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ آں!" اول خان نے عجلت میں کہا "پوری بات کہو، تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"

"سرکاری طور پر تم لوگوں کا مشورہ یہی تھا نا کہ تمہاری حکومت مظہر کی یہاں موجودگی سے صاف انکار کردے۔" ویرا نے دوبارہ تصدیق چاہی۔

"اب آگے بھی بکو گی یا تمہاری سوئی یہیں اٹکی رہے گی۔" میں نے بھنا کر کہا۔

"سرکاری سطح پر یہ جواب دیا جاچکا ہے۔ جوابی مراسلہ پڑھ کر بھارتی سفیر بوکھلا گیا تھا۔" اول خان نے کہا۔

"اور اب ڈینی بلکہ مظہر نے فیکس بھیج دیا جو پاکستان بلکہ کراچی میں اس کی موجودگی کا کھلا ثبوت ہے۔ بھارتی اس فیکس سے پورا فائدہ اٹھائیں گے۔" ویرا نے اپنی بات پوری کرڈالی۔

اول خان کے لیے ویرا کا اٹھایا ہوا وہ نکتہ شاید بہت اہم تھا۔ اس نے ویرا کو براہِ راست کوئی جواب دینے کے بجائے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھنا شروع کردیا۔

"جب بھارتیوں کے جواب کے بارے میں بات ہورہی تھی تو یہ نکتہ میرے ذہن میں آیا تھا۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا "میں نے فیکس کا پیغام لکھتے ہوئے اس بات کو پوری طرح ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ اس میں شروع سے آخر تک کہیں بھی میرا نام نہیں ہے۔"

"میں مانتی ہوں کہ تم نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے اپنا نام نہیں لکھا، خط بھی تمہاری تحریر میں نہیں ہے بلکہ ٹائپ کیا گیا ہے مگر اس کا متن صاف نشاندہی کررہا ہے کہ خط یا فیکس کس کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔"

"فیکس اصل تحریر کی فوٹو کاپی ہوتی ہے جس کی کوئی قانونی وقعت نہیں ہوسکتی۔ بھارتی اپنے سر سے بوجھ اتارنے کے لیے خود ہی وہ پیغام ٹائپ کرکے ایک نمبر سے دوسرے کو فیکس کرسکتے ہیں اور پھر اسے ثبوت کے طور پر نچا سکتے ہیں۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا "تمہارا اندیشہ بالکل بے بنیاد ہے۔ فیکس کا سہارا لے کر پاکستان کے موقف کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تو بھارتیوں کو منہ کی کھانا پڑے گی۔"

"یہ تمہاری ہٹ دھرمی اور دیدہ دلیری ہے کہ تم فیکس کی اصلیت سے منحرف ہورہے ہو۔" ویرا نے بیزاری سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بھارتیوں کی عقل پر پردہ پڑ گیا تو وہ ضرور یہ قدم اٹھائیں گے ورنہ ایسی حماقت کی ذرا سی بھی گنجائش نہیں ہے۔ اگر ذرا سی دیر کے لیے فیکس کے استعمال کا یقین کر لیا جائے تو وہ اس کا متن کہاں لے جائیں گے؟ اس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ ایک پاکستانی شخص را کا تنخواہ دار مخبر رہا ہے اور بھارتی حکومت اچانک ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ کیا وہ یہ الزام از خود اپنے سر لے لیں گے کہ وہ جاسوسی کرانے کے لیے پاکستانیوں کو خریدتے ہیں۔"

"یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ ساری دنیا میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔" ویرا اپنی جگہ پر اڑی ہوئی تھی۔

"ضرور ہوتا ہے لیکن کوئی بھی حکومت بروقت اپنی ان حرکتوں کا اعتراف نہیں کرتی۔ دس بیس برس گزرنے کے بعد ان رازوں پر سے پردہ اٹھتا ہے کہ ماضی میں کیا کچھ ہوتا رہا تھا۔ اس وقت گڑے مردے اکھاڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔"

"ہر ملک میں برے یا بھلے قوانین ہوتے ہیں۔" اول خان نے میری حمایت میں کہا "ان کے تحت سرکاری رازوں کا افشا سنگین جرم شمار ہوتا ہے۔ یہ قوانین درحقیقت ایسے سرکاری کاموں کی بھی پردہ پوشی کرتے ہیں جو معروف معنوں میں قابلِ تعریف قرار نہیں پاتے۔"

"میں بلاوجہ بحث میں نہیں پڑتی۔" ویرا نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا "میرے ذہن میں ایک بات آئی تھی جو میں نے، تم لوگوں کے سامنے رکھ دی۔ اب اس کے فائدے اور نقصان کا اندازہ تم کو لگانا ہے۔ مجھے ڈینی کا آج والا فیکس گلے پڑا ہوا نظر آ رہا ہے۔"

"تم کو زیادہ ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔" سلطان نے اس کا مضحکہ اڑایا "ڈینی اور اول خان تم سے زیادہ سمجھ دار آدمی ہیں۔ اگر ان کی دلیلیں بھی تمہیں مطمئن نہیں کر سکیں تو تم بے فکر ہو جاؤ۔ جو ہوگا' دیکھ لیا جائے گا۔"

"تمہاری کھوپڑی میں بھس بھرا ہوا ہے۔" ویرا نے اپنی کنپٹی پر شہادت کی انگلی رکھ کر جلے بھنے لہجے میں کہا "اپنی عقل سے کچھ نہیں سوچتے۔ جو تمہارے آقا کہہ دیں' رٹے رٹائے طوطے کی طرح وہی دہرانا شروع کر دیتے ہو۔"

"گندم اگر بہم نہ رسد' بھس غنیمت است۔" سلطان کو وہ ثقیل فارسی محاورہ نہ جانے کیسے یاد تھا "خدا کا شکر کہ میری کھوپڑی میں کچھ نہ کچھ تو بھرا ہوا ہے۔ تمہارا سر تو خالی ہے۔ بغیر سوچے سمجھے ہر بات میں ٹانگ اڑانا اپنا حق سمجھتی ہو۔"

"اب تم دونوں میں سے کوئی کچھ نہیں کہے گا۔" اول خان نے سختی سے کہا "ہمیں ان خرافات میں وقت برباد نہیں کرنا چاہیے۔"

ان دونوں نے کینہ توز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا لیکن اپنی اپنی زبانیں بند رکھیں۔ وہی اس وقت کی ضرورت تھی۔

پانچ بجے اچانک جلال آ پہنچا۔ ہم پانچوں نے تحیر زدہ خوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

"میں نیپا میں ایک اہم میٹنگ سے فارغ ہو کر واپس جا رہا تھا تو سوچا کہ راستے میں تم لوگوں سے بھی مل لوں۔" اس نے اپنی غیر متوقع آمد کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔

"اب کورم پورا ہے۔ اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔" اول خان نے کہا "اس وقت ہم لوگ فون اور فیکس کے چکر میں الجھے ہوئے تھے۔"

"کسی اور موضوع پر بات چل نکلنے سے پہلے تم یہ بتاؤ کہ سی ایس ڈی کے بارے میں کیا جانتے ہو۔" میں نے جلال سے پوچھا۔

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "پتا نہیں تمہیں یہ سوال کیوں یاد آ گیا۔ دراصل اس وقت نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن میں سی ایس ڈی کے بارے میں کچھ جاپانی افسروں سے تفصیلی بات چیت ہوئی ہے جو میرے ذہن میں تازہ ہے۔ گاڑی میں اس اپریٹس کے بارے میں خفیہ لٹریچر بھی پڑا ہوا ہے۔"

"نیپا میں جاپانی افسر کیا کر رہے ہیں۔" ویرا نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"وہ پاکستان کا قومی تربیتی ادارہ ہے۔" جلال نے اسے بتایا "وہاں بہت سے غیر ملکی افسر بھی تربیت کے لیے آتے رہتے ہیں۔ سینئر حکام وہاں دعوت پر لیکچر دینے آتے ہیں۔ وہ جاپانی وہاں مواصلات کے موضوع پر تربیتی لیکچر دینے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔"

"یہ بات حیران کن ہے کہ آج ہی تمہیں ان سے سی ایس ڈی کے بارے میں بات کرنے کی ضرورت پیش آ گئی۔" میں نے تعجب سے کہا۔

"جب سے مجھے اس کے بارے میں پتا چلا تھا' میں اس کے حصول کے لیے سرگرداں تھا۔ اب ریڈ آدمی والوں سے سی ایس ڈی بنانے کے حقوق ایک جاپانی کمپنی نے خرید لیے تھے تو اس آلے کا حصول ذرا آسان ہو گیا ہے۔ یہ ہمارے ملکی اور غیر ملکی دفاتر کے لیے بہت ضروری ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سی ایس ڈی را والوں کے استعمال میں ہے۔" غزالہ نے ہنس کر تبصرہ کیا۔

"ہرگز نہیں۔" جلال نے پورے وثوق سے تردید کی "پتا نہیں بدری ناتھ کو یہ آلہ کہاں سے مل گیا تھا۔"

"تم جلال سے سی ایس ڈی کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہ رہے تھے۔" اول خان نے مجھے یاد دلایا۔

"یہ بات یقینی ہے کہ سی ایس ڈی دو طرفہ ٹیلی فونک گفتگو میں کسی تیسرے فریق کی مداخلت سے بچاتی ہے لیکن نمبر ٹریس کرنے والے آلات پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ بہت اچھی بات ہے کہ کوئی بھی کار آمد نکتہ تمہارے ذہن سے محو نہیں ہوتا۔" جلال نے مسکراتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ تم یہ بات نہیں بھلا سکے کہ جان نے گلشن اقبال کے اس پبلک کال آفس کا نمبر ٹریس کرلیا تھا جہاں سے تم نے اس سے بات کی تھی۔"

"اس واقعے نے مجھے بہت زیادہ محتاط بنادیا ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔

"سی ایس ڈی ایک لاجواب ڈیوائس ہے جو ایک وقت میں صرف دو لائنوں کو ملائے رکھتی ہے جوں ہی تیسری لائن یا تیسرا سرکٹ جڑنے کی کوشش کرتا ہے' سی ایس ڈی لائن کو ڈراپ کردیتی ہے۔ یہ اس کے کام کرنے کا اصول ہے۔" جلال نے سہل الفاظ میں اپنی معلومات کا بیان شروع کردیا "فون کی گھنٹی بجنے پر نمبر کا سراغ لگانے کے لیے بھی کوئی نہ کوئی سرکٹ ضرور استعمال ہوتا ہے۔ یہ تین سرکٹ یک جا نہیں ہوسکتے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ نمبر کا سراغ نہیں مل سکے گا۔" میں نے اس سے یقین دہانی چاہی۔

"میں اس کا عملی مظاہرہ دیکھ چکا ہوں۔ جاپانی کمپنی نے نمبروں کا سراغ لگانے والے پیچیدہ اور بھاری آلات بنائے ہیں۔ ننھی سی سی ایس ڈی انہیں ناکارہ کردیتی ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آج تمہیں اچانک سی ایس ڈی کی کارکردگی کی تصدیق کرنے کا خیال کیوں آگیا۔"

"سات بجے میں را کے مقامی ایجنٹ کو فون کروں گا۔ سی ایس ڈی محفوظ ہے تو یہ کام گھر سے کیا جائے گا۔ اس بارے میں مجھے ذرا بھی شبہ ہوا تو میں کسی دور افتادہ پی سی او کے استعمال کو ترجیح دوں گا۔ کوئی خطرہ ہرگز مول نہیں لوں گا۔"

"تمہاری لائن کے آدمی کو اسی قدر محتاط ہونا چاہیے۔ تم دہلی سے بلاوجہ صحیح سلامت واپس نہیں آئے۔ تمہاری غیر مبہم سوچ ہر جگہ تمہاری ڈھال بنتی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم بے خوف ہو کر سی ایس ڈی کے ساتھ اپنا فون استعمال کرو۔ ویسے بھی ٹیلی مواصلات کے شعبے میں را والے امریکیوں بلکہ ہم پاکستانیوں سے بھی پیچھے ہیں۔" جلال نے خوش دلی سے کہا "وہ اپنا پورا زور لگادیں پھر بھی تمہاری گرد کو نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"اس وقت تم نے یہاں آکر ایک بڑا مسئلہ حل کردیا ہے ورنہ چھ بجے میں گھر سے نکل جاتا۔" میں نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا۔

"تم سات بجے فون تو کررہے ہو۔ یہ بتاؤ کہ یہ پروگرام کیسے بن گیا؟" جلال نے کہا۔

میں بولنے بھی نہ پایا تھا کہ اول خان نے اسے میرے فیکس اور اس کے بارے میں اختیار کی جانے والی جزوی احتیاطی تدابیر کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

"ویری گڈ!" اول خان کے خاموش ہونے پر وہ تحسین آمیز لہجے میں بولا "اس سے زیادہ مکمل اور بے داغ منصوبہ بندی انسانی بساط سے باہر ہے۔"

"مگر ویرا کو کچھ اعتراضات ہیں۔" اول خان کھلے دل کے ساتھ اسے پوری طرح اپنے اعتماد میں لینے پر آمادہ تھا۔ اس نے مختصر الفاظ میں وہ باتیں دہرا دیں جن پر ویرا معترض تھی۔

"ان باتوں میں وزن ہے۔" جلال نے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا "تیر ہماری کمان سے نکل چکا ہے۔ اسلام آباد میں آج صبح ہی بھارتی سفیر سے مظہر خان اور غزالہ کی بہ حفاظت واپسی کا سخت مطالبہ کیا گیا ہے۔ یہ....."

اس بار اول خان نے اس کی بات درمیان سے اچک لی اور کہا "تم نے وہ فیکس نہیں پڑھا۔ اسے پڑھ لو پھر تم کسی صحیح نتیجے پر پہنچ سکو گے۔ اس نے اپنی جیب سے تہ کیا ہوا ایک کاغذ نکال کر جلال کی طرف بڑھا دیا۔

کاغذ کھول کر جلال نے اپنی نگاہیں تحریر پر مرکوز کردیں۔ میرا اندازہ تھا کہ اس نے خاموشی سے کم از کم دوبار وہ پورا مضمون پڑھا پھر بولا "تحریر بہت نپی تلی ہے۔ اس میں کہیں مظہر یا غزالہ کا نام نہیں آیا بلکہ را کی حرکتوں کی پول کھولی گئی ہے کہ وہ بھارت جانے والے پاکستانیوں کو بہلا پھسلا کر اپنے جال میں پھانستے ہیں اور پھر ان کے خلاف شور کھڑا کردیتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ را کے بڑوں میں ذرا بھی عقل ہے تو اس فیکس کی نقل کو منظرِ عام پر لانے کی حماقت نہیں کریں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گے۔"

اول خان کھل اٹھا "ویرا کے اعتراض پر میرا اور ڈینی کا جواب حرف بہ حرف یہی تھا۔"

"نہیں ویرا!" جلال نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا "جو کچھ ہوا ہے' بالکل صحیح سمت میں ہوا ہے۔ تمہیں اپنے ساتھیوں کی فہم و فراست پر ناز ہونا چاہیے۔"

"میری بھی یہی آرزو ہے کہ سب کچھ صحیح ہوا ہو۔ مجھے ایک شبہ ہوا تھا۔ میں نے اس کی نشاندہی کردی۔ امید اب بھی یہ ہے کہ میرا شبہ غلط ثابت ہو۔"

"میں نے ان دونوں نمبروں کی چھان بین پر اپنے آدمی لگادیے ہیں۔" قدرے توقف کے بعد جلال نے بتایا۔

"میرے آدمی کسی حد تک یہ کام کر چکے ہیں۔" اول خان نے وہ وضاحت کرتے ہوئے بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدلا تھا "اس وقت میرے آدمی سنی کے دفتر اور چندن کے گھر کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی غلط فہمی میں میرے اور تمہارے آدمی آپس میں ٹکرا جائیں۔"

"اس کا امکان کم ہے۔ ایجنسیوں والے کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں۔ ایس ٹی ایف والے نیم فوجی تو دور سے نظر آجاتے ہیں۔" جلال نے اطمینان سے کہا پھر پوچھا "یہ سنی اور چندن کون ہیں۔ ان کے بارے میں مجھے بریف تو کردو۔"

اول خان اسے اپنے آدمیوں کی کارگزاری سے آگاہ کرنے لگا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرے کاموں میں یہ یک وقت دو ایجنسیوں کی گہری دلچسپی کسی بھی وقت کسی ناگہانی سانحے کا سبب بن سکتی تھی' اس بارے میں جلال کی خوش گمانی حقیقت سے بہت دور تھی۔

اول خان کی روداد سن کر جلال نے اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا "تمہارے سامنے شام کے سات بجے کا ٹارگٹ موجود تھا۔ تمہارے آدمیوں نے تیزی سے کام کیا ہے۔ تمہارے کیے ہوئے بندوبست کے نتیجے میں سات بجے تک بہت کچھ سامنے آجائے گا۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اپنے آدمیوں کو ہٹالینا چاہیے....."

میں نے اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا اور جلدی سے کہا "باقی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ یہ نیک کام فوراً کر ڈالو۔ اس بارے میں تمہارا اطمینان مجھے پریشان کر رہا تھا۔"

جلال ہنستا ہوا فون کی طرف بڑھ گیا جو گوشے میں تپائی پر رکھا ہوا تھا۔

جلال کو یہ جان کر حیرت نہیں ہوئی تھی کہ وہ دونوں نمبر دو ہندوؤں کے نام پر تھے اور ان میں سے ایک بھارتی قونصل خانے کا ملازم تھا۔ فون پر اپنے کسی ماتحت سے بات کرنے کے بعد وہ دوبارہ اپنی جگہ پر آیا تو تھکی ہوئی آواز میں بولا "یہ حقیقت بہت الم ناک ہے کہ بھارتی سفارت کار زیادہ تر پاکستانی ہندوؤں کو اپنا شکار بناتے ہیں۔ وہ خود کو سیکیولر کہتے ہیں لیکن اپنے ہم مذہب پاکستانیوں کا استحصال کرتے ہیں۔ سنی شاید بچ جائے لیکن اب چندن کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔"

"اسے بھارتیوں نے زبردستی اپنے جال میں نہیں پھانسا ہوگا۔" ویرا نے سرد مہری سے کہا "آج کل کے نوجوان راتوں رات دولت مند بننے کے چکر میں برے اور بھلے کی تمیز کیے بغیر ہر کام میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ انہیں اس لالچ کے منفی پہلوؤں کا بھی علم ہوتا ہے۔ چندن کو اپنے برے انجام کے لیے تیار ہونا چاہیے۔"

"راوا لے بہت کمینے ہیں۔" میں نے نفرت سے کہا "وہ لوگوں کو پھانسنے کے لیے لالچ کے ساتھ گندی بلیک میلنگ کا سہارا بھی لیتے ہیں۔ دہلی میں' میں نے بہت قریب سے ان کی ایسی حرکتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ ان کے پھندے میں آیا ہوا شکار بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔" میں نے اپنے ذاتی تجربے کو دانستہ مشاہدے کا نام دے دیا تھا۔

"تم نے دہلی میں کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے خلاف جو محاذ کھولا تھا۔ وہ بہت کامیاب رہا ہے۔" جلال نے چونک کر مجھے بتایا "بہت بڑے بڑے گھرانوں کی لڑکیاں رقص کی تربیت لینے کے لیے وہاں جاتی تھیں۔ ان میں سے کئی بے راہ رو لڑکیوں کو را کے عیاش افسروں نے تباہ کردیا۔ اخباروں نے ایسا طوفان کھڑا کیا کہ اکیڈمی کو غیر معینہ مدت کے لیے بند کردیا گیا ہے۔ خبریں ہیں کہ اکیڈمی کے معاملات کی تحقیقات کے لیے ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیشن مقرر کیا جانے والا ہے۔"

"ایک نہ ایک دن یہ ہونا ہی تھا۔ میری کوششوں سے اکیڈمی وقت سے ذرا پہلے اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اس کام میں عابد علی نے میری بہت مدد کی تھی۔ اسے میں نے مواد فراہم کیا تھا۔ اخباری مہم کی ابتدا صرف اور صرف اس کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔"

"ان تینوں کی ٹیم بہت عمدہ تھی۔ وہ پوری رازداری کے ساتھ دہلی میں اپنے کام کیے جا رہے تھے۔" جلال نے افسردگی سے کہا "عبداللہ کی شہادت سے ان کی ٹیم کمزور پڑ چکی ہے۔ اب میں عابد اور پرویز پر کئی ہفتوں تک کسی کام کا بوجھ نہیں ڈال سکوں گا۔ اس وقت ان دونوں کی اولین ضرورت صرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور صرف بقا ہے۔"

"موت ہر ذی روح کا مقدر ہے اور اس کا ایک وقت بھی مقرر ہے۔ یہ اپنے وقت سے پہلے آتی ہے نہ آنے میں دیر کرتی ہے۔" اول خان نے گمبھیر آواز میں کہنا شروع کیا "جب یہ باتیں اس قدر یقینی ہیں تو انسان کو ہمیشہ بہتر سے بہتر انجام کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔ اپنے ملک کے لیے شہادت کے درجے پر فائز ہونے والے خوش نصیب ہوتے ہیں ورنہ لوگ تو بستر پر لیٹے لیٹے یا حادثے میں کچل کر مرجاتے ہیں۔ میرے سینے پر بھی اپنے بہت سے بے جگر ساتھیوں کی شہادت کے داغ ہیں مگر یہ سوچ کر تسلی ہوتی ہے کہ وہ مرے نہیں، شہید ہوئے ہیں۔ یہ سوچ کر تم بھی عبداللہ کی شہادت پر صبر کرو۔ اللہ اس کے درجات بلند کرے اور اس کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔"

وہ عبداللہ کے لیے دعاؤں کا اعادہ تھا مگر نامناسب نہیں تھا۔ جلال کو اس دلاسے کی ضرورت تھی۔

غزالہ ہم سب کے لیے چائے بنا کر لائی تو جلال خوش ہوگیا۔ "یہ تم نے ثواب کا کام کیا۔ میں سات بجے ڈینی کی فون پر بات ہونے تک یہیں بیٹھوں گا۔ اس وقت مجھے چائے کی ضرورت تھی۔"

چائے کے بہانے جلال کا پروگرام واضح ہوگیا۔ اس وقت تک میں تذبذب کا شکار تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کب تک بیٹھا رہے گا۔ اس سے یہ پوچھنا مناسب نہیں تھا کہ وہ کب تک ہمارے ساتھ بیٹھا رہے گا۔

"تم چندن والے معاملے میں کچھ زیادہ دلچسپی لے رہے ہو؟" میں نے جلال سے پوچھا۔

"یہ تم نے کیسے سمجھ لیا؟" اس نے محظوظ ہوتے ہوئے ایک جوابی سوال کر ڈالا۔

"تم بہت مصروف آدمی ہو۔ اسلام آباد میں ہر وقت ہماری ضرورت رہتی ہے۔ اپنے شہر کو چھوڑ کر تم کراچی میں کے ہو تو یہاں تم کو بہت سے ضروری کام ہوں گے مگر میرے اور چندن کے درمیان ہونے والی گفتگو سننے کے لیے تم نے ہر کام کو پس پشت ڈال دیا ہے۔" میں نے کہا۔

"میری ساری بھاگ دوڑ کے صرف دو ہدف ہیں۔ سی آئی اے اور را کی سرگرمیاں۔"

"مگر تم نے ہمیں امریکیوں سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ سی آئی اے کے خلاف تم کیا کر رہے ہو؟"

"شاید میں تمہیں اپنی بات نہیں سمجھا سکا۔ ہم سی آئی اے کی سازش کا توڑ کرنے کے لیے ہر ممکنہ جتن کر رہے ہیں۔ ان سے صرفِ نظر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے لیے کھلا میدان چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ یہاں جو چاہیں کرتے پھریں۔ ہمیں اپنی ریاست کے خلاف ہونے والی ریشہ دوانیوں کے تار و پود بکھیرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ ہم اس حق کو اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ استعمال کر رہے ہیں مگر امریکیوں کے ساتھ ایسے براہِ راست تصادم سے حتی الامکان گریز کر رہے ہیں جس میں ان کا خون بہنے کا امکان ہو۔ تمہیں بھی میں نے خون ریزی سے روکا ہے۔ تم نے ماجد یمنی کا ساتھی بن کر جان کی ناک توڑ دی۔ اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بہت اچھا ہوا کہ وہ یہاں سے بھاگ نکلا۔"

"مجھ سے تمہارا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی تھی۔" میں نے اعتراف کیا "اب بات واضح ہوگئی ہے۔ میں کھلے دل کے ساتھ اپنے فیصلے کر سکوں گا۔"

"را کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ گھٹیا دشمن ہیں۔ میں ان سے ان ہی کی سطح پر لڑتا ہوں۔ انہیں گھیرو، رگیدو اور مار ڈالو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں بلکہ خوشی ہوگی۔ میں تو اب اس دن کے انتظار میں ہوں۔ جب عبداللہ کا دنود نامی قاتل پاکستان آئے گا۔ اس نے عبداللہ کے گردوں سے خون بہایا تھا۔ میں اس کے بدن کے ریشے ریشے سے خون کی دھاریں بہادوں گا۔ ہم اپنے آدمیوں کے خون کا بدلہ بہت سفاکی سے لیتے ہیں۔" جلال کا لہجہ سرد اور خوف ناک ہوگیا۔

"ایسی لڑائیوں میں یہی ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ اگر مجھے تمہاری آزردگی کا پاس نہ ہوتا تو نینٹی جیٹی سے جان کی بھی لاش ہی ملتی۔"

"میں جانتا ہوں۔" اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر کہا "زخمی کر کے چھوڑنے کے مقابلے میں دشمن کو مارنا آسان ہوتا ہے۔"

"میں اس وقت تک صبر کروں گا جب تک ہمیں اپنی آسانی کے مطابق کام کرنے کا موقع نہیں مل جاتا۔"

"تم نے اب تک گرین کوبرا اور دوسری فائلوں کے بارے میں کوئی بڑی خبر نہیں سنائی۔" اول خان نے اچانک ایک نیاز کر نکال لیا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ دہلی سے ڈینی کی نکالی ہوئی ساری فائلیں بہت اہم ہیں۔ اسلام آباد والے آنے والے کئی برسوں میں بھارت کے اس خفیہ ریکارڈ تک رسائی کے بارے میں نہیں سوچ سکتے تھے۔ یہ ڈینی کی اسی خدمت کا صلہ ہے کہ کمشنر ہاؤس میں ہونے والے اجلاس میں جان کو بری طرح ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ کسی بھی پاکستانی ایجنسی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نمائندے نے ڈینی کے خلاف اس کا ساتھ نہیں دیا بلکہ اصولی نکات کی آڑ لے کر ڈینی کا ساتھ دینے کی کوشش کی۔ سرکاری سطح پر یہ بہت بڑا انعام ہے۔"

"اس انعام کی بات کرو جو تم چیک کی صورت میں دے چکے ہو۔" انعام کے ذکر پر مجھے اس کا دیا ہوا چیک یاد آگیا "اول خان اس میں سے ایک روپیا بھی لینے کا روادار نہیں ہے۔ اسے بتاؤ کہ یہ بھی اس انعام میں سے حصہ لینے کا حق دار ہے۔"

"میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم پانچوں کے ذاتی معاملات بہت نازک ہیں۔ میں ان میں دخل نہیں دوں گا۔ سرکار نے وہ رقم تمہیں سونپ دی ہے۔ اپنی صوابدید کے مطابق تم جسے چاہو اپنا حصے دار بنا سکتے ہو۔ کسی کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"اگر ڈینی اس انعامی رقم کا ایک حصہ تم کو دینا چاہے تو تمہارا کیا ردِ عمل ہوگا؟" اول خان نے موقع پا کر جلال سے براہِ راست پوچھ لیا۔

"میں شکریے کے ساتھ انکار کردوں گا۔" جلال نے دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔

"اور اس کا سبب کیا ہوگا؟" اول خان نے اگلا سوال بھی کر ہی ڈالا۔

"میں سرکار کا باقاعدہ تنخواہ دار ہوں۔ اپنے فرائض کی بجا آوری کے لیے جو کچھ کرتا ہوں اس کے لیے بھاری ماہانہ مشاہرہ اور مراعات لیتا ہوں۔ وہ انعامی رقم ڈینی اور اس کے ان بے لوث ساتھیوں کے لیے ہے جنہیں سرکار کچھ نہیں دیتی پھر بھی وہ تن، من، دھن سے سرکار کے کاموں کو آگے بڑھانے میں لگے رہتے ہیں۔"

اول خان نے فاتحانہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا "میرے انکار کی بنیاد بھی یہی ہے۔ اب تم اس موضوع پر مجھ سے کوئی بات نہیں کرو گے۔"

"تمہاری حیثیت ذرا مختلف ہے۔" جلال نے اول خان کی تردید کر کے مجھے حیران کردیا "میں نے تمہارا مقصد بھانپ لیا تھا اسی لیے میں نے اپنے واسطے باقاعدہ تنخواہ دار کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ ایس ٹی ایف کا کوئی کاغذی یا قانونی وجود نہیں ہے۔ یہ آئین سے ماورا ایک فورس ہے جسے ناگزیر ضرورتوں کے تحت کھڑا کیا گیا ہے۔ تم لوگ بے قاعدہ تنخواہ دار ہو۔ تمہارے کوئی سروس رولز ہیں نہ تمہاری ملازمتوں کو کوئی تحفظ حاصل ہے۔ کچھ پتا نہیں کہ کب ایس ٹی ایف توڑ دی جائے۔ تم لوگ کتنا ہی بڑا کارنامہ انجام دے لو، حکومت تمہیں کوئی انعام یا اعزاز نہیں دے سکتی کیونکہ تمہارے وجود سے آگے تمہاری کوئی شناخت نہیں ہے۔"

"بولو.....!" میں نے اول خان کو گنگ پا کر ٹوکا "اب تم کیا کہتے ہو۔"

"میں اپنے فرض کی دنیا میں مگن رہنے والا مسلمان ہوں۔" اس نے قدرے توقف کے بعد کہا "مجھے کسی انعام کی فکر ہے نہ اعزاز کی تمنا۔ جب تک ایس ٹی ایف قائم ہے اور مجھے کسی سیکرٹ فنڈ سے تنخواہ مل رہی ہے، میں باہر سے ایک پیسا بھی قبول نہیں کروں گا۔"

"یہ ایک مسلمان اور پٹھان کے الفاظ ہیں۔" جلال نے مجھ سے کہا "اب تم واقعی کچھ نہ کہنا۔"

"اب بولنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔" میں نے اپنے ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھ لی۔ جلال کے سامنے اس بارے میں کھلی کھلی بات کر کے میرے ذہن سے بوجھ اتر گیا تھا۔

"فائلوں کا ذکر پھر درمیان میں رہ گیا۔" چند ثانیوں کے وقفے کے بعد اول خان نے جلال کو یاد دلایا۔

"وہ فائلیں واقعی بہت اہم ہیں اور متعلقہ افراد اور ادارے ان پر کام کر رہے ہیں۔ میں بھارت سے لائے ہوئے اس ریکارڈ کا امین تھا۔" جلال بتانے لگا "میں نے وہ امانت جوں کی توں آگے بڑھا دی۔ حکومتوں میں فردِ واحد کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ افراد کی متعدد ٹیمیں مل کر کسی بھی نظام کو چلاتی ہیں۔ پاکستان میں بھی یہی ہوتا ہے۔ میں نے اپنے حصے کا کام پورا کردیا۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ ان فائلوں پر کیا کام ہو رہا ہے۔ جیسے جیسے اوپر سے نئے احکام آئیں گے، اندازہ ہوتا جائے گا کہ فائلوں میں کیا تھا۔ مجھے چند موٹی موٹی باتوں کا علم ہے کہ نیپال پر بھارت کی بُری نظر ہے۔ وہ وہاں کے شاہ کو مروا کر اپنی پسند کے مہروں کو اقتدار میں لانا چاہتا ہے تاکہ نیپال کو اپنی طفیلی ریاست بنالے۔ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کے خلاف وہ اسرائیل کے تعاون سے بیک وقت کئی منصوبوں پر کام کر رہے ہیں۔ پاکستان میں قوم پرستی کے رجحانات کو بھڑکانے کے لیے بے دریغ سرمایہ اور ہتھیار فراہم کر رہے ہیں۔ گرین کوبرا فائل میں بھارت کے ان تمام گھناؤنے منصوبوں کے بلیو پرنٹ موجود ہیں۔ جلد ہی ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ہمیں کہاں کیا کرنا ہے۔"

"یہ سب مستقبل کی باتیں ہیں۔" میں نے مزاحیہ انداز میں کہا "آج کی حقیقت یہ ہے کہ ہم چندن مہاراج کے فراق میں بیٹھے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس سے تم کن خطوط پر بات کرو گے؟" جلال نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"شروع سے آخر تک مظلوم مظہر بنا رہوں گا۔ اسے یقین دلانا چاہوں گا کہ میں پورے خلوص کے ساتھ اس کے لیے کام کرنے پر آمادہ ہوں مگر شرط یہ ہے کہ میرے خلاف بنی ہوئی معاندانہ فضا کو صاف کیا جائے۔ یہ کام دہلی والے کر سکتے ہیں۔" میں نے اپنے منصوبے کا خلاصہ پیش کر دیا۔

"کاش میں تمہارے ساتھ اس کی گفتگو بھی سن سکتا۔" جلال نے حسرت سے کہا۔

"بلکہ ہم سب سن سکتے ہیں۔" اول خان نے خوش ہو کر کہا "ایسے مواقع کے لیے یہاں اسپیکر فون بھی موجود ہے۔"

"ویری گڈ۔ اس کی باتیں اسی کی زبان سے سننے میں مزہ آئے گا اور آج میں پہلی بار خود بھی سنوں گا کہ ڈینی کی... قلابازیاں کیا ہوتی ہیں۔" جلال مسرت سے بولا۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے بوکھلا کر ان دونوں کی مخالفت کی "کسی کو ذرا سی بھی چھینک یا کھانسی آگئی تو وہ بھڑک جائے گا۔ یہ اس سے میرا پہلا رابطہ ہے۔ اگر آج اسے میری نیت پر کسی قسم کا شبہ ہو گیا تو یہ سلسلہ یہیں ختم ہو جائے گا۔"

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ ہم اپنے گلے گھونٹ لیں گے، کوئی آواز نہیں نکلنے دیں گے۔" ویرا بھی جوش میں آگئی۔

"نہیں!" میں نے بے بسی سے کہا "تم لوگ بلاوجہ جذباتی ہو رہے ہو۔ ذرا سی گڑبڑ سارا کام بگاڑ دے گی۔"

"ڈینی!" جلال نے براہِ راست مجھے مخاطب کیا "میں ذمے داری لیتا ہوں۔ کوئی مداخلت یا گڑبڑ نہیں ہوگی۔ تم اسپیکر فون منگوالو۔"

"جب سب لوگ وعدے کر رہے ہیں تو آپ کیوں اڑے ہوئے ہیں۔" غزالہ نے ان لوگوں کی سفارش کی "اس کے باوجود کچھ ہو ہی جاتا ہے تو اسے بھی سنبھال لیا جائے گا۔ چندن ہماری نظروں میں آچکا ہے۔ وہ بچ کر کہاں جائے گا۔"

میں ان لوگوں کو اسپیکر فون کے استعمال سے باز رکھنے کے لیے جو کچھ کہہ رہا تھا وہ غلط نہیں تھا مگر میرے انکار کا اصل سبب یہ تھا کہ کہیں دورانِ گفتگو چندن اس ویڈیو فلم کا تذکرہ نہ نکال لے جس کے فیتے پر میری اور رینا اجیت رائے کی خلوت کی کہانی تحریر تھی۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے اس فلم کو نریش کے دفتر میں نذرِ آتش کر دیا تھا مگر رام والے مسلسل اس فلم کی موجودگی پر مصر تھے اور مجھ پر دباؤ ڈالنے کے لیے گاہے گاہے اس کے حوالے دیتے رہتے تھے۔

چندن اس بھری محفل میں وہ ذکر چھیڑ دیتا تو بعد میں میرے لیے وضاحتیں کرنا دشوار ہو جاتا۔

میرے خلاف وہ سب یک زبان ہو چکے تھے۔ ایک سلطان شاہ خاموش تھا لیکن اس بشرے پر پھیلے ہوئے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی ان ہی کے ساتھ تھا۔ میں نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے اور سلطان شاہ نے لمبے تار سے جڑا ہوا اسپیکر فون کونے سے اٹھا کر میرے قریب والی چھوٹی میز پر رکھ دیا۔

"تم لوگوں کے پاس ضرورت کی ہر چھوٹی بڑی چیز موجود رہتی ہے۔ تمہارے کام کرنے کے سمٹے سمٹائے طریقوں سے میرا دل بہت خوش ہوتا ہے۔" جلال نے جاپانی اسپیکر فون سیٹ اٹھا کر اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے بات اسپیکر فون تک آگئی ہے تو ہمیں ڈینی اور چندن کی باتیں ریکارڈ کرنے کا بندوبست بھی کر لینا چاہیے۔" ویرا نے تجویز پیش کی "یہ ٹیپ بعد میں چندن کے خلاف کام آسکتا ہے۔ تمہیں ثبوت حاصل کرنے کا یہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہیے۔"

اول خان نے میری طرف دیکھا اور کہا "تم سی ایس ڈی استعمال کرو گے۔ کیا ریکارڈنگ ممکن ہوگی؟"

"ہمیں ٹیلی فون لائن سے براہِ راست ریکارڈنگ کی ضرورت نہیں۔" ویرا کے ذہن میں تجویز موجود تھی "سلطان شاہ کے کمرے میں ٹیپ ریکارڈر موجود ہے جس پر یہ دن رات پشتو گانے سنتا رہتا ہے۔ اسپیکر فون کی آوازیں اس پر صحیح ریکارڈ ہو جائیں گی۔"

"تمہارے کمرے میں بھی ٹیپ ریکارڈر موجود ہے۔" سلطان شاہ نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا "تم اس پر اداس غزلیں سن کر روتی رہتی ہو۔ وہ کیوں نہیں لے آتیں!" جلال کی موجودگی کی وجہ سے سلطان شاہ اپنے ردِ عمل کے اظہار میں بڑی حد تک محتاط رہا تھا۔

"دونوں میں سے کوئی بھی ٹیپ ریکارڈر آجائے گا۔" بات بڑھتی ہوئی محسوس کر کے غزالہ نے مداخلت کی "اس نکتے پر بحث غیر ضروری ہے۔"

بھارتی سرزمین پر اپنے خون کے پیاسوں کی بھیڑ میں رہ کر را کے خلاف کام کرنے کے تجربات بہت سنسنی خیز اور روح فرسا تھے۔ وہاں صحیح کام کرتے ہوئے بھی مجھے نتائج کا یقین نہیں ہوتا تھا۔ ہر آن یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کسی بھی لمحے کوئی گڑبڑ ہوگی اور ساری بساط سمٹ جائے گی۔ میں دہلی میں ہر قدم اپنی آخری بازی سمجھ کر اٹھاتا تھا اور مثبت نتائج کسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگلے کام کے لیے حوصلہ بڑھا دیتے تھے لیکن اپنے شہر اور اپنے گھر میں بیٹھ کر را کے کارندوں کے خلاف سوچنے اور کام کرنے کی بات ہی مختلف تھی۔

میرے ذہن میں چندن سے گفتگو کا ایک مبہم سا خاکہ موجود تھا مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ میری اور اس کی گفتگو ان ہی خطوط پر جاری رہتی۔ سارا انحصار اس کے رویے پر تھا۔ وہ اپنے مقاصد کے پیش نظر کسی بھی رخ پر بات چیت کر سکتا تھا۔ میرے اور اس کے مفادات متصادم تھے۔ اس بات کا قوی امکان تھا کہ وہ مجھے شدید دباؤ کا احساس دلانے کے لیے ہر اس منفی بات کا ذکر کرتا جو میرے خلاف جا سکتی تھی۔ اس میں میری اور رینا کی آتش زدہ ویڈیو فلم سرفہرست تھی۔

وہ فلم نریش کے شیطانی منصوبے کے نتیجے میں وجود میں آئی تھی اور بلاشبہ نہایت شرمناک رہی ہوگی۔ یہ میرے مقدر کی یاوری تھی کہ میں عابد علی کے ساتھ اس فلم تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور پھر اسے نریش کے دفتر کی آگ میں جلا دیا تھا۔ دہلی میں میرے قیام کے آخری لمحات تک را والوں نے اس فلم کی تباہی کو مجھ سے چھپایا اور مجھے اس کی تشہیر کی دھمکیاں دیتے رہے۔ میں ان کی وہ گیدڑ بھبکیاں سن کر سہمنے کی اداکاری کرتا رہا۔ میں ان مردودوں کو یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ میں نے ان کے دفتر میں نقب لگا کر اپنے ہاتھوں سے وہ فلم تباہ کر دی تھی۔ انہوں نے اپنا بھرم برقرار رکھنے کی ناکام کوشش کی اور میں دانستہ خاموش رہا۔

وہ دہلی کی گھاتیں اور باتیں تھیں۔ نریش جہنم واصل ہو چکا تھا اور کراچی میں میرا واسطہ چندن سے پڑنے والا تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ نریش نے اسے میرے بارے میں ہر بات بتا دی ہو مگر ویڈیو فلم والا معاملہ بہت اہم اور کلیدی نوعیت کا تھا۔ میں اس خوش فہمی کا شکار نہیں ہو سکتا تھا کہ چندن اس معاملے سے بے خبر ہوگا اور دوران گفتگو سرے سے اس کا ذکر نہیں آئے گا۔ را والوں کی دانست میں وہ ان کا ٹرمپ کارڈ تھا جس کے ذریعے وہ مجھے ہر لمحے زیر کر سکتے تھے۔

ان سب نے یک زبان ہو کر مجھے اسپیکر فون استعمال کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور میرا ذہن اپنی اس ناموجود فلم میں اٹک کر رہ گیا تھا جس کا حوالہ چندن کی زبان سے متوقع تھا۔

وہ فون پر اس فلم کے بارے میں کیا کچھ کہہ سکتا تھا۔ ان باتوں کو سن کر میرے ساتھیوں کے ذہنوں میں کیسے کیسے زہریلے سوال ناگوں کی طرح پھن کاڑھ کر ابھر سکتے تھے۔ میں ان کے جواب میں کیا کچھ کہہ سکتا تھا۔ میرا ذہن مسلسل ان ہی نکات میں الجھا رہا۔ اس دوران میں سلطان شاہ اپنے کمرے سے ٹیپ ریکارڈر اٹھا لایا تھا۔

وہ لوگ پورے جوش و خروش سے اپنا ساؤنڈ ریکارڈنگ سسٹم جما رہے تھے۔ جلال نے اسپیکر فون پر اپنے کسی آدمی سے کچھ باتیں کیں۔ وہ گفتگو ریکارڈ کر کے بعد میں ٹیپ سنا گیا تاکہ آواز کی کوالٹی کا اندازہ لگایا جا سکے۔ وہ سب ان کاموں میں لگے ہوئے تھے اور میں خاموش بیٹھا اپنے خیالوں میں گم تھا۔

اپنے انہماک میں دوسروں نے میری طرف توجہ نہیں دی لیکن ویرا ہر پل میرے طور طریقوں پر گہری نگاہ رکھتی تھی۔ سلطان شاہ کے کیسٹ ریکارڈر پر اسپیکر فون کی آوازوں کی ریکارڈنگ کے نتائج سننے کے بعد اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "کیا بات ہے؟ تم اچانک خاموش ہو گئے ہو۔ کیا ہماری کسی بات سے تمہیں صدمہ پہنچا ہے۔"

"ایک چھوٹے سے کام میں اتنے اہم افراد لگے ہوئے ہیں۔ میری کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے خاموشی سے الگ تھلگ بیٹھا ہوا ہوں۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ صرف خاموشی نہیں، کوئی اور بات ہے۔" اول خان نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "جب سے اسپیکر فون کی بات ہوئی ہے، تم کو چپ لگ گئی ہے۔"

"مجھے اندازہ ہے۔" جلال نے صوفے پر نیم دراز ہو کر سگریٹ کا کش لیتے ہوئے تبصرہ کیا "وہ آگ اور خون کی ہولی تھی۔ دہلی میں ڈینی کا ایک ایک لمحہ تلوار کی تیز دھار پر گزرا تھا۔ کئی مواقع پر میرے آدمی اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے تھے۔ ایسے روح فرسا حالات میں انسان اپنی بقا کے لیے جھوٹ اور سچ کے نہ جانے کیسے کیسے پاپڑ بیلتا ہے۔ اپنے دشمنوں کا اعتماد جیتنے کے لیے ڈینی کو ہم سب کے خلاف نہ جانے کیا کیا زہر اگلنا پڑا ہوگا۔ اس کی خلوتوں میں را کی بھیجی ہوئی حسین اور بے باک لڑکیاں آئی ہوں گی اور اسے ان کو یقین دلانا پڑا ہوگا کہ یہ ان کے رجھانے میں آگیا ہے۔ حسن جب کھلی ہوئی فیاضیوں پر اتر آئے تو تھوڑی دیر کے لیے پارسا بھی اپنی پارسائی بھول کر درندوں کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔ ڈینی تو ان کے چنگل میں پھنسا ہوا ایک مجبور اور محصور قیدی تھا جو اپنی زندگی اور آزادی کی جنگ لڑ رہا تھا۔ وہ سب بڑی ناگفتہ کہانیاں ہوں گی، پتا نہیں چندن کو اس کے بڑوں نے کیا کچھ بتایا ہوا ہے۔ وہ گفتگو کے دوران میں ان میں سے کوئی بھی بات چھیڑ سکتا ہے۔ شاید ڈینی کو یہی فکر کھائے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جارہی ہے۔"

جلال کی باتیں میرے لیے بہت حوصلہ افزا تھیں۔ وہ آئی بی کا ایک باراں دیدہ اور سمجھ دار افسر تھا۔ حالات اور ان کی پیدا کی ہوئی مجبوری کا صحیح ترین ادراک رکھتا تھا۔ اس نے میرے دل میں پلنے والے اندیشوں کو اپنی زبان پر لا کر میری تشویش میں بڑی حد تک کمی کردی تھی مگر میں ویرا اور غزالہ کی موجودگی میں کھل کر یہ اعتراف نہیں کرسکتا تھا کہ جلال نے میری دکھتی ہوئی رگوں کی صحیح نشان دہی کی ہے۔ میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "یہ چھوٹی موٹی باتیں بھی میرے لیے پریشان کن ہیں لیکن میری خاموشی کا سبب عبداللہ کی موت ہے۔ مجھے اچانک اس کا خیال آگیا تھا۔"

"یہ ہم سب کے لیے مشکل اور اہم وقت ہے۔ اس کی باگیں تمہارے ہاتھ میں ہیں۔" جلال نے سیدھا ہو کر کہا "اس وقت اپنے ذہن سے ہر بات جھٹک دو اور اپنی پوری توجہ چندن پر مرکوز رکھو۔ میری خواہش ہے کہ تم اس سے شیر ہو کر بات کرو۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ اس کی کہی ہوئی چھوٹی موٹی باتوں پر ہم میں سے کوئی تم سے ذاتی نوعیت کے سوال نہیں کرے گا۔"

وہ اپنے کام میں بہت ہوشیار تھا۔ مجھ سے عام سی گفتگو کررہا تھا لیکن اس کے نپے تلے فقروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میرے مسئلے کی تہ تک پہنچ گیا تھا اور رواروی کا انداز اختیار کرکے مجھے بنیادی یقین دہانیاں کرا رہا تھا۔

"ہاں یہ ہمارا وعدہ ہے!" اول خان اور سلطان شاہ نے یک زبان ہو کر جلال کی تائید کی۔

"اور تم دونوں کا کیا خیال ہے؟" جلال نے باری باری غزالہ اور ویرا کی طرف دیکھا۔

"میں دہلی میں ان کے ساتھ تھی۔" غزالہ نے بردباری سے جواب دیا "ان کے کرب کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ان کی مجبوریاں میرے سامنے تھیں۔ رینا اجیت رائے اور بیلا سنگھ کے جیتے جاگتے فتنے میری نظروں کے سامنے ناچتے پھرتے تھے۔ میں کوئی ناروا سوال کرکے ان کے دل کو ٹھیس پہنچانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔"

"اور تم!" اس بار جلال کی چبھتی ہوئی نظریں ویرا کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

"میں کسی کی دل آزاری نہیں چاہتی اور ڈینی تو مجھے بہت ہی عزیز ہے۔ یہ بات سب جانتے ہیں۔" ویرا نے کھل کر کوئی وعدہ کرنے کے بجائے گول مول سا جواب دیا۔

اس گفتگو اور وعدے وعید کی کوئی عملی اہمیت رہی ہو یا نہ رہی ہو، اتنا ضرور ہوا کہ میرے سر پر سوار بوجھ ہلکا ہو گیا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا چلا جارہا تھا، تیاریاں مکمل تھیں۔ چائے کا دوسرا دور چلا اور پھر فیصلہ کن گھڑی سر پر آگئی۔

جلال اضطراب کی سی کیفیت میں تھا۔ سات بجتے ہی اس نے اپنی ادھ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر نئی سگریٹ سلگائی تاکہ میری اور اس کی گفتگو کے دوران جلال کو

دنیا بھر میں پاکستانی اخبارات، رسائل اور کتابوں کے برآمد کنندگان

FAIR EXPORT HOUSE

اس کے علاوہ پاکستانی/ہندوستانی کیسٹ، سی ڈی، پاکستانی ٹی وی

ڈرامے اور دیگر ثقافتی پروگراموں کے لیے بھی رابطہ کیجیے

FAIR EXPORT HOUSE

C-41, Block-B Gulshan-e-Jamal

Off, Rashid Minhas Road Karachi, Pakistan

Phone: (9221) 4574628- (9221) 4595462

Fax: (9221) 4595491-e-mail: fair@cyberaccess.com.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماچس پر دیا سلائی رگڑنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔
میں نے اسپیکر فون کا بٹن آن کر کے نریش کا دیا ہوا فون نمبر ملانا شروع کر دیا۔
پہلی گھنٹی بجتے ہی دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا اور ڈرائنگ روم کی فضا میں بھاری اور گمبھیر ہیلو گونج اٹھی۔ سنی کے مقفل دفتر سے آنے والی وہ اجنبی آواز سن کر سب پر جوش نظر آنے لگے۔
"میں مظہر بول رہا ہوں..... مظہر خان۔ تم کون ہو؟" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔
"میں وہی ہوں جس سے تم بات کرنا چاہ رہے ہو۔ تم کہاں چھپے ہوئے ہو؟ تمہارا کہیں پتا نہیں ہے۔" دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ سخت ہو گیا۔
"میں دہلی میں تھا تو سکون سے تھا۔ یہاں آیا ہوں تو زمین اور آسمان میرے دشمن ہیں۔ ہر ایک میرے خون کی بُو پر لگا ہوا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ دہلی والوں نے میرا کون سا قصور پکڑ لیا ہے کہ ایک دم میرے خلاف نفرت کی آگ بھڑکا دی ہے۔ میری نیندیں حرام ہو گئی ہیں۔"
"قانون سے بھاگنے والوں کو روئے زمین پر کہیں بھی سکھ، چین اور قرار نہیں ملتا۔ اسی وقت اپنی روپوشی ختم کر دو اور خود کو قانون کے حوالے کر دو....."
"مگر کیوں؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر مضطربانہ لہجے میں پوچھا "میرا قصور کیا ہے؟ میں نے کیا جرم کیا ہے؟"
"تم دہلی سے اچانک غائب ہو گئے تھے؟" سرد لہجے میں سوال کیا گیا۔
"میں پاکستان آیا ہوں۔ میں نے نریش کو بتا دیا تھا۔ خود وہ بھی چاہتا تھا کہ میں جلد از جلد پاکستان واپس آ کر تمہارے ساتھ کام شروع کروں۔"
"سب کچھ صحیح ہے مگر تم کسی سے مل کر یا کسی کو بتا کر نہیں آئے۔ تم نے کسی چور اور مجرم کی طرح اچانک ہوٹل چھوڑ دیا۔"
"مجھے کسی کا پتا نہیں تھا۔ میرا دل گھبرایا اور میں نے ہوٹل چھوڑ دیا۔ صبح کی پہلی ٹرین سے ہم روانہ ہو گئے۔"
"تم کو معلوم ہے کہ دہلی میں اسی رات نریش اور انل کو مار دیا گیا!" آواز میں کوڑے کی سی مار عود کر آئی تھی۔
"معلوم ہے!" میں نے رو دینے والی آواز میں کہا "مگر میرا اس سے کیا واسطہ؟ وہ دونوں خود ہی پکڑ پکڑ کر مجھے بلواتے تھے۔ میں ایک بے قصور اور شریف آدمی ہوں....."
"زیادہ مظلوم بننے کی کوشش مت کرو۔" اس نے غرا کر میری بات کاٹ دی "امرتسر اور اٹاری میں چھان بین کی گئی تھی۔ وہاں ہمارے آدمی تمہارے منتظر تھے مگر تم کہیں نظر نہیں آئے۔ تم کس راستے سے سرحد پار نکلے تھے؟"
"اور کون سا راستہ تھا میرے پاس؟ میں اٹاری سے لاہور پہنچا تھا۔" میں نے تحیر زدہ سادگی سے کہا۔
"تم جھوٹے ہو۔ ہمارے کارندے اتنے اندھے نہیں ہو سکتے کہ تم دونوں کو نہ پہچانتے۔ ان میں سے دو نے تم کو دہلی میں دیکھا ہوا تھا۔"
"مجھ پر الزام تراشی مت کرو۔" میں نے لجلجاتی ہوئی آواز میں کہا "تم میرا پاسپورٹ دیکھ سکتے ہو۔ اس پر اٹاری سے نکاسی کی مہر ہے۔"
"تم مسلسل روپوش ہو۔ جب تک سامنے نہیں آؤ گے، یہ تصدیق نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ خود کو مقامی قانون کے حوالے کر دو۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"
"مجھ پر ایسے بھیانک الزامات ہیں کہ پولیس کے تصور سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"
"وہ تمہیں نہیں مار سکتے۔ جب تک ہمارے دو آدمیوں کا اصل قاتل نہیں ملتا، تم زندہ رہو گے۔"
"پولیس والے زندگی کو جہنم بنا دیتے ہیں۔ ان کا قیدی مرجانا چاہتا ہے لیکن موت اس سے کوسوں دور بھاگتی ہے۔ تم مجھے بہلانے پھسلانے کی کوشش نہ کرو۔ میں نے دہلی میں بھی بہت مار کھائی ہے۔ اب مجھ میں اور زیادہ پٹنے کی سکت نہیں ہے۔"
"اس وقت تم کہاں روپوش ہو؟" قدرے توقف کے بعد سوال کیا گیا۔
"یہ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے نریش سے ایک مہینے کی تنخواہ لے کر میں نے اپنی زندگی اسے بیچ دی تھی۔ ڈراؤنی موت کے خوف سے میری رات کی نیندیں اڑ گئی ہیں۔"
"تم حالات کا شکار ہوئے ہو۔" اس بار بولنے والے کا لہجہ قدرے ہمدردانہ ہو گیا تھا "اگر تم بے قصور ہو تو تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہو گا۔ تم پولیس کے پاس جانے سے ڈر رہے ہو تو اپنا پاسپورٹ لے کر کسی بڑے اخبار کے دفتر میں چلے جاؤ اور خفیہ معاملات کے سوا انہیں ہر بات بتا دو....."
"اس سے تمہیں کیا حاصل ہو گا؟ میری شامت آ جائے گی۔ بہت سے اخبار والے پولیس سے بھتا لیتے ہیں اور ان کے لیے مخبری کرتے ہیں۔ میں کسی غلط آدمی سے ٹکرا گیا تو اخبار میں میری سنائی ہوئی کہانی کا ایک لفظ بھی نہیں آئے گا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں مفت میں دھر لیا جاؤں گا۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔" اس بار وہ جھلا گیا "اس وقت کسی نہ کسی طرح یہ بات ظاہر ہونا ضروری ہے کہ تم زندہ ہو اور پاکستان میں ہو۔ باقی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔"

وہ مجھے پرانی کاروں کا ایک سادہ لوح تاجر سمجھ کر چالاک بننے کی کوشش کر رہا تھا مگر میں اس کی مکاری سمجھ رہا تھا۔ وہ کراچی میں بیٹھا ہوا کوئی مقامی ہندو تھا مگر اس کے قونصل خانے کے دہلی کے حکمرانوں کے ساتھ گہرے روابط تھے۔ اسے معلوم تھا کہ مظہر کے بارے میں پاکستان نے بھارت سے جوابی مطالبہ کر دیا تھا جس کا بھارتی حکمرانوں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ مجھے پیش کر سکتے تھے نہ ان کے کسی ریکارڈ میں میری واپسی کا اندراج تھا۔ اس وقت ان کے لیے ساری اہمیت اس بات کی تھی کہ پاکستان میں میری موجودگی ثابت کی جا سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ نامعلوم شخص مجھے کراچی پولیس یا کسی اخباری دفتر سے رجوع کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ کسی بھی ذریعے سے ایک بار یہ خبر سامنے آجاتی کہ میں کراچی میں موجود تھا تو بھارتیوں پر آیا ہوا شدید سفارتی دباؤ یک لخت ختم ہو سکتا تھا۔

اس نے باتوں ہی باتوں میں مجھ سے میری واپسی کا راستہ پوچھ لیا تھا۔ میں اس کے ہر ٹیڑھے کا سوال کا سیدھا جواب دینے کے لیے تیار تھا۔ اس نے میرے دعوے کے جواب میں یہ انکشاف کر کے مجھے حیران کر دیا تھا کہ جب میں امرتسر میں بنگو کا مہمان بنا ہوا تھا تو را کے ایجنٹ اٹاری سے واپس جانے والے پاکستانیوں کی بھیڑ میں میری بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ اگر میں نے سرحد پار کرنے کے لیے بھول کر بھی اٹاری کا رخ کیا ہوتا تو وہاں موجود بھارتی گدھوں کے چنگل میں پھنس گیا ہوتا۔

"میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا۔" میں نے مصالحانہ لہجے میں کہا "تمہارے لیے میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ پتا نہیں تم مجھے اپنے کس کھیل میں ایک مہرے کی طرح استعمال کرنا چاہ رہے ہو۔ مجھے اپنی جان بہت عزیز ہے۔ میں اپنے رشتے داروں کی پناہ میں زیادہ محفوظ ہوں۔ مجھے کچھ دن سکون سے گزار لینے دو۔"

"پھر تم نے مجھے فیکس پر اپنی فریاد کیوں بھیجی تھی؟" دوسری طرف سے غرا کر سوال کیا گیا۔ سوال سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بولنے والا چندن تھا۔

"میرا خیال تھا کہ یہ سارا چکر شاید کسی غلط فہمی کی وجہ سے چل رہا ہے۔ میں تم سے رجوع کروں گا تو میرا مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

"میں تمہیں حل بتا رہا ہوں مگر تم اپنی احمقانہ ضد پر اڑے ہوئے ہو۔"

"تمہارے بتائے ہوئے حل پر میرا دل نہیں ٹھک رہا۔ اس وقت میں سامنے آیا تو مارا جاؤں گا۔"

"تم کو مجھ پر بھروسا ہونا چاہیے۔ میں تمہیں غلط مشورہ نہیں دے سکتا۔" اس نے زور دے کر کہا۔

"میں نے کہا نا کہ تمہاری نیت پر مجھے شک نہیں ہے۔ بس میرا دل نہیں مان رہا۔"

"تو کان کھول کر سن لو کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ میرا حکم ہے۔ اب مشورہ نہیں رہا۔"

"میں تمہارے ہر حکم پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تم لوگوں سے پیشگی رقم لے چکا ہوں لیکن پہلے اپنی چمڑی بچاؤں گا۔"

"میں تمہیں چوبیس گھنٹے کی مہلت دے رہا ہوں۔" بولنے والے کی آواز سرد اور تحکمانہ ہو گئی "تم نے چوبیس گھنٹوں میں اپنی روپوشی ختم نہ کی تو تمہارا حشر خراب کر دیا جائے گا۔"

"افہام و تفہیم کے بجائے اب تم دھمکیاں دینے پر اتر آئے ہو۔" میں نے رو دینے والی آواز میں شکوا کیا۔

میرے بزدلانہ خوف کا اندازہ کر کے وہ شیر ہو گیا "بس چوبیس گھنٹے۔ یہ یاد رکھنا۔ کل شام سات بجے تک تم منظر عام پر نہ آئے تو تمہاری اور رینا کی ویڈیو فلم کی سیکڑوں نقلیں کراچی کی دکانوں میں پھیلا دی جائیں گی۔ اس کے بعد کے ہولناک نتائج کا تم اندازہ کر سکتے ہو۔"

"نہیں۔ تم ایسا نہیں کرو گے۔ تم کیوں مجھے تباہ کرنے پر تل گئے ہو۔"

"یہ بات تمہیں دہلی میں بتا دی گئی تھی۔ ان لوگوں کو

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معلوم تھا کہ رقم لینے والے سرحد پار کرنے کے بعد اپنے وعدوں کو بھول جاتے ہیں۔ ہم ہمیشہ اپنے آدمیوں کا حافظہ تازہ کرنے کا بندوبست رکھتے ہیں۔ تم نے جب بھی میرے کسی حکم سے سرتابی کی، فلم کی تشہیر تمہارا مقدر بن جائے گی۔"

"کچھ دن گزر جانے دو۔ یہ دھول بیٹھ جائے گی تو میں خود بخود سامنے آجاؤں گا۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"ہرگز نہیں۔ ہم احمق نہیں ہیں کہ تمہاری سہولت کے وقت کا انتظار کریں گے۔ چوبیس گھنٹے بعد فلم بازار میں آجائے گی۔ اسی کے ساتھ ہی ہمارے آدمی تمہاری تلاش میں نکل پڑیں گے۔ یہ نا سمجھنا کہ میرے حکم کے سرتابی کر کے تم زیادہ دیر روپوش رہ سکو گے۔ میرے آدمی تمہیں تمہاری کمین گاہ سے نکال کر کسی گندے تھانے کے سامنے ڈال دیں گے۔"

"میں اخبار پڑھتا رہا ہوں۔ تم لوگوں کی اصل دشمنی کسی ڈینی سے ہے۔ تمہیں اس کی تلاش تھی۔ دہلی والے بلاوجہ میرے پیچھے کیوں لگ گئے ہیں؟"

"اتنی دیر میں تم نے پہلی بار ڈھنگ کی کوئی بات کی ہے۔" میرے سوال پر اس کے لہجے میں یکایک تبدیلی اور نرمی آگئی "ڈینی اوّل درجے کا حرامی اور کتے کا پلا ہے۔ دہلی میں سارا گند اسی کا پھیلایا ہوا ہے۔ یہ تمہاری بدنصیبی ہے کہ جس وقت وہ دہلی کی ایک بستی میں خون ریزیاں کر رہا تھا' اسی وقت تم دہلی چھوڑ رہے تھے۔ وہ پاکستانی ہے۔ تم بھی پاکستانی ہو۔ شبہات کا رخ تمہاری طرف ہو گیا۔ میں تم کو یقین دلا رہا ہوں کہ یہ عارضی حالات ہیں۔ وقت کے ساتھ تمہیں ہر پریشانی سے نجات مل جائے گی۔"

"جب تک ڈینی ہاتھ نہیں آئے گا' میرے سر پر تلوار لٹکتی رہے گی۔" میں نے بے یقینی سے کہا۔ اس کی دی ہوئی گالیوں کو میں نے خندہ پیشانی سے نظرانداز کر دیا تھا جس پر جلال کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہو گئی تھیں۔

"اس کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ کون کون اس کا پیچھا کر رہا ہے۔"

اس مرحلے پر جلال سے صبر نہ ہو سکا' اسپیکر فون آن ہونے کی وجہ سے وہ مجبور تھا اس لیے ہاتھوں کے تیز اشاروں اور لبوں کی خاموش جنبشوں سے مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس وقت میرا ذہن اپنی اور اس کی گفتگو پر مرکوز تھا۔ جلال کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔

"تمہارے ہر مشورے پر میرا دل ڈوب رہا ہے۔ تم مجھے کہیں مروا دو گے۔"

"یہ تمہارا وہم اور اندر کا خوف ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔" بولنے والے کی آواز مزید نرم اور ناصحانہ ہو گئی۔ اپنے شکار کو شیشے میں اترتا ہوا محسوس کر کے اس نے مفاہمت کی راہ اپنالی تھی۔

"وقت کم ہے۔ مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو۔" میرا وہ جواب سنتے ہی جلال مسرت سے اپنی جگہ پر اچھل پڑا۔ اس کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا تھا۔ شاید وہ اپنے مضطربانہ اشاروں سے مجھے وہی بات سمجھانا چاہ رہا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی "چوبیس گھنٹے کا وقت بہت کم ہے۔"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ تم دلدل میں دھنستے چلے جاؤ گے۔ تم جتنی جلد فیصلہ کر لو' تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں تمہیں چوبیس کے بجائے اڑتالیس گھنٹے دے سکتا ہوں۔"

حقیقت یہ تھی وقت اسی کے لیے سب کچھ تھا۔ میرے لیے اس کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ اس کا نام اور پتا میری نظروں میں آچکا تھا۔ ایس ٹی ایف کے مستعد آدمی دونوں پتوں کی نگرانی کر رہے تھے۔ میری وہ فون کال ختم ہونے کے بعد ذرا سی دیر میں علم ہو جاتا کہ سنی کمار کے مہینوں سے مقفل دفتر میں اس شام کون داخل ہوا تھا۔ اس کا مسلسل تعاقب جاری رہتا۔ جوں ہی ہم اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتے' اول خان یا جلال کے آدمی اس نامعلوم شخص کے نرخرے پر ہاتھ ڈال دیتے جو اس وقت سنی کے دفتر میں چھپا' مجھ سے بلی اور چوہے کا کھیل کھیلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم مجھے وقت دے دو تاکہ میں بے فکر ہو کر کسی فیصلے پر پہنچ سکوں۔ میری کوشش ہوگی کہ میں جلد از جلد فیصلہ کر لوں۔ امید یہی ہے کہ میں تمہارے حکم کی تعمیل کر لوں۔ تم نے ویڈیو فلم کا ذکر کر کے مجھے لرزہ براندام کر دیا ہے۔ میرا منہ کالا ہو جائے گا۔ میں کسی سے ملنے جلنے کے قابل نہیں رہوں گا۔"

میری مجبوریوں کا حسرت بھرا بیان مکمل ہوتے ہی اسپیکر فون پر رعونت آمیز ہنسی کی آواز ابھری پھر وہ بولا "تم بہت سمجھ دار آدمی ہو۔ تمہیں ہر وقت یہ یاد رہنا چاہیے کہ دہلی والوں نے تمہیں بہت مضبوطی سے دوستی کے بندھن میں باندھا ہے۔ ہم سے منحرف ہو کر تم زیادہ دیر تک چین سے آزاد نہیں رہ سکتے۔"

"رفتہ رفتہ یہ باتیں میری سمجھ میں آتی جا رہی ہیں۔" میں نے آزردہ سی آواز میں کہا "میں اڑتالیس گھنٹے پورے ہونے سے پہلے تمہیں فون پر اپنا فیصلہ سنا دوں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہرگز نہیں!" اسی لمحے جواب آیا "تم بھول رہے ہو کہ تمہیں یہ فون نمبر ایمرجنسی کے لیے دیا گیا ہے۔"

"میرے لیے اپنے فیصلے سے بڑی کیا ایمرجنسی ہو سکتی ہے۔" میں نے بے بسی سے پوچھا۔

"آج تمہارا پہلا فون تھا اس لیے میں نے گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھایا لیا۔" وہ کہہ رہا تھا "ورنہ مجھ سے رابطے کے کچھ اصول ہیں۔ اس نمبر پر فون چھ بجے کے بعد وصول کیا جاتا ہے اور بارہ گھنٹیوں کے بعد میں ریسیور اٹھاتا ہوں۔"

"بارہ گھنٹیوں کے بعد کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ اس حیرت میں میری صداکاری کا کوئی دخل نہیں تھا۔

"میں کسی غلط آدمی سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔ ہر شخص بارہ گھنٹیوں کا انتظار نہیں کرتا۔ دو چار گھنٹیاں بجا کر فون بند کر دیتا ہے۔ اتنا صبر وہی کرتا ہے جو میرا خاص آدمی ہوا اور اسے مجھ سے کوئی ضروری کام ہو۔ تم کو بھی ان باتوں کو یاد رکھنا ہوگا" میں بارہ گھنٹیوں کے بعد فون نہ اٹھاؤں تو تم کو سمجھ لینا چاہیے کہ میں موجود نہیں ہوں۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا مگر آج تو تم نے پہلی گھنٹی پر ہی فون اٹھا لیا تھا۔" میں نے اس کی ابتدائی وضاحت کے باوجود وہ سوال دہرایا۔

"اس لیے کہ یہ تمہارا پہلا فون تھا۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "تم نے اپنے فیکس میں فون اور وقت کا ذکر کر دیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ ٹھیک سات بجے آنے والا فون تمہارا ہو سکتا ہے۔ تم نے فیکس میں فون کا ذکر نہ کیا ہوتا تو آج مجھ سے کسی قیمت پر تمہاری بات نہیں ہو سکتی تھی۔"

"سات بجے سے پہلے تم سے رابطے کے لیے کیا کیا جائے؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔ میں اس سے اس کا پورا طریقہ کار اگلوانے کے لیے کوشاں تھا۔

"تم مجھے ہر وقت فیکس کر سکتے ہو۔" اس کا جواب میرے لیے متوقع تھا "اس کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔ فون کے لیے شام چھ بجے سے صبح چھ بجے تک کی پابندی ہے۔"

"فیکس پر میں اپنی بپتا نہ سنا سکتا ہوں۔ تمہارے مشورے نہیں سن سکتا۔ اب یہی دیکھ لو کہ اس وقت ہم نے فون پر جتنی باتیں کر لیں وہ پچاس فیکس بھیج کر بھی نہیں ہو سکتی تھیں۔" میرے پاس اسے قائل کرنے کے لیے مضبوط نکتہ موجود تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔ وقت اور بارہ گھنٹیاں۔ یہ دو باتیں مجھ سے براہِ راست رابطے کے لیے ضروری ہیں۔"

"کیا تم اب بھی اپنا نام نہیں بتاؤ گے؟" میں نے پوچھا۔

"ناموں میں کچھ نہیں رکھا۔ تم آواز سے مجھے شناخت کر لو گے۔ یہ فون میں ہی اٹھاتا ہوں۔ کسی اور کی اس تک رسائی نہیں ہے۔" اس نے لمحے بھر کے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی "جب تم منظرِ عام پر آجاؤ گے تو میں تم سے ضرور ملوں گا۔ اس وقت تم میرا نام بھی جان لو گے۔"

مجھے شبہ ہونے لگا کہ وہ چندن گرنانی نہیں، کوئی بہت زیرک اور چالاک بھارتی تھا جو اپنی ذات کو پوشیدہ رکھنے کے لیے چندن گرنانی کا فیکس نمبر استعمال کر رہا تھا۔ چندن کا کام بس اتنا تھا کہ وہ اپنی مشین پر آئے ہوئے پیغامات اس تک پہنچا دے۔

"اگر تم کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے تو میں مناسب وقت کا انتظار کروں گا۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"آج پہلی مرتبہ میری اور تمہاری بات ہوئی ہے۔ اعتماد رفتہ رفتہ پیدا ہوتا ہے۔ اپنا کام اور حوصلہ دکھاؤ۔ میں کام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آصفہ شاکر ہیئر کلینک

ڈاکٹر آصفہ شاکر

ڈاکٹر عباس علی اختر

اوقات کار

ہفتہ اتوار ——— صبح 10.00 تا 1.00 دوپہر

روزانہ ——— شام 6.00 تا 9.00

تعطیل بروز ——— جمعۃ المبارک

شاکر ہیئر آئل بھی دستیاب ہے

مزید معلومات کے لئے فون: 0300-8243069

6/1 سفاری ویو بلاک 7 نزد مین گیٹ

سفاری پارک گلشن اقبال، کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے آدمیوں کی بہت قدر کرتا ہوں۔"

"پھر مہلت میں مزید چند گھنٹوں کا اضافہ کردو۔" میں نے اس سے بلاوجہ فرمائش کی "مجھے پرسوں کی ساری شام مل جائے تو بہتر ہوگا۔ چھ بجے تم فون پر آتے ہو' سات بجے تمہارا دیا ہوا وقت پورا ہوجائے گا۔ اس میں کچھ نہ کچھ گنجائش ہونی چاہیے۔"

"میری کہی ہوئی بات اٹل ہوتی ہے۔ فیکس پر تم ہر وقت مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کرسکتے ہو۔ تمہیں فون کے وقت کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔"

وہ چالاک اور حاضر دماغ شخص تھا۔ میں نے اپنی نیم رضامندی کے اظہار کے ساتھ فون بند کردیا۔ سلطان شاہ نے بھی ٹیپ ریکارڈر آف کردیا۔

"شان دار!" جلال نے اپنی جگہ سے اٹھ کر پرجوش انداز میں اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھادیا اور پرتپاک انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے بولا "اپنے دشمن سے ایسی لچھے دار باتیں تم ہی کرسکتے ہو۔ اس کے لیے بہت ٹھنڈے ماتھے کی ضرورت ہوتی ہے۔ گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہونے والی بات تم پر پوری طرح صادق آتی ہے۔"

"اس وقت پاکستانی مطالبہ ان کے گلے کی ہڈی بن گیا ہے۔ کوئی مخالفانہ ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے مظہر کا درجہ ابھی تک ایک معزز پاکستانی شہری کا ہے۔ ہر ضابطے کی رو سے اس کے بارے میں جواب دہی بھارتی حکومت کا فرض ہے۔" ویرا کہہ رہی تھی "وہ بس یہ چاہ رہا تھا کہ ڈینی گھڑی کی چوتھائی میں اپنا سینہ ٹھونک کر میدان میں کود جائے تاکہ بھارتیوں کی پیشانی سے مظہر کی گمشدگی کا داغ مٹ سکے۔"

"میں اس سے اسی نکتے کے گرد کھیل رہا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ میں بھی تحمل سے اس کے ساتھ اتنے کامیاب مذاکرات نہیں کرسکتا تھا۔" جلال خوشی سے پھولے نہ سما رہا تھا "تمہارا ایک ایک لفظ سفید جھوٹ تھا مگر اس پر حقیقت کا گمان ہورہا تھا۔ وہ اُلّو کا پٹھا چکرا کر رہ گیا ہوگا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ریکارڈر میں سے ہماری گفتگو کا کیسٹ نکال لیا۔

"بھارتی کسی بھی طرح بے وقوف نہیں ہوتے۔ وہ بہت ذہین' تجربے کار اور مکّار ہوتے ہیں۔" اول خان بولا "یہ ڈینی کا کمال ہے کہ جب وہ ہمارے شیر کے سامنے آتے ہیں تو اس کی باتوں کے ہیر پھیر میں پڑ کر ساری چوکڑیاں بھول جاتے ہیں۔ اس وقت ڈینی کے مخاطب نے کوئی بے وقوفی نہیں کی لیکن ڈینی نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے اس سے بہت کچھ اگلوالیا۔"

"دیکھنا ہے کہ ڈینی سے بات کرنے والا کون تھا۔ اگر یہ چندن تھا تو مجھے حیرت ہے۔ وہ اپنی باتوں سے پکا بھارتی معلوم ہورہا تھا۔" ویرا نے کہا۔

"اگر اجازت ہو تو میں تھوڑی سی وعدہ خلافی کرلوں۔" اچانک جلال نے مجھ سے پوچھا۔

"مجھے معلوم تھا کہ بعد میں یہ مرحلہ بھی آئے گا۔" میں نے ہلکے سے طنز سے کہا "وعدہ کرنا آسان ہوتا ہے۔ اسے نباہنا سب سے مشکل کام ہے اور تم تو وعدہ کرنے والوں کے سرخیل بنے ہوئے تھے۔ تم اتنی جلدی اپنا وعدہ بھول گئے۔"

"اگر تم برا مان رہے ہو تو پھر جانے دو۔" جلال نے شائستگی سے کہا "تم بالکل صحیح پہنچے ہو۔"

"یہ بھارتیوں کی سطح کی گھٹیا باتیں ہیں۔" میں نے ان لوگوں کو سوالات کی اجازت دے کر بھڑوں کا چھتا چھیڑنے کی کوشش نہیں کی۔ از خود انہیں بتانا شروع کردیا "میں غزالہ کو اپنی بیوی بنا کر نہیں لے گیا تھا مگر اسے اپنے کمرے میں رکھا ہوا تھا۔ دہلی میں اتنی سی بات راداوں کے لیے پرکشش بن گئی۔ انہوں نے کچھ لڑکیوں کو میرے پیچھے لگادیا۔ رینا نامی ایک لڑکی مجھے اپنے ساتھ ہوٹل کے ایسے کمرے میں لے جانے میں کامیاب ہوگئی جہاں پہلے سے کیمرے چھپے ہوئے تھے۔ راوالے اب تک جس فلم کی دھمکیاں دے رہے ہیں' وہ بنی ضرور تھی لیکن را کے دفتر میں دوسرے ریکارڈ کے ساتھ جلادی گئی۔ وہ اس کے تلف ہونے کا اعتراف کرنے سے گریزاں ہیں۔ میں انہیں بتا نہیں سکتا کہ میں نے وہ ویڈیو کیسٹ اپنے ہاتھوں سے جلایا تھا۔"

"پھر تم بلاوجہ کیوں ان سے دب رہے ہو؟" ویرا نے بھڑک کر پوچھا۔

"مصلحت!" میں نے دھیرے سے جواب دیا "میں ان کی صفوں میں شامل رہ کر ان کی بیخ کنی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر ان کی خوش فہمی دور کردوں تو وہ مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کریں گے۔ اس وقت راوالوں کا سارا زور اسی فلم پر تھا۔"

"ہاں۔" اول خان نے اقرار کیا "محنت سے استوار کیے ہوئے رابطے اتنی آسانی سے ختم نہیں کیے جاسکتے۔ ان کی خوش فہمی کو برقرار رہنا چاہیے۔"

"ذرا اپنے آدمیوں کو دیکھو۔" جلال نے چونک کر اسے یاد دلایا "سات بجے کون سنی کے دفتر میں گیا تھا۔"

اول خان نے فون پر شاید اسٹیشن فور کے ریڈیو روم سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رابطہ کیا۔ میری معلومات کے مطابق وہاں بیٹھا ہو ڈیوٹی افسر شہر بھر میں ایس ٹی ایف کے کارکنوں کی جملہ سرگرمیوں سے باخبر رہتا تھا کیونکہ ہر ٹرانسمٹر پر ہونے والی گفتگو وہاں ضرور سنی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی ہر رکن وقفے وقفے سے وہاں اپنی کارکردگی کی رپورٹ دیتا رہتا تھا۔

اول خان فون پر بات کر کے مڑا تو اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ اس نے شکست خوردہ آواز میں بتایا کہ اس کے آدمی سنی کے دفتر کے قریب بیٹھے بیٹھے اکتا گئے تھے۔ سہ پہر سے اس وقت تک کوئی اس مقفل دفتر کے پاس نہیں پھٹکا تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" میں نے حیرت سے کہا "سات بجے میں نے خود اس دفتر کے فون نمبر پر بات کی ہے۔ تم سب اس کے گواہ ہو۔"

"شاید تم ذہنی طور پر کہیں اور ہو۔" جلال نے کہا "مقابلہ راوالوں سے ہو تو سب کچھ ممکن ہے۔"

"پھر یہ لمبا چکر معلوم ہوتا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "سنی کے دفتر کا فون نمبر کہیں اور استعمال ہو رہا ہے۔"

اول خان کی آنکھیں چمک اٹھیں "تم نے بالکل صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے۔ چندن کے گھر اور سنی کے دفتر میں ڈیڑھ دو فرلانگ کا فاصلہ ہے۔ بیمار سنی کمار کے فرشتوں کو کچھ پتا نہیں اور اس کا فون راوالے استعمال کر رہے ہیں۔ وہ لائن یقینی طور پر چندن کے گھر پر استعمال کی جا رہی ہے۔"

"تمہارے آدمی وہیں موجود ہیں۔ کسی سے کہو کہ تالا کھول کر دیکھے۔ کیا سنی کا فون ڈیڈ پڑا ہوا ہے۔" ویرا بولی۔

اگلی کسی کارروائی سے پہلے وہ یقین دہانی واقعی ضروری تھی۔ اول خان کا اپنے آدمیوں سے براہِ راست کوئی رابطہ نہیں تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اسٹیشن فور پر اپنے ڈیوٹی افسر کو ہدایات دیں اور ہمارے ساتھ باتوں میں شریک ہو گیا۔

"میں سمجھ رہا تھا کہ سنی کی راوالوں سے ملی بھگت ہے مگر اب حالات کا دوسرا رخ سامنے آ رہا ہے۔" جلال کہہ رہا تھا "سنی اپنے گھر پر بیمار پڑا ہوا ہے۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو گا کہ اس کے فون کے ساتھ کیا بدسلوکی کی جا رہی ہے۔"

"وہ بے گناہ نہیں ہو سکتا۔" سلطان شاہ نے پہلی مرتبہ جلال سے اختلاف رائے کی جسارت کی اور جلال کی تیوریوں پر ہلکا سا بل آ گیا۔

"تم اسے گناہ گار کیسے قرار دے رہے ہو؟" جلال نے اس سے پوچھا۔

"پتا نہیں یہ سلسلہ کب سے چل رہا ہے۔ فون کا بل بر وقت ادا نہ ہوتا تو فون کبھی کا کٹ چکا ہوتا۔ اگر سنی یا اس کا کوئی آدمی باقاعدگی سے بل ادا کرتا ہے تو اسے اندازہ ہو جانا چاہیے کہ فون دفتر کے بجائے کہیں اور استعمال ہو رہا ہے۔"

جلال نے سر ہلایا اور سوچ میں پڑ گیا۔ سلطان شاہ نے وہ کمزور اعتراض اتنی سنجیدگی سے اٹھایا تھا کہ کوئی فوری طور پر اس کے منفی پہلو پر توجہ نہیں دے سکا۔ میں نے ان لوگوں کا تجسس دور کرنے کا ارادہ کیا تو مجھ سے پہلے ویرا بول پڑی۔

"بولنے سے پہلے کچھ سوچ بھی لیا کرو۔" ویرا کی آواز پر سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ سلطان شاہ سے کہہ رہی تھی۔ "فون کے بل میں اسی وقت اضافہ ہوتا ہے جب اس سے کوئی کال کی جائے۔ کال وصول کرنے میں کوئی خرچ نہیں ہوتا۔ اگر وہ لوگ اتنے چالاک ہیں کہ سنی کا فون چرا کر استعمال کر رہے ہیں تو وہ اسے صرف پیغام وصول کرنے کے لیے استعمال کرتے ہوں گے۔ انہوں نے یہ احتیاط رکھی ہو گی کہ اس نمبر سے کوئی فون نہ کیا جائے۔ سنی بے خبری میں ہر ماہ لائن رینٹ وغیرہ ادا کر رہا ہے۔"

"ہاں، یہ تو ہے۔" جلال نے ویرا کی تصدیق کی "ہم اس امکان کو کیوں بھول رہے ہیں۔ یہ امکان ہی نہیں حقیقت ہو سکتی ہے۔"

ویرا کے مربوط اعتراض پر سلطان شاہ کا چہرہ خفت سے

کمال

ایک صاحب فخر سے دوسرے صاحب کو بتا رہے تھے "میری شادی کو دس سال ہو گئے ہیں مگر آج بھی میں ڈیوٹی سے واپسی پر بس سے اترتا ہوں تو میری بیوی میرے انتظار میں بس اسٹاپ پر کھڑی ہوتی ہے۔"

"یہ کون سی خاص بات ہے..." دوسرے صاحب بولے "میری شادی کو بیس سال ہو چکے ہیں مگر میری بیوی کا بھی اب تک یہی معمول ہے۔"

تیسرے صاحب بولے "میرا خیال ہے میں آپ دونوں حضرات سے زیادہ داد کا مستحق ہوں۔ میں بھی بس اسٹاپ پر اترتا ہوں تو بیوی میرے انتظار میں کھڑی ہوتی ہے.... اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ میں شادی شدہ نہیں ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرخ ہوگیا اور اس نے خاموشی سے سر جھکالیا۔

"حیرت ہے کہ ایسی سامنے کی بات فوری طور پر کسی کے ذہن میں نہیں آسکی۔" جلال بڑبڑایا۔

جلال کی فرمائش پر غزالہ ایک مرتبہ پھر سب کے لیے چائے بنانے چلی گئی۔ اس مرتبہ ویرا بھی اس کے ساتھ کچن کی طرف گئی تھی۔

رات کے اس ابتدائی پہر میں سنی کے ویران اور مقفل دفتر میں گھسنا زیادہ دشوار نہیں تھا۔ ساری اہمیت صرف ایک بات کی تھی کہ اول خان کے آدمی قفل شکنی میں کتنے ماہر تھے۔ تھوڑی دیر بعد اسٹیشن فور سے کال آگئی۔ اول خان کے آدمیوں نے قفل شکنی کے بعد دفتر کو پہلے کی طرح دوبارہ لاک کردیا تھا۔ مہینوں کے گرد وغبار میں اٹے ہوئے دفتر کا فون بالکل بے جان تھا۔

"اگر اتنی چھان بین نہ کی جاتی تو سنی کھلا مجرم نظر آرہا تھا۔" جلال نے ہلکی سی غصیلی آواز میں کہا "اگر یہ لائن چندن کے فلیٹ میں پائی گئی تو میں اس باسٹرڈ کو ادھیڑ ڈالوں گا۔"

"ایک کام میں دو ایجنسیاں لگ جائیں تو کہیں نہ کہیں گڑبڑ ہوجاتی ہے۔" میں نے جلال سے کہا "لائن کے سراغ پر تم کسی کو مامور کرو گے یا اول خان کے آدمی کام کرتے رہیں؟"

"میں نامعقول قسم کی دخل اندازیوں کا قائل نہیں ہوں۔" جلال نے جواب دیا "اول خان کی ٹیم کام کررہی ہے وہی کرتی رہے لیکن رزلٹ آج رات ہی مل جائے تو بہتر ہوگا۔"

"میں تمہاری بے چینی کو سمجھ رہا ہوں لیکن یہ کام کل کے لیے ٹال دیا جائے تو بہتر رہے گا۔" میں نے تجویز پیش کی۔

"آج رات اور کل میں کیا فرق ہے؟" اس کی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔"

"چندن یا فون چرانے والے نے کال کے لیے چھ بجے کا وقت دیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دن بھر اپنے ٹھکانے سے غائب رہتا ہے۔ چھ بجے ہر حال میں لوٹ آتا ہے اور پھر رات وہیں بسر کرتا ہے۔ دن میں وہ باہر ہوگا۔ ہر چیز کی اچھی طرح دیکھ بھال کرلی جائے گی۔"

"بالکل مناسب تجویز ہے۔ مجھے اس سے پورا اتفاق ہے مگر تاروں کے سہارے یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ نمبر کہاں لیا گیا ہے۔ اس گھر یا دفتر کی چھان بین کل دن میں کرلی جائے گی۔"

اول خان کے آدمیوں کو وہ کام سرانجام دینا تھا۔ وہ ہمیشہ ہمہ تن خدمت بنا رہتا تھا۔ اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ میں خاموش ہوگیا۔

ہم سب نے جلال کو کھانے کے لیے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ رکنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اس کے پاس ہمیشہ اپنی مصروفیات کا عذر موجود رہتا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر فون اور فیکس والا پراسرار معاملہ درپیش نہ ہوتا تو وہ ہمارے ساتھ اتنا وقت نہیں گزار سکتا تھا۔

ہمارے گھر سے اسے نشتر روڈ پر صدف مینشن کی طرف جانا تھا۔ اس نے یہ بتا کر ہم سب کو حیران کردیا کہ وہ ساری رات صدف مینشن کے نمبروں پر دستیاب ہوگا۔

صدف مینشن کی عمارت میری دیکھی بھالی تھی۔ گراؤنڈ فلور پر معقول دفتری سہولیات سے قطع نظر وہ ایک اجاڑ اور آسیبی عمارت تھی جہاں جابجا چھوٹے بڑے قید خانے بنے ہوئے تھے۔ آئی بی والے اس عمارت کو اپنے انٹروگیشن سیل کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ وہاں پرانے اور ضدی مجرموں کو قید میں رکھ کر ایسے نفسیاتی اور جسمانی تشدد سے گزارا جاتا تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنی روح کی گہرائیوں سے سچ اگلنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔

"اس قید خانے میں تم ساری رات کیا کرتے رہو گے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ضرورت پڑتی ہے تو وہاں دن رات کام ہوتا ہے۔ اس وقت بھی وہاں چند اہم قیدی موجود ہوں گے جن کے اعصاب کسی بھی وقت جواب دے سکتے ہیں۔ ان سے تفتیش کے لیے میرا وہاں موجود ہونا ضروری ہے۔" اس نے خندہ پیشانی کے ساتھ وہ سفاکانہ حقائق بیان کرڈالے۔

"خدا تمہاری حالت پر رحم کرے۔ اعصاب زدہ قیدیوں کی چیخوں میں وہاں گہری نیند سونا بھی دشوار ہے۔"

"یہ زندگی کے روپ ہیں جو پل پل میں بدلتے رہتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے ہم سب کو الوداع کہا اور روانہ ہوگیا۔

اول خان کا ارادہ تھا کہ سنی کے گم شدہ ٹیلی فون کنکشن کا سراغ لگانے کے لیے وہ خود متعلقہ علاقے میں پہنچ جائے جہاں محکمے کے افراد اس کی مدد کرکے لائن کے دوسرے سرے تک پہنچ سکیں گے مگر میری دانست میں اس کی وہ بھاگ دوڑ غیر ضروری ہوتی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ ٹیلی فون کے محکمے میں کھمبوں پر کام کرنے کے لیے سیڑھیوں کا استعمال متروک ہوچکا تھا۔ لائن مین سائیکلوں پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سسپنس ڈائجسٹ

کا معروف سلسلہ اب کتابی شکل میں

انبیائے کرام کی سوانحات پر مبنی مضامین

سوانحِ انبیاؑ

قیمت فی حصہ 150 روپے

ڈاک خرچ فی حصہ 25 روپے

خوبصورت سرورق

مضبوط جلد

ضیاء تسنیم بلگرامی کے قلم سے

جب جب اس دنیا میں شیطانی دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوا ہے، کائنات کے مالک نے بدی کی راہ پر چل نکلنے والوں کو سچائی کا راستہ دکھانے کے لئے انسانی اجسام میں ایسی روحوں کو بھیجا ہے جو شیطانی دھاروں کے سامنے چٹان بن کر کھڑی ہوئی ہیں۔

یہ کتاب انہی ارواح مطہرہ کی زندگی کا روزنامچہ ہے، انہی انبیا کی زندگی کا خاکہ ہے، جنہوں نے اندھیروں میں بھٹکتے ہوئے انسانوں کو شمع وحدت کی روشنی دکھائی اور شیطان کے عزائم کو شکست دینے کے لئے اپنی خاکی زندگی کا ہر لمحہ وقف کیا۔

23 انبیائے کرام کی زندگی کے پر لطف، چونکا دینے والے پر از حقائق واقعات، جن کا عام لوگوں کو علم نہیں۔

یہ کتاب "اچھی کتابوں" میں ایک نادر کتاب ہے

قارئین کے پرزور اصرار پر دو حصوں میں شائع کی جارہی ہے

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ پیشگی منی آرڈر ارسال کریں

کتابیات پبلی کیشنز

رمضان چیمبرز بلموریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

پوسٹ بکس 23

کراچی 74200

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پنے علاقے میں گھومتے رہتے تھے اور جہاں ضرورت ہوتی تھی، جوتے اتار کر بندروں کی طرح کھمبوں پر چڑھ کر اپنا کام پورا کر لیتے تھے۔

ان تکلیف دہ تماشوں میں محکمے کی مالی زبوں حالی کا دخل ہو یا نچلے ملازمین کی سہل پسندی کا، ایک بات طے تھی کہ ایسی مشقیں اول خان جیسے بردبار اور متین آدمی کے لیے ممکن نہیں تھیں۔ وہ تکنیکی کام تھا جسے متعلقہ اہل کار خوبی سے انجام دے سکتے تھے۔

اول خان نے ہمارے گھر سے ٹی اینڈ ٹی والے آدمی سے بات کی۔ ٹیلی فون لائن کی ایسی دیدہ دلیرانہ چوری کی شکایت سن کر وہ حیران ضرور ہوا مگر اس نے بتایا کہ شہر میں جھولتے ہوئے تاروں کے درمیان میں کہیں سے لائن کا متوازی طور پر چوری ہونا انوکھا نہیں تھا۔ ایسے واقعات ہوتے رہتے تھے۔

اول خان صبح سے اپنے گھر سے نکلا ہوا تھا۔ دفتر کا چکر لگا کر وہ دوبارہ ہمارے پاس لوٹ آیا تھا۔ اس کی بیوی بچے کراچی میں تھے اور اس کی توجہ کے حق دار تھے۔ جب اس نے اپنے گھر جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو کوئی بھی اسے روکنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

"خدا کا شکر ہے کہ ایک ایک کر کے دونوں رخصت ہو گئے ورنہ میرا تو دم سوکھ رہا تھا۔" اول خان کے چلے جانے پر ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"ان کی موجودگی سے تمہاری صحت پر کیا اثر پڑ رہا تھا؟" سلطان شاہ نے منہ بنا کر پوچھا۔

"میری شام خراب ہو رہی تھی۔" ویرا نے اپنی بائیں آنکھ دبا کر کہا "شام ہوئی اور رات آگئی لیکن غضب خدا کا کہ میرے منہ میں ایک بوند بھی نہیں گئی۔ سب بے فکر ہو کر یوں فرصت سے بیٹھے ہوئے تھے جیسے انہیں دنیا میں دوسرا کام ہی نہ ہو۔"

"باتیں کام کے سلسلے میں تھیں۔ یہاں گپ شپ نہیں ہو رہی تھی۔" غزالہ نے اسے تادیب کی۔

"میں اس وقت کسی سے بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔" ویرا نے اٹھتے ہوئے کہا "پینے کے تصور سے ہی مزاج میں بلا کی نرمی اور ملنساری آجاتی ہے۔" میرے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے دانستہ مجھے کندھا مارا اور رک کر سرگوشی کی "تھوڑی دیر کے لیے میرے کمرے میں آجانا ورنہ میں بھری محفل میں سوالوں کی بھرمار کر دوں گی۔"

وہ میرا جواب سنے بغیر لہراتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

"یہ تم سے کیا کہہ رہی تھی؟" سلطان شاہ نے میرے قریب آکر رازداری سے پوچھا۔

"وہ اول فول بکتی رہتی ہے۔ تم اس کے چکروں میں نہ پڑو۔" میں نے اسے ٹال دیا۔

ہم لوگوں نے کافی لمبا وقت بیٹھ کر گزارا تھا۔ میں اپنی کمر سیدھی کرنے کے لیے کمرے میں جا کر بستر پر دراز ہو گیا۔

معاملات آگے بڑھ رہے تھے لیکن ان کی رفتار سست محسوس ہو رہی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے، خیالی گھوڑے دوڑا رہے تھے، موہوم سراغوں کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ مارو ھاڑیا کسی مقابلے کا دور دور تک امکان نظر نہیں آرہا تھا۔ ساری پیش رفت اطلاعات کے میدان میں ہو رہی تھی۔

میں نے راکے نامعلوم ایجنٹ سے فون پر گفتگو کرتے ہوئے فیکس کے موضوع پر دانستہ بات نہیں کی تھی۔ میں مظہر کے روپ میں جس ذہنی سطح کا مظاہرہ کر رہا تھا، اس کے لیے ایسی دور کی باتیں موزوں نہیں تھیں۔ یہ راوالوں کی اپنی صوابدید تھی کہ وہ میرے بھیجے ہوئے اس پیغام کو کس طرح استعمال کرتے۔

بستر پر لیٹے لیٹے مجھے یہ بھی یاد آیا کہ اول خان نے اپنے آدمیوں سے سنی کے دفتر کی نہ صرف خیر خبر لے لی تھی بلکہ تلاشی تک لے ڈالی تھی لیکن چندن کے فلیٹ کی نگرانی کرنے والوں کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی کہ سات بجے وہاں کی کیا صورت حال تھی۔

سوچتے سوچتے مجھے غنودگی کی لہر نے آلیا لیکن میری وہ کیفیت زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ کسی نے میرے داہنے پیر کا انگوٹھا جھنجوڑ کر مجھے بیدار ہونے پر مجبور کر دیا۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو میرے پیروں کے قریب ویرا کھڑی دل آویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" میں نے غرا کر کہا "کسی کے بیڈ روم میں یوں گھس آنا بہت بے ہودہ حرکت ہے۔"

"غزالہ تمہارے ساتھ اس کمرے میں بند ہوتی تو میں ہرگز اندر نہ آتی۔ وہ اپنے بے بی فرینڈ کے ساتھ باہر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی ہے۔" ویرا پر میری پھٹکار کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟ کیا چاہتی ہو؟" میں نے کہنیوں کے بل اٹھ کر پوچھا۔

"غزالہ اور سلطان شاہ نے ٹیلی وژن کے سامنے اپنی جوڑی بنائی ہوئی ہے۔ میں اکیلی بور ہو رہی ہوں۔ تھوڑی دیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لیے میرے کمرے میں آجاؤ تو باتیں کریں گے۔"

میں اسے سخت سست کہنے والا تھا کہ مجھے اس کی دھمکی یاد آگئی۔ میں اس کے کمرے میں نہ جاتا تو غزالہ کے سامنے میری اور رینا کی ویڈیو فلم کا ذکر چھیڑ کر میرے لیے خاصی خفت اور پریشانی کا سامان پیدا کرسکتی تھی۔

"چلو!" میں نے برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک جھٹکے سے بستر چھوڑ دیا۔

"اپنی نشیلی آنکھوں پر تھوڑا سا ٹھنڈا پانی مارلو تو تمہارے دماغ کی گرمی کم ہوجائے گی۔" اس نے کمرے سے نکلتے ہوئے مشورہ دیا۔

میں ویرا کے مشورے کو ٹھکرا کر اسی حالت میں جانے پر آمادہ تھا لیکن پھر مجھے خیال آگیا کہ اس کی بے سروپا باتوں پر غصہ دکھا کر میں اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہا تھا۔ اس کا بہترین علاج یہ تھا کہ اسے ہنس ہنس کر سلگایا جائے۔

میں رخ بدل کر باتھ روم میں گھس گیا۔ میرا ارادہ منہ دھونے کا تھا لیکن ہتھیلیوں پہ ٹھنڈے پانی کا لمس محسوس کرکے طبیعت غسل پر مائل ہوگئی۔

میں تازہ دم ہوکر غسل خانے سے نکلا تو میرا موڈ تبدیل ہوچکا تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم کے سرے پر رک کر غزالہ اور سلطان شاہ سے کچھ چھیڑ چھاڑ کی اور پھر ویرا کے کمرے میں داخل ہوگیا۔

"تم آتے ہو تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میری کھوئی ہوئی توانائیاں واپس لوٹ رہی ہیں۔" ویرا نے مسکرا کر کہا۔

"تمہاری کوئی توانائی کہیں نہیں کھوئی۔ بس کبھی کبھی حواس کھوجاتے ہیں۔ آج زیادہ نہ پی لینا۔"

اس نے مجھے جواب نہیں دیا۔ خاموش بیٹھی اپنے گلاس سے کھیلتی اور کچھ سوچتی رہی۔

"بت کی طرح خاموش کیوں بیٹھی ہو۔ میں یہاں تمہارا رخ روشن دیکھنے کے لیے نہیں آیا۔ بلایا گیا ہوں۔" میں نے جل کر اسے ٹوکا۔

"ہم لوگ جس سمت میں جارہے ہیں، تم اس سے مطمئن ہو؟" اس کی زبان سے وہ گہرا اور سنجیدہ سوال سن کر میں حیران رہ گیا۔

"شروع سے ہماری سمت ایک ہی ہے۔ اس میں اب تک کوئی تبدیلی نہیں آئی۔" میں نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ پہلے ہم اپنے طور پر کام کرتے تھے۔ اول خان ہمارا معاون اور تمہارا دست راست ہوا کرتا تھا لیکن رفتہ رفتہ اور شاید بہت غیر محسوس طریقے سے یہ سب بدلتا جارہا ہے۔ اپنی ابتدا کے مقابلے میں آج ہمارا رخ بہت زیادہ بدلا ہوا ہے۔"

"یہاں کوئی تیسرا نہیں ہے۔ پہیلیاں بجھوانے کے بجائے کھل کر بات کرو۔" میں نے الجھ کر اسے مشورہ دیا۔

"میرا احساس ہے کہ اب ہم دو پاکستانی ایجنسیوں کے آلہ کار بن چکے ہیں۔ ایک طرف ایس ٹی ایف ہے اور اب آئی بی کے ضابطے جگہ جگہ ہماری راہ روک رہے ہیں۔"

"ایسا نہیں ہے۔ وہ لوگ ہمیں مشورے دیتے ہیں۔ اپنی وسیع تر معلومات کی روشنی میں رہنمائی فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارا راستہ کبھی نہیں روکتے۔"

"تم میری طرح واقعات کا تنقیدی جائزہ نہیں لیتے اس لیے ان خوش فہمیوں میں مبتلا ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اپنی دلیل کے حق میں ایک بھی مثال نہیں دے سکتیں۔" میں نے وثوق سے کہا۔

"جان ایش کوف کی تازہ ترین مثال تمہارے سامنے ہے۔ ہم اسے جہنم واصل کردینا چاہتے تھے۔ جلال نے ہمیں روک دیا۔ ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "اسے تم کیا کہو گے؟ اب ہم قدم قدم پر اس کی اجازت کے محتاج ہوتے جارہے ہیں۔"

"ہم اب بھی اپنی من مانی کرسکتے ہیں۔ وہ حکومتی حلقوں کا قریبی آدمی ہے۔ اس نے ہمیں یہ سمجھانا چاہا تھا کہ جان یا کسی اور اہم امریکی کو مار کر ہم پاکستان کی کوئی خدمت نہیں کریں گے بلکہ سنگین مسائل کھڑے کردیں گے۔ ہمارا نصب العین اس ملک کی سربلندی ہے۔ ہم نے اس کی بات مان لی۔"

"تم نے اسے چھوڑ دیا لیکن کوئی عام بدمعاش اسے گولی ماردیتا تو تم یا حکومت کیا کرلیتی؟"

"قیاس آرائیوں کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ اپنے خیالی گھوڑوں کو لگام دو۔ بدمعاش کسی کو بلاوجہ نہیں مارتا۔ مارتا ہے تو سولی پر بھی لٹک جاتا ہے۔ جلال ہمارے ایسے انجام سے خوف زدہ ہے اسی لیے ہمیں سمجھاتا اور روکتا رہتا ہے۔ تم دیکھ لو کہ جان اسمتھ دہلی میں مارا گیا اور امریکی اس کے قاتل کو یہاں تلاش کررہے ہیں۔"

ویرا اپنے گلاس سے اسکاچ کا ایک گھونٹ لے کر ہنس پڑی "امریکی کچھ نہیں کررہے۔ وہ بزدل ہیں۔ ڈر کر بھاگ گئے اور تلاش کا طوق تمہاری پولیس کے گلے میں ڈال گئے۔"

"جان بھاگا ہے۔ اس کا چیف کلرک، لیری اب بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کراچی میں موجود ہے۔"

"لیری کراچی میں ہے۔" ویرا کی آنکھیں چمک اٹھیں "تو ہم اس کو کیوں نہیں رگڑ دیتے۔"

"اس وقت ہماری توجہ راپر مرکوز ہے۔ فی الحال لیری کو بھولی رہو۔ وقت آنے پر اس کے بارے میں بھی بات ہو جائے گی۔"

"ایسے لوگ بار بار تمہارے نشانے پر نہیں آئیں گے۔ سی آئی اے میں چیف کلرک کا عہدہ بہت اہم ہوتا ہے۔" ویرا نے مجھے سمجھانا چاہا۔

"نہیں ویرا۔ ایسا نہیں ہوگا۔ یہ کھلی دہشت گردی ہوگی۔ اگر تم لیری کو صرف اس لیے مار دینا چاہتی ہو کہ وہ سی آئی اے میں چیف کلرک ہے تو پھر کون محفوظ رہے گا۔ ہر ممتاز امریکی تمہارے نشانے پر ہوگا۔ ہماری لڑائی ان سے ہے جنھوں نے ہم کو ڈسا ہے۔"

ویرا کی پیشانی پر بل آگئے۔ "پھر تم نے جان ایلش کوف کو اسی نظریے کے تحت چھوڑا ہے۔ اس کے عزائم زہریلے ہیں مگر اس نے ابھی تک پاکستان کو عملی طور پر کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ تمہارے لیے یہ اس کی بے گناہی بلکہ معصومیت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔"

"اب تم طنز کلامی پر اتر آئیں۔ وہ مجھے زندہ یا مردہ پکڑنا چاہتا ہے۔ میرا دشمن ہے میں بھی اس کا دوست نہیں بن سکتا۔"

اس نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ اور لیا پھر بولی "چھوڑو.... یہ بات بہت دور نکل جائے گی۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری ویڈیو فلم کا کیا چکر ہے۔ اتنی اہم بات تم نے آج تک مجھ سے چھپائی ہوئی تھی۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ ایجنسیوں کے آلہ کار بننے والی بات اس کے ذہن سے نکل گئی تھی۔ اس میں سب سے بڑی خوبی یا خامی یہی تھی کہ وہ جس موضوع پر اپنی بات منوانے میں ناکام ہو جاتی تھی، اسے جھٹ بدل دیتی تھی تاکہ اسے زیادہ خفت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ خفت یا ندامت سے اس کی انا پسندی مجروح ہوتی تھی۔

"اس میں چھپانے والی کوئی بات نہیں تھی۔ فلم ان کے قبضے میں ہوتی تو میں ضرور اس کا ذکر کرتا۔ ایک چیز جو بھڑکتی ہوئی آگ میں جل کر راکھ ہو گئی، اس کا ذکر کرنا بے سود ہے۔"

"یہ رینا اجیت رائے کون تھی؟" ویرا کے سینے میں تجسس اور اشتیاق کی آگ بھڑک رہی تھی۔

"ایک خوب رو اور بے کس لڑکی تھی جو اپنی بیمار ماں کے علاج کی خاطر راکے بھیڑیوں کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔"

"خاصی خوب صورت تھی؟" ویرا نے اپنا گلاس خالی کر کے پوچھا۔

"خاصی سے بھی کچھ زیادہ!" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا "تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ میں کیسے امتحان سے گزرا ہوں گا۔"

"مجھ سے بے پر کی ہانکنے کی کوشش نہ کرو۔ میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ تم شروع سے ہی عاشق مزاج ہو۔"

"بلاوجہ کی الزام تراشی نہ کرو۔" میں نے ترشی سے کہا "تم میرے کتنے معاشقوں سے واقف ہو؟"

"تم اب سدھرنے کی کوشش کر رہے ہو تو اتنے پارسا نہ بنو۔ اپنے بارے میں تم میرے تجربات کو نہیں جھٹلا سکتے۔"

وہ سچ کہہ رہی تھی۔ اس کو جھٹلانا ناممکن تھا۔ میں اسے یہ نہیں بتا سکتا کہ میں نے شی میں اپنا مقام برقرار رکھنے کے لیے اس کی خواہشات کے سامنے سر تسلیم خم کیا تھا۔ اسباب کچھ بھی رہے ہوں، ویرا کے معاملے میں میرا دامن صاف نہیں تھا۔

"کیا تمہیں ان تلخ باتوں کے سوا کچھ نہیں سوجھتا؟" میں نے بے چارگی سے پوچھا۔

"میں تو رنگین باتیں کر رہی تھی۔ اس میں تلخی تم نے گھولی ہے۔" اس نے مجھے آنکھ مار کر والہانہ انداز میں کہا "اب سچ سچ بتا دو کہ رینا کا کیا قصہ تھا۔"

"وہ آگ اور تیل کا کھیل تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ خلوت میں بھی مجھے نہیں بہکا سکے گی مگر وہ راکی تربیت یافتہ تھی۔ شکار کو اپنے شکنجے میں کسنے کے فن میں طاق تھی۔ جب تیل اوپر سے نیچے بہہ رہا ہو تو ڈھلان میں دم توڑتے ہوئے انگارے بھی یکایک بھڑک اٹھتے ہیں۔ میں یکایک کمزور لمحوں میں گھر کر رہ گیا۔"

"اور پوشیدہ کیمروں نے تمہاری اور رینا کی فلم بنالی؟" ویرا نے مخمور اور دھیمی آواز میں پوچھا۔

"لاحول ولا قوۃ!" میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور جھلاتے ہوئے انداز میں کہا "ہاں، انہوں نے فلم بندی کر لی۔ بعد میں رینا نے یہ بات خود مجھے بتا دی۔ جب دوسرے ذرائع سے اس کی تصدیق ہو گئی تو میں نے وہ فلم نیست و نابود کر دی۔"

"رینا کو اپنے محکمے کا راز تم کو بتانے کی کیا ضرورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی؟" میری برہمی بھی اس کا تجسس دور نہ کر سکی۔

"تم اتنی باریکیوں میں جاؤ گی تو یہ کہانی کئی دنوں تک ختم نہیں ہوگی۔ میں نے اسے شیشے میں اتار لیا تھا۔ وہ لڑکی میرے بہت کام آئی ہے۔"

"رینا اجیت رائے!" ویرا نے سختی سے دہرا دیا "اس وقت میرے دل میں رقابت کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ میرے بس میں ہوتا تو میں اسی وقت دہلی پہنچ کر اس کمینی کا چہرہ لہولہان کر دیتی۔ اسے تمہارے قریب آنے کی ہمت کیسے ہوئی۔"

میں اس کے لب و لہجے پر یکایک سنبھل گیا۔ مجھے معاملے کی نزاکت کا احساس ہو چکا تھا۔ اس وقت وہ ویرا نہیں رہی تھی۔ اس کے وجود میں سوئی ہوئی 'اناپرست اور منتقم مزاج بلیک کوئن جھرجھری لے کر بیدار ہو چکی تھی۔ بلیک کوئن اپنے پسندیدہ مرد پر کبھی کسی اور لڑکی کا سایہ پڑنا پسند نہیں کرتی تھی۔

"میرے معاملے میں اس کی پسند یا مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس کے بڑوں نے اسے حکم دے کر میری طرف دھکیلا تھا۔ وہ اپنا فرض پورا کر رہی تھی۔"

"میں نے اس لڑکی کا نام اپنے دل پر نقش کر لیا ہے۔" ویرا نے خلا میں تکتے ہوئے خواب ناک آواز میں کہا "جب بھی موقع ملا' میں اس لڑکی کو نہیں بخشوں گی۔"

مجھے اندازہ ہو گیا کہ ویرا اداکاری نہیں کر رہی تھی۔ میرے اور رینا کے بارے میں کوئی بات جان کر اسے شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا اور وہ اپنے حواس میں نہیں رہی تھی۔ میں تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ کر صوفے پر اس کے برابر میں جا بیٹھا۔

ویرا نشے میں ہرگز نہیں تھی لیکن اس وقت اس کی گھنی پلکیں آنکھوں پر جھکی پڑ رہی تھیں۔ گلابی ہونٹ بار بار اس کی نیلگوں آنکھوں کو اپنے پیچھے چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اپنے شانے پر میرے ہاتھ کا دوستانہ دباؤ محسوس کر کے ویرا نے پوری کوشش سے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔ ایک آسودہ سی بے ساختہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر تیر گئی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر کے اپنا سر میرے شانے سے ٹکا دیا۔

چند منٹ تک ہم دونوں اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھے رہے۔ بس میں اپنے بازو پر اس کے دل کی دھڑکنیں محسوس کر رہا تھا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ویرا مجھ سے باتیں کرتے کرتے کسی ٹرانس میں چلی گئی ہو۔ چند منٹ بعد اس نے کسمسانا شروع کیا اور پھر آنکھیں کھول دیں۔

اس وقت ویرا کے دائیں ہاتھ میں تھما ہوا خالی گلاس اس کی گود میں تھا۔ اپنے ٹرانس سے باہر آتے ہی اس نے غیر ارادی طور پر اپنا داہنا ہاتھ اٹھایا اور خالی گلاس پر نگاہ پڑتے ہی تھکے ہوئے انداز میں ہنس پڑی "اوہ! گلاس خالی ہو گیا۔ مجھے کیا ہوا تھا؟ تم میرے پہلو میں کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟"

ویرا کو کچھ یاد نہیں تھا کہ پچھلے چند منٹوں میں وہ کس کیفیت سے گزری تھی۔ وہ اس پر ٹیزو فرینیا کا واضح حملہ تھا جس کا مظاہرہ میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ دہری شخصیت کی مریضہ تھی یا شدید ڈیپریشن اور صدمے کے باعث اس ذہنی حملے کا شکار ہو گئی تھی۔

"تمہیں کچھ نہیں ہوا تھا۔ تم نے فرمائش کی' میں تمہارے پہلو میں آ بیٹھا اور تم میرے شانے پر سر رکھ کر ذرا اونگھ گئیں۔"

"ہم کیا باتیں کر رہے تھے۔" اس نے اپنے ذہن پر زور دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "شاید تمہاری اور رینا کی ویڈیو فلم کی بات ہو رہی تھی۔"

"میں نے تمہیں ہر بات بتا دی تھی۔ تم ایس ٹی ایف کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں۔" میں نے اس سے الگ ہوتے ہوئے بتایا۔ میں رینا کی طرف سے اس کا ذہن ہٹانا چاہ رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ اس حسین بھارتی جاسوسہ کے بارے میں سوچتی رہی تو دوبارہ صدمے سے دوچار ہو جائے گی۔

"ہاں' ہم پہلے آزاد تھے جو چاہتے تھے' کر گزرتے تھے۔ میں کہتی ہوں کہ اب ان ایجنسیوں سے اپنا پیچھا چھڑاؤ۔"

"تمہاری باتیں سمجھ میں آنے والی ہیں۔ دوسروں سے مشورہ کر کے کوئی قدم اٹھاؤں گا۔ اچانک کنارہ کشی مناسب نہیں ہوگی۔"

اسی وقت دروازے پر تیز دستک ہوئی اور میں ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اگلے ہی لمحے سلطان شاہ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آ چکا تھا۔

"اول خان کا فون ہے۔ وہ تم سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔" سلطان شاہ نے اطلاع دی اور میں بلا توقف دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں ڈرائنگ روم میں پہنچا تو غزالہ فون پر مصروف تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"ہاں خان! کیا خبریں ہیں۔" میں نے ریسیور کان سے لگاتے ہی پوچھا۔

"یہ بہت لمبا چکر ہے۔" میرے کانوں میں اول خان کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جوشیلی آواز آئی "اس کام میں ٹی اینڈ ٹی کا کوئی آدمی بھی چندن کا شریک ہے۔ سنی والے پول میں فون کی لائن غائب ہے۔ اس لائن کو کیبنٹ سے ہی چندن کے گھر کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔"

"تمہیں پورا یقین ہے کہ یہ اطلاع درست ہے!" میں نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"چندن کے گھر کے قریبی کھمبے سے انسٹرومنٹ لگا کر دیکھا گیا ہے۔ سنی کے دفتر کے نمبر پر کی جانے والی کال کی گھنٹی وہاں بج رہی ہے۔"

"پھر چندن کو اس کے گھر سے اسی وقت اٹھالینا چاہیے۔ اسے مہلت مل گئی تو کام بگڑ سکتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ چاہو تو تم جلال سے بھی مشورہ کر سکتے ہو۔"

میرے ذہن میں ویرا کے کہے ہوئے الفاظ گونج اٹھے اور میں نے چڑ کر کہا "تم ہر بات میں جلال کو درمیان میں کیوں لانے لگے ہو۔ وہ اپنی مجبوریوں اور مصلحتوں کا پابند ہے۔ یہ ایک سفارت کار کا معاملہ ہے۔ وہ اوپر سے کلیرنس کے بغیر کوئی کارروائی نہیں ہونے دے گا....."

"تم بھول رہے ہو کہ وہ خود بھی چندن کی طرف سے بہت مشتعل ہے۔" اول خان نے میری بات کاٹ کر کہا۔

"ایک سرکاری ملازم کا ذاتی اشتعال اس کی ذات تک محدود رہتا ہے۔ وہ اپنے محکمے کا ڈسپلن توڑ کر پالیسی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائے گا۔ میں اسے جانتا ہوں۔ وہ ایک مثالی سرکاری ملازم ہے۔ اس وقت ہمیں روک دے گا۔"

"اس نے جان کے معاملے میں بھی شکوا کیا تھا۔" اول خان نے دبی زبان سے کہا "وہ ہم سے ناراض ہو سکتا ہے۔"

"میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم یہاں آجاؤ۔" میں نے خشک لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔

"یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم جلال کو نظر انداز کر دو گے۔" سلطان شاہ نے کہا جو میرے پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔

"میں اسے نظر انداز نہیں کر رہا' مشکلات سے بچا رہا ہوں۔ ہم اس سے جان ایش کوف کے بارے میں مشورہ کرتے تو وہ ہمیں ہرگز آگے نہ بڑھنے دیتا۔ تم نے دیکھا کہ بعد میں وہ ہمارے اقدام پر خوش تھا۔ اس کی بے خبری ہمارے اور اس کے لیے سودمند ثابت ہوئی۔"

"بار بار ایسا نہیں ہو سکتا۔ آپ اس سے مشورہ نہ لیں۔ اسے اپنے ارادے سے آگاہ کر دیں تاکہ وہ چندن کے اٹھائے جانے کے بعد پیش آنے والے حالات کے بارے میں کوئی مناسب منصوبہ بندی کر سکے۔" غزالہ نے سلطان شاہ کی تائید کرتے ہوئے کہا "اپنے فیصلوں کے لیے آپ اس کے مشوروں کے پابند نہیں ہیں۔"

غزالہ نے بہت معقول رائے دی تھی۔ ہم لوگوں سے قریبی مراسم کے حوالے سے یہ جلال کا حق بنتا تھا کہ اسے کسی اہم پیش رفت سے قبل از وقت یا کم از کم بروقت آگاہ کر دیا جائے۔ میں نے اسے فون کرنے کے ارادے سے ہاتھ بڑھایا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے جلال میری مزاج پرسی کر رہا تھا۔

"بہت لمبی عمر ہے تمہاری۔" میں نے بے ساختہ ہنستے ہوئے کہا "ابھی تمہارا ذکر خیر ہو رہا تھا۔ میں نے تمہیں فون کرنے کا ارادہ کیا اور ادھر تمہارا فون آگیا۔"

"یار! میں اپنے چکروں میں کچھ زیادہ ہی الجھ گیا ہوں لیکن تمہاری بھی فکر ہے۔ وہ فون والے معاملے کی رپورٹ ملی یا نہیں۔"

"لائن چندن کے گھر میں جا رہی ہے۔ میں نے اسی وقت اسے اٹھا لینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" جلال کے کہنے سننے سے پہلے میں نے اسے اپنے ارادے سے آگاہ کر دیا۔

"اسے اٹھالو۔" جلال کے وہ الفاظ سن کر میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ وہ کہہ رہا تھا "یہ نازک سفارتی معاملہ ہے۔ میں اپنے ہاتھ صاف رکھنا چاہتا ہوں۔ میرا کوئی آدمی ادھر نہیں پھٹکے گا۔ میری مانو تو اول خان اور اس کے آدمیوں کو بھی الگ تھلگ رکھو۔ اس کام میں کسی ایجنسی کا نام نہیں آنا چاہیے۔"

جلال کے وہ الفاظ ہولناک تھے۔ وہ چندن کے قصے کو ریکارڈ سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ چندن کی رہائی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اسے قید میں رہنا تھا یا اپنے جرائم کی پاداش میں عبرت ناک موت کے گھاٹ اتر جانا تھا۔

"یہ کام میں خود کروں گا۔" میں نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد جواب دیا "مگر میرے پاس کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ اسے اس کی کمین گاہ سے نکالنے کے بعد میں اسے خان کے ہی حوالے کروں گا۔ وہاں اس کی بہترین خاطر تواضع ہوتی رہے گی۔"

"چندن بہت خطرناک آدمی ہے۔ اس نے کوئی نیا گل کھلایا ہے۔ وہ کسی رعایت کے قابل نہیں ہے۔"

"کیا کوئی مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے؟" میں نے چونک کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پوچھا۔

"رات آٹھ بجے اطلاع ملی ہے کہ لیری کل صبح جلد از جلد ایجنسیوں کے نمائندوں سے ملنا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اس بار ایس ٹی ایف کے نمائندے کو بھی اجلاس میں شامل کیا جائے کیونکہ اسے ڈینی اور مظہر کے بارے میں کچھ نئے شواہد ملے ہیں۔"

"لیری!" میں نے حیرت سے دہرایا "کیا سی آئی اے کا ایک چیف کلرک ایسی کسی ملاقات کی خواہش کرنے کا حق رکھتا ہے۔"

"حق کسی کو بھی نہیں ہے۔ اس نے رسمی طور پر درخواست کی ہوگی۔ یہ حالات کی ستم ظریفی ہے کہ ہم ان لوگوں کی درخواست کو بھی اہمیت دینے پر مجبور ہیں۔ میرا بس چلے تو میں ذاتی طور پر اس ملاقات سے صاف انکار کردوں۔ ویسے امریکی پروٹوکول میں کلرک کا عہدہ خاصا اہم ہوتا ہے۔"

"تو انکار کیوں نہیں کردیتے۔" میں نے دانستہ وہ سوال کر ڈالا۔

"سول سرونٹ کی ذات کچھ نہیں ہوتی۔ وہ حکم کا بندہ ہوتا ہے۔ یہ اجلاس کل گیارہ بجے کراچی میں ہونا ہے اور میں یہاں موجود ہوں اس لیے مجھ کو اپنے محکمے کی نمائندگی کے لیے نامزد کیا گیا ہے۔ بقیہ لوگ بھی شاید وہی ہوں گے جو اپنے پر فریب دشمنوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔" جلال کے جواب میں اس کے اندر کا کرب پنہاں تھا۔

"ایس ٹی ایف کی طرف سے کون آئے گا؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی بھی آسکتا ہے۔ یہ اسلام آباد والوں کی مرضی پر منحصر ہے۔" اس کے جواب سے بیگانگی مترشح تھی۔

"جان نے لیری کو جان بوجھ کر یہاں چھوڑا ہے تاکہ اس کے اشاروں پر وہ تمہیں ستاتا رہے۔"

"معلوم یہی ہوتا ہے۔ اجلاس کا چکر اچانک کھڑا ہوا ہے۔"

"ایس ٹی ایف غیر آئینی تنظیم ہے۔ اس کے نمائندے کس حیثیت میں آسکتے ہیں؟"

"یہ پہلے بھی ہوچکا ہے۔ اجلاس آف دی ریکارڈ ہوگا۔ امریکیوں کو ٹیکنالوجی میں ایسی برتری حاصل ہے کہ انہوں نے بہت سی قوموں کو زچ کیا ہوا ہے۔ وہ دوستی کا احسان جتا کر ایس ٹی ایف کا نام نہیں اچھالتے ورنہ اس کے وجود اور سرگرمیوں سے خاصی حد تک باخبر ہیں۔"

"پھر معلوم ہوتا ہے کہ قرعہ فال اپنے خان کے نام ہی نکلے گا۔ اس سے ابھی ابھی میری بات ہوئی ہے۔ وہ اجلاس سے بے خبر ہے۔"

"اگر اسے شریک ہونا ہے تو آج رات کسی ذریعے سے اسے پیغام مل جائے گا۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ چندن اور کل کے اجلاس میں کیا تعلق ہوسکتا ہے؟"

"ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے۔ صبح تم نے چندن کو فیکس بھیجا اور شام کو لیری نے مشترکہ اجلاس کا مطالبہ پیش کردیا۔ یہ اتفاق نہیں ہوسکتا۔ ان دونوں باتوں میں کوئی نہ کوئی چیز مشترک ضرور ہے۔"

"اجلاس کو تم دیکھ لینا۔ میں چندن کی خبر لیتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"جو کچھ بھی ہوتا ہے، مجھے باخبر ضرور رکھنا۔ آج میری رات صدف مینشن میں ہی کالی ہوگی۔"

"سارا قصہ ہی نمٹ گیا۔" میں نے غزالہ اور سلطان شاہ کو خوش خبری سنائی "وہ میرا فیصلہ سن کر خوش ہوگیا۔ ہم چندن کو اٹھائیں گے۔"

"وہ چندن کی گرفتاری میں مدد نہیں دے گا؟" ویرا نے پوچھا جو میری بات سنتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آگئی تھی۔

"وہ الگ رہے گا۔ اس کے مشورے پر اول خان کو بھی دور رکھا جائے گا۔" میں نے ان لوگوں کو مزید خوش خبری سنائی۔

ایک مرتبہ پھر سرگرمی سے باتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ اس وقت تک ویرا اپنے جذباتی بحران پر قابو پاکر نارمل ہوچکی تھی۔ اس نے زیادہ شراب نہیں پی تھی اور کمزوری کے کسی اظہار کے بغیر پوری سرگرمی سے گفتگو میں حصہ لے رہی تھی۔

وہ تینوں میری اور جلال کی کہی ہوئی ہر بات جان لینے کے خواہش مند تھے کیونکہ اس بات چیت نے جلال کی طرف سے میرا دل کسی آئینے کی طرح صاف کردیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اول خان بھی تیسری مرتبہ ہمارے گھر آپہنچا۔ اسے میری اور جلال کی گفتگو کا علم نہیں تھا اس لیے وہ ماحول میں گھٹن اور تلخی کی امید لے کر آیا تھا۔ اس نے ہم چاروں کو خلاف توقع ہشاش بشاش پایا تو اس کی آنکھوں میں حیرت تیرنے لگی۔

بعد میں اسے یہ جان کر ازحد خوشی ہوئی کہ جلال نے میرے فیصلے کی مکمل توثیق کردی تھی۔ اس کی حد سے بڑھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئی خوشی کو اعتدال میں لانے کے لیے جب میں نے اسے یہ بتایا کہ وہ ہم سے دور رہے گا تو اس کا منہ لٹک گیا۔ عملی کاموں میں بھرپور حصہ لے کر اسے ہمیشہ عجیب سی آسودگی ملتی تھی۔

"پھر اب تمہارا کیا پلان ہے؟" سب کچھ سن لینے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔ اس سے پہلے مجھے تمہاری بریفنگ کی ضرورت ہوگی۔" میں نے کہا۔

"تم مجھے اس آپریشن سے دور رکھ سکتے ہو لیکن میری فورس کے جوانوں کو ہر وقت اپنی دسترس میں پاؤ گے۔" اس نے فخر سے بتایا "اس وقت بھی میرے دو آدمی چندن کے گھر سے دور رہ کر اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔ عام طور پر وہ گھر میں اکیلا رہتا ہے مگر آج اس کے پاس ایک لڑکی آئی ہوئی ہے۔ گھر میں ان کے سوا کوئی تیسرا فرد نہیں ہے۔"

"تمہارے وہ دونوں آدمی وہاں سے کب لوٹیں گے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ صبح آٹھ بجے آنے والوں سے اپنی ڈیوٹی بدلیں گے۔ میں ابھی انہیں احکام دیے دیتا ہوں۔ وہ تمہارے کام میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے۔"

"جلال تجربہ کار آدمی ہے۔ اس کا مشورہ ہے کہ ان اطراف میں کسی ایجنسی کا کوئی آدمی موجود نہیں ہونا چاہیے۔"

"جلال کے بارے میں یہی بات میں نے کہی تھی تو تم ناراض ہوگئے تھے ذرا سی دیر میں تمہاری سوچ میں تبدیلی کیسے آگئی۔" اول خان نے ہنس کر پوچھا۔

"اس کے بارے میں میری سوچ ہمیشہ بہت اچھی رہی ہے۔" میں نے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا "اس وقت کسی نے میرے دماغ میں زہر بھر دیا تھا۔"

"میں اس کے دیے ہوئے مشورے کو رد نہیں کر سکتا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ ان دونوں کو نہ چھیڑو۔ وہ تمہارے پیچھے پیچھے وہاں سے لوٹ جائیں گے بلکہ تم چاہو تو یہ بندوبست بھی ہو سکتا ہے کہ تم راستے میں کہیں رک کر چندن کو ان کے حوالے کر دو۔ ان کے پاس نئی کرولا موجود ہے۔"

"جب انہیں تماشائی بنا رہنا ہے تو ان کی موجودگی کی کیا افادیت ہے۔" میں نے اس کی تجویز کو نظرانداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"خدانخواستہ عین وقت پر کوئی گڑبڑ ہوگئی تو وہ تمہاری مدد کر سکیں گے۔" اول خان نے پورے خلوص سے کہا اور میں نے اس کی بات مان لی۔

ہم لوگوں کو کراچی میں ایک ساتھ کوئی بڑی مہم سر کیے ایک عرصہ ہو چکا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس موقع پر ویرا ہمارے ساتھ چلنے کی ضد کرے گی لیکن وہ کچھ مضمحل سی ہو رہی تھی۔ اس نے اس موضوع پر ایک لفظ بھی نہیں کہا اور ہم تینوں سر جوڑ کر پروگرام طے کرنے لگے۔

"اس چکر میں تم اول خان کو لیری والے اجلاس کے بارے میں بتانا بھول گئے۔" سلطان شاہ نے مجھے یاد دلایا اور میں اول خان سے معذرت کر کے اس نئے مسئلے کے بارے میں بتانے لگے۔

جلال سمیت کوئی بھی اس اجلاس سے خوش نہیں تھا۔ اول خان کا خیال تھا کہ امریکی اس حکمت عملی کے ذریعے خود کو خفیہ اداروں کے سروں پر مسلط کرنے کی کوشش کر رہے تھے جس کے ردِعمل میں وہ ان ایجنسیوں کے سرگرم تعاون سے محروم ہو سکتے تھے۔ اس وقت رات کے دس بجنے والے تھے لیکن اول خان کو اپنے ذرائع سے اجلاس کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ اس نے یہ فرض کر لیا کہ ایس ٹی ایف کی نمائندگی کے لیے کسی اور کو منتخب کر لیا گیا تھا۔

اول خان اپنی جان بچ جانے سے خوش تھا۔ اس کے شب و روز ہمارے درمیان گزرتے تھے۔ اگر اسے اجلاس میں شریک ہونا پڑتا تو اس کے لیے لیری کے اگلے ہوئے زہر کو ہضم کرنا مشکل ہو جاتا۔ وہ ایک سیدھا اور سچا پاکستانی تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اشتعال کے عالم میں اس کی زبان سے کوئی ایسی بات نکل سکتی تھی جو نقصان دہ ثابت ہوتی۔

ہم دونوں کافی دیر تک نئے مسائل پر سر کھپاتے رہے لیکن کسی نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ظاہری طور پر صرف ایک امکان نظر آ رہا تھا جس کی نشان دہی جلال کر چکا تھا۔ میں نے منظر کی حیثیت سے چندن کو ایک فیکس بھیجا' اس نے وہ آگے بڑھا دیا۔ وہ تیز رفتار مواصلاتی سہولتوں کا زمانہ تھا۔ فیکس اور ای میل کے ذریعے ذرا سی دیر میں معلومات ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی تھیں۔ دہلی میں بیٹھے ہوئے حکام کے لیے وہ فیکس اس بات کا کھلا ثبوت تھا کہ منظر خان بھارتیوں کو جُل دے کر کسی طرح پاکستان نکل گیا تھا اور حالات سے پریشان ہو کر وہ کراچی میں روپوشی کے دن گزار رہا تھا۔

فیکس کے متن کی وجہ سے وہ ثبوت پاکستانیوں کے سامنے پیش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بھارتیوں نے اپنے امریکی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آقاؤں سے مدد لے لی تھی اور وہ فیکس دکھا کر انہیں یقین دلا دیا تھا کہ مظہر خان کراچی میں موجود تھا۔ پاکستانی حکام اسے پکڑنے میں دانستہ بے پروائی برت رہے تھے۔

دہلی میں جان کے ہاتھوں سے ہوتا ہوا وہ فیکس دوبارہ کراچی آگیا تھا اور اس بار لیری کی تحویل میں تھا۔ شاید لیری نے اسی ثبوت کی بنا پر پاکستانی ایجنسیوں کے ساتھ ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی۔

میں نے اپنے مشن کے لیے رات کے بارہ بجے کا وقت منتخب کیا تھا۔ اس وقت سول لائنز کے رہائشی علاقے میں اتنا سناٹا ہوجانا چاہیے تھا کہ ہمیں چندن کو اس کے فلیٹ سے نکال کر واپس روانہ ہونے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

میرے ایما پر اول خان نے فون پر صدف مینشن سے رابطہ کرکے جلال کو اس پروگرام سے آگاہ کردیا۔ اگر سب کچھ توقع کے مطابق ہوتا چلا جاتا تو رات کے ایک بجے تک چندن کو ہر حال میں اسٹیشن فور پہنچ جانا چاہیے تھا۔

ان دونوں کے فون پر براہِ راست مذاکرات ہوئے تو جلال کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اول خان کو سرے سے اجلاس کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا۔ وہ فکرمند تھا کہ ایس ٹی ایف کی طرف سے اجلاس میں شرکت کے لیے کسی نئے آدمی کو نامزد کیا گیا تو شاید وہ لیری کے سوالوں کا کامیابی سے سامنا نہ کرسکے مگر وہ اس بارے میں بے بس تھا۔ ایس ٹی ایف کے چیف تک کسی کی بھی رسائی نہیں تھی۔ وہ اپنے فیصلے خود کرنے کا عادی تھا۔

میں نے اول خان کو اپنے پاس بلاتے ہوئے یہ عندیہ دے دیا تھا کہ میں چندن کے خلاف کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے کا ارادہ کرچکا تھا اس لیے وہ اپنے ساتھ ایک اپریٹس بھی لیتا آیا تھا جو چندن کے گھر کی نگرانی کرنے والوں سے رابطے کے لیے کارگر تھا۔ اس نے ہمارے ڈرائنگ روم میں بیٹھے بیٹھے اپریٹس پر چارلی ون کے کوڈ پر اپنے آدمی سے رابطہ کیا اور تفصیل سے آگاہ کردیا کہ چارلی تھری کے کوڈ سے ایک شخص بارہ بجے میدان میں اترنے والا ہے۔ ان دونوں کو چندن کے گھر سے دور اور الگ تھلگ رہ کر چارلی تھری کی ہدایات کا انتظار کرنا ہوگا۔

چارلی ون کو وہاں صرف نگرانی کے کام پر مامور کیا گیا تھا۔ میری اور سلطان شاہ کی مہم جوئی اس کے لیے نئی چیز تھی۔ اسے اس کا محدود کردار سمجھانے میں اول خان کو خاصی دیر لگ گئی لیکن جب اس نے اپنی ہدایات کا سلسلہ مکمل کرکے اپریٹس آف کیا تو اسے اطمینان تھا کہ سب کچھ میری اور اس کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ اس کے آدمی کسی مرحلے پر میری راہ میں حائل ہونے کی کوشش نہیں کریں گے۔

"مجھے بہت عجیب محسوس ہورہا ہے کہ تم دونوں ایک مہم پر جارہے ہو اور میں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔" اول خان نے اپریٹس میرے حوالے کرتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ آج کی مہم بہت آسان ہوگی۔ شاید سرے سے کوئی مزاحمت ہی نہ ہو۔ تم کو فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے اسے تسلی دی۔

"اس بھول میں نہ رہنا کہ چندن نے اپنے فلیٹ میں کسی لڑکی کو بلایا ہوا ہے تو وہ دنیا و مافیہا سے غافل ہوگا۔" اس نے مجھے آگاہ کیا "اگر وہ واقعی پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ ہے تو سوتے ہوئے بھی دیکھ سکتا ہے۔ ایسے لوگ رنگین مزاج اور بہت

موت کے سوداگر کا
پانچواں اور چھٹا حصہ شائع ہوگیا ہے

بڑے شہروں میں ہمارے سول ایجنٹ یہ ہیں

الکوثر نیوز ایجنسی — فریئر مارکیٹ۔ کراچی — فون: 7723601

شفیق نیوز ایجنسی — اخبار مارکیٹ۔ 1 اسپتال روڈ لاہور۔ فون: 7124584 7358249

اشرف بک ایجنسی — کمیٹی چوک۔ راولپنڈی — فون: 5531610

شائلہ بک ایجنسی — محلہ چوہدری پارک۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ — فون: 515011

شمع بک اسٹال — بھوآنہ بازار۔ فیصل آباد — فون: 613449

کتابیات پبلی کیشنز
رضوان چیمبرز۔ بلوریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ
فون: 5802551 فیکس: 5802552-5895313
kitabiat1970@yahoo.com
پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سفاک ہوتے ہیں۔ میں اسٹیشن فور پہنچ کر تمہارے لیے دعا گو رہوں گا۔"

"تمہیں اب گھر جانا چاہیے۔ اسٹیشن فور پر تمہاری موجودگی ضروری نہیں ہے۔ قیدی کو تمہارے آدمیوں کے حوالے کر کے ہم بھی گھر آجائیں گے۔ اس سے پوچھ گچھ کی ابتدا صبح کی جائے گی۔"

"تم گھر آؤ یا کہیں اور جاؤ' میں قیدی کے پہنچنے تک اپنے دفتر میں رہوں گا۔ تمہارا مشن مکمل ہونے کے بعد میں اپنے گھر یا آرام کے بارے میں سوچوں گا۔" اس نے دو ٹوک الفاظ میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"تمہارے پاس ایسے وسائل ہیں کہ گھر پر رہ کر بھی تم پل پل کے حالات سے باخبر رہ سکتے ہو....."

اول خان نے مجھے آگے بولنے کا موقع نہیں دیا "مشن تمہارا ہے۔ اس کے بارے میں فیصلے کرنے کا اختیار تم کو ہے۔ اب تم میرے فرائض میں دخل اندازی مت کرو۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ کس وقت کیا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ میں ان فرائض سے روگردانی نہیں کر سکتا۔"

"اول خان کی بات اصولی ہے۔" ویرا نے دخل انداز ہوتے ہوئے کہا "دونوں اپنے اپنے کام دیکھو۔ دوسرے کے کام میں خلل مت ڈالو۔"

اس گفتگو کے بعد وہ زیادہ دیر تک ہمارے ساتھ نہیں رکا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کا دل بوجھل ہو رہا تھا۔ اس وقت اسے دہری مار پڑی تھی۔ میں نے جلال کے ایما پر اسے اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ دوسری طرف اسے اگلے دن کے اجلاس میں نمائندگی کے سلسلے میں نظر انداز کر دیا گیا تھا۔

کہنے کو اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی جان بچ جانے پر خوش تھا مگر میں جانتا تھا کہ آدمی زبان سے کچھ بھی کہتا رہے' اس کی پیشہ ورانہ انا کو اسی وقت تسکین ملتی ہے جب اس کے سر پر بھاری ذمے داریوں کا بوجھ ڈالا جائے۔ اس بار ایس ٹی ایف کے بڑے نے کسی اور کو اس بوجھ کا اہل سمجھ لیا تھا۔

اول خان کو رخصت کرنے کے بعد میں نے اپنی تیاری کے امکانات کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ سلطان شاہ بہت خوش تھا کہ اس بار اسے ویرا پر فوقیت دی گئی تھی۔ وہ بھی کیل کانٹے سے لیس ہونے کے ارادے سے اپنے کمرے میں جا گھسا تھا۔

دونوں عورتیں بہت حوصلہ مند اور اپنی حفاظت کے معاملے میں خود کفیل تھیں پھر بھی انہیں گھر میں محصور رہنے کی ہدایات دے کر پونے بارہ بجے میں سلطان شاہ کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

سڑکیں اس وقت دور تک خالی نظر آرہی تھیں۔ سلطان شاہ نے مین روڈ پر آتے ہی گاڑی کی رفتار بڑھانی شروع کر دی۔

اس وقت ایس ٹی ایف کے دو آدمی میری مدد کے لیے شکار گاہ کے اطراف میں موجود تھے۔ ان سے میرا کوئی تعارف نہیں تھا۔ میں نے اپریٹس آن کر کے چارلی ون کے لیے پیغام نشر کیا تو وہ اسی لمحے لائن پر آگیا۔ ریڈیو سگنلز کے شور میں اس آواز کو شناخت کرنا مشکل تھا۔

"ہم نکل چکے ہیں اور اس وقت جیل کے قریب سے گزر رہے ہیں۔ ادھر کی کیا پوزیشن ہے..... اوور!" میں نے اپنے مخاطب سے پوچھا۔

"گھر میں سکون اور خاموشی ہے سر! روشنیاں جل رہی ہیں۔ لڑکی ابھی بھی اندر ہے۔ سی جی اس کے ساتھ ہے..... اوور!"

"واپسی پر تم ہمارے پیچھے آؤ گے۔" میں نے اسے ہدایت کی "قائداعظم کے مزار کے پیچھے والی سڑک پر رک کر تم مجھ سے سامان لو گے اور پھر تیزی سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاؤ گے..... وہاں چیف صاحب تمہارا انتظار کریں گے۔ اوور اینڈ آل۔"

ہمارا سفر تیزی سے جاری رہا۔ میرے ذہن میں اول خان کا بتایا ہوا نقشہ محفوظ تھا۔ ہم پی آئی ڈی سی ہاؤس سے آگے نکل کر بغلی گلی میں مڑے تو رات کے بارہ بجنے میں صرف ایک منٹ باقی رہ گیا تھا اور اس سڑک پر دور تک سناٹے کا راج نظر آرہا تھا۔

کاروباری علاقے سے ملحق ہونے کی وجہ سے دن کے اوقات میں وہ سڑک گاڑیوں کے ہجوم سے ایسی اٹی ہوئی ہوتی تھی کہ وہاں سے گزرنا محال ہو جاتا تھا مگر اس وقت وہاں ویرانی کا راج تھا۔ سڑک کے کناروں پر کہیں کہیں اِکا دُکا گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔

میں اپنے بائیں ہاتھ پر عمارتیں گن رہا تھا۔ وہ شہر کا قدیم علاقہ تھا۔ وہاں کی دفتری اور رہائشی عمارتیں بھی پرانی ساخت کی تھیں۔ جدید طرز کی کثیر المنزلہ عمارتوں کی تعمیر کا سلسلہ وہاں اس وقت تک شروع نہیں ہوا تھا۔ سلطان شاہ نے ساتویں عمارت سے ذرا آگے گاڑی روک دی۔

اس سڑک پر آتے ہی میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہاں عمارتوں پر الگ الگ چوکیدار مامور نہیں تھے۔ علاقے کے مکینوں نے اپنے مال و اسباب کے لیے شاید کسی گشتی چوکیدار پر انحصار کیا ہوا تھا۔ جو اس وقت آس پاس نظر نہیں آرہا تھا۔ ہم دونوں بیک وقت اپنی اپنی سمت کے دروازے کھول کر گاڑی سے نیچے اترے۔ میری متجسس نگاہیں اول نہان کے دونوں آدمیوں کی تلاش میں ہر طرف بھٹک رہی تھیں لیکن ان کا کہیں پتا نہیں تھا۔

ساتویں عمارت کے عین مقابل' چار دیواری میں گھرا ہوا ایک خالی پلاٹ گھور سیاہی میں ڈوبا ہوا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ایس پی ایف کے آدمیوں نے اسی پلاٹ کی تاریکی میں پناہ لی ہوئی تھی۔ وہاں سے وہ اپنے مطلوبہ مکان پر آسانی سے نظر رکھ سکتے تھے۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ ہم ایک خطرناک زون میں داخل ہو چکے تھے جہاں ہمارا کسی حریف کی نظروں میں آنا مہلک ثابت ہو سکتا تھا۔ وقت کے تیز ترین استعمال کے لیے میری نگاہیں بے چینی سے ساتویں عمارت اور اس کے قرب و جوار کا جائزہ لے رہی تھیں۔

وہ احاطے کی دیوار سے محروم ایک پرانی سی چار منزلہ عمارت تھی۔ اس کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ابتدا میں تین منزلہ رہی ہوگی۔ اس کی چھت پر واقع چوتھی منزل بعد میں تعمیر کی گئی تھی کیونکہ اس کی ساخت بقیہ تین منزلوں سے یکسر مختلف اور قدرے جدید طرز کی تھی۔

بادی النظر میں یوں معلوم ہو رہا تھا کہ اس عمارت کے داخلی زینوں کے ساتھ' ہر منزل پر دو رہائشی فلیٹ واقع تھے جو اگر کشادہ نہیں تھے تو تنگ بھی نہیں کہے جا سکتے تھے۔ کمروں کے سائز کا اندازہ سڑک کی سمت میں کھلنے والی کھڑکیوں اور روشن دانوں سے ہو رہا تھا۔ عمارت کی ابتدائی تین منزلوں کی اونچائی مروج معیار سے زیادہ تھی۔ اونچی چھتوں والے ان فلیٹوں میں تازہ ہوا کی مناسب گردش کے لیے بنائے ہوئے روشن دان خاصے منفرد نظر آرہے تھے۔

ایک سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ روشن کھڑکیوں اور روشن دانوں پر مضبوط آہنی گرل کا جال نظر آرہا تھا۔ اس رکاوٹ کی موجودگی میں یہ امکان نہیں رہا تھا کہ گراؤنڈ فلور پر واقع چندن کے فلیٹ کی کسی کھڑکی کا شیشہ توڑ کر ہم اطمینان سے اندر داخل ہو سکیں۔

میرے لیے زیادہ دیر تک گاڑی کے قریب کھڑا رہ کر سوچنا خطرناک تھا۔ ہم دونوں کسی نادیدہ نگہبان کی نظروں میں آسکتے تھے۔

نقصان

ماہر نفسیات "مبارک ہو' آپ کا علاج ہو گیا۔ اب آپ بالکل ٹھیک ہیں۔"

دماغی مریض "کیا فائدہ ایسے علاج کا.... آپ کے پاس آنے سے پہلے میں فرانس کا بادشاہ تھا۔ اب میں ایک عام آدمی ہوں۔"

ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں بیم گن کے استعمال کا خیال آیا۔ ہم اس کی مدد سے بہت تیزی سے کسی تاریک کھڑکی کی گرل کاٹ سکتے تھے مگر اس عمل میں کئی خطرات پوشیدہ تھے۔ رات کی گہری تاریکی میں بیم گن کی تیز نیلگوں روشنی کو چھپانا ممکن نہیں تھا۔ اندھیرے میں چمکنے والی وہ غیر معمولی روشنی کسی کی بھی توجہ اپنی طرف مبذول کرا سکتی تھی۔ وہ امکان خارج ہونے کے بعد واحد صورت یہ رہ جاتی تھی کہ چندن کے فلیٹ میں اس کے دروازے سے داخل ہونے کی کوشش کی جائے۔

میں سر کی ہلکی سی جنبش سے سلطان شاہ کو اپنی تقلید کا اشارہ کرتا ہوا عمارت کے اس راستے کی طرف بڑھ گیا جہاں سے زینے اوپری منزلوں کی طرف جا رہے تھے۔ اس جگہ ایک بلب روشن تھا جو اس مختصر سی جگہ کی تاریکی دور کرنے کے لیے کافی تھا۔

"کیا دروازے پر دستک دینے کا ارادہ ہے؟" میرے ساتھ بڑھتے ہوئے سلطان شاہ نے ہذیانی انداز میں سرگوشی کی۔

"اس کے علاوہ اور کیا چارہ ہے؟" میں نے ازراہِ تمسخر کہا۔ اس خطرناک مرحلے پر یکایک میرا سکون بحال ہو چکا تھا اور شاید مزاح کی حس بھی جاگ اٹھی تھی۔

"دروازہ توڑ دو۔ اسے ہوشیار کر کے گھر میں گھسنا شامت کو دعوت دینے کے برابر ہوگا۔" اس نے اضطراری لہجے میں کہا۔

میں دل ہی دل میں اس کی بوکھلاہٹ سے محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ بات میرے ذہن میں پہلے سے بیٹھی ہوئی تھی کہ وہ خاصا گنجان آباد علاقہ تھا جہاں متوسط طبقے کے قانون پسند شرفا رہتے تھے۔ اگر چندن کو زیر دام آنے سے پہلے خطرے کا ذرا بھی ادراک ہو جاتا تو وہ شور مچا کر ایک ہنگامہ کھڑا کر سکتا تھا۔ اس کی ایسی کوئی ہنگامہ آرائی ہمارا پورا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منصوبہ ٹھپ کرسکتی تھی۔

میں نے جوں ہی عمارت کی حدود میں قدم رکھا' میرے ذہن میں اچانک ایک محفوظ ترکیب آگئی۔

وہ عمارت پوری طرح آباد ضرور تھی لیکن فلیٹوں کے مکین اپنے دروازوں پر بیٹھے ہوئے نہیں ہوسکتے تھے۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔ ان میں سے بیشتر اپنی آرام دہ خواب گاہوں میں سو چکے ہوں گے جو جاگ رہے تھے' وہ بھی اپنے گھر کی حدود میں کہیں نہ کہیں مصروف ہوں گے۔ یہ امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ کوئی ہم دونوں کو چندن کے فلیٹ کے دروازے پر موجود پاکر شکوک و شبہات کا شکار ہوجاتا۔

دوسری طرف چندن کے فلیٹ کی اندرونی صورتِ حال بھی میرے پیش نظر تھی۔ وہ اپنے بیوی بچوں کو عمر کوٹ چھوڑ کر کراچی میں رضاکارانہ تجرد کی زندگی گزار رہا تھا۔ وہ ہفتے میں ایک بار اپنے گھر ضرور جاتا تھا لیکن اس کی حرکتوں سے اس کی اوباشانہ طبیعت کا کھلا اظہار ہوتا تھا۔ یہ بات ہمارے حق میں تھی کہ اس رات چندن نے اپنی دل بستگی کے لیے ایک لڑکی کو اپنے فلیٹ میں بلایا ہوا تھا۔ شراب اور شباب کی دستیابی نے اس کی سرگرمیوں کو یقینی طور پر خواب گاہ کے آرام دہ بستر تک محدود کیا ہوا ہوگا۔ ایسے میں اس کے فلیٹ کے داخلی دروازے کے قفل پر بیم گن آزمائی جاتی تو اس کے متوجہ یا ہوشیار ہونے کا امکان نہیں تھا۔

اس خیال کے ساتھ ہی میرا ہاتھ اپنی جیکٹ میں رینگ گیا۔ میں معمول کی رفتار سے راستہ طے کرتا ہوا چندن کے فلیٹ کے دروازے پر پہنچا تو میرا ہاتھ بیم گن کے سرد آہنی دستے پر جم چکا تھا۔ میں نے لمحہ بھر رک کر دوسرے فلیٹ کے بند دروازے اور اوپری زینوں پر نگاہ ڈالی پھر سرعت سے بیم گن کا نوزل ہضمی قفل کے کی ہول پر رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ چند ہی لمحوں بعد بیم گن دوبارہ میری جیب میں منتقل ہوچکی تھی۔

سلطان شاہ نے احتیاط سے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا اور اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس رات چندن کے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے۔ اپنی کسی خوش بدن مہمان کی بھرپور پذیرائی میں ڈوب کر وہ دروازے کو اندر سے بولٹ کرنا بھول گیا تھا۔

میں نے دروازے میں ہلکی سی جھری پیدا کرکے ڈرتے ڈرتے اندر جھانکا۔ روشن راہداری سے کوئی متنفس نظر نہیں آیا لیکن ایک طرف سے کسی کے ابکائیاں لینے کی آواز آئی۔ چشم زدن میں مجھے اندازہ ہوگیا کہ کھانے اور پینے میں بے اعتدالی چندن پر اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔ وہ کہیں مدہوش پڑا قے کررہا تھا۔ وہ گھر میں گھسنے کا بہترین موقع تھا۔

میں نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ بے آواز قبضوں پر پٹ گھومتے ہی ہمارے داخلے کی راہ ہموار ہوگئی۔ ہم دونوں پھرتی سے اندر گھس گئے۔ سلطان شاہ دروازہ بند کرکے بولٹ کرنے کے لیے رکا اور میں اتنی دیر میں ابکائی کی آوازوں کے سہارے چندن کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔

کمرے میں ہلکی اور خواب ناک روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کنگ سائز کی آرام دہ مسہری پر مرمریں بدن والی ایک نیم برہنہ لڑکی شرمناک حالت میں بے سدھ پڑی ہوئی تھی اور کمرے کی فضا الکحل اور جلے ہوئے تمباکو کے دھوئیں کی تیز بو سے بوجھل ہورہی تھی۔ قالین پر لڑھکی ہوئی اسکاچ کی خالی بوتل ان دونوں کی گزری ہوئی مصروفیات کی داستان سنا رہی تھی۔

کمرے میں اس لڑکی کے سوا کوئی متنفس نہیں تھا۔ وہ اپنی آنکھیں موندے مدہوش پڑی ہوئی تھی۔ چندن باتھ روم میں گھسا الٹیاں کررہا تھا۔ خواب گاہ کے نرم قالین پر میں بہت تیزی سے آگے بڑھا اور کمرے سے ملے ہوئے روشن غسل خانے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ وہ اپنے بدن پر صرف ایک ڈھیلا نیکر پہنے واش بیسن کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔

چندن کی نم آلود آنکھوں نے واش بیسن پر لگے ہوئے آئینے میں میرا عکس دیکھا تو اس کے چہرے پر یکایک خوف کی زردی پھیل گئی۔ اس نے تیزی سے میری طرف پلٹنا چاہا مگر میں نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا۔ وہ نشے میں تھا اور میں پوری طرح ہوش و حواس میں تھا۔ میں نے واش بیسن کے سامنے ہی اس کی گردن دبوچ لی۔ اس کے حلق سے بس ایک مختصر سی بے معنی آواز نکلی اور پھر اس کے ہاتھ پیر جواب دیتے چلے گئے۔ وہ کھڑے کھڑے لڑکھڑا کر باتھ روم کے سفید ٹائلوں والے فرش پر ڈھیر ہوگیا۔

اول خان سے ملی ہوئی انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے سے چندن کے بدن میں اترنے والے سریع الاثر سیال نے اسے دیکھتے ہی دیکھتے پچھاڑ دیا تھا۔

میرے لیے چندن کا وہ انجام اتنا پُریقین تھا کہ میں نے اسے چھونے یا چھیڑنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں اس سے فارغ ہوکر دوبارہ خواب گاہ کی طرف پلٹا تو سلطان شاہ بہت برے برے منہ بناتا ہوا چندن کی خوش بدن مگر بے شرم مہمان کے برہنہ تن کو چادر سے ڈھانپ رہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ مدہوش بلکہ بے ہوش پڑی ہوئی ہے تو بلاوجہ اس سے کیوں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہو؟" میں نے دانستہ سلطان شاہ سے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ چندن کے فلیٹ میں گھسنے سے پہلے میں جس شدید اعصابی دباؤ میں مبتلا تھا' وہ یکایک ختم ہو چکا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس مشن کے اصل حریف کے زیر ہوتے ہی میری ظرافت کی سوئی ہوئی حس بیدار ہو چکی تھی۔

"میں چھیڑ رہا ہوں!" سلطان شاہ نے پھاڑ کھانے والے انداز میں دبی دبی سرگوشی کی "تم نے دیکھا نہیں کہ یہ بے شرم کیسی حالت میں بستر پر پڑی ہوئی تھی۔"

"تم درست کہہ رہے ہو" میں نے دھیمی آواز میں اطمینان سے جواب دیا "میں نے بھی اسے دیکھا تھا مگر بے ضرر سمجھ کر نظرانداز کر دیا اور اپنے اہم شکار کی طرف بڑھ گیا۔ تم نے اسے دیکھا تو بس اسی میں الجھ کر رہ گئے۔"

"اسے بھی کسی نہ کسی کو دیکھنا تھا۔" سلطان شاہ نے لڑکی کی برہنہ پنڈلیوں پر چادر کا ایک گوشہ ڈالتے ہوئے اس بار قدرے بے پروائی سے جواب دیا "ہم دونوں ایک شکار پر پل پڑتے تو یہ سراسر وقت کا ضیاع ہوتا۔"

"چندن بے ہوش ہو چکا ہے۔ اب ہمیں ان دونوں کو یہاں سے نکال کر گاڑی میں پہنچانا ہے" وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے میں نے اپنے مذاق کو طول دینے کی کوشش نہیں کی۔ میری دانست میں وہ اگلا کام اس مہم کا مشکل ترین مرحلہ تھا۔

"میں چندن کو کندھے پر لاد لیتا ہوں۔ تم لڑکی کو اٹھالو" سلطان شاہ نے جھٹ تجویز پیش کر دی۔

میرے سرسری مذاق کے جواب میں اس کی وہ تجویز بری نہیں تھی۔ لڑکی کے نازک سراپا کے مقابلے میں چندن کا وجود خاصا بھاری تھا۔

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا اور میں چندن کی بے ہوشی کے بعد والی صورتِ حال کا ذہنی تجزیہ کرنے میں مصروف تھا۔

ہم اس گلی کی ساتویں عمارت کے زیریں فلیٹ میں موجود تھے۔ ہماری گاڑی عمارت کے قریب موجود تھی اور عمارت کے گرد کوئی احاطہ نہیں تھا' باہر دھندلائی ہوئی ناکافی روشنی بلکہ بڑی حد تک تاریکی کا راج تھا۔ اس وقت رات کے بارہ بج چکے تھے اور شہر کے کاروباری علاقے کے قلب میں رہنے والے بیشتر شرفا اپنے اپنے گھروں میں گھسے ہوئے تھے۔ باہر کسی گشتی چوکیدار کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ خطرہ کم ہی تھا کہ کوئی ہمیں دو بے حس و حرکت ہیولوں کے ساتھ چندن کے فلیٹ سے نکل کر گاڑی تک جاتے ہوئے دیکھ لیتا اور شور مچا دیتا۔ ایسی کوئی نازک پوزیشن پیدا ہونے کی صورت میں تاریک پلاٹ کے احاطے میں چھپے ہوئے ایس ٹی ایف کے کارکن ہماری مدد کے لیے میدان میں کود سکتے تھے۔ وہ پیشہ ور لوگ تھے۔ لڑنے بھڑنے اور صاف بچ نکلنے کے فن میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ وہ ہوائی فائرنگ کر کے یا کسی اور حرکت کے ذریعے ایسی ہڑبونگ مچا سکتے تھے کہ ہمیں اپنی کار تک پہنچنے میں کسی مداخلت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

میں نے سلطان شاہ کے مشورے پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ برہنہ لڑکی کو میں بستر کی چادر میں سمیٹ کر آسانی سے باہر لے جا سکتا تھا۔ اسی لمحے میرے دماغ میں ایک کوندا سا لپکا اور میرے بڑھتے ہوئے قدم فرشی قالین میں گڑ کر رہ گئے۔

میں بیم گن سے دروازے کا قفل کاٹ کر فلیٹ میں داخل ہوا تو لڑکی چندن کی پلائی ہوئی شراب اور اپنے شباب کے نشے میں اتنی مدہوش تھی کہ اسے فلیٹ میں ہم دونوں کے داخلے کا علم ہو سکا تھا نہ وہ ہمیں دیکھ لینے کے قابل تھی۔ وہ ایک آبروباختہ اور شاید پیشہ ور لڑکی تھی جو چندن کا دل بہلانے کے لیے اس رات وہاں آئی ہوئی تھی۔ ہوش میں آنے کے بعد اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکتا تھا کہ فلیٹ میں کون لوگ آئے تھے اور چندن کو کیوں اٹھا کر لے گئے۔

وہ سو فیصد ایک غیر متعلقہ فریق تھی جو محض اپنی بدقسمتی کی وجہ سے وہاں آن پھنسی تھی۔ ہمیں اپنے کام کے سلسلے میں اس سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ اس کے برعکس وہ اسٹیشن فور کے اہل کاروں کے لیے وبال بن سکتی تھی۔

میرے خیالات کی دوسری رو اتنی قوی تھی کہ میں نے اسی لمحے لڑکی کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ سلطان شاہ باتھ روم کے دروازے پر کھڑا میرے اشارے کا منتظر تھا۔ میں لڑکی کو بھول کر اس کی طرف بڑھ گیا۔

"میں لڑکی کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا" مجھے باتھ روم کی طرف آتا ہوا دیکھ کر وہ مچل گیا "اسے تم اٹھا کر لے جاؤ گے۔"

"بک بک مت کرو" میں نے نیچی آواز میں اسے ڈانٹا "لڑکی ہمارے لیے بے کار ہے۔ وہ ہوش میں آنے کے بعد کسی کو کچھ نہیں بتا سکے گی۔"

"تم آگے چلو' میں بے ہوش مرد کو کندھے پر لاد کر لاتا ہوں" سلطان شاہ نے مستعدی سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لڑکی کا کانٹا دور ہو جانے کے بعد چندن کو پشت پر لاد کر باہر لے جانا مناسب نہیں تھا۔ ہم دونوں اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے صفائی سے اپنی گاڑی کی پچھلی نشست تک لے جا سکتے تھے۔ کوئی ہماری جھلک دیکھ بھی لیتا تو یہ سمجھ کر نظرانداز کر دیتا کہ دو مددگار کسی مریض یا شرابی کو سہارا دے کر عمارت سے لے جا رہے ہیں۔

چند لمحوں میں چندن کا وجود ہمارے شانوں کے سہارے درمیان میں جھول رہا تھا۔ ہم دونوں نے پیش قدمی شروع کی تو چندن کے بے جان پیر فرش اور پھر قالین پر نرمی سے گھسٹ رہے تھے۔

نکاس کے دروازے کے قریب میں ذرا آگے نکل کر ترچھا ہو گیا۔ فلیٹ چھوڑنے سے پہلے میں نے لمحہ بھر کے لیے اپنا سر دروازے سے باہر نکال کر عقابی نظروں سے قرب وجوار کا جائزہ لیا اور میدان صاف پا کر آگے بڑھ گیا۔

رات کے گہرے سناٹے میں کنکریٹ کے فرش پر چندن کے ننگے پیر گھسٹنے کی آواز خاصی نمایاں تھی۔ چندن کا قد ہم دونوں سے خاصا دبتا ہوا تھا۔ میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں سلطان شاہ کو ہدایت کی "اسے اوپر اٹھاؤ۔ پیر زمین پر نہ لگنے پائیں۔"

اس نے چند ثانیوں کے لیے رک کر زور لگایا۔ میں نے بھی کوشش کی مگر ہم دونوں اس وزنی لاش کو فضا میں معلق نہ کر سکے۔

زینوں والے بند اور قدرے روشن گلیارے سے کھلی فضا میں نکلتے ہی میرا بدترین اندیشہ حقیقت کا روپ دھار کر سامنے آ گیا۔

اس عمارت میں کوئی چوکیدار نہیں تھا مگر علاقے میں رات کو گشت کرنے والا چوکیدار دور سے چلا آ رہا تھا۔ داہنی طرف دور سے سڑک پر اس کے ڈنڈے کی آواز آ رہی تھی۔

"تیز چلو" میں نے چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان کہا "اس کے پہنچنے اور کچھ سمجھنے سے پہلے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

ہم عمارت سے نکل کر بائیں طرف کھڑی ہوئی کار کی طرف مڑے تو چوکیدار ٹھیک ہماری پشت پر تھا۔ اس سڑک پر پھیلی ہوئی دھندلی روشنی میں شاید اس نے دور ہی سے دو افراد کے کندھوں پر جھولتے ہوئے تیسرے آدمی کو دیکھ لیا جس کے بدن پر کپڑوں کے نام پر صرف ایک نیکر نظر آ رہا تھا۔ پختہ سڑک پر چوکیدار کے قدموں اور ڈنڈا مارنے کی آوازوں میں یک بیک تیزی آ گئی اور اسی کے ساتھ میرے تنفس کی رفتار بڑھنے لگی۔

میں نے رک کر اپنا قیمتی وقت برباد کرنے اور مڑ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ بس پوری قوت مجتمع کر کے چند قدم دور کھڑی ہوئی اپنی گاڑی کی طرف بڑھتا رہا۔ اس وقت وہ مختصر سا فاصلہ مجھے میلوں پر محیط نظر آنے لگا تھا۔ میری شدید ترین خواہش تھی کہ اس کارروائی میں کوئی بے گناہ ہمارے ہاتھوں مجروح نہ ہو لیکن وقت گزرنے کے ساتھ وہ امکان تیزی سے ختم ہوتا جا رہا تھا۔

مشتبہ صورتِ حال نے شاید چوکیدار کے دل میں تجسس پیدا کر دیا تھا اور اس کے قدموں کی قریب آتی ہوئی آوازیں بتا رہی تھیں کہ اس نے سڑک پر ہماری طرف دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

ہم اپنی کار تک پہنچ چکے تھے۔ اس کے دروازے ہم نے دانستہ مقفل نہیں کیے تھے۔ میں نے دل ہی دل میں اس فرض شناس اور بے جگر چوکیدار پر لعنت بھیجی اور پچھلا دروازہ کھول کر چندن کے جسم کو بے دردی سے اندر ڈال دیا۔

سلطان شاہ اپنے بوجھ سے نجات حاصل کرتے ہی تقریباً دوڑتا ہوا گاڑی کے گرد گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک فضا میں ٹھک کی ایک دبی دبی مگر واضح آواز سنائی دی' فضا میں ایک انسانی کراہ گونجی اور کوئی بھاری وجود دھم سے زمین پر گر گیا۔

پیچھے سے آنے والی وہ علامتی آوازیں اس قدر پُراسرار تھیں کہ میں بے ساختہ پیچھے مڑنے پر مجبور ہو گیا۔

چوکیدار کے قدموں اور ڈنڈے کی آوازیں یکایک مفقود ہو چکی تھیں۔ وہ ایک سکڑے ہوئے وجود کی صورت میں ہم سے دس پندرہ فٹ کے فاصلے پر سڑک کے کنارے پڑا ہوا تھا اور ایک دبلا پتلا شخص اپنے ہاتھ میں رائفل لیے دبے قدموں سے تاریک پلاٹ کے احاطے کی دیوار کی طرف دوڑا جا رہا تھا۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس مسلح اور مخنی شخص نے کسی بندر کی سی پھرتی سے احاطے کی دیوار عبور کی اور پھر اندر کی تاریکی اسے نگل گئی۔

محاذ پر پیدا ہونے والی ہلچل ختم ہو چکی تھی۔ شاید ایس ٹی ایف کے کسی چھپے ہوئے کارکن نے چوکیدار کو ہم سے دور رکھنے کے لیے اپنی کمین گاہ سے باہر نکل کر اس کی کھوپڑی پر اپنی آہنی رائفل کا دستہ بجا دیا تھا۔

میرے لیے قیدی کے ساتھ وہاں رکنا خطرناک تھا۔ جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ ہوا تھا' وہ ہمارے حق میں تھا۔ میں گاڑی کا دروازہ کھول کر پھرتی سے پسنجر سیٹ پر سوار ہوگیا۔ سلطان شاہ انجن اسٹارٹ کرچکا تھا۔ میرے سوار ہوتے ہی گاڑی نے تیزی سے یُوٹرن لیا اور پھر اس گلی سے نکلتی چلی گئی۔

بے چارہ چوکیدار بدستور سڑک کے کنارے بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ اس کا موٹا اور لمبا ڈنڈا لڑھک کر اس سے دور چلا گیا تھا۔

"یہ کون پڑا ہوا ہے؟" چوکیدار کے قریب سے گزرتا ہوا سلطان شاہ تحیرزدہ آواز میں سوال کر بیٹھا۔ شاید وہ چندن کو سنبھالنے میں اتنا زیادہ منہمک تھا کہ اس نے اپنے عقب سے آنے والے صوتی تاثرات پر سرے سے دھیان نہیں دیا تھا۔

"گلی میں گشت کرنے والا رات کا چوکیدار معلوم ہوتا ہے" میں نے پیکٹ میں سے سگریٹ منتخب کرتے ہوئے سکون سے جواب دیا۔

"یہ اندازہ اس کے موٹے اور بھاری ڈنڈے سے میں نے بھی کرلیا تھا۔ وہ سڑک پر بے سدھ کیوں پڑا ہوا ہے؟ اسے کس نے ماردیا؟"

"پتا نہیں۔ میں تمہارے ساتھ کام میں لگا ہوا تھا" میں نے مختصر سا جواب دے کر اسے ٹالنا چاہا۔ حقیقت یہ تھی کہ چوکیدار کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا' مجھے بھی اس کا صحیح علم نہیں تھا۔ جو کچھ تھے میرے اندازے تھے۔ میں ان اندازوں کی بنا پر کوئی جواب دے کر بات کو طول نہیں دینا چاہ رہا تھا۔

وہاں جو کچھ ہوا تھا' اس کا صحیح جواب اول خان ہی دے سکتا تھا مگر میں اپنے قیاسات کی بنا پر دل میں ایس ٹی ایف والوں کی مستعدی کا معترف ہوچکا تھا۔ وہ جہاں بھی ہوتے تھے' بروقت حرکت میں آتے تھے اور دشمن پر کاری ضرب لگا کر لوٹ جاتے تھے۔ مجھے یاد نہیں تھا کہ کبھی کسی مہم میں ان کی شمولیت یا مداخلت کی وجہ سے مجھے کسی خسارے سے دوچار ہونا پڑا ہو۔ اس وقت بھی ان کا کوئی آدمی غیبی تائید کی صورت میں اچانک نمودار ہوا تھا۔ اگر علاقے کا چوکیدار ہم تک پہنچنے میں کامیاب ہوجاتا تو خاصی الجھن اور بدمزگی پیدا ہوسکتی تھی۔ سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا کہ ہماری کارروائی کا ایک چشم دید گواہ پیدا ہوجاتا' جس کے ذریعے چندن کے پُرتشدد اغوا کی کہانی آناً فاناً پھیل سکتی تھی۔

"تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ خاموش بیٹھے کیا سوچ رہے ہو؟" مین روڈ پر نکل آنے کے بعد سلطان شاہ نے مجھے ٹوکا۔

"تمہارے سوال کا صحیح جواب اول خان سے ملاقات ہونے پر مل سکے گا" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"تمہارے پاس اس کا دیا ہوا اپریٹس موجود ہے۔ اس پر چارلیوں سے بات کیوں نہیں کرلیتے۔"

میں کام میں الجھ کر چارلی ون اور ٹو سے رابطے کی سہولت کو سرے سے نظرانداز کر بیٹھا تھا۔ اس کے یاد دلاتے ہی میں نے ڈیش بورڈ کے نچلے خانے سے اپریٹس نکالا اور اس پر چارلی ون کے لیے پیغام نشر کردیا۔ ان سے گفتگو کرنے کے لیے میرا کوڈ چارلی تھری مقرر کیا گیا تھا۔

دوسری طرف سے بلا تاخیر جواب مل گیا "چارلی ون سر! ہم لوگ آپ کے پیچھے آرہے ہیں۔ درمیان میں کوئی دوسری گاڑی نہیں ہے۔ ہماری گاڑی کے روشن ہیڈ لیمپس آپ کو اپنے عقب نما آئینے میں نظر آرہے ہوں گے.... اوور!"

اپریٹس سے ابھرنے والی آواز سلطان شاہ کے کانوں تک بھی پہنچ رہی تھی۔ اس نے فوری طور پر چارلی ون کی بات کی تائید کرڈالی۔

"ویری گڈ!" میں نے سلطان شاہ کا جواب سننے کے بعد کہا "اسی طرح ہمارے پیچھے آتے رہو۔ چوکیدار کے ساتھ کیا ہوا تھا۔"

"سر! آپ لوگوں کے باہر آنے سے پہلے ہی ہم نے اس کا ڈنڈا بجانے کی آواز سن لی تھی اور اس کو عمارت کی طرف آتا ہوا دیکھ کر مضطرب ہوگئے تھے۔ آپ کو دیکھ کر اس نے اپنی رفتار تیز کی تو میں نے اسے وہیں روک دینے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ بہت گڑبڑ پھیلا سکتا تھا۔ میں نے خاموشی سے اس کے پیچھے پہنچ کر سر پر رائفل کی بٹ سے ضرب لگائی اور کام بن گیا۔ وہ آپ سے ٹکرا جاتا تو وہاں ایک ہنگامہ کھڑا ہوجاتا۔"

"تم دونوں کہاں چھپے ہوئے تھے؟" میں نے اس سے وہ رسمی سا سوال بھی پوچھ ہی لیا۔

"ساتویں بلڈنگ کے سامنے ایک ویران پلاٹ کے اندھیرے میں ہم نے پناہ لی تھی۔"

"اوکے۔ تم اسی طرح ہمارے پیچھے آتے رہو۔ قیدی کو تمہاری گاڑی میں ڈالنے کا پروگرام اب ختم سمجھو" میں نے وہ آخری ہدایت دے کر سلسلہ وہیں ختم کردیا۔

"کیا قیدی کو اسٹیشن فور کے بجائے صدف مینشن لے جانا چاہ رہے ہو؟" اپریٹس پر بات ختم ہوتے ہی سلطان شاہ نے سوال داغ دیا۔

"تمہارے ذہن میں یہ اچھوتا خیال کیسے آگیا؟" میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے پرمزاح انداز میں پوچھا۔
"قائداعظم کے مزار کے پیچھے چندن کو ان کی گاڑی میں منتقل کرنے کا پروگرام تم نے کسی وجہ سے منسوخ کیا ہوگا۔"
میں نے سگریٹ سلگا کر سنجیدگی سے کہا "چندن گرنانی سے بازپرس کے لیے صدف مینشن اس شہر کی بہترین عمارت ہے' وہاں ملزموں سے پوچھ گچھ کے لیے تشدد سے کہیں زیادہ نفسیاتی حربوں سے کام لیا جاتا ہے جس کے لیے خصوصی عملہ موجود ہے۔ میں نے ان کے ساتھ وقت گزار کر ان کے طور طریقوں کا قریب سے مشاہدہ کیا ہے۔ اندر کے بھیانک اور نیم تاریک آسیبی ماحول میں گھستے ہی آدمی کا دل بیٹھنا شروع ہوجاتا ہے۔"
"تم نے صدف مینشن کی بات شروع کردی' میں چندن کی پوزیشن جاننا چاہ رہا تھا" اس نے میری بات کاٹ کر اعتراض کیا۔
"میں تمہیں پورا پس منظر سمجھانا چاہ رہا ہوں تاکہ تم اس موضوع پر بار بار سوالات کرکے مجھے تنگ نہ کرو" میں نے ترشی سے جواب دیا "مجھے انتخاب کرنے کا موقع میسر ہوتا تو میں چندن کو سیدھا صدف مینشن لے جاتا لیکن جلال اس معاملے سے بالکل الگ تھلگ رہنا چاہ رہا ہے تاکہ بعد میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں سے بچ سکے۔ یہ مجبوری ہے کہ ہمارے پاس اپنے قیدی کے لیے اسٹیشن فور کے سوا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔"
"تو اب تم خود اسٹیشن فور تک دوڑ لگانے کا ارادہ کرچکے ہو؟" اس نے دوبارہ قطع کلامی کی۔
"جب اول خان قیدی کے انتظار میں' اپنے بیوی بچوں کو بھول کر وہاں بیٹھا رہ سکتا ہے تو ہمیں وہاں جانے میں کیا قباحت ہے؟"
"کچھ بھی نہیں" وہ میرے جارحانہ لہجے پر بوکھلا گیا "اخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ ہم خود قیدی کو اس کے پاس لے جائیں۔"
"میرے فیصلے کا اخلاق سے دور کا بھی سروکار نہیں ہے۔ ایسے کاموں میں اخلاقیات پر غور کرنے والے بے دردی سے ماردیے جاتے ہیں۔ چندن ہاتھ آگیا ہے تو اب میں جلد از جلد اس کی کہانی سننے کے لیے بے چین ہوں۔ شاید اول خان بھی اسی نیت سے اپنے دفتر میں جما ہوا ہے۔"
سلطان شاہ نے واپسی کے لیے ایم اے جناح روڈ کے بجائے شارع فیصل کا راستہ لینا پسند کیا۔ مجھے اس معاملے میں دخل دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ چندن پچھلے حصے میں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ سلطان شاہ ڈرائیونگ میں مصروف تھا اور میرا ذہن آنے والے حالات وواقعات میں الجھا ہوا تھا۔
رات گئے شہر کی معروف سڑکیں بھی خالی خالی نظر آرہی تھیں۔ رات کے گہرے اندھیرے میں اسٹریٹ لائٹس کی تیز روشنی اور ہورڈنگز کی چکاچوند شہر کی خوبصورتی کو اجاگر کررہی تھی مگر کراچی کے باسی یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ اوپری لیپا پوتی باہر سے آنے والے مہمانوں کی دلفریبی کے لیے تھی ورنہ پرانے اور نئے شہر کے بہت سے علاقے ہروقت گندگی' سیلن اور تاریکی کی آماجگاہ بنے رہتے تھے۔
سلطان شاہ سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی سے ہوتا ہوا شاہراہ قائدین پر نکلا اور پھر قائداعظم کے مزار کی عقبی سڑک پر ہولیا۔ وہ وہی مقام تھا جہاں ہمیں اپنے متروک پروگرام کے تحت رک کر قیدی کو اول خان کے آدمیوں کے حوالے کرنا تھا۔
شہر کے باسیوں کے لیے رات گہری ہوچکی تھی مگر سبزی منڈی پر زندگی کی ساری چہل پہل اپنے عروج پر تھی۔ دور دراز کے زرعی علاقوں اور مضافات سے پھل اور سبزیاں لانے والے بھانت بھانت کے ٹرکوں نے ٹریفک کے قوانین کی پروا کیے بغیر یونیورسٹی جانے والی سڑک تقریباً بند کی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ کسی پیشہ ور ڈرائیور کی طرح خودکلامی کے انداز میں پک اپ اور ٹرک والوں کو برا بھلا کہتا اپنا راستہ بناتا رہا۔
آخرکار ہم اپنے گھر کے قریب سے گزر گئے۔ راستے بھر مجھے بس ایک خوف دامن گیر رہا تھا کہ کہیں پولیس کی کسی گشتی پارٹی سے سامنا نہ ہوجائے۔ ہم اپنی گاڑی میں اوپری تن سے برہنہ چندن کی موجودگی کا کوئی جواز نہیں دے سکتے تھے۔ حسن اسکوائر کے چوراہے سے آگے نکلتے ہی میرا وہ خوف یکلخت کافور ہوگیا۔ پولیس کے خوف میں مبتلا ہوکر میں یہ بات بالکل فراموش کربیٹھا تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے دو آدمی اپنی نئی کرولا میں ہمارے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ پولیس والوں سے نمٹنے کے لیے ان کی موجودگی کافی تھی۔
ایس ٹی ایف والے فوجی تھے نہ شہری' ان کے وجود سے لے کر ان کی سرگرمیوں تک' سب کچھ اس قدر خفیہ تھا کہ ان کے بارے میں کہیں کوئی ریکارڈ نہیں تھا پھر بھی سینہ گزٹ کے ذریعے چلنے والی زبانی ہدایتوں کی بنا پر ایک خصوصی درجے کے ہر انتظامی افسر کو ان کا غائبانہ تعارف حاصل تھا۔ ایس ٹی ایف والے جب بھی کہیں کھل کر سامنے آتے تھے تو ہر نفری ان کی موجودگی کا احترام کرتے ہوئے موقع سے ٹل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانے کو ترجیح دیتی تھی۔

یونیورسٹی روڈ ختم ہوگیا۔ ہم صفورا گوٹھ سے آگے نکل کر چھاؤنی کی حدود کی طرف بڑھنے لگے۔ آگے ہمیں ایک ملٹری چیک پوسٹ سے گزرنا تھا۔

معاً میرے ٹرانسمیٹر پر چارلی ون کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ میں نے اسے لائن پر اپنی موجودگی کی اطلاع دی تو اس نے بتایا کہ وہ اپنی گاڑی ہم سے آگے نکال لے جانے کے خواہاں تھے تاکہ چیک پوسٹ پر وقت ضائع نہ ہو۔ ہم رکے بغیر ان کے پیچھے چیک پوسٹ سے گزر جائیں۔

میں نے اس تجویز سے فوری اتفاق کرلیا۔ سلطان شاہ نے اپنی گاڑی کی رفتار قدرے کم کی اور اسے بائیں طرف دبالیا۔ ایس ٹی ایف والوں کی کرولا زن سے ہم سے آگے نکل گئی۔

ایس ٹی ایف کے اہل کار فوجی جوانوں کے لیے اجنبی نہیں تھے۔ وہ رکے بغیر، محض رفتار قدرے کم کرکے آگے نکل گئے۔ وہاں سے گزرتے ہوئے ان میں سے کسی نے فوجی سنتری کو ہماری گاڑی کے بارے میں بتادیا تھا اس لیے ہمارے گزرنے تک رکاوٹ اٹھی رہی۔ فوجی نے بھی ہمیں ہاتھ کے اشارے سے گزر جانے کا سگنل دے دیا تھا۔

جس طرح فوج میں کور اور ڈویژن سے لے کر یونٹ کی سطح تک ہر چھوٹے بڑے گروپ کا اپنا حفاظتی نظام ہوتا ہے اسی طرح ملٹری چیک پوسٹ سے آگے ہر حسّاس علاقے میں داخلے کے لیے شاید جا بجا رکاوٹیں موجود تھیں مگر ایس ٹی ایف کی چیک پوسٹ ہمیشہ کی طرح ہمارے لیے کھلی ہوئی تھی۔

کھلے میدان میں گونجنے والی انجنوں کی آوازیں دور سے بیرکوں میں سنی جارہی تھیں۔ ہماری گاڑیاں اول خان کے دفتر کے سامنے پہنچیں تو وہ پہلے سے اپنی بیرک کے برآمدے میں کھڑا ہمارا انتظار کررہا تھا۔ اس سے ہماری آخری ملاقات کو زیادہ وقت نہیں گزرا تھا مگر وہ مجھ سے یوں تپاک سے ملا جیسے برسوں بعد ہماری ملاقات ہورہی ہو۔

وہ میرا ہاتھ تھام کر مجھے اپنے دفتر کی طرف لے گیا۔ اس کے آدمی اسے فوجی سلام کرکے ہماری گاڑی میں پڑے ہوئے قیدی کی طرف متوجہ ہوچکے تھے۔ شاید انہیں پہلے ہی بتادیا گیا تھا کہ قیدی کو اپنے ٹھکانے پر لانے کے بعد اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے؟

"تم نے یہ نہیں پوچھا کہ تمہارے آدمیوں کے ساتھ ہم یہاں کیوں چلے آئے" میں نے اس کے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے قدرے حیرت سے کہا۔

"میں خود چندن کے انتظار میں یہاں نہ بیٹھا ہوا ہوتا تو تم سے سوال ضرور کرتا۔ مجھے معلوم تھا کہ تجسّس تمہیں چین سے گھر نہیں بیٹھنے دے گا۔ تمہاری اور چارلی ون کی گفتگو میرے ریڈیو روم میں سنی گئی تھی اور مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ تم یہاں آرہے ہو۔"

میں نے محسوس کیا کہ پچھلی ملاقات کے مقابلے میں اس وقت اول خان کا موڈ خوشگوار تھا لیکن میں اس سے ذاتی نوعیت کا کوئی سوال کرکے اس کی انا کو مجروح نہیں کرنا چاہتا تھا۔ را اور امریکی سی آئی اے کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے بارے میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے وہ عقدہ خود بخود کھل گیا۔ ایس ٹی ایف کے باس نے خود فون کرکے اول خان کو ہدایت کی تھی کہ وہ صبح چیف کلرک لیری کے ساتھ ہونے والے اجلاس میں ایس ٹی ایف کی غیر رسمی نمائندگی کرے۔

اپنے پچھلے تجربے کو مدِنظر رکھتے ہوئے اول خان نے اپنے باس سے یہ اجازت لے لی تھی کہ اگر وہ اپنی مدد کے لیے کسی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہے تو لے جاسکے۔

"اب چندن کب تک ہوش میں آئے گا؟" میں نے کرسی پر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

"اس پر زہر کے توڑ آزمائے جارہے ہوں گے۔ کسی بھی لمحے کوئی خوش خبری مل سکتی ہے" اول خان نے بتایا۔

"میرا خیال ہے کہ اس سے پوچھ گچھ کی ابتدا ہم دونوں کو خود کرنی چاہیے" میں نے محتاط لہجے میں کہا۔

اول خان بے ساختہ ہنس پڑا "تم فکر نہ کرو۔ یہ نیک کام ہم ہی سرانجام دیں گے۔ میرے آدمی صرف اسے ہوش میں لانے کی کوششیں کررہے ہیں۔ جیسے ہی وہ اپنی آنکھیں کھولے گا، میرے آدمی مجھے خبر کردیں گے اور ہم اس کے سر پر مسلّط ہوجائیں گے۔"

"پھر ٹھیک ہے" میں اطمینان سے ٹانگیں پسار کر صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔ اول خان کے کرسیوں والے کرخت مردانہ دفتر میں وہ نرم صوفہ نیا اضافہ تھا۔

"ابھی تک کسی کو کانوں کان بھی بھنک نہیں ملی ہے کہ چندن پر کوئی ناگہانی مصیبت نازل ہونے والی ہے" اول خان نے اپنے اردلی کو چائے لانے کی ہدایت دینے کے بعد کہا "میرا خیال ہے کہ صبح تک ہر طرف یہی بے خبری چھائی رہے گی۔"

"شاید اتنی دیر تک یہ خبر صیغہ راز میں نہیں رہے گی" مجھے اس کی رائے سے اختلاف تھا جو میں نے ظاہر کردیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اسے تم خاموشی سے اٹھا لائے۔ چوکیدار کو کسی مداخلت کا موقع نہیں مل سکا اور اسے ڈھیر کردیا گیا۔ صبح سے پہلے کس کو معلوم ہوگا کہ چندن غائب ہوچکا ہے؟"

"تم اس کی گرل فرینڈ کو بھول رہے ہو۔۔۔" میں نے اسے یاد دلانا چاہا مگر اس نے میری بات درمیان سے اچک لی۔

"اوہ۔۔۔ اسے تو میں بھول ہی گیا' اس کا کیا حشر ہوا؟"

"اپنا حشر وہ خود خراب کرچکی تھی۔ ہمیں اس کے بارے میں کچھ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی" یہ کہہ کر میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور اپنی بات جاری رکھی "اس کا بدن بے لباس تھا۔ سلطان شاہ نے بس اتنا کیا کہ اس کے ننگے بدن کو چادر سے ڈھانپ دیا۔"

"ہوں۔۔۔ اوں!" اول خان نے تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلا کر ایک طویل ہنکارا بھرا اور بولا "وہ لڑکی خبر پھیلا دے گی۔"

"اس لڑکی کے بارے میں سوچ سوچ کر میرا خون کھول رہا ہے" سلطان شاہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "اگر وہ بے غیرت مسلمان تھی تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ جہاں بھی نظر آئی' اس کا نرخرا دبادوں گا۔ بعد میں جو ہوگا وہ دیکھ لیا جائے گا۔"

"اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو" میں نے اسے گھورتے ہوئے سختی سے کہا "اس بات پر تاؤ کھانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ ایک مسلمان لڑکی کسی غدار ہندو کی عیاشی کا ذریعہ بنی ہوئی تھی۔ میری یہ بات یاد رکھو کہ آوارہ مردوں اور عورتوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ اس جھنجٹ میں پڑے بغیر صرف اور صرف جذبات سے چھلکتے ہوئے جوان جسموں کے طلب گار ہوتے ہیں یا دولت کے حریص۔ ان دو کے سوا انہیں کسی تیسری بات سے غرض نہیں ہوتی۔ مذہب کی بنیاد پر کسی کی آوارگی پر مشتعل ہونا سراسر غلط ہے۔ آوارگی کسی کی بھی ہو' قابلِ نفرت ہے۔"

"خوب!" اول خان نے ہولے سے دوبار تالیاں بجائیں "تم اچھی تقریر کرلیتے ہو۔ لڑکی کے بارے میں میری بات رہ گئی۔"

"میں نے فلیٹ سے نکلتے ہوئے اس بات کا دھیان رکھا تھا کہ بعد میں دروازہ بند کردیا جائے" میں نے اسے بتایا "مگر وہ لڑکی رات بھر بے ہوش نہیں رہے گی۔ رات میں کسی وقت اس کا نشہ اترے گا تو وہ اپنے بوائے فرینڈ کو گھر سے غائب پاکر پریشان ہوجائے گی۔ وہ دیوانہ وار اسے ڈھونڈے گی۔ ناکامی کے بعد اپنا سامان سمیٹ کر خاموشی سے وہاں سے فرار ہوجائے گی تاکہ چندن کی گمشدگی کے سلسلے میں اس پر کوئی الزام نہ آسکے۔"

"الزام نہ بھی آیا تو اسے تفتیش میں ضرور شامل کیا جائے گا اور چھوٹے اخبار تصویروں کے ساتھ اس کا نام اچھالیں گے۔" سلطان شاہ بولا۔

"پھر چندن کے اغوا کی خبر کون پھیلائے گا؟" اول خان کا وہ سوال منطقی تھا۔

"چوکیدار ہوش میں آتے ہی پورے محلے میں اودھم مچادے گا اور لوگ اپنے اپنے گھروں سے باہر نکلنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ اس وقت تک چندن کی گرل فرینڈ اس کے فلیٹ میں ہو یا جاچکی ہو' پڑوسیوں کی مدد سے یہ بات کھل جائے گی کہ چندن اپنے فلیٹ سے غائب ہے" میں نے جواب دیا۔

"کھل جائے۔۔۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اسے تم اٹھا لائے ہو۔"

اسی وقت اول خان کا اردلی چائے کی ٹرے لے آیا اور ہم تینوں کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔

ہم جو کچھ کہہ رہے تھے وہ ہمارے قیاسات پر مبنی تھا۔ اصل حالات وقت گزرنے کے ساتھ واضح ہوسکتے تھے۔ چندن کے ہوش میں آنے کے انتظار میں ہم باتوں میں وقت گزارتے رہے لیکن میں اس دوران میں بھی ان سوالات کو اپنے ذہن میں یک جا کررہا تھا جو چندن سے پوچھے جانے تھے۔

چندن کراچی میں بھارتی قونصل خانے کا ملازم تھا اور پاکستانی شہریت کا حامل تھا۔ حب الوطنی کا جذبہ اسے چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔ اسی وجہ سے دہلی میں بیٹھے ہوئے را کے بڑے افسران رازدارانہ مراسلت کے لیے اس پر آنکھیں بند کرکے اعتماد کرتے تھے۔ کراچی میں پھیلے ہوئے را کے نیٹ ورک میں چندن گرنانی کی جو بھی حیثیت رہی ہو' ایک بات طے تھی کہ اس کے فون یا فیکس پر کوئی غیر معمولی سہولت دستیاب نہیں تھی۔

وہ میرا اندازہ نہیں تھا بلکہ حقائق اس کی تصدیق کررہے تھے۔ وہ پوری بے فکری کے ساتھ ایک بیمار ہندو وکیل کا فون نمبر چرا کر استعمال کررہا تھا۔ اس نمبر پر وہ صرف مخصوص اوقات میں کالز وصول کرتا تھا۔ غیر متعلقہ کالز سے بچنے کے لیے اس نے یہ اصول اپنایا ہوا تھا کہ بارہ گھنٹیاں بجنے کے بعد ریسیور اٹھاتا تھا۔ اسے کوئی غیر معمولی مواصلاتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تحفظ دستیاب ہوتا تو اسے بارہ گھنٹیوں والی شرط عائد کرنے اور دوسرے کا فون چرا کر استعمال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

ڈیڑھ بجے کے قریب میں نے چندن کے گھر فون کرنے کا فیصلہ کرلیا تاکہ وہاں پائی جانے والی صورتِ حال کے بارے میں کچھ اندازہ لگا سکوں۔ اول خان اور سلطان شاہ میں سے کسی نے میرے اس فیصلے پر اعتراض نہیں کیا اور میں نے اول خان کی میز پر رکھا ہوا فون اپنے قریب کھسکا لیا۔

ریسیور میں پہلی گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔ دوسری گھنٹی مکمل ہونے سے پہلے ریسیور اٹھا لیا گیا۔

چندن گھر پر نہیں تھا۔ کسی اور کو بارہ گھنٹیوں والے اصول کا علم نہیں تھا۔ وہاں جو کوئی بھی تھا اس نے تجسس، اضطراب اور نامعلوم خوف سے مغلوب ہو کر دوسری گھنٹی پر فون کا ریسیور اٹھا لیا تھا پھر میرے کان میں ایک سرسراتی ہوئی، خوف زدہ نسوانی آواز گونج اٹھی "ہیلو..... ! کون بول رہا ہے؟" آواز میں خمار کے گہرے اثرات رچے ہوئے تھے۔

"تمہارے منحوس عاشق کا والد بزرگوار!" میں نے تلخی سے کہا "تم اب تک وہیں مری ہوئی ہو۔"

شراب کے اثرات اس کے ذہن سے صاف نہیں ہوئے تھے۔ وہ ڈری ہوئی تھی۔ میرے پُر اعتماد لب و لہجے سے نہ جانے کیا سمجھی کہ مرعوب ہو گئی اور ریسیور پر اس کی رو دینے والی آواز سنائی دی "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں۔ میں یہاں پھنس کر رہ گئی ہوں۔ باہر گڑبڑ ہو گئی ہے۔ بہت سے لوگ جمع ہیں۔ اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو رام کے لیے جلد از جلد یہاں آکر مجھے نکال لو۔ میں بھول کر بھی دوبارہ چندن سے نہیں ملوں گی۔"

اس نے بھول کر بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ چندن اس وقت کہاں اور کس حال میں تھا۔ نشے کی گرفت میں ہونے کے باوجود اسے صرف اپنی فکر تھی۔ دوسری اہم تر بات یہ ہوئی کہ میں اس کی زبان سے رام کا نام سن کر حیران رہ گیا۔ میں نے سلطان شاہ کو اشتعال سے روکنے کے لیے مذہب اور آوارہ مزاجی کے حوالے سے بہت کچھ کہہ ڈالا تھا مگر چندن کی گرل فرینڈ کی زبان سے رام کا لفظ سنتے ہی میری تجسس کی رگ بھڑک اٹھی اور میری زبان بے ساختہ چل پڑی "تمہارا نام کیا ہے؟ تم کون ہو؟"

"میرا نام شہزادی ہے، میں ایک غریب ہندو لڑکی ہوں۔" اس نے درمیان میں میلوں فاصلہ ہونے کے باوجود گویا میرا ذہن پڑھ کر جواب دیا۔

اس کا جواب سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے وجود میں ٹھنڈک کی ایک فرحت انگیز سی لہر دوڑ گئی ہو۔ اس سے مجھے مزید کچھ معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے فون کرنے کا مقصد حاصل ہو چکا تھا۔ مضروب چوکیدار کے کھڑے کیے ہوئے ہنگامے کی وجہ سے شہزادی، چندن کے فلیٹ میں محصور ہو کر رہ گئی تھی۔

"جس طرح بھی ہو سکے وہاں سے نکل بھاگو ورنہ آدھے گھنٹے بعد تم زندہ نہیں رہو گی۔" میں نے ڈراؤنی آواز میں اسے دھمکایا۔

"تت..... تم کون ہو؟ پچ..... چندن کہاں ہے؟" میری دھمکی سن کر اس نے سہمی ہوئی آواز میں پہلی مرتبہ ڈھنگ کے سوال کیے۔

میں نے اس کے سوالوں کے جواب دیے بغیر فون بند کر دیا۔

"کیا نام بتایا تھا اس نے اپنا؟" فون بند ہوتے ہی سلطان شاہ پر تجسس انداز میں پوچھ بیٹھا۔

مجھے اس کے سوال کا سبب معلوم تھا۔ اس کے دل میں ایک خلش سی تھی جو محض نام سے دور نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ وہ ایک عام سا نام تھا جو مذہب کی عکاسی نہیں کرتا۔ کئی مسلمان شہزادیوں کے سوا میرے ذہن میں اس بانکی عورت کی یاد بھی تازہ تھی جو نام کی شہزادی ہی تھی مگر داؤد کے دفتر میں صفائی کا کام کرتی تھی۔ میں نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "غصہ تھوک دو۔ اس کا نام شہزادی ہے اور وہ ہندو ہے۔ چندن نے مرنے سے پہلے جو کچھ کیا، اپنی ہم مذہب کے ساتھ کیا۔ تم کو اس پر معترض ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"حیرت ہے کہ وہ لڑکی بہت جلد ہوش میں آگئی۔" اول خان نے مسکراتے ہوئے کہا "میں سوچ رہا تھا کہ بارہ کیا، پچاس گھنٹیوں کے بعد بھی تمہیں چندن کے فلیٹ سے کوئی جواب نہیں ملے گا۔"

"شبہ مجھے بھی تھا مگر حرکت میں برکت ہوتی ہے۔ تم دیکھ لو کہ میری کوشش بار آور ثابت ہوئی۔"

"لڑکی سے بات کرنے سے کیا فائدہ ہوا؟" سلطان شاہ نے مجھ سے پوچھا۔

"پہلا فائدہ یہ ہوا کہ اس کے مذہب کے بارے میں جان کر تمہارے دل کی پھانس نکل گئی۔ دوسری طرف ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ اس وقت وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اب یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ چندن کے سرپرستوں کو صبح ہونے سے پہلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے اغوا ہو جانے کی خبر مل جائے گی۔" میں نے کہا۔

"ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہوگا۔ یہ بات طے ہے کہ صبح کے آف دی ریکارڈ اجلاس میں لیری کسی بڈھے طوطے کی طرح وہی باتیں دہرائے گا جو را اور سی آئی اے کے مفاد میں جاتی ہیں۔ اجلاس میں کچھ تلخی ترشی بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد چندن کے اغوا کی خبر نکلتی تو بھارتی اسے کسی انتقامی کارروائی کا نام دے سکتے تھے۔" اول خان نے کہا۔

"وہ تنگ نظر اور متعصب ہیں۔ اب بھی کچھ نہ کچھ گند پھیلائیں گے۔" سلطان شاہ نے اپنا سر جھٹک کر کہا۔

"گند اور حقیقت میں بہت فرق ہوتا ہے۔" اول خان اس گفتگو سے محظوظ ہو رہا تھا "اس وقت کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ بھارتی قونصل خانے کا ایک مقامی ملازم ہماری قید میں موجود ہے۔"

"اسے بھارتی قونصل خانے کا مقامی ملازم نہیں' پاکستان کا غدار کہو۔" سلطان شاہ نے نفرت اور حقارت سے جواب دیا اور جذباتی انداز میں فرشی قالین پر ہاتھ مار کر اپنی بات جاری رکھی "اس زمین نے ہمیں جو کچھ دیا ہے' ہم اپنی جانیں نثار کر کے بھی اس کا کوئی حصہ نہیں لوٹا سکتے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنی مٹی کا قرض اتارنے کے بجائے اسی مٹی کے سودے چکانے لگتے ہیں۔"

"چندن سے ملو گے تو یہ باریکی بھی تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔" میں نے نرمی سے کہا اور سلطان شاہ نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

تھوڑی دیر بعد اسٹیشن فور کے گارڈ روم سے اردلی کے ذریعے یہ خبر آئی کہ قیدی ہوش میں آرہا تھا۔

ہم تینوں اس اہم ترین خبر کے انتظار میں اپنا وقت گزار رہے تھے۔ چندن کے ہوش میں آجانے کے بعد ہمارے بیٹھے رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اول خان کی قیادت میں ہم بیرک کے اس مخصوص کمرے کی طرف چل دیے جہاں چندن کو لے جایا گیا تھا۔

عام حالات میں فوجیوں کے معمولات بہت لگے بندھے ہوتے ہیں۔ ان کی سرگرمیوں کا آغاز صبح سویرے ہو جاتا ہے۔ اس لیے فوجی آبادیوں اور چھاؤنیوں میں رات کا سکوت جلد ہی اتر آتا ہے۔ اس وقت ایس ٹی ایف کے پورے کیمپ میں روح پرور سناٹے اور خاموشی کا راج تھا مگر اول خان کے دفتر والی بیرک کے آخری سرے پر خاصی چہل پہل نظر آرہی تھی۔

ان دنوں ایس ٹی ایف والے کسی وردی کے بجائے عام شہری لباس استعمال کر رہے تھے مگر اس لباس میں بھی ایسی خوش گوار یکسانیت تھی کہ مجھ جیسے قریبی لوگ انہیں دور سے پہچان سکتے تھے۔ ان میں سے تین افراد اپنے بھرے ہوئے ہتھیار ہاتھوں میں لیے برآمدے میں موجود تھے۔ انہوں نے ایڑیاں بجا کر اپنے چیف کو سیلیوٹ کیا اور اول خان انہیں جواب دیتا ہوا کھلے ہوئے اکلوتے دروازے میں داخل ہو گیا۔

اس کمرے میں قدم رکھتے ہی مجھے پہلا ذہنی جھٹکا لگا۔ میرا اندازہ تھا کہ چندن کو کسی بستر پر ڈال کر ہوش میں لانے کی کوشش کی جا رہی ہوگی مگر مسہری پر لگا ہوا بے داغ اور سفید بستر خالی تھا۔ چندن کنکریٹ کے کھردرے فرش پر اکڑوں بیٹھا خوف زدہ نظروں سے ان دونوں افراد کو دیکھ رہا تھا جو اس کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ پورا فرش گیلا ہو رہا تھا۔ قریب ہی ٹھنڈے پانی کی ایک بالٹی' ڈونگے سمیت رکھی ہوئی تھی۔ چندن کے سر کے بالوں سے نیکر تک ہر چیز پانی میں نہائی ہوئی تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ہوش میں لانے کے لیے اسے فرش پر ڈال کر اس کے منہ اور بدن پر دل کھول کر ٹھنڈا پانی ڈالا گیا تھا۔

"سر!" کمرے میں موجود ایک آدمی نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا "جب سے یہ ہوش میں آیا ہے' اس نے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ تم لوگ کون ہو اور اس وقت میں کہاں ہوں۔" اس وقت چندن کی نظریں میرے اور اول خان کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس کا سارا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔

"تم لوگ کیوں نہیں بتاتے۔" چندن غصے اور بے بسی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ غرایا "میرا کیا جرم ہے۔ تم لوگ مجھے کیوں اٹھا لائے ہو۔ میں ایک ذمے دار سفارتی افسر ہوں۔ تم میرے ساتھ کوئی من مانی نہیں کر سکتے۔"

"سفارتی افسر سے پہلے تم پاکستانی شہری ہو۔" اول خان نے اپنے آدمیوں کو چلے جانے کا اشارہ کرنے کے بعد چبھتی ہوئی آواز میں کہا "تمہاری سرگرمیاں....."

اول خان راست گو آدمی تھا۔ وہ چندن کو سب کچھ صحیح بتانے جا رہا تھا۔ میں نے چندن کے چہرے سے اندازہ لگا لیا کہ وہ ڈھیٹ اور ضدی قسم کا آدمی تھا۔ اسے آسانی سے راہِ راست پر لانا ممکن نہیں تھا۔ اسے کوئی چکما دے کر سچ بولنے پر آمادہ کیا جا سکتا تھا۔ میں نے اول خان کی بات درمیان سے اچک لی اور اس کے کہے ہوئے الفاظ کے تسلسل کو برقرار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھتے ہوئے جواب دیا "تمہاری سرگرمیاں ہمارے حق میں نہیں ہیں۔ تمہاری طرح ہم بھی پاکستانی ہیں۔ ہمیں یہاں اپنے طور طریقوں سے زندہ رہنے کا پورا حق ہے۔ جب یہاں کا قانون ہماری راہ نہیں روکتا تو تم کیوں ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔"

"مجھے پتا نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ کوئی بات کرنا چاہتے ہو تو پہلے مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"اگر تم از خود تعارف پر مصر ہو تو پھر یہ بھی سہی۔" میں نے سہلا کر سلطان شاہ کو اشارہ کیا جو چندن کے قریب کھڑا دانت پیس رہا تھا۔ اسے غصہ آرہا تھا کہ ہم لوگوں نے اسے ادھیڑنے کے بجائے مذاکرات کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔

سلطان شاہ اس سے بہت زیادہ ناخوش تھا۔ اس سے پہلے کہ چندن تعارف کا مفہوم سمجھتا' سلطان شاہ کی لات چل گئی۔ اکڑوں بیٹھے ہوئے چندن کی ٹانگوں کے درمیان سے وہ ٹھوکر اس بری طرح اس کے بدن کے نچلے حصے پر پڑی کہ وہ ایک بے ساختہ اور کریہہ چیخ کے ساتھ پیچھے الٹ گیا۔

سلطان شاہ کی دوسری ٹھوکر نے اس کی داہنی پسلیاں ادھیڑ ڈالیں۔ چندن نے یہ اندازہ لگانے میں تاخیر نہیں کی کہ اس کے ستارے بری طرح گردش میں آئے ہوئے تھے۔ وہ صحت مند اور جی دار آدمی تھا۔ پنجوں اور ہتھیلیوں کا سہارا لے کر حیرت ناک سرعت سے اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔ سلطان شاہ چاہتا تو اس پر تابڑ توڑ وار کرکے اسے فرش سے اٹھنے مہلت نہ دیتا لیکن وہ چندن سے کھلا مقابلہ کرکے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے موڈ میں نظر آرہا تھا۔

چندن کے اٹھتے ہی وہ گھونسا تان کر اس کی طرف جھپٹا۔ اگر اسے موقع مل گیا ہوتا تو وہ یقیناً چندن کا جبڑا ہلا کر رکھ دیتا لیکن اسی لمحے یہ نکتہ واضح ہوا کہ چندن باکسر بھی تھا۔ اس نے اپنی دونوں کہنیاں چہرے کے سامنے لاکر سلطان شاہ کا وار روک لیا۔

سلطان شاہ اس ناکامی پر جھنجلا کر غضب ناک ہوگیا۔ چندن کو موقع مل گیا اور اس نے سلطان شاہ کے بائیں جبڑے پر ایک جان دار مکا رسید کردیا۔

وہ ضرب شدید تھی۔ مجھے یقین تھا کہ سلطان شاہ کو تارے نظر آگئے ہوں گے۔ حریف سے مار کھا کر وہ بپھرے ہوئے انداز میں بڑھا اور نتائج کی پروا کیے بغیر چندن کو بے رحمی سے اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔ اس بار بدقسمتی سے چندن کے دونوں ہاتھ بھی اس کی گرفت میں پھنس گئے تھے۔

وہ عجیب پچویشن بس چند لمحوں تک برقرار رہی۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی اپنے ہاتھ استعمال کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ سلطان شاہ نے وحشیانہ انداز میں چندن کے چہرے پر زوردار ٹکر رسید کی۔ اس کے حلق سے ایک بے ساختہ چیخ نکلی اور اس کی ناک سے خون بہہ نکلا۔

اس بار سلطان شاہ نے اپنے حریف کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ پے در پے کئی ٹکریں مار کر چندن کو حواس باختہ کردیا۔ میں غور سے جائزہ لے رہا تھا کہ اس خون ریز مقابلے میں سلطان شاہ نے ایک گھونسے کے سوا کوئی مار نہیں کھائی تھی لیکن ان دونوں کے چہرے خون میں تر ہوچکے تھے۔ چندن بری طرح لہولہان ہوچکا تھا۔ اس کے زخموں سے بہنے والے جان دار خون نے سلطان شاہ کے چہرے کو بھی رنگین کردیا تھا۔

چھ سات ٹکروں میں ہی چندن کے سارے کس بل نکل گئے۔ اس نے اپنے ہاتھ چھڑانے اور سلطان شاہ کی گرفت سے نکل جانے کے لیے سارے جتن کرڈالے مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ اس وقت سلطان شاہ جونک بن کر اس سے لپٹا ہوا تھا۔ وہ اس وقت را کے ایک اہم ایجنٹ سے برسرپیکار تھا اس لیے اس کے سر پر خون سوار ہوچکا تھا۔ ذرا سی دیر میں چندن نڈھال ہوگیا۔ عارضی طور پر اس میں مقابلے کی سکت نہیں رہی تھی۔ اسے سانس لینے کا موقع مل جاتا تو شاید وہ اپنی توانائیاں مجتمع کرکے مزید کچھ دیر کے لیے سلطان شاہ کا مقابلہ کرلیتا۔ وہ سلطان شاہ سے کم تر نہیں تھا لیکن اس کے جذبے کا مقابلہ کرنا چندن کی بساط سے باہر تھا۔

"اسے چھوڑ دو!" میری دخل اندازی سے پہلے اول خان نے سلطان شاہ کو ہدایت کی "ورنہ یہ مرجائے گا۔"

سلطان شاہ کا جوش و خروش اپنی جگہ مگر وہ ڈسپلن کے مفہوم سے اچھی طرح آشنا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ پوچھ گچھ کیے بغیر چندن کو مار ڈالنا ہمارے مفاد میں نہیں تھا۔ اول خان کے حکم پر اس نے کسی روبوٹ کی طرح عمل کیا اور چندن کو چھوڑ دیا۔

وہ سنگ دلانہ گرفت سے رہائی پاتے ہی کئی بار لڑکھڑایا لیکن کسی نہ کسی طرح اپنے قدموں پر کھڑا رہنے میں کامیاب ہوگیا۔

"جاؤ اور جاکر ہاتھ منہ دھولو۔ اس کے خون کے چھینٹوں نے تمہارا چہرہ گندا کردیا ہے۔" اول خان نے سلطان شاہ کو مشورہ دیا۔

"یہ ہمارا ہلکا سا تعارف ہے۔ اب شرافت سے بتاتے چلے جاؤ کہ یہاں تم کیا بدمعاشیاں کررہے ہو۔" میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چندن سے کہا۔

"میں کچھ نہیں کررہا۔ ایک معزز سفارتی افسر کے ساتھ یہ زیادتیاں تمہیں مہنگی پڑیں گی۔" اس نے فرش پر خون تھوکتے ہوئے جواب دیا۔

"اس بھول میں نہ رہنا کہ تم پولیس یا کسی ایجنسی کے قبضے میں ہو۔ ہم اپنے شکار کو قانون اور عدالتوں میں لے جانے کا بکھیڑا نہیں پالتے۔ اپنے فیصلے خود کرتے ہیں اور بارودی گولیوں سے انہیں عملی جامہ پہنادیتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ ڈینی کے بارے میں تم کیا کررہے ہو۔"

خون آلود پیشانی اور چہرے پر اس کی آنکھیں بھیانک انداز میں پھیل گئیں "تم ڈینی کے ساتھی ہو؟" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"ساتھی نہیں، ہم اس کے خون کے پیاسے ہیں۔" میں نے اس کا سوال سنتے ہی قلابازی کھانے کا فیصلہ کرلیا۔

"ہم بھی اس کے دوست نہیں ہیں۔ دونوں کا مقصد ایک ہے پھر تم مجھے کیوں اٹھالائے؟"

اول خان کے آدمی ہم لوگوں کے لیے کمرے میں تین کرسیاں لے آئے، میں اول خان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ سلطان شاہ منہ دھونے اور خون کے داغ صاف کرنے کے لیے گیا ہوا تھا۔

"وہ ہمارا شکار ہے۔ کوئی دوسرا اس کے قریب نہیں پھٹک سکتا۔"

"اگر صرف اتنی سی بات ہے تو تم نے بلاوجہ مار مار کر میرا اتنا خون بہادیا۔ اس سے تمہاری کیا دشمنی ہے۔"

"دشمنی ہے نہ دوستی۔ ہمیں ایک ملین ڈالر کی انعامی رقم کی سخت ضرورت ہے۔"

"پھر تو ساری بات ختم ہوگئی۔" اس نے شہادت کی انگلی سے اپنا رخسار کھجاتے ہوئے جواب دیا "ہمیں ڈینی کی ضرورت ہے۔ تمہیں رقم کی۔ ہم لوگ مل جل کر کام کرسکتے ہیں لیکن میں حیران ہوں کہ اس چکر میں تم مجھ تک کیسے پہنچ گئے۔"

وہ خاصا سخت جان تھا۔ ناک، پیشانی اور رخساروں کے زخموں سے بہنے والے خون نے اس کا چہرہ رنگا ہوا تھا۔ ان زخموں میں تکلیف کا ہونا بھی ایک فطری امر تھا لیکن کام کی بات نکلتے ہی اس نے گویا اپنے زخموں کو یکسر فراموش کردیا تھا۔

اس نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے مجھ سے جو سوال کیا تھا، اس نے چند لمحوں کے لیے مجھے چکرا کر رکھ دیا۔ یہ واقعی سوچنے والی بات تھی کہ ہمیں ڈینی کی تلاش تھی تو ہم نے اس پر کیوں ہاتھ ڈالا تھا۔ اس کے اگلے رویے کا انحصار کلی طور پر میرے جواب پر ہوتا۔

میں ذرا سی دیر کے لیے الجھا پھر مجھے ایک کہانی سوجھ گئی "تم کسی مظہر کو جانتے ہو؟ اس کا نام مظہر خان ہے۔" میں نے پوچھا۔

میری زبان سے مظہر خان کا نام سن کر وہ چونک پڑا "تم اسے کیسے جانتے ہو؟" الٹا اسی نے مجھ سے سوال کردیا۔

"وہ شہر میں ڈینی کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا پھر رہا تھا۔ مجھے سن گن مل گئی اور میں نے خاموشی سے اسے اٹھوالیا۔ بندوں کو اٹھوانا میرا پرانا اور خاص کام ہے۔ وہ بہت بزدل اور کم ہمت آدمی نکلا۔ چار چوٹ کی مار پڑی تو اس نے سب اگل دیا اور ہم تمہارے گھر پہنچ گئے۔"

"سالا، حرام زادہ!" چندن کے منہ سے بے ساختہ نکلا "میرے بارے میں اس نے تمہیں کیا بتایا؟"

"تم را کے ایجنٹ ہو۔ وہ بھی دہلی کے کسی انل اور نریش کے لیے کام کررہا تھا مگر وہ دونوں مار دیے گئے۔" میں نے سرسری لہجے میں کہنا شروع کیا "کراچی میں وہ تم کو جواب دہ ہے مگر جان کے خوف سے روپوش تھا۔ روپوشی کے باوجود وہ ڈینی کی تلاش میں لگا ہوا تھا۔ تم سے اس کا فون اور فیکس پر رابطہ تھا۔"

"فون اور فیکس کی بات درست ہے مگر اس کو میرا نام اور پتا معلوم تھا نہ اس نے کبھی مجھے دیکھا پھر تم مجھ تک کیسے پہنچ گئے؟" مار کھانے کے بعد اس کے اوسان بحال ہوچکے تھے اور اس کا ذہن پوری طرح کام کررہا تھا۔

اسی وقت سلطان شاہ منہ ہاتھ دھوکر واپس آیا اور خاموشی سے تیسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

چندن کے بدن میں خاصا صحت مند خون دوڑ رہا تھا۔ بہ مشکل چند منٹ گزرے ہوں گے لیکن اس کے تکلیف دہ زخموں سے خون کا رساؤ بند ہوچکا تھا۔ ہر زخم کے دہانے پر خون کے جمے ہوئے لوتھڑے یہ نشاندہی کررہے تھے کہ اس کا مختصر سا چہرہ کم از کم چار مقامات سے پھٹ گیا تھا۔

میرا ذہن بہت تیزی سے کام کرنے میں مصروف تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا "اغوا کرکے تاوان وصول کرنے والے ایسے سراغوں پر کام کرنے میں ماہر ہوتے ہیں۔ تمہارا فون نمبر جعلی ہے۔ وہ سنی کمار نامی کسی وکیل کے دفتر کا فون نمبر ہے۔ سنی بیمار ہے اس کا دفتر مہینوں سے بند پڑا ہوا ہے۔ فیکس نمبر تمہارے نام اور پتے پر ہے۔ وقت اور کچھ پیسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خرچ کرکے ہم نے تمہیں تلاش کرلیا۔ اب یہ نہ کہنا کہ ہم سے کوئی چوک ہوئی ہے یا تم کچھ نہیں جانتے۔"

"میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔" چندن نے ایک گہرا سانس لے کر تھکی ہوئی آواز میں کہا "تم کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو... اگر برا نہ مانو تو میرے لیے بھی ایک کرسی منگوالو۔ میں کھڑے کھڑے تھک گیا ہوں' بیٹھ کر تم سے اطمینان سے باتیں کرسکوں گا۔"

میرے چہرے پر رضامندی کے آثار دیکھ کر اول خان نے اپنے ایک آدمی کو آواز دے کر کرسی لانے کی ہدایت دے دی۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ میں نے چندن کو شیشے میں اتارنے کے لیے تشدد کے بعد فریب دہی کی راہ اختیار کرلی تھی جو بار آور ہوتی نظر آرہی تھی۔

"مظہر میرے لیے کام کررہا ہے لیکن وہ بہت بزدل آدمی ہے۔ کسی بھی قیمت پر سامنے آنے پر آمادہ نہیں ہے۔ ڈینی سے پہلے میں اس کا کھوج لگانا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے میں تمہیں منہ مانگی رقم دینے کے لیے تیار ہوں۔" کچھ توقف کے بعد چندن نے اپنی بات پوری کرڈالی۔

"کمال ہے۔ وہ تمہارا آدمی ہے اور تم مجھ سے اس کا سودا کرنا چاہ رہے ہو!" میں نے حیرت سے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ وہ میرا آدمی ضرور ہے مگر اس وقت ڈرا ہوا ہے۔ سمجھ رہا ہے کہ سامنے آیا تو پکڑا جائے گا..."

"آدمی بلاوجہ خوف زدہ نہیں ہوتا۔ اس کے خوف کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔" میں نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی انجان بن کر سوال کیا تاکہ میری کہانی میں کوئی جھول باقی نہ رہے۔ چندن مجھے اپنی توقع سے زیادہ چالاک اور بے خوف نظر آرہا تھا۔

"دہلی میں پیش آنے والے کچھ واقعات کے سلسلے میں اس سے پوچھ گچھ کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔" چندن نے مجھے اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کی جس سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ مجھے ڈینی اور مظہر سے الگ' کوئی تیسری شخصیت ہی تصور کررہا تھا۔

"یہ پوچھ گچھ راو والے کریں گے؟" میں نے سوال کیا۔

"ان کی شدید ترین خواہش یہی ہے کیونکہ مظہر کی دہلی موجودگی کے آخری لمحات میں اچانک ان کے دو اہم افسر مار دیے گئے۔"

"وہ ان وارداتوں کا کھوج لگانا چاہتے ہیں!" میں نے تفہیمی انداز میں سرہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ فطری بات ہے۔ سچ پوچھو تو مجھے امید نہیں تھی کہ مظہر مجھ سے رابطہ کرے گا۔ وہ سرے سے غائب ہوجاتا تو ہم سب کو یہ یقین ہوجاتا کہ وہ ڈینی کے ساتھیوں میں سے ہے اور دہلی میں را کو نقصان پہنچانے میں اس کا بڑا ہاتھ ہے۔"

"تو کیا اب تمہارا یہ خیال بدل چکا ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"اب ہم تذبذب کے عالم میں ہیں۔ میری اس سے تفصیلی بات ہوئی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اس کا خوف دور ہوجائے تو وہ سامنے آجائے گا۔ میں نے اسے سوچنے اور آخری فیصلہ کرنے کے لیے کچھ مہلت بھی دے دی ہے۔"

"پھر بھی تم مجھ سے اس کا سودا کرنا چاہ رہے ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

اسی وقت ایک آدمی چندن کے لیے کرسی لے آیا۔ وہ ہولے سے کراہتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تمہارے دماغ پر ایک ملین ڈالر سوار ہیں اس لیے یہ باریک باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آسکیں گی۔ یہ سب ڈینی تک پہنچنے کی کڑیاں ہیں۔ اپنی کامیابی کے لیے ہم امریکیوں سے زیادہ رقم خرچ کرسکتے ہیں۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے جواب دیا۔

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ مظہر کراچی میں ہے تو راو والے اس سے کیسے پوچھ گچھ کریں گے۔" میں نے اسے کریدنے کی کوشش جاری رکھی۔

"اس وقت ڈینی کے خلاف ہم سی آئی اے سے مل کر کام کررہے ہیں۔ مظہر ہمارے ہاتھ نہ آیا تو اسے یہاں کی پولیس پکڑلے گی۔ را کی طرف سے سی آئی اے والے اس سے سب کچھ اگلوالیں گے۔ پہلی شرط یہی ہے کہ وہ کسی کے ہاتھ آئے۔ تم اس کے پیسے کھرے کیوں نہیں کرلیتے۔"

"تمہاری یہ باتیں سن کر مجھے ملال ہورہا ہے کہ ہماری پہلے ملاقات کیوں نہیں ہوئی۔ مجھے یہ سب معلوم ہوتا تو میں ایک ملین سے پہلے بھی لمبا ہاتھ مار لیتا۔ مظہر کے لیے پانچ سات لاکھ روپے دے سکتے ہو؟" میں نے حریصانہ انداز میں پوچھا۔

"اسے لے آؤ۔ میں تمہیں دس لاکھ نقد کی گارنٹی دیتا ہوں۔" چندن نے بے چینی سے پیش کش کی۔

"اوہ!" میں نے اپنے دہانے سے ایک تاسف انگیز بے ساختہ سی آواز نکالی "پھر تو میرا بھاری نقصان ہوگیا۔"

"کیوں؟ کیا تم نے پوچھ گچھ کے بعد اسے چھوڑ دیا؟" چندن مضطربانہ انداز میں اپنی کرسی پر پہلو بدل کر بولا۔

"چھوڑنے میں کیا رکھا تھا۔ اسے پھر اٹھالیتا۔ میرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اصول ہے کہ میں اپنے خلاف کوئی گواہ نہیں چھوڑتا۔ اچھی طرح نچوڑنے کے بعد میں نے اسے مار ڈالا۔"

"یہ تم نے کیا غضب کیا!" چندن نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا "وہ بہت کام کا آدمی تھا۔"

اس کی باتوں سے ثابت ہو رہا تھا کہ وہ مجبوری کے تحت یا لاعلمی میں پاکستان سے غداری نہیں کر رہا تھا۔ وہ را کے اس کھیل کا بہت اہم مہرہ تھا۔ اس کا کہا ہوا ہر لفظ اس کو لمحہ بہ لمحہ موت سے قریب تر لے جا رہا تھا۔

"تم مجھے اپنے کسی بڑے افسر سے ملواؤ۔ تم لوگ دل والے معلوم ہوتے ہو۔ پیسا ملتا رہے تو میں بہت جلد ڈینی کے گریبان پر ہاتھ ڈال دوں گا۔"

"میں کسی سے کم نہیں ہوں۔" چندن نے سر اٹھا کر جواب دیا "جب سے حالات خراب ہوئے ہیں' کراچی میں ہم دو آدمی رہ گئے ہیں جو مقامی مخبر سے کام لیتے ہیں۔ میں زیادہ سے زیادہ تم کو چوپڑہ جی سے ملوا سکتا ہوں۔ ہم تینوں مل بیٹھ کر ہر بات طے کر لیں گے۔"

چوپڑہ جی۔ وہ بھارتی قونصلیٹ میں سفارتی بھیڑوں کے درمیان چھپے ہوئے را کے ایک سفاک بھیڑیے کا نیا نام تھا جو چندن کی زبانی سامنے آیا تھا۔ میں نے پرسکون رہتے ہوئے پوچھا "تمہارے یہ چوپڑہ جی کون ہیں اور کہاں ہوتے ہیں۔"

"وہ قونصل خانے کے انفارمیشن آفیسر ہیں۔ میں کل ہی تمہیں ان سے ملوا دوں گا..... تم یہ بتاؤ کہ مظہر کی لاش کہاں ہے۔" اس کے ذہن پر مظہر کا نام بری طرح سوار تھا کہ وہ کسی طرح اسے بھولنے پر آمادہ نہیں تھا۔

"میوہ شاہ کی ایک پرانی قبر میں اس کی بے کفن لاش پڑی ہوئی ہوگی۔" میں نے پروایانہ سفاکی سے جواب دیا۔

"اب ہمارے درمیان دوستی ہو گئی ہے۔ میں ہر صورت میں تمہیں کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچانا چاہتا ہوں تاکہ ہمارا رشتہ مضبوط ہو۔ تم اس کی لاش نکال کر لے آؤ۔ میں تمہیں اس کے بھی دو لاکھ روپے دلوا دوں گا۔" اس نے کسی نئے خیال کے تحت پیش کش کی۔

میرے لیے وہ چونکنے کا موقع نہیں تھا۔ اس کی سوچ کا ہر دھارا بھارت کے رخ بہہ رہا تھا۔ مظہر خان کی لاش بھی بھارتیوں کے لیے کارآمد تھی۔ پاکستان نے سرکاری سطح پر مظہر اور غزالہ کی واپسی کے لیے جو دباؤ ڈالا ہوا تھا' اس کے خاتمے کے لیے مظہر کی لاش بھی کافی تھی۔ اس کی کراچی میں موجودگی ثابت ہوتے ہی بھارتی حکومت دباؤ سے نکل جاتی۔ وہ بہت دور کی بات تھی جو چندن نے بیٹھے بیٹھے سوچ لی تھی۔

"مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا تو سنا تھا۔ تم مرے ہوئے مظہر کی بولی دو لاکھ لگا رہے ہو۔ اس میں تمہارا کوئی کمیشن تو نہیں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کمیشن بیچ کے آدمی لیتے ہیں۔ میں مالک بن کر تم سے سودا کر رہا ہوں۔ تمہیں پوری رقم ملے گی۔"

شرافت سے کام لے کر اس سے جو کچھ اگلوایا جا سکتا تھا' وہ سامنے آ چکا تھا۔ میں نے پینترا بدل کر کہا "مظہر کی لاش بھارتیوں کی ضرورت ہے۔ تم پاکستانی ہو۔ مالک کیسے بن گئے۔ تمہاری حیثیت بیچ کے ایک ذلیل اور بے [illegible] آدمی سے زیادہ نہیں ہے۔"

وہ بھڑک کر کرسی سے اٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئی تھیں "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

"اب تک تمہارے ساتھ ڈراما ہو رہا تھا۔" سلطان شاہ نے موقع غنیمت جان کر زبان کھولی "اصل اور صحیح باتیں یہی ہیں۔"

"تم سب فراڈ ہو۔ مجھے گھیر کر دہشت زدہ کر رہے ہو۔ اب میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کروں گا۔" وہ بوکھلا کر تقریباً چیخ پڑا۔

اس کے تیوروں سے نظر آ رہا تھا کہ میرے تیور بدلتے ہی وہ بری طرح وحشت زدہ ہو گیا تھا اور موقع پاتے ہی دروازے کی طرف دوڑ لگا سکتا تھا۔ میں نے پھرتی سے بیم گن اپنی جیب سے نکالی اور کرسی سے اٹھ کر اس پر تان لی۔

وہ کسی کی پروا کیے بغیر دوڑ پڑا۔ میں نے للکار کر اسے روکنے کی کوشش کی مگر اس نے میری ایک نہ سنی۔

اس سے پہلے کہ ایس ٹی ایف کا کوئی جوان عقاب کی طرح اس پر جھپٹتا۔ میں نے نیکر کے نیچے سے جھانکتی ہوئی اس کی داہنی پنڈلی پر بیم گن فائر کر کے اپنے ہاتھ کو دائیں سے بائیں طرف خفیف سی جنبش دی اور دوڑتے دوڑتے اس کی وہ پنڈلی گھٹنے سے کٹ کر برآمدے میں اچھل کر دور جا گری۔ چندن چیختا ہوا منہ کے بل فرش پر گر گیا۔

ایک طرف چندن کی کٹی ہوئی زندہ پنڈلی فرش پر پھدک رہی تھی' دوسری طرف چندن کا حال ابتر تھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ سکا تھا کہ اس کے ساتھ یکایک کیا ہو گیا تھا۔ بیم گن کے منھ سے نوزل سے خارج ہونے والی نیلگوں لیزر شعاعوں نے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر اس کی داہنی ٹانگ کے دو کر دیے تھے۔

اس کے گرنے پر ہم تینوں بھی باہر نکل آئے۔ ایس ٹی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایف کے چاروں آدمی حیرت اور بے یقینی سے چندن کی تڑپتی ہوئی پنڈلی کو دیکھ رہے تھے۔

"اسے اندر گھسیٹ لاؤ۔" میں نے ہدایت کی "پنڈلی بے جان ہو جائے تو اسے کہیں ٹھکانے لگا دینا۔"

"تم سب سفّاک درندے ہو" گھسیٹے جانے پر چندن بلبلا اٹھا "اپنے آدمیوں کے بل پر مجھ اکیلے کو ہراساں کر رہے ہو۔"

"ان لوگوں کے نام بتاؤ جو یہاں تمہارے لیے کام کرتے ہیں؟" میں نے سفاکانہ لہجے میں سوال کیا۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔ میں تم حرامیوں کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ تم سب بھی ڈینی کے چیلے چانٹے لگتے ہو" وہ کراہتے ہوئے غرایا۔

سلطان شاہ نے اس کے جلے ہوئے گھٹنے پر ٹھوکر ماری۔ وہ تڑپ اٹھا۔ لیزر شعاعوں نے اس کی جلد سے ہڈیوں تک کو اس نفاست سے کاٹا تھا کہ سب کچھ دھواں بن کر فضا میں تحلیل ہو گیا تھا۔ اس زخم سے خون کی ایک بوند بھی نہیں نکلی تھی مگر سلطان شاہ کی ٹھوکر پڑتے ہی اس سیاہ زخم سے خون جاری ہو گیا۔

"تم کسی چیلے سے نہیں، ابھی تک ڈینی عرف مظہر خان سے ہم کلام تھے۔" سلطان شاہ نے کاٹ دار لہجے میں اسے مطلع کیا۔

"ڈڈ ... ڈڈ ... ڈینی!" چندن کے ہونٹوں سے پھنسی پھنسی اور وحشت ناک آواز برآمد ہوئی۔ اس نے اپنا خون آلود چہرہ فرش سے اٹھا کر میری طرف دیکھا اور پھر مایوسی سے گردن ڈال دی "مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے۔ میرا کھیل ختم ہو گیا۔"

"میں نے تم سے نام پوچھے تھے" میں نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ مجھے تم مسلمانوں سے نفرت ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بھی مجھ سے نفرت کرتے ہو اور مجھے مار دو گے۔"

"ہم تم سے نفرت نہیں کرتے مگر تمہاری غداری سے ضرور نفرت کرتے ہیں" میں نے بیم گن کو اپنی انگلی پر نچاتے ہوئے تحمل سے جواب دیا۔ "تم پاکستان کے اکلوتے ہندو نہیں ہو۔ یہاں سندھ، پنجاب اور پورے پاکستان میں شاید لاکھوں ہندو رہتے ہیں۔ وہ آرام سے اپنی روزی کماتے ہیں اور سکھ چین سے رہتے ہیں۔ وہ اس زمین کے وفادار ہیں۔ زمین نے ان کو اپنی امان میں لیا ہوا ہے۔ تمہارے جیسی حرکتیں کوئی مسلمان کرے گا تو وہ بھی ہماری اتنی ہی نفرت کا نشانہ بنے گا۔ اپنی حرکتوں کی بات کرو، مذہب کو بیچ میں نہ لاؤ۔"

"مجھ سے بکواس مت کرو۔ میں نے تاریخ پڑھی ہے" وہ حلق کے بل ہذیانی انداز میں چیخا "ہند، ہندو کا تھا، ہندو کا ہے اور ہندو کا ہی رہے گا۔ تم مسلے باہر سے آئے ہوئے حملہ آور ہو۔ تمہارا اس مٹی پر کوئی حق نہیں ہے۔ ہم تمہیں اور تمہارے ناپاکستان کو مسل دیں گے۔"

مجھ سے پہلے سلطان شاہ طرارے میں آگیا اور اس نے بڑھ کر چندن کے محتاج وجود کو ٹھوکروں پر رکھ لیا "کتے! تو اتنی دیر سے ہمیں گالیاں دے رہا تھا مگر ہم برداشت کر رہے تھے۔ اب تو نے ہمارے وطن کو گالی دی ہے تو میں تجھے نہیں بخشوں گا، تیرے ٹکڑے اڑا دوں گا۔"

اس کے بدن پر نیکر کے سوا کوئی لباس نہیں تھا۔ شہزادی کی حرارت آگیں اور نرم و نازک آغوش سے نکل کر وہ اچانک اسٹیشن فور کی اس سنگلاخ کوٹھری میں پہنچ گیا تھا جہاں اس پر رحم کھانے والا کوئی نہیں تھا۔ سلطان شاہ کی ہر ٹھوکر سے اس کا بدن ادھڑتا جا رہا تھا۔ ننگے بدن پر نیل اور تازہ زخم نمودار ہو رہے تھے۔

چندن تکلیف اور اذیت سے تڑپتا اور بلبلاتا رہا لیکن اس کا گھمنڈ نہیں ٹوٹا۔ وہ چیخ چیخ کر ہمیں اور دنیا کے سارے مسلمانوں کو گالیاں دے رہا تھا، کوس رہا تھا۔ وہ ندامت کے اظہار پر آمادہ تھا نہ معافی کا طلب گار تھا۔ اس کے بارے میں میرا اوّلین اندازہ آخر کار صحیح ثابت ہو رہا تھا۔

چندن پٹتے پٹتے نڈھال نہیں ہوا۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ شاید اسے امید رہی ہو گی کہ اس کی جگر خراش چیخیں سن کر کوئی نہ کوئی اس کی مدد کو پہنچے گا اور ہم اسے یوں ہی چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اسٹیشن فور کی حدود میں فولاد سے بنے ہوئے جوانوں کا نشیمن تھا جن کے دل اپنے دشمنوں کے لیے پتھر تھے۔

آخر کار سلطان شاہ اسے مارتے مارتے تھک گیا اور ہانپتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ چندن کو زندہ رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ اس قدر ہٹ دھرم اور ضدی تھا کہ کچھ بھی نہ اگلتا۔ اسے باتوں کا فریب دے کر جو کچھ اگلوا لیا گیا تھا وہی کافی تھا۔ اگر اس کی لاش لیری والا اجلاس شروع ہونے سے پہلے منظرِ عام پر آجاتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔

"اٹھو اور اپنے ہاتھوں سے اسے کیفرِ کردار کو پہنچا دو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے دھیرے سے سلطان شاہ سے کہا۔

اس نے اپنی سرخ اور سلگتی ہوئی آنکھوں سے ایک بار میری طرف دیکھا اور پھر اپنی نظریں جھکالیں۔ کرسی سے اٹھتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ریوالور نکال لیا جو چندن کے اغوا کی مہم سر کرنے کے لیے اس نے گھر سے اپنے ساتھ لیا تھا۔

چندن کی تقدیر کا فیصلہ کرنے کے لیے مجھے کسی رازداری کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی میں نے سلطان شاہ کو نیچی آواز میں ہدایت دی تھی مگر قدموں کی بڑھتی ہوئی آہٹیں سننے کے لیے شاید چندن کے کان زیادہ حسّاس ہو چکے تھے۔ اس نے میری کہی ہوئی بات سن لی اور اس کی زبان سے غلیظ گالیوں کا ایک ثقیل دریا بہہ نکلا۔

سلطان شاہ کی چلائی ہوئی گولی اس کے سینے میں پیوست ہوئی تو اس کی زبان پر ہمارے لیے ماں کی آخری گالی تھی جو موت کی ہچکی میں ادھوری رہ گئی۔ وہ بس چند لمحوں کے لیے فرش پر تڑپا اور پھر بے جان ہو گیا۔

"آج میں نے جتنی گالیاں چندن سے کھائی ہیں' اتنی زندگی بھر نہیں کھائی ہوں گی" سلطان شاہ نے افسوس ظاہر کیا۔

"ہر بات کبھی نہ کبھی زندگی میں پہلی بار ہوتی ہے" اول خان نے پیٹھ تھپکتے ہوئے اسے تسلی دی "آدمی ماں کے پیٹ سے کوئی تجربہ لے کر اس دنیا میں نہیں آتا۔ چندن کی دی ہوئی ان گالیوں میں ہم بھی حصے دار تھے' تم اکیلے نہیں تھے۔"

"اس منحوس کی لاش کو اب کسی گٹر میں پھینک دینا چاہیے" سلطان شاہ نے حقارت سے مشورہ دیا۔

"گٹر بند ہو جائے گا اور شہر میں گندگی پھیلے گی" میں نے ہنس کر جواب دیا "سب سے پہلے اس کی داہنی ران کا کچھ حصہ کاٹنا ہوگا۔ پھر یہ لاش کسی کنڈی دان میں ڈال دیں گے۔"

"اس مردے کی ران کا کیا' کیا جائے گا؟" اول خان نے بے ساختہ حیرت سے پوچھا۔

"میں امرتسر والی غلطی کا اعادہ نہیں کرنا چاہتا۔ مشتعل ہو کر میں اس پر بیم گن فائر کر بیٹھا۔ یہ غلطی تھی۔ چندن کی لاش جوں کی توں پھینکی گئی تو جھلسا ہوا گھٹنا بہت کچھ ظاہر کردے گا اور ہمارے دشمنوں کو کھل کھیلنے کا موقع مل جائے گا۔"

دونوں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ مجھ سے اتفاق کیا۔

اول خان قدرے جھلا بھی گیا کہ ایسی اہم مگر ٹیڑھی باتیں اسے کیوں نہیں سوجھتیں۔

اول خان نے اپنے آدمیوں کو چندن کی لاش کے بارے میں ہدایات دیں۔ لاش سے الگ کیے جانے والے تازہ حصے کو داہنی ٹانگ کے ساتھ کسی محفوظ مقام پر دفن کرنا تھا تاکہ اس کا کبھی بھی سراغ نہ لگایا جاسکے۔ قطع برید کے بعد لاش کو شہر کے کسی کوڑے دان میں ڈال دینا تھا۔

میں مردوں کی بے حرمتی کا کبھی بھی قائل نہیں رہا تھا۔ مرنے کے بعد بڑے سے بڑے حریف سے بھی دشمنی ختم ہو جاتی تھی لیکن چندن کا معاملہ مختلف تھا۔ اس کا لیزر سے جلا ہوا گھٹنا جسم سے الگ نہ کیا جاتا تو پوسٹ مارٹم میں وہ راز فاش ہو جاتا۔ اس کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کو بھارت کے سفارتی افسران سے پوشیدہ رکھنا کسی طرح ممکن نہیں تھا۔ ایک بار یہ بات منظر عام پر آجاتی کہ چندن کی ٹانگ بیم گن سے کاٹی گئی تھی تو کراچی میں میری تلاش کی مہم ایک مرتبہ پھر زور پکڑ جاتی جس کے نتیجے میں میری آزادیاں بری طرح متاثر ہو سکتی تھیں۔

سب کچھ طے ہو جانے کے بعد اسٹیشن فور میں ہم تینوں کا کام ختم ہو چکا تھا۔ میں نے اول خان سے رخصت چاہی تو اسے اچانک صبح کا اجلاس یاد آگیا۔

"اگر تم چاہو تو میرے ساتھ اس اجلاس میں شریک ہو سکتے ہو" اول خان نے کہا۔

"میری دلی آرزو ہے کہ میں لیری کے زہریلے خیالات اپنے کانوں سے سنوں لیکن بھارتیوں کے زخم تازہ ہیں۔ میں ابھی دہلی سے واپس آیا ہوں۔ وہاں کسی نے پہچان لیا تو میرے لیے ناقابل تصور دشواریاں پیدا ہو جائیں گی" میں نے فکرمندی سے کہا۔

اول خان ہنس پڑا "معلوم ہوتا ہے کہ چندن گرنانی کو جہنم واصل کرتے ہی تمہارے ذہن پر نیند نے حملہ کر دیا ہے" اس نے یہ کہہ کر اپنی رسٹ واچ پر ایک نگاہ ڈالی اور بات جاری رکھی "اس وقت ڈھائی بج رہے ہیں' یہ گہری نیند کا وقت ہوتا ہے۔"

"میں واقعی تھک گیا ہوں اور غنودگی محسوس کر رہا ہوں" میں نے اعتراف کیا۔

"وہاں لیری کے سوا سب اپنے آدمی ہوں گے۔ تم کو کون پہچانے گا؟ آج کل تمہارے کئی نام چل رہے ہیں' لیری کے لیے ایک نیا نام اور سہی!" وہ بولا۔

"ابھی میں چلتا ہوں۔ صبح فون پر بات ہو جائے گی" میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں آٹھ بجے تم کو فون کروں گا" یہ کہہ کر اول خان نے مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھادیا۔

اس سے رخصت ہو کر ہم دونوں واپس روانہ ہو گئے۔

○☆○

کمشنر ہاؤس میں بڑی ٹیبل کے گرد ہم سات نفوس بیٹھے ہوئے تھے جن کو لیری کا انتظار تھا۔ ان میں آئی بی کا جلال بھی شامل تھا۔

وہ آف دی ریکارڈ اجلاس لیری کی خواہش پر بلایا گیا تھا اس لیے اس کی آمد سے پہلے کارروائی کے آغاز کا امکان نہیں تھا۔

"میں نے غیر رسمی اجلاسوں میں بارہا شرکت کی ہے۔ یہ آف دی ریکارڈ میٹنگز کا سلسلہ میرے لیے نیا ہے" کرنل غفور نے میز پر ہاتھ ٹکا کر الجھن آمیز لہجے میں کہا "پتا نہیں لیری یہاں آکر ایسی کون سی بات کہنا چاہتا ہے جو ریکارڈ پر نہیں لائی جاسکتی۔"

"یہ لیری کے موضوع سے زیادہ اسپیشل ٹاسک فورس کا مسئلہ معلوم ہوتا ہے" آئی جی نے کہا "تقریباً ایک سال پہلے امریکیوں نے ایسے آف دی ریکارڈ اجلاس کی درخواست کی تھی جسے قبول کرلیا گیا تھا۔ آج وہی واقعہ دہرایا جارہا ہے۔"

"ایس ٹی ایف کی وجہ سے آف دی ریکارڈ اجلاس!" کرنل غفور نے حیرت سے کہا "بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"یار سیدھی سی بات ہے" کرنل شعبان نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "ایس ٹی ایف ہمارے آئین اور قانون سے ماورا فورس ہے جسے کسی فرد واحد نے تخلیق کیا ہے۔ ریکارڈ پر اس کا کہیں وجود نہیں ہے مگر امریکی اپنے انتہائی ترقی یافتہ ذرائع کی وجہ سے اس کے وجود سے باخبر ہیں۔ وہ سرکاری طور پر ہمارے انکار کو تسلیم کرتے ہیں لیکن غیر سرکاری طور پر اس کی سرگرمیوں کے بارے میں جاننے کی سرتوڑ کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ باقاعدہ اجلاس میں ایس ٹی ایف نہیں بلائی جاسکتی کیونکہ بات ریکارڈ پر آجائے گی۔ امریکیوں کو اس فنی مجبوری کا اندازہ ہے۔ لیری نے ایس ٹی ایف کے نمائندے سے کھل کر بات کرنے کے لیے اس بے قاعدہ اجلاس کی تجویز سوچی ہے۔"

کرنل شعبان کے جواب سے سب مطمئن ہو گئے مگر میرے لیے وہ وضاحت قابلِ قبول نہیں تھی، جان ایش کوف کے دہلی کی طرف فرار کے بعد لیری کی طرف سے اس غیر معمولی اجلاس کا سبب کچھ اور ہی تھا جس پر اس کی آمد کے بعد بات ہو سکتی تھی۔

اس اجلاس کے سب شرکا میرے لیے اجنبی تھے۔ میں جلال کی زبانی ان کے پچھلے اجلاس کی روداد سن چکا تھا جس میں ان کے ناموں سے آگاہی حاصل ہو گئی تھی۔ اس وقت جلال خود بھی وہاں موجود تھا۔ مگر میری طرف سے یوں اجنبی بنا ہوا تھا جیسے مجھ سے پہلی بار ملا ہو۔ میری ذات کو ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بالا رکھنے کے لیے اس کا وہ رویّہ بہت ضروری تھا۔ وہ لوگ اول خان سے پہلے سے متعارف تھے۔ اس نے مجھے کرنل داور کے نام سے مجھے ان لوگوں سے متعارف کرایا تھا۔

میرے نام کے ساتھ کرنل کا فرضی عہدہ لگانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ اجلاس کے دوسرے شرکا میرے ساتھ برابری سے بات کرسکیں۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ تعارف کے بعد ان میں سے کسی نے میرے بارے میں کوئی بات کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ حد یہ تھی کہ دونوں حاضر سروس کرنلوں نے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ میرا تعلق فوج کے کس یونٹ اور شعبے سے رہا تھا یا میں کہاں سے ریٹائر ہوا تھا۔

میں ملٹری انٹیلی جنس کے کرنل شعبان کے پیش کیے ہوئے نظریے پر کوئی رائے زنی کرتا تو سب کی توجہ میری ذات پر مرکوز ہو سکتی تھی جبکہ میں اس اجلاس میں خود کو نمایاں کرنے کے حق میں نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد سی آئی اے کا لمبا تڑنگا چیف کلرک، لیری ہف اپنے ایک مددگار کے ساتھ آپہنچا۔

اجلاس میں اس کا سرد مہری سے استقبال کیا گیا۔ پاکستانیوں کے رویے میں گرم جوشی مفقود تھی۔ اس بارے میں پہلے سے کوئی تبادلہ خیال نہیں ہوا تھا۔ بس سب کے دلوں میں لیری کے خلاف بغض کا جذبہ تھا جو سرد مہری کی صورت میں سامنے آگیا تھا۔

اول خان سے ہاتھ ملا کر لیری رک گیا اور تعارف کے بعد بولا "ہائے اولڈ بوائے۔ تم گریٹ ہو۔ میری آرزو ہے کہ امریکا کوئی غیر جمہوری ملک ہوتا اور میں وہاں بھی تمہاری اسپیشل ٹاسک فورس جیسا کوئی یونٹ بنا سکتا۔"

"تمہیں نازاں ہونا چاہیے۔" اول خان کے سٹپٹا جانے پر میں نے گفتگو میں دخل انداز ہونا ضروری سمجھا اور کہا "امریکی اپنی جمہوریت کے گن گاتے ہیں مگر ان کی ناک کے نیچے ایس ٹی ایف سے ہزار درجے زیادہ خود مختار طاقت ہر وقت فعال رہتی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ کون سی طاقت ہے؟" لیری اول خان کا ہاتھ چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہوگیا "کیا میں تمہارا تعارف حاصل کرسکتا ہوں؟"

"کرنل داور فرام ایس ٹی ایف!" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور لیری کا بڑھا ہوا ہاتھ اپنی داہنی ہتھیلی میں تھام لیا۔ رسمی کلمات ادا کرتے ہوئے' لیری نے مصافحے میں اپنی غیر معمولی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہا۔ میں نے گرم جوشی کی آڑ میں اس کے ہاتھ کو بے طرح دبا کر ایسا جھٹکا دیا کہ وہ گراں ڈیل امریکی سی کرکے رہ گیا۔

"میں سی آئی اے کی بات کررہا تھا۔ تمہاری تنظیم بہت طاقت ور اور فعال ہے۔" مزاج پرسی کے بعد میں نے اپنی بات مکمل کردی۔

"اوہ' نو!" اس نے اپنے سر کو زور سے بائیں طرف جھٹک کر کہا "سی آئی اے ایک جمہوری ملک کا مضبوط آئینی ادارہ ہے۔"

"ادارہ آئینی ہے مگر میں اس کی سرگرمیوں کی بات کررہا تھا۔" میں نے کہا اور ہال قہقہوں سے گونج اٹھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی "سرکاری رازوں کے قوانین کے تحت مقرر کی ہوئی مدت ختم ہونے کے بعد جو باتیں منظرِ عام پر آتی رہتی ہیں' ان سے ثابت ہوتا ہے کہ سی آئی اے ایشیا' افریقہ اور جنوبی امریکا میں اپنے مینڈیٹ سے بڑھ کر سازشیں کرتی رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ سی آئی اے پر بعض امریکی صدور کی درونِ خانہ مخالفت کا الزام بھی ہے۔"

لیری نے اپنی خفّت چھپانے کے لیے کھسیایا ہوا ایک بے جان قہقہہ لگایا اور بزرگانہ انداز میں میری پشت پر ہاتھ مار کر بولا "سی آئی اے کے بارے میں تم شاید بہت پڑھتے رہتے ہو۔ ہمارے یہاں اظہار خیال کی آزادی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر بہت سے مصنف رائی کا پہاڑ بنا کر سی آئی اے کے خلاف کتابیں لکھتے رہتے ہیں۔ ان میں حقیقت سے کہیں زیادہ افسانے ہوتے ہیں۔ تم جیسے ذمّے دار اور عملی افسر کو ایسی ردّی کتابوں سے دور رہنا چاہیے۔"

مجھے جواب دیتا ہوا وہ اپنی نشست پر جا بیٹھا۔ اس کا مددگار اس کے بائیں ہاتھ پر تھا۔

"تم نے آج زیادتی کی ہے۔" کرنل شعبان نے لیری سے شکوہ کیا "آج میرے کئی اہم اپائنٹ منٹ تھے۔"

"کرنل داور نے اپنی باتوں سے اس زیادتی کا بدلہ لے لیا ہے۔" لیری نے دانت نکال کر خوش دلی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی مگر اس کی بات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میری زہر میں ڈوبی ہوئی گفتگو اس کے دل میں تیر بن کر اتری تھی۔

"میں نے بدلہ نہیں لیا۔ تم نے پاکستان کو بالواسطہ طو
پر غیر جمہوری ملک قرار دے کر بات چھیڑی تھی۔ میں ـ
صرف اس کا جواب دیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "
ہمارے مہمان ہو اور بہت معزز ہو۔ ہمارا اصول ہے کہ ک
بھی ہمارا مہمان ہو تو ہم اس کی بے توقیری نہیں کرتے۔"

لیری کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس نے سختی سے پو
"کیا اب تم بالواسطہ طور پر مجھے کتا نہیں کہہ رہے۔"

"ہرگز نہیں۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "مے
صرف یہ جتانا چاہ رہا تھا کہ ہم کسی کتے کی تحقیر نہیں کرسکتے
تم جیسے معزز اور محترم مہمان سے کیسے بدلہ لے سکتے ہیں۔
تمہاری خام خیالی ہے۔ بدگمانی کو اپنے ذہن میں جگہ نہ دو۔"

لیری آیا تو فضا قدرے تلخ مگر خوشگوار تھی۔ میری او
اس کی جھڑپ ہوتے ہی فضا کا رنگ بدل گیا۔ یوں محسو
ہو رہا تھا جیسے میرے اور لیری کے سوا سب کو سانپ سونگھ
ہو۔ کوئی بھی اس نازک بحث میں زبان کھولنے پر آمادہ نہیں
تھا۔ جلال کی پر امید نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"میری نیت پاکستان کو غیر جمہوری ریاست قرار دینے
نہیں تھی۔" موقع کی نزاکت بھانپ کر لیری وضاحت پر ا
آیا "میں نے بس اتنی سی خواہش ظاہر کی تھی کہ کاش ام
میں بھی کسی کے ہاتھ اتنے کھلے ہوئے ہوتے کہ وہ ایس
ایف جیسی کوئی آزاد فورس بنا سکتا۔"

"اس خواہش کے اظہار کے لیے یہ جگہ مناسب نہیں
تھی۔" اسے پسپائی پر آمادہ پاکر کرنل شعبان نے زبان کھو
"تم کو وائٹ ہاؤس کے صدر نشین کے سامنے یہ بات کہ
چاہیے۔"

"چھوڑو شابان۔" لیری پھیکے انداز میں ہنس دیا "
صدر کے سامنے جواب دہ ہیں۔ وہ کانگریس اور سینیٹ ـ
سامنے مجبور ہے۔ سب کہیں نہ کہیں بندھے ہوئے ہیں۔
میں سے جس کسی کو میری بات سے تکلیف پہنچی ہو' میں ا
سے معافی کا خواستگار ہوں۔"

"میں بھی اپنی کسی نادانستہ غلطی کے لیے معذرت خو
ہوں۔" اخلاقی طور پر مجھے کہنا پڑا لیکن میرا لہجہ روکھا تھا۔

"تم یہ دیکھو کہ امریکا پاکستانیوں کی کتنی عزت کر
ہے۔" لیری نے معافی تلافی کے باوجود اپنی معذرت کا سلـ
جاری رکھا "پاکستان سرکاری طور پر ایس ٹی ایف کے وجـ
سے انکار کرتا ہے اور ہم سب کچھ جانتے ہوئے بھی تمہار
اس موقف کا احترام کرتے ہیں۔ سرکاری سطح پر ہم نے کب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایس ٹی ایف کا نام نہیں لیا۔ آج کا یہ آف دی ریکارڈ اجلاس پاکستان کے بارے میں ہماری نیت اور عزائم کا کھلا ثبوت ہے۔"

"کم آن لیری!" جلال نے بے تکلفی سے کہا "اب اس موضوع کو زیادہ نہ کھینچو۔ غنیمت ہے کہ تم کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ ہم پاکستانی اپنی مجبوریوں کے تحت بہت سی باتوں پر سمجھوتے کرلیتے ہیں لیکن بے حس نہیں ہوئے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ آج تم نے ہم سب کو کس تقریب میں بلایا ہے۔"

لیری کے اشارے پر اس کے مددگار نے پتلا سا چرمی بریف کیس اپنے قدموں سے اٹھا کر میز پر لیری کے سامنے رکھ دیا۔

"میں اپنی حکومت کی ہدایت پر یہ جاننا چاہتا تھا کہ ڈینی اور مظہر کے سلسلے میں کیا پیش رفت ہوئی ہے۔" لیری نے سب کے چہروں پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

"تمہاری حکومت تو خطرے کی بو پاتے ہی دہلی کی طرف چل دی۔ اب یہاں تم کو ایسی احمقانہ ہدایات کون دے رہا ہے۔" کرنل غفور نے پوچھا۔ اس کے لب و لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لیری کو خود سے کم تر اور جونیئر گردان رہا تھا جو شاید اس کا حق بھی تھا۔

بے ساختہ ہنسی میں لیری نے سب کا ساتھ دیا پھر سنجیدگی سے بولا "جان بہت اہم مشن پر دہلی گیا ہے مگر وہ ہر وقت مجھ سے رابطے میں ہے۔ وہ میرے اور واشنگٹن کے درمیان رابطے کی اکلوتی اور سب سے مضبوط کڑی ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں یہاں امریکی سفیر کے تابع ہوں۔"

"را اور سی آئی اے والے ان دونوں پر کام کر رہے ہیں۔ مہینوں بلکہ ڈینی کے خلاف سالوں میں کچھ نہیں کیا جاسکا۔ ہم دو دنوں میں کیا کرسکتے ہیں۔" کرنل شعبان نے پوچھا۔

"کوئی اشارہ۔۔۔ کوئی سراغ۔۔۔ کوئی امید! مجھے تم لوگوں کی طرف سے کسی خوش خبری کی توقع تھی۔"

"کچھ ہوا ہوتا تو بات تم تک پہنچ جاتی۔" فیڈرل انویسٹی گیشن ایجنسی کے شاہد رانا نے کہا "تمہارے دیے ہوئے کام پر ہم سب مل کر کام کر رہے ہیں۔ تم سے رابطے کی ذمے داری میری ہے۔ کہیں سے بھی کوئی خبر جنم لے گی تو وہ مجھ تک پہنچے گی۔ میں تمہیں مطلع کردوں گا۔"

"اور تم کیا کہتے ہو؟" اس بار لیری براہِ راست اول خان سے مخاطب ہوا تھا۔

"ایس ٹی ایف کو آج پہلی بار یہاں بلایا گیا ہے۔ میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" اول خان نے اسے دو ٹوک جواب دے دیا۔

"میرے لیے سب ایجنسیاں برابر ہیں۔" لیری نے کسی بات کی تمہید باندھی "اب میں جو کچھ کہنے جا رہا ہوں اس سے مجھے کسی کی تحقیر یا تعریف مقصود نہیں ہے۔ یہ پیشہ ورانہ رموز ہیں جنہیں ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ ایس ٹی ایف ماورائے قانون طاقت ہے۔ اپنے دشمنوں کو ان کی کمین گاہوں سے کھینچ کر نکالنے اور کیفرِ کردار تک پہنچانے کے سلسلے میں اس کی شہرت بے مثال ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب ایس ٹی ایف ڈینی پر کام شروع کردے۔"

"ڈینی کے بارے میں ریکارڈ بالکل کورا ہے۔۔۔" میں نے بات شروع کی مگر لیری درمیان میں بول پڑا۔

"ڈینی اور ایس ٹی ایف میں کم از کم ایک بات مشترک ہے۔ دونوں آج کی زندگی کی اٹل حقیقتیں ہیں مگر ریکارڈ پر ان کے بارے میں کچھ دستیاب نہیں ہے۔"

"تم یہ تو نہیں کہنا چاہ رہے کہ ایس ٹی ایف کے کسی

ضرورت ڈسٹری بیوٹرز

کتابیات پبلی کیشنز اور مکتبہ نفسیات کی کتب کی ڈسٹری بیوشن کیلئے ملک بھر کے چھوٹے بڑے علاقوں میں ڈسٹری بیوٹرز کی ضرورت ہے۔
خواہشمند افراد مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ کریں۔

رابطے کے لئے: C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ (اختر کالونی بس اسٹاپ کے سامنے) کراچی 75500

فون نمبر: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

Email: kitabiat1970@yahoo.com

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کارندے نے ڈینی کا روپ دھارا ہوا ہے!" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"جو بھی یہ کہتا ہے وہ احمقوں کی جنت میں رہتا ہے۔ ڈینی کی ایک تاریخ ہے۔ شی کے سربراہ نے پاکستان میں ہیروئن پھیلانے کے لیے اسے استعمال کیا تھا۔ وہ آج کی پیداوار نہیں ہے۔ امریکا کے صدارتی ریکارڈ میں برسوں سے اس کا نام چلا آرہا ہے۔ ہم یعنی سی آئی اے والے دیر سے اس کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔"

"اور ہم اب اس کے پیچھے لگیں گے۔" اول خان نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے بات مکمل کردی۔

"اس پر ایس ٹی ایف نے پہلے ضرور کام کیا ہوگا۔" لیری نے امید ظاہر کی۔

میں نے میز کے نیچے اول خان کی ران دبائی اور بھرپور نفی میں سرہلا دیا "ایس ٹی ایف کا ہدف وہ لوگ ہوتے ہیں جو پاکستانی مفادات کے خلاف کام کریں یا اس کی سلامتی کے لیے نقصان دہ ہوں۔ یہ اتفاق ہے کہ ڈینی کے خلاف ابھی تک ایسی کوئی شکایت یا شہادت سامنے نہیں آئی۔"

"یہ ڈینی کی مکاری ہے کہ خون کی ہولی کھیلنے کے باوجود ایس ٹی ایف سے دور رہتا ہے مگر تم ایک فرد نہیں، فورس ہو۔ تم صرف پاکستانی نہیں ہو۔ اس دنیا کے شہری بھی ہو۔ آج کے ترقی یافتہ زمانے میں دنیا سکڑ اور سمٹ کر ایک گلوبل ویلج میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اس گاؤں کے ہر باسی کا تم پر حق ہے۔ تم کو دوسروں کے لیے بھی کچھ کرنا چاہیے۔"

"لیری! یہ سب پڑھانے کی کوشش مت کرو اور اپنے ہدف تک محدود رہو۔ یہ بات چھڑ گئی تو بہت دور تک چلی جائے گی۔ ویت نام سے عراق تک امریکا کیا کرتا رہا ہے؟ اپنے مفاد کے تحفظ کے لیے اس نے کیا کیا تباہی نہیں پھیلائی۔ کیا عراق میں امریکی بمباری سے مارے جانے والے بھوکے بیاسے اور شیر خوار بچوں کا امریکی فوجوں پر کوئی حق نہیں تھا؟ کیا وہ اس گلوبل ویلج کے رہنے بسنے والے نہیں تھے؟ اخلاقیات کا اگر اطلاق کررہے ہو تو سب پر یکساں کرو۔ ایس ٹی ایف کو ہدف نہ بناؤ۔"

"کرنل داور! تم ذرا سی بات پر تلخ اور جذباتی ہو رہے ہو۔" اس بار لیری جھلا کر جوابی الزام تراشی پر اتر آیا "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تمہارے دل میں امریکا اور امریکیوں کے خلاف نفرت کا غبار بھرا ہوا ہے۔"

"تم غلط کہہ رہے ہو۔" کرنل غفور نے سختی سے کہا "ایسی تلخیاں پچھلے اجلاس میں بھی پیدا ہوئی تھیں۔ اس وقت ایس ٹی ایف کا کوئی نمائندہ شریک نہیں تھا۔"

"وہ پالیسی اختلافات تھے۔" لیری نے کرنل غفور کی بات کاٹ دی "آج کھل کر۔"

"خاموش رہو!" آئی جی نے ہاتھ اٹھا کر لیری کو خاموش کردیا "تم نے کرنل غفور کی بات کاٹی ہے۔ پہلے اسے بات پوری کرنے دو۔"

لیری کسی بندر کی طرح منہ چلا کر رہ گیا مگر اس کی زبان نے جنبش نہیں کی۔

"اس وقت صرف ڈینی کا مسئلہ درپیش تھا۔" کرنل غفور نے دوبارہ سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے کہا "آج تم نے خود بات کو پھیلایا ہے۔ کرنل داور نے جو کچھ کہا، تمہاری باتوں کے جواب میں کہا ہے۔ تم اس کا جواب دے سکتے ہو تو ضرور دو۔"

"میں ویت نام کی جنگ کے خاتمے کے بعد اپنی جوانی کی سرحدوں میں داخل ہوا ہوں۔" لیری نے مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "عراق اور کویت کی جنگ میں سی آئی اے کے دوسرے لوگ کام کررہے تھے۔ میں ان سوالوں کے جواب کیسے دے سکتا ہوں۔"

"یہ تمہارا عذر لنگ ہے۔" شاہد بولا "بات حکومتوں اور ان کی حرکتوں کی ہو رہی ہے۔ تم خود کو درمیان میں کہاں لے آئے۔ تاریخ میں ملکوں کے نام چلتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ملک میں کون سی پارٹی برسر اقتدار تھی یا وائٹ ہاؤس میں کون صدر تھا۔"

"آج میری عقل ماؤف ہے یا تم سب میری ٹانگ کھینچنے کا ارادہ کیے بیٹھے ہو۔ اب ہمیں فضولیات سے نکل کر کام کی بات کرنی چاہیے۔"

"میں تمہیں یہ صائب مشورہ کافی دیر پہلے دے چکا تھا۔" جلال نے اسے یاد دلایا۔

"میں نے کام کی بات ہی شروع کی تھی مگر ہم موضوع سے بہک گئے۔" اس نے اپنا بریف کیس کھول کر ایک کاغذ نکالا اور اپنی بات جاری رکھی "اس وقت مظہر خان اور غزالہ کا جوڑا ہمارے لیے ایک سنگین مسئلہ بن گیا ہے۔ پاکستان نے باضابطہ طور پر بھارت سے ان دونوں کی واپسی کا مطالبہ کیا ہے۔ بھارتیوں کو کامل یقین ہے کہ وہ دونوں خاموشی سے سرحد پار کرکے پاکستان واپس آچکے ہیں۔"

"اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" شاہد نے پوچھا۔

"ہم پاکستان اور بھارت، دونوں کے دوست ہیں۔ ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی ایک کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اس مسئلے کا حل چاہتے ہیں۔"

"حل ناممکن ہے۔" اول خان نے اعتماد سے کہا "دونوں موقف متضاد ہیں۔ ان میں سے ایک جھوٹا ہے اور جھوٹے کو جھوٹا کہنا چاہیے۔"

"یہ مشورہ بہت آسان ہے مگر اس پر عمل کرنا شاید سب سے کٹھن کام ہے۔" لیری بولا "مجھے آج ایک شہادت ملی ہے کہ مظہر کراچی میں روپوش ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ پاکستانی موقف غلط ہے؟" شاہد نے جھٹ سوال داغ دیا۔

"یہ نہیں کہا جاسکتا۔ ہوسکتا ہے کہ مظہر نے تمہاری آنکھوں میں بھی اسی طرح دھول جھونکی ہو جس طرح وہ بھارتی ایجنسیوں کو فریب دے کر بھارت سے نکل آیا ہے۔ وہ چالاک آدمی ہے۔ تم سب کوشش کرو تو وہ گرفت میں آسکتا ہے۔"

اول خان میرے ساتھ دم سادھے بیٹھا رہا۔ اس مرحلے پر ہمارا خاموش رہنا ہی بہتر تھا۔

"اس کی تلاش کی کوششیں جاری ہیں۔ تم اپنی شہادت پیش کرو۔ شاید اس سے ہمیں کوئی رہنمائی مل سکے۔" کرنل غفور نے بے نیازی سے کہا۔

"یہ ایک متنازع شہادت ہوسکتی ہے کیونکہ اس فیکس کاپی میں مظہر کی مجرمانہ سرگرمیوں کا ذکر بھی ہے۔ اس سے را پر پاکستان میں مداخلت کا الزام آتا ہے۔ مگر تم جانتے ہو کہ یہ سب چلتا رہتا ہے۔ اس فیکس کے متن کی وجہ سے یہ اجلاس آف دی ریکارڈ رکھا گیا ہے تاکہ اس فیکس کی بنیاد پر پاکستان بھارت کو کوئی سخت احتجاجی مراسلہ نہ بھیجے۔ اگر تم لوگوں کو یہ شرط قبول ہے تو میرے پاس فیکس کی نقلیں موجود ہیں۔"

میرے بدترین اندیشے درست ثابت ہو رہے تھے۔ ہم نے چندن گرنانی کو بہت کم مہلت دی تھی مگر اس نے اسی سے فائدہ اٹھا کر فیکس کی نقل اپنے آقاؤں کو ارسال کردی تھی۔ وہ متن نہ جانے کہاں کہاں سے ہوتا ہوا لیری کے ہاتھوں میں پہنچ چکا تھا اور اس وقت زیر بحث تھا۔

سب خاموش بیٹھے رہے۔ کانفرنس کے ہر شریک کو اس پراسرار فیکس کا متن جاننے کا تجسس تھا۔

"یہاں ہونے والی ہر بات سرکاری سطح پر بے وقعت ہوگی۔ تم فیکس دکھاؤ۔" خاصی طویل اور گمبھیر خاموشی کے بعد جلال نے سکوت توڑا۔

لیری کے مددگار نے اپنی جگہ سے اٹھ کر سب کے ہاتھوں میں ایک ایک کاغذ پکڑا دیا۔

وہ میرے اسی بے نام و نشان خط کی نقل تھی جو میں نے چندن کو فیکس کیا تھا۔

"یہ کل دوپہر کسی نامعلوم مقام سے بھیجا گیا اور آج تمہارے پاس ہے۔" کرنل غفور نے خط پڑھ کر کہا۔

"ہاں۔ مجھے شبہ ہے کہ مظہر را کو ڈبل کراس کر رہا تھا۔ وہ تم میں سے کسی کا آدمی تو نہیں تھا؟" لیری نے پوچھا۔

سب انجان بن کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ سب سے زیادہ معصومیت اول خان کے چہرے پر تھی۔

"خط کے آخر میں کسی کا نام نہیں ہے مگر مضمون سے وہی بات ظاہر ہو رہی ہے جو تم نے کہی ہے۔" کرنل شعبان نے اپنی رائے دی اور کہا "آج کل ہمارے ملکوں کے درمیان کشیدگی بڑھی ہوئی ہے پھر بھی را والے آگ بجھانے کے بجائے بھڑکانے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ حرکتیں تلخیاں بڑھاتی ہیں۔ کاش ہم یہ خط استعمال کرسکتے۔"

"نہیں!" لیری نے سختی سے کہا "کسی مراسلت میں اس کا ذکر نہیں آئے گا۔"

"را والے روایتی ڈگر سے ہٹ کر مقامیوں میں گھسنے اور انہیں خریدنے کی خطرناک کوششیں کرتے ہیں۔ شاید یہ اسی کا شاخسانہ ہے کہ آج صبح سویرے ایک کوڑے دان سے بھارتی قونصل خانے کے کسی ملازم کی لنگڑی لاش برآمد ہوئی ہے۔" آئی جی نے قدرے برہمی سے وہ انکشاف کرکے سب

اتفاق رائے

فیملی ڈاکٹر ایک گھنٹے سے کمرے کے اندر مریض کے معائنے میں مصروف تھا۔ بیوی بچے دوسرے کمرے میں بے چینی سے انتظار کر رہے تھے کہ ڈاکٹر کیا خبر لے کر آتا ہے۔ آخر ڈاکٹر کمرے سے برآمد ہوا اور مریض کی بیوی کے پاس پہنچ کر بولا "میں اس وقت آپ کے شوہر کو جس حالت میں دیکھ کر آرہا ہوں.... مجھے وہ ٹھیک نہیں لگ رہے۔"

"مجھے تو وہ کبھی بھی ٹھیک نہیں لگے.... لیکن کیا کروں.... بچوں کی خاطر گزارا کر رہی ہوں۔" بیوی نے غم زدہ لہجے میں جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو حیران کردیا "ان کی گھٹیا حرکتوں کی وجہ سے ہمارے لیے امن و امان کے سنگین مسائل پیدا ہوتے ہیں۔"

آئی جی کی بات پر ہر شخص چونک پڑا۔ لیری بھی چندن کے قتل سے بے خبر تھا۔ ہال میں سب نے بیک وقت بولنا شروع کردیا۔ ہر شخص ایک ہی سانس میں آئی جی سے بہت کچھ پوچھ لینے کی کوشش کررہا تھا۔

آئی جی کے بیان کے مطابق کوڑا اٹھانے والی ایک گاڑی کے عملے نے شہر کے کوڑے دان میں سات بجے وہ لاش دیکھی تھی جس کی داہنی ٹانگ ران کی ہڈی کے وسط سے کٹی ہوئی تھی۔ اس خبر نے ہر طرف سنسنی پھیلا دی۔ لاش کے بدن پر صرف نیکر موجود تھا۔ جراحی کے مصنوعی عمل سے محرومی کے سبب متوفی غیر مسلم نظر آرہا تھا۔ تمام تھانوں کو کھڑکانے کے بعد پتا چلا کہ پچھلی رات سول لائنز کے علاقے میں رہنے والوں نے پولیس کو کسی گڑبڑ کی رپورٹ دی تھی۔ تفتیش کے نتیجے میں بھارتی سفارت خانے کا ایک افسر اپنے پرتعیش فلیٹ سے غائب پایا گیا تھا۔ وہ سراغ اس وجہ سے مل گیا کہ فلیٹ کا تالا کسی باریک گیس کٹر سے ناکارہ کردیا گیا تھا۔

یہ بہت غنیمت ہوا کہ آئی جی نے گیس کٹر کی اطلاع دی تھی۔ کسی کا دھیان بیم گن کی طرف نہیں گیا تھا۔

آئی جی کو دفتر سے نکلنے کے بعد فون پر بتایا گیا تھا کہ لنگڑے مردے کو چندن گرنانی کے نام سے شناخت کرلیا گیا تھا۔

میں مسلسل گہری نظروں سے لیری کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ نئی خبر نے اسے پریشان ضرور کردیا تھا مگر چندن کے نام پر اس نے کسی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

"یہ بہت برا ہوا۔" لیری نے پوری بات سننے کے بعد مضطربانہ آواز میں کہا "اس واقعے سے پاکستان اور بھارت کے درمیان پائی جانے والی کشیدگی اپنی انتہا کو پہنچ جائے گی۔ بھارتی حکومت نے اس واقعے پر تحمل اور بردباری سے کام نہ لیا تو بھارت میں فسادات بھی پھوٹ سکتے ہیں۔"

"لاش بہت بری اور ادھڑی ہوئی حالت میں ملی ہے۔" آئی جی کہہ رہا تھا "مرنے والا اوباش اور رنگین مزاج تھا۔ ابھی تفتیش شروع نہیں ہوئی مگر ابتدائی اندازہ ہے کہ یہ رقابت کا کوئی چکر بھی ہوسکتا ہے۔"

"مجھے اس بات پر حیرت ہورہی ہے کہ تم نے یہ اہم واقعہ اتنی دیر سے بتایا۔" لیری نے آئی جی سے کہا۔

"میں امن و امان کے مسئلے پر یہاں رپورٹ دینے نہیں آیا تھا۔" آئی جی نے ترشی سے جواب دیا "تمہاری بات سننے کے لیے آیا تھا۔ اگر تم نے را کی طرف سے مظہر کو خریدنے والا فیکس نہ دکھایا ہوتا تو شاید میں اس واقعے کا ذکر ہی نہیں کرتا۔ کراچی میں روز جرائم ہوتے رہتے ہیں۔ ان خبروں سے صرف خوف و ہراس پھیلتا ہے۔ تفتیش میں کوئی مدد نہیں ملتی۔"

"اگر تم میری جسارت کو اپنے فرائض میں مداخلت تصور نہ کرو تو میں چندن والے قصے سے پوری طرح باخبر رہنا چاہوں گا۔" اس بار لیری نے غیر معمولی نرمی اور شرافت سے اپنی فطری خواہش کا اظہار کیا "اس سے مجھے اپنے مشن میں مدد ملے گی۔"

"میں وعدہ نہیں کرتا مگر کوشش ضرور کروں گا۔" آئی جی نے بھی نرمی سے اسے ٹال دیا۔

"بات گھوم پھر کر وہیں آجاتی ہے۔" لیری نے اپنا گلا صاف کرکے کہا "جس شہر میں ماجد یمنی، ڈینی اور مظہر جیسے لوگ آزادی سے دندناتے پھر رہے ہوں اس شہر میں مجھ سمیت کوئی بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔"

"تم کھلے دل سے ہمارا ساتھ دو۔ ہم انہیں پکڑلیں گے۔" شاہد رانا بولا۔

"ہم کھلے دل سے تمہارا ساتھ دے رہے ہیں۔ میں نے بھارتیوں کی مرضی کے خلاف ایک خفیہ فیکس کی کاپیاں تمہیں لادیں۔ تم ہم لوگوں سے اور کیا چاہتے ہو۔"

"یہ کاپیاں تم نے آف دی ریکارڈ دی ہیں۔ انہیں آن ریکارڈ کردو پھر دیکھو کہ پوری سازش کے تانے بانے کس طرح سامنے آتے ہیں۔" جلال نے کہا۔

"یہ نہیں ہوسکتا۔" لیری نے سختی سے انکار کردیا "تم اس مضمون کو بھارتیوں کے گلے کا ڈھول بنادو گے اور اسے دنیا جہان میں بجاتے پھرو گے۔"

"دنیا کو معلوم ہونا چاہیے کہ بھارت دوسرے ملکوں میں کیا کررہا ہے۔"

"آج کے ماحول میں سب نے ایک دوسرے کے ملکوں میں جاسوسی کے لیے اپنے جال بچھائے ہوئے ہیں۔" لیری نے جلال کی دلیل رد کردی "پتا نہیں بھارت میں تمہارے کتنے آدمی کام کررہے ہوں گے اور تم نے کس کس کو خریدا ہوگا۔"

"ہم پھر غیر ضروری باتوں میں الجھ رہے ہیں۔" شاہد نے لیری کو ٹوکا "تم یہ بتاؤ کہ جان دہلی سے کب آرہا ہے۔"

"تم کو جان کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" لیری نے اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"اگر تم ماجد یمنی کی گرفتاری میں ذرا بھی دلچسپی رکھتے ہو تو جان کو جلد از جلد یہاں ہونا چاہیے۔"

"ماجد یمنی آج بھی ہماری پہلی ترجیح ہے۔ اسے ہم نہیں بھول سکتے۔ اس کے لیے جان کیا کر سکتا ہے۔"

"اسے تم نے نہیں دیکھا۔ ہم میں سے کوئی اسے نہیں پہچانتا۔ ہم نے کئی مشتبہ افراد کو حراست میں لے لیا ہے۔ وہ یمن اور دوسرے عرب علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی کے کاغذات میں مطلوب نام نہیں ہے۔ اگر ماجد کے کاغذات کسی اور نام سے بنے ہوئے ہیں تو کوئی اسے نہیں پہچان سکتا۔ صرف جان اسے شناخت کر سکتا ہے۔ وہ یہاں سے غائب ہے۔ اس کے انتظار میں ہم ان لوگوں کو غیر معینہ مدت تک قید میں رکھ سکتے۔"

"ہاں، جان کو یہاں ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنے ملزم کو شناخت کر سکے۔" آئی جی نے شاہد کی تائید کی۔

"یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ تم ان لوگوں کی تصویریں مجھے بھجوا دو۔ وہ جان کو پہنچا دی جائیں گی۔"

"تصویروں سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔" آئی جی نے زور دے کر کہا "جان کا یہ بیان ریکارڈ میں موجود ہے کہ جائے واردات پر روشنی کم تھی اور اسے غور سے حملہ آور کو دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ایسے میں وہ تصویروں سے دھوکا کھا جائے گا۔ ملزم سامنے آئے گا تو وہ آسانی سے اسے پہچان لے گا۔"

"وہ کسی وقت واپس آسکتا ہے۔ میں اسے یاد دہانی بھی کرادوں گا مگر میں تمہیں ایک بات بتادوں کہ آج ایک بھارتی کے قتل کے بعد تمہارا شہر غیر ملکیوں کے لیے مخدوش ہوگیا ہے۔ کوئی بھی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر یہاں آنا پسند نہیں کرے گا۔"

"سب سے پہلے اپنی غلط فہمی دور کرلو۔" آئی جی نے نرمی سے کہا "چندن گرنانی ہندو ضرور تھا مگر وہ پاکستان کا شہری تھا۔ بھارت سے اس کا صرف اتنا تعلق تھا کہ وہ ان کے قونصل خانے میں ملازم تھا۔ رہی غیر ملکیوں کے تحفظ کی بات تو تم دونوں دو دن سے یہاں ہو اور بالکل محفوظ ہو۔"

"یہ قسمت کی بات ہے۔" لیری نے کسی پس و پیش کے بغیر کہا "مجھ سے پوچھو کہ میرا کیا حال ہے۔ ہر وقت کہیں سے گولی آنے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ میں ہوٹل میں اپنے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں کہ کوئی مجھ پر حملہ نہ کردے۔"

مجھے بے اختیار ویرا کا قول یاد آگیا۔ وہ بار بار کہتی رہتی تھی کہ امریکی نرے بزدل ہوتے ہیں جہاں جیت کا یقین ہو وہاں شیر ہوتے ہیں۔ پٹنے یا بازی برابر رہنے کا ذرا بھی اندیشہ ہو تو میدان چھوڑ کر بھاگ نکلنے میں عار نہیں سمجھتے۔

"میں جانتا ہوں۔" شاہد نے ہنس کر کہا "تمہاری حفاظت کے لیے برابر کے کمرے میں دو امریکی میرین کمانڈوز رہ رہے ہیں جو تم سے پہلے باہر نکل کر گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہیں پھر دروازے پر خاص انداز میں دستک دے کر تمہیں میدان صاف ہونے کی اطلاع دیتے ہیں۔"

"اوہ!" وہ کھسیانی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا "تو تمہارے آدمی میرے نگرانی کر رہے ہیں۔"

"مجبوری ہے۔" شاہد نے بے پروائی سے اپنے شانے اچکا کے کہا "تم وی آئی پی ہو۔ تمہاری دیکھ بھال ہمارے فرائض میں شامل ہے۔"

"تم چاہو تو تمہارے کمرے کے باہر پولیس گارڈز بھی مامور کیے جاسکتے ہیں۔" آئی جی نے اس پر تفریحاً فقرہ کسا۔

"نو... تھینک یو!" لیری نے برا مان کر سختی سے کہا

وجہ دلچسپی

پروفیسر صاحب نے میڈیکل کے ایک نوجوان طالب علم کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "کیا بات ہے.... زچگی کے باب کو تم نے بڑی دلچسپی سے پڑھا ہے اور دوسرے مضامین کے نمبنوں کی نسبت اس میں بہت اچھے نمبر لیے ہیں؟"

"سر...! بات یہ ہے..." نوجوان اسٹوڈنٹ نے سنجیدگی سے جواب دیا "جب میں دل کی بیماریوں کے بارے میں پڑھ رہا تھا تو مجھے وہم ہونے لگا تھا جیسے میں خود بھی دل کا مریض ہوں۔ جب میں دمے کے بارے میں پڑھ رہا تھا تو مجھے شبہ ہونے لگا کہ مجھ میں بھی دمے کی علامات موجود ہیں۔ السر کے بارے میں پڑھتے وقت تو مجھے اچھا خاصا یقین ہونے لگا کہ مجھے بھی السر ہے.... زچگی واحد مضمون ہے جسے میں نے اطمینان اور بے فکری سے پڑھا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرے لیے امریکی گارڈز ہی کافی ہیں۔"

"آج کے اجلاس میں تم ہمیں صرف اشتعال انگیز فیکس دکھانے آئے تھے!" جلال نے اس کے تیور بھانپ کر موضوع ہی بدل دیا۔

"ہاں۔ اصل مقصد یہی تھا۔ مگر ماجد یمنی اور ڈینی کے بارے میں یاددہانی بھی ضروری ہے۔"

"میں پھر کہوں گا کہ سی آئی اے یا امریکی حکومت محض بھارتیوں کی خوشنودی کے لیے مظہر کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہی ہے۔" میں نے دانستہ کہا "اس کی ضرورت بھارتیوں کو ہے، تم کو نہیں۔ اب ہمیں یہ معلوم ہوگیا ہے کہ وہ راکا زر خرید آدمی ہے تو ہم اس کے پیچھے پاتال تک جائیں گے مگر تم اس معاملے میں اپنی ٹانگ مت اڑاؤ۔"

"اس پر دہلی میں پیش آنے والے واقعات میں ملوث ہونے کا الزام ہے۔" لیری نے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "تم پچھلے اجلاس میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت اس موضوع پر خاصی ناخوشگوار بحث ہوئی تھی۔ وہ ہماری بھی ضرورت ہے کیونکہ ہمیں جان اسمتھ کے قاتل کی تلاش ہے۔ اس کے لیے ہم ہر حد تک جانے کے لیے تیار ہیں۔ جان دہلی میں اپنے قیام کے دوران میں اپنے ہم نام کے قتل کی کڑیاں بھی یک جا کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"اس کے لیے کراچی کے مقابلے میں دہلی زیادہ مخدوش ہے۔ شاید وہ بھول رہا ہے کہ اس کے ہم نام سے پہلے اوبرائن ڈی ہنٹ نامی ایک اور اہم امریکی افسر دہلی میں حادثے کا شکار ہو کر مر گیا تھا۔"

"کرنل داور! امریکا اور امریکیوں کے بارے میں تمہارے مشاہدے قابل رشک ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے کرسی چھوڑ دی۔ وہ سات پاکستانی افسروں کے درمیان گھر کر بہت زیادہ بے آرامی محسوس کر رہا تھا۔

"ایک اچھا سیکرٹ ایجنٹ مثبت سے زیادہ منفی پہلوؤں پر نگاہ رکھنے کا عادی ہو جاتا ہے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"اسی لیے مجھے ایس ٹی ایف سے بہترین امیدیں ہیں۔ ماجد یمنی، ڈینی اور مظہر کے بعد اب چندن کا قاتل بھی تمہارے لیے چوتھا چیلنج بن گیا ہے۔"

"وہ ہمارا کام ہے۔" آئی جی نے اس کی تصحیح کی "ایس ٹی ایف والے پولیس کے فرائض میں دخل اندازی نہیں کرتے۔"

ہم ساتوں نے کانفرنس روم کے دروازے پر لیری اور اس کے مددگار کو رخصت کیا۔ لیری نے جاتے ہوئے ہم سے فیکس کی نقول واپس نہیں لی تھیں۔

کرنل غفور فوری طور پر چلا گیا۔ دوسرے افراد دروازے پر کھڑے خوش گپیاں کرتے رہے۔ میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر جلال کو ایک طرف لے گیا۔

"آج تم نے اس موٹے کے بخیے ادھیڑ کر میرا دل خوش کر دیا۔" بھیڑ سے دور نکل آنے پر جلال نے مسرت سے کہا۔

"یہ باتیں ہوتی رہیں گی۔ آئی جی کو مشورہ دو کہ چندن کے قتل کو رقیبانہ انتقام کا رخ دینے کی کوشش کرے۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری رنگین لمحات شہزادی نامی کسی لڑکی کے ساتھ گزارے تھے۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"بس، میں سمجھ گیا۔ یہاں زبان پر قابو رکھو۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ میں کسی وقت گھر آؤں گا۔"

ہم دونوں دوبارہ اپنے ساتھیوں میں آملے۔ رفتہ رفتہ سب وہاں سے روانہ ہوگئے۔ بس آئی جی دروازے پر کھڑا رہ گیا۔ شاید اسے تازہ مذاکرات کے بارے میں کمشنر سے کچھ مشورے کرنے تھے۔

"یہ بہت برا ہوا کہ تم اپنی جارحانہ باتوں کی وجہ سے لیری ہف کی نظروں میں آگئے۔ اس نے چلتے چلتے طنزیہ انداز میں تمہاری تعریف کی تھی۔" کمشنر ہاؤس کی حدود سے گاڑی باہر نکال لے جانے کے بعد اول خان نے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

"وہ سب باتیں ناگزیر تھیں۔ وہ لاجواب ہوگیا تھا۔" میں نے سگریٹ کا کش لے کر کہا "اب گھر جا کر یہ بات نہ دہرا دینا۔ غزالہ نیچے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ جائے گی۔ وہ مجھ سے شاکی رہتی ہے کہ میں ہر وقت خود سے خطرات مول لیتا رہتا ہوں۔ میں لیری کی ناراضی سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں۔"

"وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ مجھے ڈر یہ ہے کہ وہ تمہارے بارے میں چھان بین شروع کروا دے گا۔ اسے تمہارا سروس ریکارڈ نہ ملا تو بہت بڑی مشکل کھڑی ہو جائے گی۔ کرنل داور کی ذات فوری طور پر شکوک و شبہات کی زد میں آجائے گی۔" اول خان اس بارے میں واقعی پریشان تھا۔

"مظہر کے نام سے میرا پاسپورٹ بنواتے ہوئے تم نے ایسی باتوں کا خاص دھیان رکھا تھا۔" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے دوران سوچنے کے بعد کہا "را والے میرے کوائف کی اس تصدیق سے دھوکا کھا گئے تھے۔ کیا اس بار تم نے ایسی کوئی احتیاط نہیں کی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں نے اتنی ہی احتیاط کی ہے جتنی پاسپورٹ کے معاملے میں کی تھی۔ کرنل داور سکسٹی نائین فیلڈ کا افسر تھا جو ریٹائرمنٹ لینے کے بعد پچھلے کئی سال سے فوجی فاؤنڈیشن کی ایک فیکٹری میں کام کررہا ہے۔"

"بس' تو پھر یہی کافی ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ ساری عمر کسی فیکٹری میں کام کرتا رہے۔ اس موقع ملا اور وہ اس فیکٹری کی ملازمت چھوڑ کر اسپیشل ٹاسک فورس میں آگیا۔ اب تم کیوں فکر مند ہو رہے ہو۔"

"سی آئی اے والے سور ہوتے ہیں۔" اول خان نے سڑک پر نظریں جمائے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا "وہ بال کی کھال نکالنے کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ کرنل داور کے سروس ریکارڈ کی نقل حاصل کرسکتے ہیں۔ اس میں داور کی تصویر بھی ہوگی۔"

"تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔" میں نے اس سے اتفاق کیا "اس علاقے میں اپنے تلخ تجربات کی بنا پر وہ بہت زیادہ محتاط ہوسکتے ہیں۔ ان سے ہر بات کی توقع کی جاسکتی ہے مگر تم کو اس بارے میں اتنا فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم بھی ریٹائرڈ فوجی ہو۔ فوج میں تمہارے گہرے مراسم ہوں گے۔ حفظ ماتقدم کے طور پر ریکارڈ میں کرنل داور کی تصویر بدلوا دو کیونکہ کرنل داور والا رول کچھ طول پکڑ سکتا ہے۔"

"مجھے اسی بات کی پریشانی ہے۔ اس نے تمہارا نام اور چہرہ ذہن نشین کرلیا ہے۔ مظہر کی طرح کرنل داور کو کہیں غائب نہیں کیا جاسکتا۔ اول تو آرمی ریکارڈ میں کسی قسم کا ردو بدل ناممکن ہے۔ کسی طرح یہ کام کرلیا جائے تو خطرہ یہ ہے کہ تمہاری تصویر ہمیشہ کے لیے ریکارڈ پر آجائے گی۔"

"تم بعض اوقات ضرورت سے زیادہ سوچنے لگتے ہو۔" میں نے ہنس کر کہا "ضروری نہیں کہ ریکارڈ میں میری اصل تصویر ہی جائے۔ تصاویر اور کوائف کا مرحلہ ہر ملازمت کی ابتدا میں چلتا ہے اور ریٹائرمنٹ تک وہی ریکارڈ برقرار رہتا ہے۔ مجھ سے ملتی جلتی کوئی بھی تصویر چلے گی۔ آج سے دس پندرہ برس پہلے میں آج سے بہت مختلف رہا ہوں گا۔"

"اوکھلی میں سر دیا ہے تو اب کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ میرے ذہن میں ایک خطرہ سر ابھار رہا تھا۔ میں نے تمہیں اس سے آگاہ کردیا۔ اب ہم مل بیٹھ کر اس کا کوئی نہ کوئی تدارک بھی کرلیں گے۔"

ہم دونوں نے خاموشی اختیار کرلی۔ گاڑی تیزی سے واپسی کے سفر پر گامزن تھی۔

○☆○

انکشاف

"معروف اداکارہ نے تھانے میں رپٹ لکھوائی کہ چوہدری صاحب نے اس پر مجرمانہ حملہ کیا ہے۔

"چوہدری صاحب نے آپ پر مجرمانہ حملہ کب کیا؟" تفتیشی افسر نے پوچھا۔

"پچھلے ہفتے" اداکارہ نے جواب دیا۔

"تو پھر آپ نے رپورٹ پچھلے ہفتے کیوں درج نہیں کرائی؟" تفتیشی افسر نے حیرت سے کہا۔

"اس وقت تک ان کا دیا ہوا چیک ڈس آنر ہوکر بینک سے واپس نہیں آیا تھا" اداکارہ نے جواب دیا۔

پچھلی رات ہم چندن کے اغوا کے ارادے سے گھر سے روانہ ہوئے تو ہمارا ابتدائی پروگرام یہ تھا کہ چندن کو اس کے گھر سے نکالیں گے اور قائداعظم کے مزار کے عقبی سڑک پر پھیلے ہوئے سناٹے میں قیدی کو ایس ٹی ایف والوں کے حوالے کرکے گھر لوٹ آئیں گے۔

اسٹیشن فور میں بیٹھا ہوا اول خان خود ہی قیدی سے نمٹ لیتا۔ ہم دونوں بروقت اپنی اپنی خواب گاہوں میں پہنچ جاتے مگر عملی طور پر ایسا نہیں ہوسکا۔ کچھ میرا فطری تجسس تھا اور دوسری طرف اخلاقیات کی پاس داری کہ ہم دونوں خود ہی اسٹیشن فور پہنچ گئے۔

وہاں سے واپسی میں اتنی دیر ہوگئی کہ سلطان شاہ تھک ہار کر سوچکا تھا۔ ویرا کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ نشے کی زیادتی کی وجہ سے بے ہوش تھی یا اسے بھی نیند آگئی تھی۔ ہم گھر پہنچے تو وہ بظاہر غفلت کی گہری نیند سوئی ہوئی تھی' صرف غزالہ ہم دونوں کی واپسی کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ گھر پہنچ کر میں نے پسنجر سیٹ پر سوئے ہوئے سلطان شاہ کو جگایا تو وہ گھر میں گھستے ہی بستر کی طرف ہولیا۔

غزالہ مجھ سے میری مصروفیات کے بارے میں زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔ میں گھر سے کسی مہم کے لیے نکلتا تو میری سلامتی کے لیے دعاگو رہتی تھی۔ میں صحیح وسلامت لوٹ آتا تو خدا کا شکر ادا کرتی تھی۔ میں نے سرسری طور پر اسے چندن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے عبرت ناک انجام کے بارے میں بتادیا۔

چائے کے ساتھ ایک سینڈوچ لے کر میں بھی سونے کے لیے چلا گیا۔ صبح آٹھ بجے اول خان کا فون آیا تو ویرا بدستور گہری نیند سو رہی تھی۔ غزالہ میرے اور سلطان شاہ کے لیے ناشتا تیار کر چکی تھی۔ فون پر بات ہونے کے چند منٹ بعد اول خان راستے سے مجھے لیتا ہوا کمشنر ہاؤس کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہم کو اتنا وقت ہی نہیں مل سکا تھا کہ ان واقعات کے بارے میں بیٹھ کر کوئی بات کرتے۔ میں اجلاس سے نمٹ کر اول خان کے ساتھ گھر پہنچا تو ویرا اپنی پوری تیاری کے ساتھ میری واپسی کی منتظر تھی۔ آثار بتا رہے تھے کہ اس نے غزالہ اور سلطان شاہ کو بھی میرے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔

"غنیمت ہے کہ تمہیں گھر آنے کا خیال آگیا" گھر میں قدم رکھتے ہی مجھے ویرا کی نشتر زنی کا سامنا کرنا پڑا "رات کو کہاں رہ گئے تھے؟"

"اول خان کے ساتھ مجرا دیکھنے چلا گیا تھا۔ تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" میں نے سلگ کر پوچھا۔ غصہ مجھے اس بات پر آیا کہ سلطان شاہ اس کے ساتھ گھر میں موجود تھا۔ وہ پوری مہم میں میرا شریکِ کار رہا تھا۔ ویرا نے میری غیر حاضری میں اس سے سب کچھ پوچھ لیا ہوگا پھر بھی وہ میرے سامنے انجان بن رہی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں تم دونوں کے لیے کتنی پریشان تھی" ویرا نے احسان جتانے کی کوشش کی "تم اپنا موبائل فون بھی گھر پر بھول گئے تھے۔"

"تمہاری پریشانی کا اندازہ تمہاری گہری نیند سے ہو گیا تھا" میں نے گہرے طنز سے کہا مگر میں دل ہی دل میں اس کی نادانی پر ہنس رہا تھا۔ میں موبائل فون بھولا نہیں تھا۔ دانستہ گھر پر چھوڑ گیا تھا۔ اس چھوٹے سے شیطانی آلے کی جہاں بہت زیادہ افادیت تھی، ایک خرابی بھی تھی۔ اگر فون کھلا ہوا ہے تو آدمی کہیں بھی ہو، پکڑا جاتا ہے۔ ہمہ وقت رابطے کی وہ آزادی بعض نازک مقامات پر تکلیف دہ ہو سکتی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ چندن کے اغوا میں ایسے کئی نازک مقامات آئیں گے۔ اگر کسی غلط موقع پر موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی تو سارا کیا دھرا رہ جائے گا۔

"تم گھر سے کچھ طے کر کے جاتے ہو اور باہر جا کر ارادے بدل لیتے ہو۔ تم کو اندازہ ہے کہ غزالہ تمہارے لیے کتنی فکر مند رہتی ہے" اپنی بات کا منہ توڑ جواب سنتے ہی ویرا نے غزالہ کو بھی اس بحث میں گھسیٹنے کی کوشش کی۔

"یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ تمہیں اس میں دخل انداز ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسے مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

ویرا کی مستفسرانہ نظریں غزالہ کے چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ جواب میں صرف مسکرا کر رہ گئی۔

"میری طرف سے تم دونوں بھاڑ میں جاؤ۔ میرا کیا جاتا ہے" غزالہ کے خوشگوار ردِعمل پر ویرا بھڑک اٹھی "یہ رات کو میرے ساتھ بیٹھی اس طرح ٹسوے بہا رہی تھی جیسے تھوڑی دیر میں تمہاری تدفین کی خبر آنے والی ہے۔ اب دانت نکال رہی ہے۔"

"ویرا!" اول خان نے تادیبی لہجے میں اسے پکارا "مہذب لب ولہجہ اختیار کرو۔ تم حد سے تجاوز کر رہی ہو۔"

ویرا کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ خاموش بیٹھی چند ثانیوں تک مجھے گھورتی رہی پھر بولی "رات کو کیا ہوا تھا؟"

تم کو سلطان شاہ نے ہر بات بتادی ہوگی، میرا دہرانا ضروری نہیں ہے۔"

"میں نے ان دونوں کو ہر بات بتادی ہے" سلطان شاہ نے جھٹ میری تائید کی "ویرا کو اس بات پر سخت اعتراض ہے کہ ہم نے چندن کی گرل فرینڈ کو کیوں چھوڑ دیا؟ وہ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہارے اس نادر اندیشے کا سبب کیا ہے؟" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میں عورت ہوں اور عورتوں کو تم سے زیادہ جانتی ہوں۔ تمہیں دیکھ کر اسے اپنی جان خطرے میں نظر آئی اور اس نے اداکاری شروع کر دی۔ اس نے اپنے مکر سے تم کو فریب دے دیا۔ وہ کہیں بھی تمہیں پہچان لے گی" ویرا نے دعوے سے کہا۔

"اگر صرف اتنی سی بات ہے تو اسے اپنے نازک دماغ سے جھٹک دو۔ وہ اس بری طرح مدہوش تھی کہ اسے اپنے تن کے کپڑوں کا بھی ہوش نہیں تھا۔"

"وہ نمفو مینیا کی مریضہ رہی ہوگی۔ ایسی عورتوں کو بے لباس ہو کر ہی سکون ملتا ہے" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

"تم نے کیا بے ہودہ باتیں شروع کر دیں" سلطان شاہ نے چڑ کر اسے ٹوک دیا "وہ رات کی باتیں تھیں۔ رات گئی بات گئی۔ اس وقت یہ دونوں لیری سے مل کر آرہے ہیں۔ وہاں ہونے والی باتیں اس وقت سب سے زیادہ اہم ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ویرا نے اس کی بات سنی ان سنی کردی اور مجھ سے کہا "تم نے چوپڑہ کے بارے میں کیا کیا؟"

"کچھ خدا کا خوف کرو" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "ہم رات گئے واپس آئے۔ صبح سویرے کانفرنس میں چلے گئے۔ کچھ کرنے کا وقت کہاں تھا میرے پاس۔"

"ہوسکا تو اسے میں دیکھوں گی" وہ پرخیال انداز میں بولی "اب بتاؤ کہ لیری کو کیا تکلیف ہے؟"

"میرے بھیجے ہوئے فیکس نے یکایک بین الاقوامی اہمیت حاصل کرلی ہے" میں نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"وہ بے وقعت خط جس میں ٹائپنگ کی بے شمار غلطیاں ہیں؟" ویرا نے حیرت سے تائید چاہی۔

"چند گھنٹوں کی مدت میں وہ فیکس چندن سے لیری تک پہنچ گیا۔ وہ اندیشے درست ثابت ہوئے کہ بھارتی اور امریکی اس خط کو مظہر کی کراچی میں موجودگی کا کھلا ثبوت قرار دے رہے ہیں اور شدت سے اس کی گرفتاری کا مطالبہ کررہے ہیں" میں نے بتایا۔

"یہ باتیں چلتی رہیں گی" اول خان نے بلند آواز میں غزالہ سے کہا "تم ذرا ہلکے پھلکے ناشتے کا بندوبست کرلو!"

غزالہ اول خان کی کسی فرمائش کو رد نہیں کرتی تھی۔ اپنی جگہ سے اٹھی اور کچن کی طرف چل دی۔

"اس فیکس کے بارے میں ہمارے خدشات درست ثابت ہوئے۔ چندن کی موت کی صورت میں ہم نے اس سے فائدہ اٹھالیا مگر اب خطرہ سامنے ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ مظہر اور غزالہ کی واپسی کے بارے میں پاکستان کا مطالبہ بھی مسترد کردیا جائے گا" ویرا نے پوچھا۔

"اس کا امکان نہیں ہے۔ فیکس کو اس کے حساس متن کی وجہ سے آف دی ریکارڈ رکھا گیا ہے۔"

"اوہ! تو وہ اجلاس اسی لیے آف دی ریکارڈ تھا" ویرا نے چونک کر کہا "میرا خیال تھا کہ ایس ٹی ایف کی نمائندگی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔"

"لیری کو ماجد یمنی، ڈینی اور مظہر کے بارے میں ایس ٹی ایف سے بہت توقعات ہیں" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کچھ دنوں بعد اس میں چوتھا نام بھی شامل ہوجائے گا۔ آج تم کس نام سے میٹنگ میں گئے تھے؟" ویرا نے پوچھا۔

"کرنل داور!" اول خان نے جواب دیا "ڈینی نے آج لیری کو بری طرح رگید کر رکھ دیا۔ کرنل داور اس کی نظروں میں آچکا ہے۔"

"کرنل داور بن کر تم آزادانہ نقل و حرکت کرسکتے ہو۔ میرا مشورہ ہے کہ کچھ دنوں کے لیے اسٹیشن فور پر ہی منتقل ہوجاؤ۔ ہم لوگ اپنی دیکھ بھال خود کرلیں گے۔"

"تم کو اس کے منہ نہیں لگنا چاہیے تھا۔ تم جانتے ہو کہ دشمنی کے معاملے میں امریکی کتنے کھٹیا ہوتے ہیں" سلطان شاہ بولا۔

"میں خود اس اجلاس میں پس منظر میں رہنا چاہ رہا تھا مگر اس کی باتیں اشتعال انگیز تھیں۔"

"تم نے جلدبازی سے کام لیا" اول خان نے زبان کھولی "وہاں تم اکیلے نہیں تھے۔ دوسرے افسر بھی اس کی کھال ادھیڑنے پر تلے ہوئے تھے۔ امریکیوں کے حاکمانہ سلوک کی وجہ سے کوئی بھی ان کو پسند نہیں کرتا۔ تم خاموش رہتے تو

افسانچہ

ایک خوب صورت لڑکی شام کے وقت ایک پارک سے گزر رہی تھی کہ فوارے کے قریب سے اس نے ایک دھیمی اور فریادی سی آواز سنی "ذرا سنیے.... ذرا سنیے۔"

وہاں کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو پتا چلا کہ ایک مینڈک اس سے مخاطب تھا۔ مینڈک درد بھری آواز میں مزید بولا "اے پیاری لڑکی! حقیقت یہ ہے کہ میں ایک ملک کا شہزادہ ہوں لیکن ایک جادوگرنی نے جادو کے زور سے مجھے مینڈک بنادیا ہے۔ اگر تم جیسی کوئی حسین لڑکی ایک رات نہایت پیار محبت سے مجھے اپنے ساتھ رکھے تو میں دوبارہ انسان کے روپ میں آجاؤں گا۔ یہی اس جادو کا توڑ ہے۔ خدا کے لیے میرے حال پر رحم کرو اور ایک رات کے لیے مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔"

لڑکی کو اس پر ترس آگیا۔ وہ اسے گھر لے آئی۔ پیار سے اپنے ساتھ رکھا۔ بستر میں اپنے ساتھ سلایا۔ صبح وہ مینڈک واقعی ایک خوش شکل نوجوان بن گیا۔

اس افسانچے کا المناک پہلو یہ ہے کہ لڑکی کی ماں نے لڑکی کی سنائی ہوئی اس کہانی پر یقین نہیں کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی نہ کوئی اسے ضرور منہ توڑ جواب دیتا۔"

"جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب ہمیں خود کو آنے والے حالات کے مقابلے کے لیے تیار کرنا چاہیے۔ اس مرتبہ یہ لوگ اپنے ملزموں کو پکڑنے کا قصد کرکے میدان میں اترے ہیں اور کوئی بڑی چوٹ کھائے بغیر میدان سے نہیں بھاگیں گے" میں نے سگریٹ کا ایک کش لے کر کہا۔

"اور چندن کے تاریخی الفاظ بھی یاد رکھنا" سلطان شاہ نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "اس نے ایک چھوٹے سے جملے میں بھارتی سوچ کا نچوڑ سمو دیا تھا۔"

"نشے میں مار کھا کر بھی وہ ایسی باتیں کرنے کے قابل تھا!" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ بہت سخت جان اور ضدی تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ہند' ہندو کا تھا' ہندو کا ہے اور ہندو کا ہی رہے گا۔"

"پھر تو امریکا بھی ریڈ انڈینز کا ہونا چاہیے۔ سفید فام قوموں کے لوگ وہاں یورپ' برطانیہ اور آسٹریلیا سے گئے تھے" ویرا نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"یہ آگ لگا دینے والی پر تشویش باتیں ہیں۔ وقتی طور پر اس نفرت کو کتنا ہی دبا لیا جائے' یہ کسی نہ کسی وقت اپنا رنگ ضرور دکھائے گی" اول خان کی آواز پر تشویش تھی۔

"بھارتی ریاست اور قیادت کی پھیلائی ہوئی یہ نفرت آئے دن اپنا کام دکھاتی رہتی ہے۔" ویرا نے متاسفانہ انداز میں کہا "وہاں ہندو مسلم فساد ہوتے رہتے ہیں۔ پچھلے دنوں انتہا پسند ہندوؤں نے ایودھیا میں رام مندر بنانے کے لیے بابری مسجد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ پچھلے مہینے بڑودہ میں چالیس مسلمان مار دیے گئے۔ یہ سب اسی نفرت کا شاخسانہ ہے جس کے بیج بھارتی قیادت بوتی رہتی ہے۔"

"ہندو کا فلسفہ اب رفتہ رفتہ میری سمجھ میں آتا جارہا ہے۔" اول خان نے سوچتے ہوئے کہا "دنیا میں بہتیرے مسلمان ملک ہیں لیکن بھارت کو کسی سے پرخاش نہیں ہے مگر وہ پاکستان کو ہر قیمت پر نیست و نابود کردینا چاہتا ہے۔ اس بھارتی سوچ کے پیچھے خالص ہندو ذہنیت کار فرما ہے۔"

"اور وہ ہندو ذہنیت کیا ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

"روایتی ہندوانہ انا۔ یہ احساس آج بھی ان کے دل میں کچوکے لگاتا ہے کہ مسلمان باہر سے آئے اور ایک طویل مدت تک ان پر راج کرگئے۔"

"ان پر تو انگریزوں نے بھی راج کیا تھا۔ وہ ان سے محبت کیوں کرتے ہیں؟" ویرا بات بڑھانا جانتی تھی۔

"انگریز آیا اور چلا گیا۔ اس نے بھارت میں اپنا کوئی وطن نہیں بنایا۔ مسلمانوں نے عروج کے بعد زوال دیکھا اور آخر میں پاکستان بنالیا۔ متعصب ہندو پاکستان کو اپنے لیے گالی تصور کرتے ہیں۔ یہ ملک انہیں ہر وقت اس دور کی یاد دلاتا رہتا ہے جب وہ مسلمانوں کی غلامی کررہے تھے۔ وہ اس علامت کے دشمن ہیں۔"

"ان کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہوگا۔" سلطان شاہ نے پُرعزم لہجے میں کہا "وہ اپنی سی پوری کوششیں کرتے ہیں مگر ہر بار منہ کی کھاتے ہیں۔ ابھی اٹل' نریش اور ناگر کی چتاؤں کی راکھ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ اب چندن کی ارتھی تیار ہے۔ یہ پے در پے ناکامیاں آخر کار ان کے حوصلے پست کردیں گی۔"

"میرا خیال ہے کہ تم لوگ سیاست اور تاریخ میں الجھ رہے ہو۔" میں نے اکتا کر کہا "یہ ہمارے موضوع نہیں ہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آج کے مسائل کیا ہیں۔ سبب کچھ بھی ہو' مسائل اپنی جگہ اٹل ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی نہ کوئی حل نکالنا ہی پڑتا ہے۔"

"اور اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ میز پر ناشتا تیار ہے۔" غزالہ نے آکر اعلان کیا۔ سب اٹھ گئے۔

ناشتے کی میز پر وہ لوگ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ میں اپنے خیالوں کی دنیا میں کھویا رہا۔ اپنے بارے میں لیری کی کہی ہوئی باتیں رہ رہ کر میرے ذہن میں چبھ رہی تھیں۔ جذبات کی رو میں آکر میں نے اجلاس میں اس کی اچھی خاصی سرکوبی کر ڈالی تھی لیکن ٹھنڈے دل سے سوچنے پر اندازہ ہو رہا تھا کہ میں کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا۔ اپنی ذات کو درپیش خطرات کو مدِنظر رکھتے ہوئے وہاں احتیاط ضروری تھا۔

"لیری کا یہاں سے بھاگنا ضروری ہوگیا ہے۔" کھانے کے بعد میں نے اول خان سے کہا۔

"اس میں کیا رکھا ہے۔ وہ ہر وقت اپنے کمرے میں بند نہیں رہ سکتا۔ اس پر چھوٹا موٹا مصنوعی حملہ کرا دو۔ خود بھاگ جائے گا۔" ویرا نے بیچ میں اپنی ٹانگ اڑا دی۔

"احمقانہ باتیں تم سے سیکھنی چاہئیں۔" سلطان شاہ کو بھی بولنے کا موقع مل گیا "ابھی سن چکی ہو کہ ہر وقت دو امریکی کمانڈو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ مصنوعی حملے میں حصہ لینے والے مفت میں ان کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں اپنے آدمیوں کو اس کے پیچھے لگا دوں۔" اول خان نے تجویز پیش کی "انہوں نے کسی بے نام و نشان گاڑی میں دو تین مرتبہ اس کا تعاقب کیا تو وہ خوف زدہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو جائے گا۔ تم نے دیکھا کہ اس نے آئی جی کی طرف سے پولیس گارڈز کی پیشکش ٹھکرا دی تھی۔ وہ یہاں اپنے سائے سے بھی بھڑک رہا ہے۔ اسے یہ خوف دامن گیر ہو جائے گا کہ نامعلوم قاتل یا دہشت گرد اس کے پیچھے لگ گئے ہیں۔"

"تجویز معقول ہے مگر امریکی کمانڈوز گھبرا کر کوئی کارروائی کر بیٹھے تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔" میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"زیادہ سے زیادہ وہ چلتی گاڑی سے فائرنگ کریں گے۔ ایسی گولیاں کبھی نشانے پر نہیں لگتیں۔ اندھا دھند فائرنگ کا مقصد صرف ہراس پھیلانا ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر اول خان کے آدمی فرار کی راہ اختیار کر لیں گے۔" ویرا اپنی تجویز سے دست بردار ہو کر اول خان سے متفق ہو گئی۔

"بس ایک ڈر ہے کہ کہیں یہ حرکت جلال کی پالیسی سے متصادم نہ ہو۔" میں نے کہا۔

"پھر وہی جلال۔" ویرا تنک کر بولی "میں پوچھتی ہوں کہ تم اس کے اسیر کیوں ہو گئے ہو۔"

"ذہنی ٹھیک کہہ رہا ہے۔" اول خان نے میری تائید کی "ہم لوگ کوئی کام اپنے ذاتی مفاد کے لیے نہیں کرتے۔ ہمارا ہر قدم اپنے ملک کے لیے اٹھتا ہے۔ اگر ہماری کسی کارروائی سے ملک کے کاز (CAUSE) کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو ہمیں اس سے احتراز کرنا چاہیے۔"

"بنیادی طور پر مجھے تعاقب کا مشورہ اچھا لگا۔ یہ اس پر دباؤ ڈالنے کی بے ضرر ترکیب ہے۔" میں نے کہا۔

"جلال سے بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔" اس بار سلطان شاہ ویرا کا ہم نوا بن گیا "جان ایلش کوف والے معاملے میں بھی تم نے اسے اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ بعد میں وہ تمہاری کارکردگی کے بارے میں جان کر خوش ہو گیا تھا۔ لیری کے لیے بھی اسی نسخے پر عمل کر ڈالو۔"

میں بے ساختہ مسکرانے پر مجبور ہو گیا "مجھے خوشی ہے کہ تم کارآمد مثالیں یاد رکھتے ہو۔"

"مجبوری ہے۔" وہ شانے اچکا کے بولا "تمہارے اور ویرا کے اختلافات کو رفع دفع کرانے کے لیے بہت کچھ یاد رکھنا پڑتا ہے۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو۔" غزالہ بولی "تمہاری اور ویرا کی ایک پل بھی نہیں بنتی۔ اس وقت تم اس کے چہیتے بن رہے ہو۔"

"پھر میں اپنے آدمیوں کو ہدایات دے دوں۔" اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

"میں شام تک تمہیں فون پر بتا دوں گا۔ مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت دے دو۔ لیری عجلت میں شاید کوئی قدم نہ اٹھائے۔"

وقت کی تنگی کی وجہ سے اول خان گھر سے دفتر جانے کے بجائے سیدھا میری طرف آ گیا تھا تاکہ مجھے اپنے ساتھ لے کر کمشنر ہاؤس جا سکے۔ اس نے ہمارے گھر سے اپنے دفتر فون کر لیا تھا مگر وہ دفتر سے اتنی طویل غیر حاضری کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اپنی معمول کی ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے دفتر میں اس کی موجودگی ضروری ہوتی تھی۔ وہ ہم لوگوں سے اجازت لے کر اپنے دفتر کے لیے روانہ ہو گیا۔

ویرا کو اپنی ذاتی ضروریات کی کچھ چیزیں خریدنی تھیں۔ وہ ہمیشہ تنہا باہر نکلنے پر اصرار کرتی تھی لیکن ان دنوں میں نے ذرا سخت رویہ اختیار کر لیا تھا اور اسے اکیلا باہر نہیں جانے دیتا تھا۔ جب سے جان نے گلشن کے اس پبلک ٹیلی فون بوتھ کا نمبر پکڑا تھا جہاں سے میں نے ماجد بن کر اس سے بات کی تھی، میں زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ ان دنوں ساری ملکی ایجنسیاں ہمارے ساتھ تھیں لیکن مجھے ڈر تھا کہ دشمن کے ہرکارے اس بوتھ کے قرب و جوار میں ماجد یمنی کی بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔

ویرا میرے اصرار پر سلطان شاہ کو ساتھ لے کر کسی قریبی بازار کی طرف چلی گئی۔

میں ان دونوں کو رخصت کر کے واپس لوٹا تو غزالہ الماری کھولے کپڑوں میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ میں نرم قالین پر دبے پاؤں چلتا ہوا اس کے پیچھے پہنچا اور اچانک اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

غزالہ کے حلق سے ایک اضطراری چیخ آزاد ہو گئی۔ میری حرکت سے وہ خوف زدہ ہو گئی تھی۔ اس نے پلٹ کر مجھے دیکھنے سے پہلے شاید میرے لمس کو پہچان لیا تھا۔ اس لیے اس کی بے ساختہ چیخ زیادہ بلند آہنگ نہیں ہو سکی تھی۔

"کیا آپ نے ان دونوں کو اس لیے ایک ساتھ بازار بھیجا ہے؟" اس نے میری بانہوں سے نکل کر تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"کبھی کبھی میں ان دونوں کے تسلّط سے اکتا جاتا ہوں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"آپ بہت بے مروت ہیں۔ آپ چلے جاتے ہیں تو وہ دونوں پل پل آپ کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔"

"اور تم بے فکری سے اپنا منہ لپیٹ کر سو جاتی ہو۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے فضا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں چاندی کی بہت سی گھنٹیاں گنگنا اٹھی ہوں۔

"وہ دونوں آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ آپ کبھی کبھی بہت رکھائی سے انہیں جھڑک دیتے ہیں۔ وہ بچے نہیں ہیں۔ پتا نہیں کس دل گردے سے آپ کی جھڑکیاں برداشت کرلیتے ہیں۔ سگے بہن بھائی بھی آپ کو شاید اتنا پیار نہیں دے سکتے تھے۔" باتیں کرتی ہوئی وہ بستر پر جا بیٹھی۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے غزالہ نے میرا کوئی دبا ہوا زخم کرید دیا ہو۔ بچپن میں، میں نے گھر کی خوشی دیکھی تھی نہ میرا لڑکپن بے فکری سے گزرا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد سوتیلے بھائیوں کے سلوک نے مجھے اپنی ماں کے ساتھ جس طرح راندہ درگاہ کیا تھا، وہ میرا دل ہی جانتا تھا۔

غزالہ نے نادانستگی میں بہن بھائی کا ذکر کرکے میری ان تلخ یادوں کے تار چھیڑ دیے تھے۔

"آپ دہلی سے سرخ رو لوٹنے کے بعد بھی بہت مصروف ہیں۔" کچھ دیر بعد اس کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے تلخ ماضی سے لوٹتے ہوئے پوچھا "کیا مجھے پنشن پر چلا جانا چاہیے؟"

"کہا یہ جا رہا تھا کہ انل بسواس کو راستے سے ہٹا دینے کے بعد راکی کمر ٹوٹ جائے گی۔"

"نتائج تمہارے سامنے ہیں۔ ان کی صفوں میں انتشار اور ابتری کے آثار پیدا ہو چکے ہیں۔"

"اور یہ چندن کہاں سے آگ آیا؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"انل کے قتل کا قصہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ یہ اسی واقعے کی دھول ہے جو اب تک اڑ رہی ہے۔ انل کے پس ماندگان کو اس کے قاتلوں کی تلاش ہے۔ ابھی انہیں ناکامی کا پہلا گھاؤ لگا ہے۔ رفتہ رفتہ ان کی عقل ٹھکانے پر آجائے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ یوں ہی ہر وقت مصروف رہیں گے۔"

"میں نے ہر وقت گھر میں رہنا شروع کردیا تو تم میری صورت دیکھ دیکھ کر اکتا جاؤ گی۔" میں نے اس کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگا کر کہا۔

"آپ کی صورت میرے دل پر نقش ہے۔ اسے میں ایک پل کے لیے بھی نہیں بھلا سکتی۔"

"تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ ہم نے دہلی میں ایک مرحلہ نہیں، کئی کٹھن معرکے کامیابی سے سر کرلیے۔ اب حالات و واقعات میں پہلے جیسی تیزی نہیں رہے گی۔ زندگی کا کوئی نہ کوئی خوشگوار معمول بن ہی جائے گا۔"

"بس مجھے اسی دن کا انتظار ہے۔ انل اور جان کا قصہ پاک ہوا تو دوسرا جان یہاں آگیا۔ وہ بھاگا تو لیری سر پر سوار ہے۔"

"یہ لوگ آتے جاتے رہیں گے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آج شہر کے کسی دوسرے حصے سے لیری کو بھی فون کرلوں۔"

"جان فلیٹ میں رہ رہا تھا۔" غزالہ نے سوچتے ہوئے تائیدی انداز میں کہا "اسے وہاں بہت سی سہولتیں دستیاب تھیں جن کے سہارے اس نے پبلک بوتھ کے نمبر کا سراغ لگالیا تھا لیکن لیری ہوٹل میں رہ رہا ہے۔ اسے کچھ پتا نہیں چلے گا۔"

مجھے یاد تھا کہ جان نے نہ صرف پبلک بوتھ کا فون نمبر بلکہ میری اور اپنی گفتگو کا ریکارڈ کیا ہوا کیسٹ بھی حکام کے حوالے کردیا تھا۔ لیری کو ایسی کوئی سہولت دستیاب نہیں تھی۔ میں نے کہا "یہ دونوں بازار سے لوٹ آئیں تو میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر خاموشی سے نکل جاؤں گا۔"

"آپ اس سے کیا بات کرنے کا ارادہ کررہے ہیں؟"

"وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے کوئی بات کی جائے۔ میں نے صرف ایک بات سوچی ہوئی ہے کہ اس سے بات کرتے ہوئے میرا نام عبدالماجد ہوگا۔" میں نے ہنس کر

ازراہ کرم

ایک امریکی نے اپنی بیوی کی بے وفائی کا ثبوت حاصل کرنے کے لیے ایک سراغ رساں کی خدمات حاصل کیں۔ سراغ رساں نے اسے اس کی بیوی اور آشنا کی کچھ تصویریں کھینچ کر ثبوت کے طور پر لاکردیں۔ امریکی نے دوسرے روز تصویریں آشنا کے سامنے رکھتے ہوئے غصے میں غرا کر کہا "یہ دیکھو.... اس تصویر میں تم میری بیوی کے گلے میں بانہیں ڈالے بیٹھے ہو.... اس میں تم میری بیوی کے ساتھ بیٹھے پی رہے ہو.... اس میں تم میری بیوی کے ساتھ بیڈ روم میں ہو.... تم اس سلسلے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟"

آشنا نے تصویریں دیکھ کر سرہلایا پھر تیسری تصویر اٹھاتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے.... یہ میں لے لوں گا.... اس کے مجھے پندرہ پرنٹ نکلوا دو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا۔

وہ خوش ہوگئی "یہ سب سے بہتر رہے گا۔ اس پر دہرا دباؤ پڑے گا۔ ایک طرف ایس ٹی ایف والے اس کا پیچھا کریں گے' دوسری طرف ماجد یمنی کا فون ہوگا۔ وہ حواس باختہ ہوجائے گا اور زیادہ دیر یہاں نہیں ٹکے گا۔"

"لیری چلا جائے گا تو ہمارا وقت سکون سے گزرے گا۔ سی آئی اے والوں کی تسلی کے لیے ہماری ایجنسیاں کاغذی خانہ پری کرتی رہیں گی۔"

"آپ نے اپنی یہ تجویز ویرا کے سامنے نہیں رکھی۔" غزالہ نے پوچھا۔

"وہ کچھ چڑچڑی اور بددماغ ہوگئی ہے۔ ہر بات میں بحث کا پہلو نکال لیتی ہے اس وقت وہ موجود نہیں تھی۔ ہم دونوں نے اطمینان سے ایک فیصلہ کرلیا۔ وہ بحث پر آمادہ ہوجاتی ہے تو اسے سمجھانا مشکل ہوجاتا ہے۔"

"اس کی عادتیں آپ نے بگاڑی ہیں۔ ہمیشہ اس کی اتنی نازبرداریاں کرتے ہیں کہ اس کی جگہ کوئی اچھی بھلی عورت ہو تو اس کا بھی دماغ خراب ہوجائے۔"

"میں تو تمہاری بھی نازبرداریاں کرتا ہوں۔ تمہارا دماغ کیوں خراب نہیں ہوتا۔"

"آپ مبالغے سے کام لے رہے ہیں۔" اس نے میری تصحیح کرتے ہوئے کہا "دوسروں کے سامنے آپ مجھے نظرانداز کرتے رہتے ہیں۔"

"چلو اب خیال رکھوں گا۔ سب کے سامنے تمہیں اپنی گود میں اٹھالوں تو برا نہ ماننا۔"

"اب میں تماشا بھی نہیں بننا چاہتی۔" وہ ہنس دی۔

ویرا کچھ بتا کر نہیں گئی تھی مگر میرا اندازہ تھا کہ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں لوٹ آئے گی۔ جب دو بج گئے تو مجھے ان دونوں کی طرف سے تشویش ہونے لگی۔ اس تشویش میں بھڑکی ہوئی بھوک بھی دب کر رہ گئی۔

وہ دونوں گاڑی لے کر گئے تھے۔ واپس آکر گیٹ پر ہارن بجاتے اور ہمیں ان کی آمد کا علم ہوجاتا مگر ڈھائی بجے میرے اضطراب کا یہ عالم ہوگیا کہ میں بار بار دروازہ کھول کر باہر جھانکنے لگا۔ ان دونوں کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔

پونے تین بجے گیٹ کے قریب ایک گاڑی کے رکنے کی آواز آئی۔ انجن کی آواز نامانوس تھی مگر میں نے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ میں دروازے کا بولٹ کھول رہا تھا تو ڈور بیل بج اٹھی۔ ویرا یا سلطان شاہ سے اتنی تہذیب کی توقع نہیں تھی۔ اپنے دروازے پر وہ دونوں گاڑی سے اترے بغیر ہارن بجانے کے عادی تھے۔

میں باہر نکلا تو پھاٹک پر جلال موجود تھا۔ میں نے اپنی دانست میں تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا مگر مجھ سے کوئی نہ کوئی ایسی حرکت سرزد ہوگئی کہ وہ میری پریشانی کو تاڑ گیا اور اس بارے میں سوال کر بیٹھا۔

میں اسے ویرا اور سلطان شاہ کی واپسی میں تاخیر کے بارے میں بتانے ہی والا تھا کہ گلی کے سرے مجھے ان کی کار مڑتی ہوئی نظر آئی اور میں نے بات ٹال دی "کچھ نہیں... آؤ' تم اندر چلو۔ وہیں بیٹھ کر گپ شپ ہوگی۔"

میں نے پھاٹک کھلا چھوڑ دیا۔ ہمارے بیٹھتے ہی وہ دونوں بھی اندر آگئے۔

میرا خیال تھا کہ ویرا نے دل کھول کر خریداری کی ہوگی مگر سلطان شاہ کے ہاتھ میں صرف ایک شاپنگ بیگ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔

ویرا تھکے ہوئے انداز میں جلال سے دعا سلام کرکے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"میرا خیال ہے کہ میں غلط وقت پر آیا ہوں۔" اس آمد و رفت پر جلال نے ندامت سے کہا۔

تم بالکل صحیح وقت پر آئے ہو۔ تم نہ آئے ہوتے تو میں ان دونوں کی تلاش میں نکل کر کھڑا ہوتا۔ یہ بہت دیر میں واپس آئے ہیں۔" میں نے سلطان شاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کلینک میں دیر ہوگئی۔" سلطان شاہ نے وضاحت کی "ایک لڑکے نے چلتی موٹر سائیکل پر ویرا کا پرس چھیننے کی کوشش کی تھی۔ اس کا پیر مڑ گیا تو ڈاکٹر کے پاس جانا پڑ گیا۔ وہاں دیر ہوگئی۔"

"پرس اور لڑکے کا کیا ہوا؟" جلال نے دلچسپی سے پوچھا۔

"پرس بچ گیا۔ اس کا اسٹریپ ویرا کی کلائی میں لپٹا ہوا تھا۔ اس کے جھٹکے سے اس کا پیر مڑ گیا۔ لڑکا موٹر سائیکل پر فرار ہوگیا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو۔ سلطان شاہ اس واقعے کی بدمزگی اور ویرا کی تیمارداری سے اکتایا ہوا تھا۔ وہ بھی ڈرائنگ روم سے چلا گیا۔ غزالہ جلال سے مل کر سب سے پہلے کچن میں چلی گئی تھی۔

"اگر تمہیں ویرا سے کوئی بات کرنی ہے تو کرلو۔ میں انتظار کرلوں گا۔" جلال نے سگریٹ سلگا کر اطمینان سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"واقعے کی تفصیل معلوم ہو جانے کے بعد اب مجھے کسی چیز کی پروا نہیں ہے۔۔۔"

"یار اس کی مزاج پرسی ہی کرلو۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا "بے چاری کے پاؤں میں موچ آئی ہوئی ہے۔"

"موچ آئی ہوتی تو وہ اپنے قدموں پر چلتی ہوئی یہاں تک نہ آتی۔ تم سناؤ کیا خبریں ہیں۔"

"آج کا میلہ تم نے لوٹ لیا۔ تمہاری کاٹ دار باتوں نے سب کے دل موہ لیے۔ اب لیری کو بھی تمہاری فکر ہے۔"

"اس کو شروع سے میری فکر ہے۔ وہ تین ناموں سے مجھے تلاش کررہا ہے۔ تم کس نام کی بات کررہے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"کرنل داور۔ اس نے بہت مکّاری سے کام لیتے ہوئے کرنل شعبان سے تمہارا سروس ریکارڈ مانگا ہے۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی سرعت سے جوابی وار کی تیاری شروع کردے گا۔ کرنل شعبان نے اسے کیا جواب دیا؟"

"کورا جواب دیا ہے کہ خفیہ ریکارڈ کسی کو فراہم نہیں کیا جاسکتا۔ لیری نے کوئی جوابی وار نہیں کیا۔ اس نے شعبان سے کہا کہ داور بہت ذہین اور طرار آدمی ہے۔ اس کا سروس ریکارڈ دیکھ کر سی آئی اے میں اس کی جگہ پیدا کی جاسکتی ہے۔"

میں اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر زور سے ہنس پڑا "یہ خدا کی قدرت ہے کہ مجھے سی آئی اے میں لینے کے بارے میں سوچا جارہا ہے۔"

"شعبان کو اس کہانی پر یقین نہیں آیا۔ یہ لیری کا بلف ہے۔ وہ دھوکے سے تمہارے مکمل کوائف حاصل کرنا چاہ رہا ہے۔"

"تو کیا اس کو مجھ پر شک ہوگیا ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ جلال کے الفاظ پر میرے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں۔

"اسے شک ہی کہیں گے۔ وہ تمہیں ڈبٹی نہیں سمجھ رہا بلکہ اس بات سے نالاں معلوم ہوتا ہے کہ امریکا کے بارے میں تلخ سوچ رکھنے والے ایک شخص کو ایس ٹی ایف میں جگہ کیوں دی گئی ہے۔ وہ اس بارے میں کچھ نہ کچھ کر گزرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

"شعبان کے انکار کے بعد وہ ریکارڈ تک رسائی کے لیے دوسرے ذرائع استعمال کرے گا۔"

"اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ شعبان کا کہنا ہے کہ اس نے بات ختم کردی۔"

"اول خان نے کانفرنس میں معتبر بنانے کے لیے میرے نام سے پہلے کرنل کا دم چھلا لگادیا ورنہ کسی فرضی نام سے ہی کام چل سکتا تھا۔"

"اول خان نے بہت ذہانت سے کام لیا۔ سیکیورٹی کے معاملے میں امریکی بہت سخت اور کھردرے ہوتے ہیں۔

آمد کا مقصد

متحدہ کمیونسٹ روس کے زمانے میں وہاں کا ایک کتا خفیہ طور پر سرحد عبور کرکے مغربی جرمنی کے ایک کتے کے ہاں مہمان کے طور پر آگیا۔ مغربی جرمنی کے کتے نے دم ہلا کر اسے خوش آمدید کہا اور پیانے کے لیے اسے ایک ہڈی پیش کی۔ روسی کتا نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا "میں یہ ہڈی نہیں کھاؤں گا۔ ہمارے ہاں کی کمیونسٹ ہڈیاں زیادہ لذیذ ہوتی ہیں۔"

میزبان کتے نے ذرا مرعوب ہوتے ہوئے کہا "اچھا ... تو میرے پیالے سے تھوڑا سا دودھ ہی پی لو۔"

"نہیں... میں یہ بھی نہیں پیوں گا .... ہمارا کمیونسٹ دودھ زیادہ مزے دار اور غذائیت سے بھرپور ہوتا ہے" روسی کتے نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"اچھا ... تو پھر میرے دڑبے میں تھوڑی دیر آرام ہی کرلو" میزبان کتا خوش خلقی کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"نہیں ... میں ایک سرمایہ دار کتے کے دڑبے میں آرام نہیں کرسکتا۔"

"اگر تم میری کوئی بھی چیز قبول نہیں کرسکتے تو پھر یہاں آئے کس لیے ہو؟" میزبان کتے نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک آدھ دن بھونکنے کے لیے ..." روسی کتے نے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غنیمت ہے کہ اس نے ایس ٹی ایف کے دو نمائندوں کی موجودگی پر اعتراض نہیں کیا۔ میں اول خان کے ساتھ تمہیں دیکھ کر چونک پڑا تھا۔"

"وہاں دوسروں کی طرح تم بھی مجھ سے اجنبی بنے ہوئے تھے۔"

"اجنبی نہ بنا ہوتا تو اب مجھ پر ہر طرف سے سوالوں کی یلغار ہو رہی ہوتی۔"

"ذرا سی شناسائی اتنا زیادہ بوجھ نہیں بنتی۔" میں نے بے اعتباری سے کہا۔

"تم آرام سے گھر میں بیٹھ کر یہ کہہ سکتے ہو۔ اجلاس کے بعد سب فون پر ایک دوسرے سے تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ ہر ایک کو پورا یقین ہے کہ تم وہ نہیں ہو جو بنے ہوئے تھے مگر کوئی یہ بھی نہیں سوچ سکا کہ ڈینی ہر خطرہ مول لے کر بہروپ میں لیری کے سامنے پہنچ گیا۔" جلال نے پرجوش لہجے میں بتایا۔

"اب میرے لیے تمہارا کیا حکم ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"پچھلے ڈیڑھ دو ہفتوں میں تم نے بہت کام کرلیا۔ اب کچھ دن آرام کرلو۔ چاہو تو چھٹی پر مری کی طرف نکل جاؤ۔" اس نے دوستانہ انداز میں میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "ذرا آگے جاؤ گے تو بھوربن کے حسین پہاڑوں میں تمہیں زندگی کا لطف آجائے گا۔"

"اب طبیعت ایسے عیش و آرام کی طرف مائل نہیں ہوتی۔ تم یہ بتاؤ کہ لیری یہاں سے کب واپس جا رہا ہے۔"

"لیری بہت فرصت سے آیا ہے۔ فی الحال وہ کہیں نہیں جائے گا۔ وہ خاصا بڑا ایجنڈا لے کر پاکستان آئے تھے مگر جان کو ماجد کی وجہ سے عجلت میں دہلی بھاگنا پڑ گیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ لیری کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے وہ کب پاکستان لوٹتا ہے۔"

"میں نے سنا تھا کہ اوبرائن ڈی ہنٹ سی آئی اے کا بہترین دماغ تھا جسے مخصوص مقاصد کے لیے کراچی میں تعینات کیا گیا تھا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "وہ دہلی میں پیش آنے والے ایک حادثے میں مارا گیا مگر سی آئی اے کی سرگرمیوں میں ذرا سی بھی کمی نہیں آئی' اس کی جگہ جان اسمتھ نے لے لی۔ یہ۔۔۔"

"اداروں میں یہی ہوتا ہے۔ کارکردگی کا تسلسل کسی نہ کسی سطح پر برقرار رہتا ہے مگر یہ دیکھو کہ اوبی کو لاکھوں ڈالر مالیت کا ساؤنڈ اسکیننگ سسٹم یہاں لایا تھا۔ سنگ ریزوں جیسے کروڑوں چپس شہر کی مٹی میں بکھیر دیے جاتے اور وہ دفتر میں بیٹھے بیٹھے آوازوں کی پہچان سے یہ معلوم کرلیتا کہ اس کے مطلوب آدمی کہاں کہاں موجود ہیں۔ تمہیں یعنی ڈینی کو پکڑنے کے لیے وہ ایک بھیانک جال تھا۔ اوبی کے مرتے ہی وہ کھیل ختم ہوگیا۔ اس کے لائے ہوئے کمپیوٹر اور ساؤنڈ اسکینر نہ جانے کہاں پڑے سڑ رہے ہوں گے۔"

جلال کے کہنے پر مجھے یاد آیا کہ اوبرائن نے مجھے ایس ٹی ایف کا باغی سمجھ کر اپنے اعتماد میں لے لیا تھا اور ڈینی کی تلاش کے لیے الیکٹرانک چپس کی ایک تھیلی مجھے بھی دی گئی تھی۔ اس وقت میں کرنل جمال دستی کے روپ میں کام کر رہا تھا۔ میرے ادا کیے ہوئے معاوضے پر رستم ایرانی نے اوبرائن کو دہلی کے حادثے میں مروایا تھا۔

جلال کی یہ بات سو فیصد درست تھی کہ تبدیلیوں کے ساتھ کارکردگی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ لیکن کام کا تسلسل ہر حال میں برقرار رہتا ہے۔ اوبرائن کے مرتے ہی اس کا منصوبہ ترک کردیا گیا تھا۔ اس کے جانشین نے اپنی استعداد کے مطابق دوسری سمتوں میں کام شروع کردیا تھا۔

آئے دن ہونے والی ان تبدیلیوں سے سی آئی اے کی کارکردگی بہت بری طرح متاثر ہوتی۔ اس کا سارا فائدہ ہمیں پہنچ رہا تھا۔

"یہ ملک پہلے بھی موجود تھا۔ یہاں امریکا کے مفادات بھی تھے مگر سی آئی اے اتنی سرگرم نہیں تھی۔ پچھلے ڈیڑھ دو سال میں کیا قیامت آئی ہے کہ پاکستان ہر ایک کی توجہ کا نشانہ بن گیا ہے۔" میں نے الجھ کر اس سے پوچھا۔

"روس کی شکست و ریخت کے بعد طاقت اور سیاست کے محور بالکل بدل چکے ہیں۔ شاید امریکا نے محسوس کرلیا ہے کہ اس پورے خطے کی مانیٹرنگ کے لیے پاکستان کی جغرافیائی سرحدیں سب سے زیادہ محفوظ اور موثر ہیں" جلال نے اپنے تجزیے اور مشاہدے کی روشنی میں جواب دیا۔

"اگر امریکا کے مفادات پاکستان سے وابستہ ہیں تو وہ ہمارے خلاف بھارت کو کیوں شہ دیتا ہے؟"

"ہم پر دباؤ برقرار رکھنے کے لیے" جلال کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ تیر گئی "جو قومیں کسی مول بکنے کے لیے آمادہ نہ ہوں' انہیں ایسے حربوں سے جھکا دیا جاتا ہے۔"

"پھر سیدھی سی بات یہ ہوئی نا کہ امریکا کو بھارت ہم سے زیادہ عزیز ہے؟"

"بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے" جلال کے پاس میری تائید کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔

"امریکی ہماری شہ رگ پر ہاتھ ڈالنے کے چکر میں ہیں تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم انہیں جوتے کیوں نہیں مارتے۔ ان کی راہ میں کیوں بچھے جارہے ہیں" میرا لہجہ تلخ ہوگیا۔

جلال نے میری آنکھوں میں جھانکا اور اپنا سر جھکالیا۔ وہ چند ثانیوں تک خاموش رہا پھر تھکی ہوئی آواز میں بولا "تم یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہو۔ یہ بہت زیادہ عزت والی راہ نہیں ہے لیکن ہم مجبور ہیں کہ اپنی بقا کے لیے اسی راہ پر چلتے رہیں۔"

"میں ہمیشہ مجبوریوں کا ذکر سنتا ہوں لیکن یہ پتا نہیں چلتا کہ وہ مجبوری کیا ہے۔ ہم نے کون سا گناہ کیا ہے جس کی پاداش میں ہمیں نکمے نکمے کے امریکیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔"

"آج میری ایک بات سن لو اور اسے گرہ میں باندھ لو" اس بار جلال نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "میں چھوٹائی اور بڑائی یا کمزوری اور شہ زوری کا قائل نہیں ہوں۔ چیونٹی کا کوئی وجود نہیں ہوتا مگر وہ پیر کے نیچے دبتی ہے تو کاٹ لیتی ہے۔ ہاں، کوئی دور سے پھونک مار کر چیونٹی کو اڑا دے تو وہ بے چاری کچھ نہیں کرسکتی۔ ہم اسی حقیقت کے قیدی ہیں۔ ہم ہر وقت امریکا کی دسترس میں ہیں جب کہ امریکا کی سرزمین ہماری رسائی سے باہر ہے۔ میری اس بات پر جتنا غور کروگے، نئے نئے مفہوم پاتے چلے جاؤگے۔ تم لیری سے بہت بدظن نظر آرہے ہو۔ تم نے اس کے ڈپٹی ڈائریکٹر کو مار کر بھگادیا لیکن خدا کے لیے اسے ہاتھ نہ لگانا۔"

"ہاتھ تو کیا میں اسے پیر بھی نہیں لگاؤں گا" میں نے حقارت سے کہا۔

یہ ہاتھ، پیر، انگلی یا گھونسے کی بات نہیں ہے۔ تم اس پر ہتھیار بھی نہیں اٹھاؤگے" جلال نے اصرار کیا۔

"وہ مردار خور امریکی گدھ ہے۔ میں اس پر اٹھانا چاہوں تب بھی کچھ نہیں اٹھے گا۔ تم بے فکر رہو۔ تمہارا مہمان جب تک یہاں ہے، محفوظ رہے گا۔"

"وقت کی چکی بہت بے رحم ہوتی ہے۔ اس کا پاٹ چلتا ہے تو اس میں سب کچھ پس کر رہ جاتا ہے" جلال نے میری دل جوئی کرتے ہوئے کہا "یہ وقت یکساں نہیں رہے گا۔ قدرت نے فرعون کے محل سے موسیٰ کو اٹھایا تھا، نمرود کو ایک مچھر نے مارا تھا، آج کے عفریت کو سمندروں کی پناہ حاصل ہے مگر اس میں اندر سے ایسا بھونچال اٹھے گا کہ سب کچھ نہیں تو اس کا بہت کچھ تباہ ہوجائے گا۔"

اسی وقت ویرا ہلکی سی لنگڑاہٹ کے ساتھ نمودار ہوگئی۔ اگر سلطان شاہ نے اس کا پیر مڑنے کے بارے میں پہلے سے نہ بتادیا ہوتا تو اس خفیف سی لنگڑاہٹ کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ "یہ کس عفریت کا ذکر خیر ہورہا تھا؟" ویرا نے آتے ہی پوچھا۔ شاید اس نے جلال کے کہے ہوئے آخری فقرے سن لیے تھے۔

"تمہارے وطن کے پھیلائے ہوئے شر کا تذکرہ ہورہا تھا" میں نے ہلکے پھلکے انداز میں اسے جواب دیا۔

"تم امریکا کے خلاف ہو یا امریکیوں کے دشمن ہو؟" ویرا نے جلال سے پوچھا۔

"امریکیوں سے دشمنی ہوتی تو تم سے بھی دوستی نہ ہوتی" جلال نے چالاکی سے جواب دیا۔

"میری نگاہ میں دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کسی ملک کا مزاج اس کے شہریوں سے بنتا ہے اور پھر امریکا میں سب سے زیادہ جمہوریت پائی جاتی ہے۔ وہاں عوام کی مرضی کے خلاف تنکا بھی نہیں ہلایا جاسکتا اس لیے آج امریکا جو کچھ ہے وہ امریکیوں کی خواہش کے عین مطابق ہے۔"

"یہ بات تم کہہ سکتی ہو کیونکہ تم خود امریکی ہو، ہم اتنے سفاک نہیں ہیں" جلال بولا۔

"تم مجھے سفاک کہہ رہے ہو؟" ویرا نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"جو کچھ امریکی ہیں، تم بھی وہی کہلاؤگی۔ اپنے پہلو میں ایک دردمند دل رکھنے کے باوجود تم بدقسمتی سے امریکی ہو۔"

"ماں باپ امریکی تھے۔ میں وہیں پیدا ہوئی، وہیں ہوش سنبھالا مگر میری تعلیم و تربیت یورپ میں ہوئی تھی۔ وہاں کے لوگ امریکیوں کو قبول تو کرلیتے ہیں مگر اپنے دل کی گہرائی میں پسند نہیں کرتے۔ یہ ایک عجیب المیہ ہے اور امریکی تھنک ٹینک اس پر کبھی غور نہیں کرتے۔"

"ایک زمانے میں ہم سب موت کے سوداگر ہوا کرتے تھے" میں نے ویرا سے مخاطب ہوکر کہا "نسلی، علاقائی یا فوجی برتری کا

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھمنڈ بھی ایک نشے کی طرح ہوتا ہے جو وقت کے ساتھ اترتا ہے یا پھر کوئی حادثہ اسے ہرن کردیتا ہے۔ امریکی ابھی اپنی بڑائی کے نشے میں چور ہیں۔ انہیں ہر طرف بونے انسان اور حقیر و فقیر ملک نظر آتے ہیں۔ کسی دن کوئی بڑا حادثہ ہوگا جو ان کی انا پر کاری ضرب لگائے گا یا ان کی ساکھ تباہ کردے گا پھر یہ اونچی مسند سے ہم سب کی برابری کی سطح پر اتر آئیں گے۔"

غزالہ نے کھانے کی میز لگ جانے کی اطلاع دی۔ جلال لنچ سے فارغ ہو کر آیا تھا لیکن ہم سب کا ساتھ دینے کے لیے وہ بھی میز پر آگیا۔

وہ بحث ڈرائنگ روم سے کھانے کی میز پر منتقل ہوگئی۔ اس بار سب لوگ اس میں شریک تھے۔

اپنے ملک اور ہم وطنوں کے بارے میں ہمیشہ کی طرح ویرا کا رویہ بہت سخت بلکہ جارحانہ تھا۔ جلال اپنی مجبوریوں کی وجہ سے نرم گوشہ رکھنے پر مجبور تھا۔ بقیہ افراد کا رجحان ان دونوں کے بین بین تھا۔

اس وقت فضا بہت سازگار تھی اور میں کھل کر بات کرسکتا تھا مگر میں نے لیری کے بارے میں اپنے ارادے کا اظہار مناسب نہیں سمجھا۔ اس راز میں صرف غزالہ کی شراکت ہی کافی تھی۔ زیادہ سے زیادہ اول خان کو اعتماد میں لیا جاسکتا تھا۔

جلال نے اس دوران میں لیری کی اس چھان بین کا دوبارہ ذکر نہیں کیا جو وہ میرے بارے میں کررہا تھا۔

"مجھے یوں محسوس ہورہا ہے جیسے ہمارے اعصاب پر امریکا سوار ہو اور ہم امریکا زدہ ہوگئے ہوں" کھانے کے درمیان میں سلطان شاہ نے کہا۔

"ہم قریب سے ان کا سلوک دیکھ رہے ہیں اس لیے کچھ زیادہ حساس ہوگئے ہیں" ویرا نے جواب دیا۔

"ایک بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ ملک اتنا ہی خراب ہے تو دنیا بھر سے لاکھوں افراد وہاں کیوں جاتے ہیں اور جو جاتے ہیں وہ اس کے گن گاتے ہوئے کیوں واپس آتے ہیں؟" سلطان شاہ نے سادگی سے وہ سوال پیش کرکے سب کو چونکا دیا۔

"وہ اپنے ملک کو جنّتِ ارضی بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہر طرف شان و شوکت اور تمول کا دور دورہ ہے" ویرا بتانے لگی "لوگ امریکا کی بے جا تعریف نہیں کرتے۔ وہاں کی ان رونقوں کے لیے دنیا کے دوسرے ملکوں کو اجاڑنے کی کوششیں قابل نفرت ہیں۔ میں ان کو برا کہتی ہوں۔"

سلطان شاہ کو وہ مسکت جواب ویرا ہی دے سکتی تھی۔ ہم میں سے کوئی اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ اس نکتے پر روشنی ڈال سکتا کیونکہ کسی نے امریکی معاشرے کو اتنے قریب سے دیکھا اور پرکھا نہیں تھا کہ اس پر کوئی حکم لگا سکتا۔

"بات گھوم پھر کر وہیں آجاتی ہے" سلطان شاہ، ویرا کی بات آسانی سے ماننے والا نہیں تھا "یہ قابل نفرت کوششیں کون کررہا ہے؟"

"میں تم سے پہلے ان کو برا کہہ رہی ہوں۔ میں اب بھی کہوں گی کہ جان نکل گیا تو کوئی بات نہیں۔ ہمیں لیری کو ماردینا چاہیے۔۔۔"

"نہیں ویرا!" جلال نے بے تابی سے اس کی بات کاٹ دی "دوسروں کے جذبات بھڑکانے کی کوشش مت کرو۔ کسی سیکرٹ ایجنٹ کی اپنے مشن میں ناکامی اور نامرادی اس کی موت بن جاتی ہے۔ یقین رکھو کہ لیری یہاں سے خالی ہاتھ جائے گا۔ اسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکے گا۔"

"مگر اب چوپڑہ کی باری ضرور آئے گی۔" ویرا کی آواز پرعزم ہوگئی۔

میرے لیے یہ بات حیرت کا باعث بنی کہ ویرا نے جلال سے بحث نہیں کی تھی۔ اس کی بات مان کر لیری کے بجائے چوپڑہ کا ذکر نکال لیا تھا۔

"وہ تمہارا کھلا شکار ہے۔ اس کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہوں گا۔"

کھانے کا دور ختم ہوتے ہی جلال اجازت لے کر اٹھ گیا۔

میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو میز پر روک کر اسے رخصت کرنے کے لیے اس کے ساتھ باہر آگیا۔

"اچھا ہوا کہ تم نے یہ موقع نکال لیا" احاطے میں نکل کر جلال نے سرگوشی کے انداز میں کہا "کرنل داور کے سروس ریکارڈ میں تصویر کی تبدیلی کے امکان پر ضرور غور کرلینا اور لیری سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہ ہونا۔ میں اس وقت تم کو یہی دو باتیں بتانے آیا تھا۔"

"میں دونوں باتیں اپنے دل پر نقش کرچکا ہوں" میں نے اس کا ہاتھ تھپتھپا کر جواب دیا۔

"کراچی میں میرا کام ختم ہونے والا ہے۔ آج کی آخری پرواز سے میں لاہور چلا جاؤں گا۔"

میں نے تپاک سے گلے مل کر اسے الوداع کہا اور وہ اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر تیزی سے روانہ ہوگیا۔

میں اندر واپس لوٹا تو وہ تینوں کھانے کی میز سے ڈرائنگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روم میں واپس آچکے تھے۔

"چوپڑہ کے بارے میں تم جلال سے کیا کہہ رہی تھیں؟" میں نے بیٹھتے ہی ویرا سے سوال کردیا۔

"اسے میں دیکھوں گی۔ تم اس سے دور رہو گے" ویرا نے اپنے ارادے کا اظہار کیا۔

"تم کیا کرنا چاہ رہی ہو۔ اگر تمہارا منصوبہ قابل عمل ہوا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کرے گا" غزالہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ابھی میں نے کچھ نہیں سوچا" اس نے ہنس کر کہا "یہ اطمینان رکھو کہ میں تم تینوں سے مشورہ کیے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گی۔"

"میں تم سے یہی یقین دہانی حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔"

"ابھی صرف اتنا پتا چلا ہے کہ وہ قونصل خانے میں انفارمیشن آفیسر ہے۔ دوسرے کوائف کی چھان بین کے بعد اندازہ ہوگا کہ اس پر کسی سمت سے حملہ کرنا سودمند ہوگا۔"

"یہ چھان بین بھی تم خود کروگی یا چھلنی ہمیں تھمادوگی" سلطان شاہ نے منہ بنا کر پوچھا۔

"یہ کام سب مل کر کریں گے۔ ضروری ہوا تو اول خان سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔"

میں ان لوگوں کو ٹالنے کی کوشش کرتا تو وہ گلے پڑ جاتے اور مجھے تخلیہ میسر نہ آنے دیتے۔ میں نے اپنے سر میں درد کا بہانہ کیا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ کمرے میں گھس کر اس وقت دروازہ بند کرنا مناسب نہیں تھا۔ غزالہ باہر مصروف تھی۔ ویرا موقع غنیمت جان کر کمرے میں بھی آسکتی تھی۔ میں خاموشی سے اپنے بستر پر دراز ہوگیا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ ویرا کے ذہن پر کوئی تجسس سوار ہو تو وہ باہر سے ہی اندازہ لگالے کہ میں سونے کی کوشش کررہا تھا۔

میرا ارادہ اداکاری کرنے کا تھا لیکن کھانے کے بعد بستر کی نرم آغوش میسر آئی تو میری آنکھیں خود بخود بند ہوگئیں۔ ان میں نیند نہیں تھی اور میرا ذہن پوری طرح کام کررہا تھا۔ اس کیفیت میں چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ ایک آواز نے مجھے چونکادیا۔

"ڈینی! کیا تم واقعی سو رہے ہو؟" وہ ویرا کی شرارت آمیز آواز تھی۔

غنیمت یہ تھا کہ اس نے دروازے پر رک کر وہ سوال کیا تھا۔ مجھے جھنجوڑا نہیں تھا۔ میں بستر پر بے حس و حرکت پڑا رہا۔ میری سماعت قالین پر ویرا کی دور ہوتی ہوئی نرم آہٹوں کی منتظر تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ مایوس ہو کر جلد واپس لوٹ جائے گی۔ ویرا نے مزید ایک بار میرا نام پکارا اور پھر واپس چلی گئی۔

جب مجھے اس کی واپسی کا یقین ہوگیا تو میں نے اپنی آنکھوں میں ہلکی سی جھری پیدا کی۔ دروازہ خالی تھا۔ اگلے ہی لمحے غزالہ اندر آگئی۔ میں پہلے سے کمرے میں موجود تھا اس لیے غزالہ نے اپنے معمول کے مطابق دروازہ بند کرکے تالے کی ناب دبادی۔ میں نے فوراً بستر چھوڑ دیا۔

"مجھے حیرت تھی کہ آپ کو اس وقت نیند کیسے آگئی؟" غزالہ نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ ویرا سے بچنے کی ترکیب تھی۔ میں اول خان سے لیری کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"یوں کہئے کہ آپ نے اپنے لیے تخلیے کا بندوبست کیا ہے۔" اس نے شوخی سے کہا اور بستر پر آگئی۔

میں نے قریب ہی سائڈ ٹیبل پر رکھا ہوا فون اٹھا کر اول خان کے دفتر کا نمبر ملانا شروع کردیا۔

دوسری طرف سے پہلی گھنٹی پر ہی جواب مل گیا۔ میرے استفسار پر یہ مایوس کن اطلاع ملی کہ اول خان اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔

جب سے موبائل فون کی سہولت عام ہوئی تھی، وہ اوقات کار میں باہر نکلتے ہوئے اپریٹس کے ساتھ موبائل فون بھی اپنے پاس رکھتا تھا۔ موبائل فون پر اس سے فوری رابطہ ہوگیا۔ وہ کسی اور کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔

اپنی مجبوری کے اظہار کے ساتھ اس نے چند لمحوں کے لیے معذرت چاہی تاکہ کسی گوشے میں جاسکے پھر وہ خود مجھ سے مخاطب ہوگیا۔

"مجھے تم سے کچھ اہم باتیں کرنا ہیں۔ کیا تمہارے پاس اتنا وقت ہے؟" میں نے تمہید اٹھائی۔

"تم کھل کر بات کرسکتے ہو۔ میرے پاس وقت ہے اور تنہائی بھی۔ یہاں کوئی سننے والا نہیں ہے۔"

"اس سفید موٹے کے پیچھے اپنے آدمی لگادو" میں نے سی ایس ڈی کی سہولت زیر استعمال ہونے کے باوجود لیری کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے کہا "انہیں دور اور اس سے زیادہ محفوظ رہ کر صرف اس کا پیچھا کرنا ہے۔"

"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آخرکار تم میری تجویز سے متفق ہوگئے ہو" اول خان کی آواز مسرت آمیز تھی "زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے بعد میرے دو آدمی گاڑی سمیت اس کے ہوٹل پر پہنچ جائیں گے۔ ان کی حکمت عملی کیا ہوگی؟"

"میں نے تمہاری تجویز حرف بہ حرف قبول کرلی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب کچھ اس کے مطابق ہوگا۔"

"تمہارے یہ الفاظ میرے لیے بہت حوصلہ افزا ہیں۔ ابھی ابھی مجھے ایک اچھی خبر ملی ہے۔"

"چھوٹا آلہ کام کررہا ہے۔ تم بے فکر ہوکر خبر سنا سکتے ہو۔"

"مقتول کے بدن پر برسنے والی سلطان شاہ کی ٹھوکروں نے زبردست کام دکھایا ہے۔ اس تشدد آمیز واردات کو پولیس رقابت کا نتیجہ قرار دے رہی ہے۔ مقتول کے کئی لڑکیوں سے گہرے مراسم تھے، تفتیش اس سمت میں جارہی ہے۔"

اول خان کو یہ علم نہیں تھا کہ میں نے اس بارے میں جلال سے بات کی تھی۔ شاید جلال نے میری خواہش آئی جی تک پہنچادی تھی۔ یہ بات مقامی انتظامیہ کے مفاد میں تھی کہ چندن کے قتل کو کسی سازش کے بجائے ذاتی انتقام کا نتیجہ قرار دے دیا جائے۔ اس کے نتیجے میں ہر سطح پر بہت سی دشواریوں سے بچا جاسکتا تھا۔

"ویری گڈ۔ یہ بہت بڑی خبر ہے" مجھے اندازہ تھا کہ اول خان کے آدمیوں کی ماہرانہ مدد کے بغیر چندن کی لاش سے بیم گن کے اثرات ختم کرنا آسان نہیں تھا۔ چندن کے لیزر سے کٹے ہوئے گھٹنے سے اوپر، ران کا ایک حصہ الگ ہونے کے بعد ہی یہ ممکن تھا کہ اس واردات میں میرا نام ملوث کیے بغیر اسے رقیبانہ واردات کا نام دیا جاسکے۔ اس لاش پر بیم گن کے استعمال کا کوئی بھی نشان باقی رہ جاتا تو وہ یہ باور کرانے کے لیے کافی تھا کہ قتل میں میرا یعنی ڈینی کا ہاتھ تھا۔

"اور اب میں تمہیں ایک اور بات بتاؤں گا" میں نے قدرے توقف کے بعد سلسلہ کلام جاری رکھا "میں تھوڑی دیر بعد کسی پی سی او سے موٹے کو فون کروں گا۔"

"یہ غلطی نہ کرنا۔ وہ لوگ جدید ترین آلات کے مالک ہیں۔ تم پھنس سکتے ہو" اول خان کا اضطراری جواب آیا۔

"میں نے ہر نشیب و فراز پر غور کرلیا ہے۔ بھگوڑا اپنے گھر میں تھا۔ وہاں اسے ہر چیز میسر تھی۔ موٹا ہوٹل میں ہے۔ وہاں کچھ نہیں ہے۔"

"پھر بھی میں تمہیں فون کرنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

"یہ پرانی کال کا ایکشن ری پلے ہوگا۔ میں وہی نام استعمال کروں گا۔"

"اوہ!" ریسیور پر اس کی تحیر زدہ آواز سنائی دی "اس صورت میں صرف ایک کامیابی حاصل ہوسکتی ہے کہ وہ خائف ہوجائے گا۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ وہ ڈر کر یہاں سے بھاگ جائے۔ میں اسے کہیں نہیں بلاؤں گا۔ برے انجام سے ڈر کر فون بند کردوں گا۔"

"یہ اور بھی بہتر ہوگا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم اس سے آڑنے کا ارادہ کرچکے ہو۔"

"میں چاہتا ہوں کہ وہ فون سے خوف زدہ ہوکر ہوٹل سے نکلے تو کوئی پراسرار گاڑی اس کا پیچھا کررہی ہو۔ یہ دونوں واقعات یک جا ہوجانے کے بعد شاید دوبارہ اپنے ہوٹل کا رخ کرنے کی ہمت بھی نہ کرسکے۔"

"یہ بالکل درست حکمت عملی ہوگی۔" اول خان نے خوش دلی سے کہا۔

"تمہیں اس کے کمرے کا نمبر معلوم ہو تو بتادو ورنہ نام سے بھی کال مل جائے گی۔"

"روم نمبر مجھے نہیں معلوم۔ میں ذرا سی دیر میں فون کرکے تمہیں بتاتا ہوں۔"

"میں صرف دس منٹ انتظار کروں گا پھر گھر سے نکل جاؤں گا" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

"اب میں اپنے بدن میں حرارت سی محسوس کررہا ہوں" میں نے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دشمن کی پسپائی آسان نظر آنے لگے تو ہر لڑاکے کا دل بڑھ جاتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے" وہ بولی۔

"میری والہی تک تم ویرا کو اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتاؤگی" میں نے اسے تاکید کی۔

"آپ بے فکر رہیں۔ میری شامت نے دھکا نہیں دیا ہے جو میں اسے کچھ بتاؤں۔ وہ ہاتھ دھوکر میرے پیچھے پڑجائے گی کہ میں نے آپ کے جانے سے پہلے اسے پوری بات کیوں نہیں بتائی۔ میں نئی برباد گناہ لازم والا کوئی کام نہیں کرتی۔"

صرف پانچ منٹ بعد فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اول خان نے آئی جی سے لیری کے کمرے کا نمبر لے لیا تھا۔

ویسے تو کسی بھی ایجنسی کے نمائندے کے دل میں لیری کے لیے ہمدردی نہیں پائی گئی تھی مگر میں نے اندازہ لگایا کہ آئی جی ان لوگوں سے کچھ زیادہ ہی نالاں تھا۔ وہ ہر اس کام میں بھرپور تعاون کررہا تھا جو لیری اور اس کے ساتھیوں کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرسکے۔

اول خان سے بات ہوجانے کے بعد میرا گھر میں رکنا بے سود تھا۔ میرے بدن پر صبح والے کپڑے بدستور موجود تھے۔ مصروفیات کے تسلسل میں مجھے ان سے نجات حاصل کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ میں نے جوتے پہنے اور اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خواب گاہ سے باہر نکل آیا۔

باہر ویرا سلطان شاہ کے ساتھ اس طرح بیٹھی ہوئی تھی جیسے کسی راز و نیاز میں مصروف ہو۔ مجھے سر سے پیر تک تیار دیکھ کر اس نے طنز سے پوچھا "بڑی تیاری کے ساتھ نکلے ہو، کہاں کا ارادہ ہے؟"

"تم کو اس کی پروا نہیں ہونی چاہیے۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ باہر جا رہا ہوں۔"

"میں نے پہلے ہی بھانپ لیا تھا کہ تمہارا اس وقت کمرے میں گھسنا خالی از علت نہیں ہے۔ میں نے سلطان شاہ کو بتا دیا تھا کہ تم باہر آکر کوئی نیا گل کھلاؤ گے۔ مجھے بتاؤ کہ تمہارے کیا ارادے ہیں ورنہ میں تمہیں گھر سے باہر نہیں جانے دوں گی۔"

سلطان شاہ نے میرے الفاظ پر اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔ وہ اس وقت ایسے حلیے میں تھا کہ مزید کسی تیاری کے بغیر فوری طور پر میرے ساتھ روانہ ہو سکتا تھا۔ میں نے تیز نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا اور کہا "میرے پاس وقت کم ہے۔ بحث مت کرو۔ واپس آنے کے بعد بات ہو گی۔"

ویرا کی ضدیں اپنی جگہ پر تھیں لیکن وہ کام میں کبھی رخنہ اندازی نہیں کرتی تھی۔ اس وقت میرے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جس نے اسے یہ احساس دلا دیا کہ میرے پیش نظر کوئی اہم معاملہ تھا۔ اس نے منہ لٹکا کر کہا "واپسی پر میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔"

میں اس کا شکریہ ادا کر کے سرعت سے دروازے کی طرف ہو لیا۔ سلطان شاہ میرے پیچھے تھا۔

میرا گاڑی چلانے کا قطعی کوئی موڈ نہیں تھا۔ میں نے چابی سلطان شاہ کے حوالے کر دی۔

"میں بالکل خالی ہاتھ ہوں" اس نے اگنیشن میں چابی لگاتے ہوئے بتایا "کہو تو اندر سے ریوالور ساتھ لے لوں؟"

"ہم کسی چاند ماری میں حصہ لینے نہیں جا رہے جو ہتھیار کی ضرورت ہو۔ بس اب یہاں سے نکل کر ائرپورٹ کی طرف چل دو۔"

میرے رویّے سے سلطان شاہ بھی الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ اس نے انجن اسٹارٹ کر کے پوچھا "ائرپورٹ! وہاں کیا کام ہے؟"

"صرف ایک فون کرنے کے لیے میں یہ سارے پاپڑ بیل رہا ہوں۔ مجھے یک سو ہو کر کچھ سوچنے دو۔ بار بار سوال کر کے میرا دماغ مت چاٹو" میں نے ہلکی سی برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا اور اس نے چپ سادھ کر گاڑی باہر نکال لی۔

میں نے ائرپورٹ کا نام سمت کے تعین کے لیے لیا تھا لیکن گلشن اقبال سے راشد منہاس روڈ عبور کرنے تک ہمارا علاقہ تبدیل نہیں ہو سکا۔ راشد منہاس روڈ ختم ہونے کے بعد شارع فیصل تک ایسا کوئی بازار نہیں تھا جہاں پی سی او کی سہولت میسر ہو اور یوں ایک دور افتادہ پی سی او کی تلاش میں ہم ائرپورٹ کی حدود میں داخل ہو گئے جہاں لوگوں کی سہولت

دُنیا بھر میں پاکستانی اخبارات، رسائل اور کتابوں کے برآمد کنندگان

FAIR EXPORT HOUSE

اس کے علاوہ پاکستانی/ہندوستانی کیسٹ، سی ڈی، پاکستانی ٹی وی ڈرامے اور دیگر ثقافتی پروگراموں کے لیے بھی رابطہ کیجیے

FAIR EXPORT HOUSE
C-41, Block-B Gulshan-e-Jamal
Off, Rashid Minhas Road Karachi, Pakistan
Phone: (9221) 4574628- (9221) 4595462
Fax: (9221) 4595491-e-mail: fair@cyberaccess.com.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لیے جابجا فون بوتھ موجود تھے۔

ائرپورٹ کی پارکنگ لاٹ میں گاڑی مقفل کرنے کے بعد ہم دونوں ٹرمنل کی عمارت کی طرف چل دیے۔

"شاید اب تک تم نے ہر بات سوچ لی ہوگی" سلطان شاہ نے جھجکتے ہوئے اپنی زبان کھولی "کہیں تم لیری کو تو فون نہیں کررہے؟"

سلطان شاہ انتہائی دلیر شخص تھا مگر مجھے اس کی طرف سے ذہانت کے کسی غیر معمولی مظاہرے کی کبھی توقع نہیں رہی تھی۔ اس نے براہِ راست لیری کا نام لے کر مجھے حیران کردیا۔ میں نے کہا "میں اسی کو فون کروں گا مگر تم نے کیسے اندازہ لگالیا؟"

"تمہاری اور ویرا کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ تم کوئی ٹیڑھا کام کرنے کا ارادہ کرچکے ہو۔ میدان ہر طرف سے صاف ہے۔ چوپڑہ کا ابھی تک صرف نام ہی نام لے دے کر صرف لیری رہ جاتا ہے۔ تم نے فون کا ذکر کیا تو میرے ذہن میں جان اور ماجد کی لڑائی کا منظر گھوم گیا۔"

"بس!" میں نے اس کی بات کاٹ دی "اس وقت تمہارا دماغ ضرورت سے زیادہ کام کررہا ہے۔"

ائرپورٹ ٹرمنل کی عمارت میں نچلے فلور پر بین الاقوامی آمد والے حصے میں زیادہ بھیڑبھاڑ نہیں تھی۔ میں ایک خالی بوتھ میں گھس گیا۔ سلطان شاہ میرے قریب ہی کھڑا ہوگیا تاکہ میری یک طرفہ گفتگو سن سکے۔ ائرپورٹ پر ایک سے زیادہ افراد کا یوں بوتھ کے قریب جمع ہونا معیوب نہیں تھا۔ سلطان شاہ کی موجودگی سے فائدہ یہ تھا کہ اسے بوتھ خالی ہونے کا منتظر سمجھ کر کوئی غیر متعلقہ شخص ادھر کا رخ نہ کرتا اور میں آزادی سے اپنی بات مکمل کرلیتا۔

میں نے لیری کے ہوٹل کا نمبر ملا کر آپریٹر کو لیری کا نام اور کمرے کا نمبر بتایا۔ ریسیور پر چند ثانیوں کے لیے موسیقی کے سرگونجے پھر لیری کے کمرے میں فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ دو گھنٹیوں کے بعد ریسیور میں ہیلو کی بھاری آواز گونجی جو میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔

"لیری! تم کو یاد ہے کہ کراچی کے ایک ساحلی علاقے پر جان کے ساتھ کیا ہوا تھا؟" میں نے قدرے توقف کے بعد اس کے اعصاب کو شکستہ کرنے والا سوال کیا۔

"تت۔۔۔ تم کون ہو؟" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں ہکلا کر پوچھا۔

"میں تمہارا دوست نہیں ہوں۔ جان کے چلے جانے کے بعد اب تم میری زد میں ہو" میں نے سرد آواز میں کہا۔

"مگر کیوں؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" اس کی آواز میں خوف عود کر آیا۔

"تم بہت کچھ بگاڑنا چاہتے ہو۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم کو اب تک کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔۔۔"

"سنو، اگر تم ماجد نیمنی ہو تو تم کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ جان کے چلے جانے کے بعد میں تم کو بھول چکا ہوں۔" وہ میری بات کاٹ کر گڑگڑایا۔

ویرا کے قول کے عین مطابق لیری نے اپنے روایتی قومی کردار کا مظاہرہ کیا تھا۔ میری باتوں سے ڈر کر وہ بزدلانہ جھوٹ پر اتر آیا تھا۔ میں نے اسے پھٹکار دیا "یہ اچھا ہوا کہ تم نے خود ہی مجھے پہچان لیا۔ تم اول درجے کے جھوٹے ہو۔ مجھے تمہاری ہر سرگرمی کی اطلاعات مل رہی ہیں۔ یہ نہ بھولو کہ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ میں چاہتا تو جان کے بجائے سمندری کھاڑی سے اس کی لاش بھی برآمد ہوسکتی تھی مگر میں تمہارے خون سے اپنے ہاتھ گندے نہیں کرنا چاہتا۔"

"میں اپنے ہوٹل کے کمرے میں محصور ہوں۔ یقین کرو کہ میں تمہارے خلاف کچھ نہیں کررہا۔"

"یہ نہ سمجھنا کہ ہوٹل کے کمرے میں تم محفوظ ہو۔ جان اپنے قدموں سے چل کر میرے پاس آیا تھا۔ تم کو میرے آدمی اٹھا کر میرے سامنے لائیں گے پھر میں دیکھوں گا کہ تم کتنے پانی میں ہو۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں اپنی بات پوری کرکے اس کا جواب سنے بغیر فون بند کردیا۔

پہلے میرا خیال تھا کہ لیری میری دھمکیوں کے جواب میں کوئی باوقار رویّہ اختیار کرے گا اور اسے دہشت زدہ کرنے کے لیے مجھے اس پر خاصی محنت کرنی پڑے گی مگر وہ میری توقع سے کہیں زیادہ بودا ثابت ہوا۔ میرے پہلے فقرے کے جواب میں اس نے پسپائی اختیار کرلی تھی۔

"اتنی لمبی دوڑ لگانے کے بعد تم نے ذرا سی دیر میں فون بند کردیا۔ کچھ مزہ نہیں آیا۔" میرے باہر نکل آنے پر سلطان شاہ نے کہا۔

"مجھے خود بھی لطف نہیں آیا۔ میں نے اپنے ذہن میں خاصی لمبی گفتگو کی تیاری کی ہوئی تھی۔"

"اس کے بارے میں تمہارا کیا اندازہ ہے۔ یہاں رکا رہے گا یا بھاگ جائے گا۔"

"وہ رکنے والا نظر نہیں آتا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "مجھے اندیشہ ہے کہ دہشت سے اس کی پتلون گیلی نہ ہوگئی ہو۔"

"تم سے بات ہونے کے بعد اس کا ہوٹل میں رکنا محال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوجائے گا۔ اپنا بستر بوریا سمیٹ کر وہ قونصل خانے کا رخ کرے گا۔"

"میں خود بھی یہی چاہتا ہوں۔ وہ اپنے میرین کمانڈوز کے ساتھ نکلے گا تو ایک گاڑی اس کا پیچھا کرے گی۔ وہ مزید خوف زدہ ہوجائے گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے اول خان کی تجویز قبول کرلی تھی!" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"چلنے سے پہلے میں نے اپنے کمرے میں بند ہو کر اول خان سے یہی بات کی تھی۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے جواب دیا "اس کے دو آدمی اب تک ہوٹل کے باہر اپنے مورچے سنبھال چکے ہوں گے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے اسے یہاں سے بھگانے کا پورا بندوبست کرلیا ہے۔" اس نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"اپنی کھال بچانے کے لیے یہ مشق ناگزیر ہوگئی تھی۔ وہ یہاں بیٹھ کر میرے لیے مسائل پیدا کرنے کے موڈ میں آگیا تھا۔"

گھر سے نکل آنے کے بعد میں فوری طور پر واپس جانے کے بجائے کھلی فضا میں وقت گزارنا چاہ رہا تھا۔ سلطان شاہ نے کچھ دیر کے لیے کلفٹن کے ساحلی علاقے کی سیر کا مشورہ دیا اور گاڑی کا رخ تبدیل کردیا گیا۔

راستے میں ہم دونوں کے درمیان حالات پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ معاملات رفتہ رفتہ کچھ ایسا رخ اختیار کرتے جارہے تھے جو ہمارے لیے کسی طرح سود مند نہیں تھا۔

ہم دونوں نے کلفٹن کے ایک ساحلی ریستوران میں بیٹھ کر چائے پی اور تقریباً ایک گھنٹا گزارنے کے بعد وہاں سے واپس روانہ ہوگئے۔

ہم تھوڑی دور ہی نکلے ہوں گے کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میرا دھیان ویرا کی طرف گیا۔ شاید اس نے طویل انتظار سے اکتا کر مجھے فون پر تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے بٹن دبا کر کال وصول کی تو خلاف توقع دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا۔

"اس وقت دو اہم اور تازہ ترین خبریں ہیں۔" میری آواز سنتے ہی اول خان نے فون پر کسی تمہید کے بغیر اپنی بات شروع کردی "کراچی میں اس کوڑے دان کی ایک قریبی عمارت میں بم پھٹا ہے جہاں سے چندن کی لاش ملی تھی۔۔۔"

"اوہ!" اس بری خبر میں اپنے بے ساختہ ردِ عمل پر قابو نہیں پاسکا "یہ لوگ ایک بار پھر درندگی پر اتر آئے۔ دھماکے میں جانی نقصان ضرور ہوا ہوگا۔"

"ابھی کچھ علم نہیں۔ یہ واقعہ چند منٹ پہلے پیش آیا ہے۔ ابھی میرے آدمی معلومات جمع کررہے ہیں۔۔۔"

"اور دوسری خبر کیا ہے؟" میں نے بے صبری سے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"لیری کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ اسے تھوڑی دیر پہلے سخت حفاظتی انتظامات میں ہوٹل سے دل کے اسپتال میں لے جایا گیا ہے۔"

وہ اہم خبر تھی مگر دھماکے کی اطلاع نے اس کی اہمیت کو بہت زیادہ گھٹا دیا تھا۔

ہم نے لیری کو ہاتھ نہ لگانے کا فیصلہ کرلیا تھا لیکن وہ ناگہانی طور پر مکافاتِ عمل کا شکار ہوچکا تھا۔ غالب امکان یہی تھا کہ موت کی دہشت نے اس کے دل کی دھڑکنوں کو بے ربط کردیا ہوگا۔

"اس کی بھی خیر خبر رکھو اور کوئی نئی بات معلوم ہو تو مجھے موبائل پر بتادو۔" میں نے فون پر کہا "میں اس وقت کلفٹن کے علاقے سے گزر رہا ہوں۔ ٹریفک کی بھیڑ کی وجہ سے مجھے گھر پہنچنے میں دیر ہوسکتی ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔ میرے آدمی دونوں جگہ مامور ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ تم سے بات ہوتے ہی اسے دورہ پڑا تھا مگر وہ اپنے کمرے میں بے یارومددگار پڑا رہا۔ شاید اسے اسپتال لے جانے میں دیر ہوچکی ہے۔"

وہ اول خان کی خوش گمانی تھی۔ حقیقت کا علم کچھ دیر بعد ہی ہوسکتا تھا۔

وہ دونوں خبریں اول خان کی طرف سے آئی تھیں اس لیے ان کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ سلطان شاہ میری اور اول خان کی گفتگو کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھا۔ میں نے بھاری دل کے ساتھ اسے وہ دونوں خبریں سنادیں۔

تکلیف دہ

"کل رات میری لکڑی کی ٹانگ میرے لیے بڑی تکلیف کا باعث بنی۔"

"لکڑی کی ٹانگ بھلا تکلیف کا باعث کیسے بن سکتی ہے؟"

"میری بیوی نے وہ میرے سر پر دے ماری تھی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ دھماکا صاف بتا رہا تھا کہ اس میں را والوں کا ہاتھ ہے۔" سلطان شاہ نے غصیلی آواز میں کہا "مجھے پہلے ہی ڈر تھا کہ مار کھانے کے بعد وہ کوئی نہ کوئی گندی حرکت کر گزریں گے۔"

"یہ دھماکا ایک دو روز بعد ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ چندن کے قتل کے نتیجے میں دہشت گردی کی گئی ہے۔ ایسے واقعات اضطراری طور پر رونما نہیں ہوتے۔ ان کی پہلے سے منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔" میں نے سلطان شاہ کو وہ اہم نکتہ سمجھانے کی کوشش کی "اول خان سے بری خبر سننے کے بعد میرے ذہن میں بھی یہی خیال آیا تھا کہ را والوں چندن کے قتل پر جوابی کارروائی کی ہے مگر ذرا سے تجزیے کے بعد مجھے اپنا خیال بدلنا پڑا۔ وہ کئی روز پہلے سے اس دھماکے کی تیاریاں کر رہے ہوں گے۔"

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔ یہ دلیل بہت وزنی ہے لیکن یہ بتاؤ کہ انہوں نے دھماکے کے لیے اسی علاقے کا انتخاب کیوں کیا جہاں سے آج صبح چندن کی لاش ملی ہے۔"

"یہ ایک اتفاق ہے۔" میں نے پورے یقین سے کہا "سوچنے کی بات یہ ہے کہ چندن کی لاش ملنے کے بعد وہ علاقہ پولیس اور دوسرے تفتیشی اداروں کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا ہوگا۔ آس پاس کی رہائشی اور دفتری عمارتوں کے مکین بھی خوف زدہ ہو کر چوکنا ہو گئے ہوں گے۔ ایسے میں را کے کسی ایجنٹ کو وہاں گھس کر بم نصب کرنے کے لیے بڑا دل گردہ درکار تھا۔ لوگ کسی بھی مشتبہ شخص کو بہت آسانی سے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیتے۔"

"اوہو۔ تمہاری اس بات کا مطلب یہ ہوا کہ بم کل شام یا رات کو ہی نصب کیا جا چکا تھا۔ آج وہ اپنے مقررہ وقت پر پھٹ گیا۔" وہ حیرت سے بولا۔

"حالات اسی سمت میں رہنمائی کر رہے ہیں۔" میں نے تشویش سے کہا "یہ را والوں کی بے مقصد دہشت گردی ہے۔ پتا نہیں اس سے وہ کیا نتیجہ حاصل کرنا چاہ رہے تھے۔"

"تمہارے اندازے اکثر درست ثابت ہوتے ہیں۔ اگر اس خون آشام دھماکے کا چندن کے قتل سے کوئی تعلق نہیں ہے تو میں خود کو بہت ہلکا محسوس کروں گا۔ تمہارے منہ سے یہ خبر سن کر دل میں یہ مجرمانہ احساس جاگ اٹھا تھا کہ ہم نے چندن کو مار کر را والوں کو جوابی دہشت گردی پر اکسایا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میرا خیال غلط تھا۔ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ را کے بھیڑیے کسی وجہ کے بغیر ہی معصوم شہریوں کے خون کی ہولی کھیل سکتے ہیں۔"

"یہ میرا خیال ہے۔ آنے والے چند گھنٹوں میں اس کی تائید ہو جائے گی۔ ہمارے لیے اطلاعات کے دوسرے ذرائع سے کہیں زیادہ ایس ٹی ایف والے کارآمد ثابت ہوں گے۔"

"تو کیا وہ دھماکے والے مقام پر موجود ہیں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"اول خان کو ان ہی سے خبر ملی ہے۔ اس کے دو آدمی لیری کے پیچھے بھی لگے ہوئے ہیں۔"

"لیری والی خبر عبرت ناک ہے۔ ہم نے اسے چھوڑ دیا لیکن قدرت کی مار سے وہ نہیں بچ سکا۔"

"دل کے دورے میں بروقت طبی امداد کی اولین ضرورت ہوتی ہے۔ اول خان کا خیال ہے کہ وہ کافی دیر تک ہوٹل کے بند کمرے میں پڑا تڑپتا رہا ہے۔ اسے اسپتال لے جانے میں خاصی تاخیر ہوئی ہے۔"

"کاش ایسا ہی ہوا ہو۔" سلطان شاہ نے حسرت سے کہا "جب تک دشمن اپنے کیفر کردار کو نہ پہنچے، دل کو چین نہیں ملتا۔ میں جب بھی جان کے بارے میں سوچتا ہوں، میرے دل میں ایک خلش سی پیدا ہو جاتی ہے۔"

"دعا کرو۔ تمہاری یہ خلش بھی شاید دور ہو جائے۔" میں نے سنجیدگی سے اسے مشورہ دیا۔

اس نے خاموش ہو کر گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔

"گاڑی گھر کے بجائے صدر کی طرف لے لینا۔" میں نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اسے ہدایت دی "ہم اس طرف آئے ہوئے ہیں تو ذرا اپنی نظروں سے ان کی بربریت کا جائزہ لے ڈالیں۔"

سلطان شاہ سر ہلا کر رہ گیا "اس اندوہناک بم دھماکے کے بارے میں اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی دوبارہ بجنے لگی۔ اس بار ویرا بول رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ جلال اسلام آباد سے دوبارہ میرے لیے فون کر چکا تھا۔

میں نے ویرا کا مختصر پیغام سن کر فون بند کر دیا۔ میری گمبھیر آواز سن کر ویرا نے بھی بات بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ موقع محل کا اندازہ لگا کر ہی وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی تھی۔ کام کے وقت اسے کام کے سوا کچھ اور نہیں سوجھتا تھا۔

مجھے جلال کے دفتر کا فون نمبر زبانی یاد تھا۔ میں نے موبائل فون پر وہ نمبر ملانا شروع کر دیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk